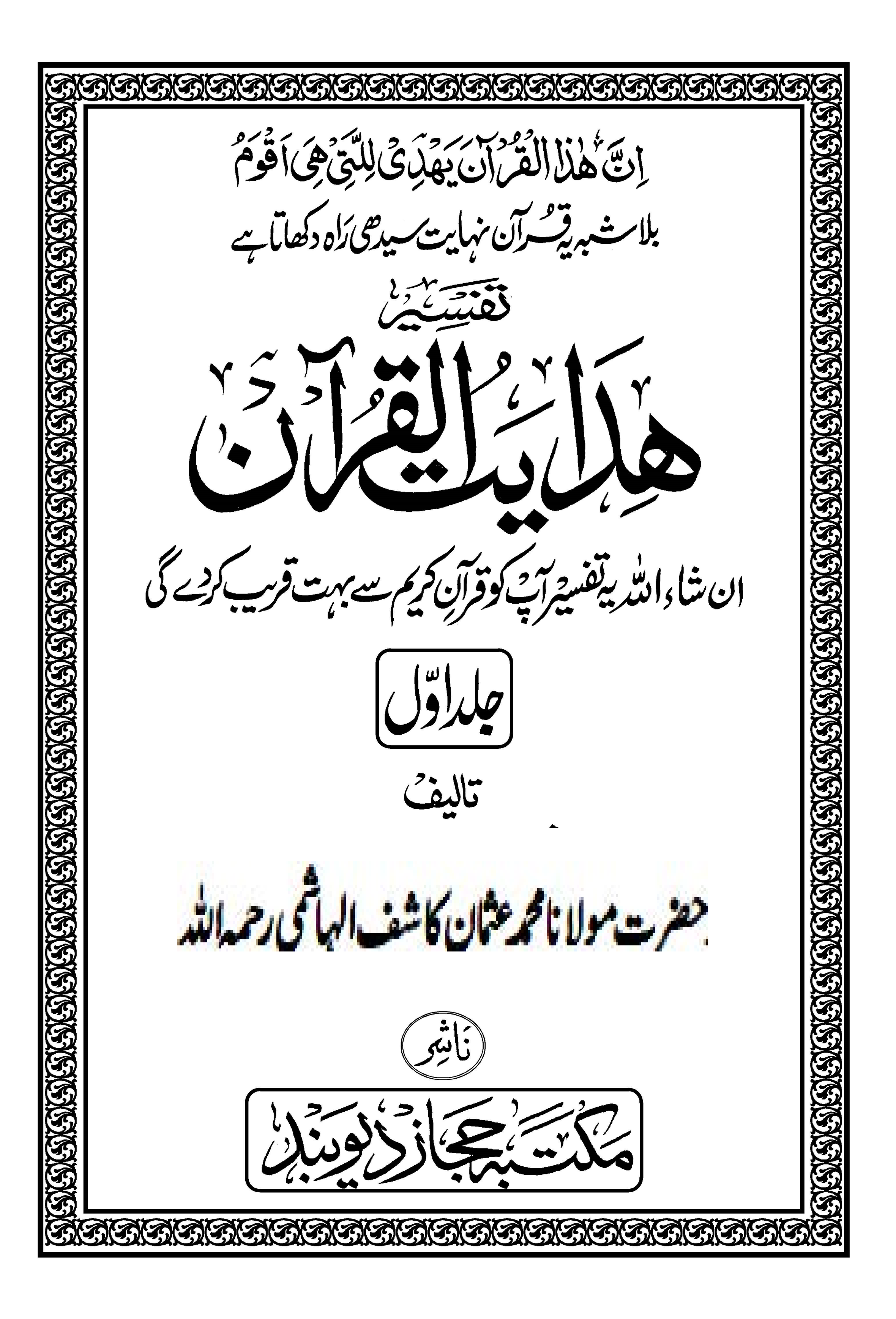


إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ

بلاشبہ یہ قرآن نہایت سیدھی راہ دکھاتا ہے

تفسیر

هِدایتُ القرآن

ان شاء اللہ یہ تفسیر آپ کو قرآنِ کریم سے بہت قریب کردے گی

جلد اوّل

تالیف

حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

تفصیلات

نام کتاب : ہدایت القرآن جلد اول

تالیف : حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

تاریخ طباعت : باراول ذوالقعدہ ۱۴۳۸ہجری مطابق اگست ۲۰۱۷عیسوی

کاتب : مولوی حسن احمد پالن پوری فاضل دار العلوم دیوبند 09997658227

پریس : ایچ، ایس پرنٹرس، ۱۴۷،چاندی محل، دریا گنج دہلی (011-23244240)

ملحوظہ: یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں مکمل ہے، شروع کی تین جلدیں اور پارۂ عم حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمہ اللہ کی لکھی ہوئی بھی ہیں، پارۂ عم جو آٹھویں جلد میں شامل ہے وہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نے بھی لکھا ہے، اب شروع کی تین جلدیں بھی حضرت لکھ رہے ہیں کیونکہ ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است!
یہ پہلی جلد ہے، آگے کی دو جلدیں حضرت اور لکھیں گے، مولانا کاشف رحمہ اللہ کی تفسیر بھی مل سکتی ہے اور یہ جلد بھی۔

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند ضلع سہارن پور۔(یو،پی)

فہرست مضامین

سورۃ الفاتحہ

سورۃ البقرۃ

توحید کا بیان

رسالت کا بیان

آخرت کا بیان

آدم علیہ السلام کی خلافتِ ارضی

اہل کتاب اور مشرکین کے مسلمانوں کے ساتھ معاملات

جہاد کا بیان

رسالت کا بیان

آخرت کا بیان

توحید کا بیان (آیت الکرسی کی تفسیر)

جہاد میں خرچ کرنے کا تفصیلی تذکرہ

عام انفاق کا بیان

انفاقات کی تفصیل

سود کی حرمت کا بیان

دستاویز لکھنے کا بیان

سورۃ آلِ عمران

غزوۂ احد کا بیان

دنیا وآخرت میں کامیابی کے چار گر ۱- سختیوں میں باہمت رہنا ۲- مقابلہ میں ثابت قدمی دکھانا۔

سورۃ النساء

احکامِ میراث

فہرست مضامین

بقیہ سورۃ النساء

سورۃ المائدۃ

سورۃ الانعام

سورۃ الاعراف

سورۃ النبأ

سورۃ النازعات

سورۃ عبس

سورۃ التکویر

سورۃ الانفطار

سورۃ التطفیف

سورۃ الانشقاق

سورۃ البروج

سورۃ الطارق

سورۃ الاعلیٰ

سورۃ الغاشیہ

سورۃ الفجر

سورۃ البلد

سورۃ الشّمس

سورۃ اللیل

سورۃ الضحیٰ

سورۃ الانشراح

سورۃ التین

سورۃ العلق

سورۃ القدر

سورۃ البینۃ

سورۃ الماعون

سورۃ الکوثر

سورۃ الکافرون

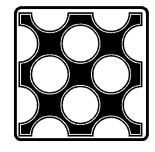
سورۃ النصر

سورۃ اللہب

سورۃ الاخلاص

سورۃ الفلق

سورۃ الناس



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے

سورۃ النساء کی (آیت ۸۲) ہے: ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭوَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾: پس کیا لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بکثرت تفاوت پاتے! یعنی وہ ایک نہج پر نہ ہوتا۔ اختلاف کے معنی تعارض اور تضاد کے نہیں ہیں، تعارض تو انسانوں کی کتابوں میں بھی عام طور پر نہیں ہوتا، بلکہ اختلاف بمعنی تفاوت ہے، یعنی اگر یہ غیر اللہ کا کلام ہوتا تو ایک نہج اور ایک انداز پر نہ ہوتا، کہیں ایجاز ہوتا کہیں اطناب، کہیں اجمال ہوتا کہیں تفصیل، جبکہ قرآن میں بنیادی عقائد: توحید، رسالت اور آخرت کا بیان بار بار آیا ہے، مگر کسی جگہ تکرار محسوس نہیں ہوتا، ہر جگہ نیا انداز ہے، مفصل اور واضح ہے، جبکہ قرآن ۲۳ سال میں نازل ہوا ہے، اور انسان احوال سے متاثر ہوتا ہے، لمبے عرصہ تک ایک حال پر نہیں رہ سکتا، اور پورے قرآن کا ایک انداز ہے، یہ دلیل ہے کہ یہ اس ہستی کا کلام ہے جس پر احوال اثر انداز نہیں ہوتے۔

علاوہ ازیں: قرآن میں متعدد ایسی خصوصیات ہیں جو اس کے کلام الٰہی ہونے کی واضح دلیلیں ہیں۔ مثلاً:

۱- اتنی بڑی کتاب ایک عجمی بچہ بے سمجھے آٹھ دس سال کی عمر میں حفظ (زبانی یاد) کر لیتا ہے، اور اس طرح پڑھتا ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سمجھے بغیر پڑھ رہا ہے، اس کی کوئی دوسری مثال دنیا پیش نہیں کر سکتی۔

۲- پورا قرآن ترنم سے (گا کر) پڑھا جا سکتا ہے، جب وہ خوبصورت آواز سے پڑھا جاتا ہے تو پڑھنے والا اور سننے والے خوب محظوظ ہوتے ہیں، اگرچہ وہ عربی نہ جانتے ہوں، نثر میں ایسی کوئی کتاب نہیں جس کو ترنم سے پڑھا جا سکے، ہاں لہجہ سے پڑھ سکتے ہیں، اور شاعری میں حلاوت و مٹھاس ہوتی ہے اور اس کو ترنم سے بھی پڑھا جا سکتا ہے، مگر وہ اوزان اور قافیوں کی مرہونِ منت ہوتی ہے، نثر میں ایک دو جملے تو ایسے ہو سکتے ہیں، مگر ایک بڑی کتاب میں یہ بات ممکن نہیں!

۳- فصاحت و بلاغت میں بھی قرآن کے ہم پلہ کوئی کتاب نہیں، فصاحت: مانوس لفظ کو برمحل استعمال کرنا ہے، آج چودہ صدیاں گذر چکی ہیں مگر قرآن کا کوئی لفظ متروک نہیں ہوا، نہ اس کو دوسرے لفظ سے بدلا جا سکتا ہے۔ اور بلاغت: کے معنی ہیں: برمحل بات کہنا، قرآن کریم کے مضامین باہم نہایت مربوط ہیں، کوئی مضمون بے محل اور بے موقع نہیں، آپ یہ تفسیر اس نقطۂ نظر سے پڑھیں، مضمون کو قابو میں لانے کے لئے میں نے عناوین بھی بڑھائے ہیں، امید ہے کہ اس سے قارئین کرام کو فائدہ پہنچے گا۔ **وما ذٰلك على الله بعزيز!**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اب آپ کیا کریں گے؟

یہ سوال ان دوستوں کے ذہن میں ضرور کھلبلی مچائے گا جو میری کتابیں پڑھتے تو کم ہیں، مگر جب کوئی کتاب چھپتی ہے تو بے تاب ہوکر پوچھتے ہیں: اگلی کتاب/ جلد کب آئے گی؟ ان سے عرض ہے کہ اب میں شروع سے تفسیر لکھونگا، اور اگر وہ کہیں کہ شروع کا حصہ حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمہ اللہ لکھ چکے ہیں تو جواب یہ ہے کہ انھوں نے تیسویں پارے کی تفسیر بھی لکھی ہے، تاہم میں نے اس کو دوبارہ لکھا ہے، کیونکہ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است! آپ دونوں کو ملا کر پڑھیں تو فرق ظاہر ہوگا۔

ماضی میں عربی، اردو اور فارسی میں بے شمار تفسیریں لکھی گئی ہیں، اور حال میں دارالعلوم دیوبند کے دو اساتذہ نے آخری منزل کی تفسیریں لکھی ہیں، مولانا حسین احمد صاحب ہردواری نے تدریسِ قرآن کے نام سے اور مولانا مزمل حسین مظفرنگری نے دروسِ قرآن کے نام سے بہترین کام کیا ہے۔

علاوہ ازیں: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب زید مجدہم نے آسان تفسیر کے نام سے، اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم نے آسان ترجمہ قرآن (توضیح القرآن) کے نام سے، اور حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی زید مجدہم نے آخری وحی کے نام سے، اور حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی زید مجدہم نے آسان معانی قرآن کے نام سے کام کیا ہے، اور سب نے بہترین کام کیا ہے، امت کو ان سے خوب فائدہ پہنچ رہا ہے، ایسی صورت میں اگر ایک لنگڑا بیل بھی اس راہ پر گامزن ہوجائے تو کیا حرج ہے؟ وہ بھی قافلہ کے ساتھ منزل تک پہنچ جائے گا۔

میں نے تفسیر ہدایت القرآن دسویں پارے سے لکھنی شروع کی ہے، اس وقت میری استعداد بہت ناقص تھی، زبان بھی اچھی نہیں تھی، اب بھی فائق نہیں، مگر چالیس قبل کی بہ نسبت غنیمت ہے، اس لئے ارادہ ہے کہ تاحیات اسی خدمت میں لگا رہوں، شروع کے نو پارے ہی نہیں، پارہ چودہ تک دوبارہ لکھوں، حضرت مولانا کاشف الہاشمی رحمہ اللہ کا لکھا ہوا حصہ بھی چھپتا رہے گا، وہ بھی عام لوگوں کے لئے بہت مفید ہے، اور میں جو کچھ لکھونگا وہ بھی شاید کسی کو پسند آجائے تو بیڑا کنارے لگ جائے، **وَما ذلك على الله بعزيز**! ایسا اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں!

تنبیہ (۱): میری لکھی ہوئی تفسیر میں سورتوں، آیتوں اور آیتوں کے اجزاء میں ارتباط کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے، قارئینِ کرام اس کی طرف خاص طور پر توجہ فرمائیں۔

تنبیہ (۲): نص فہمی کے یقینی طریقے چار ہیں: عبارت النص، دلالت النص، اشارت النص اور اقتضاء النص سے استدلال کرنا، میں نے عبارت النص پیش نظر رکھی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب

الحمد لله الذی بتوفيقه تتم الصالحات، والصلاة والسلام على سيد الكائنات، وعلى آله وصحبه زبدة الموجودات، أما بعد:

کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ آپ نے یہ تفسیر کیوں لکھی؟ عربی، فارسی اور اردو میں تفسیروں کی کمی نہیں، پھر آپ نے دخل در معقولات کیوں کیا؟ جواب: میں نے تفسیر نہیں لکھی، مجھ سے لکھوائی گئی ہے! اگر مجھ سے نہ لکھوائی جاتی تو شاید میں ہمت نہ کرتا، من آنم کہ من دانم!

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آج سے پچاس سال پہلے جب میں **دارالعلوم دیوبند** میں طالب علم تھا: حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمہ اللہ نے ہدایت القرآن شروع کی تھی، انھوں نے پہلے آخری پارہ لکھا، وہ مقبول ہوا تو انھوں نے شروع سے لکھنا شروع کیا، بیس سال میں نو پارے لکھے اور چھاپے، خود ہی چھاپتے تھے اور خود ہی خریداروں کو بھیجتے تھے، پھر مہینوں آرام کرتے تھے، پھر اگلا پارہ لکھتے تھے۔

۱۹۷۴ء میں جب میں **دارالعلوم دیوبند** میں مدرس ہوکر آیا تو مکتبہ حجاز کے مالک میرے ساتھی جناب مولانا قاضی محمد انوار صاحب تھے، مولانا کاشف صاحبؒ لکھتے تھے اور قاضی صاحب چھاپتے تھے، انھوں نے مکتبہ حجاز خرید لیا تھا، اور مولانا کاشف صاحب مدرسہ اصغریہ میں مدرس ہوگئے تھے، مگر وہ اتنی دیر میں پارہ لکھتے تھے کہ قاضی صاحب کا نقصان ہوتا تھا، خریدار ٹوٹ جاتے تھے۔

جب میں مدرس ہوکر آیا تو قاضی صاحب نے دوستی کے ناتے اصرار کیا کہ میں تفسیر لکھوں اور وہ چھاپیں، میں لکھنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا، مگر وہ شب وروز اصرار کرتے رہے پس میں نے قلم پکڑا اور دسواں پارہ لکھا، جب وہ مولانا کاشف صاحب رحمہ اللہ کو پہنچا تو انھوں نے پڑھ کر تبصرہ کیا: "پیوند کچھ برا تو نہیں!" اس سے ہمت بڑھی۔

پھر میں وقفہ وقفہ سے لکھتا رہا، استعداد بھی ناقص تھی اور زبان بھی پھس پھسی تھی، جب قاضی صاحب سر ہوجاتے تو لکھتا، پھر جب پارہ چھپتا تو میں سوجاتا، تا آنکہ ایک سال بارش بہت ہوئی اور قاضی صاحب کے گھر کا ایک حصہ گر گیا، ان کو مرمت کے لئے پیسوں کی ضرورت تھی اور ہاتھ تنگ تھا، انھوں نے اصرار کیا کہ میں مکتبہ حجاز خرید لوں، میں نے خیال کیا

کہ جب مکتبہ میرا ہوجائے گا تو کام میں تیزی آئے گی، مگر معاملہ برعکس ہوا، مزید سستی پیدا ہوگئی، بلکہ پارہ اٹھارہ آدھا لکھنے کے بعد کام بالکل ہی رک گیا، میں دوسرے کاموں میں لگ گیا، مگر تفسیر کی تکمیل کا فکر ہمیشہ سوار رہا۔

ایک خواب: جس زمانہ میں میں خود وقفہ وقفہ سے تفسیر لکھتا تھا اور چھاپتا تھا: ایک سال فیملی کے ساتھ عید الاضحیٰ کی تعطیل میں وطن گیا، اور مئو کے ایک طالب علم مولوی فیاض سلمہ کو مکان سونپ گیا، وہ اب بڑے عالم ہیں، وہ میری بیٹھک میں لیٹے تھے، انھوں نے خواب دیکھا: نبی ﷺ میری جگہ تشریف فرما ہیں، طلبہ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں، آپؐ نے طلبہ سے فرمایا: ''سعید سے کہنا.......... پوری کرے'' ان کی آنکھ کھل گئی، وہ بھول گئے کونسی کتاب پوری کرنے کے لئے فرمایا تھا، مگر میں اس زمانہ میں ہدایت القرآن کا کوئی پارہ لکھ رہا تھا۔

دوسرا خواب: پھر ایک عرصہ کے بعد سہارن پور سے کسی خاتون کا خط آیا، وہ لڑکیوں کا مدرسہ چلاتی ہیں، انھوں نے خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا اور پوچھا کہ وہ طالبات کو کیا پڑھائیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہدایت القرآن پڑھاؤ'' ——— اس کے باوجود میری ناقص استعداد مانع بنی رہی اور کام میں کوئی تیزی نہیں آئی۔

پھر اتفاق یہ ہوا کہ ۱۴۱۸ھ میں تکمیلِ علوم کے طلبہ نے پورے سال کی حجۃ اللہ البالغہ کی تقریر ٹیپ کی، اور کاغذ پر منتقل کر کے مجھے دی کہ میں اس پر نظر ثانی کروں، چنانچہ ۱۴۱۹ھ میں جب سبق شروع ہوا تو میں نے اس تقریر پر نظر ثانی شروع کی، مگر وہ تقریر چوتھے مبحث پر ختم ہوگئی، کیونکہ درس میں کتاب اتنی ہی پڑھائی جاتی تھی، اس لئے مجبوراً کام آگے بڑھانا پڑا، اور ۱۹؍ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ کو حجۃ اللہ البالغہ کی شرح رحمۃ اللہ الواسعہ پانچ ضخیم جلدوں میں پوری ہوئی، اس عرصہ میں تفسیر کا کوئی پارہ نہیں لکھ سکا۔

پھر تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی کا کام شروع ہوگیا، یہ شرح آٹھ جلدوں میں شعبان ۱۴۳۰ھ میں تکمیل پذیر ہوئی، پھر فوراً تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری کا کام شروع ہوگیا، یہ شرح بارہ جلدوں میں جمادی الاخری ۱۴۳۶ھ میں پوری ہوئی، پھر بلا توقف تفسیر شروع کی اور ۱۴۳۷ھ کے ختم تک سورۃ النور سے آخر تک تفسیر مکمل کی، اب شروع سے لکھنا شروع کیا ہے، شروع کا حصہ اگرچہ مولانا کاشف الہاشمی قدس سرہ لکھ چکے ہیں، اور وہ مطبوعہ اور مقبول بھی ہے، اور اس کو میں ہی چھاپ رہا ہوں اور چھپتا رہے گا، تاہم میں بھی لکھ رہا ہوں، میرے دل پر اس کا شدید تقاضا ہے، اسی کو میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے تفسیر لکھی نہیں، مجھ سے لکھوائی گئی!

۞ ۞ ۞

حضرت مولانا کاشف الہاشمی رحمہ اللہ عوام کو پیش نظر رکھ کر تفسیر لکھتے تھے، اس لئے اس میں وعظ ونصیحت کے مضامین کا غلبہ ہوتا تھا، میں نے بھی شروع میں یہ بات پیشِ نظر رکھی تھی، اور ساتھ ہی قرآنِ کریم کی تفہیم بھی ملحوظ رکھی تھی، اور آیات

اورآیات کے مشمولات میں ارتباط کا بھی خیال رکھا تھا، پھر جلد ہفتم سے عنوانات بھی بڑھائے ہیں، اس لئے میری لکھی ہوئی تفسیر کی عبارت تو اسی طرح آسان ہے مگر مضامین ذرا بلند ہیں، چنانچہ مولانا رحمہ اللہ کی تفسیر عوام کے لئے بہت مفید ہے، اور میری لکھی ہوئی تفسیر خواص کے لئے خاصہ کی چیز ہے، اس میں مشکل الفاظ کے معانی حاشیہ میں دیئے ہیں، اور ضرورت کی جگہ ترکیب کی طرف بھی اشارے کئے ہیں، جس سے خواص استفادہ کرسکتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

جاننا چاہئے کہ آیاتِ پاک میں اورآیات کے اجزاء میں ربط وتعلق ہے یا نہیں؟ اس میں ہمیشہ دورائیں رہی ہیں:

ایک رائے: یہ ہے کہ ارتباط نہیں ہے، جو بات بندوں کی مصلحت کی ہوتی ہے وہ بیان کی جاتی ہے، یہ لوگ اس کی مثال دیتے ہیں: باپ بیٹا ساتھ کھارہے ہیں، باپ بیٹے کو سمجھا رہا ہے کہ تعلیم میں دلچسپی لینی چاہئے، اس کے یہ اور یہ فائدے ہیں، اچانک باپ نے دیکھا کہ بیٹے نے بڑا سالقمہ منہ میں رکھا، اس نے سلسلۂ کلام روک کر سمجھانا شروع کیا کہ بڑا لقمہ نہیں لینا چاہئے، وہ اچھی طرح نہیں چبے گا، اور اچھی طرح ہضم نہیں ہوگا، پھر سابقہ نصیحت شروع کی، تو کلام میں بے ربطی ہوگی، مگر بیٹے کی مصلحت کا یہی تقاضا ہے۔

دوسری رائے: یہ ہے کہ آیات میں اورآیات کے اجزاء میں نہ صرف ربط ہے، بلکہ غایتِ ارتباط ہے، اس لئے کہ حکیم کا کلام بے ربط نہیں ہوسکتا، اور اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہیں ان کا کلام بے ربط کیسے ہوسکتا ہے؟ ترتیبِ نزولی میں تو پہلی بات صحیح ہوسکتی ہے، مگر لوحِ محفوظ کی ترتیب میں بے ربطی نہیں ہوسکتی، اس لئے یہی رائے صحیح ہے، اسی لئے مفسرین عظام نے ہر زمانہ میں ربط بیان کیا ہے، اور متعدد محنتیں وجود میں آئی ہیں، بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، میں نے بھی تفسیر میں ٹوٹی پھوٹی محنت کی ہے، شاید کسی کو پسند آئے، البتہ آمد اور آورد میں فرق ہے، باہر سے ربط داخل کرنا آورد ہے اورآیات سے ربط نکالنا آمد ہے، میں نے کوشش کی ہے کہ ربط آیات ہی سے نکلے، باہر سے داخل نہ کیا جائے۔ چنانچہ میں نے عبارت النص پیش نظر رکھ کر تفسیر کی ہے، باقی تین استدلالات فائدے کی صورت میں بیان کئے ہیں۔

❁ ❁ ❁

نص فہمی کے مفید یقین طریقے صرف چار ہیں:

۱۔عبارۃ النص سے استدلال: جب کوئی شخص گفتگو کرتا ہے تو کسی نہ کسی مضمون کی ادائیگی مقصود ہوتی ہے، یہ مقصدی مضمون اور مرکزی نقطۂ نظر: عبارت میں پائی جانے والی دوسری باتوں سے یقیناً زیادہ اہم ہوتا ہے، اسی کو اصطلاح میں عبارۃ النص کہتے ہیں، جیسے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ سے حمد باری مقصود ہے، اسی معنی کی ادائیگی کے لئے

عبارت لائی گئی ہے۔

۲-اشارۃ النص سے استدلال: یعنی عبارت ایک معنی کے لئے نہیں لائی گئی، لیکن الفاظ اپنے لغوی معنی یا عرفی مراد یا لازمی معنی کے طور پر کسی بات پر دلالت کرتے ہیں، اور وہ بات متکلم کے مقصد کے خلاف بھی نہیں تو یہ اشارۃ النص سے استدلال ہے، جیسے مذکورہ آیت سے توحید الوہیت اور توحید ربوبیت پر استدلال کرنا اشارۃ النص سے استدلال ہے۔

۳-دلالۃ النص سے استدلال: یعنی ایک بات نص کے ترجمۂ لغوی سے تو ثابت نہیں ہوتی، مگر ترجمۂ لغوی سے بدرجۂ اولیٰ اس کو سمجھا جاسکتا ہے، اس کو دلالۃ النص سے استدلال کرنا کہتے ہیں، جیسے: ﴿ وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ ﴾: بوڑھے والدین سے اف مت کہو، اس سے معلوم ہوا کہ سب وشتم اور ضرب بدرجہ اولیٰ ممنوع ہیں، کیونکہ ان سے اف کہنے سے زیادہ تکلیف پہنچتی ہے۔

۴-اقتضاء النص سے استدلال: یعنی نص میں جو بات کہی گئی ہے، اس کا صحیح ہونا یا اس پر عمل کرنا عقلاً یا شرعاً کسی امر زائد کے مان لینے پر موقوف ہو تو اس امر زائد کو مقدر ماننا اقتضاء النص سے استدال کرنا کہلاتا ہے، جیسے حدیث میں ہے: رُفع عن أمتي الخطأ والنسیان: میری امت سے بھول چوک اٹھادی گئی ہے، حالانکہ امت سے بھول چوک ہوتی ہے، اس لئے عقلاً وشرعاً تصحیح کلام کے لئے ضروری ہے کہ 'گناہ' مقدر مانا جائے یعنی بھول سے کوئی شخص کوئی کام کرے یا چوک جائے اور کوئی کام کرلے تو اس کا گناہ نہیں ہوگا، رہا احکام کا مرتّب ہونا تو وہ دوسری بات ہے۔

ان کے علاوہ اخذ واستنباط کے اور طریقے بھی ہیں، جیسے مفہوم مخالف سے استدلال کرنا، مگر وہ صدفی صد صحیح نتیجہ نہیں دیتے، اس لئے احناف نے ان کا نصوص میں اعتبار نہیں کیا، اور اصولِ فقہ کی کتابوں میں ان کو وجوہِ فاسدہ کے عنوان سے بیان کیا ہے، میں نے تفسیر میں عبارت النص ہی کو پیشِ نظر رکھا ہے، اس لئے ارتباط خود بخود نکل آتا ہے۔

❁ ❁ ❁

ایک خاص بات یہ ہے کہ عربی تفسیروں میں نص قرآنی کو علمائے نحو کے مرتب کردہ قوانین کے تابع کیا جاتا ہے، جبکہ ان میں بعض قواعد میں اختلاف بھی ہے۔ مفسرین اس کی رعایت سے ترکیبی احتمالات بیان کرتے ہیں، مگر ہمارے اکابر ایسے احتمالات بیان نہیں کرتے، اس لئے کہ نحو کے قواعد زبان سے اخذ کئے گئے ہیں، اور بعض قواعد میں ائمہ نحو میں اختلاف بھی ہے، اس لئے اللہ کے کلام کو ان قواعد کے تابع نہیں کرنا چاہئے، سیاقِ کلام سے جو ترکیب ہم آہنگ ہو وہ متعین ہے اور اسی کو پیشِ نظر رکھ کر مرادِ خداوندی بیان کرنی چاہئے۔

یہ چند ضروری باتیں تھیں جو عرض کی گئیں، ان کے علاوہ علوم قرآنی کے موضوع پر علمائے کرام بہت کچھ لکھ چکے ہیں، ان سے استفادہ کیا جائے۔

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

اللہ کی پناہ مانگتا ہوں مردود شیطان سے!

قاعدہ: مستعاذ بہ (جس کی پناہ چاہی گئی) پر باء اور ترجمہ میں 'کی' آتا ہے، اور مستعاذ منہ (جس سے پناہ چاہی گئی) پر مِنْ اور ترجمہ میں 'سے' آتا ہے، طالب علم اس میں کبھی غلطی کرجاتا ہے، جو خطرناک غلطی ہوگی۔

تعوذ سنت ہے: مؤمن بھی شیطان سے متأثر ہوسکتا ہے اس لئے تلاوت سے پہلے تعوذ سنت ہے، اور تعوذ صرف تلاوت کے وقت مسنون ہے، اور کتاب پڑھتے وقت مسنون نہیں، تعوذ کا حکم سورۃ النحل (آیت ۹۸) میں ہے، اور جمہور کے نزدیک امر استحباب کے لئے ہے۔

استعاذہ کی حکمت: تلاوت سے پہلے استعاذہ کی حکمت یہ ہے کہ جو شخص سمجھ کر تلاوت کرتا ہے شیطان اس کو بہکانے کی اور اس کی فکر وفہم کو غلط راہ پر ڈالنے کی پوری کوشش کرتا ہے، اس لئے اللہ کی پناہ لینی ضروری ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ فکر وفہم کو گمراہی سے بچائیں، اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھیں، اگر قاریِ قرآن ایسا کرے گا تو امید ہے کہ وہ قرآن کی باتوں کو صحیح سمجھے گا، ورنہ شکوک وشبہات میں مبتلا ہوسکتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حدیث میں ہے کہ جو بھی اہم کام اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہوجاتا ہے، اور تلاوتِ قرآن اہم کام ہے، پس تعوذ کے بعد تسمیہ چاہئے، اور حدیث میں ہے کہ دروازہ بھیڑو تو بسم اللہ کہہ کر بند کرو، چراغ گل کرو تو بسم اللہ کہو، برتن ڈھانکو تو بسم اللہ پڑھ کر ڈھانکو، غرض: کھانا کھانے، پانی پینے، وضو کرنے، سواری پر سوار ہوتے وقت اور اترتے وقت بسم اللہ پڑھنا چاہئے، یہ سنت ہے، واجب نہیں۔

بسم اللہ ہر سورت کا جزء ہے یا قرآن کی مستقل آیت ہے؟

سورۂ نمل میں جو بسم اللہ ہے وہ بالیقین قرآن کا جزء ہے، اس کا منکر کافر ہے اور اس پر اجماع ہے۔ اس کے علاوہ سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لئے جو ۱۱۳ جگہ بسم اللہ لکھی گئی ہے اس کے بارے میں تین نظریے ہیں:

پہلا نظریہ: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بسم اللہ نہ تو قرآن کا جزء ہے، نہ مستقل آیت ہے اور نہ کسی سورت کا جزء ہے ــــــ شاید ان کے خیال میں سورۂ نمل کی آیت ہی کو ہر سورت کے شروع میں لکھا گیا ہے۔

دوسرا نظریہ: احناف کے نزدیک سورۂ نمل کی بسم اللہ کے علاوہ ایک اور بسم اللہ قرآن کی مستقل آیت ہے اور وہ فصل کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے۔ دورِ عثمانی میں جب مصحف تیار ہوا تو صحابہ کے مشورہ سے اسی بسم اللہ کو ہر سورت کے شروع میں لکھا گیا۔ اسی لئے احناف کے نزدیک تراویح میں کم از کم ایک جگہ بسم اللہ جہراً پڑھنا ضروری ہے ورنہ قرآن ناقص رہے گا۔

تیسرا نظریہ: امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے میں یہ قرآن کی ۱۱۳ آیتیں ہیں یعنی سورتوں کے شروع میں جتنی بسم اللہ ہیں وہ سب آیاتِ قرآنیہ ہیں۔ پھر یہ مستقل آیتیں ہیں یا مابعد سورت کا جزء ہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فاتحہ کے شروع میں جو بسم اللہ ہے وہ تو شوافع کے نزدیک بالاجماع فاتحہ کا جزء ہے وہ فاتحہ کی پہلی آیت بسم اللہ ہی کو قرار دیتے ہیں اور صراط الذین سے آخر تک ایک آیت شمار کرتے ہیں اور باقی بسم اللہ کے بارے میں شوافع کے مختلف اقوال ہیں، راجح قول یہ ہے کہ ہر بسم اللہ مابعد سورت کا جزء ہے ــــــ اور امام احمد رحمہ اللہ کے اس مسئلہ میں تین قول ہیں، تینوں مذاہب کے موافق۔ غرض یہ مسئلہ منصوص نہیں اجتہادی ہے اور اس پر اجماع ہے کہ ان اختلاف کرنے والوں میں سے کسی کو نہ تو ایمان سے خارج کیا جائے گا نہ گمراہ قرار دیا جائے گا۔

سورۃ الفاتحہ

یہ قرآنِ کریم کی پہلی اور نہایت اہم سورت ہے، اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کے متعدد نام ہیں، جو چیز مختلف کمالات کا مجموعہ ہوتی ہے اور زبان میں کوئی ایک لفظ ایسا نہیں ہوتا جو سب کمالات پر دلالت کرے تو متعدد ناموں سے ان خوبیوں کو واضح کرتے ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے بے شمار اسمائے حسنیٰ ہیں، کیونکہ ان میں کمالات بے حساب ہیں، اور اسی وجہ سے نبی ﷺ کے بہت سے صفاتی نام ہیں، اور اسی وجہ سے ایک شخص کو مولوی، مولانا، حافظ، قاری، مفتی، قاضی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ سورۃ الفاتحہ کے درج ذیل نام ہیں:

۱۔ سورت الصلاۃ: نماز کی سورت: یہ سورت نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے، اس کو پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی، اس لئے ایک حدیثِ قدسی میں اس کو الصلاۃ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میں نے نماز کو یعنی سورۃ الفاتحہ کو اپنے اور بندے کے درمیان آدھا آدھا بانٹا ہے، ساڑھی تین آیتوں میں اللہ کی صفات کا بیان ہے، اور ساڑھی تین آیتوں میں بندے کی دعا ہے، یہ حدیث مسلم شریف میں ہے (مشکات ح: ۸۲۳)

۲-سورت الحمد: وہ سورت جس کا پہلا کلمہ ﴿ اَلْحَمْدُ ﴾ ہے، اور جس میں اللہ کی بھرپور تعریف ہے، توحیدِ الوہیت اور توحیدِ ربوبیت کا بیان ہے، یعنی معبود وہی اکیلے ہیں اور وہی کائنات کے پالنہار ہیں۔

۳-فاتحۃ الکتاب: یعنی قرآنِ کریم کا دیباچہ، پیش لفظ، فتح کے معنی ہیں: کھولنا، اور فاتحہ کے معنی ہیں: ہر چیز کا آغاز، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآنِ کریم کی پہلی سورت کا نام فاتحۃ الکتاب دو وجہ سے ہے: ایک: یہ سورت قرآن میں سب سے پہلے لکھی گئی ہے۔ دوم: نماز میں قراءت اسی سورت سے شروع کی جاتی ہے (امام بخاریؒ کی بات پوئی ہوئی) اسی لئے اس کو کسی پارے میں شامل نہیں کیا، پہلا پارہ آلٓمّٓ یعنی سورۃ بقرہ سے شروع ہوتا ہے، اگر فاتحہ کو پہلے پارے میں شامل کرتے تو وہ اسی کا پیش لفظ ہو کر رہ جاتا، حالانکہ وہ پورے قرآن کا مقدمہ ہے۔

۴-ام الکتاب: قرآن کی ماں، یعنی اصل، ماں سے اولاد متفرع ہوتی ہے، اس سورت میں پورے قرآن کے مضامین کا خلاصہ آگیا ہے، اور اس سورت کے مضامین پورے قرآن میں پھیلائے گئے ہیں، آگے جب اس سورت کے مضامین کا خلاصہ بیان کروں گا تو یہ بات سمجھ میں آئے گی، اور اسی نام کے ہم معنی اس سورت کا نام ام القرآن بھی ہے۔

۵-الشفاء، الرقیہ (منتر) الکافی اور الوافی بھی اس سورت کے نام ہیں، حدیث میں ہے کہ سورۃ الفاتحہ ہر بیماری کی شفاء ہے، اس سورت کے ذریعہ عام بیماریوں کو اور خطرناک بیماریوں زہر وغیرہ کو جھاڑا جاسکتا ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس سورت کے ذریعہ ایک سانپ کاٹے کو جھاڑا تھا اور وہ شفایاب ہو گیا تھا، میں بھی ہر بیماری کو اس سورت سے جھاڑتا ہوں، اور باذن اللہ شفاء ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں: اس کے نام الثانی (بار بار پڑھنے کی سورت)، القرآن العظیم اور الاساس (بنیاد) بھی ہیں۔

سورۃ الفاتحہ کے فضائل

سورۃ الفاتحہ کے ناموں کی کثرت اس کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، علاوہ ازیں: احادیث میں اس کے اور بھی فضائل آئے ہیں:

۱-نبی ﷺ نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا: ''سورت الفاتحہ جیسی سورت: تورات، زبور، انجیل اور قرآن میں نازل نہیں کی گئی، یہی وہ بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں اور قرآنِ عظیم ہے، جو میں دیا گیا ہوں'' (رواہ الترمذی حدیث ۲۸۸۴)

۲-ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، اچانک آسمان سے ایک آواز آئی، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اوپر نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا کہ آج آسمان کا ایک ایسا دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا، اس دروازہ سے ایک فرشتہ اترا، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کو مبارک باد دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں، آپؐ کو

دو ایسے نور دیئے گئے ہیں جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے، ایک سورۂ فاتحہ، دوسرے سورۂ بقرۃ کی آخری آیتیں، آپؐ ان کو پڑھیں گے تو ان میں جو دعائیں ہیں وہ قبول ہونگی (رواہ مسلم مشکات ۲۱۲۴)

۳- آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ سورۂ فاتحہ موت کے علاوہ ہر بیماری کے لئے شفاء ہے۔ اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سورۂ فاتحہ دو تہائی قرآن کے برابر ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ بیماری کے لئے اس سورت کو پڑھ کر دم کرنا چاہئے۔

(ہدایت القرآن کاشفی)

۴- حدیثِ قدسی میں ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''میں نے سورۂ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کیا ہے، آدھی سورت کا تعلق مجھ سے ہے اور آدھی کا تعلق بندے سے، اس میں بندے کی دعا ہے، اور بندہ جو چیز مانگتا ہے میں اس کو وہ چیز دیتا ہوں'' (رواہ مسلم، مشکات ۸۲۳)

تشریح: الحمد للہ بہترین دعا اس لئے ہے کہ دعا کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ جن سے دل و دماغ عظمتِ خداوندی سے لبریز ہو جائیں اور دل میں نیاز مندی کی کیفیت پیدا ہو۔ دوم: وہ جن کے ذریعہ دنیا و آخرت کی خیر طلب کی جائے اور شر سے حفاظت کی درخواست کی جائے، اور ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ جب بندہ کہتا ہے کہ ستائشوں کے سزاوار اللہ تعالیٰ ہیں تو اس کا دل نیاز مندی اور عاجزی سے بھر جاتا ہے۔ اور الحمد للہ کلمۂ شکر بھی ہے۔ اور شکر سے نعمت بڑھتی ہے۔ پس حمد کرنے والا دارین کی سعادتوں سے مالا مال کر دیا جاتا ہے، اور شرور و فتن سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں توحید، آخرت اور رسالت کا اثبات ہے اور سارے دین کی طرف اشارہ ہے

پہلے دو باتیں سمجھ لیں:

۱- اسلام کے بنیادی عقائد تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت، اور ان میں ترتیب بھی یہی ہے، مگر کبھی قرآنِ کریم بیانِ عقائد میں کسی خاص وجہ سے ترتیب بدلتا ہے، اس سورت میں پہلے توحید کا، پھر آخرت کا، پھر رسالت کا بیان ہے، اور ایسا خاص وجہ سے کیا ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۲- قرآنِ کریم عام طور پر بات قریب سے بیان کرتا ہے، مگر کبھی دور سے لیتا ہے، توحید اور آخرت کو تو راست بیان کیا ہے، مگر رسالت کے مسئلہ کو مؤمنین کی ہدایت کی دعا کی صورت میں ذکر کیا ہے۔ آدھی سورت میں مؤمنین کو ایک دعا کی تعلیم دی ہے کہ وہ اللہ سے ہدایت طلب کریں، اور ہدایت (دینی راہ نمائی) اللہ تعالیٰ رسولوں کے ذریعہ کرتے ہیں، اس طرح رسالت کا مسئلہ زیرِ بحث آگیا، پھر ہدایت عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے، اور اس کے لئے تذکیر و موعظت ضروری ہے، انبیاء کے

اوران کی قوموں کے واقعات اسی مقصد سے ذکر کئے ہیں، نیز پند ونصائح بھی ضروری ہیں، اس طرح رسالت، دلیلِ رسالت (قرآنِ کریم) اوراس کے تمام مشمولات کی طرف اشارہ ہوگیا،اورسورۃ الفاتحہ:ام الکتاب اورام القرآن بن گئی۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ میں توحیدِالوہیت کا بیان ہے،الف لام استغراقی ہیں یعنی ہرحمد اللہ کے لئے ہے!اورحمد کے معنی ہیں:کسی کے ذاتی (خانہ زاد) کمالات (خوبیوں) کوتعظیم کےطور پرقول سے یافعل سے سراہنا،اور ہرکمال کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، دوسروں کو جوبھی کمال حاصل ہواہے وہ اللہ کی دَین ہے، پس کسی کی کوئی تعریف نہیں، تعریف صاحبِ کمال کی ہوتی ہے،اورتمام کمالات کا مرجع اللہ کی ذات ہے،اور کمالات میں سب سے بڑا کمال معبود ہونا ہے، یہ کمال بھی دیگر کمالات کی طرح اللہ کے ساتھ خاص ہے،قابلِ پرستش وہی ہیں،یہی توحیدالوہیت ہے۔

اور﴿ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ میں توحیدربوبیت کا بیان ہے،اللہ تعالیٰ ہی سارے جہانوں کے پالنہار ہیں،ربّ کے معنی ہیں:کسی چیز کووجود بخشنا،نیست سے ہست کرنا،پھراس چیز کی بقاء کا سامان کرنا،تاکہ وہ وجود میں آکرختم نہ ہوجائے، پھر اس کوآہستہ آہستہ بڑھاکرمنتہائے کمال تک پہنچانا، یہ تین کام اللہ کے سواکون کرسکتا ہے؟ پس کائنات کے پروردگار بھی وہی ہیں،اوریہی توحیدربوبیت ہے۔

اوردونوں توحیدوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے،ایک دوسرے سے جدانہیں ہوسکتیں، چولی: کرتے کا بالائی حصہ اور دامن: زیریں حصہ، دونوں ساتھ ساتھ ہوتے ہیں،ایک کے بغیر دوسرانہیں ہوتا،پس جومعبود ہےاس کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بندوں کو پالے،اور جو پالنہار ہے وہی قابل پرستش ہے، دوسرا کوئی معبودنہیں ہوسکتا، کیونکہ پالے کوئی اور سرِنیازخم کرے دوسرے کی چوکھٹ پر:اس سے زیادہ نامعقول بات کیا ہوسکتی ہے؟

پھر جاننا چاہئے کہ رحمان: رحیم سے عام ہے، کیونکہ رحمان میں پانچ حروف ہیں،اوررحیم میں چار،اور کثرتِ مبانی کثرتِ معانی پردلالت کرتی ہے،پس ﴿ الرَّحْمٰنِ ﴾ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: دنیامیں کافربھی ہیں،اللہ تعالیٰ ان باغیوں کوکیوں پالتے ہیں؟

جواب: وہ رحمان ہیں، بےحدمہربان ہیں،اس دنیامیں ان کی رحمت ہرکسی کے لئے عام ہے،اس لئے کفارکوبھی روزی دیتے ہیں۔

پھر﴿ الرَّحِيْمِ ﴾ بطوراستثناء آیاہے، رحیم: خاص ہے، آخرت میں اللہ کی مہربانی صرف مؤمنین کے لئے ہوگی، رحمت کاعموم اس جہاں کی حدتک ہے۔

پھر﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ خصوصیت کی دلیل کےطور پرآیاہے،آخرت میں رحمت مؤمنین کےساتھ خاص اس لئے ہوگی کہ اس دن تنہااللہ ہی مالک ہونگے، کسی کی مجازی ملکیت بھی نہیں ہوگی،اس دنیامیں مجازی ملکیتیں ہیں، پس جب

کافر کے گھر میں گیہوں بھرا ہوا ہے، اور وہ اس کا مجازی مالک بھی ہے، پھر بھی وہ بھوکا مر جائے: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لئے اس دنیا میں اللہ سب کو رزق پہنچاتے ہیں، اور آخرت میں کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ ہی اس دن مالک ہونگے، پس وہ وفاداروں کو نوازیں گے، اور غداروں کو محروم کریں گے، اس طرح آخرت کا مسئلہ رسالت کے مسئلہ سے پہلے زیر بحث آ گیا۔

نیز آخرت کے مسئلہ کی تقدیم کی اور رسالت کے مسئلہ کی تاخیر کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہدایت طلبی کا جواب سورۃ البقرۃ کے شروع میں ہے، اس لئے اس سے اتصال کے لئے بھی رسالت کے مسئلہ کو مؤخر کیا ہے۔

اس کے بعد آیتِ کریمہ: ﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ گریز کی آیت ہے، گریز: شاعری کی اصطلاح ہے، قصیدہ میں تمہید اور مقصد کے درمیان جو شعر آتا ہے وہ گریز کا شعر کہلاتا ہے، اس کا من وجہٍ تمہید سے تعلق ہوتا ہے، اور من وجہٍ مقصد سے، پس ﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ﴾ کا تعلق ماسبق سے ہے، جب معبود اللہ ہی ہیں تو بندگی بھی انہی کے لئے ہے، اور ﴿اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ گویا سوال ہے، اور آگے ہدایت کا سوال آ رہا ہے، پس یہ آگے کی تمہید ہے۔

پھر ﴿اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ﴾ میں بندوں کو ہدایت طلبی کی دعا سکھلائی ہے، یہ بندوں کی سب سے بڑی حاجت ہے، اللہ تک اور جنت تک پہنچنے کی راہ معلوم ہو جائے تو زہے نصیب! اور چونکہ ہر شخص پڑھا لکھا نہیں ہوتا، اس لئے جو راہ قرآن بتائے گا اس کو ہر شخص نہیں جان سکتا، اس لئے مثبت و منفی پہلوؤں سے محسوس مثالوں سے صراطِ مستقیم کو مشخص کیا ہے، جن بندوں پر اللہ نے فضل فرمایا ہے: ان کا راستہ سیدھا راستہ ہے، وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، نبوت کا دور تو ختم ہو گیا باقی تین ہر زمانہ میں موجود ہوتے ہیں، اور قرآن وحدیث میں انبیاء کی سیرت موجود ہے، ان کے حالات پڑھے اور موجودین کی راہ پر گامزن ہو تو وصلِ حبیب نصیب ہوگا اور منزلِ مقصود تک پہنچے گا۔

اور منفی پہلو سے مغضوب علیہم اور ضالین کی راہ سے بچے، جو صراطِ مستقیم سے ذرا ہٹا ہے وہ گمراہ ہے، اور جو ﴿فِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ﴾ ہے یعنی گمراہی میں دور تک نکل گیا ہے وہ مغضوب علیہ ہے، اس کے سایے سے بھی بچے، نزولِ قرآن کے وقت مسلمانوں میں ان کی مثالیں نہیں تھیں، اس لئے مغضوب علیہم کا مصداق یہود کو اور ضالین کا مصداق نصاریٰ کو بتایا، مگر اب گھر میں مثالیں موجود ہیں، جو فرقے اہل السنہ والجماعہ کے طریقہ سے تھوڑے ہٹے ہوئے ہیں وہ گمراہ ہیں، اور جو اتنا ہٹ گئے ہیں کہ دائرۂ اسلام سے بھی نکل گئے ہیں وہ مغضوب علیہم ہیں۔

یہ سورۃ الفاتحہ کا خلاصہ ہے، پھر اگلی سورت قرآنِ کریم کے تذکرہ سے شروع ہوگی، قرآن ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے، اور فاتحہ میں ہدایت کی دعا مؤمنین نے کی ہے، اس لئے ﴿ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ﴾ میں پرہیزگاروں کی تخصیص کی ہے، ورنہ قرآن ﴿ھُدًی لِّلنَّاسِ﴾ ہے۔

تنبیہ: ہدایت (دینی راہ نمائی) کے لئے عقائد کا بیان بھی ضروری ہے اور احکام کا بھی، ترغیب وترہیب بھی ضروری ہے اور پند وموعظت بھی، اس طرح ہدایت طلبی کی دعا میں قرآنِ کریم کے سارے مضامین کی طرف اشارہ آگیا۔



اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷

ع ۱ / ۷

بِسْمِ (۱)	نام سے	مٰلِكِ	مالک	صِرَاطَ (۶)	راہ
اللّٰهِ	اللہ کے	يَوْمِ	روز	الَّذِيْنَ	(ان کی) جو
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	الدِّيْنِ	جزاء کے	اَنْعَمْتَ	فضل فرمایا آپ نے
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	اِيَّاكَ (۵)	آپ ہی کی	عَلَيْهِمْ	ان پر
اَلْحَمْدُ (۲)	ہر تعریف	نَعْبُدُ	بندگی کرتے ہیں ہم	غَيْرِ (۷)	نہ
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے	وَاِيَّاكَ	اور آپ ہی سے	الْمَغْضُوْبِ	غضبناک ہوا گیا
رَبِّ (۳)	(جو) پالنہار ہیں	نَسْتَعِيْنُ	مدد چاہتے ہیں ہم	عَلَيْهِمْ	ان پر
الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے	اِهْدِنَا	دکھلائیں ہمیں	وَلَا (۸)	اور نہ
الرَّحْمٰنِ (۴)	نہایت مہربان	الصِّرَاطَ	راہ	الضَّآلِّيْنَ	گم راہوں کی راہ
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	الْمُسْتَقِيْمَ	سیدھی	(آمین)	(الٰہی! قبول فرما!)

(۱) باءِ حرفِ جر کا متعلَّق أَقْرَأُ یا أَتْلُو محذوف ہے (۲) الحمد میں الف لام استغراقی ہے اس کا ترجمہ ہے: ہر (۳) رب: اللہ کی صفت ہے (۴) الرحمن الرحيم بھی اللہ کی صفتیں ہیں (۵) إياك: مفعول بہ مقدم حصر کے لئے ہے (۶) صراطَ: الصراطَ سے بدل ہے، یا پہلی صفت ہے (۷) غیرِ: الذین مع صلہ (مضاف مضاف الیہ) سے بدل ہے اور مابعد کی طرف مضاف ہے یا الصراطَ کی دوسری صفت ہے (۸) لا بمعنی غیر ہے اور مابعد کی طرف مضاف ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں پورے قرآن کا خلاصہ آ گیا ہے

۱- سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کے پالنہار ہیں ـــــ **الحمد**: اسم جنس ہے، قلیل وکثیر پر صادق آتا ہے، اور اس پر الف لام استغراقی ہیں، اور حمد کے معنی ہیں: کسی کی ذاتی خوبیوں کو سراہنا، یہ مدح سے خاص ہے، مدح میں کمالات کا ذاتی ہونا ضروری نہیں، دوسرے کی دَین پر بھی تعریف ہوسکتی ہے، جیسے تاج محل کی خوبی: کاریگر کی مہارت کی دَین ہے، اور کاریگر کا کمال: اللہ کی دَین ہے، پس تاج محل یا اس کے کاریگر کی تعریف مدح ہے، اور اس کی خوبی پر اللہ کی تعریف حمد ہے۔ پس حمد حقیقۃً اللہ کے علاوہ کی نہیں ہوسکتی، کیونکہ اربابِ کمال کو ہر کمال اللہ نے دیا ہے، پس ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ میں توحید الوہیت کا اثبات ہے، کیونکہ معبود ہونا سب سے بڑا کمال ہے، جو اللہ کے لئے خاص ہے، اگر معبودیت اللہ کے لئے خاص نہیں ہوگی تو ہر تعریف اللہ ہی کے لئے کہاں ہوگی؟

اور ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ میں توحید ربوبیت کا اثبات ہے، تمام جہانوں کے پالنہار اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اور مجموعۂ مخلوقات کو عالَم کہتے ہیں، اس لئے اس کی جمع نہیں لاتے، مگر آیت میں جمع اس لئے لائے ہیں کہ ہر ہر جنس ایک عالم ہے، انسانوں کا عالم، فرشتوں کا عالم اور جنات کا عالم الگ الگ ہیں، وقس علیٰ ہذا اور سب عالموں کے پالنہار اللہ تعالیٰ ہی ہیں، یہی توحیدِ ربوبیت ہے۔

اور یہ دونوں توحیدیں ساتھ ساتھ ہیں، جو معبود ہوتا ہے وہی اپنے بندوں کو پالتا ہے، اور جو روزی رساں ہے وہی معبود ہوتا ہے، دوسرا کوئی معبود نہیں ہوسکتا۔

۲- جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں ـــــ رحمان اور رحیم: دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، اور رحمان: رحیم سے عام ہے، کیونکہ اس میں حروفِ ہجا کی زیادتی ہے، اس لئے اس میں معنی بھی زائد ہیں، اللہ تعالیٰ اس عالم میں سب کو روزی پہنچاتے ہیں، وفاداروں کو بھی اور باغیوں کو بھی، پھر رحیم کے ذریعہ تخصیص کی ہے کہ رحمت کا یہ عموم اس دنیا کی حد تک ہے، آخرت میں ان کی رحمت مؤمنین کے لئے خاص ہوگی، وہی مہربانی کے مورد ہونگے، پس رحیم: رحمان سے بمنزلۂ استثناء ہے، اور اس کی دلیل اگلی آیت ہے۔

۳- وہ روزِ جزاء کے مالک ہیں ـــــ یعنی قیامت کے دن وہی تنہا ہر چیز کے مالک ہونگے، کسی اور کی مجازی ملکیت بھی نہیں ہوگی، قیامت کے دن سوال ہوگا: ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ﴾! آج کس کی حکومت ہے؟ کوئی جواب دینے والا نہیں ہوگا، خود ہی جواب دیں گے: ﴿ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾: آج ایک غالب اللہ کی حکومت ہے (سورۂ مؤمن ۱۶) اور یہ آیت قیامت کے دن رحمتِ خاصہ کی دلیل کے طور پر آئی ہے، اور اس میں آخرت کا اثبات ہے۔

۴- ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں —— پہلے جملہ میں اللہ کی تعریف ہے، اور دوسرا جملہ سوال کی تمہید ہے، پس یہ آیت نصفا نصف ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے اللہ کے علاوہ کی عبادت جائز نہیں اس کے سوا کسی سے مدد مانگنا بھی جائز نہیں، البتہ یہ بات امورِ غیر عادیہ کی حد تک ہے، امورِ غیر عادیہ: وہ کام ہیں جو اللہ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا، جیسے ہدایت (دینی راہ نمائی کرنا) اولاد دینا، شفاء بخشنا وغیرہ، اور روز مرہ کے کام جو اور بھی کرسکتے ہیں، جیسے کسی کے لئے کوئی چیز خرید لانا، یا بوجھ اٹھوا دینا: ان میں مدد طلب کرسکتے ہیں اور مدد کرنا مطلوب بھی ہے متفق علیہ حدیث ہے: من کان فی حاجة أخیه کان الله فی حاجته: جو اپنے مسلمان بھائی کا کام کرتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کا کام بناتے ہیں۔

تنبیہ: اور فوائد شیخ الہندؒ میں جو ہے کہ ''ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطۂ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانتِ ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے'' —— یہ توسّل کا مسئلہ ہے، اس کو استعانت مجازاً کہا ہے، یہ بات نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں کو اعتراض کا موقعہ مل گیا۔

توسّل کی تین صورتیں ہیں: (۱) اپنے اعمالِ صالحہ کا توسل کرنا: یہ بالاجماع جائز ہے (۲) کسی زندہ نیک آدمی کا توسل کرنا: یہ بھی بالاتفاق جائز ہے (۳) وفات پائے ہوئے کسی نیک آدمی کا توسل کرنا: یہ مختلف فیہ ہے، غیر مقلدین اس کو ناجائز کہتے ہیں، اور اہل السنہ والجماعہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے یہی مسئلہ بیان کیا ہے، مگر مجازاً لفظ استعانت استعمال کیا اس لئے لوگوں کو اعتراض کا موقع مل گیا، وہ تو اسی تاک میں رہتے ہیں!

۵-۷- (الٰہی!) ہمیں سیدھا راستہ دکھا —— جو آپ تک اور جنت تک پہنچتا ہے —— ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے فضل فرمایا —— یہ مثبت پہلو سے صراطِ مستقیم کو محسوس مثال سے مشخص کیا ہے —— ان لوگوں کا راستہ نہیں جو آپ کے غصہ کا مورد بنے، اور نہ ان کا جو راہ سے بھٹکے —— یہ منفی پہلو سے محسوس مثال کے ذریعہ صراطِ مستقیم کو مشخص کیا (الٰہی ہماری دعا قبول فرما!) یہ آمین کا مطلب ہے، سورۃ الفاتحہ کے ختم پر آمین کہنا سنت ہے، نماز میں بھی اور خارج نماز میں بھی، لوگ خارج نماز میں غفلت برتتے ہیں۔

نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ

تین اماموں کے نزدیک: نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یہ فاتحہ کے نماز سے تعلق کا مسئلہ ہے، مقتدی کے فاتحہ کا مسئلہ نہیں، وہ مسئلہ الگ ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فاتحہ واجب ہے، اگر بھول سے رہ جائے اور سورت پڑھ لے تو سجدۂ سہو کرے نماز ہوجائے گی، اور بالقصد چھوڑ دے تو وقت میں نماز کا اعادہ

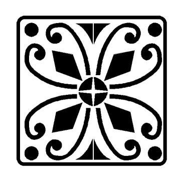
واجب ہے، سجدۂ سہو سے کام نہیں چلے گا۔

جاننا چاہئے کہ اس اختلاف کا مفاد کچھ نہیں، کیونکہ سبھی مسلمان ہر رکعت میں فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر خواہ اس کو فرض کہیں یا واجب: کیا فرق پڑتا ہے؟ ہاں بھول کی صورت میں اختلاف کا اثر ظاہر ہوگا، مگر وہ نادر صورت ہے۔

نیز جاننا چاہئے کہ نماز میں فاتحہ پڑھنے کا حکم قرآن میں نہیں ہے، قرآن میں مطلق قراءت کا حکم ہے، پس وہ رکن ہے، اور فاتحہ کا حکم اعلیٰ درجہ کی خبر واحد میں ہے: **لاصلاۃ إلا بفاتحۃ الکتاب**: سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی خبر واحد سے فرضیت ثابت ہوسکتی ہے، اس لئے انھوں نے فاتحہ کو فرض قرار دیا، اور احناف کے نزدیک فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی، اس کے لئے قطعی دلیل ضروری ہے، اس لئے احناف نے اسی حدیث سے وجوب ثابت کیا ہے۔

اور مقتدی کے لئے فاتحہ کی فرضیت کے صرف شوافع قائل ہیں، دوسرے تین ائمہ متقدی پر فاتحہ کو فرض نہیں کہتے، بلکہ احناف کے نزدیک تو مکروہ ہے، اور اس مسئلہ میں ترمذی میں صرف ایک حدیث ہے، جو صرف حسن ہے اور فرضیت کے باب میں صریح بھی نہیں، اور دیگر بہت سی صحیح حدیثوں میں مقتدی کو قراءت سے منع کیا ہے، اور فاتحہ پڑھنا بھی قراءت ہے، اس لئے مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں۔

جہری نمازوں میں جب امام سورۃ الفاتحہ ختم کرتا ہے تو امام بھی اور مقتدی بھی سراً / جہراً آمین کہتے ہیں، یہ مسئلہ دلیل ہے کہ مقتدی پر فاتحہ نہیں، جب اس نے امام کی درخواست پر دستخط کردیئے تو اب الگ سے درخواست دینے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تحصیلِ حاصل ہے!



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرۃ

نمبر شمار ۲ نزول کا نمبر ۸۷ نزول کی نوعیت مدنی رکوع ۴۰ آیات ۲۸۶

ربط: سورۂ فاتحہ کا آخری مضمون صراطِ مستقیم کی راہ نمائی کی درخواست تھی، یہ سورت اس کے جواب سے شروع ہو رہی ہے، درحقیقت پورا قرآن صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرتا ہے، جو شخص سیدھے راستہ پر چلنا چاہے وہ قرآنِ کریم کی پیروی کرے، ان شاء اللہ منزلِ مقصود تک پہنچے گا۔

جاننا چاہئے کہ ہدایت (راہ نمائی) پورے قرآن ہی کا وصف نہیں، اس کے اجزاء کا بھی وصف ہے، یعنی قرآن کا بعض حصہ بھی ہدایت ہے، کہیں سے کوئی مکمل مضمون پڑھا جائے تو وہ بھی ہدایت ہے، اس لئے نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد پورے قرآن میں سے بڑی ایک آیت یا چھوٹی تین آیتیں پڑھنا یعنی سورت ملانا واجب ہے، تاکہ سورۂ فاتحہ کی درخواست کا جواب ہو جائے، چھوٹی تین آیتوں میں مضمون مکمل ہو جاتا ہے۔

زمانۂ نزول: سورۂ بقرۃ قرآنِ کریم کی سب سے بڑی سورت ہے، اور مدینہ منورہ میں ہجرت کے فوراً بعد اس کا نزول ہوا ہے، اس کا نزول کا نمبر ۸۷ ہے، مکی سورتیں ۸۵ ہیں، یہ پوری سورت ایک ساتھ نازل نہیں ہوئی، مختلف آیتیں مختلف زمانوں میں نازل ہوئی ہیں، یہاں تک کہ حرمتِ سود کی آیات فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی ہیں، اور آیتِ کریمہ ﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا ﴾ تو قرآن کی بالکل آخری آیت ہے، اس کے تین ماہ کے بعد نبی ﷺ کی وفات ہوگئی ہے، اور ہمیشہ کے لئے وحی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔

سورت کے فضائل:

۱- ترمذی شریف میں حدیث (نمبر ۲۸۸۵) ہے: ”جس گھر میں سورۃ البقرۃ پڑھی جاتی ہے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا“

۲- ترمذی شریف میں حدیث (۲۸۸۶) ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: ”ہر چیز کے لئے کوہان ہے یعنی اس کا ایک اعلیٰ اور افضل حصہ ہے، اور قرآن کی کوہان سورۃ البقرۃ ہے، اور اس میں ایک آیت ہے (آیت الکرسی) جو قرآن کی آیتوں کی سردار ہے“

۳-مسلم شریف کی حدیث ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: ''زہراوَین (دوخوبصورت سورتوں) کو پڑھو یعنی بقرۃ اور آلِ عمران کو، وہ دونوں قیامت کے دن آئیں گی گویا وہ دونوں دو بادل ہیں یا پرندوں کی دو ڈاریں ہیں، وہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑیں گی'' (مشکات ح ۲۱۲۰) (تحفۃ الالمعی ۷: ۴۳ میں ہے)

سورت کے مضامین: یہ سورت گوناگوں مضامین پر مشتمل ہے، تمام مضامین کی تفصیل سورت پڑھے بغیر بے فائدہ ہوگی، البتہ خلاصہ سمجھا جاسکتا ہے اور وہ خلاصہ فہرستِ مضامین سے معلوم ہوجائے گا۔

آیاتها ۲۸۶ — (۲) سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ (۸۷) — رکوعها ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۟ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ ۛۚ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۟ۙ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۟ۙ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۟ؕ اُولٰٓىِٕكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۟

الٓمّٓ	الف، لام، میم	فِیْهِ	اس میں	یُؤْمِنُوْنَ	ایمان لائے ہیں
ذٰلِكَ (۱)	یہ (عظیم)	هُدًی (۲)	راہ نما ہے	بِالْغَیْبِ (۴)	بن دیکھی چیزوں پر
الْكِتٰبُ	کتاب	لِّلْمُتَّقِیْنَ	پرہیزگاروں کے لئے	وَیُقِیْمُوْنَ	اور قائم کرتے ہیں وہ
لَا رَیْبَ	کچھ شک نہیں	الَّذِیْنَ (۳)	جو	الصَّلٰوةَ	نماز کو

(۱) ذلك: بمعنی هذا ہے، تعظیم کے لئے اسم اشارہ بعید استعمال کرتے ہیں، جیسے مفرد کے لئے بطور تعظیم جمع کی ضمیر استعمال کرتے ہیں: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا﴾ ترکیب: ذلك الكتاب: مبتدا، لاریب فیه: پہلی خبر، هُدًى للمتقين: دوسری خبر...... لاریب فیه: لائے نفی جنس کا، ریب: اسم، فیه: خبر، جیسے لا رجلَ فی الدار (۲) هُدًى: مصدر، اصل میں هُدَىٌ تھا، یاء پر ضمہ تھا پھر تنوین یعنی نونِ ساکن تھا، اس طرح: هُدَیُنْ پھر یاء پر ضمہ ثقیل تھا، حذف کیا تو دو ساکن (ی اور تنوین) اکٹھا ہوئے۔ یاء گرگئی اور نون ساکن کو دال کے زبر کے ساتھ جوڑ دیا، پس هُدً ہوگیا، مگر رسم الخط میں ی بھی لکھتے ہیں، مگر پڑھتے نہیں، یا یہ کہیں کہ یاء متحرک ماقبل مفتوح، یاء کو الف سے بدلا تو دو ساکن اکٹھا ہوئے، پس الف گر گیا، اور تنوین کو دال کے زبر کے ساتھ جوڑ دیا۔ (۳) الذین: صلہ کے ساتھ: المتقین کی صفت ہے (۴) غیب: پس پردہ جو حقیقتیں ہیں۔

وَمِمَّا (۱)	اور کچھ اس میں سے جو	اُنْزِلَ	اتاری گئی ہے	یُوْقِنُوْنَ	یقین رکھتے ہیں
رَزَقْنٰهُمْ	بطور روزی ہم نے ان	اِلَیْكَ	آپ کی طرف	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ
	کو دیا ہے	وَمَآ	اور ان (کتابوں) پر جو	عَلٰی هُدًی	ہدایت پر ہیں
یُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں	اُنْزِلَ	اتاری گئی ہیں	مِّنْ رَّبِّهِمْ	ان کے پروردگار کی جانب سے
وَالَّذِیْنَ (۲)	اور جو	مِنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	وَاُولٰٓئِكَ	اور یہی لوگ
یُؤْمِنُوْنَ	ایمان رکھتے ہیں	وَبِالْاٰخِرَةِ	اور آخرت پر (بھی)	هُمُ	وہ
بِمَآ	اس (کتاب) پر جو	هُمْ	وہ	الْمُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہیں

اللہ کے نامِ پاک سے شروع کرتا ہوں، جو بے حد مہربان نہایت رحم والے ہیں

ہدایت (دینی راہ نمائی) قرآنِ کریم میں ہے

سورۂ فاتحہ میں اللہ کے نیک بندوں نے دعا کی تھی: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ (الٰہی!) ہمیں سیدھا راستہ دکھا، اس کے جواب سے یہ سورت شروع ہو رہی ہے کہ ہدایت قرآنِ کریم میں ہے، یہ کتاب اسی غرض سے اتاری گئی ہے، یہ کتاب منزل من اللہ ہے، اس میں ذرا شک نہیں، کسی جگہ کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا کہ یہ بات خلافِ واقعہ ہے، یہ کتاب نیک بندوں (متقیوں) کی راہ نمائی کرتی ہے کہ ان کو کس راہ پر چلنا چاہئے کہ وہ کامیابی سے ہم کنار ہوں۔

سوال (۱): قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں شک کرنے والے تو ہمیشہ رہے ہیں، پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ اس میں ذرا شک نہیں؟

جواب: شک کی دو صورتیں ہیں: ایک: کلام میں خلل ہو، دوم: دماغ میں فتور ہو، یہاں اول کی نفی ہے، اور ثانی کا علاج آیات (۲۳و۲۴) میں آرہا ہے۔

سوال (۲): قرآنِ کریم تو سب لوگوں کے لئے راہ نما کتاب ہے، آگے (آیت ۱۸۵) میں ہے: ﴿هُدًی لِّلنَّاسِ﴾ پھر متقین کی تخصیص کیوں کی؟

(۱) مِما: میں مِن: تبعیضیہ ہے، اور مما: ینفقون سے متعلق ہے (۲) الذین یہ المتقین کی دوسری صفت ہے اور واو مطلق جمع کے لئے ہے، اور واو عاطفہ بھی ہوسکتا ہے، اور دوسرے الذین کا پہلے الذین پر عطف ہو تو من وجہ مغائرت ہوگی، پس پہلے الذین سے مراد مشرکین ہونگے جنھوں نے ایمان قبول کیا اور دوسرے الذین سے اہل کتاب مراد ہونگے، جنھوں نے ایمان قبول کیا، یہ تفسیر حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (روح)

جواب: اگر متقین کے معنی ہیں: اللہ سے ڈرنے والے تو متقین عام ہے، جو بھی اللہ سے ڈرتا ہے قرآن اس کو راستہ دکھاتا ہے، چاہے وہ ایمان لایا ہو یا نہ لایا ہو، اسی کو طاعت کا فکر اور معصیت کا ڈر ہوگا۔ اور وہی قرآن کی باتوں پر کان دھرے گا اور ایمان لائے گا، ہاں نڈر لوگ نکل جائیں گے، نکل جانے دو ان کو! ان سے کسی چیز کی امید ہی نہیں!

اور اگر متقین سے نیک مؤمنین مراد ہیں تو پھر اس میں اشارہ ہے کہ اللہ کی کتابوں کی راہ نمائی سے کوئی مستغنی نہیں، انبیاء اور اولیاء بھی اللہ کی راہ نمائی کے محتاج ہیں، کیونکہ دنیا بھول بھلیاں ہے، بڑے شہر کے رہنے والے کو بھی شہر میں گھومنے کے لئے گائڈ بک کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح متقی بھی قرآن کی راہ نمائی کے محتاج ہیں۔

اور الٓمّٓ کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں، یہ بھید ہیں، بوجہ مصلحت ان کے معانی کھولے نہیں گئے، اور بعض اکابر نے جو ان کے معانی بیان کئے ہیں وہ تاویل ہیں، اور متشابہات کی تاویل جائز ہے، مگر اس کو مراد خداوندی نہیں کہیں گے۔

﴿ الٓمّٓ ۚ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ ② ﴾

ترجمہ: الف، لام، میم! اس کتاب میں کوئی شک نہیں، اللہ سے ڈرنے والوں کو راہ بتلانے والی ہے!

پرہیزگاروں کے پانچ اوصاف

اللہ سے ڈرنے والوں میں پانچ باتیں ہوتی ہیں:

۱- وہ پسِ پردہ جو حقائق ہیں ان کا مشاہدہ کئے بغیر محض مخبرِ صادق کی اطلاع سے مانتے ہیں۔

۲- وہ نماز قائم کرتے ہیں، یعنی ہمیشہ رعایتِ حقوق کے ساتھ وقت پر نماز ادا کرتے ہیں۔

۳- وہ اللہ کے بخشے ہوئے مال میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں، یعنی زکات نکالتے ہیں اور دوسری خیراتیں کرتے ہیں۔

۴- وہ اللہ کی تمام کتابوں کو بشمولِ قرآنِ کریم مانتے ہیں کہ سب اللہ کی کتابیں برحق ہیں، کیونکہ وہ سب ایک چشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، البتہ وہ عمل قرآن پر کرتے ہیں، کیونکہ سابقہ کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔

۵- وہ آخرت کو بھی مانتے ہیں کہ اس دنیا کے بعد دوسری دنیا آئے گی، جس میں جزاؤ سزا ہوگی۔

جن لوگوں میں یہ پانچ باتیں پائی جاتی ہیں وہ ہدایت یافتہ اور کامیاب ہیں، اور جو نعمتِ ایمان اور اعمالِ حسنہ سے محروم ہیں ان کی دنیاؤ آخرت دونوں برباد ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

غیب کیا ہے؟ غیب: باب ضرب کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: پوشیدہ ہونا، غائب ہونا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: بے دیکھی ہوئی چیزیں، اور مراد وہ امور ہیں جو حواسِ خمسہ ظاہرہ وباطنہ کی دسترس سے باہر ہیں، جن کا علم انبیاء علیہم السلام کے بتلانے سے ہوتا ہے، ان میں اصل اور سب سے اہم اللہ کی ذات وصفات ہیں، پھر باقی امور ہیں، جیسے جنت

ودوزخ اوران کے احوال، قیامت اورآخرت میں پیش آنے والے واقعات، فرشتے، آسمانی کتابیں اور سابقہ انبیاء علیہم السلام سب امورِغیب ہیں۔

آیاتِ کریمہ: (متقی وہ لوگ ہیں:) جو بن دیکھی چیزوں کو مانتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو بطور رزق دیا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں، اور جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپؐ کی طرف اتاری گئی ہے اوران کتابوں پر جو آپؐ سے پہلے اتاری گئی ہیں، اور آخرت کا بھی ان کو یقین ہے، پس یہی لوگ ان کے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت پر ہیں، اور یہی لوگ کامیاب ہیں!

﴿مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ﴾ کی قید کا فائدہ

یہ قید **قضیۃٌ قیاساتُھا معھا** کے قبیل سے ہے، یعنی ایک بات جس کی دلیل اس کے ساتھ ہے، یعنی انفاق کا حکم اس لئے ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ نے اس کو بطور روزی دیا ہے، حقیقی مالک نہیں بنایا، پس جو اس کی روزی سے بچ رہے اس کو غریبوں پر خرچ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ غریبوں کا رزق مالداروں کے واسطے سے بھی دیتے ہیں، اور سورۃ الحدید (آیت ۷) میں ہے: ﴿وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾: اور جس مال میں اللہ تعالیٰ نے تم کو قائم مقام بنایا ہے کچھ اس میں سے خرچ کرو، یعنی انسان اپنے مال میں منیجر ہے مالک نہیں، پس مالک جو حکم دے اس کی تعمیل کرنی چاہئے۔

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ الآیۃ کی دوسری تفسیر

جمہور مفسرین کے نزدیک دوسرا الذین بھی المتقین کی صفت ہے، پہلے الذین پر معطوف نہیں، اور ایک موصوف کے اوصاف کے درمیان واؤ آتا ہے، اور وہ مطلق جمع کے لئے ہوتا ہے، پس پانچوں اوصاف متقین (مؤمنین صالحین) کے ہونگے، یہی تفسیر اوپر کی ہے۔

اور اس آیت کی ایک دوسری تفسیر حضرات ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کی ہے کہ دونوں الذین کے مصداق الگ الگ ہیں، پہلے الذین میں ان مشرکین کا حال بیان کیا ہے جنھوں نے ایمان قبول کیا، یعنی اہل مکہ، اور دوسرے الذین میں اہل کتاب (یہود ونصاری) کا حال بیان کیا ہے جو مشرف باسلام ہوئے، اس صورت میں دوسرے الذین کا پہلے الذین پر عطف ہوگا، پھر معطوف معطوف علیہ مل کر المتقین کی صفت ہونگے، اور واو کے ذریعہ عطف کی صورت میں من وجہٍ مغائرت ہوتی ہے۔

آیت ختم نبوت کی صریح دلیل ہے

اس آیت میں گذشتہ کتابوں اور نبیوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے، آئندہ کا ذکر نہیں، پس یہ دلیل ہے کہ اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، نہ کوئی نئی کتاب نازل ہوگی، اگر نبوت جاری ہوتی تو آئندہ آنے والے نبی پر اور اس کی کتاب پر ایمان لانے کا تذکرہ ہوتا، جبکہ قرآن میں کسی جگہ اس کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی نہیں، پس قادیانی وغیرہ جو نبوت کا دعوی کرتے ہیں وہ متنبّی (جھوٹے نبی) ہیں، اور وہ جو بالآخرۃ کی تاویل بالنبوۃ الآخرۃ سے کرتے ہیں وہ محض سخن سازی ہے!

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ع

اِنَّ	بے شک	اَمْ لَمْ	یا نہ	وَعَلٰى سَمْعِهِمْ	اور ان کے کانوں پر
الَّذِيْنَ(۱)	جن لوگوں نے	تُنْذِرْهُمْ	ڈرائیں	وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ	اور ان کی آنکھوں پر
كَفَرُوْا	(اسلام کا) انکار کیا	لَا يُؤْمِنُوْنَ	وہ ایمان نہیں لائیں گے	غِشَاوَةٌ	پردہ ہے
سَوَآءٌ(۲)	یکساں ہے	خَتَمَ	مہر کردی ہے	وَّلَهُمْ	اور ان کے لئے
عَلَيْهِمْ	ان پر	اللّٰهُ	اللہ نے	عَذَابٌ	سزا ہے
ءَاَنْذَرْتَهُمْ	خواہ آپؐ ان کو ڈرائیں	عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں پر	عَظِيْمٌ	بھاری

ربط: قرآنِ کریم کا یہ اسلوب ہے کہ ایک فریق کے بعد دوسرے فریق کا ذکر کرتا ہے، متقیوں کا حال بیان کیا کہ وہ کامیاب ہیں، اب منکرین کا تذکرہ کرتے ہیں، منکرین کی دو قسمیں ہیں: مُجاہر اور منافق، یعنی کھلے کافر اور دل میں کفر چھپائے ہوئے اور زبان سے کلمہ پڑھنے والے، یہ کافر آستین کے سانپ ہیں، ان کو پہچاننا ضروری ہے، اس لئے اب دو آیتوں میں کھلے کافروں کا اور تیرہ آیتوں میں اعتقادی منافقوں کا ذکر ہے۔

جب منکر انکار کی آخری حد کو چھو لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایمانی صلاحیت ختم کردیتے ہیں

یہ بات معلوم ہے کہ انسان مکلّف ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو غیر معمولی اختیار دیا ہے، جب وہ کسی اچھے یا برے کام کا

(۱) الذين كفروا: إن کا اسم ہے، اور خبر لايؤمنون ہے، اور جملہ سواء معترضہ ہے (۲) سواءٌ: مبتدا اور ء أنذرتهم أم لم تنذرهم: بتاویل مفرد ہوکر خبر ہے أى الإنذار وعدمه۔

کسب کرتا ہے، یعنی ابتدائی مقدمات اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کرتے ہیں، خالق ہر چیز کے اللہ تعالیٰ ہیں، ان کے سوا کوئی خالق نہیں، پس جو لوگ اسلام کا انکار کرتے کرتے آخری حد تک پہنچ جاتے ہیں ان کی ایمانی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے، اب ان کو سمجھانا نہ سمجھانا برابر ہے، وہ ایمان لانے والے نہیں، وہ دولتِ ایمان سے ہمیشہ کے لئے محروم کردیئے گئے، جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ۔ اب وہ حق بات کو نہیں سمجھیں گے، ان کے دلوں پر ڈاٹ لگ گئی، وہ سچی دعوت کو متوجہ ہوکر نہیں سنیں گے، ان کے کان بوجھل ہوگئے اور وہ راہِ حق کو نہیں دیکھیں گے، ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا، اب وہ کافر ہی مریں گے، اور اپنے کفر کی سزا آخرت میں بھگتیں گے!

فائدہ: یہ بات ہر کافر کے تعلق سے نہیں، منکرین تو ایمان لاتے ہی رہتے ہیں، ان کو سمجھانا مفید بھی ہوتا ہے، یہ بات ان کفار کے تعلق سے ہے جو انکار کی آخری حد کو چھو لیتے ہیں، جہاں سے وہ واپس نہیں لوٹ سکتے، اس کو مہر کرنے اور پردہ پڑنے سے تعبیر کیا ہے۔ انبیاء کو جب اس کی اطلاع کردی جاتی ہے تو وہ کفار کی ہلاکت کی دعا کرتے ہیں، سورۃ ہود کی (آیت ۳۶) ہے: ﴿وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴾: اور نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ آپ کی قوم میں سے ان لوگوں کے سوا جو ایمان لا چکے اور کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا، پس وہ (آپ کے ساتھ) جو کچھ کرتے ہیں ان کا غم نہ کھایئے، یہ اطلاع ملی تب آپ نے قوم کی کلّی ہلاکت کی دعا کی، ایسی اطلاع کے بغیر نبی دعا کرتا ہے تو اس کو وحی سے روک دیا جاتا ہے، سورۃ آلِ عمران کی (آیت ۱۲۸) ہے: ﴿لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾: آپ کا کچھ اختیار نہیں یا اللہ ان پر توجہ فرمائیں یا سزا دیں، اس لئے کہ وہ ظالم ہیں، نبی ﷺ نے غزوۂ احد میں کفار کے لئے بددعا کی تھی، پس آپ کو روک دیا گیا، کیونکہ وہ کفار اس اسٹیج پر نہیں پہنچے تھے، ان کے ایمان کی امید تھی، چنانچہ وہ بعد میں ایمان لائے اور دوست بن گئے۔

آیات کا ترجمہ: جن لوگوں نے انکار کیا ــــ یکساں ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ــــ یعنی سمجھائیں یا نہ سمجھائیں ــــ وہ ایمان نہیں لائیں گے، اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کردی، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، اور ان کے لئے بڑی بھاری سزا ہے۔

فائدہ: دل میں آنے والا خیال ہر سمت سے آتا ہے، اسی طرح کان میں آواز بھی ہر سمت سے آتی ہے، پس ان کی بندش جبھی ہوسکتی ہے کہ ان پر مہر کردی جائے، ڈاٹ لگادی جائے، اور آنکھ صرف سامنے کی چیز کا ادراک کرتی ہے اس لئے جب اس پر پردہ پڑ جائے تو ادراک ختم ہوجائے گا، مہر لگانے کی ضرورت نہیں (مظہری)

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ۞ يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ۞ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۙۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ۞

وَمِنَ النَّاسِ	اور بعض لوگ	اللّٰهَ	اللہ کو	فَزَادَهُمُ	پس بڑھایا ان کا
مَنۡ يَّقُوۡلُ	جو کہتے ہیں	وَ الَّذِيۡنَ	اور ان کو جو	اللّٰهُ	اللہ نے
اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	اٰمَنُوۡا	ایمان لائے	مَرَضًا[1]	روگ
بِاللّٰهِ	اللہ پر	وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ	اور نہیں دھوکہ دیتے وہ	وَلَهُمۡ	اور ان کے لئے
وَ بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ	اور قیامت کے دن پر	اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ	مگر اپنی ذاتوں کو	عَذَابٌ	سزا ہے
وَمَا هُمۡ	اور نہیں ہیں وہ	وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ	اور نہیں شعور رکھتے وہ	اَلِيۡمٌ	دردناک
بِمُؤۡمِنِيۡنَ	ایمان لانے والے	فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ	ان کے دلوں میں	بِمَا كَانُوۡا	اس وجہ سے کہ تھے وہ
يُخٰدِعُوۡنَ	دھوکہ دیتے ہیں وہ	مَّرَضٌ	روگ ہے	يَكۡذِبُوۡنَ	جھوٹ بولتے

منافقین کا تذکرہ

کھلے کافروں کے بعد اب اعتقادی منافقوں کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، منافق: باب مفاعلہ سے اسم فاعل واحد مذکر ہے، نفاق اور منافقت اصطلاح میں دورخی کا نام ہے، بظاہر آدمی زبان سے مؤمن ہونے کا اقرار کرے، دکھانے کے لئے نماز بھی پڑھے، لیکن دل میں کافر ہو، اسلام کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو، اسی کو منافق کہا جاتا ہے، اور اگر عقیدہ مؤمنانہ ہو اور عمل کافرانہ تو وہ بھی دورخی کی ایک شکل ہے، مگر اس کو منافق نہیں کہا جاتا، بلکہ فاسق اور عاصی کہا جاتا ہے۔
(شرح عقائد نسفی)

مکی دور میں منافقوں کا وجود نہیں تھا، اس لئے مکی سورتوں میں ان کا تذکرہ نہیں، اور مدنی زندگی میں ان کی ایک پوری جماعت بن گئی تھی، انھوں نے بظاہر اسلام قبول کیا تھا، مسلمانوں کے ساتھ شریک کار تھے، مگر حقیقت میں کافر تھے، زبان سے کلمہ پڑھتے تھے، عمل سے دکھاوا بھی کرتے تھے، مگر ان کا دل کافروں کے ساتھ تھا، ایسے لوگ اعتقادی منافق کہلاتے ہیں، مگر ان کا پتہ نہیں چل سکتا، کیونکہ دلوں کا حال اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، پس حالات وعلامات سے کسی پر منافق ہونے کا حکم

(۱) مرضًا: زاد کا مفعول ثانی ہے، زاد: متعدی بدو مفعول ہے۔

نہیں لگانا چاہئے، دورِ نبوی میں تو وحی سے ان کا پتہ چلتا تھا، اب ان کو جاننے کی کوئی صورت نہیں، البتہ جن کے حالات ومعاملات مشکوک ہوں ان سے ملت کو محتاط رہنا چاہئے۔

منافقین کے معاملات

۱-منافق بے ایمان ہیں: —— اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں: "ہم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے!" —— حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے! —— یعنی دل سے ایمان نہیں لائے جو حقیقت میں ایمان ہے، صرف زبان سے فریب دینے کے لئے اظہارِ ایمان کرتے ہیں (فوائد)

۲-منافق فریب کرتے ہیں: —— وہ (اپنے خیال میں) اللہ کے ساتھ اور مؤمنین کے ساتھ فریب کرتے ہیں —— اللہ کا ذکر تو مؤمنین کی تسکین کے لئے ہے، کیونکہ اللہ کے ساتھ کوئی فریب نہیں کرسکتا، وہ عالم الغیب ہیں، جیسے مصارفِ غنیمت وفیئ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر باقی مصارف کی تسکین کے لئے ہے، حقیقت میں منافقین مؤمنین کے ساتھ فریب کرتے ہیں —— اور وہ اپنے آپ ہی کے ساتھ فریب کررہے ہیں، لیکن وہ سمجھتے نہیں: —— یعنی ان کا فریب انہیں پر الٹ پڑے گا، ان کی دھوکہ بازی کا ضرر انہیں کو پہنچے گا، اللہ تعالیٰ مؤمنین کو ان کی حرکتوں سے واقف کردیں گے، اور وہ ضرر سے بچ جائیں گے، مگر منافق یہ بات سمجھتے نہیں!

ملحوظہ: بابِ مفاعلہ میں ہمیشہ اشتراک نہیں ہوتا، جیسے: عاقبتُ اللِّصَّ: میں نے چور کو سزا دی، اس میں مشارکت نہیں، پس مؤمنین کی طرف سے کوئی دھوکہ نہیں، منافقین ہی فریب کرتے ہیں۔

۳-نفاق دل کا بڑا روگ ہے: —— ان کے دلوں میں بڑا روگ ہے —— نفاق: کفر سے بدتر بدعقیدگی ہے —— پس اللہ نے ان کا روگ اور بڑھایا —— اسلام کی ترقی دیکھ کر ان کے دل کباب ہورہے ہیں —— اور (آخرت میں) ان کے لئے دردناک سزا ہے، اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے —— ہر دن ایمان کا جھوٹا دعوی کرتے تھے، اس کی سزا ملے گی۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿١١﴾ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٢﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ

مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٤﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١٥﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٦﴾

وَاِذَا قِيْلَ	اور جب کہا جاتا ہے	قَالُوْٓا	(تو) جواب دیتے ہیں	اِنَّا مَعَكُمْ	بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں
لَهُمْ	ان سے	اَنُؤْمِنُ	کیا ایمان لائیں ہم	اِنَّمَا نَحْنُ	اس کے سوانہیں کہ ہم
لَا تُفْسِدُوْا	نہ بگاڑ پھیلاؤ	كَمَآ اٰمَنَ	جس طرح ایمان لائے	مُسْتَهْزِءُوْنَ	ٹھٹھا کرنے والے ہیں
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	السُّفَهَآءُ	بے وقوف لوگ	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
قَالُوْٓا	(تو) جواب دیتے ہیں وہ	اَلَآ اِنَّهُمْ	سنو! بے شک وہ	يَسْتَهْزِئُ	ہنسی اڑاتے ہیں
اِنَّمَا نَحْنُ	اس کے سوانہیں کہ ہم	هُمُ	ہی	بِهِمْ	ان کی
مُصْلِحُوْنَ	اصلاح کرنے والے ہیں	السُّفَهَآءُ	بے وقوف ہیں	وَيَمُدُّهُمْ	اور ڈھیل دیتے ہیں
اَلَآ اِنَّهُمْ	سنو! بے شک وہ	وَلٰكِنْ	مگر	فِيْ طُغْيَانِهِمْ	ان کی سرکشی میں
هُمُ	ہی	لَّا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں	يَعْمَهُوْنَ (۱)	وہ حیران ہیں
الْمُفْسِدُوْنَ	خرابی پھیلانے والے ہیں	وَاِذَا لَقُوا	اور جب ملاقات کرتے ہیں	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ ہیں
وَلٰكِنْ	مگر	الَّذِيْنَ	ان سے جو	الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا	جنھوں نے خریدی
لَّا يَشْعُرُوْنَ	سمجھتے نہیں	اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہیں	الضَّلٰلَةَ	گمراہی
وَاِذَا قِيْلَ	اور جب کہا جاتا ہے	قَالُوْٓا	کہتے ہیں	بِالْهُدٰى	ہدایت کے بدل
لَهُمْ	ان سے	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	فَمَا رَبِحَتْ	پس نہیں سودمند ہوئی
اٰمِنُوْا	ایمان لاؤ	وَاِذَا خَلَوْا	اور جب تنہا ہوتے ہیں	تِّجَارَتُهُمْ	ان کی تجارت (بزنس)
كَمَآ اٰمَنَ	جس طرح ایمان لائے	اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ	اپنے شریروں کے پاس	وَمَا كَانُوْا	اور نہیں تھے وہ
النَّاسُ	دوسرے لوگ	قَالُوْٓا	کہتے ہیں	مُهْتَدِيْنَ	راہ پانے والے

منافقوں کے ظاہری احوال

۱- دورُخے آدمی کی حرکتوں سے ہمیشہ فساد پھیلتا ہے، منافقین اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے تھے، اور احکام کی تعمیل

(۱) عَمِهَ (ف) عَمَهًا: راستہ بھٹک کر پریشان ہونا کہ کہاں جائے، جملہ حالیہ ہے۔

میں سست تھے، مسلمانوں اور کافروں: دونوں کے پاس آتے جاتے تھے اور اپنی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے ایک کی باتیں دوسرے کو پہنچاتے تھے، اور ہر ایک کے سامنے ایسی باتیں کرتے تھے کہ وہ دوسرے سے بدظن ہو جائے، اور کفار کے ساتھ مداہنت و مدارات سے پیش آتے تھے، اور ان کے اعتراضات وشبہات کمزور مسلمانوں کے سامنے نقل کرتے تھے تا کہ وہ تذبذب کا شکار ہوں، اور جب ان سے کہا جاتا تھا کہ ایسی حرکتیں مت کرو، اس سے بگاڑ پھیلتا ہے تو وہ جواب دیتے: ہم اصلاح کی کوشش کرتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ آپسی تناؤ ختم ہو، اور سب شیر وشکر ہو کر رہیں، حالانکہ ایسا ممکن نہیں تھا، حق اور باطل ایک ساتھ کیسے ہو جائیں گے؟ مگر وہ اس بات کو سمجھتے نہیں، اصلاح کی صورت یہی ہے کہ دینِ حق کا غلبہ ہو، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ دین کے معاملہ میں کسی کی موافقت ومخالفت کی پرواہ نہ کی جائے، سب مسلمان متحد ہو کر رہیں، اور ملت کا کوئی راز فاش نہ کریں۔

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے: زمین میں بگاڑ مت پھیلاؤ! تو وہ جواب دیتے ہیں: ہم اصلاح کرنے والے ہی ہیں، سنو! وہی مفسد ہیں، مگر وہ سمجھتے نہیں!

۲- سچے مسلمان اسلام پر دل وجان سے فدا تھے، لوگوں کی مخالفت کی اور اس کے نتائج کی ان کو پرواہ نہیں تھی، اور منافق دونوں طرف بنائے رکھتے تھے، تا کہ دونوں کے ضرر سے بچیں، پس جب ان سے کہا جاتا کہ مخلص مسلمانوں کی طرح ایمان لاؤ، یعنی ایک طرف کے ہو کر رہو تو وہ جواب دیتے: یہ لوگ بے وقوف ہیں، عواقب سے ناواقف ہیں، مخالفت کی آندھی تیز ہے، اور اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا اس کا پتہ نہیں، پس احتیاط ضروری ہے، ایسا طریقہ اپنانا چاہئے کہ رام بھی رہے راضی اور رحیم بھی!

اس کا جواب دیتے ہیں کہ بے وقوف تو منافق ہیں، وہ نقد نفع دیکھ رہے ہیں، موجودہ حالات ان کے سامنے ہیں، کل کیا ہونے والا ہے اس کی ان کو خبر نہیں، کل جب اسلام کا بول بالا ہوگا تو منافقین کی بری گت بنے گی، وہ مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو کر رہ جائیں گے۔

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اور لوگوں کی طرح ایمان لاؤ! تو وہ جواب دیتے ہیں: کیا ہم احمقوں کی

طرح ایمان لائیں! —— سنو! وہی احمق ہیں، مگر جانتے نہیں!

۳-منافقین دوغلہ پالیسی بنائے ہوئے ہیں، مسلمانوں سے ملتے ہیں تو اسلام کا اظہار کرتے ہیں، اور جب اپنے گروگھنٹالوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم تمہارے ساتھ ہیں، اور ہم نے مسلمانوں کے سامنے جو اسلام کا اظہار کیا ہے وہ ہم نے ان کا الّو بنایا ہے، تم اس کا کچھ خیال نہ کرو! —— جواب: اللہ تعالیٰ ان کی ہنسی اڑاتے ہیں، یعنی ان کی حرکت کی ان کو سزا دیں گے، اور وہ گمراہی میں منافقین کی رسّی ڈھیلی کرتے رہیں گے، جس میں وہ ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے اور موت ان کو آدبوچے گی، پھر دیکھنا ان کی کیسی گت بنتی ہے!

﴿ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۴ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۵ ﴾

ترجمہ: اور جب منافقین ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لائے ہیں! اور جب تنہائی میں اپنے شریر سرداروں کے پاس پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم بالیقین تمہارے ساتھ ہیں! ہم تو مسلمانوں کا بس اُلّو بناتے ہیں —— اللہ تعالیٰ ان کی ہنسی اڑاتے ہیں، اور ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتے جارہے ہیں، دراں حالے کہ وہ تذبذب کا شکار ہیں۔

۴-منافقین نے بظاہر اسلام قبول کیا، اور بباطن کافر رہے، پس وہ کافر ہی رہے، کیونکہ اعتبار دل کا ہے، زبان کا اعتبار نہیں، یہی انھوں نے ہدایت کے بدل گمراہی خریدی، یہ گھاٹے کا سودا ہے، ان کو نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم! ﴿ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴾: دنیا میں خوار ہوئے اور آخرت میں خراب! سچے دل سے مسلمان ہوتے تو دارین میں سرخ رُو ہوتے، موجودہ حالت میں وہ راہ یاب نہیں، پس سعادتِ دارین سے محروم رہے!

﴿ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۱۶ ﴾

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدل گمراہی خریدی، پس ان کی تجارت سود مند نہیں ہوئی، نہ انھیں ہدایت کا راستہ نصیب ہوا!

مَثَلُھُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَاۗءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَھُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ۝۱۷ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝۱۸ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَھُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ

حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۱۹ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَھَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۰

مَثَلُهُمْ	ان کا حال	بُكْمٌ	گونگے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
كَمَثَلِ (۱)	جیسا حال	عُمْيٌ	اندھے ہیں	مُحِيْطٌۢ	گھیرنے والے ہیں
الَّذِي	اس کا جس نے	فَهُمْ	پس وہ	بِالْكٰفِرِيْنَ	کافروں کو
اسْتَوْقَدَ	جلائی	لَا يَرْجِعُوْنَ	نہیں لوٹیں گے	يَكَادُ (۴)	قریب ہے
نَارًا	کوئی آگ	اَوْ كَصَيِّبٍ	یا جیسے زور کی بارش	الْبَرْقُ	بجلی
فَلَمَّآ	پس جب	مِّنَ السَّمَاۗءِ	بادل سے (برسے)	يَخْطَفُ	اچک لے
اَضَاۗءَتْ	روشن کردیا آگ نے	فِيْهِ (۲)	اس میں	اَبْصَارَھُمْ	ان کی آنکھوں کو
مَا حَوْلَهٗ	اس کے آس پاس کو	ظُلُمٰتٌ	اندھیریاں	كُلَّمَآ	جب جب
ذَھَبَ	لے گئے	وَّرَعْدٌ	اور گرج	اَضَاۗءَ (۵)	روشنی ہوتی ہے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَّبَرْقٌ	اور بجلی ہے	لَھُمْ	ان کے لئے
بِنُوْرِهِمْ	ان کی روشنی	يَجْعَلُوْنَ	گردانتے ہیں وہ	مَّشَوْا	چلتے ہیں وہ
وَتَرَكَھُمْ	اور چھوڑ دیا ان کو	اَصَابِعَھُمْ	اپنی انگلیاں	فِيْهِ	اس میں
فِيْ ظُلُمٰتٍ	اندھیریوں میں	فِيْٓ اٰذَانِهِمْ	اپنے کانوں میں	وَاِذَآ	اور جب
لَّا يُبْصِرُوْنَ	نہیں دیکھتے وہ	مِّنَ الصَّوَاعِقِ (۳)	کڑاکوں کی وجہ سے	اَظْلَمَ (۶)	اندھیرا چھا جاتا ہے
صُمٌّ	بہرے	حَذَرَ الْمَوْتِ	موت کے ڈر سے	عَلَيْهِمْ	ان پر

(۱) مثل: مابعد کی طرف مضاف ہے (۲) فیہ: کی ضمیر السماء کی طرف عائد ہے اور السماء سے مراد السحاب ہے، اس لئے مذکر کی ضمیر لوٹائی ہے (۳) من الصواعق: میں مِن اجلیہ ہے، اور حذر الموت: یجعلون کا مفعول لہ ہے (۴) یکاد: یخطف پر داخل ہے، اور وہ محل اثبات میں فعل کی نفی کرتا ہے یعنی آنکھیں اچکی نہیں، قریب تھا کہ اچک لی جائیں (۵) أضاء: لازم اور متعدی ہے (٦) أظلم: بھی لازم اور متعدی ہے۔

قَامُوۡا	کھڑے ہوجاتے ہیں	لَذَھَبَ	تو لے جائیں	اِنَّ اللّٰہَ	بے شک اللہ تعالیٰ
وَلَوۡ شَآءَ	اور اگر چاہیں	بِسَمۡعِہِمۡ	ان کے کان	عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ	ہر چیز پر
اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ	وَاَبۡصَارِہِمۡ	اور ان کی آنکھیں	قَدِیۡرٌ	پوری قدرت والے ہیں

قرآنِ کریم کا تمثیل کا طریقہ

تمثیل کے معنی ہیں: تشبیہ دینا، کسی چیز کی محسوس مثال بیان کرنا، قرآنِ کریم کا تمثیل کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مثال بیان کرتے کرتے ممثّل لہٗ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، اس لئے تطبیق کی ضرورت نہیں رہتی، جیسے سورۃ النور (آیت ۳۹) میں ایک تمثیل ہے کہ کفار کے اعمالِ صالحہ آخرت میں رائگاں ہونگے، ان کا کچھ صلہ نہیں ملے گا، بلکہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے، ارشادِ پاک ہے: ﴿ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَعۡمَالُھُمۡ کَسَرَابٍۭ بِقِیۡعَۃٍ یَّحۡسَبُہُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَہٗ لَمۡ یَجِدۡہُ شَیۡئًا وَّوَجَدَ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ فَوَفّٰىہُ حِسَابَہٗ ؕ ﴾: اور جن لوگوں نے اسلام کا انکار کیا، ان کے (اچھے) اعمال کی مثال: جیسے چٹیل میدان میں چمکتی ریت، جس کو پیاسا پانی خیال کرتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس (سراب) کے پاس پہنچا تو اس کو کچھ بھی نہیں پایا (یہاں تک مثال ہے) اور اس (سراب) کے پاس اللہ تعالیٰ کو پایا، پس اللہ نے اس کا پورا پورا حساب چکایا (یہ کلام مثال سے ممثّل لہٗ کی طرف منتقل ہوگیا)

اسی طرح یہاں پہلے مثلھم کی ضمیر منافقین کی طرف لوٹتی ہے، وہ مشبّہ ہیں، پھر الذین: مفرد ہے، جو مشبّہ بہ ہے، اور استوقد اور حولہ کی ضمیریں اس کی طرف لوٹتی ہیں کیونکہ الذی مفرد ہے، اور حولہ تک مثال ہے، پھر ذھب اللہ سے کلام ممثّل لہٗ کی طرف منتقل ہوا ہے، اس لئے اب سب جمع کی ضمیریں منافقین کی طرف لوٹیں گی۔

اسی طرح أو کصیب کی مثال برق تک ہے، اور یجعلون سے کلام ممثّل لہٗ کی طرف منتقل ہوا ہے، اس لئے اب جمع کی ضمیریں منافقین کی طرف لوٹیں گی ــــ لیکن مثال بھی در پردہ چلتی رہے گی، جس کو تقریر میں واضح کیا ہے۔

نفاق کی تاریخ اور منافقین کی دو قسمیں

جب نبی ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مدینہ میں تین قومیں تھیں:

(۱) مسلمان: جو آٹے میں نمک کے برابر تھے (۲) مشرکین: جن کی نفری تعداد سب سے زیادہ تھی (۳) یہود: جن کی اقتصادی حالت مضبوط تھی، نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد معاً ایک فیڈریشن (وفاقی جماعت) بنایا، جس سے تینوں قومیں ایک ہوگئیں، پھر مکہ والوں نے مسلمانوں پر چڑھائی کی سوچی تو ان کا مقابلہ ضروری ہوا، چھوٹی جھڑپوں کے بعد پہلی بڑی

جنگ بدر میں ہوئی، جس میں مسلمانوں کو واضح کامیابی ملی، مشرکوں کے ستّر سورما مارے گئے اور ستّر قید میں آئے، پھر بدر سے لوٹ کر نبی ﷺ نے یہود کے قبیلہ بنوقینقاع کو شہر بدر کیا تو مدینہ کے مشرکین ہل گئے، ان کا سردار عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) تھا، ہجرت سے پہلے اس کی تاج پوشی کی تیاری کرلی گئی تھی، مگر ہجرت نے رنگ میں بھنگ ڈال دیا اور اس کی تاج پوشی رک گئی، مگر بہر حال وہ تھا مشرکین کا بڑا، غزوۂ بدر کے بعد اس نے اپنے لوگوں سے کہا: **إن هذا الأمر قد توجَّه**: اسلام تو بڑھ چلا! اب اس کے جھنڈے تلے پناہ لینی ضروری ہے، اس طرح عبداللہ کی پارٹی بظاہر مسلمان ہوئی اور بباطن کافر رہی، اور نفاق وجود میں آیا۔

یہ منافقین دو قسم کے تھے: ایک: دل میں کٹّر کافر تھے، مگر کلمۂ اسلام پڑھتے تھے، اور خود کو مسلمان کہتے تھے، پہلی مثال ان کی ہے، ان کو بالکل اندھیریوں میں رہ جانے والوں کے مانند قرار دیا ہے، دوسری قسم: کے منافق وہ تھے جو نفاق میں ڈھیلے تھے، جب وہ کسی غزوہ میں مسلمانوں کی کامیابی دیکھتے تو اسلام کی طرف لپکتے، اور ان کو اسلام کے حق ہونے کا خیال آتا، اور غزوۂ احد میں بظاہر ناکامی ہوئی تو انھوں نے قدم پیچھے ہٹالیا، اور اسلام کے بارے میں بدظن ہوگئے، دوسری مثال ان لوگوں کی ہے۔

منافقوں کے باطنی احوال

کٹّر منافقوں کی مثال: ایک شخص خطرناک جنگل میں ہے، اس نے خطرات سے بچنے کے لئے شب تار میں آگ جلائی، جب ماحول روشن ہوگیا اور وہ خطرات سے مأمون ہوگیا تو یکدم آگ بجھ گئی اور وہ گھپ اندھیرے میں رہ گیا، یہی حال کٹّر منافقوں کا ہے، وہ بظاہر ایمان لائے، یہ انھوں نے آگ روشن کی اور مسلمانوں کی گرفت سے بچ گئے، یہ ماحول روشن ہوگیا کہ وحی نے ان کا بھانڈا پھوڑ دیا، یہ آگ بجھ گئی، اب وہ کفر کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں، ان کو کچھ سوجھائی نہیں دیتا کہ کیا کریں، وہ بہرے ہیں، سچی بات نہیں سنتے، گونگے ہیں، مصیبت میں کسی کو پکار نہیں سکتے، اندھے ہیں، ان کو اپنا نفع نقصان نظر نہیں آتا، اب ان سے ہرگز توقع نہیں کہ وہ گمراہی سے حق کی طرف لوٹیں، مدینہ میں ایسے کٹّر منافق بارہ رہ گئے تھے، جن کے نام نبی ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتائے تھے۔

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾﴾

ترجمہ: ان کا حال اس شخص کے حال جیسا ہے جس نے کوئی آگ جلائی، پس جب آگ نے اس کے ماحول کو روشن کردیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی بجھادی، اور ان کو اندھیریوں میں چھوڑ دیا، وہ کچھ نہیں دیکھتے! وہ بہرے، گونگے،

اندھے ہیں، اب وہ نہیں لوٹیں گے!

ڈھیلے منافقوں کی مثال: ایک شخص لق ودق جنگل (سنسان بیابان) میں چل رہا ہے کہ زور کا مینہ برسنے لگا، تاریکیاں ہی تاریکیاں: تہ بہ تہ بادل، بارش موسلا دھار اور رات کا گھپ اندھیرا، اور ساتھ ہی غضب کی کڑک اور چمک، کڑک ایسی کہ موت کے ڈر سے آدمی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لے اور چمک ایسی کہ خطرہ ہے آنکھیں نہ چلی جائیں، جب روشنی ہوتی ہے تو وہ چند قدم چلتا ہے اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو وہ کھڑا رہ جاتا ہے۔

یہی حال مذبذب منافقوں کا ہے، رحمت الٰہی کی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے، اس میں ترہیبات اور وعیدیں بھی ہیں، اور کافروں اور منافقوں کو کھڑ کھڑایا جا رہا ہے، جن کے سننے کی ان میں تاب نہیں، وہ جب اسلام میں اپنا کوئی مفاد دیکھتے ہیں تو آگے بڑھتے ہیں اور دوسری صورت میں اپنی جگہ کھڑے رہ جاتے ہیں، وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ چاہیں تو دنیا میں منافقین کو اندھا بہرہ کر دیں، وہ سب کچھ کر سکتے ہیں، یہ لوگ بعد میں سچے پکے مسلمان ہو گئے تھے۔

﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَھَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: یا جیسے آسمان سے موسلا دھار بارش، اس میں اندھیریاں، گرج اور چمک ہے —— گرج کا حال: —— وہ کڑاکوں کی وجہ سے موت کے ڈر سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونستے ہیں —— اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والے ہیں —— وہ ان وعیدوں سے کہاں بچ سکتے ہیں! —— اور بجلی کا حال: —— بجلی قریب ہے کہ ان کی آنکھوں کو اچک لے، جب جب ان کے لئے روشنی ہوتی ہے تو وہ اس میں چلتے ہیں، اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں کو اچک لیں، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

فائدہ: بارش کے ساتھ تین چیزیں ہیں: تاریکی، بادل کی گرج اور بجلی کی چمک، تینوں غیر معمولی تھیں، تاریکی کی شدت ﴿ ظُلُمٰتٌ ﴾ جمع لا کر بتائی، اور کڑک کی شدت ﴿ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ ﴾ سے بیان کی ہے، اور برق کی شدت ﴿ يَكَادُ الْبَرْقُ ﴾ سے بیان کی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّکُمۡ ۚ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾

یٰۤاَیُّهَا	اے	الَّذِیۡ[۱]	جس نے	فَاَخۡرَجَ	پس نکالی
النَّاسُ	لوگو	جَعَلَ	بنایا	بِهٖ	اس کے ذریعہ
اعۡبُدُوۡا	عبادت کرو	لَکُمُ	تمہارے لئے	مِنَ الثَّمَرٰتِ[۲]	پھلوں سے
رَبَّکُمُ	اپنے اس رب کی	الۡاَرۡضَ	زمین کو	رِزۡقًا	روزی
الَّذِیۡ	جس نے	فِرَاشًا	بچھونا	لَّکُمۡ	تمہارے لئے
خَلَقَکُمۡ	تم کو پیدا کیا	وَّالسَّمَآءَ	اورآسمان کو	فَلَا تَجۡعَلُوۡا	پس نہ بناؤتم
وَالَّذِیۡنَ	اوران کو جو	بِنَآءً	چھت	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے
مِنۡ قَبۡلِکُمۡ	تم سے پہلے ہوئے	وَّاَنۡزَلَ	اوراتارا	اَنۡدَادًا	ہم سر(مقابل)
لَعَلَّکُمۡ	تاکہ تم	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	وَّ اَنۡتُمۡ	درانحالیکہ تم
تَتَّقُوۡنَ	متقی بنو	مَآءً	پانی	تَعۡلَمُوۡنَ	جانتے ہو

توحید کا بیان

اللہ کی بندگی کرو، اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اوراس کی جسمانی وروحانی ضرورتوں کا انتظام کیا ہے

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ﴾ عام خطاب ہے، مگر قرآن اس سے غیر مسلموں کو مخاطب بناتا ہے، پہلے کھلے اور چھپے کافروں کا ذکر آیا ہے، اب ان کو اسلام کے تین بنیادی عقائد سمجھاتے ہیں، ان دوآیتوں میں توحید کا بیان ہے، اوراس پر ربوبیت سے استدلال کیا ہے، پھر رسالت کا بیان ہے، اوراس کو آخرت پر مقدم اس لئے کیا ہے کہ رسالت ربوبیت کا ایک حصہ ہے، اس سے انسان کی روحانی ضرورت پوری ہوتی ہے۔

غیر مسلموں سے خطاب ہے کہ صرف اللہ کی بندگی کرو، کسی کو اس کا ہم سرمت بناؤ، کیونکہ موجودہ انسانوں کو اوران کے اگلے باپ دادوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، کوئی اور خالق نہیں، پھر پیدا کرنے کے بعد انسان کی ضرورتوں کا انتظام کیا،

(۱)الذی: پہلے الذی سے بدل ہے (۲)من الثمرات: رزقًا کا حال مقدم ہے، ذوالحال نکرہ ہوتو حال کو مقدم لاتے ہیں، أی رزقًا کائنا من الثمرات (۳)أنداد: نِدّ کی جمع: مقابل، برابر۔

زمین کو فرش بنایا یعنی قابل رہائش بنایا، آسمان کو چھت بنایا، چھت کے بغیر کمرہ برا معلوم ہوتا ہے، اور چھت اوپر کے اثرات بھی روکتی ہے، اور آسمان سے پانی برسایا، اس سے پھل پیدا ہوئے، جو انسان کی روزی بنتے ہیں، پس اللہ ہی رب ہیں، لہٰذا اسی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو بندگی میں شریک مت کرو، کیونکہ انسان جانتا ہے کہ وہی پروردگار ہیں، پھر کوئی دوسرا معبود کیسے ہوسکتا ہے؟ اور انسان روح اور بدن کا مجموعہ ہے، اور دونوں کی ضرورتیں الگ الگ ہیں، جسمانی ضرورتوں کا ذکر آیا، اور روحانی ضرورت کی تکمیل کے لئے نبوت کا سلسلہ قائم کیا، اس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

آیاتِ پاک کا ترجمہ: اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی بندگی کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے والوں کو پیدا کیا، تاکہ تم متقی بنو —— یہ تلمیح (اشارہ) ہے: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ کی طرف اور توحید الوہیت کے فائدہ کا بیان ہے —— جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا، اور آسمان کو چھت بنایا، اور آسمان سے پانی برسایا، پس اس کے ذریعہ تمہارے لئے پھلوں کی روزی پیدا کی، لہٰذا اللہ کا ہمسر مت بناؤ، درانحالیکہ تم جانتے ہو —— کہ اور کوئی نہ خالق ہے نہ پروردگار!

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَاۗءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۳ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ښ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝۲۴ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا ھٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۶ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۲۷

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ	اور اگر ہو تم کسی شک میں	مِّمَّا نَزَّلْنَا	اس کلام کے بارے میں جو اتارا ہم نے	عَلٰي عَبْدِنَا فَاْتُوْا	اپنے بندے پر پس لاؤ تم

بِسُوْرَةٍ	کوئی سورت (ٹکڑا)	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	وَّهُمْ فِيْهَا	اور وہ ان میں
مِّنْ مِّثْلِهٖ	اس جیسی	اَنَّ لَهُمْ	کہ ان کے لئے	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں
وَادْعُوْا	اور بلاؤ تم	جَنّٰتٍ	باغات ہیں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
شُهَدَآءَكُمْ (۱)	اپنے حمایتیوں کو	تَجْرِيْ	بہتی ہیں	لَا يَسْتَحْيٖٓ	نہیں شرماتے
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے ورے	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے	اَنْ يَّضْرِبَ	کہ ماریں
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	الْاَنْهٰرُ	نہریں	مَثَلًا مَّا	کوئی بھی مثال
صٰدِقِيْنَ	سچے	كُلَّمَا	جب بھی	بَعُوْضَةً	مچھر کی
فَاِنْ لَّمْ	پس اگر نہ	رُزِقُوْا	دیئے جائیں گے وہ	فَمَا فَوْقَهَا	یا اس سے بڑھ کر
تَفْعَلُوْا	کرو تم	مِنْهَا	ان سے	فَاَمَّا الَّذِيْنَ	پس رہے جنھوں نے
وَلَنْ تَفْعَلُوْا	اور ہرگز نہیں کروگے تم	مِنْ ثَمَرَةٍ	کوئی پھل	اٰمَنُوْا	مان لیا
فَاتَّقُوْا	تو بچو	رِّزْقًا	بطور روزی	فَيَعْلَمُوْنَ	تو وہ جانتے ہیں
النَّارَ	اس آگ سے	قَالُوْا	کہیں گے وہ	اَنَّهُ الْحَقُّ	کہ وہ مثال برحق ہے
الَّتِيْ	جو	هٰذَا الَّذِيْ	یہ وہ ہے جو	مِنْ رَّبِّهِمْ	ان کے رب کی طرف سے
وَقُوْدُهَا	اس کا ایندھن	رُزِقْنَا	کھانے کیلئے دیئے گئے ہم	وَاَمَّا الَّذِيْنَ	اور رہے جنھوں نے
النَّاسُ	لوگ	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے	كَفَرُوْا	انکار کیا
وَالْحِجَارَةُ	اور پتھر ہیں	وَاُتُوْا	اور لائے گئے وہ	فَيَقُوْلُوْنَ	وہ کہتے ہیں
اُعِدَّتْ	تیار کی گئی ہے	بِهٖ	پھل	مَاذَآ اَرَادَ	کیا مراد لی ہے
لِلْكٰفِرِيْنَ	نہ ماننے والوں کیلئے	مُتَشَابِهًا	ایک صورت کے	اللّٰهُ	اللہ نے
وَبَشِّرِ	اور اچھی خبر دیں	وَلَهُمْ فِيْهَآ	اور ان کے لئے ان میں	بِهٰذَا مَثَلًا (۲)	اس مثال سے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ان کو جنھوں نے مان لیا	اَزْوَاجٌ	بیویاں ہیں	يُضِلُّ	گمراہ کرتے ہیں
وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	مُّطَهَّرَةٌ	پاکیزہ	بِهٖ	اس کے ذریعہ

(۱) شهید: کے اصلی معنی ہیں: گواہ، مجازی معنی ہیں: حاضر، حال بتانے والا اور مددگار، کیونکہ گواہ میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔
(۲) مثلاً: تمیز ہے، نسبت کے ابہام کو دور کرتی ہے۔

كَثِيْرًا	بہت سوں کو	الَّذِيْنَ	جو	بِهٖٓ	اس کے بارے میں
وَّيَهْدِيْ	اور راہ دکھاتے ہیں	يَنْقُضُوْنَ	توڑتے ہیں	اَنْ يُّوْصَلَ	کہ جوڑا جائے
بِهٖ	اس کے ذریعہ	عَهْدَ اللّٰهِ	اللہ کا پیمان (وچن)	وَيُفْسِدُوْنَ	اور بگاڑ پھیلاتے ہیں وہ
كَثِيْرًا	بہت سوں کو	مِنْۢ بَعْدِ	اس کو مضبوط باندھنے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
وَمَا يُضِلُّ	اور نہیں گمراہ کرتے	مِيْثَاقِهٖ	کے بعد	اُولٰۗىِٕكَ	یہی لوگ
بِهٖٓ	اس کے ذریعہ	وَيَقْطَعُوْنَ	اور کاٹتے ہیں	هُمُ	وہ
اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ	مگر حد اطاعت سے	مَآ اَمَرَ	اس رشتہ کو کہ حکم دیا ہے	الْخٰسِرُوْنَ	گھاٹے میں رہنے
	نکلنے والوں کو	اللّٰهُ	اللہ نے		والے ہیں

رسالت کا بیان

دور سے ربط: سورۂ بقرۃ کے شروع میں آیا ہے کہ قرآنِ کریم اللہ کی کتاب ہے، اس میں کچھ شک نہیں، شک دو وجہ سے ہوسکتا ہے: **ایک:** کلام میں کوئی بات قابلِ اعتراض ہو، ﴿لَا رَيْبَ ۚ فِيْهِ﴾ میں اس کی نفی کی ہے۔ **دوم:** فہم کی کمی یا عناد کی زیادتی سے شک ہو، اس کا بیان یہاں ہے۔

قریب سے ربط: قرآنِ کریم دلیلِ رسالت ہے، اور رسالت کا مضمون توحید کے مضمون سے اس اعتبار سے جڑا ہوا ہے کہ رسالت: مخلوقات کی روحانی چارہ سازی ہے، نبوت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بندوں کی روحانی تربیت کرتے ہیں، پس رسالت: الوہیت کا تقاضا ہے، اس لئے توحید کے بیان کے بعد رسالت کا مضمون شروع ہوا ہے۔

اگر کسی کو قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے میں شک ہو تو ہمیں چوگاں ہمیں میداں!

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوتِ حق پر مامور ہوتے ہیں، ان کو اثباتِ دعوی کے لئے اور امت کو مائل وقائل کرنے کے لئے بطور حجت معجزات عطا کئے جاتے ہیں، پس دعوت وحجت دو علاحدہ علاحدہ چیزیں ہیں۔

پھر ہر پیغمبر کو اس کے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق معجزات عطا کئے جاتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا تو ان کو عصا اور ید بیضاء کے معجزات عطا ہوئے، اور عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ طب وحکمت کا زمانہ تھا تو ان کو اکمہ (مادر زاد نابینا) کو بینا کرنے اور ابرص (کوڑھی) کو چنگا کرنے کے معجزات دیئے گئے، اور ساتھ ہی اللہ کی کتابیں (تورات وانجیل)

بھی دی گئیں، جو دعوت پر مشتمل تھیں، وہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں تھیں، کلام نہیں تھیں، چنانچہ ان میں تحریف وتبدیلی ممکن ہوئی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے براہینِ قاسمیہ (جواب ترکی بہ ترکی) میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ تورات وانجیل وغیرہ کتب من جانب اللہ ہونے کے باوجود قرآنِ کریم کی طرح فصیح وبلیغ کیوں نہیں؟ فرماتے ہیں:

''ہاں خدا کی کتاب مثل تورات وانجیل اور زبانوں میں بھی نازل ہوئیں، مگر ظاہر ہے کہ کسی کی کوئی کتاب ہو تو یہ لازم نہیں کہ اس کا کلام بھی ہو، کیونکہ عربی زبان میں کتاب خط کو کہتے ہیں، اور خط اوروں سے بھی لکھوا سکتے ہیں، سو اگر مضمون الہامی ہو، اور عبارت ملائکہ کی ہو، یا فرض کرو کہ عبارت انبیاء کی ہو، جیسے اہلِ کتاب کا بہ نسبت تورات وانجیل خیال ہے تو تورات وانجیل کتاب اللہ تو ہونگی، پر کلام اللہ نہ ہونگی۔

شاید یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم میں جہاں تورات وانجیل کا ذکر ہے وہاں ان کو کتاب اللہ کہا ہے، کلام اللہ نہیں کہا، اور ایک آدھ جگہ (سورۃ البقرۃ آیت ۷۵) سوائے قرآن اور کلام کو 'کلام اللہ' کہا ہے تو وہاں نہ تورات کا ذکر ہے نہ انجیل کا، بلکہ بدلالتِ قرآن اس کلام کا ذکر معلوم ہوتا ہے جو ہم راہیانِ موسیٰ علیہ السلام نے سنا تھا، اور پھر یہ کہا تھا: ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۵۵) یعنی فقط کلام سن کر ایمان نہ لائیں گے، خدا کو دیکھ لیں گے تو ایمان لائیں گے۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اور کتابوں کے اعجاز بلاغت وفصاحت کا دعوی نہیں کیا گیا، یعنی خدا کا کلام ہوتیں تو وہ بھی معجزہ ہوتیں، کیونکہ ایک آدمی کے کلام کا ایک انداز ہوتا ہے' الی آخرہ (براہین قاسمیہ ص:۱۱۵)

پھر جب ہمارے نبی ﷺ کا دور آیا تو آپ کو معجزہ کے طور پر قرآنِ کریم عطا ہوا، کیونکہ عربوں میں فصاحت وبلاغت کا زور تھا، اور قرآن میں چیلنج دیا گیا ہے کہ ہمیں چوگاں ہمیں میداں، یہی مقابلہ کی جگہ ہے یہیں آزمائش ہو جائے، اگر تمہیں کچھ خلجان ہو اُس کتاب کی نسبت جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے تو تم بنا لاؤ ایک چھوٹا سا ٹکڑا جو اس کا ہم پلّہ ہو، اور اپنے ان حمایتوں کو بھی بلا لو جو تم نے اللہ سے ورے تجویز کر رکھے ہیں، اگر تم (تکذیب میں) سچے ہو، لیکن اگر تم یہ کام نہ کر سکو، اور ہرگز نہیں کر سکو گے، تو پھر اُس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، جو کافروں کے لئے تیار کی ہوئی ہے (یہ سن کر کیسا کچھ جوش وخروش اور پیچ وتاب نہ آیا ہوگا، اور کوئی دقیقہ سعی کا کیوں اٹھا رکھا ہوگا؟ پھر عاجز ہو کر اپنا سا منہ لے کر بیٹھ رہنا قطعی دلیل ہے کہ قرآنِ مجید معجزہ ہے ۱۲ تھانوی قدس سرہ)

اور قرآنِ کریم میں دعوت وحجت دونوں جمع ہیں، وہ معنی کے لحاظ سے دعوت ہے، اور بلاغت وفصاحت کے لحاظ سے حجت ہے، یعنی اس کی حجیت اس کی ذات میں مضمر ہے، وہ اللہ کا کلام ہے، نہ اس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے نہ اس میں تبدیلی ممکن ہے، وہ نبی ﷺ کا زندۂ جاوید (ہمیشہ ہمیش کے لئے) معجزہ ہے، اور وجوہ اعجاز بے شمار ہیں جو بڑی کتابوں میں مذکور

ہیں، اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی کتاب علوم القرآن میں اس پر مفصل بحث ہے جو قابل مراجعت ہے۔

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر تم کسی شک میں ہو اس کتاب کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو تم بنا لاؤ کوئی ٹکڑا جو اس کے ہم پلّہ ہو، اور اپنے حمایتوں کو جو اللہ سے وَرے ہیں بلا لو، اگر تم سچے ہو —— پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکو —— اور ہرگز نہیں کر سکو گے —— تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، جو نہ ماننے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے!

—— جہنم کا ایندھن لوگ یعنی کافر اور پتھر یعنی ان کی مورتیاں ہیں، اور جہنم سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ کلامِ الٰہی پر ایمان لاؤ اور اس کے احکام کی تعمیل کرو تو جنت نصیب ہوگی۔

قرآنِ کریم کو کلامِ الٰہی ماننے والوں کے لئے اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے والوں کے لئے خوشخبری

قرآنِ کریم کا طریقہ ہے کہ کفار کو وعید سنانے کے بعد نیک مؤمنین کو خوش خبری سناتا ہے، مگر ﴿وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ کی قید کے ساتھ بشارت دیتا ہے، یعنی نیک مؤمنین جو احکامِ قرآن کی تعمیل کرتے ہیں ان کو خوش خبری سناتا ہے، پس بے عمل مسلمان ہوشیار ہو جائیں، جو لوگ عمل کئے بغیر جنت نشیں ہونا چاہتے ہیں وہ خام خیالی میں مبتلا ہیں، آج سنبھلنے کا موقع ہے کل جب وقت ہاتھ سے نکل جائے گا تو کفِ افسوس ملنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

جن لوگوں نے قرآنِ کریم کو اللہ کی کتاب تسلیم کیا، اور اس کے احکام پر عمل کیا، ان کو آخرت میں چار باتیں نصیب ہونگی:

۱- ان کو بہت سے باغات ملیں گے، جو سدا بہار ہونگے، کیونکہ ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں،

۲- جنت میں کھانے کے لئے جو پھل ملیں گے وہ ایک صورت کے ہونگے، صورتیں یکساں ہونگی مگر ذائقہ مختلف ہوگا، آم منگوایا امرود آیا، جنتی کہے گا: امرود تو ہم نے ابھی کھایا آم لاؤ! خادم کہے گا: کھا کر تو دیکھو! کاٹا اور کھایا تو آم تھا، مزہ آ گیا!

۳- وہاں پاکیزہ بیویاں ملیں گی، حوریں بھی اور دنیا کی عورتیں بھی، سب آلائشوں سے پاک صاف ہونگی۔

۴- جنتی ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے، ایک دفعہ جا کر پھر نکلنا نہ پڑے گا، یہاں دنیا کی ہر نعمت کے ساتھ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں کب لے لی جائے؟ وہاں یہ خطرہ نہیں ہوگا۔

﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا ھٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّھُمْ فِيْهَا

خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: اور خوش خبری سنائیں ماننے والوں کو، جنھوں نے نیک کام کئے کہ ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جب بھی وہ کوئی پھل کھانے کے لئے دیئے جائیں گے ان باغات میں سے تو کہیں گے: یہ تو وہی ہے جو اس سے پہلے کھانے کو دیا گیا تھا! اور لائے جائیں گے وہ پھل ملتا جلتا ـــــ یعنی وہ پہلا پھل نہیں ہوگا، اس کے ہم شکل ہوگا ـــــ اور ان کے لئے ان باغات میں ستھری بیویاں ہیں، اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

قرآن جیسی ایک سورت بھی نہ لاسکے تو لگے اس میں کیڑے نکالنے!

جب مشرکین قرآن جیسی ایک سورت بھی نہ لاسکے تو قرآن میں فیہ نکالنی شروع کی کہ اس میں مکھی، مچھر اور مکڑی کی مثالیں ہیں اللہ عظیم المرتبت کی کتاب میں ایسی حقیر اور معمولی چیزوں کا ذکر نہیں ہوسکتا، لامحالہ یہ انسان کا کلام ہے، انسان ہی ایسی معمولی چیزوں کا ذکر کرسکتا ہے!

جواب: مثالیں ممثّل لہ کے حسبِ حال ہوتی ہیں، جب مورتیوں کی بے بسی سمجھانی ہے تو یہی مثالیں ہونگی، مثالوں میں مضمون کا لحاظ ہوتا ہے، متکلم کی حیثیت کا لحاظ نہیں ہوتا، مگر جب ذوق خراب ہوجائے تو میٹھی چیز بھی کڑوی لگتی ہے، مؤمنین تو ان مثالوں کو برمحل سمجھتے ہیں، اور منکرین کے لئے یہ مثالیں پردہ بن گئیں، اس لئے کہ وہ اطاعت کے دائرہ سے باہر نکل گئے، اس لئے وہ خواہ مخواہ اعتراض کھڑا کرتے ہیں۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ ﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نہیں شرماتے اس سے کہ کوئی بھی مثال بیان کریں، خواہ مچھر کی ہو یا اس سے بڑی ـــــ یعنی مچھر سے حقارت اور چھوٹائی میں بڑی، جیسے مچھر کا پَر، دنیا کی یہ تمثیل ایک حدیث میں آئی ہے ـــــ اب رہے وہ لوگ جو ایمان لائے وہ تو جانتے ہیں کہ یہ مثالیں ان کے رب کی طرف سے برمحل ہیں، اور رہے وہ لوگ جنھوں نے نہیں مانا ـــــ یعنی قرآن کو اللہ کا کلام تسلیم نہیں کیا ـــــ وہ کہتے ہیں: اس مثال سے اللہ کا کیا مقصد ہے؟ اللہ تعالیٰ ان مثالوں سے بہتوں کو گمراہ کرتے ہیں، اور بہتوں کو راہِ راست دکھاتے ہیں، اور ان مثالوں سے حد اطاعت سے نکلنے والوں ہی کو گمراہ کرتے ہیں!

حدِ اطاعت سے نکلنے والے تین شخص

ایک: وہ شخص ہے جس نے عہدِ الست میں اللہ کو ربوبیت کا پختہ وچن دیا ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ کے جواب میں ﴿ بَلٰى ﴾

کہا،﴿ بَلٰی ﴾ میں نعم سے زیادہ تاکید ہے، پھر دنیا میں آکر اس عہد کو توڑ دیا اور ایمان نہیں لایا، وہ حد اطاعت سے نکل گیا۔

اس کا تعلق گذشتہ مضمون سے بھی ہے، اور آئندہ سے بھی، قرآنِ کریم کو جو اللہ کی کتاب نہیں مانتا وہ اللہ کو رب نہیں مانتا، کیونکہ اللہ کو رب مانے گا تو ماننا پڑے گا کہ اس نے انسان کی روحانی تربیت کا انتظام کیا ہے، اور اس مقصد سے اپنی کتاب نازل کی ہے ـــــ اور آگے ہے:﴿ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ ﴾یعنی جب تم عہد الست میں اللہ کی ربوبیت کا اقرار کر چکے ہو تو اب اس کا انکار کیسے کرتے ہو؟

دوسرا: وہ شخص ہے جو قطع رحمی کرتا ہے، جبکہ اللہ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے ـــــ اس کا تعلق گذشتہ مضمون سے ہے، قریش کے تمام قبائل جدّی رشتہ سے نبی ﷺ کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، مگر وہی اسلام کے کٹر مخالف تھے، اور طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتے تھے، ان کو جدّی رشتہ یاد دلایا ہے کہ اس کا کچھ تو لحاظ کرو (یہ مضمون سورۃ الشوری آیت ۲۳ میں ہے، دیکھیں ہدایت القرآن ۷: ۲۸۰)

تیسرا: وہ شخص ہے جو خود تو ڈوبا دوسروں کو بھی ساتھ لے ڈوبا، قریش نے جب رسالت اور دلیلِ رسالت کا انکار کیا تو دوسرے عربوں نے بھی انکار کیا، وہ قریش کو دین کی کسوٹی سمجھتے تھے، اس لئے کہ وہ کعبہ پر قابض تھے، یہ انھوں نے زمین میں (عرب میں) فساد پھیلایا ـــــ جن لوگوں میں یہ تین باتیں ہیں وہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔

﴿ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ ۠ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ ﴾

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے معاہدہ کو مضبوط باندھنے کے بعد توڑتے ہیں، اور جو لوگ ان تعلقات کو توڑتے ہیں جن کی پاسداری کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ گھاٹے میں رہنے والے ہیں!

كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ ۚ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾

كَیْفَ	کیسے	وَكُنْتُمْ	جبکہ تھے تم	ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ	پھر ماریں گے تم کو
تَكْفُرُوْنَ	انکار کرتے ہو تم	اَمْوَاتًا	بے جان	ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ	پھر زندہ کریں گے تم کو
بِاللّٰهِ	اللہ کا	فَاَحْیَاكُمْ	پس زندہ کیا تم کو	ثُمَّ اِلَیْهِ	پھر ان کی طرف

تُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جاؤ گے تم	جَمِيْعًا	سارا	سَبْعَ سَمٰوٰتٍ	سات آسمان
هُوَالَّذِيْ	وہی ہیں جنھوں نے	ثُمَّ اسْتَوٰٓى[1]	پھر قصد کیا	وَهُوَ	اور وہ
خَلَقَ لَكُمْ	تمہارے لئے پیدا کیا	إِلَى السَّمَآءِ[2]	آسمان کا	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
مَّا فِي الْاَرْضِ	جوزمین میں ہے	فَسَوّٰىهُنَّ	پس ٹھیک بنایا ان کو	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں

آخرت کا بیان

توحید ورسالت کی طرح آخرت بھی اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اب دو آیتوں میں اس کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے دو عالم بنائے ہیں، ایک آسمانوں کے نیچے، دوسرا آسمانوں کے اوپر، نیچے والا عالم دنیا کہلاتا ہے اور اوپر والا آخرت، دنیا کو عالم مشاہَد بھی کہتے ہیں، اور آخرت کو عالم غیب، اس میں جنت ودوزخ مع مشمولات، ملائکہ اور عرش وغیرہ ہیں، اور وراءالوراء اللہ کی ذات وصفات ہیں، یہ سب عالم غیب ہے، حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے، رسولوں کی خبر ہی سے اس کا علم ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ آدم کے بعد معاً وجود بخشا ہے، پھر سب سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا، پھر سب کو عالم ارواح میں رکھ دیا، جب کسی روح کے اس دنیا میں آنے کا وقت آتا ہے تو پہلے رحم مادر میں مٹی سے سات مراحل سے گذر کر جسم بنتا ہے، پھر فرشتہ اس میں روح لا کر ڈالتا ہے تو انسان اس عالم میں موجود ہو جاتا ہے، اس سے پہلے وہ اس عالم میں معدوم تھا، پھر اپنی حیاتِ دنیا پوری کر کے مرجاتا ہے، یعنی روح بدن سے الگ ہو کر عالم برزخ میں چلی جاتی ہے، اور بدن مٹی کے حوالے کر دیا جاتا ہے، پھر قیامت کے دن اجسام مٹی سے دوبارہ نکلیں گے، اور ارواح ان میں واپس آئیں گی، اور نئی زندگی شروع ہوگی۔ پھر قیامت کے لمبے دن میں حساب کتاب ہو کر مکلّف مخلوق عالم آخرت میں منتقل کر دی جائے گی، لوگ وہاں ہمیشہ رہیں گے، جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں ـــــ جس اللہ نے یہ سب کچھ کیا اور کرے گا: انسان اس کا کیسے انکار کر رہا ہے؟

﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: تم اللہ کا انکار کیسے کرتے ہو، حالانکہ تم (اس دنیا میں) معدوم تھے، پھر تم کو جاندار کیا، پھر تم کو بے جان کریں گے، پھر تمہیں زندہ کریں گے، پھر تم ان کی طرف لوٹائے جاؤ گے!

دونوں جہاں اللہ نے انسان کے لئے بنائے ہیں

اللہ تعالیٰ نے زیریں منزل (دنیا) بھی انسان کے لئے بنائی ہے اور بالائی منزل (آخرت) بھی اور بالائی منزل:

(۱) استوی إلیه: سیدھا رخ کرنا، قصد کرنا (۲) السماء: اسم جنس ہے، قلیل وکثیر پر اطلاق ہوتا ہے، اور مؤنث سماعی ہے۔

زیریں منزل سے بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کب انسان کو ایک منزل سے دوسری منزل میں منتقل کرنا ہے۔

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى إِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٩﴾ ﴾

ترجمہ: اسی نے تمہارے فائدے کے لئے وہ تمام چیزیں پیدا کیں جو زمین میں ہیں —— یہ زیریں دنیا ہے —— پھر اس نے آسمانوں کی طرف توجہ فرمائی اور ان کو سات درست آسمان بنایا —— اور ان کے اوپر عالم آخرت کو بنایا، جو انسانوں کا آخری مقام ہے —— اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں —— کہ کب تک انسان عالم زیریں میں رہے گا، اور کب اس کو عالم بالا میں منتقل کیا جائے گا۔

سوال: جب زمین کی تمام چیزیں انسان کے لئے پیدا کی ہیں تو سب چیزیں حلال ہونی چاہئیں، بعض چیزیں حرام کیوں ہیں؟

جواب: حلت وحرمت کا مدار نفع وضرر پر ہے، شکر انسانوں کے لئے بنتی ہے، مگر شکر والے کو ڈاکٹر شکر سے منع کرتے ہیں، مٹی کھانا حرام ہے، حالانکہ پاک ہے، سنکھیا (زہر) کوئی نہیں کھاتا، مگر دواؤں میں پڑتا ہے، پس اخلاقی خرابیوں سے یا جسمانی ضرر سے بچانے کے لئے شریعت نے بعض چیزیں حرام کی ہیں، مگر وہ بھی انسان کے لئے ہیں، گو ابھی اس کا نفع انسان کو معلوم نہ ہو۔

آدم علیہ السلام کی خلافتِ ارضی

ربطِ بعید: توحید کے بیان میں آیا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ (اللہ نے تم کو) اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے ہوئے (پیدا کیا) سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اس لئے اب ان کا تذکرہ شروع کرتے ہیں۔

ربطِ قریب: گذشتہ آیت میں ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ﴾: زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ نے انسان کے لئے بنایا ہے، انسان کو ان کے جد امجد کے واسطہ سے زمین میں اپنا خلیفہ (نائب) بنایا ہے، تاکہ وہ زمین میں اور اس کی چیزوں میں جس طرح چاہے تصرف کرے، اس طرح آدم علیہ السلام کی خلافتِ ارضی کا بیان شروع ہوا۔

انسان کا وجود زمینی فرشتوں اور جنات کے بعد ہوا ہے: جب آسمان وزمین کا کارخانہ بن کر تیار ہوا تو پہلے زمینی فرشتوں کو پیدا کیا، ان کو عناصر سے پیدا کیا ہے، اور آسمانی فرشتوں (ملأ اعلی) کو نور سے پیدا کیا ہے، جب عناصرِ اربعہ کی بھاپ (اسٹیم) میں مزاج پیدا ہوا تو اس پر ارواح کا فیضان کیا، پس زمینی فرشتے وجود میں آئے، ان فرشتوں کے مزاج میں چونکہ کسی عنصر کا غلبہ نہیں، اس لئے ان میں اعتدال رہا، اور وہ شر وفساد سے بچے رہے، اور تسبیح وتحمید وتقدیس میں لگے رہے،

ان فرشتوں نے ہزاروں سال زمین کو آباد کیا، اور اب بھی وہ زمین میں موجود ہیں، ان ملائکہ کا بکثرت صحیح احادیث میں ذکر آیا ہے، مسلم شریف کی روایت ہے: **لا یقعُد قومٌ یذکرون اللہ إلاحَفَّتھُمُ الملائکۃُ**: جہاں کچھ لوگ اللہ کا ذکر کرنے بیٹھتے ہیں تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور بخاری شریف کی روایت میں ہے: **إن للہ ملائکۃً یطوفون فی الطُّرُق یلتمسون أھل الذکر**: اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں ذاکرین کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور اسی روایت میں مسلم شریف میں ہے: **فُضُلاً**، یعنی یہ حفاظت کرنے والے فرشتوں کے علاوہ ہیں، یہی زمینی فرشتے ہیں۔

پھر ایک وقت آیا، جب اللہ تعالیٰ نے زمین میں جنات کے جدامجد جانّ کو پیدا کیا، ان کو عناصر کے آمیزہ سے پیدا کیا، ان کے خمیر میں آگ کا غلبہ تھا، اس لئے وہ 'ناری مخلوق' کہلائے، وہ مکلّف تھے، ان کو احکام دیئے، مگر وہ سرکش ہوئے، زمین کو شر وفساد سے بھر دیا، اور قتل وقتال کا بازار گرم کیا، تو فرشتوں نے ان کو جزیروں میں دھکیل دیا، جنات بھی ہزاروں سال زمین کو آباد کئے رہے، اور اب بھی ہیں، مگر اللہ نے زمین کی تمام چیزیں ان کے لئے نہیں بنائیں، اس لئے ان دونوں کو خلافت کے اعزاز سے سرفراز نہیں کیا گیا۔

آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا اور فرشتوں پر ان کا علمی تفوّق ظاہر کیا

پھر انسانوں کے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا وقت آیا، ان کو خلیفہ بنانا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ ملائکہ اور جنات پر ان کی علمی برتری ثابت کی جائے، اور ملائکہ: جنات سے افضل ہیں اس لئے ان پر تفوق ثابت کرنا کافی تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے یہ بات رکھی کہ میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے جارہا ہوں، آخر میں یہ بات واضح ہوگی کہ یہ بات آدم علیہ السلام کی علمی برتری ظاہر کرنے کے لئے تھی، ورنہ اللہ تعالیٰ: ﴿ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴾ ہیں، ان کو کسی کام کے کرنے کے لئے کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

فرشتوں نے عرض کیا: یہ نئی مخلوق بھی پرانی مخلوق (جنات) کی طرح زمین میں فساد اور خوں ریزی کرے گی، اور ہم تسبیح وتحمید وتقدیس میں لگے ہوئے ہیں، نئی مخلوق کی کیا ضرورت ہے؟ بیان القرآن میں اس کی ایک مثال ہے: کوئی حاکم نیا کام کرنا چاہے، اور اس کے لئے نیا عملہ تجویز کرنے کا ارادہ قدیمی عملہ کے سامنے ظاہر کرے، اور وہ عرض کرے کہ ہمیں کسی طرح تحقیق ہوا ہے کہ نیا عملہ بخوبی کام انجام نہیں دے گا، بعض بخوبی انجام دیں گے، اور بعض کام بالکل ہی بگاڑ دیں گے اور ہم ہر وقت احکام عالی پر جان قربان کئے ہوئے ہیں، پس اگر یہ نئی خدمت بھی ہم غلاموں کو سپرد کی جائے تو کیا حرج ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو مصلحت میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے!'' فرشتے خاموش ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، اور ان کو زمین کی سب چیزوں کے نام سکھائے، یہ سکھانا فطری تھا، آدم علیہ السلام نے اپنی خداداد

صلاحیت سے سب چیزوں کو سمجھ لیا، پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے روبرو پیش کیا، اور فرمایا: ان چیزوں کے نام (اور کام) بتاؤ، وہ عاجز رہ گئے، تب آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم فرشتوں کو بتاؤ، آدم علیہ السلام نے فرفر بتادیا، تب اللہ پاک نے فرمایا: یہ وہ مصلحت ہے جو میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے، یعنی نئی مخلوق زمینی چیزوں کو سمجھے گی، اور ان کو برتے گی، اور تمہارے دلوں میں ہے کہ ہم عبادت میں بڑھے ہوئے ہیں، یہ بات صحیح ہے، مگر کمال علمی کا مرتبہ کمال عملی سے بڑھا ہوا ہے، بدوں کمال علمی کے خلافت کا کام اور دنیا پر حکومت کیونکر ممکن ہے؟ اب فرشتے خوب سمجھ گئے کہ بدوں اس علم عام کے کوئی زمین میں کارِ خلافت نہیں کرسکتا، اس طرح انسان کی علمی برتری فرشتوں پر واضح ہوئی!

خلیفہ (نائب) کون ہوتا ہے؟ —— جس کو مالک اپنا قائم مقام بنائے وہ خلیفہ (نائب) ہوتا ہے، مالک اس کو ایک دستور دیتا ہے، جس کی تعمیل نائب کے لئے ضروری ہوتی ہے، مثلاً: بادشاہ نے کسی کو کسی علاقہ کا حاکم مقرر کیا، یا کسی نے کوئی بڑا کارخانہ بنایا، اور اس کا ایک منیجر مقرر کیا تو وہ بادشاہ کا اور مالک کا خلیفہ (نائب) ہوگا، اب بادشاہ اور مالک اس نائب کو ایک دستور دے گا، اس کے مطابق وہ حکومت کرے گا اور کارخانہ چلائے گا، اور خلیفہ اس قانون کو اپنی ذات پر بھی نافذ کرے گا اور دوسروں پر بھی۔

ایک واقعہ: انگریزوں کے دور میں ایک نیم سرکاری کارخانہ گھاٹے میں جارہا تھا، حکومت نے لندن سے منیجر بھیجا، اس نے ملازمین کو جمع کیا، اور کہا: ''کام کی کوئی پابندی نہیں، وقت پر آنا ضروری ہے، جو دیر کرے گا اس کی تنخواہ کٹے گی'' ملازمین نے سوچا: وقت پر آجایا کریں گے، اور بیٹھے رہیں گے۔ ایک ماہ کے بعد منیجر نے ایک دن اپنی گھڑی آدھ گھنٹہ پیچھے کرلی، اور اپنی گھڑی سے وقت پر دفتر آیا، اور دفتر دار سے کہا: دفتر کی گھڑی غلط ہے! چپراسی نے کہا: سرکار! گھڑی صحیح ہے، تحقیق ہوئی، معلوم ہوا کہ صاحب کی گھڑی غلط ہے، اس نے محاسبی کو حکم بھیجا کہ میں آدھ گھنٹہ دیر سے آیا ہوں، میری تنخواہ کاٹی جائے، سارا عملہ سہم گیا کہ جو خود کو نہیں بخشا وہ دوسروں کو کیا بخشے گا! سب سیدھے ہوگئے اور کارخانہ کا نظام صحیح ہوگیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٣٣﴾

وَاِذْ قَالَ	اور (یاد کرو) جب فرمایا	مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	جو تم نہیں جانتے	اَلْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے ہیں
رَبُّكَ	آپ کے رب نے	وَعَلَّمَ	اور سکھلائے	قَالَ	فرمایا
لِلْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں سے	اٰدَمَ	آدم کو	يٰٓاٰدَمُ	اے آدم
اِنِّيْ جَاعِلٌ	بیشک میں بنانے والا ہوں	الْاَسْمَآءَ	نام	اَنْۢبِئْهُمْ	بتادو ان کو
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	كُلَّهَا	سارے	بِاَسْمَآئِهِمْ	ان چیزوں کے نام
خَلِيْفَةً	ایک نائب	ثُمَّ عَرَضَهُمْ (۱)	پھر روبرو کیا ان چیزوں کو	فَلَمَّآ	پس جب
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں کے	اَنْۢبَاَهُمْ	بتادیئے اس نے ان کو
اَتَجْعَلُ	کیا آپ بنائیں گے	فَقَالَ	پس فرمایا	بِاَسْمَآئِهِمْ	ان چیزوں کے نام
فِيْهَا	اس میں	اَنْۢبِئُوْنِيْ	بتلاؤ تم مجھے	قَالَ	(تو) فرمایا
مَنْ يُّفْسِدُ	(اس کو) جو فساد کرے گا	بِاَسْمَآءِ	نام	اَلَمْ اَقُلْ	کیا نہیں کہا تھا میں نے
فِيْهَا	اس میں	هٰٓؤُلَآءِ	ان چیزوں کے	لَّكُمْ	تم سے
وَيَسْفِكُ	اور بہائے گا	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	اِنِّيْٓ اَعْلَمُ	بیشک میں جانتا ہوں
الدِّمَآءَ	خونوں کو	صٰدِقِيْنَ	سچے	غَيْبَ	چھپی چیزیں
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ	اور ہم پاکی بیان کرتے ہیں	قَالُوْا	کہا انھوں نے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کی
بِحَمْدِكَ	آپ کی خوبیوں کے ساتھ	سُبْحٰنَكَ	پاک ہے آپ کی ذات	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی
وَنُقَدِّسُ	اور ہم عظمت کا اقرار	لَا عِلْمَ لَنَآ	نہیں علم ہے ہمیں	وَاَعْلَمُ	اور میں جانتا ہوں
	کرتے ہیں	اِلَّا مَا	مگر جو کچھ	مَا تُبْدُوْنَ	جو تم ظاہر کرتے ہو
لَكَ	آپ کی	عَلَّمْتَنَا	سکھلایا آپ نے ہمیں	وَمَا كُنْتُمْ	اور جو تم ہو
قَالَ	فرمایا	اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی	تَكْتُمُوْنَ	چھپاتے
اِنِّيْٓ اَعْلَمُ	بیشک میں جانتا ہوں	الْعَلِيْمُ	خوب جاننے والے	❁	❁

(۱) عرضھم: میں ھم سے مسمیات (چیزیں) مراد ہیں، اور مذکر ضمیر ذوی العقول کو غلبہ دینے کی وجہ سے ہے۔

آیاتِ پاک مع تفسیر: اور (یاد کرو) جب آپؐ کے پروردگار نے (زمینی) فرشتوں سے فرمایا: ''میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں!'' —— **فرشتوں کا ردِّ عمل:** —— فرشتوں نے کہا: کیا آپ زمین میں ایک ایسی مخلوق بنائیں گے جو اس میں فساد مچائے گی اور خون ریزی کرے گی —— سوال: فرشتوں کو اس کا پتہ کیسے چلا؟ جواب: جنات پر قیاس کر کے انھوں نے یہ بات جانی، جنات عناصر سے پیدا کئے گئے تھے، اور یہ نئی مخلوق بھی عناصر سے پیدا کی جائے گی، اور جب دونوں کا خمیر ایک ہوگا تو احوال بھی ایک ہونگے —— **فرشتوں کی باقی بات:** —— اور ہم آپ کی خوبیوں کے ساتھ پاکی بیان کرتے ہیں، اور آپ کی عظمت کا اقرار کرتے ہیں! —— پس ہم خلافت کے لئے زیادہ موزون ہیں! —— اللہ نے فرمایا: میں جو مصلحت جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے —— یعنی خلیفہ وہ ہوسکتا ہے جو سب چیزوں کو سمجھتا ہو، تاکہ ان کو برتے، اور ان پر حکومت کرے، اور تم میں یہ صلاحیت نہیں —— اس کی دلیل کہ فرشتوں میں یہ صلاحیت نہیں: —— اور اللہ نے آدم کو سارے ہی نام (مع مسمیات) سکھلائے —— یہ سکھلانا فطری تھا، انسان کی فطرت ایسی تھی کہ وہ خود سب کچھ سمجھ گیا —— پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے روبرو کیا، اور فرمایا: تم مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ، اگر تم سچے ہو —— اپنے اس خیال میں کہ تم خلافت کے لئے زیادہ موزون ہو —— انھوں نے کہا: آپ کی ذات پاک ہے! —— یعنی ہمارا خیال غلط ہے —— ہم نہیں جانتے مگر جو کچھ آپ نے ہمیں سکھلایا —— یعنی ہمیں ان چیزوں کا علم حاصل نہیں —— بے شک آپ ہی خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں! —— یعنی آپ نے اپنی حکمت کے تقاضے سے ہمیں ان چیزوں کا علم نہیں دیا۔

اللہ نے فرمایا: اے آدم! فرشتوں کو ان چیزوں کے نام (اور خواص) بتاؤ، پس جب آدم نے ان کو ان چیزوں کے نام (مع خواص) بتائے —— یہ نام آدم علیہ السلام نے خود رکھے تھے، جیسے اب بھی انسان چیزوں کے نام رکھتا ہے اور تحقیق و تجربہ سے خواص جانتا ہے —— پس اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے سربستہ راز جانتا ہوں —— یعنی کون مخلوق خلافت کے لائق ہے کون نہیں، یہ بات میں ہی جانتا ہوں —— اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کر رہے ہو —— یعنی ﴿نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ —— اور جو تم چھپایا کرتے ہو —— یعنی تمہارا یہ خیال کہ تم خلافت کے لئے زیادہ موزون ہو!

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۤ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۴ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا

تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا
فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾
فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا
جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	اسْكُنْ	بس (رہ)	فَاَزَلَّهُمَا	پس پھسلا دیا دونوں کو
قُلْنَا	کہا ہم نے	اَنْتَ	تو	الشَّيْطٰنُ	سرکش نے
لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ	فرشتوں سے	وَزَوْجُكَ	اور تیری بیوی	عَنْهَا	جنت سے
اسْجُدُوْا	سجدہ کرو	الْجَنَّةَ	جنت میں	فَاَخْرَجَهُمَا	پس نکال دیا دونوں کو
لِاٰدَمَ	آدم کو	وَكُلَا	اور کھاؤ دونوں	مِمَّا كَانَا	اس سے جو تھے دونوں
فَسَجَدُوْٓا	پس سجدہ کیا انھوں نے	مِنْهَا	جنت سے	فِيْهِ	اس میں
اِلَّآ اِبْلِيْسَ (۱)	مگر رحمت سے مایوس نے	رَغَدًا (۲)	بافراغت	وَقُلْنَا	اور کہا ہم نے
اَبٰى	انکار کیا	حَيْثُ	جہاں سے	اهْبِطُوْا	اترو تم (تینوں)
وَاسْتَكْبَرَ	اور گھمنڈ کیا	شِئْتُمَا	چاہو تم دونوں	بَعْضُكُمْ	تمہارا ایک
وَكَانَ	اور تھا وہ	وَلَا تَقْرَبَا	اور نہ نزدیک جانا دونوں	لِبَعْضٍ	دوسرے کا
مِنَ الْكٰفِرِيْنَ	منکروں میں سے	هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (۳)	اس درخت سے	عَدُوٌّ	دشمن ہوگا
وَقُلْنَا	اور کہا ہم نے	فَتَكُوْنَا	پس ہوجاؤ گے تم دونوں	وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے
يٰٓاٰدَمُ	اے آدم	مِنَ الظّٰلِمِيْنَ	نقصان کرنے والوں میں سے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں

(۱) اِلا: استثناء منقطع ہے، ابلیس فرشتہ نہیں تھا، سورۃ الکہف (آیت ۵۰) میں ہے: ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾: وہ جنات میں سے تھا، پس اس نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی، آدم کو سجدہ کرنے کا حکم جنات کو بھی تھا، یہ آیت صریح ہے، اور صرف ملائکہ کا ذکر اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہ افضل مخلوق تھے۔ (۲) رغدا: مصدر بمعنی صفت مشبہ ہے، بافراغت یعنی جی بھر کر، خوب چھک کر (۳) یہ درخت متعین نہیں کیا، اگر متعین کیا جاتا تو بدنام ہوجاتا، اور اس کو کوئی نہ کھاتا۔

مُسْتَقَرٌّ	ٹھہرنا ہے	الرَّحِيْمُ	بڑا رحم کرنے والا ہے	عَلَيْهِمْ	ان پر
وَّمَتَاعٌ	اور فائدہ اٹھانا ہے	قُلْنَا	کہا ہم نے	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ
اِلٰی حِيْنٍ	ایک وقت تک	اهْبِطُوْا	اترو تم	يَحْزَنُوْنَ	غمگیں ہونگے
فَتَلَقّٰٓی (۱)	پس حاصل کئے	مِنْهَا	جنت سے	وَالَّذِيْنَ	اور جنھوں نے
اٰدَمُ	آدم نے	جَمِيْعًا	سبھی	كَفَرُوْا	انکار کیا
مِنْ رَّبِّهٖ	اپنے رب سے	فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ	پس اگر پہنچے تمہیں	وَكَذَّبُوْا	اور جھٹلایا
كَلِمٰتٍ	چند الفاظ	مِّنِّیْ	میری طرف سے	بِاٰيٰتِنَآ	میری باتوں کو
فَتَابَ	پس توجہ فرمائی	هُدًى	راہ نمائی	اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ
عَلَيْهِ	اس کی طرف	فَمَنْ تَبِعَ	پس جو پیروی کرے گا	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں
اِنَّهٗ	بے شک وہی	هُدَایَ	میری راہ نمائی کی	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں
هُوَ التَّوَّابُ	بڑا توبہ قبول کرنے والا	فَلَا خَوْفٌ (۲)	پس نہ ڈر ہوگا	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں

کارِخلافت انجام دینے کے لئے اطاعت کی ضرورت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی خلافت میں کسی نے پوچھا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں اور آپ کی حکومت میں فرق کیوں ہے؟ ان کی حکومت میں کوئی خلفشار نہیں تھا، اور آپ کی حکومت میں خلفشار ہی خلفشار ہے! آپ نے جواب دیا: عمرؓ کی رعیت ہم تھے اور میری رعیت تم ہو! یعنی ہم خلیفہ کی اطاعت کرتے تھے، اور تم کوئی بات نہیں مانتے، پس فرق تو ہوگا ہی!

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا، فرشتوں پر ان کا علمی تفوق ظاہر کیا، اب کارِخلافت انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ زمین میں موجود ذی عقل مخلوقات ان کی ماتحتی قبول کریں، ان کی اطاعت کریں، ان کے سامنے سرینڈر کریں، اس وقت زمین میں ذی عقل مخلوق فرشتے اور جنات تھے، اور فرشتے: جنات سے افضل تھے، اس لئے ان کا ذکر کیا، ورنہ دونوں کو حکم تھا کہ آدم کو سجدہ کرو، یہ رمزی سجدہ تھا، عبادت کا سجدہ نہیں تھا، چنانچہ فرشتوں نے تو سب نے سجدہ کیا، اور جنات نے بھی سجدہ کیا، مگر ایک خاص فرد (عزازیل) اینٹھ گیا، اس نے سجدہ نہیں کیا، اس نے انسان کی ماتحتی قبول

(۱) تلقّی تلقیا: کسی کو کوئی چیز پکڑانا، کیچ کرانا (۲) خوف: آگے کا ہوتا ہے اور غم: پیچھے کا، آگے آخرت ہے اور پیچھے دنیا ہے جو چھوٹ رہی ہے۔

نہیں کی، اس لئے وہ راندۂ درگاہ ہوا، وہ اللہ کے علم میں تو پہلے ہی سے کافر تھا، مگر اب اس کا کفر برملا ظاہر ہوا۔

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ڎ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں (اور جنات کو) حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، پس انھوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا، وہ (علم الٰہی میں) کافروں (حکم نہ ماننے والوں) میں سے تھا۔

آدم وحواء علیہما السلام کو زمین میں پیدا کر کے جنت میں بسایا اور وہاں ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع کیا

پہلے زمین میں مختلف حکومتیں تھیں، اسلامی بھی اور غیر اسلامی بھی، مگر حدود (باڈر) پاسپورٹ اور ویزا نہیں تھا، جو جہاں چاہے جاسکتا تھا، اسی طرح پہلے اللہ کی کائنات میں بھی حدود اور پابندیاں نہیں تھیں، زمینی فرشتے اور جنات آسمانوں کے اوپر جنت تک جاسکتے تھے، حدود بعد میں قائم ہوئیں اور پابندیاں بعد میں لگیں، اب زمینی فرشتے تو آسمانوں کے اوپر جاسکتے ہیں، مگر جنات اور انسان نہیں جاسکتے، پھر جنات آسمان کے قریب جاسکتے ہیں، انسان قریب بھی نہیں جاسکتے، کیونکہ انسان: جنات کی بہ نسبت کثیف ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ آدم وحواء علیہما السلام کو اللہ نے مٹی سے بنایا، اور ایک نفس ناطقہ کی دو ہم جنس صنفیں بنائیں، تاکہ ایک دوسرے سے اُنس حاصل کرے، پھر آدم علیہ السلام کا زمینی مخلوقات پر تفوق ظاہر کیا، پھر اطاعت وفرمانبرداری کا رمزی سجدہ کرایا، یہ سب کچھ زمین میں ہوا، پھر آدم وحواء علیہما السلام کو جنت میں بسایا، تاکہ وہ وہاں کا لطف اور مزہ چکھیں، اور اپنے اصلی وطن کو پہچانیں۔

وہاں ان کو ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع کیا، وہ درخت کچھ برا نہیں تھا، جنت کی کوئی چیز بری نہیں، اس درخت کو اطاعت وعدم اطاعت کا معیار بنایا تھا، جیسے طالوت کے لشکر کے لئے ایک خاص نہر کے پانی کو اطاعت وعدم اطاعت کا معیار بنایا تھا۔ جب تک آدم وحواء علیہما السلام اس درخت کو نہیں کھائیں گے جنت میں رہیں گے، اور حکم کی خلاف ورزی کریں گے تو باہر نکال دیئے جائیں گے، اور وہ اپنا نقصان کریں گے، اللہ کا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔

﴿ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور دونوں جنت میں سے جہاں سے چاہو بافراغت (جی بھر کر) کھاؤ، اور اس درخت کے نزدیک مت جاؤ، ورنہ دونوں اپنا نقصان کرو گے!

جنت میں پہلی بار شیطان کی عداوت ظاہر ہوئی

آدم وحواء علیہما السلام جنت میں رہتے رہے، وہ اس خاص درخت کے قریب نہیں جاتے تھے، اس پر ایک عرصہ گذر گیا پس شیطان نے دونوں کو ورغلایا، اور دونوں کو ان کے موقف سے پھسلایا، شیطان اب تک جنت میں جاتا تھا، اس پر پابندی نہیں لگی تھی ـــــ اس نے جو پٹی پڑھائی اس کا ذکر سورۃ طٰہٰ (آیت ۱۲۰) میں ہے، اس نے کہا: اس درخت کے پھل میں یہ تاثیر ہے کہ جو اس کو کھائے گا امر ہوجائے گا، اور ہمیشہ اللہ کے پاس رہے گا، اور اس نے قسم کھا کر اپنی ہمدری کا یقین دلایا، پس دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا، یعنی جنت کی زندگی اور قربِ حق کی حرص میں یہ اقدام کیا، اور دونوں سے یہ لغزش ہوگئی۔

جاننا چاہئے کہ وہ درخت اَمر نہیں تھا، بلکہ مَر تھا، اس کو کھاتے ہی جنت کا لباس اتر گیا، اور حکم ملا کہ سب یعنی آدم وحواء علیہما السلام اور شیطان زمین میں اتریں، اب تم ہمیشہ ایک دوسرے کے دشمن رہوگے، شیطان تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہے گا، اور تم دین پر مضبوط رہ کر اس کی ناک زمین میں رگڑتے رہوگے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اب تم زمین میں رہوگے، آسمانوں پر نہیں آسکوگے، اور زمین میں بھی ایک وقت تک رہوگے، پھر مروگے اور زمین چھوڑوگے!

زلت اور معصیت میں فرق: انبیاء معصوم ہوتے ہیں، ان سے معصیت (گناہ) نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتے ہیں، البتہ زلّت (لغزش) ہوسکتی ہے۔ **معصیت:** گناہ کے ارادہ سے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کا نام ہے، اور **زلت:** ارادہ کے بغیر یا نیک ارادے سے غلطی ہوجانے کا نام ہے، آدم وحواء علیہما السلام سے قُربِ خداوندی کی لالچ میں غلطی ہوئی، پس وہ زلت تھی۔

﴿ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴾

ترجمہ: پس شیطان نے دونوں کو اس جگہ (جنت) سے پھسلایا، اور دونوں کو ان نعمتوں سے نکالا جن میں وہ تھے، اور ہم نے حکم دیا: نیچے اترو، تمہارا ایک: دوسرے کا دشمن ہوگا، اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے!

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو توبہ کے الفاظ تلقین فرمائے

جب آدم علیہ السلام نے تہدید (دھمکی) آمیز خطاب سنا کہ نیچے اترو! تو وہ لرز گئے اور بے چین ہوگئے، اور سخت منفعل ہوئے، اتنے کہ معافی کے لئے الفاظ نہیں مل رہے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے خود ہی معافی کے لئے الفاظ تلقین فرمائے، جیسے غلام سے کوئی بھاری غلطی ہوجائے، اور وہ سخت نادم ہوکر، ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکا کر آقا کے سامنے کھڑا ہوجائے اور کچھ بول

نہ سکے تو آقا کو رحم آتا ہے، وہ پوچھتا ہے: کیا کہنا چاہتا ہے؟ اب بھی بول نہیں سکا تو آقا کہتا ہے: کہہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا! غلام یہی الفاظ دہرا دیتا ہے تو آقا معاف کر دیتا ہے، ایسا ہی کچھ معاملہ آدم وحواء علیہما السلام کے ساتھ ہوا، جب ان کے دل رو رہے تھے، اور زبان گنگ تھی: اللہ نے توبہ کے کلمات سکھلائے، دونوں نے کہا: ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ ﴾: اے ہمارے رب! ہم نے اپنا نقصان کیا، اور اگر آپ ہماری مغفرت نہیں کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا [الاعراف ۲۳] پس اللہ نے دونوں کی توبہ قبول کی، وہ بڑے توبہ قبول کرنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں!

﴿ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۝ ﴾

ترجمہ: پس آدم نے اپنے رب سے چند الفاظ حاصل کئے، پس اللہ نے ان کی طرف توجہ فرمائی، بے شک وہی بڑے توبہ قبول کرنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں!

توبہ قبول ہوئی، مگر زمین پر اترنے کا حکم برقرار رہا

دونوں کی توبہ تو قبول ہوئی، مگر حکم سابق برقرار رہا، آدم وحواء علیہما السلام کو بھی شیطان کے ساتھ زمین پر اترنا پڑا، ﴿ جَمِيْعًا ﴾ اسی لئے بڑھایا ہے، ان کے زمین پر اترنے میں مصلحتیں ہیں، وہ خلافتِ ارضی زمین پر پہنچ کر ہی انجام دیں گے، البتہ پیچھے سے اللہ تعالیٰ ہدایت بھیجیں گے، کتابیں نازل فرمائیں گے، جو اس کی پیروی کرے گا وہ بے خطر جنت میں واپس آئے گا، نہ اس کو آگے کا کوئی ڈر ہوگا نہ دنیا چھوڑنے کا غم! کیونکہ وہ بہتر دنیا میں پہنچ گیا، البتہ جو ہدایت کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھے گا، اور اللہ کی باتوں کو جھٹلائے گا وہ جہنم کے کھڈے میں گرے گا، اور وہاں ہمیشہ رہے گا (نعوذ باللہ منہا!)

﴿ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝ ﴾

ترجمہ: ہم نے کہا: سبھی جنت سے نیچے اترو! پھر اگر تمہیں میری طرف سے ہدایت پہنچے: تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، پس ان پر نہ کوئی ڈر ہوگا نہ وہ غمگیں ہونگے، اور جو انکار کرے گا اور ہماری باتوں کو جھٹلائے گا تو وہ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں!

بنی اسرائیل (یہود) کا تذکرہ

ربطِ عام (۱): سورۃ البقرۃ قرآنِ کریم کی حقانیت کے بیان سے شروع ہوئی ہے، پھر ضمنی مضامین بیان ہوئے ہیں،

اب بنی اسرائیل (یہود ونصاریٰ) کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، ان کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں، یہود مدینہ شریف میں معاشی اور مذہبی حیثیت سے غالب تھے، مشرکین ان کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے، اس لئے اگر وہ ایمان لاتے تو مشرکین ان کی پیروی کرتے۔

ربطِ عام (۲): توحید کی دلیل میں (آیت ۲۱ میں) فرمایا ہے کہ اللہ نے موجودہ لوگوں کو اور پہلے والوں کو پیدا کیا، پہلے لوگوں میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں، ان کا تذکرہ ہوگیا، اب زمانی ترتیب سے حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ آنا چاہئے، مگر ان کی امتِ دعوت تو ہلاک ہوئی اور امتِ اجابت کی نسل نہیں چلی، صرف آپ کے تین بیٹوں کی نسل چلی، اس لئے وہ قابلِ لحاظ نہیں۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا نمبر آتا ہے، آپ کے آٹھ صاحبزادے تھے (قصص القرآن سیوہاروی) پلوٹھے (سب سے بڑے) حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، ان کی نسل جزیرۃ العرب میں پھیلی، اور ان میں حضرت خاتم النّبیین ﷺ مبعوث ہوئے، دوسرے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، پھر ان کے نامور صاحبزادے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، ان کا لقب اسرائیل تھا، اس کے معنی ہیں عبداللہ (اللہ کا بندہ) پھر ان کے بارہ بیٹے ہوئے، ان کی نسل بنی اسرائیل کہلائی، ان میں یوسف علیہ السلام سے چار سو سال بعد موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں چار ہزار انبیاء مبعوث ہوئے، آخر میں عیسیٰ علیہ السلام آئے، اس لئے وہ خاتم انبیائے بنی اسرائیل کہلاتے ہیں، ان کے چھ سو سال بعد بنی اسماعیل میں نبی ﷺ مبعوث ہوئے۔

جاننا چاہئے کہ یہود ونصاریٰ ایک ملت ہیں، دونوں نسلی اور قومی مذاہب ہیں، سورۃ الصّف میں اس کی صراحت ہے، اس لئے اب جو بنی اسرائیل کا تذکرہ شروع ہورہا ہے: اس میں دونوں شامل ہیں، دونوں کو ایمان لانے کی دعوت دی جارہی ہے، ایک رکوع تک اجمالی تذکرہ ہے، پھر اگلے رکوع سے تفصیلی تذکرہ شروع ہوگا، جو (آیت ۱۲۳) تک چلے گا، پھر ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ شروع ہوگا، اور تقدیم وتاخیر کسی مصلحت سے کی ہے۔

ربطِ خاص: آدم علیہ السلام کو جب خلیفہ بنا کر زمین پر اتارا تو ان کو آگاہ کیا تھا کہ میں پیچھے سے ہدایت (راہ نمائی) بھیجونگا، جو اس کی پیروی کرے گا وہ بے خوف وخطر اپنے اِس وطن جنت میں واپس آئے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے سو سے زیادہ کتابیں نازل فرمائیں، ان میں اہمیت کے اعتبار سے پہلا نمبر قرآن کا ہے، کیونکہ وہ اللہ کا کلام ہے، اور وہ اللہ کی آخری کتاب ہے، پھر تورات کا نمبر ہے، اس کے ماننے والے (یہود) مدینہ میں بڑی تعداد میں تھے، اس لئے اب ان کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں، یوں بنی اسرائیل (یہود ونصاریٰ) کا تذکرہ شروع ہوا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ
وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ
وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ
وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ
الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَي الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾
الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

ع ۵

يٰبَنِيْٓ (۱)	اے بیٹو	فَارْهَبُوْنِ (۳)	پس ڈرو تم	بِاٰيٰتِيْ	میری آیتوں کے بدل
اِسْرَآءِيْلَ	یعقوب کے	وَاٰمِنُوْا	اور ایمان لاؤ	ثَمَنًا قَلِيْلًا	تھوڑی قیمت (پونجی)
اذْكُرُوْا	یاد کرو	بِمَآ	اس کتاب پر جو	وَاِيَّايَ	اور مجھی سے
نِعْمَتِيَ (۲)	میرا احسان	اَنْزَلْتُ	اتاری میں نے	فَاتَّقُوْنِ	پس پوری طرح ڈرو
الَّتِيْٓ	جو	مُصَدِّقًا (۴)	(جو) سچ بتلانے والی ہے	وَلَا تَلْبِسُوا	اور خلط ملط مت کرو
اَنْعَمْتُ	کیا میں نے	لِّمَا	اس کتاب کو جو	الْحَقَّ	حق کو
عَلَيْكُمْ	تم پر	مَعَكُمْ	تمہارے پاس ہے	بِالْبَاطِلِ	باطل کے ساتھ
وَاَوْفُوْا	اور پورا کرو	وَلَا تَكُوْنُوْٓا	اور نہ ہو تم	وَتَكْتُمُوا (۶)	اور چھپاؤ (مت)
بِعَهْدِيْٓ	میرا پکا وعدہ (عہد)	اَوَّلَ (۵)	پہلے	الْحَقَّ	حق بات کو
اُوْفِ	پورا کروں گا میں	كَافِرٍ	انکار کرنے والے	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم
بِعَهْدِكُمْ	تمہارا پکا وعدہ (عہد)	بِهٖ	اس کے	تَعْلَمُوْنَ	جانتے ہو
وَاِيَّايَ	اور مجھی سے	وَلَا تَشْتَرُوْا	اور نہ خریدو	وَاَقِيْمُوا	اور اہتمام کرو

(۱) ابن کی جمع حالتِ نصبی میں بنین ہے، اضافت کی وجہ سے نون گرا ہے (۲) النعمةُ: للجنس، تُقال للقليل والكثير (مفردات) (۳) رہبت: تقوی کا مقدمہ ہے (مظہری) (۴) مصدقًا: حال ہے أنزلته کی ضمیر محذوف سے (۵) أولَ: خبر اور مضاف ہے۔ (۶) تکتموا سے پہلے لائے نہی محذوف ہے۔

الصَّلٰوةَ	نماز کا	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	اِلَّا	مگر
وَاٰتُوا	اور ادا کرو	تَتْلُوْنَ	پڑھتے ہو	عَلَى الْخٰشِعِيْنَ	عاجزی کرنے والوں پر
الزَّكٰوةَ	زکات	الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب	الَّذِيْنَ	جو
وَارْكَعُوْا	اور رکوع کرو	اَفَلَا	کیا پس نہیں	يَظُنُّوْنَ	خیال کرتے ہیں
مَعَ الرّٰكِعِيْنَ	رکوع کرنے والوں کے ساتھ	تَعْقِلُوْنَ	سمجھتے تم	اَنَّهُمْ	کہ وہ
اَتَاْمُرُوْنَ	کیا تم حکم دیتے ہو	وَاسْتَعِيْنُوْا	اور مدد طلب کرو	مُّلٰقُوْا	ملنے والے ہیں
النَّاسَ	لوگوں کو	بِالصَّبْرِ	صبر (برداشت) سے	رَبِّهِمْ	ان کے رب سے
بِالْبِرِّ	نیکی کے کاموں کا	وَالصَّلٰوةِ	اور نماز سے	وَاَنَّهُمْ	اور یہ کہ وہ
وَتَنْسَوْنَ	اور بھول جاتے ہو	وَاِنَّهَا	اور بے شک نماز	اِلَيْهِ	اس کی طرف
اَنْفُسَكُمْ	خود کو	لَكَبِيْرَةٌ	یقیناً بھاری ہے	رٰجِعُوْنَ	لوٹنے والے ہیں

بنی اسرائیل پر اللہ کے احسانات کا اجمالی تذکرہ

اور ان سے وفائے عہد کا مطالبہ

اللہ تعالیٰ پہلے یہود کو اپنے انعامات واحسانات یاد دلاتے ہیں، تاکہ ان کے لئے قرآن پر ایمان لانا آسان ہو، انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے، بھلا انسان احسان کی ناشکری نہیں کرتا، پھر وہ عہد و پیمان یاد دلایا ہے جو بندوں نے پروردگار سے باندھا ہے، اگر وہ عہد کی پابندی کریں اور ٹھیک سے حکم کی تعمیل کریں تو پروردگار ان کو نوازیں گے، پھر نصیحت کی ہے کہ اپنے عقیدت مندوں اور دنیوی مفادات سے مت ڈرو، مجھ سے ڈرو!

یہود پر اللہ کے احسانات: بے شمار ہیں، مثلاً: (۱) ان میں ہزاروں انبیاء بھیجے (۲) ان کو تورات وغیرہ کتابیں دیں (۳) ان کو فرعون کی غلامی سے نجات دی (۴) ان کے لئے منّ وسلویٰ اتارا (۵) ان کے لئے پتھر سے بارہ چشمے نکالے (۶) ان کو ملک شام میں بسایا (۷) ان کو اقوام عالم پر فضیلت (برتری) بخشی وغیرہ ان احسانات کا ذکر تفصیل سے اگلے رکوع سے شروع ہوگا۔

یہود سے عہد و پیمان: یہود سے تین مرتبہ اللہ نے عہد لیا ہے:

پہلی مرتبہ: عہدِ الست میں تمام انسانوں کے ساتھ یہود سے بھی ربوبیت والوہیت کا اقرار لیا ہے، اور جب انھوں نے اللہ کو رب مان لیا تو ان کے احکام کی پیروی ضروری ہے، اور ان کے احکام میں سے یہ بات ہے کہ وہ آخر میں مبعوث

ہونے والے پیغمبر پراوران کی کتاب پرایمان لائیں۔

دوسری مرتبہ: بھی عہدِ الست میں خاص انبیاء سے ایک عہد لیا ہے، یہ عہد انبیاء کے واسطہ سے ان کی امتوں سے بھی لیا ہے، اس عہد کا ذکر سورۃ آلِ عمران (آیت ۸۱) میں ہے: ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ﴾ **الآیة:** یعنی اللہ نے سبھی انبیاء سے عہد لیا کہ اگر تم میں سے کسی کو بھی نبوت اور حکمت سے سرفراز کیا جائے، پھر اس کی موجودگی میں نبی آخر الزماں مبعوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لائے، اوران کی مدد کرے، سب انبیاء نے اس کا اقرار کیا، اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا: **لو كان موسى حيًا لَمَا وَسِعَه إلا اتّباعِي:** آج اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے توان کے لئے بھی میری پیروی کے سوا چارہ نہیں تھا، پس اب جوان کی امت ہے اس پر لازم ہے کہ وہ آخری نبی پراوران کی کتاب پرایمان لائے، اوران کی مدد کرے۔

تیسری مرتبہ: موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ یہود سے اس وقت عہد لیا جب ان کو فرعون کے عذاب سے نجات دی، اس کا ذکر سورۃ المائدہ (آیت ۱۲) میں ہے، اور یہ آیت اہم ہے، اس میں اللہ کے وعدہ کا بھی ذکر ہے۔

﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝۱۲ ﴾

ترجمہ: اور اللہ نے بالتحقیق بنی اسرائیل سے عہد لیا، اور ہم نے ان پر بارہ سردار مقرر کئے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے، اور زکات دیتے رہو گے، اور میرے تمام رسولوں پرایمان لاتے رہو گے، اوران کی مدد کرتے رہو گے، اور اللہ کو عمدہ قرض دیتے رہو گے، تو میں تم سے تمہارے گناہ ضرور دور کردوں گا، اور تم کوایسے باغوں میں ضرور داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، پھر جو شخص اس کے بعد انکار کرے گا تو وہ یقیناً راہِ راست سے دور جا پڑا! ـــــ یہی عہد و پیمان یہود کو یاد دلایا ہے۔

﴿ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۴۰ ﴾

ترجمہ: اے یعقوب کی اولاد! میرے ان احسانات کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے، اور مجھ سے کیا ہوا پکا وعدہ پورا کرو ـــــ یعنی آخری نبی اوران کی کتاب پرایمان لاؤ ـــــ میں بھی تم سے کیا ہوا پکا وعدہ پورا کروں گا ـــــ یعنی تمہارے گناہ معاف کروں گا اور جنت میں داخل کروں گا ـــــ اور صرف مجھ سے ڈرو! ـــــ یعنی ایمان لانے سے مفادات پر

زد پڑے تو اس کی فکر مت کرو، میرے احکام کی خلاف ورزی سے بچو!

یہود کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت

تمہید کے بعد اب صاف حکم دیتے ہیں کہ قرآن پر ایمان لاؤ، کیونکہ یہ بھی تورات کی طرح میری نازل کی ہوئی کتاب ہے، اور تمہیں اس کتاب سے وحشت نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ یہ تمہاری کتاب کی تصدیق کرتی ہے، دونوں کی دعوت ایک ہے، دونوں ایک سر چشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، اور اگر تم قرآن کا انکار کرو گے تو تم پہلے منکر ٹھہرو گے، کیونکہ عرب کے امّی (ناخواندہ) تمہاری پیروی کریں گے، پس ان کا گناہ بھی تمہارے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا، اور تورات میں آیات ہیں جن میں قرآن پر ایمان لانے کا حکم ہے، ان کو دنیوی مفادات سے مت بدلو، اور پوری طرح مجھ سے ڈرو!

﴿ وَ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۫ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝۴۱ ﴾

ترجمہ: اور اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے اتاری، جو سچا بتلانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے، اور تم سب سے پہلے اس کے منکر مت بنو، اور تم میرے ارشادات کے بدل حقیر معاوضہ مت لو، اور خاص مجھ سے پوری طرح ڈرو!

خود غرض احکام شرعیہ میں دو طرح تبدیلی کرتے ہیں

ایک: اگر قابو چلے تو اس کو ظاہر ہی نہیں ہونے دیتے، یہ کتمان ہے۔

دوم: اگر نہ چھپ سکے، ظاہر ہو ہی جائے تو اس میں خلط ملط کرتے ہیں، سہو کاتب بتلاتے ہیں، مجاز کا بہانہ بناتے ہیں یا محذوف و مقدر نکال دیتے ہیں، یہ لَبس ہے، حق تعالیٰ نے دونوں سے منع فرمایا ہے (بیان القرآن)

﴿ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۲ ﴾

ترجمہ: اور تم حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط مت کرو، اور حق کو مت چھپاؤ، درانحالیکہ تم جانتے (بھی) ہو —— پس بھول چوک نکل گئی!

ایمان کے ساتھ اعمال بھی ضروری ہیں

بنیادی اعمال دو ہیں: بدنی عبادت نماز ہے، اور مالی عبادت زکات ہے، یہ دونوں عبادتیں یہود کی شریعت میں بھی تھیں، سورۃ المائدۃ کی (آیت ۱۲) میں اس کی صراحت ہے، یہ آیت ابھی گذری ہے، اس لئے حکم دیتے ہیں کہ ایمان لا کر اسلامی طریقہ پر نماز پڑھو، اسلام میں نماز با جماعت ہے اور اس میں رکوع ہے، یہود کی نماز میں رکوع نہیں تھا، اس سے نماز

اور جماعت کی اہمیت واضح ہوتی ہے، آج مسلمان بھی نماز نہیں پڑھتا یا با جماعت نہیں پڑھتا اور زکات سے غافل ہے، اور نجاتِ اوّلی کی امید رکھتا ہے، فَيَا لَلْعَجَبْ! ہائے تعجب!

﴿ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور نماز کا اہتمام کرو ـــــ یعنی فرائض وشرائط کے ساتھ پابندی سے نماز پڑھو، اس سے حب جاہ کم ہوگی ـــــ اور زکات دو ـــــ اس سے حب مال کم ہوگی، یہود کی یہی دو بڑی بیماریاں تھیں ـــــ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ـــــ یعنی اسلامی طریقہ پر با جماعت نماز پڑھو!

عالم بے عمل کو ڈانٹ!

علمائے بنی اسرائیل کے بعض اقارب مسلمان ہو چکے تھے، ان سے جب دین ومذہب کی گفتگو آتی تو کہتے: اسلام سچا مذہب ہے، ہم کسی مصلحت سے اس کو قبول نہیں کر رہے ہے، تم اس پر جمے رہو، اللہ تعالیٰ ایسے عالموں کو ڈانٹتے ہیں:

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا تم لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو، درانحالیکہ تم اللہ کی کتاب پڑھتے ہو ـــــ اس میں بار بار ایسے علماء کی مذمت آئی ہے ـــــ کیا پس تم سمجھتے نہیں! ـــــ کیا سر بھیجے سے خالی ہو گیا ہے!

مسئلہ: اس سے یہ نہیں نکلتا کہ بے عمل کو واعظ بننا جائز نہیں، بلکہ یہ نکلتا ہے کہ واعظ کو بے عمل بننا جائز نہیں (بیان القرآن)

حبّ جاہ اور حبّ مال کا علاج

دو بری خصلتیں یہود کو ایمان نہیں لانے دیتی تھیں: ایک: مال کی محبت، دوسری: جاہ ومرتبہ کی محبت، انہیں دو سے حسد پیدا ہو گیا تھا، جو ایمان لانے میں رکاوٹ بن رہا تھا، اب دونوں بیماریوں کا علاج بتاتے ہیں، صبر (برداشت) سے مال کی محبت جائے گی، اور نماز سے حب جاہ کم ہوگی، مگر شرط یہ ہے کہ نماز حضور دل سے پڑھے، اور یہ بات کچھ آسان نہیں، البتہ جن بندوں میں تین باتیں ہوں ان پر کچھ بھاری نہیں: ایک: دل میں اللہ کی عظمت ہو، دوم: اللہ سے ملنے کی آرزو ہو، سوم: قیامت کے دن کا ڈر ہو۔

﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور صبر اور نماز سے مدد لو ـــــ یعنی ایمان لا کر صبر وہمت سے کام لو، آمدنی گھٹ جانے کی پرواہ مت کرو،

رفتہ رفتہ مال کی محبت ختم ہوگی، اور عاجزی کے ساتھ پابندی سے نماز پڑھو، آہستہ آہستہ بڑائی کا بھوت دماغ سے نکل جائے گا —— اور (عاجزی اور پابندی کے ساتھ) نماز بے شک بھاری ہے، مگر جن کے دلوں میں اللہ کی عظمت ہے، جنہیں خیال ہے کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں —— خیال ہے: یعنی امید رکھتے ہیں —— اور وہ اسی کی طرف جانے والے ہیں —— یعنی ان کو اس کا بھی خیال ہے، یہ تین باتیں جمع ہوں تو نماز سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں۔

بنی اسرائیل پر اللہ کے انعامات کا تفصیلی تذکرہ

پہلے چند باتیں جان لیں:

۱- اسلاف پر انعام سے اخلاف کو بھی حصہ ملتا ہے: کیونکہ اس انعام کا کچھ نہ کچھ فائدہ اولاد کو بھی پہنچتا ہے، جیسے آدم علیہ السلام کو خلافتِ ارضی سے نوازا گیا تو یہ شرف ان کی اولاد کو بھی حاصل ہوا، بنی اسرائیل کے اسلاف پر اللہ نے جو احسانات کئے وہ زمانۂ نبوی میں موجود یہود ونصاری پر بھی ہونگے۔

۲- دینی فضائل اولاد کو اس وقت تک حاصل رہتے ہیں جب تک وہ دین پر باقی رہے، اولاد گمراہ ہوجائے یا بدعمل ہوجائے تو وہ فضائل باقی نہیں رہتے، جیسے آخری امت 'خیر امت' ہے، یہ فضیلت انہی لوگوں کے لئے ہے جو صحابہ کے عقائد واعمال پر ہیں، گمراہ فرقوں کے لئے اور عمل سے کورے مسلمانوں کے لئے یہ فضیلت نہیں، یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔

۳- بنی اسرائیل جب تک دین حق پر تھے وہی اقوامِ عالم میں افضل تھے، پھر جب انھوں نے اختلاف کرکے دین ضائع کردیا یا ان کا عمل بگڑ گیا تو ان کی برتری بھی ختم ہوگئی۔

۴- گذشتہ امتوں میں جب اختلافات ہوئے تو کوئی جماعت صحیح دین پر باقی نہیں رہی، اور اس امت میں اختلافات ہونگے تو ایک جماعت ہمیشہ دینِ حق کو مضبوط تھامے رہے گی، سب گمراہ نہیں ہوجائیں گے، اکہتر، بہتر اور تہتر فرقوں والی حدیث سے یہ بات واضح ہے۔

۵- ایک غلط فہمی لوگوں کو ہمیشہ ہوتی ہے کہ اولاد: آباء کے فضائل پر تکیہ کرتی ہے، بنی اسرائیل کو بھی یہ غلط فہمی ہوئی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم جو کچھ بھی کریں ہمیں عذاب نہیں ہوگا، ہمارے اسلاف ہمیں بخشوالیں گے، یہی غلط فہمی آج بزرگوں کی اولاد کو ہوتی ہے، وہ اپنے اسلاف کے فضائل کو اپنا استحقاق سمجھتے ہیں۔

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ

مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	اے اولادِ یعقوب!	عَلَى الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں پر	مِنْهَا	اس کی طرف سے
اذْكُرُوْا	یاد کرو	وَاتَّقُوْا	اور ڈرو	شَفَاعَةٌ	کوئی سفارش
نِعْمَتِيَ	میرے احسانات	يَوْمًا	اس دن سے	وَّلَا يُؤْخَذُ	اور نہیں لیا جائے گا
الَّتِيْٓ	جو	لَّا تَجْزِيْ	(کہ) کام نہیں آئے گا	مِنْهَا	اس کی طرف سے
اَنْعَمْتُ	کیے میں نے	نَفْسٌ	کوئی شخص	عَدْلٌ	کوئی بدلہ
عَلَيْكُمْ	تم پر	عَنْ نَّفْسٍ	دوسرے شخص کے	وَّلَا هُمْ	اور نہ وہ
وَاَنِّيْ	اور بے شک میں نے	شَيْـــًٔا	کچھ بھی	يُنْصَرُوْنَ	مدد کیے جائیں گے
فَضَّلْتُكُمْ	برتری بخشی تم کو	وَّلَا يُقْبَلُ	اور نہیں قبول کی جائے گی	۞	۞

۱- اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اہلِ زمانہ پر برتری بخشی!

پہلی آیت میں پہلے تمہید لوٹائی ہے، پھر بنی اسرائیل پر اللہ کے سب سے بڑے احسان کا ذکر ہے، پھر دوسری آیت میں یہود کی ایک غلط فہمی دور کی ہے، ارشاد فرماتے ہیں: تم پر میرے جو انعامات ہیں ان کو یاد کرو، خاص طور پر میرا یہ احسان کہ میں نے تم کو دینی اعتبار سے اقوامِ عالم پر برتری بخشی، موسیٰ علیہ السلام تم میں مبعوث ہوئے، ان کو میں نے اپنی کتاب تورات عنایت فرمائی، اور جب تک تم میرے دین کو پکڑے رہے اقوامِ عالم پر چھائے رہے۔

پھر بعد میں تم غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے، تم نے سمجھ لیا کہ یہ فضیلت بنی اسرائیل کی میراث ہے، وہ چاہے کچھ کریں بخشے بخشائے ہیں، اور تم نے کہنا شروع کیا: ﴿ نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ﴾ (یہود ونصاری) نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں! [المائدۃ ۱۸] بیٹوں کو باپ کہاں سزا دیتا ہے؟ اور دلارا تو لاڈلا ہوتا ہے! حالانکہ تمہیں بھی قیامت کے دن بدکرداریوں کی سزا ملے گی، اور قیامت کا دن ایسا سخت دن ہے کہ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، نہ اس دن سفارش چلے گی، نہ کسی سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا، اور نہ کوئی لڑ جھگڑ کر چھڑا سکے گا، اس دن سے ڈرو، اور خناس دماغ سے نکالو!

فائدہ: کوئی کسی بلا میں پھنستا ہے تو اس کے رفیق تین طرح سے اس کی مدد کرتے ہیں: (۱) سفارش کر کے چھڑاتے ہیں (۲) تاوان (جرمانہ) بھر کر بچاتے ہیں (۳) ہاتھا پائی سے مدد کرتے ہیں، پہلے ﴿ لَا تَجْزِيْ ﴾ میں عام نفی کی کہ کوئی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا، پھر باقی تین صورتوں کی بالترتیب نفی کی۔

آیاتِ پاک کا ترجمہ: —— اے بنی اسرائیل! میرے ان احسانات کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیئے (یہ تمہید لوٹائی ہے) اور بلاشبہ میں نے تم کو (دینی اعتبار سے) جہانوں پر —— یعنی اقوامِ عالم —— پر برتری بخشی! —— پھر تم غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے، تم نے اس فضیلت کو اپنا ذاتی کمال سمجھ لیا، اور قیامت کے محاسبہ سے بے خوف ہوگئے، پس سنو! ——
اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص دوسرے شخص کے کچھ کام نہیں آئے گا —— یہ عام نفی ہے —— اور نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس کی طرف سے کوئی بدلہ لیا جائے گا، اور نہ وہ (کسی اور طرح) مدد کیئے جائیں گے —— پس اس ہولناک دن سے بچنے کے لئے قرآن پر ایمان لاؤ، اور اس کے مطابق عمل کرو۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

وَاِذْ (۱)	اور (یاد کرو) جب	يَسُوْمُوْنَكُمْ (۲)	چکھاتے ہیں وہ تم کو	وَيَسْتَحْيُوْنَ	اور زندہ رہنے دیتے ہیں
نَجَّيْنٰكُمْ	نجات دی ہم نے تم کو	سُوْٓءَ الْعَذَابِ	برا عذاب	نِسَآءَكُمْ (۳)	تمہاری عورتوں کو
مِّنْ اٰلِ	لوگوں سے	يُذَبِّحُوْنَ	ذبح کرتے ہیں	وَفِىْ ذٰلِكُمْ (۴)	اور اس میں
فِرْعَوْنَ	فرعون کے	اَبْنَآءَكُمْ	تمہارے بیٹوں کو	بَلَاۗءٌ	آزمائش ہے

(۱) إذ: ظرف کا عامل اذکر محذوف ہے (۲) یسومونکم: کا ترجمہ جلالین میں یذیقونکم کیا ہے، سَامَ الإنسانَ ذُلًّا: کا ترجمہ ہے: کسی کے ساتھ ذلت وحقارت کا برتاؤ کرنا (۳) نساء کم: ما یؤل کے اعتبار سے کہا ہے، لڑکیاں بڑی ہوکر عورتیں بنیں گی (۴) ذلکم: ضمیر کے مرجع کی طرح مشار الیہ بھی اقرب ہوتا ہے۔

مِنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	ظٰلِمُوْنَ	اپنا نقصان کرنے والے تھے	ظَلَمْتُمْ	ظلم کیا
عَظِيْمٌ	بڑی (بھاری)	ثُمَّ عَفَوْنَا	پھر درگذر کیا ہم نے	اَنْفُسَكُمْ	اپنی ذاتوں پر
وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	عَنْكُمْ	تم سے	بِاتِّخَاذِكُمُ	تمہارے بنانے کی وجہ سے
فَرَقْنَا	پھاڑا ہم نے	مِّنْۢ بَعْدِ	بعد	الْعِجْلَ	بچھڑا
بِكُمُ	تمہاری وجہ سے	ذٰلِكَ	اس کے	فَتُوْبُوْٓا	پس متوجہ ہوؤ
الْبَحْرَ	سمندر کو	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	اِلٰى بَارِىِٕكُمْ	تمہارے پیدا کرنے
فَاَنْجَيْنٰكُمْ	پس نجات دی ہم نے تم کو	تَشْكُرُوْنَ	احسان مانو		والے کی طرف
وَاَغْرَقْنَآ	اور ڈبا دیا ہم نے	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	فَاقْتُلُوْٓا	پس مار ڈالو
اٰلَ فِرْعَوْنَ	فرعون کے لوگوں کو	اٰتَيْنَا	دی ہم نے	اَنْفُسَكُمْ	اپنے لوگوں کو
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	مُوْسَى	موسیٰ کو	ذٰلِكُمْ	یہ بات
تَنْظُرُوْنَ	دیکھ رہے تھے	الْكِتٰبَ	تورات	خَيْرٌ لَّكُمْ	بہتر ہے تمہارے لئے
وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	وَالْفُرْقَانَ	اور فیصلہ کن کتاب	عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ	تمہارے پیدا کرنے
وٰعَدْنَا	وعدہ کیا ہم نے	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم		والے کے پاس
مُوْسٰٓى	موسیٰ سے	تَهْتَدُوْنَ	راہ پاؤ	فَتَابَ	پس توجہ فرمائی اس نے
اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً	چالیس راتوں کا	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	عَلَيْكُمْ	تمہاری طرف
ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ	پھر بنالیا تم نے	قَالَ مُوْسٰى	کہا موسیٰ نے	اِنَّهٗ هُوَ	بے شک وہی
الْعِجْلَ	بچھڑا	لِقَوْمِهٖ	اپنی قوم سے	التَّوَّابُ	بڑی توجہ فرمانے والے
مِنْۢ بَعْدِهٖ	موسیٰ کے بعد	يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	الرَّحِيْمُ	بڑے رحم کرنے والے
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	اِنَّكُمْ	بے شک تم نے		ہیں

۲- فرعون کی بلاخیزی سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دی

فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا، اس کی تعبیر نجومیوں نے یہ دی کہ اس سال بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا، جس کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت جائے گی، فرعون نے فوراً حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اس کو ذبح کر دیا جائے، اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے تاکہ وہ بڑی ہو کر ماما گری (خدمت گاری) کریں، اسی سال موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، اور

اللہ کی حفاظت میں فرعون ہی کے گھر میں پلے بڑھے، پھر نجومیوں نے جو مدت مقرر کی تھی اس کے بعد قتلِ اولاد کا سلسلہ رک گیا، مگر ایک سال میں سینکڑوں لڑکے بے گناہ قتل کر دیئے گئے، یہ بنی اسرائیل کی سخت آزمائش تھی، امتحان جیسے خوش حالی سے ہوتا ہے بدحالی سے بھی ہوتا ہے، بہر حال اللہ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی اس بلاخیزی (مصیبت) سے نجات بخشی، یہ بنی اسرائیل پر اللہ کا بہت بڑا احسان تھا۔

﴿ وَإِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿٤٩﴾ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے ــــ پولس سے ــــ نجات دی، وہ تمہیں سخت عذاب چکھاتے تھے: تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے ــــ یہی سخت عذاب ہے ــــ اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے، اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑا امتحان تھا!

۳- سمندر پھٹا، بنی اسرائیل پار اتر گئے، اور فرعون کا لشکر ڈوبا!

اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر چلے، کنعان کا ارادہ تھا، مگر راستہ بھول کر بحر احمر کے کنارے پہنچ گئے، پیچھے سے فرعون کا ٹھاٹھیں مارتا لشکر آ پہنچا، موسیٰ علیہ السلام نے بہ حکم الٰہی سمندر پر لاٹھی ماری، پانی پھٹ گیا، اور بارہ راستے نکل آئے، سب بنی اسرائیل بخیریت پار اتر گئے، اور پانی رکا رہا، فرعون نے اپنے لشکر سے کہا: ''پانی میرے حکم سے رکا ہوا ہے، تاکہ میں ان بھگوڑوں کو پکڑوں، ڈالو سمندر میں گھوڑے!'' جب لشکر منجدھار میں پہنچا موسیٰ علیہ السلام نے بہ حکم الٰہی پھر پانی پر لاٹھی ماری تو پانی مل گیا، اور فرعون کا لشکر مع فرعون لقمۂ اجل بن گیا، بنی اسرائیل دوسرے کنارے سے یہ منظر دیکھ رہے تھے، اس طرح بنی اسرائیل دشمن کی گرفت سے بچ گئے، سوچو! یہ کتنا بڑا احسان ہے، اگر بنی اسرائیل فرعون کے ہتھے چڑھ جاتے تو وہ تڑپا تڑپا کر مارتا!

﴿ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٠﴾ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے تمہاری خاطر سمندر کو پھاڑا، پس تمہیں نجات دی، اور فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا درانحالیکہ تم یہ منظر دیکھ رہے تھے!

۴- بنی اسرائیل نے مصریوں جیسا شرک کیا، مگر اللہ نے ان کو معاف کیا

مصری گائے کو پوجتے تھے، بنی اسرائیل نے بھی بچھڑے کو پوجا، مگر اللہ نے ان کو مختصر سزا دے کر معاف کیا، سب کو

ہلاک نہیں کیا، یہ ان پر اللہ کا ایک احسان تھا، تاکہ وہ ممنونِ احسان ہوں، اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل سمندر سے پار اترے، اور وادی سینا میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو طور پر بلایا، تاکہ ان کو تورات عنایت فرمائیں، موسیٰ علیہ السلام قوم کو ہارون علیہ السلام کے حوالے کر کے جلدی طور پر چلے گئے، پیچھے سامری نے زیورات سے بچھڑا ڈھالا، اس ڈھانچہ میں سے گائے کی آواز آتی تھی، بنی اسرائیل اس پر فریفتہ ہوگئے، اور اس کو خدا بنا کر پوجنے لگے، یہ انھوں نے وہی حرکت کی جو فرعون کے لوگ کرتے تھے، مگر اللہ نے ان کو مختصر سزا دے کر معاف کیا، سب کو تباہ نہیں کیا، یہ ان پر اللہ کا احسان تھا۔

﴿ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے اور موسیٰ نے ایک دوسرے سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا ـــــ یعنی موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر آکر چالیس دن اعتکاف کریں تو انہیں تورات دی جائے گی ـــــ پھر تم نے ان کے بعد ـــــ یعنی ان کے طور پر جانے کے بعد ـــــ بچھڑے کو معبود بنالیا، درانحالیکہ تم حق تلفی کرنے والے تھے ـــــ ظلم کے معنی ہیں: حق تلفی کرنا، کسی کا حق مارنا۔ عبادت اللہ کا حق ہے، پس غیر اللہ کی عبادت کرنا اللہ کی بہت بڑی حق تلفی ہے ـــــ پھر اس کے بعد ـــــ یعنی شرک کا ارتکاب کرنے کے بعد ـــــ ہم نے تم کو معاف کیا، تاکہ تم ممنونِ احسان ہوؤ!

۵- بنی اسرائیل کو حق ناحق میں امتیاز کرنے والی کتاب تورات عنایت فرمائی

اللہ کی ہر کتاب فرقان ہوتی ہے، ہر کتاب حق کو ناحق سے جدا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے بنی اسرائیل کو تورات عنایت فرمائی، جو فرقان تھی، اللہ کی کتابوں میں قرآنِ کریم کے بعد تورات ہی کا نمبر ہے، یہ کتاب اس لئے عنایت فرمائی کہ بنی اسرائیل اس سے راہ نمائی حاصل کریں، پس یہ بھی ایک عظیم احسان ہے۔

سوال: تورات کا ذکر تو ﴿وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى﴾ میں آ گیا، پھر اس کو دوبارہ کیوں ذکر کیا؟

جواب: قرآنِ کریم کبھی واقعہ کو تقسیم کرتا ہے، اور کبھی واقعہ کے اجزاء کو مقدم و مؤخر کرتا ہے، اول کو آخر اور آخر کو اول کرتا ہے، اور وہ ایسا امتنان کو مستقل کرنے کے لئے کرتا ہے، ایک واقعہ میں دو احسان ہوتے ہیں، اگر واقعہ مسلسل بیان کیا جائے تو ایک احسان معلوم ہوگا، یہاں بھی تورات عنایت فرمانے کو مستقل انعام کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔

﴿ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو آسمانی کتاب اور حق و باطل کو جدا کرنے والی کتاب دی، تاکہ تم راہ راست پاؤ!

۶- کچھ گوسالہ پرستوں کو قتل کرنے کے بعد باقی لوگوں کو معاف کیا

موسیٰ علیہ السلام طور پر جاتے ہوئے ہارون علیہ السلام کو یہ ذمہ داری سونپ گئے تھے کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر طور پر پہنچیں، مگر پیچھے سامری نے زیورات سے بچھڑا ڈھالا، کچھ لوگ اس کو خدا مان کر پوجنے لگے، اکثر لوگ دین پر جمے رہے، مگر انھوں نے مداہنت سے کام لیا، نہ تو گمراہوں سے جہاد کیا نہ ان کا بائیکاٹ کیا، نہ ان سے جدا ہوئے، یہ ان کا قصور تھا، کیونکہ اصلاح حال کی کوشش کے بعد آدمی معذور ہوتا ہے، جب موسیٰ علیہ السلام لوٹے تو قوم سے کہا: تم نے بچھڑا بنا کر غضب ڈھایا، مگر توبہ کا دروازہ کھلا ہے، توبہ کرو! اور جنھوں نے بچھڑے کو نہیں پوجا وہ پوجنے والوں کو قتل کریں، یہ ان کے ارتداد کی سزا ہے، موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ارتداد کی یہی سزا تھی، چنانچہ مرتدین قتل کئے جانے لگے، جب کچھ لوگ قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف کر دیا، یہ اللہ کا ان پر احسان تھا۔

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! بلاشبہ تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا، پس تم اپنے خالق تعالیٰ سے گناہ کی معافی مانگو، اور اپنے لوگوں کو (مرتدین کو) قتل کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے خالق تعالیٰ کے نزدیک، چنانچہ ان کی توبہ قبول کی، بے شک وہی بہت معاف کرنے والے بڑے رحم کرنے والے ہیں۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ
وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	عَلَيْكُمُ	تم پر	هٰذِهِ الْقَرْيَةَ	اس بستی میں
قُلْتُمْ	کہا تم نے	الْغَمَامَ	بادل کو	فَكُلُوْا مِنْهَا	پس کھاؤ اس سے
يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ	وَاَنْزَلْنَا	اور اتارا ہم نے	حَيْثُ شِئْتُمْ	جہاں سے چاہو
لَنْ نُّؤْمِنَ	ہم ہرگز یقین نہیں کریں گے	عَلَيْكُمُ	تم پر	رَغَدًا (۴)	بافراغت
لَكَ	آپ (کی بات) کا	الْمَنَّ (۲)	منّ	وَّادْخُلُوا	اور داخل ہوؤ
حَتّٰى نَرَى	یہاں تک کہ دیکھیں ہم	وَالسَّلْوٰى (۳)	اور سلوی (بٹیریں)	الْبَابَ	دروازے میں
اللّٰهَ	اللہ کو	كُلُوْا	کھاؤ تم	سُجَّدًا (۵)	عاجزی کرتے ہوئے
جَهْرَةً (۱)	عیاں (روبرو)	مِنْ طَيِّبٰتِ	ان ستھری چیزوں سے	وَّقُوْلُوْا	اور کہو
فَاَخَذَتْكُمُ	پس پکڑا تمہیں	مَا رَزَقْنٰكُمْ	جو روزی دی ہم نے تم کو	حِطَّةٌ (۶)	توبہ! توبہ!
الصّٰعِقَةُ	کڑک نے	وَمَا ظَلَمُوْنَا	اور نہیں نقصان کیا انھوں	نَّغْفِرْ	بخشیں گے ہم
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم		نے ہمارا	لَكُمْ	تمہارے لئے
تَنْظُرُوْنَ	دیکھ رہے تھے	وَلٰكِنْ كَانُوْٓا	بلکہ تھے وہ	خَطٰيٰكُمْ	تمہارے قصور
ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ	پھر اٹھایا ہم نے تم کو	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں کا	وَسَنَزِيْدُ	اور ابھی زیادہ دیں
مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ	تمہاری موت کے بعد	يَظْلِمُوْنَ	نقصان کرتے		گے ہم
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو
تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاؤ	قُلْنَا	کہا ہم نے	فَبَدَّلَ (۷)	پس بدل دیا
وَظَلَّلْنَا	اور سایہ فگن کیا ہم نے	ادْخُلُوْا	داخل ہوؤ	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جنھوں نے

(۱) جهرة: باب فتح کا مصدر ہے: آشکارا، روبرو، کھلم کھلا (۲) مَنّ: شبنمی گوند، جو وادی تیہ میں اسرائیلیوں کے کھانے کے لئے درختوں کے پتوں پر جم جاتا تھا، اسم ہے (۳) سلوی: بٹیر، تیتر کی قسم کا ایک چھوٹا پرندہ، اسم جنس ہے (۴) رغداً: ابھی آیت ۳۵ میں گذرا۔ (۵) سجدًا: ادخلوا کی ضمیر فاعل سے حال ہے، اور معروف سجدہ مراد نہیں، بحالت سجدہ داخل ہونا ممکن نہیں، بلکہ جھکتے ہوئے، عاجزی کرتے ہوئے داخل ہونا مراد ہے، جیسے آدم علیہ السلام کے واقعہ میں سرینڈر کرنا مراد ہے۔ (۶) حطة: کے معنی میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک: اترنے کی ہیئت کا نام ہے، حَطّ سے مشتق ہے، جس کے معنی: بلندی سے اترنے کے ہیں (۷) بَدَّل کے دو مفعول ہوتے ہیں، اور دونوں حرفِ جر کے بغیر بھی آتے ہیں۔

ظَلَمُوْا	ظلم کیا	فَاَنْزَلْنَا	پس اتارا ہم نے	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
قَوْلًا(۱)	بات کو	عَلَى الَّذِيْنَ	ان پر جنھوں نے	بِمَا كَانُوْا	بایں وجہ کہ تھے وہ
غَيْرَ الَّذِىْ(۲)	اس کے علاوہ سے جو	ظَلَمُوْا	نقصان کیا	يَفْسُقُوْنَ	حد اطاعت سے نکل
قِيْلَ لَهُمْ	کہی گئی تھی ان سے	رِجْزًا	عذاب		جاتے

۷- بنی اسرائیل کے ستّر آدمیوں کو ایک واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد زندہ کیا

بنی اسرائیل صاحبزادے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے، انھوں نے ہر چند نافرمانیاں کیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ہر بار ان پر احسان کیا، ان کے گناہوں کو معاف کیا، اور اپنا فضل ان کے شاملِ حال کیا۔ آئندہ چند واقعات میں یہ بات واضح ہوگی۔

واقعہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے تورات لے کر آئے، قوم سے کہا: اللہ نے یہ کتاب عنایت فرمائی ہے، اس پر عمل کرو، قوم کے نالائقوں نے کہا: ہم کیسے یقین کریں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے! آپ چالیس دن غائب رہے، ہوسکتا ہے آپ خود تصنیف کر لائے ہوں! موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آؤ! اللہ پاک سے کہلوادوں، لوگوں نے ستر آدمی منتخب کئے، انھوں نے اللہ کا کلام سنا، مگر کہنے لگے: ہم نے آواز سنی، مگر کون بولا یہ ہم نے نہیں جانا، اللہ پاک ہمارے روبرو آکر فرمائیں تو ہم مانیں، اس گستاخی کی ان کو یہ سزا دی گئی کہ زور کی بجلی چمکی اور کڑاکا گرا، جس سے سب ہارٹ فیل ہوگئے اور بجلی ان کی آنکھیں کھلی تھیں اور گری!

اب موسیٰ علیہ السلام کو فکر لاحق ہوئی: قوم کہے گی: تم نے خود کسی طرح ان کو ہلاک کیا، چنانچہ دعا فرمائی اور اللہ نے سب کو مَرے پیچھے زندہ کیا، یہ اللہ کا بنی اسرائیل پر احسان تھا۔

﴿ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز آپ کی بات نہیں مانیں گے —— کہ جو کلام ہم نے سنا ہے وہ اللہ کا کلام ہے —— تا آنکہ ہم اللہ کو کھلی آنکھوں دیکھ لیں —— یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے روبرو آکر فرمائیں کہ میں نے موسیٰ کو تورات دی ہے —— پس کڑک نے تمہیں پکڑلیا، اور تم دیکھتے رہ گئے! —— پھر ہم نے تم کو زندہ کردیا تمہارے مرنے کے لئے بعد تاکہ تم شکر بجالاؤ!

(۱) قولاً: مفعول اول ہے (۲) غیر الذی: مفعول ثانی ہے۔

۸و۹-میدانِ تیہ میں بنی اسرائیل پر بادل نے سایہ کیا، اور کھانے کے لئے اللہ نے منّ وسلوی اتارا

بنی اسرائیل کو چالیس سال کے لئے میدانِ تیہ میں محصور کر دیا گیا تھا، وہاں ان کے خیمے پھٹ گئے اور دھوپ کی تپش ستانے لگی، اور کھانے کے بھی لالے پڑ گئے، تو اللہ نے ان پر کرم فرمایا، دن بھر بادل ان پر سایہ فگن رہتا، اور کھانے کے لئے منّ وسلوی ملنے لگا، منّ: میٹھا شبنمی گوند تھا جو پتوں پر جم جاتا تھا، اور سلوی: بٹیریں (چھوٹے تیتر) پڑاؤ کے پاس جمع ہو جاتے، بنی اسرائیل حلوی کھاتے اور کباب کا لطف اٹھاتے، اللہ نے فرمایا: یہ لطیف ولذیذ غذا کھاؤ، مگر ضرورت سے زائد مت لو، یہ نعمتیں ہمیشہ تمہیں ملتی رہیں گی، مگر انھوں نے حرص سے ذخیرہ کیا تو گوشت سڑنے لگا، یہ انھوں نے اپنا نقصان کیا، پھر جب انھوں نے مسور، ککڑی اور لہسن پیاز مانگی تو یہ نعمتیں بند ہوگئیں، یہ انھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

﴿وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۵۷﴾

ترجمہ: اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا، اور ہم نے تم پر منّ وسلوی اتارا، کھاؤ اس پاکیزہ روزی میں سے جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی، اور انھوں نے (حکم کی خلاف ورزی کر کے) ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، بلکہ انھوں نے اپنے پیروں پر تیشہ زنی کی!

۱۰-اسارت کے زمانہ میں بنی اسرائیل کو ایک بستی میں جانے کی اجازت ملی

برطانیہ میں ہلکے قیدیوں کو سال میں ہفتہ دو ہفتہ کے لئے گھر جانے کی چھٹی ملتی ہے، بنی اسرائیل کو بھی میدانِ تیہ کی اسارت کے زمانہ میں جب وہ منّ وسلوی کھاتے کھاتے اوب گئے تو ایک شہر میں جانے کی اجازت ملی، تاکہ وہاں جو چاہیں آسودہ ہو کر کھائیں، مگر ساتھ ہی حکم دیا کہ بستی میں عاجزی سے سر جھکاتے ہوئے داخل ہونا اور منہ سے توبہ توبہ پکارنا، ہم تمہاری خطائیں معاف کریں گے، اور نیکو کاروں کو اور نوازیں گے، مگر وہ ناہنجار سینہ تان کر گیہوں گیہوں! پکارتے داخل ہوئے، اس کی سزا میں ان پر پلیگ مسلط کیا گیا، جس سے ایک دن میں ستر ہزار آدمی مر گئے!

﴿وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا ھٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۸ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَھُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۵۹﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے کہا —— یعنی اجازت دی کہ —— اس بستی میں جاؤ، اور وہاں سے جو چاہو

آسودہ ہو کر کھاؤ، اور دروازے میں سر جھکا کر ـــــ عاجزی اور تواضع سے ـــــ داخل ہوؤ، اور کہو: خطا معاف فرما! ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے، اور نیکو کاروں کو مزید نوازیں گے۔

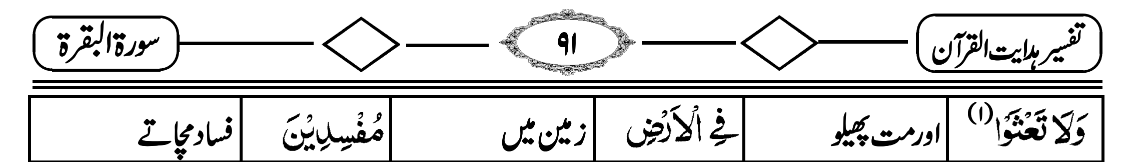
پس ظالموں نے بات کو (یعنی حطۃ کو) بدلا اس کے علاوہ سے جس کا حکم دیا گیا تھا ـــــ یعنی حطۃ کے بجائے حنطۃ کہا ـــــ پس ہم نے ان ظالموں پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب اتار دیا!

فائدہ: بنی اسرائیل جب سمندر پار اترے، اور وادی سینا میں پہنچے، تو حکم ملا کہ اپنے آبائی وطن بیت المقدس کو جہاد کر کے فتح کرو، اور وہاں جا بسو، مگر وہ عمالقہ کا ڈیل ڈول دیکھ کر گھبرا گئے، اور جہاد کرنے سے صاف انکار کر دیا، اس کی سزا ان کو یہ ملی کہ چالیس سال کے لئے اس صحراء میں محصور کر دیئے گئے، یہ واقعہ اس اسارت کے زمانہ کا ہے، ابھی ان کو بیت المقدس جانا نصیب نہیں ہوا، وہ تو موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد طالوت کے زمانہ میں جائیں گے۔ اس اسارت کے زمانہ میں بادل ان پر سایہ کرتا تھا، اور کھانے کے لئے منّ وسلوی ملتا تھا، مگر حکم تھا کہ وہ ذخیرہ نہ کریں، اور کوئی دوسری غذا طلب نہ کریں، مگر انھوں نے ذخیرہ کرنا شروع کیا، پس گوشت سڑنے لگا، اور منّ وسلوی ملنا بند ہو گیا، یہ انھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، اور منّ وسلوی کی جگہ مسور اور لہسن پیاز مانگی تو وہ بھی ان کو اسی بستی میں ملی، اس کا ذکر ایک آیت کے بعد آ رہا ہے، اس بستی کا نام علماء 'اریحا' بتاتے ہیں۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۶۰

وَاِذِ	اور (یاد کرو) جب	بِّعَصَاكَ	اپنی لاٹھی	قَدْ عَلِمَ	بالتحقیق جانی
اسْتَسْقٰى	پانی مانگا	الْحَجَرَ [1]	فلاں پتھر پر	كُلُّ اُنَاسٍ	سب لوگوں نے
مُوْسٰى	موسیٰ نے	فَانْفَجَرَتْ	پس بہہ پڑے	مَّشْرَبَهُمْ	اپنی گھاٹ
لِقَوْمِهٖ	اپنی قوم کے لئے	مِنْهُ	اس سے	كُلُوْا وَاشْرَبُوْا	کھاؤ اور پیو
فَقُلْنَا	پس کہا ہم نے	اثْنَتَا عَشْرَةَ	بارہ	مِنْ رِّزْقِ	روزی سے
اضْرِبْ	مار	عَيْنًا	چشمے	اللّٰهِ	اللہ کی

(۱) الحجر: میں الف لام عہدی ہے، خاص پتھر مراد ہے۔



وَلَا تَعْثَوْا(1)	اور مت پھیلو	فِي الْأَرْضِ	زمین میں	مُفْسِدِيْنَ	فساد مچاتے

۱۱- میدانِ تیہ میں بنی اسرائیل کے لئے ایک پتھر سے بارہ چشمے نکلے

یہ قصہ بھی وادی تیہ کا ہے، وہاں من وسلوی تو ملنے لگا، مگر پانی نہیں تھا، موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، حکم ملا کہ فلاں پتھر پر اپنی لاٹھی مارو، فوراً ہی بارہ چشمے پھوٹ نکلے، بنی اسرائیل کے بارہ خاندان تھے، سب نے ایک ایک چشمہ لے لیا، اور اللہ نے فرمایا: من وسلوی کھاؤ، اور چشموں کا پانی پیئو، اور زمین میں اودھم مت مچاؤ، سکون سے رہو، جب آدمی شکم سیر اور سیراب ہوتا ہے تو شرارت سوجھتی ہے، اس لئے اس کی ممانعت کی۔

سوال: پتھر سے چشمے کیسے پھوٹے: پتھر میں پانی کہاں؟

جواب: اللہ کی قدرت! زمزم کے کنویں میں پتھر سے چشمہ بہتا ہے، اور اتنا پانی نکلتا ہے کہ ایک دنیا سیراب ہوتی ہے، حجر اسود کی طرف سے تیز دھارا آتا ہے، مشین برابر پانی کھینچتی ہے، مگر لیول نیچے نہیں اترتا۔

﴿وَإِذِ اسْتَسْقَى مُوسَى لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا: فلاں پتھر پر اپنی لاٹھی مارو، پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، بالتحقیق سب لوگوں نے اپنی گھاٹ جان لی (اور ہم نے حکم دیا:) اللہ کی روزی میں سے کھاؤ اور پیئو، اور زمین میں فساد مت مچاؤ!

واقعات کا رنگ وآہنگ بدلتا ہے!

اب تک بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات کا ذکر تھا، اُن میں سے بعض واقعات میں ان کی شوخی ظاہر ہوئی، مگر اس سے درگذر کیا گیا، اب ایسے واقعات ذکر فرماتے ہیں جو شرارت اور خباثت کے قبیل سے ہیں، ان میں بنی اسرائیل پر عتاب نازل ہوا، کیونکہ وہ سنگین معاملات تھے، جیسے:

۱- جن لوگوں نے اللہ کی نعمتِ منّ وسلوی کو ٹھکرایا، اور موسیٰ علیہ السلام سے ترکاری، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز مانگی، ان پر ذلت ومحتاجی کا ٹھپہ نہیں لگے گا تو اور کیا ہوگا!

۲- جنھوں نے اللہ کی کتاب تورات کو قبول کرنے سے انکار کیا، ان کے سروں پر پہاڑ کیوں معلّق نہیں کیا جائے گا!

(۱) لاتعثوا: باب نصر اور سمع سے عَثَا يَعْثُوْا عُثُوًّا: کے معنی ہیں: حسّی فساد مچانا، اور باب سمع سے عَثِيَ عِثِيًّا کے معنی ہیں: معنوی فساد مچانا، یہاں دونوں مراد ہیں۔

۳-جنھوں نے یوم سبت کی بے حرمتی کی، اور حیلہ کرکے مچھلیاں پکڑیں، ان کو سور بندر کیوں نہیں بنایا جائے گا!

شوخی اور گستاخی سے درگذر کیا جاسکتا ہے، شرارت اور خباثت کو معاف نہیں کیا جاسکتا!

ایک واقعہ: دارالعلوم دیوبند کے ایک سفیر تھے، حضرت مدنی رحمہ اللہ سے ان کا عقیدت کا تعلق تھا، وہ حضرت کے لئے گھی لائے اور ایک استاذ کے کمرے میں رکھا، سفیر صاحب ان کے پاس ٹھہرتے تھے، سردی کا زمانہ تھا، استاذ نے اساتذہ کی کھچڑی کی دعوت کردی اور وہ گھی کھلا دیا، جب حضرت مدنی سفر سے لوٹے تو سفیر صاحب نے شکایت کی، حضرت نے فرمایا: ''آپ گھی میرے لئے تو لائے تھے، میں نے اس کو مباح کردیا'' وہ منہ تکتے رہ گئے۔

دوسرا واقعہ: دارالعلوم دیوبند کے ایک استاذ مجرد تھے، دل بہلانے کے لئے مرغیاں بکریاں پالتے تھے، طلبہ نے ان کا بکرا ذبح کرکے اساتذہ کی دعوت کردی، بکرے کے مالک استاذ بھی دعوت میں تھے، جب بکرا نہیں ملا تو تحقیق ہوئی، معلوم ہوا کہ اسی بکرے کی طلبہ نے دعوت کی تھی، حضرت مدنی رحمہ اللہ ناظم تعلیمات اور صدر المدرسین تھے، استاذ نے ان کے یہاں طلبہ کی شکایت کی، حضرت نے طلبہ کو بلایا اور فرمایا: ''آپ حضرات نے ان کا بکرا بے اجازت ذبح کرکے کھالیا!'' طلبہ نے عرض کیا: ''حضرت! گھی بھی اسی طرح کھالیا گیا تھا!'' حضرت مسکرائے اور فرمایا: ''حساب برابر ہوگیا!''

تیسرا واقعہ: طلبہ نے رات میں اعلان کیا کہ فلاں طالب علم کا انتقال ہوگیا، صبح جنازہ تیار کرکے احاطہ مولسری میں لائے، جب امام نے دو تکبیریں کہہ لیں تو مردہ اٹھ بیٹھا، بھگدڑ مچ گئی، بہت لوگ زخمی ہوئے، اس واقعہ میں ساٹھ طالب علموں کا اخراج ہوا، کیونکہ یہ شوخی نہیں تھی، شرارت اور خباثت تھی، دین کے ساتھ مذاق تھا، اس سے درگذر نہیں کیا جاسکتا تھا۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع

وَإِذْ قُلْتُمْ	اور (یاد کرو) جب کہا تم نے	يٰمُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ	اے موسیٰ ہرگز صبر نہیں کریں گے ہم	عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ	کھانے پر ایک طرح کے

فَادْعُ لَنَا	پس دعا کیجیے ہمارے لئے	الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی	اس چیز کو جو معمولی ہے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کے
رَبَّكَ	اپنے رب سے	بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ	اس چیز سے جو وہ بہتر ہے	ذٰلِكَ (۳)	یہ بات
یُخْرِجْ لَنَا	نکالیں وہ ہمارے لئے	اِهْبِطُوْا	اترو	بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ ہے کہ وہ
مِمَّا	اس میں سے جو	مِصْرًا	کسی شہر میں	كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ	انکار کیا کرتے تھے
تُنْۢبِتُ	اگاتی ہے (اُس کو)(۱)	فَاِنَّ	پس بے شک	بِاٰیٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی نشانیوں کا
الْاَرْضُ	زمین	لَكُمْ	تمہارے لئے	وَیَقْتُلُوْنَ	اور خون کیا انھوں نے
مِنْۢ بَقْلِهَا (۲)	اس کی ترکاری سے	مَّا سَاَلْتُمْ	وہ ہے جو مانگا تم نے	النَّبِیّٖنَ	نبیوں کا
وَقِثَّآئِهَا	اور اس کی ککڑی سے	وَضُرِبَتْ	اور ماری گئی	بِغَیْرِ الْحَقِّ	ناحق
وَفُوْمِهَا	اور اس کے گیہوں سے	عَلَیْهِمُ	ان پر	ذٰلِكَ بِمَا (۴)	یہ بات بایں وجہ ہے کہ
وَعَدَسِهَا	اور اس کے مسور سے	الذِّلَّةُ	رسوائی	عَصَوْا	نافرمانی کی انھوں نے
وَبَصَلِهَا	اور اس کی پیاز سے	وَالْمَسْكَنَةُ	اور محتاجی (لاچاری)	وَّكَانُوْا	اور حد سے تجاوز کیا
قَالَ	کہا (موسیٰ نے)	وَبَآءُوْ	اور لوٹے وہ	یَعْتَدُوْنَ	کرتے تھے وہ
اَتَسْتَبْدِلُوْنَ	کیا بدل کر لینا چاہتے ہو تم	بِغَضَبٍ	غصہ کے ساتھ	۞	۞

۱- بنی اسرائیل نے منّ وسلویٰ کو ٹھکرایا تو ان پر رسوائی اور محتاجگی کا ٹھپہ لگ گیا!

اُس واقعہ میں جس کا ذکر ابھی ایک آیت پہلے آیا ہے کہ بنی اسرائیل کو اسارت کے زمانہ میں اریحا نامی بستی میں جانے کی اجازت ملی، اس واقعہ میں انھوں نے منّ وسلویٰ کی نعمت کو بھی ٹھکرایا تھا، جب وہ میدانِ تیہ میں منّ وسلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے زمین میں ترکاری، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز اگائیں، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: عرش سے فرش پر بیٹھنا چاہتے ہو! بہتر کے بدل کم تر کو لینا چاہتے ہو! پہنچ جاؤ اس شہر میں، وہاں تمھیں یہ چیزیں مل جائیں گی، مگر اس ناقدر شناسی کے نتیجہ میں ان پر ذلت ورسوائی اور محتاجی اور لاچاری کا ٹھپہ لگ گیا اور اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہوگئے۔

(۱) اُس کو: اسم موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف کا ترجمہ ہے (۲) مؤنث کی تمام ضمیریں الأرض کی طرف لوٹتی ہیں۔
(۳) ذلك: کا مشار الیہ غضبِ الٰہی ہے، ضمیر کے مرجع کی طرح اسم اشارہ کا مشار الیہ بھی اقرب ہوتا ہے (۴) دوبارہ ذلك بطور تفنّن لائے ہیں، اور یہ اللہ کی ناراضگی کی آخری وجہ ہے۔

اللہ کی ناراضگی میں تین اور باتوں کا بھی دخل تھا

منّ وسلویٰ کی نعمت کو ٹھکرانے کے علاوہ اللہ کی ناراضگی میں تین اور باتوں کا بھی دخل تھا:

ایک: اللہ کی آیتوں کا انکار! جب انھوں نے تورات کو قبول نہیں کیا تو پہاڑ کو ان پر اٹھانا پڑا۔

دوم: بے گناہ متعدد انبیاء کا قتل! یسیعا نبی کو، یرمیاہ نبی کو، زکریا اور یحییٰ علیہم السلام کو قتل کیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا، جس میں وہ ناکام ہوئے۔

سوم: دیگر معاملات میں بھی حکم الٰہی قبول کرنے میں چوں چرا کرتے تھے، گائے ذبح کرنے کے معاملہ میں انھوں نے بہت لیت ولعل کیا، اس طرح حد اطاعت سے نکلنے کی کوششیں کرتے تھے، بار بار جوا گردن سے اتار پھینکتے تھے —— ان وجوہ سے اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہوئے۔

﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَٰحِدٍ فَٱدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنۢبِتُ ٱلْأَرْضُ مِنۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ ٱلَّذِى هُوَ أَدْنَىٰ بِٱلَّذِى هُوَ خَيْرٌ ۚ ٱهْبِطُوا۟ مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ ٱلذِّلَّةُ وَٱلْمَسْكَنَةُ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ ٱللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا۟ يَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَيَقْتُلُونَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا۟ وَّكَانُوا۟ يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں کرسکتے، پس آپ ہمارے لئے اپنے رب سے —— ہمارے رب سے: نہیں کہا! —— دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے وہ چیزیں پیدا کریں جو زمین اگایا کرتی ہے، یعنی ترکاری، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز، موسیٰ نے کہا: کیا تم بہتر غذا (منّ وسلویٰ) کو ان چیزوں سے بدلنا چاہتے ہو جو معمولی ہیں؟ کسی شہر میں پہنچ جاؤ، وہاں تمہیں وہ چیزیں مل جائیں گی جو تم نے مانگی ہیں، اور ان پر رسوائی اور بے کسی کا ٹھپہ لگادیا گیا، اور ان پر اللہ پاک سخت ناراض ہوئے!

یہ سخت ناراضگی اس وجہ سے تھی کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے، اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ بات ان کے نافرمانی کرنے اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہوئی۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَٱلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلنَّصَٰرَىٰ وَٱلصَّٰبِـِٔينَ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جولوگ	بِاللّٰهِ	اللہ پر	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس
اٰمَنُوْا	مسلمان ہوئے	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور آخری دن پر	وَلَا خَوْفٌ	اور کوئی ڈر نہیں
وَالَّذِيْنَ هَادُوْا	اور جولوگ یہودی ہوئے	وَعَمِلَ	اور کیا اس نے	عَلَيْهِمْ	ان پر
وَالنَّصٰرٰى	اور عیسائی	صَالِحًا	نیک کام	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ
وَالصّٰبِئِيْنَ	اور صابی	فَلَهُمْ	توان کے لئے	يَحْزَنُوْنَ	غم گین ہونگے
مَنْ اٰمَنَ (۱)	جو ایمان لایا	اَجْرُهُمْ	ان کا بدلہ ہے	۞	۞

آسمانی کتابیں ماننے والوں کے فضائل ایمان وعمل صالح کی حد تک ہیں

یہ اہم آیت ہے، اس میں بنی اسرائیل کی اور ساتھ ہی مسلمانوں کی ایک غلط فہمی دور کی ہے، اس آیت کو کما حقہ سمجھنے کے لئے پہلے تین باتیں عرض ہیں:

۱- کچھ لوگوں نے اس آیت سے 'وحدتِ ادیان' پر استدلال کیا ہے، جو غلط ہے۔ وحدتِ ادیان کا مطلب ہے: آسمانی کتابیں ماننے والوں کا اگر اپنی ملت پر ایمان ہے اور اس کے مطابق عمل ہے تو وہ ناجی ہونگے، نبی ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں، یہ خیال دلیل نقلی اور عقلی سے باطل ہے:

دلیلِ نقلی: مسلم شریف میں حدیث ہے: **والذی نفسُ محمدٍ بیدہ! لا یَسْمَعُ بِیْ أَحدٌ من هذه الأمة: یهودیٌّ ولانصرانیٌّ، ثم یموت ولم یؤمن بالذی أُرسلتُ به إلا کان من أصحاب النار**: اس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! موجودہ لوگوں میں سے کوئی بھی، یہودی ہو یا عیسائی: میری اطلاع ملنے کے بعد مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان نہیں لایا وہ جہنمی ہوگا (مسلم شریف، کتاب الایمان، باب ۷۰ حدیث ۲۴۰)

دلیلِ عقلی: امت کا اجماع ہے کہ سابقہ ادیان منسوخ ہیں، پس منسوخ پر ایمان وعمل سے نجات کیسے ہوسکتی ہے؟ اب بھی اگر اس سے نجات ہو تو نسخ کا فائدہ کیا؟

۲- آیت میں مسلمانوں کے ساتھ جن تین ملتوں کا ذکر ہے وہ تینوں بنی اسرائیل اور اہل کتاب ہیں، یہود ونصاری کو تو سب جانتے ہیں: صابی زبور پڑھتے تھے، پس وہ بھی بنی اسرائیل اور اہل کتاب تھے، اب وہ نہیں رہے، اس لئے ان کا معاملہ مخفی ہوگیا، مشرکین ایمان لانے والے کو صابی کہتے تھے: وہ اسی معنی میں استعمال کرتے تھے کہ یہ شخص مورتی پوجا چھوڑ کر آسمانی کتاب کو ماننے لگا۔

(۱) مَن: موصولہ، متضمن معنی شرط مبتدا، فلهم خبر، پھر جملہ إن کی خبر۔

۳-سورۃ الحج میں ایک آیت (نمبر ۱۷) اس آیت سے ملتی جلتی ہے، اس میں مجوسی اور مشرکین کا بھی ذکر ہے، مگر اس آیت کا موضوع الگ ہے، اس کا موضوع ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾: اللہ تعالیٰ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کریں گے کہ کون صحیح تھا اور کون غلط؟ ابھی تو سب خود کو حق پر بتلاتے ہیں، پس وہ آیت اس آیت سے مختلف ہے، اس سے اشتباہ نہ ہو۔

اب زیر تفسیر آیت: کو سمجھیں، گذشتہ آیت میں بنی اسرائیل پر اللہ کی سخت ناراضگی کا ذکر ہے، یہاں کوئی سوال کر سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کو تو اللہ نے جہانوں (اقوامِ عالم) پر برتری بخشی ہے: پھر اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب اس آیت میں ہے کہ آسمانی کتابیں ماننے والے، خواہ مسلمان ہوں یا یہودی، عیسائی اور صابی: ان کی فضیلت ایمانِ صحیح اور عملِ صالح کی حد تک ہے، جب تک ان کا اپنے نبی پر اور اس کے لائے ہوئے دین پر صحیح ایمان رہا، اور اس کے مطابق ان کا عمل بھی رہا: ان کو فضیلت حاصل رہی، پھر جب ان کا ایمان صحیح نہیں رہا یا عمل غلط ہو گیا یا وہ شریعت منسوخ ہو گئی تو اب ان کے لئے وہ فضیلت باقی نہیں رہی، اگر وہ اب بھی خیال کرتے ہیں کہ ان کی برتری نسلی ہے تو ان کا یہ خیال غلط ہے، اور یہ بات مسلمانوں کے لئے بھی ہے، وہ خیر امت ہیں، مگر ان کو یہ فضیلت ایمانِ صحیح اور عملِ صالح کی حد تک حاصل ہے، جو فرقے گمراہ ہو گئے اور جو مسلمان بدعمل ہو گئے، وہ ہرگز خیر امت نہیں، اور یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے (ان کا ارشاد حیات الصحابہ باب سوم میں ہے، اور رحمۃ اللہ الواسعہ ۲:۵۲ میں اس کی شرح ہے)

فائدہ: یہی بات مفسرینِ کرام نے: علی أهلِ زمانِهم کے ذریعہ سے سمجھائی ہے، ان کے زمانے کے لوگوں پر: یعنی جب تک ان کی شریعت باقی تھی، اور اس پر ان کا صحیح ایمان اور اس کے مطابق نیک عمل رہا وہ اقوام عالم پر چھائے رہے، نزولِ قرآن کے زمانہ کے اہل کتاب کے لئے یہ فضیلت نہیں، یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ جب تک ان کی اکثریت کا ایمان اور عمل صحیح رہا وہ دنیا پر چھائے رہے، اور جب ان میں گمراہی پھیلی اور اہل حق بھی بے عمل بلکہ بدعمل ہو گئے تو ان پر زوال آ گیا۔

آیتِ کریمہ کا ترجمہ: —— بے شک جو لوگ (رسول اللہ ﷺ پر) ایمان لائے، اور جو لوگ یہودی ہوئے، اور عیسائی اور صابی (جو اپنے اپنے انبیاء پر ایمان لائے، ان میں سے) جو بھی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا (یعنی اپنے زمانہ میں) اور اس نے اچھے کام کئے تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس —— یعنی آخرت میں —— ان کا صلہ ہے، اور ان کو نہ (آگے کا) کوئی ڈر ہوگا، نہ وہ (مافات پر) غم گیں ہونگے!

سوال: آیت میں رسول پر ایمان کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ رسالت کا عقیدہ بھی تو بنیادی عقیدہ ہے!

جواب: سب ملتوں کے انبیاء الگ الگ ہیں، اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا، علاوہ ازیں: ایمان باللہ میں ایمان بالرسول بھی داخل ہے، اسی لئے فرمایا: من كان آخر كلامه: لا إله إلا الله دخل الجنة: اس لا إله إلا الله میں ایمان بالرسول بھی شامل ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	مَآ اٰتَيْنٰكُمْ	جو کتاب ہم نے تم کو دی	مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ	اس کے (لینے) کے بعد
اَخَذْنَا	لیا ہم نے	بِقُوَّةٍ	مضبوطی سے	فَلَوْلَا فَضْلُ	پس اگر نہ ہوتا فضل
مِيْثَاقَكُمْ	تم سے قول وقرار	وَّاذْكُرُوْا (۲)	اور یاد کرو	اللّٰهِ	اللہ کا
وَرَفَعْنَا	اور اٹھایا ہم نے	مَا فِيْهِ	جو کچھ اس میں ہے	عَلَيْكُمْ	تم پر
فَوْقَكُمُ	تمہارے اوپر	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	وَرَحْمَتُهٗ	اور اس کی مہربانی
الطُّوْرَ (۱)	طور کو	تَتَّقُوْنَ	متقی بنو	لَكُنْتُمْ	تو ضرور ہوتے تم
خُذُوْا	(کہا:) لو تم	ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ	پھر روگردانی کی تم نے	مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ	گھاٹا پانے والے

۲- قول وقرار کے بعد بنی اسرائیل نے تورات کو ٹھکرا دیا!

بنی اسرائیل جب وادی سینا میں پہنچے، اور فرعون کی غلامی سے آزاد ہوئے تو انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہمارے لئے کوئی آسمانی کتاب لائیے، تاکہ ہم اس پر عمل کریں، یہ انھوں نے قول وقرار کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو تورات دی، اس کو قبول کرنے میں ٹال مٹول کیا، کہنے لگے: ہم کیسے یقین کریں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے؟ جب ستر منتخب آدمیوں نے براہِ راست اللہ پاک سے سن لیا تو کہنے لگے: اس کے احکام سخت ہیں، ہمارے لئے ان پر عمل کرنا مشکل ہے! پس اللہ نے ان کا مرغا بنایا، کوہِ طور کا ایک حصہ ان پر معلّق کیا، اور کہا: لو، ورنہ سب دب مروگے، مرتے کیا نہ کرتے! لیا، مگر بعد میں اس پر عمل نہیں کیا، تاہم اللہ پاک نے ان کو کوئی سزا نہیں دی، رحم وکرم کا معاملہ فرمایا، ورنہ سب تباہ وبرباد ہو جاتے۔

(۱) الطور: میں الف لام عہدی ہے، بعض حصہ مراد ہے (۲) ذکر سے مراد عمل ہے، کیونکہ گذشتہ کتابوں کو حفظ نہیں کیا جاتا تھا۔

فائدہ: یہ واقعہ سورۃ الاعراف (آیت ۱۷۱) میں بھی آیا ہے، وہاں الفاظ ہیں:﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ﴾:اور (یاد کرو) جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر اٹھایا، گویا وہ سائبان ہے، اور انھوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گرے گا —— رفع کے معنی ہیں: اٹھانا، اور نَتَق کے معنی ہیں: اٹھا کر ہلانا، جیسے نَتَقَ الشیئَ (ن،ض) نَتْقًا: کسی چیز کو پھینکنے کے لئے اٹھانا، اور نَتَقَ الوعاءَ کے معنی ہیں: برتن کو خالی کرنے کے لئے اٹھا کر جھاڑنا، جھٹکنا، محض ہلانا اور کپکپانا اس کے معنی نہیں۔

اور یہ قدرتِ خداوندی کی نشانی ہے، جیسے سمندر کا پھٹنا اور اس میں راستوں کا نکل آنا، اسی کا نام معجزہ ہے، اور معجزہ خرقِ عادت اور مالوف (مانوس) سے بعید ہوتا ہے، پس جس طرح دیگر قدرت کی نشانیوں کو سمجھتے ہیں اس کو بھی سمجھنا چاہئے۔

سوال: پہاڑ سروں پر اٹھا کر تورات منوانا اکراہ فی الدین ہے، جبکہ دین میں اکراہ نہیں!

جواب: اذان سنت ہے اور ختنہ کرانا بھی سنت ہے، مگر کسی علاقہ کے مسلمان ان کو ترک کریں تو جنگ کر کے ان کو ان کاموں پر مجبور کیا جائے گا، اور یہ اکراہ فی الدین نہیں، اسی طرح بچوں کا مدرسہ میں داخلہ لینا اختیاری ہے، مگر جو داخل ہوگیا، وہ اگر سبق یاد نہیں کرے گا تو سزا پائے گا، یہ اکراہ فی التعلیم نہیں، اسی طرح بنی اسرائیل مؤمن تھے، انھوں نے خود تورات مانگی تھی، اب اگر نہیں لیں گے تو مجبور کیا جائے گا، پس یہ اکراہ فی الدین نہیں، دین میں اکراہ: دین کو قبول کرنے پر مجبور کرنے کا نام ہے، یہ دین پر عمل کرانے میں سختی کرنا ہے جو جائز ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝۶۵ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۶۶

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	لَهُمْ	ان سے	لِمَا	ان لوگوں کے لئے جو
عَلِمْتُمُ	جان لیا تم نے	كُوْنُوْا	ہوجاؤ تم	بَيْنَ يَدَيْهَا	اس بستی کے سامنے تھے
الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے	قِرَدَةً	بندر	وَمَا	اور جو
اعْتَدَوْا	زیادتی کی	خٰسِـِٕيْنَ	ذلیل	خَلْفَهَا	ان کے پیچھے تھے
مِنْكُمْ	تم میں سے	فَجَعَلْنٰهَا	پس بنایا ہم نے اس	وَمَوْعِظَةً	اور نصیحت
فِي السَّبْتِ	سنیچر کے دن میں		واقعہ کو	لِّلْمُتَّقِيْنَ	ڈرنے والوں کے لئے
فَقُلْنَا	پس کہا ہم نے	نَكَالًا	عبرت	۞	۞

۳- سنیچر کی حرمت پامال کرنے والوں کو بندر بنا دیا!

سنیچر کو عربی اور عبرانی میں 'سبت' کہتے ہیں، یہود کے لئے یہ دن عبادت کے لئے مقرر تھا، اس دن میں ان کے لئے معاشی سرگرمیاں ممنوع تھیں، کہتے ہیں: حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں سمندر کے کنارے پر یہودیوں کی ایک بستی تھی وہ لوگ ماہی گیر تھے، مچھلیاں پکڑنا اور بیچنا ان کا دھندا تھا، اللہ نے ان کو آزمایا، سورۃ الاعراف (آیت ۱۶۳) میں اس کا ذکر ہے، ہفتہ کے دن مچھلیوں کی کثرت ہوتی، سطح دریا پر تیرتیں، دوسرے دنوں میں غائب ہو جاتیں، ان لوگوں نے حیلہ کیا، حوض بنائے اور ان کو سمندر سے جوڑ دیا، جمعہ کو دہانا کھول دیتے، مچھلیاں حوض میں آجاتیں اور اتوار کو پکڑ لیتے، اللہ نے ان کو سزا دی، ان کی صورتیں مسخ ہوگئیں، اور ذلیل بندر بن گئے اور تین دن کے بعد مر گئے، یہ واقعہ معاصرین اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت کا سامان بن گیا، اور جن لوگوں نے ان کو اس حیلہ سے روکا تھا ان کے لئے یہ واقعہ نصیحت بن گیا۔

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کو تو بالیقین جانتے ہو جنھوں نے تم میں سے سنیچر کے دن میں حد سے تجاوز کیا، پس ہم نے ان کو (تکوینی) حکم دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ! ـــــ پس ہم نے اس واقعہ کو ان کے معاصرین کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے سامانِ عبرت اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت بنایا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧١﴾

ع ۸

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	قَالَ مُوْسٰى	کہا موسیٰ نے	لِقَوْمِهٖٓ	اپنی قوم سے

اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَّلَا بِكْرٌ	اور نہ بن بیاہی (بچھڑی)	رَّبَّكَ	اپنے رب سے
يَاْمُرُكُمْ	حکم دیتے ہیں تمہیں	عَوَانٌ	درمیانی	يُبَيِّنْ	صاف بیان کریں
اَنْ تَذْبَحُوْا	کہ ذبح کرو	بَيْنَ ذٰلِكَ	ان کے درمیان	لَّنَا	ہمارے لئے
بَقَرَةً[1]	کوئی گائے	فَافْعَلُوْا	پس کرو	مَا هِيَ	وہ گائے کیسی ہے؟
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	مَا تُؤْمَرُوْنَ	جو حکم دیئے گئے تم	اِنَّ الْبَقَرَ	بے شک گائیں
اَتَتَّخِذُنَا	کیا بناتے ہیں آپ ہمارا	قَالُوا	کہا انھوں نے	تَشٰبَهَ عَلَيْنَا	مشتبہ ہوگئی ہیں ہم پر
هُزُوًا	ٹھٹھا	ادْعُ لَنَا	دعا کیجئے ہمارے لئے	وَاِنَّآ اِنْ	اور بے شک ہم اگر
قَالَ	کہا	رَبَّكَ	اپنے رب سے	شَآءَ اللّٰهُ	اللہ نے چاہا
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ	اللہ کی پناہ لیتا ہوں میں	يُبَيِّنْ لَّنَا	صاف بتائیں وہ ہمیں	لَمُهْتَدُوْنَ	ضرور راہ پانے والے ہیں
اَنْ اَكُوْنَ	(اس سے) کہ ہوؤں میں	مَا لَوْنُهَا	اس کا رنگ کیسا ہے؟	قَالَ	کہا
مِنَ الْجٰهِلِيْنَ	نادانوں میں سے	قَالَ	کہا	اِنَّهٗ يَقُوْلُ	بیشک وہ فرماتے ہیں
قَالُوْا	کہا انھوں نے	اِنَّهٗ يَقُوْلُ	بیشک وہ فرماتے ہیں	اِنَّهَا بَقَرَةٌ	بیشک وہ ایک گائے ہے
ادْعُ لَنَا	دعا کیجئے ہمارے لئے	اِنَّهَا بَقَرَةٌ	بیشک وہ ایک گائے ہے	لَّا ذَلُوْلٌ	نہ محنت کش
رَبَّكَ	اپنے رب سے	صَفْرَآءُ	پیلی	تُثِيْرُ	جوتتی ہو وہ
يُبَيِّنْ لَّنَا	صاف بتائیں ہمیں	فَاقِعٌ[3]	کھلنے والا ہے	الْاَرْضَ	زمین کو
مَا هِيَ	وہ گائے کیسی ہے؟	لَّوْنُهَا	اس کا رنگ	وَلَا تَسْقِي	اور نہ سینچتی ہو
قَالَ	کہا	تَسُرُّ	خوش کرتی ہے	الْحَرْثَ	کھیتی کو
اِنَّهٗ يَقُوْلُ	بیشک وہ فرماتے ہیں	النّٰظِرِيْنَ	دیکھنے والوں کو	مُسَلَّمَةٌ	بے عیب ہو
اِنَّهَا بَقَرَةٌ	بیشک وہ ایک گائے ہے	قَالُوْا	کہا انھوں نے	لَّا شِيَةَ فِيْهَا[4]	کوئی دھبہ نہ ہو اس میں
لَّا فَارِضٌ[2]	نہ بوڑھی	ادْعُ لَنَا	دعا کیجئے ہمارے لئے	قَالُوا الْـٰٔنَ	کہا انھوں نے: اب

(۱) بقرۃ: گائے بیل (نر اور مادہ دونوں کے لئے) حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے 'بیل' ترجمہ کیا ہے، عام مفسرین 'گائے' ترجمہ کرتے ہیں (۲) فَرُضَ (ک) الحیوانُ: جانور کا بوڑھا ہونا (۳) فَقَعَ اللونُ (ف): رنگ کا صاف چمکدار ہونا، اصفر کے لئے مستعمل ہے۔ (۴) الشیۃ: نشان، دھبا، پورے جسم کے رنگ کے برخلاف کوئی رنگ، مادّہ وَشِیَ۔

جِئْتَ	لائے آپ	فَذَبَحُوْهَا	پس ذبح کیا انھوں نے	وَمَا كَادُوْا	اور نہیں قریب تھے وہ
بِالْحَقِّ	ٹھیک بات		اس کو	يَفْعَلُوْنَ	(کہ) کرتے وہ

۴- گائے ذبح کرنے میں ٹال مٹول کی تو گائے مہنگی پڑی!

بنی اسرائیل میں ایک قتل ہوا، بھائی نے یا بھتیجوں نے میراث کی لالچ میں چچا کو جنگل میں لے جا کر قتل کر دیا، پھر لگے مگر مچھ کے آنسو بہانے! اور موسیٰ علیہ السلام کے سر ہو گئے کہ قاتل بتایئے! موسیٰ علیہ السلام نے بہ حکم الٰہی بتایا کہ ایک گائے/ بیل ذبح کرو، ناچنا نہیں آنگن ٹیڑھا، کہنے لگے: آپ ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں! موسیٰ علیہ السلام نے کہا: توبہ توبہ! نہ یہ میری شان، نہ یہ میرا کام! پھر انھوں نے گائے کے اوصاف پوچھنے شروع کئے، موسیٰ علیہ السلام وحی سے بتلاتے رہے، مگر معاملہ تنگ ہوتا گیا، آخر میں ایسی گائے ذبح کرنی پڑی جس کی کھال بھر کر سونا دینا پڑا، حدیث میں ہے کہ اگر وہ کوئی بھی گائے ذبح کرتے تو کام چل جاتا، مگر انھوں نے بال کی کھال نکالی تو یہ سزا ملی!

آیاتِ پاک کا ترجمہ: اور (یہ واقعہ بھی یاد کرو:) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ کوئی گائے/ بیل ذبح کرو! —— لوگوں نے کہا: کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں؟ موسیٰ نے کہا: اللہ کی پناہ اس سے کہ میں نادانوں میں سے ہوؤں!

لوگوں نے کہا: آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمیں صاف بتائیں کہ وہ گائے کیسی ہو؟ موسیٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا، دونوں کے درمیان کی عمر کی ہو، پس کرو تم جو حکم دیئے جاتے ہو!

لوگوں نے کہا: آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمیں صاف بتائیں کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ گائے پیلی ہو، اس کا رنگ کھلا ہوا ہو، وہ دیکھنے والوں کو بھلی لگتی ہو!

لوگوں نے کہا: آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمیں صاف بتائیں کہ وہ گائے کیسی ہو؟ کیونکہ گائیں ہمیں یکساں مل رہی ہیں! اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور اس کو حاصل کر لیں گے! موسیٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ گائے/ بیل محنت کش نہ ہو، نہ ہل میں جُتی ہو، نہ اس نے کوس کھینچا ہو، بے عیب ہو، اس میں کوئی داغ دھبا نہ ہو! لوگوں نے کہا: اب آپ نے ٹھیک بات بتائی، پس ان لوگوں نے گائے ذبح کی، اور وہ ذبح کرتے ہوئے نظر نہیں آ رہے تھے!

سوال: گائے تو دودھ کا جانور ہے، وہ ہل کوس نہیں کھینچتی؟ جواب: پھر آپ 'بیل' ترجمہ کر لیں، بقرۃ: دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ اور یہاں مغربی یوپی میں بیل/ بھینسے کے ساتھ بھینس کو بھی ہل اور بوگی میں جوڑتے ہیں، ممکن ہے بنی اسرائیل بھی گائے سے یہ محنت لیتے ہوں۔

فائدہ: گائے اور سنہری گائے کا انتخاب غالباً اس لئے فرمایا گیا کہ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل سونے کی خود ساختہ گائے ہی کی پرستش میں مبتلا ہو گئے تھے تو ایسی ہی گائے ان کے ہاتھوں ذبح کرائی گئی تا کہ گائے کی تقدیس ہمیشہ کے لئے ان کے دل سے نکل جائے (آسان تفسیر از مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی)

بلاوجہ غیر ضروری کھوج میں پڑنا ٹھیک نہیں، جو بات جتنی سادہ ہو اس پر اتنی ہی سادگی سے عمل کر لینا چاہئے (آسان ترجمۂ قرآن مولانا تقی عثمانی صاحب)

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٣﴾

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	مُخْرِجٌ	نکالنے والے تھے	كَذٰلِكَ	اس طرح
قَتَلْتُمْ	تم نے مار ڈالا	مَّا كُنْتُمْ	اس کو جو تم	يُحْيِ اللّٰهُ	زندہ کریں گے اللہ
نَفْسًا	ایک شخص کو	تَكْتُمُوْنَ	چھپا رہے تھے	الْمَوْتٰى	مُردوں کو
فَادّٰرَءْتُمْ (۱)	پس جھگڑنے لگے تم	فَقُلْنَا	پس حکم دیا ہم نے	وَيُرِيْكُمْ	اور دکھلاتے ہیں تم کو
فِيْهَا	اس (واقعہ) میں	اضْرِبُوْهُ	مارو مُردے کو	اٰيٰتِهٖ	اپنی (قدرت کی) نشانیاں
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	بِبَعْضِهَا	ایک پارہ سے	لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ	تا کہ تم سمجھو

۵- ناحق قتل کیا، پھر الزام ایک دوسرے پر ڈالنے لگے!

گذشتہ آیات میں حکم شرعی میں ٹال مٹول کی قباحت سمجھائی تھی، اب اسی واقعہ میں چوری اور سینہ زوری دکھلاتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں عامیل نامی ایک شخص کا قتل ہوا، اس کا الزام ایک دوسرے پر دھرنے لگے، ایک تو ناحق قتل سنگین جرم تھا، پھر بے گناہ کو پھنسانا اس سے بھی بڑا جرم ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں، اس لئے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا، جب اس کا ایک ٹکڑا مقتول کے بدن سے لگایا تو وہ زندہ ہوا اور قاتل کا نام بتایا، پھر مر گیا، یہ ایک نظیر تھی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مُردوں کو اسی طرح زندہ کریں گے، یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانی دکھائی، تا کہ لوگ بوجھیں! مادرِ

(۱) اِدّٰارَءَ اصل میں تَدَارَءَ تھا، تاء کو دال بنا کر ادغام کیا، پھر ابتدا بالسکون کی دشواری کی وجہ سے ہمزہ وصل لائے، تَدَارُء کے اصل معنی ہیں: تدافع، یعنی بات ایک دوسرے پر ڈالنا، جلالین میں اس کا ترجمہ تخاصم کیا ہے۔

رحم میں جب جسم تیار ہوتا ہے تو فرشتہ عالم ارواح سے روح لاکر جسم سے لگا تا ہے تو جسم زندہ ہوجاتا ہے، اسی طرح قیامت کے دن اجسام زمین سے نکلیں گے، پھر روحیں برزخ سے لوٹ کران اجسام کو چھوئیں گی تو ابدان زندہ ہوجائیں گے، گائے ذبح کرا کر اس کا ایک پارچہ میت سے لگا کر اس کو زندہ کر کے یہ حقیقت سمجھانی مقصود تھی، اور یہ بات پہلے بیان کی ہے کہ قرآنِ کریم کبھی ایک واقعہ کو دوحصوں میں تقسیم کرتا ہے، اور کبھی ان میں تقدیم وتاخیر کرتا ہے، تاکہ ایک واقعہ سے دوسبق حاصل ہوں، یہاں ایسا ہی کیا ہے، تفصیل بیان القرآن میں ہے۔

آیتِ کریمہ: اور (یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا، پھر ایک دوسرے پر اس کو ڈالنے لگے، اور اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والے ہیں اس کو جس کو تم چھپارہے تھے، اس لئے ہم نے حکم دیا کہ میت کو گائے کا کچھ حصہ لگاؤ، اس طرح اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کریں گے، اور دکھلاتے ہیں وہ تمہیں اپنی نشانیاں تاکہ تم سمجھو!

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ؀

ثُمَّ قَسَتْ	پھر سخت ہو گئے	وَاِنَّ	اور بے شک	مِنْهُ الْمَاۗءُ	اس سے پانی
قُلُوْبُكُمْ	تمہارے دل	مِنَ الْحِجَارَةِ	بعضے پتھر	وَاِنَّ مِنْهَا	اور بے شک بعضے پتھر
مِّنْ بَعْدِ	بعد	لَمَا يَتَفَجَّرُ(۳)	یقیناً پھوٹتی ہے	لَمَا يَهْبِطُ	یقیناً گر جاتے ہیں
ذٰلِكَ(۱)	اس کے	مِنْهُ	اس سے	مِنْ خَشْيَةِ	ڈر سے
فَهِيَ	پس وہ (قلوب)	الْاَنْهٰرُ	نہریں	اللّٰهِ	اللہ کے
كَالْحِجَارَةِ	پتھر جیسے ہیں	وَاِنَّ مِنْهَا	اور بے شک بعض پتھر	وَمَا اللّٰهُ	اور نہیں ہیں اللہ
اَوْ اَشَدُّ(۲)	یا زیادہ	لَمَا يَشَّقَّقُ	یقیناً پھٹ جاتے ہیں	بِغَافِلٍ	بے خبر
قَسْوَةً	سخت	فَيَخْرُجُ	پس نکلتا ہے	عَمَّا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم کرتے ہو

(۱) ذلك: کا مشار الیہ وہ چار باتیں ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں (۲) أشد قسوة: اسم تفضیل ہے (۳) لَمَا: میں لام ابتداء ہے، اس کا ترجمہ: البتہ، یقیناً ہے، اور ما: موصولہ بمعنی الذی ہے، اور منه: کی ضمیر کا مرجع ما ہے، اور إِنَّ کے اسم پر لام ابتدا آتا ہے جب اس کی خبر مقدم ہو۔

شرارتوں سے دل پتھر ہوجاتا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت!

گناہوں سے دل سیاہ ہوجاتا ہے، حدیث میں ہے: جب آدمی گناہ کرتا ہے تو دل پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو مٹ جاتا ہے، اور اگر دوبارہ گناہ کرتا ہے تو پہلے کے پاس دوسرا سیاہ نقطہ لگتا ہے، اس طرح آہستہ آہستہ دل سیاہ ہوجاتا ہے، اور وہ اوندھی صراحی کی طرح ہوجاتا ہے، پھر اس میں کوئی خیر کی بات نہیں ٹھہرتی!

اور خباثتوں اور شرارتوں سے دل سخت ہوجاتا ہے، پتھر جیسا بلکہ اس سے بھی سخت ہوجاتا ہے، اوپر بنی اسرائیل کی چار بے عنوانیوں کا ذکر آیا ہے، اس قسم کے واقعات سے ان کے دل سخت ہوگئے، پس ان سے امید کرنا کہ وہ قرآن پر اور حاملِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے: فضول ہے۔

سوال: پتھر تو سب سے زیادہ سخت ہے، اس سے آگے سختی کا کیا تصور ہے؟

جواب: لوہا فولاد پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں، کیونکہ پتھر تین طرح کے ہیں:

(الف) بعض پتھروں سے نہریں نکلتی ہیں، زمزم: حجر اسود کی طرف سے بہہ کر آرہا ہے، اور جنوبی افریقہ میں صابری چشمہ پتھر سے نکل کر گرتا ہے۔

(ب) بعض پتھروں سے پانی رِستا ہے، تھوڑا تھوڑا نکلتا ہے، پھر جمع ہوکر گنگا جمنا بہتی ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے جس پتھر پر لاٹھی ماری تھی اس سے بھی بارہ جگہ سے پانی نکلنے لگا تھا، تاکہ بارہ قبائل میں پانی لینے میں نزاع نہ ہو۔

(ج) بعض پتھروں سے اگرچہ پانی نہیں نکلتا، مگر وہ اللہ کے ڈر سے گر جاتے ہیں، اور ایسا سمجھنا کہ پتھر جماد ہیں، ان میں خشیت کہاں؟ درست نہیں، جب وہ تسبیح اور نماز پڑھ سکتے ہیں تو ڈریں گے کیوں نہیں؟ سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۴۴) میں ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾: ہر چیز اللہ کی خوبیوں کے ساتھ پاکی بیان کرتی ہے، گو تم نہ سمجھو! اور سورۃ النور (آیت ۴۱) میں ہے: "سب نے بالیقین اپنی نماز اور اپنی تسبیح جان لی" ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾: اور اللہ سے سچی بات کس کی ہوسکتی ہے؟ کسی کی نہیں!

مگر بنی اسرائیل کے دل ان کی خباثتوں اور شرارتوں کی وجہ سے پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہوگئے، وہ حق کے سامنے کسی طرح نہیں پسیجتے! جس کے مظاہر آگے آرہے ہیں، اور اللہ کو ان کے سب کرتوت معلوم ہیں، وہ ان کے احوال سے بے خبر نہیں!

آیاتِ پاک: —— پھر اُس کے بعد —— یعنی شرارتوں پر شرارتیں کرتے رہے، جن کے نتیجے میں —— تمہارے دل سخت ہوگئے، پس وہ پتھر جیسے ہیں یا اور زیادہ سخت! —— اور بعضے پتھر بالیقین ان سے نہریں پھوٹتی ہیں، اور بعضے پتھر بالیقین پھٹ جاتے ہیں، پس ان سے پانی رستا ہے، اور بعضے پتھر بالیقین اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں، اور اللہ

تعالیٰ ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو!

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾ وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾ بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾

أَفَتَطْمَعُونَ(۱)	کیا پس امید رکھتے ہو تم	كَلَامَ اللَّهِ	اللہ کا کلام	يَعْلَمُونَ	جانتے ہیں
أَنْ يُؤْمِنُوا	کہ مان لیں گے وہ	ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ	پھر ردّوبدل کرتے ہیں	وَإِذَا لَقُوا	اور جب ملتے ہیں وہ
لَكُمْ(۲)	تمہاری بات		وہ اس میں	الَّذِينَ آمَنُوا	ان لوگوں سے جو ایمان لائے
وَقَدْ كَانَ(۳)	جبکہ تھی	مِنْ بَعْدِ	بعد	قَالُوا	کہتے ہیں
فَرِيقٌ مِنْهُمْ	ان کی ایک جماعت	مَا عَقَلُوهُ	اس کو سمجھنے کے	آمَنَّا	ہم ایمان لائے
يَسْمَعُونَ	سنتی ہے وہ	وَهُمْ	اور وہ	وَإِذَا خَلَا	اور جب تنہا ہوتے ہیں

(۱) أفتطمعون: استفہام انکاری ہے یعنی امید رکھنا فضول ہے، وہ مانیں گے نہیں (۲) آمن بہ اور آمن لہ میں فرق ہے، باء صلہ کے ساتھ معنی ہیں: کسی پر ایمان لانا، تصدیق کرنا اور لام کے ساتھ معنی ہیں: کسی کی بات ماننا، مثلاً: اللہ پر ایمان لانا، اور مسلمانوں کی بات ماننا کہ قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے، یعنی بلا واسطہ اور بالواسطہ کا فرق ہے (۳) جملہ حالیہ ہے

بَعْضُهُمْ	ان کے بعض	اِلَّآ اَمَانِیَّ (۲)	البتہ آرزوئیں ہیں	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے
اِلٰی بَعْضٍ	بعض کی طرف	وَاِنْ هُمْ	اور نہیں ہیں وہ	لَنْ تَمَسَّنَا	ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو
قَالُوْٓا	کہتے ہیں	اِلَّا يَظُنُّوْنَ	مگر اٹکل باندھتے	النَّارُ	آگ
اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ	کیا بیان کرتے ہو تم ان سے	فَوَيْلٌ	پس بڑی کم بختی ہے	اِلَّآ اَيَّامًا	مگر دن
بِمَا	وہ باتیں جو	لِّلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے جو	مَّعْدُوْدَةً	گنتی کے
فَتَحَ اللّٰهُ	کھولی ہیں اللہ نے	يَكْتُبُوْنَ	لکھتے ہیں	قُلْ	پوچھو
عَلَيْكُمْ	تم پر	الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب	اَتَّخَذْتُمْ	کیا بنایا ہے تم نے
لِيُحَآجُّوْكُمْ (۱)	نتیجۂ وہ حجت قائم کریں	بِاَيْدِيْهِمْ	اپنے ہاتھوں سے	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس
	گے تم پر	ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ	پھر کہتے ہیں	عَهْدًا	کوئی قول وقرار
بِهٖ	اس کے ذریعہ	هٰذَا	یہ	فَلَنْ	پس ہرگز
عِنْدَ رَبِّكُمْ	تمہارے رب کے پاس	مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس سے ہے	يُّخْلِفَ	خلاف نہیں کریں گے
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	کیا پس تم سمجھتے نہیں	لِيَشْتَرُوْا	تاکہ مول لیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ	کیا اور وہ لوگ نہیں جانتے	بِهٖ	اس کے ذریعہ	عَهْدَهٗ	اپنے قول وقرار کے
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	ثَمَنًا قَلِيْلًا	تھوڑی قیمت	اَمْ تَقُوْلُوْنَ	یا کہتے ہو تم
يَعْلَمُ	جانتے ہیں	فَوَيْلٌ	پس بڑی کم بختی ہے	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
مَا يُسِرُّوْنَ	جو چھپاتے ہیں وہ	لَّهُمْ	ان کے لئے	مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	جو جانتے نہیں
وَمَا يُعْلِنُوْنَ	اور جو ظاہر کرتے ہیں وہ	مِّمَّا كَتَبَتْ	اس سے جس کو وہ لکھتے ہیں	بَلٰى	کیوں نہیں!
وَمِنْهُمْ	اور ان میں سے بعضے	اَيْدِيْهِمْ	اپنے ہاتھوں سے	مَنْ كَسَبَ	جس نے کمائی
اُمِّيُّوْنَ	بے پڑھے ہیں	وَوَيْلٌ	اور بڑی کم بختی ہے	سَيِّئَةً (۳)	بڑی برائی
لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے وہ	لَّهُمْ	ان کے لئے	وَّاَحَاطَتْ بِهٖ	اور گھیر لیا اس کو
الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب کو	مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ	اس سے جو وہ کماتے ہیں	خَطِيْٓـئَتُهٗ	اس کی غلطیوں نے

(۱) لام عاقبت ہے (۲) أماني: أمنية کی جمع: آرزو، اور استثناء منقطع ہے (۳) سیئة کی تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی بڑی برائی، یعنی شرک وکفر۔

فَاُولٰٓئِكَ	پس یہی لوگ	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ
اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	باغ والے ہیں
هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں
خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں

یہود کی قساوتِ قلبی کے مظاہر

اوپر یہ مضمون آیا ہے کہ یہود کے دل پتھر ہوگئے ہیں، اب اس کے مظاہر (نظر آنے والی صورتیں) بیان فرماتے ہیں:

۱- یہود قرآنِ کریم کو اللہ کا کلام نہیں مانتے!

نبی ﷺ نے اور مسلمانوں نے یہود سے کہا: قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے، اس کو مانو: وہ یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں، اور امید بھی نہیں! اللہ پاک فرماتے ہیں: وہ تمہاری یہ بات کیسے مان لیں گے، ان کی ایک جماعت نے تو اللہ کا کلام براہِ راست سنا تھا، پھر جانتے بوجھتے اس میں تحریف کی، وہ تمہاری بات کیسے مانیں گے؟ ان کے دل سخت پتھر ہوگئے ہیں!

تفصیل: جب موسیٰ علیہ السلام تورات لائے، اور قوم سے کہا: یہ اللہ کی کتاب ہے، اس کو مانو، تو انھوں نے اس میں: میکھ نکالی، کہنے لگے: ہمیں کیسے یقین آئے کہ یہ کتاب: اللہ کی ہے، آپ خود نہیں لکھ لائے! موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آؤ، اللہ تعالیٰ سے کہلوادوں! انھوں نے ستر آدمی منتخب کئے، جنھوں نے طور پر اللہ کا کلام سنا، مگر قوم سے آکر بات نقل کی تو اس میں اضافہ کیا: ''جتنا کرسکو ان احکام پر عمل کرنا، ورنہ میں معاف کردوں گا'' —— یہ موجودہ یہود کے اسلاف کا عمل ہے، ان کے یہ اخلاف بھی تو انہی کی روش پر چلیں گے، نبی ﷺ نے اللہ کا کلام سنا، پھر آپؐ نے صحابہ کو بتایا، اب صحابہ ان کو بتاتے ہیں تو وہ یہ واسطہ در واسطہ والی بات کیسے مان لیں گے، انھوں نے تو بلا واسطہ سنی ہوئی بات نہیں مانی تھی، اس میں ہیرا پھیری کردی تھی۔

﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: کیا پس تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے —— کہ قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے —— جبکہ ان کی ایک جماعت نے اللہ کلام سنا، پھر اس میں سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر ردوبدل کردیا!

فائدہ: تورات وانجیل اللہ کی کتابیں ہیں، اللہ کا کلام نہیں، اللہ کا کلام صرف قرآنِ کریم ہے، اسی وجہ سے قرآنِ کریم

میں جہاں تورات وانجیل کا ذکر ہے وہاں ان کو 'کتاب اللہ' کہا ہے، کلام اللہ نہیں کہا، اور اس آیت میں کلام اللہ سے ستر آدمیوں نے جو کلام سنا تھا وہ مراد ہے ﴿فَرِيقٌ مِّنْهُمْ﴾ اس کا واضح قرینہ ہے، اور یہ بات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے براہین قاسمیہ ص ۱۱۵ میں اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے قرآنِ کریم کے حواشی میں بیان فرمائی ہے، اور جن حضرات نے ان کو اللہ کا کلام کہا ہے وہ مجازاً کہا ہے، کیونکہ وہ اللہ کی کتابیں تو ہیں!

۲-تورات میں نبی ﷺ کی جوصفات ہیں یہود ان کے اظہار کے روادار نہیں!

مدینہ میں منافقین کی بڑی تعداد تھی اور ان میں سے اکثر یہودی تھے، جب وہ مسلمانوں سے ملتے تو اپنے ایمان کا اظہار کرتے، اور اپنی اعتباریت بڑھانے کے لئے بعض منافقین نبی ﷺ کی جو صفات تورات میں آئی ہیں مسلمانوں سے بیان کرتے، پھر جب منافقین تنہائی میں ملتے تو ان کے کٹر: کمزوروں کو ڈانٹتے کہ تم مسلمانوں کو وہ باتیں کیوں بتلاتے ہو جو اللہ نے تم پر تورات میں کھولی ہیں، وہ قیامت کے دن تمہارے خلاف ان باتوں سے حجت قائم کریں گے کہ تم نبی آخر الزماں کو پہچانتے تھے، پھر بھی دل سے ایمان نہیں لائے تھے، پس تم کیا جواب دوگے؟ خدارا ایسا مت کرو! یہ ڈانٹنے والوں کی قساوتِ قلبی ہے کہ جو باتیں اللہ نے ظاہر کرنے کے لئے اتاری ہیں وہ ان کے اظہار کے روادار نہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: کیا وہ لوگ جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں، جو وہ چھپاتے ہیں اس کو بھی اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں اس کو بھی؟ منافقین تورات میں بیان کئے ہوئے سارے اوصاف بیان نہیں کرتے تھے، بعض بیان کرتے تھے اور بعض چھپاتے تھے، اللہ کو وہ سب معلوم ہیں، اللہ وہ اوصاف بھی مسلمانوں پر کھول دیں گے، اور تمہاری اخفاء کی کوشش کی سزا تم کو قیامت میں ملے گی۔

﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۞ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۞﴾

ترجمہ: اور جب وہ (منافق یہودی) مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ''ہم ایمان لائے'' اور جب وہ تنہائی میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ''کیا تم مسلمانوں سے وہ باتیں بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ان باتوں سے قیامت کے دن تم پر حجت قائم کریں گے، کیا پس تم سمجھتے نہیں!''

اللہ تعالیٰ اُن ڈانٹنے والوں کو ڈانٹتے ہیں: —— کیا وہ لوگ یہ بات نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو باتیں وہ چھپاتے ہیں اور جو باتیں وہ ظاہر کرتے ہیں۔

۳-عام یہودی جھوٹی آرزوؤں کا سہارا لئے ہوئے ہیں

ہر ملت کی اکثریت عوام پر مشتمل ہوتی ہے، اور عام لوگ دین سے ناواقف ہوتے ہیں، وہ دینی کتابیں براہِ راست نہیں پڑھ سکتے، بڑوں کی باتوں پر تکیہ کرتے ہیں، اور جب کسی ملت پر لمبا زمانہ بیت جاتا ہے تو بڑے بگڑ جاتے ہیں، وہ لوگوں کو غلط سلط باتیں بتاتے ہیں، وہی عوام کا دینی سرمایہ ہوتا ہے، اہل کتاب (یہود ونصاری) کے علماء بھی بگڑ گئے تھے، جیسا کہ اگلے عنوان کے تحت آرہا ہے، انھوں نے اپنے عوام کو بہت سی غلط باتیں پکڑا دی تھیں، مثلاً:

۱-انھوں نے اپنے عوام کو بتایا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا دین آخری دین ہے، اور تورات اللہ کی آخری کتاب ہے، وہ کبھی منسوخ نہیں ہوگی، آج بھی یہود یہی بات پکڑے ہوئے ہیں۔

۲-انھوں نے اپنے عوام کو بتایا تھا کہ کوئی یہودی جہنم میں نہیں جائے گا، کیونکہ وہ اللہ کے بیٹے، محبوب اور چہیتے ہیں، اس لئے ہر یہودی دوزخ سے بے خوف ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۳-عیسائیوں نے فدیہ کا عقیدہ چلایا ہے، وہ کہتے ہیں: اللہ کے بیٹے پھانسی پا کر عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں، اس لئے وہ مطمئن ہیں: جو چاہیں کریں، وہ بخشے بخشائے ہیں۔

یہی جھوٹی باتیں اہل کتاب کے اَن پڑھوں کا سرمایہ ہیں، وہ ان پر تکیہ کئے ہوئے ہیں، ان کو صحیح بات بتائی جائے تو وہ کسی قیمت پر ماننے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ ان کے دل پتھر ہو گئے ہیں۔

﴿ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان میں سے —— یعنی اہل کتاب یہود ونصاری میں سے —— بعضے اَن پڑھ ہیں، وہ اللہ کی کتاب کو نہیں جانتے —— یعنی خود اللہ کی کتاب نہیں پڑھ سکتے، ان کے علماء جو بتا دیتے ہیں اس کو پکڑ لیتے ہیں —— البتہ کچھ آرزوئیں ہیں —— جو انھوں نے باندھ رکھی ہیں —— اور وہ بس اٹکل اڑا رہے ہیں —— یعنی وہ جھوٹی آرزوئیں ہیں، کبھی پوری نہیں ہونگی۔

۴-اہل کتاب کے علماء اللہ کی کتابوں میں تبدیلی کرتے ہیں، پھر اس سے دنیا کماتے ہیں

پہلے کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں، چھپتی نہیں تھیں، ہر شخص اپنا نسخہ تیار کرتا تھا، یہود ونصاری کے علماء اللہ کی کتابوں (تورات وانجیل) کا نسخہ تیار کرتے ہیں تو من مانی کرتے ہیں، عبارت میں حذف واضافہ یا تبدیلی کرتے ہیں، پھر اس کے مطابق رشوت لے کر فتوی دیتے ہیں، یہ حرکت وہی عالم کرتا ہے جس کا دل پتھر ہو گیا ہو، ایسے علماء کے لئے ڈبل سزا

ہے: ایک: اللہ کی کتاب میں تبدیلی کرنے کی وجہ سے، دوسری: رشوت کھانے کی وجہ سے۔

﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝۷۹ ﴾

ترجمہ: پس بڑی تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی کتاب اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں ـــــ یعنی اپنا تورات کا نسخہ خود تیار کرتے ہیں، اور اس میں تحریف کرتے ہیں ـــــ پھر کہتے ہیں: یہ (محرّف عبارت) اللہ کے پاس سے ہے تا کہ اس کے ذریعہ تھوڑی پونجی کمائیں ـــــ یعنی اس محرف عبارت کے مطابق رشوت لے کر فتوی دیتے ہیں ـــــ پس بڑی تباہی ہے ان کے لئے اس سے جو ان کے ہاتھ لکھتے ہیں ـــــ یعنی تحریف کرنے کی وجہ سے ـــــ اور بڑی تباہی ہے ان کے لئے اس سے جو وہ کماتے ہیں ـــــ یعنی گناہ ڈبل ہو گیا، اس لئے ڈبل تباہی ہے۔

۵- یہود و نصاری دوزخ کے عذاب سے نڈر ہو گئے ہیں

اللہ کے نیک بندے ہمیشہ دوزخ کے عذاب سے ڈرتے ہیں: ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝۲۷ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۝۲۸ ﴾: نمازی بندے اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک ان کے رب کے عذاب سے کسی کو نڈر نہ ہونا چاہئے [المعارج ۲۷و۲۸]

مگر یہود کہتے ہیں: ہمیں دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں! اور اگر ہمیں دوزخ میں جانا پڑا تو گنتی کے چند دن دوزخ میں رہیں گے، جتنے دن ہمارے اسلاف نے بچھڑے کو پوجا ہے، پھر ہمارے بڑے ہمیں چھڑا لیں گے اور عیسائی کہتے ہیں: اللہ کے بیٹے ہمارے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں، اس لئے اب ہم جو کچھ کریں کوئی فکر نہیں۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: ان سے پوچھو: کیا تمہارا اللہ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ ضرور پورا کریں گے، یا تم بس یونہی بے پر کی اڑاتے ہو؟ ـــــ ظاہر ہے اللہ کے ساتھ ان کا کوئی معاہدہ نہیں، وہ محض گپ اڑاتے ہیں، ان کے دل سخت ہو گئے ہیں، اور وہ خود فریبی میں مبتلا ہیں۔

﴿ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے کہا: ہمیں ہرگز دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی، مگر گنتی کے چند دن! ـــــ پوچھو: کیا تم نے اللہ سے کوئی ایسا قول و قرار کر لیا ہے کہ اللہ اپنے قول و قرار کے خلاف ہرگز نہیں کریں گے یا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم جانتے نہیں؟ ـــــ یعنی اللہ کی طرف بے سند بات منسوب کرتے ہو!

جزاوسزا کا قاعدہ

یہود کی بات غلط ہے کہ وہ چند دن ہی دوزخ میں رہیں گے، بلکہ وہ ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہیں گے، کیونکہ جزاوسزا کا ضابطہ یہ ہے کہ جس نے عظیم ترین گناہ (کفر وشرک) کا ارتکاب کیا، اور ساتھ ہی دوسرے گناہ بھی کئے، جنھوں نے اس کو ہر طرف سے گھیر لیا وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہے گا، اور جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے، وہ ہمیشہ رہنے کے باغات میں عیش کریں گے۔

جاننا چاہئے کہ ﴿سَيِّئَةً﴾ کی تنوین تعظیم کے لئے ہے، یعنی بہت بڑا گناہ کمایا، کفر وشرک کا ارتکاب کیا، اور ساتھ ہی دوسرے گناہ بھی کئے، ان کو بھی کفر وشرک کے ساتھ ملایا جائے گا، ان کی سزا بھی ان کو تا ابد بھگتنی ہوگی، اسی طرح جنت ایمان کا بدلہ ہے، اور ساتھ ہی جو نیک کام کئے ہیں، ان کو بھی ایمان کے ساتھ ملایا جائے گا، ان کا بدلہ بھی جنت میں ابد تک کے لئے ملے گا۔

﴿ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کیوں نہیں! ـــــ یعنی ہمیشہ جہنم میں رہنا کیوں نہیں ہوگا؟ جزاوسزا کا ضابطہ سنو: ـــــ جس نے بڑے گناہ (کفر وشرک) کا ارتکاب کیا، اور اس کو اس کے گناہوں نے گھیر لیا تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ـــــ اور جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے وہی لوگ باغ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے!

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	بَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	بنی اسرائیل سے	وَبِالْوَالِدَيْنِ	اور (سلوک کرو) ماں
اَخَذْنَا	لیا ہم نے	لَا تَعْبُدُوْنَ (۱)	نہیں عبادت کرتے تم		باپ کے ساتھ
مِيْثَاقَ	قول وقرار	اِلَّا اللّٰهَ	مگر اللہ کی	اِحْسَانًا (۲)	اچھا سلوک کرنا

(۱) لاتعبدون: میں التفات ہے، مضارع منفی بمعنی فعل نہی ہے، أی لا تعبدوا: عبادت مت کرو (۲) عامل محذوف ہے أی أَحْسِنُوْا، اور إحسانا: مفعول مطلق ہے۔

وَذِي الْقُرْبٰى	اور کنبہ والوں کے ساتھ	حُسْنًا	اچھی بات	ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ	پھر روگردانی کی تم نے
وَالْيَتٰمٰى	اور یتیموں کے ساتھ	وَّاَقِيْمُوا	اور قائم کرو	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑوں نے
وَالْمَسٰكِيْنِ	اور محتاجوں کے ساتھ	الصَّلٰوةَ	نماز	مِّنْكُمْ	تم میں سے
وَقُوْلُوْا	اور کہو تم	وَاٰتُوا	اور دو	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم
لِلنَّاسِ	لوگوں سے	الزَّكٰوةَ	زکات	مُّعْرِضُوْنَ	روگردانی کرنے والے ہو

یہود کی دوسری برائیاں

یہود کی قساوتِ قلبی کے مظاہر بیان کر کے اب ان کے اسلاف کی دوسری برائیاں بیان فرماتے ہیں، اِن سے اخلاف کو یہ بتانا ہے کہ تمہارے اسلاف کا یہ حال تھا، پس تمہارا حال ان سے مختلف کیسے ہوسکتا ہے؟

۱-قول وقرار کر کے پھر جانا بنی اسرائیل کا شیوہ ہے!

جب موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت فرمائی تو بنی اسرائیل سے اس پر عمل کرنے کا عہد لیا، پہلے تو انھوں نے قبول کرنے سے انکار کیا، مگر جب ان کے سروں پر پہاڑ لٹکایا تو قبول کئے بغیر چارہ نہ رہا، مگر بہت جلد کتے کی دم ٹیڑھی ہوگئی، معدودے چند کے علاوہ بنی اسرائیل قول وقرار سے پھر گئے، اور تورات کے احکام پر عمل چھوڑ دیا، تورات میں ان کو پانچ اہم احکام دیئے گئے تھے: (۱) صرف اللہ کی عبادت کریں یعنی کسی اور کی نہ عبادت کریں نہ اس کو عبادت میں شریک کریں (۲) ماں باپ کے ساتھ اور کنبہ والوں کے ساتھ، اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ حسنِ سلوک کریں (۳) لوگوں سے سلیقہ سے بات کریں، اکھڑ پنے سے خطاب نہ کریں (۴) نماز کا اہتمام کریں (۵) زکات ادا کریں —— مگر معدودے چند کے علاوہ عام یہودیوں نے ان احکام پر عمل چھوڑ دیا، کیونکہ وعدے سے پھر جانا ان کا شیوہ ہے!

آیتِ پاک: —— اور (یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے قول وقرار لیا (اور تورات میں احکام دیئے کہ) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور غریبوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور لوگوں سے بھلے انداز سے بات کرو، اور نماز کا اہتمام کرو، اور زکات ادا کرو —— پھر تم نے روگردانی کی —— اور ان احکام پر عمل نہیں کیا —— اور تم تو ہو ہی وعدہ سے پھرنے والے لوگ!

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ

وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ؕ وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۸۶﴾ ع

وَاِذۡ	اور (یاد کرو) جب	تَشۡهَدُوۡنَ (۱)	گواہی دے رہے تھے	عَلَيۡهِمۡ	ان پر
اَخَذۡنَا	لیا ہم نے	ثُمَّ اَنۡتُمۡ	پھر تم	بِالۡاِثۡمِ (۴)	گناہ سے
مِيۡثَاقَكُمۡ	تم سے قول وقرار	هٰٓؤُلَآءِ (۲)	اے لوگو!	وَالۡعُدۡوَانِ	اور زیادتی سے
لَا تَسۡفِكُوۡنَ	نہیں بہاؤ گے تم	تَقۡتُلُوۡنَ	قتل کرتے ہو	وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ	اور اگر آتے ہیں وہ
دِمَآءَكُمۡ	اپنے خونوں کو	اَنۡفُسَكُمۡ	اپنے لوگوں کو		تمہارے پاس
وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ	اور نہیں نکالو گے تم	وَتُخۡرِجُوۡنَ	اور نکالتے ہو	اُسٰرٰى (۵)	قیدی بن کر
اَنۡفُسَكُمۡ	اپنے لوگوں کو	فَرِيۡقًا	ایک جماعت کو	تُفٰدُوۡهُمۡ (۶)	فدیہ سے چھوڑتے
مِّنۡ دِيَارِكُمۡ	تمہارے گھروں سے	مِّنۡكُمۡ	تم میں سے		چھڑاتے ہو ان کو
ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ	پھر اقرار کیا تم نے	مِّنۡ دِيَارِهِمۡ	ان کے گھروں سے	وَهُوَ مُحَرَّمٌ (۷)	حالانکہ حرام کیا گیا ہے
وَاَنۡتُمۡ	درانحالیکہ تم	تَظٰهَرُوۡنَ (۳)	ہلّہ بولتے ہو تم	عَلَيۡكُمۡ	تم پر

(۱) شہادت میں قسم کے معنی ہوتے ہیں (۲) ھؤلاء: منادی ہے، حرفِ ندا محذوف ہے، پھر حرفِ ندا اور منادی مل کر جملہ معترضہ ہے، اور أنتم: مبتدا اور تقتلون خبر ہے (۳) تظاھرون: میں ایک تاء محذوف ہے، اور باب تفاعل میں اشتراک کا خاصہ ہے (۴) بالإثم: میں باء سببیہ ہے (۵) أساری: أسیر کی جمع، حال ہے (۶) تُفادوا: باب مفاعلہ میں بھی اشتراک کا خاصہ ہے، مُفاداۃ: چھوڑنا، چھڑانا۔ (۷) ھو: ضمیر شان ہے۔

اِخْرَاجُهُمْ	ان کا نکالنا	اِلَّا خِزْيٌ	سوائے رسوائی کے	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ
اَفَتُؤْمِنُوْنَ	کیا پس مانتے ہوتم	فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی میں	الَّذِيْنَ	وہ ہیں جو
بِبَعْضِ	کچھ	وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	اور قیامت کے دن	اشْتَرَوُا	خریدتے ہیں
الْكِتٰبِ	کتاب کو	يُرَدُّوْنَ	لوٹائے جائیں گے وہ	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی کو
وَتَكْفُرُوْنَ	اور انکار کرتے ہوتم	اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ	سخت عذاب کی طرف	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت کے بدل
بِبَعْضٍ	کچھ کا			فَلَا يُخَفَّفُ	پس نہیں ہلکا کیا جائے گا
فَمَا جَزَآءُ	پس کیا سزا ہے	وَمَا اللّٰهُ	اور نہیں ہیں اللہ	عَنْهُمُ	ان سے
مَنْ يَّفْعَلُ	اس کی جو کرے	بِغَافِلٍ	بے خبر	الْعَذَابُ	عذاب
ذٰلِكَ	یہ کام	عَمَّا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ
مِنْكُمْ	تم میں سے		کرتے ہوتم	يُنْصَرُوْنَ	مدد کیے جائیں گے

۲-بنی اسرائیل نے تورات کے حصے بخرے کئے!

بنی اسرائیل کی برائیوں کا بیان ہے، جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت فرمائی تو بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ وہ تورات کے سارے احکام پر عمل کریں گے، اور انھوں نے نہایت پختگی سے اس کا اقرار کیا، مگر بعد میں انھوں نے تورات کے احکام کے حصے بخرے کئے، بعض احکام پر عمل کیا اور بعض کو چھوڑ دیا۔

تورات میں ان کو تین احکام ایک ساتھ دیئے گئے تھے: (۱) ایک دوسرے کو قتل نہ کریں یعنی باہم نہ لڑیں (۲) ایک دوسرے کو بے خانماں نہ کریں یعنی جلاوطن نہ کریں (۳) کوئی اسرائیلی دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہوجائے تو اس کو فدیہ (بدلہ) دے کر چھڑالیں۔

مگر یہود باہم خوب لڑتے تھے: ﴿ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ﴾: ان کی لڑائی آپس میں سخت ہوتی ہے [الحشر] ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے اور گھروں سے نکالتے تھے، یعنی دو حکموں پر عمل نہیں کرتے تھے، مگر باہمی جنگ میں جو پکڑا جاتا اس کو فدیہ دے کر چھڑاتے تھے اور چھوڑتے بھی تھے، یعنی اس حکم پر ضرور عمل کرتے تھے، اور کہتے تھے: لڑنا اور قتل کرنا اور بے گھر کرنا تو مجبوری ہے، دشمن کو زیر تو کرنا ہوگا، اور اپنے قیدیوں کو چھڑانا اور چھوڑنا تورات کا حکم ہے، اس پر عمل کرنا ضروری ہے، یہ انھوں نے تورات کے احکام کے حصے بخرے کئے، اس کی دنیوی اور اخروی سزا بیان کرتے ہیں۔

تنبیہ: انصار کے قبائل اوس وخزرج اور یہود کے قبائل بنونضیر اور بنوقریظہ کے باہمی تعلقات اور ان کی باہمی جنگوں کو ان آیات کی تفسیر میں زیر بحث لانا ضروری نہیں، اس سے تفسیر پیچیدہ ہوجاتی ہے، یہ تو عام بات ہے، جب بھی یہود باہم لڑتے ہیں تو یہ صورت ہوتی ہے، دو حکموں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور ایک حکم پر عمل کرتے ہیں۔

آیاتِ پاک مع تفسیر: ـــــ اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے قول وقرار لیا ـــــ یہ قول وقرار اس وقت لیا تھا جب موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت فرمائی تھی، پس یہ تمہید لوٹائی ہے ـــــ تم اپنے لوگوں کا خون نہیں بہاؤ گے ـــــ یعنی اسرائیلی: اسرائیلی کو قتل نہیں کرے گا، بنی اسرائیل باہم نہیں لڑیں گے ـــــ اور اپنے لوگوں کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالو گے ـــــ یعنی ان کو بے خانماں نہیں کرو گے ـــــ پس تم نے اقرار کیا، گویا تم قسمیں کھا رہے تھے ـــــ یہ قول وقرار کا تتمہ ہے، یعنی تم نے اللہ کے ساتھ مضبوط عہد باندھا تھا ـــــ پھر تم ـــــ اے لوگو! ـــــ اپنے آدمیوں کو قتل کرتے ہو، اور اپنے کچھ لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو، گناہ اور زیادتی سے ایک دوسرے پر ہلّہ بولتے ہو ـــــ یعنی دو حکموں پر عمل نہیں کرتے!

اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی بن کر آتے ہیں تو فدیہ لے دے کر چھوڑتے چھڑاتے ہو ـــــ یعنی ایک حکم پر عمل کرتے ہو ـــــ حالانکہ ان کا نکالنا ـــــ اور ان کو قتل کرنا بدرجۂ اولیٰ ـــــ تم پر حرام کیا گیا ہے، پس کیا تم تورات کے بعض احکام کو مانتے ہو، اور بعض کا انکار کرتے ہو؟

پس (بتلاؤ) اس شخص کی سزا کیا ہو جو تم میں سے یہ کام کرتا ہے، سوائے دنیا میں رسوائی کے؟ ـــــ یعنی دنیا میں وہ ذلت ورسوائی سے دوچار ہوگا ـــــ اور قیامت کے دن وہ سخت عذاب میں پہنچائے جائیں گے! اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو ـــــ یعنی وہ ہر ایک کو واجبی سزا دیں گے!

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کی زندگی آخرت کے عوض مول لی، پس نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا، اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے ـــــ یعنی کوئی اللہ تعالیٰ سے لڑ جھگڑ کر بھی ان کو بچا نہیں سکے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ؗ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝۸۷

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	اٰتَيْنَا	دی ہم نے	مُوْسَى	موسیٰ کو

الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	الْبَيِّنٰتِ	واضح معجزات	لَا تَهْوٰٓى	نہیں بھایا
وَقَفَّيْنَا (۱)	اور پے بہ پے بھیجے ہم نے	وَاَيَّدْنٰهُ	اور قوی کیا ہم نے اس کو	اَنْفُسُكُمُ	تمہارے دلوں کو
مِنْۢ بَعْدِهٖ	ان کے بعد	بِرُوْحِ الْقُدُسِ	پاکیزہ روح کے ساتھ	اسْتَكْبَرْتُمْ	(تو) گھمنڈ کیا تم نے
بِالرُّسُلِ	رسولوں کو	اَفَكُلَّمَا	کیا پس جب بھی	فَفَرِيْقًا	پس ایک جماعت کو
وَاٰتَيْنَا	اور دیئے ہم نے	جَآءَكُمْ	آیا تمہارے پاس	كَذَّبْتُمْ	جھٹلایا تم نے
عِيْسَى	عیسیٰ	رَسُوْلٌۢ	کوئی رسول	وَفَرِيْقًا	اور ایک جماعت کو
ابْنَ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کو	بِمَا	ایسا حکم لے کر	تَقْتُلُوْنَ	قتل کرتے ہو تم

۳- یہود نے اسرائیلی انبیاء کی تکذیب کی اور ان کو قتل کیا

یہود کی قباحتیں بیان ہورہی ہیں، یہ ان کی تیسری قباحت ہے، اس کے بعد گریز کی آیت ہے، پھر خاتم النّبیین ﷺ اور آپؐ کی امت کے تعلق سے یہود کی قباحتوں کا ذکر شروع ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد چار ہزار اسرائیلی انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، ان کے آخر میں عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، وہ خاتم انبیائے بنی اسرائیل ہیں، وہ واضح معجزات کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے، مُردوں کو زندہ کرنا، مادر زاد اندھے اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا، غیب کی باتیں بتانا وغیرہ ان کے کھلے معجزات تھے، اور ان کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی پشت پناہی بھی حاصل تھی، تاکہ یہود باوجود کوشش کے ان کو قتل نہ کرسکیں۔

ان اسرائیلی انبیاء کے ساتھ یہود کا معاملہ کیا رہا؟ جب بھی کوئی رسول مبعوث ہوتا، اور وہ کوئی ایسا حکم لاتا جو یہود کو پسند نہ آتا تو وہ اینٹھ جاتے، اس کی تکذیب کرتے یا اس کو قتل کردیتے، زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوئے، مگر اللہ نے ان کو بچالیا اور آسمان پر اٹھالیا، سوچو! یہ کیسی شرمناک حرکتیں ہیں!

آیاتِ پاک: —— اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو تورات عطا فرمائی، اور ہم نے ان کے بعد پے بہ پے رسولوں کو بھیجا، اور —— اس سلسلہ کے آخری رسول —— مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے واضح معجزات عطا فرمائے، اور پاکیزہ روح —— جبرئیل علیہ السلام —— کے ذریعہ ان کو تقویت پہنچائی —— کیا پس جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول ایسا حکم لایا جو تمہارے دلوں کو نہیں بھایا تو تم اکڑ گئے! پس کچھ کو جھٹلایا اور کچھ کو تہ تیغ کرتے ہو!

(۱) قَفَّيْنَا: تَقْفِيَةٌ (باب تفعیل): پیچھے کرنا، قَفَا (گدی) سے بنا ہے، اور اس کے دو مفعول ہوتے ہیں، من بعدہ: مفعولِ اول کے قائم مقام ہے، أی قفیناہ (موسیٰ کے پیچھے بھیجا) اور بالرسول: مفعول ثانی حرفِ جر کے ساتھ آیا ہے یعنی دوسرے رسولوں کو۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	كِتٰبٌ	عظیم الشان کتاب	فَلَمَّا جَآءَهُمْ (۴)	پس جب پہنچی ان کو
قُلُوْبُنَا	ہمارے دل	مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (۳)	اللہ کے پاس سے	مَّا عَرَفُوْا	وہ کتاب جس کو پہچانا
غُلْفٌ (۱)	محفوظ ہیں	مُصَدِّقٌ	سچ بتانے والی		انھوں نے
بَلْ لَّعَنَهُمُ	بلکہ لعنت کی ان پر	لِّمَا مَعَهُمْ	اس کو جو ان کے پاس ہے	كَفَرُوْا بِهٖ	انکار کردیا انھوں نے
اللّٰهُ	اللہ نے	وَكَانُوْا	درانحالیکہ تھے وہ		اس کا
بِكُفْرِهِمْ	ان کے انکار کی وجہ سے	مِنْ قَبْلُ	اس کتاب کے آنے سے پہلے	فَلَعْنَةُ اللّٰهِ	پس اللہ کی پھٹکار ہو
فَقَلِيْلًا مَّا (۲)	پس بہت ہی کم	يَسْتَفْتِحُوْنَ	کامیابی مانگا کرتے تھے	عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	انکار کرنے والوں پر
يُؤْمِنُوْنَ	ایمان لاتے ہیں وہ	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر جنھوں نے	بِئْسَمَا (۵)	بری ہے وہ چیز جو
وَلَمَّا جَآءَهُمْ	اور جب پہنچی ان کو	كَفَرُوْا	انکار کیا	اشْتَرَوْا (۶)	خریدی/مول لی انھوں نے

(۱) غُلْف: أغلف کی جمع: وہ چیز جو کسی غلاف میں بند ہو، لفافہ میں پیک ہو (۲) ما: زائدہ، قلت کی تاکید کے لئے ہے (۳) من عند الله: کتاب کی پہلی صفت، مصدق: دوسری صفت، اور لما کا جواب کفروا به محذوف، اور قرینہ اگلے لما کا جواب ہے۔ (۴) یہ دوسرا لما پہلے لما کی تکرار ہے (۵) بئس: فعل ذم، فاعل ضمیر مستتر، ما: نکرہ موصولہ تمیز، اور جملہ اشتروا: مخصوص بالذم (۶) بیع وشراء: اضداد میں سے ہیں: بیچنا خریدنا دونوں ترجمے ہیں، اور ان کے دو مفعول ہوتے ہیں اور ثمن پر باء آتی ہے، مگر بیع میں ثمن مرغوب فیہ ہوتا ہے، اور شراء میں مرغوب عنہ، جیسے بعتُ الکتابَ بمأة روبية اور اشتریت الکتابَ بمأة روبية، اول میں سو روپے مرغوب فیہ ہیں اور ثانی میں کتاب مرغوب فیہ ہے، اور سو روپے مرغوب عنہ، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ملا کر ترجمہ کیا ہے: 'اختیار کرنا' اور بہ کا مرجع ما ہے، اور اس کی تفسیر أن یکفروا ہے

بِهٖٓ	اس کے عوض	اَنْ يُّنَزِّلَ (۴)	اس پر کہ اتارتے ہیں	فَبَآءُوْ	پس لوٹے وہ
اَنْفُسَهُمْ (۱)	اپنی ذاتوں کے لئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	بِغَضَبٍ	بڑے غصہ کے ساتھ
اَنْ يَّكْفُرُوْا (۲)	یعنی انکار کرتے ہیں وہ	مِنْ فَضْلِهٖ	اپنے فضل سے	عَلٰى غَضَبٍ	بڑے غصہ پر
بِمَآ اَنْزَلَ	اس کتاب کا جس کو اتارا	عَلٰى مَنْ	جس پر	وَلِلْكٰفِرِيْنَ	اور انکار کرنے والوں کے لئے
اللّٰهُ	اللہ نے	يَّشَآءُ	چاہتے ہیں		
بَغْيًا (۳)	ضد میں	مِنْ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں میں سے	عَذَابٌ مُّهِيْنٌ	رسوا کُن عذاب ہے

۴- یہود تکذیب انبیاء کی جو وجہ بیان کرتے ہیں وہ مہمل ہے!

یہود: جب ان کے انبیاء کوئی ایسا حکم لاتے جو ان کو پسند نہ آتا تو انکار کرتے، اور وجہ بیان کرتے کہ ہمارے دل پیک ہیں، تمہاری بات دل میں نہیں اترتی، اس لئے ہم نہیں مانتے، وہ یہی بات نبی ﷺ اور قرآن کے تعلق سے بھی کہتے تھے، اللہ پاک ان کا رد کرتے ہیں کہ بات یہ نہیں، بلکہ تمہارے دل پتھر ہو گئے ہیں، اللہ نے تم کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، اس لئے تم حق بات قبول نہیں کرتے، دل تو کھلے ہیں، مگر بے بہرہ ہیں!

﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور یہود نے کہا: ہمارے دل پیک ہیں! —— بلکہ ان کو ان کی تکذیب کی وجہ سے اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، اس لئے وہ نہ جیسا ایمان لاتے ہیں!

۵- یہود قرآن کا انتظار کر رہے تھے، مگر جب قرآن اترا اور انھوں نے اس کو پہچان بھی لیا تو انکار کر دیا

مدینہ میں یہود کے تین قبائل آباد تھے، ان کی نفری کم تھی اور مشرکین کی زیادہ تھی، جب ان میں جنگ ہوتی اور یہودی مغلوب ہو جاتے تو وہ اللہ سے دعا مانگتے: ''الٰہی! ہم کو نبی آخر الزماں اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی ان کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما!'' مگر جب نبی آخر الزماں ﷺ مبعوث ہوئے، اور ان پر قرآنِ کریم نازل ہوا، اور اس نے تورات کی تصدیق کی، کیونکہ دونوں کتابیں ایک ہی چشمہ سے نکلی ہوئی نہریں تھیں، تو انھوں نے قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے سے انکار کر دیا، اور ملعون ہوئے!

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ

(۱) أنفسهم: مفعولِ ثانی ہے (۲) أن: تفسیر یہ ہے، جملہ ما کی تفسیر ہے یعنی تکذیب وانکار (۳) بغیا: یکفروا کا مفعول لہٗ ہے (۴) أن سے پہلے علیٰ مقدر ہے۔

كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: اور جب ان کو (یہود کو) اللہ کی طرف سے وہ عظیم الشان کتاب پہنچی، جو اس کتاب کو سچا بتاتی ہے جو ان کے پاس ہے (یعنی تورات کو) درانحالیکہ وہ لوگ اس کتاب کے نازل ہونے سے پہلے (اس کے طفیل سے) کامیابی کی دعا کیا کرتے تھے، ان لوگوں کے خلاف جو اسلام کو نہیں مانتے ہیں، پھر جب پہنچی ان کو وہ کتاب جس کو انھوں نے پہچان (بھی) لیا تو اس کا انکار کر دیا، سو لعنت ہو انکار کرنے والوں پر!

۶- یہود قرآنِ کریم کا انکار محض ضد اور ہٹ دھرمی سے کرتے ہیں!

بنی اسرائیل: حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے، وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں، اور عرب: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، اس لئے وہ ابنائے عم (چچازاد) ہیں، اور بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کئی ہزار انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، آخر دور میں خاتم النّبیین ﷺ مبعوث ہوئے، اور ان پر اللہ کی عظیم الشان کتاب نازل ہوئی تو یہود جل بھن گئے کہ یہ نعمت ہم سے کیوں نکل گئی، اور ہمارے چچازاد بھائیوں کو کیوں مل گئی! اس ضد اور جلن میں وہ قرآنِ کریم اور حاملِ قرآن پر ایمان نہیں لائے، جیسے ہندو کلکی اوتار (خاتم النّبیین) کا انتظار کر رہے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ رسول ہندوؤں میں مبعوث ہونگے، مگر وہ عربوں میں مبعوث ہوئے، اس لئے وہ ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تعالیٰ ردّ فرماتے ہیں کہ نبوت و رسالت فضل خداوندی ہے، اور اللہ کا اختیار ہے کہ وہ جس کو چاہیں اس فضل سے بہرہ ور کریں، یہود کی اس پر اجارہ داری نہیں، پس یہ چیز ایمان کے لئے مانع نہیں بنی چاہئے، جو اس ضد میں ایمان نہیں لائے گا وہ اللہ کے غضب بالائے غضب کا مستحق ہوگا، اور آخرت میں وہ رسوا کن عذاب سے دوچار ہوگا!

﴿ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ ﴾

ترجمہ: بری ہے وہ چیز (تکذیب) جس کو اختیار کر کے وہ اپنی جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں، یعنی اس کتاب کا انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے (اور انکار بھی) محض ضد کی بنا پر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا کچھ فضل جس بندے پر ان کو منظور ہوتا ہے (کیوں) نازل فرماتے ہیں، سو وہ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے، اور ان منکرین کے لئے رسوا کن عذاب ہے!

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عذاب ذلت کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ مسلمانوں کو جو ان کے معاصی پر عذاب ہوگا وہ ان کو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہوگا، جیسے کپڑا میلا ہو جاتا ہے اور دھوبی کی بھٹی میں جاتا ہے تو وہ صفائی کے لئے

جاتا ہے، اور صافی جب گندی ہو جاتی ہے اور اس کو چولہے میں ڈالتے ہیں تو ہمیشہ کے لئے جلنے کے لئے ڈالتے ہیں، اسی طرح کافروں کو بغرض تذلیل عذاب دیا جائے گا (فوائد شیخ الہندؒ مع اضافہ)

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

وَ اِذَا قِيْلَ	اور جب کہا جاتا ہے	مُصَدِّقًا	تصدیق کرنے والی ہے	الْعِجْلَ	بچھڑا
لَهُمْ	ان سے	لِّمَا مَعَهُمْ	اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے	مِنْۢ بَعْدِهٖ	ان کے جانے کے بعد
اٰمِنُوْا	ایمان لاؤ	قُلْ	پوچھو	وَ اَنْتُمْ	درانحالیکہ تم
بِمَآ اَنْزَلَ	اس کتاب پر جو اتاری ہے	فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ	پس کیوں قتل کرتے رہے	ظٰلِمُوْنَ	ناانصافی کرنے والے تھے
اللّٰهُ	اللہ نے	اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ	اللہ کے نبیوں کو	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب
قَالُوْا	جواب دیتے ہیں وہ	مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں	اَخَذْنَا	لیا ہم نے
نُؤْمِنُ	ایمان رکھتے ہیں ہم	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	مِيْثَاقَكُمْ	تم سے قول وقرار
بِمَآ اُنْزِلَ	اس کتاب پر جو اتاری گئی ہے	مُّؤْمِنِيْنَ	ایماندار	وَرَفَعْنَا	اور اٹھایا ہم نے
		وَلَقَدْ	اور بخدا واقعہ یہ ہے کہ	فَوْقَكُمُ	تمہارے اوپر
عَلَيْنَا	ہم پر	جَآءَكُمْ	آئے تمہارے پاس	الطُّوْرَ	طور پہاڑ کو
وَيَكْفُرُوْنَ	اور انکار کرتے ہیں وہ	مُّوْسٰى	موسیٰ	خُذُوْا	لو تم
بِمَا وَرَآءَهٗ	اس کے علاوہ کا	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح معجزات کے ساتھ	مَآ اٰتَيْنٰكُمْ	جو دیا ہم نے تم کو
وَهُوَ الْحَقُّ	حالانکہ وہ برحق ہے	ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ	پھر بنایا تم نے	بِقُوَّةٍ	مضبوطی سے

وَاسْمَعُوْا(۱)	اور سنو تم	فِيْ قُلُوْبِهِمُ	ان کے دلوں میں	يَاْمُرُكُمْ	حکم دیتا ہے تم کو
قَالُوْا	کہا انھوں نے	الْعِجْلَ (۳)	بچھڑا	بِهٖٓ	ان باتوں کا
سَمِعْنَا	سنا ہم نے	بِكُفْرِهِمْ (۴)	ان کے کفر کی وجہ سے	اِيْمَانُكُمْ	تمہارا ایمان
وَعَصَيْنَا (۲)	اور نافرمانی کی ہم نے	قُلْ	کہو	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
وَاُشْرِبُوْا	اور پلائے گئے وہ	بِئْسَمَا	بری ہیں وہ باتیں جو	مُّؤْمِنِيْنَ	سچے

۷- یہود کا تورات کے بارے میں غلط عقیدہ ایمان کی راہ کا روڑا بنا!

موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے بارے میں یہود کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام افضل الانبیاء ہیں، ان سے بڑا کوئی نبی نہیں، اور تورات اللہ نے ان کو املا کرائی ہے، تورات بدل نہیں سکتی، نہ اس میں حذف واضافہ کیا جاسکتا ہے، یہود اسی عقیدے کی وجہ سے انجیل اور قرآن کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہم صرف تورات کو مانتے ہیں، اس کے علاوہ کسی کتاب کو نہیں مانتے، جبکہ انجیل: تورات کا ضمیمہ تھی، وہ تورات کی تصدیق کرتی تھی، اور اس میں حسب ضرورت تبدیلی کرتی تھی، اور وہ اللہ کی برحق کتاب تھی، اسی طرح قرآنِ کریم بھی اللہ کی برحق کتاب ہے، تورات کی تصدیق کرتی ہے، مگر یہود کا تورات کے بارے میں غلط اعتقاد ایمان کی راہ کا روڑا بنا ہوا ہے۔

الزامی جواب: اللہ پاک فرماتے ہیں: یہود سے تین باتیں پوچھو:

۱- اگر تمہارا تورات پر ایمان تھا تو تم نے اسرائیلی انبیاء (زکریا و یحییٰ علیہما السلام) کو قتل کیوں کیا؟ وہ تو تمہارے اعتقاد کے مطابق بھی سچے نبی تھے!

۲- جب موسیٰ علیہ السلام طور پر تورات لینے گئے تو تم نے پیچھے بچھڑا کیوں بنایا؟ تم نے یہ کیا غضب ڈھایا! کیا نعمتِ تورات کے انتظار کا یہی تقاضا تھا؟

۳- جب موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے تو تم نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، یہاں تک کہ طور پہاڑ کا ایک

---

(۱) **اسمعوا:** سنو تم یعنی تورات کے احکام (۲) زبان سے تو 'سنا' کہا، اور دل میں تھا کہ عمل کون کرتا ہے؟ (۳) **العجل:** أی حبَّ العجل: بچھڑے کی محبت (۴) **بکفرھم:** یعنی پہلے جو اللہ کا انکار کیا اور بچھڑے کو معبود بنایا: یہ کفر دلوں سے پوری طرح نہیں نکلا تھا، جو مرتدین قتل سے بچ گئے تھے اور معاف کردیئے گئے تھے: ان کے دلوں میں بھی بچھڑے کی محبت رہ گئی تھی، زائل نہیں ہوئی تھی، اور جنھوں نے بچھڑے کو نہیں پوجا تھا، مگر خاموشی اختیار کی تھی انھوں نے مداہنت کی تھی، وہ جذبہ بھی دلوں میں باقی تھا۔

حصہ تمہارے سروں پر لٹکا کر قول و قرار لینا پڑا کہ تم اس پر مضبوطی سے عمل کرو گے، پھر تم نے زبان سے تو 'ہاں' کہا، اور دلوں میں 'نا' تھا، اس طرح تم نے منافقانہ اقرار کیا، کیا یہی تورات پر ایمان ہے؟ —— دراصل اس منافقانہ اقرار کی وجہ یہ تھی کہ سابقہ کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت تمہارے دلوں میں پیوست ہوگئی تھی، وہ کسی طرح نکلی ہی نہیں! پس بری ہیں وہ باتیں جن کا تمہارا تورات پر ایمان تم کو حکم دیتا ہے!

آیاتِ پاک: —— اور جب ان (یہود) سے کہا جاتا ہے کہ اس کتاب (قرآن) کو مانو جو اللہ نے اتاری ہے، تو وہ جواب دیتے ہیں: ہم صرف اس کتاب کو مانتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی ہے، اور وہ اس کے علاوہ (کتابوں) کا انکار کرتے ہیں، جبکہ وہ برحق کتاب ہے اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے۔

پوچھو: (۱) پھر تم قبل ازیں انبیاء کو کیوں قتل کرتے رہے، اگر تمہارا (تورات پر) ایمان تھا؟ —— (۲) اور موسیٰ تمہارے پاس واضح دلائل کے ساتھ آئے، پھر تم نے بچھڑا بنالیا، ان کے طور پر جانے کے بعد، درانحالیکہ تم غضب ڈھا رہے تھے! —— (۳) اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا، اور ہم نے تم پر طور پہاڑ کو معلّق کیا (اور کہا:) مضبوطی سے لو اس کتاب کو جو ہم نے تم کو دی ہے، اور بات سنو (یعنی تورات کی باتوں پر عمل کرو) —— تو تم نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی —— یعنی زبان سے تو اقرار کیا، مگر دلوں میں نافرمانی کا جذبہ تھا —— اور ان کے دلوں میں بچھڑا پیوست کردیا گیا تھا ان کے کفر کی وجہ سے! —— یعنی بچھڑے کی محبت دلوں سے نکلی ہی نہیں!

کہو: بری ہیں وہ باتیں جن کا تمہارا (تورات پر) ایمان حکم دیتا ہے، اگر تم سچے ہو کہ تمہارا تورات پر ایمان ہے!

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ع ۱۱

قُلْ	کہو	اِنْ كَانَتْ	اگر ہے	لَكُمْ(۱)	تمہارے لئے

(۱) لکم: کانت کی خبر مقدم ہے۔

الدَّارُ الْاٰخِرَةُ	آخرت کا گھر	قَدَّمَتْ	آگے بھیجے ہیں	اَحَدُهُمْ	ان کا ہر ایک
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے یہاں	اَيْدِيْهِمْ	ان کے ہاتھوں نے	لَوْ يُعَمَّرُ	کاش زندہ رہتا وہ
خَالِصَةً(۱)	مخصوص	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اَلْفَ سَنَةٍ	ہزار سال
مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ	لوگوں کے سوا	عَلِيْمٌ	خوب جانتے ہیں	وَمَا هُوَ(۴)	اور نہیں ہے وہ
فَتَمَنَّوُا	پس آرزو کرو	بِالظّٰلِمِيْنَ	ناانصافوں کو	بِمُزَحْزِحِهٖ(۵)	اس کو دور کرنے والا
الْمَوْتَ	موت کی	وَلَتَجِدَنَّهُمْ	اور ضرور پائے گا تو ان کو	مِنَ الْعَذَابِ	عذاب سے
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	اَحْرَصَ(۲)	زیادہ حریص	اَنْ يُّعَمَّرَ(۶)	یعنی زندہ رہنا
صٰدِقِيْنَ	سچے	النَّاسِ	لوگوں میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ	اور ہرگز آرزو نہیں کریں	عَلٰى حَيٰوةٍ	زندگی پر	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں
	گے وہ اس کی	وَمِنَ الَّذِيْنَ(۳)	اور ان لوگوں سے جنھوں نے	بِمَا يَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو وہ
اَبَدًا	کبھی بھی	اَشْرَكُوْا	شرک کیا		کر رہے ہیں
بِمَا	ان کاموں کی وجہ سے جو	يَوَدُّ	چاہتا ہے	۞	۞

۸- یہود کی یہ خوش فہمی بھی ایمان کے لئے مانع بنی کہ آخرت میں وہی اللہ کے پاس مزے لوٹیں گے!

یہودی کہتے ہیں: وہی آخرت میں (دوسرے عالم میں) اللہ کے پاس مزے سے رہیں گے، اس لئے ان کو قیامت کا کوئی ڈر نہیں، وہ اللہ کے لاڈلے، چہیتے بیٹے ہیں، یہ ان کی خوش فہمی تھی جو ایمان کی راہ کا روڑا بنی!

اللہ پاک ان سے تین باتیں فرماتے ہیں:

۱- اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو وصل حبیب کے لئے ریزرویشن کرالو، موت کی تمنا کرو، موت ہی وہ پل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملاتا ہے۔

۲- پیشین گوئی سنو: یہودی ہرگز موت کی آرزو نہیں کریں گے، وہ جانتے ہیں کہ انھوں نے کیا لچھن کئے ہیں، ان کو

(۱) خالصة: الدار کا حال ہے (۲) أحرصَ: لتجدن کا مفعول ثانی ہے (۳) من الذين کا عطف الناس پر ہے، أی: وأحرص من الذين دوسرا ترکیبی احتمال یہ ہے کہ من الذين: خبر مقدم، اور جملہ یود: مبتدا مؤخر، اس لئے معانقہ بنایا ہے، مگر یہ احتمال صحیح نہیں (۴) هو: ضمیر مبہم ہے، اس کی تفسیر أن يعمر ہے (۵) مُزحزح: اسم فاعل، زحزحه (رباعی مجرد): ہٹانا، دور کرنا (۶) أن: مصدریہ، برائے تفسیر أی تعميره: اس کا زندہ رہنا۔

حساب کا دھڑ کا لگا ہوا ہے، اللہ پاک ان ظالموں کے احوال سے باخبر ہیں!

۳- وہ موت کی آرزو تو کیا کریں گے، وہ تو جینے کے انتہائی حریص ہیں، مشرکین سے بھی زیادہ جو آخرت کے قائل نہیں، آواگون کے قائل ہیں، ہر ایک یہودی ہزار سال جینا چاہتا ہے، پس کیا یہ لمبی زندگی اس کو دوزخ سے بچالے گی؟ ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں کی ان کو ضرور سزا دیں گے۔

تنبیہ: دین سے جاہل (نادان) مسلمان بھی اسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں، وہ کہتے ہیں: ہم محبوب کی امت ہیں، اور اللہ غفور رحیم ہیں، ہم دوزخ میں کیسے جائیں گے؟ یہ لوگ بھی جنت کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں، اس لئے بدکردار ہیں، وہ موت کی تمنا کر کے دیکھیں! کبھی مرنے کے لئے تیار نہیں ہونگے!

آیاتِ پاک: — (یہود سے) کہو: اگر آخرت کا گھر اللہ کے یہاں تمہارے لئے مخصوص ہے، بلاشرکتِ غیرے تو:

۱- موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو!

۲- اور وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے کبھی بھی، ان کے ان کاموں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں!

۳- اور آپ ضرور ان کو زندگی کا سب سے زیادہ حریص پائیں گے، اور مشرکین سے بھی! ان میں سے ہر ایک امیدوار ہے کہ کاش وہ ہزار سال زندہ رہے! اور وہ ہزار سالہ زندگی اس کو عذاب سے ہٹانے والی نہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں سے خوب واقف ہیں!

فائدہ: میں لندن میں جس مسجد میں قیام کرتا ہوں (مسجد قبا) اس کا آدھا محلّہ یہودیوں پر مشتمل ہے، مسلمانوں کا ان کے ساتھ ملنا جلنا ہے، انھوں نے مجھے بتایا کہ یہودی موت کا لفظ سننا بھی پسند نہیں کرتے، سہم جاتے ہیں، وہ موت کی تمنا کیا کریں گے؟

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۹۷ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۹۸ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝۹۹ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۰ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

قُلْ	کہو:	وَجِبْرِيْلَ	اور جبرئیل کا	اَكْثَرُهُمْ	ان کے اکثروں نے
مَنْ كَانَ (۱)	جو ہے	وَمِيْكٰلَ	اور میکائیل کا	لَا يُؤْمِنُوْنَ	مانا ہی نہیں
عَدُوًّا	دشمن	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بیشک اللہ تعالیٰ	وَلَمَّا	اور جب
لِّجِبْرِيْلَ	جبرئیل کا	عَدُوٌّ	دشمن ہیں	جَآءَهُمْ	پہنچا ان کے پاس
فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ	تو بے شک اس نے	لِّلْكٰفِرِيْنَ	نہ ماننے والوں کا	رَسُوْلٌ (۵)	عظیم الشان رسول
	اتارا ہے اس کو	وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ	مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
عَلٰى قَلْبِكَ	آپؐ کے دل پر	اَنْزَلْنَآ	ہم نے اتاری ہیں	مُصَدِّقٌ (۶)	تصدیق کرنے والے
بِاِذْنِ اللّٰهِ	بہ اذنِ الٰہی	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	لِّمَا	اس کتاب کی جو
مُصَدِّقًا (۲)	سچا بتانے والا	اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ	واضح آیتیں	مَعَهُمْ	ان کے پاس ہے
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ	اس کو جو اس کے سامنے ہے	وَمَا يَكْفُرُ	اور نہیں انکار کرتے	نَبَذَ	(تو) پھینک دیا
وَهُدًى (۲)	اور راہ نما	بِهَآ	ان کا	فَرِيْقٌ	ایک جماعت نے
وَّبُشْرٰى (۲)	اور خوش خبری	اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ	مگر نافرمان لوگ	مِّنَ الَّذِيْنَ	ان میں سے جو
لِلْمُؤْمِنِيْنَ	ماننے والوں کے لئے	اَوَكُلَّمَا (۳)	کیا اور جب بھی	اُوْتُوا	دیئے گئے
مَنْ كَانَ	جو ہے	عٰهَدُوْا	قول وقرار کیا انھوں نے	الْكِتٰبَ	کتاب
عَدُوًّا	دشمن	عَهْدًا	پختہ قول وقرار	كِتٰبَ اللّٰهِ	اللہ کی کتاب کو
لِّلّٰهِ	اللہ کا	نَّبَذَهٗ (۴)	(تو) پھینک دیا اس کو	وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ	اپنی پیٹھ کے پیچھے
وَمَلٰٓئِكَتِهٖ	اور اس کے فرشتوں کا	فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ	ان کی ایک جماعت نے	كَاَنَّهُمْ	گویا وہ
وَرُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں کا	بَلْ	بلکہ	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے ہی نہیں!

(۱) مَن: موصولہ، متضمن معنی شرط ہے، اور اس کا جواب محذوف ہے: أي فلا وجه لعد اوته: تو ہوا کرے! (۲) نزله کے مفعول کے احوال ہیں (۳) استفہام انکاری ہے (۴) نبذه: كلما کا جواب ہے اور یہی استفہام انکاری کا محل ہے (۵) رسول کی تنوین تعظیم کے لئے ہے، مراد نبی ﷺ ہیں (۶) مصدق: رسول کی صفت ہے۔

۹- یہود کی جبرئیل دشمنی بھی ایمان کے لئے مانع بنی!

یہود: حضرت میکائیل علیہ السلام کو پسند کرتے ہیں، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دشمنی رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میکائیل روزی، بارش اور خوش حالی اُتارتے ہیں، اور جبرئیل عذاب اتارتے ہیں، ہمارے بڑوں کو ان سے بہت تکلیفیں پہنچی ہیں، اس لئے ہم ان کی لائی ہوئی وحی نہیں مانتے، میکائیل وحی لاتے تو ہم مان لیتے۔

عبداللہ بن صوریا (یہودی عالم) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آپؐ کے پاس وحی کون لاتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جبرئیل لاتے ہیں، اس نے کہا: ''وہ ہمارے (بنی اسرائیل کے) دشمن ہیں، میکائیل وحی لاتے تو ہم مان لیتے!''

اس کا جواب یہ ہے کہ جبرئیل تو محض واسطہ ہیں، وہ بہ حکم الٰہی وحی اتارتے ہیں، ان کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا، اسی طرح وہ عذاب بھی اتارتے ہیں، پھر ان سے دشمنی کے کیا معنی؟ اور سن لو! جو اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے رسولوں کا اور جبرئیل ومیکائیل کا دشمن ہے: اللہ تعالیٰ اس کے دشمن ہیں، اور جس کا دشمن اللہ ہو اس کا انجام کیا ہوگا؟ خوب سوچ لو!

اور ملائکہ میں جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام بھی شامل ہیں، پھر ان کا ذکر 'تسویہ' کے لئے کیا ہے، یعنی دونوں سے دوستی اور دشمنی یکساں ہے، پس جب تم جبرئیل علیہ السلام کے دشمن ہو تو میکائیل علیہ السلام کے بھی دشمن ہوئے، **لافرق بینھما!**

اور درمیانِ کلام میں قرآنِ کریم کے تعلق سے چار باتیں بیان فرمائی ہیں:

۱- حضرت جبرئیل علیہ السلام بہ اذنِ الٰہی قرآنِ کریم کی وحی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اتارتے ہیں، قرآنِ کریم کی وحی ہمیشہ جبرئیل علیہ السلام لاتے تھے، اور آپؐ کے سامنے پڑھتے تھے، آپؐ کو نازل کیا ہوا قرآن یاد ہو جاتا تھا، اور دل بوجھ لیتا تھا، جبرئیل کا پڑھنا صرف کان میں نہیں پڑتا تھا، کیونکہ کان میں پڑی ہوئی بات تو دوسرے کان سے نکل بھی جاتی ہے، اور جب بات دل میں اتر جائے تو نکلنے کا سوال نہیں!

۲- قرآنِ کریم سابقہ تمام سماوی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، کیونکہ سب ایک سرچشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، اس میں تورات کی تصدیق بھی آ گئی، آیت تورات کی تصدیق کے ساتھ خاص نہیں۔ مَا: عام ہے۔

۳- قرآنِ کریم سبھی انسانوں کی راہ نمائی کے لئے نازل ہوا ہے: ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ہے، سب انسانوں کے لئے پیامِ رحمت ہے، یہ مسلمانوں ہی کی 'مبارک کتاب' نہیں، آج کل لوگوں کو ایسی غلط فہمی ہوگئی ہے۔

۴- قرآنِ کریم ان لوگوں کو خوش خبری سناتا ہے جو اس کی بات مان لیتے ہیں، یہ آدھا مضمون ہے، اور جو لوگ اس کی دعوت نہیں مانیں گے ان کو برے دن سے سابقہ پڑے گا!

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَإِنَّ اللهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: کہو: جو شخص جبرئیل کا دشمن ہے (تو ہوا کرے!) کیونکہ انھوں نے قرآن کو آپؐ کے قلب پر بہ اذنِ الٰہی نازل کیا ہے (ان کا قرآن میں کچھ دخل نہیں) جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور راہ نما ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے مژدہ ہے! ـــــ جو اللہ کا دشمن ہے، اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا، اور جبرئیل ومیکائیل کا تو اللہ (قرآن پر) ایمان نہ لانے والوں کے دشمن ہیں!

۱۰- نقضِ عہد کی خصلت بھی یہود کے لئے مانع ایمان بنی!

تمام امتوں سے ان کے انبیاء کے توسط سے عہد الست میں قول وقرار لیا گیا ہے کہ جب نبی آخر الزماں ﷺ مبعوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں، اس عہد کا ذکر سورۃ آلِ عمران (آیت ۸۱) میں ہے، پس کیا بنی اسرائیل سے امید کی جائے کہ وہ اس پیمان کا لحاظ کر کے ایمان لائیں گے؟ نہیں! اس کی امید نہیں، وہ حد اطاعت سے نکلنے والے لوگ ہیں، وہ اس قول وقرار کا پاس ولحاظ نہیں کریں گے۔

اور نقضِ عہد ان کی پرانی عادت ہے، انھوں نے جب بھی اللہ سے کوئی عہد کیا ہے تو ان کی ایک جماعت نے اس کو پسِ پشت ڈال دیا ہے، اور زیادہ تر لوگوں نے تو اس کو قبول ہی نہیں کیا، مثلاً:

(۱) انھوں نے تورات کا مطالبہ کیا، یہ ایک عہد تھا کہ وہ اس کو قبول کریں گے مگر جب تورات دی گئی تو قبول کرنے سے انکار کر دیا، یہاں تک کہ ان کا مرغا بنانا پڑا تب قبول کیا، اور وہ بھی صرف زبانی، دل تو ان کے انکاری تھے۔

۲- جب موسیٰ علیہ السلام طور پر تورات لینے گئے تو ان کی ایک جماعت ایمان سے پھر گئی، اور بچھڑے کو خدا بنا لیا، جبکہ ایمان لانا ایک عہد تھا کہ وہ غیر اللہ کی پوجا نہیں کریں گے۔

۳- تورات قبول کرنے کے بعد مچھیروں نے سبت کی حرمت پامال کی تو ان کو بندر بنا دیا، تا کہ مداہنت کرنے والوں کو عبرت حاصل ہو۔

غرض: نقضِ عہد ان کی پرانی خصلت ہے، اب ان کے پاس عظیم الشان رسول آئے ہیں، اور قرآنِ کریم لائے ہیں، جس کی آیتیں واضح ہیں، اور وہ تورات کی تصدیق کرتی ہے، اور تورات میں نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے کا عہد ہے، مگر ان کی ایک جماعت نے اس کو پسِ پشت ڈال دیا، گویا وہ تورات کے اس حکم کو جانتے ہی نہیں، بس کچھ ہی خوش نصیب افراد ایمان لائے، باقی محروم رہے!

﴿ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ

نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ۙ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾

ترجمہ: اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں اتاری ہیں، جن کا انکار حد اطاعت سے نکلنے والے ہی کریں گے —— کیا ایسا نہیں ہے کہ جب بھی انھوں نے کوئی پختہ عہد کیا تو ان کی ایک جماعت نے ان کو پس پشت ڈال دیا؟ بلکہ ان کے اکثر نے تو اس کو (دل سے) مانا ہی نہیں! —— اور جب ان کے پاس عظیم الشان رسول: اللہ کی طرف سے پہنچے جو اس کتاب کی تصدیق کرتے ہیں جو ان کے پاس ہے تو اہل کتاب کی ایک جماعت نے اللہ کی کتاب (تورات) کو پس پشت ڈال دیا، گویا وہ اس کو جانتے ہی نہیں!

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿١٠٣﴾

وَاتَّبَعُوا	اور پیروی کی انھوں نے	سُلَيْمَانَ	سلیمان کی	كَفَرُوا	کفر کیا
مَا	اس کی جس کو	وَمَا كَفَرَ (۲)	اور نہیں کفر کیا	يُعَلِّمُونَ (۳)	سکھلاتے ہیں وہ
تَتْلُوا	پڑھتے تھے	سُلَيْمَانُ	سلیمان نے	النَّاسَ	لوگوں کو
الشَّيَاطِينُ (۱)	شیاطین	وَلَٰكِنَّ	بلکہ	السِّحْرَ	جادو
عَلَىٰ مُلْكِ	بادشاہت میں	الشَّيَاطِينَ	شیاطین نے	وَمَا أُنزِلَ (۴)	اور جو اتارا گیا

(۱) شیاطین سے شیاطین الجن والانس: دونوں مراد ہیں (۲) کفر: جادو پر کفر کا اطلاق کیا ہے، کیونکہ جادو کرنا کفر ہے (۳) یعلمون کی ضمیر فاعل کا مرجع شیاطین ہیں۔ (۴) وما أنزل: کا عطف السحر پر ہے، یہی اقرب معطوف علیہ ہے، اور مفسرین کرام نے عام طور پر ما تتلو اپر عطف مانا ہے، اور واتبعوا سے جوڑا ہے، حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہے۔

عَلَى الْمَلَكَيْنِ	دو (زمینی) فرشتوں پر	وَزَوْجِهٖ	اور اس کی بیوی (کے	مِنْ خَلَاقٍ	کوئی حصہ
بِبَابِلَ	بابل شہر میں		درمیان)	وَلَبِئْسَ	اور البتہ برا ہے
هَارُوْتَ	ہاروت	وَمَا هُمْ	اور نہیں ہیں وہ (ساحر)	مَا شَرَوْا[1]	جو اختیار کیا انھوں نے
وَمَارُوْتَ	اور ماروت پر	بِضَآرِّيْنَ	نقصان پہنچانے والے	بِهٖٓ	اس کے عوض میں
وَمَا يُعَلِّمٰنِ	اور نہیں سکھلاتے ہیں	بِهٖ	اس (سحر) کے ذریعہ	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں کے لئے
	وہ دونوں	مِنْ اَحَدٍ	کسی کو بھی	لَوْ كَانُوْا	کاش ہوتے وہ
مِنْ اَحَدٍ	کسی کو بھی	اِلَّا بِاِذْنِ	مگر اجازت سے	يَعْلَمُوْنَ	جانتے
حَتّٰى يَقُوْلَآ	یہاں تک کہ کہتے ہیں	اللّٰهِ	اللہ کی	وَلَوْ اَنَّهُمْ	اور اگر وہ
	دونوں	وَيَتَعَلَّمُوْنَ	اور سیکھتے ہیں وہ	اٰمَنُوْا	ایمان لاتے
اِنَّمَا نَحْنُ	اس کے سوا نہیں کہ ہم	مَا يَضُرُّهُمْ	جو نقصان پہنچائے انکو	وَاتَّقَوْا	اور اللہ سے ڈرتے
فِتْنَةٌ	آزمائش ہیں	وَلَا يَنْفَعُهُمْ	اور نفع پہنچائے ان کو	لَمَثُوْبَةٌ	البتہ بدلہ
فَلَا تَكْفُرْ	پس تو کفر نہ کر	وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ	مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس
فَيَتَعَلَّمُوْنَ	پس سیکھتے ہیں وہ	عَلِمُوْا	جانتے ہیں وہ	خَيْرٌ	بہتر تھا
مِنْهُمَا	ان دونوں سے	لَمَنِ اشْتَرٰىهُ	البتہ جس نے خریدا اس	لَوْ	کاش
مَا يُفَرِّقُوْنَ	وہ جو جدائی کریں وہ		(سحر) کو	كَانُوْا	ہوتے وہ
بِهٖ	اس کے ذریعہ	مَا لَهٗ	نہیں ہے اس کے لئے	يَعْلَمُوْنَ	جانتے
بَيْنَ الْمَرْءِ	آدمی کے درمیان	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں	۞	۞

۱۱- یہود کی لایعنی علم میں مشغولیت بھی ایمان کے لئے مانع بنی!

یہ دو آیتیں اہم ہیں، پہلی آیت میں ضمنی باتیں بھی ہیں، اس لئے پہلے چند باتیں عرض ہیں:

۱- یہود میں جادو کا بڑا زور ہے، نبی ﷺ پر جادو ایک یہودی منافق نے کیا تھا، اور ان کا خیال ہے کہ ان کو یہ علم حضرت سلیمان علیہ السلام سے حاصل ہوا ہے، یہ افتراء ہے، قرآنِ کریم نے اس کی تردید کی ہے کہ جادو کفر ہے اور سلیمان

(۱) شِری: اضداد میں سے ہے، بیچنا اور خریدنا: دونوں معنی ہیں، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے دونوں کو ملا کر 'اختیار کرنا' ترجمہ کیا ہے، اور بہ کا مرجع ما ہے، اور ما سے مراد جادو ہے۔

علیہ السلام پیغمبر تھے، وہ کفر کیسے کرسکتے ہیں؟

۲- یہود: حضرات داوٗد وسلیمان علیہما السلام کو نبی نہیں مانتے، صرف بادشاہ مانتے ہیں، انھوں نے سلیمان علیہ السلام کی طرف شرک (مورتی پوجا) کی بھی نسبت کی ہے، اوران کی حکومت کی عالم گیریت کو جادو کا کرشمہ قرار دیا ہے، مگر زبور اور امثالِ سلیمان کو بائبل میں شامل بھی کیا ہے، بائبل توان کے نزدیک آسمانی کتابوں کا مجموعہ ہے!

۳- ہاروت وماروت: زمینی فرشتے ہیں، ان کو رجال الغیب بھی کہا جاتا ہے، ان سے تکوینی امور متعلق کئے جاتے ہیں، اور تکوینی امور شریعت کے چوکھٹے میں نہیں آتے، حضرت خضر علیہ السلام نے جو زمینی فرشتے تھے ایک بے گناہ بچے کو مارڈالا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر شریعت کی رو سے اعتراض کیا تھا، مگر حضرت خضر نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ قتل کی حکمت بیان کی، کیونکہ تکوینیات کا دائرہ الگ ہے اور تشریعیات کا الگ، چٹان گرتی ہے اور کوئی بے گناہ دب کر مرجاتا ہے تو کسی پر مقدمہ نہیں کیا جاتا، اسی طرح ہاروت وماروت جو میاں بیوی میں جدائی کا افسوں سکھاتے تھے اس کو بھی شریعت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے، شرعاً ایسا تعویذ حرام ہے یہ بھی جادو ہے۔

۴- سلیمان علیہ السلام کا زمانہ تو بہت پہلے ہے، ان کا زمانہ موسیٰ علیہ السلام سے قریب ہے، ان کی حکومت چرند وپرند اور جنّ وانس پر تھی، دربار سلیمانی میں آدمیوں کے ساتھ جنات بھی بیٹھتے تھے، اس زمانہ میں انسان اور جنات رلے ملے تھے، چنانچہ آدمیوں نے جنات سے جادو سیکھا، یہ شیاطین الجن ہیں، پھر جن انسانوں نے سیکھا انھوں نے آگے سکھایا، یہ شیاطین الانس ہیں، یہ جادو نسل درنسل یہود میں چلا آرہا ہے۔

۵- ۶۸۶ قبل مسیح میں جب بنی اسرائیل نے سرکشی کی تو بابل ونینوی کے تاجدار بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا، اوراس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور ستر ہزار بنی اسرائیل کو قید کرکے بابل لے گیا، اوران کو غلام بنالیا، وہاں وہ سو سال غلامی میں رہے۔ پھر ۵۵۹ قبل مسیح میں ایران کے بادشاہ دارائے اول نے حملہ کرکے بنی اسرائیل کو قید سے آزاد کرایا، اور ان کو لوٹ کر دوبارہ بیت المقدس آباد کرنے کی اجازت دی۔

اس اسارت کے زمانہ میں حضرت عزیر علیہ السلام مبعوث ہوئے ہیں، تورات ضائع ہوگئی تھی، اس کو انھوں نے اپنی یادداشت سے لکھوایا، اس لئے بعض نے ان کو اللہ کا بیٹا مان لیا، اُس غلامی کے دور میں بنی اسرائیل کے آقا ان پر ظلم وستم ڈھاتے تھے، چین سے سونے بھی نہیں دیتے تھے، اللہ نے ان پر رحم فرمایا، اور دو زمینی فرشتوں ہاروت وماروت کو مقرر کیا کہ وہ گھر گھر جاکر بنی اسرائیل کو ایک افسوں سکھلائیں، جس سے سیٹھ اور سیٹھانی میں بجے اور نوکر آرام سے سوئے! یہ کام نبی سے نہیں لیا گیا: ایک تو یہ کام ان کے منصب کے خلاف تھا، دوم: جب وہ سکھانے جائیں گے تو سیٹھ دیکھے گا، اور رجال

الغیب متعلقہ شخص ہی کو نظر آتے ہیں، دوسرے کو نظر نہیں آتے، اس لئے وہ سکھا سکتے ہیں، مگر فرشتے افسوں سکھانے سے پہلے آگاہ کرتے تھے کہ یہ افسوں دودھاری تلوار ہے، حسب ضرورت ہی استعمال کرنا، بے ضرورت یا بے محل استعمال کرے گا تو کفر ہوگا، یہ منتر بھی یہود میں نسل در نسل چلا آرہا تھا۔

آیتِ کریمہ کی تفسیر: عنوان پر ایک نظر ڈال لیں:

جب اللہ کے عظیم الشان رسول مبعوث ہوئے، اور وہ ایک نسخۂ کیمیا بھی ساتھ لائے، اور یہود نے ان کو خوب پہچان لیا تو چاہئے تھا کہ آپؐ پر ایمان لاتے اور آپؐ کی مدد کرتے، کیونکہ تورات میں ان سے یہ عہد لیا گیا تھا، مگر انھوں نے تورات کو پسِ پشت ڈال دیا، گویا وہ اس کو جانتے ہی نہیں، اور ایمان نہیں لائے، وہ ایک لایعنی علم (جادو) میں لگ گئے، جو عہد سلیمانی میں شیاطین نے انسانوں کو سکھایا تھا، اور یہود جو اس کی نسبت سلیمان علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں: وہ افتراء ہے، سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، وہ بھلا ایسا کفریہ عمل کیسے سکھا سکتے ہیں؟ جادو تو شیاطین نے لوگوں کو سکھایا ہے اور وہ افسوں بھی انھوں نے ہی لوگوں کو سکھایا ہے جو بابل شہر میں ہاروت و ماروت نامی دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا۔ یہود اس لایعنی علم میں مشغول ہو گئے، وہ اس کے پیچھے پڑ گئے، اور تورات کے حکم کو نظر انداز کر دیا، اور ایمان نہیں لائے۔

فائدہ (۱): ہاروت و ماروت جب کسی کو وہ تعویذ سکھاتے تھے تو پہلے کان کھول دیتے تھے کہ ہم دودھاری تلوار ہی تیرے ہاتھ میں دے رہے ہیں، اس کو محل ہی میں استعمال کرنا، ورنہ کافر ہو جائے گا۔

وہ افسوں کیا تھا؟ وہ ایسا منتر تھا جس سے میاں بیوی میں تفریق ہو جاتی تھی، یہ ایک طرح کا جادو تھا۔

فائدہ (۲): جادو کے ذریعہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا، کیونکہ جادو ایک سبب ہے، اور اسباب کا سرا مسبب الاسباب کے پاس ہے۔

فائدہ (۳): جادو سیکھنا سکھلانا حرام ہے، یہ علم سراسر ضرر رساں ہے، نفع بخش بالکل نہیں، جادوگر پیسوں کی لالچ میں جادو کرتے ہیں، جبکہ بنی اسرائیل اس بات سے خوب واقف تھے کہ جادوگروں کا جنت میں کوئی حصہ نہیں، یعنی وہ جنت میں نہیں جائیں گے (یہ تہدید ہے) اور وہ لوگ جس جادو کے پیچھے خود کو تباہ کر رہے ہیں وہ بہت بری چیز ہے کاش وہ یہ بات سمجھتے!

یہود کو ایمان کی دعوت: دوسری آیت میں یہود کو ایمان کی دعوت دی ہے کہ اگر وہ ایمان لائیں، اور اللہ سے ڈریں، اور جادو چھوڑیں تو اللہ کے یہاں بہتر بدلہ پائیں گے، وہ دنیوی آمدنی کے بند ہو جانے کی فکر نہ کریں، کاش وہ سمجھ داری سے کام لیں!

ترجمہ: اور یہود نے اس علم کی پیروی کی جس کی عہد سلیمانی میں شیاطین تعلیم دیا کرتے تھے، اور سلیمان نے کفر نہیں کیا، بلکہ شیاطین نے کفر کیا، وہ لوگوں کو سکھاتے ہیں جادو اور وہ افسوں جو بابل میں ہاروت وماروت نامی دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا۔

فائدہ (۱): —— اور وہ دونوں کسی کو بھی وہ افسوں نہیں سکھاتے تھے جب تک اس سے کہہ نہیں دیتے تھے کہ ہم آزمائش ہی ہیں، پس تو کفر نہ کر بیٹھنا (یعنی بے ضرورت یا غیر محل میں یہ افسوں استعمال مت کرنا) پس وہ (بنی اسرائیل) ان دونوں سے سیکھتے تھے ایسا افسوں جس کے ذریعہ وہ میاں بیوی میں جدائی کر دیتے تھے۔

فائدہ (۲): —— اور جادوگر کسی کو بھی اذنِ خداوندی کے بغیر ضرر نہیں پہنچا سکتے،

فائدہ (۳): —— اور جادوگر ایسا علم سیکھتے ہیں جو ان کے لئے ضرر رساں ہے، نفع بخش بالکل نہیں، اور وہ (بنی اسرائیل) اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس نے جادو اختیار کیا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور بہت بری ہے وہ چیز (جادو) جس کے بدلے وہ اپنی جانیں بیچ رہے ہیں، کاش ان کو عقل ہوتی!

دعوتِ ایمان: —— اور اگر وہ ایمان لاتے اور اللہ سے ڈرتے تو اللہ کے یہاں (جادو کی آمدنی سے) بہتر بدلہ پاتے کاش وہ سمجھ داری سے کام لیں!

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو! جو	وَقُوْلُوا	اور کہو	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک سزا ہے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	انْظُرْنَا (۲)	انظرنا	مَا يَوَدُّ	نہیں پسند کرتے
لَا تَقُوْلُوْا	مت کہو	وَاسْمَعُوْا	اور سنو	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	جنھوں نے انکار کیا
رَاعِنَا (۱)	راعنا	وَلِلْكٰفِرِيْنَ	اور منکرین کے لئے	مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ	اہل کتاب سے

(۱) رَاعِ: امر، واحد مذکر حاضر، نا: ضمیر جمع متکلم، مصدر: مُرَاعَاۃ: رعایت کرنا، خیال کرنا (۲) اُنْظُرْ: امر، صیغہ واحد مذکر حاضر، نا: ضمیر جمع متکلم، باب نصر وسمع، نَظَرَ: نظر کرنا، دیکھنا، بصارت اور بصیرت دونوں طرح دیکھنے کے لئے ہے۔

وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ	اور نہ مشرکین	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں
اَنْ يُّنَزَّلَ(۱)	کہ اتاری جائے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
عَلَيْكُمْ	تم پر	يَخْتَصُّ	خاص کرتے ہیں	ذُو الْفَضْلِ	فضل والے ہیں
مِّنْ خَيْرٍ(۲)	کوئی بھلائی	بِرَحْمَتِهٖ	اپنی رحمت کے ساتھ	الْعَظِيْمِ	بڑا

اہل کتاب اور مشرکین کے مسلمانوں کے ساتھ معاملات

اب تک قرآنِ کریم اور نبی ﷺ کے ساتھ اہلِ کتاب: یہود ونصاری کے معاملات کا ذکر تھا، اب مسلمانوں کے ساتھ ان کے معاملات کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے، بعض معاملات میں اہل کتاب کے ساتھ مشرکین بھی شریک ہیں۔

۱- یہود شرارت سے رَاعِنَا کہتے ہیں، مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے روک دیا

یہود کبھی نبی ﷺ کی مجلس میں آکر بیٹھتے تھے، اور دورانِ گفتگو بطور شرارت کہتے تھے: رَاعِنَا: ہمارا لحاظ کیجئے، یعنی بات ہمارے پلّے نہیں پڑی، کچھ وضاحت کیجئے، اس لفظ کے معنی ان کی زبان میں 'احمق' کے بھی ہیں، اور زبان دبا کر بولتے تو رَاعِيْنَا ہوجاتا، جس کے معنی ہیں: ہمارا چرواہا! مسلمان ان کی یہ شرارت نہیں سمجھ سکے، اور وہ بھی یہ لفظ استعمال کرنے لگے، اس لئے مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے منع کیا، اور فرمایا کہ ضرورت پیش آئے تو انظرنا کہو، اس کے بھی یہی معنی ہیں، ہمیں دیکھیے، یعنی ہماری رعایت کیجئے، بات کی کچھ وضاحت کیجئے، اور فرمایا کہ توجہ سے سنو تا کہ انظرنا کہنے کی نوبت نہ آئے، اور فرمایا: جو حکم نہیں مانے گا اور راعنا کہے گا اس کو دردناک سزا دی جائے گی۔

فائدہ: ایسا لفظ جس میں غلط مفہوم کا احتمال ہو، یا اس سے کوئی غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہو: استعمال نہیں کرنا چاہئے، اسی طرح مقتدی کو ایسا کام بھی نہیں کرنا چاہئے جو عوام کی گمراہی کا سبب بنے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! راعنا مت کہو، اور انظرنا کہو، اور سنو، اور نہ ماننے والوں کے لئے دردناک سزا ہے!

۲- اہل کتاب اور مشرکین کو مسلمانوں کی ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی!

ہجرت کے بعد مسلمانوں کی ترقی شروع ہوئی، یہ بات مدینہ کے یہود کو اور مکہ کے مشرکین کو کھلتی تھی، وہ اسلام کو سرنگوں دیکھنا چاہتے تھے، آج بھی ان کا یہی حال ہے، مگر جسے اللہ بڑھائے اسے کون گھٹائے! اللہ کے فضل کو کوئی روک

(۱) أن: مصدریہ، أن ينزل: يود کا مفعول بہ (۲) خیر: کوئی بھی بھلائی، خوبی، نعمتِ قرآن کو بھی شامل ہے۔

نہیں سکتا —— اور اللہ کا فضل بے اندازہ ہے، ہر شخص فضل خداوندی سے بہرہ ور ہوسکتا ہے، مگر شرط استحقاق پیدا کرنے کی ہے، بے استحقاق کوئی چیز نہیں ملتی۔

﴿مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۱۰۵﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے دین اسلام قبول نہیں کیا، خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین: نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل کی جائے، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتے ہیں —— یعنی عنایت فرماتے ہیں —— اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں —— ان کے فضل سے ہر کوئی حصہ لے سکتا ہے، شرط استحقاق کی ہے، ایمان لائے اور عمل صالح کرے تو وہ دارین میں سرخ رُو ہوگا۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰۶ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۱۰۷ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْــَٔـلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝۱۰۸

مَا نَنْسَخْ (۱)	جو ہٹاتے ہم	عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے وَرے
مِنْ اٰيَةٍ	کوئی آیت	قَدِيْرٌ	پوری قدرت والے ہیں	مِنْ وَّلِيٍّ	کوئی بھی کارساز
اَوْ نُنْسِهَا (۲)	یا بھلاتے ہیں اس کو	اَلَمْ تَعْلَمْ	کیا نہیں جانتا تو	وَّلَا نَصِيْرٍ	اور نہ کوئی مددگار
نَاْتِ	لاتے ہیں ہم	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	اَمْ تُرِيْدُوْنَ	کیا چاہتے ہو تم
بِخَيْرٍ مِّنْهَآ	اس سے بہتر	لَهٗ مُلْكُ	ان کے لئے سلطنت ہے	اَنْ تَسْــَٔـلُوْا	کہ سوال کرو
اَوْ مِثْلِهَا	یا اس کے مانند	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	رَسُوْلَكُمْ	اپنے رسول سے
اَلَمْ تَعْلَمْ	کیا نہیں جانتا تو	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی	كَمَا سُىِٕلَ	جس طرح سوال کئے گئے
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	وَمَا لَكُمْ	اور نہیں ہے تمہارے لئے	مُوْسٰى	موسیٰ

(۱) ما ننسخ: ما: موصولہ شرطیہ، نأتِ: جزاء...... نسخ کے دو معنی ہیں: ہٹانا، منتقل کرنا: جیسے نَسَخَتِ الشمسُ الظلَّ: دھوپ نے سایے کو ہٹایا، اور نسختُ الکتابَ: میں نے کتاب نقل کی (۲) نُنْسِ: مضارع، جمع متکلم، مصدر إنساء: بھلانا۔

مِنۡ قَبۡلُ	اس سے پہلے	اَلۡكُفۡرَ	کفر کو	فَقَدۡ ضَلَّ	تو یقیناً وہ بہک گیا
وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ	اور جو بدل کرلے گا	بِالۡاِيۡمَانِ	ایمان سے	سَوَآءَ السَّبِيۡلِ	سیدھے راستہ سے

۳- یہود اور مشرکین نسخ کے مسئلہ کو لے کر مسلمانوں کو تشویش میں مبتلا کرتے تھے

نسخ کے لغوی معنی ہیں: ہٹانا، منتقل کرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: ایک شریعت کو یا ایک حکم کو دوسری شریعت یا دوسرے حکم سے بدلنا، پس نسخ کی دو قسمیں ہیں: نسخ فی الشرائع اور نسخ فی الشریعۃ:

۱- نسخ فی الشرائع: ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت نازل کرنا، آدم علیہ السلام کی شریعت کے بعد نوح علیہ السلام کی شریعت، پھر ابراہیم علیہ السلام کی شریعت، پھر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت، پھر عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت، اور آخر میں نبی ﷺ کی شریعت آئی، یہ نسخ فی الشرائع ہے۔ یہود اور برہمن اس نسخ کو نہیں مانتے، وہ اس طرح یہودیت اور برہمنیت (ہندوازم) کی تأبید ثابت کرتے ہیں، تأبید کے معنی ہیں: ہمیشگی، دائمی بنانا، یعنی ان کے مذاہب قیامت تک کے لئے ہیں، حالانکہ یہود سابقہ شریعتوں کا شریعت موسوی سے نسخ مانتے ہیں، مگر آگے وہ نسخ کے قائل نہیں!

۲- نسخ فی الشریعۃ: ہر شریعت میں پہلے ایک حکم آتا ہے، پھر جب احوال بدلتے ہیں تو دوسرا حکم آتا ہے، جیسے پہلے دو نمازیں تھیں، پھر شبِ معراج میں پانچ کی گئیں یا جیسے تحویلِ قبلہ کا معاملہ، اس طرح کی تبدیلی شریعت میں ہوتی ہے۔

یہود پہلے مسئلہ کو لے کر مسلمانوں کا ذہن خراب کرتے تھے کہ سابقہ شریعت میں کیا کیڑے پڑ گئے جو دوسری شریعت نازل کرنی پڑی؟ اور مشرکین دوسرے مسئلہ کو لے کر اعتراض کرتے تھے کہ یہ روز روز کی تبدیلی کیسی؟ کیا اللہ کو بھی بدا واقع ہوتا ہے؟ ان کی بھی رائے بدلتی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا نبی خود ہی احکام بدلتا ہے!

قرآنِ کریم نے یہ مسئلہ دو جگہ بیان کیا ہے:

ایک: سورۃ الاعلیٰ (آیات ۶ و ۷) میں، فرمایا: ﴿سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰىٓۙ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ وَمَا يَخۡفٰى ؕ۝﴾: ہم آپ کو پڑھاتے ہیں یعنی آپ پر قرآن نازل کرتے ہیں، پس آپ بالیقین (نازل کیا ہوا قرآن) بھولیں گے نہیں، مگر اللہ کو جس کا بھلانا منظور ہو (کیونکہ یہ بھی نسخ کی ایک صورت ہے) بے شک اللہ تعالیٰ کھلے چھپے احوال سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ کونسا حکم ہمیشہ رہنا چاہئے، اور کونسا حکم احوال بدلنے کے بعد اٹھا لینا چاہئے۔

دوم: یہاں بیان فرمایا ہے کہ احکام ہٹائے بھی جاتے ہیں یعنی شریعتیں بدلتی ہیں، اور احکام بھلائے بھی جاتے ہیں، یعنی شریعتیں مندرس بھی ہو جاتی ہیں، امتیں اپنی شریعتوں کو ضائع کر دیتی ہیں، تو ان کی جگہ ان سے بہتر یا ان کے مانند احکام دیئے جاتے ہیں، اسی طرح احوال بدلنے سے شریعت کے احکام میں بھی تبدیلی کی جاتی ہے، کوئی حکم بدل دیا جاتا

ہے اور کوئی آیت بھلادی جاتی ہے، اور اس میں دو حکمتیں ہوتی ہیں:

ایک: اللہ قادر مطلق ہیں، ان کو احکام میں تبدیلی کا پورا اختیار ہے، تم بیچ میں ٹانگ اڑانے والے کون؟ یہ حاکمانہ حکمت ہے۔

دوم: کائنات پر حکومت اللہ کی ہے، اور بادشاہ اپنی مملکت میں حسبِ مصلحت تبدیلی کرسکتا ہے اور کرتا ہے، پس اگر اللہ تعالیٰ شریعتوں کو بدلتے ہیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ کیا تمہارا کوئی اور کارساز اور مددگار ہے؟ نہیں! غرض: دونوں نسخ بندوں کی کارسازی ہے، یہ حکیمانہ حکمت ہے۔

احوال بدلنے سے احکام بدلنے کی مثال: حکیم/ ڈاکٹر کا نسخہ بدلتا ہے، جب مریض کے احوال بدلتے ہیں تو دواؤں میں تبدیلی کی جاتی ہے، اس کو حکیم کی حماقت نہیں، دانش مندی سمجھا جاتا ہے۔

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝﴾

ترجمہ: ہم جو بھی آیت (حکم) بدلتے ہیں یا اس کو بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے مانند لاتے ہیں، کیا تجھے (اے معترض) معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں! کیا تجھے معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے؟ اور تمہارے لئے ان کے سوا کوئی کارساز ہے نہ مددگار!

۴- یہود و مشرکین مہمل مطالبات کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کا ذہن پراگندہ ہو

یہود کے چند سردار خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، اور مطالبہ کیا کہ اگر آپؐ سچے نبی ہیں تو پورا قرآن یکبارگی لکھا ہوا آسمان سے اتاریں، جیسے موسیٰ علیہ السلام تورات لکھی ہوئی یکبارگی لائے تھے [سورۃ النساء آیت ۱۵۳] اور مشرکین کا مطالبہ تھا کہ آپؐ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے روبرو لائیں تو ہم ایمان لائیں [الاسراء آیت ۹۲]

ایسے مہمل مطالبے پورے تو نہیں کئے جاسکتے، مگر کچا ذہن متأثر ہوتا ہے کہ اگر مطالبہ پورا کردیا جاتا تو وہ ایمان لے آتے، اس لئے دونوں کو ڈانتے ہیں کہ ایسا مہمل مطالبہ تمہارے اسلاف موسیٰ علیہ السلام سے بھی کرچکے ہیں کہ ہم جب مانیں گے کہ اللہ تعالیٰ سامنے آکر کہیں [البقرۃ ۵۵] اور اس کا وبال بھی وہ چکھ چکے ہیں، پس ایمان لانا ہو تو سیدھے سیدھے لاؤ، ورنہ گمراہی میں بھٹکتے رہو!

﴿اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝﴾

ترجمہ: کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسا موسیٰ سے پہلے سوال کیا گیا؟ اور جو کفر کو ایمان سے بدل لے گا وہ بالیقین راہِ راست سے بہک گیا! ــــ نبی ﷺ کافروں کے لئے بھی رسول ہیں، وہ بھی آپ کی امتِ دعوت ہیں، اور کفر کو ایمان سے بدلنے کا مطلب ہے: ایمان نہ لانا۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٩﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٠﴾

وَدَّ(۱)	دل سے چاہتے ہیں	لَهُمُ الْحَقُّ	ان کے لئے ہدایت	الصَّلٰوةَ	نماز
كَثِيْرٌ	بہت سے	فَاعْفُوْا(۵)	پس معاف کرو	وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ	اور دو زکات
مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	اہل کتاب میں سے	وَاصْفَحُوْا	اور درگذر کرو	وَمَا تُقَدِّمُوْا	اور جو آگے بڑھاؤ گے
لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ(۲)	کاش پھیر دیں وہ تم کو	حَتّٰى يَاْتِيَ	یہاں تک کہ آئیں	لِاَنْفُسِكُمْ	اپنی ذاتوں کے لئے
مِّنْۢ بَعْدِ	بعد	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مِّنْ خَيْرٍ	کچھ بھی نیک کام
اِيْمَانِكُمْ	تمہارے مسلمان ہونے کے	بِاَمْرِهٖ	اپنے حکم کے ساتھ	تَجِدُوْهُ	پاؤ گے تم اس کو
كُفَّارًا	کفر میں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس
حَسَدًا	جلتے ہوئے	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ(۳)	اپنی طرف سے	قَدِيْرٌ	قادر ہیں	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو
مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ(۴)	واضح ہونے کے بعد	وَاَقِيْمُوْا	اور قائم کرو	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں

۵- یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو دین سے منحرف کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں

یہود و نصاریٰ مختلف تدبیروں سے، دوستی اور خیر خواہی کے پیرایہ میں مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے میں لگے ہوئے

(۱) فعل وَدَّ: متعدی بدو مفعول ہے، كثير من أهل الكتاب: فاعل ہے، اور جملہ لو يردونكم من بعد إيمانكم كفارا: مفعول ثانی کے قائم مقام ہے، اور حسدًا: مفعول لہٗ ہے (۲) یَرُدُّوْن کا پہلا مفعول کم ہے، دوسرا کفارا ہے (۳) من عند أنفسهم: حسدًا کی پہلی صفت ہے (۴) من بعد ما تبين لهم الحق: حسدًا کی دوسری صفت ہے (۵) عفو و صفح تقریباً مترادف ہیں۔

ہیں، اور یہ بات اس جلن کی وجہ سے ہے جو ان کے دلوں میں پنہاں ہے، جبکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اسلام ہی برحق مذہب ہے، آج بھی مستشرقین کا یہی مشن ہے، وہ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں میں دین کے تعلق سے بے اعتمادی اور بے اعتباری پیدا کریں، اللہ پاک مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ ان کے مکروفریب سے بچیں!

مگر ابھی مدینہ کے یہود سے نمٹنے کا وقت نہیں آیا، اس لئے فرمایا کہ ابھی عفوودرگذر سے کام لو، اور ان کے بارے میں اللہ کے حکم کا انتظار کرو، بعد میں حکم آیا، بنونضیر جلاوطن کئے گئے، اور غدار قبیلہ بنوقریظہ تہ تیغ کیا گیا، آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پورے قادر ہیں، وہ ایک دن ان کا زور ضرور توڑیں گے۔

اور مسلمان ابھی نیک کاموں میں لگے رہیں، نماز کا اہتمام کریں، زکات ادا کریں، اور دوسرے جو بھی نیک کام کریں گے ان کو اللہ کے پاس موجود پائیں گے، کوئی عمل ضائع نہیں ہوگا، اللہ بندوں کے اعمال سے خوب واقف ہیں!

آیاتِ پاک: —— بہت سے اہل کتاب دل سے چاہتے ہیں کہ وہ تم کو مسلمان ہونے کے بعد مرتد کردیں، بربنائے حسد جو ان کے دلوں میں ہے، باوجودیکہ حق ان پر واضح ہوچکا ہے، سو عفوودرگذر سے کام لو، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں! —— اور نماز کا اہتمام کرو، اور زکات ادا کرو، اور جو بھی نیک کام اپنے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس موجود پاؤ گے، اللہ تعالیٰ بالیقین تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

وَ قَالُوْا	اور انھوں نے کہا	اِلَّا مَنْ كَانَ	مگر جو ہے	تِلْكَ	یہ
لَنْ يَّدْخُلَ	ہرگز نہیں جائے گا	هُوْدًا	یہودی	اَمَانِيُّهُمْ	ان کی آرزوئیں ہیں
الْجَنَّةَ	جنت میں	اَوْ نَصٰرٰى	یا عیسائی	قُلْ	کہو

هَاتُوْا	لاؤ	عَلَيْهِمْ	ان پر	كَذٰلِكَ	اسی طرح
بُرْهَانَكُمْ	اپنی دلیل	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	قَالَ الَّذِيْنَ	کہا ان لوگوں نے جو
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	يَحْزَنُوْنَ	غم گین ہونگے	لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے (آسمانی
صٰدِقِيْنَ	سچے	وَقَالَتِ	اور کہا		کتاب)
بَلٰى	کیوں نہیں؟	الْيَهُوْدُ	یہود نے	مِثْلَ قَوْلِهِمْ	ان کی سی بات
مَنْ اَسْلَمَ	جس نے تابع کردیا	لَيْسَتِ النَّصٰرٰى	نہیں عیسائی	فَاللّٰهُ	پس اللہ تعالیٰ
وَجْهَهٗ	اپنا چہرہ	عَلٰى شَيْءٍ	کسی چیز پر	يَحْكُمُ	فیصلہ کریں گے
لِلّٰهِ	اللہ کے	وَّقَالَتِ	اور کہا	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
وَهُوَ مُحْسِنٌ	درانحالیکہ وہ نیکوکار ہے	النَّصٰرٰى	عیسائیوں نے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ	پس اس کے لئے اس	لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ	نہیں ہیں یہود	فِيْمَا كَانُوْا	اس بات میں کہ تھے وہ
	کا ثواب ہے	عَلٰى شَيْءٍ	کسی چیز پر	فِيْهِ	اس میں
عِنْدَ رَبِّهٖ	اس کے رب کے پاس	وَّهُمْ يَتْلُوْنَ	حالانکہ پڑھتے ہیں وہ	يَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے
وَلَا خَوْفٌ	اور کوئی ڈر نہیں	الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	۞	۞

۶- یہود مسلمانوں کو حیران کرنے کے لئے کہتے کہ جنت میں ہمیں جائیں گے!

یہود: مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ جنت میں یہودی ہی جائیں گے، یعنی مسلمان جنت میں نہیں جائیں گے، یہی بات عیسائی بھی کہتے تھے، ان کا مقصد مسلمانوں کو مایوس کرنا ہے، تا کہ وہ اسلام سے کنارہ کش ہو جائیں!

اللہ پاک فرماتے ہیں: جو یہ بات کہتا ہے وہ اپنی سند پیش کرے، اپنی کتابوں سے حوالہ لائے، تورات وانجیل میں یہ بات کہیں نہیں لکھی، یہ ان کی دل بہلانے کی باتیں ہیں، اور مسلمان جنت میں کیوں نہیں جائیں گے؟ ضرور جائیں گے!

معیار یہ ہے کہ جس نے اپنی ذات اللہ کو سپرد کردی، اللہ کا ہر حکم مانتا ہے، اور نیکوکار بھی ہے: وہی جنت میں جائے گا، اور اس معیار پر مسلمان ہی پورے اترتے ہیں، یہود ونصاریٰ پورے نہیں اترتے، یہود: عیسیٰ علیہ السلام، نبی ﷺ اور انجیل وقرآن کو نہیں مانتے، پس وہ مسلمان (خود کو اللہ کے سپرد کرنے والے) کہاں ہوئے؟ یہی حال عیسائیوں کا ہے، وہ بھی نبی آخر الزماں ﷺ اور قرآنِ کریم کو نہیں مانتے، اس لئے وہ بھی اللہ کے منقاد نہیں ہیں، اور مسلمان اس معیار پر پورے اترتے ہیں، وہ سب انبیاء کو اور ان کی کتابوں کو مانتے ہیں، اس لئے وہی جنت میں جائیں گے، وہاں ان کو نہ آگے

کا کوئی ڈر ہوگا نہ پیچھے کا غم! پس مسلمان ان کی باتوں سے مایوس نہ ہوں!

﴿ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّھُمْ ۭ قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰى ۤ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں نے (یہود ونصاریٰ نے) کہا: جنت میں ہرگز نہیں جائیں گے مگر جو یہودی ہے یا عیسائی ہے! یہ ان کی تمنائیں (دل بہلانے والی باتیں) ہیں ــــ کہو: اپنی بات کی سند لاؤ اگر تم سچے ہو! کیوں نہیں! ــــ یعنی مسلمان جنت میں کیوں نہیں جائیں گے، ضرور جائیں گے، معیار سنو: ــــ جس نے اپنی ذات اللہ کو سپرد کردی، درانحالیکہ وہ نیکوکار بھی ہے تو اس کے لئے اس کے رب کے پاس اس کا ثواب ہے، اور ان کو نہ کوئی ڈر ہوگا، نہ وہ غمگیں ہونگے!

۷- یہود ونصاریٰ بلکہ ہندو بھی کہتے ہیں: ہمیں برحق ہیں............ پردہ کل قیامت کو ہٹے گا!

یہودی خود کو حق پر اور عیسائیوں کو غلط قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک عیسائی مشرک ہیں، یورپ کے ایک بڑے پادری نے مجھ سے کہا: جب میں نے اس کو مسجد میں آنے کی دعوت دی کہ ہم مسجد میں تو آسکتے ہیں، چرچوں میں نہیں جاسکتے، میں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: وہاں شرک ہوتا ہے، مسجد میں شرک نہیں ہوتا یعنی عیسائی: عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، یہ شرک ہے۔

اور عیسائی بھی یہود کو غلط قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک یہود کافر ہیں، اس لئے کہ وہ خاتم انبیائے بنی اسرائیل اور ان کی کتاب انجیل کو نہیں مانتے۔

خیر ان دونوں کے پاس تو آسمانی کتابیں ہیں، ہندو جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ان کا مذہب ہی برحق ہے، اور قرآن کہتا ہے کہ اسلام اور مسلمان برحق ہیں، اب اس اختلاف کا عملی فیصلہ کل قیامت کو ہوگا، جس کو جنت میں بھیجا جائے گا وہ برحق تھے، اور جن کو جہنم میں ڈالا جائے گا وہ غلط تھے، رہا علمی فیصلہ تو وہ قرآن نے ابھی دنیا ہی میں کردیا ہے۔

اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہر مذہب والے خود کو حق پر سمجھتے ہیں، جبکہ مزعومات اور عقائد مختلف ہیں، اور ہر ایک کا قبلۂ توجہ (ڈائرکشن) بھی مختلف ہے، پھر سب ایک منزل (اللہ) تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ عرب کا ایک بدو اونٹ پر جارہا تھا، کسی نے پوچھا: کہاں جارہا ہے؟ اس نے کہا: مکہ! سائل نے کہا: تو کبھی مکہ نہیں پہنچ سکتا، جس راستہ پر تو چل رہا ہے وہ ترکستان کا راستہ ہے! یہودی جو موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر اٹک گئے، عیسائی جو عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل پر رک گئے، اور

ہندو جو بھگوان کو چھوڑ کر غیروں کی بھگتی میں لگ گئے وہ اللہ تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١١٣﴾ ﴾

ترجمہ: اور یہود نے کہا: عیسائیوں کا مذہب باطل ہے، اور عیسائیوں نے کہا: یہود کا مذہب باطل ہے، جبکہ وہ لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں، ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی جو (اللہ کی کتاب) نہیں جانتے —— یعنی مشرکین نے بھی کہی —— پس اللہ تعالیٰ ان کے درمیان قیامت کے دن (عملی) فیصلہ کریں گے، اس بات میں جس میں وہ باہم مختلف ہیں —— کہ کون حق پر ہے؟

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ڛ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١١٤﴾

وَمَنْ اَظْلَمُ	اور کون بڑا ظالم ہے	وَسَعٰى	اور کوشش کی اس نے	لَهُمْ	ان کے لئے
مِمَّنْ مَّنَعَ	اس سے جس نے روکا	فِيْ خَرَابِهَا	ان کو اجاڑنے کی	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں
مَسٰجِدَ اللّٰهِ	اللہ کی مسجدوں کو	اُولٰۗىِٕكَ	یہ لوگ	خِزْيٌ	رسوائی ہے
اَنْ يُّذْكَرَ	(اس سے) کہ لیا جائے	مَا كَانَ لَهُمْ	نہیں تھا ان کے لئے	وَّلَهُمْ	اور ان کے لئے
فِيْهَا	ان میں	اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ	کہ داخل ہوں ان میں	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں
اسْمُهٗ	اللہ کا نام	اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ	مگر ڈرتے ہوئے	عَذَابٌ عَظِيْمٌ	بڑا عذاب ہے

۸- مشرکین کیسے کہتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں، انھوں نے مسلمانوں کو عمرہ تو کرنے نہیں دیا

۶ ہجری میں نبی ﷺ پندرہ سو صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ عمرہ کرنے کے لئے جارہے تھے، کعبہ شریف سب لوگوں کی مشترک عبادت گاہ تھی، سب کو حج اور عمرہ کرنے کے لئے آنے کا حق تھا، مگر مشرکین مکہ (قریش) نے مسلمانوں کو حدیبیہ کے میدان میں روک دیا، وہ روادار نہیں ہوئے کہ مسلمان عمرہ کریں، مجبوراً احرام کھول کر لوٹنا پڑا، ان مشرکین کا کیا منہ ہے کہ کہیں: ہم ہی حق پر ہیں، مسجدوں کو اللہ کی یاد سے روکنا تو بہت بڑا ظلم ہے، مسجدیں تو اللہ کی یاد کے لئے ہیں، عبادت

کرنے والوں کو ان سے روکنا تو ان کو ویران کرنا ہے، مسجدوں میں تو ان لوگوں کو خوف وخشیت سے داخل ہونا چاہئے تھا جو یہ حرکت کرتے ہیں، وہ دنیا میں رسوا ہونگے، اور آخرت میں عذابِ عظیم سے دوچار ہونگے۔

آیتِ پاک: —— اور اس شخص سے بڑا ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روکے، اور اس کو ویران کرنے کے درپے ہو؟ ان کو تو چاہئے تھا کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے ہی ان میں داخل ہوتے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے!

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔـلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہیں	وَقَالُوا	اور کہا انھوں نے	بَدِيْعُ[1]	انوکھے انداز سے پیدا
الْمَشْرِقُ	مشرق	اتَّخَذَ	بنائی		کرنے والے ہیں
وَالْمَغْرِبُ	اور مغرب	اللّٰهُ	اللہ نے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو
فَاَيْنَمَا	پس جدھر بھی	وَلَدًا	اولاد	وَالْاَرْضِ	اور زمین کو
تُوَلُّوْا	منہ پھیرو تم	سُبْحٰنَهٗ	وہ پاک ہیں	وَاِذَا قَضٰٓى	اور جب طے کرتے ہیں وہ
فَثَمَّ	پس اس جگہ	بَلْ لَّهٗ	بلکہ ان کے لئے ہیں	اَمْرًا	کسی بات کو
وَجْهُ اللّٰهِ	اللہ کا چہرہ ہے	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہیں	فَاِنَّمَا	تو اس کے سوا نہیں کہ
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں ہیں	يَقُوْلُ	فرماتے ہیں
وَاسِعٌ	بڑی کشادگی والے	كُلٌّ لَّهٗ	سب اس کے لئے	لَهٗ	اس سے
عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	قٰنِتُوْنَ	تابعدار ہیں	كُنْ	ہو جا

(۱) بَدَعَه (ف) بَدْعا: بلا نمونہ نئی چیز بنانا، ایجاد کرنا۔

فَيَكُوْنُ	پس وہ ہو جاتی ہے	قَالَ	کہا	اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ	بے شک ہم نے آپ
وَقَالَ	اور کہا	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو		کو بھیجا ہے
الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	بِالْحَقِّ	سچے دین کے ساتھ
لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے	مِّثْلَ قَوْلِهِمْ	ان کی سی بات	بَشِيْرًا	خوش خبری دینے والا
لَوْلَا يُكَلِّمُنَا	کیوں نہیں بات کرتا ہم سے	تَشَابَهَتْ(۱)	ایک سے ہو گئے ہیں	وَّنَذِيْرًا	اور ڈرانے والا
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	وَّلَا تُسْـَٔلُ	اور آپ سے نہیں پوچھا
اَوْ تَاْتِيْنَآ	یا (کیوں نہیں) آتی	قَدْ بَيَّنَّا	تحقیق بیان کی ہم نے		جائے گا
	ہمارے پاس	الْاٰيٰتِ	نشانیاں	عَنْ اَصْحٰبِ	دوزخیوں کے بارے
اٰيَةٌ	بڑی نشانی	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے	الْجَحِيْمِ	میں
كَذٰلِكَ	اسی طرح	يُّوْقِنُوْنَ	(جو) یقین کرتے ہیں	۞	۞

۹- مسلمانوں کو مشرکین نے عمرہ نہیں کرنے دیا تو ان کا کیا بگڑا؟ اللہ کی عبادت تو ہر جگہ سے کی جا سکتی ہے!

ارشاد فرماتے ہیں: مشرق و مغرب کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، اسی طرح شمال و جنوب کے بھی، کیونکہ یہ محاورہ ہے، مشرق و مغرب بول کر تمام جہتیں مراد لیتے ہیں —— اور خود اللہ پاک لا زمان ولا مکان ہیں، **العقائد النسفية** میں ہے: **لا يتمكّن في مكان، ولا يجري عليه زمان**، زمان و مکان اور جہات مخلوق ہیں، اور خالق: مخلوق میں نہیں ہوتا، ورنہ احتیاج لازم آئے گی۔

پس اللہ تعالیٰ کا ہر طرف رخ ہے، ان کی عبادت کسی بھی جانب رخ کر کے کی جا سکتی ہے، چنانچہ سفر میں جہتِ قبلہ معلوم نہ ہو تو تحری کر کے (سوچ کر کے) نماز پڑھ سکتا ہے، پھر اگر وقت میں یا وقت کے بعد غلطی ظاہر ہو تو اعادہ کی ضرورت نہیں، اسی طرح سفر میں سواری (اونٹ) پر نفل نماز پڑھ سکتا ہے، جدھر بھی سواری کا منہ ہو، قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں، اسی آیت کی وجہ سے: ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾: تم جدھر بھی منہ کرو اُدھر ہی اللہ کی ذات ہے!

اور فرض نمازوں میں عام حالات میں استقبالِ قبلہ کی شرط اور حج کے لئے کعبہ کی تعیین دو وجہ سے ہے:

۱- کعبہ شریف کو اسمبلی پوئنٹ مقرر کیا گیا ہے، وہ لوگوں کے اجتماع کی جگہ ہے تا کہ ساری دنیا کے مسلمان ایک جگہ جمع ہوں، ابھی (آیت ۱۲۵) میں آ رہا ہے: ﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾: کعبہ کو لوگوں کے واسطے اجتماع کی جگہ بنایا ہے۔

---

(۱) تَشَابَهَ الشيئان: یکساں اور ہم شکل ہونا، فرق نہ رہنا۔

۲-نمازوں میں استقبالِ قبلہ کا حکم ملت کی شیرازہ بندی کے لئے ہے، تمام مساجد میں اور ساری دنیا میں مسلمان ایک رخ پر عبادت کریں، ان میں انتشار نہ ہو، ورنہ ہر بستی میں بلکہ ہر مسجد میں تماشا ہوگا۔

ورنہ حقیقت میں کعبہ شریف قبلہ نہیں، بلکہ 'قبلہ نما' ہے قبلہ اللہ کی ذات ہے، اور وہ وسعت والی ہے، ہر رخ سے اس کی عبادت کی جاسکتی ہے، مگر علیم بھی ہے، اس لئے لوگوں کی مصلحت سے عام حالات میں عبادت کے لئے کعبہ شریف کو پوئنٹ مقرر کیا ہے۔

اور یہاں کہنا یہ ہے کہ قریش نے مسلمانوں کو عمرہ نہیں کرنے دیا تو ان کا کیا نقصان ہوا؟ وہ تو ہر جگہ سے اللہ کی عبادت کرسکتے ہیں! بڑے ظالم تم ہی ٹھہرے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی مسجد سے روکا!

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ؁﴾

ترجمہ: اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے لئے ہیں، پس تم جدھر بھی منہ پھیرو اسی جگہ اللہ کا رخ ہے! بے شک وہ بڑی وسعت والے خوب جاننے والے ہیں۔

۱۰-مشرکین اللہ کے لئے اولاد مانتے ہیں، پھر وہ کس منہ سے کہتے ہیں کہ ان کا دین ہی برحق دین ہے؟

مشرکینِ مکہ: مسلمانوں سے کہتے تھے: ہمارا دھرم ہی سچا ہے، تمہارا دین باطل ہے، اللہ پاک ان کو جواب دیتے ہیں کہ تم نے تو اللہ کے لئے اولاد تجویز کررکھی ہے، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے ہو، حالانکہ ان کی ذات اولاد سے پاک ہے، اور کائنات کا کوئی فرد اللہ کی اولاد ہو بھی نہیں سکتا، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت ہے، ان میں مالک و مملوک کا رشتہ ہے، اور اولاد مملوک نہیں ہوتی، آزاد ہوتی ہے، نیز کائنات اللہ کے احکام کی تابعدار ہے، اور اولاد کی یہ شان نہیں۔

اور اللہ کو اولاد کی کیا حاجت ہے؟ اولاد کی ضرورت بڑھاپے میں پڑتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی کی معاونت کے محتاج نہیں، وہ کائنات کے موجد ہیں، اکیلے ہی خالق ہیں، اور ان کی قدرت کن فیکونی ہے، پس ان کو اولاد کی کیا حاجت ہے؟

اور کہنا یہ ہے کہ تم جو شرک میں مبتلا ہو، اور اللہ کی شان میں اس سے بڑی کوئی گستاخی نہیں ہوسکتی: کس منہ سے کہتے ہو کہ تمہارا دھرم ہی سچا ہے؟ بلکہ سچے وہ لوگ ہیں جو ایک اللہ کے پرستار ہیں!

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ؁ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؁﴾

ترجمہ: اور انھوں نے (مشرکین نے) کہا: اللہ نے اولاد اختیار کی ہے، ان کی ذات (اولاد سے) پاک ہے! بلکہ

ان کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب ان کے تابعدار ہیں —— وہ آسمانوں اور زمین کے موجد ہیں، اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرماتے ہیں تو بس 'ہو' کہتے ہیں، پس وہ ہو جاتی ہے —— 'ہو' کہنا: ارادہ کی تعبیر ہے۔

۱۱- مشرکین کہتے ہیں: اللہ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتے؟ یا ہماری مطلوبہ کوئی نشانی دکھائیں تو ہم مانیں!

مشرکین جن کے پاس آسمانی کتابوں کا کوئی علم نہیں دو باتیں کہتے ہیں:

۱- اللہ خود ہم سے کہیں کہ محمد میرے بھیجے ہوئے ہیں اور اسلام سچا مذہب ہے؟ تو ہم مان لیں —— اس کا جواب ﴿ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ میں ہے کہ ان کے پاس آسمانی کتابوں کا علم نہیں، اس لئے وہ یہ بات کہتے ہیں، تمام آسمانی کتابوں میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اس دنیا میں اللہ کا دیدار ممکن نہیں، پھر وہ خود کیسے ان سے کہیں گے؟

۲- ہم جن نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں، جن کا تذکرہ سورۃ الاسراء (آیات ۹۰-۹۳) میں ہے، ان میں سے کوئی نشانی دکھائیں تو ہم مان لیں۔ اللہ پاک ان کو جواب دیتے ہیں کہ یہی مطالبہ گذشتہ مشرک اقوام نے بھی اپنے رسولوں سے کیا ہے، یہ سب ایک تھیلے کے چٹے بٹے ہیں، سب بدقماشوں کی ایک فطرت ہے، اس لئے ایک طرح کی باتیں کرتے ہیں، رہی نشانیاں تو ایک نہیں کئی ایک نشانیاں ہم دکھا چکے ہیں، مگر ان کو دیکھے وہ جس کے پاس دیدۂ بینا ہو! رہا مطلوبہ نشانی کا معاملہ: تو وہ اس لئے نہیں دکھائی جا رہی کہ اگر اس پر قوم ایمان نہیں لائے گی تو ہلاک کی جائے گی، اور مشرکین مکہ کو ہلاک کرنا مقدر نہیں، ان کے ایمان کی امید ہے، اس لئے مطلوبہ معجزہ نہیں دکھایا جا رہا، دوسری نشانیاں دکھائی جاتی ہیں۔

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں نے جن کے پاس آسمانی کتابوں کا علم نہیں: کہا: اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتے؟ یا ہمارے پاس کوئی (مطلوبہ) نشانی آتی (تو ہم مان لیتے!) —— ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی جو ان سے پہلے گذرے، سب کے دل ایک جیسے ہو گئے ہیں، بالتحقیق ہم نے یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں بیان کر دی ہیں!

۱۲- مشرکین کا قصہ ایک طرف کیجئے، اور اپنا فرض منصبی ادا کیجئے

آیت ۱۱۳ میں آیا ہے کہ یہود کہتے ہیں: عیسائی کچھ نہیں، اور عیسائی کہتے ہیں: یہود کچھ نہیں، یہی بات مشرکین مکہ بھی کہتے ہیں، پھر مشرکین کا تذکرہ شروع ہوا ہے، جو اس آیت پر پورا ہو رہا ہے، آگے بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) کا ذکر ہے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: مشرکین کا معاملہ ایک طرف کیجئے، وہ جہنم میں جانا چاہیں تو جائیں، آپؐ سے ان کے بارے میں کوئی سوال نہیں ہوگا کہ وہ جہنم میں کیوں گئے؟ آپؐ نے ان کو کیوں نہیں بچایا! آپؐ کو ہم نے سچے دین کے ساتھ اس لئے بھیجا ہے کہ ماننے والوں کو خوش خبری سنائیں اور نہ ماننے والوں کو وارننگ دیں، باقی اللہ اللہ خیر سلاّ!

﴿إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿١١٩﴾﴾

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے آپؐ کو سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے، خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور آپؐ سے دوزخیوں کے بارے میں کوئی سوال نہیں ہوگا!

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٢٠﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ أُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَأُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٢١﴾ ع ۱۴

وَلَنْ تَرْضٰى	اور ہرگز راضی نہیں ہونگے	هُوَ الْهُدٰى	وہی راہ نمائی ہے	مِنْ وَّلِيٍّ	کوئی کارساز
عَنْكَ	آپؐ سے	وَلَئِنِ	اور بخدا! اگر	وَّلَا نَصِيْرٍ	اور نہ کوئی مددگار
الْيَهُوْدُ	یہود	اتَّبَعْتَ	پیروی کی آپؐ نے	اَلَّذِيْنَ (۴)	وہ لوگ جن کو
وَلَا النَّصٰرٰى	اور نہ نصاری	أَهْوَاۗءَهُمْ	ان کی خواہشات کی	اٰتَيْنٰهُمُ	دی ہم نے ان کو
حَتّٰى تَتَّبِعَ	تاآنکہ پیروی کریں آپ	بَعْدَ الَّذِيْ (۱)	بعد اس کے جو	الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب
مِلَّتَهُمْ	ان کے دین کی	جَاۗءَكَ	پہنچا آپ کو	يَتْلُوْنَهٗ	پڑھتے ہیں وہ اس کو
قُلْ	کہو	مِنَ الْعِلْمِ	علم سے	حَقَّ	جیسا حق ہے
إِنَّ هُدَى	بےشک راہ نمائی	مَا لَكَ (۲)	نہیں ہوگا آپ کیلئے	تِلَاوَتِهٖ	اس کے پڑھنے کا
اللّٰهِ	اللہ کی	مِنَ اللّٰهِ (۳)	اللہ کے عوض	أُولٰۗىِٕكَ	وہی لوگ

(۱) الذی: صلہ کے ساتھ بعد کا مضاف الیہ ہے، اور من العلم: الذی کا بیان ہے (۲) مالك: جوابِ قسم ہے (۳) من الله: من: عوض کا ہے، أی عوضًا من الله، جیسے دعا ہے: لَايَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ منك الْجَدُّ: مالدار کے لئے آپ کے بالعوض مالداری نافع نہیں۔ (۴) الذین: مبتدا، أولئك: خبر، اور جملہ یتلونه: آتیناهم کے مفعول کا حال، اور حق: مفعول مطلق ہے

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ	مان لیتے ہیں اسلام کو	وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ (۱)	اور جس نے انکار کیا اسلام کا	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ	وہی لوگ گھاٹے میں رہنے والے ہیں

۱۳- یہود ونصاری تمہیں کافر کر کے چھوڑیں گے!

مشرکین بھی خود کو برحق دین پر کہتے تھے، ان سے گفتگو کے بعد اب یہود ونصاری کا حال بیان کرتے ہیں، آیت ۱۱۴ میں گذرا ہے کہ یہ دونوں بھی خود کو حق پر مانتے ہیں، یہ دونوں بھی اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں، امر حق سے دونوں کو کوئی سروکار نہیں، پس وہ کبھی بھی دینِ اسلام قبول نہیں کریں گے، ان کی تو کوشش یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچیں، وہ مسلمانوں سے اسی وقت خوش ہونگے جب وہ یہودی یا عیسائی بن جائیں۔

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾

ترجمہ: اور یہود ونصاری آپ سے اس وقت تک خوش نہیں ہونگے جب تک آپ ان کے مذہب کی پیروی نہ کریں ——— خطاب پیغمبر سے ہے، مگر سنانا امت کو ہے۔

۱۴- ان سے ڈنکے کی چوٹ کہہ دو کہ اسلام ہی برحق مذہب ہے!

فرماتے ہیں: مسلمانوں کو چاہئے کہ یہود ونصاری سے صاف صاف کہہ دیں کہ اللہ کی راہ نمائی ہی معتبر راہ نمائی ہے یعنی اسلام ہی سچا دین ہے، تمہارا دین محرف اور منسوخ ہے، ہم اس کو کبھی قبول نہیں کر سکتے، ان کو مایوس کردو۔

﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى﴾

ترجمہ: کہہ دو! اللہ کی راہ نمائی ہی راہ نمائی ہے! ——— اور وہ اسلام ہے!

۱۵- اگر کوئی مسلمان یہود ونصاری کے چکمہ میں آ گیا تو وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکے گا

یہودیت تو نسلی مذہب ہے، وہ تو کسی کو یہودی نہیں بناتے، وہ تو مسلمانوں کی تباہی چاہتے ہیں، اور عیسائی مذہب بھی دراصل بنی اسرائیل کے لئے تھا، لیکن بعد میں پولس نے اس کو عالمی مذہب بنایا ہے، اور اب عیسائی پوری دنیا میں مشنری کا جال پھیلائے ہوئے ہیں، وہ لوگوں کو لالچ دے کر عیسائی بناتے ہیں، پس اگر کوئی مسلمان ان کے فریب میں آ گیا، اور اس نے عیسائیت قبول کر لی تو وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکے گا، مرتد کی سزا اسلامی حکومت میں قتل ہے، اور آخرت میں جہنم کا جیل خانہ!

(۱) دونوں جگہ بہ: کا مرجع هُدَى: اللہ کی راہ نمائی ہے یعنی اسلام۔

﴿ وَ لَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی ـــــ اور یہودیت یا عیسائیت کو اختیار کرلیا ـــــ اُس علم کے بعد جو آپ کو پہنچ چکا ہے ـــــ قرآن وحدیث مراد ہیں جو تعلیماتِ اسلام پر مشتمل ہیں ـــــ تو اللہ کے بدل نہ کوئی آپ کا کارساز ہوگا نہ مددگار!

۱۶- یہود ونصاریٰ اگر کھلے ذہن سے اپنی کتابیں پڑھیں تو اسلام قبول کرلیں

اگر یہود ونصاریٰ کھلے ذہن سے، تعصب کی عینک اتار کر، تورات وانجیل پڑھیں، اور ساتھ ہی قرآنِ کریم کا مطالعہ کریں، مسلمانوں سے اسلامی معلومات حاصل کریں یا اسلامی کتابیں پڑھیں تو ضرور اسلام قبول کرلیں، ان کی کتابوں میں اسلام کی حقانیت کے دلائل اور نبی ﷺ کے اوصاف موجود ہیں، اور جب وہ اسلامی تعلیمات کے ساتھ اپنی تعلیمات کا موازنہ کریں گے تو اسلام کی خوبی ان کی سمجھ میں آجائے گی۔

اور واقعہ یہ ہے کہ یہود تو تعصب کا چشمہ چڑھا کر ہی تورات پڑھتے ہیں، اور قرآن میں کیڑے ڈھونڈھتے ہیں، اس لئے عام طور پر وہ ایمان سے محروم رہتے ہیں، مگر عیسائیوں کا معاملہ مختلف ہے، وہ کھلے ذہن سے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں، اور اسلامی کتابیں پڑھتے ہیں، پھر انجیل کی تعلیمات سے موازنہ کرتے ہیں، پس اسلام کی خوبی ان کی سمجھ میں آجاتی ہے، اور وہ مسلمان ہوجاتے ہیں، یورپ اور امریکہ میں اسلام قبول کرنے والے زیادہ تر عیسائی ہیں۔

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ﴾

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے آسمانی کتاب (تورات اور انجیل) عطا فرمائی ہے، جو اس کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح اس کو پڑھنے کا حق ہے: وہ اللہ کی راہ نمائی (اسلام) کو مان لیتے ہیں، اور جو اللہ کی راہ نمائی (اسلام) کو نہیں مانیں گے وہی لوگ گھاٹے میں رہنے والے ہیں!

فائدہ: ﴿ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ﴾: اس کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح اس کو پڑھنے کا حق ہے: اس میں عظیم فائدہ ہے، اللہ کی تمام کتابوں کا، خاص طور پر قرآنِ کریم کا مطالعہ خالی ذہن سے کرنا چاہئے، پہلے سے نظریہ قائم کرکے قرآن کو کھینچ تان کر اس کے مطابق نہیں کرنا چاہئے، یہی تفسیر بالرای ہے، جو حرام ہے، گمراہ فرقے اور متجددین اسی طرح قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں، اور ظاہر بات ہے عینک جس رنگ کی ہوگی چیزیں ویسی ہی نظر آئیں گی اور شیشہ سفید ہوگا تو چیزیں اصلی حالت میں نظر آئیں گی، یہ عظیم فائدہ ہے، اہل کتاب اپنی کتابوں کا مطالعہ تعصب کا چشمہ لگا کر کریں گے تو

وہ حق کی راہ نمائی قبول نہیں کریں گے، اور قرآن کا مطالعہ نظریہ قائم کر کے کیا جائے گا تو گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اے یعقوب کی اولاد	عَلَى الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں پر	وَّلَا يُقْبَلُ	اور نہیں قبول کیا جائیگا
اذْكُرُوْا	یاد کرو	وَاتَّقُوْا	اور ڈرو	مِنْهَا	اس کی طرف سے
نِعْمَتِيَ	میرا وہ انعام	يَوْمًا	اس دن سے	عَدْلٌ	کوئی بدلہ
الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ	جو کیا میں نے	لَّا تَجْزِيْ	نہیں کام آئے گا	وَّلَا تَنْفَعُهَا	اور نہیں کام آئیگی اسکے
عَلَيْكُمْ	تم پر	نَفْسٌ	کوئی شخص	شَفَاعَةٌ	کوئی سفارش
وَاَنِّيْ	اور یہ کہ میں نے	عَنْ نَّفْسٍ	دوسرے شخص کے	وَّلَا هُمْ	اور نہ وہ
فَضَّلْتُكُمْ	برتری بخشی تم کو	شَيْـًٔا	کچھ بھی	يُنْصَرُوْنَ	مدد کئے جائیں گے

بنی اسرائیل کے تفصیلی حالات جامع تمہید لوٹا کر پورے فرماتے ہیں

آیات ۴۷ و ۴۸ سے بنی اسرائیل کے احوال کا تفصیلی بیان شروع ہوا ہے، وہاں جو تمہید تھی اسی پر اختتام فرماتے ہیں، اس میں یہ سبق ہے کہ کسی چیز کا تفصیلی تذکرہ جامع تمہید سے شروع کرنا چاہئے، جیسے اصحابِ کہف کا تذکرہ جامع خلاصہ سے شروع کیا ہے، پھر اگر وہ مفصل تذکرہ تمہید لوٹا کر پورا کیا جائے تو لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

آیاتِ پاک: —— اے اولادِ یعقوب! میرے وہ احسانات یاد کرو جو میں نے تم پر کئے ہیں، اور (خاص طور پر) یہ انعام یاد رکھو کہ میں نے تم کو جہاں والوں پر برتری بخشی ہے —— یہ فضیلت اس وقت تک تھی جب تک وہ اپنے دین پر قائم تھے —— اور اس دن سے ڈرو جس میں کوئی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا —— قیامت کا دن مراد ہے —— اور نہ اس کی طرف سے کوئی بدلہ لیا جائے گا —— یعنی گناہ کا جرمانہ دے کر بھی سزا سے نہیں بچ سکے گا —— اور نہ اس کے لئے کوئی سفارش مفید ہوگی، اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے —— بلکہ وہ لامحالہ عذاب سے دوچار ہونگے!

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ

ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَا اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

وَاِذِ	اور (یاد کرو) جب	قَالَ	فرمایا	مُصَلًّى	نماز کی جگہ
ابْتَلٰٓى	آزمایا (امتحان کیا)	لَا يَنَالُ	نہیں پہنچے گا	وَعَهِدْنَآ	اور قول وقرار کیا ہم نے
اِبْرٰهٖمَ	ابراہیم کو (کا)	عَهْدِي	میرا پیمان	اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ	ابراہیم سے
رَبُّهٗ	ان کے رب نے	الظّٰلِمِيْنَ	نافرمانوں کو	وَاِسْمٰعِيْلَ	اور اساعیل سے
بِكَلِمٰتٍ	چند باتوں (احکام) سے	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	اَنْ طَهِّرَا	کہ پاک صاف رکھیں
فَاَتَمَّهُنَّ	پس پورا کیا اس نے ان کو	جَعَلْنَا	بنایا ہم نے		دونوں
قَالَ	فرمایا	الْبَيْتَ	بیت اللہ کو	بَيْتِيَ	میرے گھر کو
اِنِّيْ	بے شک میں	مَثَابَةً[2]	جمع ہونے کی جگہ	لِلطَّآئِفِيْنَ	طواف کرنے والوں کیلئے
جَاعِلُكَ[1]	بنانے والا ہوں آپ کو	لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	وَالْعٰكِفِيْنَ	اور اعتکاف کرنے والوں
لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	وَاَمْنًا	اور امن کی جگہ		کے لئے
اِمَامًا	پیشوا	وَاتَّخِذُوْا	اور بناؤ تم	وَالرُّكَّعِ[3]	اور رکوع کرنے والوں
قَالَ	عرض کیا	مِنْ مَّقَامِ	کھڑے ہونے کی جگہ کو		کے لئے
وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ	اور میری اولاد سے	اِبْرٰهٖمَ	ابراہیم کی	السُّجُوْدِ	سجدہ کرنے والوں کیلئے

بنی اسماعیل کا تذکرہ

بنی اسرائیل کے تذکرہ کے بعد اب بنی اسماعیل کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، اساعیل علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے تھے، اسحاق علیہ السلام ان سے چھوٹے تھے، جن کے صاحبزادے یعقوب علیہ السلام ہیں، ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے، پس بنی اسماعیل کا تذکرہ پہلے آنا چاہئے تھا، مگر بنی اسرائیل کو نبوت سے پہلے سرفراز کیا

(۱) جاعل: اسم فاعل: بناؤں گا (۲) مثابة: ظرف مکان: لوٹنے کی جگہ، ثاب (ن) ثَوْبًا: لوٹنا (۳) الرکع: الراکع کی جمع، السجود: الساجد کی جمع۔

ہے،اس لئے ان کا تذکرہ پہلے کیا،اور بنی اسماعیل کو آخر میں نبوت سے سرفراز کیا ہے اس لئے ان کا تذکرہ بعد میں کیا،

۱-ابراہیم علیہ السلام نے بنی اسماعیل کے لئے امامت (دینی پیشوائی) کی دعا کی جو قبول ہوئی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑے سخت حالات سے گذرنا پڑا ہے اوران کو بعض سخت احکام بھی دیئے گئے ہیں، مثلاً:

۱-وطن میں ظالم حکومت (نمرود کی حکومت) اور جاہل عوام کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، باپ بھی سخت دشمن ہو گیا، سب نے مل کر آپ کو دہکتی آگ میں ڈالا، مگر اللہ نے بچالیا!

۲-بالآخر تنگ آ کر وطن چھوڑا، مصر پہنچے، وہاں جابر بادشاہ نے آپ کے حرم پر ہاتھ ڈالنا چاہا مگر اللہ نے ان کی عصمت کی حفاظت کی۔

۳-آخر میں فلسطین میں جابسے، وہاں بڑی تمناؤں اور دعاؤں کے بعد صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، ابھی وہ شیر خوار تھے کہ وہ اوران کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت سارۃ رضی اللہ عنہا کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگے، چنانچہ ان کے مطالبہ پر ماں بیٹے کو ایک لق دق میدان میں چھوڑنا پڑا۔

۴-جب اسماعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہوئے تو ان کو قربان کرنے کا حکم ملا، جس کی ابراہیم علیہ السلام نے خوشی سے تعمیل کی، اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کو فدیہ دے کر بچالیا۔

۵-جب اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو کعبہ شریف کی تعمیر کا حکم ملا، باپ بیٹے نے بے سروسامانی کی حالت میں کعبہ شریف تعمیر کیا، باپ معمار تھا اور بیٹا مزدور!

۶-بڑی عمر میں ختنہ کا حکم ملا، اس کی بھی تعمیل کی، خود ہی اپنی ختنہ کی۔

ایسے ایسے کاموں سے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا، وہ امتحان میں کامیاب ہوئے تو صلہ ملا، وحی آئی کہ میں آپ کو تمام لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، چنانچہ آپ کے بعد نبی ﷺ تک تمام انبیاء ورسل آپ کے خاندان سے آئے، اور دنیا کے تینوں بڑے مذاہب (اسلام، عیسائیت اور یہودیت) آپ کی عظمت اور جلالتِ شان پر متفق ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا۔

جب یہ وحی آئی تو ابراہیم علیہ السلام نے موقع غنیمت جانا، اور دعا کی: الٰہی! یہ اعزاز میری کچھ اولاد کو بھی عطا فرمایا جائے، یہ دعا اسماعیل علیہ السلام کے حق میں قبول ہوئی، مگر ساتھ ہی بتلا دیا کہ آپ کی اولاد میں سے جو نافرمان ہیں ان کو یہ منصب حاصل نہیں ہوگا۔

اس کی نظیر: فقہ کی کتابوں میں ہے کہ شبِ معراج میں جب نبی ﷺ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے تو اس طرح

سلام عرض کیا: **التحیات للہ والصلوات والطیبات**: تمام قولی، فعلی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں! پس بارگاہِ خداوندی سے جواب آیا: **السلام علیک أیھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**، تو آپؐ نے موقع غنیمت جانا اور عرض کیا: **السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین**، یہ دعا قبول ہوئی، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب بندہ تشہد میں یہ کہتا ہے تو آسمان وزمین میں جو بھی نیک بندہ ہے اس کو سلام پہنچ جاتا ہے'' اسی طرح یہاں ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں استثناء فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ اصل دعا قبول فرمائی!

سوال: دعا میں تو لفظ ذریت ہے، جو عام ہے، بنی اسماعیل کے ساتھ خاص نہیں؟

جواب: بے شک عام ہے، مگر اس دعا کا تذکرہ اللہ پاک نے بنی اسماعیل کے تذکرہ میں کیا ہے، بنی اسرائیل کے تذکرہ میں نہیں کیا، یہ قرینہ ہے کہ یہ دعا خاص بنی اسماعیل کے حق میں قبول ہوئی ہے، چنانچہ خاتم النّبیین ﷺ کو ان کی اولاد میں مبعوث کیا، اور رہتی دنیا تک امامت کا تاج ان کی امت کو پہنایا۔

فائدہ: ﴿ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴾ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا: **ینال عھدی الصالحین**: فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا ہے، جیسے سورۃ احزاب (آیت ۷۲): ﴿ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴾ کا آدھا: **إنہ کان عدلاً علیماً**: محذوف ہے، اور سورۃ آلِ عمران (آیت ۲۶) ﴿ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ﴾ کے بعد والشر کو چھوڑ دیا ہے، سامع خود سمجھ لے گا کہ شر بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

﴿ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۲۴ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ابراہیمؑ کو ان کے پروردگار نے چند باتوں کے ذریعہ آزمایا، پس انھوں نے ان باتوں کو پورا کیا (تو) اللہ نے فرمایا: ''میں آپ کو تمام لوگوں کا پیشوا بناؤں گا!'' ابراہیمؑ نے عرض کیا: ''اور میری اولاد میں سے!'' اللہ نے فرمایا: ''میرے پیمان سے نافرمان لوگ استفادہ نہیں کریں گے!''

۲- بیت اللہ کی تولیت بنی اسماعیل کے سپرد ہوئی

بیت اللہ شریف انسانوں کے لئے پہلی عبادت گاہ ہے، وہ پہلی تجلی گاہِ ربانی ہے، وہ لوگوں کے لئے اسمبلی پوئنٹ (جمع ہونے کی جگہ) ہے، یہاں لوگ حج وعمرہ کے لئے ہر وقت آتے رہتے ہیں، وہ امن کی جگہ بھی ہے، اسی کی برکت سے اس کا صحن (حرم شریف) مامون ہے، جاہلیت میں بھی حرم میں کسی کو نہیں ستایا جاتا تھا، بیٹا: باپ کے قاتل سے ملتا تو کچھ تعرض نہ کرتا، اللہ کا یہ گھر بار بار تعمیر ہوا اور اجڑا، آخری مرتبہ اس کو حضرات ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کیا، اس کے بعد آج

تک نہیں اجڑا، عمارت کی تجدید ہوتی رہی مگر وہ ہمیشہ آباد رہا، وہاں مسلسل اللہ کی عبادت ہورہی ہے۔

پس موجودہ بیت اللہ کے پہلے معمار حضرت ابراہیم ہیں، وہاں ان کی ایک خاص یادگار آج بھی موجود ہے، اور وہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہوکر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو چنا، کہتے ہیں: جب کعبہ کی دیوار اتنی اونچی ہوگئی کہ پاڑ باندھنے کی ضرورت پیش آئی، اور اس کے لئے کوئی سامان نہیں تھا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ پتھر لائے، جس پر کھڑے ہوکر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ چنا، یہ پتھر خود بخود اوپر نیچے ہوتا تھا، اور روایت میں ہے کہ حجر اسود کی طرح یہ پتھر بھی جنت سے لایا گیا تھا۔

یہ پتھر پہلے کعبہ شریف کے اندر رکھا ہوا تھا، پھر زمانۂ جاہلیت میں اس کو باہر نکال کر کعبہ شریف سے چند گز کے فاصلہ پر رکھا گیا، اس وقت سے آج تک وہ پتھر وہیں رکھا ہوا ہے، اس کے پاس طواف کا دوگانہ پڑھنا مسنون ہے۔

الحاصل: جب خانۂ کعبہ کی تعمیر مکمل ہوئی تو اس کی تولیت بنی اسماعیل کے سپرد ہوئی، جو بہت بڑی فضیلت ہے، اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹے سے قول وقرار کیا کہ وہ اللہ کے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے، اعتکاف کرنے والوں کے لئے، اور نماز پڑھنے والوں کے لئے تیار رکھیں، مسجد کو صاف رکھنا متولی کی ذمہ داری ہے، چنانچہ جب سے یہ نئی تعمیر ہوئی ہے، آج تک اس کی تولیت بنو اسماعیل کے پاس ہے۔

﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝۱۲۵﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور امن کی جگہ بنایا، اور تم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ، اور ہم نے ابراہیم واسماعیل سے قول وقرار کیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے، اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو!

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَھْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۲۶

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	اِبْرٰھٖمُ	ابراہیم نے	اجْعَلْ	بنائیں
قَالَ	دعا کی	رَبِّ	اے میرے ربّ!	ھٰذَا	اس کو

بَلَدًا اٰمِنًا(۱)	امن والا شہر	بِاللّٰهِ	اللہ پر	قَلِيْلًا	تھوڑے دنوں
وَّارْزُقْ	اور روزی دیں	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن پر	ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ(۳)	پھر جبراً اسکو لے جاؤنگا
اَهْلَهٗ	اس کے لوگوں کو	قَالَ	فرمایا	اِلٰى عَذَابِ	عذاب کی طرف
مِنَ الثَّمَرٰتِ	پھلوں سے	وَمَنْ كَفَرَ	اور جس نے کفر کیا	النَّارِ	دوزخ کے
مَنْ اٰمَنَ	جو ایمان لایا	فَاُمَتِّعُهٗ(۲)	پس فائدہ پہنچاؤں گا	وَبِئْسَ	اور بری ہے (وہ)
مِنْهُمْ	ان میں سے		میں اس کو	الْمَصِيْرُ	رہنے کی جگہ

۳- ابراہیم علیہ السلام نے بنی اسماعیل کے لئے پُر امن شہر اور روزی کی دعا فرمائی

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام: حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کے لق دق میدان میں چھوڑ کر واپس لوٹے تو پہاڑ کی اوٹ میں جا کر دو دعائیں کیں: الٰہی! یہ ویران جگہ پُر امن شہر بنے، اور یہاں کے لوگوں کو پھلوں کی روزی ملے، دونوں دعائیں قبول ہوئیں، وہاں جُرہم قبیلہ آ کر بسا، اور رفتہ رفتہ وہاں شہر مکہ وجود میں آیا، اور طائف وغیرہ سے بکثرت پھل آنے لگے، کسی چیز کا ٹوٹا نہ رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں مسلمانوں کی تخصیص کی تھی، گذشتہ آیت میں آیا ہے کہ دینی امامت ظالموں کو نہیں ملے گی، اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے احتیاط برتی، مگر امامت اور دنیوی رزق کا معاملہ مختلف ہے، اللہ رحمان ہیں، دنیا میں ہر کسی کو روزی عنایت فرماتے ہیں، البتہ آخرت کے اعتبار سے رحیم ہیں، آخرت میں رحمت مؤمنین کے لئے خاص ہوگی، اس لئے وحی آئی کہ اس تخصیص کی ضرورت نہیں، دنیا میں چند دن روزی کافروں کو بھی ملے گی، البتہ آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے!

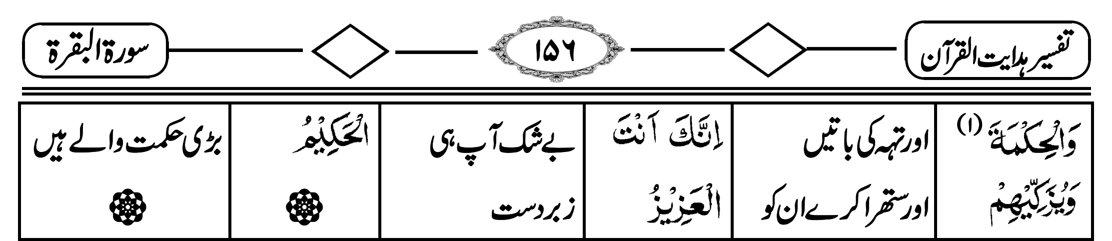
آیتِ پاک: اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے دعا کی: ''اے میرے پروردگار! اس جگہ کو امن والا شہر بنا، اور اس کے باشندوں کو پھلوں سے روزی عنایت فرما، جو ان میں سے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے'' —— اللہ نے فرمایا: ''جو میرا دین قبول نہیں کرے گا اس کو بھی تھوڑے دنوں تک فائدہ پہنچاؤں گا، پھر اس کو کشاں کشاں دوزخ کے عذاب میں پہنچاؤں گا، اور وہ بری رہنے کی جگہ ہے!

(۱) یہ دعا شہر بسنے سے پہلے کی ہے، اس لئے بلدًا: نکرہ ہے، اور سورۃ ابراہیم (آیت ۳۵) والی دعا شہر بسنے کے بعد کی ہے، اس لئے وہاں البلد معرفہ ہے (۲) اُمَتِّعُ: تمتیع سے مضارع، واحد متکلم: تھوڑا بہت فائدہ پہنچانا (۳) اَضْطَرُّ: اِضطرار سے مضارع، واحد متکلم: مجبور کرنا۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	وَاجْعَلْنَا	اور بنا ہمیں	التَّوَّابُ	بہت توجہ فرمانے والے
يَرْفَعُ	اٹھا رہے تھے	مُسْلِمَيْنِ (۲)	دونوں کو حکم بردار	الرَّحِيْمُ	بڑے رحم فرمانے
اِبْرٰهٖمُ	ابراہیم	لَكَ	اپنا		والے ہیں
الْقَوَاعِدَ (۱)	بنیادیں	وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ	اور ہماری اولاد سے	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!
مِنَ الْبَيْتِ	بیت اللہ کی	اُمَّةً	ایک جماعت	وَابْعَثْ	اور مبعوث فرما
وَاِسْمٰعِيْلُ	اور اسماعیل	مُّسْلِمَةً	حکم بردار	فِيْهِمْ	ان میں
رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!	لَّكَ	آپ کی	رَسُوْلًا (۴)	عظیم رسول
تَقَبَّلْ	قبول فرما	وَاَرِنَا	اور دکھا ہمیں	مِّنْهُمْ	ان میں سے
مِنَّا	ہماری طرف سے	مَنَاسِكَنَا (۳)	ہمارے حج کے احکام	يَتْلُوْا	(جو) پڑھے
اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی		اور مقامات	عَلَيْهِمْ	ان پر
السَّمِيْعُ	خوب سننے والے	وَتُبْ	اور توجہ فرما	اٰيٰتِكَ	آپ کی آیتیں
الْعَلِيْمُ	سب کچھ جاننے والے ہیں	عَلَيْنَا	ہم پر	وَيُعَلِّمُهُمُ	اور سکھلائے ان کو
رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی	الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب

(۱) القواعد: القاعدة کی جمع: بنیادیں، دیوار کا وہ ابتدائی حصہ جو سطح زمین سے شروع ہو کر کچھ اوپر آجاتا ہے، جس پر پوری عمارت قائم ہوتی ہے، وہ چیز جس پر کوئی چیز قائم ہو، بیت اللہ کی بنیادیں پہلے سے بھری ہوئی تھیں، ان پر عمارت اٹھائی گئی تھی (۲) مسلمین: تثنیہ، اسلام: سرافگندگی، انقیاد، حکم برداری (۳) مناسك: مَنْسَك کی جمع، اسم ظرف: حج اور اس کے مقامات (۴) رسولاً: تنوین تعظیم کے لئے ہے



وَالْحِكْمَةَ (۱)	اور تہہ کی باتیں	اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے ہیں
وَيُزَكِّيْهِمْ	اور ستھرا کرے ان کو	الْعَزِيْزُ	زبردست	۞	۞

۴۔تعمیرِ کعبہ کے وقت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے چار دعائیں کیں

کعبہ شریف حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا، اور آپ نے اس کا حج بھی کیا تھا، سورۃ آلِ عمران (آیت ۹۶) میں ہے: ''سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے مقرر کیا گیا وہ کعبہ شریف ہے'' انسانوں کی ابتدا آدم علیہ السلام سے ہوئی ہے، پھر کعبہ شریف حوادث کا شکار ہو گیا، اور اس کی عمارے باقی نہ رہی اور حج کا سلسلہ بھی رک گیا، مگر اس کی بنیادیں باقی تھیں، برساتی نالے نے اس پر مٹی چڑھادی تھی، اور وہاں ٹیلہ بن گیا تھا۔

پھر جب جُرہم قبیلہ وہاں آ کر آباد ہوا، اور اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے، تو ملک شام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعمیرِ کعبہ کا حکم ملا، وہ مکہ آئے، اور اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر بیت اللہ تعمیر کیا، روایات میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر بنیادوں کی نشاندہی کی، ٹیلہ ہٹایا گیا تو نیچے بھری ہوئی نیو نکلی، چنانچہ اس پر دیواریں اٹھائی گئیں، اس لئے فرمایا: ''وہ بیت اللہ کی دیواریں اٹھارہے تھے''

غرض: تعمیرِ کعبہ کے وقت دونوں حضرات نے چار دعائیں کیں:

(الف) **قبولیتِ خدمت کی دعا** —— انبیاء علیہم السلام کبھی اپنے کسی کارنامہ پر ناز نہیں کرتے، وہ ہمیشہ اللہ کے سامنے سرِ نیاز خم کئے رہتے ہیں، نبی ﷺ کی سواری فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئی تو آپ کا سر مبارک کجاوے سے لگا ہوا تھا، اور اترتے ہی شکرانہ کی آٹھ رکعتیں پڑھیں۔

پھر آخر دعا میں عرض کیا ہے کہ آپ سمیع و علیم ہیں، ہماری دعا سن رہے ہیں، اور ہمارے دلوں کی کیفیت جان رہے ہیں، ہم اخلاص سے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں، اور اخلاص کی آپ کے یہاں قدر ہے، اس لئے ہماری یہ دعا قبول فرما!

(ب) **اپنی اور اپنی اولاد کی اطاعت وفرمان برداری کی دعا** —— نیک بندے ہمیشہ اپنی اولاد کے دین کی فکر کرتے ہیں، اولاد ایماندار ہوگی تو ہی جنت میں ساتھ ہوگی، اس لئے اپنے ساتھ اپنی ذریت کے لئے بھی دعا کی ہے کہ ان کو بھی اپنا فرمان بردار بنا۔

سوال: حضرات ابراہیم واسماعیل علیہما السلام انبیاء تھے، اور پہلے سے پیکرِ طاعت تھے، پھر انھوں نے یہ دعا کیوں کی کہ ہمیں اپنا فرمان بردار بنا!

---

(۱) حکمت: تہہ کی بات، دانشمندی کی بات، گُر کی بات، مراد احادیث شریفہ ہیں۔

جواب: یہ دعا ایسی ہے جیسے نماز میں دعا کرتے ہیں: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾: (الٰہی!) ہمیں سیدھا راستہ دکھا، جبکہ وہ سیدھا راستہ دیکھے ہوئے ہیں، جبھی سر عبودیت خم کئے ہوئے ہیں، پس یہ استقامت کی دعا ہے، اسی طرح مذکورہ دعا مداومت کی دعا ہے۔

فائدہ: ذریت کے عموم میں نبی ﷺ کی پہلی امت پھر ساری امت شامل ہے، سورۃ الحج کی آخری آیت میں ہے: ﴿ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ ﴾: ابراہیم علیہ السلام قبل ازیں تمہارا نام امت مسلمہ رکھ چکے ہیں، اس آیت میں مذکورہ دعا کی طرف اشارہ ہے۔

(ج) حج کے مقامات بتانے کی اوراس کے احکام سکھانے کی دعا —— کعبہ شریف کی تعمیر حج کے لئے ہوئی ہے، چنانچہ تعمیر سے فارغ ہوتے ہی حکم ملا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کریں، سورۃ الحج (۲۷) میں اس کا ذکر ہے، چنانچہ حج کی عبادت شروع ہوگئی، جو آج تک چل رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قائم ودائم رکھے!

اوراس دعا کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تواب ورحیم ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ حج کی عبادت مغفرت کا ذریعہ ہے، حدیث ہے: **الحج يهدم ما كان قبله**: حج سابقہ گناہوں کو ڈھادیتا ہے، اورحدیث میں ہے کہ جس نے حج کیا، اور رفث وفسوق وجدال نہیں کیا تو وہ ایسا گناہوں سے پاک صاف ہوکر لوٹتا ہے جیسا وہ بوقت ولادت تھا۔

البتہ توبہ شرط ہے، اور توبہ قولی بھی ہوتی ہے اور فعلی بھی، فعلی توبہ یہ ہے کہ زندگی کا ورق پلٹ دے، بری زندگی لے کر گیا تھا، اچھی زندگی لے کر لوٹے، تو یہ دلیل ہوگی کہ گناہ دھل گئے۔

(د) خاتم النّبیین ﷺ کی بعثت کی دعا —— نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا کا ظہور ہوں'' یعنی ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی یہ دعا نبی ﷺ کے لئے تھی —— پھر آپ نے نبی ﷺ کی بعثت کے چار مقاصد بیان کئے:

(الف) وہ لوگوں کو اللہ کی کتاب پڑھ کر سنائے —— چنانچہ نبی ﷺ لوگوں کو نمازوں میں، نزولِ وحی کے ساتھ، اور مسلموں اور غیر مسلموں کے اجتماعات میں قرآن سناتے تھے، اور وہ چونکہ اہل لسان تھے، اس لئے قرآن کی دعوت سمجھتے تھے۔

(ب) لوگوں کو قرآن سکھائے: —— قرآن کی بعض باتیں اہل لسان بھی نہیں سمجھ سکتے، جیسے قرآن میں نماز کا حکم ہے، مگر نماز کیا ہے؟ یہ قرآن میں نہیں، البتہ قرآن میں ارکانِ نماز کو متفرق جگہ بیان کیا ہے، نبی ﷺ نے ان کو جمع کرکے نماز کی ہیئتِ ترکیبی بنائی، اور پڑھ کر دکھائی، یہ قرآن کی تعلیم ہے۔

(ج) حکمت سکھائے: حکمت کے معنی ہیں: تہہ کی باتیں، قرآنِ کریم میں کچھ گہری باتیں ہیں، جو آیات کی تہہ میں

ہیں، ان کو سکھانا بھی نبی ﷺ کی ذمہ داری تھی، مثلاً: قرآن میں رضاعت کے تعلق سے دو رشتوں کی حرمت کا بیان ہے، ایک: رضاعی ماں کا، دوسری: رضاعی بہن کا، جبکہ رضاعت سے وہ ساتوں رشتے حرام ہوتے ہیں جو ناتے (نسب) سے حرام ہوتے ہیں، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: **يَحْرُم من الرَّضاعة ما يحرم من الولادة** (رواہ البخاری) معلوم ہوا کہ قرآن میں دو رشتوں کا ذکر بطور مثال ہے، یہ حکمت کی تعلیم ہے۔

(د) تزکیہ کرے، ظاہر و باطن کو صاف کرے: ـــــ اسلام میں ظاہری پاکی کی بھی اہمیت ہے، فرمایا: **الطهور شطر الإيمان**: پاکی آدھا ایمان ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے وضوء غسل اور پانی کی پاکی ناپاکی کے مسائل تفصیل سے بیان فرمائے ـــــ اور جس طرح آدمی کا ظاہر صاف اور ناصاف ہوتا ہے باطن بھی صاف اور ناصاف ہوتا ہے، باطن کی پاکی اخلاقِ حسنہ ہیں اور ناپاکی اخلاقِ سیئہ، پس اللہ کے رسول کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ امت کو سنوارے، برے اخلاق سے پاک کرے اور عمدہ اخلاق سے آراستہ کرے، فرمایا: **بُعثتُ لأتمم مكارم الأخلاق**: میری بعثت اس لئے ہے کہ میں تمام اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دیدوں، اسی کو قرآن کی اصطلاح میں تزکیہ کہتے ہیں۔

پھر آخر آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زبردست اور حکیم ہیں، وہ چاہیں تو بنی اسرائیل میں خاتم النّبیین ﷺ کو مبعوث فرمائیں اور چاہیں تو بنی اسماعیل میں، البتہ وہ حکیم بھی ہیں، ان کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ خاتم النّبیین ﷺ کو بنی اسماعیل میں مبعوث فرمائیں۔

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بعثتِ نبوی کے جو چار مقاصد بیان کئے ہیں وہ اللہ پاک نے سورۃ آلِ عمران (آیت ۱۶۴) اور سورۃ الجمعہ (آیت ۲) میں بھی بیان فرمائے ہیں، وہاں بھی ان مقاصد کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

آیاتِ پاک: ـــــ اور (یاد کرو) جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے ـــــ یعنی بھری ہوئی نیو پر دیوار چن رہے تھے ـــــ اور اسماعیل (بھی اور اس وقت دونوں دعا کر رہے تھے:)

۱- اے ہمارے رب! ہماری طرف سے (یہ خدمت) قبول فرما! بے شک آپ ہی خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں!

۲- اے ہمارے رب! اور ہمیں اپنا فرمان بردار بندہ بنا، اور ہماری اولاد میں سے (بھی) اپنی ایک فرمان بردار جماعت بنا!

۳- اور ہمیں ہمارے مناسک (حج کے مقامات بتا اور احکام) سکھا، بے شک آپ ہی بڑے توجہ فرمانے والے، بڑے مہربان ہیں۔

۴-اے ہمارے رب! اوران میں انہیں میں سے ایک عظیم رسول مبعوث فرما: (الف) جوان کو آپ کی آیتیں پڑھ کر سنائے (ب) اوران کو کتاب اللہ کی تعلیم دے (ج) اور حکمت کی باتیں سکھائے (د) اوران کو ستھرا کرے —— بے شک آپ ہی زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

وَمَنْ(۱)	اور نہیں	فِى الدُّنْيَا	دنیا میں	اَسْلَمْتُ	مسلمان (منقاد) ہوا میں
يَّرْغَبُ	اعراض کرتا	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ	لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	جہاں کے رب کیلئے
عَنْ مِّلَّةِ	مذہب سے	فِى الْاٰخِرَةِ	آخرت میں	وَوَصّٰى بِهَاۤ	اور وصیت کی اس
اِبْرٰهٖمَ	ابراہیم کے	لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ	یقیناً نیکوں میں سے ہے		(ملت) کی
اِلَّا مَنْ	مگر جس نے	اِذْ	(یادکرو) جب	اِبْرٰهٖمُ	ابراہیم نے
سَفِهَ(۲)	نادان ٹھہرایا	قَالَ لَهٗ	فرمایا اس سے	بَنِيْهِ	اپنے بیٹوں کو
نَفْسَهٗ	اپنے آپ کو	رَبُّهٗۤ	اس کے رب نے	وَيَعْقُوْبُ	اور یعقوب نے
وَلَقَدِ	اور البتہ تحقیق	اَسْلِمْ	مسلمان (منقاد) ہو	يٰبَنِىَّ	اے میرے بیٹو!
اصْطَفَيْنٰهُ	برگزیدہ کیا ہم نے اس کو	قَالَ	جواب دیا اس نے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ نے

(۱) مَن: برائے استفہام انکاری ہے، اس لئے 'نہیں' ترجمہ کیا ہے (۲) سَفِهَ نَفْسَه: بے وقوفی اور نادانی کا مرتکب ہونا، ذرا بھی عقل نہ ہونا۔

اصْطَفٰى	منتخب کیا ہے	لِبَنِیْهِ	اپنے بیٹوں سے	وَنَحْنُ لَهٗ	اور ہم اس کے لئے ہونگے
لَكُمُ	تمہارے لئے	مَا تَعْبُدُوْنَ	کس کی عبادت کروگے تم	مُسْلِمُوْنَ	مسلمان
الدِّیْنَ	ایک مذہب	مِنْۢ بَعْدِیْ	میرے بعد؟	تِلْكَ	وہ
فَلَا تَمُوْتُنَّ	پس ہرگز نہ مرنا تم	قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے	اُمَّةٌ	ایک جماعت تھی
اِلَّا وَاَنْتُمْ	مگر درانحالیکہ تم	نَعْبُدُ	عبادت کریں گے ہم	قَدْ خَلَتْ	تحقیق گذر چکی
مُّسْلِمُوْنَ	مسلمان ہوؤ	اِلٰهَكَ	آپ کے معبود کی	لَهَا مَا	اس کے لئے ہے جو
اَمْ كُنْتُمْ	کیا تھے تم	وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ	اور آپ کے اسلاف	كَسَبَتْ	کمایا اس نے
شُهَدَآءَ	موجود		کے معبود کی	وَلَكُمْ مَّا	اور تمہارے لئے ہے جو
اِذْ حَضَرَ	جب قریب آئی	اِبْرٰهٖمَ	ابراہیم	كَسَبْتُمْ	کمایا تم نے
یَعْقُوْبَ	یعقوب کے	وَاِسْمٰعِیْلَ	اور اسماعیل	وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ	اور نہیں پوچھے جاؤگے تم
الْمَوْتُ	موت	وَاِسْحٰقَ	اور اسحاق کی	عَمَّا كَانُوْا	ان کاموں سے جو وہ تھے
اِذْ قَالَ	جب پوچھا اس نے	اِلٰهًا وَّاحِدًا (۱)	ایک معبود کی	یَعْمَلُوْنَ	کرتے

۵- عظیم رسول کا مذہب اسلام ہے، وہی ابراہیمؑ اور ان کے دونوں صاحبزادوں کا مذہب تھا، اس کو اختیار کرو، اسی میں نجات ہے

جاننا چاہئے کہ صحیح یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چلی ہے، اور موجودہ یہودیت: معلوم نہیں کب بگڑی ہے؟ یہی حال عیسائیت کا ہے، صحیح عیسائیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چلی ہے، اور آج کی عیسائیت بعد میں لوگوں نے بگاڑی ہے، اور موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کا زمانہ یعقوب علیہ السلام کے بہت بعد ہے، اور بنی اسرائیل (یہود ونصاری) یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا نام ہے، پس یعقوب علیہ السلام اور ان کے اسلاف کا مذہب یہودیت ونصرانیت نہیں تھا، ان کا مذہب اسلام تھا، یہی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے دونوں صاحبزادوں کا مذہب تھا، اسی مذہب کو عظیم الشان رسول ﷺ پیش کررہے ہیں، جن کی بعثت کے لئے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے بنائے کعبہ کے وقت دعا کی ہے، لہٰذا ان کے مذہب کو اختیار کرو، اسی میں نجات ہے، تمہارے اسلاف کے اعمال سے تمہاری نجات نہیں ہوگی!

یہ آیات کا خلاصہ ہے، اب جاننا چاہئے کہ ان آیات میں بالترتیب پانچ باتیں ہیں:

(۱) إلٰها واحدًا: إلٰهك سے بدل ہے۔

۱- حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب سے جو روگردانی کرتا ہے وہ اپنی عقل کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑتا ہے —— ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل (یہود ونصاریٰ) کے جدامجد ہیں، عظیم پیغمبر ہیں، دنیا میں بھی اللہ نے ان کو مقتدی بنایا ہے اور آخرت میں بھی وہ سرفراز ہونگے، ایسے پیغمبر کے مذہب سے جو منہ موڑتا ہے وہ پرلے درجہ کا نادان ہے، اس کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔

﴿ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ﴾

ترجمہ: اور ابراہیمؑ کے مذہب سے وہی شخص اعراض کرتا ہے جس میں ذرا بھی عقل نہیں، اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس کو دنیا میں برگزیدہ کیا، اور وہ آخرت میں بالیقین نیکوں کے زمرہ میں ہے!

۲- ابراہیم علیہ السلام کا مذہب اسلام تھا —— حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ اللہ کے دین کے سامنے سرافگندہ رہے، اسی کا نام اسلام ہے۔ مسلمان میں الف نون زائد تان ہیں، اور مسلم کے معنی ہیں: سرافگندہ، مطیع وفرمان بردار، جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے دین کو قبول کرے وہ مسلمان ہے، اور دین ہمیشہ اللہ کے یہاں سے اسلام ہی آیا ہے: ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾: بے شک دین اللہ کے پاس اسلام ہی ہے [آل عمران ۱۹] دیگر ادیان لوگوں کے بگاڑے ہوئے یا خودساختہ ہیں۔

﴿ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ ﴾

ترجمہ: (یاد کرو) جب اس کو اس کے رب نے حکم دیا کہ مسلمان (منقاد) ہو! (توفی الفور) اس نے جواب دیا: میں جہانوں کے پالنہار کا حکم بردار ہوں! —— یعنی مسلمان ہوں، اور یہ انقیاد کی تعبیر ہے کہ ہمیشہ سے تابع فرمان ہوں، پس یہاں یہ سوال فضول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کب مسلمان ہوئے؟ اور اس سے پہلے کیا تھے؟ انبیاء پر بددینی (کفروشرک) کا ایک لمحہ بھی نہیں گذرتا!

۳- ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو اسلام ہی پر جینے مرنے کی وصیت کی ہے —— ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی جس چیز کو اپنے لئے پسند کرے اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرے: **لایؤمن أحدُکم حتی یحبَّ لأخیه ما یحبُّ لنفسه** (متفق علیہ) اور اولاد تو بھائی سے بھی قریب ہے، اس لئے دونوں بزرگوں نے اپنی اولاد کو اسلام کی رسّی مضبوط پکڑے رہنے کی وصیت کی تھی۔

﴿ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ﴾

ترجمہ: اور اسی مذہب کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوب نے بھی: اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمہارے لئے ایک دین (اسلام) منتخب کیا ہے، پس تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان ہونے کی حالت میں!

۴- یہود و نصاریٰ غلط کہتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہودیت یا نصرانیت کی وصیت کی تھی، نہیں، بلکہ انھوں نے مسلمان رہنے کی وصیت کی تھی ــــــ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ سے پوچھتے ہیں: کیا تم یعقوبؑ کی وفات کے وقت موجود تھے، جب انھوں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی؟ نہیں تھے! پھر تم یہ بات کیسے کہتے ہو؟ محض سنی سنائی اُڑا رہے ہو یا گھڑ کر چلا رہے ہو! ــــــ دیکھو! اللہ پاک اس وقت موجود تھے، وہ بتا رہے ہیں کہ جب یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آیا، تو انھوں نے سب بیٹوں کو بلایا، اور پوچھا: میرے بچو! میرے بعد تمہارا مذہب کیا رہے گا؟ سب نے کہا: اسلام ہمارا مذہب ہوگا جو آپ کا اور آپ کے جد امجد ابراہیم کا اور ان کے دونوں صاحبزادوں اسماعیل و اسحاق کا مذہب ہے، جس میں ایک اللہ کی عبادت کی جاتی ہے، اور ہم مسلمان مریں گے!

﴿ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنۢ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَـٰهَكَ وَإِلَـٰهَ آبَآئِكَ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ وَإِسْحَـٰقَ إِلَـٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُۥ مُسْلِمُونَ ﴾

ترجمہ: کیا تم موجود تھے جب موت یعقوبؑ کے قریب آئی، جب اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا: ''میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ہم آپ کے اور آپ کے اسلاف ابراہیم و اسماعیل و اسحاق کے ایک معبود کی عبادت کریں گے، اور ہم اس کے لئے فرماں بردار رہیں گے!''

سوال: یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادوں نے 'آباء' میں اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کیا ہے، جبکہ وہ یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے، باپ یا دادا نہیں تھے، نیز ان کا ذکر اسحاق علیہ السلام سے پہلے کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: آباء بمعنی اسلاف ہے، اور چچا بمنزلۂ باپ ہوتا ہے، حدیث میں ہے: عَمُّ الرجلِ صِنْوُ أَبِيْه: چچا اور باپ ایک جڑ سے نکلنے والے دو درخت ہیں، اور اسماعیل علیہ السلام: اسحاق علیہ السلام سے چودہ سال بڑے ہیں، اور بڑے کا حق بڑا ہے، اس لئے ان کا تذکرہ پہلے کیا ہے، اور دونوں صاحبزادوں کے تذکرہ میں اشارہ ہے کہ دونوں خانوادوں کا مذہب اسلام تھا، بعد میں بنی اسرائیل نے اپنی راہ الگ کر لی، اور بنی اسماعیل اپنی راہ پر رہے۔

۵- اسلاف کے مذہب کے صحیح ہونے سے گمراہ اخلاف کی بخشش نہیں ہوسکتی ــــــ یہود و نصاریٰ کا گمان ہے کہ چونکہ ان کے اسلاف جلیل القدر انبیاء ہیں، اس لئے وہ سفارش کر کے ان کو بخشوالیں گے، ان کا یہ خیال غلط ہے، قیامت کے دن نہ تو کسی کی نیکیاں کسی کو ملیں گی نہ کسی کا گناہ کسی پر ڈالا جائے گا، اسلاف کی نیکیاں اسلاف کے لئے

ہیں اور اخلاف کی اخلاف کے لئے، اسی طرح اسلاف کے گناہ ان کے ذمہ ہونگے، اخلاف سے ان کے بارے میں سوال نہیں ہوگا، یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے کہ اخلاف کے گناہوں کی ذمہ داری انہی پر ہوگی، اسلاف ان کو نہیں ڈھوئیں گے، قرآنِ کریم میں چار پانچ جگہ ہے: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾: کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا [الانعام ۱۶۴]

فائدہ: اسلاف کی نیکیوں سے اخلاف کو فائدہ پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ مؤمن ہوں، گمراہوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور گناہ تو کسی کے کوئی نہیں ڈھوئے گا، یہ قاعدہ مؤمنین وکفار سب کے لئے عام ہے، رہی سفارش تو وہ دوسرا مسئلہ ہے۔

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

ترجمہ: وہ (اسلاف) ایک جماعت ہے جو گذر چکی، اس کے لئے مفید وہ (نیک عمل) ہے جو اس نے کیا، اور تمہارے لئے مفید وہ (نیک عمل) ہے جو تم نے کیا، اور تم سے ان کاموں (گناہوں) کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے —— یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے: اور جو گناہ تم کر رہے ہو اس کے وہ (اسلاف) ذمہ دار نہیں، تمہیں خود ان کی جواب دہی کرنی ہوگی!

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ڮ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ قُلْ اَتُحَاۗجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَھُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ تِلْكَ

اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ ع

وَقَالُوْا	اور انھوں نے کہا	وَاِسْمٰعِيْلَ	اور اسماعیل	فَقَدِ اهْتَدَوْا	تو یقیناً راہ پالی انھوں نے
كُوْنُوْا	ہو جاؤ	وَاِسْحٰقَ	اور اسحاق	وَاِنْ تَوَلَّوْا	اور اگر روگردانی کریں وہ
هُوْدًا	یہودی	وَيَعْقُوْبَ	اور یعقوب	فَاِنَّمَا هُمْ	تو اس کے سوا نہیں کہ وہ
اَوْ نَصٰرٰى	یا عیسائی	وَالْاَسْبَاطِ(۴)	اور نبیروں پر	فِيْ شِقَاقٍ(۵)	ضد میں ہیں
تَهْتَدُوْا(۱)	راہ پالو گے تم	وَمَآ اُوْتِيَ	اور اس پر جو دیئے گئے	فَسَيَكْفِيْكَهُمُ(۶)	پس اب نمٹ لیں گے
قُلْ	کہو	مُوْسٰى وَعِيْسٰى	موسیٰ اور عیسیٰ		آپ کی طرف سے ان سے
بَلْ مِلَّةَ	بلکہ مذہب	وَمَآ اُوْتِيَ	اور اس پر جو دیئے گئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اِبْرٰهٖمَ	ابراہیم کا	النَّبِيُّوْنَ	انبیاء	وَهُوَ السَّمِيْعُ	اور وہ خوب سننے والے
حَنِيْفًا(۲)	یکسو ہونے والا	مِنْ رَّبِّهِمْ	ان کے رب کی طرف سے	الْعَلِيْمُ	ہر بات جاننے والے ہیں
وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا وہ	لَا نُفَرِّقُ	نہیں تفریق کرتے ہم	صِبْغَةَ اللّٰهِ(۷)	اللہ کا رنگنا!
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں میں سے	بَيْنَ اَحَدٍ	کسی کے درمیان	وَمَنْ اَحْسَنُ	اور کون اچھا ہے
قُوْلُوْٓا	کہو تم	مِّنْهُمْ	ان میں سے	مِنَ اللّٰهِ	اللہ سے
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ	ایمان لائے ہم اللہ پر	وَنَحْنُ لَهٗ	اور ہم اس کے	صِبْغَةً	رنگنے میں؟
وَمَآ اُنْزِلَ(۳)	اور اس پر جو اتارا گیا	مُسْلِمُوْنَ	منقاد ہیں	وَّنَحْنُ لَهٗ	اور ہم اسی کی
اِلَيْنَا	ہماری طرف	فَاِنْ اٰمَنُوْا	پس اگر ایمان لائیں وہ	عٰبِدُوْنَ	عبادت کرنے والے ہیں
وَمَآ اُنْزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا	بِمِثْلِ مَآ	اس طرح جس طرح	قُلْ	کہو
اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ	ابراہیم پر	اٰمَنْتُمْ بِهٖ	ایمان لائے ہو تم اس پر	اَتُحَآجُّوْنَنَا	کیا بحث کرتے ہو ہم سے

(۱) تهتدوا: جوابِ امر ہے (۲) حنيفا: ابراهيم کا حال ہے، حنيف: تمام باطل ادیان سے یکسو ہوکر دین حق کی طرف مائل ہونے والا، حَنَفَ (ض) حَنْفًا عن الشيئ: ایک طرف کو جھکنا (۳) وما: اللّٰہ پر عطف ہے (۴) سِبْط: پوتے نواسے، نبیرہ۔ (۵) شقاق: ضد، شدید اختلاف......اور بمثل میں مثل: تحسین کلام کے لئے زائد ہے (۶) اس میں مفعول کی دو ضمیریں ہیں: کاف اور هم، كفى يكفي: کافی ہونا (۷) صِبْغَة الله: فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، جس کا حذف واجب ہے أى صَبَغَنَا اللّٰهُ صِبْغَةً......اور صبغةً تمیز ہے

فِي اللّٰهِ[1]	اللہ (کی رحمت) میں	وَيَعْقُوْبَ	اور یعقوب	عَمَّا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم
وَهُوَ رَبُّنَا	درانحالیکہ وہ ہمارا رب ہے	وَالْاَسْبَاطَ	اور پوتے نواسے		کرتے ہو
وَرَبُّكُمْ	اور تمہارا رب ہے	كَانُوْا هُوْدًا	تھے وہ یہودی	تِلْكَ اُمَّةٌ	وہ ایک جماعت ہے
وَلَنَآ اَعْمَالُنَا	اور ہمارے لئے ہمارے	اَوْ نَصٰرٰى	یا عیسائی	قَدْ	تحقیق
	کام ہیں	قُلْ	کہو	خَلَتْ	گذر گئی
وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے	ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ	تم زیادہ جانتے ہو	لَهَا مَا	اس کے لئے ہے جو
اَعْمَالُكُمْ	تمہارے کام ہیں	اَمِ اللّٰهُ	یا اللہ تعالیٰ	كَسَبَتْ	کمایا اس نے
وَنَحْنُ لَهٗ	اور ہم اسی کے لئے	وَمَنْ اَظْلَمُ	اور کون بڑا ظالم ہے	وَلَكُمْ مَّا	اور تمہارے لئے ہے جو
مُخْلِصُوْنَ	اخلاص سے کام کرنے	مِمَّنْ كَتَمَ	اس سے جس نے چھپائی	كَسَبْتُمْ	کمایا تم نے
	والے ہیں	شَهَادَةً	اللہ کی گواہی	وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ	اور نہیں پوچھے جاؤ گے تم
اَمْ تَقُوْلُوْنَ	کیا کہتے ہو تم	عِنْدَهٗ[2]	اس کے پاس	عَمَّا كَانُوْا	ان گناہوں کے بارے
اِنَّ اِبْرٰهٖمَ	بے شک ابراہیم	مِنَ اللّٰهِ[3]	اللہ کی طرف سے		میں جو تھے
وَاِسْمٰعِيْلَ	اور اسماعیل	وَمَا اللّٰهُ	اور نہیں ہیں اللہ	يَعْمَلُوْنَ	وہ کرتے
وَاِسْحٰقَ	اور اسحاق	بِغَافِلٍ	بے خبر	۞	۞

یہود ونصاریٰ مسلمان ہونے کے بجائے مسلمانوں کو اپنی طرف بلاتے ہیں!

یہود ونصاریٰ اپنے مذاہب کو برحق سمجھتے ہیں، اس لئے مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں: یہودی کہتے ہیں: ہمارا دین اختیار کرلو، یہی ہدایت کا راستہ ہے، یہی بات عیسائی بھی کہتے ہیں۔

قرآن کہتا ہے: ہدایت کا راستہ ابراہیم کا راستہ ہے، ابراہیم تمام باطل ادیان سے یکسو ہوکر اللہ کے دین کی طرف مائل تھے، لہٰذا ان کا دین اختیار کرو، وہی ہدایت کا راستہ ہے، اور ان کی ملت پر اب نبی آخر الزماں ﷺ مبعوث ہوئے ہیں، لہٰذا مسلمان ہوجاؤ، یہی برحق دین ہے، تمہارے ادیان ابراہیم کی ملت نہیں، اور مشرکین کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ہم ملتِ ابراہیم پر ہیں، ابراہیم مشرک کہاں تھے! وہ تو موحد ایک اللہ کے پرستار تھے۔

(۱) في الله: مضاف محذوف ہے یعنی اللہ کی رحمت کے بارے میں۔ (۲) عنده: اللہ کی پہلی صفت ہے (۳) من الله: اللہ کی دوسری صفت ہے۔

﴿ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے کہا: یہودیت اختیار کرلو یا عیسائیت راہ راست پالوگے! ـــــ بلکہ یکسو ہونے والے ابراہیم کی ملت (اختیار کرو وہی راہِ راست ہے) اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

ملتِ ابراہیم پر ایمان لانے کے لئے تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے

تمام انبیاء علیہم السلام اللہ کے نمائندے ہیں، سب پر اللہ کی طرف سے وحی آتی تھی، کتابیں بھی اللہ نے نازل فرمائی ہیں، پس مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ انبیاء کی وحی پر اور رسولوں کی کتابوں پر بلا تفریق ایمان لائے، رہا عمل کا معاملہ تو وہ ناسخ شریعت پر ہوگا، منسوخ شریعتوں پر عمل نہیں ہوگا، جیسے پارلیمنٹ وقتاً فوقتاً قانون بدلتی ہے، پس عمل آخری قانون پر ہوتا ہے، سابقہ قوانین پر نہیں ہوتا، اگرچہ وہ بھی برحق قوانین تھے۔

﴿ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾

ترجمہ: کہو: ہم ایمان لائے اللہ پر، اور اس کتاب پر جو ہماری طرف اتاری گئی، اور ان وحیوں پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے نبیروں پر ـــــ یعنی انبیائے بنی اسرائیل پر ـــــ اتاری گئیں، اور ان کتابوں پر جو موسیٰ اور عیسیٰ دیئے گئے، اور ان کتابوں پر جو دیگر انبیاء ان کے پروردگار کی طرف سے دیئے گئے، ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے، اور ہم اللہ کے احکام کے پابند ہیں!

اگر یہود ونصاریٰ تمہاری طرح ایمان نہ لائیں تو ان کے شر کا خوف مت کھاؤ

ایمان وہی معتبر ہے جس کا ذکر ابھی آیا، اگر یہود ونصاریٰ اس طرح ایمان لاتے ہیں تو وہ مسلمان ہیں، اور تمہارے بھائی ہیں، ورنہ وہ تمہارے کٹر دشمن ہیں، مگر تم ان کی دشمنی کا خوف مت کرو، اللہ ان کے شر سے تمہاری حفاظت کریں گے، وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، اللہ تعالیٰ سب کچھ سن رہے ہیں، سب احوال سے باخبر ہیں۔

﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾

ترجمہ: پس اگر وہ اُس طرح ایمان لائیں جس طرح تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو یقیناً انھوں نے راہِ راست پالی، اور

اگر وہ روگردانی کریں تو وہی لوگ ضد میں ہیں —— اور تم حق پر ہو —— پس اب اللہ آپ کی طرف سے ان سے نمٹ لیں گے، اور وہ خوب سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں!

اللہ کے دین کا رنگ سب سے اچھا رنگ ہے!

عیسائی شیخی بگارتے ہیں، کہتے ہیں: ہمارے پاس ایک زرد پانی ہے، جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے یا کوئی ہمارے دین میں داخل ہوتا ہے تو ہم اس کو اس پانی میں غوطہ دیتے ہیں، جس سے وہ گناہوں سے پاک اور پکا نصرانی بن جاتا ہے، مسلمانوں کے پاس ایسا پانی نہیں!

اللہ پاک فرماتے ہیں: یہ محض رسم ہے، اس سے کیا ہوتا ہے؟ حقیقی رنگ اللہ کے دین کا رنگ ہے، اسے اپنے اوپر چڑھاؤ، اور صرف اللہ کی بندگی کرو، یہی کامیابی کا راستہ ہے، باقی سب رنگ بے کار ہیں۔

﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴾

ترجمہ: اللہ کا رنگنا! اور اللہ سے اچھا رنگنے والا کون ہے؟ اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے ہیں!

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں: ہم ہی اللہ کی رحمت کے حقدار ہیں

یہود و نصاریٰ: مسلمانوں سے جھگڑا کرتے ہیں، کہتے ہیں: ہم ہی اللہ کی رحمت کے حقدار ہیں، کیونکہ ہم ہی اللہ کے دین پر ہیں، مسلمانوں کا اللہ کی رحمت میں کوئی حصہ نہیں، ان کا دین اللہ کا دین نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان سے کہو: اللہ جیسا تمہارا رب ہے ہمارا بھی رب ہے، ایک وقت میں اللہ نے تم کو اپنا دین دیا، اب ہم کو دیا ہے، اور ہم جو اعمال کرتے ہیں خالص اللہ کے لئے کرتے ہیں، اور تم پرانی لکیر پیٹ رہے ہو، پھر کیا وجہ ہے کہ تمہارے اعمال تو مقبول ہوں اور ہمارے اعمال مقبول نہ ہوں؟

﴿ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴾

ترجمہ: کہو: کیا تم ہم سے اللہ (کی رحمت) کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ درانحالیکہ وہ ہمارا اور تمہارا رب ہے، اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں، اور ہم خالص اسی کے لئے کام کرتے ہیں!

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں: ہمارے اسلاف یہودی یا عیسائی تھے

وہی مرغ کی ایک ٹانگ! یہود کہتے ہیں: ہمارے اسلاف یہودی تھے، یہی بات عیسائی بھی کہتے ہیں، اللہ پاک فرماتے ہیں: ان سے پوچھو! تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ پاک؟ اللہ پاک تو فرماتے ہیں: ﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا

وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦٧﴾: ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی، بلکہ یکسو ہونے والے مسلمان تھے، اور وہ مشرکوں میں سے بھی نہیں تھے [آلِ عمران ٦٧] کیونکہ یہودیت اور عیسائیت تو بہت بعد کے مذاہب ہیں، اصل دین تو اسلام ہے، سب انبیاء مسلمان تھے —— اور یہ بات ان کی کتابوں میں بھی ہے، مگر وہ اس کو چھپاتے ہیں، پس اس سے بڑا ظالم (ناانصاف) کون جو اللہ کی بات جو ان کے پاس ان کی کتابوں میں ہے اس کو چھپائے؟ ظالمو! سن لو! اللہ تعالیٰ تمہاری حرکتوں سے بے خبر نہیں!

﴿ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٠﴾ ﴾

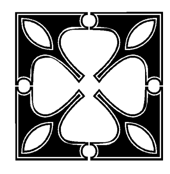
ترجمہ: کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے نبیرے یہودی تھے یا نصرانی؟ پوچھو: تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اور اس سے بڑا ظالم کون جو اس شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے؟ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں!

بزرگ زادگی کام نہیں آئے گی!

بنی اسرائیل کے دل میں بزرگ زادگی کا خیال جم گیا تھا، وہ سمجھتے تھے کہ ان کے اعمال کیسے ہی برے ہوں: ان کے باپ دادا ان کو ضرور بخشوالیں گے، اس لئے سابقہ آیت کو مکرر لا کر گفتگو ختم فرماتے ہیں۔

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤١﴾ ﴾

ترجمہ: وہ (تمہارے اسلاف) ایک جماعت تھی جو بالتحقیق گذر گئی —— اور تم علاحدہ جماعت ہو —— اس (جماعت) کے لئے وہ ہے جو اس نے کیا، اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کیا —— یعنی ہر ایک کی نیکی اس کے لئے ہے —— اور تم سے ان گناہوں کا سوال نہیں ہوگا جو وہ کیا کرتے تھے —— اسی طرح تمہارے گناہ وہ نہیں اوڑھیں گے، تمہیں ہی ان کی جواب دہی کرنی ہوگی۔



سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٤٣﴾

سَيَقُولُ	اب کہیں گے	مُسْتَقِيمٍ	سیدھی	الَّتِي كُنْتَ	جو تھے آپ
السُّفَهَاءُ	بے وقوف	وَكَذَٰلِكَ	اور اس طرح	عَلَيْهَا	اس پر
مِنَ النَّاسِ	لوگ	جَعَلْنَاكُمْ	بنایا ہم نے تم کو	إِلَّا لِنَعْلَمَ	مگر تاکہ جانیں ہم
مَا وَلَّاهُمْ	کس چیز نے پھیر دیا ان کو	أُمَّةً	امت	مَنْ يَتَّبِعُ	کون پیروی کرتا ہے
عَنْ قِبْلَتِهِمُ	ان کے اس قبلے سے	وَسَطًا	معتدل (میانہ)	الرَّسُولَ	رسول کی
الَّتِي كَانُوا	جو تھے وہ	لِتَكُونُوا	تاکہ ہو تم	مِمَّنْ	اس سے (جدا کر کے) جو
عَلَيْهَا	اس پر	شُهَدَاءَ	گواہ	يَنْقَلِبُ	پلٹ جاتا ہے
قُلْ	کہو	عَلَى النَّاسِ	لوگوں پر	عَلَىٰ عَقِبَيْهِ	اپنی ایڑیوں پر
لِلَّهِ	اللہ کے لئے ہیں	وَيَكُونَ	اور ہوں	وَإِنْ كَانَتْ (۲)	اور بیشک تھی (یہ بات)
الْمَشْرِقُ	مشرق	الرَّسُولُ	رسول	لَكَبِيرَةً	البتہ بھاری
وَالْمَغْرِبُ	اور مغرب	عَلَيْكُمْ (۱)	تمہارے لئے	إِلَّا عَلَى الَّذِينَ	مگر ان پر جن کو
يَهْدِي	دکھاتے ہیں	شَهِيدًا	گواہ	هَدَى اللَّهُ	راہ دکھائی اللہ نے
مَنْ يَشَاءُ	جسے چاہتے ہیں	وَمَا جَعَلْنَا	اور نہیں بنایا ہم نے	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھے
إِلَىٰ صِرَاطٍ	راہ	الْقِبْلَةَ	اس قبلہ کو	اللَّهُ	اللہ

(۱) علیکم: مشاکلۃً فرمایا ہے، لکم کے معنی میں ہے (۲) إنْ: مخففہ ہے اس کا اسم ضمیر ہے جو محذوف ہے، اس کا مرجع الأمر (بات) ہے۔

لِيُضِيعَ	کہ ضائع کرتے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	لَرَءُوفٌ	یقیناً نہایت شفیق
اِيْمَانَكُمْ	تمہارے ایمان کو	بِالنَّاسِ	لوگوں پر	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں

۶- بنی اسماعیل کا اصلی قبلہ کعبہ شریف ہے، بیت المقدس عارضی قبلہ تھا، اور تحویل کی حکمتیں

بیت اللہ اور بیت المقدس: دونوں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کئے ہیں، اول کو بنی اسماعیل کے لئے اور دوم کو بنی اسرائیل کے لئے قبلہ بنایا ہے، اول: سارے عالم کے لئے قبلہ ہے اور دوم: صرف بنی اسرائیل کے لئے، سورۃ آلِ عمران (آیت ۹۶) میں بیت اللہ کے تعلق سے ہے: ﴿ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾: وہ سارے جہانوں کے لئے ہدایت ہے، مگر اس کا ظہور خاتم النّبیین ﷺ کے دور میں ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے بیت اللہ تعمیر کیا، پھر چالیس سال کے بعد بیت المقدس، متفق علیہ روایت میں ہے: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کونسی مسجد زمین میں سب سے پہلے رکھی گئی؟ آپؐ نے فرمایا: مسجدِ حرام! انھوں نے پوچھا: پھر کونسی؟ فرمایا: مسجدِ اقصیٰ! انھوں نے پوچھا: دونوں کے درمیان کتنی مدت تھی؟ فرمایا: چالیس سال (بخاری حدیث ۳۳۶۶ تحفۃ القاری ۶:۵۷۸)

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں لائے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ دونوں مسجدیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنائی ہیں، اور دونوں کے درمیان چالیس سال کا فصل ہے، اور یہ جو مشہور ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سلیمان علیہ السلام نے کی تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اس کو شاندار بنایا، جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجدِ نبوی کو شاندار بنایا، مگر بیت المقدس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی ہے، اور اس کو اسحاق علیہ السلام اور ان کی اولاد کا قبلہ بنایا۔

شش جہات کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، جس جہت کو چاہیں قبلہ مقرر کریں

ہجرت سے پہلے قبلہ بیت اللہ تھا، پھر جب نبی ﷺ مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا (یہ حکم وحی غیر متلو سے دیا تھا) چنانچہ مسلمان سولہ سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے، اس کے بعد کعبہ شریف کی طرف منہ کرنے کا حکم آیا (یہ حکم وحی متلو سے آیا تھا) پس یہود نے اعتراض کیا کہ اب بیت المقدس میں کیا خرابی آگئی جو اس سے منہ پھیرلیا؟ یہ محض مذہبی تعصب ہے، بیت المقدس انبیاء کا قبلہ ہے، اس کو چھوڑنا محض ہماری (یہود کی) عداوت وحسد کی وجہ سے ہے، حالانکہ ایسا نہیں تھا، ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کا قبلہ بیت اللہ تھا، اور نبی ﷺ ملت ابراہیمی اسماعیلی پر مبعوث فرمائے گئے تھے، اس لئے آپؐ کی امت کا قبلہ بیت اللہ

ہے، اور بیت المقدس کو عارضی طور پر قبلہ بنایا تھا، اور اس میں ایک مصلحت تھی، مگر اعتراض کرنے والوں کو تو اعتراض سے مطلب تھا، چنانچہ وہ کیا گیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کا حاکمانہ جواب دیا، فرمایا: ''ابھی بے وقوف لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ تھے؟ آپؐ کہیں: مشرق ومغرب یعنی ساری جہات اللہ کے لئے ہیں، وہ جس کو چاہتے ہیں سیدھی راہ دکھاتے ہیں''

یہ حاکمانہ جواب ہے کہ شش جہات اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں، اور ان کو مالکانہ اختیار ہے کہ جس سمت کو چاہیں قبلہ مقرر کریں، کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے؟ اور وہ جس کو چاہتے ہیں سیدھی راہ دکھاتے ہیں اس میں بیت اللہ کی افضلیت کی طرف اشارہ ہے۔

﴿ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ ﴿۱۴۲﴾

ترجمہ: (جاہلانہ اعتراض:) اب بے وقوف لوگ کہیں گے: کس چیز نے ان (مسلمانوں) کو پھیر دیا ان کے اس قبلہ سے جس پر وہ تھے؟ (یعنی بیت المقدس سے) (حاکمانہ جواب:) کہو: مشرق ومغرب اللہ ہی کے لئے ہیں، جسے چاہتے ہیں راہِ راست دکھاتے ہیں!

تحویلِ قبلہ پر اعتراض کے حکیمانہ جوابات

پہلی حکمت: بیت المقدس کو عارضی قبلہ اس لئے بنایا تھا کہ اس امت کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنا تھا

اس امت کا اصل قبلہ بیت اللہ ہے، مگر ہجرت کے بعد عارضی طور پر بیت المقدس کو قبلہ بنایا، تاکہ اس امت کے مزاج میں 'اعتدال' پیدا ہو، تعصب ودشمنی دلوں سے نکل جائے، تاکہ وہ قیامت کے دن انبیاء کے حق میں اور ان کی امتوں کے خلاف گواہی دے سکیں —— اس کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کی بڑی تعداد بنی اسرائیل میں سے ہے، جن کا قبلہ بیت المقدس تھا، پس جب اس امت کے لئے عارضی طور پر بیت المقدس کو قبلہ بنایا تو اس امت کو بالیقین بیت المقدس سے لگاؤ ہو گیا، اور اس کے واسطہ سے بنی اسرائیل کے انبیاء کے ساتھ اور ان کی امتوں کے ساتھ بھی لگاؤ ہو گیا، ان کے ساتھ مذہبی تعصب اور دشمنی باقی نہیں رہی، جیسی دشمنی یہود ونصاریٰ کو نبی ﷺ سے ہے، کیونکہ آپؐ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، یہ بات اس امت میں انبیاء بنی اسرائیل اور ان کی امتوں کے تعلق سے نہیں ہے۔

اور اس امت کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے

دربار میں نبیوں کے اوران کی امتوں کے مقدمات پیش ہونگے، اور یہ امت انبیاء کے حق میں اوران کی امت دعوت کے خلاف گواہی دے گی، اور گواہوں کے لئے شرط ہے کہ مدعی سے اس کا غایت درجہ محبت کا تعلق نہ ہو، چنانچہ باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی معتبر نہیں، اور یہ بھی شرط ہے کہ مدعی علیہ سے بغض وعداوت بھی نہ ہو، چنانچہ اگر گواہ کے بارے میں مدعی علیہ ثابت کردے کہ اس کے اور گواہ کے درمیان بغض وعداوت چلی آرہی ہے تو اس مدعی علیہ کے خلاف اس گواہ کی گواہی معتبر نہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس امت کو غایت درجہ محبت تو اپنے نبی سے ہے، اور دیگر انبیاء سے محض محبت وتعلق ہے، اس لئے ان کے حق میں اس امت کی گواہی معتبر ہوگی، اوران کی امتوں سے بھی عداوت اور دشمنی نہیں، کیونکہ ان کے انبیاء کے ساتھ تعلق ہے، اس لئے ان کے خلاف بھی اس امت کی گواہی معتبر ہوگی، چنانچہ میدانِ قیامت میں امتیں جو گواہوں پر جرح کریں گی تو یہ کریں گی کہ یہ لوگ ہمارے زمانہ کے نہیں، ان کو ہمارے احوال کی کیا خبر؟ یہ نہیں کہیں گی کہ یہ امت ہماری دشمن ہے، اس لئے ان کی گواہی معتبر نہیں ـــــ یہ وہ حکمت ہے جس کے پیش نظر بیت المقدس کو عارضی طور پر قبلہ بنایا گیا تھا۔

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾

ترجمہ: یوں ہم نے تم کو معتدل امت بنایا، تاکہ تم لوگوں کے خلاف گواہ بنو، اور رسول تمہارے لئے گواہ بنیں!

دوسری حکمت: بیت المقدس کو عارضی طور پر قبلہ بنانے سے مؤمنین کا امتحان مقصود تھا

اس امت کا اصل قبلہ کعبہ شریف تھا، اور ہجرت کے بعد چندروز کے لئے جو بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا گیا وہ امتحان کے لئے تھا کہ کون تابعداری پر قائم رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھرتا ہے؟ اور امتحان اس چیز کے ذریعہ ہوتا ہے جو نفس پر شاق ہو، روایات میں ہے کہ بعض لوگ مرتد ہوگئے، انھوں نے کہا: عربی نبی اور قبلہ یہود کا: یہ کیا بات ہوئی؟ اور یہود نے کہنا شروع کیا کہ محمد ہمارے دین کے قریب آرہے ہیں، وہ جلد یہودیت قبول کرلیں گے، اس سے بھی مسلمان پریشان ہوئے، مگر ان کی اکثریت سمعاً وطاعۃً کہہ کر بخوشی بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتی رہی!

﴿ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ ﴾

ترجمہ: اور نہیں بنایا ہم نے اس قبلہ کو جس پر آپؐ تھے مگر اس لئے کہ ہم جانیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے، اور بے شک یہ بات یقیناً بھاری تھی مگر ان لوگوں پر جن کو اللہ نے راہِ راست دکھائی!

فائدہ: ﴿ اِلَّا لِنَعْلَمَ ﴾ میں ایک مشہور اشکال ہے، اس سے علم باری کا حادث (نیا) ہونا سمجھ میں آتا ہے، جبکہ اللہ کا علم ازلی قدیم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علم: اللہ کی صفت ہے، اور اللہ کی تمام صفات متشابہات ہیں، صفاتِ ذاتیہ بھی متشابہات ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہ بات بیان کی ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۱:۶۴۳) پس صفتِ علم بھی صفتِ متشابہ ہے، اور متشابہات کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے، پوری طرح ان کو نہیں سمجھا جاسکتا، کیونکہ یہ درحقیقت بندوں کی صفات ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کے بیان کے لئے اختیار فرمایا ہے، نیز بندوں کے محاورات کے مطابق استعمال کیا ہے، جیسے: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کائنات کو پیدا کرنے کے بعد تخت نشیں ہوئے، یہ بندوں کا محاورہ ہے کہ فلاں بادشاہ گذر گیا اور اس کا بیٹا تخت نشیں ہوا، یعنی اس نے ملک کا کنٹرول سنبھالا، اسی طرح: ﴿ لِنَعْلَمَ ﴾ بھی بندوں کے محاورات کے مطابق فرمایا ہے، پس حدوثِ علم کا شبہ نہ کیا جائے۔

یہود کے پیدا کئے ہوئے ایک خلجان کا جواب

جب بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف تحویل ہوئی تو یہود نے کمزور مسلمانوں کے ذہنوں میں وسوسہ ڈالا کہ جو لوگ بیت المقدس کے قبلہ مقرر ہونے کے بعد مسلمان ہوئے اور تحویلِ قبلہ سے پہلے وفات پاگئے یا شہید ہوگئے، اور انھوں نے ایک نماز بھی اصل قبلہ کی طرف نہیں پڑھی: ان کا کیا ہوگا؟ ان کی تو سب نمازیں ضائع ہوگئیں، پھر وہ جنت میں کیسے جائیں گے؟

آخر آیت میں اللہ پاک نے یہ خلجان دور کیا کہ جنت تو حقیقت میں ایمان کا صلہ ہے، نماز وغیرہ طاعات پر دخولِ جنت موقوف نہیں، پس:

اول: تو ان کی بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازیں محفوظ ہیں، کیونکہ اس وقت وہی قبلہ تھا، جیسے غزوۂ احد میں بعض صحابہ شراب پی کر میدان میں اترے اور شہید ہوگئے تو کوئی بات نہیں، شراب اس وقت حلال تھی۔

ثانیاً: اگر یہود کی بکواس مان لی جائے تو ان کے ایمان پر تو کوئی حرف نہیں آیا، ان کا ایمان تو محفوظ ہے، وہ کیسے ضائع ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ رؤف ورحیم ہیں، وہ ضرور ان کو جنت عطا فرمائیں گے۔

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کردیں، بے شک وہ لوگوں پر بڑے شفیق بڑے رحیم ہیں!

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىھَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ

أُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٤﴾
وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ
بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٥﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ
كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٤٦﴾ اَلْحَقُّ
مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١٤٧﴾

قَدْ نَرٰى	تحقیق ہم دیکھتے ہیں	فَوَلُّوْا	پس پھیرلو	بِكُلِّ اٰيَةٍ	ہرنشانی (دلیل) کے ساتھ
تَقَلُّبَ(١)	بار بار اٹھنا	وُجُوْهَكُمْ	اپنے چہرے	مَّا تَبِعُوْا	نہیں پیروی کریں گے وہ
وَجْهِكَ	آپ کے چہرے کا	شَطْرَهٗ	اس کی جانب	قِبْلَتَكَ	آپ کے قبلہ کی
فِي السَّمَاۗءِ	آسمان کی طرف	وَاِنَّ الَّذِيْنَ	اور بے شک جولوگ	وَمَآ اَنْتَ	اور نہیں ہیں آپ
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ(٢)	پس ضرور پھیریں گے	اُوْتُوا الْكِتٰبَ	دیئے گئے کتاب	بِتَابِعٍ	پیروی کرنے والے
	ہم آپ کو	لَيَعْلَمُوْنَ	البتہ جانتے ہیں	قِبْلَتَهُمْ	ان کے قبلہ کی
قِبْلَةً	اس قبلہ کی طرف	اَنَّهُ الْحَقُّ	کہ وہ برحق ہیں	وَمَا بَعْضُهُمْ	اور نہیں ہیں ان کے بعض
تَرْضٰىهَا(٣)	جس کو آپ پسند کرتے ہیں	مِنْ رَّبِّهِمْ	ان کے رب کی طرف سے	بِتَابِعٍ	پیروی کرنے والے
فَوَلِّ	پس پھیرلیں آپ	وَمَا اللّٰهُ	اور نہیں ہیں اللہ	قِبْلَةَ بَعْضٍ	بعض کے قبلہ کی
وَجْهَكَ	اپنا چہرہ	بِغَافِلٍ	بے خبر	وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ	اور بخدا اگر پیروی
شَطْرَ	جانب	عَمَّا يَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم کرتے ہو		کریں آپ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	مسجد حرام کے	وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ	اور بخدا اگر آئیں آپ	اَهْوَاۗءَهُمْ	ان کی خواہشات کی
وَحَيْثُ مَا	اور جہاں بھی	الَّذِيْنَ اُوْتُوا	ان کے پاس جو دیئے گئے	مِّنْۢ بَعْدِ	بعد
كُنْتُمْ	ہو تم	الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	مَا جَاۗءَكَ	آپ کے پاس آنے

(١) تقلب (باب تفعل): الٹنا پلٹنا، بار بار پھرنا (٢) لنولین: مضارع، جمع متکلم، لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ، تَوْلِيَة مصدر، ک: ضمیر مفعول: ہم ضرور پھیریں گے (٣) جملہ ترضى: قبلة کی صفت ہے۔

مِنَ الْعِلْمِ	علم کے	كَمَا يَعْرِفُوْنَ	جیسا پہچانتے ہیں وہ	يَعْلَمُوْنَ	جانتے ہیں
اِنَّكَ اِذًا	بے شک آپ تب تو	اَبْنَآءَهُمْ	اپنے بیٹوں کو	اَلْحَقُّ	حق بات
لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ	ناانصافوں سے ہونگے	وَاِنَّ فَرِيْقًا	اور بیشک ایک جماعت	مِنْ رَّبِّكَ	تیرے رب کی طرف
اَلَّذِيْنَ	جن کو	مِّنْهُمْ	ان میں سے		سے ہے
اٰتَيْنٰهُمُ	دی ہے ہم نے ان کو	لَيَكْتُمُوْنَ	البتہ چھپاتی ہے وہ	فَلَا تَكُوْنَنَّ (۲)	پس ہرگز نہ ہوتو
الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	الْحَقَّ	حق بات کو	مِنَ	شک کرنے والوں
يَعْرِفُوْنَهٗ (۱)	پہنچانتے ہیں وہ اس کو	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	الْمُمْتَرِيْنَ	میں سے

تحویلِ قبلہ کا حکم

اب آپؐ اور مسلمان ہرجگہ مسجدِ حرام کی طرف نماز پڑھیں

اس امت کا اصل قبلہ کعبہ شریف ہے، بیت المقدس کو عارضی قبلہ بنایا تھا، اس لئے نبی ﷺ چاہتے تھے کہ اصل قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم آئے، یہ بات عربوں کے ایمان کے لئے مفید تھی، اس لئے آپؐ شوق سے آسمان کی طرف دیکھتے تھے کہ شاید فرشتہ وحی لے کر آرہا ہو، جیسے آدمی کو کسی چیز کا انتظار ہوتا ہے تو بار باراس کی راہ تکتا ہے، چنانچہ بنوسلمہ کی مسجد میں آپؐ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے، دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف پڑھا چکے تھے کہ تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا، اور آپؐ نمازیوں کے ساتھ کعبہ شریف کی طرف گھوم گئے، اور باقی دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف ادا کیں۔ کعبہ شریف بیت المقدس سے مخالف جانب میں تھا، پس رخ کی تبدیلی کے لئے نماز میں جو چلنا پڑا وہ تشریع (قانون سازی) کے وقت کی ترخیص (سہولت) تھی۔

فائدہ: کعبہ ہی دراصل مسجدِ حرام ہے، حرام بمعنی محترم ہے، پہلے کعبہ کے اندر نماز پڑھی جاتی تھی، وہی مسجد تھی، پھر قریش نے اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے کعبہ کا ایک دروازہ کردیا، پہلے کعبہ کے آمنے سامنے دو دروازے تھے، اور اس ایک دروازہ کو بھی دو ڈھائی میٹر اونچا کردیا، تاکہ جس کو چاہیں داخل ہونے دیں، پس لوگ باہر نماز پڑھنے لگے۔

﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ ﴾

(۱) یعرفونہ: ضمیر غائب کا مرجع نبی ﷺ ہیں، اور آپؐ کے اوصاف میں تحویل قبلہ کا ذکر بھی یہود کی کتابوں میں موجود تھا

(۲) لاتکونن: فعل نہی، صیغہ واحد مذکر حاضر، بانون تاکید ثقیلہ۔

ترجمہ: بے شک ہم بار بار آپؐ کا آسمان کی طرف منہ پھیرنا دیکھ رہے ہیں، پس ہم ضرور آپؐ کو اس قبلہ کی طرف پھیریں گے جس کو آپؐ پسند کرتے ہیں، پس (لیجئے) آپؐ اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیں، اور آپ لوگ جہاں کہیں ہوں اپنے چہروں کو اس کی طرف پھیریں!

اہلِ کتاب تحویلِ قبلہ پر اعتراض کریں تو کرنے دیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ برحق قبلہ ہے

اہل کتاب کی کتابوں میں یہ بات موجود تھی کہ بنی اسماعیل کا قبلہ بیت اللہ ہے، ابراہیم علیہ السلام نے انہی کے لئے یہ گھر تعمیر کیا ہے، اور بیت المقدس بنی اسحاق کے لئے تعمیر کیا ہے، پھر بھی وہ تحویل کے حکم پر اعتراض کریں تو کرنے دیں، اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے بے خبر نہیں!

اور آپؐ خواہ کتنے ہی دلائل سے کعبہ کی افضلیت ثابت کریں وہ تسلیم نہیں کریں گے، اور ایمان نہیں لائیں گے، پس آپؐ ان کے مفضول قبلہ کی پیروی کیوں کریں؟ یہود و نصاریٰ خود تو بیت المقدس کے قبلہ ہونے پر متفق نہیں، ایک اس سے مشرق کی طرف منہ کرتا ہے دوسرا مغرب کی طرف، پس اگر آپؐ ان کی خواہشات کی پیروی کریں اور بیت المقدس کی طرف نماز پڑھیں جبکہ آپؐ کے پاس وحی آچکی ہے تو اس سے بڑی ناانصافی کیا ہوگی؟

﴿ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ ﴾

ترجمہ: اور جن لوگوں کو آسمانی کتاب دی گئی وہ بالیقین جانتے ہیں کہ وہ (تحویل) برحق ہے ان کے پروردگار کی جانب سے، اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان (حرکتوں) سے جو وہ کرتے ہیں!

اور بخدا! اگر لے آئیں آپؐ ان لوگوں کے سامنے جو آسمانی کتاب دیئے گئے ہیں سارے ہی دلائل (کعبہ کی افضلیت کے) پھر بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے —— یعنی اسلام قبول نہیں کریں گے —— اور نہ آپؐ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں —— یہ ان کو مایوس کیا کہ اب پھر بیت المقدس کی طرف نماز میں رخ کرنے کا سوال ہی نہیں —— اور نہ ان کے بعض بعض کے قبلہ کی پیروی کرتے ہیں —— یعنی وہ اپنے گھر کی خبر لیں، وہ دونوں بیت المقدس کے قبلہ ہونے پر متفق نہیں!

اور بخدا! اگر آپؐ ان کی خواہشات کی پیروی کریں —— اور بیت المقدس کی طرف رخ کریں —— آپؐ کے پاس علم کے پہنچ جانے کے بعد —— یعنی تحویلِ قبلہ کا حکم آنے کے بعد —— تو یقیناً آپؐ ناانصافوں میں سے ہونگے

—— جس کی آپؐ سے قطعاً توقع نہیں!

اہل کتاب نبی ﷺ کو بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں

یہود ونصاری نبی ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح آدمی بہت سے لڑکوں میں اپنے لڑکے کو دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے، آپؐ کے اوصاف، جائے ولادت، مقام ہجرت اور آپؐ کے قبلہ کا ان کو بخوبی علم تھا، تورات وانجیل میں باوجود تحریفات کے اب تک یہ باتیں بکثرت موجود ہیں، کوئی انصاف پسند یہودی یا عیسائی اس کا انکار نہیں کرسکتا۔

مگر اس امر حق کو بعض تو ظاہر کرتے ہیں، اور مسلمان ہوجاتے ہیں، اور بعض چھپاتے ہیں گویا وہ جانتے ہی نہیں! مگر ان کے اخفاء سے کیا ہوتا ہے؟ حق بات اللہ کی طرف سے آگئی ہے، قبلہ کا معاملہ کلیر کردیا ہے، پس مسلمانوں کو قبلہ کے معاملہ میں ذرا تردد نہیں ہونا چاہئے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۴۶ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝۱۴۷﴾

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے آسمانی کتاب دی ہے وہ ان کو پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچان لیتے ہیں، اور ان کی ایک جماعت حق بات کو چھپاتی ہے درانحالیکہ وہ جانتے ہیں (بیت اللہ کا قبلہ ہونا) برحق بات ہے، آپؐ کے پروردگار کی طرف سے ہے، پس آپؐ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں! —— یہ امت کو سنایا ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ڛ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۴۸ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۹ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ڎ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۤ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِىْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵۰ۙۛ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

وَلِكُلٍّ	اور ہرایک کے لئے ہے	شَطْرَ	طرف	لِئَلَّا يَكُونَ	تاکہ نہ ہو
وِّجْهَةٌ(۱)	ایک جہت	الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	مسجد حرام کے	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے
هُوَ	وہ	وَإِنَّهُ	اور بے شک وہ	عَلَيْكُمْ	تم پر
مُوَلِّيهَا	اس کی طرف منہ کرنے	لَلْحَقُّ	البتہ برحق ہے	حُجَّةٌ	کوئی حجت (جھگڑے
	والا ہے	مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی طرف سے		کا موقع)
فَاسْتَبِقُوا	پس سبقت لے جاؤ	وَمَا اللَّهُ	اور نہیں ہیں اللہ	إِلَّا الَّذِينَ	مگر جن لوگوں نے
الْخَيْرَاتِ	نیکیوں میں	بِغَافِلٍ	بے خبر	ظَلَمُوا	ناانصافی کی
أَيْنَ مَا	جہاں بھی	عَمَّا تَعْمَلُونَ	ان کاموں سے جو تم کرتے ہو	مِنْهُمْ	ان میں سے
تَكُونُوا	ہوؤ گے تم	وَمِنْ حَيْثُ	اور جہاں سے	فَلَا تَخْشَوْهُمْ	پس مت ڈرو ان سے
يَأْتِ بِكُمُ	لائیں گے تم کو	خَرَجْتَ	نکلیں آپ	وَاخْشَوْنِي	اور ڈرو مجھ سے
اللَّهُ	اللہ تعالیٰ	فَوَلِّ	پس پھیریں	وَلِأُتِمَّ	اور تاکہ پوری کروں میں
جَمِيعًا(۲)	اکٹھا	وَجْهَكَ	اپنا رخ	نِعْمَتِي	اپنی نعمت
إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	شَطْرَ	طرف	عَلَيْكُمْ	تم پر
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	مسجد حرام کے	وَلَعَلَّكُمْ	اور تاکہ تم
قَدِيرٌ	پوری قدرت والے ہیں	وَحَيْثُ مَا	اور جہاں بھی	تَهْتَدُونَ	راہ راست پاؤ
وَمِنْ حَيْثُ	اور جہاں سے	كُنْتُمْ	ہوؤ تم	كَمَا أَرْسَلْنَا	جس طرح بھیجا ہم نے
خَرَجْتَ	نکلیں آپ	فَوَلُّوا	پس پھیرو	فِيكُمْ	تم میں
فَوَلِّ	پس پھیریں	وُجُوهَكُمْ	اپنے چہرے	رَسُولًا	عظیم رسول
وَجْهَكَ	اپنا رخ	شَطْرَهُ	اس کی طرف	مِّنْكُمْ	تم ہی میں سے

(۱) وِجهة اور جِهة ایک ہیں (۲) جميعا: کم کا حال ہے۔

يَتْلُوْا	پڑھتا ہے وہ	الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب	فَاذْكُرُوْنِيْٓ	پس یاد کرو مجھے
عَلَيْكُمْ	تمہارے سامنے	وَ الْحِكْمَةَ	اور دانشمندی کی باتیں	اَذْكُرْكُمْ	یاد کروں گا میں تم کو
اٰيٰتِنَا	ہماری آیتیں	وَيُعَلِّمُكُمْ	اور سکھلاتا ہے تم کو	وَاشْكُرُوْا لِيْ	اور شکر بجالاؤ میرا
وَيُزَكِّيْكُمْ	اور ستھرا کرتا ہے تم کو	مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا	وہ باتیں جو تم نہیں	وَلَا تَكْفُرُوْنِ	اور ناشکری مت کرو
وَ يُعَلِّمُكُمُ	اور سکھلاتا ہے تم کو	تَعْلَمُوْنَ	جانتے		میری

مستقل امت کے لئے مستقل قبلہ

بنی اسماعیل: بنی اسرائیل کی طرح مستقل امت ہیں، اور ہر مستقل امت کا قبلہ الگ ہوتا ہے، بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس تھا، پس بنی اسماعیل کے لئے مستقل قبلہ متعین کیا گیا تو اس میں قابلِ اعتراض کیا بات ہے؟ قبلہ کا معاملہ قربانی کے معاملہ کی طرح ہے، مسلمانوں کے لئے قربانی کا طریقہ اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا ہے، اس میں ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ پیش نظر رکھا ہے، اور اہل کتاب کے یہاں سوختنی قربانی کا طریقہ تھا، غرض ہر قوم کا قربانی کا طریقہ الگ ہے، سورۃ الحج (آیت ۳۴) میں ہے: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾: اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی (کا طریقہ) تجویز کیا ہے، یہی معاملہ قبلہ کا ہے، بنی اسرائیل کا قبلہ الگ ہے، بنی اسماعیل کا الگ، پس مسلمان نیک کاموں میں تگاپو کریں، کعبہ کی طرف نماز پڑھنے میں خوب محنت کریں، یہود ونصاری کو اعتراض کرنے دیں، اللہ تعالیٰ تم کو اور ان کو میدانِ حشر میں اکٹھا کریں گے، وہ ہر چیز پر قادر ہیں، اس دن فیصلہ ہوگا، ابھی جھگڑا فضول ہے۔

﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۴۸﴾

ترجمہ: اور ہر ایک (امت) کے لئے ایک جہت (قبلہ) ہے، وہ اس کی طرف منہ کرنے والی ہے، پس تم (اے مسلمانو!) نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، جہاں بھی ہوؤ گے تم لائیں گے تم کو اللہ تعالیٰ اکٹھا (کر کے میدانِ حشر میں) بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

اسفار میں بھی بیت اللہ قبلہ ہے

تحویلِ قبلہ کی آیت حضر میں نماز ظہر میں نازل ہوئی تھی، پس کوئی خیال کر سکتا تھا کہ یہ حکم حضر ہی کے لئے ہے، اس لئے فرماتے ہیں کہ اسفار کے لئے بھی یہی حکم ہے، ہر جگہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم برحق ہے، یہ حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، اس کی تعمیل کی جائے، اب تم کیا کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں!

﴿ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾ ﴾

ترجمہ: اور جہاں سے بھی آپؐ (سفر میں) نکلیں اپنا رخ مسجدِ حرام کی طرف پھیریں، اور بے شک وہ (بیت اللہ کا قبلہ ہونا) برحق ہے، آپ کے رب کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کروگے!

تحویل کے بعد یہود ومشرکین کے لئے اعتراض کرنے کا منہ نہیں رہا!

تورات میں مذکور ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا قبلہ بیت اللہ ہے، اور نبی آخر الزماں کا قبلہ بھی وہی ہے، پس اگر تحویل کا حکم نہ ہوتا تو یہود ضرور الزام لگاتے، اور مشرکین بھی کہتے کہ ملتِ ابراہیمی کا دعوی اور قبلہ میں خلاف! اب دونوں کو حجت کرنے کا حق نہ رہا، مگر ظالموں (ناانصافوں) کا منہ کوئی بند نہیں کرسکتا، یہود کہیں گے: ہمارے قبلہ کی حقانیت ظاہر ہونے کے بعد محض حسد سے ہمارا قبلہ چھوڑ دیا، اور مشرکین کہیں گے: ان کو ہمارے قبلہ کا حق ہونا اب معلوم ہوا، اسی طرح ہماری (مشرکین کی) اور باتیں بھی رفتہ رفتہ منظور کرلیں گے، فرمایا: ایسے بے انصافوں کے اعتراض کی کچھ پرواہ مت کرو، اور ہمارے حکم کے تابع رہو۔

﴿ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾ ﴾

ترجمہ: اور جس جگہ سے بھی آپ (سفر میں) نکلیں تو (نماز میں) اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کریں، اور آپ لوگ جہاں کہیں ہوں اپنا چہرہ اس کی طرف کیا کریں —— یہ بطور تمہید سابق کلام لوٹایا ہے —— تاکہ مخالف لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں گفتگو کی مجال نہ رہے، ہاں ان میں سے جو ناانصاف ہیں (وہ مرغ کی ایک ٹانگ گاتے رہیں گے) پس تم ان سے مت ڈرو، اور مجھ سے ڈرو (یعنی میرے حکم کی خلاف ورزی مت کرو) اور تاکہ میں تم پر اپنا انعام تام کردوں، اور تاکہ تم راہ راست پاؤ —— یعنی یہ قبلہ اللہ کا تم پر ایک انعام ہے اور یہی راہِ راست ہے، لہٰذا اس کی پیروی کرو۔

سوال: تحویل قبلہ کا حکم مکرّر سہ کرّر کیوں بیان کیا ہے؟

جواب: مقاصد مختلف تھے، اس لئے ہر مقصد کے بیان کے وقت اس حکم کا اعادہ کیا گیا ﴿ قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ ﴾ میں یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ تحویل قبلہ کا حکم رسول اللہ ﷺ کی رضا جوئی اور اظہار تکریم کے لئے ہے، اور ﴿ لِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ﴾: سے یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ ہر ایک ملت اور ہر ایک رسول صاحب شریعت

مستقل کے لئے اس کے مناسب ایک قبلہ مقرر ہونا چاہئے، اور ﴿لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ﴾ سے یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ تحویل قبلہ پر مخالفین کا الزام عائد نہیں ہوسکتا ـــــ اور یہ قرآنِ کریم کا اسلوب ہے، ہر مقصد کے بیان کے وقت تمہیدی مضمون مکرر لایا جاتا ہے، جیسے سورۃ العنکبوت کی آیت ۵۳ ہے: ﴿وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ ۚ وَلَيَأْتِيَنَّهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴾: اور وہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں، اور اگر میعاد معین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آچکا ہوتا، اور وہ عذاب ان پر دفعۃً آپہنچے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی ـــــ پھر آیت ۵۴ میں دوسری بات کہی گئی تو تمہید مکرر لائی گئی، ارشادِ پاک ہے: ﴿يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴾: اور وہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں، اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے (الی آخرہ) ـــــ اسی طرح تحویلِ قبلہ کے تین مقاصد بیان کرنے تھے اس لئے تمہید میں تحویل کا حکم مکرر سہ کرر لایا گیا۔

اس کی نظیر: قرآنِ کریم ڈبل استثناء نہیں کرتا، اس سے کلام میں تعقید پیدا ہوجاتی ہے اور کلام فصاحت سے گر جاتا ہے، حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ایک جگہ ڈبل استثناء کیا ہے تو عبارت پیچیدہ ہوگئی ہے، عرصہ تک اسے کوئی نہیں سمجھا، اسی طرح کافیہ میں عدل کے بیان میں ابن حاجب رحمہ اللہ نے ڈبل استثناء کیا ہے، وہ عبارت بھی پیچیدہ ہوگئی ہے، چنانچہ قرآنِ کریم کو جب ڈبل استثناء کرنا ہوتا ہے تو مستثنیٰ منہ مکرر لاتا ہے جیسے سورۃ النور کی آیت (۳۱) میں ہے: ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ﴾: عورت صرف اپنے وہ اعضاء ظاہر کرے جو عام طور پر کھلے رہتے ہیں یعنی چہرہ، ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں ٹخنوں سے نیچے، پھر دوسرا استثناء کیا ہے ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ﴾ الآیۃ: عورت مذکورہ اعضاء محارم کے سامنے اور محارم جیسوں کے سامنے کھلے رکھ سکتی ہے، پھر بارہ شخصوں کا تذکرہ ہے جو معاشرہ میں عام طور پر ساتھ رہتے ہیں ان کے سامنے عورت چہرہ اور ہتھیلیاں کھول سکتی ہے، باقی بدن نہ کھولے، سینہ پر بھی اوڑھنی ڈالے رہے، پیر بھی زمین پر نہ پٹخے کہ کپڑے میں چھپا ہوا زیور بجے، اور اس کا پتہ چل جائے، پس اس آیت کا تعلق 'اصلاح معاشرۂ' سے ہے اگر عورت اپنے محارم وغیرہ کے درمیان اس طرح سلیقہ سے رہے گی تو معاشرہ میں فساد پیدا نہیں ہوگا۔ غرض یہ حجاب کی آیت نہیں ہے حجاب کی آیات سورۃ الاحزاب میں ہیں (آیات ۵۳-۶۰)

اسی طرح جب ایک سلسلہ میں دو یا زیادہ باتیں بیان کرنی ہوں تو قرآن مسلسل بیان نہیں کرتا بلکہ تمہید میں اس چیز کو مکرر لاتا ہے، چنانچہ ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ﴾: تمہید میں مکرر لایا گیا، پس یہ تکرار نہیں۔

مستقل قبلہ کی نظیر: مستقل امت کے لئے مستقل نبی کا بھیجنا

مستقل امت کے لئے مستقل قبلہ کی نظیر: مستقل امت کے لئے مستقل نبی کا ہونا ہے، بنی اسرائیل ایک علاحدہ

امت تھے،اس لئے ان میں بہت سے انبیاء مبعوث کئے گئے،اور بنو اسماعیل مستقل امت تھے،اس لئے ان کو بنی اسرائیل کے انبیاء کے تابع نہیں کیا، بلکہ ان میں انہی میں سے ایک عظیم الشان نبی کو مبعوث کیا، جو ان کو اللہ کی آیتیں (قرآنِ کریم) پڑھ کر سنائے، اخلاقِ رذیلہ سے پاک صاف کرے، اور قرآن سکھلائے اور اس کے اسرار سمجھائے، اور دیگر بہت سی وہ باتیں بتائے جسے لوگ نہیں جانتے، لہٰذا امتِ مسلمہ اللہ کو یاد کرے، اللہ ان کو یاد کریں گے، وہ اللہ کا احسان مانے، ناشکری نہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان کو نوازیں گے —— اس آیت پر تحویلِ قبلہ کی بحث پوری ہوگئی، آگے متعلقات کا بیان ہے۔

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٥١﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿١٥٢﴾ ﴾

ترجمہ: (تمہارے لئے مستقل قبلہ بنایا) جس طرح ہم نے تم میں تمہیں میں سے عظیم رسول بھیجا، جو تمہارے سامنے ہماری آیتیں پڑھتے ہیں، اور تمہیں سنوارتے ہیں، اور تمہیں کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں سکھلاتے ہیں، اور وہ وہ باتیں بتاتے ہیں جو تم نہیں جانتے، پس مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا، اور میری نعمتوں کا شکر بجالاؤ، اور میری ناشکری مت کرو!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿١٥٤﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿١٥٦﴾ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿١٥٧﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿١٥٨﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	بِالصَّبْرِ	صبر کے ذریعہ	مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۲)	صبر کرنے والوں کے
اٰمَنُوا	ایمان لائے	وَالصَّلٰوةِ	اور نماز کے ذریعہ		ساتھ ہیں
اسْتَعِيْنُوْا (۱)	مدد طلب کرو	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَلَا تَقُوْلُوْا	اور مت کہو

(۱) استعینوا: کے بعد من اللہ مقدر ہے (۲) معیت: مدد کی معیت ہے زمانی یا مکانی معیت نہیں۔

لِمَنۡ	ان لوگوں کو جو	وَبَشِّرِ	اور خوش خبری دیں	اِنَّ الصَّفَا	بے شک صفا
يُّقۡتَلُ	مارے گئے	الصّٰبِرِيۡنَ	صبر کرنے والوں کو	وَالۡمَرۡوَةَ	اور مروہ
فِىۡ سَبِيۡلِ	راہ میں	الَّذِيۡنَ اِذَآ	وہ لوگ کہ جب	مِنۡ شَعَآئِرِ(۲)	نشانیوں میں سے ہیں
اللّٰهِ	اللہ کے	اَصَابَتۡهُمۡ	ان کو پہنچتی ہے	اللّٰهِ	اللہ (کے دین) کی
اَمۡوَاتٌ	مردے	مُّصِيۡبَةٌ	کوئی مصیبت	فَمَنۡ حَجَّ	پس جس نے حج کیا
بَلۡ اَحۡيَآءٌ	بلکہ (وہ) زندہ ہیں	قَالُوۡٓا	کہتے ہیں	الۡبَيۡتَ	بیت اللہ کا
وَّلٰكِنۡ	لیکن	اِنَّا لِلّٰهِ	بیشک ہم اللہ کیلئے ہیں	اَوِ اعۡتَمَرَ	یا عمرہ کیا
لَّا تَشۡعُرُوۡنَ	تم سمجھتے نہیں	وَاِنَّآ اِلَيۡهِ	اور بیشک ہم اس کی طرف	فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں
وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ	اور ضرور آزمائیں گے	رٰجِعُوۡنَ	لوٹنے والے ہیں	عَلَيۡهِ	اس پر
	ہم تم کو	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ	اَنۡ يَّطَّوَّفَ	کہ سعی کرے
بِشَىۡءٍ	تھوڑے سے	عَلَيۡهِمۡ	ان پر	بِهِمَا	دونوں کے درمیان
مِّنَ الۡخَوۡفِ	خوف سے	صَلَوٰتٌ(۱)	بے پایاں رحمتیں ہیں	وَمَنۡ تَطَوَّعَ	اور جو شخص خوشی سے کرے
وَالۡجُوۡعِ	اور بھوک سے	مِّنۡ رَّبِّهِمۡ	ان کے رب کی طرف سے	خَيۡرًا	کوئی نیک کام
وَنَقۡصٍ	اور کمی سے	وَرَحۡمَةٌ	اور بڑی مہربانی	فَاِنَّ	پس بے شک
مِّنَ الۡاَمۡوَالِ	مالوں کی	وَاُولٰٓئِكَ	اور یہی لوگ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
وَالۡاَنۡفُسِ	اور جانوں کی	هُمُ	وہ	شَاكِرٌ	قدردان
وَالثَّمَرٰتِ	اور پھلوں کی	الۡمُهۡتَدُوۡنَ	راہ یاب ہیں	عَلِيۡمٌ	سب کچھ جاننے والے ہیں

آیاتِ تحویل کے متعلقات اور آگے کے مضامین

جب بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف قبلہ کی تبدیلی ہوئی تو اعتراضات کی بھرمار ہوئی، یہود الگ اعتراضات

(۱) صلوات: صلاۃ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: غایتِ انعطاف یعنی آخری درجہ کا میلان، اسی کو درود کہتے ہیں، اور رحمۃ کی تنوین تعظیم کے لئے ہے، یعنی خصوصی رحمت، پس یہ صلاۃ کا مترادف ہے، اور اللہ کے لئے بندوں پر صلوٰۃ بھیجنا جائز ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کون اس کا مستحق ہے، اور بندوں کے لئے انبیاء کے علاوہ پر درود بھیجنا جائز نہیں (۲) شعائر: شعیرۃ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: وہ خاص علامت جس سے کوئی چیز پہچانی جائے، جیسے مسجد کے مینارے، اور اسلام کے بڑے شعائر چار ہیں: قرآن، کعبہ، نبی، اور نماز (حجۃ اللہ)

کررہے تھے اور مشرکین الگ، مسلمان پریشان تھے، اس لئے آگے ان کو ہمت دلاتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ وہ صبر (ہمت) سے کام لیں اور کعبہ کی طرف نماز میں لگیں، اس سے مصیبت ہلکی ہوجائے گی۔

پھر صبر کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں:

ایک: اعلیٰ درجہ کے صابرین شہداء ہیں، جو دین کی سربلندی کے لئے خون کا آخری قطرہ بھی بہادیتے ہیں۔

دوم: عام صابرین ہیں، جو چھوٹے چھوٹے مصائب سے دوچار ہوتے ہیں، اور صبر کرتے ہیں۔

پھر صبر کرنے کا فارمولہ ہے، اور صبر کرنے والوں کو مژدہ سنایا ہے، پھر صبر کا ثمرہ بیان کیا ہے کہ صفا و مروہ جو شعائر اللہ بنے ہیں وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے صبر کا ثمرہ ہے۔

پھر ان یہود کو لتاڑا ہے جن کی کتابوں میں شہادت تھی، نبی ﷺ اور بنی اسماعیل کے قبلہ کا ذکر تھا، یہ باتیں ان کی کتابوں میں اس لئے نازل کی گئی تھیں کہ وہ وقت پر ان کو لوگوں کے سامنے بیان کریں، مگر وہ ناہنجار ان کو چھپاتے تھے، ان پر خدا کی پھٹکار!

یہاں سلسلۂ بیان پورا ہوگا، آگے بنی اسماعیل کے لئے یعنی آخری امت کے لئے احکام ہیں، سب سے پہلے توحید کا بیان ہے، پھر آگے دوسرے احکام ہیں۔

بھاری مصیبت آئے تو سہارنے کا فارمولہ: ہمت سے کام لینا اور نماز میں لگنا!

بعض مرتبہ مصیبت بھاری ہوتی ہے، پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہتا ہے، اس وقت نفس کو جزع فزع سے روکنا اولوالعزی کا کام ہے، پختہ ارادہ والا ہی یہ کام کرسکتا ہے، اس وقت صبر کے ساتھ ذکر خداوندی سے بھی مدد لینی چاہئے، اور اعلیٰ درجہ کا ذکر نماز ہے، نبی ﷺ کو جب کوئی اہم بات پیش آتی: آندھیاں چلتیں، کڑاکے پڑتے تو آپؐ نماز شروع کردیتے، نماز سے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، ارشادِ پاک ہے: ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝۲۸ ﴾: سنو! اللہ کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے، اور صبر سے بھی قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، حدیث شریف میں ہے: الصبر ضیاء: صبر ایک روشنی ہے، صبر کرنے والا اللہ کے فیصلہ پر راضی ہوجاتا ہے، یہی وہ روشنی ہے جو صبر سے حاصل ہوتی ہے۔

بھاری مصیبت کو سہارنے کا یہ فارمولہ سورۃ البقرۃ (آیت ۴۵) میں بھی بیان ہوا ہے، اور یہاں اور وہاں صبر کو پہلے ذکر کیا ہے اور نماز کو بعد میں، اس سے صبر کی اہمیت واضح ہوتی ہے، نیز نماز وہی شخص پڑھے گا جو ہمت سے کام لے گا، اور جو صبر نہیں کرسکتا وہ نماز بھی نہیں پڑھے گا۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں، یہ آدھا مضمون ہے، کیونکہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ اللہ

تعالیٰ بدرجۂ اولیٰ ہیں، وہ صبر سے بڑی عبادت ہے، اور یہ معیت زمانی اور مکانی نہیں، اللہ تعالیٰ لازمان ولامکان ہیں، بلکہ یہ نصرت ومدد کی معیت ہے یعنی اللہ ایسے بندوں کی مدد کرتے ہیں، اور ان کی مشکل آسان کرتے ہیں۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝۱۵۳ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ (اللہ سے) مدد طلب کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں!

شہیدوں کو 'مرا ہوا' مت کہو، وہ زندہ ہیں، اور یہ صبر کا نتیجہ ہے

اعلیٰ درجہ کے صابر شہداء ہیں، جو لوگ اسلام کی سربلندی کے لئے اعدائے اسلام سے لوہا لیتے ہیں، اور بارگاہِ خداوندی میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں وہ شہید (گواہ) ہیں، وہ قیامت کو اللہ کی کورٹ میں گواہی دیں گے کہ وہ دعوت لے کر گئے تھے، مگر ان کے ساتھ خونی معاملہ کیا گیا، ظاہر ہے جو میدان میں ڈٹ جاتا ہے وہی مقامِ شہادت سے سرفراز ہوتا ہے، یہی اعلیٰ درجہ کا صبر ہے، ان حضرات کو 'مرا ہوا' خیال مت کرو، وہ زندۂ جاوید ہیں، مگر تم لوگ ان کی حیات کو سمجھ نہیں سکتے کیونکہ وہ حیاتِ برزخی ہے۔

غزوۂ بدر میں چودہ صحابہ شہید ہوئے تھے، چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے، ان کے بارے میں منافقین اور بعض مشرکین کہنے لگے: "ان لوگوں نے خواہ مخواہ محمد کی حمایت میں جان گنوائی! اور زندگی کے لطف وآرام سے محروم ہوگئے!" اس آیت میں اس کا جواب ہے کہ وہ مرے نہیں، زندۂ جاوید ہوگئے ہیں، ان کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں (کے پوٹوں) میں ہوتی ہیں، اور وہ جنت کے پھلوں میں سے کھاتی ہیں (رواہ الترمذی حدیث ۱۶۳۲) یہ شہداء کی خصوصیت ہے، ان کو ابھی سے جنت میں جانے کا موقع دیا جاتا ہے، پھر ان کی روحیں عرش کے نیچے فانوسوں میں بسیرا کرتی ہیں، جنت میں مستقل داخلہ ان کا بھی قیامت کے دن ہوگا۔

فائدہ (۱): شہداء کی حیات برزخی ہے، دیگر اقوال بھی روح المعانی میں ہیں، اور حیات برزخی کچھ نہ کچھ ہر مرنے والے کو حاصل ہوتی ہے، اسی لئے وہ مرنے کے بعد (برزخ میں) ثواب وعقاب کو محسوس کرتا ہے، لیکن شہداء میں یہ حیات نسبۃً زیادہ قوی ہوتی ہے، حتی کہ کبھی ان کا جسم بھی محفوظ رہتا ہے، اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت تو نہیں، البتہ واقعات ہیں، جو از قبیل کرامت ہیں۔

فائدہ (۲): اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیات دلالت النص سے ثابت ہوتی ہے، جیسے ماں باپ کو 'اُف' کہنے کی ممانعت سے ضرب وشتم کی حرمت بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوتی ہے، انبیاء کا مقام ومرتبہ چونکہ شہداء سے بلند وبالا ہے اس

لئے وہ بھی وفات کے بعد زندۂ جاوید ہیں، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، اور ان کی حیات برزخی ہے یا دنیوی؟ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں تحفۃ القاری (۱۹۸:۷)

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کو جو راہِ خدا میں مارے گئے مردے مت کہو، وہ زندہ ہیں، مگر تم سمجھتے نہیں!

مؤمن کو کچھ نہ کچھ مصائب وتکالیف سے آزمایا جاتا ہے اور صبر کا فارمولہ اور اس کا ثواب

اعلیٰ درجہ کے صابرین کے ذکر کے بعد دوسرے درجہ کے صابرین کا ذکر کرتے ہیں، یہ عام مؤمنین ہیں، ان کا تھوڑی تھوڑی تکلیف اور مصیبت کے ذریعہ وقتاً فوقتاً امتحان کیا جاتا ہے، اور ان کے صبر کو دیکھا جاتا ہے، اگر وہ کھرا سونا ثابت ہوتے ہیں تو ان کو انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

حدیث میں ہے: ''مؤمن کا حال تروتازہ کھیتی جیسا ہے، جس کو ہوائیں پہنچتی ہیں، کبھی اس کو پچھاڑتی ہیں، اور کبھی اس کو سیدھا کرتی ہیں، یہاں تک کہ اس کی موت آجاتی ہے، اور منافق کا حال سیدھے کھڑے ہوئے درختِ صنوبر جیسا ہے، جس کو کوئی چیز نہیں پہنچتی، یہاں تک کہ وہ یکبارگی اکھڑ جاتا ہے'' یعنی جب گرتا ہے تو جڑ سے اکھڑ کر گرتا ہے۔

(مشکاۃ حدیث ۱۵۴۱)

دوسری حدیث میں ہے: ''جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، خواہ بیماری ہو یا اس کے علاوہ، تو اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو جھاڑتے ہیں، جیسے درخت (پت جھڑ کے موسم میں) اپنے پتے جھاڑتا ہے'' (مشکاۃ حدیث ۱۵۳۸) یہ منفی پہلو سے تکالیف ومصائب کا فائدہ ہے، اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، اور مثبت پہلو سے بشارت آگے آرہی ہے۔

صبر کا فارمولہ: جب کوئی تکلیف یا مصیبت پہنچے تو دو باتیں پیشِ نظر رکھے: ایک: یہ کہ پوری کائنات اللہ کی ملک ہے، اور مالک کو اپنی ملکیت میں ہر تصرف کا حق ہے، دوسری: یہ کہ ہر کسی کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پس جدائی عارضی ہے اور تکلیف فانی ہے۔ مثلاً: کسی کا لاڈلا بچہ مر گیا یا دکان جل گئی تو یہ بات سوچے کہ بچہ اللہ کی ملک تھا اور دکان بھی اسی کی تھی، اگر اس نے اپنی چیز لے لی تو غم کیسا؟ پھر بچہ ہمیشہ کے لئے جدا نہیں ہوا، جہاں وہ گیا ہے کل ہمیں بھی وہاں جانا ہے، جدائی عارضی ہے، جیسے باپ بیٹے کو ممبئی کے لئے رخصت کرتا ہے اور باپ کو بھی ایک ہفتہ کے بعد ممبئی جانا ہے تو بوقت رخصت رونا کیسا؟ اور مال گیا ہے تو اس کا اس سے بہتر عوض ملے گا۔ پس جو اس عقیدہ کو ملحوظ رکھے اور کہے: ﴿ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴾ تو اس کا غم ہلکا پڑ جائے گا اور صبر کرنا آسان ہو جائے گا۔

صبر کا ثواب: ارشادِ پاک ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَ رَحۡمَةٌ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ﴾: ان صابرین پر ان کے پروردگار کی طرف سے بے پایاں رحمتیں اور خصوصی رحمت ہے اور یہی لوگ راہ یاب ہیں۔

تفسیر: صلوۃ اور رحمت دو عِدل ہیں، اونٹ پر جب سامان باندھتے ہیں تو دونوں طرف بالکل برابر لادتے ہیں، اگر ایک طرف زیادہ ہوگا تو اس جانب کا بورا لٹک جائے گا، پس صلوٰۃ اور رحمت دو عدل ہیں یعنی دونوں تقریباً مترادف ہیں، اور صلوٰۃ کے معنی ہیں: غایتِ انعطاف، یعنی آخری درجہ کا میلان، اسی کو فارسی میں 'درود' کہتے ہیں، اس کا ترجمہ: بے پایاں رحمت کیا ہے اور رحمۃ کی تنوین تعظیم کے لئے ہے، یعنی خصوصی مہربانی، یہ بھی وہی درود ہے۔

پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دونوں بورے بھر جاتے ہیں اور کچھ جنس بچ جاتی ہے تو اس کی پوٹلی باندھ کر بوروں کے بیچ میں رکھ دیتے ہیں، یہ عِلاوۃ ہے، (اردو میں عین کے زبر کے ساتھ علاوہ کہتے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دو عدل کتنے شاندار ہیں اور عِلاوۃ کتنا شاندار ہے۔ صابرین کے لئے تین فضیلتیں ہیں: صلوٰۃ، رحمت اور ہدایت، صلوٰۃ اور رحمت عدلان ہیں اور ہدایت علاوہ (مزید برآن) مگر یہ صدمہ اولیٰ پر صبر کرنے کا ثواب ہے جب مصیبت دل کے ساتھ ٹکرائے اسی وقت جو صبر کرے اس کے لئے یہ فضیلت ہے۔

﴿ وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَـوۡفِ وَالۡجُـوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ ۝۱۵۵ الَّذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۙ قَالُوۡٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ۝۱۵۶ اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَ رَحۡمَةٌ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ۝۱۵۷ ﴾

ترجمہ: اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے قدرے خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی سے، اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنادیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ کی ملک ہیں، اور بے شک ہم ان کی طرف لوٹنے والے ہیں، انہی لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے بے پایاں رحمتیں اور خصوصی رحمت ہے، اور یہی لوگ راہ یاب ہیں!

صفا و مروہ مقاماتِ حج میں سے ہیں، بے تکلف ان کی سعی کرو

اب صبر کا دنیوی ثمرہ بطور مثال بیان فرماتے ہیں، صفا: کعبہ شریف سے پانچ سو گز کے فاصلہ پر مشرق شمال میں ایک پہاڑی تھی، اب برائے نام ہے، اور مروہ: اس سے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر کعبہ سے شمال مغرب میں ایک پہاڑی تھی، وہ بھی اب برائے نام رہ گئی ہے، ان کے درمیان سعی (سات چکر لگانا) حج اور عمرہ میں امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک فرض ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سنتِ مستحبہ ہے، ان

دونوں پہاڑیوں کو یہ اہمیت حضرت ہاجرۃ رضی اللہ عنہا کے صبر کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے، اوران کو مناسک میں اس وقت سے شامل کیا ہے جب تعمیر کعبہ کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے پہلا حج کیا تھا، پھر زمانۂ جاہلیت میں ان پر اساف ونائلہ نامی دو مورتیاں رکھ دی گئیں، مشرکین جب حج کرتے تھے تو سعی میں ان بتوں کو ہاتھ لگاتے تھے، مگر مدینہ کے مشرکین ان کو معبود نہیں مانتے تھے، اس لئے وہ سعی بھی نہیں کرتے تھے، پھر جب اسلام کا زمانہ آیا، اور وہ مورتیاں وہاں سے ہٹادی گئیں تو بھی انصار کو صفاومروہ کے درمیان سعی کرنے میں تکلف محسوس ہوا، پس یہ آیت نازل ہوئی، اوران کو بتایا کہ بے تکلف ان کے درمیان سعی کرو، یہ تو مناسک (مقاماتِ حج) میں شامل ہیں، ان کی سعی ان مورتیوں کی وجہ سے نہیں ہے۔

جب سعی واجب ہے تو ﴿ لَا جُنَاحَ ﴾ کی تعبیر کیوں ہے؟

﴿ لَا جُنَاحَ ﴾ کی تعبیر اباحت کی تعبیر ہے، اور سعی واجب ہے، پھر یہ تعبیر کیوں ہے؟ یہ سوال حضرت عروہ رحمہ اللہ نے جب وہ طالب علم تھے اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا تھا، انھوں نے وہی وجہ بیان کی جو اوپر ذکر کی کہ انصار زمانۂ جاہلیت میں جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو صفاومروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے (الی آخرہ) پھر جب اسلام کا زمانہ آیا، اور انصار کو سعی کرنے میں حرج محسوس ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی، اوران کے دلوں کا بوجھ ہٹایا، پس یہ اباحت کی تعبیر نہیں، اباحت کی تعبیر أن لّا یطّوّف بِھِمَا ہے، یعنی جو حج یا عمرہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ دونوں کی سعی نہ کرے (یہ روایت بخاری شریف میں کئی جگہ آئی ہے، تحفۃ القاری ۹:۹۱)

ایسی ہی تعبیر سورۃ النساء (آیت ۱۰۱) میں ہے: ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ﴾: جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (رباعی) نماز سے کم کرو، یعنی بے تکلف قصر پڑھو، اس میں کچھ حرج نہیں، یہ اباحت کی تعبیر نہیں، اباحت کی تعبیر أن أتموا ہے، چنانچہ سفر میں احناف کے نزدیک قصر واجب ہے، اتمام جائز نہیں۔

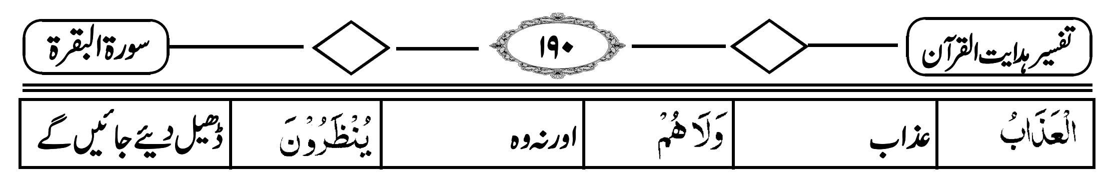
﴿ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝۱۵۸ ﴾

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ دونوں کے درمیان سعی کرے، اور جو اپنی خوشی سے کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ قدر دان سب کچھ جاننے والے ہیں —— یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے، واجب اور غیر واجب سب عبادتوں کو شامل ہے، ہر نیکی کے کام کی اللہ تعالیٰ قدر فرماتے ہیں، مگر اخلاص شرط ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۱۶۲﴾

إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جو لوگ	اللّٰعِنُونَ	لعنت بھیجنے والے	كَفَرُوا (۳)	انکار کیا
يَكْتُمُونَ	چھپاتے ہیں	إِلَّا الَّذِينَ	مگر جن لوگوں نے	وَمَاتُوا	اور مر دے وہ
مَا أَنْزَلْنَا (۱)	اس کو جو اتارا ہم نے	تَابُوا	توبہ کی	وَهُمْ كُفَّارٌ	درانحالیکہ وہ منکر تھے
مِنَ الْبَيِّنٰتِ	واضح دلائل سے	وَأَصْلَحُوا	اور اصلاح کی	أُولٰٓئِكَ	یہی لوگ
وَالْهُدٰى	اور راہ نمائی سے	وَبَيَّنُوا	اور بیان کیا	عَلَيْهِمْ	ان پر
مِنْ بَعْدِ (۲)	بعد	فَأُولٰٓئِكَ	پس یہ لوگ	لَعْنَةُ اللّٰهِ (۴)	اللہ کی پھٹکار ہے
مَا بَيَّنّٰهُ	اس کو بیان کرنے کے	أَتُوبُ	رحمت سے متوجہ ہوتا	وَالْمَلٰٓئِكَةِ	اور فرشتوں کی
لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے		ہوں میں	وَالنَّاسِ	اور انسانوں کی
فِي الْكِتٰبِ	آسمانی کتاب میں	عَلَيْهِمْ	اس کی طرف	أَجْمَعِينَ	سبھی کی
أُولٰٓئِكَ	یہی لوگ	وَأَنَا التَّوَّابُ	اور میں ہی بڑا توبہ	خٰلِدِينَ	وہ ہمیشہ رہنے والے
يَلْعَنُهُمُ	لعنت بھیجتے ہیں ان پر		قبول کرنے والا	فِيهَا (۵)	ہیں اس میں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	الرَّحِيمُ	بڑا رحم کرنے والا ہوں	لَا يُخَفَّفُ	نہیں ہلکا کیا جائے گا
وَيَلْعَنُهُمُ	اور لعنت بھیجتے ہیں ان پر	إِنَّ الَّذِينَ	بیشک جن لوگوں نے	عَنْهُمُ	ان سے

(۱) ما أنزلنا: موصول صلہ مل کر یکتمون کا مفعول بہ ہیں، اور من البینات میں مِن بیانیہ ہے، ما کا بیان ہے (۲) من بعد: یکتمون سے متعلق ہے، اور ما بیناہ میں ما: مصدریہ ہے اور مضاف الیہ ہے۔ (۳) کفروا: کتموا سے عام ہے، پس آیت اہل کتاب کے ساتھ خاص نہیں (۴) لعنت کی نسبت جب اللہ کی طرف کی جاتی ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں: رحمت سے دور کرنا، اور غیر اللہ کی طرف کی جاتی ہے تو اس کے معنی ہیں: بددعا کرنا (۵) فیها: کا مرجع لعنت ہے اور لعنت اور دوزخ متلازم ہیں۔



الْعَذَابُ	عذاب	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	يُنْظَرُوْنَ	ڈھیل دیئے جائیں گے

تحویلِ قبلہ کے متعلقات کا بیان پورا ہوا

ان آیات پر تحویلِ قبلہ کے متعلقات کا بیان پورا ہوگا، پھر نیا مضمون شروع ہوگا، ان آیات میں سے پہلی آیت میں ان اہل کتاب (یہود ونصاری) کو لتاڑا ہے جو ان کی کتابوں میں نبی ﷺ کی صفات اور ان کے قبلہ کے تعلق سے جو باتیں ہیں ان کو چھپاتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے، ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور مؤمنین ان کے لئے بددعا کرتے ہیں۔

پھر دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں یعنی مسلمان ہوجائیں، اور کتمانِ حق سے جو بگاڑ پیدا ہوا ہے اس کی اصلاح کریں، اور ان کی کتابوں میں جو باتیں ہیں ان کو لوگوں کے سامنے بیان کریں تو پھر وہ اللہ کے پیارے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو نظرِ رحمت سے دیکھیں گے، اور اللہ تعالیٰ تو توبہ قبول کرنے کے خوگر ہیں، اور بڑے رحم فرمانے والے ہیں، کوئی ان کے در پہ آکر تو دیکھے!

پھر آخری دو آیتیں گریز کی ہیں، اب موضوع بدلے گا، اسی لئے کتموا کے بجائے کفروا عام لفظ آیا ہے، اہل کتاب اور مشرکین وغیرہ سب کو شامل ہے، جو بھی دینِ اسلام کا انکار کرتا ہے، اور انکار ہی پر مرتا ہے تو وہ لوگ اللہ کے، فرشتوں کے اور لوگوں کے پھٹکارے ہوئے ہیں، اس طرح اہل کتاب کے علاوہ کا ذکر شامل ہوگیا، اور آگے دوسرے کفار (مشرکین) سے گفتگو ہوگی، اور فرمایا: لعنت ان کی ابدی سزا ہے، جہنم میں نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی، نہ وقت آجانے پر مہلت ملے گی!

آیاتِ پاک: —— بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اُن واضح دلائل اور ہدایت کو جن کو ہم نے نازل کیا ہے اس کے بعد کہ ہم نے ان کو لوگوں کے فائدے کے لئے آسمانی کتابوں میں بیان کردیا: ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کریں گے، اور ان کے لئے بددعائیں کرنے والے بھی بددعا کریں گے —— مگر جو لوگ توبہ کریں اور اصلاح کریں اور بیان کریں تو ان لوگوں کی طرف میں توجہ کروں گا، اور میں بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا بڑا رحم کرنے والا ہوں،

بے شک جن لوگوں نے (قبولِ اسلام سے) انکار کیا، اور وہ انکار ہی پر مرے تو انہی لوگوں پر اللہ کی پھٹکار ہے اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سبھی کی بددعائیں ہیں! وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا، اور نہ وہ ڈھیل دیئے جائیں گے!

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝۱۶۴

وَ اِلٰهُكُمْ	اور تمہارا معبود	وَ الْفُلْكِ(۳)	اور کشتیوں میں	بَعْدَ مَوْتِهَا	اس کے مرنے کے بعد
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	ایک معبود ہے	الَّتِیْ	جو	وَبَثَّ(۷)	اور پھیلانے میں
لَاۤ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	تَجْرِیْ	چلتی ہیں	فِیْهَا	اس میں
اِلَّا هُوَ	مگر وہ	فِی الْبَحْرِ	سمندر میں	مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ	ہر قسم کے جانوروں کو
الرَّحْمٰنُ(۱)	(وہ) نہایت مہربان	بِمَا	اس چیز کے ساتھ جو	وَّتَصْرِیْفِ	اور ادلنے بدلنے میں
الرَّحِیْمُ	بڑا رحم والا ہے	یَنْفَعُ	نفع پہنچاتی ہے	الرِّیٰحِ	ہواؤں کو
اِنَّ فِیْ خَلْقِ	بیشک پیدا کرنے میں	النَّاسَ	لوگوں کو	وَالسَّحَابِ	اور بادل میں
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	وَمَاۤ اَنْزَلَ(۴)	اور اتارنے میں	الْمُسَخَّرِ	بیگار میں لگا ہوا
وَ الْاَرْضِ	اور زمین کے	اللّٰهُ	اللہ کے	بَیْنَ السَّمَآءِ	آسمان کے درمیان
وَ اخْتِلَافِ(۲)	اور یکے بعد دیگرے	مِنَ السَّمَآءِ(۵)	آسمان سے	وَ الْاَرْضِ	اور زمین کے
	آنے میں	مِنْ مَّآءٍ(۶)	پانی	لَاٰیٰتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں
الَّیْلِ	رات	فَاَحْیَا بِهِ	پس زندہ کیا اس کے ذریعہ	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
وَ النَّهَارِ	اور دن کے	الْاَرْضَ	زمین کو	یَّعْقِلُوْنَ	جو سمجھتے ہیں

(۱) الرحمنُ: مبتدا محذوف ھو کی خبر ہے اور موجود ھو کی خبر بن کر جملہ مستثنیٰ بنے: یہ بھی جائز ہے (۲) اختلافِ: خلقِ پر معطوف ہے، اسی طرح آگے کے جملے بھی خلق پر معطوف ہیں (۳) الفلك: جمع ہے، التی: موصول صلہ الفلك کی صفت ہیں، اور بما: تجری سے متعلق ہے (۴) ما أنزل: ما: مصدریہ ہے اور أنزل: بتاویل مصدر ہو کر خلق پر معطوف ہے (۵) من السماء: من: ابتدائیہ ہے (۶) من ماء: من: بیانیہ، ما کا بیان ہے (۷) بث کا أنزل پر عطف ہے، پھر بتاویل مصدر ہو کر خلق پر معطوف ہے (۸) بیگار: مفت میں کام لینا، مراد: تابع فرمان۔

ملتِ ابراہیمی اسماعیلی پر مبعوث خاتم النّبیین ﷺ کی تعلیمات

۱-توحید کا بیان

اب توحید کا مضمون شروع کرتے ہیں، توحید: اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اور رسالت کا عقیدہ اوپر ضمناً آ گیا ہے، تحویلِ قبلہ کے ضمن میں عموماً، اور ﴿ مَآ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَيِّنٰتِ وَالۡهُدٰى ﴾ میں خصوصاً نبی ﷺ کا ذکر آ گیا ہے، اس لئے آگے اس کا ذکر نہیں آئے گا۔

ایک اللہ کے معبود ہونے پر قدرت کے سات کارناموں سے استدلال

مضمون کا سرنامہ ہے: ''تمہارا معبود ایک معبود ہے، اُس رحمان ورحیم کے سوا کوئی معبود نہیں!'' —— اللہ تعالیٰ دنیا کے اعتبار سے رحمان ہیں، ہر ایک کی پرورش کرتے ہیں، مؤمن کی بھی اور کافر کی بھی، اور آخرت کے اعتبار سے رحیم ہیں، وہاں رحمت مؤمنین کے لئے خاص ہوگی، سورۃ الفاتحہ میں: ﴿ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴾ کی تفسیر دیکھیں۔

اس مدعیٰ پر اللہ پاک اپنے سات کارناموں سے استدلال کرتے ہیں:

۱- یہ دنیا جو ہمیں نظر آ رہی ہے، جس میں ہم موجود ہیں: آسمانوں اور زمین کا مجموعہ ہے، اس کے نظامِ شمسی میں ہم سانس لے رہے ہیں، یہ سارا جہاں اللہ نے پیدا کیا ہے، اس کی بناوٹ میں غور کرو، ہر ورق دفترے است از معرفتِ کردگار: پتّے پتّے سے اس کی کاریگری عیاں ہے، عیاں راچہ بیان! عقل دنگ رہ جائے گی کہ اللہ نے کیسا کچھ یہ جہاں بنایا ہے؟ کیا ان کے سوا بھی کوئی معبود ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں!

۲-شب وروز وقفہ وقفہ سے آتے ہیں، جس سے ہم پنپ رہے ہیں، اگر رات ہی رات ہوتی تو سوچو کیا حال ہوتا؟ ہر چیز ٹھٹھر جاتی! اور دن ہی دن ہوتا تو ہر چیز جھلس جاتی! رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے سے گرمی سردی کا توازن ہے، رات میں مخلوقات آرام کرتی ہیں اور دن میں مشغول ہو جاتی ہیں۔

۳-سمندر کی ٹھاٹیں مارتی موجوں میں لاکھوں ٹن کے جہاز رواں دواں ہیں، ایک ڈھیلا پانی پر نہیں رکتا مگر جہاز نہیں ڈوبتا، اور لوگوں کو اور ان کے مال ومتاع کو لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچتا ہے اور لوگ نفع حاصل کرتے ہیں۔

اسی طرح ہزاروں ٹن کا ہوائی جہاز فضا کو چیرتا ہوا چلا جا رہا ہے اور گرتا نہیں، یہ کس کی قدرت کا کرشمہ ہے؟ اللہ کا! پس وہی معبود برحق ہے!

۴- بادل سمندر سے پانی اٹھاتے ہیں، اور جگہ جگہ برستے ہیں، جس سے ویران پڑی ہوئی زمین سرسبز وشاداب

ہوجاتی ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ مخلوقات کی معیشت کا انتظام کرتے ہیں، وہی مہربان اللہ معبود ہیں، ان کے سوا کون معبود ہے؟

۵- زمین میں بھانت بھانت کے حیوانات بکھرے پڑے ہیں، ہر جگہ میں اس خطہ کے مناسب جانور پیدا کئے ہیں، اتنی بے شمار مخلوقات کے خالق ہی معبود ہیں، اور کون خالق ہے؟

۶- اللہ تعالیٰ ہواؤں کو رخ بدل بدل کر چلاتے ہیں، کبھی پُروا کبھی پچھوا، کبھی شمالی کبھی جنوبی ہوائیں چلتی ہیں، اگر ایک رخ کی ہوا چلتی تو ہر چیز جھک جاتی، کوئی چیز سیدھی کھڑی نہ رہتی!

۷- فضاء میں اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو روک رکھا ہے، وہ پانی سے بوجھل اور تابع حکم ہیں، جہاں حکم ہوتا ہے برستے ہیں، مجال ہے کہ کوئی قطرہ دوسری جگہ گر جائے!

یہ سب کام جو ہستی کرتی ہے وہی معبود برحق ہے مشرکین بھی جواہر (بڑی چیزوں) کا خالق اللہ ہی کو مانتے ہیں، پھر وہ دوسروں کے در پے جبہ سائی کیوں کرتے ہیں!

آیاتِ پاک: —— اور تمہارا معبود ایک معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ نہایت مہربان بڑا رحم کرنے والا ہے۔ بے شک: (۱) آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں (۲) اور شب و روز کے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں (۳) اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں چلتی ہیں لوگوں کے لئے مفید چیزیں لے کر (۴) اور آسمان سے اللہ کے پانی برسانے میں، پس سرسبز کیا اس کے ذریعہ زمین کو ویران ہو جانے کے بعد (۵) اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلانے میں (۶) اور ہواؤں کے ادلنے بدلنے میں (۷) اور آسمان و زمین کے درمیان مسخّر (تابع حکم) بادلوں میں —— یقیناً عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں! —— اگر وہ غور کریں تو جان لیں گے کہ جس نے یہ کام کئے ہیں وہی معبود برحق ہے، ان کے سوا کوئی معبود نہیں ہوسکتا!

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ

بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

وَمِنَ النَّاسِ(۱)	اور بعض لوگ	جَمِيْعًا	ساری	كَرَّةً	پلٹنا
مَنْ يَّتَّخِذُ	جو بناتے ہیں	وَّاَنَّ اللّٰهَ	اور یہ کہ اللہ تعالیٰ	فَنَتَبَرَّاَ	پس بے تعلقی ظاہر کرتے ہم
مِنْ دُوْنِ	ورے (نیچے)	شَدِيْدُ الْعَذَابِ	سخت سزا دینے والے ہیں	مِنْهُمْ	ان سے
اللّٰهِ	اللہ کے	اِذْ	(یاد کرو) جب	كَمَا	جس طرح
اَنْدَادًا	ہم سر (برابر)	تَبَرَّاَ	بے تعلقی ظاہر کریں گے	تَبَرَّءُوْا	بے تعلقی ظاہر کی
يُّحِبُّوْنَهُمْ	وہ ان سے محبت کرتے ہیں	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو		انھوں نے
كَحُبِّ اللّٰهِ	اللہ کی محبت جیسی	اتُّبِعُوْا	پیروی کئے گئے	مِنَّا	ہم سے
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اور جو لوگ ایمان لائے	مِنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جنھوں نے	كَذٰلِكَ	اس طرح
اَشَدُّ حُبًّا	بڑھے ہوئے ہیں محبت میں	اتَّبَعُوْا	پیروی کی	يُرِيْهِمُ	دکھائیں گے ان کو
لِّلّٰهِ	اللہ کی	وَرَاَوُا	اور دیکھا انھوں نے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَلَوْ يَرَى	اور اگر دیکھیں	الْعَذَابَ	عذاب	اَعْمَالَهُمْ	ان کے اعمال (شرکیہ)
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	وَتَقَطَّعَتْ	اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے	حَسَرٰتٍ(۵)	پچھتاوا
ظَلَمُوْٓا	شرک کیا	بِهِمُ	ان کے	عَلَيْهِمْ	ان پر
اِذْ يَرَوْنَ(۲)	جب دیکھیں وہ	الْاَسْبَابُ(۴)	تعلقات	وَمَا هُمْ	اور نہیں ہیں وہ
الْعَذَابَ	عذاب کو	وَقَالَ الَّذِيْنَ	اور کہا جنھوں نے	بِخٰرِجِيْنَ	نکلنے والے
اَنَّ الْقُوَّةَ(۳)	کہ طاقت	اتَّبَعُوْا	پیروی کی	مِنَ النَّارِ	دوزخ سے
لِلّٰهِ	اللہ کی ہے	لَوْ اَنَّ لَنَا	کاش ہوتا ہمارے لئے	۞	۞

(۱) من الناس: خبر مقدم ہے اور من يتخذ مبتدا مؤخر، اور من دون الله: يتخذ سے متعلق ہے، اور أندادا: مفعول بہ، نِدّ: ہم سر، برابر کا مخالف (۲) إذ يرون: إذ ظرفیہ، یری کا ظرف ہے (۳) أن القوة: معطوف کے ساتھ یری کا مفعول بہ ہے، اور لو کا جواب محذوف ہے، أی لَيَرىٰ أمراً عجيباً، اور حذف کا قرینہ إذ تبرأ ہے (۴) الأسباب: السبب کی جمع: کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ، مراد عابدین ومعبود کے درمیان کے تعلقات اور روابط ہیں۔ (۵) حسرات: مفعولِ ثالث ہے اگر یری سے رویتِ قلبی مراد ہے، اور اعمال کا حال ہے اگر رویت بصری مراد ہے۔

ردّ اشراک

مشرکین اعمالِ شرکیہ پر دوزخ میں پچھتائیں گے

اشراک: کے معنی ہیں: شریک ٹھہرانا، اور ردّ کے معنی ہیں: ابطال، ابطالِ شرک بھی توحید کا مضمون ہے، مشرکین اللہ کے بندوں کو جن کو وہ بھی اللہ سے کم درجہ سمجھتے ہیں، اللہ کے برابر گردان کر ان کی عبادت کرتے ہیں، جو بہت بڑا ظلم (ناانصافی) ہے، کیونکہ عبادت اللہ ہی کا حق ہے، اس کو غیر محل میں رکھنا ظلم ہے۔

اور شرک کا سبب محبت میں غلو ہے: —— غلو کے معنی ہیں: حد سے بڑھنا، اللہ کے بندوں میں جو قابلِ محبت ہیں ان سے محبت ضروری ہے، ملائکہ، اولیاء اور انبیاء سب قابل محبت ہیں، اور سب سے زیادہ محبت سرور کونین محبوب رب العالمین ﷺ سے ضروری ہے، مگر اس کی بھی ایک حد ہے، اس پر رکنا ضروری ہے، اگر اس سے آگے بڑھے گا تو مخلوق کو خالق سے ملا دے گا، اور عبادت جو خالص اللہ کا حق ہے اس کی نذر کرے گا، اور اس سے مرادیں مانگے گا، جبکہ مخلوق کے اختیار میں کچھ نہیں، مشرکین اپنے معبودوں کی محبت میں حد سے بڑھ گئے ہیں، وہ ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں، اس لئے وہ ان کی پرستش کرتے ہیں۔

مؤمنین اللہ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں: —— مؤمنین کو اللہ سے انتہائی محبت ہوتی ہے، اس لئے وہ شرک سے بچے رہتے ہیں، ان کے دلوں میں غیر اللہ کی آخری درجہ کی محبت کی گنجائش نہیں، اور مشرکین اگرچہ اللہ کو مانتے ہیں، مگر اللہ کی محبت غایت درجہ ان کے دلوں میں نہیں، اس لئے وہ شرک کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں، ایک دل میں دو کی انتہائی محبت جمع نہیں ہوسکتی، مجنون: لیلیٰ سے بھی ٹوٹ کر محبت کرے اور اس کے علاوہ سے بھی: یہ ناممکن ہے، البتہ ایک کی قوی اور دوسرے کی ضعیف محبت جمع ہوسکتی ہے، مشرکین کی اللہ سے محبت ضعیف ہے اور مورتیوں سے محبت قوی ہے، اس لئے وہ اللہ کو چھوڑ کر مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں، اور مؤمنین چونکہ اللہ تعالیٰ سے بے حد محبت کرتے ہیں، اس لئے کسی اور کو اس کے برابر نہیں گردانتے:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے ❁ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے!

اور مشرکین جب دوزخ کے عذاب سے دوچار ہونگے، اور وہ جان لیں گے کہ زور سارا اللہ کا ہے، ان کے معبودوں کی کچھ نہیں چل رہی، اور دوزخ کا عذاب بہت سخت ہے تو ان کا عجیب حال ہوگا!

ان کے معبود ان سے بے تعلقی کا اظہار کریں گے، اور ان کے باہمی تعلقات پارہ پارہ ہوجائیں گے: اس وقت مشرکین تمنا کریں گے کہ اگر ان کا دنیا کی طرف پلٹنا ہوتو وہ بھی ان معبودوں سے بے تعلق ہوجائیں، یوں مشرکین کے

اعمال (پوجا) حسرتیں بنیں گے، مگر فائدہ کچھ نہیں کہ وہ اب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، اب کفِ افسوس ملنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

آیاتِ پاک: —— اور بعض لوگ اللہ سے کم مرتبہ کو اللہ کا ہم سر بناتے ہیں، وہ ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں، اور مؤمنین اللہ کی محبت میں بہت بڑھے ہوئے ہیں —— اور اگر ظالم (مشرکین) دیکھیں جب وہ عذاب کو دیکھیں کہ سارا زور اللہ کا ہے، اور یہ کہ اللہ سخت سزا دینے والے ہیں (تو ان کا عجیب حال ہوگا! یاد کرو:) جب وہ لوگ جو پیروی کے گئے (معبود) بے تعلقی ظاہر کریں گے ان لوگوں سے جنھوں نے پیروی کی (مشرکین سے) اور وہ عذاب کو دیکھیں گے، اور ان کے تعلقات پارہ پارہ ہوجائیں گے، اور جنھوں نے پیروی کی ہے کہیں گے: کاش ہمارے لئے پلٹنا ہوتو ہم (بھی) ان سے بے تعلقی ظاہر کریں جیسی انھوں نے ہم سے بے تعلقی ظاہر کی، یوں اللہ تعالیٰ ان کے لئے ان کے اعمال (شرکیہ) حسرت در حسرت بنائیں گے، اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں!

کاف (حرفِ تشبیہ) اور مِثْل میں فرق

کاف کے ذریعہ تشبیہ میں من وجہٍ مشابہت ہوتی ہے، یعنی بعض اوصاف میں شرکت ہوتی ہے، جیسے زید کالأسد: زید شیر کی طرح ہے یعنی بہادری اور قوت میں، یہ مطلب نہیں کہ اس کے بھی چار پیر اور دُم ہے۔ اور مِثْل میں مشابہت من جمیع الوجوہ ہوتی ہے، اسی وجہ سے امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں إیمانی کإیمان جبرئیل تو کہتا ہوں، مگر إیمانی مِثْلُ إیمانِ جبرئیل نہیں کہتا، کیونکہ کاف سے تشبیہ میں مومَنٌ بہ میں برابری کافی ہے، تمام اوصاف میں برابری ضروری نہیں۔ اور مثل میں ہر اعتبار سے مساوات ضروری ہے، اور مؤمنین ایمان میں کیفیت کے اعتبار سے متفاوت ہیں، اس لئے مِثْلُ إیمانِ جبرئیل کہنا درست نہیں۔

اور سورۃ الشوریٰ (آیت ۱۱) میں ہے: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾: اس میں کاف اور مِثْل دونوں کو جمع کیا ہے، اور کوئی زائد نہیں، اور مطلب یہ ہے کہ کوئی مخلوق اللہ کے ساتھ نہ تمام صفات میں برابر ہے نہ بعض صفات میں، خالق اور مخلوق کی صفات میں کوئی جوڑ نہیں۔

اور یہاں آیت میں: ﴿ كَحُبِّ اللّٰهِ ﴾ ہے، یعنی مشرکین بعض اوصاف میں اپنے معبودوں کو اللہ کے برابر گردانتے تھے، اور وہ وصفِ معبودیت ہے، وہ اُن مورتیوں کو بھی معبود مانتے تھے، ہر اعتبار سے وہ ان کو اللہ کے برابر نہیں مانتے، وہ بھی جواہر (امورِ عظام) کا خالق اللہ ہی کو مانتے تھے، اس لئے حرفِ تشبیہ کاف آیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۶۸ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۶۹ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۷۰ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۷۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۱۷۲

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ(۱)	اے لوگو	وَالْفَحْشَاۗءِ	اور بے حیائی کا	اٰبَاۗءَنَا	ہمارے باپ دادوں کو
كُلُوْا	کھاؤ	وَاَنْ تَقُوْلُوْا(۳)	اور کہنے کا تمہیں	اَوَلَوْ كَانَ	کیا اگرچہ ہوں
مِمَّا	اس سے جو	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	اٰبَاۗؤُھُمْ	ان کے باپ دادا
فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے	مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	جو نہیں جانتے تم	لَا يَعْقِلُوْنَ	نہ سمجھتے ہوں
حَلٰلًا طَيِّبًا(۲)	حلال پاکیزہ	وَاِذَا قِيْلَ	اور جب کہا جاتا ہے	شَـيْـــًٔـا	کچھ
وَّلَا تَتَّبِعُوْا	اور مت پیروی کرو	لَهُمُ	ان سے	وَّلَا يَهْتَدُوْنَ	اور نہ راہ یاب ہوں
خُطُوٰتِ	قدموں کی	اتَّبِعُوْا	پیروی کرو	وَمَثَلُ	اور حالت
الشَّيْطٰنِ	شیطان کے	مَآ اَنْزَلَ	اس کی جو اتارا	الَّذِيْنَ	ان کی جنھوں نے
اِنَّهٗ لَكُمْ	بے شک وہ تمہارا	اللّٰهُ	اللہ نے	كَفَرُوْا	اسلام قبول کیا
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ	کھلا دشمن ہے	قَالُوْا	کہتے ہیں وہ	كَمَثَلِ الَّذِيْ	جیسے حالت اس کی جو
اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	بَلْ نَتَّبِعُ	بلکہ پیروی کرتے ہیں ہم	يَنْعِقُ(۴)	چیخ کر ڈانٹا ہے
يَاْمُرُكُمْ	حکم دیتا ہے تم کو	مَآ اَلْفَيْنَا	اس کی جو پایا ہم نے	بِمَا لَا يَسْمَعُ	اس جانور کو جو نہیں سنتا
بِالسُّوْٓءِ	برائی کا	عَلَيْهِ	اس پر	اِلَّا دُعَاۗءً	مگر پکارنا

(۱) یأیها الناس: خطاب عام ہے، مگر روئے سخن کفار کی طرف ہے (۲) حلالاً: ما: کا حال ہے، اور طیبا: اس کی تاکید ہے، اور اس میں حلت کی علت کی طرف اشارہ ہے (۳) أن تقولوا: أن: مصدریہ ہے، اور جملہ بتاویل مصدر ہو کر السوء پر معطوف ہے (۴) نَعَقَ (ض) نَعْقًا: چیخنا چلانا، نَعَقَ بغنمه: بکریوں کو چیخ کر ڈانٹا۔

وَنِدَآءً	اور بلانا	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	وَاشْكُرُوْا	اور شکر بجالاؤ
صُمٌّ بُكْمٌ	بہرے گونگے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	لِلّٰهِ	اللہ کا
عُمْيٌ	اندھے (ہیں)	كُلُوْا	کھاؤ	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
فَهُمْ	پس وہ	مِنْ طَيِّبٰتِ	پاکیزہ چیزوں سے	اِيَّاهُ	اسی کی
لَا يَعْقِلُوْنَ	نہیں سمجھتے	مَا رَزَقْنٰكُمْ	جو روزی دی ہم نے تم کو	تَعْبُدُوْنَ	عبادت کرتے

حلال کو حرام کرنا شرک ہے مگر مشرکین باز نہیں آئیں گے، البتہ مؤمنین ایسا نہ کریں

مشرکین بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے تھے، اوران سے فائدہ اٹھانا حرام سمجھتے تھے، یہ بھی ایک طرح کا شرک ہے، تحلیل وتحریم کا اختیار اللہ کا ہے، اس سلسلہ میں کسی کی بات ماننا اس کو اللہ کے برابر ٹھہرانا ہے، جو شرک ہے، ان آیات میں اس کی ممانعت ہے۔

فرماتے ہیں: زمین میں جو کچھ ہے، اس میں سے جو حلال پاکیزہ ہے اس میں سے کھاؤ، شیطان کی پیروی میں اس کو حرام مت کرو، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے، وہ برائی، بے حیائی اور اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرنے ہی کا حکم دیتا ہے جس کا تمہیں کچھ علم نہیں، مگر مشرکین اللہ کے احکام کے مقابلہ میں باپ دادوں کی پیروی کرتے ہیں، قوم کی ریت اپنائے ہوئے ہیں، حالانکہ ان کے اسلاف ناسمجھ اور ناہدایت یافتہ تھے، پس ان کی پیروی کا کیا جواز ہے؟ مگر کفار بات کہاں سنیں گے، ان کو ہدایت کی طرف بلانا ایسا ہے جیسے کوئی جانور کو ڈانٹ پکارے، جو آواز کے سوا کچھ نہیں سنے گا، اسی طرح کافر بھی بہرے ہیں، حق بات نہیں سنیں گے، گونگے ہیں، حق بات نہیں بولیں گے، اندھے ہیں، راہ ہدایت نہیں دیکھیں گے، یہی تین علم وفہم کے ذرائع ہیں، جو انھوں نے کھودیئے، پس وہ تو کچھ نہیں سمجھیں گے، البتہ مسلمان سمجھیں، اللہ کا حلال پاکیزہ رزق کھائیں اور اللہ کا شکر بجالائیں، اگر وہ موحد ہیں، کھرے ایماندار ہیں تو نبیوں ولیوں اور درگاہوں پر جانور چھوڑنے سے اور غیر اللہ کی نیاز بھرنے سے باز آئیں، یہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے، شرک کبھی نہیں بخشا جائے گا!

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اے لوگو! زمین میں جو حلال پاکیزہ چیزیں ہیں ان میں سے کھاؤ، اور شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو —— یعنی ان کو حرام مت کرو —— وہ بالیقین تمہارا کھلا دشمن ہے!

فائدہ: ﴿ حَلٰلًا ﴾ کے بعد ﴿ طَيِّبًا ﴾ آیا ہے، اس میں حلت کی علت کی طرف اشارہ ہے، کھانے پینے کی چیزوں

میں سے وہی چیزیں حلال ہیں جو ستھری پاکیزہ ہیں، خبیث (گندی) چیزیں حرام ہیں۔ سورۃ الاعراف (آیت ۱۵۶) میں ہے: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾: وہ حلال کرتے ہیں لوگوں کے لئے پاکیزہ چیزیں اور حرام کرتے ہیں ان پر گندی چیزیں —— یہی حلت وحرمت کی بنیادیں ہیں۔

پھر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ اس سلسلہ میں کس کے ذوق کا اعتبار ہے: نبی ﷺ کے ذوق کا یا عربوں کے ذوق کا؟ احناف ذوقِ نبوی کا اعتبار کرتے ہیں، اسی لئے انھوں نے گوہ کو حرام کہا ہے، اور دوسرے ائمہ عربوں کے ذوق کا اعتبار کرتے ہیں، ابن قدامہ کی المغنی میں اس کی صراحت ہے، اس لئے انھوں نے گوہ کو حلال کہا ہے، حنفیہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کی نبوت عام ہے، پس ایک خاص قوم کا ذوق تمام انسانوں کے حق میں معتبر نہیں، نبی ﷺ کا ذوق ہی سب لوگوں کے لئے قابلِ قبول ہے۔

﴿اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۱۶۹﴾

ترجمہ: وہ تمہیں برائی اور بے حیائی اور اللہ کے نام ایسی بات لگانے ہی کا حکم دے گا جسے تم نہیں جانتے —— یعنی دروغ بیانی کا حکم دے گا کہ ان جانوروں کو اللہ نے حرام کیا ہے، جس کا تمہیں کچھ علم نہیں!

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۝۱۷۰﴾

ترجمہ: اور جب اُن (مشرکین) سے کہا جاتا ہے کہ تم اس (وحی) کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کی ہے —— جس میں ان جانوروں کی حلت کا بیان ہے —— تو وہ کہتے ہیں: ہم اس (طریقہ) کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے —— یعنی ہم اپنی قومی ریت کو اپنائے رہیں گے —— کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں نہ وہ راہ یاب ہوں —— یعنی ایسوں کی پیروی کا کیا تُک ہے!

﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۝۱۷۱﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کا حال جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا اس شخص جیسا ہے جو ڈانٹتا ہے اس جانور کو جو چیخ پکار کے سوا کچھ نہیں سنتا —— یعنی مشرکین کالانعام ہیں —— وہ بہرے گونگے اندھے ہیں، اس لئے وہ سمجھتے نہیں!

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۝۱۷۲﴾

ترجمہ: اے مسلمانو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ، جو ہم نے تم کو بطور روزی دی ہیں —— مراد سائبہ وغیرہ

حیوانات ہیں جن کو مشرکین نے حرام کیا ہے ـــــ اور اللہ کا شکر بجالاؤ، اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو! ـــــ بندگی کے معنی ہیں: فرماں برداری، تعمیلِ حکم۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿١٧٦﴾

ع ۲۱ ۹ ۵

إِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	بِهِ	اس کے ذریعہ	إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
حَرَّمَ	حرام کیا (اللہ نے)	لِغَيْرِ اللَّهِ	اللہ کے علاوہ کو	غَفُورٌ	بڑے بخشنے والے
عَلَيْكُمُ	تم پر	فَمَنِ	پس جو شخص	رَحِيمٌ	بڑے رحم والے ہیں
الْمَيْتَةَ	مردار کو	اضْطُرَّ (۲)	مجبور ہوگیا	إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جو لوگ
وَالدَّمَ	اور خون کو	غَيْرَ بَاغٍ (۳)	نہ چاہنے والا	يَكْتُمُونَ	چھپاتے ہیں
وَلَحْمَ	اور گوشت کو	وَلَا عَادٍ (۴)	اور نہ حد سے بڑھنے والا	مَا أَنْزَلَ	اس کو جو اتارا
الْخِنْزِيرِ	سور کے	فَلَا إِثْمَ	پس کوئی گناہ نہیں	اللَّهُ	اللہ نے
وَمَا أُهِلَّ (۱)	اور اس کو جو پکارا گیا	عَلَيْهِ	اس پر	مِنَ الْكِتَابِ	کتاب (تورات) سے

(۱) ما أهل: ما: موصولہ: صلہ کے ساتھ المیتۃ پر معطوف، أهل: ماضی مجہول، اہلال کے اصل معنی ہیں: چاند دیکھتے وقت آواز لگانا اور پکارنا، پھر ہر آواز لگانے کے لئے اس کا استعمال ہونے لگا (۲) اضطر: ماضی مجہول: بے اختیار اور لاچار کیا گیا، کسی ضرر رساں چیز پر مجبور کیا گیا (۳) باغ: اسم فاعل: بَغَی (ض) الشیئَ بغیۃً: چاہنا، طلب کرنا، اور بغی (ض) بَغْیًا: تجاوز کرنا، زیادتی کرنا، ظلم کرنا (۴) عاد: اسم فاعل: عدی علیہ: زیادتی کرنا۔

وَ يَشْتَرُوْنَ	اور خریدتے ہیں وہ	يُزَكِّيْهِمْ	پاک کریں گے ان کو	اَصْبَرَهُمْ	صبر کرنے والے ہیں وہ
بِهٖ	اس کے بدل	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	عَلَى النَّارِ	دوزخ پر
ثَمَنًا قَلِيْلًا	تھوڑی قیمت	عَذَابٌ	سزا ہے	ذٰلِكَ	یہ بات
اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	اَلِيْمٌ	دردناک	بِاَنَّ اللّٰهَ	بایں وجہ ہے کہ اللہ نے
مَا يَاْكُلُوْنَ	نہیں کھاتے	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ ہیں	نَزَّلَ	اتاری
فِيْ بُطُوْنِهِمْ	اپنے پیٹوں میں	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	الْكِتٰبَ	کتاب (قرآن)
اِلَّا النَّارَ	مگر آگ	اشْتَرَوُا	خریدا	بِالْحَقِّ	دین حق پر مشتمل
وَلَا	اور نہیں	الضَّلٰلَةَ	گمراہی کو	وَاِنَّ الَّذِيْنَ	اور بیشک جنھوں نے
يُكَلِّمُهُمُ	بات کریں گے ان سے	بِالْهُدٰى	ہدایت کے بدل	اخْتَلَفُوْا	اختلاف کیا
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَالْعَذَابَ	اور عذاب کو	فِي الْكِتٰبِ	کتاب (قرآن) میں
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	بِالْمَغْفِرَةِ	مغفرت کے بدل	لَفِيْ شِقَاقٍ	یقیناً مخالفت میں ہیں
وَلَا	اور نہیں	فَمَآ	پس کس قدر	بَعِيْدٍ	دور کے

اللہ نے چار چیزیں حرام کی ہیں، مشرکین ان کو حلال کرتے ہیں، یہ بھی شرک ہے

جس طرح حلال کو حرام کرنا شرک ہے: حرام کو حلال کرنا بھی شرک ہے، اس لئے کہ یہ بھی تحلیل وتحریم کا اختیار غیر اللہ کے لئے تسلیم کرنا ہے، مشرکوں نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو حرام کیا تھا، جو حلال جانور تھے، اور چار چیزوں کو جن کو اللہ نے قطعی حرام کیا ہے حلال کرتے تھے اور کھاتے تھے، اب اس شرک کا بیان ہے، وہ مردار کھاتے تھے، اب بھی چمار اس کو کھاتے ہیں، وہ بہتا خون جو ذبح کے وقت نکلتا ہے استعمال کرتے تھے، وہ سور کا گوشت کھاتے تھے، اسی طرح استھانوں پر جو جانور جھٹکا کئے جاتے ہیں ان کو بھی کھاتے تھے، جبکہ یہ چاروں چیزیں اللہ کی شریعتوں میں قطعاً حرام ہیں، تورات میں بھی اس کا ذکر ہے، مگر یہود اس کو چھپاتے ہیں۔

وہ چار حلال جانور جن کو مشرکین نے حرام کر رکھا تھا:

۱- بحیرہ: وہ جانور جس کے کان چیر کر اس کا دودھ بتوں کے نام پر وقف کرتے تھے۔

۲- سائبہ: وہ جانور جو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا، اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا حرام سمجھا جاتا تھا۔

۳- وصیلہ: وہ اونٹنی جو لگاتار مادہ بچے جنے، درمیان میں نر بچہ نہ ہو، ایسی اونٹنی کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

۴-حامی: وہ نر اونٹ جو ایک خاص تعداد میں جفتی کر چکا ہو، اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔

وہ چار چیزیں جو اللہ کی شریعتوں میں قطعی حرام ہیں:

۱-مردار: جو جانور خود بخود مر جائے، ذبح کی نوبت نہ آئے، یا غیر شرعی طریقہ پر ذبح یا شکار کیا جائے، مثلاً: گلا گھونٹا جائے یا زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے یا لکڑی اور پتھر اور غلیل اور بندوق سے مارا جائے یا اوپر سے گر کر یا کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے، یا درندہ پھاڑ ڈالے یا ذبح کے وقت قصداً تکبیر کو ترک کیا جائے: یہ سب مردار اور حرام ہیں، البتہ دو جانور بہ حکم حدیث شریف اس حرمت سے مستثنیٰ ہیں اور ہم کو حلال ہیں: مچھلی اور ٹڈی (فوائد شیخ الہند)

۲-خون: جو رگوں سے بہتا ہے اور ذبح کے وقت نکلتا ہے، البتہ جو خون گوشت پر لگا رہتا ہے وہ پاک ہے، اگر گوشت کو بغیر دھوئے پکا لیا جائے تو اس کا کھانا درست ہے، مگر نظافت کے خلاف ہے، اور کلیجی اور تلّی جو منجمد خون ہیں بہ حکم حدیث شریف حلال ہیں۔

۳-خنزیر کا گوشت: اگر چہ اس کو باقاعدہ ذبح کیا گیا ہو، اسی طرح اس کے تمام اجزاء، پوست (چمڑا) چربی، ناخن، بال، ہڈی، پٹھا: سب ناپاک ہیں، ان سے نفع اٹھانا اور کسی کام میں لانا حرام ہے۔

۴-غیر اللہ کے نامزد کیا ہوا جانور: اگر چہ اس کو تکبیر کے ساتھ ذبح کیا گیا ہو: مردار سے بھی اخبث ہے، البتہ ناذر (نامزد کرنے والا) توبہ کرے، پھر اللہ کے نام پر ذبح کرے تو حلال ہے، مشرکین بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے تھے یا کسی استھان پر جھٹکا کرتے تھے، پھر اس کو کھاتے تھے، اس کی حرمت کا ذکر ہے۔

لاچاری اور مجبوری کا حکم:

اگر بھوک مری کی نوبت آجائے یا اکراہ ملجی ہو، یعنی جان جانے کا غالب گمان ہو تو مردار وغیرہ استعمال کر سکتا ہے، جبکہ لذت اندوز ہونا مقصود نہ ہو، نہ ضرورت سے زیادہ کھائے، بس جان بچالے، سدّ رمق کے بقدر کھائے۔

اور آخر آیت میں ایک خلجان کا جواب ہے کہ بھوک سے مرتے ہوئے آدمی کو اندازہ نہیں ہو سکتا کہ کتنا کھائے جو جان بچ جائے، اس لئے فرمایا: اللہ بڑے بخشنے والے، بڑے مہربان ہیں، یہ سہولت کردی۔

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

ترجمہ: اللہ نے تم پر مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور ہی حرام کیا ہے جس پر اللہ کے سوا کا نام پکارا گیا ہو، پس جو مجبور کیا گیا، چاہنے والا نہ ہو اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے

رحم کرنے والے ہیں!

فائدہ(۱): إنما: کلمۂ حصر ہے، اور حصر اضافی ہے، مشرکین نے چار حلال جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ کر حرام کیا تھا، اور دوسری چار حرام چیزوں کو حلال کیا تھا، بایں اعتبار حصر کیا ہے کہ وہ چار جانور حرام نہیں یہ چار چیزیں حرام ہیں، تمام حرام جانوروں کا بیان مقصود نہیں، حدیث سے کچلی دار درندے اور پنجے سے شکار کرنے والے پرندے بھی حرام ہیں، اور دیگر حشرات الارض (چوہا گوہ وغیرہ) بھی حرام ہیں۔

فائدہ(۲): خنزیر کا ہر جزء حرام ہے، مگر اس موقع پر چونکہ کھانے کی چیزوں کا ذکر تھا اس لئے گوشت کی تخصیص کی، خنزیر میں بے غیرتی، بے حیائی، حرص و آز اور نجاست کی طرف میلان سب جانوروں سے زیادہ پایا جاتا ہے، اس لئے وہ رجس، خبیث اور نجس العین ہے، اس کے کسی جزء سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں۔

فائدہ(۳): ﴿ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ ﴾ کی تفسیر میں اختلاف ہے:

۱- ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری، اور مسروق رحمہما اللہ نے تفسیر کی ہے: **غیر باغ**: چاہنے والا نہ ہو، یعنی مردار سے لطف اندوز ہونا مقصود نہ ہو، **ولا عاد**: اور کھانے میں حد سے نہ بڑھے، یہ تفسیر احناف اور مالکیہ نے لی ہے، ان کے نزدیک ہر لاچار کے لئے رخصت ہے، حکومت کے باغیوں کے لئے اور گناہ کا سفر کرنے والے کے لئے بھی ضرورت پڑجانے پر مردار وغیرہ کھانا جائز ہے۔

۲- مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ نے تفسیر کی ہے: **غیر باغ**: امام المسلمین سے بغاوت کرنے والا نہ ہو، **ولا عاد**: اور اس کا سفر معصیت کا نہ ہو تو رخصت ہے، اور باغی اور معصیت کا سفر کرنے والے کے لئے رخصت نہیں، یہ تفسیر امام شافعی رحمہ اللہ نے لی ہے۔

ملحوظہ: پہلی تفسیر کی ترجیح احکام القرآن جصاص میں ہے۔

مذکورہ چیزوں کی حرمت تورات میں بھی ہے، مگر یہود اور باتوں کی طرح اس کو بھی چھپاتے ہیں، اس لئے وہ سخت سزا کے مستحق ہیں۔

مذکورہ امورِ اربعہ کی حرمت کا بیان تورات میں بھی ہے، مگر یہود نبی ﷺ کے اوصاف کی طرح اس مضمون کو بھی چھپاتے ہیں، تاکہ قرآن کی تائید نہ ہو، اور ان کی تو عادت ہے رشوت لے کر احکام تورات چھپانے کی، وہ لوگ جو رشوت کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں جہنم کے انگارے ہی بھر رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے ملاطفت کے ساتھ

بات نہیں کریں گے، نہ ان کو گناہوں سے پاک کر کے جنت میں داخل کریں گے، وہ ہمیشہ دردناک عذاب میں رہیں گے، انھوں نے ہدایت کے بدل گمراہی اور مغفرت کے بدل عذاب خریدا ہے، دیکھو وہ دوزخ کا عذاب سہنے میں کس قدر حوصلہ مند ہیں! دوزخ کے عذاب سے بچنے کی ان کو ذرا فکر نہیں، اور یہ سزا ان کو اس لئے ملے گی کہ اللہ پاک نے قرآنِ کریم اتارا، وہ اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے، اور ضد میں بہت دور نکل گئے!

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهِۦ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِى بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾ أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَٰلَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِى الْكِتَٰبِ لَفِى شِقَاقٍۭ بَعِيدٍ ﴿١٧٦﴾﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب (تورات) کو چھپاتے ہیں —— یہ ارشاد امورِ اربعہ کی تحریم کو چھپانے سے عام ہے، وہ تورات کی دیگر باتوں کو بھی چھپاتے تھے، مثلاً: نبی ﷺ کے اوصاف جو تورات میں ہیں ان کو ظاہر نہیں کرتے تھے —— اور اس (احکام تورات) کے بدل تھوڑی پونجی وصول کرتے ہیں —— یعنی رشوت لے کر احکام تورات چھپاتے یا بدلتے ہیں —— وہ اپنے پیٹوں میں جہنم کے انگاروں کے سوا کچھ نہیں بھر رہے، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے (ملاطفت کے ساتھ) بات نہیں کریں گے، اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک صاف کریں گے (جس طرح گنہگار مؤمنین کو پاک صاف کر کے جنت میں داخل کریں گے —— اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے!

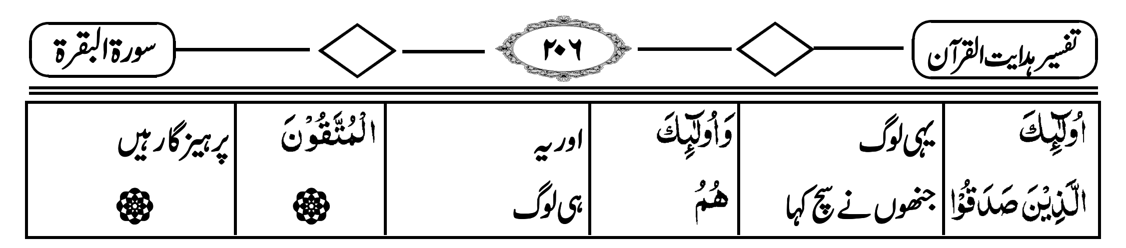
یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدل گمراہی اور مغفرت کے بدل عذاب مول لیا، پس وہ دوزخ کا عذاب سہنے میں کس قدر با حوصلہ ہیں! —— یہ سزا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دینِ حق پر مشتمل کتاب اتاری —— قرآنِ کریم نازل کیا —— اور جن لوگوں نے اس کتاب کی مخالفت کا رویہ اختیار کیا وہ ضد میں بہت دور جا پڑے! —— اس لئے ان کی یہی سزا ہے۔

فائدہ: ﴿لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ﴾ کی دھمکی سے معلوم ہوا کہ ہر کسی کے دل میں اللہ کی محبت راسخ ہے، مگر چنگاری راکھ کے نیچے دبی ہوئی ہے، جب موانع مرتفع ہونگے تو محبت کا ظہور ہوگا، ورنہ یہ دھمکی بے سود ہے، جیسے کفار قیامت میں جمالِ خداوندی کے دیدار سے محروم رکھے جائیں گے: ﴿إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ﴾، معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر سینہ اللہ کی محبت سے ایسا لبریز ہوگا کہ ادنی بے التفاتی بھی ان کے لئے دوزخ کے عذاب سے زیادہ جاں کاہ ہوگی!

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰي حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّاۗىِٕلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

لَيْسَ الْبِرَّ(۱)	نہیں ہے نیکی	وَالْكِتٰبِ(۳)	اور تمام کتابوں پر	وَاَقَامَ(۸)	اور اہتمام کیا
اَنْ تُوَلُّوْا	کہ پھیرو تم	وَالنَّبِيّٖنَ(۴)	اور تمام نبیوں پر	الصَّلٰوةَ	نماز کا
وُجُوْهَكُمْ	اپنے چہرے	وَاٰتَى(۵)	اور دیا اس نے	وَاٰتَى	اور دی اس نے
قِبَلَ(۲)	جانب	الْمَالَ	مال	الزَّكٰوةَ	زکات
الْمَشْرِقِ	مشرق کے	عَلٰي حُبِّهٖ(۶)	اس کی محبت میں	وَالْمُوْفُوْنَ(۹)	اور پورا کرنے والے
وَالْمَغْرِبِ	اور مغرب کے	ذَوِي الْقُرْبٰى	رشتہ داروں کو	بِعَهْدِهِمْ	اپنے قول وقرار کو
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ	بلکہ نیکی	وَالْيَتٰمٰى	اور یتیموں کو	اِذَا عٰهَدُوْا	جب پیمان باندھا انھوں نے
مَنْ اٰمَنَ	جو ایمان لایا	وَالْمَسٰكِيْنَ	اور غریبوں کو	وَالصّٰبِرِيْنَ(۱۰)	اور برداشت کرنے والے
بِاللّٰهِ	اللہ پر	وَابْنَ السَّبِيْلِ	اور مسافر کو	فِي الْبَاْسَاۗءِ(۱۱)	محتاجی میں
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور آخری دن پر	وَالسَّاۗىِٕلِيْنَ	اور مانگنے والوں کو	وَالضَّرَّاۗءِ(۱۲)	اور بیماری میں
وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ	اور فرشتوں پر	وَفِي الرِّقَابِ(۷)	اور گردنوں میں	وَحِيْنَ الْبَاْسِ(۱۳)	اور سخت جنگ کے وقت

(۱)البر: ال: جنس کا یا عہد کا ہے، اور لیس کی خبر مقدم ہے اور أن تولوا: بتاویل مصدر ہوکر اسم مؤخر ہے (۲)قِبَل: تولوا کا ظرف ہے (۳)الکتب: ال: جنس کا ہے، تمام آسمانی کتابیں مراد ہیں (۴)النبیین: ال: استغراقی ہے، تمام انبیاء مراد ہیں (۵)آتی: آمن پر معطوف ہے (۶)علی حبه: المال کا حال ہے (۷)في الرقاب: آتی سے متعلق ہے (۸)أقام کا آمن پر عطف ہے (۹)الموفون: اسم فاعل، من آمن پر معطوف ہے، مصدر إِیفَاء: پورا کرنا، اس کے مفعول پر باء آتی ہے (۱۰)الصابرین: منصوب علی المدح ہے، أخُصّ یا أمْدَح محذوف کا مفعول بہ ہے، یعنی خاص طور پر صابرین کا ذکر کرتا ہوں یا ان کی تعریف کرتا ہوں (۱۱)البأساء: اسم مؤنث ہے، بُؤس سے مشتق ہے: محتاجی، غریبی، فقر (۱۲)الضراء: اسم مؤنث ہے، نعماء کی ضد: بیماری، تکلیف، پریشانی (۱۳)البأس: سخت جنگ، گھمسان کا رن۔



أُولَٰئِكَ	یہی لوگ	وَأُولَٰئِكَ	اور یہ	الْمُتَّقُونَ	پرہیز گار ہیں
الَّذِينَ صَدَقُوا	جنھوں نے سچ کہا	هُمُ	ہی لوگ	۞	۞

عقائدواعمالِ اسلام

توحید کا بیان پورا ہوا، اس کے آخر میں یہ بات آئی ہے کہ اہل کتاب آسمانی کتابوں کی باتیں چھپاتے ہیں، جس کی ان کو سخت سزا ملے گی، اس پر وہ کہنے لگے: ہم میں بہت سے اسباب مغفرت موجود ہیں، ہم اپنے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں، نصاریٰ: بیت المقدس سے مشرق کی طرف (بیت لحم کی طرف) منہ کرتے ہیں، اور یہود مغرب کی طرف (صخرہ کی طرف) منہ کرتے ہیں، پھر ہم عذاب کے مستحق کیسے ہوسکتے ہیں؟ آیتِ کریمہ کے شروع میں ان پر ردّ ہے کہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنا ہی ساری نیکی نہیں، جو ہدایت ومغفرت کے لئے کافی ہو، بلکہ اس کے لئے عقائد صحیحہ اور اعمالِ ضروریہ پر کاربند ہونا ضروری ہے۔

بنیادی عقائد: ۱- اللہ تعالیٰ پر ان کی تمام صفات واسماء کے ساتھ ایمان لانا۔ ۲- دنیا کے آخری دن (قیامت) کو ماننا۔ ۳- فرشتوں کو ماننا۔ ۴- اللہ کی تمام کتابوں کو (مع قرآنِ کریم) ماننا۔ ۵- اللہ کے تمام پیغمبروں کو (مع خاتم النّبیین ﷺ) ماننا ـــــ جبکہ یہود ونصاریٰ قرآنِ کریم اور آخری نبی ﷺ کو نہیں مانتے، پھر وہ ہدایت پر کیسے ہوسکتے ہیں؟ اوران کی مغفرت کا کیا سوال ہے؟

اعمالِ اسلام: اس آیت میں پانچ اعمال کا ذکر ہے، باقی کا تذکرہ آگے ہے:

۱- صدقہ خیرات کرنا، مال کی چاہت کے باوجود وجوہِ خیر میں خرچ کرنا، مثلاً: صلہ رحمی کرنا یعنی رشتہ داروں کو دینا، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، یتیموں، غریبوں، مسافروں اور مانگنے والوں کو دینا، اور غلاموں کو آزاد کرنے کرانے میں مال خرچ کرنا۔

۲- نماز کا اہتمام کرنا، فرائض، واجبات اور مستحبات کا خیال رکھ کر اور ممنوعات ومکروہات سے بچ کر پابندی سے وقت میں نماز ادا کرنا، قضا نہ ہونے دینا، اور ہوجائے تو تلافی کرنا۔

۳- مال کی زکات نکالنا، اور اس کو محتاجوں تک پہنچانا۔

۴- جب کسی سے کوئی وعدہ کیا جائے تو قول وقرار کا پاس کرنا، وعدہ پورا کرنا۔

۵- اور خاص طور پر محتاجگی، فقر وفاقہ اور بیماری اور تکالیف میں صبر کرنا، برداشت کرنا، اور جب گھمسان کا رن پڑے تو ڈٹ کر مقابلہ کرنا، پیٹھ نہ پھیرنا۔

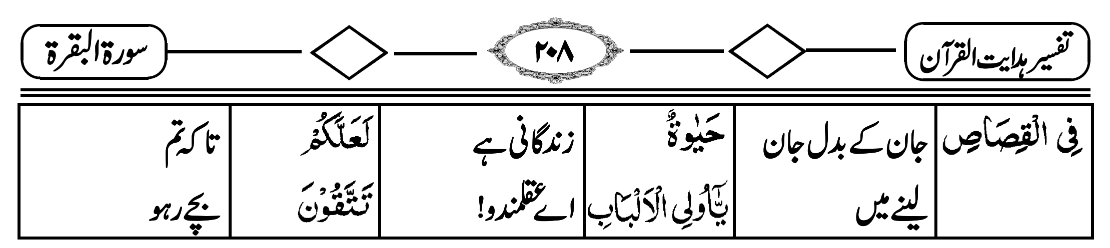
وہی لوگ جو ان عقائد کے حامل اور ان اعمال پر عامل ہیں دعویٔ ایمان میں سچے ہیں، وہی پرہیزگار ہیں، وہی ہدایت یافتہ اور مغفرت کی امید باندھ سکتے ہیں۔

آیتِ کریمہ: —— تمہارا مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف منہ پھیرنا ساری نیکی نہیں، بلکہ نیکی کا کام اللہ پر، آخری دن پر، فرشتوں پر، سب آسمانی کتابوں پر اور تمام پیغمبروں پر ایمان لانا ہے، اور اپنا محبوب مال رشتہ داروں کو، یتیموں کو، مسافر کو، اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں دینا ہے، اور اس نے نماز کا اہتمام کیا اور زکات ادا کی، اور اپنے قول وقرار کو پورا کرنے والے جب انھوں نے کسی سے کوئی وعدہ کیا، اور (خاص طور پر) محتاجی اور بیماری میں صبر کرنے والے اور سخت معرکہ میں جمنے والے —— یہی لوگ ایمان میں سچے ہیں، اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	فَمَنْ عُفِيَ	پس جو معاف کیا گیا	تَخْفِيْفٌ	آسان کرنا ہے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	لَهٗ	اس کے لئے	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے
كُتِبَ عَلَيْكُمُ	لکھا گیا تم پر	مِنْ اَخِيْهِ	اس کے بھائی کی طرف سے	وَرَحْمَةٌ (۳)	اور بڑی مہربانی ہے
الْقِصَاصُ (۱)	جان کے بدل جان لینا	شَيْءٌ	کچھ	فَمَنِ اعْتَدٰى	پس جس نے زیادتی کی
فِي الْقَتْلٰى (۲)	مقتولوں میں	فَاتِّبَاعٌ	پس پیروی کرنا ہے	بَعْدَ ذٰلِكَ	اس کے بعد (معاف
اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ	آزاد کے بدل آزاد	بِالْمَعْرُوْفِ	دستور کے موافق		کرنے کے بعد)
وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ	غلام کے بدل غلام	وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ	اور اس تک پہنچانا ہے	فَلَهٗ	پس اس کے لئے
وَالْاُنْثٰى	اور عورت	بِاِحْسَانٍ	ممنونیت کے ساتھ	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک سزا ہے
بِالْاُنْثٰى	عورت کے بدل	ذٰلِكَ	یہ (معافی کا حکم)	وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے

(۱) القصاص: اسم ہے: برابری کرنا، جان کے بدل جان لینا (۲) القتلی: القتیل کی جمع ہے: مقتول (۳) رحمۃ: تنوین تعظیم کے لئے ہے۔



فِي الْقِصَاصِ	جان کے بدل جان لینے میں	حَيٰوةٌ	زندگانی ہے	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
		يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ	اے عقلمندو!	تَتَّقُوْنَ	بچے رہو

ا- قتلِ عمد میں قصاص لازم ہے

ربط: گذشتہ آیت کا آخری حکم تھا: ﴿وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ﴾: اور برداشت کرنے والے سختی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت، اب اسی قبیل کے چند احکام دیتے ہیں، مثلاً حکم ہے: قتلِ عمد میں قصاص کا، اور دونوں احکام میں مناسبت یہ ہے کہ جب کسی خاندان کا کوئی شخص قتل کیا جاتا ہے تو وارث آپے سے باہر ہو جاتا ہے، قاتل کے قبیلہ کا جو بھی آدمی مل جاتا ہے اس کو قتل کر دیتا ہے، بلکہ کبھی ایک کے بدلے ایک سے زیادہ کو قتل کر دیتا ہے، یہ جائز نہیں، ایسی صورت میں برداشت سے کام لینا چاہئے، اور قاتل ہی کو پکڑنا چاہئے، اسی کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہئے، اس لئے اب قتلِ عمد میں قصاص کا حکم دیتے ہیں۔

شانِ نزول: زمانۂ جاہلیت میں یہود اور اہل عرب نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ شریف النسب لوگوں کے غلام کے بدلے رذیل لوگوں کے آزاد کو، اور عورت کے بدلے مرد کو، اور ایک آزاد کے بدلے دو کو قصاص میں قتل کرتے تھے، اس لئے اس آیت میں بدلے میں برابری کرنے کا حکم دیا ہے۔

قصاص: کے لغوی معنی ہیں: برابری کرنا، مجرم سے برابر کا بدلہ لینا، زیادتی نہ کرنا، یعنی مقتول کے مخصوص اوصاف، جیسے عقل وفہم، حسن وجمال، چھوٹا بڑا ہونا، مقتول کا معزز یا مالدار ہونا وغیرہ امور کا لحاظ نہ کیا جائے، کیونکہ سب جانیں برابر ہیں، مرد: مرد برابر ہیں، غلام: غلام برابر ہیں، اور عورت: عورت برابر ہیں، اگرچہ اوصاف میں تفاوت ہو، پس قصاص کے معنی ہیں: برابری کرنا، دو شخصوں کو ایک ہی حکم میں رکھنا، ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دینا۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر مقتولوں میں قصاص فرض کیا گیا (یعنی قصاص شریعت کا لازمی حکم ہے) آزاد کے بدل آزاد، غلام کے بدل غلام، اور عورت کے بدل عورت ــــ قتل کی جائے، یہ برابری کرنے کا بیان ہے۔

تفسیر: یہاں تک آیت میں دو حکم ہیں: پہلا حکم یہ ہے کہ قتلِ عمد میں قصاص فرض اور لازم ہے، اس میں تساہل یا تغافل نہ برتا جائے، دوسرا حکم: قصاص میں برابری کرنے کا ہے، یہ بات ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ﴾ الآیۃ سے بیان کی گئی ہے، پس آیت کے دونوں ٹکڑوں میں دو الگ الگ باتیں ہیں، ایک: قصاص کی فرضیت اور لزوم، دوسری: قصاص میں برابری کرنا۔

قصاص حدّ نہیں، اسے معاف کیا جاسکتا ہے

حدّ: وہ سزائیں ہیں جو قرآن، حدیث یا اجماع سے ثابت ہیں، اور جو حق اللہ کے طور پر واجب ہوتی ہیں، اور حق اللہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ سزائیں مفاد عامہ کے طور پر مشروع کی گئی ہیں، یعنی لوگوں کے انساب، اموال، عقول اور اعراض کی حفاظت کے لئے مقرر کی گئی ہیں، یہ سزائیں گناہ کرنے سے پہلے گناہ سے روکنے والی اور گناہ کرنے کے بعد سرزنش ہوتی ہیں، ان میں سفارش کی گنجائش نہیں، ثبوت ہوجانے کے بعد معاف بھی نہیں کی جاسکتیں۔ ایسے سنگین جرائم پانچ ہیں: زنا، چوری، ڈکیتی، شراب نوشی اور زنا کی تہمت۔

اور قصاص: حدّ نہیں، اس لئے اس کو مقتول کے ورثاء معاف کرسکتے ہیں، پورا قصاص بھی معاف کرسکتے ہیں اور بعض حصہ بھی، اور ورثاء چند ہوں تو بعض ورثاء بھی اپنا حصہ معاف کرسکتے ہیں، اور بغیر عوض کے بھی معاف کرسکتے ہیں اور دیت وغیرہ کے بدل بھی معاف کرسکتے ہیں، اب تمام صورتوں میں قاتل کو قصاصاً قتل کرنا جائز نہیں، کیونکہ قصاص میں تجزّی نہیں۔

پھر اگر دیت وغیرہ کے بدل معاف کیا ہے تو ورثاء بدل کا معقول طریقہ پر مطالبہ کریں، کیونکہ یہ بدل قاتل دے گا، عاقلہ شریک نہیں ہونگے، اس لئے وہ حسبِ گنجائش دے گا، اور قاتل کو بھی چاہئے کہ ٹال مٹول نہ کرے، ممنونیت کے ساتھ ادا کرے، اور یہ قصاص کو معاف کرنے کی گنجائش اللہ کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے، پھر اگر ورثاء قصاص معاف کرنے کے بعد قاتل کو قتل کریں تو یہ ان کی طرف سے تعدّی (زیادتی) ہوگی، جس کی ان کو دارین میں سزا ملے گی، دنیا میں وہ وارث قصاصاً قتل کیا جائے گا، اور آخرت میں سزا الگ ملے گی۔

فائدہ: اس آیت میں وارث کو قاتل کا 'بھائی' کہہ کر رحم کی اپیل کی ہے کہ قاتل اگرچہ وقتی اشتعال اور غلبۂ شیطان کی وجہ سے قتل کا ارتکاب کر بیٹھا ہے، لیکن بہر حال قاتل تمہارا بھائی ہے، اور تم اس کے بھائی ہو، اور بھائی بھائی پر مہربان ہوتا ہے، پس وارث کو درگذر سے کام لینا چاہئے۔

﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۤءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

ترجمہ: پس جس (قاتل) کو اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ بھی معافی مل جائے تو (وارث کو) معقول طریقہ پر (عوض کے) مطالبہ کا حق ہے، اور (قاتل کے ذمہ) خوش اسلوبی سے وارث کو (خون بہا) پہنچانا ہے، یہ (قصاص معاف کرنا) تمہارے پروردگار کی طرف سے آسانی اور بڑی مہربانی ہے، پھر جو اس کے بعد یعنی قصاص

معاف کرنے کے بعد زیادتی کرے یعنی قاتل کو قتل کردے تو اس کے لئے دردناک سزا ہے!

قصاص قتل در قتل نہیں، بلکہ اس میں انسانی زندگی کا تحفظ ہے

بہ ظاہر ایسا لگتا ہے کہ قصاص ایک قتل کے بعد دوسرا قتل ہے، لیکن غور کیا جائے تو اپنے نتائج واثرات کے اعتبار سے اس میں زندگی کا تحفظ ہے، اول تو قانونِ قصاص کے خوف سے کسی کو جلدی ارتکابِ قتل کی ہمت ہی نہ ہوگی، اور کسی نے اس کا ارتکاب کرلیا، اور مقتول کے ورثاء کو بدلہ لینے کا موقع دیدیا گیا تو آتشِ انتقام بجھ جائے گی، اور ممکن ہے معاف کردے، اور قصاص لے بھی لے تو اب یکے بعد دیگرے انتقام لینے کا سلسلہ قائم نہ ہوگا، اور بےقصوروں کی جان نہ جائے گی، معاملہ یہیں رفع دفع ہوجائے گا، اس طرح قانون قصاص میں حیاتِ انسان کا تحفظ ہے (آسان تفسیر از مولانا خالد سیف اللہ زید مجدہ)

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

ترجمہ: اور تمہارے لئے اے عقلمندو! قصاص (جان کے بدل جان لینے) میں زندگی ہے، تاکہ تم (قتل سے) بچو۔

فائدہ: سزا سے سزا کا ہوّا (خوف) بہتر ہے، جب میں راندیر میں مدرس تھا تو ''سورت نویوگ کالج'' کے ایک پروفیسر میرے پاس ایک انگریزی رسالہ لے کر آئے، اس میں کسی کا مضمون تھا کہ اسلام میں بھیانک سزائیں ہیں جو بربریت ہے، پروفیسر صاحب اس کا جواب لکھنا چاہتے تھے، ان کو معلومات درکار تھیں، میں نے ان سے کہا: آپ ایک سال کے امریکہ اور سعودیہ کے اعداد وشمار لائیں، زنا، چوری، قتل اور ڈکیتی کی واردات کتنی ہوئی ہیں؟ وہ دس سال کا چارٹ بنا کر لائے، امریکہ میں ہر دس منٹ میں ایک ناحق قتل ہوتا ہے، اور سعودیہ میں دس سال میں پندرہ آدمی قصاصاً قتل کئے گئے، یعنی پندرہ ناحق قتل ہوئے، اور زنا چوری کے واقعات تو بے حد وحساب تھے، میں نے ان سے کہا: اس مضمون کا یہ جواب ہے، سزا سے سزا کا خوف بہتر ہے، اور سنگساری کا تو دس سال میں ایک واقعہ ہی پیش آیا تھا، اور ہر عورت کی عزت محفوظ ہوگئی۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨٢﴾

كُتِبَ	لکھی گئی	عَلَى الْمُتَّقِيْنَ	ڈرنے والوں پر	فَمَنْ خَافَ	پس جو شخص ڈرا
عَلَيْكُمْ	تم پر	فَمَنْ بَدَّلَهٗ (۵)	پس جو بدلے اس کو	مِنْ مُّوْصٍ	وصیت کرنے والے
اِذَا حَضَرَ	جب آموجود ہو	بَعْدَ	بعد		کی طرف سے
اَحَدَكُمُ	تم میں سے کسی کے پاس	مَا سَمِعَهٗ (۶)	اس کو سننے کے	جَنَفًا (۹)	طرف داری سے
الْمَوْتُ	موت	فَاِنَّمَآ	تو اس کے سوا نہیں کہ	اَوْ اِثْمًا	یا گناہ سے
اِنْ تَرَكَ	اگر چھوڑا ہو اس نے	اِثْمُهٗ (۷)	اس کا گناہ	فَاَصْلَحَ	پس اصلاح کی اس نے
خَيْرَا (۱)	بہت مال	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر ہے جو	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
اِلْوَصِيَّةُ (۲)	وصیت	يُبَدِّلُوْنَهٗ (۸)	اس کو بدلتے ہیں	فَلَآ اِثْمَ	تو کوئی گناہ نہیں
لِلْوَالِدَيْنِ	ماں باپ کے لئے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	عَلَيْهِ	اس پر
وَالْاَقْرَبِيْنَ	اور رشتہ داروں کے لئے	سَمِيْعٌ	خوب سننے والے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
بِالْمَعْرُوْفِ (۳)	جانے پہچانے طریقہ پر	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
حَقًّا (۴)	لازم ہے		ہیں	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں

۲-آیتِ کریمہ منسوخ بھی اور غیر منسوخ بھی

قرآنِ کریم میں نسخ ہوا ہے، یعنی بعض احکام میں تبدیلی آئی ہے، شروع میں دو نمازیں تھیں، پھر شبِ معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں، پھر جو احکام بالکلیہ منسوخ کئے گئے ان کی آیتیں اٹھالیں یا بھلادیں، اور جو احکام فی الجملہ منسوخ کئے گئے وہ آیتیں قرآن میں باقی ہیں، تاکہ بعض مواد میں ان پر عمل ہو سکے، جیسے ابتداء میں دس گنا دشمن سے مقابلہ ضروری تھا، پھر مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور طبائع میں ضعف آیا تو دوگنا سے مقابلہ ضروری ہوا، مگر دس گنا کی آیت باقی ہے، کیونکہ آئندہ ایسی صورت پیش آسکتی ہے کہ مسلمان کم ہو جائیں تو دس گنا سے مقابلہ ضروری ہوگا، اسی طرح زیرِ تفسیر آیت منسوخ بھی

(۱) خيرًا: تنوینِ تعظیم کے لئے ہے أی مالاً کثیراً (۲) الوصيةُ: كُتِبَ كا نائب فاعل ہے اور إن ترك کے محذوف جواب پر دال ہے أی: فَلْيُوْصِ (۳) بالمعروف: دستور کے موافق: یعنی حسبِ حصصِ شرعیہ (۴) حقًّا: فعل مقدر کا مفعولِ مطلق ہے أی يَحِقُّ حَقًّا (۵) بدَّله: ضمیر کا مرجع الإيصاء (وصیت کرنا) ہے، جو الوصية سے مفہوم ہوتا ہے (۶) ما: مصدریہ ہے (۷) إثمه کی ضمیر کا مرجع تبدیل ہے، جو بَدَّلَه سے مفہوم ہوتا ہے (۸) يبدلونه: ضمیر کا مرجع إيصاء ہے (۹) جَنَفًا: باب سمع کا مصدر ہے: مائل ہونا، طرف داری کرنا۔

ہےاور بعض حالات میں اس پر عمل ہے،اس لئے آیت باقی ہے۔

جاہلیت میں دستور تھا کہ مردہ کا مال اس کی بیوی اور اولاد کو، بلکہ خاص بیٹوں کو ملتا تھا، ماں باپ اور دیگر اقارب محروم رہتے تھے،اس لئے مرنے والے پر ماں باپ وغیرہ اقرباء کے لئے وصیت فرض کی گئی، پھر میراث کی آیتیں اتریں، اور ماں باپ اور بعض اقرباء کے حصے متعین کردیئے، اور حدیث میں حکم دیدیا کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، مگر دو صورتیں اب بھی باقی ہیں:

۱-ذوی الارحام: جن کا ذوی الفروض اور عصبات کی طرح حصہ متعین نہیں، اور وہ حاجت مند ہیں، ان کو دینا ضروری ہے، جیسے بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم ہوتا ہے، مگر کبھی پوتے کو دینا مصلحت ہوتا ہے تو ان کے لئے تہائی ترکہ میں سے وصیت کی جاسکتی ہے۔

۲-کبھی میت کے پیچھے ترکہ کا بڑا جھمیلا ہوتا ہے، اور اندیشہ ہوتا ہے کہ زبردست سب ترکہ دبالیں گے اور کمزور دیکھتے رہ جائیں گے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ املاک کی ایک لسٹ بنادی جائے، اور ورثاء کے لئے حسبِ حصصِ شرعیہ وصیت کی جائے، اور اس کو کورٹ میں رجسٹر بھی کرادیا جائے، تاکہ پیچھے بدعنوانی نہ ہو۔ اور ضعیف ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کو ان کا حصہ ملے، اور غیر وارث اقرباء کو بھی حسبِ وصیت ملے۔

ان دو صورتوں میں زیرِ تفسیر آیت پر عمل ہوگا، اس لئے اس کو تلاوت میں باقی رکھا ہے، پس آیت فی الجملہ منسوخ ہے، اور بعض مواد میں اس پر عمل ہے۔

ربط: قتلِ عمد میں مقتول کا وارث پریشان ہوتا ہے، اس لئے اس کی اشک شوئی کے لئے قصاص مشروع کیا، اور جب کوئی بڑا مالدار مرتا ہے، اور بڑا ترکہ چھوڑتا ہے، اور زبردست ہر چیز پر قابض ہوجاتے ہیں، اور کمزور دیکھتے رہ جاتے ہیں تو ان کی پریشانی کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ اس لئے ان آیات میں ان کی پریشانی کا مداوا ہے۔

چند ضروری مسائل:

۱-وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، یہ حکم حدیثِ حسن سے ثابت ہے (ترمذی حدیث ۲۱۲۰ کتاب الوصایا) اس لئے کہ شریعت نے خود ان کے حصے مقرر کردیئے ہیں، پہلے مرنے والا بے عنوانی کرتا تھا، کسی کے لئے کم اور کسی کے لئے زیادہ کی وصیت کرتا تھا، اس لئے شریعت نے خود ورثاء کے حصے متعین کردیئے، تاکہ بے عنوانی کا سدّ باب ہوجائے، البتہ غیر وارث کے لئے تہائی ترکہ سے وصیت جائز ہے۔

۲-وصیت تہائی ترکہ تک ہی جائز ہے، زائد کی وصیت یا وارث کے لئے وصیت ورثاء کی رضامندی پر موقوف رہتی

ہے، اگر ورثاء عاقل بالغ ہوں تو وہ وصیت کو نافذ کر سکتے ہیں، اور بعض ورثاء نابالغ یا پاگل ہوں تو عاقل بالغ اپنے حصہ سے نافذ کر سکتے ہیں۔

۳- وصیت کرنا واجب نہیں، مستحب ہے، البتہ کسی کے ذمہ حقوقِ واجبہ ہوں، کسی کا قرض ہو یا نماز، زکات، روزے اور حج فرض باقی ہو تو تہائی ترکہ سے وصیت کرنا واجب ہے، زائد کی وصیت عاقل بالغ ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گی۔

۴- اگر اندیشہ ہو کہ مورث کی موت کے بعد زبردست: کمزوروں کا حق ماریں گے تو مناسب ہے کہ مورث تمام املاک کی لسٹ بنادے، اور ورثاء کے لئے حسبِ حصصِ شرعیہ وصیت کرے اور غیر وارث کے لئے تہائی ترکہ سے وصیت کرے، پھر اس کو کورٹ سے رجسٹرڈ بھی کرادے، تاکہ بعد میں کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

۲- حسبِ حصصِ شرعیہ والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا

اگر کوئی شخص بڑا ترکہ چھوڑ رہا ہو، اور اندیشہ ہو کہ والدین اور دیگر وراث یا غیر وارث اقرباء محروم رہ جائیں گے، بیوی بچے سب دبالیں گے تو اخلاقی فریضہ ہے کہ مورث معروف طریقہ پر والدین اور دیگر اقرباء کے لئے وصیت نامہ لکھے، اور معروف طریقہ کا مطلب یہ ہے کہ ورثاء کے لئے حسبِ حصصِ شرعیہ اور غیر وارث رشتہ داروں کے لئے تہائی ترکہ سے وصیت کرے، جیسے پوتے وارث نہ ہوں اور ان کو دینا ضروری ہو تو تہائی ترکہ سے ان کے لئے وصیت کرے، اور وصیت نامہ پر گواہ بنالے، اور کورٹ سے رجسٹرڈ بھی کرادے تو اور بھی اچھی بات ہے، تاکہ بعد میں کوئی حق تلفی نہ ہو۔

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴾

ترجمہ: فرض کی گئی تم پر، جب تم میں سے کسی کو موت آئے، اور اس نے بڑا مال چھوڑا ہو، وصیت کرنا حسبِ دستور والدین اور رشتہ داروں کے لئے (حق تلفی سے) بچنے والوں پر لازم ہے۔

وصیت میں تبدیلی کرنے کا گناہ تبدیلی کرنے والوں پر ہے

مرنے والا تو انصاف سے وصیت کر مرا، بعد میں وارثوں/ گواہوں نے اس میں تبدیلی کی اور حسبِ وصیت نہ دیا تو مورث پر کوئی گناہ نہیں، وہ تو اپنا فرض ادا کر گیا، اب سارا گناہ تبدیلی کرنے والوں پر ہوگا، وہی اس کے ذمہ دار ہونگے، اللہ تعالیٰ سب کچھ سن رہے ہیں اور سب کچھ جان رہے ہیں۔

﴿ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾

ترجمہ: پس جو وصیت کو سننے کے بعد بدل دے تو اس کا گناہ ان پر ہے جو اس کو بدلتے ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ

سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں۔

مورث کی حیات میں یا موت کے بعد وصیت نامہ میں مناسب تبدیلی کرنا کرانا جائز ہے

کسی نے وصیت نامہ میں بے جا طرف داری کی، اور دانستہ یا نادانستہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کی، پھر کسی وارث/ ورثاء یا گواہ نے مورث سے شریعت کے حکم کے مطابق وصیت نامہ میں تبدیلی کرائی، اور وصیت نامہ ٹھیک کرادیا، یا عاقل بالغ ورثاء نے باہمی رضامندی سے آپس میں وصیت نامہ ٹھیک کرلیا، تو اس میں کچھ حرج نہیں، امید ہے اللہ تعالیٰ مورث کی غلطی معاف فرمائیں گے، اور اس پر مہربانی فرمائیں گے۔

﴿ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۸۲ ﴾

ترجمہ: پس جس کو وصیت کرنے والے کی طرف سے طرف داری کا یا گناہ کا اندیشہ ہو، پس اس نے ان کے درمیان اصلاح کرادی تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۸۳ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۴ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۸۵

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے وہ لوگو جو ایمان لائے	كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ (۱)	لکھا گیا تم پر روزے رکھنا	كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ	جس طرح لکھا گیا ان لوگوں پر جو

(۱) الصیام: الصوم کی طرح مصدر ہے اور ال جنسی ہے۔

مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے ہوئے	مِسْكِيْنٍ	ایک غریب کے	مِّنَ الْهُدٰى	ہدایت کی
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	فَمَنْ تَطَوَّعَ	پس جو خوشی سے کرے	وَالْفُرْقَانِ (۵)	اور جدا کرنے والی
تَتَّقُوْنَ	پرہیزگار بنو	خَيْرًا	کوئی نیک کام	فَمَنْ شَهِدَ (۶)	پس جو پائے (دیکھے)
اَيَّامًا (۱)	دن	فَهُوَ خَيْرٌ	تو وہ بہتر ہے	مِنْكُمُ	تم میں سے
مَّعْدُوْدٰتٍ	گنتی کے	لَّهٗ	اس کے لئے	الشَّهْرَ	مہینہ کو
فَمَنْ كَانَ	پس جو ہو	وَاَنْ تَصُوْمُوْا (۳)	اور روزہ رکھنا	فَلْيَصُمْهُ	پس چاہئے کہ وہ اس
مِنْكُمْ	تم میں سے	خَيْرٌ لَّكُمْ	بہتر ہے تمہارے لئے		کا روزہ رکھے
مَّرِيْضًا	بیمار	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	وَمَنْ كَانَ	اور جو ہو
اَوْ عَلٰى سَفَرٍ	یا سفر میں	تَعْلَمُوْنَ	سمجھتے!	مَرِيْضًا	بیمار
فَعِدَّةٌ	تو گنتی ہے	شَهْرُ	مہینہ	اَوْ عَلٰى سَفَرٍ	یا سفر میں
مِّنْ اَيَّامٍ	دنوں سے	رَمَضَانَ	رمضان کا	فَعِدَّةٌ	تو گنتی ہے
اُخَرَ	دوسرے	الَّذِيْٓ اُنْزِلَ	جو اتاری گی	مِّنْ اَيَّامٍ	دنوں سے
وَعَلَى الَّذِيْنَ	اور ان لوگوں پر جو	فِيْهِ	اس میں	اُخَرَ	دوسرے
يُطِيْقُوْنَهٗ (۲)	بہ مشقت اس کی طاقت	الْقُرْاٰنُ	پڑھنے کی کتاب	يُرِيْدُ اللّٰهُ	چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ
	رکھتے ہیں	هُدًى (۴)	راہ نما	بِكُمُ	تمہارے ساتھ
فِدْيَةٌ	بدلہ ہے	لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	الْيُسْرَ	آسانی
طَعَامُ	کھانے کا	وَبَيِّنٰتٍ (۴)	اور واضح دلیلیں	وَلَا يُرِيْدُ	اور نہیں چاہتے

(۱) أياما: کُتب کا مفعول ثانی ہے، اور اس ترکیب پر اشکال کا جواب روح المعانی میں ہے (۲) يطيقو نه: مفعول کی ضمیر کا مرجع الصیام ہے، اور علی الذین: خبر مقدم ہے، طَاقَ (ن) طَوْقا: کسی چیز پر قادر ہونا، طاقت رکھنا، اور أَطاق (باب افعال) کے معنی میں 'مشقت' کا مفہوم ہے، چنانچہ إني أُطيق رفعَ هذا القلم نہیں کہتے، کیونکہ اس میں کوئی مشقت نہیں، اور بھاری پتھر کے لئے کہیں گے: إني أُطيق رفعَ هذا الحجر (یہ فرق حضرت مولانا علی میاں ندوی قدس سرہ نے ارکانِ اربعہ (عربی) میں بیان کیا ہے) (۳) أن تصوموا: أن: مصدریہ اور جملہ مبتدا ہے (۴) ھدی اور بینات: القرآن کے احوال ہیں (۵) الفرقان کا عطف القرآن پر ہے: حق کو باطل سے جدا کرنے والی کتاب، دودھ اور پانی کو جدا کرنے والی کتاب، حق اور باطل میں خط امتیاز کھینچنے والی کتاب۔ (۶) شَهِدَ کے معنی میں 'دیکھنے' کا مفہوم ہے، اور اسی سے حدیث صوموا لرؤيته ہے۔

بِکُمُ	تمہارے ساتھ	الْعِدَّةَ	گنتی	عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ(۱)	راہ دکھانے پر تم کو
الْعُسْرَ	دشواری (سختی)	وَلِتُكَبِّرُوا	اور تاکہ بڑائی بیان کرو تم	وَلَعَلَّكُمْ	اور تاکہ
وَلِتُكْمِلُوا	اور تاکہ پورا کرو تم	اللّٰهَ	اللہ کی	تَشْكُرُوْنَ	تم شکر بجالاؤ

ربط: سختی میں صبر کی صورتیں بیان ہورہی ہیں، روزہ بھی ایک سخت عمل ہے، جس نے کبھی روزے نہیں رکھے اس کے لئے روزہ ہوّا ہے، عام لوگ بھی جو نفل روزے نہیں رکھتے، جب رمضان آتا ہے، اور موسم سخت گرم ہوتا ہے، تو روزہ ان کو بھاری معلوم ہوتا ہے، پھر جب شروع کرتے ہیں تو صبر آجاتا ہے، اور روزہ معمول بن جاتا ہے۔

۳- روزے بھاری عمل ہیں اس لئے پہلے ذہن سازی کی

جب اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کئے تو اولاً سات طرح سے ذہن سازی کی فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے! اس خطاب میں ذہن سازی ہے، خطاب کا طبیعتوں پر اثر پڑتا ہے، اگر طالب علم سے کہا جائے: پیارے! پانی لا تو وہ خوش خوش لائے گا، اور اگر کہا جائے: او نالائق پانی لا! تو لائے گا مگر شوق سے نہیں لائے گا، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے وہ لوگو! جو ایمان لائے!'' تو اب مؤمنین کو جو بھی حکم دیا جائے گا خوشی خوشی قبول کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان دار فرمایا ہے، پھر فرمایا ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ﴾ تم پر روزے لکھ دیئے گئے، یہ دوسری بار ذہن سازی ہے، اس طرح کہ حدیث میں ہے: جَفَّ القلم بما أنت لاقٍ: قیامت تک جو کچھ پیش آنا ہے وہ لکھا جاچکا ہے اور قلم خشک ہوگیا ہے، یعنی اب اس میں تبدیلی ممکن نہیں، پس جب روزے لکھ دیئے گئے اور کوئی تبدیلی ممکن نہیں تو اب روزے رکھنے ہی پڑیں گے، اس طرح روزوں کے لئے ذہن تیار کیا گیا۔ پھر فرمایا: ﴿ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ یہ تیسری مرتبہ ذہن سازی ہے کہ روزے صرف تم پر فرض نہیں کئے گئے، پچھلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے، مرگ انبوہ جشنے دارد! دس بیس جنازے ایک ساتھ اٹھیں تو وہ جنازے معلوم نہیں ہونگے بلکہ جشن معلوم ہونگے۔ اس طرح روزوں کا بوجھ ہلکا کیا۔ پھر فرمایا: ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ تاکہ تم پرہیزگار بنو، یہ چوتھی بار ذہن سازی ہے، کیونکہ پرہیزگار بننا ہر مؤمن کی آخری آرزو ہے، اور یہ مقصد روزوں سے حاصل ہوتا ہے، پس ہر شخص روزہ رکھنے کے لئے تیار ہوجائے گا، پھر فرمایا: ﴿ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ گنتی کے چند دن۔ یہ پانچویں مرتبہ ذہن سازی ہے، روزے اگر بہت زیادہ ہوتے تو مشکل ہوتے، گنتی کے چند روزے رکھنے میں کیا دشواری ہے؟ اور یاد رکھنا چاہئے کہ کتنے بھی دن ہوں چند ہی دن ہیں۔

(۱) علی ما هداكم: ما: مصدریہ ہے أي: علی هدايتكم۔

پھر دو خلجان ہیں: ایک واقعی ہے اور ایک ہوا۔ جو واقعی ہے وہ یہ ہے کہ عرب گرم ملک ہے اور لوگوں کی معیشت سفر سے وابستہ ہے، جزیرۃ العرب میں کوئی معیشت نہیں، لوگ شام وغیرہ جاتے تھے اور وہاں سے اشیاء خرید کر لاتے تھے اور بیچتے تھے، یہی ان کی معیشت تھی، اس لئے ذہن پر بوجھ پڑ سکتا تھا کہ اس گرم ملک میں سفر میں روزے کیسے رکھیں گے، پس فرمایا: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ یعنی سفر میں اور بیماری میں روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے، یہ روزے بعد میں رکھ لئے جائیں اور جتنے رہ گئے ہیں اتنے ہی رکھنے ہونگے زائد نہیں پس یہ چھٹی مرتبہ ذہن سازی ہے۔

اور ہوا یہ ہے کہ چونکہ روزے کبھی نہیں رکھے، پس کیسے رکھیں گے، نہ کھانا نہ پینا دن کیسے گذرے گا! یہ صرف ہوا ہے واقعی بات نہیں ہے، پس فرمایا: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ یعنی جس کو روزے نہایت بھاری معلوم ہوں وہ بجائے روزہ کے فدیہ دے سکتا ہے، یہ ساتویں اور آخری مرتبہ ذہن سازی کی گئی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ روزے کا فدیہ (بدلہ) صرف ایک غریب کا کھانا ہے، البتہ اگر کوئی رضا کارانہ خیر کا کام کرے اور ایک سے زیادہ مساکین کو کھلائے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور اس سے بھی بہتر ہمت کر کے روزہ رکھنا ہے، اگر تم صدقہ اور روزہ کے عواقب جان سکو تو یہ بات بوجھ سکتے ہو کہ فدیہ سے (جس سے بخل کا ازالہ ہوتا ہے) روزہ (جس سے تقوی پیدا ہوتا ہے) بہتر ہے۔ تقوی کی مزیت ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔

مذکورہ سات طریقوں سے ذہن سازی کرنے کے بعد اُس مہینے کی اہمیت بیان کی جس کا روزہ فرض کرنا ہے کہ وہ ایسا مہینہ ہے جس میں قرآن اترا ہے اور قرآن وہ کتاب ہے جو تمام لوگوں کے لئے راہنما ہے اور اس میں ہدایت کی واضح دلیلیں ہیں، اور وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔ ماہ رمضان کی اس طرح اہمیت بیان کر کے فرمایا: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ یعنی جو تم میں سے اس مہینے کو دیکھے اسے چاہئے کہ اس مہینے کے روزے رکھے، شهد کے معنی ہیں دیکھنا۔ اور گواہ کو ''شاہد'' اسی لئے کہتے ہیں کہ اس نے واقعہ بچشم خود دیکھا ہے، اور حدیث: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته یہاں سے مستنبط کی گئی ہے۔ غرض اس آیت پاک کے ذریعہ ان دو باتوں میں سے اس بات کو منسوخ کر دیا جو محض ہوا تھی، حضرت سلمۃ بن الاکوع نے یہی بات بیان کی ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

اور جو واقعی عذر تھا اس کو باقی رکھا، چنانچہ مکرر فرمایا: ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ تا کہ ایک کے نسخ سے دوسرے کے نسخ کا وہم پیدا نہ ہو، یعنی مریض اور مسافر کے لئے رخصت بدستور قائم ہے، یہ سہولت منسوخ نہیں کی گئی۔

جاننا چاہئے کہ قرآن کریم میں احکام کی آیات میں تکرار نہیں ہوتا، تذکیر کی، ترغیب وترہیب کی اور مخاصمہ کی آیات میں تکرار ہوتا ہے، کیونکہ ان کا مقصد رنگ چڑھانا ہے اور احکام کی آیات کا مقصد مسائل بتلانا ہے۔ اس لئے صرف تین جگہ احکام کی آیات میں تکرار ہے اور اس کی مصلحت ہے جیسے یہاں کی مصلحت بیان کی گئی۔

غرض آیت: ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ﴾ منسوخ ہے مگر بعض افراد میں منسوخ ہے، تمام افراد میں منسوخ نہیں، صرف وہ لوگ جن کے لئے روزہ ہوّا تھا کہ ہائے! ہائے! روزہ کیسے رکھیں گے ان کے حق میں آیت منسوخ ہے، اور شیخ فانی جس کے لئے روزہ رکھنا واقعی دشوار ہے اس کے حق میں حکم باقی ہے، اس لئے آیت تلاوت میں باقی رکھی گئی ہے کہ حکم بعض افراد میں باقی ہے۔

حدیث: سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب آیت: ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ﴾ نازل ہوئی تو اختیار تھا کہ جو روزہ رکھنا چاہے روزہ رکھے اور جو فدیہ دینا چاہے فدیہ دے۔ یہاں تک کہ وہ آیت نازل ہوئی جو اس کے بعد ہے یعنی ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ پس اس نے سابقہ آیت کو منسوخ کردیا (ناسخ آیت ایک وقت کے بعد نازل ہوئی تھی)

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۸۳ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۴ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے والوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم متقی بنو! گنتی کے چند دنوں کے، پس جو تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں سے وہ تعداد پوری کرے، اور جو لوگ بہ مشقت روزہ رکھ سکتے ہیں وہ ایک غریب کے کھانے کا فدیہ دیں ـــــ یعنی آدھا صاع گیہوں یا اس کی قیمت دیں ـــــ اور جو خوشی سے کوئی نیک کام کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے، اور روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم سمجھو!

ماہِ رمضان: جس میں قرآن اتارا گیا، جو لوگوں کے لئے راہ نما ہے، اور ہدایت کی واضح دلیلیں ہیں، اور حق وباطل کو جدا کرنے والی کتاب ہے، پس جو تم میں سے اس مہینہ کو پائے وہ اس کا روزہ رکھے، اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرے ـــــ ایک ساتھ ہونے یا متفرق ہونے کی کوئی قید نہیں، اور ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں آئے گی۔

احکام کی تشریع میں سہولت کا لحاظ

اور یہ جو بوجہ عذر مریض اور مسافر کو افطار کرنے کی اجازت دی، اس میں اس کا لحاظ ہے کہ لوگوں پر آسانی ہو، تنگی نہ ہو، احکام کی تشریع میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے، جیسے نماز فرض کی تو کھڑے ہو کر فرض نماز ادا کرنا بھی فرض کیا، اور بیماری وغیرہ عذر سے کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھے، اور بیٹھنے کی بھی استطاعت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھے، لیکن نماز ہر حال میں فرض ہے، اسی طرح روزوں کی تعداد پوری کرنی ضروری ہے، خواہ رمضان میں پوری کرے یا غیر رمضان میں، رمضان کی تخصیص اس ماہ کی اہمیت کی وجہ سے تھی، جو عذر کی صورت میں ملحوظ نہیں رکھی گئی، یہ سہولت کر دی۔

پھر جب رمضان کے روزے پورے ہو جائیں تو تم اس طریقۂ سراسر خیر و ہدایت پر اللہ کی بڑائی بیان کرو، اور عید الفطر کا دوگانہ ادا کرو، نبی ﷺ نے اسی آیت سے نمازِ عید الفطر و عید الاضحیٰ میں زائد تکبیریں مشروع کی ہیں، اور علاوہ ازیں بھی مدام اللہ کا شکر بجالاتے رہو، اللہ تعالیٰ تم سے قریب ہیں، تمہاری پکار سن رہے ہیں (جیسا کہ اگلی آیت میں ہے)

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں، اور تم پر دشواری نہیں ڈالنا چاہتے، اور تاکہ تم گنتی پوری کرو، اور اللہ کی بڑائی (عظمت) بیان کرو کہ اس نے تمہیں راہِ راست دکھائی، اور تاکہ تم شکر بجالاؤ!

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿١٨٦﴾

وَاِذَا	اور جب	اُجِيْبُ	قبول کرتا ہوں	لِيْ	میرا
سَاَلَكَ	آپ سے پوچھیں	دَعْوَةَ	دعا	وَلْيُؤْمِنُوْا(۳)	اور یقین رکھیں
عِبَادِيْ	میرے بندے	الدَّاعِ	دعا مانگنے والے کی	بِيْ	مجھ پر
عَنِّيْ	میرے بارے میں	اِذَا دَعَانِ(۱)	جب وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ	تو بیشک میں نزدیک ہوں	فَلْيَسْتَجِيْبُوْا(۲)	پس چاہئے کہ وہ حکم مانیں	يَرْشُدُوْنَ(۴)	نیک راہ پائیں

(۱) دَعَانِ: نون کا کسرہ ی محذوف کی علامت ہے (۲) اِسْتَجِيْبُوْا: اِسْتِجَابَة سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے: حکم ماننا، بات قبول کرنا (۳) ایمان کے لغوی معنی ہیں (۴) رُشد و فلاح: نیک راہ۔

اللہ تعالیٰ ہر شکر گذاری سنتے ہیں

عنوان میں ارتباط کی طرف اشارہ ہے، بعض صحابہ نے پوچھا: کیا ہمارے پروردگار دور ہیں کہ ہم ان کو زور سے پکاریں، یا نزدیک ہیں کہ ہم مناجات (سرگوشی) کریں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور بتلایا کہ وہ علم وقدرت کے اعتبار سے قریب ہیں، ہر بات سنتے ہیں، خواہ آہستہ کہو یا پکار کر —— اور جن مواقع میں جہراً تکبیر کہنے کا حکم ہے اس کی دوسری وجہ ہے، یہ نہیں کہ وہ آہستہ بات نہیں سنتے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ لا زمان ولا مکان ہیں: **لا یتمَکّنُ فی مکان ولا یجری علیه زمان[العقائد النسفية]** زمان ومکان: مخلوق ہیں، اور خالق: مخلوق میں نہیں ہوتا، ورنہ احتیاج لازم آئے گی، اور سوال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس مخلوق کے وجود سے پہلے کہاں تھے؟ یہی سوال عرش کے تعلق سے ہوگا، اس لئے مفسرین کرام نے قرب سے علم وقدرت کی نزدیکی مراد لی ہے یعنی اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں، وہ شہ رگ سے بھی قریب ہیں، اور جو چاہیں کرسکتے ہیں، کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں —— اور بعض حضرات نے جو حاضر وناظر کہا ہے وہ مجازی تعبیر ہے۔

آیت کریمہ: —— اور جب آپؐ سے میرے بندے (مؤمنین) میرے بارے میں پوچھیں —— کہ میں نزدیک ہوں یا دور؟ —— تو —— آپؐ ان کو بتلادیں کہ —— میں نزدیک ہوں —— علم وقدرت کے اعتبار سے، نہ کہ مکان (جگہ) کے اعتبار سے —— دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے —— اس میں دعا کرنے کا حکم مضمر ہے —— پس ان کو چاہئے کہ میرا حکم مانیں —— اور مجھ سے دعا مانگیں —— اور مجھ پر یقین رکھیں —— میں ان کی دعائیں ضائع نہیں کروں گا —— تاکہ وہ نیک راہ پائیں —— نیک راہ یہی ہے کہ اللہ سے یقین کے ساتھ خوب مانگیں، دعا عبادت ہے اور عبادت اللہ کو بہت پسند ہے، اور جو عبادت سے اعراض کرتا ہے اللہ اس کو جہنم میں ڈالیں گے۔

فائدہ: قرآن وحدیث میں یہی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ہر دعا قبول کرتے ہیں، کوئی دعا رد نہیں کرتے، یہ نہیں فرمایا کہ ہر بندے کو اس کی مانگی ہوئی چیز دیدیتے ہیں، یہ بات بندے کی مصلحت کے تابع ہے، جیسے کسی کا اکلوتا بیٹا بخار میں مبتلا ہوا، دوپہر میں قلفی (برف) بیچنے والا سڑک پر آیا، اس نے ٹن ٹن گھنٹی بجائی، لڑکا بے تاب ہوگیا، وہ قلفی کھانے کا عادی ہے، اس نے باپ سے کہا: ابو! میں قلفی کھاؤں! پس باپ اس کا دل نہیں توڑے گا، نوکر کو آواز دے گا، جلدی جا، قلفی لا، نوکر ادا شناس ہے وہ غائب ہوجائے گا، لاری والا آگے بڑھ جائے گا، اور بچہ بھول جائے گا، باپ اس کو برف اس وقت دے گا جب ڈاکٹر اجازت دے، کیونکہ باپ کو بچے کی جان سے نہیں کھیلنا، اسی طرح اللہ تعالیٰ بندوں کی ہر دعا قبول فرمالیتے ہیں اور مانگی ہوئی چیز اس وقت دیتے ہیں جب بندوں کی مصلحت ہوتی ہے، ورنہ دعا کو عبادت بنا کر اس کے نامۂ

اعمال میں لکھ دیتے ہیں۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

اُحِلَّ	حلال کی گئیں	اَنَّكُمْ كُنْتُمْ	کہ تھے تم	وَكُلُوْا	اور کھاؤ
لَكُمْ	تمہارے لئے	تَخْتَانُوْنَ	خیانت کرتے	وَاشْرَبُوْا	اور پیو
لَيْلَةَ	رات میں	اَنْفُسَكُمْ	اپنی ذاتوں سے	حَتّٰى يَتَبَيَّنَ	یہاں تک کہ صاف
الصِّيَامِ	روزے کی	فَتَابَ	پس توجہ فرمائی		جدا نظر آئے
الرَّفَثُ[1]	زن وشوئی کی باتیں	عَلَيْكُمْ	تم پر	لَكُمُ	تمہیں
اِلٰى نِسَآئِكُمْ	تمہاری بیویوں سے	وَعَفَا عَنْكُمْ	اور درگذر کیا تم سے	الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ	سفید دھاگا
هُنَّ لِبَاسٌ	وہ پہناوا ہیں	فَالْئٰنَ	پس اب	مِنَ الْخَيْطِ	دھاگے سے
لَّكُمْ	تمہارا	بَاشِرُوْهُنَّ	تم ہم خوابی کرو ان کے ساتھ	الْاَسْوَدِ	کالے
وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ	اور تم پہناوا ہو	وَابْتَغُوْا	اور طلب کرو	مِنَ الْفَجْرِ[2]	فجر سے
لَّهُنَّ	ان کا	مَا كَتَبَ	جو لکھ دیا ہے	ثُمَّ اَتِمُّوا	پھر پورا کرو تم
عَلِمَ اللّٰهُ	جانا اللہ نے	اللّٰهُ لَكُمْ	اللہ نے تمہارے لئے	الصِّيَامَ	روزہ

(۱) الرفث: باب نصر کا مصدر ہے: فحش باتیں کرنا، گندی باتیں کرنا، زُجاج (امام لغت) کہتے ہیں: یہ ایسا کلمہ ہے جو ہر اس چیز کو شامل ہے جس کی مرد: عورتوں سے خواہش کرتے ہیں (لغات القرآن) (۲) من الفجر: من بیانیہ ہے، الخیط الأبیض کا بیان ہے، اور الخیط الأسود کا بیان من اللیل چھوڑ دیا گیا، سامع خود نکال لے گا۔

اِلَى الَّيْلِ	رات تک	فِي الْمَسٰجِدِ	مسجدوں میں	يُبَيِّنُ	کھول کر بیان کرتے ہیں
وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ (۱)	اور شہوت سے اپنا بدن	تِلْكَ	یہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
	عورتوں کے بدن سے	حُدُوْدُ اللّٰهِ	اللہ کی سرحدیں ہیں	اٰيٰتِهٖ	اپنے احکام
	نہ لگاؤ	فَلَا	پس نہ	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	تَقْرَبُوْهَا	قریب جاؤان کے	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
عٰكِفُوْنَ	اعتکاف کرنے والے ہو	كَذٰلِكَ	اس طرح	يَتَّقُوْنَ	بچیں

رمضان کی راتوں میں بیوی سے زن وشوئی کا معاملہ کرنے کی اجازت

شروع میں یہ حکم تھا کہ رات کو جب نیند آجائے تو آنکھ کھلنے کے بعد کھانا پینا اور بیوی سے مقاربت کرنا ممنوع تھا، اگلا روزہ شروع ہوجاتا تھا، یہ حکم وحی غیر متلو سے دیا گیا تھا، جیسے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم بھی وحی غیر متلو سے دیا گیا تھا، پھر بعض صحابہ سے اس حکم کے امتثال میں کوتاہی ہوگئی، انھوں نے نادم ہوکر نبی ﷺ کو اپنے فعل کی اطلاع دی تو وحی متلوّ نازل ہوئی اور اس حکم کو اٹھادیا، اور رمضان کی راتوں میں بیوی سے زن وشوئی کا معاملہ کرنا حلال کیا گیا، یہی حکم کھانے پینے کا بھی ہے، اور وجہ نسخ یہ بیان کی کہ لوگ رات میں بیوی سے لپٹ کر لیٹتے ہیں، پھر بیدار ہونے کے بعد مقاربت کرلیتے ہیں، یہ اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں پر مہربانی کی نظر فرمائی، سابقہ گناہ معاف کردیا، اور دوسرا حکم بھیج دیا کہ اب کپڑے نکال کرلیٹو، اور صحبت بھی کرسکتے ہو، مگر مباشرت سے مطلوب اولاد ہونی چاہئے، محض شہوت رانی مقصود نہیں ہونی چاہئے، اس میں عزل کی کراہیت اور اغلام کی حرمت بھی آگئی۔

آیتِ پاک: تمہارے فائدے کے لئے روزے کی شب میں —— یعنی رمضان کی راتوں میں —— تمہاری عورتوں کے ساتھ زن وشوئی کا معاملہ کرنا حلال کیا گیا، وہ تمہارا پہناوا ہیں اور تم ان کا پہناوا ہو —— یعنی کپڑوں کی طرح لپٹ کر لیٹتے ہو —— اللہ تعالیٰ نے جانا کہ تم اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے ہو —— یعنی بیدار ہونے کے بعد مقاربت کرلیتے ہو، یہ حکم شریعت کی خلاف ورزی ہے، اور اپنے پیروں پر تیشہ زنی ہے —— اس لئے اللہ تعالیٰ نے تم پر مہربانی کی نظر فرمائی، اور تمہارا گناہ معاف کردیا، لہٰذا اب ان عورتوں کے ساتھ بے پردہ اپنا بدن لگاؤ، اور اللہ نے جو کچھ تمہارے لئے مقدر کیا ہے اس کو چاہو۔

(۱) المباشرۃ (باب مفاعلہ) بَشَرَۃ (کھال) سے ماخوذ ہے: کھال کا کھال سے لگنا، کھلے بدن کا کھلے بدن سے لگنا، مجامعت ضروری نہیں، پس مباشرت: مجامعت سے عام ہے مگر اردو میں مترادف ہیں، اعتکاف میں دواعیٔ صحبت بھی جائز نہیں، ان سے بھی اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔

روزے کا وقت صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک ہے

اور کھاؤ پیو ـــــ اور صحبت کرو ـــــ یہاں تک کہ صاف نظر آئے صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے پھر روزہ پورا کرو رات تک ـــــ یہی روزے کا وقت ہے۔

اعتکاف میں صحبت اور اس کے اسباب بھی جائز نہیں

اور عورتوں کے بدن سے شہوت کے ساتھ بدن مت لگاؤ، جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہوؤ ـــــ یعنی روزے میں تو رات میں مباشرت بھی جائز ہے، مگر اعتکاف میں رات میں بھی دواعی جماع جائز نہیں، پس جماع تو بدرجۂ اَولیٰ جائز نہیں، دونوں سے اعتکاف باطل ہوجاتا ہے ـــــ یہ یعنی اعتکاف میں صحبت اور اسبابِ صحبت کی ممانعت اللہ کی باندھی ہوئی حدیں (باؤنڈری) ہیں، پس تم ان کے نزدیک بھی مت جاؤ ـــــ اور صحبت کے دواعی اختیار کرنا قریب جانا ہے، اس لئے ان کی بھی ممانعت ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے اپنے احکام پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تاکہ لوگ (خلاف ورزی سے) بچیں ـــــ اور پرہیزگار بنیں!

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾

وَلَا تَاْكُلُوْٓا	اور نہ کھاؤ	بِهَآ	ان (اموال) کو	مِّنْ اَمْوَالِ	اموال کا
اَمْوَالَكُمْ	اپنے مال	اِلَى الْحُكَّامِ	فیصلہ کرنے والوں کی	النَّاسِ	لوگوں کے
بَيْنَكُمْ	باہم		طرف	بِالْاِثْمِ	گناہ (ظلم) کے ذریعہ
بِالْبَاطِلِ	ناحق طور پر	لِتَاْكُلُوْا	تا کہ کھاؤ تم	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم
وَتُدْلُوْا (۱)	اور لٹکاتے ہو تم	فَرِيْقًا	کچھ حصہ	تَعْلَمُوْنَ	جانتے ہو

۴- حرام مال کھانے کی اور جج کو رشوت دینے کی ممانعت

ابھی وہی سلسلہ بیان ہے: ﴿الصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾: سختی اور بیماری میں صبر کرنے والے (قابلِ

(۱) تدلوا: مضارع، صیغہ جمع مذکر حاضر، أدْلیٰ: ڈول کو بھرنے کے لئے کنویں میں ڈالنا، بطور استعارہ: پہنچانا، دینا۔

تعریف ہیں) اس آیت میں اس سلسلہ کے دو حکم ہیں:

پہلا حکم: حرام مال کھانے کی ممانعت، غلط طریقہ پر مال ہتھیانے سے بچنے کا حکم۔ اور اس کی بہت صورتیں ہیں: چوری، خیانت، دغابازی، غصب (لوٹ) قمار (سٹہ) رشوت ستانی (لینا) اور ناجائز خرید وفروخت سے مال حاصل کرنا، ان سب صورتوں میں ایک فریق کو سخت تکلیف پہنچتی ہے، مثلاً: کوئی بڑا مال چرالے تو مال کا مالک کتنا پریشان ہوتا ہے؟ اس کی نیند حرام ہو جاتی ہے! مگر حاصل کیا؟ گیا ہوا مال واپس تھوڑے آئے گا؟ صبر وبرداشت سے کام لے، البتہ چور کو پکڑنے کی اور اس کو سبق سکھانے کی کوشش کرے، تاکہ دوسرے لوگ اس کی آفت سے بچیں، اور اسی پر دیگر معاملات کو قیاس کریں۔

دوسرا حکم: قاضی کو رشوت دینے کی ممانعت: مکان یا زمین کا جھوٹا مقدمہ دائر کیا، اور جج کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرالیا، پس جس کا حق مارا ہے اس پر کیا بیتے گی؟ مگر صبر کے سوا چارہ کیا ہے؟

فائدہ: قاضی کا فیصلہ دنیا میں ظاہراً و باطناً نافذ ہوگا، پولس قابض سے مکان خالی کرا کر مدعی کو سونپے گی، مگر آخرت کی سزا سے وہ کیسے بچے گا؟ مدعی نے مکان نہیں قبضایا ہے، بلکہ جہنم کا ایک ٹکڑا خریدا ہے!

آیتِ کریمہ: (۱) ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق مت کھاؤ (۲) اور تم اموال کو فیصلہ کرنے والوں تک پہنچاتے ہو، تاکہ لوگوں کے اموال کا کچھ حصہ گناہ کے ذریعہ کھالو، جبکہ تم جانتے ہو —— کہ مکان یا گھر تمہارا نہیں: ایسا مت کرو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ ھِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِھَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۸۹

يَسْـَٔلُوْنَكَ	پوچھتے ہیں لوگ آپ سے	مَوَاقِيْتُ(۲)	اوقات ہیں	الْبُيُوْتَ	گھروں میں
عَنِ الْاَهِلَّةِ(۱)	نئے چاندوں کے	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	مِنْ ظُهُوْرِھَا	ان کی پیٹھوں سے
	بارے میں	وَالْحَجِّ	اور حج کے لئے	وَلٰكِنَّ الْبِرَّ	بلکہ نیکی
قُلْ	بتائیں	وَلَيْسَ الْبِرُّ(۳)	اور نیکی نہیں ہے	مَنِ اتَّقٰى(۴)	جو ڈرا (اللہ سے)
ھِىَ	وہ	بِاَنْ تَاْتُوا	کہ آؤ تم	وَاْتُوا	اور آؤ تم

(۱) الأهلة: الهلال کی جمع: نیا چاند (۲) مواقيت: ميقات کی جمع: وقت (۳) البر: ليس کا اسم اور بأن تأتوا: خبر، خبر پر باء زائد آتی ہے (۴) من اتقى: لكن کی خبر۔

الْبُيُوْتَ	گھروں میں	وَاتَّقُوا	اور ڈرو	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
مِنْ اَبْوَابِهَا	ان کے دروازوں سے	اللّٰهَ	اللہ سے	تُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہوؤ

۵-حج: جان ومال سے مرکب عبادت ہے

ابھی سابقہ سلسلۂ کلام چل رہا ہے: ﴿ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ ﴾: سختی اور تکلیف میں برداشت کرنے والے (قابلِ تعریف ہیں) اس کے ذیل میں پانچ احکام بیان فرمائے ہیں، ان میں سے یہ آخری حکم ہے۔

وہ پانچ احکام یہ ہیں:

۱-قتلِ عمد میں قصاص (برابری کرنے) کا حکم، طیش میں یہ بھاری حکم ہے۔

۲-پیچھے ترکے کا بڑا جھمیلا ہو تو حسبِ حصصِ شرعیہ وصیت کرنا، تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

۳-رمضان کے روزے رکھنا، ایک نہیں مسلسل تیس، نہ کھانا نہ پینا، یہ بھی بھاری حکم ہے۔

۴-حرام مال نہ کھانا اور رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ نہ کرانا۔

۵-حج کی فرضیت، حج اب تو آسان ہوگیا ہے، پہلے اتنا آسان نہیں تھا، حج میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا تھا، یہ جان ومال سے مرکب عبادت ہے، اس میں بڑا مال خرچ ہوتا ہے، آدمی زندگی بھر جوڑتا ہے تب حج کرتا ہے، اور چھ ماہ میں حج سے واپس آتا ہے، اور ''حاجی صاحب'' کہلاتا ہے، اب ہفتہ دس دن میں آجاتے ہیں، اس لئے کوئی اس معزز لقب سے نہیں نوازتا۔

صحابہ کا ایک سوال: عرب کا ملک بے آب وگیاہ ہے، معیشت کا فقدان ہے، زندگی کا مدار اسفار پر تھا، گرمیوں میں ملکِ شام جاتے تھے اور سردیوں میں یمن، اور ضرورت کی چیزیں خرید لاتے تھے، اور علاقہ پہاڑی تھا، اور ملک گرم تھا، دن میں سفر ممکن نہیں تھا، صبح وشام چلتے تھے، زیادہ سفر رات میں کرتے تھے، چاندنی راتوں میں سفر سہولت سے ہوتا ہے، اس لئے صحابہ نے پوچھا کہ چاند سورج کی طرح ایک حالت پر کیوں نہیں رہتا؟ رات بھر روشن رہے تو سفر میں مزہ آجائے، یہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے؟ اس میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: چاند کی یہ صورتِ حال اس لئے ہے کہ لوگ آسانی سے قمری کلینڈر بنائیں، سورج سے بھی کلینڈر بنتا ہے، مگر وہ دقیق حساب پر مبنی ہے، ہر شخص نہیں بنا سکتا، اور چاند سے تاریخیں جاہل سے جاہل بھی متعین کرسکتا ہے۔

جواب کی تفصیل: چونکہ مطالع مختلف ہیں، اور اعتبار آنکھ سے دیکھنے کا ہے، اس لئے چاند کی تاریخیں ایک نہیں ہوتیں، جہاں سب سے پہلے چاند نظر آتا ہے مہینہ شروع ہوجاتا ہے، اور جہاں اگلی رات میں نظر آتا ہے وہاں قمری مہینہ ایک دن بعد

شروع ہوتا ہے، البتہ حج کا وقت مکہ مکرمہ کے افق کا ہلال متعین کرتا ہے، مکہ کے افق پر جب نیا چاند نظر آتا ہے تو ذی الحجہ کی پہلی تاریخ ہوتی ہے، پھر نویں تاریخ کو وقوفِ عرفہ ہوتا ہے، یہی حج کا سب سے بڑا فرض ہے، دنیا بھر کے لوگوں کو اپنی قمری تاریخیں چھوڑ کر اس تاریخ میں حج کے لئے آنا ہوتا ہے، اس لئے ﴿ لِلنَّاسِ ﴾ کے بعد حج کا الگ ذکر کیا۔

فائدہ: توحیدِ اہلہ یعنی ساری دنیا کا ایک چاند نہیں ہوسکتا، حج کے علاوہ دیگر دینی اور دنیوی معاملات میں چاند کی تاریخیں مختلف ہونگی، صرف حج میں توحیدِ اہلہ ہوسکتا ہے، اگر یہ تعبیر مناسب ہو، اور نیو مون (القمر الجدید) پر مدار رکھ کر پوری دنیا میں قمری تاریخیں ایک کرنا غیر شرعی نظریہ ہے۔

بوجھ در بوجھ: ایک تو حج کی عبادت ہی بھاری تھی، پھر جاہلیت نے اس کو اور بھاری کر رکھا تھا، ریت یہ کر رکھی تھی کہ جب حج کا احرام باندھتے تو گھر میں دوازے سے داخل نہیں ہوتے تھے، پشت سے سیڑھی سے چڑھ کر آتے تھے، یہ خود ساختہ پابندی تھی، قرآنِ کریم اس کی تردید کرتا ہے کہ یہ کوئی نیکی کا کام نہیں، نیکی کے کام: حج کے احکام کی تعمیل ہے، پس احرام میں گھر میں آنا پڑے تو دروازے سے آؤ، اور حج میں ممنوعاتِ شرعیہ سے بچو، تاکہ فلاح وکامیابی سے ہمکنار ہوؤ۔

آیتِ کریمہ: لوگ آپؐ سے نئے چاندوں کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ —— کبھی سوال کی تفصیل جواب سے معلوم ہوتی ہے، سال میں بارہ ہلال (نئے چاند) ہوتے ہیں، سوال یہ ہے کہ چاند کا یہ نظام کیوں ہے؟ سورج کی طرح وہ ایک حالت پر کیوں نہیں رہتا؟ —— آپؐ بتائیں: وہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اوقات (متعین کرتے) ہیں —— اور نیکی کا کام یہ نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پشت سے آؤ، بلکہ نیکی کا کام (حج میں) اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنا ہے، اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہوؤ!

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹۳﴾ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

وَقَاتِلُوْا	اورلڑو	مِنَ الْقَتْلِ	قتل سے	وَّيَكُوْنَ	ہوجائے
فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ	اورنہ لڑوان سے	الدِّيْنُ	دین
اللّٰهِ	اللہ کے	عِنْدَ الْمَسْجِدِ	پاس مسجد	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے
الَّذِيْنَ(۱)	ان لوگوں سے جو	الْحَرَامِ	حرام کے	فَاِنِ انْتَهَوْا	پھراگر باز آجائیں وہ
يُقَاتِلُوْنَكُمْ	لڑتے ہیں تم سے	حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ	یہاںتک کہ لڑیں وہ تم سے	فَلَا عُدْوَانَ	تو نہیں ہے حد سے بڑھنا
وَلَا تَعْتَدُوْا	اورنہ زیادتی (ابتدا)	فِيْهِ	اس میں	اِلَّا	مگر
	کروتم	فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ	پس اگر لڑیں وہ تم سے	عَلَى الظّٰلِمِيْنَ	ظلم پیشہ لوگوں پر
اِنَّ اللّٰهَ	بیشک اللہ تعالیٰ	فَاقْتُلُوْهُمْ	توقتل کروان کو	اَلشَّهْرُ	مہینہ
لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	كَذٰلِكَ	یہی	الْحَرَامُ	حرمت والا
الْمُعْتَدِيْنَ	زیادتی کرنے والوں کو	جَزَآءُ	سزا ہے	بِالشَّهْرِ	بدل ہے مہینہ
وَاقْتُلُوْهُمْ	اورقتل کروان کو	الْكٰفِرِيْنَ	دین نہ ماننے والوں کی	الْحَرَامِ	حرمت والے کا
حَيْثُ	جہاں بھی	فَاِنِ انْتَهَوْا	پھراگر باز آجائیں وہ	وَالْحُرُمٰتُ	اورادب واحترام میں
ثَقِفْتُمُوْهُمْ(۲)	پاؤان کو	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ	قِصَاصٌ	برابری ہے
وَاَخْرِجُوْهُمْ	اورنکالوان کو	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	فَمَنِ اعْتَدٰى	پس جو زیادتی کرے
مِّنْ حَيْثُ	جہاں سے	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں	عَلَيْكُمْ	تم پر
اَخْرَجُوْكُمْ	نکالا انھوں نے تم کو	وَقٰتِلُوْهُمْ	اورلڑوان سے	فَاعْتَدُوْا	توزیادتی کروتم
وَالْفِتْنَةُ	اورفتنہ (دین سے روکنا)	حَتّٰى لَا تَكُوْنَ	یہاں تک کہ نہ رہے	عَلَيْهِ	اس پر
اَشَدُّ	زیادہ سخت ہے	فِتْنَةٌ	فساد (دین سے روکنا)	بِمِثْلِ	مانند

(۱) الذین: صلہ کے ساتھ قاتلوا کا مفعول بہ ہے (۲) ثَقِفَ (س) ثَقَفًا الشیئَ: کوشش کے بعد پالینا، قابو پانا، ثَقِفَ العلمَ: ماہر ہونا، الثقافۃ: علم وہنر، تہذیب، کلچرل۔

مَا اعْتَدٰى[1]	زیادتی کرنے اس کے	مَعَ الْمُتَّقِيْنَ	ڈرنے والوں کے ساتھ ہیں	بِاَيْدِيْكُمْ	اپنے ہاتھوں کو
عَلَيْكُمْ	تم پر	وَاَنْفِقُوْا	اور خرچ کرو	اِلَى التَّهْلُكَةِ	ہلاکت میں
وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو اللہ سے	فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	وَاَحْسِنُوْا	اور نیکی کرو
وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو	اللّٰهِ	اللہ کے	اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ	بیشک اللہ پسند کرتے ہیں
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	وَلَا تُلْقُوْا	اور نہ ڈالو	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو

ربط: ﴿ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ ﴾: سے تعلق رکھنے والے پانچ احکام پورے ہوئے، اب ﴿وَحِيْنَ الْبَاْسِ ﴾ کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، یعنی سخت جنگ میں صبر کرنے والے اور جم کر لڑنے والے بھی قابل تعریف ہیں۔

قرآنِ کریم کبھی واقعہ کے اجزاء کو مقدم و مؤخر کرتا ہے

پہلے (آیات ۶۷-۷۳) میں گائے ذبح کرنے کا واقعہ آیا ہے، اس کا ابتدائی حصہ: ﴿وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا ﴾ مؤخر ہے، اور ایسا اس لئے کیا ہے کہ ابتدائی حصہ مستقل حیثیت حاصل کرلے، ورنہ سارا واقعہ ایک ہو کر رہ جائے گا، یہاں بھی آئندہ آیت جو صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی ہے: اس کو مؤخر کیا ہے، اور زیر تفسیر آیات کو جو ایک سال بعد عمرۃ القضاء کے موقع پر نازل ہوئی ہیں: مقدم کیا ہے، تا کہ دونوں آیتوں کو مستقل حیثیت حاصل ہو جائے۔

آیاتِ زیرِ تفسیر اور آئندہ آیت کا پسِ منظر (شانِ نزول)

جب غزوۂ احزاب سے کفار کا لشکر نامراد واپس لوٹا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر حملہ نہیں کرسکیں گے'' اس کے بعد نبی ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے، اور بہ اطمینان عمرہ ادا کیا، اس سے شوق بھڑکا، کعبہ شریف عربوں کی مشترک عبادت گاہ تھی، ہر ایک کو حج اور عمرہ کرنے کے لئے آنے کی اجازت تھی، اس لئے آپؐ نے اور صحابہ نے خیال کیا کہ اگر وہ عمرہ کرنے کے لئے جائیں گے تو مکہ والے نہیں روکیں گے، چنانچہ آپ سنہ ۶ ہجری میں پندرہ سو صحابہ کے ساتھ ذوالحلیفہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر اور قربانیاں ساتھ لے کر مکہ کے لئے روانہ ہوئے، اُدھر مکہ والوں کو بھی خبر ہوگئی کہ مسلمان عمرہ کرنے آرہے ہیں، انھوں نے طے کیا کہ مسلمانوں کو کسی قیمت پر مکہ میں داخل نہیں ہونے دینا۔

قصہ مختصر: نبی ﷺ صحابہ کے ساتھ حدیبیہ میں رک گئے اور سفارتوں کا سلسلہ شروع ہوا، اور اس بات پر صلح ہوگئی کہ

(۱) ما اعتدی: ما: مصدریہ ہے: أی مثل الاعتداء۔

مسلمان اس سال عمرہ کئے بغیر واپس جائیں اور اگلے سال آئیں، مگر ہتھیار ساتھ نہ لائیں، صرف تلوار لائیں اور وہ بھی تھیلے میں ہو، اور مکہ میں صرف تین دن ٹھہریں، پس آئندہ آیت (نمبر ۱۹۶) نازل ہوئی، جس میں احصار کا حکم ہے، پس آپؐ اور صحابہ قربانیاں کر کے احرام کھول کر لوٹ گئے۔

واپسی میں راستے میں سورۃ الفتح نازل ہوئی، اس کی (آیت ۲۷) میں فرمایا کہ خواب سچا ہے، اگلے سال بہ اطمینان عمرہ کرو گے، مگر ﴿ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ کی تعلیق بھی کی، یہ قید اس لئے بڑھائی کہ اگلے سال صحابہ بے خوف ہو کر نہ جائیں، پھر ایک سال کے بعد جب آپؐ نے عمرۃ القضاء کا ارادہ فرمایا تو زیرِ تفسیر آیات نازل ہوئیں، ان میں اشارہ تھا کہ مکہ والے وعدہ خلافی کر سکتے ہیں اور جنگ کی نوبت آسکتی ہے، اگر ایسا ہو تو صحابہ ڈٹ کر مقابلہ کریں، اور کفار کو مکہ سے کھدیڑ دیں، چنانچہ فوج ہتھیار ساتھ لے کر چلی، اور مکہ سے آٹھ میل پر یأجج مقام میں ان کو رکھ دیا، اور دو سو آدمی ان کی حفاظت کے لئے رک گئے، باقی صحابہ صرف تلواریں خورجی میں رکھ کر مکہ میں داخل ہوئے، اور مکہ والوں نے حسبِ وعدہ تین دن کے لئے مکہ خالی کر دیا اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

۶- مسلمان مکہ پہنچ کر جنگ نہ چھیڑیں البتہ کفار جنگ چھیڑیں تو ان کو نہ بخشیں

جہاد: دفاعی بھی ہوتا ہے اور اقدامی بھی، لیکن اس خاص موقع پر مسلمان مکہ پہنچ کر جنگ نہ چھیڑیں، کیونکہ یہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی، البتہ کفارِ مکہ جنگ پر تُل جائیں تو ترکی بہ ترکی جواب دیں، ان کو جہاں پائیں قتل کریں، خواہ حرم میں پائیں یا حرم سے باہر، اور ان کو مکہ سے کھدیڑ دیں جس طرح انھوں نے تم کو مکہ سے نکال دیا ہے، کیونکہ فتنہ (دینِ اسلام سے روکنا) بھاری گناہ ہے، اس لئے بھاری گناہ کے مقابلہ میں ہلکا گناہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

﴿ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ﴾

ترجمہ: اور اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں، اور زیادتی (ابتدا) مت کرو، بالیقین اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے، اور ان کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ، اور ان کو اس جگہ سے نکالو جہاں سے انھوں تم کو (مہاجرین کو) نکالا ہے، اور فتنہ (دین سے روکنا) قتل سے زیادہ سنگین ہے —— ﴿ لَا تَعْتَدُوْا ﴾: عام حکم ہے اور اس خاص موقع پر ابتداء کرنے کی ممانعت تھی بوجہ صلح حدیبیہ۔

حرم شریف میں دفاعی جنگ جائز ہے

سوال: حرم شریف میں مسلمانوں کے لئے جنگ کیسے جائز ہوگی: حرم تو محترم ہے، وہاں قتل وقتال جائز نہیں!

جواب: حرم میں اقدامی جنگ جائز نہیں، دفاع کر سکتے ہیں، اور مسلمانوں کو اوپر کی آیت میں ابتدا کرنے سے منع کیا ہے، صرف دفاع کی اجازت دی ہے، اور نبی ﷺ نے فتح مکہ میں جو اقدام کیا تھا وہ آپ کی خصوصیت تھی۔

﴿ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ١٩١ ﴾

ترجمہ: اور تم ان سے مسجدِ حرام کے پاس (حرم شریف میں) مت لڑو جب تک وہ تم سے وہاں نہ لڑیں، پس اگر وہ تم سے لڑیں تو ان کو قتل کرو، کافروں کی یہی سزا ہے!

جنگ کے دوران دشمن ایمان لے آئے تو جنگ روک دینا ضروری ہے

دشمن اگر جنگ کے دوران ایمان لے آئیں تو جنگ بند کر دینا ضروری ہے، خواہ انھوں نے مسلمانوں کو کتنا ہی نقصان پہنچایا ہو، اور جس طرح یہ حکم دشمن قوم کے لئے ہے، فرد کے لئے بھی ہے، اب اس کو قتل کرنا جائز نہیں، یہ بات متفق علیہ حدیث میں بھی آئی ہے:

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں حکم دیا گیا ہوں کہ لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، پس جب انھوں نے یہ کام کئے تو انھوں نے مجھ سے اپنے خون اور اپنے مال محفوظ کر لئے، مگر حق اسلام کی وجہ سے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے"

اس حدیث میں جنگ کرنے کا نہیں، بلکہ جنگ بندی کا بیان ہے، لیکن اگر آدھی حدیث پڑھی جائے تو غلط فہمی ہوگی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، لیکن اگر پوری حدیث پیشِ نظر رکھی جائے تو یہ غلط فہمی ہرگز نہیں ہوگی۔

﴿ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ١٩٢ ﴾

ترجمہ: پھر اگر وہ باز آجائیں ـــــ یعنی اسلام قبول کر لیں ـــــ تو اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم والے ہیں!

جہاد اس لئے ہے کہ ظلم رکے اور اللہ کا دین پھیلے

جہاد: دفاعی بھی ہوتا ہے اور اقدامی بھی، اگر دشمن: مسلمانوں پر چڑھ آئیں تو ان کو ہٹانا ضروری ہے، جیسے غزوۂ احزاب تک مکہ کے کافر مدینہ پر چڑھ چڑھ آتے تھے، اور ان کا مقابلہ کیا جاتا تھا، یہ دفاعی جہاد تھا، اور اگر دشمن اسلام کی گاڑی میں روڑا اٹکائیں، دعوت کا کام نہ کرنے دیں یا مسلمانوں پر مسلمان ہونے کی وجہ سے ظلم وستم ڈھائیں تو بھی ان کا دماغ درست کرنا ضروری ہے، یہ اقدامی جہاد ہے، جیسے معاہدۂ حدیبیہ کی خلاف ورزی کر کے قریش نے اپنے حلیف قبیلہ بنو بکر

کی مدد کی، اور انھوں نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنوخزاعہ پر ظلم ڈھایا، ان کے بہت سے آدمی مار ڈالے تو نبی ﷺ نے اقدام کیا اور مکہ فتح کرلیا۔

غرض: جہاد فتنہ فرو کرنے کے لئے ہے، اگر کفار ایمان کی راہ نہ روکیں یا مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ نہ بنائیں تو جہاد کی ضرورت نہیں، ملک گیری کے لئے جہاد نہیں، دعوت کا کام کافروں کے ملک میں بھی جاری رہے گا اور اہلِ سعادت ایمان سے بہرہ ور ہونگے، اور کوئی اکا دُکا شرارت کرے یا ظلم پر کمر باندھے اور کافر حکومت اس کی پشت پناہ نہ ہو تو اسی کا دماغ درست کیا جائے گا، کافر ملک پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۖ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ فرو ہوجائے، اور دین اللہ کے لئے ہوجائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں ہی پر زیادتی ہے۔

اشہر حرام کا پاس ولحاظ دوطرفہ ہونا چاہئے

سوال: مسلمان عمرہ کی قضا کرنے کے لئے ذی قعدہ میں جارہے تھے، یہ محترم مہینہ تھا، ملتِ ابراہیمی میں چار ماہ قابلِ احترام قرار دیئے گئے تھے: ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، پس اگر مکہ والوں کے ساتھ جنگ کی نوبت آئی تو مسلمان کیسے جنگ کریں گے؟

جواب: محترم مہینوں کا ادب اور پاس ولحاظ دوطرفہ ہونا چاہئے، ایک طرفہ نہیں، مشرکین لحاظ کریں گے تو مسلمان بھی لحاظ کریں گے، اور وہ لحاظ نہیں کریں گے اور آمادۂ پیکار ہوجائیں گے تو مسلمان جواب دیں گے، ہاتھ نہیں روکیں گے، اسلام میں تو ان مہینوں میں قتل وقتال جائز ہے، اس لئے فرمایا کہ اگر مشرکین زیادتی کریں تو مسلمان برابر کا جواب دیں، زیادتی نہ کریں، اللہ سے ڈریں، اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: ادب والا مہینہ ادب والے مہینہ کے عوض ہے، اور ادب ولحاظ میں برابری ہے، پس جو تم پر زیادتی کرے اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے، اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

جہاد کے لئے دل کھول کر خرچ کرو، ہاتھ نہ روکو، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے

دورِ اول میں نہ فوج تھی نہ حکومت کے پاس فنڈ تھا، ہر شخص لڑنا جانتا تھا، اور ہتھیار بھی رکھتا تھا، پھر چھوٹے لشکر اپنی رسد

اور ہتھیار ساتھ لے کر چلتے تھے، اور بڑے لشکر کے خورونوش کا انتظام حکومت کرتی تھی، اوراس کے لئے چندہ کیا جاتا تھا، اسی طرح جس کے پاس سواری نہیں ہوتی اور سفر دور کا ہوتا یا غریب ہوتا اور ہتھیار بھی نہیں ہوتے تو اس کے لئے زکات سے خرچ کیا جاتا یا چندہ کیا جاتا۔

مدینہ سے مکہ دس دن کے فاصلہ پر ہے، اور عمرۃ القضاء میں ہتھیار بھی ساتھ لے جانے تھے اور پندرہ سو کے خورونوش کا انتظام بھی کرنا تھا، اس لئے لوگوں کو ترغیب دی کہ جہاد کے لئے دل کھول کر خرچ کرو، ہاتھ نہ روکو، ورنہ تمہارا نقصان ہوگا، کیونکہ مسلمانوں کی سرفرازی جہاد میں ہے، اوراس کے لئے خرچ کرنا ضروری ہے۔

فائدہ: جہاد میں خرچ کرنے کا ثواب کم ازکم سات سو گنا ہے، اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، نیز جہاد میں خرچ کرنا اللہ کو قرض دینا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ غنیمت کی شکل میں کئی گنا بڑھا کر لوٹاتے ہیں۔

﴿ وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۛۚ وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۹۵﴾ ﴾

ترجمہ: اور اللہ کے راستہ میں ــــ یعنی جہاد کے لئے ــــ خرچ کرو، اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت پڑو ــــ مسلمانوں کی سرخ روئی جہاد جاری رہنے میں ہے، اور ذلت ونکبت جہاد رک جانے میں ہے، اور جب فنڈ نہیں ہوگا تو جہاد رک جائے گا، یہی خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے ــــ اور نیک کام کرو ــــ یعنی دل کھول کر خرچ کرو، اور دوسرے نیک کام بھی کرو، چندہ دیا اور نماز نہیں پڑھتا تو کیا فائدہ ہوا! إحسان: باب افعال کے معنی ہیں: نکو کردن: ہر کام عمدہ کرنا، اور عمدہ چندہ دینا یہ ہے کہ اس کے بعد احسان جتا کر دل آزاری نہ کرے ــــ بے شک اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کے ساتھ ہیں ــــ یعنی اگر مجاہدین نیک بندے ہوئے تو کامیابی ان کے قدم چومے گی!

وَاَتِمُّوا الۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ ۚ وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ بِهٖۤ اَذًى مِّنۡ رَّاۡسِهٖ فَفِدۡيَةٌ مِّنۡ صِيَامٍ اَوۡ صَدَقَةٍ اَوۡ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَى الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ ۚ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الۡحَجِّ وَسَبۡعَةٍ اِذَا رَجَعۡتُمۡ ؕ تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ اَهۡلُهٗ حَاضِرِى الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع ۸

وَاَتِمُّوا	اور پورا کرو	فَفِدْيَةٌ	تو بدلہ دے	اِذَا رَجَعْتُمْ	جب تم لوٹو
الْحَجَّ	حج	مِّنْ صِيَامٍ	روزے سے	تِلْكَ	یہ
وَالْعُمْرَةَ	اور عمرہ	اَوْ صَدَقَةٍ	یا خیرات سے	عَشَرَةٌ	دس
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	اَوْ نُسُكٍ	یا قربانی سے	كَامِلَةٌ(۳)	پورے ہیں
فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ(۱)	پس اگر تم روکے جاؤ	فَاِذَآ	پس جب	ذٰلِكَ	یہ (حکم)
فَمَا اسْتَيْسَرَ	تو جو میسر ہو	اَمِنْتُمْ	مطمئن ہو جاؤ تم	لِمَنْ	اس شخص کے لئے ہے جو
مِنَ الْهَدْيِ	قربانی سے (پیش کرو)	فَمَنْ تَمَتَّعَ	تو جس نے فائدہ اٹھایا	لَّمْ يَكُنْ	نہ ہوں
وَلَا تَحْلِقُوْا	اور نہ منڈاؤ	بِالْعُمْرَةِ	عمرہ سے	اَهْلُهٗ	اس کے گھر والے
رُءُوْسَكُمْ	اپنے سر	اِلَى الْحَجِّ	حج کے ساتھ	حَاضِرِي	موجود
حَتّٰى يَبْلُغَ	یہاں تک کہ پہنچے	فَمَا اسْتَيْسَرَ	تو جو میسر ہو	الْمَسْجِدِ	مسجد
الْهَدْيُ	قربانی	مِنَ الْهَدْيِ	قربانی سے (پیش کرے)	الْحَرَامِ	حرام کے پاس
مَحِلَّهٗ(۲)	اس کی جگہ	فَمَنْ لَّمْ	پس جو نہ	وَاتَّقُوا	اور ڈرو
فَمَنْ كَانَ	پھر جو کوئی ہو	يَجِدْ	پائے (قربانی)	اللّٰهَ	اللہ سے
مِنْكُمْ	تم میں سے	فَصِيَامُ	تو روزے ہیں	وَاعْلَمُوْٓا	اور جانو
مَّرِيْضًا	بیمار	ثَلٰثَةِ	تین	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
اَوْ بِهٖٓ	یا اس کو	اَيَّامٍ	دن کے	شَدِيْدُ	سخت
اَذًى	تکلیف ہو	فِي الْحَجِّ	حج میں	الْعِقَابِ	سزا دینے والے ہیں
مِّنْ رَّاْسِهٖ	اس کے سر میں	وَسَبْعَةٍ	اور سات دن کے	۞	۞

ربط: یہ آیت گذشتہ آیات سے ایک سال پہلے نازل ہوئی ہے، اور اس کو مؤخر اس لئے کیا ہے کہ اس کو مستقل حیثیت حاصل ہوجائے، نیز اس لئے بھی کہ اس میں حج کے دیگر مسائل بھی ہیں، اور آگے بھی حج کے مسائل ہیں، پس ان کے ساتھ اتصال ہوجائے گا۔

(۱) أُحْصِرتم: ماضی مجہول، جمع مذکر حاضر، إحصار: بیماری یا خوف کا روکنا (۲) مَحِلّ: ظرفِ مکان: قربانی (ہدی) کے ذبح کرنے کی جگہ، حرم شریف۔ (۳) کاملة: عشرة کی صفت ہے، خبر نہیں ہے۔

اور آیت میں تین مسائل ہیں، اور ان میں ربط ہے، سب سے پہلے احصار کا حکم بیان کیا ہے، احصار میں مجبوراً احرام کھولنا پڑتا ہے، پھر کسی مجبوری میں احرام میں ممنوعات کے ارتکاب کا حکم بیان کیا ہے، اس میں احرام کھلتا تو نہیں مگر احرام میں ممنوعات کے ارتکاب سے فدیہ واجب ہوتا ہے اور فدیہ تین چیزیں ہیں، ان میں قربانی بھی ہے، یہ قربانی حج تمتع اور قِران میں بھی واجب ہے، اس طرح تیسرا مسئلہ تمتع اور قِران کا بیان ہوا ہے۔

۷-احصار (حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد کوئی مانع پیش آنے) کا حکم

بات یہاں سے شروع کی ہے کہ دیگر عبادات کی طرح حج اور عمرہ بھی اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہونے چاہئیں، کوئی دوسری فاسد نیت نہیں ہونی چاہئے، اور شروع کرنے سے دونوں واجب ہوجاتے ہیں، دونوں کو پورا کرنا ضروری ہے، درمیان میں چھوڑ نہیں سکتے، اگر ان کو توڑ دیا تو قضا واجب ہے، اگرچہ حج نفلی ہو، اور عمرہ تو احناف کے نزدیک سنت ہی ہوتا ہے، پھر بھی اس کی قضا واجب ہے، البتہ احصار واقع ہو تو قربانی کر کے احرام کھول سکتے ہیں، پھر احناف کے نزدیک جب عذر ختم ہوجائے تو اس کی بھی قضا واجب ہے، دوسرے ائمہ کے نزدیک قضا واجب نہیں۔

تفصیل: کسی شخص نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا (احرام باندھنے سے پہلے احصار متحقق نہیں ہوتا) پھر کوئی حادثہ پیش آیا، ایکسیڈنٹ ہوگیا اور ہاسپٹل میں جانا پڑا، یا کسی شدید مرض میں مبتلا ہوگیا، یا کسی جرم کے ارتکاب کی وجہ سے جیل میں چلا گیا، یا سب مال و اسباب چوری ہوگیا، یا دشمن نے روک دیا: ان سب صورتوں میں احناف کے نزدیک احصار متحقق ہوگا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک احصار صرف دشمن کے روکنے سے متحقق ہوتا ہے، دیگر اعذار سے احصار متحقق نہیں ہوتا۔

اور احصار میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک: جہاں احصار ہوا ہے محصر وہیں قربانی کر کے اور سر منڈا کر احرام کھول دے، اور اس پر اس حج یا عمرہ کی قضا واجب نہیں، اور چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دشمن کے علاوہ اعذار کی صورت میں احصار متحقق نہیں ہوتا اس لئے ان اعذار کی صورت میں اُسے بہر حال مکہ پہنچنا ہوگا، پھر عمرے کا احرام تو ارکانِ عمرہ ادا کرنے سے کھلتا ہے اور حج کا احرام ارکانِ حج ادا کرنے سے بھی کھلتا ہے اور حج کے دن گذر چکے ہوں تو عمرہ کے افعال کرنے سے بھی کھل جائے گا۔ اس کے علاوہ ان کے نزدیک احرام سے نکلنے کی دوسری کوئی صورت نہیں۔

اور احناف کے نزدیک: ہر عذر سے احصار متحقق ہوتا ہے اور احرام ختم کرنے کے لئے ہدی (قربانی) حرم میں بھیجنی ضروری ہے، جب وہاں ہدی ذبح ہوگئی تو احرام کھل گیا، اور اس حج یا عمرہ کی قضا واجب ہوگی، اور احرام کھولنے کے لئے سر منڈانا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ائمہ ثلاثہ کی طرح با قاعدہ سر منڈا کر احرام کھولنا ضروری ہے، اور طرفین کے نزدیک جب حرم میں ہدی ذبح ہوگئی تو خود بخود احرام کھل گیا، سر منڈانے کی

ضرورت نہیں۔

﴿ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ ﴾

ترجمہ: اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو ـــــ یہ مسئلۂ احصار کی تمہید ہے ـــــ پھر اگر تم روکے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو ـــــ وہ پیش کرو، کم سے کم بکری یا بڑے جانور کا ساتواں حصہ ـــــ اور اپنے سروں کو نہ منڈواؤ جب تک ہدی قربان گاہ (حرم میں) نہ پہنچ جائے ـــــ یعنی وہاں تک احرام میں رہو، ممنوعاتِ احرام کا ارتکاب نہ کرو، قربانی ہو جانے کے بعد احرام ختم ہو جائے گا۔

عذر کی وجہ سے احرام میں ممنوعات کے ارتکاب کا حکم

حدیبیہ کے میدان میں نبی ﷺ حضرت کعب بن عجرۃ کے پاس سے گذرے، وہ ہانڈی پکا رہے تھے، آپؐ نے دیکھا: ان کے سر سے جوئیں جھڑ رہی ہیں، آپؐ نے پوچھا: ''کیا تمہیں یہ کیڑے پریشان کرتے ہیں؟'' انھوں نے کہا: یارسول اللہ! بہت پریشان کرتے ہیں! پس آیت نازل ہوئی: اور آپؐ نے ان سے فرمایا: سر منڈادو اور فدیہ دیدو، کیونکہ جب تک سر نہیں منڈائے گا بالوں کی جڑوں میں سے میل ختم نہیں ہوگا اور جوؤں کی پیدائش بند نہیں ہوگی ـــــ اور فدیہ تین چیزیں ہیں: تین روزے رکھے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا جانور ذبح کرے، تینوں میں سے جو چاہے کرے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کرے تو اس پر فدیہ واجب ہے اور فدیہ یہی ہے: تین روزے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، یا قربانی کرنا۔ آدمی کو تینوں میں اختیار ہے جو چاہے کرے، اور بغیر عذر کے ممنوعات احرام کا ارتکاب کرے تو دم واجب ہوگا۔ اب روزے رکھنے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے سے کام نہیں چلے گا، قربانی ہی کرنی ہوگی۔

﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ﴾

ترجمہ: پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو ـــــ وہ سر منڈا کر ـــــ اس کا فدیہ دے، روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے۔

حج تمتّع و قران میں قربانی واجب ہے، اور یہ دونوں حج آفاقی کر سکتا ہے

حج کی تین قسمیں ہیں: افراد، تمتع اور قران، جو مکہ یا داخل میقات کا باشندہ ہے وہ تمتع اور قران نہیں کر سکتا، وہ صرف حج افراد کرے گا، اور اس پر قربانی اور طواف وداع واجب نہیں۔ اور آفاقی تینوں قسم کا حج کر سکتے ہیں۔

حج تمتع کا طریقہ: آفاقی حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہنچے، اور اپنا عمرہ پورا کرے اور احرام کھول

دے، پھر حلال ہونے کی حالت میں مکہ میں رہے، یعنی وطن نہ لوٹے، پھر آٹھ ذی الحجہ کو مکہ ہی سے حج کا احرام باندھے، اور حج ادا کرے، متمتع پر قربانی واجب ہے۔

حجِ قران کا طریقہ: آفاقی میقات سے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے، پھر احناف کے نزدیک: مکہ پہنچ کر پہلے طواف قدوم کرے، یہ سنت ہے، پھر عمرہ کا طواف کرے، اور اس کے بعد عمرہ کی سعی کرے، یہ افعال عمرہ ہیں۔ پھر احرام کی حالت میں مکہ میں ٹھہرا رہے اور نفل طواف وغیرہ عبادتیں کرتا رہے، پھر حج کرے اور وقوف عرفہ کے بعد طواف زیارت کرے اور اس کے بعد حج کی سعی کرے، یہ حج کا طواف اور سعی ہیں، پس قارن پر احناف کے نزدیک دو طواف اور دو سعی لازم ہیں، ایک عمرہ کا طواف اور سعی دوسرا حج کا طواف اور سعی۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قارن مکہ میں پہنچ کر صرف طواف قدوم کرے، یہ سنت طواف ہے، پھر احرام کی حالت میں ٹھہرا رہے، یہاں تک کہ حج کرے اور دس ذی الحجہ کو طواف کرے اور اس کے بعد سعی کرے، یہ طواف وسعی حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں کے افعال میں تداخل ہو جاتا ہے اور قارن پر بالاجماع قربانی واجب ہے۔

تمتع اور قران صرف آفاقی کا حق ہے، حرم اور حل کے رہنے والے تمتع اور قران نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ قریب ہیں جب چاہیں عمرہ کر سکتے ہیں، اس لئے ان کو حج الگ کرنا چاہئے اور عمرہ الگ۔ اور جو دور کے رہنے والے ہیں ان کے لئے حج اور عمرہ کے لئے الگ الگ سفر کرنے میں پریشانی ہے، اس لئے ان کے لئے ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کرنے کی اجازت ہے، اللہ عزوجل فرماتے ہیں: یہ یعنی حج اور عمرہ ایک سفر میں کرنا اس شخص کے لئے ہے جس کی فیملی مسجد حرام میں نہیں رہتی، یعنی جو مکہ کا یا اس کے اردگرد کا باشندہ نہیں ہے وہی تمتع اور قران کر سکتا ہے۔

اور اگر متمتع اور قارن کے پاس قربانی نہ ہو، تو اس کو دس روزے رکھنے ہونگے، تین روزے حج میں اور سات روزے گھر لوٹ کر، اور جو تین روزے حج سے پہلے رکھنے ہیں وہ اشہر حج میں حج کا احرام باندھ کر رکھنے ہیں، مگر مستحب یہ ہے کہ سات تا نو ذی الحجہ کے روزے رکھے، اور باقی سات روزے حج کے بعد مکہ میں بھی رکھ سکتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾: یہ دس روزے کامل ہیں، تلك مبتدا ہے اور عشرۃ کاملۃ مرکب توصیفی خبر ہے، اور عشرۃ کا معدود صیام محذوف ہے (جمل حاشیہ جلالین) اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو تین روزے مکہ میں رکھے ہیں اور جو سات روزے وطن میں رکھے ہیں: سب کامل ہیں، ان میں ناقص کوئی نہیں، اور یہ بات اس لئے فرمائی کہ کوئی خیال کر سکتا تھا کہ جو تین روزے مکہ میں حج کا احرام باندھ کر رکھے ہیں وہ تو کامل ہیں اور جو سات روزے وطن آ کر رکھے ہیں وہ اس کے برابر نہیں، پس کیوں نہ سب روزے حج میں رکھے جائیں، اس لئے فرمایا کہ دسوں روزے

کامل ہیں، ان میں کوئی روزہ ناقص نہیں، پس یہ خیال ذہن سے نکال دو اور حکم شرعی کے مطابق عمل کرو۔

اور تمتع کے لئے ضروری ہے کہ اشہر حج میں عمرہ کیا ہو، کسی نے رمضان میں عمرہ کیا پھر مکہ میں رہ گیا اور موسم حج میں حج کیا تو وہ حج تمتع نہیں، کیونکہ اس نے اشہر حج میں عمرہ نہیں کیا، اس لئے اس پر نہ قربانی ہے نہ دس روزے۔

﴿ فَإِذَآ أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ ﴾

ترجمہ: پھر جب تمہیں اطمینان نصیب ہو جائے ـــــ یعنی مانع ختم ہو جائے یا مانع نہ ہو ـــــ تو جو عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر فائدہ اٹھائے ـــــ دونوں کو ساتھ ملا کر کرے جیسے قران میں یا دونوں کو علاحدہ علاحدہ کرے جیسے تمتع میں ـــــ تو جو ہدی میسر ہو ـــــ پیش کرے، یہ دم شکر ہے، قربانی کرنے والا اس سے کھا سکتا ہے ـــــ پھر جو ہدی نہ پائے تو حج میں ـــــ یعنی حج کے احرام میں ـــــ تین روزے رکھے، اور سات جب تم لوٹ جاؤ، یہ دس روزے پورے ہیں ـــــ ان میں ناقص کوئی نہیں ـــــ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں ـــــ یعنی آفاقی ہو، میقات سے باہر کا باشندہ ہو، حرمی یا حلّی نہ ہو ـــــ اور اللہ سے ڈرو ـــــ یعنی احکام کی خلاف ورزی مت کرو ـــــ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں!

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ ۚ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ ۚ فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿١٩٨﴾ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٩٩﴾

اَلْحَجُّ	حج (کا وقت)	مَّعْلُوْمٰتٌ	جانے پہچانے	فِيْهِنَّ	ان میں
اَشْهُرٌ	مہینے ہیں	فَمَنْ فَرَضَ	پس جس نے لازم کیا	الْحَجَّ	حج

فَلَا رَفَثَ	تو نہ زن وشوئی کی باتیں	وَاتَّقُوْنِ	اور ڈرو مجھ سے	وَاذْكُرُوْهُ	اور یاد کرو اس کو
	کرنا ہے	يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ	اے عقلمندو!	كَمَا هَدٰىكُمْ	جس طرح تم کو راہ دکھائی
وَلَا فُسُوْقَ	اور نہ بے حکمی کرنا ہے	لَيْسَ عَلَيْكُمْ	نہیں ہے تم پر	وَاِنْ كُنْتُمْ	اگرچہ تھے تم
وَلَا جِدَالَ	اور نہ جھگڑنا ہے	جُنَاحٌ	کوئی گناہ	مِّنْ قَبْلِهٖ	قبل ازیں
فِي الْحَجِّ	حج میں (احرام میں)	اَنْ تَبْتَغُوْا	کہ چاہو تم	لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ	ناواقفوں میں سے
وَمَا تَفْعَلُوْا	اور جو کرتے ہو تم	فَضْلًا	روزی	ثُمَّ اَفِيْضُوْا	پھر پھرو تم (طواف کیلئے)
مِنْ خَيْرٍ	کوئی اچھا کام	مِّنْ رَّبِّكُمْ	اپنے رب سے	مِنْ حَيْثُ	جہاں سے
يَّعْلَمْهُ	جانتے ہیں اس کو	فَاِذَآ	پس جب	اَفَاضَ	پھریں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اَفَضْتُمْ	لوٹو تم (طواف کیلئے)	النَّاسُ	لوگ
وَتَزَوَّدُوْا	اور توشہ لے لو	مِّنْ عَرَفٰتٍ	عرفات سے	وَاسْتَغْفِرُوا	اور گناہ بخشواؤ
فَاِنَّ خَيْرَ	پس بے شک بہتری	فَاذْكُرُوا اللّٰهَ	تو یاد کرو اللہ کو	اللّٰهَ	اللہ سے
الزَّادِ	توشہ کی	عِنْدَ الْمَشْعَرِ	پاس مشعر	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
التَّقْوٰى	سوال سے بچنا ہے	الْحَرَامِ	حرام کے	غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	غفور رحیم ہیں

۸- حج کے احکام

ربط: تمتع اور قران میں قربانی کا ذکر آیا تھا، اس لئے اب حج کے احکام بیان فرماتے ہیں:

۱- حج کا وقت: حج کے لئے دو میقاتیں ہیں: زمانی اور مکانی: میقات کے معنی ہیں: احرام باندھنے کا مقررہ وقت، اور جگہ، میقاتِ زمانی: شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس بارہ دن ہیں، حج کے پانچ دن ہیں، آٹھ ذی الحجہ سے بارہ ذی الحجہ تک حج ہوتا ہے، مگر حج کا احرام مقدم باندھ سکتے ہیں، البتہ شوال سے پہلے باندھنا مکروہ ہے، اور میقاتِ مکانی: مکہ میں داخل ہونے والے راستوں پر پانچ جگہیں متعین کی ہیں، وہاں سے حج اور عمرے کا احرام باندھتے ہیں، اور تقدیم جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ ﴾

ترجمہ: حج: چند جانے پہچانے مہینے ہیں ـــــ یعنی حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں، ان میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، اور عمرہ کے لئے جو چھوٹا حج ہے کوئی وقت متعین نہیں، وہ حج کے ایام کے علاوہ سال بھر ہوسکتا ہے۔

۲-ممنوعاتِ احرام: جب حج کا یا عمرہ کا احرام باندھ لیا تو چند پابندیاں لگ جاتی ہیں، ان کا بیان احادیث وفقہ کی کتابوں میں ہے، البتہ تین کام خاص طور پر ممنوع ہیں: ایک: بیوی سے زن وشوئی کی باتیں کرنا، اشارہ کنایہ میں بھی کوئی بات نہ کرے، دوم: شرعی احکام کی خلاف ورزی نہ کرے، کوئی بھی گناہ کا کام نہ کرے، سوم: کسی سے جھگڑا نہ کرے، حج میں بات بات میں جھگڑا ہو جاتا ہے، اس سے بچے، برداشت کرے۔

﴿ فَمَنۡ فَرَضَ فِيۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِى الۡحَجِّ ؕ ﴾

ترجمہ: پس جو ان (مہینوں) میں حج کو لازم کرے ــــــ یعنی حج کا احرام باندھے ــــــ تو (بیوی سے) زن وشوئی کی باتیں نہ کرے، اور اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرے، اور جھگڑا نہ کرے حج (کے احرام) میں۔

فائدہ: اب تو سواریاں تیز رفتار ہیں، مہینوں کا سفر دنوں میں اور دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے، پہلے یہ صورت نہیں تھی، ذوالحلیفہ سے احرام باندھتے تھے، اور دس دن میں مکہ پہنچتے تھے، پھر پانچ دن حج میں لگتے تھے، اس لئے اگر آدمی جوان ہو اور بیوی ساتھ ہو تو زن وشوئی کی باتیں ہوسکتی ہیں، اس لئے خاص طور پر اس کی ممانعت کی۔

اور فسوق: مصدر اور اسم فعل ہے، عموماً عملی گناہ کو فسق کہا جاتا ہے اور ضروریاتِ دین کے انکار کو کفر، جیسے ڈاڑھی منڈانا فسق ہے اور ختم نبوت کا انکار کفر، احرام میں ہر گناہ سے بچنا چاہئے، مسجد میں کوئی شخص بیڑی پیئے تو کتنی بری بات ہے، اسی طرح احرام میں بدنظری کرے تو کتنی بری بات ہے!

اور جدال کے معنی ہیں: جھگڑا کرنا، حج میں کسی سے جھگڑا ہو جاتا ہے تو اس کا اثر زندگی بھر رہتا ہے اور دوستی ہو جاتی ہے تو اس کا اثر بھی ہمیشہ رہتا ہے، اس لئے حج کے سفر میں ساتھیوں سے بنائے رکھے، بگاڑے نہیں۔

۳-احرام میں کرنے کے کام: احرام میں سب سے بہتر تلبیہ کی کثرت ہے، علاوہ ازیں ہر نیک کام کرے، نماز کا اہتمام کرے، نفل طواف کرے، نفل نماز پڑھے، قرآن کی تلاوت کرے اور دعا و استغفار میں لگا رہے، وقت ضائع نہ کرے، بندہ جو بھی نیک کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں، وہ اس کا بدلہ دیں گے۔

﴿ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يَّعۡلَمۡهُ اللّٰهُ ؕ ﴾

ترجمہ: اور تم جو بھی اچھا کام کرو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں۔

۴-حاجی خرچ ساتھ لے کر چلے: زمانۂ جاہلیت میں یمن کے لوگ خود کو متوکل کہتے تھے، اور خرچ لئے بغیر حج کے لئے آتے تھے، پھر لوگوں سے مانگتے پھرتے تھے، ان کا یہ طریقہ غلط تھا، توکل: ترکِ اسباب کا نام نہیں، اسباب اختیار کر کے اللہ پر بھروسہ کرنے کا نام ہے، اس لئے حکم دیا کہ حاجی خرچ ہمراہ لے کر چلے، تا کہ مانگنے کی نوبت نہ آئے، پھر اس

حکم کی تاکید کے لئے فرمایا: ''اے عقلمندو! مجھ سے ڈرو!'' یعنی اس حکم کی خلاف ورزی مت کرو، اگر عقل ہو تو اس کی اہمیت سمجھ میں آئے گی، اس کو معمولی حکم نہ سمجھو۔

﴿ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ ۝۱۹۷ ﴾

ترجمہ: اور توشہ ساتھ لے لو، اس لئے کہ توشہ ساتھ لینے کا فائدہ سوال سے بچنا ہے، اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرو!

۵- نقد ساتھ نہ لے کر اسبابِ تجارت ساتھ لینا بھی کافی ہے: بعض حاجی وطن سے قابلِ فروخت سامان ساتھ لاتے ہیں، اور حجام استرہ لے کر آتا ہے، پھر سامان بیچ کر یا حجامت بنا کر خوب کماتے ہیں، یہ بھی توشہ ساتھ لینا ہے، حج کے سفر میں تجارت، کاریگری اور مزدوری ممنوع نہیں، لوگوں کو اس میں شبہ ہوا تھا کہ شاید تجارت کرنے سے حج میں نقصان آئے، اس لئے اس کی اجازت دی کہ یہ کوئی گناہ نہیں، مقصود اصلی حج ہو، اور ضمناً تجارت کرے تو ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ ﴾

ترجمہ: تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو۔

۶- وقوفِ مزدلفہ واجب ہے، اور وقوف کا وقت فجر کے بعد طلوع سے کچھ پہلے تک ہے: حاجی آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ میں جمع ہوتے ہیں، پھر وہاں سے نو ذی الحجہ کو عرفہ کے لئے روانہ ہوتے ہیں، وقوفِ عرفہ کا وقت نو ذی الحجہ کے زوال سے دس ذی الحجہ کی صبح صادق تک ہے، اور وقوف میں دن کے ساتھ رات کا ایک حصہ ملانا ضروری ہے، پھر غروب کے بعد لوگ عرفہ سے لوٹتے ہیں، راستہ میں مزدلفہ پڑتا ہے، وہاں رات گذارتے ہیں، اور صبح صادق کے بعد فجر کی نماز اول وقت پڑھ کر دعاؤں میں مشغول ہوتے ہیں، یہ وقوفِ مزدلفہ ہے، اور غیر معذوروں پر واجب ہے۔

مزدلفہ میں مشعرِ حرام نامی پہاڑ ہے، نبی ﷺ نے اس کے پاس وقوف فرمایا تھا، مگر وقوف مزدلفہ میں ہر جگہ کر سکتے ہیں، اور وقوف سورج نکلنے سے کچھ پہلے ختم کر کے منیٰ کے لئے روانہ ہوتے ہیں، زمانۂ جاہلیت میں لوگ سورج نکلنے کے بعد روانہ ہوتے تھے، نبی ﷺ نے ان کی مخالفت کی، اور طلوعِ آفتاب سے کچھ پہلے وقوف ختم کر دیا اور منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے، یہی اسلامی طریقہ اور ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، جاہلیت کے لوگ اس سے ناواقف تھے، ان کا طریقہ خود ساختہ تھا، اس کی پیروی نہ کی جائے، نیز وہ شرک کے ساتھ ملا کر اللہ کا ذکر کرتے تھے، اس سے بھی بچا جائے اور ایک اللہ کا ذکر کیا جائے۔

﴿ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝۱۹۸ ﴾

ترجمہ: پھر جب تم عرفہ سے (طوافِ زیارت کے لئے) لوٹو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو، اور اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو راہ دکھائی، اگرچہ تم پہلے (صحیح طریقہ سے) ناواقف تھے!

۷-وقوفِ عرفہ ہر حاجی پر فرض ہے، اور وہ گناہ بخشوانے کی جگہ ہے: زمانۂ جاہلیت میں حج میں جو خرابیاں در آئی تھیں ان میں سے ایک خرابی یہ تھی کہ قریش اور ان کے ہم مذہب حج میں عرفہ نہیں جاتے تھے، مزدلفہ میں رک جاتے تھے، مزدلفہ حرم میں ہے، باقی لوگ عرفات سے لوٹتے تھے، عرفات حرم سے باہر ہے، قریش کہتے تھے: ہم حُمس (دین میں مضبوط) ہیں، اور ہم قطین اللہ (اللہ کے گھر کے باسی) ہیں، ہم حرم سے نہیں نکلیں گے، حالانکہ وہ تجارت کے لئے شام اور یمن جاتے تھے، اس لئے حکم دیتے ہیں کہ جہاں سے (عرفات سے) سب لوگ طوافِ زیارت کے لئے لوٹتے ہیں تم بھی وہاں جا کر لوٹو، یہ خطاب خاص قریش سے ہے۔

پھر آخر آیت میں وقوفِ عرفہ کے فائدہ کا بیان ہے کہ وہ گناہ بخشوانے کی جگہ ہے، تم خود کو اس سے کیوں محروم کرتے ہو، مسلم شریف کی روایت ہے کہ عرفہ کے دن جتنے لوگ جہنم سے آزاد کئے جاتے ہیں اتنے کسی اور دن آزاد نہیں کئے جاتے، اللہ تعالیٰ اس دن قریب ہوتے ہیں، پھر حاجیوں کے ذریعہ ملائکہ پر فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: ''میرے یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟'' (مغفرت چاہتے ہیں) وقوفِ عرفہ حج کا سب سے اہم رکن ہے، وہاں خاص دعا مغفرت طلبی کی ہونی چاہئے۔

﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٩﴾﴾

ترجمہ: پھر لوٹو جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں، اور (عرفہ میں) اللہ سے گناہ بخشواؤ، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے گناہ بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۗءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾

فَاِذَا	پس جب	وَمِنْهُمْ	اوران میں سے بعضا	وَاذْكُرُوا	اور یاد کرو
قَضَيْتُمْ	پورے کرلوتم	مَّنْ يَّقُوْلُ	جو کہتا ہے	اللّٰهَ	اللہ کو
مَّنَاسِكَكُمْ (۱)	اپنے حج کے کام	رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ!	فِيْٓ اَيَّامٍ	دنوں میں
فَاذْكُرُوا	تو یاد کرو	اٰتِنَا	دیجئے ہمیں	مَّعْدُوْدٰتٍ	گنتی کے
اللّٰهَ	اللہ کو	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	فَمَنْ تَعَجَّلَ	پس جس نے جلدی کی
كَذِكْرِكُمْ	تمہارے یاد کرنے کی طرح	حَسَنَةً	خوبی	فِيْ يَوْمَيْنِ	دو دنوں میں
اٰبَآءَكُمْ	اپنے باپ دادوں کو	وَّفِي الْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	فَلَآ اِثْمَ	تو کوئی گناہ نہیں
اَوْ اَشَدَّ	یا اس سے بھی زیادہ	حَسَنَةً	خوبی	عَلَيْهِ	اس پر
ذِكْرًا	یاد کرنا	وَّقِنَا	اور بچائیے ہمیں	وَمَنْ تَاَخَّرَ	اور جس نے تاخیر کی
فَمِنَ النَّاسِ	پس بعضا آدمی	عَذَابَ	عذاب	فَلَآ اِثْمَ	پس کوئی گناہ نہیں
مَنْ يَّقُوْلُ	جو کہتا ہے	النَّارِ	دوزخ سے	عَلَيْهِ	اس پر
رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ!	اُولٰٓئِكَ لَهُمْ	انہی لوگوں کے لئے	لِمَنِ اتَّقٰى	اس کے لئے جو ڈرے
اٰتِنَا	دیجئے ہمیں	نَصِيْبٌ	حصہ ہے	وَاتَّقُوا	اور ڈرو
فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	مِّمَّا كَسَبُوْا (۲)	ان کی کمائی سے	اللّٰهَ	اللہ سے
وَمَا لَهٗ	اور نہیں ہے اس کیلئے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو
فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں	سَرِيْعُ	جلدی	اَنَّكُمْ اِلَيْهِ	کہ تم اس کی طرف
مِنْ خَلَاقٍ	کوئی حصہ	الْحِسَابِ	حساب لینے والے ہیں	تُحْشَرُوْنَ	جمع کئے جاؤ گے

۸-حج کے باقی احکام

۸-منیٰ میں کرنے کے کام: دس ذی الحجہ کو مزدلفہ سے منیٰ آکر پہلے حاجی جمرۂ عقبہ کی رمی کرتے ہیں، اس کا وقت دس کی صبح صادق سے گیارہ کی صبح صادق تک ہے، مگر سب لوگ اول وقت رمی کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اژدحام ہوجاتا ہے اور حادثات پیش آتے ہیں، پس جلدی نہیں کرنی چاہئے، جب چھیڑ ہوجائے تب رمی کرے۔

پھر قارن اور متمتع قربانی کرتے ہیں، ان پر قربانی واجب ہے، مفرد پر قربانی واجب نہیں، پھر سر منڈوا کر یا زلفیں بنوا کر

---

(۱) مناسك: مَنْسَك کی جمع: اعمالِ حج۔ (۲) مما کسبوا: ما: مصدریہ ہے۔

احرام کھول لیتے ہیں، اور نہا دھو کر سلے ہوئے کپڑے پہن لیتے ہیں، اب احرام کھل گیا، احرام کی پابندیاں ختم، مگر بیوی ابھی حلال نہیں ہوئی، پھر دس ہی کو مکہ جاتے ہیں اور طوافِ زیارت کرتے ہیں، یہ حج کا دوسرا اہم رکن ہے، اس کے بعد حج کی سعی کرتے ہیں، اب بیوی بھی حلال ہوگئی، پھر منیٰ لوٹ آتے ہیں اور رات منیٰ میں گذارتے ہیں، طوافِ زیارت کا وقت بارہ کی شام تک ہے، اور منیٰ کے ایام میں راتیں منیٰ میں گذارنا سنت ہے، اب حج کے اہم کام پورے ہوگئے۔

پھر گیارہ، بارہ ذی الحجہ، اور چاہیں تو تیرہ بھی ایام منیٰ ہیں، گیارہ بارہ میں زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرنی ہے، یہ رمی واجب ہے، اور کوئی تیرہ کو بھی منیٰ میں رک جائے تو زوال سے پہلے بھی رمی کرسکتا ہے۔

اور منیٰ کے دنوں میں تکبیریں کہنا، اللہ کا ذکر کرنا اور دعاؤں میں مشغول رہنا ہے، فرض نمازوں کے بعد ایک مرتبہ جہراً تکبیر تشریق کہنا واجب ہے، عورتیں آہستہ کہیں، اور ایک سے زیادہ مرتبہ تین تک تکبیریں کہنے کا ذکر بھی فقہ کی کتابوں میں ہے، اور رمی کرتے وقت ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہنا سنت ہے۔

علاوہ ازیں: شب وروز تکبیر کہنا بھی سلف سے مروی ہے، اور دیگر اذکار، نماز، تلاوت اور اوراد میں مشغول رہنا چاہئے، زمانۂ جاہلیت میں منیٰ میں بازار لگتا تھا، مشاعرے ہوتے تھے اور خوب فخریہ قصیدے پڑھے جاتے تھے، اس کی جگہ اسلام نے اللہ کا ذکر رکھا، اس کا غلغلہ: فخریہ قصائد سے بھی بلند ہونا چاہئے۔

اور منیٰ کے ایام کا ایک خاص کام دعا کرنا ہے، جاہلیت میں کفار اور آج کے دنیا پرست صرف دنیا مانگتے ہیں، ان کو جو دنیا مقدر ہوتی ہے ملتی ہے، مگر آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، اور مؤمن بندے دنیا کی خوبی بھی مانگتے ہیں اور آخرت کی خوبی (جنت) بھی، اور دوزخ کے عذاب سے پناہ چاہتے ہیں، ان کی دنیا کی مراد بھی پوری ہوتی ہے اور آخرت کا ثواب بھی جلد ملنے والا ہے، اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والے ہیں، قیامت بس آیا ہی چاہتی ہے۔

ان کی جو دعا قرآن میں آئی ہے وہ ایک جامع دعا ہے، نبی ﷺ بھی یہ دعا مانگتے تھے، ہمیں بھی یہ دعا بکثرت مانگنی چاہئے: ﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۲۰۱ ﴾: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی خوبی عطا فرما اور آخرت میں بھی خوبی (جنت) عطا فرما، اور ہمیں عذابِ دوزخ سے بچا (آمین)

﴿ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝۲۰۰ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۲۰۱ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۲۰۲ ﴾

ترجمہ: پھر جب تم (دس ذی الحجہ کو) اپنے حج کے کام پوری کرلو تو (منیٰ میں ایامِ منیٰ میں) اللہ کو یاد کرو، جیسے (جاہلیت میں) تم اپنے باپ دادوں کو یاد کرتے تھے (یعنی مشاعرہ میں فخریہ قصائد پڑھتے تھے) یا اس سے بھی زیادہ یاد کرو (اور دعا کرو) پس بعضا انسان (جاہلیت میں) کہتا تھا: اے ہمارے ربّ! ہمیں دنیا میں دیجئے! —— اس نے حَسَنَةً نہیں کہا، اس کو دنیا میں 'خوبی' نہیں چاہئے، بس دنیا ہی چاہئے —— اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں —— اور دنیا میں جو مقدر ہے وہ ملے گا۔

اور بعضا انسان (مؤمن) کہتا ہے: ''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں (بھی) خوبی دیجئے، اور آخرت میں (بھی) خوبی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیے!'' —— انہی لوگوں کے لئے ان کی کمائی کا بڑا حصہ ہے —— یعنی دنیا میں کئے ہوئے نیک کاموں کا دوچند بدلہ ملے گا —— اور اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں —— یعنی آخرت کا صلہ ملنے میں کچھ دیر نہیں، بس قیامت آیا ہی چاہتی ہے، اس دن ان کے وارے نیارے ہوجائیں گے۔

۹- تیرہ ذی الحجہ کی رمی اختیاری ہے: گیارہ، بارہ ذی الحجہ کی رمی تو واجب ہے اور اس کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، اور اگلی رات کی صبح صادق تک رہتا ہے، اور تیرہ ذی الحجہ کی رمی اختیاری ہے، جو شخص بارہ کو غروبِ شمس سے پہلے منیٰ سے نکل جائے اس پر تیرہ کی رمی نہیں، اور تیرہ کی رات شروع ہوجائے تو اب تیرہ کی رمی کر کے جائے، البتہ تیرہ کو زوال سے پہلے بھی رمی کرسکتا ہے۔

اور زمانۂ جاہلیت میں دورائیں تھیں: ایک: تیرہ کی رمی ضروری ہے، بارہ کو چل دینا گناہ ہے، دوسری: رمی صرف بارہ تک ہے، تیرہ کی رمی گناہ ہے —— قرآن نے فیصلہ کیا کہ بارہ تک ہی رمی ضروری ہے، البتہ کوئی تیرہ کو رک کے اور رمی کرے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں، بشرطے کہ اللہ سے ڈرے اور گناہ سے بچے، کیونکہ تیرہ کو منیٰ خالی ہوجاتا ہے، اس لئے بدعنوانی کا اندیشہ ہے، مثلاً: معلمین کے ملازمین خیمے اکھاڑ لیتے ہیں، اس لئے ان سے لڑنے لگے، یہ ٹھیک نہیں، ان سے بہتر بارہ کو روانہ ہوجانا ہے۔

﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ ﴾

ترجمہ: اور اللہ کو یاد کرو گنتی کے چند دنوں میں —— یعنی ایامِ منیٰ میں جمرات کی رمی کرو، اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہو، اور دیگر اذکار بھی کرو —— پس جو دو دنوں میں جلدی لوٹ گیا —— یعنی بارہ کی شام کو سورج غروب ہونے سے پہلے منیٰ سے نکل گیا —— تو اس پر کوئی گناہ نہیں —— کیونکہ تیرہ کی رمی ضروری نہیں —— اور جس نے تاخیر کی ——

اور منیٰ میں رکا رہا ـــــ اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، اس کے لئے جو اللہ سے ڈرے ـــــ اور کوئی بدعنوانی نہ کرے۔

ملحوظہ: اونٹوں کے چرواہوں کو دو دن کی رمی جمع کرنے کی جو سہولت دی ہے وہ حکم حدیث سے ثابت ہے، اس آیت سے اس کا تعلق نہیں۔

۱۰-تقویٰ (اللہ سے ڈرنا) ہر حال میں ضروری ہے: حج کی خصوصیت نہیں، اللہ سے ہر کام میں، ہر حال میں اور ہر وقت ڈرنا ضروری ہے، کیونکہ سب کو قبروں سے نکل کر اللہ کے پاس جمع ہونا ہے، اس وقت کا خیال رکھنا ہر وقت ضروری ہے۔

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۰۳ ﴾

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو! اور جان لو کہ تم اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے!

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝۲۰۴ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝۲۰۵ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۲۰۶ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۷

وَمِنَ النَّاسِ	اور بعضا انسان	اللّٰهَ	اللہ کو	تَوَلّٰى	پیٹھ پھیرتا ہے
مَنْ يُّعْجِبُكَ	(وہ ہے) جو پسند آتی	عَلٰى مَا	اس بات پر جو	سَعٰى	دوڑتا ہے
	ہے آپ کو	فِيْ قَلْبِهٖ	اس کے دل میں ہے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
قَوْلُهٗ	اس کی بات	وَهُوَ	اور وہ	لِيُفْسِدَ	تاکہ فساد مچائے
فِي الْحَيٰوةِ	زندگی میں	اَلَدُّ (۲)	سخت	فِيْهَا	اس میں
الدُّنْيَا	دنیا کی	الْخِصَامِ (۳)	جھگڑالو ہے	وَيُهْلِكَ	اور تباہ کرے
وَيُشْهِدُ (۱)	اور گواہ بناتا ہے وہ	وَاِذَا	اور جب	الْحَرْثَ	کھیتی

(۱) شہادت میں قسم کے معنی ہیں (۲) اَلَدّ: سخت جھگڑالو، لَدٌّ سے اسم تفضیل یا صفتِ مشبہ (۳) الخِصَام: یا تو مصدر ہے یا خَصْم کی جمع ہے، اس کے معنی بھی ہیں: جھگڑا کرنا، اور اضافت بمعنی فی ہے، یعنی جھگڑا کرنے میں سخت۔ قاعدہ: جب مضاف مضاف الیہ ہم معنی ہوں تو مضاف میں تجرید کرتے ہیں، پس اَلَدّ کے معنی ہونگے: سخت۔

وَالنَّسْلَ[1]	اور اولاد کو	اَخَذَتْهُ	(تو) پکڑتی ہے اس کو	مَنْ يَّشْرِیْ[3]	(وہ ہے) جو خریدتا ہے
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	الْعِزَّةُ[2]	نخوت (غرور)	نَفْسَهُ	اپنی جان
لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	بِالْاِثْمِ	گناہ کے ساتھ	ابْتِغَآءَ[4]	چاہتے ہوئے
الْفَسَادَ	فساد (بگاڑ) کو	فَحَسْبُهٗ	پس کافی ہے اس کو	مَرْضَاتِ[5]	خوشنودی
وَاِذَا قِيْلَ	اور جب کہا جاتا ہے	جَهَنَّمُ	دوزخ	اللّٰهِ	اللہ کیا
لَهُ	اس سے	وَلَبِئْسَ	اور البتہ برا ہے (وہ)	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اتَّقِ	خوف کر	الْمِهَادُ	گہوارا	رَءُوْفٌ	نہایت مہربان ہیں
اللّٰهَ	اللہ کا	وَمِنَ النَّاسِ	اور بعضا انسان	بِالْعِبَادِ	(اپنے) بندوں پر

منیٰ کی دعائیں اور ان کے مختلف اثرات

منیٰ میں کفار اور منافقین نے دعا کی تھی: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں دے!'' یعنی دنیا میں مالا مال کردے، اور مؤمنین دعا کرتے ہیں: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں خوبی عطا فرما اور آخرت میں بھی خوبی عطا فرما!'' اب دو مثالیں ذکر فرماتے ہیں، اور دونوں دعاؤں کے زندگی پر مرتب ہونے والے مختلف اثرات دکھاتے ہیں:

۱- **جس نے دنیا مانگی اور مقدر کی ملی اس کا حال:** اخنس بن شریق ایک منافق تھا، مالدار، عزت دار اور فصیح و بلیغ، خدمتِ نبوی میں آتا تو قسمیں کھا کر اسلام کا دعوی کرتا، آپؐ اس کی چکنی چپڑی باتوں سے متأثر ہو کر قریب بٹھاتے، پھر جب وہ مجلسِ نبوی سے اٹھ کر جاتا تو فساد، شرارت اور لوگوں کو ستانے میں لگ جاتا، کسی کی کھیتی اجاڑتا، کسی کے گدھے مار دیتا، اور جب اس سے لوگ کہتے کہ خدا کا خوف کر تو پارہ چڑھ جاتا، اور ضد میں بھر جاتا، یہ صرف دنیا مانگنے والوں کا حال ہے، ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور وہ بہت برا پالنا ہے!

۲- **دارین کی خوبیاں مانگنے والے کا حال:** حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں کفارِ قریش کی ایک جماعت نے راستہ روکا، حضرت صہیبؓ سواری سے اتر کر کھڑے ہو گئے، اور ان کے ترکش میں جتنے تیر تھے سب نکال لئے، اور کہا: تم جانتے ہو میں تیر اندازی میں ماہر ہوں، تم میرے پاس اس وقت

---

(۱) النَّسل کے معنی ہیں: اولاد، اور آیت میں شانِ نزول کے قرینہ سے مویشی (گدھے) مراد ہیں (۲) العزَّۃ: عَزَّ یَعِزُّ کا مصدر ہے: غلبہ، زور، بزرگی، غرور، بڑائی (۳) شَریٰ (ض) شِرَاءً: بیچنا، خریدنا، اضداد میں سے ہے۔ (۴) ابتغاء: مفعول لہٗ ہے (۵) مرضات: اسم مصدر: خوشنودی، رضامندی۔

تک نہ پہنچ سکو گے جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہے، اور تیروں کے بعد تلوار سے کام لونگا، اور اگر تم نفع کا سودا چاہتے ہو تو میں تمہیں اپنے مال کا پتہ بتا دیتا ہوں، جو مکہ میں رکھا ہے، تم وہ مال لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو، وہ راضی ہوگئے اور حضرت صہیبؓ صحیح سلامت مدینہ پہنچ گئے، جب انھوں نے نبی ﷺ کو یہ واقعہ سنایا تو آپؐ نے دو مرتبہ فرمایا: ''تمہارا سودا نفع بخش رہا! تمہارا سودا نفع بخش رہا!''

اور یہ تو ایک واقعہ ہے، مفسرین نے دیگر صحابہ کے ایسے کئی واقعات لکھے ہیں، یہ دنیا دے کر دین بچانا ہے، یہی دنیا کی خوبی ہے، جو اللہ تعالیٰ مؤمنین کو عطا فرماتے ہیں۔

آیاتِ کریمہ: ۱- اور بعضا انسان ایسا ہوتا ہے کہ آپؐ کو اس کی بات پسند آتی ہے دنیا کی زندگی کے بارے میں ـــــ یعنی میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے ـــــ اور اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ بناتا ہے ـــــ یعنی قسم کھا کر ایمان کا اور اسلام سے محبت کا دعوی کرتا ہے ـــــ حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے ـــــ جھگڑنے پر آتا ہے تو کسر نہیں چھوڑتا ـــــ اور جب (مجلس نبوی سے) اٹھ کر جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا ہے تاکہ فساد مچائے اور کھیتی اور مویشی کو تلف کرے، اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتے، اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا خوف کر! تو اس کو نخوت (گھمنڈ) گناہ پر اور بھی ابھارتی ہے ـــــ یعنی منع کرنے سے اس کو اور زیادہ ضد چڑھتی ہے ـــــ سو اس کے لئے دوزخ کافی ہے، اور وہ بہت بری آرام گاہ ہے!

۲- اور بعضا انسان ایسا ہوتا ہے جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (مال دے کر) اپنی جان خریدتا ہے ـــــ یعنی بچاتا ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر نہایت مہربان ہیں!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۰۹ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۲۱۰ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۱۱

۲۵ ع ۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	ادْخُلُوْا	آجاؤ	

فِي السِّلْمِ (۱)	اسلام میں	عَزِيْزٌ	زبردست	سَلْ	پوچھ
كَآفَّةً (۲)	پورے پورے	حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل سے
وَلَا تَتَّبِعُوْا	اور نہ پیروی کرو	هَلْ يَنْظُرُوْنَ (۳)	نہیں راہ دیکھتے وہ	كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ	کتنی دیں ہم نے ان کو
خُطُوٰتِ	پیروں کی	اِلَّآ اَنْ	مگر اس بات کی کہ	مِّنْ اٰيَةٍ	نشانیاں
الشَّيْطٰنِ	شیطان کے	يَّاْتِيَهُمُ	آئیں ان کے پاس	بَيِّنَةٍ	کھلی
اِنَّهٗ لَكُمْ	بیشک وہ تمہارے لئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَمَنْ يُّبَدِّلْ	اور جو بدل دے
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ	کھلا دشمن ہے	فِيْ ظُلَلٍ (۴)	سائبانوں میں	نِعْمَةَ	نعمت
فَاِنْ	پھر اگر	مِّنَ الْغَمَامِ	بادل کے	اللّٰهِ	اللہ کی
زَلَلْتُمْ	پیر پھسل جائیں تمہارے	وَالْمَلٰٓئِكَةُ	اور فرشتے	مِنْۢ بَعْدِ	بعد
مِّنْۢ بَعْدِ	بعد	وَقُضِيَ	اور طے کردیا جائے	مَا جَآءَتْهُ	اس کے آنے کے
مَا جَآءَتْكُمُ	تمہارے پاس آنے	الْاَمْرُ	معاملہ	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو اللہ تعالیٰ یقیناً
الْبَيِّنٰتُ	واضح دلائل کے	وَاِلَى اللّٰهِ	اور اللہ کی طرف	شَدِيْدُ	سخت
فَاعْلَمُوْٓا	پس جان لو	تُرْجَعُ	لوٹیں گے	الْعِقَابِ	سزا والے ہیں
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	الْاُمُوْرُ	تمام معاملات	۞	۞

سچے پکے مسلمان خوبی سے ہم کنار ہوتے ہیں

جو مؤمنین منیٰ میں یا دوسرے مواقع میں حَسَنَةً کی دعائیں کرتے ہیں ان کو خوبی اس وقت حاصل ہوگی جب وہ سو فیصد مسلمان بنیں، نام کے مسلمان ہونے سے اور محض دعائیں مانگنے سے خوبی حاصل نہیں ہوتی، اس لئے اللہ تعالیٰ مؤمنین سے فرماتے ہیں: ''اسلام میں پورے پورے آجاؤ'' یعنی احکام اسلام کی پوری طرح پیروی کرو، اسلام محض ایک مذہب نہیں، بلکہ پورا نظامِ حیات ہے، اعتقادات، عبادات، معاشرت، شخصی زندگی، معاشی اور اقتصادی نظام، سیاست اور طریق حکومت، بین ملکی تعلقات اور اخلاقی تعلیمات، غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ نہیں، جس میں اسلام نے راہ نمائی نہ کی ہو، ان سب امور میں اسلامی احکام پر عمل کرنا اسلام میں پورا پورا داخل ہونا ہے، اور بعض احکام پر عمل کرنا اور بعض پر عمل نہ کرنا شیطان کی

(۱) سِلْم (سین کا زبر اور زیر) بمعنی مصالحت بھی آتا ہے اور بمعنی اسلام بھی، یہاں اسلام کا مترادف ہے (۲) کافة: ادخلوا کے فاعل سے حال ہے۔ (۳) هل: استفهام انکاری ہے (۴) ظلل: ظُلَّة کی جمع: سائبان۔

پیروی ہے، اور وہ انسان کا کھلا دشمن ہے، خواہشات کے پیچھے لگا دیتا ہے، اور احکام اسلام سے غافل کر دیتا ہے۔

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے آجاؤ ـــــ ایمان: تصدیق (دل سے ماننے) کا نام ہے، اور اسلام: اعمال کا نام ہے، ایمان بیج ہے اور اسلام اس سے نکلنے والا درخت، بیج سے اگر درخت نہ نکلے تو پھل کہاں سے کھائے گا ـــــ اور شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو ـــــ شیطان نے تعمیل حکم سے انکار کیا اور راندۂ درگاہ ہوا، مؤمن بھی احکام اسلام کا انکار کرے گا تو اللہ کا پیارا کیسے ہوگا ـــــ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ـــــ اس کی دشمنی ڈھکی چھپی نہیں، پھر مؤمن اس کے چکمہ میں کیوں آئے!

بے عمل مسلمانوں کو انتباہ

شریعت کے احکام صاف صاف قرآن وحدیث میں بیان کر دیئے گئے ہیں، اب بھی جو مسلمان ان پر عمل نہیں کرتے وہ خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں، کوئی بھی سزا دے سکتے ہیں، مگر بڑے حکمت والے بھی ہیں، مصلحت کے موافق سزا دیتے ہیں، مسلمانوں سے وعدہ ہے: ﴿ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾: تم ہی غالب رہوگے اگر تم مؤمن ہوئے [آلِ عمران ۱۳۹] مگر آج صورتِ حال بدل گئی ہے، رسوائی ان کا مقدر بن گئی ہے، یہ ان کی بے عملی کی سزا ہے، آج مسلمان ذلت کا رونا تو روتا ہے، مگر ملت کی بے عملی پر نظر نہیں ڈالتا۔

﴿ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۰۹ ﴾

ترجمہ: پھر اگر تم پھسل جاؤ تمہارے پاس واضح دلائل آنے کے بعد تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست بڑے حکمت والے ہیں!

فائدہ: مسلمانوں کی بے عملی کی کتنی خوبصورت تعبیر ہے: ''تم پھسل جاؤ!'' یعنی بے خبری میں دین سے دور جا پڑو!

بدعمل مسلمانوں کو سخت انتباہ

جو لوگ اسلام کے صاف صاف احکام کے بعد بھی اپنی کج روی سے باز نہیں آتے: ان کو سخت دھمکی دیتے ہیں کہ کیا صرف اس کی کسر ہے کہ اللہ پاک خود ابر کے سائبان میں اور جلو میں فرشتے اتر آئیں، اور ان کی سزا کا فیصلہ کر دیا جائے! اگر ان کو اسی کا انتظار ہے تو وہ بھی ہو کر رہے گا!

﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۲۱۰ ﴾

ترجمہ: وہ لوگ (بددین مسلمان) صرف اس بات کا انتظار کررہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں اور (ان کے جِلو میں) فرشتے ان پر اتریں، اور معاملہ (سزا کا) نمٹا دیا جائے، اور اللہ ہی کی طرف سارے کام لوٹیں گے —— یعنی کوئی بھاگ کر کہاں جائے گا؟ اور سزا سے کیسے بچے گا؟ سب کو اللہ کے پاس پہنچنا ہے، اس وقت ان بدعملوں کو ان کی بدعملی کی قرار واقعی سزا ملے گی!

فائدہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اولین وآخرین کو جمع فرمائیں گے اور سب حساب وکتاب کے منتظر ہونگے کہ اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں عرش سے کرسی کی طرف اتریں گے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ان سائبان کے گرداگرد ملائکہ ہونگے —— اللہ تعالیٰ کا آنا متشابہات میں سے ہے، اور صفاتِ متشابہات کے بارے میں سلف کا مذہب تنزیہ مع التفویض ہے، پس بالاجمال اس صفت کا اعتقاد رکھنا چاہئے، کیفیت جاننے کی کوشش نہ کرے کہ وہ عقل سے بالاتر ہے۔

کسی نعمت سے محرومی بھی ایک طرح کی سزا ہے

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتوں سے نوازا، جلیل القدر پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) کو ان کی طرف مبعوث کیا، اپنی عظیم کتاب تورات ان کو عنایت فرمائی، اور دنیا جہاں کے لوگوں پر ان کو برتری بخشی، مگر انھوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کو سخت سزا دی، ان کی اقوام عالم پر برتری ختم ہوگئی، اور وہ ذلیل وخوار ہوکر رہ گئے —— آج کے مسلمان اس سے سبق لیں، اللہ نے اس امت کو بھی سربلندی عطا فرمائی تھی، مگر وہ بے عملی بلکہ بدعملی میں مبتلا ہوگئے تو ان کی عظمت قصۂ پارینہ بن گئی، پس کیا اس سزا سے ان کی آنکھ کھلے گی؟

ایک واقعہ: بھائی پاڑیا رحمہ اللہ (ساؤتھ افریقہ کے تبلیغی جماعت کے امیر) نے مجھے واقعہ سنایا کہ وہ فلسطین میں قریہ خلیل (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گاؤں) میں جماعت لے کر گئے، گاؤں کی مسجد بند تھی، کوڑے سے بھری ہوئی تھی، جماعت والوں نے اس کو کھولا اور صاف کیا، پھر گاؤں میں گشت کیا، لوگوں سے مسجد میں آنے کے لئے کہا، انھوں نے جواب دیا: ''اللہ نے ہمارا قبلہ (بیت المقدس) ہمارے دشمنوں (یہود) کو دیدیا ہے، پہلے اللہ ہمارا قبلہ واپس کریں تب ہم مسجد میں آئیں گے'' —— حالانکہ مسلمانوں کا وہ قبلہ ان کے دشمنوں کو اس لئے دیا تھا کہ وہ اس کے اہل نہیں رہے تھے، اور یہ ان کے لئے ایک سزا تھی، مگر انھوں نے اس کو دوسرے معنی پہنا دیئے، فیا لَلْعَجب!

﴿سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۲۱۱﴾

ترجمہ: بنی اسرائیل سے پوچھو: ہم نے ان کو کتنی کھلی نشانیاں دیں؟ اور جو اللہ کی نعمت کو اس کے آنے کے بعد بدل دے تو اللہ تعالیٰ یقیناً سخت سزا دینے والے ہیں!

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
زُيِّنَ	دل کش بنائی گئی	اتَّقَوْا	پرہیز گار ہوئے	فَبَعَثَ (۱)	پس بھیجے
لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کیلئے جنھوں نے	فَوْقَهُمْ	ان سے بالاتر ہونگے	اللّٰهُ	اللہ نے
كَفَرُوا	اسلام قبول نہیں کیا	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	النَّبِيّٖنَ	انبیاء
الْحَيٰوةُ	زندگی	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	مُبَشِّرِيْنَ (۲)	خوش خبری سنانے والے
الدُّنْيَا	دنیا کی	يَرْزُقُ	روزی دیتے ہیں	وَمُنْذِرِيْنَ	اور ڈرانے والے
وَيَسْخَرُوْنَ	اور ہنسی اڑاتے ہیں وہ	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں	وَاَنْزَلَ	اور اتاری
مِنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی جو	بِغَيْرِ حِسَابٍ	بے گنے (بے شمار)	مَعَهُمُ	ان کے ساتھ
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	كَانَ النَّاسُ	تھے لوگ	الْكِتٰبَ (۳)	آسمانی کتابیں
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	اُمَّةً وَّاحِدَةً	ایک جماعت	بِالْحَقِّ (۴)	دین حق پر مشتمل

(۱) فبعث سے پہلے فاختلوا محذوف ہے، اور حذف کا قرینہ مبشرین و منذرین ہے، اور یونس (آیت ۱۹) میں یہ محذوف مصرّح ہے (۲) مبشرین اور منذرین: النبیین کے احوال ہیں (۳) الکتاب میں الف لام جنسی ہیں، سب کتابیں مراد ہیں (۴) بالحق: الکتاب کا حال ہے۔

لِيَحْكُمَ (۱)	تا کہ فیصلہ کرے وہ	مِنْ بَعْدِ	بعد	لِمَا اخْتَلَفُوا (۴)	اس بات کی جواختلاف
بَيْنَ النَّاسِ	لوگوں کے درمیان	مَا جَآءَتْهُمُ (۲)	ان کے پاس آنے		کیا انھوں نے
فِيمَا	ان باتوں میں جو	الْبَيِّنٰتُ	واضح دلائل کے	فِيهِ	اس میں
اخْتَلَفُوا	اختلاف کرتے ہیں وہ	بَغْيًا (۳)	بڑائی جتاتے ہوئے	مِنَ الْحَقِّ (۵)	یعنی حق بات کی
فِيهِ	اس میں	بَيْنَهُمْ	آپس میں	بِإِذْنِهِ (۶)	اپنے حکم سے
وَمَا اخْتَلَفَ	اور نہیں اختلاف کیا	فَهَدَى	پس راہ دکھائی	وَاللّٰهُ يَهْدِي	اوراللہ تعالیٰ دکھاتے ہیں
فِيهِ	اس میں	اللّٰهُ	اللہ نے	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
إِلَّا الَّذِينَ	مگران لوگوں نے جو	الَّذِينَ	ان لوگوں کو جو	إِلٰى صِرَاطٍ	راہ
أُوتُوهُ	دیئے گئے وہ کتاب	اٰمَنُوا	ایمان لائے	مُّسْتَقِيمٍ	سیدھی

۹- مسلمانوں کی پستی کا سبب مال کی کمی یا عمل کی کمی؟

مکہ کے مشرکین اور مدینہ کے یہود اقتصادیات میں مسلمانوں سے بڑھے ہوئے تھے، اور شروع میں اسلام قبول کرنے والے کمزور تھے، اس لئے کفار نادار مسلمانوں کی ہنسی اڑاتے تھے، کہتے تھے: تم نے نیا مذہب اختیار کر کے کیا پایا؟ آج بھی دانشور اور سیاسی مسلمان: مسلمانوں کی پستی کا سبب ان کی اقتصادی کمزوری کو قرار دیتے ہیں، بے عملی اور بدعملی کی طرف ان کی نظر نہیں جاتی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: دین اسلام قبول نہ کرنے والوں کے نزدیک چونکہ مال ہی بڑا کمال ہے اس لئے وہ غریب مسلمانوں کا ٹھٹول کرتے ہیں، مگر وہ نہیں جانتے کہ اصل زندگی آگے ہے، آخرت میں یہ کھوٹے سکّے ان سے برتر وبالا ہونگے، پس اگر دنیا میں چند روز یہ کم تر ہوئے تو کیا حرج ہے؟ —— اور دنیا میں روزی صرف کافروں کو نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بے گنے دیتے ہیں، آج عام مسلمانوں اور حکومتوں کے پاس دولت کی کیا کمی ہے؟ مگر پستی گہری ہورہی ہے!

﴿ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ

(۱) لیحکم کا فاعل: اللہ، کتاب اور نبی تینوں ہوسکتے ہیں۔ (۲) ما: مصدریہ ہے اور جملہ مضاف الیہ ہے (۳) بَغْيًا: مفعول لہٗ یا حال ہے اور بَغْيٌ: باب ضرب کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: ضد، سرکشی، زیادتی، میانہ روی سے تجاوز کرنا اور بینھم: بغیا کی صفت یا حال ہے (۴) لما اختلفوا: هَدیٰ سے متعلق ہے اور ما: مصدریہ ہے (۵) من الحق: من بیانیہ ہے، اور یہ لِمَا کے ما کے حال کی جگہ میں ہے اور محذوف سے متعلق ہے (۶) بإذنه: هدی سے متعلق ہے۔

الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

ترجمہ: کافروں کے لئے دنیا کی زندگی دل کش بنائی گئی، اور وہ ایمان لانے والوں کی ہنسی اڑاتے ہیں، اور متقی مسلمان قیامت کے دن ان سے بالاتر ہونگے، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بے شمار روزی دیتے ہیں ـــــ قرآنِ کریم نیک مسلمانوں کو خوش خبری سناتا ہے، عام مسلمانوں کو بشارت نہیں سناتا، لہٰذا مسلمان نیک بننے کی کوشش کریں تاکہ بشارت کے حقدار بنیں!

پستی کا ایک سبب گمراہ فرقے ہیں

شروع میں سب لوگ دین حق پر تھے

جاننا چاہئے کہ پہلا انسان پہلا نبی ہے، پھر آدم علیہ السلام کی نسل ایک عرصہ تک اللہ کے دین پر قائم رہی، پھر شیطان کے ورغلانے سے اور طبائع کے اختلاف سے اختلافات شروع ہوئے، کچھ لوگ دین پر قائم رہے اور کچھ لوگ دین سے نکل گئے، پس اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ قائم فرمایا، انبیاء نے دین داروں کو خوش خبری سنائی اور بے دینوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا، اور اللہ نے نبیوں پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں، جو دین کی تعلیمات پر مشتمل تھیں، ان کے ذریعہ حق وباطل کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔

﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ ﴾

ترجمہ: لوگ ایک جماعت تھے ـــــ یعنی سب لوگ دینِ حق پر قائم تھے، پھر ان میں پھوٹ پڑی ـــــ پس اللہ نے نبیوں کو مبعوث فرمایا، خوش خبری دینے کے لئے اور ڈرانے کے لئے، اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں، جو دین حق پر مشتمل تھیں، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں وہ مختلف ہو رہے تھے۔

پھر ملّی اختلافات شروع ہوئے اور حقیقت گم ہوگئی!

پھر ملّی اختلافات شروع ہوئے، یعنی ایک ملت کے ماننے والوں میں اختلافات شروع ہوئے، یہود ونصاریٰ میں اختلافات ہوئے، اور مختلف فرقے وجود میں آئے، فرماتے ہیں: پھر جن لوگوں کو آسمانی کتاب دی گئی، ان میں اختلافات شروع ہوئے، ان کے پاس صریح دلائل آنے کے بعد، اور اختلاف بڑائی جتانے کی وجہ سے ہوا، کچھ لوگوں نے اپنی چلانی چاہی، اور انھوں نے نئی راہ نکالی، اس طرح یہود ونصاریٰ میں گمراہ فرقے وجود میں آئے اور حقیقت گم ہوگئی، کوئی فرقہ حق پر

باقی نہ رہا، سب جہنم میں گئے۔

﴿ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ﴾

ترجمہ: اور دین میں انہی لوگوں نے اختلاف کیا جو وہ (دین) دیئے گئے تھے، ان کے پاس واضح دلائل آجانے کے بعد، ایک دوسرے پر بڑائی جتاتے ہوئے ــــ ملت میں اختلاف کا یہی سبب ہوتا ہے، طالع آزما اپنی چلانا چاہتے ہیں اور نئی راہ نکالتے ہیں اور چونکہ اُن ملتوں کے لئے بقاء مقدر نہیں تھا، اس لئے کوئی فرقہ حق کا حامل نہ رہا۔

اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ایک جماعت ہمیشہ حق پر برقرار رہے گی

یہودیت اور نصرانیت کے اختلافات اس حد تک پہنچ گئے کہ مذہب کی حقیقت گم ہوگئی، کوئی فرقہ صحیح دین پر باقی نہ رہا، حدیث میں ہے کہ یہود کے اکہتّر فرقے ہوئے اور نصاریٰ کے بہتّر، اور سب دوزخ میں گئے، یعنی ملّی اختلاف میں عیسائی، یہود سے ایک ہاتھ آگے نکل گئے، اور ان میں سے کوئی حق پر نہ رہا، اس لئے سب دوزخ میں گئے۔

پھر اسلام کا زمانہ آیا، مسلمانوں میں بھی ملّی اختلافات شروع ہوئے، اور وہ پیش رَو فرقوں سے آگے نکل گئے، ان کے تہتّر فرقے ہوں گے، مگر حقیقت گم نہیں ہوگی، ایک جماعت ہمیشہ دین حق پر ثابت رہے گی، کیونکہ یہ آخری دین ہے، اور قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے، اس کی روشنی قیامت تک باقی رہنی ضروری ہے، اس لئے اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے، اور قرآن کی دعوت کا ماڈل (نمونہ) بھی باقی رہنا ضروری ہے، تاکہ بے پڑھے ماڈل دیکھ کر اسلام کو سمجھیں، یہی حق پر باقی رہنے والی جماعت اہل السنہ والجماعہ ہیں، مخالفت کی آندھیاں چلیں گی مگر اس کا چراغ نہیں بجھے گا۔

﴿ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴾

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے مؤمنین کو دین کے مختلف فیہ مسائل میں حق کی راہ دکھائی، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں سیدھی راہ دکھاتے ہیں ــــ اس طرح ملت کے ریوڑ میں سے بھیڑیا (شیطان) بڑی تعداد اچک لے گیا، یہ بھی پستی کا ایک سبب بنا، آج اہل حق کی مخالفت سب سے زیادہ یہی گمراہ فرقے کرتے ہیں۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾

اَمْ حَسِبْتُمْ	کیا خیال کیا تم نے	مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ
اَنْ تَدْخُلُوا	کہ پہنچ جاؤگے تم	مَسَّتْهُمُ	چھویا ان کو	اٰمَنُوْا مَعَهٗ	ایمان لائے ان کے ساتھ
الْجَنَّةَ	جنت میں	الْبَاْسَآءُ	سختی	مَتٰى نَصْرُ	کب مدد (آئے گی)
وَلَمَّا يَاْتِكُمْ	حالانکہ اب تک نہیں	وَالضَّرَّآءُ	اور تکلیف نے	اللّٰهِ	اللہ کی!
	آئے تم پر	وَزُلْزِلُوْا	اور ہلائے گئے وہ	اَلَآ اِنَّ	سنو! بیشک
مَّثَلُ الَّذِيْنَ	ان لوگوں جیسے حالات جو	حَتّٰى يَقُوْلَ	یہانتک کہ کہنے لگے	نَصْرَ اللّٰهِ	اللہ کی مدد
خَلَوْا	گذر چکے	الرَّسُوْلُ	اللہ کے رسول	قَرِيْبٌ	نزدیک ہے

اہلِ حق پیش آنے والی مشکلات سے نہ گھبرائیں

اوپر کی آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں بھی ملّی اختلاف ہونگے، گمراہ فرقے وجود میں آئیں گے، مگر ہمیشہ سواد اعظم (بڑی جماعت) حق پر قائم رہے گی، نہ اسلام کی تعلیمات نابود ہونگی نہ اس کا ماڈل (نمونہ) ختم ہوگا، البتہ ابتدا اور انتہا میں مسلمانوں کی حالت کمزور ہوگی، حدیث میں ہے: **إن الإسلام بدأ غريبا، وسيعود غريبا، فطوبى للغرباء!** اسلام کس مپرسی کی حالت میں شروع ہوا، اور آگے چل کر پھر یہی صورت ہوگی، پس خوش نصیب ہیں بے چارے مسلمان!

ابتدائے اسلام میں دشمنوں کے ہاتھ سے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو بہت ایذائیں پہنچی ہیں، مکی دور کے احوال پڑھتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور ہجرت کے بعد بھی مکہ والے بار بار مدینہ پر چڑھائی کرتے تھے، مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کی ٹھان کر آتے تھے، سکون سے سونا حرام تھا، پھر اللہ کی مدد آئی، مکہ مکرمہ فتح ہوا اور چین نصیب ہوا۔

ایسے ہی حالات اہلِ حق پر آخر زمانہ میں بھی آئیں گے، مسلمان ان حالات سے نہ گھبرائیں، یہ تو ان کو کُندن (خالص سونا) بنانے کے لئے ہیں، کیا مسلمان یہ سوچتا ہے کہ وہ محض کلمہ پڑھ کر جنت میں پہنچ جائے گا! نہیں! گذشتہ اہل حق کو بھی سخت حالات سے گذرنا پڑا ہے، حدیث میں ہے کہ ایک شخص کو آرے سے چیر دیا جاتا، ایک کی لوہے کی کنگیوں سے کھال کھینچ لی جاتی، مگر یہ چیز اس کو ایمان سے نہیں پھیرتی تھی، اور حالات اتنے سنگین ہوجاتے تھے کہ اس زمانہ کے رسول اور مؤمنین بہ مقتضائے بشریت پریشان ہوکر پکار اٹھتے تھے کہ الٰہی! مدد کب آئے گی! تب دریائے رحمت جوش میں آتا اور وحی آتی کہ گھبراؤ نہیں، اللہ کی مدد آیا چاہتی ہے۔

اسی طرح ہر زمانہ کے مسلمانوں کو دشمنوں کے غلبہ اور ان کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں سے گھبرانا نہیں چاہئے، برداشت کریں، اور ہمت نہ ہاریں:

تیزیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب ❁ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے!

آیتِ پاک: کیا تم یہ سمجھے ہوئے ہو کہ جنت میں پہنچ جاؤ گے، حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے لوگوں پر آچکے ہیں، ان کو سختی اور تکلیف پیش آئی اور وہ ہلا کر رکھ دیئے گئے، یہاں تک کہ اللہ کے رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے کہنے لگے: ''اللہ کی مدد کب آئے گی؟'' سنو! اللہ کی مدد آیا چاہتی ہے!

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢١٥﴾

يَسْـَٔلُوْنَكَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں	مِّنْ خَيْرٍ[1]	مالِ فراواں سے	وَابْنِ السَّبِيْلِ	اور مسافروں کیلئے ہے
مَاذَا	کیا	فَلِلْوَالِدَيْنِ	پس ماں باپ کے لئے	وَمَا تَفْعَلُوْا	اور جو خرچ کرو گے تم
يُنْفِقُوْنَ	خرچ کریں؟	وَالْاَقْرَبِيْنَ	اور رشتہ داروں	مِنْ خَيْرٍ[1]	بہت مال سے
قُلْ	کہیں	وَالْيَتٰمٰى	اور یتیموں	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ تعالیٰ
مَآ اَنْفَقْتُمْ	جو خرچ کیا تم نے	وَالْمَسٰكِيْنِ	اور محتاجوں	بِهٖ عَلِيْمٌ	اس کو خوب جانتے ہیں

۱۰- مالِ فراواں سے خرچ کرنے کی جگہیں (مالی قربانی)

جب مسلمانوں کے حالات کمزور ہوں یا اسلام کا کوئی سرپرست نہ ہو تو مصائب سہنے کے علاوہ مالِ کثیر سے انفاق بھی ضروری ہے، سوال کیا گیا کہ کیا خرچ کریں؟ جواب دیا کہ جس کے پاس مالِ فراواں ہو، اس کی ضروریات سے زیادہ ہو تو وہ ماں باپ پر، رشتہ داروں پر، یتیموں پر، غریبوں پر اور مسافروں پر خرچ کرے، اور دیگر وجوہِ خیر میں خرچ کرے گا تو اس سے بھی اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں! اس کا ثواب بھی ضرور عطا فرمائیں گے۔

فائدہ (۱): یہ انفاق: زکات سے عام ہے، ماں باپ کو زکات دینا جائز نہیں۔

فائدہ (۲): غیر اسلامی ملک میں، بلکہ اب تو مسلمانوں کے ملک میں بھی ملّی کاموں میں خرچ کرنا ضروری ہے، ملت کی گاڑی اسی سے چلے گی، البتہ لوگ 'مال خوروں' سے ہوشیار رہیں۔

آیتِ کریمہ: لوگ آپ سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ بتادیں: جو بھی مالِ فراواں خرچ کرو تو وہ ماں باپ،

(۱) خیر: بھلائی، ہر اچھا کام، جو چیز سب کو پسند ہو، شر اس کی ضد ہے، اور جب مال کے لئے خیر استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ مال ہوتا ہے جو کثیر ہو اور حلال طریقہ پر حاصل کیا گیا ہو۔

رشتہ داروں، یتیموں، غریبوں اور مسافروں پر خرچ کرو، اور تم جو بھی حلال بہت مال (وجوہِ خیر میں) خرچ کروگے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہیں!

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾ ع

كُتِبَ	لکھا گیا	اَنْ تَكْرَهُوْا	کہ ناپسند کرو تم	وَّهُوَ	اور وہ		
عَلَيْكُمُ	تم پر	شَيْئًا	کسی چیز کو	شَرٌّ لَّكُمْ	بری ہو تمہارے لئے		
الْقِتَالُ	لڑنا	وَّهُوَ	اور وہ	وَاللهُ	اور اللہ تعالیٰ		
وَهُوَ	درانحالیکہ وہ	خَيْرٌ لَّكُمْ	بہتر ہو تمہارے لئے	يَعْلَمُ	جانتے ہیں		
كُرْهٌ	ناگوار ہے	وَعَسٰى	اور ہوسکتا ہے	وَاَنْتُمْ	اور تم		
لَّكُمْ	تمہیں	اَنْ تُحِبُّوْا	کہ پسند کرو تم	لَا تَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے		
وَعَسٰى	اور ہوسکتا ہے	شَيْئًا	کسی چیز کو	۞	۞		

جہاد میں فوائد ہیں، اگرچہ یہ حکم لوگوں کو بھاری معلوم ہو! (جانی قربانی)

مال کی قربانی کی طرح جان کی قربانی بھی ضروری ہے، ملت کی سربلندی اسی میں ہے، یہ حکم اگرچہ لوگوں کو ناگوار ہوگا، مگر ان کے لئے مفید ہے، کیونکہ آدمی کی پسند یا ناپسند کا اعتبار نہیں، بیمار کا جی ایک چیز کو چاہتا ہے مگر حکیم منع کرتا ہے تو حکیم کی بات ماننا ضروری ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ جہاد میں فوائد ہیں، لوگ اس کو نہیں جانتے، پس وہ اللہ کے حکم کو قبول کریں، اور جان کی بازی لگانے کے لئے تیار رہیں۔

فائدہ: شرعی جہاد کے لئے اجتماعیت اور امارت ضروری ہے، مکی دور میں امارت تھی مگر اجتماعیت نہیں تھی، اس لئے جہاد کا حکم نہیں آیا، پھر جب مدنی دور میں دونوں باتیں حاصل ہوئیں تو جہاد کی اجازت ملی، پہلے دفاعی جہاد کی اجازت ملی، پھر اقدامی جہاد کی نوبت آئی۔

آیتِ کریمہ: تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے، جبکہ وہ تمہیں ناگوار ہے، اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، اور ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو، اور وہ تمہارے حق میں بری ہو، اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے —— اس سے یہ اصولی بات معلوم ہوئی کہ احکام کی مصلحتوں اور حکمتوں کا جاننا ضروری نہیں، بے چوں وچرا

احکام پر عمل کرنا ضروری ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ ھَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

يَسْـَٔلُوْنَكَ	پوچھتے ہیں وہ آپؐ سے	وَكُفْرٌۢ بِهٖ	اور اس کو نہ ماننا	اَكْبَرُ	زیادہ بڑا ہے
عَنِ الشَّهْرِ	محترم مہینہ کے	وَالْمَسْجِدِ (۳)	اور (روکنا) مسجد	مِنَ الْقَتْلِ	مارڈالنے سے
الْحَرَامِ	بارے میں	الْحَرَامِ	حرام سے	وَلَا يَزَالُوْنَ	اور برابر وہ
قِتَالٍ فِيْهِ (۱)	اس میں لڑنے کے بارے میں	وَاِخْرَاجُ (۴)	اور نکالنا	يُقَاتِلُوْنَكُمْ	لڑیں گے تم سے
قُلْ	کہو	اَهْلِهٖ مِنْهُ (۵)	اس کے باشندوں کو	حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ	یہانتک کہ پھیر دیں تم کو
قِتَالٌ فِيْهِ	اس میں لڑنا		اس سے	عَنْ دِيْنِكُمْ	تمہارے دین سے
كَبِيْرٌ	بڑا ہے	اَكْبَرُ (۶)	زیادہ بڑا ہے	اِنِ اسْتَطَاعُوْا	اگر طاقت رکھیں وہ
وَصَدٌّ (۲)	اور روکنا	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	وَمَنْ يَّرْتَدِدْ	اور جو شخص پھر جائے گا
عَنْ سَبِيْلِ	راہِ	وَالْفِتْنَةُ	اور فتنہ (اللہ کے دین	مِنْكُمْ	تم میں سے
اللّٰهِ	خدا سے		سے روکنا)	عَنْ دِيْنِهٖ	اپنے دین سے

(۱) قتالٍ فيه: الشهر الحرام سے بدل اشتمال ہے (۲) صدّ: مبتدا اور أكبر خبر ہے (۳) المسجد کا عطف سبیل پر ہے (۴) إخراج کا عطف صدّ پر ہے (۵) منه کا مرجع المسجد ہے (۶) أكبر: بڑا، بہت بڑا، اس کا مفہوم کبیرہ گناہ نہیں، البتہ اس کے مفہوم میں برائی ہے، اور یہ مماشات مع الخصم ہے۔

فَيَمُتْ	پس مرے گا	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہ خدا میں
وَهُوَ كَافِرٌ	درانحالیکہ وہ منکر ہے	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ
فَاُولٰٓئِكَ	تو وہی لوگ	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	يَرْجُوْنَ	امید رکھتے ہیں
حَبِطَتْ	اکارت گئے	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	رَحْمَتَ	رحمتِ
اَعْمَالُهُمْ	ان کے کام	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اللّٰهِ	خداوندی کی
فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	هَاجَرُوْا	انھوں نے ہجرت کی	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
وَاُولٰٓئِكَ	اور وہی لوگ	وَجٰهَدُوْا	اور لڑے وہ	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں

رجب میں قتل کو کیا روتے ہو، اپنے کرتوت تو دیکھو!

ربط: گذشتہ آیت میں قتال کی فرضیت کا بیان تھا، اب ماہِ رجب میں بے خبری میں ہونے والے ایک قتل کو لے کر مشرکینِ مکہ نے جو آسمان سر پے اٹھالیا تھا، اس کا جواب ہے۔ جاننا چاہئے کہ جہاد بارہ مہینے جائز ہے، دفاعی بھی اور اقدامی بھی، سورت التوبہ (آیت ۳۶) کی تفسیر میں بہت سے غزوات وسرایا کا ذکر ہے جو اشہر حرام میں پیش آئے۔

شانِ نزول: غزوۂ بدر سے پہلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک دس نفری سریہ روانہ کیا گیا، اس کو مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ مقام میں قیام کرنا تھا، اور مکہ والوں کی نقل وحرکت سے مدینہ والوں کو مطلع کرنا تھا، اس سریہ کی ایک تجارتی قافلہ سے مڈبھیڑ ہوگئی، اس میں عمرو بن الحضرمی مارا گیا، اور دو شخص گرفتار ہوئے، یہ واقعہ اتفاق سے رجب کی پہلی تاریخ میں پیش آیا، پھر جب مشرکین قیدیوں کو چھڑانے کے لئے مدینہ آئے تو انھوں نے شور مچایا کہ مسلمانوں نے حرام مہینوں کا خیال نہیں کیا، رجب میں ہمارے آدمی کو مار ڈالا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں دو باتیں کہی گئی ہیں:

پہلی بات: رجب میں قتل کو کیا روتے ہو تم اپنی حرکتوں پر تو غور کرو، وہ قتل سے سنگین ہیں، ان کی بہ نسبت قتل ہلکی بات ہے —— مشرکین کی چار حرکتیں: (۱) وہ لوگوں کو دینِ اسلام سے روکتے تھے (۲) خود بھی دینِ اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے (۳) لوگوں کو مسجدِ حرام سے روکتے تھے، ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو کعبہ شریف کے پاس نماز نہیں پڑھتے دیتے تھے (۴) مہاجرین کو پہلے ہجرتِ حبشہ پر مجبور کیا، پھر ہجرتِ مدینہ پر۔

اللہ کے نزدیک مشرکین کے یہ کام قتل سے زیادہ سنگین ہیں، فتنہ (اللہ کے دین سے روکنا، اور اللہ کا دین قبول کرنے

والوں پر ظلم کرنا) قتل سے بھاری گناہ ہے، کیونکہ قتل سے تو دنیا کی زندگی ختم ہوتی ہے، اور اللہ کے دین سے روکنے سے آخرت برباد ہوتی ہے، اور اشد کے مقابلہ میں اخف کو اختیار کیا جاتا ہے، پس تم اپنی حرکتوں سے: رجب میں پیش آنے والے واقعہ کا موازنہ کرو، تمہاری سمجھ میں اس کا جواز آجائے گا۔

دوسری بات: مشرکینِ مکہ اشہر حرام کا پاس ولحاظ نہیں کریں گے، وہ برابر تمہارے ساتھ لڑیں گے یہاں تک کہ ان کا مقصد حاصل ہوجائے، ان کا مقصد تمہیں دینِ اسلام سے پھیر دینا ہے، مگر یہ بات ان کے بس میں کہاں ہے؟ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ایمان کی برکت سے کلمہ طیبہ پر مؤمنین کو دنیا و آخرت میں ثابت قدم رکھتے ہیں، ان کے نہ دنیا میں ایمان سے قدم ڈگمگاتے ہیں، نہ محشر میں وہ حواس باختہ ہونگے، نہ آگے ان کو کوئی گھبراہٹ پیش آئے گی۔

پھر بات آگے بڑھائی ہے:

فرماتے ہیں: فرض کرو تم میں سے کوئی دینِ اسلام سے پھر جائے، پھر اس کی موت کفر کی حالت میں آئے تو اس کی دنیا بھی برباد ہوگی اور آخرت بھی، دنیا میں اس کی بیوی نکاح سے نکل جائے گی، مسلمان مورث کا وارث نہیں ہوگا، حالتِ اسلام کی نمازیں اور روزے کالعدم ہوجائیں گے، نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور نہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، اور آخرت میں ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جائے گا۔

فائدہ: اگر وہ شخص پھر مسلمان ہوجائے، اور وہ فرض حج کر چکا ہو تو بشرط وسعت دوبارہ حج کرنا امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ضروری ہے، اور گذشتہ نماز روزوں کا ثواب نہیں ملے گا (فائدہ ختم ہوا)

پھر جہنمیوں کے بالمقابل مؤمنین کا ذکر ہے، یہ قرآنِ کریم کا اسلوب ہے، وہ ایک فریق کے بعد دوسرے فریق کا ذکر کرتا ہے، فرماتے ہیں: اور جنھوں نے دینِ اسلام قبول کیا، اور اس کی خاطر وطن چھوڑ دیا اور راہِ خدا میں دشمنوں سے لوہا لیا وہی لوگ رحمتِ خداوندی کے سزاوار ہیں، اور اللہ بڑے بخشنے والے ہیں، وہ ان کی کوتاہیوں سے درگذر کریں گے، اور وہ بڑے مہربان ہیں، آخرت میں نعمتوں سے مالا مال کردیں گے۔

آیاتِ کریمہ: لوگ آپؐ سے محترم مہینہ (رجب) میں لڑنے کے بارے میں پوچھتے ہیں —— کہ مسلمانوں نے اس کا لحاظ کیوں نہیں کیا؟ اور ہمارے آدمی کو قتل کیوں کیا؟ —— آپؐ کہیں: اس میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے —— کیونکہ جہاد قبیح لذاتہ اور حسن لغیرہ ہے، جہاد میں لوگوں کو مارا جاتا ہے اس لئے برا ہے، لیکن اس میں اللہ کے دین کی سربلندی ہے، اس لئے اچھا ہے، پس قتل فی نفسہ برا ہے، یہ مماشات مع الخصم ہے —— اور اللہ کے راستے سے (دین اسلام سے) روکنا، اور اس دین کو نہ ماننا، اور مسجدِ حرام (میں نماز پڑھنے) سے روکنا، اور وہاں کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے

نزدیک سنگین ہے، اور فتنہ (اللہ کے دین سے بچلانا) قتل سے بھی سنگین ہے —— یہ تھپڑ مارا کہ تمہارے ان کرتوتوں کے جواب میں رجب میں قتل برا نہیں!

(دوسری بات:) اور مشرکین تم سے برابر لڑیں گے —— یعنی وہ محترم مہینوں کا لحاظ نہیں کریں گے —— یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں، اگر ان کا بس چلے! —— یعنی اشہر حرم کا لحاظ دوطرفہ ہونا چاہئے، کافر تو ہر وقت لڑیں اور مسلمان اشہر حرم میں ہاتھ روک لیں تو نقصان کس کا ہوگا؟

اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے، پھر بحالتِ کفر اس کی موت آئے تو ان کے اعمال دنیا وآخرت میں ضائع ہوجائیں گے، اور وہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں!

بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی اور اللہ کے دین کے لئے دشمنوں سے لوہا لیا وہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں!

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

يَسْـَٔلُوْنَكَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں	فِيْهِمَآ	دونوں میں	اَكْبَرُ	بڑا ہے
عَنِ الْخَمْرِ(۱)	شراب کے بارے میں	اِثْمٌ كَبِيْرٌ	بڑا گناہ ہے	مِنْ نَّفْعِهِمَا	دونوں کے فوائد سے
وَالْمَيْسِرِ(۲)	اور سٹے (جوے) کے	وَّمَنَافِعُ	اور فائدے ہیں	وَيَسْـَٔلُوْنَكَ	اور لوگ آپ سے پوچھتے ہیں
	بارے میں	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	مَاذَا	کیا
قُلْ	کہو	وَاِثْمُهُمَآ	اور دونوں کا گناہ	يُنْفِقُوْنَ	خرچ کریں

(۱) خمر: اصل میں انگور کے کچے پانی کا نام ہے جبکہ نشہ آور ہوجائے، پھر مجازاً ہر نشلی شراب کو خمر کہہ دیتے ہیں (۲) المیسر: اسم ومصدر: جُوا، جُوا کھیلنا، ہر وہ کھیل جس میں جوے کی طرح بازی لگائی جائے، یَسَرَ (ض، س، ک) یَسْرًا: آسان ہونا، سٹے میں آسانی سے مال مل جاتا ہے اس لئے اس کو مَیْسِر کہتے ہیں۔

قُلِ	کہو	وَالْاٰخِرَةِ	اورآخرت میں	وَاللّٰهُ	اوراللہ تعالیٰ
الْعَفْوَ[1]	جواپنے خرچ سے بچے	وَيَسْـَٔلُوْنَكَ	اورلوگ آپ سے	يَعْلَمُ	جانتے ہیں
كَذٰلِكَ	اس طرح		پوچھتے ہیں	الْمُفْسِدَ	بگاڑنے والےکو
يُبَيِّنُ	کھول کربیان کرتے ہیں	عَنِ الْيَتٰمٰى	یتیموں کے بارے میں	مِنَ الْمُصْلِحِ	سنوارنے والے سے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قُلْ	کہو	وَلَوْ شَآءَ	اگر چاہتے
لَكُمُ	تمہارے لئے	اِصْلَاحٌ لَّهُمْ	سنوارناان کے لئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
الْاٰيٰتِ	احکامات	خَيْرٌ	بہتر ہے	لَاَعْنَتَكُمْ[3]	تودشواری میں ڈالتے تم کو
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	وَاِنْ	اوراگر	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
تَتَفَكَّرُوْنَ	سوچو	تُخَالِطُوْهُمْ[2]	ملالوتم ان کو	عَزِيْزٌ	زبردست
فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	فَاِخْوَانُكُمْ	پس وہ تمہارے بھائی ہیں	حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں

احکام میں مصالح ومفاسد کی رعایت کی جاتی ہے

ربط: ابھی (آیت ۲۱۶) میں جہاد کی فرضیت کا بیان تھا، اس میں فرمایا تھا کہ یہ حکم لوگوں کو بھاری معلوم ہوگا، مگر وہ ان کے لئے مفید ہے، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور وہ نہیں جانتے، پھر (آیت ۲۱۷) میں رجب میں قتال کا جواز بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾: لوگوں کو دین سے ہٹانا رجب میں قتل سے بھاری گناہ ہے، اور اشد کے مقابلہ میں اخف کو برداشت کیا جاتا ہے، اب دور تک ایسے احکام بیان فرماتے ہیں جن میں مصالح ومفاسد کی رعایت ہے، زیر تفسیر آیات میں ایسے تین احکام ہیں۔

۱- شراب اور سٹّہ اس لئے حرام ہیں کہ ان کی خرابی ان کے فوائد سے بڑھی ہوئی ہے

شراب اور سٹّہ میں اگرچہ لوگوں کے لئے فوائد ہیں، اسی لئے لوگ شراب پیتے ہیں، عقلمند بھی پیتے ہیں، اور سٹّہ کھیلتے ہیں، حکومتیں بھی کھیلتی ہیں، مگر دونوں کی خرابی ان کے فوائد سے بڑھی ہوئی ہے، سنار کی سو اور لوہار کی ایک ہے، اس لئے اللہ کی شریعت میں دونوں حرام ہیں۔

(۱) العفو: اسم ومصدر: حاجت سے زیادہ، بقدر طاقت جو بن پڑے عَفَا يَعْفُو: معاف کرنا۔ (۲) خَالَطَ مُخَالطة: دو چیزوں کو باہم ملانا۔ (۳) إعْنَات: مشقت میں ڈالنا۔ اَلْعَنَتُ: مشقت۔

زیرِ تفسیر آیت ذہن سازی کے دوسرے مرحلہ کی ہے

شراب: عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، ہر شخص اس کا رسیا تھا، اسی طرح سٹّہ اور زنا بھی، اس لئے شراب کی حرمت نازل کرنے سے پہلے ذہن تیار کیا گیا، پہلے سورۃ النحل کی (آیت ٦٧) میں ایک لطیف اشارہ کیا، موضع امتنان میں خمر کا ذکر چھوڑ دیا، چنانچہ لوگوں نے خمر کے بارے میں سوال کیا تو زیرِ تفسیر آیت نازل ہوئی، اس میں لوگوں کو بتایا کہ شراب اور سٹے میں کچھ فوائد ہیں، مگر ان میں ایک بہت بڑا ضرر ہے، اس سے سمجھدار لوگ سمجھ گئے کہ دیر سویر دونوں کی حرمت نازل ہوگی، پھر سورۃ النساء کی (آیت ۴۳) نازل ہوئی، اور نماز کے اوقات میں پینے کی ممانعت کردی، اس طرح لوگ کم پینے کے عادی ہوگئے پھر سورۃ المائدہ کی (آیات ۹۰و۹۱) نازل ہوئیں، اور دونوں کو قطعی حرام کردیا، پس لوگ فوراً رک گئے (تفصیل تحفۃ الالمعی ۵: ۲۰۳ میں ہے)

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ﴾

ترجمہ: لوگ آپؐ سے خمر (انگوری شراب) اور جوے (سٹے) کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ آپؐ بتادیں کہ دونوں میں بڑا گناہ (خرابی) ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فوائد ہیں، اور دونوں کا گناہ: دونوں کے فائدے سے بڑھا ہوا ہے —— لہٰذا اس کا لحاظ کرکے آئندہ دونوں کی حرمت نازل ہوگی۔

۲- چھوٹے چندہ میں برکت ہے

پہلے (آیت ۲۱۵) میں مالِ فراواں سے خرچ کرنے کا حکم دیا تھا، یہ بڑا چندہ تھا، اب عفو (خرچ سے بچے ہوئے) سے خرچ کرنے کا حکم ہے، یہ چھوٹا چندہ ہے، یہ بھی ضروری ہے، بلکہ اس میں برکت ہے، جب برصغیر پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا، اور اس نے اسلامی حکومت ختم کردی تو لمحۂ فکریہ پیدا ہوا کہ اب دین کیسے باقی رہے گا؟ سرپرست تو کوئی رہا نہیں! اس وقت اللہ تعالیٰ نے وقت کے اکابر کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ چندہ کے مدارس قائم کئے جائیں، اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ نے دارالعلوم دیوبند کے ''اصولِ ہشت گانہ'' میں لکھا کہ عوامی چندہ کیا جائے، اور کسی امیر کبیر کے وعدۂ محکم پر بھروسہ نہ کیا جائے، نہ حکومت سے ایڈ (مدد) لی جائے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے برصغیر میں دین کی بقاء کا سامان کیا۔

﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ﴾

ترجمہ: اور لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ آپؐ بتائیں: اپنے خرچ سے جو بچے —— اس کو خرچ کرو،

یہ جُہد المقل (نادار کی کوشش) ہے، لوگوں کو یہ حکم بھاری معلوم ہوگا، مگر اس میں ملت کا فائدہ ہے، قطرے قطرے سے تالاب بھرتا ہے، اور کنکر کنکر مل کر پہاڑ بنتا ہے۔

دونوں حکموں کے مصالح اور مضرتیں

اوپر جو دو باتیں بیان کی ہیں وہ واضح ہیں، ان کے مصالح اور مفاسد غور کرنے سے سمجھ میں آسکتے ہیں، دنیا کے فوائد اور مضرتیں اور آخرت کے فوائد اور مضرتیں واضح ہونگی:

شراب پینے سے سرور حاصل ہوتا ہے، آدمی دوسری دنیا میں پہنچ جاتا ہے، اور ہر نشہ آور چیز کا یہی حال ہے، بلکہ جتنا نشہ قوی ہوتا ہے زیادہ مگن ہوجاتا ہے، جیسے بھنگ، حشیش اور ہیروئن میں چاروں طبق روشن ہوجاتے ہیں، یہ دنیا کے فوائد ہیں۔

اور شراب سے عقل پر پردہ پڑجاتا ہے، آدمی کردنی ناکردنی کرنے لگتا ہے، کبھی لڑائی جھگڑا بھی ہوجاتا ہے، اور بے خبری میں بیوی کو طلاق بھی دیدیتا ہے، اور مختلف قسم کے روحانی اور جسمانی امراض الگ پیدا ہوتے ہیں، یہ دنیوی نقصانات ہیں۔

اور جُوا کھیلنے میں اکثر پونجی ہاتھ سے جاتی ہے، اور کبھی حرام مال ہاتھ آجاتا ہے، اور سٹے بازوں میں دشمنی بھی ہوجاتی ہے، اور کبھی قتل کی بھی نوبت آتی ہے، یہ دنیوی نقصانات ہیں، اور آخرت میں کبیرہ گناہوں کا وبال بھگتنا ہوگا۔

اور خرچ سے تھوڑا تھوڑا بچاتا رہے تو دنیا میں ایک دن 'مالدار' ہوجائے گا، اور خرچ کرتا رہے تو آخرت میں مالداروں سے آگے نکل جائے گا، اور دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے۔

﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾

ترجمہ: اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکام بیان فرماتے ہیں، تاکہ تم دنیا وآخرت (کے منافع اور مضرتوں) کو سوچو! —— اس کا تعلق دونوں باتوں سے ہے۔

۳- یتیموں کا کھانا ساتھ رکھنے کی اجازت ان کی مصلحت سے ہے

احکام میں مصالح ومفاسد کے رعایت کی یہ تیسری مثال ہے، جن لوگوں کی پرورش میں یتیم بچے ہوتے تھے وہ احتیاط نہیں برتتے تھے، چنانچہ سورۃ النساء (آیت ۱۰) میں سخت وعید آئی کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں، اس پر صحابہ محتاط ہوگئے، اور ان کا کھانا پینا الگ کردیا، اس سے یتیموں کا نقصان ہونے لگا، کبھی کھانا بچ جاتا، کبھی کم پڑجاتا، پس سوال ہوا، اس کا جواب دیا کہ مقصود یتیم کے مال کی اصلاح ہے، اگر ان کی چیزیں الگ

رکھنے میں مصلحت ہو تو ایسا کیا جائے، اور ساتھ ملانے میں ان کا فائدہ ہو تو ملا سکتے ہیں، کیونکہ وہ تمہارے نسبی یا دینی بھائی ہیں، اور بھائیوں کا کھانا پینا ساتھ ہوتا ہے، البتہ یتیموں کی اصلاح کا پورا خیال رکھا جائے، اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں کہ کس کا مقصد افساد ہے اور کس کا اصلاح، اگر نفع رسانی منظور ہے تو ملانا جائز ہے، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بھاری حکم دے سکتے تھے کہ ان کا کھانا پینا الگ رکھو، مگر وہ حکیم بھی ہیں اس لئے یتیموں کی مصلحت پیش نظر رکھ کر جواز کا حکم دیا۔

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ ﴾

ترجمہ: اور لوگ آپؐ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ — سوال کی تفصیل جواب سے معلوم ہوگی — کہیں: ان کے کام کا سنوارنا بہتر ہے، اور اگر (ان کا کھانا پینا) اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے جانتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مشقت میں ڈالتے — یعنی کھانے پکانے کا الگ انتظام ضروری قرار دیتے اور تمہیں دو بار پکانا پڑتا — بیشک اللہ تعالیٰ زبردست بڑے حکمت والے ہیں۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

وَلَا تَنْكِحُوا[1]	اور نکاح مت کرو	خَيْرٌ	بہتر ہے	يُؤْمِنُوْا	ایمان لائیں وہ
الْمُشْرِكٰتِ	مشرک عورتوں سے	مِّنْ مُّشْرِكَةٍ	مشرک عورت سے	وَلَعَبْدٌ	اور البتہ غلام
حَتّٰى	یہاں تک کہ	وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ	اگرچہ بھلی لگے وہ تم کو	مُّؤْمِنٌ	مسلمان
يُؤْمِنَّ	ایمان لائیں وہ	وَلَا تُنْكِحُوا[2]	اور نکاح نہ کردو	خَيْرٌ	بہتر ہے
وَلَاَمَةٌ	اور البتہ باندی	الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں سے	مِّنْ مُّشْرِكٍ	مشرک مرد سے
مُّؤْمِنَةٌ	مسلمان	حَتّٰى	یہاں تک کہ	وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ	اگرچہ پسند آئے وہ تم کو

(۱) نَكَحَ نِكَاحًا: سے فعل نہی، صیغہ جمع مذکر حاضر: نکاح مت کرو (۲) أَنْكَحَ إِنْكَاحًا (افعال) سے فعل نہی، صیغہ جمع مذکر حاضر: نکاح مت کردو، عقد مت کردو۔

اپنے احکامات	اٰیٰتِهٖ	جنت کی طرف	اِلَى الْجَنَّةِ	وہ لوگ	اُولٰٓئِكَ
لوگوں کے لئے	لِلنَّاسِ	اور بخشش کی طرف	وَالْمَغْفِرَةِ	بلاتے ہیں	يَدْعُوْنَ
تا کہ وہ	لَعَلَّهُمْ	اپنی اجازت سے	بِاِذْنِهٖ[1]	دوزخ کی طرح	اِلَى النَّارِ
نصیحت پذیر ہوں	يَتَذَكَّرُوْنَ	اور کھول کر بیان کرتے ہیں	وَيُبَيِّنُ	اور اللہ تعالیٰ بلاتے ہیں	وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

۴-مشرکوں کے نہ مردوں سے نکاح جائز ہے نہ عورتوں سے

احکام میں مصالح ومفاسد کے رعایت کی یہ چوتھی مثال ہے، مسلمان مرد کا نکاح کافرعورت سے درست نہیں۔البتہ اگر کافرعورت کتابی (یہودی یا نصرانی) ہوتو درست ہے۔اور مسلمان عورت کا نکاح کسی بھی کافر سے،خواہ وہ کتابی ہو، درست نہیں۔اور یہ احکام دواصول پر مبنی ہیں: اول: عورت مرد کے تابع اور زیر اثر ہوتی ہے۔دوم: اہل کتاب کا کفر (دین اسلام کا انکار) مشرکین ومجوس وغیرہ کے کفر سے اخف ہے۔کیونکہ یہود ونصاری دین سماوی کے قائل ہیں۔اور شریعت کے اصول وکلیات سے واقف ہیں۔اس لئے وہ دین اسلام سے اقرب ہیں — پس مسلمان مرد کا نکاح کتابیہ سے درست ہے۔وہ شوہر کا اثر قبول کر کے مسلمان ہوجائے گی۔دوسری کافرعورتوں سے نکاح درست نہیں کہ ان کے ایمان کی امید کم ہے۔اور مسلمان عورت کا نکاح کتابی مرد سے بھی درست نہیں۔کیونکہ مرد کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے اس کے دین کے بگڑنے کا اندیشہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں نکاح وطلاق کے بیان میں فرماتے ہیں:

سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۱ میں ارشاد پاک ہے: ’’اور مسلمان عورتوں کو مشرکین کے نکاح میں مت دو، یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں۔اور مسلمان غلام مشرک سے بہتر ہے، اگرچہ وہ (مشرک) تمہیں اچھا معلوم ہو۔یہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتے ہیں‘‘ — اس آیت میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اس حکم میں ملحوظ مصلحت یہ ہے کہ مسلمانوں کی کفار کے ساتھ معیت وصحبت، اور مسلمانوں اور کافروں میں ہمدردی اور غمگساری کا رواج، خاص طور پر ازدواجی معاملات میں: دین کو خراب کرنے والا ہے۔اور اس بات کا سبب ہے کہ مسلمان کے دل میں دانستہ یا نادانستہ کفر سرایت کر جائے۔اس لئے مسلمان عورت کا نکاح کسی بھی کافر مرد سے حرام کیا گیا۔اور مسلمان مرد کا نکاح بھی کافرعورت سے حرام کیا گیا۔البتہ کتابیہ سے جائز رکھا گیا۔کیونکہ یہود ونصاری دین سماوی کے پابند ہیں۔اور شریعت کے اصول وکلیات کے بھی قائل ہیں۔دیگر کفار میں یہ بات نہیں۔اس لئے اہل کتاب

(۱) بإذنه: أي بتوفيقه تعالىٰ۔

کی صحبت ومعیت ان کے علاوہ کی بہ نسبت ہلکی ہے۔اور شوہر بیوی پر غالب اور حاکم ہوتا ہے۔اور عورتیں شوہروں کے ہاتھوں میں محض قیدی ہوتی ہیں۔اس لئے ایک مسلمان کتابی عورت سے نکاح کرے گا تو فساد ہلکا ہوگا۔پس اس ہلکے ضرر کا حق یہ ہے کہ اس کی اجازت دی جائے۔اور دوسری صورتوں کی طرح اس صورت میں سختی نہ برتی جائے۔چنانچہ سورۃ المائدہ آیت ۵ میں اس کی صراحۃً اجازت دی گئی۔

فائدہ: کتابی عورتوں سے نکاح کے سلسلہ میں اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔خاص طور پر غیر مسلم ممالک (یورپ وامریکہ) میں عورتیں مردوں کے زیراثر نہیں رہیں۔اور کتابی عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرتے ہیں وہ بھی عام طور پر دین آشنا نہیں ہوتے۔اس لئے ان عورتوں کے اسلام قبول کرنے کے واقعات بہت ہی کم ہیں۔عام طور پر مرد ہی عورت کا اثر قبول کرلیتا ہے۔اور بچے تو ماں کے زیراثر ہی پروان چڑھتے ہیں۔اس لئے اب یہ نکاح باعث فتنہ ہے۔پس اس سے احتراز ضروری ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے ہلکے فتنہ کی وجہ سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو، جب انھوں نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کیا: تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ اس کو فوراً چھوڑ دو۔جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یہ نکاح حرام ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا کہ میں حرام نہیں کہتا **ولكني أخاف أن يَغاظوا المؤمنات منهن:** لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ ان کی وجہ سے مسلمان عورتوں کو سخت غصہ آئے گا۔اور ایک روایت میں ہے: **فإني أخاف أن يقتدىَ بك المسلمون، فيختاروا نساءَ أهل الذمة لجمالهن، وكفى بذلك فتنة لنساء المسلمات:** مجھے اندیشہ ہے کہ مسلمان آپ کی پیروی کریں گے۔اور ذمیوں کی عورتوں کو ان کی خوبصورتی کی وجہ سے ترجیح دیں گے۔اور یہ بات مسلمان عورتوں کے فتنہ کے لئے کافی ہے یعنی لوگوں کی توجہ مسلمان عورتوں سے ہٹ جائے گی۔

(ازالۃ الخفا ۲:۱۱۱، رسالہ مذہب عمرؓ)

آیتِ پاک: مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو، یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوجائیں، اور مسلمان باندی یقیناً مشرک (آزاد) عورت سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تم کو پسند ہو، اور مشرک مرد سے (مسلمان عورت کا) نکاح مت کرو، یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوجائیں، اور مسلمان غلام یقیناً مشرک مرد سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تم کو پسند آئے، وہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے احکام لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ نصیحت پذیر ہوں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ

اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿٢٢٢﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ص فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ز وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٢٣﴾

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ	اور لوگ آپؐ سے	تَطَهَّرْنَ (۴)	وہ خوب پاک ہوجائیں	فَأْتُوْا	پس آؤ تم
	پوچھتے ہیں	فَأْتُوْهُنَّ	تو آؤ ان کے پاس	حَرْثَكُمْ	اپنے کھیت میں
عَنِ الْمَحِيْضِ (۱)	حیض کے متعلق	مِنْ حَيْثُ	جہاں سے	اَنّٰى شِئْتُمْ (۶)	جس طرح چاہو
قُلْ	کہیں	اَمَرَكُمُ (۵)	حکم دیا تم کو	وَقَدِّمُوْا	اور آگے بھیجو
هُوَ اَذًى (۲)	وہ گندگی ہے	اللّٰهُ	اللہ نے	لِاَنْفُسِكُمْ	اپنے لئے
فَاعْتَزِلُوا	پس جدا رہو	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَاتَّقُوا	اور ڈرو
النِّسَآءَ	عورتوں سے	يُحِبُّ	محبت کرتے ہیں	اللّٰهَ	اللہ سے
فِي الْمَحِيْضِ (۱)	حیض میں	التَّوَّابِيْنَ	توبہ کرنے والوں سے	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو
وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ	اور نہ نزدیک ہو ان سے	وَيُحِبُّ	اور محبت کرتے ہیں	اَنَّكُمْ	کہ تم
حَتّٰى	یہاں تک کہ	الْمُتَطَهِّرِيْنَ	خوب پاک رہنے والوں سے	مُّلٰقُوْهُ	اس سے ملنے والے ہو
يَطْهُرْنَ (۳)	پاک ہوجائیں وہ	نِسَآؤُكُمْ	تمہاری عورتیں	وَبَشِّرِ	اور خوش خبری دیں
فَاِذَا	پس جب	حَرْثٌ لَّكُمْ	تمہاری کھیتی ہیں	الْمُؤْمِنِيْنَ	ماننے والوں کو

۵- حالتِ حیض میں جماع کی ممانعت مضرت اور گندگی کی وجہ سے ہے

شانِ نزول: حالتِ حیض میں بیوی سے معاملہ کرنے میں امتیں مختلف تھیں، یہود اور مجوس حالتِ حیض میں عورت کے ساتھ کھانے اور ایک گھر میں رہنے کو بھی جائز نہ سمجھتے تھے، اور نصاریٰ اور مشرکین مجامعت سے بھی پرہیز نہ کرتے تھے،

(۱) مَحِيْض: اسم بمعنی حیض ہے، اس میں دیگر احتمالات بھی ہیں (دیکھیں تحفۃ القاری ۲:۷۷) (۲) أذی کے اصل معنی ہیں: تکلیف دہ، ضرر رساں، گندگی تکلیف دہ ہوتی ہے، اس لئے گندگی ترجمہ کرتے ہیں (۳) طَهُر (ک) طُهْرًا: پاک صاف ہونا (۴) تَطَهَّرَ: میں مبالغہ ہے: خوب پاک صاف ہونا (۵) یہ حکم اگلی آیت میں ہے (۶) أنی: بمعنی کیف ہے بمعنی أین نہیں۔

چنانچہ نبی ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور بتایا کہ مجامعت تو اس حالت میں حرام ہے، اور اس کے ساتھ کھانا پینا، رہنا سہنا درست ہے، یہود و نصاریٰ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں، دونوں کا طریقہ غلط ہے۔

اور حالتِ حیض میں صحبت کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس وقت بیوی سے ملنا ضرر رساں اور گندگی میں لت پت ہونا ہے، اس کی مضرت پر اطباء کا اتفاق ہے اور نجاست سے تلطخ (لت پت ہونا) شیاطین سے قریب کرتا ہے۔ اور حرمت کی ان وجہوں کی طرف لفظ أذی میں اشارہ ہے، أذی: کے دو معنی ہیں: اصلی اور کنائی، اصلی معنی ہیں: ضرر رساں، اور کنائی معنی ہیں: گندگی (قرطبی)

اور حیض میں بیوی سے دور رہنے اور نزدیک نہ ہونے کا مطلب ہے مجامعت نہ کرنا، دیگر امور جائز ہیں، اور کہاں تک نزدیک جاسکتے ہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام احمد اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک صرف فرج سے بچنا ضروری ہے، باقی بدن کو ہاتھ وغیرہ لگاسکتے ہیں، کپڑے کے اوپر سے بھی اور بغیر کپڑے کے بھی، اور جمہور کے نزدیک ناف اور گھٹنے کے درمیانی بدن سے بچنا ضروری ہے، اس حصہ کو کپڑے کی آڑ کے بغیر ہاتھ وغیرہ لگانا جائز نہیں، باقی بدن سے بدن لگاسکتے ہیں (تحفۃ القاری ۲:۸۶)

اور پاک ہونے کا مطلب ہے: حیض کا ختم ہوجانا، اور اس کی دو صورتیں ہیں:

۱- مدتِ حیض (دس دن) سے کم میں عادت پر پاک ہو تو جب تک وہ نہا نہ لیوے صحبت جائز نہیں، اگر غسل نہ کرے تو جب تک ایک نماز کا وقت نہ گذر جائے یعنی جب تک ایک نماز کی قضا اس پر واجب نہ ہوجائے: صحبت کرنا درست نہیں، اس کے بعد جائز ہے (بہشتی زیور)

۲- حیض کی پوری مدت پر پاک ہو تو اسی وقت صحبت کرنا درست ہے، چاہے نہائی ہو یا نہ نہائی ہو۔

اور جہاں سے اللہ نے حکم دیا: کا بیان اگلے عنوان کے تحت آرہا ہے، اور آخر میں فرمایا کہ اگر کسی سے گناہ ہوجائے، حالتِ حیض میں صحبت کر بیٹھے تو توبہ کرے، اللہ کو توبہ کرنے والے بندے بہت پسند ہیں، اور دوسری صورت میں بھی جبکہ خون مدتِ حیض پر بند ہوا ہو صحبت کرنے میں جلدی نہ کرے، جب عورت نہالے تب صحبت کرے، اللہ تعالیٰ کو وہ بندے پسند ہیں جو خوب پاک رہتے ہیں، اسی لئے ہمیشہ باوضوء رہنا مستحب ہے۔

آیتِ پاک: اور لوگ آپؐ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں؟ آپؐ بتلائیں: وہ (حیض) گندگی ہے، پس تم حیض میں عورتوں سے علاحدہ رہو، اور ان کے نزدیک نہ جاؤ، جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں، پس جب وہ خوب پاک ہوجائیں —— یعنی نہالیں —— تو ان کے پاس آؤ جہاں سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں

سے محبت رکھتے ہیں، اور پاک صاف رہنے والوں سے (بھی) محبت رکھتے ہیں۔

عورتیں کھیتی ہیں، پس کھیت میں جہاں سے چاہے آئے

یہود: عورت کی پشت کی طرف سے اگلی راہ میں وطی کرنے کو ممنوع کہتے تھے، وہ کہتے تھے کہ اس سے بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، ان کا یہ خیال غلط تھا، قرآن نے بتایا: عورتیں بہ منزلۂ کھیتی ہیں، نطفہ بیج ہے اور اولاد پیداوار ہے، پس آدمی کو اختیار ہے: آگے سے یا کروٹ سے یا پشت پر پڑ کر یا بیٹھ کر جس طرح چاہے مجامعت کرے، مگر یہ ضروری ہے کہ صحبت تخم ریزی کی جگہ میں ہو، جہاں سے پیداوار کی امید ہے، اغلام حرام ہے۔

اور بیوی کو 'کھیتی' کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ صحبت صرف لذت کے لئے نہیں ہونی چاہئے، طلبِ اولاد مقصود ہونی چاہئے، کاشتکار: کھیت میں بیج پیداوار کے لئے ڈالتا ہے۔

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (۲۲۳)

ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں، پس جدھر سے چاہو اپنے کھیت میں آؤ، اور اپنے لئے (اعمال) آگے بھیجو —— یعنی رات بھر اس میں مشغول مت رہو —— اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ تمہارا اللہ سے پالا پڑنے والا ہے، اور ماننے والوں کو خوش خبری سنا دیں —— یعنی ناجائز طریقہ پر بیوی سے فائدہ مت اٹھاؤ، کل حساب دینا ہوگا، اور جو تعمیلِ حکم کرے گا وہ مزے میں رہے گا۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۲۲۴) لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۲۲۵) لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۲۶) وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۲۲۷)

وَلَا تَجْعَلُوْا	اور مت بناؤ تم	اللّٰهَ	اللہ (کے نام) کو	عُرْضَةً[1]	نشانہ (بہانہ)

(۱) عُرْضة: تیراندازی کا نشانہ، مرادی معنی: بہانہ، حیلہ، ٹال مٹول

لِاَيۡمَانِكُمۡ	اپنی قسموں کے لئے	وَلٰكِنۡ	لیکن	مِنۡ نِّسَآئِهِمۡ	اپنی بیویوں سے
اَنۡ تَبَرُّوۡا(۱)	یعنی حسن سلوک کرنے کیلئے	يُؤَاخِذُكُمۡ	داروگیر کریں گے	تَرَبُّصُ	انتظار کرنا ہے
وَتَتَّقُوۡا	اور اللہ سے ڈرنے کیلئے		تمہاری	اَرۡبَعَةِ اَشۡهُرٍ	چار ماہ
وَتُصۡلِحُوۡا	اور اصلاح کرنے کیلئے	بِمَا	ان قسموں کی وجہ سے جو	فَاِنۡ فَآءُوۡ(۳)	پھر اگر لوٹ جائیں وہ
بَيۡنَ النَّاسِ	لوگوں کے درمیان	كَسَبَتۡ	کمائی ہیں	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو اللہ تعالیٰ یقیناً
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	قُلُوۡبُكُمۡ	تمہارے دلوں نے	غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ	غفور رحیم ہیں
سَمِيۡعٌ	ہر بات سننے والے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَاِنۡ عَزَمُوا	اور اگر پختہ ارادہ کرلیا
عَلِيۡمٌ	سب کچھ جاننے والے ہیں	غَفُوۡرٌ	بڑے بخشنے والے		انھوں نے
لَا يُؤَاخِذُكُمُ	نہیں داروگیر کریں گے تمہاری	حَلِيۡمٌ	بڑے بردبار ہیں	الطَّلَاقَ	طلاق کا
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	لِلَّذِيۡنَ(۲)	ان لوگوں کے لئے جو	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو اللہ تعالیٰ یقیناً
بِاللَّغۡوِ	تمہاری بیہودہ قسموں	يُؤۡلُوۡنَ	صحبت نہ کرنے کی	سَمِيۡعٌ	سب سننے والے
فِيۡۤ اَيۡمَانِكُمۡ	میں		قسمیں کھائیں	عَلِيۡمٌ	سب جاننے والے ہیں

ربط: ابھی گذشتہ سلسلۂ بیان چل رہا ہے کہ احکام: مصلحت پر مبنی ہیں، ان آیتوں میں تین باتیں ہیں:

۶- اللہ کی قسم کو نیک کام نہ کرنے کا بہانہ مت بناؤ

بعض لوگ کوئی اچھا کام نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں، مثلاً: ماں باپ یا بھائی بہن سے نہیں بولے گا، یا مطلق غریب کو یا کسی خاص غریب کو نہیں دے گا، یا لوگوں کے کسی نزاع میں مصالحت نہیں کرائے گا، ایسی قسموں سے اللہ کے نام کو نیک کام نہ کرنے کا بہانہ بناتا ہے، کہتا ہے: چونکہ میں نے قسم کھائی ہے اس لئے میں یہ کام نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایسا ہرگز مت کرو، اور حدیث میں ہے کہ اگر کسی نے ایسی قسم کھائی تو اس کو توڑ دے اور کفارہ دیدے۔

﴿ وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ عُرۡضَةً لِّاَيۡمَانِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَتَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا بَيۡنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝۲۲۴ ﴾

(۱) أن تبروا: أن مصدریہ، تینوں فعلوں کو بہ تاویل مصدر کرے گا، اور ایمانکم پر معطوف ہے، اور یہ عطفِ بیان ہے، جو متبوع کی وضاحت کرتا ہے، اس میں حرفِ عطف نہیں ہوتا، جیسے قال أبو حفصٍ عُمَرُ، عطفِ بیان اعلام میں بہت ہوتا ہے، اور غیر اعلام میں بھی ہوتا ہے (روح) (۲) للذین: خبر مقدم ہے اور تربص: مبتدا مؤخر (۳) فَاءَ يَفِيئُ فيئًا: لوٹنا، جیسے فَاءَ الفيئُ: سایہ لوٹا۔

ترجمہ: اور تم اللہ کے نام سے کھائی ہوئی اپنی قسموں کو بہانہ مت بناؤ، حسنِ سلوک کرنے، اور اللہ سے ڈرنے، اور لوگوں میں اصلاح کرنے کے لئے، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں ـــــ یعنی اگر کوئی ایسی قسم کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سنتے ہیں اور اس کی نیت کو جانتے ہیں کہ اس کا مقصد نیک کام نہ کرنے کا بہانہ بنانا ہے، انسان کی کوئی بات اور نیت اللہ سے مخفی نہیں، لہٰذا ایسی قسم سے ہٹ جاؤ اور کفارہ دیدو۔

۷- یمینِ لغو میں کوئی پکڑ نہیں، مگر یمینِ غموس میں پکڑ ہے

یمین کی تین قسمیں ہیں:

۱- یمینِ لغو (بیہودہ قسم) اس کی دو صورتیں ہیں: (الف) بول چال میں قسم کے ارادے کے بغیر: ہاں بخدا! اور نہیں بخدا! کہنا (ب) کسی گذشتہ بات پر اپنی معلومات کے مطابق قسم کھانا، جبکہ واقع میں ایسا نہ ہو، جیسے کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ مہتمم صاحب آ گئے، اس پر اعتماد کر کے قسم کھالی، پھر ظاہر ہوا کہ نہیں آئے تو یہ بھی یمینِ لغو ہے، اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ، مگر لغو (بیہودہ) ہے، اس لئے ایسی قسموں سے بھی بچنا چاہئے ـــــ سورۃ المائدہ (آیت ۸۹) میں اس کے بالمقابل یمینِ منعقدہ آئی ہے: ﴿ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ﴾: لیکن پکڑیں گے اس قسم پر جس کو تم نے مضبوط باندھا ہے، پھر کفارۂ یمین کا ذکر ہے۔

۲- یمینِ منعقدہ: قسم کھا کر آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا، جیسے بخدا! کل وہ روزہ رکھے گا یا نہیں رکھے گا، اس میں کفارہ ہے، اگر قسم توڑ دے گا تو کفارہ واجب ہوگا، اس کا ذکر سورۃ المائدہ (آیت ۸۹) میں ہے۔

۳- یمینِ غموس: گذشتہ بات پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا، یہ کبیرہ گناہ ہے، اس کا ذکر یہاں ہے، یہ بھی یمینِ لغو کی مقابل قسم ہے، احناف کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں، اس لئے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کفارہ کا ذکر نہیں کیا، یہ سخت گناہ ہے، توبہ لازم ہے۔

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۲۲۵ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری بیہودہ قسموں میں تمہاری (آخرت میں) داروگیر نہیں کریں گے، لیکن ان قسموں پر داروگیر کریں گے جو تمہارے دلوں نے کمائی ہیں ـــــ یعنی جان بوجھ کر تم نے جھوٹی قسم کھائی ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں، بڑے بردبار ہیں ـــــ یعنی توبہ کر لوگے تو آخرت میں بخش دیں گے، اور بردبار ہیں اس لئے دنیا میں کوئی سزا نہیں دیں گے۔

۸- بیوی سے چار ماہ یا زیادہ صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا

إيلاء: باب افعال کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: قسم کھانا۔ اور ایلاء کی دو قسمیں ہیں: ایلاء لغوی اور ایلاء شرعی۔ چار مہینے یا اس سے زیادہ بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا ایلاء شرعی ہے اور چار مہینے سے کم کسی بھی مدت تک بیوی سے علاحدہ رہنے کی قسم کھانا ایلاء لغوی ہے۔

اور ایلاء لغوی کا حکم یہ ہے کہ بیوی سے علحدہ رہنے کی جتنی مدت مقرر کی ہے وہ مدت پوری ہونے سے پہلے اگر بیوی سے صحبت کر لی تو قسم کا کفارہ واجب ہوگا، اور اگر وہ مدت پوری کر لی پھر صحبت کی تو کچھ واجب نہیں۔ اور ایلاء شرعی میں چار مہینے سے پہلے قسم توڑنا اور بیوی سے صحبت کرنا ضروری ہے اور اس صورت میں قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔ اور اگر چار مہینے تک بیوی سے علحدہ رہا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ایک طلاق بائنہ خود بخود واقع ہو جائے گی۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت قاضی کے پاس جائے گی، قاضی شوہر کو بلائے گا اور حکم دے گا کہ یا تو قسم توڑ دو یعنی بیوی سے صحبت کرو اور کفارہ ادا کرو، ورنہ اپنی بیوی کو طلاق دو، یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک طلاق خود بخود واقع نہیں ہوگی بلکہ قاضی طلاق دلوائے گا۔

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٧﴾﴾

ترجمہ: ان لوگوں کے لئے جو اپنی بیویوں سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھاتے ہیں: چار ماہ انتظار کرنا ہے، پھر اگر وہ (بیوی کی طرف) لوٹیں تو اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں، اور اگر انھوں نے طلاق کا پختہ ارادہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ یقیناً سب باتیں سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٨﴾

وَالْمُطَلَّقٰتُ	اور مطلقہ عورتیں	يَتَرَبَّصْنَ	انتظار میں رکھیں	بِاَنْفُسِهِنَّ(۱)	خود کو

(۱) بأنفسهن: میں باء زائد ہے، اور أنفسهن: يتربصن کی ضمیر کی تاکید ہے (جمل)

ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ	تین حیض	بِاللّٰهِ	اللہ پر	مِثْلُ الَّذِىْ	اس کے مانند ہے جو
وَلَا يَحِلُّ	اور نہیں جائز ہے	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن پر	عَلَيْهِنَّ	ان کے ذمہ ہے
لَهُنَّ	ان کے لئے	وَبُعُوْلَتُهُنَّ	اور ان کے خاوند	بِالْمَعْرُوْفِ	دستور کے موافق
اَنْ يَّكْتُمْنَ	کہ چھپائیں	اَحَقُّ	زیادہ حقدار ہیں	وَلِلرِّجَالِ	اور مردوں کو
مَا خَلَقَ	جو کچھ پیدا کیا ہے	بِرَدِّهِنَّ	ان کو پھیر لینے کے	عَلَيْهِنَّ	ان پر
اللّٰهُ	اللہ نے	فِىْ ذٰلِكَ	اُس (عدت) میں	دَرَجَةٌ	ایک فضیلت ہے
فِىْٓ اَرْحَامِهِنَّ	ان کی بچہ دانیوں میں	اِنْ اَرَادُوْٓا	اگر چاہیں وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اِنْ كُنَّ	اگر ہوں وہ	اِصْلَاحًا	اصلاح (سنوارنا)	عَزِيْزٌ	زبردست
يُؤْمِنَّ	ایمان رکھتیں	وَلَهُنَّ (۱)	اور ان عورتوں کے لئے	حَكِيْمٌ	حکمت والے ہیں

۹-طلاق کے بعد عورت فوراً دوسرا نکاح نہیں کرسکتی، عدت ضروری ہے

ربط: گذشتہ آیت میں ایلاء شرعی کا حکم تھا، اگر شوہر نے ایلاء کرکے طلاق کا پختہ ارادہ کرلیا، اور چار ماہ تک بیوی سے صحبت نہ کی تو چار ماہ گذرتے ہی ایک طلاق بائنہ پڑجائے گی، اب رجوع تو نہیں کرسکتا، مگر نئے مہر سے نیا نکاح کرسکتا ہے، اور طلاق کے بعد فوراً عورت دوسرا نکاح نہیں کرسکتی، عدت لازم ہے، اس عرصہ میں شوہر کے لئے سوچنے کا موقع ہوگا، اگر رکھنے کی رائے ہے تو عدت میں یا عدت کے بعد نیا نکاح کرلے، اس طرح طلاق کے تذکرہ کے بعد عدت کا بیان شروع ہوگیا، اس آیت میں عدت کے دو فائدے بیان کئے ہیں، پھر طلاقِ رجعی کی عدت میں شوہر کو جو ایک طرفہ رجوع کا حق ہے اس پر ایک اشکال کا جواب ہے۔

عدت دو مقصد سے ہے: استبرائے رحم کے لئے اور اس لئے کہ شوہر رجوع کرسکے

جب عورت کو طلاق ہوجائے تو وہ فوراً دوسرا نکاح نہیں کرسکتی، عدت ضروری ہے، تین ماہواریوں تک عورت دوسرے نکاح سے رکی رہے، عام طور پر تین ماہواریاں تین ماہ میں آتی ہے، اتنی مدت دو مصلحتوں سے رکھی گئی ہے:

پہلی مصلحت: عدت یہ بات جاننے کے لئے ہے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں؟ اور یہ جاننا اس لئے ضروری ہے کہ

(۱) لام: انتفاع کے لئے اور علی ضرر کے لئے آتا ہے یعنی عورتوں کے لئے بھی حقوق ہیں اور ان پر ذمہ داریاں بھی ہیں، اور یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے: مردوں کے لئے بھی حقوق ہیں اور ان پر بھی ذمہ داریاں ہیں اور حذف کا قرینہ: ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ ہے یعنی مردوں کا عورتوں سے ایک درجہ بڑھا ہوا ہے۔

انساب میں اختلاط نہ ہو، کسی کا بچہ کسی کی طرف منسوب نہ ہو جائے، نسب نوعِ انسانی کی خصوصیت ہے، اسی سے انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے، اور اسی لئے عورت پر لازم ہے کہ اپنی بچہ دانی کا حال بیان کرے، وہ حاملہ ہے یا حائلہ (غیر حاملہ) —— اور استبراء کے لئے ایک حیض بھی کافی تھا، مگر دوسری مصلحت سے لمبی مدت ضروری تھی، تاکہ شوہر سوچ کر نقصان کی تلافی کر سکے —— اور تین حیض سے زیادہ مدت لازم کرنے میں عورت کا ضرر ہے۔

دوسری مصلحت: اگر شوہر طلاق پر پشیمان ہو تو طلاقِ رجعی کی عدت میں یک طرفہ رجوع کر سکتا ہے، عورت راضی ہو یا نہ ہو شوہر کو رجوع کا حق ہے۔

سوال: نکاح دو طرفہ رضامندی سے منعقد ہوتا ہے، اور رجوع بھی ایک طرح کا نکاح ہے، پھر اس میں عورت کی رضامندی کا لحاظ کیوں نہیں کیا گیا؟ تنہا شوہر کو رجوع کا حق کیوں دیا؟

جواب: پہلے دو باتیں سمجھ لیں:

۱- اسلام میں بھی مرد و زن میں مساوات ہے، مگر اسلامی مساوات دوسروں کی مساوات سے مختلف ہے، دوسروں کی مساوات صرف 'حقوق' کا نام ہے، اور اسلامی مساوات حقوق اور ذمہ داریوں کے تبادلہ کا نام ہے، مثلاً: سربراہِ مملکت کے رعیت پر کچھ حقوق ہیں تو اس کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں، پھر حقوق میں اس کا ایک درجہ بڑھا ہوا ہے، اسی طرح ماں باپ اور اولاد، استاذ پیر اور متعلّم و مرید، ہر ایک کے حقوق بھی ہیں اور ذمہ داریاں بھی، اور ماں باپ اور استاذ و پیر کا ایک درجہ بڑھا ہوا ہے۔

اسی طرح عورتوں کے لئے کچھ حقوق ہیں اور ان کی کچھ ذمہ داریاں ہیں، اور مردوں کے لئے بھی کچھ حقوق ہیں اور کچھ ذمہ داریاں ہیں، اور مردوں کا ایک درجہ بڑھا ہوا ہے، یہ زبردست اللہ کی حکمت کی تقسیم ہے، اور جو عورتوں کے حقوق ہیں وہ مردوں کی ذمہ داریاں ہیں، اور جو عورتوں کی ذمہ داریاں ہیں وہ مردوں کے حقوق ہیں، مثلاً: نان و نفقہ اور اخلاقی برتاؤ عورتوں کا حق ہے، پس یہ شوہروں کی ذمہ داری ہے، اور تعظیم شوہروں کا حق ہے پس یہ عورتوں کی ذمہ داری ہے۔

۲- خاندانی زندگی کو پروان چڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ مرد و زن میں سے کوئی ایک بالا دست اور دوسرا زیردست ہو، بالا دست کہے اور زیردست مانے تو گھر جنت کا نمونہ بنے گا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے مرد کو بالا دست بنایا ہے اور عورتوں کو زیردست، اس پر اعتراض کرنا اللہ کی حکمت پر اعتراض کرنا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا حق صرف مرد کو دیا، کیونکہ یہ حق (رائٹ) نہیں ہے، بلکہ ایمرجنسی ایگزیٹ (البابُ الطّوارئ) ہے، اور آگ لگنے پر بھاگنے کا راستہ اُدھر ہی بنایا جاتا ہے جدھر ہموار جگہ ہوتی ہے، عورت کو طلاق کا اختیار دیا

جائے گا تو وہ جذباتی ہوتی ہے، روز گھر ٹوٹیں گے، ہاں اس کی بھی ضرورت ہوتی ہے، پس اس کا اختیار قاضی کے ہاتھ میں دیا ہے، وہ گھر نہ نباہ سکتی ہو تو قاضی کے پاس جائے، وہ اس کا مسئلہ حل کرے گا۔

اسی طرح رجعت کا اختیار بھی صرف شوہر کو دیا ہے، کیونکہ یہ نیا نکاح نہیں ہے، سابقہ نکاح کی بحالی ہے، اور سابقہ نکاح میں عورت کی رضامندی شامل تھی۔

آیتِ کریمہ: اور مطلقہ عورتیں خود کو انتظار میں رکھیں تین ماہواریوں تک، اور ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ چھپائیں جو کچھ اللہ نے ان کی بچہ دانیوں میں پیدا کیا ہے (حمل اور حیض سے) اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتی ہیں (یہ عدت کی پہلی مصلحت کا بیان ہے) اور ان کے شوہر ان کو لوٹا لینے کا زیادہ حق رکھتے ہیں اس (عدت) میں، اگر وہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں (یہ عدت کی دوسری مصلحت کا بیان ہے) اور ان عورتوں کے لئے حقوق ہیں جیسے ان پر ذمہ داریاں ہیں (اسی طرح مردوں کے لئے بھی حقوق ہیں اور ان پر بھی ذمہ داریاں ہیں) دستور کے موافق (اس کی تفصیل احادیث میں ہے) اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ زبردست بڑے حکمت والے ہیں (یہ اعتراض کا جواب ہے)

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (۱)	طلاق دو بار ہے	فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ	پھر روکنا ہے بھلے طریقے سے	اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ	یا چھوڑنا ہے حسن سلوک کے ساتھ

(۱) مرتان: أي مرةً بعد مرةٍ: دو بار یعنی ایک ساتھ نہیں۔

وَلَا يَحِلُّ	اور جائز نہیں	عَلَيْهِمَا	دونوں پر	حَتّٰى تَنْكِحَ	یہاں تک کہ نکاح کرے وہ
لَكُمْ	تمہارے لئے	فِيْمَا	اس میں جو	زَوْجًا	کسی شوہر پر
اَنْ تَاْخُذُوْا	کہ لو تم	افْتَدَتْ	جان چھڑائے عورت	غَيْرَهٗ	پہلے شوہر کے علاوہ
مِمَّآ	اس میں سے جو	بِهٖ	اس کے ذریعہ	فَاِنْ طَلَّقَهَا	پھر اگر طلاق دے وہ اس کو
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ	دیا ہے تم نے ان کو	تِلْكَ	یہ	فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں
شَيْئًا	کچھ بھی	حُدُوْدُ اللّٰهِ	اللہ کے احکام ہیں	عَلَيْهِمَآ	دونوں پر
اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	فَلَا تَعْتَدُوْهَا	پس نہ آگے بڑھو ان سے	اَنْ يَّتَرَاجَعَآ (۳)	کہ باہم مل جائیں
يَّخَافَآ (۱)	ڈریں دونوں	وَمَنْ يَّتَعَدَّ	اور جو آگے بڑھے گا		(نکاح کرلیں)
اَلَّا	کہ نہیں	حُدُوْدَ اللّٰهِ	اللہ کے ضابطوں سے	اِنْ ظَنَّآ	اگر خیال ہو دونوں کا
يُقِيْمَا	قائم رکھیں گے وہ	فَاُولٰٓئِكَ	تو وہی لوگ	اَنْ يُّقِيْمَا	کہ قائم کریں گے
حُدُوْدَ اللّٰهِ	اللہ کے حکموں کو	هُمُ الظّٰلِمُوْنَ	اپنا نقصان کرنے والے ہیں	حُدُوْدَ اللّٰهِ	اللہ کے ضابطوں کو
فَاِنْ خِفْتُمْ	پس اگر ڈرو تم (اے حکمو)	فَاِنْ طَلَّقَهَا	پھر اگر (تیسری) طلاق	وَتِلْكَ	اور یہ
اَلَّا يُقِيْمَا	کہ نہیں قائم رکھیں گے		دی شوہر نے عورت کو	حُدُوْدُ اللّٰهِ	اللہ کے احکام ہیں
	دونوں	فَلَا تَحِلُّ	تو حلال نہیں عورت	يُبَيِّنُهَا	واضح کرتے ہیں ان کو
حُدُوْدَ اللّٰهِ	اللہ کے ضابطوں کو	لَهٗ	اس شوہر کے لئے	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں	مِنْۢ بَعْدُ (۲)	اس کے بعد	يَّعْلَمُوْنَ	جو جانتے ہیں

ربط اور خلاصہ: گذشتہ آیت میں شوہر کو عدت میں رجعت کا اختیار دیا تھا، اب یہ بیان ہے کہ رجعت کرنے کا اختیار صرف ایک صورت میں ہے اور دو صورتوں میں رجعت نہیں ہوسکتی، جب ایک یا دو رجعی طلاقیں دی ہوں تو عدت میں رجعت جائز ہے، اور اگر مال کے عوض طلاق دی ہے یا تین طلاقیں دی ہیں تو رجعت جائز نہیں، البتہ خلع (طلاق علی المال) میں جدید نکاح ہوسکتا ہے، اور تین طلاقوں میں حلالہ ضروری ہے۔

اور ان آیات میں پانچ باتیں ہیں:

(۱) یخافا: یعنی زوجین، اور خفتم: یعنی حکمین (۲) من بعد: مضاف الیہ محذوف منوی ہے، اس لئے مبنی ہے أی: بعد الثالثة۔ (۳) تراجع (تفاعل): ایک دوسرے کی طرف لوٹنا، دوبارہ نکاح کرلینا۔

۱-رجعت کا حق دو رجعی طلاقوں تک ہے، بائنہ طلاق میں رجعت نہیں ہوسکتی، البتہ نیا نکاح ہوسکتا ہے۔
۲-اگر شوہر: عورت کو چھوڑنا چاہتا ہے، عورت نہیں چاہتی، وہ نباہ کرنا چاہتی ہے تو بوقتِ طلاق سارا مہر یا اس کا کوئی جزءواپس لینا جائز نہیں۔
۳-اگر کشاکشی دنوں جانب سے ہے، نباہ دونوں کے لئے مشکل ہے تو طلاق کا عوض لے سکتے ہیں، مگر مہر سے زیادہ کا مطالبہ درست نہیں۔
۴-تیسری طلاق ہرگز نہیں دینی چاہئے، اس سے معاملہ تنگ ہوجائے گا، عورت مغلظہ ہوجائے گی اور حلالہ ضروری ہوگا۔
۵-حلالہ کے بعد پہلے شوہر سے نکاح درست ہے۔

۱۰-رجعت کا حق دو رجعی طلاقوں تک ہے

گذشتہ آیت میں شوہر کو رجعت کا حق دیا ہے، یہ حق دو رجعی طلاقوں تک ہے، طلاق دینے کا وقت: ایسا طہر ہے جس میں صحبت نہ کی ہو، اور بہتر یہ ہے کہ صریح (واضح) لفظ سے ایک طلاق دے، پھر عدت گذرنے دے، عدت کے بعد عورت نکاح سے نکل جائے گی، اور دوسرا نکاح کرسکے گی۔ اور اگر چاہے تو اگلے طہر میں دوسری صریح طلاق دے، تیسری طلاق ہرگز نہ دے، ورنہ معاملہ تنگ ہوجائے گا۔

غرض: شوہر کا رجعت کا حق دو رجعی طلاقوں تک ہی ہے، پھر اگر رجعت کرے تو نباہ کرنے کی نیت سے کرے، عورت کو پریشان کرنا یا عدت کو لمبا کرنا مقصود نہ ہو، بھلے طریقہ کا یہی مطلب ہے، اور اگر نہ رکھنی ہو تو عدت پوری ہونے دے، پھر حسنِ سلوک کرکے رخصت کرے، آگے (آیت ۲۴۱) میں آرہا ہے کہ طلاق والیوں کو جوڑا دینا مستحب ہے، اور مطلقہ عورت پر لازم ہے کہ وہ شوہر کے گھر میں عدت گذارے، وہاں سے شوہر خوش کرکے رخصت کرے۔

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ ﴾

ترجمہ: طلاق دوبار ہے، پھر بھلے طریقہ سے روک لینا ہے —— یعنی رجعت کرنا ہے —— یا حسن سلوک کرکے رخصت کرنا ہے۔

۱۱-طلاق کے وقت مہر واپس لینا جائز نہیں

اگر شوہر چھوڑنا چاہتا ہے، عورت کی طرف سے طلاق کی کوئی چاہت نہیں تو بوقتِ طلاق سارا مہر یا اس کا کوئی حصہ واپس لینا جائز نہیں، کیونکہ شوہر: عورت سے استفادہ کرچکا ہے، مہر: اس کا عوض بن گیا ہے، اور عورت کا کوئی قصور نہیں، شوہر کی نظر پھر گئی ہے، اس لئے سارا مہر یا اس کا کوئی حصہ واپس لینا جائز نہیں۔

﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا ﴾

ترجمہ: اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم اس (مہر) میں سے کچھ بھی (واپس) لو جو تم نے ان کو دیا ہے ـــــ اس میں اشارہ ہے کہ مہر نکاح میں کیش (نقد) ہونا چاہئے، اور ادھار ہو تو بوقتِ طلاق پورا مہر ادا کیا جائے، کچھ روکا نہ جائے۔

۱۲- طلاق علی المال (خلع) کی صورت میں سارا مہر یا کچھ مہر واپس لینا جائز ہے

اگر عدم موافقت جانبین سے ہو، نہ شوہر بیوی کو چاہتا ہے، نہ بیوی شوہر کو، تو سورۃ النساء (آیات ۳۴ و ۳۵) میں ترتیب وار چار حل آئے ہیں، فہمائش کرنا، خواب گاہ میں الگ کرنا، تأدیب کرنا اور پنچایت بٹھانا، اگر ان سے معاملہ قابو میں نہ آئے، اور میاں بیوی کو اندیشہ ہو کہ وہ ساتھ رہ کر ایک دوسرے کے حقوق ادا نہیں کر سکیں گے، اور جو رشتہ دار حکم (ثالث) بن کر بیچ میں پڑے ہیں ان کو بھی ڈر ہو کہ اب دونوں کا نباہ مشکل ہے، تو ایسی صورت میں شوہر سارا مہر یا اس کا کچھ حصہ واپس لے سکتا ہے، کیونکہ اس صورت میں قصور عورت کا بھی ہے۔

پھر آیت کے آخر میں نصیحت کی ہے کہ یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں، ان کو بجالانا چاہئے، اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا، اللہ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

ملحوظہ: طلاق علی المال اور خلع ایک ہیں، اگر معاملہ نمٹاتے وقت لفظ طلاق استعمال کیا ہے تو وہ طلاق علی المال ہے، اور لفظ خلع استعمال کیا ہے تو وہ خلع ہے، اگر یوں کہا کہ میں تجھے مہر کے عوض طلاق دیتا ہوں اور عورت نے قبول کیا تو ایک طلاق بائنہ پڑے گی، اور اگر کہا کہ میں مہر کے عوض خلع دیتا ہوں اور عورت نے قبول کیا تو بھی ایک طلاقِ بائنہ پڑے گی، اب رجعت تو نہیں ہو سکتی، مگر عدت میں یا عدت کے بعد نیا نکاح ہو سکتا ہے۔

﴿ اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾

ترجمہ: (مہر میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں) لیکن اگر دونوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کے حکموں کی پابندی نہیں کر سکیں گے ـــــ یعنی ایک دوسرے کے حقوق ادا نہیں کر سکیں گے، نہ ذمہ داریاں نباہ سکیں گے ـــــ تو اگر تمہیں ـــــ اے پنچو اور رشتہ دارو ـــــ خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ کے احکام کی پابندی نہیں کریں گے، تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں، اس (مال کے لینے دینے) میں جس کے ذریعہ عورت اپنی جان چھڑائے!

(نصیحت:) یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں، پس ان کی خلاف ورزی مت کرو، اور جو اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرے گا وہ اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مارے گا!

۱۳-تیسری طلاق ہرگز نہ دے، ورنہ معاملہ تنگ ہوجائے گا

شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے، مگر شوہر کو چاہئے کہ وہ اپنا سارا حق استعمال نہ کرے، ایک یا دو طلاقوں پر اکتفا کرے، اگر تیسری طلاق دے گا تو عورت مغلظہ ہوجائے گی، اب نہ رجوع ہوسکے گا نہ نکاح، عورت کو دوسرے شخص سے نکاح کرنا پڑے گا، جس کو شوہر کی غیرت کیسے گوارہ کرے گی!

﴿ فَإِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ ﴾

ترجمہ: پھر اگر شوہر نے اس کو (تیسری) طلاق دی تو وہ عورت اس کے لئے تیسری کے بعد حلال نہیں، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ شوہر سے نکاح کرے!

۱۴-حلالہ کے بعد پہلے شوہر کا اس عورت سے نکاح درست ہے

جو عورت تین طلاقیں دینے کی وجہ سے مغلظہ ہوگئی وہ عدت کے بعد کسی اور شوہر سے نکاح کرے، پھر اگر دوسرا شوہر صحبت کرنے کے بعد مرجائے یا طلاق دیدے تو اس کی عدت کے بعد پہلا شوہر اس سے نکاح کرسکتا ہے۔

حلالہ اگرچہ شرعاً ناپسندیدہ عمل ہے، مگر اس کا اثر مرتب ہوگا، جیسے حیض میں طلاق دینا ناپسندیدہ ہے، مگر طلاق واقع ہوجاتی ہے، اسی طرح ایک ساتھ تین طلاقیں دینا برا ہے، مگر وہ واقع ہوجاتی ہیں، جیسے زہر کھانا حرام ہے اور کسی کو ناحق قتل کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے، مگر جو زہر کھائے گا وہ مرجائے گا، اور ناحق گولی مارے گا تو بھی مرجائے گا۔

فائدہ(۱): اسکیم بنا کر حلالہ کرنا کرانا نہایت برا ہے، حدیث میں دوسرے شوہر کو **التَّيْسُ الْمُسْتَعَار** (بکری گابھن کرنے کے لئے مانگا ہوا بکرا) کہا ہے، اور حدیث میں دونوں شوہروں پر لعنت بھیجی ہے، تاہم اگر ایجاب وقبول میں حلالہ کا ذکر نہیں، اور دوسرا شوہر صحبت کرنے کے بعد طلاق دے تو اس کی عدت کے بعد عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوجائے گی، جس حدیث میں لعنت بھیجی گئی ہے اس میں دوسرے شوہر کو **مُحِلّ** اور پہلے شوہر کو **مُحَلَّلٌ لَهٗ** کہا ہے یعنی حلال کرنے والا اور جس کے لئے حلال کیا، معلوم ہوا کہ حلالہ برا فعل ہے، مگر عورت حلال ہوجائے گی۔

اور حلالہ میں دوسرے شوہر کی صحبت کی شرط حدیث **عُسَيْلَة** سے لگی ہے، اور ﴿ حَتّٰى تَنۡكِحَ ﴾ میں نکاح کے لغوی معنی بھی 'ملاپ' کے ہیں۔ پس آیت کے اشارے سے بھی صحبت کی شرط نکلتی ہے۔

فائدہ(۲): اور اگر پہلا شوہر اور مطلقہ بےخبر ہوں، اور کوئی بھلا مانس اس نیت سے اس سے نکاح کرے کہ صحبت کر کے طلاق دیدے گا، تاکہ وہ پہلے شوہر سے نکاح کر کے اپنے بچوں میں مل جائے تو ایسا کرنا مستحب ہے اور سلف سے ثابت ہے۔

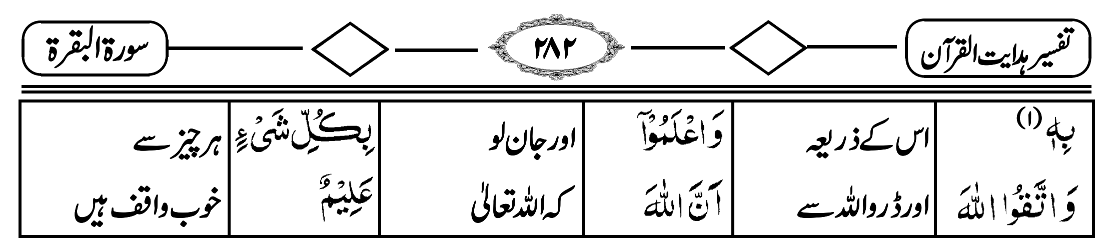
﴿ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۲۳۰ ﴾

ترجمہ: پھر اگر وہ (دوسرا شوہر) اس کو طلاق دیدے تو دونوں پر (پہلے شوہر اور اس کی مطلقہ پر) کوئی گناہ نہیں کہ دونوں (نکاح کرکے) باہم مل جائیں، اگر دونوں کا خیال ہو کہ وہ اللہ کے ضابطوں کی پابندی کریں گے اور یہ اللہ کے احکام ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ان لوگوں کے لئے واضح کرتے ہیں جو جانتے ہیں! ـــــ یعنی جاننا چاہتے ہیں، بالقوۃ جاننا مراد ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ ھُزُوًا ۡ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۳۱ۧ

وَاِذَا	اور جب	وَلَا تُمْسِكُوْھُنَّ	اور نہ روکو ان کو	هُزُوًا	ٹھٹھا (کھلونا)
طَلَّقْتُمُ	طلاق دی تم نے	ضِرَارًا (۱)	نقصان پہنچانے کیلئے	وَاذْكُرُوْا	اور یاد کرو
النِّسَاۗءَ	عورتوں کو	لِّتَعْتَدُوْا	تاکہ زیادتی کرو تم	نِعْمَتَ اللّٰهِ	اللہ کے احسانات
فَبَلَغْنَ	پس پہنچیں وہ	وَمَنْ يَّفْعَلْ	اور جو کرے گا	عَلَيْكُمْ	تم پر
اَجَلَهُنَّ	اپنی مدت کو	ذٰلِكَ (۲)	ایسا	وَمَآ اَنْزَلَ (۳)	اور جو اتارا اس نے
فَاَمْسِكُوْھُنَّ	پس روکو ان کو	فَقَدْ ظَلَمَ	تو اس نے نقصان کیا	عَلَيْكُمْ	تم پر
بِمَعْرُوْفٍ	حسبِ دستور	نَفْسَهٗ	اپنا	مِّنَ الْكِتٰبِ	قرآن سے
اَوْ سَرِّحُوْھُنَّ	یا چھوڑو ان کو	وَلَا تَتَّخِذُوْٓا	اور نہ بناؤ	وَالْحِكْمَةِ	اور احادیث سے
بِمَعْرُوْفٍ	حسبِ دستور	اٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کے احکام کو	يَعِظُكُمْ	نصیحت کرتے ہیں وہ تم کو

(۱) ضِرَارًا: مفعول لہٗ ہے (۲) ذلك: کا مشار الیہ ضراراً ہے (۳) ما أنزل کا عطف نعمت اللہ پر ہے۔



بِہٖ (1)	اس کے ذریعہ	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز سے
وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو اللہ سے	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	عَلِيْمٌ	خوب واقف ہیں

۱۵-عورت کو پریشان کرنے کے لئے رجعت کرنا شریعت کے ساتھ کھلواڑ ہے!

طلاق رجعی کے بعد دوصورتیں ہیں، یا تو رجعت کرے اور بیوی کو نکاح میں لوٹا لے، یا عدت پوری ہونے دے، عدت کے بعد وہ نکاح سے نکل جائے گی اور دوسرا نکاح کر سکے گی، اس دوسری صورت میں تو کوئی مسئلہ نہیں، البتہ رجعت کی صورت میں: بعض لوگوں کا مقصد عورت کو پریشان کرنا ہوتا ہے، وہ اس کو نکاح میں لوٹا کر 'سیدھا' کرنا چاہتے ہیں، اس آیت میں اس کی سخت ممانعت ہے، یہ اللہ کے احکام کے ساتھ یعنی رجعت کی اجازت کے ساتھ کھلواڑ ہے، پس ایسا ہرگز نہ کیا جائے، سلیقہ سے رکھنا مقصود ہو تو رجعت کرے، ورنہ حکم شریعت کے مطابق چھوڑ دے۔

آیتِ پاک: اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دیدی، پھر ان کی عدت پوری ہونے کو آئی، پس یا تو ان کو حسبِ دستور روک لو یا حسبِ دستور چھوڑ دو —— یہ نئی بات بیان کرنے کے لئے تمہید لوٹائی ہے، تکرار نہیں ہے، یہ قرآنِ کریم کا اسلوب ہے —— اور ان کو نقصان پہنچانے کے لئے مت روکو کہ تم زیادتی کرو —— یہ مقصودِ کلام ہے —— اور جو یہ کام کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، اور تم اللہ کے احکام کو کھلونا مت بناؤ —— یعنی جوازِ رجعت کی رخصت سے غلط فائدہ مت اٹھاؤ —— اور تم اپنے اوپر اللہ کے احسانات کو اور قرآن وحدیث کو یاد کرو —— عطفِ تفسیری ہے، قرآن وحدیث اللہ کی نعمتیں ہیں، ان کو پڑھو اور ان کے احکام کی کما حقہ تعمیل کرو —— اللہ تعالیٰ تم کو ہر ایک کے ذریعہ نصیحت کرتے ہیں —— یعنی قرآن وحدیث تمہارے فائدے کے لئے نازل کی گئی ہیں —— اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہیں!

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

وَاِذَا	اور جب	طَلَّقْتُمُ	طلاق دی تم نے	النِّسَآءَ	عورتوں کو

(۱) بہ: کا مرجع کل واحد من الکتب والحکمۃ ہے، اور مفرد کی ضمیر اس لئے ہے کہ کتاب وسنت ایک ہیں، دونوں وحی ہیں۔

فَبَلَغْنَ	پس پہنچ گئیں وہ	بِالْمَعْرُوْفِ	دستور کے موافق	ذٰلِكُمْ(۳)	یہ (حکم)
اَجَلَهُنَّ	اپنی مدت کو	ذٰلِكَ	یہ (حکم)	اَزْكٰى لَكُمْ	ستھرائی ہے تمہارے لئے
فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ(۱)	پس نہ روکو ان کو	يُوْعَظُ بِهٖ	نصیحت کی جاتی ہے اس سے	وَاَطْهَرُ	اور زیادہ پاکیزگی
اَنْ يَّنْكِحْنَ(۲)	کہ شادی کریں وہ	مَنْ كَانَ مِنْكُمْ	اس کو جو تم میں سے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اَزْوَاجَهُنَّ	اپنے شوہروں سے	يُؤْمِنُ	ایمان رکھتا ہے	يَعْلَمُ	جانتے ہیں
اِذَا تَرَاضَوْا	جب خوش دل ہوجائیں وہ	بِاللّٰهِ	اللہ پر	وَاَنْتُمْ	اور تم
بَيْنَهُمْ	باہم	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت پر	لَا تَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے

۱۶- اگر عورت پہلے شوہر سے نکاح کرنا چاہے تو اولیاء نہ روکیں

طلاقِ رجعی کی عدت میں شوہر کو رجعت کرنے کا حق ہے، لیکن ختم عدت کے بعد یہ حق نہیں، البتہ نیا نکاح ہوسکتا ہے، اور طلاقِ بائنہ میں عدت میں اور عدت کے بعد نکاح کی تجدید ہوسکتی ہے، پس اگر مطلقہ عورت پہلے شوہر ہی سے نکاح کرنا چاہے تو اولیاء اس کو نہ روکیں، اس میں مصلحت ہے، اور شانِ نزول کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت معقِل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کا ایک شخص سے نکاح کردیا، اس نے رجعی طلاق دیدی، اور عدت میں رجوع نہیں کیا، عدت ختم ہونے کے بعد دوسرے لوگوں کے ساتھ زوجِ اول نے بھی نکاح کا پیغام دیا، عورت بھی اس پر راضی تھی، مگر عورت کے بھائی حضرت معقِلؓ کو غصہ آگیا، انھوں نے بہنوئی کو ٹکا سا جواب دیدیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، بھائی فوراً تیار ہوگئے، اور بہن کا اس سے نکاح کردیا۔

آیتِ کریمہ: اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر ان کی عدت پوری ہوجائے، پس ان کو ان کے شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو، جب وہ باہم خوش دل ہوجائیں، جائز طریقہ پر —— یعنی ان سے نکاح جائز ہو، عورت مغلظہ نہ ہوگئی ہو —— یہ ناصحانہ حکم ہے ان کے لئے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں —— ناصحانہ: یعنی خیر خواہانہ، قربان جایئے ربِ کریم کی عنایتوں کے! کیسا پیار بھرا انداز ہے! —— اس حکم میں تمہارے لئے ستھرائی اور پاکیزگی ہے! —— کیونکہ عورت کی پہلے خاوند کی طرف رغبت ہے، پس اگر اس کے ساتھ نکاح نہیں کرنے دوگے تو راہ و رسم پیدا ہوگی، اور برائی کا اندیشہ ہے، پس اس کے ساتھ نکاح ہونے میں ستھرائی اور پاکیزگی ہے، دونوں گناہ سے بچیں گے ——

(۱) عَضْل (باب نصر) سختی کے ساتھ روکنا، عَضْلَة سے ماخوذ ہے، پس عَضْل کے معنی ہوئے: بازو پکڑ کر باندھ دینا (۲) أن ینکحن: هن سے بدل اشتمال ہے یا اس سے پہلے مِن محذوف ہے اور متعلّق لاتعضلوهن ہے (۳): ذلکم: میں کم ضمیر خطاب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے —— یہ دوسری مرتبہ پیار و محبت سے تعمیل حکم کی ترغیب دی ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

وَالْوَالِدٰتُ	اور جننے والیاں (مائیں)	رِزْقُهُنَّ	ان کی روزی	لَهٗ	اس کے لئے
يُرْضِعْنَ	دودھ پلائیں	وَكِسْوَتُهُنَّ	اور ان کا کپڑا ہے	بِوَلَدِهٖ	اس کے بچے کی وجہ سے
اَوْلَادَهُنَّ	اپنے بچوں کو	بِالْمَعْرُوْفِ	عرف کے مطابق	وَعَلَى الْوَارِثِ	اور (بچے کے) وارث پر
حَوْلَيْنِ	دو سال	لَا تُكَلَّفُ	نہیں حکم دیا جاتا	مِثْلُ ذٰلِكَ	اس کے مانند ہے
كَامِلَيْنِ	پورے	نَفْسٌ	کوئی شخص	فَاِنْ اَرَادَا	پھر اگر چاہیں دونوں
لِمَنْ اَرَادَ	اس کے لئے جو چاہتا ہے	اِلَّا وُسْعَهَا	مگر اس کی گنجائش کے بقدر	فِصَالًا	دودھ چھڑانا
اَنْ يُّتِمَّ	کہ پورا کرے	لَا تُضَآرَّ (۳)	نہ نقصان پہنچائی جائے	عَنْ تَرَاضٍ (۴)	رضامندی سے
الرَّضَاعَةَ (۱)	دودھ پینا	وَالِدَةٌ	جننے والی	مِّنْهُمَا	باہمی
وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ (۲)	اور اس پر جو جنا گیا بچہ	بِوَلَدِهَا	اس کے بچے کی وجہ سے	وَتَشَاوُرٍ (۵)	اور باہمی مشورہ سے
لَهٗ	اس کے لئے	وَلَا مَوْلُوْدٌ	اور نہ جو جنا گیا	فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں

(۱) **الرَّضاعة**: باب ضرب، سمع اور فتح کا مصدر ہے: پستان سے دودھ پینا (۲) **مولود له**: جس کے لئے بچہ جنا گیا ہے یعنی باپ، اس میں اشارہ ہے کہ نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے (۳) **تُضَارَ**: مُضَارَّة سے مضارع مجہول، صیغہ واحد مؤنث غائب: تنگ کرنا، نقصان پہنچانا (۴) **تراض**: مصدر باب تفاعل: باہمی رضامندی، ایک کا دوسرے سے راضی ہونا، اصل میں تَرَاضِیٌ تھا (۵) **تشاور**: مصدر باب تفاعل: آپس میں مشورہ کرنا

عَلَيۡهِمَا	دونوں پر	عَلَيۡكُمۡ	تم پر	اللّٰهَ	اللہ سے
وَاِنۡ اَرَدۡتُّمۡ	اور اگر چاہو تم	اِذَا سَلَّمۡتُمۡ	جب سپرد کرو	وَاعۡلَمُوۡٓا	اور جان لو
اَنۡ تَسۡتَرۡضِعُوۡٓا (۱)	کہ دودھ پلواؤ	مَّآ اٰتَيۡتُمۡ	جو دینا طے کیا ہے تم نے	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
اَوۡلَادَكُمۡ	اپنے بچوں کو	بِالۡمَعۡرُوۡفِ	عرف کے مطابق	بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو
فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں	وَاتَّقُوا	اور ڈرو	بَصِيۡرٌ	خوب دیکھ رہے ہیں

۱۷-عدت کے بعد رضاعت کے احکام

عدت کا بیان ابھی باقی ہے، درمیان میں رضاعت کا بیان ہے، اس لئے کہ عدت کے بعد کبھی بچوں کی پرورش کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے، اور اس آیت میں چھ باتیں ہیں:

۱-رَضاعت (دودھ پلانے) کی زیادہ سے زیادہ مدت دوسال ہے، اس مدت تک دودھ پلانا جائز ہے، اس کے بعد دودھ پلانا حرام ہے، احناف کے یہاں بھی فتوی اسی پر ہے، اور یہ صاحبین کا قول ہے، امام صاحب کے نزدیک مدتِ رضاعت ڈھائی سال ہے، اتنی عمر میں دودھ پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی، فتوی اسی پر ہے، اس میں احتیاط ہے۔

۲-عدت کے بعد ماں دودھ پلائے تو بچہ کے خرچ کے علاوہ ماں کا خرچ بھی باپ پر واجب ہے۔

۳-خرچ ماں باپ کی حیثیت کے لحاظ سے دیا جائے گا، شریعت کا ضابطہ ہے کہ حکم بقدر وسعت دیا جاتا ہے، پس نہ خرچ کم دے کر ماں کو نقصان پہنچایا جائے، نہ زیادہ کا مطالبہ کر کے باپ کو الجھن میں ڈالا جائے۔

۴-اگر باپ کی وفات ہوگئی ہو تو بچہ کے وارث پر دونوں کا خرچہ واجب ہے، اور چند وارث ہوں تو بقدر حصص خرچہ اٹھائیں۔

۵-ماں باپ باہم مشورہ کر کے دوسال سے پہلے بھی دودھ چھڑا سکتے ہیں اور ڈاکٹر کا مشورہ بھی شامل کرلیں تو واہ واہ!

۶-ماں کے علاوہ دوسری انا سے دودھ پلوانا بھی جائز ہے، اور اس کو بھی طے شدہ نفقہ دینا ضروری ہے۔

پھر آخر میں نصیحت ہے کہ اللہ سے ڈرو، اس کے احکام کی خلاف ورزی مت کرو، وہ تمہارے سب کاموں سے خوب واقف ہیں۔

۱-رضاعت کی مدت دوسال ہے: ارشاد فرماتے ہیں: اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دوسال تک دودھ پلائیں، یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو دودھ پینے کی مدت پوری کرنا چاہتا ہے —— یعنی زیادہ سے زیادہ مدت دوسال ہے، اس

---

(۱) تسترضعوا: اِسۡتِرۡضَاع سے مضارع، جمع مذکر حاضر: دودھ پلوانا۔

کے بعد دودھ پلانا حرام ہے، البتہ کسی مصلحت سے پہلے دودھ چھڑا سکتے ہیں، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

۲- عدت کے بعد ماں دودھ پلائے تو خرچ باپ کے ذمہ ہے: —— اگر بچہ کی ماں نکاح میں ہو تو دودھ پلانے کا خرچ نہیں دیا جائے گا، کیونکہ بیوی کا خرچہ شوہر پر ہے ہی، اسی طرح ماں طلاق کی عدت میں ہو تو بھی خرچہ نہیں دیا جائے گا، کیونکہ معتدہ کا خرچہ بھی شوہر پر ہے، البتہ عدت کے بعد ماں دودھ پلائے، اور بچہ کی پرورش کرے تو بچہ کے خرچ کے علاوہ ماں کا خرچ بھی دینا ہوگا، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور باپ پر (جس کے لئے بچہ جنا گیا ہے) ماؤں کا کھانا کپڑا ہے۔

۳- خرچ ماں اور باپ کی حیثیت کے لحاظ سے دیا جائے گا: ارشاد فرماتے ہیں: عرف کے لحاظ سے —— یعنی ماں اور باپ کی حیثیت کا لحاظ کر کے، اس لئے کہ شریعت کا ضابطہ ہے کہ —— کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا حکم نہیں دیا جاتا (پس) نہ ماں نقصان پہنچائی جائے اس کے بچہ کی وجہ سے، اور نہ باپ نقصان پہنچایا جائے، اس کے بچہ کی وجہ سے —— یعنی باپ کے ساتھ ماں کی حیثیت کا بھی لحاظ کیا جائے۔

۴- باپ نہ ہو تو وارث خرچہ دیں: ارشاد فرماتے ہیں: اور (بچہ کے) وارث پر اسی کے بقدر وجوب ہے —— اگر باپ کا انتقال ہو گیا، اور بچہ مالدار ہے تو اس کے مال سے دودھ پلانے کی اجرت دی جائے گی، ورنہ جو محرم رشتہ دار اس کی میراث کے حقدار ہیں ان پر اجرت واجب ہوگی اور اگر متعدد ورثاء ہوں تو اپنے حصۂ میراث کے تناسب سے خرچ دیں۔

۵- دو سال سے پہلے بھی دودھ چھڑا سکتے ہیں: ارشاد فرماتے ہیں: —— پھر اگر دونوں (ماں باپ) باہمی رضامندی اور مشورہ سے (دو سال سے پہلے) دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں —— بچہ عام طور پر ایک سال کے بعد روٹی پکڑ لیتا ہے یا باہر کا دودھ لینے لگتا ہے، اور ماں کا دودھ بھی کم ہو جاتا ہے، پس اگر مصلحت ہو تو پہلے بھی دودھ چھڑایا جا سکتا ہے، البتہ جب تک ماں کو پرورش کا حق ہے بچہ ماں کے پاس رہے گا، اور اس کا خرچہ دیا جائے گا، اور دودھ چھڑانے کے بعد ماں کا نفقہ نہیں دیا جائے گا۔

۶- دوسری انّا سے دودھ پلوانا بھی جائز ہے: ارشاد فرماتے ہیں: اور اگر تم —— اس میں باپ کے ساتھ ورثاء کو بھی ملحوظ رکھا ہے —— اپنے بچوں کو (کسی انّا سے) دودھ پلوانا چاہو تو (بھی) تم پر کوئی گناہ نہیں، جب تم ان کے حوالے کرو جو اجرت عرف کے لحاظ سے طے پائی ہے —— یعنی ان سے بھی اجرت پر دودھ پلوا سکتے ہو۔

نصیحت: اور اللہ سے ڈرو —— یعنی احکام خداوندی کی خلاف ورزی مت کرو —— اور جان لو کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب دیکھ رہے ہیں!

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ	چار ماہ	فِيْمَا فَعَلْنَ	اس میں جو کیا انھوں نے
يُتَوَفَّوْنَ(۱)	مرجائیں	وَّعَشْرًا	اور دس دن	فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ	اپنے حق میں
مِنْكُمْ	تم میں سے	فَاِذَا	پس جب	بِالْمَعْرُوْفِ	شریعت کے موافق
وَيَذَرُوْنَ(۲)	اور چھوڑ جائیں	بَلَغْنَ	پہنچ جائیں وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ
اَزْوَاجًا	بیویاں	اَجَلَهُنَّ	اپنی مدت کو	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم
يَّتَرَبَّصْنَ	انتظار میں رکھیں وہ	فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں		کرتے ہو
بِاَنْفُسِهِنَّ	اپنے آپ کو	عَلَيْكُمْ	تم پر	خَبِيْرٌ	پورے باخبر ہیں

۱۸- حائلہ (غیر حاملہ) کی عدتِ وفات چار ماہ دس دن ہے

اگر عورت حاملہ نہ ہو تو شوہر کی موت کی عدت چار ماہ دس دن ہیں، اور حاملہ ہو تو وضع حمل ہے، پھر وہ جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے، مرحوم کے ورثاء کا اس پر کوئی حق نہیں، جاہلیتِ قدیمہ اور جدیدہ میں عورت بھی میراث سمجھی جاتی ہے، ورثاء جہاں چاہتے ہیں اس کا نکاح کرتے ہیں یا وہ ایک دو بچوں کو لے کر بیٹھی رہتی ہے، یہ دونوں باتیں غلط ہیں، عدت تک نکاح سے رکنا ضروری ہے، پھر اگر نکاح کے قابل ہے تو نکاح کرے، اور اولاد کی پرورش کی ذمہ داری اولیاء کی ہے، ماں کی نہیں۔

آیتِ کریمہ: اور تم میں سے جو لوگ انتقال کر جائیں، اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ خود کو چار ماہ دس دن تک انتظار میں رکھیں، پھر جب وہ اپنی مقررہ مدت کو پہنچ جائیں تو تم پر (ورثاء پر) کچھ گناہ نہیں اس میں جو انھوں نے اپنے حق میں کیا، حکم شریعت کے مطابق، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے پورے باخبر ہیں جو تم کرتے ہو!

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ

(۱) يُتَوَفَّوْنَ: مضارع مجہول، جمع مذکر غائب، تَوَفِّي: مصدر باب تفعُّل: مرجانا، وفات پانا (۲) يذرون: مضارع، جمع مذکر غائب، وَذَرَ يَذَرُ وَذْرًا: چھوڑنا۔

اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۥ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

وَلَا جُنَاحَ	اور کچھ گناہ نہیں	وَلٰكِنْ	لیکن	اَجَلَهٗ	اس کی مقررہ مدت کو
عَلَيْكُمْ	تم پر	لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ (۳)	ان سے وعدہ مت ٹھہراؤ	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو
فِيْمَا	اس میں جو	سِرًّا	پوشیدگی میں	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
عَرَّضْتُمْ (۱)	اشارہ کنایہ میں کہو تم	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	يَعْلَمُ	جانتے ہیں
بِهٖ	وہ بات	تَقُوْلُوْا	کہو تم	مَا	جو
مِنْ خِطْبَةِ	پیام سے	قَوْلًا	بات	فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ	تمہارے دلوں میں ہے
النِّسَآءِ	عورتوں کے	مَّعْرُوْفًا	بھلی (جائز)	فَاحْذَرُوْهُ	پس ڈرو ان سے
اَوْ اَكْنَنْتُمْ (۲)	یا چھپائی تم نے	وَلَا تَعْزِمُوْا (۴)	اور نہ پکی کرلو	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو
فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ	تمہارے دلوں میں	عُقْدَةَ	گتھی	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
عَلِمَ اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے جانا	النِّكَاحِ	نکاح کی	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
اَنَّكُمْ	کہ تم	حَتّٰى يَبْلُغَ	یہاں تک کہ پہنچے	حَلِيْمٌ	بڑے بردبار ہیں
سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ	اب ذکر کروگے ان کا	الْكِتٰبُ	نوشتہ	۞	۞

۱۹- عدت میں نہ نکاح جائز نہ پیامِ نکاح، ہاں دل میں ارادہ رکھ سکتے ہیں اور اشارہ بھی کرسکتے ہیں

جب عورت نکاح سے جدا ہوگئی، خواہ شوہر کی وفات ہوگئی یا طلاق بائنہ پڑگئی، اور عورت عدت میں بیٹھ گئی، تو اب جب تک وہ عدت میں ہے نہ نکاح جائز نہ پیامِ نکاح اور نہ صاف وعدہ لینا، ہاں دل میں نیت رکھ سکتے ہیں، اور اشارہ کنایہ میں مطلب بھی ظاہر کرسکتے ہیں، تاکہ کوئی اور پہل نہ کربیٹھے ـــــ اور اشارہ کنایہ کو لوگ سمجھتے ہیں، اور قوموں کے محاورات بھی مختلف ہیں، اردو میں 'گوری' اور عربی میں حیاتی اور انگریزی میں ڈارلنگ سے خطاب میں ایک اشارہ ہے۔

(۱) تعریض: بغیر کھولے بات کہنا (۲) إکنان: دل میں رکھنا (۳) مُوَاعَدَة: ایک دوسرے سے وعدہ کرنا (۴) عَزْم (ض) محکم کرنا، پکا کرنا۔

آیتِ کریمہ: اورتم پراس میں کوئی گناہ نہیں کہ اشارہ کنایہ میں عورتوں کونکاح کا پیام دو، یا اپنے دلوں میں (نکاح کا ارادہ) چھپاؤ —— اور وجہ اجازت یہ ہے کہ —— اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم ان عورتوں کا ذکر کروگے —— کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ کسی عورت سے نکاح کا خواہش مند ہو تو ذکر کئے بغیر نہیں رہتا —— مگر چپکے سے ان سے وعدہ مت ٹھہراؤ، ہاں بھلی بات کہہ سکتے ہو —— وہی اشارہ کنایہ میں بات کہنا مراد ہے —— اور نکاح کی گرہ مضبوط مت باندھو جب تک نوشتہ اس کی مدت کو نہ پہنچ جائے —— یعنی عدت میں نکاح جائز نہیں —— اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرو —— یعنی ناجائز بات کا دل میں ارادہ بھی مت کرو —— اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے بردبار ہیں —— یعنی اگر کسی ناجائز بات کا ارادہ کیا، پھر توبہ کرلی تو وہ معاف کردیں گے، اور توبہ نہیں کی اور فوراً سزا نہیں ملی تو وہ ان کی بردباری ہے، دھوکہ مت کھاؤ، آخرت میں سزا ملے گی۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾

لَا جُنَاحَ	کچھ گناہ نہیں	مَا (۱)	جب تک	فَرِيضَةً	کچھ مقرر کرنا
عَلَيْكُمْ	تم پر	لَمْ تَمَسُّوهُنَّ	نہ چھویا ہو تم نے ان کو	وَمَتِّعُوهُنَّ	اور کچھ مال وغیرہ دو ان کو
إِنْ طَلَّقْتُمُ	اگر طلاق دو تم	أَوْ تَفْرِضُوا (۲)	یا (نہ) مقرر کیا ہو	عَلَى الْمُوسِعِ	مقدور پر
النِّسَاءَ	عورتوں کو	لَهُنَّ	ان کے لئے	قَدَرُهُ	اس کی حیثیت سے

(۱) ما: مصدریہ ظرفیہ ہے، جیسے مَا دُمْتُ حَيًّا: أي مدةَ دوامي حيا: جب تک میں زندہ ہوں (۲) تفرضوا کا عطف تمسوهن پر ہے، پس لم یہاں بھی آئے گا اور أو: مانعۃ الخلو کا ہے۔ مانعۃ الخلو میں دو باتیں جمع ہوسکتی ہیں، مرتفع نہیں ہوسکتیں۔

وَعَلَى الْمُقْتِرِ	اور تنگ دست پر	فَرَضْتُمْ	مقرر کیا ہے تم نے	عُقْدَةُ	گرہ
قَدَرُهٗ	اس کی حیثیت سے	لَهُنَّ	ان کے لئے	النِّكَاحِ	نکاح کی
مَتَاعًا[1]	فائدہ پہنچانا	فَرِيْضَةً	کچھ مقرر کرنا	وَاَنْ تَعْفُوْٓا[3]	اور (مرد کا) معاف کرنا
بِالْمَعْرُوْفِ	حسب دستور	فَنِصْفُ	تو آدھا ہے	اَقْرَبُ	زیادہ قریب ہے
حَقًّا[2]	لازم ہے	مَا	اس کا جو	لِلتَّقْوٰى	پرہیزگاری سے
عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں پر	فَرَضْتُمْ	تم نے مقرر کیا ہے	وَلَا تَنْسَوُا	اور مت بھولو
وَاِنْ	اور اگر	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	الْفَضْلَ	احسان کرنا
طَلَّقْتُمُوْهُنَّ	طلاق دو تم ان کو	يَّعْفُوْنَ	معاف کریں عورتیں	بَيْنَكُمْ	آپس میں
مِنْ قَبْلِ	پہلے	اَوْ يَعْفُوَا	یا معاف کرے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ	ان کو ہاتھ لگانے کے	الَّذِيْ	وہ شخص جو	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو
وَقَدْ	درانحالیکہ تحقیق	بِيَدِهٖ	اس کے ہاتھ میں ہے	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں

۲۰- خلوتِ صحیحہ اور مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دینا جائز ہے، اور اس صورت میں متعہ واجب ہے

خلوتِ صحیحہ: کسی ایسی جگہ میاں بیوی کا جمع ہونا جہاں صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہو، اور مجامعت کے لئے تنہائی شرط نہیں، اور نکاح کی صحت کے لئے مہر کا مقرر ہونا یا اس کا تذکرہ ہونا ضروری نہیں، بعد میں بھی مقرر کیا جا سکتا ہے، البتہ نکاح میں مہر ضروری ہے۔

اور متعہ کے معنی ہیں: فائدہ پہنچانا، برتنے کے لئے مال سامان دینا، اور متعہ کی کم سے کم مقدار چار کپڑے ہیں، کرتا، پاجامہ، اوڑھنی اور بڑی چادر جس میں سر سے پیر تک لپٹ سکے (برقعہ) (بہشتی زیور) اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مطلقہ کو دس ہزار درہم دیئے ہیں۔

اگر نکاح ہو گیا اور کوئی مہر مقرر نہیں ہوا، پھر مجامعت یا خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دینا چاہے تو جائز ہے، اور اس صورت میں شوہر پر متعہ واجب ہے، اور یہ شوہر اپنی حیثیت کے لحاظ سے دے گا، بیوی کی حیثیت کا اس میں لحاظ نہیں ہوگا، اور جوڑے کی قیمت مہر مثل کے آدھے سے نہ بڑھے، یعنی ایسا قیمتی جوڑا مرد پر واجب نہیں، یوں خوشی سے بڑھیا کپڑے

---

(۱) متاعاً: متعوھن کا مفعولِ مطلق ہے، اور بالمعروف: متاعًا (مصدر) سے متعلق ہے (۲) حقا: فعل محذوف کا مفعولِ مطلق ہے: أي يَحِقُّ حَقًّا: پکی بات ہے (۳) أن تعفوا: مبتدا اور أقرب خبر ہے، اور أن مصدریہ ہے۔

دے تو اس کی مرضی۔

﴿لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴾

ترجمہ: تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دو، جب تک تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو، یا ان کے لئے کوئی مہر مقرر نہ کیا ہو —— یہ ایک وہم دفع کیا ہے، کوئی کہہ سکتا ہے کہ جب نکاح ہوا تو مہر بھی ہوگا اور عورت سے استفادہ بھی ہوگا، ان امور سے پہلے طلاق تو ایک کھیل ہوا! —— جواب یہ ہے کہ ایسی ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے طلاق دینا جائز ہے، رہا مہر کا معاملہ تو اس کی جگہ متعہ دے گا، کیونکہ استفادہ نہیں کیا، فرماتے ہیں: —— اور ان کو متعہ (برتنے کی چیز) دو، مقدور والا اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق، یہ عرف کے مطابق فائدہ پہنچانا ہے، یہ نیکوکاروں پر لازم ہے! —— یعنی واجب ہے، اور دلیلِ وجوب ساتھ ہے کہ جو شوہر متعہ دے گا وہ نیک مسلمان ہے اور جو نہیں دے گا وہ گنہ گار ہے۔

۲۱-خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دی، اور مہر مقرر ہوا تھا تو آدھا مہر واجب ہے

گذشتہ آیت میں مانعۃ الخلو کا ﴿اَوْ﴾ آیا تھا، اور اس میں دونوں باتیں جمع تھیں، خلوتِ صحیحہ بھی نہیں ہوئی تھی اور مہر بھی مقرر نہیں ہوا تھا، اب اس آیت میں دوسری صورت ہے، اس میں ایک بات ہے، خلوتِ صحیحہ نہیں ہوئی، مگر مہر مقرر ہوا ہے، اور طلاق کی نوبت آگئی تو آدھا مہر واجب ہے، یاد رہے کہ مانعۃ الخلو میں دونوں باتیں جمع ہوسکتی ہیں، دونوں مرتفع نہیں ہوسکتیں، ایک کا باقی رہنا ضروری ہے، اور وہ یہی دوسری صورت ہے۔

﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾

ترجمہ: اور اگر تم ان کو طلاق دو، ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے، اور تم نے ان کے لئے بطور مہر کچھ مقرر کیا ہے، تو مقرر کئے ہوئے کا آدھا دو۔

۲۲-بیوی اور شوہر آدھا مہر چھوڑ سکتے ہیں، اور شوہر کا چھوڑنا بہتر ہے

خلوت سے پہلے طلاق ہوجانے کی صورت میں چونکہ شوہر نے بیوی سے فائدہ نہیں اٹھایا اس لئے اگر عورت آدھا مہر چھوڑ دے تو ایسا کرنا چاہئے، اور اگر شوہر دریا دلی کا مظاہرہ کرے اور پورا مہر دے یا آدھا مہر واپس نہ لے تو ایسا بھی ہوسکتا ہے، اور یہ دوسری صورت بہتر ہے، اس سے شوہر کا بڑکپن ظاہر ہوگا، اور تعلقات مزید ہموار ہونگے، اور لوگوں کو باہم

احسان کرنا نہیں بھولنا چاہئے، اس سے معاشرہ پروان چڑھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کے سب کاموں کو دیکھ رہے ہیں، جو بھی آدھا چھوڑے گا اس کو جزائے خیر دیں گے۔

﴿اِلَّآ اَنْ یَّعْفُوْنَ اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲۳۷﴾﴾

ترجمہ: (آدھا مہر واجب ہے) مگر یہ کہ عورتیں معاف کریں، یا وہ شخص معاف کرے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے ـــــ یعنی شوہر معاف کرے، وہی نکاح کی گرہ کھولنے کا یعنی طلاق دینے کا اختیار رکھتا ہے ـــــ اور شوہر کا معاف کرنا پرہیزگاری سے قریب تر ہے، اور تم باہم احسان کرنا مت بھولو، بے شک اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہے ہیں!

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

حٰفِظُوْا	پابندی کرو	قٰنِتِیْنَ [1]	باادب	فَاذْكُرُوا	تو یاد کرو
عَلَی الصَّلَوٰتِ	نمازوں کی	فَاِنْ خِفْتُمْ	پھر اگر ڈرو تم	اللّٰهَ	اللہ کو
وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی	اور درمیانی نماز کی	فَرِجَالًا [2]	تو پیادہ	كَمَا عَلَّمَكُمْ	جس طرح سکھلایا تم کو
وَقُوْمُوْا	اور کھڑے ہو	اَوْ رُكْبَانًا	یا سواری پر (پڑھو)	مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا	جو نہیں تھے تم
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	فَاِذَآ اَمِنْتُمْ	پھر جب مطمئن ہو جاؤ تم	تَعْلَمُوْنَ	جانتے

ربط: طلاق، رجعت، عدت اور مہر کے مسائل پورے ہوئے، یہ سب احکام مصالح پر مبنی تھے: ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ﴾ سے ایسے ہی احکام کا بیان شروع ہوا ہے جن میں مصالح اور مفاسد کی رعایت ہے، اب احکام آگے بڑھاتے ہیں، اب یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر خطرہ شدید ہو تو پیدل یا سواری پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، اور یہ جواز بھی بربنائے مصلحت ہے۔ اور ان آیتوں میں نماز کے تعلق سے چار باتیں ہیں، مقصود تیسری بات ہے، پہلی دو باتیں تمہید ہیں اور آخری بات تنبیہ ہے۔

(۱) قانت: اسم فاعل، قَنَتَ (ن) قُنوتا کے متعدد معانی کئے گئے ہیں، فرمان برداری کرنا، اظہارِ عاجزی کرنا، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے 'باادب' ترجمہ کیا ہے (۲) رجالاً: رَاجِل کی جمع ہے: پیادہ، رَجُل کی جمع نہیں۔

۲۴۳-نماز کی پابندی کا حکم

نماز کے اوقات مقرر ہیں، انہی اوقات میں نماز پڑھنا ضروری ہے، سورۃ النساء (آیت ۱۰۳) میں ہے: ﴿ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ﴾: بے شک نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اوقات کا لحاظ کر کے، یعنی نماز کے اوقات مقرر ہیں، انہی اوقات میں نماز پڑھنا ضروری ہے، اور حدیث میں ہے: إن للصلاۃ أولاً و آخرًا: نماز کے اوقات کی ابتدا اور انتہا ہے (ترمذی) اور یہاں حکم دیا ہے کہ سبھی نمازوں کی پابندی کرو، یعنی نمازیں ان کے اوقات میں پڑھو، قضا مت کرو، خاص طور پر درمیانی نماز جو مشغولیت کے دوران آتی ہے اس کا خاص خیال رکھو، پس یہ تیسری بات کی تمہید ہے کہ شدید خطرہ میں بھی نماز بروقت پڑھنا ضروری ہے، ہیئت وحالت میں تبدیلی ہوگی مگر وقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

﴿حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی﴾

ترجمہ: سب نمازوں کی (عام طور پر) اور درمیانی نماز کی (خاص طور پر) پابندی کرو۔

درمیانی نماز کونسی ہے؟

متعدد صحیح احادیث میں صلوٰۃ وسطی کی تفسیر نماز عصر سے آئی ہے، کیونکہ اس کے ایک طرف میں دن کی دو نمازیں فجر اور ظہر ہیں، اور دوسری طرف میں رات کی دو نمازیں مغرب اور عشاء ہیں، اور حضرت عائشہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ درمیانی نماز ظہر کی نماز ہے، اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ درمیانی نماز صبح کی نماز ہے۔

سوال: مرفوع احادیث کی موجودگی میں ان حضرات نے دوسری تفسیر کیوں کی؟

جواب: نبی ﷺ نے نماز عصر کو صلوٰۃ وسطی کا مصداق اس لئے نہیں قرار دیا تھا کہ وہ عصر کی نماز ہے، بلکہ اس نماز میں لوگوں کے غفلت برتنے کا امکان تھا اس لئے اس کو مصداق بنایا تھا، بعد میں جب لوگ ظہر اور فجر میں غفلت برتنے لگے تو مذکور صحابہ نے ان کو مصداق بنایا، جیسے مدارس میں طالب علم فجر اور ظہر میں سوتے رہتے ہیں، جب ان کے سامنے آیت کی تفسیر کی جائے گی تو انہیں نمازوں کو صلوٰۃ وسطی کا مصداق قرار دیا جائے گا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ کبھی آیت میں امر کلی مذکور ہوتا ہے، جس کے مصداق متعدد ہو سکتے ہیں، ایسی صورت میں آیت کی متعدد تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب نمازیں پانچ ہیں تو ہر نماز درمیانی نماز ہو سکتی ہے اور خصوصیت سے اس کے اہتمام کا حکم بر بنائے غفلت دیا گیا ہے، پس مختلف زمانوں میں لوگ جس نماز میں غفلت برتنے لگے صحابہ نے اسی کو آیت کا مصداق قرار دیا، تاکہ لوگوں کی غفلت دور ہو۔

آیت سے پانچ نمازوں کا ثبوت:

یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ نمازیں پانچ ہیں، کیونکہ ''صلوٰۃ وسطیٰ'' کا عطف ''صلوات'' ہے، عربی قواعد کی رو سے یہ بات ضروری ہے کہ ''صلوٰۃ وسطیٰ'' صلوات میں شامل نہ ہو، کیونکہ عطف مغایرت یعنی دونوں کے الگ الگ ہونے کو ظاہر کرتا ہے، ''صلوات'' کا اطلاق جمع ہونے کی وجہ سے کم سے کم تین پر ہوگا، لیکن اگر اس سے تین نمازیں مراد ہوں تو ''صلوٰۃ وسطیٰ'' چوتھی نماز ہوگی اور چار نمازوں میں کوئی نماز بیچ کی نماز نہیں ہوسکتی، بیچ کی نماز اسی وقت ہوسکتی ہے جب طاق عدد ہو، اس لئے ماننا پڑے گا کہ ''صلوات'' سے چار نمازیں اور ''صلوٰۃ وسطیٰ'' سے پانچویں نماز مراد ہے، لہٰذا پانچ نمازوں کا ثبوت خود قرآنِ مجید سے ہے، منکرین حدیث ــــ جو اپنے کو ''اہل قرآن'' کہتے ہیں ــــ پانچ نمازوں کے قائل نہیں، تین کے قائل ہیں، وہ دراصل حدیث ہی کے نہیں، قرآن کے بھی منکر ہیں۔ واللہ ھو الھادی۔

(آسان تفسیر ۱:۴۰۳ از مولانا خالد سیف اللہ صاحب زید مجدہ)

دوسری بات: ــــ نماز میں باادب کھڑے رہو ــــ نماز کے لئے فرائض، واجبات، سنن اور آداب ہیں، اسی طرح نواقض اور مکروہات ہیں، نماز میں سب کی رعایت ضروری ہے، لفظ ادب عام استعمال کیا ہے، فرض نہیں رہے گا تو نماز باطل ہوجائے گی، واجب چھوٹ جائے گا تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا، سنت چھوڑ دے گا تو نماز میں کمی آئے گی، اور ادب کی رعایت نہیں کرے گا تو نماز بے رونق ہوجائے گی، اسی طرح نواقض سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، نماز میں کھانے پینے اور بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، اور مکروہ کے ارتکاب سے نماز ناقص ہوتی ہے، غرض یہ بھی اگلے حکم کی تمہید ہے، نماز باقاعدہ پڑھنا ضروری ہے، مگر شدید خوف میں بعض چیزوں میں چھوٹ دی گئی ہے، مگر بروقت نماز پڑھنا ضروری ہے۔

﴿ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾

ترجمہ: اور اللہ کے سامنے باادب کھڑے رہو! ــــ یعنی مأمورات ومنہیات کی رعایت کرکے بروقت نماز ادا کرو۔

نماز میں کلام کی ممانعت: پہلے نماز میں ضروری بات چیت کرتے تھے، سلام کا جواب بھی دیتے تھے، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں کو نماز میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا، اب نماز میں کلام کی مطلق گنجائش نہیں، اس مسئلہ میں تین حدیثیں ہیں جو تحفۃ القاری (۵۲۱:۳) میں ہیں۔

تیسری بات: ــــ خوف شدید ہو اور صلوٰۃ الخوف پڑھنے کی کوئی صورت نہ ہو تو نماز کیسے پڑھیں؟ ــــ اگر دشمن کا یا درندہ وغیرہ کا ڈر ہو، اور زمین پر اتر کر جماعت کرنا اور صلوٰۃ الخوف پڑھنا مشکل ہو تو پھر ہر شخص تنہا تنہا نماز پڑھے، سوار سواری پر اور پیادہ زمین پر، حنفیہ اسی کے قائل ہیں کہ اگر جنگ ہو رہی ہو یا جنگ تو نہیں ہو رہی مگر خطرہ شدید ہے تو ہر

شخص تنہا نماز پڑھے، لیکن نماز رک کر پڑھنا ضروری ہے، چل بھی رہا ہو اور نماز بھی پڑھ رہا ہو یا سواری چل رہی ہو اور نماز پڑھ رہا ہو یہ صحیح نہیں، نماز نہیں ہوگی۔

﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ﴾

ترجمہ: پھر اگر تم کو اندیشہ ہو تو پیدل یا سواری پر چڑھے ہوئے نماز پڑھ لیا کرو —— مگر وقت میں پڑھو، اور اس کی بھی صورت نہ ہو تو نماز قضا پڑھیں گے، غزوۂ احزاب میں نبی ﷺ نے نمازیں قضا پڑھی ہیں، اور یہی حکم بیان کرنا اس آیت میں مقصود ہے۔

چوتھی بات: —— جب امن ہو جائے تو باقاعدہ نماز پڑھی جائے —— یہ تنبیہ ہے کہ جب امن ہو جائے تو نیچے اتر کر رکوع سجدہ کے ساتھ قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کی جائے، اوپر خوف وخطرہ کی حالت کا حکم تھا کہ جس طرح ممکن ہو نماز ادا کرے، زمین پر کھڑے یا سواری پر بیٹھے، رکوع سجدہ کے ساتھ یا اشارہ سے، قبلہ کی طرف رخ کر کے یا جدھر رخ کر سکے: نماز پڑھے، پھر جب خوف جاتا رہے تو معمول کے مطابق نماز ادا کی جائے۔

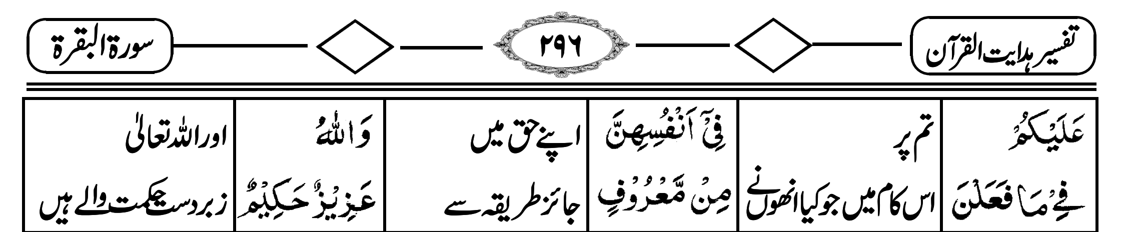
﴿ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾ ﴾

ترجمہ: پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرو —— یعنی نماز پڑھو —— جس طرح تم کو سکھلایا ہے وہ طریقہ جو تم نہیں جانتے تھے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۖ وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٤٠﴾

وَالَّذِينَ	اور جو لوگ	أَزْوَاجًا	بیویاں	إِلَى الْحَوْلِ (٢)	ایک سال تک
يُتَوَفَّوْنَ	مرجائیں	وَصِيَّةً (١)	وصیت کرنا ہے	غَيْرَ إِخْرَاجٍ (٣)	نکالے بغیر
مِنْكُمْ	تم میں سے	لِأَزْوَاجِهِمْ	اپنی بیویوں کے لئے	فَإِنْ خَرَجْنَ	پھر اگر وہ نکل جائیں
وَيَذَرُونَ	اور چھوڑیں	مَتَاعًا	فائدہ اٹھانا	فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں

(۱) وصيةً: فعل محذوف فَلْيُوْصُوْا کا مفعول مطلق ہے (۲) متاعًا: فعل محذوف يُعطوهن کا مفعول بہ ہے (۳) غير إخراج: أزواج کا حال ہے۔



عَلَيْكُمْ	تم پر	فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ	اپنے حق میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فِيْ مَا فَعَلْنَ	اس کام میں جو کیا انھوں نے	مِنْ مَّعْرُوْفٍ	جائز طریقہ سے	عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ	زبردست حکمت والے ہیں

۲۴- بیوی کے لئے ایک سال کے سکنی کی وصیت کرنا

یہ بھی مصلحت پر مبنی حکم ہے، عدتِ طلاق میں تو مطلقہ کا نفقہ اور سکنی شوہر پر واجب ہے، کیونکہ عورت اس کے حق میں محبوس ہے، اور عدتِ وفات میں معتدہ کے لئے نہ نفقہ ہے نہ سکنی، کیونکہ اس کو کس پر واجب کریں گے؟ شوہر کا ذمہ تو موت کے بعد وجوب کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور اس کا ترکہ میراث بن گیا ہے، اور میت کے ورثاء پر بھی نفقہ اور سکنی واجب نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ نکاح سے اجنبی ہیں، ہاں میراث میں بیوی کا حصہ ہے، پس وہ اپنے حصۂ میراث میں سے خرچ کرے، مگر کبھی صورت نازک ہوتی ہے، شوہر نادار ہوتا ہے اور عورت کے لئے کوئی ٹھکانہ (میکہ وغیرہ) نہیں ہوتا، ایسی صورت میں شوہر کو وصیت کرنی چاہئے کہ ورثاء بیوی کو سال بھر مکان میں رہنے دیں، وہ وہاں عدت گذارے گی، پھر دوسرا نکاح کر کے چلی جائے گی، مگر وہ ایک سال تک اس مکان میں رہنے کی پابند نہیں، عدت کے بعد جلدی نکاح ہو جائے تو جلدی چلی جائے گی، اور وصیت اموال کی طرح منافع کی بھی ہو سکتی ہے۔

فائدہ: قرآنِ کریم نے لفظ سکنی استعمال نہیں کیا، لفظ متاع استعمال کیا ہے، متاع کے معنی ہیں: اسبابِ زندگی، پس اس کے مفہوم میں نفقہ بھی ہے، میت کے ورثاء ایک سال تک رضا کارانہ بیوی کا نفقہ بھی دیں اور اگر وہ نہ دیں تو معتدہ اپنے جیب سے خرچ کرے اور غریب ہو تو دن میں کام کاج کے لئے نکلے اور کما کر گذارہ کرے یا مسلمانوں کا صالح معاشرہ اس کا تعاون کرے۔

ضمنی مسئلہ: شوہر کے انتقال کے بعد عورت کو چاہئے کہ وہ اسی گھر میں عدت گذارے جس میں وہ شوہر کے ساتھ رہا کرتی تھی، شدید ضرورت کے بغیر کسی اور جگہ (میکہ وغیرہ میں) جا کر عدت گذارنا درست نہیں البتہ حضرت عطاء اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ کے نزدیک جہاں چاہے عدت گذار سکتی ہے۔

آیتِ کریمہ: اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں، اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جائیں کہ ان کو ایک سال تک مکان سے فائدہ اٹھانے دیا جائے، ان کو وہاں سے نکالا نہ جائے، پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اُس میں جو انھوں نے اپنے حق میں قاعدہ کے مطابق کیا، اور اللہ تعالیٰ زبردست صاحب حکمت ہیں —— وہ عورت کا دوسرا انتظام کر سکتے ہیں، مگر اسی میں مصلحت ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَي الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ

اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴۲﴾

۳۱ ع ۷ ۱۵

وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ	اور طلاق والیوں کو	عَلَی الۡمُتَّقِیۡنَ	پرہیزگاروں پر	لَکُمۡ	تمہارے لئے
مَتَاعٌ	فائدہ پہنچانا ہے	کَذٰلِکَ	اس طرح	اٰیٰتِہٖ	اپنے احکامات
بِالۡمَعۡرُوۡفِ	معروف طریقہ پر	یُبَیِّنُ	کھول کر بیان کرتے ہیں	لَعَلَّکُمۡ	تاکہ تم
حَقًّا	برحق ہے	اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ	تَعۡقِلُوۡنَ	سمجھو

۲۵-طلاق والیوں کو تحفہ تحائف دے کر رخصت کرنا

ایک مطلقہ کو تو متعہ دینا واجب ہے، اس کا ذکر (آیت ۲۳۶) میں آیا ہے، باقی مطلقات کو چونکہ مہر ملتا ہے اس لئے متعہ واجب نہیں، البتہ ان کو بھی تحفہ تحائف دے کر رخصت کرنا مستحب ہے، ترکِ تعلقات بھی ہوں تو خوشی کے ساتھ! مطلقہ عورت شوہر کے گھر میں عدت گذارتی ہے، اس لئے جب وہ عدت پوری کر کے رخصت ہو تو اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہئے، اور یہ حکم بھی بر بنائے مصلحت ہے۔

ایک واقعہ: ایک مولانا صاحب پردیسی تھے، ان کا نکاح ہوا، بیوی سے موافقت نہیں ہوئی، انھوں نے خسر کو بلایا اور صورتِ حال ان کے سامنے رکھی، انھوں نے کہا: آپ میری بیٹی کو طلاق دیدیں، چنانچہ وہ ایک رجعی طلاق دے کر بستر اٹھا کر مسجد میں چلے گئے، جس میں وہ نماز پڑھاتے تھے، خسر اپنی لڑکی کے ساتھ رہے، جب عدت پوری ہوئی تو مولانا صاحب گھر آئے، اور بیوی سے کہا: آپ گھر میں سے جو لے جانا چاہیں لے جائیں، اس نے ماچس بھی نہیں چھوڑی، چلتے وقت خسر نے کہا: آپ ہفتہ دس دن کے بعد تشریف لائیں، مولانا صاحب گئے تو انھوں نے چھوٹی لڑکی ان کے نکاح میں دیدی، وہ بیوی لے کر گھر آئے اور وہ ہمیشہ ان کے نکاح میں رہی، یہ حسن سلوک کا فائدہ ہے۔

آیاتِ پاک: اور طلاق دی ہوئی عورتوں کو فائدہ پہنچانا ہے ریت رواج کے مطابق، پرہیزگاروں پر لازم ہے، یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ تم سمجھو! —— اس میں اشارہ ہے کہ آگے نہج بدلے گا۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ وَہُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ۪ فَقَالَ لَہُمُ اللّٰہُ مُوۡتُوۡا ۟ ثُمَّ اَحۡیَاہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ

عَلِيْمٌ ﴿٢٤٤﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٤٥﴾

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو	عَلَى النَّاسِ	لوگوں پر	يُقْرِضُ	قرض دے
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	وَلٰكِنَّ	لیکن	اللّٰهَ	اللہ کو
خَرَجُوْا	نکلے	اَكْثَرَ النَّاسِ	اکثر لوگ	قَرْضًا	قرض
مِنْ دِيَارِهِمْ	اپنے گھروں سے	لَا يَشْكُرُوْنَ	شکر نہیں بجالاتے	حَسَنًا	اچھا
وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	وَقَاتِلُوْا	اور لڑو تم	فَيُضٰعِفَهٗ	پس بڑھائیں وہ اس کو
اُلُوْفٌ	ہزاروں تھے	فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	لَهٗٓ	اس کے لئے
حَذَرَ الْمَوْتِ (۱)	موت کے ڈر سے	اللّٰهِ	اللہ کے	اَضْعَافًا	گنا
فَقَالَ لَهُمُ	پس کہا ان سے	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو تم	كَثِيْرَةً	بہت
اللّٰهُ	اللہ نے	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
مُوْتُوْا	مرو تم	سَمِيْعٌ	خوب سننے والے	يَقْبِضُ	سکیڑتے ہیں
ثُمَّ اَحْيَاهُمْ	پھر زندہ کیا ان کو	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	وَيَبْصُۜطُ	اور کشادہ کرتے ہیں
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	مَنْ ذَا	یہ کون ہے	وَاِلَيْهِ	اور اسی کی طرف
لَذُوْ فَضْلٍ	فضل والے ہیں	الَّذِيْ	جو	تُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جاؤ گے تم

جہاد کا بیان

اب جہاد کا بیان شروع فرماتے ہیں، یہ حکم بھی مصالح پر مبنی ہے، لوگوں کو جہاد میں موت نظر آتی ہے، مگر موت سے تو بچا نہیں جاسکتا، وہ تو مضبوط قلعوں میں بھی آئے گی، ایک قوم جو ہزاروں کی تعداد میں تھی موت سے بچنے کے لئے گھروں سے نکلی، حالانکہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں تھی، وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے، تھوڑے تو دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکتے، ہزاروں کو کوئی کیا زیر کرے گا؟ مگر موت نے ان کو دبوچ لیا، اللہ کا حکم مرگِ مناجات ثابت ہوا، پھر اللہ نے ان کو زندہ کیا، اللہ بڑے مہربان ہیں، مگر شکر گذار کون ہوتا ہے! —— یہ کون لوگ تھے؟ جہاد سے بھاگے تھے یا طاعون سے؟ اس کی تعیین کی کیا

(۱) حذرَ الموت: خرجوا کا مفعول لہٗ ہے۔

ضرورت ہے؟ بس موت سے بھاگ گئے تھے، قرآنِ کریم تاریخ کی کتاب نہیں، وہ عبرتوں کی کتاب ہے اور مرنا جینا حقیقی تھا، رمزی نہیں تھا، رمزی موت: یعنی بزدلی اور زندہ ہونا یعنی بہادر ہو جانا، یہ مراد نہیں بلکہ واقعۃً وہ مر گئے تھے، پھر اللہ نے ان کو زندہ کیا۔ آگے (آیات ۲۵۹ و ۲۶۰) میں اس کے نمونے آرہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے اس عالم میں ایسے کرشمے دکھانا کچھ مشکل نہیں۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴾

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے، درانحالیکہ وہ ہزاروں تھے، پس اللہ نے ان سے فرمایا: ''مرجاؤ!'' پھر ان کو زندہ کیا، بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربانی فرمانے والے ہیں، مگر اکثر لوگ شکر بجا نہیں لاتے!

جہاد کے لئے جانی مالی قربانی ضروری ہے

جہاد کے لئے جانی مالی قربانی ضروری ہے، جہاد فوج کے بل بوتے پر نہیں ہوتا، جب مجاہد اللہ سے لو لگا کر میدان میں اترتا ہے تو کامیابی اس کے قدم چومتی ہے، بدر میں مجاہد ۳۱۳ تھے، اور ان کے پاس ڈھنگ کے ہتھیار بھی نہیں تھے، اور سامنے ایک ہزار دشمن ہتھیاروں سے لیس تھے، مگر پلک جھپکتے مجاہدین نے پالا مار لیا، بارہا ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آتی ہے، مجاہدین کی دعائیں اللہ نے سنیں اور ان کے جذبات کی قدر کی۔

اور اگر جہاد کے لئے فنڈ نہ ہو تو مجاہدین ہی چندہ دیں، یہ اللہ کو قرض دینا ہے، اور قرض حسنہ دیں، امیر پر احسان نہ رکھیں، اور جان لیں کہ اللہ تعالیٰ یہ قرض بصورتِ غنیمت کئی گنا بڑھا کر لوٹائیں گے، اور اگر مسلمان نادار ہوں تو جان لیں کہ کشادگی کرنے والے بھی اللہ ہیں، اور تنگی کرنے والے بھی وہی ہیں، جیسے انھوں نے انسانوں کو زمین میں پھیلایا ہے اپنے پاس سمیٹیں گے بھی۔

﴿ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اللہ کے راستہ میں لڑو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں، وہ کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے؟ پس وہ اس کو کئی گنا اس کے لئے بڑھائیں، اور اللہ تعالیٰ روزی سکیڑتے ہیں اور کشادہ کرتے ہیں، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ــــــ وہاں اپنے خرچ کا صلہ الگ پاؤ گے!

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	هَلْ عَسَيْتُمْ	ہو سکتا ہے تم	وَاَبْنَآئِنَا	اور ہمارے بیٹوں سے
اِلَى الْمَلَاِ	ایک جماعت کو	اِنْ كُتِبَ	اگر فرض کیا جائے	فَلَمَّا كُتِبَ	پس جب فرض کیا گیا
مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل کی	عَلَيْكُمُ	تم پر	عَلَيْهِمُ	ان پر
مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى	موسیٰ کے بعد	الْقِتَالُ	جہاد	الْقِتَالُ	جہاد
اِذْ قَالُوْا	جب کہا انھوں نے	اَلَّا تُقَاتِلُوْا	کہ نہ لڑو تم؟	تَوَلَّوْا	(تو) پیٹھ پھیری انھوں نے
لِنَبِيٍّ لَّهُمُ	اپنے پیغمبر سے	قَالُوْا	کہا انھوں نے	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑوں نے
ابْعَثْ لَنَا	مقرر کیجیے ہمارے لئے	وَمَا لَنَآ	ہمیں کیا ہوا	مِّنْهُمْ	ان میں سے
مَلِكًا	کوئی بادشاہ	اَلَّا نُقَاتِلَ	کہ نہیں لڑیں گے ہم	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
نُّقَاتِلْ	جہاد کریں ہم	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہِ خدا میں	عَلِيْمٌۢ	خوب جانتے ہیں
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہِ خدا میں	وَقَدْ اُخْرِجْنَا	حالانکہ نکالے گئے ہیں ہم	بِالظّٰلِمِيْنَ	اپنا نقصان کرنے
قَالَ	کہا اس نے	مِنْ دِيَارِنَا	ہمارے گھروں سے		والوں کو

بنی اسرائیل نے جب جہاد کا حکم ملا تو کنّی کاٹی!

اب پارہ کے ختم تک ایک ہی سلسلۂ بیان ہے۔ سورۃ الصّف کے شروع میں ہے کہ آدمی کو کردار کا غازی بننا چاہئے گفتار کا نہیں، اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ آدمی ایک بات کہے اور کرے نہیں، بنی اسرائیل گفتار کے غازی تھے، جب عمل کا موقعہ آیا تو پیچھے ہٹ گئے۔

سورۂ مائدہ (۵:۲۴) میں ہے کہ فرعون سے نجات پانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ان عمالقہ

سے جہاد کرنے کی دعوت دی جو بنی اسرائیل کے وطن فلسطین پر قابض ہو گئے تھے، مگر بنی اسرائیل نے انکار کیا، جس کی سزا میں ان کو صحرائے سینا میں محصور کر دیا، اور اسی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گئی، بعد میں بنی اسرائیل نے اپنے نبی کی قیادت میں فلسطین کو فتح کیا، اور وہاں جا بسے، مگر آس پاس کی قومیں ان پر حملہ آور ہوتی رہتی تھیں، آخر میں فلسطین کی بت پرست قوم نے ان پر حملہ کر کے انہیں سخت شکست دی، اور وہ متبرک صندوق بھی اٹھا لے گئے جس میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متروکات تھے، بنی اسرائیل جنگ کے موقع پر اس کو آگے رکھا کرتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ایک عرصہ بعد بنی اسرائیل نے اپنے زمانہ کے پیغمبر سے درخواست کی کہ ان پر کوئی بادشاہ مقرر کیا جائے جس کے جھنڈے تلے وہ مشرک اقوام سے جہاد کریں اور اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لیں، اور اپنے لڑکوں کو غلامی سے چھڑائیں، پیغمبر نے فرمایا: اگر اللہ نے کوئی بادشاہ مقرر کیا اور جہاد کا حکم دیا تو تم پیٹھ تو نہیں پھیرو گے؟ انھوں نے جواب دیا: ہرگز نہیں! ہم گریز کیوں کریں گے، ہمارا علاقہ چھین لیا گیا ہے اور ہمارے لڑکے غلام بنا لئے گئے ہیں، ہم ضرور اللہ کے راستہ میں لڑیں گے اور اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لیں گے اور اپنے لڑکوں کو غلامی سے چھڑائیں گے! مگر جب ان پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا گیا تو اولاً تو انھوں نے اس کی سربراہی ماننے ہی سے انکار کر دیا، پھر جب ان کو دلائل سے اور کرشمہ دکھا کر قائل کیا گیا تو جہاد کے لئے نکلے۔ مگر جب طالوت نے ایک نہر پر کھرے کھوٹے کا امتحان کیا تو سب کھوٹے ثابت ہوئے، صرف ۳۱۳ کھرے نکلے، جنھوں نے جہاد کیا اور جالوت کو مار گرایا اور اپنا علاقہ دوبارہ حاصل کیا اور اپنے لوگوں کو غلامی سے چھڑایا۔

اللہ پاک اسی کا ذکر فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل ڈینگیں تو بہت مارتے تھے مگر جب وقت آیا تو سب نے پیٹھ پھیر لی! ایسے مجاہدین سے کیا امید کی جا سکتی ہے کہ وہ میدان سر کریں گے! جہاد کے لئے کردار کی ضرورت ہے، محض باتیں بنانے سے قلعہ فتح نہیں ہوتا۔

آیاتِ پاک: کیا آپ موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد —— تقریباً چار سو سال کے بعد —— بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے احوال نہیں جانتے: جب انھوں نے اپنے پیغمبر سے کہا —— بنی اسرائیل میں چار ہزار انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، یہ پیغمبر کون ہیں؟ ان کا نام قرآن میں نہیں آیا —— کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کیجئے کہ ہم راہِ خدا میں جہاد کریں —— شرعی جہاد کے لئے اجتماعیت اور امارت ضروری ہے —— پیغمبر نے کہا: اگر تم پر جہاد فرض کیا گیا تو ہو سکتا ہے تم جہاد نہ کرو! —— پھر بادشاہ مقرر کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ —— انھوں نے کہا: ہم راہِ خدا میں کیوں جہاد نہیں کریں گے، جبکہ ہم اپنے گھر بار اور بیٹوں سے نکال دیئے گئے ہیں؟ —— یعنی ہمارے علاقے پر دشمن نے قبضہ کر لیا ہے،

اور ہمارے افراد کو غلام بنالیا گیا ہے، ہم ان کی واگذاری کے لئے کیوں تن کی بازی نہیں لگائیں گے؟

پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا —— اور ان پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا گیا —— تو انھوں نے چند کے سوا —— ۳۱۳ کے سوا —— سب نے پیٹھ پھیری، اور اللہ تعالیٰ اپنا نقصان کرنے والوں کو خوب جانتے ہیں —— یعنی انھوں نے جہاد سے کنّی کاٹی تو نقصان کس کا ہوا؟ وہی ثواب سے محروم رہے!

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۚ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع

وَقَالَ لَهُمْ	اور ان سے کہا	وَنَحْنُ	اور ہم	وَزَادَهٗ	اور بڑھایا ہے اس کو
نَبِيُّهُمْ	ان کے پیغمبر نے	اَحَقُّ	زیادہ حقدار ہیں	بَسْطَةً	پھیلاؤ
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ نے	بِالْمُلْكِ	حکومت کے	فِي الْعِلْمِ	علم میں
قَدْ بَعَثَ	بالتحقیق بھیجا ہے	مِنْهُ	اس سے	وَالْجِسْمِ	اور جسم میں
لَكُمْ	تمہارے لئے	وَلَمْ يُؤْتَ	اور نہیں دیا گیا وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
طَالُوْتَ	طالوت کو	سَعَةً	گنجائش	يُؤْتِيْ	دیتے ہیں
مَلِكًا	بادشاہ	مِّنَ الْمَالِ	مالی	مُلْكَهٗ	اپنا ملک
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	قَالَ	کہا (پیغمبر نے)	مَنْ يَّشَاۗءُ	جس کو چاہتے ہیں
اَنّٰى يَكُوْنُ	کیسے ہوگی	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ نے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
لَهُ الْمُلْكُ	اس کے لئے حکومت	اصْطَفٰىهُ	چنا ہے اس کو	وَاسِعٌ	وسعت والے
عَلَيْنَا	ہم پر	عَلَيْكُمْ	تم پر	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں

وَقَالَ لَهُمْ	اور کہا ان سے	فِيْهِ سَكِيْنَةٌ	جس میں تسلی ہے	الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتے
نَبِيُّهُمْ	ان کے پیغمبر نے	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں
اِنَّ اٰيَةَ	بے شک نشانی	وَبَقِيَّةٌ	اور بچی ہوئی چیزیں ہیں	لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی ہے
مُلْكِهٖٓ	اس کی حکومت کی	مِّمَّا تَرَكَ	ان میں سے جو چھوڑی ہیں	لَّكُمْ	تمہارے لئے
اَنْ يَّاْتِيَكُمُ	(یہ ہے) کہ آئے	اٰلُ مُوْسٰى	خاندانِ موسیٰ نے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
	تمہارے پاس	وَاٰلُ هٰرُوْنَ	اور ہارون نے	مُّؤْمِنِيْنَ	یقین کرنے والے
التَّابُوْتُ	(وہ) صندق	تَحْمِلُهُ	اٹھالائیں گے اس کو	۞	۞

بنی اسرائیل نے طالوت کو بادشاہ ماننے سے انکار کیا

وقت کے پیغمبر نے فرمایا:﴿اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا﴾: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے، یہ بات انھوں نے نبی سے براہِ راست سنی، کوئی سند نہیں تھی جس کی تحقیق ضروری ہو، پھر کیا کمی رہی؟ مؤمن کا اعتماد عقل پر نہیں ہوتا، اللہ ورسول کے حکم پر ہوتا ہے، عقل تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے، اور اللہ کے رسول: اللہ کے رسول ہیں، مؤمن کو حکم رسول کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی، مگر بنی اسرائیل نے نبی کے حکم کو محل اعتراض قرار دیا، انھوں نے کہا: طالوت ہم پر کیسے حکومت کرسکتا ہے، وہ کوئی بڑا مالدار تو ہے نہیں! گویا ان کے نزدیک بادشاہ کے لئے بڑا مالدار ہونا ضروری تھا، نبی نے ان کو سمجھایا کہ یہ چیز بادشاہ کے لئے ضروری نہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہاں بڑے مالدار تھے؟ ان کے یہاں تو کھانے کے بھی لالے تھے، مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے خلافت ان کے حوالے کی تھی۔

ہاں بادشاہ کے لئے علم سیاست اور قدرتِ جسمانی ضروری ہے، علم: تدبر وانتظام کے لئے اور جسامت: رعب وقار کے لئے، اور یہ دونوں باتیں طالوت کو حاصل ہیں، پھر تم اللہ کا انتخاب کیوں نہیں مانتے؟ ملک درحقیقت اللہ کا ہے، وہ جسے چاہیں اپنا ملک بخشیں، ان کی بخشش میں کوئی تخصیص نہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ حکومت کا اہل کون ہے؟ انھوں نے طالوت کو بادشاہ نامزد کیا ہے، پھر تم کیوں چوں چرا کرتے ہو!

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۭ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۲۴۷﴾

ترجمہ: اور ان سے ان کے پیغمبر نے کہا: بالتحقیق اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے، انھوں نے کہا: وہ

ہم پر کیسے حکومت کرسکتا ہے، جبکہ ہم اس سے حکومت کے زیادہ حقدار ہیں —— بنی اسرائیل میں عرصہ سے لاوی کی نسل میں نبوت اور یہودا کی نسل میں بادشاہت چلی آرہی تھی، طالوت: دونوں خاندانوں میں سے کسی سے تعلق نہیں رکھتے تھے —— اور اس کے پاس مالی وسعت تو ہے نہیں! —— یعنی وہ معاشی اعتبار سے اہل ثروت میں شمار نہیں ہوتا، پس ہم اس کی فرماں روائی کیسے قبول کریں؟

پیغمبر نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بالیقین اس کو تم میں سے چھانٹا ہے، اور علم وجسم میں اس کو برتری بخشی ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جسے چاہتے ہیں عنایت فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے سب کچھ جاننے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کرشمہ دکھایا تب بنی اسرائیل نے مانا

بنی اسرائیل کے پاس ایک صندوق تھا، اس میں موسیٰ وہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، بنی اسرائیل کے نزدیک وہ صندوق بڑا متبرک سمجھا جاتا تھا، جہاد میں اس کو آگے رکھتے تھے، جب بنی اسرائیل نے عمالقہ سے شکست کھائی تھی تو انھوں نے اس صندوق پر بھی قبضہ کرلیا تھا، پیغمبر نے فرمایا: طالوت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ وہ صندوق تمہارے پاس پہنچ جائے، اس سے تم کو سکونِ خاطر نصیب ہوگا، اس کو دشمن قوم کے پاس سے فرشتے اٹھالائیں گے، یہ تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ماننے والے ہو، جب انھوں نے یہ معجزہ دیکھا تب کتّے کی دُم سیدھی ہوئی!

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾

ترجمہ: اور پیغمبر نے ان سے کہا: اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے جس میں تمہاری تسلی خاطر ہے تمہارے رب کی طرف سے اور اس میں موسیٰ اور ہارون کے متروکات ہیں: —— آل کالفظ مقحم (زائد) ہے —— اٹھالائیں گے اس کو فرشتے —— یعنی بطور معجزہ آئے گا —— اس میں بالیقین بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ماننے والے ہو! —— فرشتے اس کو کیسے اٹھالائے؟ اس کی وضاحت قرآنِ کریم میں نہیں، مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو اس کی واپسی منظور ہوئی تو ایسا ہوا کہ جہاں وہ تابوت رکھتے تھے وبا پھوٹ پڑتی تھی، اس لئے انھوں نے اس صندق کو بیل گاڑی پر رکھ کر بنی اسرائیل کی طرف ہنکادیا، فرشتے اس کو ہانک کر طالوت کے گھر پہنچا گئے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ

غُرْفَةً بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

فَلَمَّا فَصَلَ	پس جب جدا ہوئے	مَنِ اغْتَرَفَ	جس نے چلو بھرا	وَجُنُوْدِهٖ	اور اس کے لشکر سے
طَالُوْتُ	طالوت	غُرْفَةً	ایک چلو		(لڑنے کی)
بِالْجُنُوْدِ	لشکر کے ساتھ	بِيَدِهٖ	اپنے ہاتھ سے	قَالَ الَّذِيْنَ	کہا ان لوگوں نے جو
قَالَ	کہا انھوں نے	فَشَرِبُوْا	پس پیا انھوں نے	يَظُنُّوْنَ	خیال کرتے ہیں
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	مِنْهُ	اس سے	اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا	کہ وہ ملنے والے ہیں
مُبْتَلِيْكُمْ	جانچنے والے ہیں تم کو	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑوں نے	اللّٰهِ	اللہ سے
بِنَهَرٍ	ایک ندی سے	مِّنْهُمْ	ان میں سے	كَمْ	بارہا
فَمَنْ شَرِبَ	پس جس نے پیا	فَلَمَّا جَاوَزَهٗ	پس جب بڑھا وہ اس سے	مِّنْ فِئَةٍ	جماعت
مِنْهُ	اس سے	هُوَ وَالَّذِيْنَ	وہ اور جو لوگ	قَلِيْلَةٍ	تھوڑی
فَلَيْسَ مِنِّيْ	تو وہ میرا نہیں	اٰمَنُوْا مَعَهٗ	ایمان لائے اسکے ساتھ	غَلَبَتْ	غالب آتی ہے
وَمَنْ	اور جس نے	قَالُوْا	کہا انھوں نے	فِئَةً كَثِيْرَةً	زیادہ جماعت پر
لَّمْ يَطْعَمْهُ	نہیں چکھا اس کو	لَا طَاقَةَ	نہیں طاقت	بِاِذْنِ اللّٰهِ	بہ حکم الٰہی
فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ	تو بیشک وہ میرا ہے	لَنَا الْيَوْمَ	ہمارے اندر آج	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اِلَّا	مگر	بِجَالُوْتَ	جالوت	مَعَ الصّٰبِرِيْنَ	صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں

طالوت نے فوج کا امتحان کیا تو تین سو تیرہ ہی کھرے نکلے

جب طالوت لشکر کے ساتھ دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلے تو راستہ میں انھوں نے فوج کا امتحان کیا، تاکہ کم حوصلہ لوگ پہلے ہی چھٹ جائیں، ان کی جنگ میں شرکت نقصان رساں ہوتی ہے۔ چنانچہ راستہ میں ایک ندی آئی، طالوت نے حکم دیا: نہر سے کوئی پانی نہ پیئے، ہاں ایک چلّو بھر سکتا ہے، جو نہر سے پیئے گا وہ میرا نہیں، جب لوگ اس ندی پر پہنچے تو سخت

پیاسے تھے، بے تحاشا اس پر ٹوٹ پڑے اور پیٹ بھر کر پیا، صرف ۳۱۳ فرمان بردار نکلے، جب فوج اس ندی سے آگے بڑھی تو پانی پینے والوں نے ہتھیار ڈال دیئے، اور کہا: آج ہم جالوت اور اس کے لشکر سے لوہا نہیں لے سکتے، یہ کہہ کر وہ خود ہی لوٹ گئے، صرف کھرے مؤمنین ہی ساتھ رہ گئے، یہ نہر کونسی تھی؟ معلوم نہیں! تعیین کر کے کیا کرو گے؟ بس اتنی بات کافی ہے کہ ایک نہر پر امتحان کیا۔

آیاتِ کریمہ: پھر جب طالوت لشکر کے ساتھ (وطن سے) جدا ہوئے تو انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان کرنے والے ہیں ایک نہر کے ذریعہ، پس جو اس سے پیئے گا وہ میرا نہیں، اور جو اس کو نہیں چکھے گا وہ میرا ہے، البتہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھرنے کی اجازت ہے ــــ منی اور لیس منی محاورہ ہے، یعنی میرا ہم مزاج نہیں۔

پس ان (سب نے) نہر سے پیا، تھوڑے لوگوں کے علاوہ، پھر جب طالوت اور وہ لوگ جنھوں نے ان کی بات مانی تھی اس نہر سے آگے بڑھے تو ان لوگوں نے کہا: آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں ــــ یہ کہہ کر وہ راستہ سے لوٹ گئے۔

اور ان لوگوں نے کہا جن کا خیال تھا کہ وہ اللہ سے ملنے والے ہیں: بارہا چھوٹی جماعت بہ حکم الٰہی بڑی جماعت پر غالب آتی ہے، اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں ــــ یہ کہہ کر انھوں نے قدم آگے بڑھائے!

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

وَلَمَّا بَرَزُوْا	اور جب ظاہر ہوئے وہ	رَبَّنَآ	اے ہمارے پروردگار!	اَقْدَامَنَا	ہمارے پیر
لِجَالُوْتَ	جالوت کے لئے	اَفْرِغْ عَلَيْنَا	ریڑھ ہم پر	وَانْصُرْنَا	اور مدد کر ہماری
وَجُنُوْدِهٖ	اور اس کے لشکر کے لئے	صَبْرًا	صبر	عَلَى الْقَوْمِ	لوگوں پر
قَالُوْا	دعا کی انھوں نے	وَّثَبِّتْ	اور جما	الْكٰفِرِيْنَ	انکار کرنے والے

فَهَزَمُوْهُمْ	پس شکست دی انھوں	مِمَّا	اس میں سے جو	ذُوْ فَضْلٍ	مہربانی والے ہیں
	نے ان کو	يَشَآءُ	چاہا اس نے	عَلَى الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں پر
بِاِذْنِ اللّٰهِ	اللہ کی اجازت سے	وَلَوْلَا	اور اگر نہ	تِلْكَ	یہ
وَقَتَلَ	اور مار ڈالا	دَفْعُ اللّٰهِ	ہٹاتے اللہ	اٰيٰتُ اللّٰهِ	اللہ کی آیتیں ہیں
دَاوٗدُ	داؤد نے	النَّاسَ	لوگوں کو	نَتْلُوْهَا	پڑھتے ہیں ہم ان کو
جَالُوْتَ	جالوت کو	بَعْضَهُمْ	ان کے بعض کو	عَلَيْكَ	آپؐ کے سامنے
وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ	اور دی ان کو اللہ نے	بِبَعْضٍ	بعض کے ذریعہ	بِالْحَقِّ	ٹھیک ٹھیک
الْمُلْكَ	حکومت	لَفَسَدَتِ	البتہ خراب ہوجاتی	وَاِنَّكَ	اور بے شک آپؐ
وَالْحِكْمَةَ	اور حکمت	الْاَرْضُ	زمین	لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ	البتہ رسولوں میں سے
وَعَلَّمَهٗ	اور سکھلایا ان کو	وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	اور لیکن اللہ تعالیٰ		ہیں

طالوت کے ساتھیوں نے دعا کر کے جنگ شروع کی اور جالوت کو مار گرایا

طالوت کے تین سو تیرہ ساتھیوں نے جب دونوں طرف کی صفیں درست ہوگئیں دعا کی: ''اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر انڈیل دے، اور ہمارے قدم جمادے، اور ہمیں اسلام کا انکار کرنے والوں پر فتح نصیب فرما!'' پھر جنگ شروع ہوئی، سب سے پہلے بادشاہ جالوت خود میدان میں آیا، اور مبارز (آگے بڑھ کر لڑنے والا) طلب کیا، اِدھر سے حضرت داؤد علیہ السلام نکلے (اس وقت وہ نبی نہیں تھے) اور انھوں نے جالوت کو مار گرایا، پھر کیا تھا؟ جالوت کی فوج شکست کھا گئی، اور مجاہدین نے پالا مار لیا!

جیسے بدر میں ۳۱۳ مجاہد تھے، سامنے ایک ہزار کا لشکر جرّار تھا، اور بخاری شریف میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ طالوت کے ساتھی بھی ۳۱۳ تھے، جب دونوں طرف صفیں درست ہوگئیں تو نبی ﷺ چھپر میں تشریف لے گئے، اور دعا میں مشغول ہوگئے، اس لئے کہ دعا: دواء سے زیادہ کارگر ہوتی ہے، پھر جنگ شروع ہوئی اور ابوجہل (امیر لشکر) کا دو نوجوانوں نے کام تمام کردیا، پھر کیا تھا؟ فوج سراسیمہ ہوگئی، ستّر مارے گئے اور ستّر قید میں آئے، اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

﴿ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۣ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ ﴾

ترجمہ: اور جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے آمنا سامنا ہوا تو انھوں نے دعا کی: ''اے ہمارے رب! ہم پر صبر

انڈیل دے، اور ہمارے پیر جمادے، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما!'' پس انھوں نے ان کو بہ اذنِ الٰہی شکست دی، اور داؤد نے جالوت کو مار گرایا۔

طالوت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ بنے، اور وہ نبوت سے بھی سرفراز کئے گئے

کہتے ہیں: اس کارنامہ کی وجہ سے طالوت نے اپنی بیٹی حضرت داؤد علیہ السلام کے نکاح میں دیدی، اس طرح آئندہ حضرت داؤد علیہ السلام حکمراں ہوئے، اور نبوت سے بھی سرفراز کئے گئے، ملک سے بادشاہت اور حکمت سے نبوت کی طرف اشارہ ہے، اور علوم نبوت بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام میں حکومت اور نبوت دونوں کو جمع فرمادیا ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد ہمیشہ سے انبیاء کی سنت ہے، پس یہ کہنا صحیح نہیں کہ جہاد انبیاء ورسل کا کام نہیں۔

﴿وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ﴾

ترجمہ: اور اللہ نے اس کو (داؤد علیہ السلام کو) حکومت اور حکمت دی، اور اس کو جو چاہا سکھایا۔

جب کوئی ملت نئی ابھرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاوا دیتے ہیں

اس کے بعد ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ طالوت نے چٹ پٹ جنگ کیسے جیت لی؟ جالوت: جو میدان میں اس دعوی کے ساتھ اترا تھا کہ میں تنہا سب کے لئے کافی ہوں: اس کو حضرت داؤد علیہ السلام نے اکیلے کیسے مار گرایا؟ جبکہ مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام سب بھائیوں میں ناتواں تھے!

اس کے ساتھ اگر بدر کی مثال ملالیں تو بات اور واضح ہوگی، ۳۱۳ نہتّے کس طرح دن بھر میں ہزار کے لشکر سے نمٹ لئے؟ اور دو انصاری لڑکوں نے امیر لشکر ابوجہل کو کیسے مار گرایا؟ یہ عجوبے کیسے پیش آئے؟ کہیں یہ افسانے تو نہیں!

جواب: نہیں، یہ حقائق ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب زمین شر وفساد اور کفر وشرک سے بھر جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو مبعوث فرماتے ہیں، شروع میں ان کے ماننے والے تھوڑے ہوتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کو بڑھاوا دیتے ہیں، جب ان کی دشمنوں سے آویزش ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتے ہیں، اور ان کے ذریعہ دشمنوں کو دفع کرتے ہیں، تاکہ حق کا بول بالا ہو، اور زمین میں رشد وہدایت پھیلے، اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں تو زمین کا حال برا ہوجائے، کفر وشرک اور شر وفساد کا راج ہوجائے، اور کبھی صورتِ حال میں تبدیلی نہ آئے، اس لئے یہ اللہ کی سنت ہے، اسی کے مطابق طالوت نے جنگ جیت لی، اور اسی سنت کا بدر میں ظہور ہوا، فرشتے اترے اور میدان مجاہدین نے مارلیا!

اس کی ایک مثال: سورۃ الصف کی آخری آیت میں ہے، عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کئے گئے، مگر شروع میں ان کی دعوت قبول نہیں کی گئی، بنی اسرائیل سخت مخالف ہوگئے، قتل کے درپے ہوئے، اللہ نے ان کو تو رسوائی سے بچالیا، اپنی طرف اٹھالیا، مگر ان کے بعد ان کا دین غالب ہوکر رہا، یارانِ مسیح (حواری) تھوڑے تھے، وہ حسب ونسب کے اعتبار سے بھی کچھ معزز نہیں تھے، مسیح علیہ السلام نے ان کو پکارا، انھوں نے لبیک کہا، رفع عیسیٰؑ کے بعد انھوں نے بڑی قربانیاں دے کر بنی اسرائیل میں دعوت پھیلائی، ایک جماعت تیار ہوئی، پھر کش مکش شروع ہوئی، اور جہاد کی نوبت آئی، پس اللہ نے اہل حق کی مدد کی تو ان کا ہاتھ اوپر ہوگیا۔

﴿ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعہ نہ ہٹایا کرتے تو زمین خراب ہوجاتی، لیکن اللہ تعالیٰ جہانوں پر مہربانی فرمانے والے ہیں! —— یعنی جہاد انسانیت کی تباہی کے لئے نہیں، بلکہ انسانوں کے تحفظ اور زمین والوں کی اصلاح کے لئے ہے، اگر ظالموں کی سرکوبی نہ ہو، اور ان کے مقابلہ میں کوئی طاقت نہ ابھرے تو انسانوں کے لئے جینا دوبھر ہوجائے!

نبی ﷺ گذشتہ رسولوں سے افضل ہیں

ربط: اب گریز کی آیت ہے، موضوع بدلے گا، اب تک ان احکام کا بیان تھا جو مبنی بر مصلحت تھے، اب رسالت، آخرت اور توحید کا بیان شروع ہوگا، یہاں ترتیب برعکس ہے، یہ سلسلۂ بیان کا تقاضا ہے۔

فرماتے ہیں: بنی اسرائیل کا یہ واقعہ جو نبی ﷺ بیان فرمارہے ہیں: آپؐ کے سچے رسول ہونے کی پکی دلیل ہے، یہ اللہ کی آیتیں ہیں، جو آپؐ پر نازل کی جارہی ہیں، ان میں واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کیا گیا ہے، جبکہ نبی ﷺ اس زمانہ میں موجود نہیں تھے، پھر آپؐ وہ واقعہ کیسے بیان کررہے ہیں؟ آپؐ نہیں بیان کررہے، اللہ تعالیٰ بیان فرمارہے ہیں، پس یہ آیات دلیل ہیں کہ آپؐ بھی گذشتہ پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں، بلکہ آپؐ گذشتہ رسولوں سے بھی افضل رسول ہیں، جس کا بیان اگلی آیت میں ہے۔

﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یہ اللہ کی آیتیں ہیں، ہم ان کو آپؐ کے سامنے ٹھیک ٹھیک پڑھتے ہیں اور (یہ دلیل ہیں کہ) آپؐ یقیناً رسولوں میں سے ہیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

تِلْكَ الرُّسُلُ	وہ پیغامبر	ابْنَ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	وَلٰكِنِ	لیکن
فَضَّلْنَا	برتری بخشی ہم نے	الْبَيِّنٰتِ	واضح معجزات	اخْتَلَفُوْا	اختلاف کیا انھوں نے
بَعْضَهُمْ	ان کے بعض کو	وَاَيَّدْنٰهُ	اور قوی کیا ہم نے اس کو	فَمِنْهُمْ	پس ان میں سے بعض
عَلٰی بَعْضٍ	بعض پر	بِرُوْحِ الْقُدُسِ	پاکیزہ روح سے	مَّنْ اٰمَنَ	جو ایمان لائے
مِنْهُمْ	ان میں سے بعض	وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے	وَمِنْهُمْ	اور ان میں سے بعض
مَّنْ كَلَّمَ	جن سے گفتگو فرمائی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مَّنْ كَفَرَ	جو ایمان نہیں لائے
اللّٰهُ	اللہ نے	مَا اقْتَتَلَ	(تو) نہ لڑتے	وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے
وَرَفَعَ	اور بلند کیا	الَّذِيْنَ	جو لوگ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
بَعْضَهُمْ	ان کے بعض کے	مِنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد ہوئے	مَا اقْتَتَلُوْا	(تو) نہ لڑتے وہ
دَرَجٰتٍ	درجات	مِّنْۢ بَعْدِ	بعد	وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	مگر اللہ تعالیٰ
وَاٰتَيْنَا	اور دیئے ہم نے	مَا جَآءَتْهُمُ	ان کے پاس آنے	يَفْعَلُ	کرتے ہیں
عِيْسَى	عیسیٰ کو	الْبَيِّنٰتُ	واضح دلائل کے	مَا يُرِيْدُ	جو چاہتے ہیں

رسالت کا بیان

رسولوں کے مراتب متفاوت ہیں اور نبی ﷺ کے درجات سب سے بلند ہیں

سبھی انبیاؤرسل برگزیدہ اور اللہ کے مقبول بندے ہیں، سب کا احترام ہر مؤمن پر واجب ہے، کسی کی ادنی اہانت ایمان سے محرومی کا باعث ہے، پھر رسولوں کا مرتبہ انبیاء سے بلند ہے، رسول: صاحبِ شریعت ہوتا ہے اور نبی تابع

شریعت، موسیٰ علیہ السلام صاحبِ شریعت رسول ہیں اور ان کے بعد چار ہزار انبیاء تابع شریعت ہوئے ہیں، پھر رسولوں میں بھی تفاضل (مراتب کا فرق) ہے، پانچ اولوالعزم رسول (نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہم اجمعین) دیگر رسولوں سے بلند مرتبہ ہیں، پھر ان میں بھی تفاوتِ مراتب ہے، اور سب سے افضل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، آپ پر نبوت کا سلسلہ پورا ہو گیا، اور آپ کی بعثت دوہری ہے، آپ کی امت بھی مبعوث ہے اور وہ خیر امت ہے۔

(رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۵۰)

فضیلتِ کلی اور فضیلتِ جزئی:

فضیلت کی دو قسمیں ہیں: کلی اور جزئی، فضیلتِ کلی: یعنی بہمہ وجوہ فضیلت، اور فضیلتِ جزئی: یعنی کسی خاص بات میں فضیلت، مثلاً: ایک طالب علم دورہ میں اول آیا اور دوسرے کے بخاری شریف میں زیادہ نمبر ہیں، پس اول کو فضیلتِ کلی حاصل ہے، اور ثانی کو فضیلتِ جزئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جزئی فضیلتیں حاصل ہیں، اور نبی ﷺ کو کلی فضیلت، موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں، اللہ نے ان سے زمین میں فرشتہ کے توسط کے بغیر کلام فرمایا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو کئی جزئی فضیلتیں حاصل ہیں، اللہ نے ان کو کئی معجزات دیئے تھے، وہ مادرزاد اندھے کو بینا کرتے تھے، کوڑھی کو چنگا کرتے تھے، مردے کو زندہ کرتے تھے، مٹی کی چڑیا بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ زندہ ہو جاتی تھی۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام یا کوئی اور فرشتہ ہر وقت ان کی اردلی میں رہتا تھا، یہ سب جزئی فضیلتیں ہیں، اور ہمارے نبی ﷺ کے درجات اللہ نے سب سے بلند کئے، یہ کلی فضیلت ہے، آپ آخری پیغمبر ہیں، آپ کی بعثت دوہری ہے، آپ کی امت بھی مبعوث ہے، آپ پر اللہ نے اپنا کلام نازل فرمایا، جو آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہے، سابقہ کتابیں: اللہ کی کتابیں تھیں، اللہ کا کلام نہیں تھیں، کلام یا تو فرشتہ کا ہوتا تھا یا نبی کا، اور قرآن سارا اللہ کا کلام ہے (تفصیل تحفۃ القاری ۹: ۴۵ میں ہے)

اب یہاں دو سوال ہیں:

پہلا سوال: جب انبیاء و رسل میں تفاضل ہے، اور نبی ﷺ سب سے افضل رسول ہیں: تو آپ نے اپنی برتری بیان کرنے سے کیوں منع کیا؟ ایک حدیث میں ہے: "مجھے موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح مت دو" (بخاری) اور دوسری حدیث میں ہے کہ مت کہو کہ میں یونس علیہ السلام سے بہتر ہوں (بخاری) اس ممانعت کی کیا وجہ ہے؟

جواب: کسی نبی یا رسول کی اس طرح فضیلت بیان کرنا کہ دوسرے نبی یا رسول کی تنقیص (توہین) لازم آئے جائز

نہیں، مذکورہ دونوں حدیثوں میں اسی طرح کی تفصیل کی ممانعت ہے (تفصیل تحفۃ القاری ۷:۲۷ میں ہے) ورنہ فی نفسہ فضیلت بیان کرنا جائز ہے، اور تقابل کے بغیر فضیلت بیان کرنا بھی جائز ہے۔

ملحوظہ: جزئی فضیلت میں خاص فضیلت کا ذکر کیا جاتا ہے، اور کلی فضیلت میں تفصیل نہیں کی جاتی، مثلاً: کہا جائے گا کہ فلاں طالب علم کے بخاری شریف میں سب سے زیادہ نمبر ہیں، اور جو اول نمبر آیا ہے اس کے حق میں صرف یہ کہا جاتا ہے کہ وہ پوزیشن لایا ہے، اس کے نمبرات ذکر نہیں کئے جاتے، چنانچہ موسیٰ وعیسیٰ علیہ السلام کے جزئی فضائل بیان کئے، اور نبی ﷺ کے حق میں فرمایا: ﴿ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ﴾ یعنی بعض رسولوں کو سب سے اونچا درجہ دیا۔

سوال دوم: جب ﴿ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ﴾ میں نبی ﷺ کی فضیلتِ کلی کا بیان ہے تو اس کو مؤخر کیوں نہیں لائے؟ پہلے موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کے جزئی فضائل بیان کئے جاتے، پھر آپ کی فضیلتِ کلی بیان کی جاتی، آپ کا تذکرہ درمیان میں کیوں آیا؟

جواب: موسیٰ علیہ السلام کی جزئی فضیلت کے بعد آپ کی فضیلتِ کلی کا تذکرہ بطور استدراک آیا ہے۔ استدراک کے معنی ہیں: کلام سابق سے پیدا ہونے والے وہم کو دور کرنا، موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ کے کلام فرمانے سے ان کی فضیلتِ کلی کا خیال پیدا ہوسکتا تھا، اس لئے بات آگے بڑھائی کہ فضیلتِ کلی تو کسی اور کو حاصل ہے، پھر باقی کلام پورا کیا یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے جزئی فضائل بیان کئے ہیں۔

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ ﴾

ترجمہ: ہم نے اُن پیغمبروں کو بعض کو بعض پر برتری بخشی —— یہ قاعدہ کلیہ کا بیان ہے کہ انبیاء ورسل میں تفاضل ہے —— ان میں سے بعض سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا —— یہ موسیٰ علیہ السلام کی فضیلتِ جزئی کا بیان ہیں —— اور ان میں سے بعض کے مراتب بلند کئے —— یہ نبی ﷺ کی فضیلتِ کلی کا بیان ہے، اور معاً یہ بات استدراک کے طور پر آئی ہے —— اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو —— یعنی وہ مریم کے بیٹے تھے، اللہ کے بیٹے نہیں تھے —— کھلے معجزات دیئے —— ان معجزات کا ذکر اوپر آ گیا —— اور ہم نے ان کو پاک روح کے ذریعہ قوی کیا —— پاک روح سے جبرئیل علیہ السلام مراد لئے گئے ہیں، مگر عام ملأ اعلیٰ بھی مراد لے سکتے ہیں، جو کبھی کبھی اترتے ہیں اور انسانوں کو تعلیم دیتے ہیں اور ان سے باتیں کرتے ہیں، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے نبی ﷺ نے دعا کی تھی: "الٰہی! پاکیزہ روح کے ذریعہ حسان کو تقویت پہنچا!" (بخاری) (رحمۃ اللہ ۲:۴۷)

نبی ﷺ کو دلاسا (تسلی)

آگے ایک سوال کا جواب ہے، اور اس میں نبی ﷺ کی دلداری اور تسلی بھی ہے، سوال یہ ہے کہ جب آپ ﷺ سب سے بڑے رسول ہیں تو آپؐ کی مخالفت کیوں ہو رہی ہے؟ کوئی ایمان لاتا ہے کوئی نہیں لاتا، چاہئے تھا کہ سب لوگ آپؐ کی بات مان لیتے اور ایمان لے آتے؟

اس کے جواب: میں دو باتیں فرمائی ہیں، اور قرآنِ کریم کا اسلوب ہے کہ جب وہ کیسی تمہید پر دو باتیں متفرع کرتا ہے تو تمہید لوٹا کر دوسری بات کہتا ہے، پس یہ تکرار نہیں۔

پہلی بات: گذشتہ رسولوں کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آتا رہا ہے، کوئی ایمان لاتا تھا کوئی نہیں لاتا تھا، پھر فریقین میں آویزش ہوتی تھی، اور مخالفت اس حد تک بڑھتی کہ جنگ و پیکار کی نوبت آتی، جبکہ رسول واضح معجزات کے ساتھ مبعوث کئے جاتے تھے، پھر بھی سب لوگ ایمان نہیں لاتے تھے، پس آج یہ کوئی نئی بات نہیں، آپؐ اس سے دل گیر نہ ہوں۔

دوسری بات: دنیا امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے، یہاں نیکی اور برائی کی آزادی ہے، اور اسی کی بنیاد پر آخرت میں جزاؤسزا قائم ہوگی، اور اس اختلاف کے پیچھے مشیت الٰہی کارفرما ہے، اللہ تعالیٰ چاہتے تو غیب کو شہود کر دیتے، اور جو باتیں غیب کے پردے میں چھپی ہیں ان کو انسان سر کی آنکھوں سے دیکھ لیتا، اور کوئی انکاری نہ رہتا، سب ایمان لے آتے، نہ کفر رہتا نہ رسولوں کی مخالفت، مگر اللہ نے جیسا چاہا ویسا ہو رہا ہے۔

﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ لوگ نہ لڑتے جو اُن (رسولوں) کے بعد ہوئے، ان کے پاس واضح دلائل آجانے کے بعد، لیکن انھوں نے (لوگوں نے رسولوں سے) اختلاف کیا، پس ان میں سے کوئی ایمان لایا اور کسی نے انکار کیا —— پھر فریقین میں آویزش شروع ہوئی، پھر جنگ کی نوبت آئی، یہ پہلی بات ہے۔

اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ باہم نہ لڑتے —— یہ تمہید لوٹائی —— لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں —— یہ دوسری بات ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	مِّنْ قَبْلِ	پہلے	وَلَا خُلَّةٌ	اور نہ دوستی
اٰمَنُوْۤا	ایمان لائے	اَنْ يَّاْتِيَ	اس سے کہ آئے	وَّلَا شَفَاعَةٌ	اور نہ سفارش
اَنْفِقُوْا	خرچ کرو	يَوْمٌ	وہ دن	وَالْكٰفِرُوْنَ	اور حکم نہ ماننے والے
مِمَّا	اس میں سے کچھ جو	لَّا بَيْعٌ	نہیں سودا ہے	هُمُ	ہی
رَزَقْنٰكُمْ	بطور روزی دیا ہم نے تم کو	فِيْهِ	اس میں	الظّٰلِمُوْنَ	اپنا نقصان کرنے والے ہیں

آخرت کا بیان

رسالت کے بعد اب آخرت کا بیان ہے، گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایسا چاہا ہے کہ عالم (دنیا) دو ہوں: عالم مشاہد اور عالم غیب، پہلے انسانوں کو عالم مشاہد (نظر آنے والی دنیا) میں پیدا کیا جائے، اور وہاں اس کو عمل و اعتقاد کی آزادی دی جائے، اور دونوں عالموں کے درمیان گاڑھا پردہ ڈال دیا جائے، پھر اس دنیا کا آخری دن آئے، جو قیامت کا دن ہو، اس میں انسان کے بھلے برے کا حساب ہو، پھر اس کو آخرت میں منتقل کیا جائے، جہاں اس کو جزاؤ سزا سے سابقہ پڑے، اس لئے اس دنیا کو آخرت سے مختلف بنایا ہے، پس ضروری ہے کہ انسان اس دنیا میں آنے والی دنیا کے لئے تیاری کرے۔

اور عبادتیں دو ہیں: بدنی اور مالی، دونوں ضروری ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جان و مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، مگر مالی عبادت نفس پر زیادہ شاق (بھاری) ہے، انسان چمڑی دے سکتا ہے دمڑی نہیں دیتا، اس لئے ایمان لانے والوں کو حکم دیتے ہیں کہ تمہارے پاس جو کچھ مال و منال ہے وہ تمہارا نہیں، ہم نے تم کو بطور روزی (بھتا) دیا ہے، اس میں سے کچھ خرچ کرو، زکات دو، اگر ایسا نہیں کروگے تو حساب کا دن آرہا ہے، اس دن نہ کوئی سودا بازی چلے گی، نہ دوستی کام آئے گی، نہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کر سکے گا، پس حکم مانو اور زکات ادا کرو، جو حکم نہیں مانیں گے وہ پچھتائیں گے۔

آیتِ کریمہ: اے ایمان والو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو بطور روزی دیا ہے —— مالک نہیں بنایا —— اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ سودا ہوگا، نہ دوستی اور نہ سفارش کام آئے گی، اور جو لوگ حکم نہیں مانیں گے وہی اپنا نقصان کریں گے!

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ

مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

اَللّٰهُ	اللہ پاک	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے	مِّنْ عِلْمِهٖۤ	اس کے علم سے
لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	مَنْ ذَا	کون ہے یہ	اِلَّا بِمَا شَآءَ	مگر جتنا چاہے وہ
اِلَّا هُوَ	مگر وہی	الَّذِیْ	جو	وَسِعَ	کشادہ ہے
اَلْحَیُّ	زندہ	یَشْفَعُ	سفارش کرے	كُرْسِیُّهُ (۲)	اس کی کرسی
الْقَیُّوْمُ (۱)	تھامنے والا	عِنْدَهٗ	اس کے پاس	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو
لَا تَاْخُذُهٗ	نہیں پکڑتی اس کو	اِلَّا بِاِذْنِهٖ	مگر اس کی اجازت سے	وَ الْاَرْضَ	اور زمین کو
سِنَةٌ	اونگھ	یَعْلَمُ	جانتا ہے	وَلَا یَـُٔوْدُهٗ (۳)	اور نہیں تھکا تا اس کو
وَّلَا نَوْمٌ	اور نہ نیند	مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ	جو ان کے سامنے ہے	حِفْظُهُمَا	ان دونوں کی حفاظت کرنا
لَهٗ مَا	اس کی ملک ہے جو	وَمَا خَلْفَهُمْ	اور جو ان کے پیچھے ہے	وَ هُوَ	اور وہ
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے	وَلَا یُحِیْطُوْنَ	اور نہیں گھیرتے وہ	الْعَلِیُّ	برتر
وَمَا	اور جو کچھ	بِشَیْءٍ	کسی چیز کو	الْعَظِیْمُ	عظمت والا ہے

توحید کا بیان

اب ایک آیت میں توحید کا بیان ہے، اور اللہ تعالیٰ کی شئون وصفات کا ذکر ہے، اس آیت کا نام آیت الکرسی ہے۔ احادیث میں اس کے بڑے فضائل آئے ہیں، ایک حدیث میں اس کو افضلِ آیات فرمایا ہے، اور نسائی کی حدیث میں ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد اس کو پڑھے گا اس کے جنت میں داخل ہونے کے لئے موت کے سوا کوئی مانع نہیں ہوگا (معارف القرآن) اور بخاری شریف کی روایت ہے کہ جو شخص رات میں سوتے وقت اس آیت کو پڑھ لے تو صبح تک

(۱) القیوم: قائم سے صیغۂ مبالغہ: وہ ذات جو خود رہنے والی اور دوسری کو رکھنے والی ہے (۲) کان الحسن یقول: الکرسی هو العرش (درمنثور ۱:۳۲۸) اصحاب ظواہر کے نزدیک: بیٹھنے کی کرسی مراد ہے (لغات القرآن) (۳) یؤد: مضارع، واحد مذکر غائب: آدَ (ن) أَوْدًا الشیئُ حامِلَه: تھکا دینا، بوجھ سے جھکا دینا، بوجھل بنا دینا، ہٗ مفعول بہ، حفظهما: فاعل ہے۔

شیطان سے اس کی حفاظت ہوگی۔ اس آیت کے پہلے جملہ میں توحید کا بیان ہے یعنی معبود صرف اللہ تعالیٰ ہیں، باقی نو جملوں میں صفات کا بیان ہے:

۱-﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں —— یعنی قابلِ عبادت اللہ کی ذات کے سوا کوئی چیز نہیں۔

۲-﴿ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴾: وہ زندۂ جاوید، کائنات کو تھامنے والے ہیں —— یعنی وہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ وہ عدم اور موت سے بالاتر ہیں، اور قیوم: اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، کائنات اللہ نے پیدا کی ہے اور وہی اس کو سنبھالے ہوئے ہیں، کوئی دوسرا ان کا شریک وسہیم نہیں۔

ملحوظہ: ﴿ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴾: یہ دو صفتیں بہت سے حضرات کے نزدیک اسم اعظم ہیں، پس ان کا ورد رکھنا چاہئے۔

۳-﴿ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ﴾: ان کو نہ اونگھ دباتی ہے نہ نیند —— اگر اللہ تعالیٰ کو اونگھ آجائے یا نیند تو کائنات کو کون سنبھالے گا؟ پلک جھپکتے عالم برباد ہوجائے گا! اور قرآن میں دوسری جگہ ہے کہ تھکان ان کو چھو کر بھی نہیں گئی، وہ ان عوارض سے بالاتر ہیں، مخلوقات پر ان کو قیاس نہ کیا جائے۔

۴-﴿ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ﴾: ان کی ملک ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں —— بندوں کی ملکیت مجازی ہے، ہر چیز کے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہیں، اس لئے کہ سب چیزیں انھوں نے پیدا کی ہیں، پس وہی مالک ہیں، دوسرا جو بھی مالک بنا ہوا ہے وہ برائے نام مالک ہے۔

۵-﴿ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾: ایسا کون ہے جو سفارش کرے ان کے سامنے ان کی اجازت کے بغیر؟ —— ایسا کوئی نہیں! کیونکہ جب وہ مالکِ حقیقی ہیں تو اپنی ملکیت میں جو چاہیں تصرف کریں، ان سے باز پرس کا کسی کو کیا حق ہے؟ کوئی دخل در معقولات نہیں کرسکتا، البتہ مقبولانِ بارگاہ بہ اذنِ الٰہی لب کشائی کرسکتے ہیں، قیامت کے دن نبی ﷺ تمام امتوں کے لئے سفارش فرمائیں گے۔

۶-﴿ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾: جانتے ہیں وہ جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے —— ﴿ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾ محاورہ ہے یعنی مخلوقات کے تمام احوال جانتے ہیں، ان کا علم سب چیزوں کو محیط ہے، کیونکہ اس کے بغیر نہ سب چیزوں کو سنبھال سکتے ہیں نہ ان کے حق میں مناسب فیصلہ کرسکتے ہیں۔

۷-﴿ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾: اور مخلوقات احاطہ نہیں کرسکتی ان کے علم میں سے کسی بھی حصہ کا، مگر جتنا وہ چاہیں —— یعنی تمام مخلوقات (انسان اور ان کے علاوہ) اللہ کے علم کے کسی بھی حصہ کا احاطہ

نہیں کرسکتی، مگر خود اللہ تعالیٰ جس کو اپنے علم کا جتنا حصہ عطا فرمائیں وہ جان سکتی ہے، اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے، کوئی انسان یا کوئی مخلوق اس میں اللہ کی شریک نہیں۔

۸-﴿ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ﴾: ان کی کرسی آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے ـــــ یعنی اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اور کرسی کے معنی ہیں تخت، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے نزدیک: عرش اور کرسی ایک ہیں، تخت نشینی اور چیرمینی کا ایک مطلب ہے ـــــ دوسرے حضرات کہتے ہیں: کرسی ایک مخلوق ہے، عرش سے چھوٹی اور آسمانوں سے بڑی ـــــ پھر اصحاب ظواہر (سلفی) کہتے ہیں: کرسی کے حقیقی معنی مراد ہیں، یعنی بیٹھنے کی کرسی، مگر اس کی نوعیت مجہول (انجانی) ہے ـــــ اور حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ (تابعی) نے اس کی تاویل علم الٰہی سے کی ہے، اور وہ یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بھی کرتے ہیں۔

۹-﴿ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ﴾: اور ان کے لئے دونوں کی حفاظت کچھ مشکل نہیں ـــــ یعنی اس قادر مطلق کے لئے آسمانوں اور زمین کی نگہبانی نہایت آسان ہے۔

۱۰-﴿ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴾: اور وہ برتر اور عظیم المرتبت ہیں ـــــ یعنی وہ عالی شان اور عظیم المرتبہ ہیں!

ان دس جملوں میں توحید کا مضمون اور صفاتِ کمالیہ کا بیان پوری وضاحت کے ساتھ آ گیا ہے، ان کو سمجھ لینے کے بعد ہر شخص یقین کرلے گا کہ ہر عزت وعظمت اور بلندی وبرتری کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، دوسرا کوئی ان کا ہم سر نہیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

لَآ اِكْرَاهَ	نہیں زبردستی	مِنَ الْغَيِّ	گمراہی سے	بِاللّٰهِ	اللہ کا
فِي الدِّيْنِ (۱)	دین میں	فَمَنْ يَّكْفُرْ	پس جو انکار کرے	فَقَدِ	تو بالتحقیق
قَدْ تَّبَيَّنَ	بے شک واضح ہوگئی	بِالطَّاغُوْتِ (۲)	گمراہ کرنے والے کا	اسْتَمْسَكَ	تھام لیا اس نے
الرُّشْدُ	ہدایت	وَ يُؤْمِنْ	اور یقین کرے	بِالْعُرْوَةِ	کڑا (حلقہ)

(۱) الدین: سے مراد دین اسلام ہے، جس کی بنیادی تعلیم توحید ہے۔ (۲) الطاغوت: اسم مفرد، جمع طواغیت، مذکر ومؤنث، اور مفرد وجمع یکساں: گمراہ کرنے والا، خواہ معبود باطل ہو، خواہ گمراہ کرنے والا انسان، جن یا بت ہو۔ فعل: طَغٰی (ف) طَغْيًا وطُغْيَانًا: حد سے بڑھ جانا، سرکشی کرنا۔

اَلْوُثْقٰى	مضبوط	لَهَا	اس کے لئے	سَمِيْعٌ	خوب سننے والے
لَا انْفِصَامَ	نہیں ٹوٹنا	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں

لوگ دینِ اسلام کو خوشی سے قبول کریں، وہی مضبوط دین ہے

آیت الکرسی سے توحید کا مضمون اچھی طرح واضح ہوگیا، معبود برحق اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اسلام اسی توحید کی دعوت دیتا ہے، اب لوگوں کو چاہئے کہ اس کو اپنی مرضی سے قبول کریں، زور زبردستی نہیں، عقیدہ: دل سے ماننے کا نام ہے، اس میں زبردستی نہیں ہوسکتی، البتہ حق بات واضح کرنی ضروری ہے جو کردی گئی، اب جو اللہ کے دین کو اختیار کرے گا، اور دوسرے ادیانِ باطلہ سے کنارہ کشی اختیار کرے گا وہ مزے میں رہے گا، دارین میں کامیاب ہوگا، یہ ایسا مضبوط کڑا ہے جو کبھی دھوکہ نہیں دے گا، دوسرے تعلقات آخرت میں ٹوٹ جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کی بات سن رہے ہیں اور اس کا حال جان رہے ہیں کہ کون صرف اللہ کی عبادت کرتا ہے اور کون طاغوت کے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔

آیتِ کریمہ: دین (قبول کرنے) میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت: گمراہی سے جدا ہوچکی ہے، پس جو شخص گمراہ کرنے والوں سے کنارہ کشی اختیار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے بالیقین مضبوط کڑا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹے گا نہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔

فائدہ: اس سے اسلام کا ایک اہم اصول معلوم ہوا کہ کسی کو مجبور کرکے اس کا مذہب تبدیل کرانا درست نہیں، کیونکہ مذہب کا تعلق دل کے اعتقاد و یقین سے ہے، جبر کے ذریعہ زبان سے تو اقرار کرایا جاسکتا ہے، دل کی دنیا نہیں بدلی جاسکتی، اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اسلام کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے، محض پروپیگنڈہ ہے، اسلام جب دنیا میں آیا تو ایک ہی شخص تھا، جو مسلمان تھا، وہی اسلام کا داعی اور خدا کا پیغمبر تھا، مکہ کا چپہ چپہ اس کا مخالف تھا، پھر تیرہ سال تک اسلام ان چند کمزور، نہتے اور مظلوم لوگوں کا مذہب تھا، جن پر کوئی ظلم و ستم نہیں تھا جو روا نہ رکھا گیا ہو، اُس وقت اسلام کے پاس نہ تلوار تھی، نہ فوج، نہ سپاہ، آخر کونسی طاقت تھی جس کے ذریعہ اسلام نے چند ہی سال میں پورے جزیرۂ عرب کو مسخر کرلیا؟ یہ یقیناً اس کی عدل و انصاف پر مبنی، فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ اور عقل و دانش سے مطابقت رکھنے والی تعلیمات تھیں نہ کہ تلوار! (آسان تفسیر ۱:۲۱۲)

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ

النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥٧﴾

اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اِلَى النُّوْرِ	روشنی کی طرف	مِّنَ النُّوْرِ	روشنی سے
وَلِيُّ	کارساز ہیں	وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	اِلَى الظُّلُمٰتِ	اندھیریوں کی طرف
الَّذِيْنَ	ان لوگوں کے جنھوں نے	كَفَرُوْٓا	نہیں مانا	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ
اٰمَنُوْا	مان لیا	اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ	ان کی کارساز	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں
يُخْرِجُهُمْ	نکالتے ہیں وہ ان کو	الطَّاغُوْتُ (۲)	گمراہ کن طاقتیں ہیں	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں
مِّنَ الظُّلُمٰتِ (۱)	اندھیریوں سے	يُخْرِجُوْنَهُمْ	نکالتی ہیں وہ ان کو	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں

کارسازی اور کارسازی میں فرق

گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ اللہ کو پکڑو، یہ وہ مضبوط کڑا ہے جو کبھی ٹوٹے گا نہیں، اس پر منکرینِ اسلام کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے بھی اولیاء ہیں، معبود ہیں، ان کی طرف دعوت دینے والے گورو ہیں، وہ ہمارے کارساز ہیں، وہ ہماری بگڑی بنائیں گے، اس کا جواب دیتے ہیں کہ کارسازی اور کارسازی میں فرق ہے، اللہ تعالیٰ تو مؤمنین کو تاریکیوں سے اجالے میں لاتے ہیں، ان کی زندگیوں کو سنوارتے ہیں، اور آخرت میں ان کو جنت میں داخل کریں گے، اور منکرینِ اسلام کے کارساز (بت اور گرو) ان کو روشنی سے تاریکی میں پہنچا رہے ہیں، ان کی زندگیاں بگاڑ رہے ہیں اور آخرت میں ان کو جہنم کے دائمی عذاب میں پہنچائیں گے۔ لہٰذا ان کو چھوڑو اور اسلام کے حلقہ بگوش بنو۔

آیتِ کریمہ: اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے کارساز ہیں، وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں لاتے ہیں، اور جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان کے کارساز گمراہ کرنے والی قوتیں ہیں، وہ ان کو روشنی سے تاریکیوں میں لے جاتے ہیں، یہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا

(۱) ہدایت کا نور ایک ہے، اس لئے النور: مفرد لائے، اور گمراہیاں طرح طرح کی ہیں، اس لئے الظلمات جمع لائے
(۲) الطاغوت: میں مفرد جمع یکساں ہیں، یہاں جمع مراد ہے۔

یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۲۵۸

اَلَمْ تَرَ	کیا تو نے دیکھا نہیں	رَبِّیَ	میرا رب	بِالشَّمْسِ	سورج کو
اِلَى الَّذِیْ	اس کو جس نے	الَّذِیْ	(وہ ہے) جو	مِنَ الْمَشْرِقِ	مشرق سے
حَآجَّ (۱)	کٹ حجتی کی	یُحْیٖ	جلاتا ہے	فَاْتِ بِهَا	پس لا تو اس کو
اِبْرٰهٖمَ	ابراہیم سے	وَ یُمِیْتُ	اور مارتا ہے	مِنَ الْمَغْرِبِ	مغرب سے
فِیْ رَبِّهٖٓ	اس کے رب میں	قَالَ	کہا اس نے	فَبُهِتَ (۳)	پس ہکا بکا رہ گیا
اَنْ اٰتٰىهُ (۲)	(اس وجہ سے) کہ دی اس کو	اَنَا اُحْیٖ	میں (بھی) جلاتا ہوں	الَّذِیْ كَفَرَ	جس نے انکار کیا
اللّٰهُ	اللہ نے	وَ اُمِیْتُ	اور مارتا ہوں	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
الْمُلْكَ	حکومت	قَالَ اِبْرٰهٖمُ	کہا ابراہیم نے	لَا یَهْدِی	راہ نہیں دیتے
اِذْ قَالَ	جب کہا	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بے شک اللہ	الْقَوْمَ	لوگوں کو
اِبْرٰهٖمُ	ابراہیم نے	یَاْتِیْ	لاتے ہیں	الظّٰلِمِیْنَ	ناانصاف

نمرود نے توحید کی دلیل پر اعتراض کیا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس کو دوسری دلیل سے چپکا کیا

نمرود (بروزن امرود) ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کا خودسر بادشاہ تھا، خدائی کا دعوے دار بھی تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے خداؤں (مورتیوں) کی گت بنائی تو قوم نے ان کو نذر آتش کرنے کا فیصلہ کیا (سورۃ الانبیاء آیات ۵۷-۶۸) مگر چونکہ یہ قانون کو ہاتھ میں لینا تھا، اس لئے قوم یہ مقدمہ بادشاہ کے پاس لے گئی، تاکہ حکومت ابراہیمؑ کو یہ سزا دے، بادشاہ نے ابراہیم علیہ السلام کو طلب کیا اور سوال کیا کہ اگر تو ان مورتیوں کو خدا نہیں مانتا تو تیرا خدا کون ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: میرا خدا وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے یعنی وجود بخشتا ہے، پھر ایک وقت کے بعد وجود واپس لے لیتا ہے، یہ توحید کی پکّی دلیل تھی، کیونکہ یہ کام اللہ کے سوا نہ کوئی کرتا ہے نہ کر سکتا ہے، مگر نمرود نے کہا: یہ کام تو میں بھی کرتا ہوں، اور ایک پھانسی کے مجرم کو آزاد کردیا اور بے گناہ کو قتل کردیا، اور کہا: دیکھ! میں نے پہلے کو زندہ کردیا اور دوسرے کو ختم کردیا۔ یہ اس نے توحید کی پکی دلیل میں فیہ نکالی، وہ غبی تھا، جلانے اور مارنے کی حقیقت ہی نہیں سمجھا۔ ابراہیم علیہ السلام

---

(۱) حَاجَّ مُحَاجَّةً: بے جا بحث کرنا (۲) أن: سے پہلے لام جارہ یا باء جارہ محذوف ہے (۳) بُهِتَ: ماضی مجہول، باب سمع و کرم: ششدر ہونا، حیران رہ جانا، مجہول: معروف کے معنی میں ہے۔

نے سوچا: اس خرد ماغ کے ساتھ کون مغز پچی کرے، کھٹ سے توحید کی دوسری دلیل پیش کی کہ میرا پروردگار روز سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو خدا ہے تو اس کو مغرب سے نکال؟ اس پر وہ مبہوت ہوگیا اور چہ می کنم میں پڑ گیا، مگر ایمان نہیں لایا، اللہ تعالیٰ ناانصافوں کو ہدایت سے نہیں نوازتے!

پھر کیا ہوا؟ —— ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا ہوگا کہ اگر ایمان لائے گا تو جنت (باغ) میں جائے گا، ورنہ دوزخ (آگ) میں ڈالا جائے گا۔ اس نے کہا: میں آگ میں ڈالا جاؤں گا؟ تجھے آگ میں ڈالوں گا! اور قوم کو حکم دیا: سوختہ (جلانے کی لکڑیاں) جمع کرو، قوم نے چھ ماہ تک سوختہ ڈھویا اور لکڑیوں کا ڈھیر لگا دیا، دوسری طرف حکومت کے کرمچاریوں کو حکم دیا کہ میرے لئے جنت (باغ) تیار کرو، میں اپنی جنت میں جاؤں گا، مگر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کو باغ بنا دیا، اور نمرود کے دماغ میں مچھر گھس گیا، اس نے دماغ چاٹ لیا، اور وہ اسی میں مرگیا، اور اس کو اپنے باغ میں جانا نصیب نہ ہوا۔

آیتِ پاک: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا نہیں جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں کٹ حجتی کی، اس وجہ سے کہ اللہ نے اس کو حکومت دی تھی؟ جب ابراہیمؑ نے کہا: میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے (پس) اس نے کہا: میں (بھی) جلاتا اور مارتا ہوں! ابراہیمؑ نے کہا: پس اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتے ہیں، تو اس کو مغرب سے نکال؟ پس اللہ کا منکر ہکا بکا رہ گیا، اور اللہ تعالیٰ ناانصافوں کو ہدایت نہیں دیتے!

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طرزِ عمل سے ایک سبق ملا کہ مناظرہ کو طول نہیں دینا چاہئے، چٹ پٹ قصہ نمٹانا چاہئے، اگر مخاطب کوئی بات نہ سمجھے تو دلیل بدل دے، نہلے پہ دہلہ رکھے اور چت کردے۔

سوال: اگر کوئی جھک کرے اور کہے کہ نمرود یہ بھی تو کہہ سکتا تھا کہ مشرق سے روزانہ میں سورج نکالتا ہوں، ابراہیم تو اپنے خدا سے کہہ کہ آئندہ کل وہ سورج مغرب سے نکالے؟ تو ابراہیم علیہ السلام کیا کرتے؟

جواب: ابراہیم علیہ السلام ہاتھ اٹھاتے اور اللہ سے عرض کرتے اور اگلے دن سورج مغرب سے نکلتا اور قیامت قائم ہوجاتی، پھر نمرود کیا کرتا؟ دراصل وہ جانتا تھا کہ ابراہیم ٹھیک کہتا ہے، خدا وہ نہیں، خدا کوئی اور ہے، مگر اس کو ماننا نہیں تھا، فرعونیوں کے حق میں سورۃ النمل (آیت ۱۴) میں ہے: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ﴾: ان لوگوں نے معجزات کا انکار کیا، درانحالیکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کرلیا تھا، اس لئے وہ یہ احمقانہ بات نہیں کہہ سکتا تھا۔

أَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ أَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۚ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۚ قَالَ لَبِثْتُ

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۭ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

اَوْ(۱)	(جلانا مارنا یہ ہے) یا	اللّٰهُ	اللہ نے	فَانْظُرْ	پس دیکھ تو
كَالَّذِيْ	جیسے وہ شخص جو	مِائَةَ عَامٍ	سو سال	اِلٰى طَعَامِكَ	تیرے کھانے کو
مَرَّ	گذرا	ثُمَّ بَعَثَهٗ	پھر اٹھایا اس کو	وَشَرَابِكَ	اور تیرے پینے کو
عَلٰى قَرْيَةٍ	ایک بستی پر	قَالَ	پوچھا	لَمْ يَتَسَنَّهْ(۴)	نہیں بدلا ہے
وَّهِيَ	درانحالیکہ وہ	كَمْ لَبِثْتَ	کتنا ٹھہرا تو؟	وَانْظُرْ	اور دیکھ تو
خَاوِيَةٌ(۲)	ڈھی پڑی تھی	قَالَ	جواب دیا	اِلٰى حِمَارِكَ	تیرے گدھے کو
عَلٰى عُرُوْشِهَا(۳)	اپنی ٹٹیوں پر	لَبِثْتُ	ٹھہرا میں	وَلِنَجْعَلَكَ	اور تاکہ بنائیں ہم تجھے
قَالَ اَنّٰى	کہا اس نے کیسے	يَوْمًا	ایک دن	اٰيَةً لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے نشانی
يُحْيٖ	زندہ کریں گے	اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ	یا ایک دن سے کچھ کم	وَانْظُرْ	اور دیکھ تو
هٰذِهِ اللّٰهُ	اس کو اللہ تعالی	قَالَ	فرمایا	اِلَى الْعِظَامِ	ہڈیوں کو
بَعْدَ مَوْتِهَا	اس کے مرنے کے بعد	بَلْ لَّبِثْتَ	بلکہ ٹھہرا تو	كَيْفَ نُنْشِزُهَا(۵)	ابھارتے ہیں ہم ان کو
فَاَمَاتَهٗ	پس مارے رکھا اس کو	مِائَةَ عَامٍ	سو سال	ثُمَّ نَكْسُوْهَا	پھر پہناتے ہیں ان کو

(۱)أو: حرفِ عطف، احدالامرین کے لئے ہے، معطوف علیہ محذوف ہے، أی هذا أو هذا؟ أی الإحياء والإماتة كذلك أو كالذی مر الآية، یعنی جلانا اور مارنا وہ ہے جو نمرود نے کر دکھایا یا جیسا اس مثال میں ہے؟ (۲)خاوية: افتادہ، گری ہوئی، خَوَاء سے جس کے معنی ہیں: گھر کا خالی ہونا، گر پڑنا، ڈھجانا (۳)عروش: عرش کی جمع: چھت، اس کا اکثر استعمال بانس کے چھپر کے لئے ہوتا ہے۔ ٹٹی: بانس یا سرکنڈوں کا بنا ہوا چھپر جس پر بیلیں چڑھاتے ہیں۔ (۴)لم يتسنه: برسوں گذرنے پر بھی خراب نہیں ہوا، بعض کے نزدیک ہائے سکتہ ہے، اور فعل تَسَنَّ يَتَسَنَّ ہے، جس کی اصل يَتَسَنّٰی ہے، جازم کی وجہ سے یاء گری ہے، اور بعض کے نزدیک ھا اصلی ہے، اس صورت میں ماخوذ منہ سنة ہوگا، جس کی اصل سنهة ہے، کیونکہ تصغیر سُنَيْهَة آتی ہے (۵)إنشاز (افعال) جوڑنا، حرکت دینا، اٹھانا، ابھارنا، مجازی معنی: زندہ کرنا۔

لَحۡمًا	گوشت	لَهٗ	اس کے لئے	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
فَلَمَّا	پس جب	قَالَ	کہا اس نے	عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ	ہر چیز پر
تَبَيَّنَ	واضح ہوگیا	اَعۡلَمُ	جان لیا میں نے	قَدِيۡرٌ	قادر ہیں

جلانا اور مارنا کیا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے توحید کی جو دلیل پیش کی تھی کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے، یعنی جس نے ہر چیز کو وجود بخشا ہے، پھر ایک وقت کے بعد وہ وجود واپس لے لیتا ہے، یہ توحید کی نہایت مضبوط دلیل تھی، یہ کام اللہ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا، اس لئے وہی معبود ہے —— مگر نمرود نے اس دلیل پر اعتراض کیا کہ یہ کام تو میں بھی کرسکتا ہوں، اور اس نے کر دکھایا، ایک پھانسی کے مجرم کو آزاد کر دیا، اور ایک بے گناہ کو قتل کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے اس بوگس اعتراض کا جواب نہیں دیا، بلکہ دلیل بدل دلی، جس سے وہ ہکا بکا رہ گیا، یہاں کوئی خیال کرسکتا ہے کہ شاید پہلی دلیل کمزور ہوگی، اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے دلیل بدل دی، اس لئے اللہ پاک کلام آگے بڑھاتے ہیں، اور ایک مثال بیان فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوگا کہ مارنا جلانا وہ نہیں جو نمرود نے کر دکھایا، بلکہ مارنا جلانا وہ ہے جو اس واقعہ میں ہے۔

واقعہ: اللہ کا ایک نیک بندہ ایسی بستی سے گذرا جو ویران پڑی تھی، مکانات چھتوں سمیت مٹی کا ڈھیر ہوگئے تھے، اس نے دل میں سوچا کہ یہ ویران بستی کس طرح دوبارہ آباد ہوگی! بظاہر آباد ہونے کے آثار نظر نہیں آرہے! وہ یہ سوچتے سوچتے آگے بڑھے، آگے ایک جگہ ستانے کے لئے گدھے سے اترے اور سوگئے، اللہ نے ان کی روح قبض کرلی، ٹفن پاس رکھا رہا اور گدھا بھوکا پیاسا مر گیا، سو سال بعد اللہ نے ان کو زندہ کیا، اس عرصہ میں وہ شہر آباد ہوگیا تھا۔

اللہ نے ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں ٹھہرے؟ وہ دن چڑھے لیٹے تھے اور دن ڈھلے اٹھے، اس لئے جواب دیا: دن بھر یا اس سے بھی کم! اللہ نے فرمایا: تم یہاں سو سال ٹھہرے ہو، اور دیکھو: تمہارا ٹفن ویسا ہی ہے، اور گدھا مر چکا ہے، کھانا جلدی بگڑ جاتا ہے وہ ویسا ہی ہے، اور گدھا بیس سال زندہ رہتا ہے وہ مر چکا ہے، اب دیکھو ہم اس کو تمہارے سامنے زندہ کرتے ہیں، تاکہ تم احیائے موتی کے چشم دید گواہ بنو، دیکھتے رہو: ہڈیاں کس طرح ترکیب پاتی ہیں، پھر ان پر کس طرح گوشت چڑھتا ہے، دیکھتے دیکھتے گدھا زندہ ہوگیا اور اپنی بولی بولا، تب اس بندے نے کہا: مجھے علم الیقین تو حاصل تھا، اب عین الیقین حاصل ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں یعنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ مارتے جلاتے ہیں —— یہ ہے مارنا جلانا، نہ وہ جو نمرود نے کر دکھایا۔

سوال: یہ حضرت کون تھے؟ اور وہ بستی کونسی تھی؟ اور یہ کس زمانہ کا واقعہ ہے؟

جواب: یہ باتیں قرآنِ کریم نے بیان نہیں کیں، اور کوئی مستند روایت بھی ایسی نہیں جس کے ذریعہ یقینی طور پر ان باتوں کا تعین کیا جاسکے، قرآن کوئی تاریخی کتاب نہیں، وہ پند و مواعظ کی کتاب ہے، اور نصیحت پذیری کے لئے ان چیزوں کی تعیین کی ضرورت نہیں، قرآنِ کریم کا مقصد اس کے بغیر بھی حاصل ہے۔

آیتِ پاک: (جلانا مارنا وہ ہے) یا جیسے ایک شخص ایک بستی پر گذرا، جو اپنی چھتوں پر ڈھی پڑی تھی، اس نے سوچا: اللہ تعالیٰ اس کو ویران ہوجانے کے بعد کس طرح آباد کریں گے! پس اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک مارے رکھا، پھر اس کو اٹھایا، پوچھا: کتنا ٹھہرے؟ جواب دیا: ایک دن یا اس سے بھی کم، فرمایا: (نہیں) بلکہ تم سو سال تک ٹھہرے ہو، اب دیکھو: اپنے کھان پان کو وہ نہیں بدلا، اور اپنے گدھے کو دیکھو (وہ مرگیا ہے، ہم اس کو تمہاری آنکھوں کے سامنے زندہ کرتے ہیں) اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے ایک (چشم دید) نشانی بنائیں، اور ہڈیوں کو دیکھو ہم ان کو کیسے جوڑتے ہیں، پھر ہم ان کو گوشت پہناتے ہیں ــــ پس جب (مردے کا زندہ ہونا) واضح ہوگیا تو اس نے کہا: میں نے (مشاہدہ سے) جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾

وَاِذْ قَالَ	اور (یاد کرو) جب کہا	قَالَ اَوَ	پوچھا: کیا اور	قَالَ	فرمایا
اِبْرٰهٖمُ	ابراہیم نے	لَمْ تُؤْمِنْ	نہیں یقین آیا تجھے؟	فَخُذْ اَرْبَعَةً	پس لے چار
رَبِّ	اے میرے رب!	قَالَ بَلٰى	جواب دیا: کیوں نہیں	مِّنَ الطَّيْرِ	پرندے
اَرِنِيْ	دکھلا مجھے	وَلٰكِنْ	لیکن	فَصُرْهُنَّ (۱)	پھر ہلالے (مانوس کرلے) ان کو
كَيْفَ تُحْيِ	کیسے زندہ کریں گے آپ	لِّيَطْمَئِنَّ	تسکین پائے	اِلَيْكَ	اپنے سے
الْمَوْتٰى	مردوں کو؟	قَلْبِيْ	میرا دل	ثُمَّ اجْعَلْ	پھر گردن (رکھ)

(۱) صُرْ: امر حاضر، صَارَ (ن،ض) صَوْرًا الشیئَ إلیك: جھکانا، نزدیک کرنا، ہلانا، هُنَّ: ضمیر جمع مؤنث غائب۔

عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ	ہر پہاڑ پر	يَاْتِيْنَكَ	آئیں گے تیرے پاس	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
مِّنْهُنَّ جُزْءًا	ان میں سے ایک حصہ	سَعْيًا	دوڑتے ہوئے	عَزِيْزٌ	زبردست
ثُمَّ ادْعُهُنَّ	پھر بلا ان کو	وَاعْلَمْ	اور جان لے	حَكِيْمٌ	حکمت والے ہیں

ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے جو بات کہی تھی وہ ان کی آنکھوں دیکھی حقیقت تھی

جاننا چاہئے کہ یہ دنیا چونکہ امتحان کی جگہ ہے، اس لئے یہاں اصل قیمت ایمان بالغیب کی ہے، انسان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ پسِ پردہ جو حقیقتیں ہیں ان کو آنکھوں سے دیکھے بغیر دلائل کی بنیاد پر مان لے، البتہ انبیائے کرام علیہم السلام کا معاملہ عام لوگوں سے مختلف ہے، اللہ تعالیٰ ان کو غیب کی بعض چیزیں دکھادیتے ہیں، تاکہ وہ علی وجہ البصیرت لوگوں کو ان چیزوں کی دعوت دیں، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلامی کا معاملہ، ایک پیغمبر کو گدھا زندہ کرکے دکھانا، اور نبی ﷺ کو معراج میں عجائبِ قدرت دکھانا، سورۃ الاسراء کی پہلی آیت میں ہے: ﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾: تاکہ ہم ان کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں، عالم بالا کی سیر کرائی، آسمانوں کے احوال سے واقف کیا، جنت وجہنم کا مشاہدہ کرایا، اور ان گنت عجائب قدرت دکھائے، تاکہ آپؐ اپنی امت کو دوسری دنیا کا آنکھوں دیکھا حال بتلائیں، اور آپ کا بیان صرف شنیدہ نہ ہو بلکہ دیدہ ہو۔

اسی حضرت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت دکھلا دی تاکہ وہ اہل یقین میں سے ہوں، سورۃ الانعام کی (آیت ۷۵) ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝﴾ یعنی آسمانوں اور زمین کی یہ وسیع حکومت جو ہر شخص ہر وقت دیکھتا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رموز واسرار بتادیئے، تاکہ کائناتِ ارضی وسماوی سے وہ توحید اور اللہ کی ربوبیت پر استدلال کریں۔ اسی سلسلہ کا یہ واقعہ بھی ہے کہ آپ نے درخواست کی: پروردگار! مجھے دکھایئے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے؟ پوچھا: کیا تمہیں یقین نہیں؟ عرض کیا: یقین کیوں نہیں! میرا مقصد تسکینِ قلب حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ آنکھوں سے دیکھنے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے، اس سے نہ صرف طمانیتِ قلبی حاصل ہوتی ہے، بلکہ میں دوسروں سے بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں آنکھوں سے دیکھ کر کہہ رہا ہوں!

خیر! اللہ نے فرمایا: کوئی بھی چار پرندے لو، اور ان کو اپنے سے مانوس کرلو، تاکہ آواز دینے پر دوڑے آئیں، پھر ان کو ذبح کرکے قیمہ بنالو، اور چار پہاڑوں پر چار حصے رکھ آؤ، پھر درمیان میں کھڑے ہوکر ایک ایک کو آواز دو، چاروں تمہارے پاس دوڑے آئیں گے، اور جان لو کہ اللہ کی قدرت کامل ہے، وہ ہر ایک کو مردہ زندہ کرکے مشاہدہ کراسکتے ہیں، مگر ان کی

حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک کو یہ مشاہدہ نہ کرایا جائے۔

آیتِ کریمہ: اور (یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھلائیں: آپ مُردوں کو کس طرح زندہ کریں گے؟ پوچھا: کیا آپ کو یقین نہیں؟ جواب دیا: کیوں نہیں! لیکن تاکہ میرا دل تسکین پائے! فرمایا: تو لیں آپ چار پرندے، پھر ان کو اپنے سے مانوس کرلیں، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک حصہ رکھ دیں، پھر ان کو بلائیں، وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے، اور جان لیں کہ اللہ تعالیٰ زبردست بڑے حکمت والے ہیں!

فائدہ (۱): یہ مشاہدہ غالباً نمرود کے سامنے بات رکھنے سے پہلے کا ہے، پس دلیل دیدہ تھی، اس میں کوئی کمزوری نہیں تھی، مگر کوڑ مغز کے ساتھ جھک کون کرے؟ اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے دلیل بدل دی۔

فائدہ (۲): بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام سے شک کے زیادہ حقدار ہیں، یعنی علم الیقین کو حق الیقین بنانے کی خواہش ہر مؤمن کی ہوتی ہے، پس ایسی درخواست کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

مَثَلُ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی حالت جو	فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ	ہر بال میں	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں
يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں	مِّائَةُ حَبَّةٍ	سو دانے ہیں	اَلَّذِيْنَ	جو لوگ
اَمْوَالَهُمْ	اپنے مال	وَاللهُ	اور اللہ تعالیٰ	يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں
فِيْ سَبِيْلِ اللهِ	اللہ کے راستے میں	يُضٰعِفُ	دو چند کریں گے	اَمْوَالَهُمْ	اپنے مال
كَمَثَلِ حَبَّةٍ	جیسے حالت ایک دانے کی	لِمَنْ يَّشَاۗءُ	جس کیلئے چاہیں گے	فِيْ سَبِيْلِ اللهِ	اللہ کے راستے میں
اَنْۢبَتَتْ	اگائی اس نے	وَاللهُ	اور اللہ تعالیٰ	ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ	پھر نہیں پیچھے لاتے
سَبْعَ سَنَابِلَ	سات بالیں	وَاسِعٌ	گنجائش والے	مَآ اَنْفَقُوْا	اپنے خرچ کرنے کے

مَنًّا	احسان کو	وَّلَا هُمْ	اور نہ	يَّتْبَعُهَآ	جس کے پیچھے آئے
وَّلَآ اَذًى	اور نہ تکلیف دہی کو	يَحْزَنُوْنَ	غم گیں ہونگے	اَذًى	تکلیف دہی
لَّهُمْ اَجْرُهُمْ	ان کیلئے ان کا ثواب ہے	قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ	مناسب بات کہنا	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے پروردگار کے پاس	وَّمَغْفِرَةٌ	اور معذرت چاہنا	غَنِيٌّ	بے نیاز
وَلَا خَوْفٌ	اور نہیں ہے کوئی ڈر	خَيْرٌ	بہتر ہے	حَلِيْمٌ	بردبار ہیں
عَلَيْهِمْ	ان پر	مِّنْ صَدَقَةٍ	ایسی خیرات سے	۞	۞

جہاد میں خرچ کرنے کا تفصیلی تذکرہ

ربط: آیت ۲۴۳ سے جہاد کا بیان شروع ہوا ہے، اور بات یہاں سے شروع کی تھی کہ موت سے بچا نہیں جاسکتا، وہ تو مضبوط قلعوں میں بھی آئے گی، پھر اس کے بعد کی دو آیتوں میں جہاد میں جان اور مال خرچ کرنے کا اجمالی تذکرہ تھا، پھر آیت ۲۴۶ سے بنی اسرائیل کے واقعہ کے ضمن میں جہاد کا تفصیلی تذکرہ شروع ہوا ہے، پھر آیت ۲۵۲ سے کلام کا رخ رسالت، قیامت اور توحید کی طرف مڑ گیا ہے، یہ بیان آیت ۲۶۰ پر پورا ہوگیا، اب ان آیات میں جہاد کے لئے خرچ کرنے کا تفصیلی بیان ہے، پھر انفاق خاص کے بعد انفاقِ عام (صدقہ خیرات) کا بیان آئے گا۔

جہاد کے لئے جو خرچ کیا جاتا ہے اس کا کم از کم ثواب سات سو گنا ہے، اور زیادہ کی کوئی حد نہیں

اعمال کے ثواب کا ضابطہ: یہ ہے کہ ہر نیک عمل کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ملتا ہے، مگر دو عمل اس سے مستثنیٰ ہیں:

ایک: انفاق فی سبیل اللہ، یعنی جہاد کے کاموں میں خرچ کرنا، اس کا تذکرہ اس آیت میں ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کا ثواب سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات ایک مثال کے ذریعہ بیان کی ہے: گندم کا ایک دانہ زمین میں بویا اس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہیں، پس ایک دانے کے سات سو دانے ہوگئے (یہ محض تمثیل ہے، ایک دانے سے سات سو دانے پیدا ہونے ضروری نہیں) اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا بھی ایسا ہی ہے جو کچھ خرچ کیا جائے گا اس کا سات سو گنا ثواب ملے گا ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ اور اللہ جس کے لئے چاہتے ہیں بڑھاتے ہیں یعنی اخلاص کی برکت سے اور موقعہ کے لحاظ سے یہ ثواب بڑھتا ہے اور زیادتی کی کوئی حد نہیں۔

دوسرا عمل: روزہ ہے اس کا کم از کم ثواب عام ضابطہ کے مطابق ہے یعنی دس گنا ثواب ملتا ہے۔ یہاں استثناء نہیں ہے

اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں (یہاں استثناء ہے) اللہ کا ارشاد ہے: **الصومُ لی وأنا أجزی به**: روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کا ثواب دوں گا یعنی روزوں کا ثواب کتنا ہے؟ یہ بات اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتائی حتی کہ کراماً کاتبین بھی نہیں جانتے۔ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا ثواب ڈکلیر کریں گے اسی وقت پتہ چلے گا کہ کس کو اس کے روزے کا کتنا ثواب ملا۔ اس دنیا میں تو بالاجمال اتنی بات بتائی ہے کہ جب ثواب ملے گا روزہ دار خوش ہو جائے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی، یعنی جب روزے کا ثواب بتایا جائے گا تو روزہ دار خوش خوش ہو جائے گا۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ ﴿ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ قرآن کی اصطلاح ہے، اس کے لغوی معنی مراد نہیں، سورۃ التوبہ (آیت ۶۰) میں مصارفِ زکات کے بیان میں جو ﴿ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ آیا ہے اس کا ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے "جہاد میں" کیا ہے، اور فتوی بھی اسی پر ہے کہ اس سے منقطع الغزاۃ مراد ہیں، اس لئے یہاں بھی "جہاد میں" ترجمہ ہوگا۔ اور متعدد صحابہ سے مروی ہے: **من أرسَلَ بنفقةٍ فی سبیل الله، وأقام فی بیته، فله بکل درهم سبع مائة درهم، ومن غزا بنفسه فی سبیل الله تعالیٰ، وأنفق فی وجهه ذلك، فله بکل درهم یوم القیامة سبع مائة ألف درهم" ثم تلاهذه الآیة** (روح)

ترجمہ: جس نے جہاد کے لئے کوئی چندہ بھیجا، اور خود گھر رہا، اس کو ایک درہم کے سات سو درہم ملیں گے، اور جس نے بذاتِ خود جہاد کیا، اور اس کے لئے حسب تقاضا خرچ بھی کیا تو اس کو قیامت کے دن ہر درہم کے بدل سات لاکھ درہم ملیں گے، پھر نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی، معلوم ہوا کہ اس آیت میں خاص انفاق (جہاد کے لئے خرچ کرنے کا ذکر ہے، عام انفاق (وجوہِ خیر میں خرچ کرنے) کا ذکر نہیں۔

﴿ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝۲۶۱ ﴾

ترجمہ: ان لوگوں کا حال جو اللہ کے راستے میں — یعنی جہاد کے لئے — اپنا مال خرچ کرتے ہیں ایسا ہے جیسے گیہوں کا ایک دانہ، اس نے سات بالیں اگائیں، ہر بال میں سو دانے ہیں — یعنی کم از کم سات سو گنا ثواب ہے — اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں گے کئی گنا بڑھا دیں گے — یعنی زائد کی کوئی حد نہیں، موقع محل اور اخلاص کے لحاظ سے ثواب بڑھتا ہے، حدیث میں ہے کہ میرے صحابہ نے جو چار سو گرام جو خرچ کئے ہیں، بعد کے لوگ اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کریں تو بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتے، کیونکہ ابتداء میں اسلام کے پودے کو آبیاری کی ضرورت تھی، بعد

میں جب وہ تناور درخت بن گیا تو اس کی ضرورت نہ رہی، اب کوئی پانی پلاتا ہے تو وہ درخت کا پھل کھانے کے لئے پلاتا ہے ــــ اور اللہ تعالیٰ گنجائش والے، خوب جاننے والے ہیں ــــ یعنی ان کے یہاں کمی کس چیز کی ہے؟ اور وہ اخلاص اور حاجت کو خوب جانتے ہیں، ان کے لحاظ سے ثواب عنایت فرمائیں گے۔

انفاق فی سبیل اللہ کا خادشات سے بچا ہوا ہونا ضروری ہے

خادشات: یعنی زخمی کرنے والی چیزیں، جہاد کے لئے خرچ کرنے کا مذکورہ ثواب جب ہے کہ انفاق خادشات سے محفوظ ہو، خادشات دو ہیں: احسان جتلانا اور تکلیف پہنچانا، جہاد کے لئے چندہ دیا پھر اس کو امیر کے منہ پر مارا کہ میں نے اتنا دیا، یا مسلمانوں پر احسان رکھا کہ میرا یہ کارنامہ ہے، تو ثواب برباد ہو گیا، دیا تھا تو کس کے لئے دیا تھا؟ اپنے دارین کے نفع کے لئے دیا تھا، پھر کسی پر کیا احسان!

﴿ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: جو لوگ اپنے اموال اللہ کے راستے میں ــــ یعنی جہاد کے لئے ــــ خرچ کرتے ہیں، پھر وہ اپنے خرچ کئے پیچھے احسان اور تکلیف دہی نہیں لاتے، ان کے لئے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس، نہ ان کو کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے!

خیرات دے کر ستانے سے بہتر مناسب بات کہنا اور معذرت کرنا ہے

یہ گریز کی آیت ہے، اب موضوع بدلے گا، انفاقِ خاص سے کلام انفاقِ عام کی طرف منتقل ہوگا، ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہیں: جہاد کے لئے چندہ دے کر یا خیرات کر کے تکلیف پہنچانے سے بہتر یہ ہے کہ مناسب بات کہہ دی جائے، اپنا کوئی عذر بیان کرے، یا کہہ دے کہ بابا! معاف کرو! اصرار کے جواب میں بھی بدخوئی سے پیش نہ آئے، اور یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، کسی کے مال کی ان کو حاجت نہیں، جو چندہ دیتا ہے یا خیر خیرات کرتا ہے وہ اپنے نفع لئے کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ حلیم و بردبار ہیں، ایذا رسانی پر فوراً گرفت نہیں کرتے۔

﴿ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: مناسب بات کہنا اور معذرت چاہنا ایسی خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے ایذا رسانی آئے، اور اللہ تعالیٰ بے نیاز بردبار ہیں!

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶۴ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲۶۵ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ ښ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۶۶ۧ

ربع

يٰاَيُّهَا	اے وہ لوگو	مَالَهٗ	اپنا مال	فَاَصَابَهٗ	پس پہنچی اس کو
الَّذِيْنَ	جو	رِئَآءَ النَّاسِ	دکھانے کو لوگوں کے	وَابِلٌ	موسلا دھار بارش
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَلَا يُؤْمِنُ	اور نہیں یقین رکھتا	فَتَرَكَهٗ	پس کر چھوڑا اس کو
لَا تُبْطِلُوْا	نہ ضائع کرو	بِاللّٰهِ	اللہ پر	صَلْدًا	سپاٹ
صَدَقٰتِكُمْ	اپنی خیراتوں کو	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور آخری دن پر	لَا يَقْدِرُوْنَ	نہیں قادر وہ
بِالْمَنِّ	احسان جتلا کر	فَمَثَلُهٗ	پس اس کا حال	عَلٰي شَيْءٍ	کسی چیز پر
وَالْاَذٰى	اور تکلیف پہنچا کر	كَمَثَلِ	جیسا حال	مِّمَّا كَسَبُوْا	اس سے جو کمایا انھوں نے
كَالَّذِيْ (۱)	جیسے وہ شخص جو	صَفْوَانٍ	چکنی چٹان کا	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
يُنْفِقُ	خرچ کرتا ہے	عَلَيْهِ تُرَابٌ	جس پر کچھ مٹی ہو	لَا يَهْدِي	نہیں راہ دیتے

(۱) کالذی: أی إبطالاً کإبطال الذی: یعنی کالذی: مصدر محذوف کی صفت ہے۔

الْقَوْمَ	لوگوں کو	فَاِنْ لَّمْ	پس اگر نہ	لَهٗ فِيْهَا	اس کے لئے اس میں
الْكٰفِرِيْنَ	نہ ماننے والے	يُصِبْهَا	پہنچے اس کو	مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ	ہر طرح کا پھل ہو
وَمَثَلُ الَّذِيْنَ	اور حال ان کا جو	وَابِلٌ	موسلا دھار بارش	وَاَصَابَهُ	اور پہنچا ہو اس کو
يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں	فَطَلٌّ	تو ہلکی پھوار	الْكِبَرُ	بڑھاپا
اَمْوَالَهُمُ	اپنے اموال	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ	اور اس کی اولاد ہو
ابْتِغَآءَ	چاہنے کے لئے	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو	ضُعَفَآءُ	کمزور
مَرْضَاتِ اللّٰهِ	اللہ کی خوشنودی	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں	فَاَصَابَهَآ	پس پہنچا اس کو
وَتَثْبِيْتًا(۱)	اور جمانے کے لئے	اَيَوَدُّ	کیا پسند کرتا ہے	اِعْصَارٌ	بگولا
مِّنْ اَنْفُسِهِمْ	اپنے دلوں میں	اَحَدُكُمْ	تم میں سے کوئی	فِيْهِ نَارٌ	جس میں آگ ہے
كَمَثَلِ	جیسے حال	اَنْ تَكُوْنَ	کہ ہو	فَاحْتَرَقَتْ	پس جل گیا وہ
جَنَّةٍ	ایک باغ کا	لَهٗ جَنَّةٌ	اس کے لئے ایک باغ	كَذٰلِكَ	اس طرح
بِرَبْوَةٍ	کسی اونچائی پر	مِّنْ نَّخِيْلٍ	کھجور کا	يُبَيِّنُ	واضح کرتے ہیں
اَصَابَهَا	پہنچی اس کو	وَّاَعْنَابٍ	اور انگور کا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَابِلٌ	موسلا دھار بارش	تَجْرِيْ	بہتی ہوں	لَكُمُ الْاٰيٰتِ	تمہارے لئے اپنی باتیں
فَاٰتَتْ اُكُلَهَا(۲)	پس لایا وہ اپنا پھل	مِنْ تَحْتِهَا	اس کے نیچے سے	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
ضِعْفَيْنِ	دو چند	الْاَنْهٰرُ	نہریں	تَتَفَكَّرُوْنَ	غور و فکر کرو

عام انفاق کا بیان

صدقہ کر کے احسان جتلانا اور آزار پہنچانا صدقہ کو باطل کر دیتا ہے

عام انفاق: یعنی وجوہِ خیر میں خرچ کرنا، جہاد کے لئے خرچ کرنا بھی اس میں شامل ہے، پہلے خاص انفاق کا ذکر تھا، یعنی جہاد میں خرچ کرنا، دونوں انفاقوں کا منّ واذی سے پاک ہونا ضروری ہے، دونوں سے انفاق باطل ہو جاتا ہے۔ اور منّ واذی میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، منّ عام ہے اور اذی خاص، احسان کر کے منہ پر مارنے سے کبھی تکلیف پہنچتی ہے کبھی نہیں پہنچتی، بات سرسری ہو تو تکلیف نہیں پہنچتی، پس وہ صرف منّ (احسان جتلانا) ہے اور اگر بات سنجیدگی

(۱) ثَبَّتَ تَثبیتاً: جمانا، پختہ کرنا، خوگر بنانا (۲) آتی فلانا الشیئَ: کسی کے پاس کوئی چیز لانا۔

سے ہوتو تکلیف پہنچتی ہے، پس منّ کے ساتھ اذی بھی ہوگا، اور دونوں سے حسن سلوک کا ثواب باطل ہوجاتا ہے، اس لئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

تشبیہ اور محسوس مثال سے قباحت کی وضاحت

تشبیہ: احسان جتلانا اور تکلیف پہنچانا کس درجہ برا ہے؟ اس کو ریا وسُمعہ (دکھلانے سنانے) کے لئے خرچ کرنے کی برائی کے ساتھ تشبیہ دے کر سمجھاتے ہیں، اور تشبیہ میں مشبّہ بہ اقوی ہوتا ہے، اس لئے منّ واذی سے صدقہ کو باطل کرنے کی ممانعت کا مخاطب مؤمنین کو بنایا، اور دکھلانے سنانے کے لئے خرچ کرنے کا ذکر منافق کے تعلق سے بیان کیا، اعتقادی منافق در پردہ کافر ہوتا ہے، مؤمن کی یہ شان نہیں کہ دکھلانے کے لئے صدقہ کرے، یہ کام تو منافق کرے گا، جو نہ اللہ کو مانتا ہے نہ قیامت کے دن کو، اسی طرح احسان جتلانا اور آزار پہنچانا اگرچہ مؤمن سے صادر ہوسکتا ہے، مگر ان سے بھی ثواب باطل ہوجاتا ہے، پس یہ بھی ریا وسُمعہ کی طرح ہیں، دونوں سے ثواب ضائع ہوجاتا ہے، بس فرق اتنا ہے کہ من واذی سے ملا ہوا ثواب ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور ریا وسُمعہ میں ثواب ملتا ہی نہیں۔

محسوس مثال: احسان جتلانے اور ایذاء پہنچانے سے ثواب کس طرح باطل ہوتا ہے اس کو محسوس مثال سے سمجھاتے ہیں۔ ایک چکنا پتھر ہے، اس پر کچھ مٹی آگئی، اس سے امید بندھی کہ اس پر کچھ کاشت ہوسکتی ہے، پھر اس پر زور کی بارش پڑجائے جو مٹی کو بالکل صاف کردے، اسی طرح احسان جتلانے والوں کو اور ایذاء پہنچانے والوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہیں آئے گی، مگر جو حکم مانے گا وہی راہ یاب ہوگا، اور جو حکم نہیں مانے گا اس کو اللہ تعالیٰ توفیق نہیں دیں گے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۤءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنی خیراتوں کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر ضائع مت کرو، (تشبیہ ا) جیسے وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ کا اور آخری دن کا یقین نہیں رکھتا ــــــ یعنی اعتقادی منافق ہے۔

محسوس مثال: پس اس کا حال اس چکنی چٹان جیسا ہے جس پر کچھ مٹی ہو، پھر اس پر موسلا دھار بارش پڑی، پس اس کو سپاٹ کرکے رکھ دیا، وہ لوگ اپنی کمائی میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کرسکیں گے ــــــ یعنی من واذی سے سارا ثواب ختم ہوجائے گا ــــــ اور اللہ تعالیٰ منکرین کو راہِ ہدایت نہیں دیتے!

خیرات اللہ کی رضا جوئی اور نفس میں پختگی پیدا کرنے کے لئے ہونی چاہئے

(محسوس مثال سے افادیت کی وضاحت)

اسلام کا قُطب الرَّحیٰ (چکّی کا کیلا) رضائے الٰہی ہے، سورۃ التوبہ (آیت ۷۲) میں ہے: ﴿ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾: اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بڑی غرض ہے، پس ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پیش نظر ہونی چاہئے، وہ حاصل ہوجائے تو سب کچھ حاصل ہوجائے گا، پس صدقہ خیرات میں بھی یہی جذبہ ہونا چاہئے۔ دوسرا فائدہ: نفس کو رذیلۂ بخل سے پاک کرنا ہے، جب انسان بار بار خیرات کرے گا تو نفس عالی ظرف ہوگا، سخاوت کا خوگر ہوگا، جس کا اثر دوسرے اعمال پر بھی پڑے گا۔

محسوس مثال: اور اللہ کی رضا جوئی اور نفس میں سخاوت پیدا کرنے کے لئے خرچ کرنے کی مثال یہ ہے کہ کسی بلندی پر کوئی باغ ہو، اس پر زور کی بارش برسے تو باغ دونا پھل دے گا، اور اگر زور کا مینہ نہ برسے تو ہلکی پھوار بھی کافی ہوجائے گی (سطح مرتفع پر بارش بھی زیادہ ہوتی ہے اور شبنم بھی زیادہ گرتی ہے) یعنی بہت خرچ کرے گا تو بہت ثواب ملے گا، اور تھوڑی خیرات بھی سودمند ہوگی، محروم نہیں رہے گا، اور بندوں کے کاموں کو اللہ پاک خوب دیکھ رہے ہیں، کس نے کتنا خرچ کیا اور نیت کیا تھی؟ اس سے اللہ تعالیٰ واقف ہیں، اس کے مطابق صلہ عنایت فرمائیں گے۔

﴿ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲۶۵ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کا حال جو اپنے اموال اللہ کی خوشنودی اور اپنے دل میں پختگی پیدا کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں: اس باغ جیسا ہے جو سطح مرتفع پر ہو، اس پر موسلا دھار بارش برسی، پس وہ اپنا پھل دوچند لایا، اور اگر اس پر موسلا دھار بارش نہ برسے تو ہلکی پھوار —— کافی ہوجائے گی، باغ پھل دے گا —— اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہے ہیں!

شیطان: انسان کے اعمال کو ناکارہ کردیتا ہے

(مثال سے وضاحت)

مالدار آدمی صدقہ خیرات کرتا ہے یا کوئی اور فرماں برداری والا کام کرتا ہے تو شیطان آتا ہے اور اس کے اعمال پر ڈاکہ ڈالتا ہے اور گناہ میں مبتلا کردیتا ہے، وہ احسان جتلا کر یا آزار پہنچا کر اپنا صدقہ باطل کردیتا ہے، یا اعمالِ صالحہ میں ریاؤ

سُمعہ کا جذبہ شامل کرکے ان کو ناکارہ بنادیتا ہے، اس کی ایک محسوس مثال بیان فرماتے ہیں:

محسوس مثال: ایک شخص کا کھجور اور انگور کا باغ ہے، اس میں نہریں رواں ہیں، جو اس کی سرسبزی کی ضامن ہیں، اور اس کے لئے اس باغ میں اور بھی ہر طرح کے میوے ہیں، آم اور امرود کے بھی درخت ہیں، اور اس کا بڑھاپا آگیا ہے، وہ دوسرا باغ لگانے کی پوزیشن میں نہیں، اور اس کے کمزور بچے ہیں یعنی اس پر خرچ کا دوہرا بوجھ ہے کہ اچانک بگولہ آیا، جس میں آگ (گرمی) تھی، اس سے وہ باغ خاکستر ہوگیا، کیا کوئی اس بات کو پسند کرے گا؟ نہیں! پھر وہ منّ اذی کے ذریعہ یا ریاؤسمعہ کے ذریعہ اپنے اعمال کو باطل کرنا کیسے گوارہ کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بیان کی ہے تاکہ لوگ سوچیں اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کریں۔

آیت کا یہ مطلب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، بخاری شریف میں حدیث (نمبر ۴۵۳۸) ہے، آپؓ نے صحابہ سے پوچھا: آیتِ کریمہ: ﴿ اَيَوَدُّ ﴾ کا کیا مطلب ہے؟ یعنی مقصدِ کلام کیا ہے؟ کسی نے نہیں بتایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کچھ بتایا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: **لرجلٍ غني، يعمل بطاعة الله عزوجل، ثم بعث الله له الشيطان، فعمل بالمعاصي حتى أغرق أعماله:** یعنی ایک مالدار آدمی کے عمل کی مثال بیان کی ہے، جس نے اللہ کی فرمان برداری والا کام کیا، یعنی صدقہ خیرات کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے شیطان کو بھیجا (اس نے ورغلایا) پس اس نے گناہ کا کام کیا، یعنی احسان جتلایا یا آزار پہنچایا یا ریاؤسمعہ کا جذبہ شامل کرلیا، یہاں تک کہ اس کے اعمالِ صالحہ کو ڈبادیا یعنی ناکارہ کردیا۔

﴿اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾﴾

ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اس کا کھجور کا اور انگور کا باغ ہو، جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اس کے لئے اس باغ میں اور بھی میوے ہوں، اور اس کا بڑھاپا آگیا ہو، اور اس کی کمزور اولاد ہو، پس اس پر بگولہ آئے، جس میں آگ (گرمی) ہو، اور وہ خاکستر ہوجائے؟ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی باتیں وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ تم سوچو!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ

بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اِلَّآ	مگر	وَفَضْلًا	اور مہربانی کا
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے ہو	اَنْ تُغْمِضُوْا	یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اَنْفِقُوْا	خرچ کرو	فِيْهِ	اس (لینے) میں	وَاسِعٌ	کشادگی والے
مِنْ طَيِّبٰتِ	عمدہ چیزوں سے	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں
مَا كَسَبْتُمْ	جو تم نے کمائی ہیں	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	يُؤْتِي	دیتے ہیں
وَمِمَّآ	اور ان میں سے جو	غَنِيٌّ حَمِيْدٌ	بے نیاز خوبیوں والے ہیں	الْحِكْمَةَ	سمجھ بوجھ
اَخْرَجْنَا	نکالی ہیں ہم نے	اَلشَّيْطٰنُ	شیطان	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
لَكُمْ	تمہارے لئے	يَعِدُكُمُ	وعدہ کرتا ہے تم سے	وَمَنْ	اور جو شخص
مِّنَ الْاَرْضِ	زمین سے	الْفَقْرَ	تنگی دستی کا	يُّؤْتَ	دیا گیا
وَلَا تَيَمَّمُوا	اور نہ قصد کرو	وَيَاْمُرُكُمْ	اور حکم دیتا ہے وہ تم کو	الْحِكْمَةَ	سمجھ بوجھ
الْخَبِيْثَ	ناکارہ چیز کا	بِالْفَحْشَآءِ	بے حیائی کا	فَقَدْ اُوْتِيَ	تو یقیناً دیا گیا وہ
مِنْهُ	اس میں سے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	خَيْرًا كَثِيْرًا	بہت خوبی
تُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہو تم	يَعِدُكُمْ	وعدہ کرتے ہیں تم سے	وَمَا يَذَّكَّرُ	اور نہیں نصیحت قبول کرتے
وَلَسْتُمْ	حالانکہ نہیں ہو تم	مَّغْفِرَةً	بخشش کا	اِلَّآ	مگر
بِاٰخِذِيْهِ	اس کو لینے والے	مِّنْهُ	اپنی طرف سے	اُولُوا الْاَلْبَابِ	خالص عقل والے

راہِ خدا میں عمدہ چیز خرچ کی جائے

انفاق (خرچ کرنے) کی دو صورتیں ہیں:

ایک: —— اجر وثواب حاصل کرنے کے لئے خرچ کرنا —— یعنی غریب کی حاجت روائی پیشِ نظر نہ ہو، اس صورت میں اچھی چیز خرچ کرنے کا حکم ہے، اس آیت میں یہی خرچ کرنا مراد ہے، اور سورۃ آلِ عمران (آیت ۹۲) میں بھی

یہی خرچ کرنا مراد ہے۔ فرمایا: ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ﴾: تم خیر کامل کبھی حاصل نہ کرسکوگے جب تک تم اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو۔

دوسری: ـــــ کسی غریب کا تعاون کرنا ـــــ یعنی اس کی حاجت روائی کرنا، مثلاً: کوئی حاجت مند سردی کے زمانہ میں لحاف یا چادر مانگتا ہے تو ضروری نہیں کہ گھر میں جو عمدہ لحاف یا چادر ہو وہ دے، جو ضرورت سے زائد ہو وہ بھی دے سکتا ہے، اس کا بھی اجر وثواب ہے، ابھی (آیت ۲۱۹) گذری ہے ﴿وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ ۬ؕ قُلِ الۡعَفۡوَ﴾: لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ کہیں: جو ضرورت سے زائد ہو، جلالین میں العفو کا ترجمہ **الفاضل عن الحاجة** کیا ہے، پھر جلالین ہی میں یہ بھی ہے: **لا تُنفقوا مما تحتاجون إليه، تُضَيِّعُوْا أنفسَكم**: اپنی ضرورت کی چیزیں خرچ مت کرو، ورنہ خود کو برباد کرلوگے۔

آیت کا شانِ نزول: ترمذی میں حدیث (نمبر ۳۰۱۰) ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے، انصار حسبِ استطاعت کھجور کے خوشے لاکر مسجدِ نبوی میں اصحابِ صفّہ کے لئے لٹکاتے تھے، بعض لوگ خیر کے کاموں میں رغبت نہیں رکھتے تھے، وہ ایسا خوشہ لاتے جس میں ردی اور سوکھی کھجوریں ہوتی تھیں، پس یہ آیت نازل ہوئی، اس میں فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کو ہدیہ میں ایسی نکمّی چیز دی جائے تو وہ اس کو نہیں لے گا، ہاں چشم پوشی کرجائے یا شرما کرلیلے تو اور بات ہے، چنانچہ لوگ اس کے بعد کارآمد خوشے لانے لگے۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ۪ وَلَا تَیَمَّمُوا الۡخَبِیۡثَ مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ وَلَسۡتُمۡ بِاٰخِذِیۡهِ اِلَّاۤ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا فِیۡهِ ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۲۶۷﴾ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے عمدہ چیز خرچ کیا کرو، اور اس میں سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہے، اور اس (کمائی اور پیداوار) میں سے نکمّی چیز کا قصد مت کیا کرو، تم (وہ نکمّی چیز) خرچ کرتے ہو جبکہ تم اس کو لینے کے روادار نہیں ہوتے، مگر یہ کہ تم چشم پوشی کرجاؤ (تو اور بات ہے) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ستودہ صفات ہیں ـــــ یعنی وہ تمہارے انفاق کے محتاج نہیں، اور وہ خوبیوں والے ہیں، جو بہتر چیز پیش کرتا ہے اسی کو پسند فرماتے ہیں۔

شیطانی خیال اور اللہ کا الہام

جب کوئی خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو شیطان تنگ دستی کا ہوّا کھڑا کرتا ہے دل میں خیال آتا ہے کہ خرچ کرے گا تو تنگ دست رہ جائے گا، ہاں گناہ کے کاموں میں، ریت رواج اور فحاشی وعیاشی میں خوب خرچ کرواتا ہے، اس وقت تنگ

دستی کا خیال نہیں آتا، پس جان لے کہ دل میں یہ خیال شیطان کی طرف سے آیا ہے۔

اور اللہ کا یہ پکا وعدہ ہے کہ خیرات کرو تمہارے گناہ معاف ہونگے، حدیث میں ہے: **الصدقةُ تُطْفِئُ غضبَ الربِّ:** خیرات: اللہ کی ناراضگی کو دور کرتی ہے، اور اللہ راضی ہونگے تو بیڑا پار ہوگا، اور خیرات کرنے سے مال میں ترقی اور برکت ہوتی ہے، حدیث میں ہے: روز دو فرشتے اترتے ہیں، ایک دعا کرتا ہے: **اللّٰهم أَعْطِ مُنفِقًا خَلَفًا:** الٰہی! خرچ کرنے والے کو عوض دے! دوسرا فرشتہ آمین کہتا ہے، پھر دوسرا کہتا ہے: **اللّٰهم أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا:** الٰہی! روکنے والے کا مال تباہ کر! دوسرا آمین کہتا ہے، پھر دونوں فرشتے آسمان میں چڑھ جاتے ہیں، پس اگر وجوہِ خیر میں خرچ کرنے کا خیال آئے تو اس کو اللہ کی طرف سے الہام سمجھے، اور اللہ کا شکر بجالائے، اللہ کے خزانے میں کمی نہیں، وہ گنجائش والے ہیں، بندوں کے ظاہر و باطن کو جانتے ہیں، نیت کے مطابق ثواب عنایت فرمائیں گے۔

اور اس آیت کی تفسیر میں ترمذی میں درج ذیل حدیث (نمبر ۳۰۱۱) آئی ہے:

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: شیطان انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، اور فرشتہ الہام کرتا ہے، رہا شیطان کا وسوسہ تو وہ برائی (بدحالی) سے ڈراتا ہے، اور دین حق (اجر کے وعدے) کو جھٹلاتا ہے، اور رہا فرشتہ کا الہام تو وہ بھلائی کا وعدہ کرتا ہے اور دین حق کی تصدیق کرتا ہے...... پس جو شخص یہ باتیں (اپنے دل میں) پائے: وہ جان لے کہ وہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، پس وہ اللہ کا شکر بجالائے، اور جو شخص دوسرا خیال پائے وہ شیطان سے اللہ کی پناہ چاہے، پھر نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۶۸﴾

ترجمہ: شیطان تم سے محتاجگی کا وعدہ کرتا ہے، اور وہ تمہیں بری بات کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی طرف سے گناہ معاف کرنے کا اور زیادہ دینے کا وعدہ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ وسعت والے خوب جاننے والے ہیں!

دین کی سمجھ ہر کسی کو نہیں ملتی، اور جسے مل گئی اس کے وارے نیارے!

وارے نیارے: یعنی خوب نفع، خیرات کرنے کی اور دوسرے نیک کاموں کی سمجھ بوجھ ہر کسی کو نہیں ملتی، یہ خوبی اللہ جس کو چاہتے ہیں عنایت فرماتے ہیں۔ اگر کسی کو یہ خوبی مل گئی تو اس کی پانچوں انگلیاں گھی میں! دنیا کی کوئی نعمت اس کے برابر نہیں، مگر نصیحت وہی قبول کرتا ہے جس کی عقل خالص ہے، اس پر چھلکے چڑھے ہوئے نہیں، ایسے شخص کے عقائد درست ہوجاتے ہیں، اس کو اعمالِ صالحہ کی توفیق ملتی ہے، اور آخرت میں اجر و ثواب سے اس کا دامن بھر جاتا ہے، دنیا کی

کوئی نعمت: اجر وثواب اور نجات کی برابری نہیں کر سکتی۔

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں سمجھ بوجھ عطا فرماتے ہیں، اور جسے سمجھ بوجھ مل گئی اس کو یقیناً بڑی خوبی مل گئی، اور نصیحت خالص عقل والے ہی قبول کرتے ہیں!

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾ إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٧١﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٢﴾ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢٧٣﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٤﴾

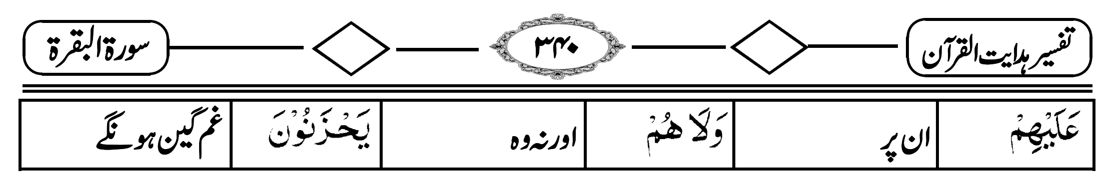
ع ۳۷ / ۵

وَمَا أَنْفَقْتُمْ (۱)	اور جو خرچ کیا تم نے	فَإِنَّ اللَّهَ	پس بیشک اللہ تعالیٰ	مِنْ أَنْصَارٍ	کوئی مددگار
مِنْ نَفَقَةٍ	کوئی سا خرچ	يَعْلَمُهُ	اس کو جانتے ہیں	إِنْ تُبْدُوا	اگر ظاہر کرو تم
أَوْ نَذَرْتُمْ	یا منت مانی تم نے	وَمَا لِلظَّالِمِينَ	اور نہیں ہے اپنا نقصان کرنے والوں کے لئے	الصَّدَقَاتِ	خیراتیں
مِنْ نَذْرٍ	کوئی سی منت			فَنِعِمَّا (۲)	پس بہت اچھی ہیں

(۱) ما: موصولہ، من نفقة: اس کا بیان ہے (۲) نِعِمَّا: نِعْمَ مَا ہے، میم کا میم میں ادغام ہوا ہے اور مَا: بمعنی شیئ ہے۔

هِيَ (1)	وہ (خیراتیں)	وَمَا تُنْفِقُوْنَ	اور نہیں خرچ کرتے تم	تَعْرِفُهُمْ	پہچانیں گے آپ ان کو
وَاِنْ تُخْفُوْهَا	اور اگر چھپاؤ تم ان کو	اِلَّا	مگر	بِسِيْمٰهُمْ	ان کے چہروں کی
وَتُؤْتُوْهَا	اور دو تم ان کو	ابْتِغَآءَ	چاہنے کے لئے		علامتوں سے
الْفُقَرَآءَ	غریبوں کو	وَجْهِ اللّٰهِ	اللہ کا چہرہ (خوشنودی)	لَا يَسْـَٔلُوْنَ	نہیں مانگتے وہ
فَهُوَ	تو وہ	وَمَا تُنْفِقُوْا	اور جو خرچ کرتے ہو تم	النَّاسَ	لوگوں سے
خَيْرٌ لَّكُمْ	بہتر ہے تمہارے لئے	مِنْ خَيْرٍ	کوئی بھی بھلائی	اِلْحَافًا	لپٹ کر
وَيُكَفِّرُ	اور مٹائیں گے وہ	يُّوَفَّ	پورا پورا دیا جائے گا	وَمَا تُنْفِقُوْا	اور جو خرچ کروگے تم
عَنْكُمْ	تم سے	اِلَيْكُمْ	تمہیں	مِنْ خَيْرٍ	کوئی بھی بھلائی
مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ (2)	تمہاری برائیوں میں سے	وَاَنْتُمْ	اور تم	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بیشک اللہ تعالیٰ
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	لَا تُظْلَمُوْنَ	حق نہیں مارے جاؤ گے	بِهٖ عَلِيْمٌ	اس کو خوب جانتے ہیں
بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو	لِلْفُقَرَآءِ (3)	محتاجوں کے لئے	الَّذِيْنَ	جو لوگ
خَبِيْرٌ	خوب جانتے ہیں	الَّذِيْنَ	جو	يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں
لَيْسَ عَلَيْكَ	نہیں ہے آپ پر	اُحْصِرُوْا	روکے گئے ہیں	اَمْوَالَهُمْ	اپنے اموال
هُدٰهُمْ	ان کو راہ پر لانا	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (4)	راہِ خدا میں (جہاد کیلئے)	بِالَّيْلِ	رات میں
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	اور لیکن اللہ تعالیٰ	لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ	نہیں طاقت رکھتے وہ	وَالنَّهَارِ	اور دن میں
يَهْدِيْ	راہ پر لاتے ہیں	ضَرْبًا	(پیر) مارنے کی	سِرًّا	چھپاکر
مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	وَّعَلَانِيَةً	اور علانیہ
وَمَا تُنْفِقُوْا	اور جو خرچ کرتے ہو تم	يَحْسَبُهُمُ	خیال کرتا ہے ان کو	فَلَهُمْ	پس ان کے لئے ہے
مِنْ خَيْرٍ	کوئی بھلائی	الْجَاهِلُ	ناواقف	اَجْرُهُمْ	ان کا بدلہ ہے
فَلِاَنْفُسِكُمْ	تو وہ تمہاری ذاتوں کے لئے ہے	اَغْنِيَآءَ	مالدار (بے نیاز)	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس
		مِنَ التَّعَفُّفِ	سوال سے بچنے کی وجہ سے	وَلَا خَوْفٌ	اور نہیں ہے ڈر

(۱) ھی: مخصوص بالمدح ہے، اور مرجع الصدقات ہے (۲) من: تبعیضیہ ہے، صدقہ سے صغائر معاف ہوتے ہیں (۳) للفقراء: مبتدا محذوف کی خبر ہے جو الصدقات ہے (۴) اصحابِ صفّہ (چبوترے والے) علم حاصل کرتے تھے اور جب ضرورت پڑتی تو جہاد کے لئے بھیجے جاتے، جلالین میں ہے: حَبَسُوْا أنفسَهم على الجهاد إلخ۔



عَلَيْهِمْ	ان پر	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	يَحْزَنُوْنَ	غم گین ہونگے

انفاقات کی تفصیل

ان آیات میں انفاق کے تعلق سے پانچ باتیں بیان کی ہیں:

۱-واجب انفاق (زکات، صدقۂ فطر اور منت) کا پورا کرنا ضروری ہے

غریبوں پر خرچ کرنے کی دوقسمیں ہیں: واجب اور نفل، پھر واجب کی دوقسمیں ہیں: ایک: وہ جس کو شریعت نے واجب کیا ہے، وہ زکات اور صدقۂ فطر ہیں۔دوم: وہ جس کو بندے نے خود اپنے اوپر واجب کیا ہے، وہ منت ہے، اور نفل انفاق: وہ ہے جو بندہ اپنی مرضی سے کرتا ہے، وہ امداد، للہ اور صدقۂ نافلہ کہلاتا ہے، پہلی آیت میں واجب انفاق کا ذکر ہے، اور آخری آیت میں نفل انفاق کا، ارشاد فرماتے ہیں: واجب انفاق کی دونوں قسموں کو پورا کرنا ضروری ہے، دونوں کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، پورا کروگے تو ثواب پاؤگے، نہیں کروگے تو سزا پاؤگے، اور کوئی سزا سے بچا نہیں سکے گا۔

﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۲۷۰﴾

ترجمہ: اور تم نے جو کچھ بھی خرچ کیا ــــ زکات یا صدقۂ فطر ادا کیا ــــ یا تم نے جو بھی منت مانی ــــ تھوڑی مانی یا زیادہ، مالی مانی یا غیر مالی ــــ تو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں ــــ اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں، ان کی تعمیل کروگے تو ثواب عنایت فرمائیں گے ــــ اور اپنا نقصان کرنے والوں کے لئے ــــ یعنی ان واجبات کی ادائیگی نہ کرنے والوں کے لئے ــــ کوئی مددگار نہیں ــــ جو سزا سے بچا سکے۔

۲-برملا خرچ کرے تو واہ وا، اور غریب کو چھپا کر دے تو بہتر ہے

ملّی کاموں میں دونوں طرح خرچ کرنا جائز ہے، کبھی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ برملا خرچ کیا جائے، تاکہ دوسروں کو شوق اور رغبت ہو یا اپنی ذات سے الزام ہٹے، پس اگر لوگوں کو دکھانے کی نیت نہ ہو تو ایسا کرنا بھی خوب ہے، مگر غریب کو چھپا کر دینا بہتر ہے، تاکہ وہ شرمندہ نہ ہو، اور غریب کو دینے سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، حدیث میں ہے: **صدقة السِّرِّ تطفئ غضب الرب**: پوشیدہ خیرات اللہ کی ناراضگی کو ختم کرتی ہے، اور بندے جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں، لہٰذا نیت کی حفاظت کرو۔

﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ

وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾

ترجمہ: اگر تم خیراتیں ظاہر کرو تو واہ وا! اور اگر ان کو چھپاؤ اور غریبوں کو دو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور وہ تمہارے کچھ گناہ مٹائیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو باخبر ہیں۔

۳- غیر مسلم رعایا پر بھی خرچ کرو، اس میں بھی فائدہ ہے

اگر کوئی غیر مسلم ضرورت مند ہو تو اس کو بھی خیرات دو، کافر ہونے کی وجہ سے اس کو صاف جواب مت دو، کیونکہ ہدایت کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، مؤمنین کو تو چاہئے کہ اگر سائل ضرورت مند ہو تو اس کی امداد کریں، اس کے تین فائدے ہیں: (۱) مؤمن جو کچھ خرچ کرے گا اس کا فائدہ اس کو حاصل ہوگا (۲) مؤمن جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ اللہ کو خوش کرنے کے لئے کرتا ہے (۳) مؤمن کو اس کے خرچ کا بے کم وکاست بدلہ مل جائے گا۔ پھر وہ کیوں سوچے کہ سائل غیر مسلم ہے؟ اس حکم سے اسلام کی وسعت اور رواداری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس حد تک انسانوں سے محبت اور احسان کا معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

مسئلہ: خیرات سے نفلی خیرات مراد ہے، وہ ذمی غیر مسلم کو دینا بھی جائز ہے، صدقۂ واجبہ (زکات) مراد نہیں، کہ وہ سوائے مسلمان کے کسی دوسرے غریب کو دینا جائز نہیں (معارف القرآن)

تنبیہ: اس موقع پر یہ تنبیہ ضروری ہے کہ ضرورت مند سائل کی امداد ایک الگ چیز ہے اور اس کا مسلمانوں کو حکم ہے اور کفر کی براہ راست اعانت ایک الگ چیز ہے جس سے مسلمانوں کو سختی سے روک دیا گیا ہے خصوصاً جب اس کا مقصد کافروں کو خوش کرنا ہو، مثلاً ایک غیر مسلم سائل آپ کے دروازے پر آواز دے رہا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ وہ ضرورت مند ہے یا آپ کے محلّہ میں ایک بے کس غیر مسلم بستا ہے یا غیر مسلم یتیم خانے کی جانب سے آپ سے اپیل کی جارہی ہے، یا کسی غیر مسلم علاقہ پر کوئی آفت ناگہانی آپڑی ہے، ان صورتوں میں یا اس جیسی دوسری صورتوں میں آپ امداد کریں، لیکن مندروں کی تعمیر کے لئے، میلوں اور کھیلوں کے لئے، یا تیوہاروں مثلاً ہولی، دیوالی کے لئے ایک پائی خرچ کرنے کی آپ کو اجازت نہیں۔ (ہدایت القرآن کاشفی پارہ ۳ ص ۲۲)

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴾

ترجمہ: آپ کے ذمہ ان کو راہ پر لانا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں راہ پر لاتے ہیں ــــــ انصار میں سے کچھ

لوگ اپنے مشرک رشتہ داروں کی مدد سے گریز کرتے تھے، تا کہ وہ ان کے ایمان کا باعث بنے، اس پر تنبیہ کی کہ ہدایت تمہارے ہاتھ میں نہیں، اللہ کے ہاتھ میں ہے، تم اس غرض سے مدد مت روکو، ان پر بھی خرچ کرو، تمہیں تین فائدے حاصل ہونگے —— (۱) اور جو بھی بھلائی تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے فائدے کے لئے ہے (۲) اور تم صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہو (۳) اور جو بھی بھلائی تم خرچ کروگے اس کا پورا پورا بدلہ تم کو دیا جائے گا، اور تمہارا حق نہیں مارا جائے گا —— یہ قرآن کا اسلوب ہے: وہ متعدد باتیں تمہید لوٹا کر کہتا ہے، پس ﴿ مَا تُنْفِقُوْا ﴾ مکرر نہیں۔

۴- جہاد وغیرہ دینی کاموں میں مشغول حاجت مندوں پر خرچ کرنا

ایسے لوگوں کو دینے میں بڑا ثواب ہے جو اللہ کی راہ اور اس کے دین کے کام میں مقید ہو کر چلنے پھرنے، کھانے کمانے سے رک رہے ہیں، اور کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے، جیسے اہلِ صفّہ نے گھر بار چھوڑ کر نبی ﷺ کی صحبت اختیار کی تھی، علم دین سیکھنے کے لئے، اور مفسدین فتنہ پھیلانے والوں سے جہاد کرنے کے لئے، اسی طرح اب بھی جو کوئی قرآن کو حفظ کرے یا علم دین میں مشغول ہو تو لوگوں پر لازم ہے کہ ان کی مدد کریں (ماخوذ از فوائد شیخ الہندؒ)

اور آیتِ کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ راہِ خدا میں لڑنے کے لئے وقف ہوگئے ہیں یا دینی کاموں میں مشغول ہیں، اس لئے کما نہیں سکتے، اور ان کی خودداری کا حال یہ ہے کہ ضرورت مند ہونے کے باوجود کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے، اس لئے ناواقف لوگ ان کو مالدار سمجھتے ہیں مگر ان کے چہرے بشرے سے ان کی محتاجگی اور حاجت کا اندازہ ہو جاتا ہے، یہی لوگ واقعی اعانت کے مستحق ہیں، ان پر خرچ کرنا بڑا کارِ ثواب ہے، پس لوگوں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کو تلاش کریں اور ان کی امداد و اعانت کریں۔

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴾

ترجمہ: (صدقات دراصل) اُن حاجت مندوں کے لئے ہیں جو راہِ خدا میں (جہاد اور تحصیلِ علم کے لئے) روکے گئے ہیں، ان کو زمین میں سفر کرنے کی فرصت نہیں، کسی سے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ناواقف ان کو مالدار خیال کرتا ہے، آپ ان کا حال ان کے چہروں کی علامتوں سے جان لیں گے —— فاقہ کے اثرات چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں —— وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے —— ہاں اشارہ کنایہ سے مانگتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فاقہ سے ہوتے اور بھوک برداشت سے باہر ہو جاتی تو اکابر صحابہ سے کسی آیت کی تفسیر پوچھتے، تا کہ وہ ان کے فاقہ کا اندازہ کریں، اور کھانے

کے لئے گھر لے جائیں —— اور تم جو بھی بھلائی خرچ کروگے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں —— یعنی واجب انفاق کے علاوہ بھی جو خرچ کروگے اللہ تعالیٰ اس کا بھی اجر جزیل عنایت فرمائیں گے، اس طرح کلام کا رخ واجب انفاق سے عام انفاق کی طرف ہوجائے گا۔

۵- ہر وقت اور ہر طرح خرچ کرنے والوں کے لئے مژدہ

جو لوگ اللہ کے لئے خرچ کرنے کے عادی ہیں، رات ہو یا دن، خفیہ ہو یا علانیہ، ہر طرح خرچ کرتے رہتے ہیں: ان کو خوش خبری سناتے ہیں کہ ان کا معاوضہ ان کے پروردگار کے پاس محفوظ ہے، وہاں ان کو نہ آگے کا کوئی ڈر ہوگا، اور نہ وہ مافات پر غم گین ہونگے —— اس آیت پر انفاق (غریبوں پر خرچ کرنے) کا بیان پورا ہوا، آگے انفاق کی ضد سود (غریبوں کا خون چوسنے) کا بیان شروع ہوگا، ضد سے ضد اچھی طرح پہچانی جاتی ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ ﴾

ترجمہ: جو لوگ اپنے اموال شب و روز چھپا کر اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، ان کے لئے ان کے ربّ کے پاس ان کا ثواب ہے، اور ان پر نہ کوئی ڈر ہے، اور نہ وہ غم گین ہونگے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع

ع ۳۸/۶

الَّذِيْنَ	جو لوگ	وَاَحَلَّ	اور حلال کی ہے	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں
يَاْكُلُوْنَ	کھاتے ہیں	اللّٰهُ	اللہ نے	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں
الرِّبٰوا	سود	الْبَيْعَ	بیع	يَمْحَقُ	مٹاتے ہیں
لَا يَقُوْمُوْنَ	نہیں کھڑے ہونگے	وَحَرَّمَ	اور حرام کیا ہے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اِلَّا كَمَا	مگر جس طرح	الرِّبٰوا	سود	الرِّبٰوا	سود کو
يَقُوْمُ	کھڑا ہوتا ہے	فَمَنْ جَآءَهٗ	پس جسے پہنچی	وَيُرْبِي	اور بڑھاتے ہیں
الَّذِيْ	وہ شخص	مَوْعِظَةٌ	نصیحت (حکم)	الصَّدَقٰتِ	خیراتوں کو
يَتَخَبَّطُهُ [1]	جسے پاگل بنادیا ہو	مِّنْ رَّبِّهٖ	اس کے رب کی طرف سے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
الشَّيْطٰنُ	شیطان نے	فَانْتَهٰى	پس وہ (سود لینے سے)	لَا يُحِبُّ	پسند نہیں کرتے
مِنَ الْمَسِّ	چھوکر (لپٹ کر)		رک گیا	كُلَّ كَفَّارٍ	ہر کٹر مخالف
ذٰلِكَ	یہ بات (سزا)	فَلَهٗ مَا	تو اس کے لئے ہے جو	اَثِيْمٍ	گنہگار کو
بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ ہے کہ انھوں نے	سَلَفَ	پہلے لے چکا	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ
قَالُوْٓا	کہا	وَاَمْرُهٗٓ	اور اس کا معاملہ	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف ہے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
الْبَيْعُ	بیع	وَمَنْ عَادَ	اور جو لوٹا	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
مِثْلُ	مانند	فَاُولٰٓئِكَ	پس وہی لوگ	وَاَقَامُوا	اور اہتمام کیا انھوں نے
الرِّبٰوا	سود کے ہے	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں	الصَّلٰوةَ	نماز کا

(۱) تَخَبَّطَ الشیطانُ فلانا: شیطان کا دیوانہ اور خبطی بنا دینا۔

وَاٰتَوُا[1]	اوردی انھوں نے	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے	اِلٰى مَيْسَرَةٍ[3]	آسانی تک
الزَّكٰوةَ	زکات	فَاِنْ لَّمْ	پس اگر	وَاَنْ تَصَدَّقُوْا[4]	اورخیرات کرنا (معاف
لَهُمْ	(تو)ان کے لئے	تَفْعَلُوْا	نہیں کیا تم نے		کرنا)
اَجْرُهُمْ	ان کا بدلہ ہے	فَاْذَنُوْا[2]	جو جان لو	خَيْرٌ لَّكُمْ	تمہارے لئے بہتر ہے
عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس	بِحَرْبٍ	جنگ	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
وَلَا خَوْفٌ	اورنہیں ہے کوئی ڈر	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	تَعْلَمُوْنَ	جانتے
عَلَيْهِمْ	ان پر	وَرَسُوْلِهٖ	اوراس کے رسول کی	وَاتَّقُوْا	اورڈرو
وَلَا هُمْ	اورنہ وہ		طرف سے	يَوْمًا	اس دن سے
يَحْزَنُوْنَ	غمگین ہوں گے	وَاِنْ تُبْتُمْ	اوراگر توبہ کی تم نے	تُرْجَعُوْنَ	(کہ)لوٹائے جاؤگے تم
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	فَلَكُمْ رُءُوْسُ	تو تمہارے لئے سر ہیں	فِيْهِ	اس میں
اٰمَنُوا	ایمان لائے	اَمْوَالِكُمْ	تمہارے مالوں کے	اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف
اتَّقُوا اللّٰهَ	اللہ سے ڈرو	لَا تَظْلِمُوْنَ	نہ ظلم کرو تم	ثُمَّ تُوَفّٰى	پھر پورا پورا چکایا جائیگا
وَذَرُوْا	اورچھوڑو	وَلَا تُظْلَمُوْنَ	اورنہ ظلم کئے جاؤ تم	كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص
مَا بَقِيَ	جو باقی رہ گیا ہے	وَاِنْ كَانَ	اوراگر ہو وہ (مقروض)	مَّا كَسَبَتْ	جو کمایا اس نے
مِنَ الرِّبٰوا	سود سے	ذُوْ عُسْرَةٍ	تنگ دست	وَهُمْ	اور وہ
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	فَنَظِرَةٌ	تو ڈھیل دینا ہے	لَا يُظْلَمُوْنَ	ظلم نہیں کئے جائیں گے

سود کی حرمت کا بیان

ربط: دور سے وہ احکام بیان ہو رہے ہیں جو مبنی بر مصلحت ہیں، ان میں سود کی حرمت بھی ہے، اور انفاق کے بعد سود کی حرمت کا بیان تقابلِ تضاد کے طور پر آیا ہے، انفاق کے ذریعہ غریب کو خون سپلائی کیا جاتا ہے اور لون (سودی قرض) سے غریب کا خون چوسا جاتا ہے، پس دونوں میں نسبتِ تضاد ہے، اور ضد سے ضد اچھی طرح پہچانی جاتی ہے، اس لئے

(۱) آتَوْا: إیتاء سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے، اس لئے واو پر پیش ہے اور ﴿ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾: زکات دو، إیتاء سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ (۲) أذِن به: جاننا (۳) مَيْسَرَہ: اسم: آسانی، کشادگی اور نَظِرَة: مصدر: مہلت دینا۔ (۴) أن: مصدر یہ ہے، اور أن تصدقوا: مبتدا ہے۔

اب سود کی حرمت کا بیان شروع فرماتے ہیں۔

ایک بنیادی سوال: جو سہ رُخا ہے:

(الف) یہاں ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ کا خطاب کیوں نہیں؟ مؤمنین کو جو احکام دیئے جاتے ہیں ان میں یہ خطاب ہوتا ہے۔

(ب) آیات کا لب ولہجہ بہت سخت ہے، سود نہ چھوڑنے پر جنگ کا الٹی میٹم دیا ہے، ایسا کیوں ہے؟

(ج) حرمتِ سود کی یہ آیتیں فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئیں ہیں، بلکہ آخری آیت تو قرآن کی آخری آیت ہے، پس کیا اس سے پہلے مسلمان سود لیتے تھے؟ جیسے حرمتِ خمر نازل ہونے سے پہلے مسلمان شراب پیتے تھے، یعنی سود کی حرمت اتنی تاخیر سے کیوں نازل ہوئی؟

جواب: سود لینا مسلمان کا کام نہیں، یہ کام کافر ہی کرتا ہے، مسلمانوں نے کبھی سود نہیں لیا، اسلام نے روزِ اول سے غریبوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، سورۃ المزمل میں زکات کا حکم ہے، یہ بالکل ابتدائی دور کی سورت ہے، اور سورۃ الروم کی (آیت ۳۹) میں سود کی حرمت کا بیان ہے، یہ مکی دور کے آخر کی سورت ہے، اس کا نزول کا نمبر ۸۴ ہے، فرمایا: ﴿ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاْ فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝۳۹ ﴾: اور جو تم نے لون (سودی قرض) دیا، تاکہ وہ لوگوں کے اموال میں (شامل ہوکر) بڑھے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور جو تم نے کچھ خیرات دی، اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوئے تو وہی لوگ بڑھانے والے ہیں۔ غرض سودی نظام تباہ کن معاشی نظام ہے، اسلام اس کا کیسے روادار ہوسکتا ہے؟ البتہ مکہ کے مشرک سرمایہ داروں میں سودی قرض دینے کا رواج تھا، اور وہ ان کا دلچسپ کاروبار تھا، پھر جب مکہ فتح ہوا، اور مکہ کے سب باشندے مسلمان ہوگئے تو حرمتِ سود کی یہ آیات نازل ہوئیں، اس لئے ان میں ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ کا خطاب نہیں، کیونکہ مخاطب وہی لوگ تھے جن کے منہ سے یہ خون لگا ہوا تھا، وہ لون کو بیع کی طرح قرار دیتے تھے، بلکہ اس کو بدرجۂ اولیٰ جائز قرار دیتے تھے، اور مفت خوری کی عادت مشکل سے چھٹتی ہے، اس لئے لب ولہجہ سخت ہے۔

ایک واقعہ: جب ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا، اور ہر مزاحمت ناکام ہوگئی تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے رسالہ **فیصلة الأعلام فی دار الحرب و الإسلام** لکھا، اس میں ثابت کیا کہ ہندوستان دار الحرب (غیر اسلامی ملک) ہوگیا ہے، کسی نے سوال کیا کہ پھر آپ سود کے جواز کا فتوی کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا: اگر میں یہ فتوی دوں تو مسلمان سود لینے لگیں گے، پھر اگر یہ ملک دار الاسلام بن گیا تو جن لوگوں کو سود خوری کی عادت پڑ جائے گی، ان سے

یہ لت کون چھڑائے گا! معلوم ہوا کہ مفت خوری کی عادت بہت بری ہے، اس لئے قرآنِ کریم نے سخت لہجہ اپنایا ہے کہ اگر سود نہیں چھوڑو گے تو تم سے بزورِ شمشیر نمٹا جائے گا۔

سود خوروں کی سزا

سود خور قیامت کے دن قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جس طرح آسیب زدہ پاگل ڈولتا بھٹکتا پھرتا ہے، اور یہ سزا سود خوروں کو اس لئے ملے گی کہ انھوں نے سود کو حلال بنا رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ خرید وفروخت، تجارت، لین دین اور سود میں کیا فرق ہے؟ دونوں ایک ہیں، اِس سے نفع حاصل ہوتا ہے اُس سے بھی ہوتا ہے، اس میں بھی روپیہ لگانا پڑتا ہے، اس میں بھی روپیہ لگتا ہے، اس میں بھی دونوں طرف سے معاملہ ہوتا ہے، اس میں بھی ہوتا ہے، اس میں بھی خریدنے والا اور بیچنے والا ضرورت مند ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے متلاشی ہوتے ہیں، سودی کاروبار میں بھی رقم لینے والا اور رقم دینے والا ایک دوسرے کو تلاش کرتے ہیں، خرید وفروخت میں دونوں کی ضرورت اور مرضی پر معاملہ کی بنیاد ہوتی ہے، سودی معاملہ میں بھی یہی ہوتا ہے۔ سود کھانے والے چاہے کسی شکل میں بھی رہے ہوں وہ قیامت تک بھی اپنی دلیل میں اس سے زیادہ ایک لفظ نہیں کہہ سکتے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے نقل فرما دیا ہے۔ آج سود کے نام بدل بدل کر لوگ جو کچھ اس کے فائدے گنواتے ہیں ان کا خلاصہ بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ سود اور تجارت میں کوئی فرق نہیں۔

﴿ اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ﴾

ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) نہیں اٹھیں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جس کو آسیب نے لپٹ کر پاگل بنا دیا ہو، یہ سزا بایں وجہ ہے کہ انھوں نے کہا: ''بیع سود ہی کی طرح تو ہے!''

فائدہ: ﴿مِنَ الْمَسِّ﴾: کے لغوی معنی ہیں: چھوکر، اس سے معلوم ہوا کہ آسیب بدن میں نہیں گھستا، لگتا ہے، چڑھتا ہے، باہر سے اثر انداز ہوتا ہے، سوار ہو جاتا ہے، اور حدیث میں ہے: **إن الشیطان یجری من أحدکم مَجْرَی الدم**: بے شک شیطان چلتا ہے تم میں سے ہر ایک کی خون کی رگوں میں: یہ سرعتِ تاثیر کی تمثیل ہے، حقیقت کا بیان نہیں، یعنی شیطان چٹکی بجا کر انسان کو فتنہ میں مبتلا کر دیتا ہے، شیطان کوئی سیال مادہ نہیں جو انجکشن کی دوا کی طرح خون کی رگوں میں چلے (العرف الشذی، تحفۃ الالمعی ۳:۶۱۱)

اللہ نے بیع (خرید وفروخت) کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا

کافر اور ان سے متأثر نام نہاد مسلمان کہتے ہیں: ''بیع سود کے مانند ہی تو ہے!'' قرآن نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے

'بیع' کو حلال کیا ہے اور 'ربا' کو حرام کیا ہے، اور دونوں کا فرق وصفِ عنوانی میں رکھ دیا ہے، بیع کے اصطلاحی معنی ہیں: **مبادلۃُ المال بالمال**: مال متقوم کا مال متقوم سے تبادلہ کرنا یعنی مالک بننا اور بنانا۔ اور ربا کے اصطلاحی معنی ہیں: **فضلٌ خالٍ عن عوضٍ**: ایسی زیادتی جس کے مقابل کوئی عوض نہ ہو، ہزار روپے قرض دیئے، جو ایک ماہ کے بعد گیارہ سو روپے بن گئے، تو یہ سو روپے ایسی زیادتی ہے جس کے مقابل کوئی عوض نہیں، یہ ڈائریکٹ زر سے زر پیدا کرنا ہے، یہی ربا ہے، اور بیع میں بھی زر سے زر (نفع) پیدا کیا جاتا ہے، مگر درمیان میں عمل کا واسطہ آتا ہے، جیسے ہزار روپے کی گھڑی لایا اور گیارہ سو میں بیچ دی تو سو روپے نفع حاصل ہوا، مگر یہ ڈائریکٹ نفع حاصل نہیں ہوا، بلکہ درمیان میں عمل کا واسطہ آیا، یہ بیع اور ربا میں فرق ہے، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ راست زر سے زر پیدا کرنے کی شریعت حوصلہ افزائی نہیں کرتی، شریعت چاہتی ہے کہ اگر زر سے زر پیدا کیا جائے تو درمیان میں عمل کا واسطہ آئے۔ کیونکہ زر سے بلاتوسطِ عمل زر پیدا کرنے کی صورت میں دو بڑی خرابیاں لازم آتی ہیں:

ایک: دولت کا اکتناز ہوجاتا ہے یعنی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے، جو شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں، سورۃ الحشر (آیت ۷) میں مالِ فئ کے مصارف بیان کرنے کے بعد ارشاد پاک ہے: ﴿كَیۡ لَا یَكُوۡنَ دُوۡلَةًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡكُمۡ﴾: تاکہ مالِ فئ تمہارے تونگروں کے قبضہ میں نہ آجائے، مجھے یاد ہے: میرے بچپن میں میری قوم بنیوں کے سود میں پھنسی ہوئی تھی، اور پورے گاؤں میں کسی کے پاس کوئی چیز نہیں تھی، کھیت میں جب فصل تیار ہوتی، تو کھلیان سے ہی بنیا سارا غلہ لے جاتا، پھر کھانے کے لئے غلہ بنیے سے سود پر لانا پڑتا، اب بینکیں چونکہ حکومتوں کی نگرانی میں ہیں، اس لئے شرح سود بھی کم ہوتا ہے اور حکومت وقتاً فوقتاً غریبوں کے قرضے معاف بھی کرتی رہتی ہے، اس لئے اکتناز دولت کی مضرت واضح طور پر محسوس نہیں ہوتی۔

اور جب پیسے سے پیسہ پیدا کرنے کے لئے درمیان میں عمل کا واسطہ لایا جائے گا تو دولت پھیلے گی، جیسے ایک شخص کے پاس دس کروڑ روپے ہیں، اس نے ایک کارخانہ لگایا، اور مصنوعات تیار کیں، تو جو نفع ہوگا وہ اولاً ملازموں میں تقسیم ہوگا، پھر دسٹری بیوٹر (تقسیم کار) اس سے منتفع ہونگے، پھر خردہ فروش ان مصنوعات سے کمائیں گے، اور کارخانے کے مالک کو بھی اس کے نصیب کا مل جائے گا، سارا نفع اس کے جیب میں نہیں جائے گا، اور اگر وہ دس کروڑ کا بینک کھول کر بیٹھ جائے اور سود پر قرضے دینے لگے تو زر سے پیدا ہونے والے زر کا وہ تنہا مالک ہوگا، اس طرح رفتہ رفتہ پبلک کی دولت سمٹ کر مہاجن کے جیب میں چلی جائے گی۔

اس لئے کوئی بینک اسلامی نہیں ہوسکتا، کیونکہ بینک نام ہی زر سے زر پیدا کرنے کا ہے، بینک درمیان میں عمل کا واسطہ نہیں لاسکتا، ہاں مرابحہ کا حیلہ کرسکتا ہے، مگر وہ ہمیشہ اسی حیلے میں پھنسا رہے گا، اس سے آگے عملاً مضاربت تک نہیں پہنچ سکتا۔

دوسری خرابی: بے روزگاری پھیلے گی، جب لوگ چھوٹی بڑی بینکیں اور پیڑھیاں کھول کر بیٹھ جائیں گے، اور زر سے بلاتوسط عمل زر پیدا کرنے لگیں گے تو عوام کے لئے کوئی کام نہیں رہے گا، اور وہ بے روزگار ہوکر حکومت کے لئے بوجھ بن جائیں گے، اور جب لوگ عمل کے توسط سے پیسہ کمائیں گے، کارخانے قائم کریں گے تو لوگوں کو روزگار ملے گا اور حکومتوں کا بوجھ ہلکا ہوگا۔

غرض: ان دو خرابیوں کی وجہ سے شریعت نے ربا کو حرام کیا ہے، اور بیع (معاملات) ان خرابیوں سے پاک ہے، اس لئے اس کو حلال کیا ہے۔

بہ الفاظ دیگر: اس مسئلہ کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ بیع میں اصل حلت ہے، اور جہاں خرابی در آتی ہے تو جس درجہ کی خرابی ہوتی ہے اس کے اعتبار سے بیع ناجائز ہوتی ہے، اگر خرابی ہلکی ہوتی ہے تو بیع فاسد ہوتی ہے، اور خرابی زیادہ ہوتی ہے تو بیع باطل ہوتی ہے، اور ربا بھی اگرچہ ایک طرح سے بیع ہے، مگر اس میں خرابی آخری درجہ کی ہے، جس کی تفصیل اوپر آچکی کہ اس سے دولت کا اکتناز ہوجاتا ہے اور ملک میں بے روزگاری پھیل جاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا ہے۔

﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ ﴾

ترجمہ: اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام کیا ہے۔

جاہلیت میں جو سود لیا جاچکا اس کا پھیرنا ضروری نہیں، اب لے گا تو سزا پائے گا

زمانۂ جاہلیت میں کفر کی حالت میں جو کسی نے سود لیا اس کو مالک کی طرف پھیرنا ضروری نہیں، اس لئے کہ کفار (غیر مسلم) دنیا میں فروع کے مکلّف نہیں، البتہ جو سود باقی رہ گیا ہے اس کا اب مسلمان ہونے کے بعد لینے کا حق نہیں، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جو چاہیں معاملہ کریں، اپنی رحمت سے بخش دیں یا سزا دیں، کیونکہ کفار آخرت میں فروع کے مکلّف ہیں (سورۃ المدثر آیات ۴۰-۴۸) اور اسلام قبول کرنے کے بعد جو کوئی باز نہیں آیا، سود لیا یا باقی ماندہ وصول کیا تو وہ دوزخی ہے، اور یہ غایت بیان کئے بغیر سزا کا بیان ہے، جیسے سورۃ النساء (آیت ۹۳) میں مؤمن کو متعمداً قتل کرنے کی سزا غایت متعین کئے بغیر بیان کی گئی ہے۔

مسئلہ: کسی مسلمان نے سود لیا تو وہ مال حرام ہے، وہ اس کا مالک نہیں، مالک کو واپس کرنا ضروری ہے، اور مالک معلوم نہ ہو تو کسی غریب کو ثواب کی نیت کے بغیر دیدے، بنک سے ملنے والے سود کا بھی یہی حکم ہے۔ سرکاری ٹیکسوں میں بھرنا جائز نہیں، یہ ذاتی استعمال ہے۔

﴿فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾﴾

ترجمہ: پس جسے اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچی —— حرمت کے حکم کو نصیحت سے تعبیر کیا ہے یہ مولیٰ کا کرم ہے —— اور وہ باز آگیا تو اس کے لئے وہ ہے جو پہلے لے چکا، اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اور جو لوٹا تو وہی دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں!

سودخور اللہ تعالیٰ کو کسی طرح نہیں بھاتا!

سودخور اللہ تعالیٰ کو ایک آنکھ نہیں بھاتا، وہ بڑا گنہگار ہے، اس کی سود کی کمائی ایک نہ ایک دن ختم ہوجائے گی، تیسری پشت تک ضرور تباہی آتی ہے، سود سے بظاہر مال میں زیادتی ہوتی ہے، مگر دیر سویر اللہ تعالیٰ اس کو ملیامیٹ کردیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خیراتوں کو بڑھاتے ہیں، حدیث میں ہے: آدمی ستھرے مال میں سے جو بھی خیرات کرتا ہے اس کو مہربان اللہ اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہیں، پھر اگر وہ خیرات ایک چھوہارا ہوتی ہے تو وہ رحمان کی ہتھیلی میں بڑھتی ہے، یہاں تک کہ وہ پہاڑ سے بڑی ہوجاتی ہے، جس طرح تم اپنے گھوڑے اور اونٹ کے بچہ کی پرورش کرتے ہو (ترمذی حدیث ۶۵۴) اور غریبوں پر خرچ کرنے سے مال میں برکت بھی ہوتی ہے اور دارین میں نیک نامی بھی نصیب ہوتی ہے۔

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور خیراتوں کو بڑھاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کسی کٹر مخالف گنہگار کو پسند نہیں کرتے۔

مبغوض لوگوں کے بالمقابل محبوب بندوں کا تذکرہ

قرآنِ کریم کا اسلوب ہے کہ وہ جنتیوں اور جہنمیوں کا تذکرہ یکے بعد دیگرے کرتا ہے، تاکہ ترغیب وترہیب ساتھ ہوجائیں، اسی طرح وہ نیک وبد لوگوں کا تذکرہ بھی یکے بعد دیگرے کرتا ہے، اوپر جب اللہ کے کٹر مخالف گنہگار بندوں کا تذکرہ آیا تو اب ایک آیت میں —— سلسلۂ کلام کے درمیان —— ایماندار صالح بندوں کا تذکرہ فرماتے ہیں، یہ بندے غریبوں کا خون نہیں چوستے، بلکہ زکات وخیرات کے ذریعہ مشکل حالات میں غریبوں کی مدد کرتے ہیں، ان کے لئے

آخرت میں سدا بہار زندگی ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ ﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے، اور انھوں نے نماز کا اہتمام کیا، اور زکات ادا کی: ان کا بدلہ ان کے پروردگار کے پاس ہے، اور ان کے لئے نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

سود خوروں کو جنگ کا الٹی میٹم!

نیک بندوں کا تذکرہ تو ضمناً آیا تھا، اب سابقہ سلسلۂ بیان شروع ہوتا ہے، فتح مکہ کے موقع پر جو لوگ مسلمان ہوئے تھے، ان سے خطاب ہے کہ اگر تم واقعی ایمان لائے ہو تو تمہارا جو سود لوگوں پر باقی ہے اس کو چھوڑ دو، صرف راس المال لے سکتے ہو، اور اگر نہیں چھوڑو گے تو اللہ و رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو، تم سے بزور شمشیر سود خوری چھڑائی جائے گی، اور اصل سرمایہ بھی اس طرح لو کہ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے، یعنی پہلے تم جو سود لے چکے ہو اس کو اگر تمہارے اصل سرمایہ سے کاٹا جائے تو تم پر ظلم ہوگا، اور چڑھا ہوا سود تم مانگو تو یہ تمہارا ظلم ہے، دونوں درست نہیں، اصل سرمایہ بے کم وکاست لے سکتے ہو۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی گروہ سود لینے پر مصر ہو تو اس پر فوج کشی بھی کی جاسکتی ہے، کیونکہ اگر وہ سود کو حرام ہی نہیں سمجھتا تو مرتد ہے، اور حرام سمجھ کر عمل سے انکار کرتا ہے تو ایسے لوگوں سے جہاد کا حکم ہے۔

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور باقی ماندہ سود چھوڑو، اگر تم ایماندار ہو، پس اگر تم (ایسا) نہیں کروگے —— یعنی باقی رہا ہوا سود نہیں چھوڑو گے —— تو جنگ کا اعلان سن لو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے، اور اگر تم نے توبہ کرلی —— یعنی باقی رہا ہوا سود چھوڑنے کے لئے تیار ہوگئے —— تو تمہارے لئے تمہارا اصل سرمایہ ہے —— جو تم نے قرض دیا ہے —— نہ تم ظلم کرو، اور نہ تم ظلم کئے جاؤ۔

مقروض تنگ دست ہو تو مہلت دینا واجب ہے، اور قرضہ معاف کردے تو اور بھی بہتر ہے

اگر مقروض اصل قرض بھی فوری طور پر واپس نہ کرسکتا ہو تو گنجائش ہونے تک مہلت دینا واجب ہے، اور اگر قرضہ ہی

معاف کردے تو اور بھی بہتر ہے، کاش لوگ اس کے ثواب کو جانیں، مہلت دینے کا یا قرضہ معاف کرنے کا قیامت کے دن پورا پورا صلہ ملے گا، سود کے سلسلہ کی یہ آخری آیت ہے، اس پر سود کا بیان پورا ہوا۔

﴿ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر (مقروض) تنگ دست ہو تو آسانی تک مہلت دینا ہے، اور قرضہ معاف کرنا تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم جانو، اور اس دن کا خوف کھاؤ جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ چکایا جائے گا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ـــــ اب ہر کوئی اپنی فکر کرے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	الْحَقُّ	قرض ہے	فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا	پس اگر نہ ہوں وہ
اٰمَنُوْۤا	ایمان لائے	وَلْيَتَّقِ	اور چاہئے کہ ڈرے	رَجُلَيْنِ	دو مرد
اِذَا	جب	اللّٰهَ	اللہ سے	فَرَجُلٌ	تو ایک مرد
تَدَايَنْتُمْ(۱)	آپس میں معاملہ کرو	رَبَّهٗ	جو اس کا رب ہے	وَّامْرَاَتٰنِ	اور دو عورتیں
بِدَيْنٍ	ادھار کا	وَلَا يَبْخَسْ	اور نہ کم کرے	مِمَّنْ	ان میں سے جن کو
اِلٰۤى اَجَلٍ	کسی وقت تک	مِنْهُ شَيْئًا	اس سے کچھ بھی	تَرْضَوْنَ	پسند کرتے ہو تم
مُّسَمًّى	مقررہ	فَاِنْ كَانَ	پس اگر ہے وہ	مِنَ الشُّهَدَآءِ	گواہوں سے
فَاكْتُبُوْهُ	تو لکھ لو اس کو	الَّذِيْ عَلَيْهِ	جو اس پر	اَنْ(۴)	اس وجہ سے کہ
وَلْيَكْتُبْ	اور چاہئے کہ لکھے	الْحَقُّ	قرض ہے	تَضِلَّ	بھول جائے
بَّيْنَكُمْ	باہم	سَفِيْهًا	بے وقوف	اِحْدٰىهُمَا	ان میں سے ایک
كَاتِبٌ	لکھنے والا	اَوْ ضَعِيْفًا	یا کمزور	فَتُذَكِّرَ	تو یاد دلائے
بِالْعَدْلِ	انصاف کے ساتھ	اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ	یا نہیں طاقت رکھتا	اِحْدٰىهُمَا	ان کی ایک
وَلَا يَاْبَ	اور نہ انکار کرے	اَنْ يُّمِلَّ	کہ لکھوائے	الْاُخْرٰى	دوسری کو
كَاتِبٌ	لکھنے والا	هُوَ	وہ	وَلَا يَاْبَ	اور نہ انکار کریں
اَنْ يَّكْتُبَ	لکھنے سے	فَلْيُمْلِلْ	تو لکھوائے	الشُّهَدَآءُ	گواہ
كَمَا عَلَّمَهُ	جیسا سکھلایا اس کو	وَلِيُّهٗ	اس کا کارگزار	اِذَا مَا	جب
اللّٰهُ	اللہ نے	بِالْعَدْلِ	انصاف کے ساتھ	دُعُوْا	وہ بلائے جائیں
فَلْيَكْتُبْ(۲)	پس چاہئے کہ لکھے وہ	وَاسْتَشْهِدُوْا	اور گواہ بناؤ تم	وَلَا تَسْئَمُوْۤا(۵)	اور نہ اکتاؤ
وَلْيُمْلِلِ(۳)	اور چاہئے کہ لکھائے	شَهِيْدَيْنِ	دو گواہ	اَنْ تَكْتُبُوْهُ	اس کے لکھنے سے
الَّذِيْ عَلَيْهِ	وہ جس پر	مِنْ رِّجَالِكُمْ	تمہارے مردوں سے	صَغِيْرًا	چھوٹا ہو

(۱) تداینتم: تَدَايُنٌ (باب تفاعل) سے ماضی جمع مذکر حاضر: تم نے ایک دوسرے کو قرض دیا، ادھار دیا۔ (۲) لایأب: منفی پہلو سے لکھنے کا حکم ہے اور فلیکتب: مثبت پہلو سے۔ (۳) لِيُمْلِلْ: امر واحد مذکر غائب، إمْلال: لکھوانا (۴) أن: سے پہلے باء یا مِن محذوف ہے (۵) لاتسئموا سے الفاظ بدل کر تمہید لوٹائی ہے، اور آگے دستاویز لکھنے کے تین فوائد بیان کئے ہیں۔

اَوْ كَبِيْرًا	یا بڑا	تِجَارَةً	سودا	وَّلَا شَهِيْدٌ	اور نہ گواہ
اِلٰٓى اَجَلِهٖ	اس کی مدت تک	حَاضِرَةً	دست بدست	وَاِنْ تَفْعَلُوْا	اور اگر کروگے تم
ذٰلِكُمْ	یہ بات	تُدِيْرُوْنَهَا	لیتے دیتے ہو تم اس کو	فَاِنَّهٗ	تو بے شک وہ
اَقْسَطُ	زیادہ انصاف کی ہے	بَيْنَكُمْ	باہم	فُسُوْقٌۢ بِكُمْ (۳)	بے راہ روی ہے تمہاری
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ	پس نہیں تم پر	وَاتَّقُوا	اور ڈرو
وَاَقْوَمُ	اور زیادہ درست رکھنے	جُنَاحٌ	کوئی گناہ	اللّٰهَ	اللہ سے
	والی ہے	اَلَّا تَكْتُبُوْهَا	کہ نہ لکھو تم اس کو	وَيُعَلِّمُكُمُ	اور سکھلاتے ہیں تم
لِلشَّهَادَةِ	گواہی کو	وَاَشْهِدُوْٓا	اور گواہ بناؤ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَاَدْنٰٓى	اور زیادہ قریب ہے	اِذَا تَبَايَعْتُمْ	جب سودا کرو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اَلَّا تَرْتَابُوْٓا	کہ نہ شک کرو تم	وَلَا يُضَآرَّ (۲)	اور نہ نقصان پہنچایا جائے	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ (۱)	مگر (لیکن) یہ کہ ہو	كَاتِبٌ	لکھنے والا	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں

دستاویز لکھنے کا بیان

دستاویز: وہ تحریری ثبوت جس سے اپنا حق ثابت کرسکیں۔ زمانۂ جاہلیت میں لون (سودی قرض) دینے والے دستاویز لکھا کرتے تھے، اس لئے اب وثیقہ لکھنے کا بیان شروع کرتے ہیں، اور یہ قرآنِ کریم کی سب سے لمبی آیت ہے، مگر ہر لمبی آیت میں وقفے ہوتے ہیں، اس لئے پوری آیت ایک سانس میں پڑھنا ضروری نہیں، وقفے وقفے سے پڑھ سکتے ہیں۔

اور اس آیت میں تین مضمون ہیں: دستاویز لکھنے کا حکم، اس کے فوائد اور متعلقہ مسائل ونصائح۔ اور دستاویز لکھنے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں: دستاویز لکھنے والا، دستاویز لکھوانے والا اور دستاویز پر گواہیاں، پھر دستاویز لکھنے کے تین فائدے بیان کئے ہیں، پھر تین مسائل اور تین نصیحتیں ہیں۔ یہ آیتِ کریمہ کا خلاصہ ہے۔

دستاویز لکھنے کا حکم: جب کوئی بڑا قرض لیا دیا جائے، اور آئندہ کسی مدت میں واپسی کا وعدہ ہو، یا کوئی ادھار سودا کیا جائے، اور ثمن کی ادائیگی کے لئے کوئی مدت مقرر ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، اور چونکہ معاملہ آئندہ مدت کے لئے ہوا ہے، اور بھول چوک اور نزاع کا احتمال ہے اس لئے اس کی لکھت پڑھت ہوجانی چاہئے، تاکہ وہ تحریر بوقتِ ضرورت کام آئے، اور

(۱) اِلا: استثناء منقطع بمعنی لکن ہے اور استثناء متصل (تکتبوہ سے بھی) ہوسکتا ہے (۲) یُضَارَّ: ضِرَارٌ (مصدر باب مفاعلہ) سے فعلِ نہی واحد مذکر غائب: نہ تکلیف دی جائے، نہ دُکھ پہنچایا جائے۔ (۳) فسوق (مصدر): حد اطاعت سے نکلنا۔

اس کی صورت یہ ہے کہ باقاعدہ اسٹامپ پر دستاویز لکھ لی جائے، جس میں مقررہ مدت کا ذکر، فریقین کے واضح نام اور معاملہ کی تفصیل ہو، اور اس پر گواہیاں ثبت کی جائیں، تاکہ بات پکی ہوجائے۔

دستاویز کون لکھے؟ —— کاتب (دستاویز لکھنے کا ماہر) لکھے، دستاویز ہر شخص نہیں لکھ سکتا، اس کی خاص اصطلاحات اور خاص اسلوب ہوتا ہے، اس لئے دستاویز کسی ماہر سے لکھوائی جائے، جیسے اہم درخواست (میمورنڈم) ہر کوئی نہیں لکھ سکتا، سپاس نامہ ہر آدمی نہیں لکھ سکتا، اس کا ماہر ہی لکھ سکتا ہے، پس جو دستاویز لکھنا جانتا ہے وہ لکھنے سے انکار نہ کرے، اللہ نے اس کو یہ فن سکھلایا ہے اس کا شکر بجالائے، البتہ اس کو اجرت طلب کرنے کا حق ہے، کیونکہ یہ ایک عمل ہے اور ہر منفعت پر اجارہ درست ہے، پھر وہ صحیح صحیح انصاف کے ساتھ لکھے، کچھ گڑبڑ نہ کرے، الفاظ کے معمولی فرق سے بات کہیں سے کہیں چلی جاتی ہے۔

دستاویز کون لکھوائے؟ یعنی کون املاء کرائے؟ —— وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق واجب ہے، تاکہ وہ گواہوں کے سامنے اس کا اقرار بھی بن جائے، اور وہ اللہ سے ڈر کر لکھوائے، صاحب حق کا حق بے کم وکاست لکھوائے —— اور اگر وہ شخص جس پر حق واجب ہے کم سمجھ ہو، یا کمزور ہو، یا کسی وجہ سے نہ لکھوا سکتا ہو، مثلاً: زبان نہ جانتا ہو، یا گونگا ہو اور کاتب اس کے اشارے نہ سمجھتا ہو تو پھر اس کا کارندہ انصاف سے لکھوائے۔

دستاویز پر گواہیاں: معاملات میں دو آزاد عاقل بالغ مردوں کی گواہی ضروری ہے، دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے، اور گواہوں کا مسلمان عادل (دیندار) ہونا ضروری ہے۔ اور ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی اس لئے ضروری ہے کہ عورتوں کی یادداشت اکثر کمزور ہوجاتی ہے، ان کا ماحول (اردگرد) حافظہ کو متأثر کرتا ہے، ان کا چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ہوتا ہے، وہ ہر وقت چیں چیں کرتے ہیں، اس سے ان کی یادداشت کمزور ہوجاتی ہے، اس لئے اگر گواہی دیتے وقت ایک عورت کچھ بھولے تو دوسری اس کو یاد دلادے، اسی لئے دونوں عورتیں ساتھ گواہی دیں گی، دو مرد الگ الگ گواہی دیتے ہیں۔

پھر اگر کبھی نزاع ہو، اور معاملہ کورٹ میں جائے، اور دستاویز میں جن گواہوں کی گواہی ثبت ہے ان کو کورٹ میں طلب کیا جائے تو وہ انکار نہ کریں، حاضر ہو کر گواہی دیں، ہاں وہ ہرجانہ (کرایہ) لے سکتے ہیں۔

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِٱلْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ ٱللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ وَلْيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ فَإِن كَانَ ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ

سَفِيهًا اَوْ ضَعِيفًا اَوْلَا يَسْتَطِيعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم باہم مقررہ وقت تک کے لئے کوئی ادھار معاملہ کرو تو اسے لکھ لو ــــ یہ دستاویز لکھنے کا حکم ہے ــــ اور چاہئے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے، اور لکھنے والا جیسا اس کو اللہ نے سکھلایا ہے لکھنے سے انکار نہ کرے، بلکہ لکھے ــــ پہلے ﴿ لَا يَاْبَ ﴾ میں منفی پہلو سے لکھنے کا حکم تھا، پھر ﴿ فَلْيَكْتُبْ ﴾ میں مثبت پہلو سے، پس تکرار نہیں، اور یہ کون لکھے؟ کا بیان ہے ــــ اور چاہئے کہ وہ شخص لکھوائے جس پر حق (قرضہ) ہے، اور چاہئے کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرے، اور حق میں سے کچھ بھی کم نہ کرے ــــ یہ کون لکھوائے کا بیان ہے ــــ پس اگر وہ شخص جس پر حق ہے کم عقل یا کمزور ہو یا لکھوا نہ سکتا ہو تو اس کا کارندہ انصاف کے ساتھ لکھوائے ــــ یہ کون لکھوائے کا تتمہ ہے ــــ اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو، پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ــــ گواہ بناؤ ــــ ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو ــــ یعنی گواہ مسلمان عاقل بالغ دیندار ہوں، یہ وثیقہ پر گواہی ثبت کرنے کا بیان ہے ــــ بایں وجہ کہ اگر ان میں سے ایک بچل جائے ــــ بھول جائے یا غلطی کرے ــــ تو دوسری اس کو یاد دلادے ــــ یہ ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی کی ضرورت کی وجہ ہے ــــ اور گواہ انکار نہ کریں جب وہ (کورٹ میں) بلائے جائیں۔

دستاویز لکھنے کے تین فائدے

پہلے الفاظ بدل کر تمہید لوٹائی ہے کہ اگر کسی مدت تک ادھار کا معاملہ ہو تو اس کے لکھنے میں سستی مت کرو، خواہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ پہلے یہ تعمیم نہیں تھی، مگر مراد تھی، اس لئے پہلے حکم میں بھی اس کو ملحوظ رکھا جائے، البتہ معاملہ ادھار کا ہو تو اس کو لکھ لینا چاہئے، اس میں تین فائدے ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے، اللہ تعالیٰ کی صفت العَدْل ہے، یعنی انصاف کرنے والے، وہ بندوں میں بھی یہ بات پسند کرتے ہیں، اور دستاویز لکھ لینے سے زیادہ سے زیادہ انصاف ہوگا۔

۲- گواہ جب دستاویز دیکھیں گے تو ان کو پورا معاملہ یاد آجائے گا، پس وہ زیادہ درست طریقہ پر گواہی دے سکیں گے۔

۳- معاملہ کے فریقین کو بھی ایک وقت کے بعد کچھ شک لاحق ہوسکتا ہے، پس جب وہ دستاویز دیکھیں گے تو ان کا شک دور ہوجائے گا۔

﴿ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا ﴾

ترجمہ: اور کسی مدت تک ادھار معاملہ کو لکھنے سے مت اکتاؤ، خواہ چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا ـــــ یہ الفاظ بدل کر تمہید لوٹائی ہے، تاکہ آگے بیان کردہ فوائد اس پر متفرع ہوں ـــــ (۱) یہ بات اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی ہے (۲) اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والی ہے (۳) اور اس سے زیادہ نزدیک ہے کہ تم کسی شک میں مبتلا نہ ہوؤ۔

تین مسائل:

۱- اگر کوئی معاملہ دست بدست ہو، ثمن دیا اور مبیع لی، تو اس کو نہ لکھنے میں کچھ حرج نہیں۔

۲- جو سودا اہم ہو، چاہے نقد ہو، اس میں بھی گواہ بنالینا اچھا ہے۔

۳- کاتب (دستاویز لکھنے والے) کو اور گواہوں کو نقصان مت پہنچاؤ، لکھنے والا اجرت مانگے تو دو، گواہ کورٹ میں آنے کا کرایہ یا اپنے وقت کا ہرجانہ طلب کریں تو دو، اگر ایسا نہیں کروگے تو یہ تمہارا فسق (بے راہ روی) ہوگی، اس سے بچو۔

﴿ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ ﴾

ترجمہ: (۱) ہاں اگر سودا دست بدست ہو، جس کو تم باہم لو اور دو، تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم اس کو نہ لکھو (۲) اور گواہ بنالو جب تم کوئی (اہم نقد) سودا کرو (۳) اور نہ لکھنے والا ضرر پہنچایا جائے اور نہ گواہ، اور اگر تم ضرر پہنچاؤ گے تو وہ تمہاری بے راہ روی ہوگی۔

تین نصائح:

۱- اللہ کا خوف کھاؤ، قرآنِ کریم تمام معاملات کے احکام میں تقوی کا ذکر ضرور کرتا ہے، تقوی ہی قانون کی پابندی کراتا ہے، محض قانون کارگر نہیں، لوگ چور دروازے نکال لیتے ہیں۔

۲- احکام شرعیہ اللہ کے نازل کردہ ہیں، یہ وضعی (پارلیمنٹ) کے قوانین نہیں کہ جی چاہا تو عمل کیا، نہیں چاہا تو نہیں کیا، احکام الٰہی کی پابندی ہر حال میں ضروری ہے۔

۳- اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے، کس نے احکام پر عمل کیا، کس نے نہیں کیا، اور کس نے کس جذبہ سے کیا، اس کو اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے ہیں، آخرت میں وہ اپنے علم کے مطابق معاملہ کریں گے، اس لئے چوکنا ہو جاؤ۔

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو، اور اللہ تعالیٰ تمہیں سکھلاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾

ع ۳۹

وَاِنْ كُنْتُمْ	اور اگر تم ہو	فَلْيُؤَدِّ	تو چاہئے کہ ادا کرے	وَمَنْ	اور جو
عَلٰى سَفَرٍ	سفر پر	الَّذِي	جو	يَّكْتُمْهَا	چھپائے گا اس کو
وَّلَمْ تَجِدُوْا	اور تم نہ پاؤ	اؤْتُمِنَ (۲)	اعتبار کیا گیا	فَاِنَّهٗٓ (۴)	تو بے شک وہ
كَاتِبًا	کوئی لکھنے والا	اَمَانَتَهٗ (۳)	اس کی امانت	اٰثِمٌ	گنہگار ہے
فَرِهٰنٌ (۱)	تو گروی	وَلْيَتَّقِ	اور چاہئے کہ ڈرے	قَلْبُهٗ	اس کا دل
مَّقْبُوْضَةٌ	قبضہ میں لی ہوئی	اللّٰهَ	اللہ سے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَاِنْ اَمِنَ	پس اگر اطمینان کرے	رَبَّهٗ	جو اس کا پروردگار ہے	بِمَا	ان کاموں کو جو
بَعْضُكُمْ	تمہارا ایک	وَلَا تَكْتُمُوا	اور نہ چھپاؤ تم	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو
بَعْضًا	دوسرے پر	الشَّهَادَةَ	گواہی	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں

گذشتہ آیت کے باقی تین مسائل

گذشتہ آیت قرآن کی سب سے لمبی آیت تھی، اس میں جو بات مذکور تھی اس کے سلسلہ کے ابھی تین مسائل باقی ہیں، جو اس آیت میں ہیں، پس اِس آیت کو گذشتہ آیت کا ضمیمہ یا تتمہ سمجھنا چاہئے۔

پہلا مسئلہ ــــــ: اگر دستاویز لکھنے کی صورت نہ ہو تو ضمانت کے طور پر گروی لے سکتے ہیں ــــــ اگر سفر کی حالت میں قرض دیا یا ادھار کا معاملہ کیا، اور دستاویز لکھنے والا میسر نہیں تو قرض کی ادائیگی کی ضمانت کے طور پر رہن

(۱) فرهان: جملہ جزائیہ ہے، اور هی مبتدا محذوف ہے، أی الوثیقة: یعنی گارنٹی (۲) اؤتُمن: ائتمان (اعتبار کرنا) سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب (۳) أمانته کی ضمیر کا مرجع رب الدین اور مدیوں دونوں ہوسکتے ہیں (۴) فإنه کی ضمیر کا مرجع مَن موصولہ بھی ہوسکتا ہے اور ضمیر شان بھی ہوسکتی ہے۔

(گروی) لے لیا جائے، توثیق کے لئے وہ بھی کافی ہے، اور رہن اس وقت تام ہوتا ہے جب مرتہن گروی کی چیز پر قبضہ کرلے، مقبوضۃ کی قید اسی لئے ہے، رہن: مرتہن کی حفاظت میں رہتا ہے، اور سفر کی قید اتفاقی ہے، حضر میں بھی رہن دینا لینا جائز ہے، نبی ﷺ نے مدینہ میں زِرہ (لوہے کا کرتا) گروی رکھ کر ادھار جَو خریدے ہیں۔

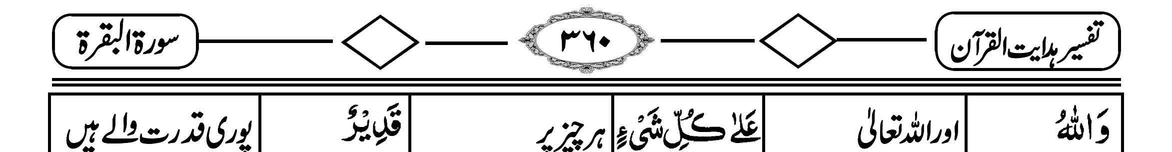
دوسرا مسئلہ: ــــ اگر مدیون پر اعتماد ہو تو نہ دستاویز ضروری ہے نہ گروی ــــ اور مدیوں پر لازم ہے کہ صاحبِ دَین کا حق پورا پورا چکائے، اس کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائے، اور اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے، اور صاحب حق کی امانت پہنچانے میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے۔

تیسرا مسئلہ: ــــ گواہی چھپانا جائز نہیں ــــ جن گواہوں کے دستخط دستاویز پر ثبت ہیں، اگر وہ کورٹ میں جا کر گواہی نہیں دیں گے، گواہی چھپائیں گے تو صاحبِ حق کا نقصان ہوگا، اس لئے گواہی دینا واجب ہے، اور گواہی دینے سے انکار کرنا حرام ہے، ایسا کرے گا تو اس کا دل اس کو ملامت کرے گا اور یہ کانٹا ہمیشہ اس کے دل میں چبھتا رہے گا، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو خوب جانتے ہیں جو بندے کرتے ہیں، لہٰذا حکم الٰہی کی خلاف ورزی مت کرو۔

آیتِ کریمہ: (۱) اور اگر تم سفر میں ہوؤ، اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو (ضمانت کے طور پر) گروی اپنے قبضہ میں رکھ لو (۲) پس اگر ایک دوسرے پر بھروسہ کرے تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے ــــ یعنی مدیون ــــ وہ اس کی امانت ٹھیک ٹھیک ادا کرے، اور اللہ سے ڈرے، جو اس کا پروردگار ہے (۳) اور تم گواہی مت چھپاؤ، اور جو شخص گواہی چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بخوبی واقف ہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

لِلّٰهِ	اللہ کی ملک ہیں	وَاِنْ تُبْدُوْا	اور اگر ظاہر کرو تم	بِهِ اللّٰهُ	اس کا اللہ تعالیٰ
مَا	جو چیزیں	مَا	جو بات	فَيَغْفِرُ	پس بخشیں گے
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہیں	فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ	تمہارے دلوں میں ہے	لِمَنْ يَّشَاۗءُ	جس کو چاہیں گے
وَمَا	اور جو چیزیں	اَوْ تُخْفُوْهُ	یا چھپاؤ اس کو	وَيُعَذِّبُ	اور سزا دیں گے
فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	يُحَاسِبْكُمْ	حساب لیں گے تم سے	مَنْ يَّشَاۗءُ	جس کو چاہیں گے



وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	قَدِيْرٌ	پوری قدرت والے ہیں

دل کی کن باتوں پر مواخذہ ہوگا، اور کن باتوں پر مؤاخذہ نہیں ہوگا؟

گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا تھا کہ اگر گواہ گواہی چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ آدمی جو بات دل میں ٹھانتا ہے، اور اس کا پختہ ارادہ رکھتا ہے: اس پر اللہ تعالیٰ مؤاخذہ فرمائیں گے، اس لئے جاننا چاہئے کہ جو باتیں دل میں آتی ہیں وہ تین طرح کی ہوتی ہیں:

اول: وہ خیالات جن کا دل ہی سے تعلق ہوتا ہے، قول وفعل سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہوتا، جیسے عقائد صحیحہ اور فاسدہ ـــــ یہ باتیں اگر وسوسہ کے درجہ میں ہیں یعنی وہ خیالات دل میں جمے نہیں ہیں تو ان پر کوئی مواخذہ نہیں، ہاں جب وہ عزم کے درجہ میں پہنچ جائیں تو ان پر جزاؤسزا مرتب ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھیں معارف الحدیث ۱:۱۶۰)

دوم: وہ خیالات جن کا تعلق اقوال سے ہے، جیسے دل میں بیوی کو طلاق دینے کا خیال آیا، یا قسم کھانے کا، یا غلام آزاد کرنے کا، یا مطلقہ بیوی کو نکاح میں واپس لینے کا ارادہ ہوا تو جب تک زبان سے ان باتوں کا تکلم نہیں کرے گا: احکام مرتب نہیں ہونگے۔

سوم: وہ خیالات جن کا تعلق 'عمل' سے ہے، جیسے زنا کرنا، قتل کرنا، چوری کرنا وغیرہ۔ ان پر مؤاخذہ اس وقت ہوگا جب ان افعال کا صدور ہوجائے، پس اگر کسی نے دل میں ٹھانا کہ زنا کرنا ہے یا قتل کرنا ہے تو جب تک یہ افعال صادر نہ ہوں دنیا وَآخرت میں اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ـــــ البتہ گناہ کا صدور نیت صحیح ہونے کے باوجود کسی مانع کی وجہ سے نہ ہو تو اس پر آخرت میں مؤاخذہ ہوگا، جیسے دو شخص تلواریں لے کر بھڑے، پھر ایک نے دوسرے کو قتل کردیا تو دونوں جہنم میں جائیں گے، آخرت میں دونوں ہی قاتل ٹھہریں گے، کیونکہ جو مارا گیا وہ مرنے کے لئے نہیں آیا تھا، بلکہ وہ اپنے بھائی کو مارنے کے لئے آیا تھا، مگر اتفاق کہ وہ مار نہ سکا، مرگیا، اس لئے اللہ کے یہاں وہ بھی قاتل لکھا جائے گا (تحفۃ الالمعی ۷:۱۴۶)

آیتِ کریمہ: اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور وہ سب کچھ جو زمین میں ہے، اور جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو: اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیں گے، پھر جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے اور جس کے لئے منظور ہوگا سزا دیں گے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

فائدہ: بعض گناہ دنیا ہی میں نمٹا دیئے جاتے ہیں:

حدیث: امیۃ بنت عبداللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۴ ہے: ﴿إِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾: اگر تم ظاہر کرو ان باتوں کو جو تمہارے دلوں میں ہیں یا ان کو

پوشیدہ رکھو: اللہ تعالیٰ تم سے ان کے بارے میں داروگیر کریں گے، اور سورۃ النساء کی آیت ۱۲۳ ہے: ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾: جو بھی شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کی سزا دیا جائے گا، امیۃ نے ان دونوں آیتوں کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے پوچھا: حضرت عائشہؓ نے فرمایا: جب سے میں نے یہ بات نبی ﷺ سے پوچھی ہے آج تک کسی نے ان کے بارے میں مجھ سے نہیں پوچھا، نبی ﷺ نے میرے سوال کے جواب میں فرمایا تھا: یہ (محاسبہ اور جزاء) اللہ کا بندے پر عتاب ہے، اس بخار اور حادثہ کے ذریعہ جو اس کو پہنچتا ہے، یعنی دنیا ہی میں یہ محاسبہ ہوتا ہے اور سزا ملتی ہے، یہاں تک کہ پونجی: جس کو وہ کرتے کی جیب میں رکھتا ہے، پس وہ اس کو گم کرتا ہے، پس وہ اس کی وجہ سے گھبراجاتا ہے (تو اس کی وجہ سے بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں) یہاں تک کہ بندہ گناہوں سے نکل جاتا ہے جس طرح سرخ سونا بھٹی سے (صاف ہوکر) نکلتا ہے۔

تشریح: مجازات کا سلسلہ دنیوی زندگی سے شروع ہوجاتا ہے، بعض اعمال کی جزاوسزا دنیا ہی میں دیدی جاتی ہے، مثلاً والدین کے ساتھ حسن سلوک کا بدلہ دنیا میں ضرور ملتا ہے، اور ماں باپ کی نافرمانی کی، ناپ تول میں کمی کرنے کی اور سود کھانے کی سزا بھی دنیا میں ضرور ملتی ہے، اور یہ سزا گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، چنانچہ آگے معاملہ صاف ہوجاتا ہے، بلکہ جن لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو خیر منظور ہوتی ہے ان کو دنیا ہی میں طرح طرح کی تکلیفوں سے دوچار کیا جاتا ہے اور گناہوں سے پاک صاف کرکے ان کو اٹھایا جاتا ہے۔

پس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ دل میں آنے والے خیالات پر جو داروگیر ہوتی ہے، اور برائی کا جو بدلہ دیا جاتا ہے وہ ضروری نہیں کہ آخرت میں دیا جائے، بہت سے گناہوں پر پکڑ اور بہت سی برائیوں کی سزا اسی دنیا میں نمٹادی جاتی ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۲۸۵

اٰمَنَ	مان لیا	اِلَيْهِ	اس کی طرف	كُلٌّ اٰمَنَ	سب نے مانا
الرَّسُوْلُ	رسول نے	مِنْ رَّبِّهٖ	اسکے رب کی طرف سے	بِاللّٰهِ	اللہ کو
بِمَآ اُنْزِلَ	اس کو جو اتارا گیا	وَالْمُؤْمِنُوْنَ	اور مسلمانوں نے (بھی)	وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ	اور اس کے فرشتوں کو

وَكُتُبِهٖ	اور اس کی کتابوں کو	بَيْنَ اَحَدٍ	کسی کے درمیان	وَ اَطَعْنَا	اور ہم نے قبول کیا
وَرُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں کو	مِّنْ رُّسُلِهٖ	اس کے رسولوں میں سے	غُفْرَانَكَ (۱)	آپ کی بخشش چاہتے ہیں
لَا نُفَرِّقُ	(کہا انھوں نے) نہیں	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار
	جدائی کرتے ہم	سَمِعْنَا	ہم نے سنا	وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ	اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے

بلا تفریق تمام نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے

شانِ نزول: جب آیت کریمہ: ﴿ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ﴾: نازل ہوئی تو چونکہ الفاظ عام تھے، اس لئے صحابہ نے سمجھا کہ غیر اختیاری خیالات کا بھی حساب ہوگا، انھوں نے اپنی یہ الجھن خدمتِ نبوی میں پیش کی، آپؐ نے فرمایا: اللہ کی طرف سے جو حکم آئے بے تأمل مان لو، اور کہو: سمعنا و أطعنا: ہم نے حکم سنا، اور ہم اس پر عمل کریں گے، چنانچہ صحابہ نے یہ کہا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

آیتِ کریمہ: اللہ کے رسول ایمان لائے اس چیز پر جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی، اور مؤمنین بھی، سب یقین رکھتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر (اور وہ کہتے ہیں:) ہم اس کے پیغمبروں میں تفریق نہیں کرتے (کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں ایسا نہیں کرتے) انھوں نے کہا: ہم نے آپ کا ارشاد سنا اور اس کو بخوشی مانا، ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! اور آپ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے۔

فائدہ: سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتوں کے احادیث میں بڑے فضائل آئے ہیں، جو شخص رات میں یہ دو آیتیں پڑھ لے تو یہ اس کے لئے کافی ہیں، حسب ارشادِ نبوی: یہ دو آیتیں جنت کے خزائن میں سے نازل فرمائی گئی ہیں۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

(۱) غفران: مغفرۃ کی طرح مصدر ہے، اس کا عامل وجوباً محذوف ہے أی نطلب غفرانک: ہمارے گناہ بخش دے۔

لَا يُكَلِّفُ	نہیں حکم دیتے	اِنْ نَّسِيْنَآ	اگر بھول جائیں ہم	وَلَا تُحَمِّلْنَا	اور نہ اٹھوائیں آپ ہم سے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اَوْ اَخْطَاْنَا	یا چوک جائیں ہم	مَا لَا طَاقَةَ	جو نہیں طاقت
نَفْسًا	کسی شخص کو	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	لَنَا بِهٖ	ہمارے اندر اس کی
اِلَّا وُسْعَهَا	مگر اس کی گنجائش کا	وَلَا تَحْمِلْ	اور نہ لاد	وَاعْفُ عَنَّا	اور درگذر فرمائیں ہم سے
لَهَا	اس کے لئے ہے	عَلَيْنَآ	ہم پر	وَاغْفِرْ لَنَا	اور معاف فرمائیں ہمیں
مَا كَسَبَتْ	جو کمایا اس نے	اِصْرًا	بھاری بوجھ	وَارْحَمْنَا	اور مہربانی فرمائیں ہم پر
وَعَلَيْهَا	اور اس پر ہے	كَمَا حَمَلْتَهٗ	جیسا لادا آپ نے اس کو	اَنْتَ مَوْلٰىنَا	آپ ہمارے کارساز ہیں
مَا اكْتَسَبَتْ	جو کیا اس نے	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر جو	فَانْصُرْنَا	پس مدد فرمائیں ہماری
رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	مِنْ قَبْلِنَا	ہم سے پہلے ہوئے	عَلَى الْقَوْمِ	لوگوں پر
لَا تُؤَاخِذْنَآ	نہ پکڑ ہمیں	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	الْكٰفِرِيْنَ	اسلام قبول نہ کرنے والے

تکلیف شرعی کن امور کی دی جاتی ہے؟

تکلیف مالایطاق جائز نہیں، یعنی شریعت ایسے امور کا حکم نہیں دیتی جو انسان کے بس میں نہیں، پھر مالایطاق کی دو قسمیں ہیں:

اول: وہ کام جو سرے سے بندے کی قدرت میں نہیں، جیسے اندھے کو دیکھنے کا حکم دینا، یا اپاہج کو دوڑنے کا حکم دینا، ایسے مالایطاق امور کی تکلیف شرعاً ممتنع ہے۔

دوم: وہ امور جو بندے کی قدرت میں ہیں، مگر شاق اور دشوار ہیں، جیسے شروع اسلام میں تہجد کی نماز فرض کی گئی تھی، جو ایک مشکل امر تھا، ایسے مالایطاق امور کا حکم دیا جاسکتا ہے، چنانچہ شروع اسلام میں یہ حکم دیا گیا تھا، اور صحابہ نے سال بھر تہجد پڑھا تھا، پھر یہ حکم ختم کر دیا گیا، کیونکہ ایسے امور میں بھی شریعت بندوں کی سہولت کا خیال رکھتی ہے، مثلاً حائضہ کی نمازیں معاف کر دیں، اور سفر میں نمازیں قصر کرنے کی، اور رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی، یہ سب سہولت کے پیش نظر ہوا ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب آیتِ پاک: ﴿اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾: نازل ہوئی تو صحابہ کے دلوں میں اس آیت کی وجہ سے ایک ایسی چیز داخل ہوئی جو کسی

اور چیز کی وجہ سے داخل نہیں ہوئی تھی، پس انھوں نے نبی ﷺ سے یہ بات عرض کی (کہ جب تمام قلبی واردات پر دارو گیر ہوگی تو معاملہ بڑا سنگین ہوجائے گا!) پس نبی ﷺ نے فرمایا: کہو: ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾: ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی، پس اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے دلوں میں اطمینان ڈالا، اور آیتِ پاک ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ، كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ نازل فرمائی۔

ترجمہ: اللہ کے رسول (ﷺ) ایمان لائے اس چیز پر جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مؤمنین بھی۔ سب یقین رکھتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر (اور وہ کہتے ہیں:) ہم اس کے پیغمبروں میں تفریق نہیں کرتے، انھوں نے کہا: ہم نے آپ کا ارشاد سنا اور خوشی سے مانا، ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! اور آپ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے!...... اور اس کے بعد کی آیت بھی نازل فرمائی، جو یہ ہے:

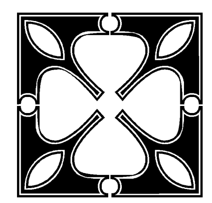
﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی کو مکلّف نہیں بناتے مگر اس کا جو اس کے اختیار میں ہے، اس کو ثواب بھی اسی کا ملتا ہے جو وہ ارادہ سے کرتا ہے، اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوتا ہے جس کا وہ ارادہ کرے، اے ہمارے پروردگار! ہماری دارو گیر نہ فرما، اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدْ فَعَلْتُ: یعنی میں ان امور پر تمہاری داروگیر نہیں کروں گا ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾: اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجیں، جس طرح ہم سے پہلے والوں پر آپ نے احکام بھیجے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدْ فَعَلْتُ: یعنی میں ایسے بھاری احکام بھی تم پر نازل نہیں کروں گا ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالیں جس کو ہم سہار نہ سکیں، اور ہم سے درگذر فرمائیں، اور ہماری بخشش فرمائیں، اور ہم پر مہربانی فرمائیں، آپ ہمارے کارساز ہیں، پس آپ ہم کو کافروں پر غالب کردیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قد فَعَلْتُ: یعنی میں تمہاری یہ سب خواہشیں پوری کروں گا، امت کی یہ سب دعائیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی ہیں، اور موقع بہ موقع اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے، چنانچہ دین آسان کرکے نازل فرمایا۔ حدیث میں ہے: الدینُ یُسْرٌ: اللہ نے دین نہایت آسان بھیجا ہے، پس ہمت کرکے اس پر عمل کرو اور دوسری دعائیں بھی مقبول ہوئی ہیں۔

آیتِ کریمہ: اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کی ذمہ داری نہیں سونپتے، ہر شخص کو اسی کا ثواب ملے گا جو اس نے کمایا، اور اس کے ذمہ وہی پڑے گا جو اس نے کیا۔

مؤمنین کی دعائیں: (۱) اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو ہماری پکڑ نہ فرما! (۲) اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر (احکام کا) بھاری بوجھ نہ لاد جیسا آپ نے ہم سے پہلی امتوں پر لادا تھا (۳) اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بار نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہیں (۴) اور ہم سے درگذر فرما (۵) اور ہمیں بخش دے (۶) اور ہم پر رحم فرما (۷) آپ ہی ہمارے کارساز ہیں، پس کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرمائیں (آمین)

جس نے کسی رات میں سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتیں پڑھیں وہ اس کے لئے کافی ہونگی (حدیث)

آگے سے ربط: سورۃ آلِ عمران کی شروع کی نوّے آیتیں نصاریٰ کے وفد کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی ہیں، ان میں عیسائیوں پر علمی تفوق کا بیان ہے، پھر باقی سورت میں غزوۂ احد میں کفارِ مکہ کے مقابلہ میں اللہ کی نصرت اور ان پر عملی تفوق کا بیان ہے، پس آئندہ سورت اس آخری دعا کا ظہور اتم ہے۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ آلِ عمران

(ذریّتِ عمران کی سورت)

سورت کا نام اوراس کی معنویت:

اس سورت میں اولادِ عمران کا ذکر ہے، اس لئے سورت کا یہ نام رکھا گیا ہے، اوراس نام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت والوہیت کا رد ہے، وہ عمران کی اولاد ہیں، پھر وہ اللہ کے بیٹے کیسے ہوسکتے ہیں؟ اوراسی مقصد سے عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ ابن مریم کا اضافہ آتا ہے، دیگر انبیاء کے ساتھ باپ کا ذکر نہیں آتا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریمؑ کے بیٹے ہیں تو وہ اللہ کے بیٹے کیسے ہوسکتے ہیں؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عمران: بنی اسرائیل میں ایک نیک بندے تھے، جب ان کی اہلیہ پُر امید ہوئی تو اس نے منت مانی کہ جو لڑکا پیدا ہوگا وہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا، ایسی منت ان کی شریعت میں جائز تھی، مگر لڑکے کے بجائے لڑکی حضرت مریم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، وہ پریشان ہوئیں، کیونکہ لڑکی خدمت کے لئے وقف نہیں کی جاتی تھی، لڑکا وقف کیا جاتا تھا، مگر اللہ نے اس لڑکی کو قبول فرمالیا، جب وہ خود کفیل ہوگئیں تو بیت المقدس کے حوالے کی گئیں، وہاں ان کی پرورش کے بارے میں اختلاف ہوا، ہر شخص ان کی پرورش کرنا چاہتا تھا، مگر فال ان کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا، اس لئے انھوں نے حضرت مریم کو اپنی پرورش میں لے لیا، یہ ساری بات آگے اسی سورت میں آرہی ہیں، پھر کنواری مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، پس وہ عمران کی اولاد ہوئے، اس طرح ان کی ابنیت اورالوہیت کی تردید ہوگئی۔

سورت کی فضیلت: صحیح حدیث میں سورۃ البقرۃ اورآلِ عمران کو الزَّهْرَاوَيْن: دوروشن، چمکدار اورخوبصورت سورتیں کہا گیا ہے، معلوم ہوا کہ دونوں سورتوں کا موضوع مشترک ہے، اور دونوں کو پڑھنے کا حکم ہے، اور مسلم شریف کی حدیث میں اس کی درج ذیل فضیلت بھی آئی ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے دن) قرآنِ کریم آئے گا، اوراس کے وہ پڑھنے والے (بھی)

آئیں گے جو دنیا میں اس پر عمل کرتے تھے، اس (قرآن یا قرآن پڑھنے والوں) کے آگے سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران ہونگی، حدیث کے راوی حضرت نوّاس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اور نبی ﷺ نے ان دونوں سورتوں کے لئے تین مثالیں یعنی پیکر محسوس بیان فرمائے جن کو میں اب تک نہیں بھولا، فرمایا: يَأْتِيَانِ كَأَنَّهُمَا غَيَايَتَان، وَبَيْنَهُمَا شَرْقٌ: وہ دونوں سورتیں آئیں گی گویا وہ دونوں دو سائبان ہیں، اور ان دونوں کے درمیان روشنی ہوگی (جو ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرے گی) أَوْ كَأَنَّهُمَا غمامتان سَوْدَاوَان: یا گویا وہ دونوں دو سیاہ بادل ہونگے، أو كَأَنَّهُمَا ظُلَّةٌ مِنْ طَيْرٍ صَوَافٍ: یا گویا وہ دونوں قطار میں اڑنے والے پرندوں کا سائبان ہونگے، تُجَادِلانِ عن صاحبهما: وہ جھگڑیں گی اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے۔

تشریح: اس جھگڑے کی حقیقت یہ ہے کہ قاری کی نجات وعذاب کے اسباب میں تعارض سامنے آئے گا، اس کے گناہ اس کی بربادی کو چاہیں گے، اور زہراوَین کی تلاوت نجات کو، اور بالآخر سبب نجات یعنی تلاوت زہراوین کو دیگر اسباب ہلاکت پر ترجیح حاصل ہوگی، اور وہ بندہ ناجی ہوگا۔

رہی یہ بات کہ قرآن کے اور زہراوین کے قیامت کے دن آنے کا کیا مطلب ہے؟ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پڑھنے کا ثواب قیامت کے دن آئے گا، بعض اہل علم نے اس حدیث کی اور اس سے ملتی جلتی حدیثوں کی یہی شرح کی ہے کہ قیامت کے دن قرآن پڑھنے کا ثواب آئے گا، کیونکہ پڑھنا ایک معنوی چیز ہے، اس کے آنے کی کوئی صورت نہیں، اور اسی حدیث میں اس تفسیر کا قرینہ موجود ہے، فرمایا: وأهلُه الذين يَعْمَلُوْن به في الدنيا: اور اس کے وہ پڑھنے والے بھی آئیں گے جو دنیا میں اس پر عمل کرتے تھے، ظاہر ہے پڑھنے والے الگ ہیں اور یہ آنے والے الگ ہیں، اس لئے لامحالہ ان کے عمل کا ثواب مراد لیا جائے گا۔

مگر اشکال پھر بھی باقی رہتا ہے، اگر قرآن اور زہراوین معنوی چیزیں ہیں تو ثواب بھی معنوی چیز ہے، وہ کیسے آئے گا؟ اس لئے صحیح بات وہ ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمائی ہے کہ یہ عالم مثال کے احوال ہیں اس عالم میں تمام معنویات متمثّل ہونگی، ان کو وہاں پیکر محسوس ملے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے باب عالم المثال میں اپنے اس دعوی پر بے شمار دلیلیں پیش کی ہیں، ان کو دیکھنا چاہئے۔

سورۃ بقرۃ اور سورۃ آلِ عمران میں ہم آہنگی

سورۃ الفاتحہ میں ہدایت طلبی کی درخواست تھی، سورۃ البقرۃ اس کے جواب سے شروع ہوئی ہے، قرآنِ کریم سبھی انسانوں کو خاص طور پر متقیوں کو سیدھی راہ دکھاتا ہے، پھر متقیوں کے بالمقابل کافروں کا، پھر بیچ کے منافقوں کا تذکرہ کیا

ہے، اس کے بعد ایک رکوع میں توحید، رسالت اور آخرت کا ذکر ہے، جو اسلام کے بنیادی عقائد ہیں، پھر جہاں سے انسانیت کی ابتدا ہوئی ہے، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کی خلافت ارضی کا بیان ہے، پھر ان کی نسل میں سے بنی اسرائیل کا ذکر شروع ہوا ہے، ایک رکوع میں ان کو ایمان کی دعوت دی ہے، پھر بنی اسرائیل کے پہلے گروہ یہود پر اللہ کے گیارہ انعامات کا ذکر ہے، پھر ان کی پانچ گستاخیوں کا، پھر ان کی قساوتِ قلبی کے پانچ نتائج کا، پھر ان کی دوسری گیارہ برائیوں کا تذکرہ ہے، پھر آخر میں مسلمانوں کے ساتھ اُن کے سولہ بدمعاملات کا ذکر کر کے آیت ۱۳۳ پر ان کا تذکرہ ختم کر دیا ہے۔ اور بنی اسرائیل کے آخری گروہ عیسائیوں کا تذکرہ نہیں کیا، ان کا تذکرہ سورۃ آلِ عمران کی شروع کی نوّے آیات میں ہے۔

پھر آیت ۱۳۴ سے بنی اسماعیل کا تذکرہ شروع ہوا ہے، جو آیت ۱۶۲ تک چلا گیا ہے، پھر آیت ۱۶۳ سے ملتِ ابراہیمی اسماعیلی پر مبعوث خاتم النّبیین ﷺ کی تعلیمات کا تذکرہ شروع کیا ہے، جو آخر سورت تک چلا گیا ہے، اور سورۃ بقرۃ مسلمانوں کی اس دعا پر پوری ہوئی ہے کہ الٰہی! ہماری اسلام کا انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں مدد فرما!

جاننا چاہئے کہ بنی اسرائیل (اولادِ یعقوبؑ) کے دو گروہ ہیں: یہود اور نصاریٰ۔ عیسائی بھی بنی اسرائیل ہی تھے، سورۃ الصّف میں اس کی صراحت ہے، پھر پولوس نے عیسائیت کو عالمی مذہب بنایا ہے، سورہ آلِ عمران اس دوسرے گروہ کے تذکرے سے شروع ہوئی ہے، جزیرۃ العرب کے جنوب مشرق میں یمن ہے، اس کے شمالی حصہ میں نجران ہے، عہدِ نبوت میں یہاں عیسائیوں کی آبادی تھی، سنہ دس ہجری میں ان کا ایک موقر وفد مدینہ منورہ آیا، اس میں ان کے چودہ اکابر تھے، انھوں نے نبی ﷺ سے عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت پر گفتگو کی، ان کے سامنے پیش کرنے کے لئے اس سورت کی نوّے آیتیں نازل ہوئیں، جن میں عقیدۂ تثلیث اور ابنیت کی مدلل تردید ہے، غرض جس طرح سورۃ بقرۃ میں خطاب یہود سے تھا اس سورت میں نصاریٰ سے ہے۔

پھر آخر سورت تک غزوۂ بدر و احد کا تذکرہ ہے، اور اس کا تعلق: ﴿وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾: سے ہے، مسلمانوں نے دعا کی تھی: اے اللہ! ہماری اسلام کا انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں مدد فرما! ان کو بتلایا کہ غزوۂ بدر میں اللہ نے مسلمانوں کی مدد کی، ان کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی، یہ مسلمانوں کا کافروں سے پہلا مقابلہ تھا، مسلمان نہتّے تھے، کفار ہتھیاروں سے لیس تھے، پھر بھی مسلمانوں کو معجزاتی کامیابی حاصل ہوئی، اس کے ایک سال بعد کفار نے پھر مدینہ پر چڑھائی کی، اور احد پہاڑ کے دامن میں مقابلہ ہوا، شروع میں مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا، پھر پانسا پلٹا، جو منافقین کی حرکت کا اور پچاس تیراندازوں کی نافرمانی کا نتیجہ تھا، پھر میدان مسلمانوں کے ہاتھ آیا، دشمن دُم دبا کر بھاگا۔ ان دونوں غزوات

کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔اور دونوں کی مختلف حالتوں کی مصلحتیں بیان کی ہیں۔

سورت کی ابتدائی آیات کا شانِ نزول: سن نو ہجری میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا، اس وفد میں ساٹھ اشخاص تھے، جن میں چودہ معززین تھے، عبدالمسیح، ایہم اور ابو حارثہ اس وفد کے امیر، نگراں اور عالم و ترجمان تھے، اس وفد نے کئی دنوں تک رسول اللہ ﷺ کے پاس قیام کیا، توحید اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت کے مسئلہ پر کئی دنوں تک یہ لوگ آپ سے بحث کرتے رہے، آپ دلائل کے ذریعہ ان کی تردید فرماتے، لیکن یہ کسی طرح اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے، بالآخر آپ ﷺ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی — جس کا ذکر آگے آئے گا — اس سورۃ کی ابتدائی آیتیں اسی واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۴:۴)

آیاتها ۲۰۰ (۳) سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ (۸۹) رکوعاتها ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝۱ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۲ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝۵ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶

الٓمّٓ	الف، لام، میم	الْقَيُّوْمُ (۱)	تھامنے والا	مُصَدِّقًا	سچا بتانے والی
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	نَزَّلَ (۲)	اتاری (اس نے)	لِّمَا	ان کتابوں کو جو
لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	عَلَيْكَ	آپ پر	بَيْنَ يَدَيْهِ	اس سے پہلے ہیں
اِلَّا هُوَ	مگر وہی	الْكِتٰبَ (۳)	(خاص) کتاب	وَ اَنْزَلَ	اتاری
الْحَيُّ	زندہ	بِالْحَقِّ	دینِ حق کے ساتھ	التَّوْرٰىةَ	تورات

(۱) القیوم: صیغۂ مبالغہ، از قائم: وہ ذات جو خود قائم اور دوسروں کو قائم رکھنے والی ہے (۲) نَزَّلَ تَنْزِيْلًا: رفتہ رفتہ تھوڑا تھوڑا اتارنا، اور أنزل إنزالاً: یکبارگی اتارنا (۳) الکتاب: ال عہدی ہے، مراد قرآنِ کریم ہے۔

وَالۡاِنۡجِيۡلَ	اور انجیل	لَهُمۡ	ان کے لئے	وَلَا فِى السَّمَآءِ	اور نہ آسمان میں
مِنۡ قَبۡلُ	اس سے پہلے	عَذَابٌ شَدِيۡدٌ	دردناک سزا ہے	هُوَ الَّذِىۡ	وہی ہیں جو
هُدًى	راہ نما	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	يُصَوِّرُكُمۡ (۲)	ناک نقشہ بناتے ہیں تمہارا
لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	عَزِيۡزٌ	زبردست	فِى الۡاَرۡحَامِ	بچہ دانیوں میں
وَاَنۡزَلَ	اور اتاری	ذُو انۡتِقَامٍ	بدلہ لینے والے ہیں	كَيۡفَ يَشَآءُ	جس طرح چاہتے ہیں
الۡفُرۡقَانَ (۱)	فیصلہ کُن کتاب	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	لَآ اِلٰهَ	نہیں کوئی معبود
اِنَّ الَّذِيۡنَ	بیشک جن لوگوں نے	لَا يَخۡفٰى	نہیں پوشیدہ	اِلَّا هُوَ	مگر وہی
كَفَرُوۡا	نہیں مانا	عَلَيۡهِ شَىۡءٌ	ان پر کوئی چیز	الۡعَزِيۡزُ	زبردست
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں کو	فِى الۡاَرۡضِ	زمین میں	الۡحَكِيۡمُ	بڑی حکمت والے ہیں

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی راہ نمائی کے لئے قرآنِ کریم نازل کیا

یہ سورت توحید کے بیان سے شروع ہوئی ہے، کیونکہ اس کے شروع میں عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت کی نفی ہے، فرماتے ہیں: کائنات کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہیں، وہی زندۂ جاوید ہیں، وہی کائنات کو سنبھالنے والے ہیں، پس وہی معبود برحق ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کوئی اور ہمیشہ زندہ نہیں، ہر کسی پر موت آنے والی ہے، عیسیٰ علیہ السلام پر بھی موت آئے گی، نہ کوئی کائنات کو سنبھالنے والا ہے، عیسیٰ علیہ السلام یہود کی چیرہ دستیوں (زبردستیوں) سے خود کو نہیں بچا سکے، اللہ نے ان کو بچایا، اور آسمان میں اٹھالیا، پس اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں!

اور قیوم (کائنات کو سنبھالنے والے) کی ذمہ داری ہے کہ وہ کائنات کی چارہ سازی (یاری) کرے، اس کی مادی اور روحانی ضروریات پوری کرے، مادی ضروریات کا انتظام تو اظہر من الشمس ہے، اور روحانی ضرورت کی تکمیل کے لئے اب قرآنِ کریم نازل کیا ہے، جو دین کی تعلیمات پر مشتمل ہے، جن پر عمل کر کے انسان دارین میں سرخ رُو ہو سکتا ہے، جیسے پہلے اسی مقصد سے تورات وانجیل کو نازل کیا تھا، وہ بھی لوگوں کی دینی راہ نمائی کے لئے نازل کی گئی تھیں، قرآنِ کریم ان کتابوں کو سچا بتاتا ہے، ان کی تکذیب نہیں کرتا، کیونکہ سب ایک چشمہ سے نکلنے والی نہریں ہیں۔

البتہ قرآنِ کریم کی ایک خاص صفت فرقان (فیصلہ کن) ہے، وہ حق اور باطل کو، صحیح اور غیر صحیح کو جدا کرتی ہے، یہود ونصاریٰ میں جن باتوں میں اختلاف ہے ان کا دوٹوک فیصلہ کرتی ہے، مثلاً: یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح ضلالت

(۱) الفرقان: صیغۂ صفت اور مصدر: حق کو باطل سے جدا کرنے والی چیز (۲) صَوَّرَ تصویرا: صورت گری۔

(دجال) قرار دیتے ہیں، اور جھوٹا دعوی کرتے ہیں کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو کیفر کردار تک پہنچادیا۔ اور نصاریٰ ان کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، اور بیٹا باپ کے حکم میں ہوتا ہے، پس وہ بھی معبود ہیں۔

یہ ایک شخصیت کے بارے میں دو متضاد رائیں ہیں، قرآن نے اس اختلاف میں فیصلہ کیا کہ وہ دجال نہیں تھے، بلکہ مسیح ہدایت اور اللہ کے رسول تھے، اللہ کے بیٹے نہیں تھے، عمران کی ذریت اور مریم کے بیٹے تھے، پس وہ ہرگز معبود نہیں، معبود کی طرف دعوت دینے والے بندے ہیں۔ اس طرح قرآن: فرقان (فیصلہ کن کتاب) ہے۔

اب جو لوگ اللہ کی آیتوں (قرآن) کا انکار کریں گے: ان کے لئے دردناک عذاب ہے، اللہ تعالیٰ زبردست اور مخالفوں سے انتقام لینے والے ہیں، انتقام لینے سے ان کو کوئی روک نہیں سکتا۔

دلیل توحید: پھر ایک اللہ کے معبود ہونے کی دلیل میں دو باتیں بیان کی ہیں: ایک: ان کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے، دوسرا ایسا کوئی نہیں۔ دوسری بات: اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، دوسرا کوئی وجود بخشنے والا نہیں، پھر ان کے سوا کوئی اور معبود کیسے ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہتے ہیں صورت گری کرتے ہیں، ناک نقشہ بناتے ہیں، آج تک کوئی دو انسان ہم شکل نہیں ہوئے، ہر ایک کی شکل وصورت جدا ہے، بلکہ فنگر پرنٹس (انگلیوں کے نشانات) بھی مختلف ہیں، ایسی قدرت والا اور کون ہے؟ وہی زبردست حکمت والی ہستی ہی معبود ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ!

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت (ناک نقشہ) بھی اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

الف، لام، میم ـــــ یہ حروفِ ہجا ہیں، ان کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، یہی آخری درجہ کے متشابہات ہیں ـــــ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندۂ جاوید، ہر چیز کو سنبھالنے والے ہیں، آہستہ آہستہ آپؐ پر اپنی کتاب اتاری، جو دین حق کی تعلیمات پر مشتمل ہے، وہ ان کتابوں کو سچا بتانے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں، اور قرآن سے پہلے اللہ نے تورات وانجیل اتاری ہیں، جو لوگوں کے لئے راہ نما تھیں، اور فیصلہ کن کتاب نازل کی، بے شک جن لوگوں نے اللہ کی باتوں کا انکار کیا ان کے لئے دردناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے والے ہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں، وہی ہیں جو بچہ دانیوں میں جس طرح چاہتے ہیں تمہارا ناک نقشہ بناتے ہیں، ان کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زبردست بڑے حکمت والے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۹ ع

هُوَ الَّذِيْٓ	وہ جنھوں نے	فَيَتَّبِعُوْنَ	پس پیچھے پڑتے ہیں وہ	كُلٌّ	سب
اَنْزَلَ	اتاری	مَا تَشَابَهَ	اس کے جو متشابہ ہیں	مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا	ہمارے رب کے پاس
عَلَيْكَ	آپؐ پر	مِنْهُ	اس سے		سے ہے
الْكِتٰبَ	خاص کتاب	ابْتِغَآءَ	چاہتے ہوئے	وَمَا يَذَّكَّرُ	اور نہیں نصیحت پذیر ہوتے
مِنْهُ	اس کی بعض	الْفِتْنَةِ	فتنہ	اِلَّآ	مگر
اٰيٰتٌ	آیتیں	وَابْتِغَآءَ	اور چاہتے ہوئے	اُولُوا الْاَلْبَابِ	خالص عقل والے
مُّحْكَمٰتٌ	محکم (مضبوط) ہیں	تَاْوِيْلِهٖ	اس کا مطلب	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!
هُنَّ	وہ	وَمَا يَعْلَمُ (۱)	حالانکہ نہیں جانتے	لَا تُزِغْ	نہ ٹیڑھا کر
اُمُّ الْكِتٰبِ	اصل کتاب ہیں	تَاْوِيْلَهٗٓ	اس کا مطلب	قُلُوْبَنَا	ہمارے دلوں کو
وَ اُخَرُ	اور دیگر	اِلَّا اللّٰهُ	مگر اللہ تعالیٰ	بَعْدَ	بعد
مُتَشٰبِهٰتٌ	متشابہ ہیں	وَالرّٰسِخُوْنَ (۲)	اور مضبوط لوگ	اِذْ هَدَيْتَنَا (۳)	ہمیں راہ دکھانے کے
فَاَمَّا الَّذِيْنَ	پس رہے وہ جو	فِي الْعِلْمِ	علم میں	وَهَبْ لَنَا	اور بخشیں ہمیں
فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں	مِنْ لَّدُنْكَ	اپنے پاس سے
زَيْغٌ	کجی ہے	اٰمَنَّا بِهٖ	مانتے ہیں ہم اس کو	رَحْمَةً	مہربانی

(۱) جملہ وما یعلم: محل حال میں ہے (۲) الرٰسخون: مبتدا اور یقولون خبر ہے (۳) بعدَ: لاتزغ کا ظرف ہے، اور إذ: تعلیلیہ بمعنی أن: مصدریہ ہے، جیسے ﴿وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ﴾ أی لظلمکم۔

إِنَّكَ أَنْتَ	بے شک آپ ہی	جَامِعُ	اکٹھا کرنے والے ہیں	فِيْهِ	اس میں
الْوَهَّابُ	بخشنے والے ہیں	النَّاسِ	لوگوں کو	إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
رَبَّنَآ	اے ہمارے رب!	لِيَوْمٍ	ایسے دن میں	لَا يُخْلِفُ	نہیں خلاف کرتے
إِنَّكَ	بے شک آپ	لَّا رَيْبَ	نہیں کوئی شک	الْمِيْعَادَ	اپنے وعدے کے

قرآنِ کریم میں دو قسم کی آیتیں ہیں: محکم اور متشابہ

محکم آیات سے استدلال کرو، متشابہات کے پیچھے مت پڑو

نجران کے عیسائیوں کا جو وفد نبی ﷺ کی خدمت میں آیا تھا، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا یا خدا کا بیٹا ہونے پر قرآنِ کریم سے استدلال کرتے ہوئے کہا تھا کہ سورۃ النساء (آیت ۱۷۱) میں ان کو کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ کہا گیا ہے۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی صفت کلام اور اللہ کی روح تھے، پس ثابت ہوا کہ وہ اللہ کے بیٹے تھے، اور بیٹا باپ کی طرح ہوتا ہے، پس وہ خدا ہوئے۔

اس آیت کے ذریعہ ان کو جواب دیا ہے کہ قرآنِ کریم میں دو قسم کی آیات ہیں: محکم: یعنی واضح الدلالۃ۔ اور متشابہ: یعنی مبہم، غیر واضح الدلالۃ، اول: قرآن کی اصل آیات ہیں، ان پر دین کا مدار ہے، وہ محکم آیات کہلاتی ہیں، اور قرآنِ کریم میں سورۃ النساء کی اسی آیت میں اور دیگر آیات میں جگہ جگہ صاف صاف لفظوں میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہوسکتی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دینا کفر وشرک ہے، ان واضح آیتوں کو چھوڑ کر، غیر واضح لفظوں کو پکڑ کر بیٹھ جانا دل کی کجی کی علامت ہے!

سورۃ النساء کی (آیت ۱۷۱) یہ ہے: ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڟ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے مت بڑھو، اور اللہ کے بارے میں حق کے علاوہ کوئی بات مت کہو، مسیح عیسیٰ ابن مریم محض اللہ کے رسول تھے، اور اللہ کا ایک کلمہ (بول) تھے جو اللہ نے مریم تک پہنچایا ـــــ یعنی وہ باپ کے بغیر اللہ کے کلمۂ کُن سے پیدا ہوئے ہیں، وہ اللہ کی صفتِ کُن فیکون کا مظہر ہیں ـــــ اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں

—— اضافت تشریف کے لئے ہے، یعنی ان کی روح معزز تھی، جیسے آدم علیہ السلام کی روح (سورۃ الحجر آیت ۲۹) ——
لہٰذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور یہ مت کہو کہ خدا تین ہیں، ایسا کہنے سے باز آجاؤ، اسی میں تمہاری بہتری ہے، اللہ تو ایک ہی معبود ہیں، وہ اس بات سے بالکل پاک ہیں کہ ان کا کوئی بیٹا ہو، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے، اور سب کی دیکھ بھال کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہیں —— اتنی واضح آیت میں سے دو لفظ غیر واضح الدلالۃ کو پکڑ کر بیٹھ جانا کونسی عقلمندی کی بات ہے، یہ تو ناچنا نہیں آنگن ٹیڑھا والی بات ہے!

محکم و متشابہ:

محکم: (اسم مفعول) از إِحْکام (باب افعال)، اس کے لغوی معنی ہیں: پختہ اور درست کرنا، اور محکم: وہ کلام ہے جس سے زبان کا جاننے والا ایک ہی معنی سمجھے، اس کی مراد بالکل واضح ہو، جیسے: ﴿ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾: اللہ تو ایک ہی معبود ہیں، وہ اس بات سے بالکل پاک ہیں کہ ان کا کوئی بیٹا ہو! یہ بالکل بے غبار بات ہے، یہی محکم آیت ہے۔ مگر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے الفوز الکبیر میں لکھا ہے کہ اعتبار پہلے زمانہ کے عربوں کا ہے، ہمارے زمانہ کے محققین کا جو بال کی کھال نکالتے ہیں، اور ہندی کی چندی کرتے ہیں: ان کی سمجھ کا اعتبار نہیں، کیونکہ فضول تحقیق و تدقیق ایسی لاعلاج بیماری ہے جو محکم کو مبہم اور معلوم کو نامعلوم بنا دیتی ہے (الخیر الکثیر ص: ۳۵۳)

متشابہ: (اسم فاعل) از باب تفاعل، تَشَابَهَ الشيئانِ کے لغوی معنی ہیں: یکساں اور ہم شکل ہونا، فرق نہ رہنا، اور اصطلاح میں متشابہ وہ کلام ہے جو غیر مفہوم، غیر واضح یا مختلف معانی کا احتمال رکھتا ہو جیسے: ﴿ كَلِمَتُهٗ ﴾ اور ﴿ رُوْحٌ مِّنْهُ ﴾ ان کا ایک مطلب وہ ہے جو اوپر بیان کیا، اور دوسرا مطلب نجران کے عیسائی وفد نے لیا، پس یہ متشابہ الفاظ ہیں۔

متشابہات کے مراتب:

پھر متشابہات کے مختلف درجات و احکام ہیں:

(الف) وہ کلام جس کی مراد بالکل ہی واضح نہ ہو، کچھ پلّے نہ پڑے، جیسے مختلف سورتوں کے شروع میں حروفِ مقطعات (حروفِ ہجا) آئے ہیں، یہ اعلیٰ درجہ کے متشابہات ہیں، ان کے معانی ایک راز ہیں، جن اکابر نے اس کو کھولنے کی کوشش کی ہے وہ پوری طرح کامیاب نہیں ہوئے۔

(ب) ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کی کیفیات اوسط درجہ کے متشابہات ہیں، وہ انسان کی محدود عقل سے ماوراء ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا عرش (تختِ شاہی) پر متمکن ہونا، اس کی مراد واضح ہے کہ کائنات پر کنٹرول اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، مگر اس کی

حقیقت کا علم انسان کی عقل سے بالاتر ہے، اس لئے کہ یہ ماورائے طبیعی حقیقت ہے، یعنی دوسری دنیا کی بات ہے، اور انسان محسوسات کے دائرہ میں سمجھنے کا عادی ہے، اس لئے اس کی کھود کرید کرنے کے بجائے اجمالی طور پر ایمان رکھ کر کیفیت کو اللہ کے حوالے کرنا چاہئے۔

(ج) کبھی کلام کے بچند وجوہ مختلف معانی ہوسکتے ہیں، یا تو اس وجہ سے کہ ضمیر کے مراجع مختلف ہوسکتے ہیں، یا لفظ دو معنی میں مشترک ہے، یا قریب پر بھی عطف ہوسکتا ہے، اور بعید پر بھی، یا جملہ میں عطف کا بھی احتمال ہے اور استیناف کا بھی، مثالیں الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر میں ہیں، ایسی جگہوں میں مراد مبہم ہوجاتی ہے، اور یہ صورتیں اذکیاء کی جولان گاہ ہیں، اور ان کی مراد کی تعیین میں کبھی اختلاف بھی ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں تقلید کے سوا چارہ نہیں۔

متشابہات کے بارے میں پختہ کار لوگوں کا موقف:

نادان لوگ پہلی اور دوسری قسم کے متشابہات کو لے دوڑتے ہیں، جیسا نجران کے عیسائیوں نے کیا، وہ آیات کے وہ معانی جو محکمات کے موافق ہوتے ہیں چھوڑتے ہیں، اور ان کے سطحی معانی لیتے ہیں جو قرآن کی تصریحات اور متواتر بیانات کے خلاف ہوتے ہیں، یہ ان کی کج روی اور ہٹ دھرمی ہے۔

بلکہ بعض فتنہ پسند لوگ تو ان آیات سے لوگوں کو مغالطہ دے کر گمراہی میں پھنساتے ہیں، اور کمزور عقیدہ والے متشابہات کو توڑ مروڑ کر اپنا مطلب نکالتے ہیں، حالانکہ ان کا صحیح مطلب اور حقیقی مراد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور جو لوگ مضبوط علم رکھتے ہیں وہ محکمات و متشابہات: دونوں کو حق جانتے ہیں، انہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیات ایک ہی سرچشمہ سے آئی ہیں، جن میں تناقض و تخالف کا احتمال نہیں، پھر وہ متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹا کر صحیح مطلب نکال لیتے ہیں، اور جو حصہ ان کے دائرۂ فہم سے بالاتر ہوتا ہے اس کو اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہی بہتر جانتے ہیں، ہمیں ایمان سے مطلب!

نیز علم میں پختہ کار لوگ اپنے کمالِ علمی اور قوتِ ایمانی پر مغرور و مطمئن بھی نہیں ہوتے، بلکہ استقامت اور فضل وعنایت کے طلب گار رہتے ہیں، تاکہ کمائی ہوئی پونجی ضائع نہ ہوجائے، وہ دعا کرتے ہیں کہ الٰہی! دل سیدھے ہونے کے بعد کج نہ کردیئے جائیں، کیونکہ ایک دن ضرور آکر رہے گا جس میں کج رو جن مسائل میں جھگڑتے ہیں ان کا دوٹوک فیصلہ کردیا جائے گا، اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہوکر رہے گا (ماخوذ از فوائد شیخ الہندؒ)

آیاتِ پاک: —— اللہ وہ ہیں جنھوں نے آپؐ پر اپنی کتاب اتاری، اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں، وہی قرآن کی اصل آیتیں ہیں، اور دوسری متشابہ ہیں —— اب رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ قرآن کی ان آیات کے پیچھے

پڑتے ہیں جو ان میں سے متشابہ ہیں، فتنہ پیدا کرنے کی غرض سے اور ان کا مطلب جاننے کے مقصد سے —— عطف تفسیری ہے، دونوں باتوں کا مطلب ایک ہے —— حالانکہ ان کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جو علم میں پختہ کار لوگ ہیں وہ کہتے ہیں: "ہمارا ان پر ایمان ہے، سب آیات ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں" —— اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو خالص عقل والے ہیں —— وہی متشابہات میں غور وخوض سے بچتے ہیں۔

اور راسخین دعا کرتے ہیں: —— اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کریں اس کے بعد کہ آپ نے ہمیں راہ دکھائی، اور ہمیں خاص اپنے پاس سے مہربانی سے نوازیں، بے شک آپ ہی بڑے بخشنے والے ہیں، اے ہمارے رب! بے شک آپ لوگوں کو ایک ایسے دن میں جمع کرنے والے ہیں جس میں ذرا شک نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کریں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝۱۰ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۱ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۲

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جنھوں نے	كَدَاْبِ	جیسے حالت	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
كَفَرُوْا	اسلام قبول نہیں کیا	اٰلِ فِرْعَوْنَ	فرعون والوں کی	شَدِيْدُ الْعِقَابِ	سخت سزا دینے والے ہیں
لَنْ تُغْنِيَ	ہرگز کام نہیں آئیں گے	وَالَّذِيْنَ	اور ان کی جو	قُلْ	کہہ دو
عَنْهُمْ	ان کے	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	لِّلَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جنھوں نے
اَمْوَالُهُمْ	ان کے اموال	كَذَّبُوْا	جھٹلایا انھوں نے	كَفَرُوْا	اسلام قبول نہیں کیا
وَلَآ اَوْلَادُهُمْ	اور نہ ان کی اولاد	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کو	سَتُغْلَبُوْنَ	عنقریب مغلوب ہوگے تم
مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا	اللہ سے کچھ بھی	فَاَخَذَھُمُ	پس پکڑا ان کو	وَتُحْشَرُوْنَ	اور جمع کئے جاؤگے تم
وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ	اور وہی لوگ	اللّٰهُ	اللہ نے	اِلٰى جَهَنَّمَ	دوزخ کی طرف
وَقُوْدُ النَّارِ	دوزخ کا ایندھن ہیں	بِذُنُوْبِهِمْ	ان کے گناہوں کی وجہ سے	وَبِئْسَ الْمِهَادُ	اور برا ہے وہ بچھونا

وفد نجران کو ایمان کی دعوت، اگر ایمان نہیں لائیں گے تو ہاریں گے اور برا حشر ہوگا

جب قیامت کا ذکر آ گیا تو اب وفد نجران کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ دارین میں سرخ رو ہوں، کیونکہ اگر وہ ایمان نہیں لائیں گے تو کوئی چیز ان کو دنیا وآخرت کے عذاب سے بچا نہیں سکے گی، جو حال فرعونیوں کا اور ان سے پہلے والوں کا ہوا وہی حال ان کا بھی ہوگا، انھوں نے بھی اللہ کی باتوں کو جھٹلایا تو وہ اپنے گناہوں کی پاداش میں پکڑے گئے، یمن والے بھی اسلام کے مقابلہ میں ہاریں گے، اور آخرت میں ان کو دوزخ کے عذاب سے سابقہ پڑے گا، اور دوزخ ان کا برا ٹھکانہ ہوگا۔

آیاتِ کریمہ: جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان کے ہرگز کام نہیں آئیں گے ان کے اموال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی! اور وہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہونگے، جیسے فرون والوں کا اور ان سے پہلے والوں کا حال، انھوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا، تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا، اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔ ان لوگوں سے کہہ دو جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا کہ عنقریب تم ہاروگے، اور جہنم کی طرف جمع کئے جاؤگے، اور وہ برا بچھونا ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿١٣﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿١٤﴾

قَدْ كَانَ	تحقیق تھی	الْتَقَتَا	ملی دونوں	اللّٰهِ	اللہ کے
لَكُمْ	تمہارے لئے	فِئَةٌ	ایک جماعت	وَاُخْرٰى	اور دوسری
اٰيَةٌ	بڑی نشانی	تُقَاتِلُ	لڑرہی ہے	كَافِرَةٌ	منکر ہے
فِيْ فِئَتَيْنِ	دو جماعتوں میں	فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	يَّرَوْنَهُمْ(١)	دیکھتے ہیں وہ خود کو

(١) فعلِ رویت میں ضمیرِ فاعل ومفعول کا مصداق ایک ہوسکتا ہے، جیسے رأیتُنِي: دیکھا میں نے مجھ کو (خواب میں)

مِّثْلَيْهِمْ (۱)	مسلمانوں سے دوچند	زُيِّنَ	خوشنما بنائی گئی	وَالْخَيْلِ	اور گھوڑوں سے
رَاْيَ الْعَيْنِ	آنکھ سے دیکھنا	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	الْمُسَوَّمَةِ	نشان لگائے ہوئے
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	حُبُّ الشَّهَوٰتِ	خواہشات کی چاہت	وَالْاَنْعَامِ	اور مویشی سے
يُؤَيِّدُ	قوی کرتے ہیں	مِنَ النِّسَاءِ (۲)	عورتوں سے	وَالْحَرْثِ	اور کھیتی سے
بِنَصْرِهٖ	اپنی مدد سے	وَالْبَنِيْنَ	اور بیٹوں سے	ذٰلِكَ مَتَاعُ	یہ برتنے کا سامان ہے
مَنْ يَّشَاءُ	جس کو چاہتے ہیں	وَالْقَنَاطِيْرِ	اور خزانوں سے	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی میں
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں	الْمُقَنْطَرَةِ	ڈھیر کئے ہوئے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
لَعِبْرَةً	البتہ سبق ہے	مِنَ الذَّهَبِ	سونے سے	عِنْدَهٗ	ان کے پاس
لِّاُولِي الْاَبْصَارِ	آنکھوں والوں کیلئے	وَالْفِضَّةِ	اور چاندی سے	حُسْنُ الْمَاٰبِ	اچھا ٹھکانہ ہے

بدر میں کفار تین گنا تھے، مگر بری طرح ہارے

گذشتہ آیت میں وفد نجران سے کہا ہے: ﴿سَتُغْلَبُوْنَ﴾: ابھی ہاروگے، ایمان لاؤ، مقابلہ پر آؤگے تو پسپا ہوؤگے، اس پر وہ خیال کر سکتے ہیں کہ دنیا میں عیسائیوں کی تعداد زیادہ ہے، پھر ہم کیسے ہاریں گے؟

اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہار جیت کا مدار فوج کی کمی بیشی پر نہیں، اللہ کی مدد پر ہے، بدر میں مشرکین مکہ سہ چند (تگنے) تھے، پھر بھی بری طرح ہارے، اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی مدد کی تو انھوں نے پالا مار لیا، اس میں وفد نجران کے لئے سامانِ عبرت ہے، کاش وہ تعصب کا چشمہ اتار کر دیکھیں!

﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۱۳﴾

ترجمہ: بالتحقیق تمہارے لئے بڑی نشانی ہے ان دو جماعتوں میں جو باہم بھڑیں، ایک جماعت راہِ خدا میں لڑ رہی تھی، اور دوسری کافر تھی، وہ سر کی آنکھوں سے خود کو (مسلمانوں سے) دوچند دیکھ رہے تھے —— کفار تقریباً ایک ہزار تھے، جن کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے، دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ اوپر تھے، جن کے

(۱) مثلین: تثنیہ کی اضافت کی ہے، اس لئے نون گرا ہے، اور مطلق زیادتی مراد ہے، اس لئے دوچند ترجمہ کرتے ہیں، دوگنا ترجمہ نہیں کرتے، پس یہ تین گنا کو بھی شامل ہے، بدر میں کفار تین گنا تھے (۲) مِن: بیانیہ، الشہوات کا بیان ہے، آگے چھ چیزیں مذکور ہیں، جو درجہ بدرجہ ہیں۔

پاس کل ستّر اونٹ، دوگھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں (فوائد شیخ الہندؒ) اور دشمن نے عمیر بن وہب جمحی کو مسلمانوں کی جماعت کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا، وہ گھوڑے پر سوار ہوکر دور دور چکر لگا کر واپس گیا اور کہا: کوئی کمین اور مدد تو نہیں ہے مگر اے گروہ قریش! میں دیکھتا ہوں کہ مدینہ کے اونٹ موت احمر (قتل) کو اپنے اوپر لادے ہوئے ہیں، خدا کی قسم! میں دیکھتا ہوں کہ جب تک وہ لوگ اپنے مقابل کو مار نہیں لیں گے میدان سے ہٹیں گے نہیں! پس اگر ہمارے آدمی مارے گئے تو پھر زندگی کا لطف کیا؟ پس سوچ کر کوئی رائے قائم کرو —— اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے جسے چاہتے ہیں قوی کرتے ہیں، بے شک اس میں یقیناً آنکھوں والوں کے لئے سامانِ عبرت ہے!

نجران کا وفد بات سمجھے ہوئے تھا، مگر مال ومنال کی محبت ایمان کا روڑا بنی ہوئی تھی

رازی رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کی سیرت سے نقل کیا ہے کہ جب وفدِ نجران بہ قصدِ مدینہ روانہ ہوا تو ان کا بڑا پادری ابوحارثہ بن علقمہ خچر پر سوار تھا، خچر نے ٹھوکر کھائی تو اس کے بھائی کُرز کی زبان سے نکلا: ''برا آدمی برباد ہو!'' تَعِسَ الأبعدُ! (خاکم بدہن! اس کی مراد نبی ﷺ تھے) ابوحارثہ نے کہا: تَعِسَتْ أُمُّكَ: تیری ماں برباد ہو! یعنی تو برباد ہو! کُرز نے حیران ہوکر اس کلمہ کا سبب پوچھا، ابوحارثہ نے کہا: ''ہم بخدا خوب جانتے ہیں کہ یہ (نبی ﷺ) وہی نبیٔ منتظر ہیں جن کی بشارت ہماری کتابوں میں دی گئی ہے'' کرز نے کہا: پھر مانتے کیوں نہیں؟ ابوحارثہ نے جواب دیا: ''اگر ہم ان پر ایمان لے آئیں تو یہ بادشاہ جو بے شمار دولت ہم کو دے رہے ہیں، اور اعزاز واکرام کررہے ہیں سب واپس لے لیں گے''

اس وفد میں تین بڑے آدمی تھے: (۱) عبدالمسیح عاقب، یہ قافلہ کا امیر اور سردار تھا (۲) أَیْهَم السِّید، رائے اور تدبیر بتاتا تھا (۳) ابوحارثہ بن علقمہ، سب سے بڑا مذہبی عالم اور لاٹ پادری تھا، یہ شخص عرب کے مشہور قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا، پھر پکا نصرانی بن گیا، سلاطین روم نے اس کی مذہبی پختگی اور مجد وشرف کو دیکھتے ہوئے اس کی بڑی تعظیم وتکریم کی، اور علاوہ بیش قرار مالی امداد کے، اس کے لئے گرجے تعمیر کئے، اور مذہبی امور کے اعلیٰ منصب پر مقرر کیا (فوائد شیخ الہندؒ)

کُرز نے بھائی کی بات دل میں رکھ لی، اور بالآخر وہی بات ان کے ایمان کا سبب بنی، اب ایک آیت میں اسی کی بات کا جواب ہے کہ وہ لوگ حق واضح ہونے کے بعد محض دنیوی مفادات کی خاطر ایمان نہیں لائے، حالانکہ وہ خوب سمجھتے تھے کہ مال ودولت اور جماعت کی کثرت خدائی سزا سے نہیں بچاسکتی، نہ آخرت میں عذاب الیم سے چھٹکارا مل سکتا ہے، دنیا کی بہار چندروزہ ہے، آخرت میں اچھا انجام مؤمنین ہی کے لئے ہے۔

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ

عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الۡمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت خوش نما بنادی گئی، یعنی عورتیں، لڑکے، سونے چاندی کے لگے ڈھیر، نشان زدہ گھوڑے، مویشی اور کھیتی، یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں برتنے کا سامان ہیں، اور اچھا ٹھکانہ اللہ کے پاس ہے!

تفسیر: آیت میں چھ مرغوب چیزوں کا ذکر ہے، وہ درجہ بدرجہ اہم ہیں:

۱- مرد کے لئے سب سے زیادہ مرغوب عورت ہے، وہ دل رُبا ہے، اس میں پھنس کر آدمی آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، البتہ دنیا کا بہترین سامان بھی نیک بیوی ہے، جس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو جائے، اس کو حکم دیا جائے تو فرمان بردار پائے، شوہر کی غیر حاضری میں اس کے مال کی اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے، اس سے بہتر کیا چیز چاہئے!

۲- جاہلیت قدیمہ اور جدیدہ میں لڑکے محبوب ہیں، بیوی کے بعد ان کا نمبر ہے، لڑکیوں کو پسند نہیں کرتے، لڑکے بڑھاپے کی لاٹھی ہیں اور لڑکیاں پرایا سرمایہ ہیں، مگر اسلام میں دونوں اولاد ہیں، اور دونوں یکساں پسندیدہ ہیں، بلکہ لڑکیاں دنیا میں نیک نامی اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہیں، ہمارے نبی ﷺ کا نام صاحبزادی کی اولاد سے روشن ہے۔

۳- القناطیر: القِنۡطار کی جمع ہے: مال کثیر، المقنطرة: اسم مفعول، ڈھیر کیا ہوا، مصدر قَنۡطَرَة (باب فعللة) یہ القناطیر کی صفت ہے، مبالغہ کے لئے، عربی میں تابع مہمل نہیں ہوتا، معنی دار ہوتا ہے، اور وہ موصوف میں معنی کی زیادتی کرتا ہے، جیسے ظِلًّا ظَلِيۡلًا: گھنا سایہ۔

۴- الۡمُسَوَّمة: اسم مفعول: نشان لگایا ہوا یعنی شاندار، ممتاز، مصدر تَسۡوِیم (باب تفعیل) اسی سے سِيۡمَاء ہے: چہرے کا نشان۔ عرب اپنے بہترین گھوڑے پر مخصوص نشان لگاتے تھے۔

۵- متاع: چندروز برتنے کا سامان، جیسے صافی (چولہے کا کپڑا) جب وہ میلی ہو جاتی ہے تو پھینک دیتے ہیں، اور دوسرا پرانا کپڑا اس کی جگہ رکھ دیتے ہیں، یہی حال دنیا کے مال سامان کا ہے، ایک دن اس کو چھوڑ کر چل دینا ہے!

قُلۡ اَؤُنَبِّئُكُمۡ بِخَيۡرٍ مِّنۡ ذٰلِكُمۡ ؕ لِلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَاَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۱۵﴾ اَلَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيۡنَ وَالصّٰدِقِيۡنَ وَالۡقٰنِتِيۡنَ وَالۡمُنۡفِقِيۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِيۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ﴿۱۷﴾

قُلْ	آپ پوچھیں	خٰلِدِيْنَ فِيْهَا	سدا رہنے والے ان میں	اِنَّنَآ اٰمَنَّا	بیشک ہم ایمان لائے
اَؤُنَبِّئُكُمْ	کیا میں تم کو بتاؤں	وَاَزْوَاجٌ	اور بیویاں	فَاغْفِرْلَنَا	پس بخشش دیں ہمارے لئے
بِخَيْرٍ	بہتر چیز	مُّطَهَّرَةٌ	ستھری	ذُنُوْبَنَا	ہمارے گناہ
مِّنْ ذٰلِكُمْ (۱)	اِن سے؟	وَّرِضْوَانٌ	اور خوشنودی	وَقِنَا	اور بچائیں ہمیں
لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے جو	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی	عَذَابَ النَّارِ	دوزخ کے عذاب سے
اتَّقَوْا (۲)	ڈرتے ہیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اَلصّٰبِرِيْنَ (۵)	صبر شعار
عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں	وَالصّٰدِقِيْنَ	اور راست گفتار
جَنّٰتٌ	باغات ہیں	بِالْعِبَادِ	بندوں کو	وَالْقٰنِتِيْنَ	اور فرمان بردار
تَجْرِيْ	بہتی ہیں	اَلَّذِيْنَ (۴)	جو لوگ	وَالْمُنْفِقِيْنَ	اور خرچ کرنے والے
مِنْ تَحْتِهَا (۳)	ان میں	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں	وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ	اور گناہ بخشوانے والے
الْاَنْهٰرُ	نہریں	رَبَّنَآ	اے ہمارے رب!	بِالْاَسْحَارِ	سحری کے وقت میں

مؤمنین کے لئے دنیا کے مال ومنال سے بہتر نعمتیں ہیں

ابدی فلاح اُن چیزوں سے حاصل نہیں ہوتی جو نجران والوں کے پیشِ نظر ہیں، ان سے تو دنیا میں محض چند روز فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اور جو لوگ کفر وشرک سے بچ جائیں ان کے لئے آخرت میں تین نعمتیں ہیں، جو اُن نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔

ایک: ان کو ایسے باغات ملیں گے جن میں نہریں رواں دواں ہیں، جن کی وجہ سے وہ باغ سدا بہار ہیں، اور وہ باغ ان کو ہمیشہ کے لئے ملیں گے، وہ ان میں سدا رہیں گے۔

دوم: ان کو وہاں پاکیزہ بیویاں ملیں گی، جو میل کچیل اور حیض ونفاس وغیرہ سے پاک صاف ہونگی، کیونکہ جنت میں اولاد نہیں ہوگی، اس لئے حیض کی ضرورت نہیں رہے گی۔

سوم: اللہ تعالیٰ جنتیوں سے ہمیشہ خوش رہیں گے، وہاں کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوگی جس سے اللہ ناراض

(۱) ذلکم: کا مشارٌ الیہ وہ چھ چیزیں ہیں جن کا ذکر اوپر کی آیت میں آیا ہے (۲) تقوی: سے مراد یہاں شرک وکفر سے بچنا ہے۔ (۳) من تحتھا: أی فیھا، یہ قرآنی محاورہ ہے (۴) الذین: العباد کی صفت ہے (۵) تمام اسماء الف لام بمعنی الذی ہے۔

ہوجائیں، کیونکہ آخرت دارِ تکلیف نہیں، دارِ جزا ہے، اور یہ اللہ کی خوشنودی آخرت میں سب سے بڑی نعمت ہوگی۔

﴿قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾

ترجمہ: آپؐ (نجران والوں سے) پوچھیں: کیا میں تم کو اُن (دنیوی مال ومنال) سے بہتر چیزیں بتاؤں؟ (جواب:) ان لوگوں کے لئے جو (شرک وکفر سے) بچ گئے: ان کے پروردگار کے پاس: (۱) ایسے باغات ہیں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (۲) اور پاکیزہ بیویاں ہیں (۳) اور اللہ کی خوشنودی ہے۔

اللہ تعالیٰ کامل مؤمنین کی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے

کفر وشرک سے توبہ کرنا اور ایمان لانا کمال کا ابتدائی درجہ ہے، ان کے لئے آخرت میں وہ نعمتیں ہیں جن کا ذکر اوپر آیا، پھر مؤمنین ایمان میں ترقی کرتے ہیں، ایمانی خوبیاں اپناتے ہیں، ان بندوں سے بھی اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں، ان کے احوال دیکھ رہے ہیں، ان کو آخرت میں ایسی نعمتوں سے نوازیں گے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی۔

ایمان میں کمال پیدا کرنے کے لئے — مثال کے طور پر — چھ باتیں ضروری ہیں:

۱- نعمتِ ایمان پر شکر گذاری — یعنی ایمان جیسی دولت پاکر بھی ان میں تکبر پیدا نہیں ہوتا، وہ ہر وقت نعمتِ ایمان کا شکر بجالاتے ہیں، کہتے ہیں: ''اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ہیں، لہٰذا اس کے طفیل ہمارے گناہ بخش دے، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے!''

۲- صبر شعاری — یعنی مصائب ومشکلات میں گھبراتے نہیں، خواہ کوئی افتاد پڑے اس کو برداشت کرتے ہیں، اور کفر کی طرف لوٹنے کو آگ میں جھونکے جانے کے برابر خیال کرتے ہیں۔

۳- راست گفتاری — یعنی وہ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، سچائی ہی ان کا کام ہوتا ہے، ان کی کوئی حالت سچائی سے خالی نہیں ہوتی، وہی بات کہتے ہیں جو سچی ہوتی ہے، ہمیشہ سچ بولنا بہت مشکل ہے، مگر وہ اس مشکل پر قابو پائے ہوئے ہیں۔

۴- فرمان برداری — یعنی ہمیشہ ان کو اللہ کے احکام کی تعمیل سے غرض ہے، ان کا ہر قدم اطاعتِ الٰہی کی طرف اٹھتا ہے، خواہ ایسا کرنا ان کے لئے کتنا ہی دشوار کیوں نہ ہو۔

۵- وجوہِ خیر میں خرچ کرنا — یعنی ان کی ہر چیز اللہ کے لئے حاضر ہے، کوئی بھی نیک کام سامنے آتا ہے تو وہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، کسی سے پیچھے نہیں رہتے۔

۶- رات کے پچھلے پہر اللہ کے سامنے جھولی پھیلانا — یعنی سحری کے وقت اٹھ کر دعا کرتے ہیں کہ الٰہی!

ہمیں اپنی نوازشوں سے نواز دے، ہمیں اپنی رحمت میں ڈھانپ لے، ہمیں بخش دے، وہ جانتے ہیں کہ ذاتِ پاک ہر چیز سے بے نیاز ہے، ضرورت اگر ہے تو خود انسان کو ہے، وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ سب کچھ کرنے کے باوجود کچھ نہیں کیا، لہٰذا مغفرت طلبی کے سوا چارہ کیا ہے، اور وہ جانتے ہیں کہ بھیک مانگنے کے لئے موزون وقت رات کا پچھلا پہر ہے، وہ قبولیت کا وقت ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”ہر دن جب تہائی رات رہ جاتی ہے، تو حق تعالیٰ سمائے دنیا پر اترتے ہیں، اور اعلان فرماتے ہیں: میں دونوں جہاں کا بادشاہ ہوں، کوئی ہے جو اس وقت مجھ سے مانگے: میں قبول کروں، کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے: میں اس کو بخشوں، پو پھٹنے تک یہی اعلان ہوتا رہتا ہے“

﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو خوب دیکھ رہے ہیں جو کہتے ہیں: ”اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم ایمان لائے، لہٰذا آپ ہمارے گناہوں کو بخش دیں، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالیں، جو صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، حکم بجالانے والے، خیرات کرنے والے، اور رات کے آخری پہر میں گناہوں کی معافی مانگنے والے ہیں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾

شَهِدَ (۱)	گواہی دی	وَالْمَلٰٓئِكَةُ	اور فرشتوں نے	لَآ اِلٰهَ (۳)	نہیں کوئی معبود
اللّٰهُ	اللہ نے	وَاُولُوا	اور والوں نے	اِلَّا هُوَ	مگر وہ
اَنَّهٗ	کہ شان یہ ہے	الْعِلْمِ	علم کے	الْعَزِيْزُ	زبردست
لَآ اِلٰهَ	نہیں کوئی معبود	قَآئِمًا (۲)	کھڑے ہونے والے	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے
اِلَّا هُوَ	مگر وہ	بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ	❁	❁

(۱) شہادت (گواہی) کے مفہوم میں اقرار، قسم اور پختگی ہوتی ہے، اور اس کے صلہ میں باء یا علی آتا ہے، جو أنه سے پہلے مقدر ہے، اور بغیر صلہ کے دیکھنے کے معنی ہیں، جیسے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾: پس جو ماہِ رمضان کو دیکھے یعنی اس کا چاند دیکھے وہ اس کے روزے رکھے۔ (۲) قائما: اللہ کا یا هو کا حال ہے، اور أولو العلم کا حال بھی ہوسکتا ہے، أولوا: مشابہ جمع ہے، لفظاً مفرد ہے، اس لئے قائما اس کا حال ہوسکتا ہے، اور اہل علم عام ہے، خواہ انسان ہوں یا جنات۔ (۳) لا إلٰه إلا هو: تمہید لوٹا کر دو صفتیں ذکر کی ہیں، پس تکرار نہیں۔

توحید: شریعتوں کا متفقہ عقیدہ ہے، فرشتے اور انصاف پسند علماء اس کے گواہ ہیں

یہ سورت توحید کے بیان سے شروع ہوئی ہے، پھر متعلقہ مسائل بیان کئے ہیں، اب پھر اصل مضمون (توحید) کی طرف روئے سخن ہے، فرماتے ہیں: توحید کے ماننے میں تردد کیوں ہے؟ یہ تو تمام شرائع کا متفقہ عقیدہ ہے، تمام آسمانی کتابوں میں مدلل وموکد طور پر اللہ تعالیٰ نے یہی مضمون نازل کیا ہے، یہی اللہ کی شہادت ہے، سورۃ الانبیاء کی (آیت ۲۵) ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝﴾: اور ہم نے آپؐ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا، اس کی طرف ہم نے یہ وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری عبادت کرو۔

اور فرشتے جو اللہ کے مقرب بندے اور تکوینی امور کے اہلکار ہیں: سب کچھ جان کر اور دیکھ کر گواہی دیتے ہیں کہ عبادت کے لائق اللہ کے سوا کوئی نہیں، اور جن ّوانس جو مکلّف مخلوق ہیں ان میں جو انصاف پسند ذی علم ہیں وہ بھی توحید کو تسلیم کرتے ہیں، حضرت شیخ الہند قدس سرہ حواشی میں لکھتے ہیں:

> ''علم والے ہر زمانہ میں توحید کی شہادت دیتے رہے ہیں، اور آج تو عام طور پر توحید کے خلاف ایک لفظ کہنا جہلِ محض کا مرادف سمجھا جاتا ہے، مشرکین بھی دل میں مانتے ہیں کہ علمی اصول کبھی مشرکانہ عقائد کی تائید نہیں کرسکتے'' ـــــ بیان القرآن میں بھی یہ احتمال ذکر کیا ہے۔

فائدہ(۱): یہود توحید میں پکے ہیں، میری لندن میں یورپ کے بڑے ربائی (پادری) سے ملاقات ہوئی، میں نے ان کے عقائد معلوم کئے، اس نے اپنے تیرہ مطبوعہ عقائد مجھے دیئے، ان میں جو سات عقیدے اللہ کے تعلق سے ہیں وہ بالکل اسلامی عقائد کے مطابق ہیں، ہمارا ان کا اختلاف باقی چھ عقائد میں ہے، وہ عیسیٰ رسول اللہ اور محمد رسول اللہ کو نہیں مانتے۔

اور عیسائیوں نے ہر ڈالر پر لکھ رکھا ہے: توکلنا علی اللہ: ہم اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، وہ بھی بڑا خدا اللہ ہی کو مانتے ہیں، پھر دو ذیلی خدا بھی مانتے ہیں، مگر گول گپّا بھی کرتے ہیں، تین خداؤں کا لڈو بھی بناتے ہیں، اور وہ بھی محمد رسول اللہ کو نہیں مانتے، اس لئے کافر (منکر) ہیں، مگر توحید کو کسی درجہ میں مانتے ہیں۔

اور ہندو اللہ ہی کو ایشور (خالق) پرمیشور (ودود) اور بھگوان (معبود) مانتے ہیں، مگر عبادت غیروں کی کرتے ہیں، جیسے جاہل مسلمان اولیاء کی قبروں کا طواف کرتے ہیں، ان سے منتیں اور مرادیں مانگتے ہیں، مگر کرتا دھرتا اللہ کو مانتے ہیں، اور جو مذاہب انسانوں میں ہیں وہی جنات میں بھی ہیں، رہے کمیونسٹ جو خدا کا انکار کرتے ہیں، اور دَہر (زمانہ) کو مؤثر مانتے ہیں، آڑے وقت وہ بھی اللہ کو پکارتے ہیں، غرض تمام انصاف پسند اہل علم توحید کی گواہی دیتے ہیں۔

فائدہ(۲): قائما بالقسط کو عام طور پر اللہ کا یا ھو کا حال بناتے ہیں، اس صورت میں ترجمہ ہوگا: (اللہ نے گواہی دی) درانحالیکہ وہ انصاف کے ساتھ (کائنات کو) سنبھالنے والے ہیں، وہی معبود ہیں، جن کا اقتدار کامل ہے اور حکمت بھی، اب آگے سے جوڑ ہوجائے گا، مگر حال ذوالحال میں فصل ہوجائے گا، اگرچہ اجنبی کا فصل نہیں ہوگا۔

سوال: مشرکین کا پرانا خلجان ہے کہ ایک خدا پوری کائنات کو کیسے سنبھال سکتا ہے، لامحالہ اس کے مددگار ہونگے، جن کی عبادت ضروری ہے۔

جواب: تمہید لوٹا کر دیا ہے کہ اللہ عزیز وحکیم ہیں، زبردست ایسے کہ ان کے فیصلہ سے کوئی سرتابی نہیں کرسکتا، اور حکمت ودانائی سے ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرتے ہیں، اس لئے ان کے لئے تنہا کائنات کو سنبھالنا کچھ مشکل نہیں، پس وہ اکیلے ہی معبود برحق ہیں، دوسرا کوئی معبود نہیں۔

آیتِ پاک: اللہ نے (تمام آسمانی کتابوں میں) اس بات کی گواہی دی ہے (یعنی مضبوط دلائل کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے) کہ ان کے سوا کوئی معبود نہیں، اور فرشتوں نے اور انصاف پسند اہل علم نے (بھی گواہی دی ہے کہ) ان کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زبردست حکمت والے ہیں۔

> اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑲

اِنَّ الدِّيْنَ (۱)	بے شک دین	اُوْتُوا الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب دیئے گئے	وَمَنْ يَّكْفُرْ	اور جو انکار کرے
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ	مگر بعد	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتوں کا
الْاِسْلَامُ	اسلام ہی ہے	مَا جَاۗءَھُمُ	آنے ان کے پاس	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بیشک اللہ تعالیٰ
وَمَا اخْتَلَفَ	اور اختلاف نہیں کیا	الْعِلْمُ	علم کے	سَرِيْعُ	جلدی
الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو	بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ (۲)	آپسی ضد کی وجہ سے	الْحِسَابِ	حساب لینے والے ہیں

(۱) الدین اور الإسلام: دونوں معرفہ ہیں اس لئے حصر ہوا ہے (۲) بَغْيًا بينهم: اختلف کا مفعول لہٗ ہے، اور بَغْيٌ مصدر کے معنی ہیں: تجاوز کرنا، زیادتی کرنا۔

توحید کا علمبردار اسلام ہی سچا دین ہے، اسی سے نجات ہوگی

توحید کا داعی اسلام ہی اللہ کا دین ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں سے تمام انبیاء علیہم السلام پر ہمیشہ یہی دین نازل ہوا ہے، آج بھی نبی ﷺ پر دین اسلام ہی نازل کیا جا رہا ہے، یہی دین اللہ کے یہاں مقبول ہوگا، دوسرا کوئی دھرم اللہ قبول نہیں کریں گے، اور یہود و نصاریٰ اس سے خوب واقف ہیں کہ آپ ﷺ دین اسلام ہی پیش کر رہے ہیں، ان کی کتابوں میں اس کی وضاحت ہے، مگر جانتے بوجھتے محض ضد کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کر رہے، وہ اپنے مذاہب کی برتری چاہتے ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم نے نبی ﷺ کا لایا ہوا دین قبول کر لیا تو ہمیں عربوں کا ماتحت ہونا پڑے گا، اور ہماری ہیٹی (بے عزتی) ہوگی، پس دوسرے لوگ ان کو کسوٹی (معیار) نہ بنائیں، یہ نہ سوچیں کہ اگر اسلام سچا دین ہوتا تو اہل کتاب اس کو کیوں قبول نہیں کر رہے؟ ان کا زمانہ تو علوم نبوت سے قریب ہے! لوگ یہ خیال نہ کریں، بڑھیں اور اس کو قبول کریں، ورنہ حساب کا دن جلدی آ رہا ہے، جانچا جائے گا کہ کونسا دین لے کر آخرت میں آیا ہے، جو دین اسلام لے کر جائے گا وہی کامیاب ہوگا، دوسرے کسی بھی دھرم کے ماننے والے کامیاب نہیں ہونگے۔

فائدہ(۱): قبر میں جو آخرت کی پہلی منزل ہے داخلہ امتحان ہوتا ہے، تین سوال ہونگے: (۱) تیرا پروردگار کون ہے؟ یعنی کیا تو صرف اللہ کی عبادت کرتا تھا، یا اوروں کو بھی عبادت میں شریک کرتا تھا؟ (۲) تیرا دین کیا ہے؟ یعنی تو اللہ کے دین اسلام کو مانتا تھا یا کوئی اور دھرم مانتا تھا؟ (۳) نبی ﷺ کی زیارت کرا کر دریافت کیا جائے گا کہ ان کو تو کیا مانتا ہے؟ یعنی تو نے ان کے پیش کئے ہوئے اسلام کی پیروی کی ہے یا کسی اور پیغمبر کی؟ یہ اس بات کا امتحان ہے کہ اللہ نے جو دینِ اسلام نبی ﷺ پر نازل کیا ہے اس کو لے کر آخرت میں آیا ہے یا کوئی دوسرا دھرم لے کر آیا ہے؟ جو اللہ کا دین لے کر لوٹے گا وہ کامیاب ہوگا، دوسروں پر بجے گی!

فائدہ(۲): کچھ لوگ وحدتِ ادیان کے قائل ہیں، وہ برخود غلط ہیں، وہ کہتے ہیں: سب مذاہب برحق ہیں، راستے الگ الگ ہیں، مگر منزل سب کی ایک ہے، سب اللہ تک پہنچنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، البتہ کسی کا راستہ سیدھا ہے کسی کا ٹیڑھا، اس لئے سب اللہ تک پہنچیں گے، کوئی جلدی کوئی دیر سے۔

یہ خیال محض غلط ہے، یہ بات تو اس وقت ممکن ہے جب سب کا قبلہ توجہ (DIRECTION) ایک ہو، اگر رخ مختلف ہوں تو سب ایک منزل پر کیسے پہنچیں گے؟ ایک شخص اونٹ پر جا رہا ہے، پوچھا: کہاں جا رہا ہے؟ کہا: مکہ جا رہا ہوں، جبکہ رخ اس کا چائنا کی طرف ہے، اس سے کہا گیا کہ تو کبھی مکہ نہیں پہنچے گا، تو جس راستہ پر جا رہا ہے وہ چائنا کا راستہ ہے، جتنا چلے گا اتنا مکہ سے دور ہوگا، پس جو لوگ دو خدا مانتے ہیں (مجوسی) یا تین خدا مانتے ہیں (عیسائی) یا ہزاروں خدا مانتے

ہیں (ہندو) وہ ایک اللہ تک کیسے پہنچیں گے؟ ان کا ڈائریکشن ہی مختلف ہے، اللہ تک تو وہی پہنچے گا جو اللہ ہی کی عبادت کرتا ہے، دوسرے تو کسی دوسری منزل (دوزخ) میں پہنچیں گے۔

آیتِ کریمہ: بے شک مذہب اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، اور اہل کتاب نے (اس سے) اختلاف کیا ہے، ان کے پاس علم آجانے کے بعد، محض ان کے باہم جلنے کی وجہ سے، اور جو اللہ کی باتوں کا انکار کرے گا تو اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔

فَاِنْ حَاجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

فَاِنْ حَاجُّوْكَ(۱)	پس اگر وہ آپ سے جھگڑیں	لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جو	فَقَدِ اهْتَدَوْا	تو یقیناً انھوں نے راہ پالی
فَقُلْ	تو آپ کہہ دیں	اُوْتُوا	دیئے گئے	وَاِنْ	اور اگر
اَسْلَمْتُ(۲)	میں نے سپرد کیا	الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	تَوَلَّوْا	روگردانی کریں وہ
وَجْهِيَ	اپنا چہرہ	وَالْاُمِّيّٖنَ	اور ان پڑھوں سے	فَاِنَّمَا	تو اس کے سوا نہیں کہ
لِلّٰهِ	اللہ کو	ءَاَسْلَمْتُمْ(۴)	کیا تم اسلام قبول	عَلَيْكَ الْبَلٰغُ	آپ کے ذمہ پہنچانا ہے
وَمَنِ(۳)	اور ان لوگوں نے جنھوں نے		کرتے ہو؟	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اتَّبَعَنِ	پیروی کی میری	فَاِنْ	پس اگر	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں
وَقُلْ	اور پوچھیں	اَسْلَمُوْا	وہ مسلمان ہوجائیں	بِالْعِبَادِ	اپنے بندوں کو

اپنے اسلام کا اعلان کرو اور دوسروں کو اس کی دعوت دو، اگر نہ مانیں تو وہ جانیں

جب ثابت ہو گیا کہ دینِ اسلام ہی برحق دین ہے، وہی ہمیشہ انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل ہوتا رہا ہے، اب خاتم النّبیین ﷺ پر نازل ہو رہا ہے، جو اسلام کا آخری ایڈیشن ہے، اس کو قبول کرو، اور مسلمان ہو جاؤ، مگر لوگ کٹ حجتی کریں

(۱) حَاجَّهُ مُحَاجَّةً: بحث ومباحثہ کرنا، حجت بازی کرنا، کٹ حجتی کرنا، جھگڑنا (۲) أَسْلَمَ أمره له وإليه: اپنا معاملہ کسی کو سپرد کرنا (۳) من: معطوف ہے، أسلمتُ کی ضمیر فاعل پر، فصل کی وجہ سے عطف درست ہوا ہے۔ (۴) ءَ أَسْلمتم: صورۃً استفہام ہے، معناً امر ہے أی أَسْلِمُوْا۔

گے، کہیں گے: ہم تو اپنے ہی سلسلہ کے انبیاء کو مانتے ہیں، اور اپنی ہی کتاب پر عمل کرتے ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے تو چھوڑو ان کو، تم اپنا اور اپنے متبعین کے اسلام کا اعلان کردو، اسلام کے معنی ہیں: سرافگندگی، یعنی تسلیم وانقیاد، بندہ خود کو اللہ کے حوالے کردے، ہر باطل سے رخ پھیر لے، اور صرف اللہ کا ہو کر رہ جائے۔

اور اہل کتاب اور مشرکین کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ مان لیں تو راہِ راست پر آجائیں گے، اور نہ مانیں تو آپ اپنا فریضہ ادا کرچکے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہے ہیں، وہ جب بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہونگے تو انکار کی واقعی سزا چکھائیں گے۔

آیتِ پاک: پس اگر وہ لوگ (نجران والے) آپؐ سے بحث ومباحثہ کریں، تو آپؐ اعلان کردیں کہ میں نے اپنا چہرہ اللہ کی طرف کرلیا، اور جنھوں نے میری پیروی کی —— یعنی مسلمانوں نے بھی —— اور آپؐ اہل کتاب اور اَن پڑھوں سے —— عرب کے مشرکوں سے —— پوچھیں: کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ پس اگر وہ مسلمان ہوجائیں تو یقیناً وہ راہِ راست پر آگئے، اور اگر وہ چہرہ پھیریں تو آپؐ کے ذمہ بس دین پہنچانا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٢﴾

إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جو لوگ	الَّذِينَ	ان لوگوں کو جو	أُولَٰئِكَ الَّذِينَ	یہی لوگ جو
يَكْفُرُونَ	نہیں مانتے	يَأْمُرُونَ	حکم دیتے ہیں	حَبِطَتْ	ضائع ہوگئے
بِآيَاتِ اللَّهِ	اللہ کی باتوں کو	بِالْقِسْطِ	انصاف کرنے کا	أَعْمَالُهُمْ	ان کے کام
وَيَقْتُلُونَ	اور قتل کرتے ہیں	مِنَ النَّاسِ	عام لوگوں میں سے	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں
النَّبِيِّينَ	نبیوں کو	فَبَشِّرْهُمْ	پس خوشخبری سنا ان کو	وَالْآخِرَةِ	اور آخرت میں
بِغَيْرِ حَقٍّ	ناحق	بِعَذَابٍ	عذاب کی	وَمَا لَهُمْ	اور نہیں ہے ان کیلئے
وَيَقْتُلُونَ	اور قتل کرتے ہیں	أَلِيمٍ	دردناک	مِّن نَّاصِرِينَ	کوئی بھی مددگار

اہل کتاب کی جھک کہ ہم تو اپنے انبیاء کی اور اپنے مصلحین ہی کی سنتے ہیں

اوپر آیا ہے: ﴿فَإِنْ حَاجُّوكَ﴾: اگر نجران والے آپؐ سے جھک کریں، اس کی پہلی مثال: وہ کہیں گے: آپؐ

اسرائیلی نہیں، اس لئے ہم آپ کا دین قبول نہیں کر سکتے، ہم تو اپنے انبیاء اور اپنے مصلحین ہی کی سنتے مانتے ہیں، اس کا جواب دیتے ہیں کہ تم تو اپنے انبیاء اور مصلحین کی بھی نہیں سنتے، وہ تمہیں جو اللہ کی باتیں بتاتے تھے تم ان کا انکار کرتے تھے، اور مصلحین تم کو ظلم سے روکتے تھے، اور انصاف کرنے کا حکم دیتے تھے، مگر تم ان کی بھی ایک نہیں سنتے تھے، تم نے کتنے ہی انبیاء اور مصلحین کو ناحق قتل کیا ہے، حدیث میں ہے: "بنی اسرائیل نے ایک دن میں ۴۳ انبیاء کو، اور ۱۷۰ یا ۱۱۲ صالحین کو شہید کیا ہے (فوائد شیخ الہندؒ) پس آپ ان لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر دیدیں، اور ان کو بتا دیں کہ ان کی لٹیا دنیا و آخرت میں ڈوبے گی، اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا جو ان کو عذاب سے بچا لے۔

آیتِ پاک: بے شک جو لوگ اللہ کی باتوں کا انکار کرتے ہیں —— جو ان کو ان کے انبیاء بتاتے تھے —— اور وہ ناحق انبیاء کو قتل کرتے ہیں، اور ان عام لوگوں کو (مصلحین امت کو) قتل کرتے ہیں جو انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں، پس آپ ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنادیں، انہیں لوگوں کے اعمال دنیا میں بھی ضائع ہوئے اور آخرت میں بھی، اور ان کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا آپ نے	يُدْعَوْنَ	بلائے جاتے ہیں وہ	ثُمَّ يَتَوَلّٰى	پھر منہ پھیرتی ہے
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	اِلٰى كِتٰبِ	کتاب کی طرف	فَرِيْقٌ	ایک جماعت
اُوْتُوْا	دیئے گئے ہیں	اللّٰهِ	اللہ کی	مِّنْهُمْ	ان میں سے
نَصِيْبًا	ایک حصہ	لِيَحْكُمَ	تاکہ فیصلہ کرے وہ	وَهُمْ	اور وہ
مِّنَ الْكِتٰبِ	آسمانی کتاب کا	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	مُّعْرِضُوْنَ	تغافل برتنے والے ہیں

اہل کتاب کی کٹ حجتی کہ ہم تو اپنی کتاب ہی پر عمل کرتے ہیں

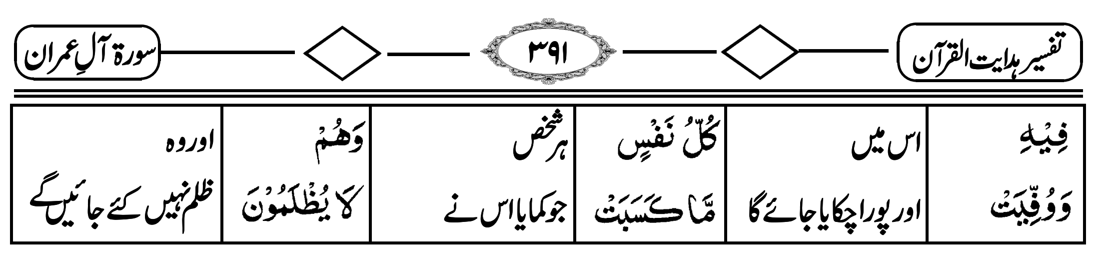
یہود و نصاریٰ یہ بھی کہیں گے کہ ہم قرآن کو اس لئے نہیں مانتے کہ وہ ہمارے انبیاء پر نازل نہیں ہوا، ہم تو اپنی کتاب ہی پر عمل کرتے ہیں، ان کو جواب دیتے ہیں کہ تم اپنی کتاب پر بھی کہاں عمل کرتے ہو؟ تمہاری کتاب (تورات) کا اکثر حصہ تو تم نے ضائع کر دیا ہے، اس میں ہیر پھیر کر دیا ہے، اور جو حصہ باقی رہ گیا ہے اس پر عمل کرنے کی تم کو نبی ﷺ نے دعوت دی تو تم نے کنّی کاٹی، رجم کی آیت چھپائی، پھر تم کس منہ سے دعوی کرتے ہو کہ ہم اپنی کتاب پر عمل کرتے ہیں؟

سنگساری کا وہ واقعہ جس میں یہود نے آیتِ رجم چھپائی تھی، حالانکہ وہ تورات میں باقی ماندہ اللہ کا حکم تھا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ خیبر کے ایک یہودی اور یہودیہ نے زنا کیا پھر ان میں سزا دینے کے بارے میں اختلاف ہوا، کیونکہ وہ لوگ شریف کو کچھ سزا دیتے تھے اور وضیع کو کچھ، یہ زانی اور زانیہ بڑے لوگ تھے یا معمولی؟ اس میں اختلاف ہوا تو وہ یہ خیال کرکے کہ نبی ﷺ کی شریعت میں سہولت ہے: مقدمہ لے کر آپؐ کے پاس آئے، آپؐ نے پوچھا: تمہاری شریعت میں زنا کی کیا سزا ہے؟ انھوں نے کہا: ہماری شریعت میں زانی اور زانیہ کا منہ کالا کرکے ان کی تشہیر کی جاتی ہے، آپؐ نے فرمایا: تورات لاؤ، چنانچہ تورات لائی گئی اور عبداللہ بن صوریا نے پڑھنا شروع کیا وہ آیت رجم کو چھوڑ گیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے چوری پکڑی کہ آیتِ رجم کیوں چھوڑی؟ اس نے کہا: ہم نے اس حکم میں تبدیلی کردی ہے پس آپؐ نے دونوں کو رجم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے اس حکم کو زندہ کیا جس کو تم نے مار دیا تھا'' اس واقعہ سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو ان کی شریعت کے مطابق رجم کیا تھا، اسلامی شریعت کے مطابق رجم نہیں کیا تھا۔

آیتِ پاک: کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جو آسمانی کتاب کا ایک حصہ دیئے گئے ہیں ــــ یعنی تھوڑا بہت حصہ تورات وانجیل وغیرہ کا جو ان کی تحریفاتِ لفظی ومعنوی سے بچ بچا کر رہ گیا ہے (فوائد شیخ الہندؒ) ــــ وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں، تاکہ وہ ــــ یعنی نبی ﷺ ــــ ان کے درمیان فیصلہ کریں، تو ان کا ایک گروہ روگردانی کرتے ہوئے کنّی کاٹتا ہے!

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

ذٰلِكَ	یہ بات (کٹ حجتی)	اِلَّآ اَيَّامًا	مگر دنوں	يَفْتَرُوْنَ	گھڑتے
بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ ہے کہ	مَّعْدُوْدٰتٍ	گنتی کے	فَكَيْفَ	پس کیا حال ہوگا
قَالُوْا	انھوں نے کہا	وَغَرَّهُمْ	اور دھوکہ دیا ان کو	اِذَا جَمَعْنٰهُمْ	جب جمع کریں گے ہم ان کو
لَنْ تَمَسَّنَا	ہرگز نہیں چھوئے گی ہمیں	فِيْ دِيْنِهِمْ	ان کے دین میں	لِيَوْمٍ	ایک ایسے دن میں
النَّارُ	دوزخ کی آگ	مَّا كَانُوْا	اس چیز نے جو تھے وہ	لَا رَيْبَ	کوئی شک نہیں



فِيۡهِ	اس میں	كُلُّ نَفۡسٍ	ہر شخص	وَهُمۡ	اور وہ
وَوُفِّيَتۡ	اور پورا چکایا جائے گا	مَّا كَسَبَتۡ	جو کمایا اس نے	لَا يُظۡلَمُوۡنَ	ظلم نہیں کئے جائیں گے

یہود ونصاریٰ کی جسارت کی وجہ اور اس کی سزا

اہل کتاب کی مذکورہ جسارت کی وجہ: ان کا سزا کی طرف سے بے خوف ہوجانا ہے، ان کے بڑے ایک جھوٹ بات کہہ گئے کہ ہمیں گنتی کے چندروز سے زیادہ عذاب نہ ہوگا، اس طرح کی اور بھی بہت سی باتیں انھوں نے گھڑ رکھی ہیں کہ ہم تو اللہ کی اولاد اور چہیتے ہیں، ہم انبیاء کی اولاد ہیں، اور اللہ نے یعقوب علیہ السلام سے عہد کیا ہے کہ ان کی اولاد کو سزا نہیں دیں گے، بلکہ یونہی برائے نام قسم کھولنے کو سزا دیں گے، اور نصاریٰ نے تو کفارہ کا عقیدہ چلا کر گناہوں کا سارا حساب ہی بے باق کردیا ہے!

یہ لوگ گمراہیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں، محشر میں وہ اپنے بزرگوں کے سامنے رسوا ہونگے، اور ان کو ان کے ہر عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا، نہ کفارہ کا مسئلہ کام آئے گا نہ نسبی تعلقات، نہ من گھڑت عقیدے! اور سزا بقدر استحقاق ملے گی، ذرہ بھر ان پر ظلم نہ ہوگا۔

آیاتِ کریمہ: یہ بات (جسارت) اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں: ہمیں (دوزخ کی) آگ ہرگز نہیں چھوئے گی، مگر گنتی کے چند دن! اور ان کی من گھڑت باتوں نے ان کو اپنے دین کے معاملہ میں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے —— پس ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے ایک ایسے دن میں جو بے شک آنے والا ہے، اور اس دن ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ چکایا جائے گا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

> قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الۡمُلۡكِ تُؤۡتِى الۡمُلۡكَ مَنۡ تَشَآءُ وَتَنۡزِعُ الۡمُلۡكَ مِمَّنۡ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الۡخَيۡرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۶﴾

قُلِ	آپ کہیں:	الۡمُلۡكَ	حکومت	مِمَّنۡ تَشَآءُ	جس سے چاہتے ہیں
اللّٰهُمَّ	اے اللہ!	مَنۡ تَشَآءُ	جسے چاہتے ہیں	وَتُعِزُّ	اور عزت بخشتے ہیں
مٰلِكَ الۡمُلۡكِ	اے ملک کے مالک!	وَتَنۡزِعُ	اور لے لیتے ہیں	مَنۡ تَشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
تُؤۡتِى	آپ دیتے ہیں	الۡمُلۡكَ	حکومت	وَتُذِلُّ	اور رسوا کرتے ہیں

مَنْ تَشَآءُ	جسے چاہتے ہیں	الْخَيْرُ	ہر خیر ہے	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
بِيَدِكَ	آپ کے ہاتھ میں	اِنَّكَ	بے شک آپ	قَدِيْرٌ	قادر ہیں

نفع وضرر کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، حکومت سے کیا ڈرتے ہو!

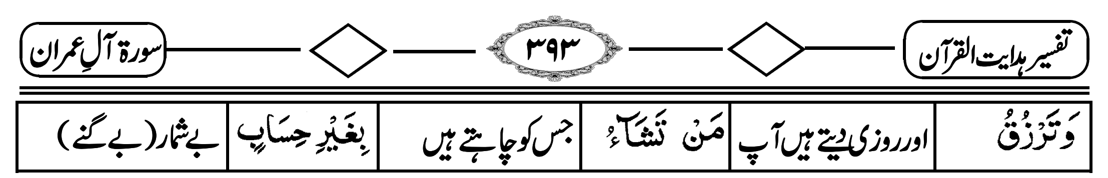
وفد نجران کے رئیس ابو حارثہ بن علقمہ نے اپنے بھائی کُرز سے کہا تھا کہ اگر ہم محمد (ﷺ) پر ایمان لے آئیں تو روم کے بادشاہ جو ہماری عزت کرتے ہیں اور ہمیں مال وزر سے نوازتے ہیں: یہ سب عنایات بند کردیں گے! —— اس کا جواب مناجات کی صورت میں دیا ہے کہ روم کی حکومت سے کیا ڈرتے ہو، نفع وضرر کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، روم کے بادشاہ: بادشاہ نہیں، حکومت اللہ کی ہے، وہ جسے چاہتے ہیں حکومت سے نوازتے ہیں، اور جس سے چاہتے ہیں حکومت چھین لیتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں عزت کا تاج پہناتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں ذلت سے ہمکنار کرتے ہیں، نفع وضرر کے وہی مالک ہیں، وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں، پھر تم حکومتِ روم کی دی ہوئی عزت پر کیوں مفتون (دل دادہ) ہو! مارو گولی اس کو، اور ایمان لاؤ!

تنبیہ: ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ میں والشر چھوڑ دیا ہے، خیر وشر کے خالق اللہ تعالیٰ ہی ہیں، مگر چونکہ مناجات ہے اور مدح وثنا کا موقع ہے، اس لئے شر کا تذکرہ مناسب نہیں، فہم سامع پر اعتماد کرکے اس کو حذف کردیا ہے، چونکہ پہلے متقابلات آئے ہیں، اس لئے سامع خود اس متقابل کو سمجھ لے گا۔

آیتِ پاک: کہو: اے اللہ! اے حکومت کے مالک! آپ جسے چاہتے ہیں حکومت عطا فرماتے ہیں، اور جس سے چاہتے ہیں لے لیتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں عزت عطا فرماتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں رسوا کرتے ہیں، ہر خوبی (اور ہر خرابی) آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، بے شک آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؗ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ؗ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

تُوْلِجُ	داخل کرتے ہیں آپ	النَّهَارَ	دن کو	مِنَ الْمَيِّتِ	بے جان سے
الَّيْلَ	رات کو	فِي الَّيْلِ	رات میں	وَ تُخْرِجُ	اور نکالتے ہیں آپ
فِي النَّهَارِ	دن میں	وَتُخْرِجُ	اور نکالتے ہیں آپ	الْمَيِّتَ	بے جان کو
وَ تُوْلِجُ	اور داخل کرتے ہیں آپ	الْحَيَّ	جاندار کو	مِنَ الْحَيِّ	جاندار سے



وَتَرْزُقُ	اور روزی دیتے ہیں آپ	مَنْ تَشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں	بِغَيْرِ حِسَابٍ	بے شمار (بے گنے)

پانسہ پلٹے گا، اللہ تعالیٰ حالات بدلتے ہیں

اب ایک سوال کا جواب ہے، اور مناجات ہی کی صورت میں ہے، سوال یہ ہے کہ جب ہزاروں سال سے نبوت بنی اسرائیل میں چلی آرہی ہے، وہ علومِ الٰہی سے واقف ہیں، پھر آخری رسول ان میں کیوں مبعوث نہیں گئے؟ عرب کے اَن پڑھ جن کو علوم الٰہی سے کوئی واسطہ نہیں، ان کو اس اعزاز سے کیوں سرفراز کیا گیا؟

اس کا جواب بھی مناجات کی صورت میں دیا ہے کہ پانسہ پلٹتا ہے، اللہ تعالیٰ حالات بدلتے ہیں، کیا تم غور نہیں کرتے: اللہ تعالیٰ رات کو گھٹا کر دن کو بڑھا دیتے ہیں، اور اس کے برعکس بھی کرتے ہیں، اور آدمی سے نطفہ اور نطفہ سے آدمی اور بیضہ سے مرغی اور مرغی سے بیضہ نکالتے ہیں، جاہل کو عالم اور عالم کو جاہل، کامل کو ناقص اور ناقص کو کامل کرنا اللہ کی قدرت میں ہے، پس اہل کتاب کا یہ خیال کہ جو بزرگی ہم میں تھی وہ ہمیشہ ہم میں رہے گی، یہ غلط خیال ہے، وہ اللہ کی قدرت سے غافل ہیں، سلطنت، عزت اور نبوت اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جس کو چاہتے ہیں حسّی اور معنوی رزق بے حساب دیتے ہیں، ایک وقت تھا کہ یہ فضیلت بنی اسرائیل کو حاصل تھی، اب یہ فضیلت بنی اسماعیل کے حوالے کی جارہی ہے، اور جاہلوں کو عالم کردینا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں، وہ امیوں کو بنی اسرائیل سے بھی زیادہ علوم عطا فرمائیں گے۔

آیت پاک: (الٰہی!) آپ رات کو دن میں داخل کرتے ہیں، اور دن کو رات میں داخل کرتے ہیں، اور جاندار کو بے جان سے نکالتے ہیں، اور بے جان کو جاندار سے نکالتے ہیں، اور آپ جسے چاہتے ہیں بے حساب روزی عنایت فرماتے ہیں!

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

لَا يَتَّخِذِ (۱)	نہ بنائیں	اَوْلِيَآءَ	دوست	وَمَنْ يَّفْعَلْ	اور جو کرے گا
الْمُؤْمِنُوْنَ	مؤمنین	مِنْ دُوْنِ	ورے	ذٰلِكَ	یہ
الْكٰفِرِيْنَ	منکرین کو	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کے	فَلَيْسَ	تو نہیں وہ

(۱) لا یتخذ: فعل نہی ہے، ملانے کے لئے ذال کو کسرہ دیا ہے۔

مِنَ اللّٰهِ	اللہ سے	مِنْهُمْ تُقٰىةً	ان سے کچھ ڈرنا	نَفْسَهٗ	اپنی ذات سے
فِيْ شَيْءٍ	کسی چیز میں	وَيُحَذِّرُكُمُ	اور چوکنا کرتے ہیں تم کو	وَاِلَى اللّٰهِ	اور اللہ کی طرف
اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا (۱)	مگر یہ کہ ڈرو تم	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	الْمَصِيْرُ	لوٹنا ہے

جب وہ ہم سے قریب نہیں آتے تو ہم ان کے قریب کیوں جائیں؟

وفدِ نجران تعصب (بے جا طرفداری) کا شکار تھا، وہ بنی اسماعیل کے رسول کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھا، بنی اسرائیل! بنی اسرائیل! گائے جا رہا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ ان کو ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے، چنانچہ حکم دیتے ہیں کہ مسلمان مسلمان ہی سے مودت (قلبی دوستی) کا تعلق رکھیں، دوسروں سے ایسا تعلق نہ رکھیں، ورنہ سخت سزا پائیں گے، ان کا اللہ سے کچھ تعلق باقی نہیں رہے گا، البتہ ضرر سے بچنے کے لئے مدارات (رکھ رکھاؤ) کا تعلق رکھ سکتے ہیں، مگر موالات کا تعلق ہرگز جائز نہیں، جو ایسا تعلق رکھے گا اس کو سخت سزا ملے گی، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنی ذات سے ڈراتے ہیں، لوٹ کر سب کو جانا اللہ ہی کے پاس ہے!

غیر مسلموں سے چار طرح کے تعلقات:

۱- موالات (مودت) یعنی دلی دوستی کا تعلق، یہ کسی حال میں کسی مقصد سے بھی جائز نہیں، کیونکہ دلی دوستی رنگ لاتی ہے، اور نتیجہ ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتا ہے، اس لئے دینی ضرر کا اندیشہ ہے، اور دین کی حفاظت ضروری ہے، اس لئے اس قسم کا تعلق ممنوع ہے۔

۲- مدارات: یعنی رکھ رکھاؤ کا تعلق، ظاہری خوش خلقی کا تعلق، یہ تعلق تین حالتوں میں جائز ہے: دفع ضرر کے واسطے، کافر کی دینی مصلحت کے واسطے، یعنی اس کی ہدایت کے توقع سے، اور اکرام ضیف کے واسطے، کوئی غیر مسلم مہمان آئے تو اس کی خاطر داری کی جائے ـــــ اپنی مصلحت اور منفعت جان ومال کے لئے یہ تعلق جائز نہیں۔

۳- مواسات (غم خواری) کا تعلق یعنی حسنِ سلوک کرنا، یہ تعلق برسرِ پیکار کے ساتھ جائز نہیں، دوسروں کے ساتھ نہ صرف جائز ہے، بلکہ مامور بہ ہے، ہر مخلوق کے ساتھ حسن سلوک میں ثواب ہے۔

۴- معاملات کرنا، غیر مسلموں کے ساتھ جائز معاملات جائز ہیں، اور ناجائز معاملات ناجائز ہیں، جیسے ان سے سودی معاملات کرنا جائز نہیں۔

آیتِ پاک: ایمان والے: ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں (غیر مسلموں) کو دوست نہ بنائیں، اور جو ایسا کرے گا

---

(۱) تتقوا: اتِّقَاء سے مضارع، جمع مذکر حاضر ہے، نون اعرابی أن کی وجہ سے محذوف ہو گیا ہے: بچنا، ڈرنا، پرہیز کرنا، تقة: وَقٰی یَقِی کا مصدر ہے، اصل میں وَقَاة تھا، واو کو تاء سے بدلا ہے، اس کے معنی بھی ہیں: بچنا، ڈرنا، پرہیز کرنا۔

تواللہ سے اس کا کچھ تعلق باقی نہیں رہے گا، البتہ اگر ان کے ضرر سے بچاؤ مقصود ہو (تو اور بات ہے) اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتے ہیں، اور لوٹنا اللہ ہی طرف ہے!

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

ع۔۱۱

قُلْ	کہو	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	تَوَدُّ	آرزو کرے گا نفس
اِنْ تُخْفُوْا	اگر چھپاؤ تم	قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے	لَوْ اَنَّ	کاش کہ
مَا	جو		والے ہیں	بَيْنَهَا(۳)	اس نفس کے درمیان
فِيْ صُدُوْرِكُمْ	تمہارے سینوں میں ہے	يَوْمَ	جس دن	وَبَيْنَهٗٓ	اور اس دن کے درمیان
اَوْ تُبْدُوْهُ	یا ظاہر کرو اس کو	تَجِدُ		اَمَدًاۢ بَعِيْدًا	بڑی دوری ہوتی
يَعْلَمْهُ	جانتے ہیں اس کو	كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص	وَيُحَذِّرُكُمُ	اور چوکنا کرتے ہیں تم کو
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مَّا عَمِلَتْ	جو کیا اس نے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَيَعْلَمُ	اور جانتے ہیں وہ	مِنْ خَيْرٍ	نیک کام سے	نَفْسَهٗ	اپنی ذات سے
مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہے	مُّحْضَرًا	موجود (سامنے)	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَمَا فِي الْاَرْضِ	اور جو زمین میں ہے	وَّمَا عَمِلَتْ(۲)	اور جو کیا اس نے	رَءُوْفٌ	نہایت شفیق ہیں
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	مِنْ سُوْٓءٍ	کسی برائی سے	بِالْعِبَادِ	اپنے بندوں پر

وفد نجران کے دلوں کی باتیں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں

نجران کا وفد حق کی تلاش میں نہیں آیا تھا، وہ خوب جانتے تھے کہ نبی ﷺ برحق پیغمبر ہیں، وہ وہ رسول ہیں جن کا ان کو

(۱) تَجِدُ: بمعنی تصادف ہے، یعنی اچانک سامنے آجائے گا، اور ما عملت: مفعول بہ ہے، من خیر: ما کا بیان ہے، اور محضرًا: مفعول بہ کا حال ہے۔ (۲) ما عملت من سوء: مبتدا ہے، اور جملہ تود: خبر ہے (۳) بینھا کی مؤنث ضمیر نفس کی طرف عائد ہے، اور بینہ کی مذکر ضمیر برے عمل کی طرف عائد ہے، یعنی ما کی طرف یا سوء کی طرف۔

انتظار تھا، چنانچہ جب ان کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تو وہ پیچھے ہٹ گئے، اور جزیہ پر صلح کرکے واپس لوٹ گئے، اور وفد کے لاٹ پادری ابو حارثہ بن علقمہ نے اپنے بھائی کُرز بن علقمہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کا اعتراف بھی کیا تھا، یہ بات دوسرے لوگ بھی جانتے تھے، بلکہ وفد مناظرہ کرنے آیا تھا، اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنا مقصود تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت اور الوہیت پر گفتگو کرنے آیا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان سے کہہ دو: تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کو معلوم ہے، اس سے آسمانوں اور زمین کی کوئی بات پوشیدہ نہیں، اور وہ قادر مطلق ہیں، تمہاری گرفت کرسکتے ہیں، تم کس خیال خام میں ہو!

﴿ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۹ ﴾

ترجمہ: کہہ دو: جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، خواہ تم اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتے ہیں جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

وفد نجران کے دلوں میں جو اچھی بری باتیں ہیں وہ قیامت کے دن ظاہر ہونگی

وفد کے دلوں میں بھلی بات یہ تھی کہ وہ جانتے تھے کہ نبی ﷺ برحق نبی ہیں، اور بری بات یہ تھی کہ ان پر ایمان نہیں لانا، اپنی بات ان سے منوانا ہے، یہ دونوں باتیں کل قیامت کے دن، جو بے شک آکر رہے گا، ظاہر ہوکر رہیں گی، دونوں باتیں پیکر محسوس اختیار کریں گی، اس دن بات بنائے نہیں بنے گی، اور آدمی آرزو کرے گا: کاش میرے درمیان اور اس بری بات کے درمیان بونِ بعید ہوتا، یہ بات کبھی میرے سامنے نہ آتی، مگر چوکنا ہو جاؤ! اللہ تعالیٰ سب کچھ تمہارے سامنے کردیں گے، وہ اپنے بندوں پر بڑے شفیق بڑے مہربان ہیں، یہ ان کو ایمان کی دعوت دی کہ تمہارے دلوں میں جو خیر کی بات ہے اس کو ظاہر کرو اور ایمان لاؤ، تاکہ اللہ کی شفقت ومہربانی سے حصہ پاؤ!

﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۳۰ ﴾

ترجمہ: جس دن ہر شخص اُس نیک عمل کو جو اس نے کیا ہے اپنے سامنے موجود پائے گا، اور اس نے جو برا عمل کیا ہے اس کے بارے میں وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان اور اس برے عمل کے درمیان بڑا فاصلہ ہوتا، اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتے ہیں —— یعنی وہ اس بری بات کی سخت سزا دیں گے —— اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑے شفیق ہیں! —— پس ایمان لاؤ اور ان کی مہربانی سے حصہ پاؤ! —— یہ ﴿ يُحَذِّرُكُمْ ﴾ کا معادل ہے یعنی

دوسری برابر کی صفت ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۚ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ أَطِيْعُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٢﴾

قُلْ	کہیں	وَيَغْفِرْ	اور بخشیں گے	أَطِيْعُوا	حکم مانو
إِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	لَكُمْ	تمہارے لئے	اللهَ	اللہ کا
تُحِبُّوْنَ	محبت کرتے	ذُنُوْبَكُمْ	تمہارے گناہ	وَالرَّسُوْلَ	اور (اس کے) رسول کا
اللهَ	اللہ سے	وَاللهُ	اور اللہ تعالیٰ	فَإِنْ تَوَلَّوْا	پس اگر منہ پھیرو تم
فَاتَّبِعُوْنِيْ	تو میری پیروی کرو	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	فَإِنَّ اللهَ	تو بے شک اللہ
يُحْبِبْكُمُ	محبت کریں گے تم سے	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں	لَا يُحِبُّ	نہیں محبت کرتے
اللهُ	اللہ تعالیٰ	قُلْ	کہو	الْكٰفِرِيْنَ	منکروں سے

نجران کے وفد کو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت

ہر شخص کو اللہ سے فطری محبت ہے، اس لئے کہ وہ خالق ہیں، انھوں نے انسان کو وجود بخشا ہے، اور موجد سے ہر کسی کو محبت ہوتی ہے، کیا دیکھتے نہیں موجد کو اپنی مصنوعات سے، کاتب کو اپنی نگارشات سے، شاعر کو اپنے کلام سے، خطیب کو اپنی تقریر سے، مصنف کو اپنی تصنیفات سے اور اولاد کو ماں باپ سے محبت ہوتی ہے، بندوں کو اللہ سے محبت اس سے کہیں زیادہ ہے، اور محبت کا تقاضا محبوب کے اشاروں پر چلنا ہے ـــــ مگر ہر شخص راست اللہ تعالیٰ سے رابطہ نہیں کرسکتا، وہ ذات متعالی (برتر) ہے، ان کا دنیا میں نہ دیدار ممکن ہے نہ کلام سننا، بن دیکھے ان پر ایمان لانا ضروری ہے، اور ان کی باتیں بالواسطہ بندوں تک پہنچتی ہیں، فرشتہ احکام لاتا ہے اور منتخب بندے کو پہنچاتا ہے، پھر وہ بندہ ان احکام کو دوسروں تک پہنچاتا ہے، یہی سلسلہ از آدم تا ایں دم چل رہا ہے۔ اب آخری نبی تشریف لائے ہیں، دوسرے رسولوں اور نبیوں کا پریڈ ختم ہوگیا ہے، ان کی تعلیمات مندرس ہوگئی ہیں، اب اللہ کی آخری کتاب کا نزول شروع ہوا ہے، پس جس کو اللہ سے محبت ہے، اور وہ اللہ کے احکام پر عمل کرنا چاہتا ہے وہ نبی ﷺ پر ایمان لائے، اللہ تعالیٰ اس سے محبت کریں گے، اور اس کے سابقہ گناہ معاف کردیں گے، کیونکہ اسلام قبول کرنے سے سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم

فرمانے والے ہیں۔

اور اگر نجران کا وفد اللہ کا حکم نہیں مانے گا، اور اللہ کے اس آخری رسول پر ایمان نہیں لائے گا تو وہ کان کھول کر سن لے کہ اللہ کو بھی ان بندوں سے محبت نہیں، اللہ تعالیٰ ان کو پسند نہیں کرتے، پس محبت یکطرفہ ہوگی، اس میں کیا مزہ! مزہ جب ہے کہ محبت دوطرفہ ہو، اور وہ نبی ﷺ کی پیروی پر موقوف ہے۔

نبی ﷺ کی پیروی سے منہ موڑنا اور اللہ کی محبت کا دم بھرنا فریبِ نفس ہے

آیاتِ کریمہ: کہیں: اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو: اللہ تم سے محبت کریں گے، اور تمہارے لئے تمہارے گناہ بخش دیں گے، اور اللہ بڑے بخشنے والے، بڑے مہربانی فرمانے والے ہیں، بتادو: کہا مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا، پس اگر تم نے منہ پھیرا تو اللہ تعالیٰ اسلام کا انکار کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے!

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾

إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ نے	وَآلَ عِمْرَانَ	اور خاندانِ عمران کو	مِن بَعْضٍ	بعض کی
اصْطَفَىٰ	چن لیا	عَلَى الْعَالَمِينَ	جہانوں پر	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
آدَمَ وَنُوحًا	آدم اور نوح کو	ذُرِّيَّةً (۲)	درانحالیکہ وہ اولاد ہیں	سَمِيعٌ	خوب سننے والے
وَآلَ إِبْرَاهِيمَ (۱)	اور خاندانِ ابراہیم کو	بَعْضُهَا (۳)	ان کے بعض	عَلِيمٌ	سب جاننے والے ہیں

عیسائیوں کے اس خیال کی تردید کہ ہم تو اللہ کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں پھر ہمیں کسی دوسرے پیغمبر کو ماننے کی کیا ضرورت ہے؟

جب وفد نجران کو نبی ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو وہ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں، ہم تو اللہ کے بیٹے کی امت ہیں، اور وہ ہمارے سارے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں، پس ہمیں کسی دوسرے شخص پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں —— ان دو آیتوں میں اس کا رد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہیں تھے، وہ تو ایک نہیں چار

(۱) بعض کے نزدیک دونوں جگہ آل زائد ہے اور اگر زائد نہیں تو آلِ ابراہیم سے مراد بنی اسرائیل اور آلِ عمران سے مراد حضرت مریمؑ ہیں۔ (۲) ذریۃً: اصطفی کے مفعولوں کا حال ہے (۳) بعضھا کی ضمیر ذریۃ کی طرف لوٹتی ہے۔

بڑوں کی اولاد تھے، ابوالبشر آدم علیہ السلام کی، اول الرسل نوح علیہ السلام کی، ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام کی، اور بیت المقدس کے امام اور بنی اسرائیل کے حاکم عمران بن ماثان کی نسل سے تھے، پھر وہ اللہ کے بیٹے کیسے ہونگے؟

جاننا چاہئے کہ حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر اول ہیں، اور نوح علیہ السلام ابوالبشر ثانی ہیں، اب سب انسان ان کی اولاد ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کی اولاد ہیں، پھر عمران بن ماثان ان کی اولاد میں ہیں، جو نیک بندے اور قوم کے امام اور سربراہ بھی تھے، ان کی صاحب زادی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، پس ان کا نسب نانا کے ساتھ جڑے گا، جیسے سادات کا نسب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جڑتا ہے۔

آیاتِ کریمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے برتری بخشی ہے آدم ونوح کو اور اولادِ ابراہیم کو اور اولادِ عمران کو ساری دنیا پر، یہ ایک دوسرے کی نسل ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں —— پس ان کی بات سوفی صد درست ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَ لَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

اِذْ قَالَتِ	(یادکرو) جب کہا	اِنِّیْ	بے شک میں نے	فِیْ بَطْنِیْ	میرے پیٹ میں ہے
امْرَاَتُ	بیوی نے	نَذَرْتُ	منت مانی ہے	مُحَرَّرًا[1]	آزاد کردہ
عِمْرٰنَ	عمران کی	لَكَ	آپ کے لئے	فَتَقَبَّلْ	پس قبول فرما
رَبِّ	اے میرے پروردگار!	مَا	اس بچہ کی جو	مِنِّیْ	میری طرف سے

(۱) مُحَرَّرًا: ما کا حال ہے جو نذرت کا مفعول ہے

إِنَّكَ أَنْتَ	بے شک آپ ہی	مَرْيَمَ	مریم	عَلَيْهَا	اس کے پاس
السَّمِيْعُ	خوب سننے والے	وَ إِنِّيْ	اور بے شک میں	زَكَرِيَّا	زکریا
الْعَلِيْمُ	سب کچھ جاننے والے ہیں	أُعِيْذُهَا	اس کو پناہ میں دیتی ہوں	الْمِحْرَابَ	(عبادت کے) کمرے میں
فَلَمَّا وَضَعَتْهَا (۱)	پس جب جنا اس نے اس کو	بِكَ	آپ کے	وَجَدَ	پائی
قَالَتْ	کہا اس نے	وَ ذُرِّيَّتَهَا	اور اس کی اولاد کو	عِنْدَهَا	اس کے پاس
رَبِّ	اے میرے پروردگار	مِنَ الشَّيْطٰنِ	شیطان سے	رِزْقًا	روزی
إِنِّيْ	بے شک میں نے	الرَّجِيْمِ	مردود	قَالَ	پوچھا
وَضَعْتُهَا (۲)	جنا اس کو	فَتَقَبَّلَهَا	پس قبول کیا اس کو	يٰمَرْيَمُ	اے مریم
أُنْثٰى	لڑکی	رَبُّهَا	اس کے پروردگار نے	أَنّٰى لَكِ	کہاں سے آئی تیرے پاس
وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	بِقَبُوْلٍ	قبول کرنا	هٰذَا	یہ روزی
أَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	حَسَنٍ	اچھی طرح	قَالَتْ هُوَ	کہا اس نے: وہ
بِمَا وَضَعَتْ	جو اس نے جنا	وَّ أَنْبَتَهَا	اور بڑھایا اس کو	مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس سے ہے
وَ لَيْسَ الذَّكَرُ	اور نہیں وہ لڑکا	نَبَاتًا حَسَنًا	اچھا بڑھانا	إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
كَالْأُنْثٰى	مانند اس لڑکی کے	وَّ كَفَّلَهَا	اور ملایا اس کو	يَرْزُقُ	روزی دیتے ہیں
وَ إِنِّيْ	اور بے شک میں نے	زَكَرِيَّا	زکریا نے	مَنْ يَّشَاءُ	جس کو چاہتے ہیں
سَمَّيْتُهَا	اس کا نام رکھا	كُلَّمَا دَخَلَ	جب بھی گئے	بِغَيْرِ حِسَابٍ	بے حساب (بے گنے)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام عمران کی نسل سے تھے

جب حضرت مریم رضی اللہ عنہا ماں کے پیٹ میں تھیں، ان کے ابا حضرت عمران گذر گئے، ان کی ماں نے منت مانی: جو لڑکا پیدا ہوگا وہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا، ایسا وقف ان کی شریعت میں جائز تھا، پھر جب حضرت مریمؑ پیدا ہوئیں تو ان کی ماں حیران ہوئیں، کیونکہ لڑکی خدمت کے لئے وقف نہیں کی جاتی تھی، لڑکا وقف کیا جاتا تھا، انھوں نے عرض کیا: الٰہی! میں نے تو لڑکی جنی، اب میری منت کا کیا ہوگا؟

(۱) وضعتھا کی ضمیر حمل کی طرف لوٹتی ہے، چونکہ پیٹ میں لڑکی تھی، اس کی رعایت سے مؤنث ضمیر استعمال کی ہے (۲) الذکر اور الأنثی میں الف لام عہدی ہیں، وہ لڑکا یعنی مطلوبہ لڑکا، یہ لڑکی یعنی جنی ہوئی لڑکی۔

درمیان میں دو جملے معترضہ ہیں: ایک: اللہ کو سب کچھ معلوم ہے کہ اس نے کیا جنا ہے؟ دوسرا: مطلوبہ لڑکے سے یہ لڑکی بہتر ہے، چنانچہ اللہ نے اس لڑکی کو قبول فرمایا، حضرت زکریا علیہ السلام کے ذریعہ اس کی اطلاع دی گئی، پھر جب مریمؑ خود کفیل ہوئیں تو بیت المقدس کے حوالے کی گئیں، وہاں ان کی پرورش کے سلسلہ میں اختلاف ہوا، ہر مجاوران کی پرورش کرنا چاہتا تھا، مگر قرعۂ فال بنام زکریا علیہ السلام نکلا، اس کی تفصیل آگے (آیت ۴۴ میں) آرہی ہے، زکریا علیہ السلام حضرت مریمؑ کے خالو تھے، اور وہ بیت المقدس کے ذمہ دار بھی تھے، انھوں نے حضرت مریمؑ کے لئے بیت المقدس میں ایک کمرہ خاص کر دیا، مریمؑ اس میں رہتی تھیں اور اللہ کی عبادت کرتی تھیں، حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی ان کے کمرے میں جاتے تو بے موسم کے پھل پاتے، وہ تعجب سے پوچھتے: مریم! یہ پھل تیرے پاس کہاں سے آتا ہے؟ وہ جواب دیتیں: اللہ کے یہاں سے آتا ہے، اللہ جسے چاہتے ہیں بے حساب روزی عنایت فرماتے ہیں۔

کیسے عنایت فرماتے ہیں؟ —— اس کو سمجھانا مشکل ہے، جس کے ساتھ معاملہ پیش آتا ہے وہی سمجھتا ہے، حدیث میں ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ مکہ میں قید تھے، ان کے پاس غیب سے انگور آتے تھے، جبکہ انگور کا موسم نہیں تھا، نہ مکہ میں انگور تھے، کوئی فرشتہ لا کر رکھ جاتا ہوگا۔ انبیاء کے ہاتھوں ایسی کوئی خرق عادت بات ظاہر ہوتی ہے تو اس کو 'معجزہ' کہتے ہیں اور ولی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہے تو اس کو 'کرامت' کہتے ہیں، اور کراماتِ اولیاء برحق ہیں، اور ولی مرد ہی نہیں ہوتا عورت بھی ولیہ ہوتی ہے، جیسے صدیق مرد ہی نہیں ہوتا عورت بھی صدیقہ ہوتی ہے۔

فائدہ: حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا کہ اللہ نے ان کی اچھی نشو ونما کی، یعنی بچوں میں پلنے بڑھنے کی جو عام رفتار ہوتی ہے اس سے حضرت مریمؑ کی نشو ونما کی رفتار تیز تھی، وہ جلدی سنِ بلوغ کو پہنچیں، جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نشو ونما کی رفتار بھی تیز تھی، وہ نو سال میں رخصتی کے قابل ہوگئی تھیں۔

آیاتِ کریمہ: (یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے پروردگار! میں نے آپ کے لئے اس بچہ کی منت مانی جو میرے پیٹ میں ہے، وہ فارغ کیا ہوا ہوگا، پس آپ میری یہ اولاد قبول فرمائیں، بے شک آپ خوب جاننے والے سب کچھ سننے والے ہیں۔

پس جب اس نے حمل جنا تو کہا: ''اے میرے پروردگار! میں نے تو لڑکی جنی!'' —— اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو اس نے جنا، اور وہ لڑکا اِس لڑکی کے مانند نہیں —— اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے، اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں!

پس اس لڑکی کو اس کے پروردگار نے بہتر طور پر قبول کیا، اور اس کو عمدہ طریقہ پر پروان چڑھایا، اور زکریا اس کے

ذمہ دار بنے، جب بھی زکریا مریم کے پاس کمرے میں آتے تو اس کے پاس روزی پاتے، پوچھا: اے مریم! تیرے پاس یہ کہاں سے آتا ہے؟ جواب دیا اس نے: وہ اللہ کے پاس سے آتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بے حساب روزی عطا فرماتے ہیں۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

ع ۴ / ۱۲

هُنَالِكَ(۱) دَعَا	وہیں دعا کی	الدُّعَآءِ	دعا کو	بِيَحْيٰى(۳)	یحییٰ کی
زَكَرِيَّا رَبَّهٗ	زکریا نے اپنے رب سے	فَنَادَتْهُ	پس پکارا اس کو	مُصَدِّقًا(۴)	سچا بتانے والا
قَالَ رَبِّ	کہا: اے میرے رب!	الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتوں نے	بِكَلِمَةٍ	ایک بول کو
هَبْ لِيْ	عطا فرما مجھے	وَهُوَ قَآئِمٌ	درانحالیکہ وہ کھڑے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
مِنْ لَّدُنْكَ	خاص اپنے پاس سے	يُّصَلِّيْ	نماز پڑھ رہے تھے	وَسَيِّدًا	اور سردار
ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً	پاکیزہ اولاد	فِي الْمِحْرَابِ(۲)	عبادت کے کمرے میں	وَّحَصُوْرًا(۵)	اور عورتوں سے بے رغبت
اِنَّكَ	بے شک آپ	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	وَّنَبِيًّا	اور پیغمبر
سَمِيْعُ	خوب سننے والے ہیں	يُبَشِّرُكَ	آپ کو خوشخبری دیتے ہیں	مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ	نیکوں میں سے

(۱) هنالك: اسم ظرف: زمان ومکان: اس جگہ، اس وقت (۲) مِحْراب: نفس اور شیطان سے لڑنے کی جگہ، یعنی عبادت کا کمرہ (۳) يحيى: فعل مضارع، جیوا، جیتا رہے، اسم علم ہے (۴) مصدقا: اور آگے کے چار معطوفات: یحییٰ کے احوال ہیں (۵) حصور: حَصْرٌ (رکنے) سے مبالغہ کا صیغہ، بروزن فَعُوْل: عورتوں سے بالکل بے رغبت، پاکیزہ و بلند کردار۔

قَالَ	عرض کیا اس نے	كَذٰلِكَ اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ اسی طرح	النَّاسَ	لوگوں سے
رَبِّ	اے میرے پروردگار!	يَفْعَلُ	کرتے ہیں	ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ	تین دن
اَنّٰى يَكُوْنُ	کیسے ہوگا	مَا يَشَآءُ	جو چاہتے ہیں	اِلَّا رَمْزًا	مگر اشارے سے
لِىْ غُلٰمٌ	میرے لئے لڑکا	قَالَ رَبِّ	کہا: اے میرے رب!	وَاذْكُرْ	اور یاد کریں
وَّقَدْ بَلَغَنِىَ	حالانکہ پہنچ گیا ہے مجھے	اجْعَلْ لِّىْٓ	مقرر فرما میرے لئے	رَّبَّكَ	اپنے پروردگار کو
الْكِبَرُ	بڑھاپا	اٰيَةً	کوئی نشانی	كَثِيْرًا	بہت
وَامْرَاَتِىْ	اور میری بیوی	قَالَ	فرمایا	وَّسَبِّحْ	اور پاکی بیان کریں
عَاقِرٌ	بانجھ ہے	اٰيَتُكَ	آپ کی نشانی	بِالْعَشِىِّ	شام کے وقت
قَالَ	کہا	اَلَّا تُكَلِّمَ	یہ ہے کہ نہ بات کریں آپ	وَالْاِبْكَارِ	اور صبح کے وقت

حضرت یحییٰ علیہ السلام مصدق (منادی) تھے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبشر تھے

حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے خالہ زاد بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منادی (اعلان کرنے والے) تھے، ان کی بعثت کا خاص مقصد یہی تھا، وہ اپنے بھائی سے چھ ماہ بڑے تھے، اسی لئے عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ کی تمہید میں ان کا تذکرہ آتا ہے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی ﷺ کے لئے مبشر (خوش خبری سنانے والے) تھے، ان کی بعثت کا بھی یہ خاص مقصد تھا (سورۃ الصّف)

جب خالو حضرت زکریا علیہ السلام نے بھانجی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی مذکورہ کرامت بار بار دیکھی کہ ان کے پاس بے موسم کے پھل آتے ہیں تو دل میں اس آرزو نے انگڑائی لی کہ جو اللہ بے موسم پھل دیتا ہے وہ بڑھاپے میں اولاد بھی دے سکتا ہے، حضرت زکریا علیہ السلام لاولد تھے، بوڑھے ہوگئے تھے اور بیوی بانجھ تھی، بہ ظاہر اولاد کی کوئی توقع نہیں رہی تھی، مگر مریمؑ کی کرامت دیکھ کر دل میں دیرینہ آرزو جوان ہوئی، اور اللہ تعالیٰ سے اولاد کے طلب گار ہوئے، یہ امید باندھ کر کہ جب مریم کو بے موسم پھل ملتا ہے تو زکریا کو بے موسم میوہ (لڑکا) کیوں نہیں مل سکتا، آپ کی دعا قبول ہوئی، اور لڑکے کی بشارت ملی، اور نام بھی یحییٰ (جیوا) تجویز کر دیا، جو پانچ صفات کا مالک ہوگا:

۱- وہ کلمۃ اللہ کی —— جو اللہ کے کلمہ ' کن سے پیدا ہوگا —— لوگوں کو پہلے سے خبر دے گا کہ وہ مبعوث ہونے والے ہیں، جب وہ مبعوث ہوں تو لوگ ان کی پیروی کریں، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پانچ سو سال پہلے لوگوں کو نبی ﷺ کی بشارت سنائی تھی، تا کہ جب وہ ظاہر ہوں تو بنی اسرائیل ان کی پیروی کریں۔

۲-حضرت زکریا علیہ السلام بیت المقدس کے ذمہ دار مقتدیٰ (سربراہ) تھے، ان کی ذمہ داری ان کے بعد یحییٰ علیہ السلام سنبھالیں گے، وہ قوم کے سردار ہونگے۔

۳-آپ پاکیزہ بلند کردار اور عورتوں میں بالکل بے رغبت ہونگے، حصور کے یہ سب معنی ہیں، بنی اسرائیل کی عورتیں مسجد میں آتی تھیں، پھر جب ان میں فیشن شروع ہوا تو ان کو روک دیا گیا، جیسے نبی ﷺ کے زمانہ میں عورتیں مسجدِ نبوی میں آتی تھیں، پھر صحابہ نے ان کو روک دیا، پس سردار کو ایسا ہی ہونا چاہئے، **لأن الناس علی دین ملوکھم**: لوگ بڑوں کا طریقہ اپناتے ہیں۔ پس یہ خصوصی وصف ہے، اور خاص وجہ سے ہے۔

۴-آپ خود بھی نبی ہونگے، صرف منادی نہیں ہونگے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام: خاتم النّبیین ﷺ کے لئے مبشر تھے تو خود بھی خاتم انبیائے بنی اسرائیل تھے۔

۵-وہ صلاح ورشد کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونگے، سبھی انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے ﴿مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ کائناً سے متعلق ہو کر مستقل حال (صفت) ہے۔

جب زکریا علیہ السلام کو صاحبزادے کی خوش خبری ملی تو مخلوط (ملاجلا) ردِّعمل ہوا، ابھی تو لڑکے کے لئے دعا کر رہے تھے، اب کہنے لگے کہ پروردگار! میرے لڑکا کیسے ہوگا؟ میں نے بڑھاپے کی حدود کو چھولیا ہے اور بیوی بانجھ ہے، یعنی ظاہری اسباب موجود نہیں، جواب ملا: اسی حال میں لڑکا ہوگا، اللہ کی قدرت سلسلۂ اسباب کی پابند نہیں، گو سلسلۂ اسباب ومسببات ہے، مگر خرقِ عادت بھی ہے۔

جب حوصلہ ملا تو عرض کیا: مجھے کوئی ایسی علامت بتادیں کہ حمل ٹھہر گیا ہے، تاکہ خوشی دوبالا ہو، اب شکر نعمت میں قدم آگے بڑھاؤں۔ جواب دیا: جب تمہیں یہ حالت پیش آئے کہ تین رات دن تک لوگوں سے بات کرنے کو جی نہ چاہے، اشارہ ہی سے بات کہہ سکو تو سمجھ لو کہ حمل قرار پاگیا، پس اللہ کو بکثرت یاد کرو، اور صبح وشام تسبیح میں لگے رہو۔

فائدہ: سالک (ذاکر) کو کبھی ایسی حالت پیش آتی ہے، کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا، جی چاہتا ہے کہ بس ذکر وعبادت میں لگے رہیں، اور یہ حالتِ انقباض نہیں ہے، حالتِ انقباض میں تو ذکر وعبادت کرنے کو جی نہیں چاہتا، اس کو حالتِ انبساط کہہ سکتے ہیں، اس میں ہر وقت ذکر وعبادت میں لگے رہنے کو جی چاہتا ہے، کوئی بات کہنی ہوتی ہے تو آدمی اشارہ کر دیتا ہے۔

فائدہ: تأہّل (گھربار) کی زندگی افضل ہے، یا تجرّد (یار نہ بار) کی زندگی بہتر ہے؟ امت کا فیصلہ ہے کہ عام حالات میں تأہل کی زندگی افضل ہے، اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا خصوصی حال تھا، **لأن أفضل ھذہ الأمة أكثرھا نساء**: نبی ﷺ کے نکاح میں نو ازواج جمع ہوئی ہیں، پس یہ فعلاً نکیر (عدمِ رضا) ہے۔

آیاتِ کریمہ: وہیں ۔۔۔ یعنی مریمؑ کے پاس یا اسی زمانہ میں ﴿هُنَالِكَ﴾ ظرفِ مکان بھی ہے اور زمان بھی ۔۔۔ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے خاص اپنے پاس سے نیک اولاد عطا فرما! بے شک آپ بہت دعا سننے والے ہیں، پس فرشتوں نے ان کو پکارا (دور سے بتایا) جبکہ وہ عبادت کے کمرے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوش خبری دیتے ہیں، جو اللہ کے ایک بول کی تصدیق کرنے والا، اور سردار، اور بہت زیادہ ضبطِ نفس کرنے والا، اور پیغمبر، نیکوکاروں میں سے ہوگا، عرض کیا: میرے پروردگار! میرے کس طرح لڑکا ہوگا، مجھے بڑھاپا آگیا ہے، اور میری بیوی بانجھ ہے؟ کہا: اسی طرح! کرتے ہیں اللہ جو چاہتے ہیں، عرض کیا: میرے پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے! فرمایا: آپ کے لئے نشانی یہ ہے کہ آپ تین دن تک لوگوں سے بات نہ کریں، مگر اشارے سے، اور اپنے پروردگار کو خوب یاد کریں، اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کریں۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ڰ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

وَاِذْ قَالَتِ	اور (یاد کرو) جب	الْمَلٰٓئِكَةُ[1]	فرشتوں نے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ نے
قَالَتِ	کہا	يٰمَرْيَمُ	اے مریم	اصْطَفٰىكِ	چن لیا تم کو

(۱) الملائکۃ (جمع) سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں، اور ایک لئے تعظیماً جمع استعمال کرتے ہیں (روح)

وَطَهَّرَكِ	اور پاک کیا تم کو	اَيُّهُمْ	ان میں سے کون	النَّاسَ	لوگوں سے
وَاصْطَفٰكِ	اور چن لیا تم کو	يَكْفُلُ	پرورش کرے	فِي الْمَهْدِ	پالنے میں
عَلٰى نِسَآءِ	عورتوں پر	مَرْيَمَ	مریم کی	وَكَهْلًا (۳)	اور بڑی عمر میں
الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کی	وَمَا كُنْتَ	اور نہیں تھے آپ	وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ	اور نیکوکاروں سے
يٰمَرْيَمُ	اے مریم	لَدَيْهِمْ	ان کے پاس	قَالَتْ	کہا مریم نے
اقْنُتِيْ (۱)	اطاعت کرو تم	اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ	جب وہ جھگڑ رہے ہیں	رَبِّ	اے میرے پروردگار
لِرَبِّكِ	اپنے رب کی	اِذْ قَالَتِ	(یاد کرو) جب کہا	اَنّٰى يَكُوْنُ	کیسے ہوگا
وَاسْجُدِيْ	اور سجدہ کرو تم	الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتوں نے	لِيْ وَلَدٌ	میرے لئے بچہ
وَارْكَعِيْ	اور رکوع کرو تم	يٰمَرْيَمُ	اے مریم	وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ	اور نہیں ہاتھ لگایا مجھے
مَعَ الرّٰكِعِيْنَ	رکوع کرنے والوں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	بَشَرٌ	کسی آدمی نے
	کے ساتھ	يُبَشِّرُكِ	خوشخبری دیتے ہیں تم کو	قَالَ كَذٰلِكِ	فرمایا: اسی طرح
ذٰلِكَ	یہ (باتیں)	بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ (۲)	اپنے ایک بول کی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
مِنْ اَنْۢبَآءِ	خبروں سے ہیں	اسْمُهُ	اس کا نام	يَخْلُقُ	پیدا کرتے ہیں
الْغَيْبِ	غیب کی (بن دیکھی)	الْمَسِيْحُ عِيْسَى	مسیح (مبارک) عیسیٰ	مَا يَشَآءُ	جو چاہتے ہیں
نُوْحِيْهِ	وحی کرتے ہیں ہم اس کو	ابْنُ مَرْيَمَ	بیٹا مریم کا	اِذَا قَضٰٓى	جب طے کرتے ہیں
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	وَجِيْهًا	بڑے مرتبہ والا	اَمْرًا	کوئی کام
وَمَا كُنْتَ	اور نہیں تھے آپ	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	فَاِنَّمَا	تو اس کے سوا نہیں کہ
لَدَيْهِمْ	ان کے پاس	وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	يَقُوْلُ لَهٗ	کہتے ہیں اس سے
اِذْ يُلْقُوْنَ	جب ڈال رہے ہیں وہ	وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ	اور مقرب لوگوں میں سے	كُنْ	ہو جا
اَقْلَامَهُمْ	اپنے قلم	وَيُكَلِّمُ	اور بات کرے گا	فَيَكُوْنُ	پس وہ ہو جاتا ہے

(۱) اقنتی: فعل امر، صیغہ واحد مؤنث حاضر، قَنَتَ (ن) قُنُوْتًا: خدا کا فرمانبردار ہونا، کمال انکساری کے ساتھ اظہار بندگی کرنا۔
(۲) کلمة منه: اضافت بواسطہ من ہے، اور سورۃ النساء (آیت ۱۷۱) میں ﴿ كَلِمَتُهٗ ﴾ بلا واسطہ اضافت ہے (۳) الکهل: ادھیڑ عمر کا، تیس سال سے پچاس سال کی عمر کا آدمی۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی ذہن سازی

حضرت زکریا اور حضرت یحیٰی علیہما السلام کا تذکرہ تو عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی تمہید میں آتا ہی ہے، اب حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی قبل از وقت ذہن سازی کرتے ہیں، فرشتوں نے حضرت مریمؑ سے کہا: ''اللہ نے آپ کو چُن لیا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ اپنی قدرت ظاہر کریں گے، آپ باپ کے بغیر بیٹا جنیں گی، اور اس مقصد سے آپ کو پاک صاف رکھا ہے، تاکہ کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملے، اور آپ کو دنیا جہاں کی عورتوں میں سے چُن لیا ہے، یعنی اللہ نے اپنی قدرت ظاہر کرنے کے لئے آپ کا انتخاب کیا ہے، پس اے مریم! آپ کو چاہئے کہ ہر وقت اپنے پروردگار کی اطاعت میں لگی رہیں، عبادت کرتی رہیں، اور اطاعت کا اعلیٰ فرد یہ ہے کہ آپ باجماعت نماز کی پابندی رکھیں۔

فائدہ: عورتوں کے لئے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے لئے آنا فی نفسہ ممنوع نہیں، خوفِ فتنہ کی وجہ سے ممنوع ہے، پس جو عورت مسجد میں رہتی ہے وہ باجماعت نماز پڑھے گی، اسی طرح اگر کسی عورت کے لئے نماز پڑھنے کی کوئی جگہ نہ ہو تو وہ بھی مسجد میں جاکر باجماعت یا بے جماعت نماز پڑھ سکتی ہے، اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے لئے چونکہ ان کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام نے بیت المقدس میں ایک کمرہ خاص کردیا تھا، جس میں وہ رہتی تھیں اور اللہ کی عبادت کرتی تھیں، اس لئے فرشتوں نے ان سے کہا کہ وہ باجماعت نماز پڑھا کریں۔

﴿وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝٤٢ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝٤٣﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ نے تم کو چُن لیا ہے، اور تم کو پاک صاف رکھا ہے، اور تم کو دنیا جہاں کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب کیا ہے، اے مریم! اپنے رب کی فرماں برداری کریں، اور سجدہ کریں —— یعنی عبادتیں کریں —— اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کریں —— یعنی باجماعت نماز پڑھیں —— اور رکوع پانے والا رکعت پاتا ہے اس لئے ارکانِ نماز میں سے رکوع کو خاص کیا ہے۔

سوال: کہتے ہیں: اہل کتاب کی نماز میں رکوع وسجود نہیں تھے، آج بھی وہ اپنی نمازوں میں رکوع سجدہ نہیں کرتے، پھر ﴿وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ کیسے درست ہوگا؟

جواب: قرآن وحدیث کے کلام میں مخاطبین کے محاورات کی رعایت ہوتی ہے ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾: اللہ تعالیٰ تختِ شاہی پر متمکن ہوئے، اور یاجوج وماجوج آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے، یہ موجودین کے محاورات میں کلام ہے، اسی طرح اس آیت میں بھی اس امت کے تعلق سے کلام ہے، اور ﴿وَاسْجُدِىْ﴾ مستقل ہے کہ کمال انکساری

کے ساتھ اظہار عاجزی کریں، تنہا بھی عبادت کریں اور ﴿ وَ ارۡکَعِیۡ مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ ﴾: رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کریں، یعنی باجماعت نماز پڑھیں، تاکہ نماز کی پابندی رہے۔ حدیث میں ہے کہ جہاں تین آدمی بستے ہوں اگر وہ باجماعت نماز نہیں پڑھیں گے تو شیطان ان پر غالب آجائے گا، یعنی وہ پابندی سے نماز نہیں پڑھ سکیں گے۔

حضرت مریمؑ کی بلند کرداری نبی کے گھر میں پرورش پانے کی وجہ سے تھی

حضرت مریمؑ سے فرشتوں نے تین باتیں کہی ہیں۔ اللہ نے آپ کو چن لیا ہے، اللہ نے آپ کو سب عورتوں میں سے منتخب کیا ہے، یہ دونوں باتیں ایک ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اپنی قدرتِ کاملہ ظاہر فرمائیں گے، باپ کے بغیر آپ بچہ جنیں گی، اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں تھی، یہ تو اللہ کا انتخاب ہے۔ اور تیسری بات یہ کہی تھی کہ اللہ نے آپ کو پاک صاف رکھا ہے، عالم اسباب میں آپؑ کی بلند کرداری کی وجہ کیا تھی؟ اس کو بیان فرماتے ہیں کہ اللہ نے آپؑ کی پرورش نبیٔ وقت کے گھر میں کرائی، اور گھر کے ماحول کا گھر کے افراد پر اثر پڑتا ہے، اس لئے حضرت مریمؑ نزاہت وطہارت میں بلند کردار پروان چڑھیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو بیت المقدس کے حوالے کیا گیا تو ان کی پرورش کے معاملہ میں اختلاف ہوا، ہر مجاور پرورش کرنے کا خواہش مند تھا، کیونکہ ان کی مقبولیت کی اطلاع دی جا چکی تھی، پس فیصلہ کراماتی قرعہ اندازی پر ٹھہرا، طے پایا کہ سب بہتے پانی میں اپنے قلم ڈالیں، جس کا قلم پانی میں بہہ جائے وہ ہارا، اور جس کا قلم پانی پر چڑھے وہ جیتا، حضرت زکریا علیہ السلام کامیاب ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: عَالَ قلمُ زکریا (بخاری شریف، کتاب الشہادات، باب ۳۰) اس طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا اپنی خالہ اور خالو کی پرورش میں آگئیں۔

اس واقعہ کو قرآن نے دو حصوں میں تقسیم کرکے بیان کیا ہے، اور واقعہ کے اجزاء کو مقدم ومؤخر کیا ہے، تاکہ دونوں حصے نبی ﷺ کی صداقت کی مستقل دلیل بنیں، فرماتے ہیں: جب وہ لوگ پانی میں قلم ڈال رہے تھے تو آپؐ وہاں موجود نہیں تھے، نیز جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے اس وقت بھی آپؐ وہاں موجود نہیں تھے، اور آپؐ امی تھے، اہل کتاب کی کتابوں کا مطالعہ آپ نے نہیں کیا تھا، نہ ان کے ساتھ میل جول رہا تھا، پھر اتنی صحت کے ساتھ آپؐ واقعات کیسے بیان کر رہے ہیں؟ جواب: آپؐ بیان نہیں کر رہے، بلکہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی طرف وحی کر رہے ہیں، پس یہ بیان آپؐ کے نبی برحق ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ وحی انبیاء ہی پر آتی ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپؐ عالم الغیب نہیں، جو باتیں آپؐ کو وحی سے بتائی جاتی تھیں وہی آپ ﷺ بتاتے تھے۔

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ ﴾

ترجمہ: یہ (بیان) بن دیکھی باتوں میں سے ہے، ہم اس سے آپؐ کو باخبر کررہے ہیں، اور آپؐ ان لوگوں کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی پرورش کرے؟ —— یہ واقعہ کا آخری حصہ ہے —— اور آپؐ اس وقت (بھی) ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے —— یہ واقعہ کا ابتدائی حصہ ہے۔

وقت پر فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو صاف صاف لڑکے کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی

پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کا وقت آیا تو فرشتوں نے دوبارہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو صاف صاف بتایا کہ آپ ''اللہ کے حکم'' سے لڑکا جنیں گی، اور اس لڑکے کے تعلق سے پانچ باتیں بھی بتائیں:

۱- اس لڑکے کا لقب مسیح (مبارک) ہوگا، اس کا نام عیسیٰ ہوگا، اور مریم کا یعنی آپ کا بیٹا ہوگا، اس کا کوئی باپ نہیں ہوگا جس کی طرف وہ منسوب ہو، اور وہ اللہ کا بیٹا نہیں ہوگا، بلکہ کلمہ کُن سے پیدا ہوگا۔

۲- وہ لڑکا دنیا وآخرت میں باوقار ہوگا، دنیا میں اس کو حرامی کہہ کر کوئی بدنام نہیں کرسکے گا، اور آخرت میں تو چونکہ وہ نبی ہے، اس لئے باعزت ہوگا ہی!

۳- وہ اللہ کا مقرب بندہ ہوگا، دوسرے مقرب بندوں کی طرح وہ بھی اللہ کا پسندیدہ بندہ ہوگا۔

۴- وہ پیدا ہوتے ہی لوگوں سے بات کرے گا، اور اپنا بندہ ہونا اور خدا کی قدرت سے پیدا ہونا بیان کرے گا، پھر بڑی عمر میں بھی وہ لوگوں سے بات کرے گا، یعنی اس کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا جائے گا، پھر بڑی عمر میں اس کو زمین پر اتارا جائے گا، اس وقت بھی وہ لوگوں سے باتیں کرے گا۔

۵- وہ اللہ کا نیک بندہ ہوگا، یہ مکرر وصف ہے، تاکہ ان کا بندہ ہونا واضح ہو، اور ان کے خدا ہونے کی یا خدا کا بیٹا ہونے کی نفی ہو۔

جب فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو یہ خوش خبری سنائی، تو اگرچہ پہلے ان کی ذہن سازی کی جاچکی تھی، مگر ان کو اس خبر سے اچنبھا ہوا —— اور بات تھی ہی اچنبھے کی! —— انھوں نے عرض کیا: الٰہی! میرے بچہ کیسے ہوگا، مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا یعنی میری شادی نہیں ہوئی، اس سے عیسائیوں کے عقیدے کی تردید ہوگئی، انھوں نے یوسف نامی فرضی آدمی کو باپ تجویز کیا ہے —— اللہ کی طرف سے جواب آیا: اسی طرح ہوگا، یعنی بغیر باپ کے بچہ ہوگا، اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے، وہ جو چاہتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں، کیا انھوں نے آدم وحوا علیہما السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا

نہیں کیا؟ اور کیا آج بھی ہزاروں جاندار مٹی سے پیدا نہیں ہوتے؟ پس ان کے لئے صرف ماں سے بچہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ وہ جب کسی کام کا فیصلہ کرتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں: ہو، پس وہ ہوجاتا ہے ـــــ اور 'ہو' کہنا بھی ارادہ کی تعبیر ہے، ہو کہنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی، اللہ کا ارادہ ہی چیزوں کے وجود کی علت ہے۔

﴿إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِينَ ۝ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضٰٓى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝﴾

ترجمہ: (یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا: ''اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں خوش خبری دیتے ہیں اپنے ایک کلمہ (بول) کی ـــــ یعنی اللہ کے محض حکم سے تم بچہ جنوگی ـــــ جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا، وہ باوقار ہوگا دنیا وآخرت میں، اور مقرب بندوں میں سے ہوگا، وہ لوگوں سے بات کرے گا پالنے میں اور بڑی عمر میں، اور نیکوں میں سے ہوگا'' ـــــ مریمؑ نے عرض کیا: ''اے میرے پروردگار! میرے بچہ کیسے ہوگا، درانحالیکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا؟'' ـــــ فرمایا: ''اسی حالت میں ہوگا!'' اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں، جب وہ کوئی کام کرنا طے کرتے ہیں تو بس اس سے کہتے ہیں: 'ہو' پس وہ ہوجاتا ہے۔

سوال: توالد وتناسل کا جو سلسلہ آدم وحوا علیہما السلام کے بعد سے مرد وزن کے ذریعہ چل رہا تھا، اس کو عیسیٰ علیہ السلام میں ایک فرد (ماں میں) کیوں جمع کیا، کسی اور میں اللہ نے یہ قدرت کیوں ظاہر نہیں کی؟ یعنی اس قدرت کے اظہار کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کی وجہ کیا ہے؟

جواب: عیسیٰ علیہ السلام میں اللہ نے اپنی یہ قدرت اس لئے ظاہر کی کہ وہ نبی ﷺ کی ختم نبوت کی دلیل (نشانی) بنے، نبی ﷺ عیسیٰ علیہ السلام سے متصل آئے ہیں، درمیان میں کوئی نبی نہیں، آپؐ عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو ستر سال بعد آئے ہیں، اور حسّی سلسلہ ایک فرد میں جمع کرنا زیادہ مستبعد ہے معنوی سلسلہ جمع کرنے سے، پس عیسیٰ علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے یہ کرشمہ دکھایا تاکہ لوگ، خاص طور پر بنی اسرائیل، اس سے ختم نبوت کامل پر استدلال کریں، مگر افسوس! خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا!

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝ وَرَسُولًا إِلٰى بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ۙ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ أَنِّيٓ أَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّينِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ

فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

وَيُعَلِّمُهُ	اور سکھلائیں گے وہ ان کو	اَنِّيْٓ	کہ میں	بِاِذْنِ اللّٰهِ	بہ حکم خداوندی
الْكِتٰبَ	اپنی کتاب (قرآن)	اَخْلُقُ لَكُمْ	بناؤں گا تمہارے لئے	وَ اُنَبِّئُكُمْ	اور آگاہ کرونگا میں تم کو
وَالْحِكْمَةَ	اور دانائی کی باتیں	مِّنَ الطِّيْنِ	مٹی سے	بِمَا تَاْكُلُوْنَ	اس سے جو کھاتے ہو تم
	(حدیثیں)	كَهَيْـَٔةِ(٣)	جیسے شکل	وَمَا تَدَّخِرُوْنَ	اور جو ذخیرہ کرتے ہو تم
وَ التَّوْرٰىةَ	اور تورات	الطَّيْرِ	پرندے کی	فِيْ بُيُوْتِكُمْ	اپنے گھروں میں
وَالْاِنْجِيْلَ	اور انجیل	فَاَنْفُخُ فِيْهِ	پھر پھونکوں گا اس میں	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں
وَرَسُوْلًا(١)	اور (بھیجیں گے ان کو)	فَيَكُوْنُ	پس ہو جائے گا وہ	لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی ہے
	رسول بنا کر	طَيْرًا	پرندہ (اڑنے والا)	لَّكُمْ	تمہارے لئے
اِلٰى بَنِيْٓ	بنی اسرائیل کی طرف	بِاِذْنِ اللّٰهِ	بہ حکم خداوندی	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
اِسْرَآءِيْلَ		وَاُبْرِئُ	اور چنگا کروں گا میں	مُّؤْمِنِيْنَ	ماننے والے
اَنِّيْ قَدْ(٢)	(کہیں گے) کہ میں تحقیق	الْاَكْمَهَ	مادرزاد اندھے کو	وَمُصَدِّقًا(٤)	اور (آیا ہوں میں) سچا
جِئْتُكُمْ	آیا ہوں تمہارے پاس	وَالْاَبْرَصَ	اور کوڑھی کو		بتانے والا بن کر
بِاٰيَةٍ	بڑی نشانی کے ساتھ	وَاُحْيِ	اور زندہ کرونگا میں	لِّمَا بَيْنَ	اس کتاب کو جو مجھ سے
مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	الْمَوْتٰى	مردوں کو	يَدَيَّ	پہلے آئی ہے

(۱) رسولاً: کا عامل یَبْعَثُہ محذوف ہے (۲) أنی سے پہلے یقول محذوف ہے (۳) روح پڑنے سے پہلے محض پرندے کی شکل ہوتی ہے۔ (۴) مصدقا: کا عامل جِئتُ محذوف ہے۔

مِنَ التَّوْرٰىةِ	یعنی تورات	وَجِئْتُكُمْ (۱)	اور آیا ہوں میں تمہارے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
وَلِاُحِلَّ	تاکہ جائز کروں میں		پاس	رَبِّيْ	میرے پروردگار ہیں
لَكُمْ	تمہارے لئے	بِاٰيَةٍ	بڑی نشانی کے ساتھ	وَرَبُّكُمْ	اور تمہارے پروردگار ہیں
بَعْضَ الَّذِيْ	بعض وہ چیزیں جو	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	فَاعْبُدُوْهُ	پس عبادت کروان کی
حُرِّمَ	حرام کی گئی ہیں	فَاتَّقُوا اللّٰهَ	پس ڈرو اللہ سے	هٰذَا صِرَاطٌ	یہ راستہ ہے
عَلَيْكُمْ	تم پر	وَاَطِيْعُوْنِ	اور کہا مانو میرا	مُّسْتَقِيْمٌ	سیدھا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ

خاص علوم، خاص نبوت، معجزات، سابقہ شریعت کی اصلاح، توحید کی تعلیم

۱- خاص علوم: انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے، پس اس کا علم اللہ نے ان کو عطا فرمایا، اور انجیل تورات کا ضمیمہ ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعتِ موسوی پر مبعوث کئے گئے ہیں، اس لئے ضروری تھا کہ تورات کا علم بھی ان کو دیا جائے، اور آخر زمانہ میں جب ان کا نزول ہوگا تو شریعتِ محمدی کی پیروی کریں گے، اور اسی کے مطابق امتِ محمدیہ کی راہ نمائی کریں گے، پس ضروری ہوا کہ قرآن وحدیث کا بھی ان کو علم دیا جائے، ان کے زمانہ میں ان کو تورات وانجیل کا علم دیا، اور آخر زمانہ میں ان کو قرآن وحدیث سکھلائیں گے، انبیاء کسی سے پڑھتے نہیں، اللہ ان کو علم دیتے ہیں، پس یہ چار علوم عیسیٰ علیہ السلام کے خاص علوم ہیں۔

اور یہاں اور سورۃ المائدہ (آیت ۱۱۰) میں کتاب وحکمت کو مقدم کیا ہے، حالانکہ ان کا علم بعد میں عطا فرمایا جائے گا، ایسا ان کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کیا ہے، جیسا میراث کی آیتوں میں وصیت کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اس کو تین جگہ دَین پر مقدم کیا ہے۔ پس یہ آیت رفعِ عیسیٰ اور نزولِ عیسیٰ کی دلیل ہے۔

فائدہ: کتاب وحکمت کے الفاظ قرآن میں پانچ جگہ آئے ہیں، تین جگہ نبی ﷺ کے فرائض کے تذکرے میں اور دو جگہ عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں، سورۃ البقرۃ (آیت ۱۵۱) میں، سورۃ آلِ عمران (آیت ۱۶۴) میں اور سورۃ الجمعہ (آیت ۲) میں نبی ﷺ کے تعلق سے یہ الفاظ آئے ہیں، اور وہاں قطعی طور پر قرآن وحدیث مراد ہیں، پس جو عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں یہ الفاظ آئے ہیں ان سے بھی قطعی طور پر قرآن وحدیث مراد ہیں، کیونکہ قرآن: قرآن کی تفسیر کرتا ہے۔

(۱) وجئتکم: تمہید لوٹا کر اگلی بات کہی ہے، یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے۔

﴿ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی خاص کتاب (قرآن) اور دانائی کی باتیں (حدیثیں) اور تورات وانجیل سکھلائیں گے۔

خاص نبوت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لئے مبعوث کئے گئے تھے، وہ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم تھے، یہاں اور سورۃ الصّف (آیت ۶) میں اس کی صراحت ہے، بعد میں پولوس نے ان کے مذہب کو عام کیا۔

﴿ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾

ترجمہ: اور (بھیجا ان کو) رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف۔

معجزات: اللہ تعالیٰ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دعوت کے کام پر مامور فرماتے ہیں تو ان کو اثباتِ دعوی کے لئے اور لوگوں کو قائل ومائل کرنے کے لئے معجزات عطا فرماتے ہیں، اور ہر پیغمبر کو اس کے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق معجزات دیئے جاتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا، اس لئے ان کو عصا اور ید بیضاء کے معجزات عطا ہوئے، اور عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ طب وحکمت کا زمانہ تھا، اسی مناسبت سے ان کو چار معجزات دیئے گئے:

۱- حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی کی مورت بناتے تھے، پھر جب اس میں پھونکتے تھے تو وہ بہ اذنِ الٰہی اڑنے لگتی تھی۔

۲- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مادر زاد نابینا چنگا اور کوڑھی تندرست ہوجاتا تھا۔

۳- آپ بہ حکم الٰہی مردے کو زندہ کرتے تھے۔

۴- لوگ گھروں میں کیا کھا کر آئے، اور گھروں میں کیا رکھا ہے: اس کو بتا دیتے تھے۔

ان معجزات کی تفصیل ممکن نہیں، آثار مفسرین کے سہارے بات کرنا اٹکل پچو ہے۔ پس اجمال ہی بہتر ہے۔

﴿ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾

ترجمہ: (وہ بنی اسرائیل سے کہیں گے:) میں تم لوگوں کے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی نشانی لے کر آیا ہوں ـــــ یہ تمہید ہے، اسی کو آگے لوٹا کر توحید کی تعلیم دیں گے ـــــ (۱) میں مٹی سے تمہارے لئے مورت بناؤں گا، پھر اس میں پھونکوں گا تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگے گی (۲) اور (میں اللہ کے حکم سے) پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو تندرست کروں گا (۳) اور اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کرونگا (۴) اور میں تمہیں بتاؤں گا جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو ـــــ بے شک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانیاں ہیں اگر تمہیں ایمان لانا ہے۔

تنبیہ: تیسرے معجزہ کے ساتھ جو ﴿ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ﴾ ہے وہ دوسرے معجزہ کے ساتھ بھی ہے، اور یہ بار بار اس لئے لایا گیا ہے کہ لوگ جان لیں کہ یہ اللہ کے افعال ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کے ذاتی کام نہیں۔

شریعتِ موسوی کی جزوی اصلاح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام: موسیٰ علیہ السلام کی ملت پر مبعوث کئے گئے تھے، جیسے ہمارے نبی ﷺ ملتِ اسماعیلی پر مبعوث کئے گئے ہیں، پس ضروری تھا کہ اصل ملت کو باقی رکھ کر اس میں ضروری اصلاح کی جائے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں، وہ اللہ کی سچی کتاب ہے، البتہ اس میں بعض چیزیں جو بنی اسرائیل پر حرام کی گئی ہیں، مثلاً: اونٹ کا گوشت، اور دودھ اور حلال جانور کے پیٹ کی چربی: میں ان کی حلت بیان کرنے کے لئے آیا ہوں، اب وہ چیزیں حرام نہیں رہیں، یہ جزوی نسخ ہے، اس سے تورات کی تصدیق پر اثر نہیں پڑتا، جیسے قرآنِ کریم گذشتہ کتابوں کا مصدق ہے، پھر ان کے بعض احکام کو بدلتا ہے، یہ بھی جزوی نسخ ہے، اس سے سابقہ کتابوں کی تردید نہیں ہوتی۔

﴿ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ وَلِاُحِلَّ لَـكُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ حُرِّمَ عَلَيۡكُمۡ ﴾

ترجمہ: اور (میں آیا ہوں) اس تورات کو سچا بتانے والا بن کر جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے، اور (میں آیا ہوں) تاکہ بعض وہ چیزیں تمہارے لئے حلال کروں جو تم پر حرام کی گئی تھیں۔

توحید کی تعلیم: پھر تمہید لوٹا کر توحید کا درس دیا ہے کہ جب تم میری صداقت کی نشانیاں دیکھ چکے تو اب اللہ سے ڈرو، اور میری باتیں سنو: ساری باتوں کی جڑ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی، میں ان کا بیٹا نہیں ہوں، بندہ ہوں، لہٰذا اسی کی بندگی کرو، میں بھی اسی کی بندگی کرتا ہوں، یہی دین کا سیدھا راستہ ہے، اسی راستہ پر چل کر بندے اللہ تک پہنچ سکتے ہیں۔

﴿ وَجِئۡتُكُمۡ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۞ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ‌ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ۞ ﴾

ترجمہ: اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے پاس سے بڑی نشانیاں لے کر آیا ہوں ــــ یہ تمہید لوٹائی ہے ــــ پس اللہ سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو ــــ میرا کہنا کیا ہے؟ ــــ اللہ تعالیٰ ہی میرے پروردگار ہیں اور تمہارے بھی پروردگار ہیں، پس اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے!

فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِيۡسٰى مِنۡهُمُ الۡكُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ‌ؕ قَالَ الۡحَـوَارِيُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ‌ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ‌ۚ وَاشۡهَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ۞ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ وَاتَّبَعۡنَا

الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۵۳

فَلَمَّآ اَحَسَّ	پس جب محسوس کیا	الْحَوَارِيُّوْنَ (۱)	حواریوں نے	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم
عِيْسٰى	عیسیٰ نے	نَحْنُ اَنْصَارُ	ہم مددگار ہیں	بِمَآ اَنْزَلْتَ	اس (انجیل) پر جو آپ
مِنْهُمُ	ان (بنی اسرائیل) سے	اللّٰهِ	اللہ کے		نے اتاری
الْكُفْرَ	انکار	اٰمَنَّا بِاللّٰهِ	ایمان لائے ہم اللہ پر	وَاتَّبَعْنَا	اور پیروی کی ہم نے
قَالَ	کہا	وَاشْهَدْ	اور گواہ رہیں آپ	الرَّسُوْلَ	(آپ کے) رسول
مَنْ اَنْصَارِيْٓ	کون میرا مددگار ہے	بِاَنَّا (۲) مُسْلِمُوْنَ	کہ ہم اطاعت کرنے		(عیسیٰ) کی
اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف		والے ہیں	فَاكْتُبْنَا	پس لکھ دے ہمیں
قَالَ	کہا	رَبَّنَآ	اے ہمارے پروردگار!	مَعَ الشّٰهِدِيْنَ	گواہی دینے والوں کے ساتھ

بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت قبول نہیں کی

اگرچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پہلے سے کلمۃ اللہ کی آمد کا اعلان کر رہے تھے، مگر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو عام طور پر بنی اسرائیل نے ان کی دعوت قبول نہیں کی، اور یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا، اب عیسیٰ علیہ السلام تنہا رہ گئے، پس انھوں نے آواز لگائی: کون میرا ساتھ دیتا ہے؟ اللہ کے دین کو پھیلانے میں کون میرا مددگار بنتا ہے؟ دو دھوبیوں نے جو اسرائیلی تھے لبیک کہا، پھر اور بھی حضرات ساتھ ہو گئے، کہتے ہیں: کل بارہ حضرات نے دعوت قبول کی، انہیں کی محنت سے عیسائیت کو قبولِ عام حاصل ہوا، یہ مضمون سورۃ الصّف کی آخری آیت میں بھی ہے۔

حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی بات قبول کر کے اللہ کے سامنے اقرار کیا کہ ہم انجیل پر ایمان لائے، اور حاملِ انجیل کے حلقہ بگوش ہوئے، یہ آپ کی توفیق سے ہوا، لہٰذا آپ ایمان لانے والوں کی فہرست میں ہمارا نام ثبت فرما دیں، تاکہ ہمارا نام رجسٹرڈ ہو جائے اور ارتداد کا احتمال نہ رہے۔

آیاتِ کریمہ: پس جب عیسیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف سے انکار دیکھا تو اس نے آواز لگائی: اللہ کے دین میں میرا کون مددگار ہے؟ حواریوں نے جواب دیا: ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، اور (اے پیغمبر)

(۱) حواری کے معنی ہیں: دھوبی، کپڑے صاف کرنے کی وجہ سے حواری کہلائے، پہلے دو شخص جو ایمان لائے وہ دھوبی تھے، پھر عیسیٰ علیہ السلام کے سب صحابہ کا یہی لقب ہو گیا۔ (۲) أَنَّا: اصل میں أَنَّ نَا تھا، نون کا نون میں ادغام کیا ہے، أَنَّ: حرفِ مشبہ بالفعل اور نا ضمیر جمع متکلم ہے، اور سورۃ المائدہ میں أَنَّنَا: فکِّ ادغام کے ساتھ ہے۔

آپ گواہ رہیں کہ ہم احکام الٰہی کو قبول کرتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! آپ نے جو کتاب (انجیل) نازل کی ہے ہم اس پر ایمان لائے، اور ہم نے آپ کے رسول (عیسیٰ علیہ السلام) کی پیروی کی، پس آپ ہمیں حق کی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دیں۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝

وَمَكَرُوْا (۱)	اور سازش کی یہود نے	اِذْ	(یاد کرو) جب	وَرَافِعُكَ	اور اٹھانے والا ہوں تجھے
وَمَكَرَ	اور خفیہ تدبیر کی	قَالَ اللّٰهُ	فرمایا اللہ نے	اِلَيَّ	اپنی طرف
اللّٰهُ	اللہ نے	يٰعِيْسٰٓى	اے عیسیٰ	وَمُطَهِّرُكَ	اور پاک کرنے والا ہوں تجھے
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اِنِّىْ	بے شک میں		
خَيْرُ	بہترین	مُتَوَفِّيْكَ (۲)	پورا وصول کرنے والا ہوں تجھے	مِنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جنھوں نے
الْمٰكِرِيْنَ	تدبیر کرنے والے ہیں			كَفَرُوْا	انکار کیا

(۱) مَکر کے معنی ہیں: لطیف اور خفیہ تدبیر، وہ اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی، بری کو سازش اور چال کہتے ہیں، سورۃ الفاطر (آیت ۴۳) میں ہے: ﴿الْمَكْرُ السَّيِّئُ﴾: بری چال، اس سے معلوم ہوا کہ مکر اچھا بھی ہوتا ہے، اس کو تدبیر کہتے ہیں۔

(۲) متوفی: اسم فاعل: مصدر تَوَفِّیْ: پورا وصول کرنا، خواہ موت کی شکل میں ہو، یا نیند میں یا بیداری میں، شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے: ''میں لے لوں گا تجھ کو'' اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے: ''میں تم کو وفات دینے والا ہوں'' رافعك کا عطف تفسیری ہے تو پہلے معنی ہیں، اور مغائرت ہے تو دوسرے معنی ہیں، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نزول کے بعد موت آئے گی، وہ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ کے قانون سے مستثنیٰ نہیں، اور رافعك پر متوفيك کی تقدیم اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ہوگی، جیسے میراث کی آیات میں وصیت کی دَین (قرض) پر تقدیم اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

وَجَاعِلُ	اور بنانے والا ہوں	فِيْمَا	اس بات کا جو	مِّنْ نّٰصِرِيْنَ	کوئی مددگار
الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جنھوں نے	كُنْتُمْ فِيْهِ	تھے تم اس میں	وَاَمَّا	پس رہے وہ
اتَّبَعُوْكَ	تیری پیروی کی	تَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے	الَّذِيْنَ	جو
فَوْقَ الَّذِيْنَ	بالا ان سے جنھوں نے	فَاَمَّا الَّذِيْنَ	پس رہے جو لوگ	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
كَفَرُوْٓا	(تیرا) انکار کیا	كَفَرُوْا	انکار کیا انھوں نے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
اِلٰى يَوْمِ	دن تک	فَاُعَذِّبُهُمْ	تو سزا دوں گا میں ان کو	الصّٰلِحٰتِ	اچھے کام
الْقِيٰمَةِ	قیامت کے	عَذَابًا	سزا	فَيُوَفِّيْهِمْ	تو پورا دوں گا ان کو
ثُمَّ اِلَيَّ	پھر میری طرف	شَدِيْدًا	سخت	اُجُوْرَهُمْ	ان کا بدلہ
مَرْجِعُكُمْ	تمہارا لوٹنا ہے	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَاَحْكُمُ	پس میں فیصلہ کروں گا	وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے
بَيْنَكُمْ	تمہارے درمیان	وَمَا لَهُمْ	اور نہیں ہوگا ان کے لئے	الظّٰلِمِيْنَ	ناانصافوں کو

یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش کی اور اللہ نے ان کی حفاظت کی

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے بعد یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے، انھوں نے بادشاہ کے کان بھرے کہ یہ شخص ملحد (بددین) ہے، تورات کو بدلنا چاہتا ہے، قوم کو دینِ موسوی سے ہٹادے گا، بادشاہ نے مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دیدیا، اس وقت عیسیٰ علیہ السلام ایک گھر میں تھے، ایک شخص گرفتار کرنے کے لئے گھر میں گھسا، باقی باہر رہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا، اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھیج کر عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان کی طرف اٹھالیا تھا، جب وہ شخص عیسیٰ علیہ السلام کو گھر میں نہ پاکر باہر نکلا تو اسی کو عیسیٰ سمجھ کر لوگوں نے پکڑ لیا، اور اس کو لے جاکر سولی دیدی، سورۃ النساء (آیت ۱۵۷ و ۱۵۸) میں ہے: ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ﴾: نہ انھوں نے عیسیٰ کو قتل کیا، اور نہ سولی دی، لیکن ان کے لئے ایک آدمی ہم شکل بنادیا گیا، اور جو لوگ اختلاف کرتے ہیں اس کے معاملہ میں وہ اس کے معاملہ میں شک میں مبتلا ہیں، ان کے پاس اس بارے میں کوئی قطعی علم نہیں، اٹکل پچو کے تیر چلا رہے ہیں، اور انھوں نے عیسیٰ کو بالکل قتل نہیں کیا، بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ زبردست حکمت والے ہیں —— یہ تھی اللہ کی تدبیر جسے کوئی توڑ نہ سکا،

یہود کا پلان ناکام ہوگیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے ناپاک ہاتھوں سے صاف بچ گئے۔

﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾

ترجمہ: اور انھوں نے (یہود نے) سازش کی، اور اللہ نے خفیہ تدبیر کی، اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والے ہیں۔ (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے عیسیٰ! بے شک میں تمہیں پورا پورا وصول کرنے والا ہوں، اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں، اور تمہیں ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنھوں نے (تمہارا) انکار کیا۔

رفعِ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی امت کا کیا ہوا؟

بنی اسرائیل نے عام طور پر عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت قبول نہیں کی، مگر ان کے بعد ان کا دین غالب ہو کر رہا، حواری تھوڑے تھے، وہ حسب ونسب کے اعتبار سے بھی کچھ معزز نہیں تھے، مگر انھوں نے بڑی قربانیاں دے کر بنی اسرائیل پر محنت کی تو ان میں دعوت پھیلی اور ایک جماعت تیار ہوئی، پھر کش مکش شروع ہوئی اور جہاد کی نوبت آئی، اللہ نے اہل حق کی مدد کی تو ان کا ہاتھ اوپر ہوگیا، اور آج تک عیسائی یہودیوں پر حاوی ہیں، اور قرآن کہتا ہے: قیامت تک وہ غالب رہیں گے اور یہودی ذلیل وخوار!

﴿وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ﴾

ترجمہ: اور میں بنانے والا ہوں ان لوگوں کو جنھوں نے تیری پیروی کی ان لوگوں پر غالب جنھوں نے تیرا انکار کیا قیامت کی صبح تک!

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تین فریق ہیں:

۱- یہودی کہتے ہیں: وہ مسیح ضلالت (دجال) تھا، جس کو ہم نے کیفر کردار تک پہنچادیا، اور وہ مسیح ہدایت کا انتظار کر رہے ہیں، چنانچہ جب دجال نکلے گا تو یہودی بڑھ کر اس کی پیروی کریں گے، ان کے نزدیک وہ مسیح ہدایت ہوگا۔

۲- عیسائی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں، اور ان کی مصلوبیت کے قائل ہیں، اور اسی سے انھوں نے کفارہ کا عقیدہ گھڑا ہے۔

۳- مسلمان کہتے ہیں: وہ مسیح ہدایت تھے، اللہ کے سچے رسول تھے، اللہ کے بندے تھے اور خاتم انبیائے بنی اسرائیل

تھے، وہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور آخر زمانہ میں زمین پر اتریں گے اور انصاف سے حکومت کریں گے۔

اس اختلاف کا فیصلہ کل قیامت کے دن ہوگا، منکرین (یہود ونصاری) کو دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں سخت سزا ملے گی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان سے نمٹیں گے، اور اس دن ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، جو اللہ کے عذاب سے ان کو بچا لے، اور مسلمانوں کو جو عیسیٰ علیہ السلام کی واقعی پوزیشن کو مانتے ہیں اور انھوں نے نیک کام کئے ہیں پورا پورا بدلہ دیں گے، اور برخود غلط لوگوں کو (یہود ونصاری) کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے۔

﴿ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹنا ہے —— یعنی جاؤ گے کہاں؟ آؤ گے میرے ہی پاس! —— پس میں تمہارے درمیان اس بات کا فیصلہ کروں گا جس میں تم اختلاف کرتے ہو —— وہ فیصلہ کیا ہوگا؟ —— پس رہے وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا —— یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی واقعی پوزیشن کو نہیں مانا —— تو ان کو میں سخت سزا دوں گا دنیا اور آخرت میں، اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، اور رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے تو میں ان کو ان کا پورا بدلہ دوں گا، اور اللہ تعالیٰ غلط کار لوگوں کو پسند نہیں کرتے۔

ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ۝

ذٰلِكَ	وہ (بیان)	نَتْلُوْهُ	پڑھتے ہیں ہم اس کو	عَلَيْكَ	آپ کے سامنے

مِنَ الْاٰیٰتِ (۱)	آیتوں سے	فَمَنْ	پس جو شخص	فَنَجْعَلْ	پس گردانیں ہم
وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ	اور دانشمندانہ نصیحت سے	حَآجَّکَ	جھگڑے آپ سے	لَّعْنَتَ اللّٰہِ	اللہ کی پھٹکار
اِنَّ مَثَلَ (۲)	بے شک عجیب حالت	فِیْہِ	اس (عیسیٰ) میں	عَلَی الْکٰذِبِیْنَ	جھوٹوں پر
عِیْسٰی	عیسیٰ کی	مِنْ بَعْدِ	بعد	اِنَّ ھٰذَا	بے شک یہ
عِنْدَ اللّٰہِ	اللہ کے نزدیک	مَا جَآءَکَ (۳)	آپ کے پاس آنے	لَھُوَ الْقَصَصُ (۵)	البتہ وہ بیان ہے
کَمَثَلِ اٰدَمَ	جیسے عجیب حالت آدم کی	مِنَ الْعِلْمِ	علم کے	الْحَقُّ	برحق (سچا)
خَلَقَہٗ	بنایا اس کو	فَقُلْ	پس کہہ	وَمَا مِنْ (۶)	اور نہیں
مِنْ تُرَابٍ	مٹی سے	تَعَالَوْا	آؤ	اِلٰہٍ	کوئی معبود
ثُمَّ قَالَ	پھر کہا	نَدْعُ	بلائیں ہم	اِلَّا اللّٰہُ	مگر اللہ
لَہٗ	اس سے	اَبْنَآءَنَا	ہمارے بیٹوں کو	وَاِنَّ اللّٰہَ	اور بے شک اللہ
کُنْ	ہو جا	وَاَبْنَآءَکُمْ	اور تمہارے بیٹوں کو	لَھُوَ الْعَزِیْزُ	البتہ وہ زبردست
فَیَکُوْنُ	پس وہ ہو گیا	وَنِسَآءَنَا	اور ہماری عورتوں کو	الْحَکِیْمُ	بڑے حکمت والے ہیں
اَلْحَقُّ	(یہ) برحق بات (ہے)	وَنِسَآءَکُمْ	اور تمہاری عورتوں کو	فَاِنْ تَوَلَّوْا	پس اگر منہ پھیرو تم
مِنْ رَّبِّکَ	آپ کے رب کی طرف سے	وَاَنْفُسَنَا	اور ہماری ذاتوں کو	فَاِنَّ اللّٰہَ	تو بے شک اللہ
فَلَا تَکُنْ	پس نہ ہوں آپ	وَاَنْفُسَکُمْ	اور تمہاری ذاتوں کو	عَلِیْمٌ	خوب جاننے والے
مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ	شک کرنے والوں میں سے	ثُمَّ نَبْتَہِلْ (۴)	پس گڑگڑا کر دعا کریں ہم	بِالْمُفْسِدِیْنَ	خرابی پیدا کرنے والوں کو

ذریتِ عمران کا تذکرہ وحی سے کیا جارہا ہے

اب کلام کا رخ بدل رہا ہے، ایک آیت تحویل (موضوع بدلنے) کی ہے، فرماتے ہیں: مذکورہ بیان: عمران کی اہلیہ نے منت مانی، صاحب زادی حضرت مریمؑ پیدا ہوئیں، انھوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر میں پرورش پائی، حضرت مریمؑ کی کرامت دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے لڑکا مانگا، یحییٰ علیہ السلام عطا ہوئے، پھر کنواری مریمؑ کے بطن سے بغیر

(۱) من الآيات: نتلوہ کی ضمیر مفعول کا حال ہے (۲) مَثَل: نظیر، شبیہ، وہ چیز یا قول جو دوسری چیز یا قول کے مشابہ ہو (۳) ماجاء ك: ما مصدریہ ہے (۴) نبتهل: مضارع مجزوم، جمع متکلم، مصدر اِبْتِهَال: زاری کرنا، گڑگڑا کر دعا کرنا۔ (۵) القَصَصُ: مصدر و اسم مصدر: قصہ، بیان، قصہ بیان کرنا (۶) ما من: من زائدہ ہے۔

باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، پھر عیسیٰ علیہ السلام کے احوال اور ان کا آسمان پر اٹھایا جانا، اور یہود کی چال کا خاک میں ملنا، یہ سب باتیں وحی سے بیان کی جارہی ہیں، جو نبی ﷺ کے سچے رسول ہونے کی دلیل ہیں، اور درمیان درمیان میں قیمتی نصیحتیں بھی آتی رہی ہیں۔

﴿ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ (مذکورہ باتیں) ہم اس کو آپ کے سامنے پڑھتے ہیں، وہ اللہ کی باتیں اور دانشمندانہ نصیحت ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کی عجیب حالت آدم علیہ السلام کی عجیب حالت کی طرح ہے

عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا ہوئے ہیں تو آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا ہوئے ہیں، مگر عیسائی ان کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے، پھر عیسیٰ علیہ السلام صرف ماں سے سے پیدا ہونے کی وجہ سے اللہ کے بیٹے کیسے ہوگئے؟ وفد نجران نے کہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے نہیں، اللہ کے بیٹے ہیں، اگر ایسا نہیں تو بتاؤ ان کا باپ کون ہے؟ قرآن نے جواب دیا: تم بتاؤ آدم کے ماں باپ کون تھے؟ ان کو اللہ نے مٹی سے کلمۂ کُن سے پیدا کیا ہے اور وہ بندے تھے بیٹے نہیں تھے، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو بھی کلمہ کُن سے پیدا کیا ہے، وہ بھی بندے ہیں، بیٹے نہیں، یہی برحق بات ہے، پس کوئی ان کے بارے میں کسی تردد میں مبتلا نہ ہو۔

﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی عجیب حالت آدم کی عجیب حالت جیسی ہے، ان کا جسم مٹی سے بنایا، پھر اس سے کہا: ہوجا تو وہ ہوگیا، یہ برحق بات ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے، پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔

اب بھی وفدِ نجران کی کٹ حجتی ختم نہ ہو تو ان کو مباہلہ کی دعوت دو

نجران کا وفد فتح مکہ کے بعد سنہ ۹ ہجری میں مدینہ آیا تھا، فتح مکہ کے بعد جزیرۃ العرب میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگا تھا، نجران کے عیسائیوں کو خطرہ محسوس ہوا اس لئے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، سورت کے شروع سے انہیں کو سمجھانے کے لئے آیات نازل ہورہی ہیں، اگر وہ اس قدر سمجھانے پر بھی قائل نہ ہوں تو ان کو مباہلہ کی دعوت دی جائے، دونوں فریق خواتین اور اولاد کے ساتھ ایک جگہ جمع ہوں، اور خوب گڑگڑا کر دعا کریں کہ جو جھوٹا ہے اس پر خدا کی لعنت ہو اور اس پر عذاب پڑے، وفدِ نجران کو یہ دعوت دی گئی، انھوں نے مہلت مانگی کہ ہم مشورہ کر کے جواب دیتے ہیں، مجلس مشاورت میں

ان کے بڑوں نے کہا:

''اے گروہ نصاری! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمد نبی مرسل ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انھوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں، اور تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسماعیل میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں، پس ایک نبی سے مباہلہ کرنے کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت سے نہیں بچے گا، بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کرلیں، سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں''

ادھر نبی ﷺ حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو ساتھ لئے ہوئے باہر تشریف لائے، اور وفد بھی تجویز پاس کر کے خدمت میں پہنچا، ان کے لاٹ پادری نے ان نورانی صورتوں کو دیکھ کر کہا: ''میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعا پہاڑوں کو ان کی جگہ سے سرکا سکتی ہے، ان سے مباہلہ کر کے ہلاک نہ ہوں'' آخر انھوں نے جزیہ دینا قبول کیا، اور مصالحت کر کے واپس لوٹ گئے۔ حدیث میں ہے کہ اگر وہ مباہلہ کرتے تو وادی نجران میں آگ برستی اور سب کا ستیاناس ہوجاتا۔

اور دعوتِ مباہلہ کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ مباہلہ کس بات پر کیا جاتا؟ اس بات پر کیا جاتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن نے جو کچھ کہا ہے وہی سچا بیان ہے، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ان کی بارگاہ شرک سے پاک ہے، وہ زبردست ہیں، ان کو بیٹے کی مدد کی ضرورت نہیں، وہ حکمتِ بالغہ سے اپنی کائنات کو سنبھالے ہوئے ہیں، اور وفد نجران اگر مباہلہ کرے تو جان لیں کہ ان کا مقصد احقاقِ حق نہیں، وہ دل میں خوب سمجھے ہوئے ہیں کہ نبی ﷺ برحق نبی نہیں، قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اسلام سچا مذہب ہے، ان کا مقصد مباہلہ سے اپنی بات کی پچ ہے، محض فتنہ وفساد ان کے پیشِ نظر ہے، اور سب مفسدین اللہ کی نظر میں ہیں، وہ ان کے ساتھ ان کے حسبِ حال معاملہ کریں گے۔

فائدہ: شامی میں ہے کہ مباہلہ کی مشروعیت اب بھی باقی ہے، لعان کی مشروعیت اس کی دلیل ہے، لعان: باب مفاعلہ کا مصدر ہے، پس مباہلہ اور ملاعنہ ایک ہیں، مگر ان چیزوں میں مباہلہ جائز ہے جن کا ثبوت قطعی ہے، ظنی امور میں مباہلہ جائز نہیں، اور مباہلہ میں بیٹوں اور عورتوں کو شریک کرنا ضروری نہیں، اور عذاب کا آنا بھی ضروری نہیں، اور نجران میں عذاب آنے کی بات نبی ﷺ کی خصوصیت تھی، مباہلہ کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک طرح کا اتمام حجت کر کے بحث وجدال سے الگ ہوجائیں۔

باقی آیات: پس جو شخص آپ سے عیسیٰ کے معاملہ میں کٹ حجتی کرے —— مرغ کی ایک ٹانگ ہی گائے جائے —— آپؐ کے پاس (قطعی) علم آجانے کے بعد، تو آپؐ کہیں: آؤ، ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو، اور

اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو، اور اپنے ذاتوں کو اور تمہاری ذاتوں کو، پھر ہم گڑگڑا کر دعا کریں، پس ہم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں ـــــ یہ مباہلہ کرنے کا طریقہ ہے، اور مباہلہ کا موضوع ہے: ـــــ بے شک یہ یقیناً سچا بیان ہے ـــــ کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہیں ـــــ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ـــــ اگر عیسیٰ علیہ السلام بیٹے ہوتے تو وہ بھی معبود ہوتے، یہ بات توحید کے منافی ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ بے شک زبردست بڑی حکمت والے ہیں ـــــ انہیں بیٹے اور اولیاء کی مدد کی ضرورت نہیں ـــــ پس اگر وہ روگردانی کریں ـــــ اور مباہلہ کے لئے تیار نہ ہوں ـــــ تو اللہ تعالیٰ یقیناً فسادیوں سے خوب واقف ہیں ـــــ یعنی ان کا مقصد بس اپنی بات کی پچ ہے، احقاقِ حق مقصود نہیں، وہ زمین میں اصلاح نہیں چاہتے، فساد (بگاڑ) پھیلانا ان کے پیش نظر ہے، یہ سب مفسدین اللہ کی نظر میں ہیں!

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

قُلْ	آپ کہیں	اَلَّا نَعْبُدَ	کہ نہ عبادت کریں ہم	اَرْبَابًا	ارباب
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے آسمانی کتاب والو	اِلَّا اللّٰهَ	مگر اللہ کی	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے وَرے
تَعَالَوْا	تم آؤ	وَلَا نُشْرِكَ	اور نہ شریک کریں ہم	فَاِنْ تَوَلَّوْا	پس اگر روگردانی کریں وہ
اِلٰى كَلِمَةٍ	ایک بات کی طرف	بِهٖ شَيْـًٔا	اس کے ساتھ کسی چیز کو	فَقُوْلُوا	تو تم کہو
سَوَآءٍ	جو یکساں (برابر) ہے	وَّلَا يَتَّخِذَ	اور نہ بنائے	اشْهَدُوْا	گواہ رہو
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ	ہمارے اور تمہارے درمیان	بَعْضُنَا بَعْضًا	ہمارا ایک دوسرے کو	بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ	کہ ہم ماننے والے ہیں

وفدِ نجران کو خالص توحید کی دعوت

نصاریٰ نجران کو توحید کے موضوع پر مباہلہ کرنے کی دعوت دی تھی، انھوں نے کنّی کاٹی، اب ان کو خالص توحید کی دعوت دی جاتی ہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک مشترک نقطہ ہے، جسے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور تم بھی، اور وہ ہے توحید خالص، مگر بعد میں تم اس کے تقاضوں سے ہٹ گئے، اگر تم پلٹ کر اسی نقطہ پر آجاؤ تو ہمارا تمہارا اختلاف ختم ہوجائے، اور منہ پھیروگے تو اختلاف باقی رہے گا۔

جاننا چاہئے کہ ہر مذہب والا کسی نہ کسی رنگ میں اوپر جا کر اقرار کرتا ہے کہ 'بڑا خدا' ایک ہی ہے، پھر باطل مذاہب

والے آگے چل کر توحید کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے، چنانچہ عیسائیوں کے بھی دو عقیدے توحید کے خلاف تھے۔

ایک: ابنیتِ مسیح کا عقیدہ، معبود کا بیٹا بھی معبود ہوتا ہے، پھر معبود ایک کہاں رہا؟ اور اگر بیٹا معبود نہیں تو وہ ناجنس اولاد ہوئی، انسان کے گھر میں بلّی پیدا ہوئی، اس سے بڑا عیب اللہ کے لئے کیا ہوسکتا ہے؟ اس لئے فرمایا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں جبھی توحید خالص پر عمل ہو سکے گا۔

دوم: علماء و مشائخ کو قانون سازی کا اختیار دینا۔ عیسائیوں نے احبار و رہبان کو خدائی کا منصب دے رکھا تھا، وہ جس چیز کو حلال یا حرام کہہ دیتے اس کو خدائی حکم مان لیتے، یہ بات بھی توحید کے منافی ہے، اس لئے فرمایا کہ ہمارا بعض بعض کو اللہ سے نیچے رب نہ بنائے۔

اگر وہ ان دونوں باتوں کی اصلاح نہ کریں تو تم اعلان کر دو کہ ہم توحید خالص پر قائم ہیں، ہم خود کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں، اور اسی کے تابع فرمان ہیں، ہم اللہ کے علاوہ کسی کی بندگی نہیں کرتے، نہ کسی عالم، ولی، پیر اور مرشد کے لئے خدائی اختیار تسلیم کرتے ہیں، شریعت سے قطع نظر کر کے کسی کو بھی حلت و حرمت کا اختیار نہیں۔

آیتِ کریمہ: آپؐ کہیں: اے آسمانی کتاب ماننے والو! ایک ایسی بات کی طرف آؤ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ سے نیچے رب نہ بنائے —— یہی توحید خالص ہے —— پس اگر وہ منہ پھیریں تو تم کہو: ”گواہ رہو ہم بالیقین فرمان بردار ہیں! —— توحید حقیقی پر عمل پیرا ہیں!

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے آسمانی کتاب والو!	لِمَ تُحَآجُّوْنَ	کیوں کٹ حجتی کرتے ہو	فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم میں

وَمَآ اُنْزِلَتِ	اور نہیں اتاری گئی	بِهٖ عِلْمٌ	اس کا کچھ علم	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں میں سے
التَّوْرٰىةُ	تورات	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اِنَّ اَوْلَى	بے شک قریب تر
وَالْاِنْجِيْلُ	اور انجیل	يَعْلَمُ	جانتے ہیں	النَّاسِ	لوگوں میں
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ	مگر اس کے بعد	وَاَنْتُمْ	اور تم	بِاِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم سے
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	یا پس نہیں سمجھتے تم	لَا تَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے	لَلَّذِيْنَ	البتہ وہ ہیں جنھوں نے
هٰٓاَنْتُمْ (۱)	ارے! تم	مَا كَانَ	نہیں تھے	اتَّبَعُوْهُ	پیروی کی ان کی
هٰٓؤُلَآءِ	اے لوگو!	اِبْرٰهِيْمُ	ابراہیم	وَهٰذَا	اور یہ
حَاجَجْتُمْ	جھگڑا کیا تم نے	يَهُوْدِيًّا	یہودی	النَّبِيُّ	پیغمبر
فِيْمَا لَكُمْ	اس میں جو تمہارے لئے	وَّلَا نَصْرَانِيًّا	اور نہ نصرانی	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ
بِهٖ عِلْمٌ	اس بات کا کچھ علم ہے	وَّلٰكِنْ كَانَ	بلکہ تھے وہ	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ	پس کیوں بحث کرتے ہو	حَنِيْفًا (۲)	باطل سے بیزار	وَاللّٰهُ	اور اللہ
فِيْمَا	اس میں جو	مُّسْلِمًا (۳)	فرمان بردار	وَلِيُّ	کارساز ہیں
لَيْسَ لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھے وہ	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کے لئے

وفدِ نجران کو توحیدِ خالص کی دعوت دی تو انھوں نے جھگڑا کیا:

کہا: ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں، ہماری توحید خالص کیسے ہوسکتی ہے؟

جاننا چاہئے کہ ہر نبوت اصول (عقائد) اور فروع (مسائل) پر مشتمل ہوتی ہے، پھر بعد کی نبوت کبھی دونوں باتوں میں متفق ہوتی ہے، پس وہ ماتحت نبوت کہلاتی ہے، جیسے انبیائے بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اصول وفروع میں متفق تھے، اور کبھی بعد کی نبوت اصول میں تو متفق ہوتی ہے، کیونکہ تمام انبیاء کے اصول ایک ہیں، اور اکثر فروع میں بھی اتفاق ہوتا ہے، البتہ بعض مسائل میں اختلاف ہوتا ہے، کیونکہ زمانہ بدلنے سے احکام بدلتے ہیں، یہی ہر نبی کی شریعت

(۱) هٰأنتم: ها: حرفِ تنبیہ ہے، جو اسم اشارہ پر آتا ہے، أنتم: مبتدا ہے، اور هؤلاء: منادی ہے، اور یا: حرفِ ندا محذوف ہے، چونکہ ضمیر کا فصل ہوگیا اس لئے اسم اشارہ پر ها دوبارہ آئی اور جملہ حاججتم خبر ہے (۲) حَنَفَ: مائل ہونا، حنیف: صیغۂ صفت: باطل سے رخ پھیر کر حق کی طرف مائل ہونے والا، اس کا تعلق توحید سے ہے۔ (۳) مسلما: لغوی معنی میں ہے: حکم ماننے والا، اس کا تعلق فروع شریعت سے ہے۔

کہلاتی ہے، پس موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے، اور عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے، اور نبی ﷺ کی شریعت ماقبل انبیاء کی شریعتوں سے قدرے مختلف ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ عیسائی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کو اور ان معجزات کو جانتے تھے جن کا ذکر پہلے آیا، مگر انھوں نے دونوں باتوں سے عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت اور الوہیت پر استدلال کیا یہ ان کی کٹ حجتی تھی، اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں اور ہماری توحید خالص ہے: یہ بھی کٹ حجتی ہے، اور ایسی بات میں بحث ہے جس کا انہیں کچھ علم نہیں، ابراہیم علیہ السلام تو حنیف (خالص موحد) اور مسلم (اللہ کے تمام احکام پر عمل پیرا) تھے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: یہود و نصاری کا یہ دعوی کہ ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں: کیسے صحیح ہوسکتا ہے، یہودیت تو تورات سے چلی ہے، اور عیسائیت انجیل سے، اور یہ دونوں کتابیں ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہیں، پس کیا یہ بے عقلی کا دعوی نہیں؟ عیسائی اپنے نبی کی بعض باتیں جانتے تھے، ان سے انھوں نے غلط استدلال کرلیا، عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت اور الوہیت ثابت کی، خیر! اب انھوں نے یہ کیا بات کہی کہ ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں؟ تمہیں کیا معلوم کہ ان کے اصول وفروع کیا تھے، اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، تم نہیں جانتے، سنو! ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی، وہ حنیف و مسلم تھے، اور تم شرک کے دلدادہ ہو، اللہ کا بیٹا مانتے ہو، اور احکام تو تم نے سب بالائے طاق رکھ دیئے ہیں، تین چیزیں حرام تھیں ان کو بھی کفارے کے عقیدے نے گاؤخورد کردیا۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ مشرکین بھی دعوی کرتے ہیں کہ وہ ملتِ ابراہیمی پر ہیں، پس کیا ابراہیم بت پرست تھے، وہ تو بت شکن تھے۔ وہ شرک سے بیزار اور فرماں بردار تھے۔

ہاں ابراہیم علیہ السلام سے اقرب وہ مسلمان تھے جو ان کے زمانہ میں ان پر ایمان لائے تھے، اور اب یہ پیغمبر (ﷺ) اور ان پر ایمان لانے والے اقرب ہیں، اور اللہ مؤمنین کے کارساز ہیں، پس دیکھتے رہو اللہ کی کارسازی کس کے ساتھ ہے؟ عیسائیوں کے ساتھ یا مسلمانوں کے ساتھ؟

آیاتِ پاک: اے آسمانی کتاب والو! کیوں فضول بحث کرتے ہو ابراہیم کے معاملہ میں؟ حال آنکہ تورات وانجیل تو ان کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں! پس کیا تم یہ (بدیہی بات) سمجھتے نہیں! ارے! اے لوگو! تم نے جھگڑا کیا اس معاملہ میں جس کا تم کو کچھ علم ہے —— یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے اور ان کے خوارق کے ذریعہ —— پس تم کیوں بحث کرتے ہو اس معاملہ میں جس کا تمہیں کچھ علم نہیں؟ —— کہ کون ابراہیم کی ملت پر ہے؟ —— اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے —— سنو! اللہ تعالیٰ بتلاتے ہیں: —— ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ عیسائی، بلکہ باطل (شرک) سے بیزار اور احکامِ الٰہی کے فرماں بردار تھے، اور وہ مشرکوں میں سے بھی نہیں تھے۔

بے شک لوگوں میں ابراہیم سے قریب تر وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی ـــــ یعنی ان کے زمانہ میں ان پر ایمان لائے ـــــ اور یہ پیغمبر ـــــ محمد ﷺ ـــــ اور جو لوگ ایمان لائے ـــــ اس آخری نبی پر ـــــ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے کارساز ہیں! ـــــ پس انجام کار دیکھتے رہو، کس کا آوازہ بلند ہوتا ہے؟

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۞ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۞ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞

وَدَّتْ	آرزو کی	وَمَا يَشْعُرُوْنَ	اور نہیں سمجھتے وہ	لِمَ تَلْبِسُوْنَ	کیوں مشتبہ کرتے ہو تم
طَّآئِفَةٌ	ایک جماعت	يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے اہل کتاب!	الْحَقَّ	سچی بات
مِّنْ اَهْلِ	آسمانی کتاب	لِمَ تَكْفُرُوْنَ	کیوں انکار کرتے ہو تم	بِالْبَاطِلِ	غلط بات کے ساتھ
الْكِتٰبِ	والوں سے	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں کا	وَتَكْتُمُوْنَ	اور چھپاتے ہو تم
لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ	کاش گمراہ کرتے وہ تم کو	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	الْحَقَّ	سچی بات کو
وَمَا يُضِلُّوْنَ	اور نہیں گمراہ کرتے وہ	تَشْهَدُوْنَ	گواہی دیتے ہو	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم
اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ	مگر اپنی ذاتوں کو	يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے اہل کتاب!	تَعْلَمُوْنَ	جانتے ہو

نجران والوں کے مناظرہ کا مقصد مسلمانوں کو گمراہ کرنا ہے

مناظرہ: باب مفاعلہ کا مصدر ہے، اس کے اصل معنی ہیں: کسی پیچیدہ مسئلہ میں باہم غور وفکر کرنا، اور حق بات کو دریافت کرنا، پھر مناظرہ بمعنی مکابرہ (کٹ حجتی) استعمال کیا جانے لگا، یعنی اپنی بات کی پچ کرنا، اور مخالفین کے آدمی توڑنا۔ اس کا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ ہر فریق اپنی بات میں پختہ ہو جاتا ہے۔

وفد نجران کا مناظرہ (بحث مباحثہ) اسی نوعیت کا تھا، وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے، عیسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے مسلمانوں کو ان کے عقیدے سے ہٹانا چاہتے تھے، مسلمان تو کیا ہٹتے! وہ خود اپنے گمراہ عقیدے میں پختہ ہو گئے، اور ان کو احساس بھی نہ ہوا، یہ ان کی کٹ حجتی کا نتیجہ تھا۔

﴿ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: اہل کتاب کی ایک جماعت نے آرزو کی کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کرتے، اور وہ خود کو ہی گمراہ کررہے ہیں، اور وہ سمجھتے نہیں! ـــــ کہ ہم ہی گمراہی میں پیر پسار رہے ہیں!

نجرانیوں کو فہمائش کہ اپنی کتابوں کی بشارتوں کو عملی جامہ پہناؤ

مناظرہ میں آدمی فریق مقابل کے صحیح دلائل کا بھی انکار کرتا ہے، تورات وانجیل میں نبی ﷺ، قرآنِ کریم اور اسلام کے تعلق سے بشارتیں تھیں، یہود ونصاریٰ اپنی خلوتوں میں ان کا اقرار بھی کرتے تھے، مگر ان کو عملی جامہ نہیں پہناتے تھے، ایمان لانے کے لئے تیار نہیں تھے، ان کو فہمائش کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی صداقت اور قرآن کی حقانیت کا اقرار کیوں نہیں کرتے؟ کیا چیز مانع ہے؟ ان بشارتوں پر عمل نہ کرنا اپنی کتابوں کا انکار ہے۔

﴿ يَآَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۝ ﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں (بشارتوں) کا کیوں انکار کرتے ہو درانحالیکہ تم گواہی دیتے ہو ـــــ کہ وہ بشارتیں منجانب اللہ ایمان لانے کے لئے ہیں۔

نجرانیوں کو فہمائش کہ بشارتوں کی نہ غلط تاویل کرو نہ چھپاؤ

مناظرہ میں یہ بھی ہوتا ہے کہ مقابل کے صحیح دلائل کی غلط تاویل کرکے دل کو مطمئن کرلیا جاتا ہے، تورات وانجیل میں نبی ﷺ، قرآن اور اسلام کے تعلق سے جو خبریں تھیں: اہل کتاب ان کی غلط تاویلیں کرتے تھے، فرماتے ہیں: ایسا مت کرو، غلط تاویلیں کرکے حق کو باطل کے ساتھ مت رلاؤ، اور جانتے بوجھتے سچی باتوں کو چھپاؤ بھی مت، تاکہ کم از کم دوسروں کو تو راہ ہدایت ملے!

﴿ يَآَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ ﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں رلاتے ہو، اور سچی بات کو چھپاتے ہو، درانحالیکہ تم جانتے ہو ـــــ کہ یہ تاویل باطل ہے، اور چھپانا بھی جائز نہیں۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ

رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ ۚۙ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

وَقَالَتْ	اور کہا	وَلَا تُؤْمِنُوْٓا	اور نہ مانو	اِنَّ الْفَضْلَ	بے شک فضل
طَّآئِفَةٌ	ایک جماعت نے	اِلَّا لِمَنْ	مگر اس کی جو	بِيَدِ اللّٰهِ	اللہ کے ہاتھ میں ہے
مِّنْ اَهْلِ	اہل کتاب سے	تَبِعَ	پیروی کرے	يُؤْتِيْهِ	دیتے ہیں وہ اس کو
الْكِتٰبِ		دِيْنَكُمْ	تمہارے دین کی	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
اٰمِنُوْا	ایمان لاؤ	قُلْ	کہو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
بِالَّذِيْٓ	اس پر جو	اِنَّ الْهُدٰى	بے شک ہدایت	وَاسِعٌ	گنجائش والے
اُنْزِلَ	اتارا گیا	هُدَى اللّٰهِ	اللہ کی ہدایت ہے	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے ہیں
عَلَى الَّذِيْنَ	ان پر جو	اَنْ يُّؤْتٰٓى (۱)	کہ دیا گیا	يَخْتَصُّ	خاص کرتے ہیں
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اَحَدٌ	کوئی	بِرَحْمَتِهٖ	اپنی مہربانی کے ساتھ
وَجْهَ النَّهَارِ	دن کے شروع میں	مِّثْلَ مَآ	مانند اس کے جو	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
وَاكْفُرُوْٓا	اور انکار کردو	اُوْتِيْتُمْ	دیئے گئے تم	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اٰخِرَهٗ	دن کے آخر میں	اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ (۲)	یا جھگڑیں وہ تم سے	ذُو الْفَضْلِ	فضل والے ہیں
لَعَلَّهُمْ	تا کہ وہ	عِنْدَ رَبِّكُمْ	تمہارے رب کے پاس	الْعَظِيْمِ	بڑا
يَرْجِعُوْنَ	لوٹ جائیں	قُلْ	کہو	۞	۞

وفدِ نجران کی طرح مدینہ کے یہود نے بھی مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہا

نجران والوں کے بحث ومباحثہ کا، انجیل کی بشارتوں کے انکار کا، ان کی غلط تاویلیں کرنے کا اور بشارتوں کو چھپانے کا مقصد مسلمانوں کو گمراہ کرنا، ان کو مرتد بنانا، اور مشرکوں کو ایمان سے روکنا تھا۔ اب اس کی نظیر پیش کرتے ہیں، یہود بھی ایسی

(۱) أن سے پہلے لام اجلیہ محذوف ہے، اور اس کا تعلق لاتؤمنوا سے ہے اور قل إن الهدى هدى الله جملہ معترضہ ہے (۲) حاجَّ مُحَاجَّةً: جھگڑا کرنا، دلیل میں غالب آنا، یہ مضمون سورۃ البقرۃ (آیت ۷۶) میں بھی ہے۔ اور یحاجوکم سے پہلے لأن مقدر ہے۔ اور أو: احدالامرین کے لئے ہے، دونوں باتیں جمع نہیں ہونگی۔

ہی چال چل چکے ہیں، مدینہ میں جو یہود کے بڑے تھے انھوں نے باہم صلاح ومشورہ کرکے ایک اسکیم بنائی، ایک جماعت تیار کی، جوصبح میں ایمان لائے اور شام میں مرتد ہوجائے، چونکہ عرب یہود کا علمی تفوق مانتے تھے، اس لئے ضعیف الایمان مسلمانوں کے پیر اکھڑ جائیں گے اور وہ مرتد ہوجائیں گے، وہ سوچیں گے کہ دال میں کچھ کالا ہے، جبھی یہ فرزانے پیچھے ہٹ گئے!

اور جن لوگوں کو اس کام کے لئے تیار کیا تھا ان کو تاکید کی تھی کہ صرف مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لئے یہ کام کرنا ہے، حقیقۃً مسلمان نہیں ہونا، بات بہر حال اپنے بڑوں کی ماننی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہر چہ درکانِ نمک رفت نمک شد! نمک کی کان میں جو گرا وہ نمک بن گیا، ایسا نہ ہو جائے، یہودیت میں مضبوط رہنا، اپنے بڑوں کے علاوہ کسی کی بات مت ماننا!

اللہ تعالیٰ سلسلۂ کلام روک کر ارشاد فرماتے ہیں: یہ کیسا اندھا گروہی تعصب ہے! ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے، وہ جس پیغمبر کے ذریعہ آئے اس کو قبول کرنا چاہئے، خواہ اسرائیلی پیغمبر کے ذریعہ آئے یا اسماعیلی۔

اس کے بعد سلسلۂ کلام پیچھے لوٹا ہے کہ یہود کے اکابر نے آلۂ کار لوگوں کو یہ پٹی کیوں پڑھائی؟ اس کی دو وجہیں ہیں: ایک دنیا کے تعلق سے دوسری آخرت کے تعلق سے:

دنیا کے تعلق سے اس کی وجہ حسد (جلن) ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد یہ شرف واعزاز بنی اسحاق ویعقوب میں رہا، اب یہ تمغہ بنی اسماعیل کو کیوں مل گیا؟ یہ حسد ہی ایسی رذیل حرکت پر ابھار رہا ہے، اور یہ مقصد اس صورت میں ہوگا جب محض بناوٹ ہو۔

اور آخرت کے اعتبار سے جبکہ وہ واقعی مسلمان ہوجائیں یہ مقصد ہے کہ کل قیامت کے دن اللہ کی کورٹ میں مسلمان تم پر غالب نہ آجائیں، اگر تم واقعۃً مسلمان ہوگئے تو وہ تم کو اسلام کی حقانیت کی دلیل میں پیش کریں گے، وہ کہیں گے: یہود اسلام کی حقانیت جانتے تھے، دیکھو! ان کے یہ چند حضرات مسلمان ہوگئے تھے، پس تم مقدمہ ہار جاؤ گے، اور وہ تم پر غالب آجائیں گے، اس لئے صرف ظاہر داری کرنی ہے، حقیقۃً مسلمان نہیں ہونا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبوت پر کسی قوم کی اجارہ داری نہیں، یہ فضل اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جسے چاہیں دیں، اور ایسا نہیں کہ کوٹہ کم پڑ گیا، اللہ تعالیٰ بڑی گنجائش والے ہیں، البتہ وہ خوب جانتے ہیں کہ رحمت کا مستحق کون ہے؟ اسی کو عنایت فرماتے ہیں، ورنہ اللہ کا فضل وکرم بے نہایت ہے!

ترجمہ: اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا: اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو اتارا گیا ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے ہیں، دن کے شروع حصہ میں، اور انکار کردو دن کے آخر میں، شاید وہ مرتد ہوجائیں، اور بات نہ مانو مگر اس کی جو تمہارے

دین کی پیروی کرے ___ کہو: بے شک ہدایت (راہ نمائی) اللہ کی ہدایت ہے ___ بایں وجہ کہ کوئی دوسرا دیا گیا اس کے مانند جو تم دیئے گئے ___ یعنی بنی اسماعیل کو نبوت کیوں مل گئی؟ اس جلن میں حقیقۃً ایمان نہیں لانا ___ یا (اس لئے کہ) وہ لوگ دلیل میں غالب آجائیں گے تمہارے پروردگار کے پاس!

کہو! بے شک فضل (مہربانی) اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ دیتے ہیں اس کو جسے چاہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ گنجائش والے سب کچھ جاننے والے ہیں، اپنی مہربانی کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں خاص کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں!

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَاۗىِٕمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۷۵

وَمِنْ اَهْلِ	اور بعضے اہل کتاب	تَاْمَنْهُ	امانت رکھے تو اس کے پاس	قَالُوْا	کہا
الْكِتٰبِ		بِدِيْنَارٍ	ایک اشرفی	لَيْسَ عَلَيْنَا	نہیں ہے ہم پر
مَنْ اِنْ	وہ ہیں کہ اگر	لَّا يُؤَدِّهٖٓ	نہیں سپرد کرے گا وہ اس کو	فِي الْاُمِّيّٖنَ	ان پڑھوں میں
تَاْمَنْهُ	امانت رکھے تو اس کے پاس	اِلَيْكَ	تیری طرف	سَبِيْلٌ	کوئی راہ (گناہ)
بِقِنْطَارٍ	ڈھیر سارا مال	اِلَّا مَا دُمْتَ	مگر جب تک رہے تو	وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ
يُّؤَدِّهٖٓ	سپرد کرے گا وہ اس کو	عَلَيْهِ	اس پر	عَلَي اللّٰهِ	اللہ پر
اِلَيْكَ	تیری طرف	قَاۗىِٕمًا	کھڑا	الْكَذِبَ	جھوٹ
وَمِنْهُمْ	اور بعضے ان میں	ذٰلِكَ	یہ بات	وَھُمْ	درانحالیکہ وہ
مَّنْ اِنْ	وہ ہیں کہ اگر	بِاَنَّھُمْ	بایں وجہ ہے کہ انھوں نے	يَعْلَمُوْنَ	جانتے ہیں

اہل کتاب میں امانت دار بھی ہیں اور بے ایمان بھی!

گذشتہ آیت میں جن یہود کا ذکر آیا ہے وہ برے لوگ تھے، اب بیان فرماتے ہیں کہ اہل کتاب میں بھلے لوگ بھی ہیں، اعلیٰ درجہ کے دیانت دار اور امانت دار بھی ہیں، اگر ان کے پاس سونے کا ڈھیر امانت رکھا جائے تو رتّی بھر خیانت نہیں کریں گے، یہی لوگ ایمان لاتے ہیں، البتہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو چار پیسے پر نیت خراب کر لیتے ہیں، ان کے سر

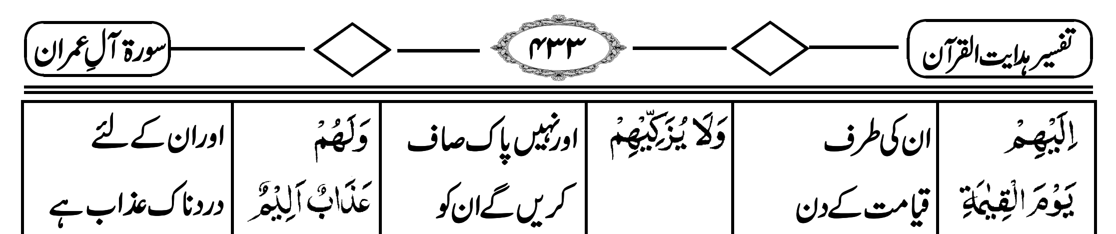
پر مسلط رہا جائے تو امانت دار بنتے ہیں، ورنہ مکر جائیں گے، یہی بد اطوار لوگ مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں۔ اور ناحق پرایا مال کھانے کے لئے انھوں نے یہ مسئلہ گھڑ رکھا ہے کہ عرب کے امیوں کا مال جس طرح ملے رَوا ہے، غیر مذہب والوں کی امانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں! یہ جان بوجھ کر جھوٹا مسئلہ اللہ کے نام لگایا ہے، کسی کی بھی امانت میں خیانت کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ہرگز اجازت نہیں دی۔

آیتِ پاک: اور بعض اہل کتاب ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس ڈھیر سارا مال امانت رکھیں تو وہ تمھیں واپس کردیں گے، اور بعض ان میں ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس ایک اشرفی امانت رکھیں تو وہ اس کو آپ کی طرف نہیں لوٹائیں گے، مگر یہ کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو۔ یہ بات بایں وجہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: ''امیوں کے مال میں ہم پر کوئی گناہ نہیں''، اور وہ جانتے بوجھتے اللہ کے نام جھوٹ لگاتے ہیں!

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

بَلٰى	کیوں نہیں	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	لَا خَلَاقَ (۴)	نہیں کوئی حصہ
مَنْ اَوْفٰى	جس نے پورا کیا	يَشْتَرُوْنَ	خریدتے ہیں	لَهُمْ	ان کے لئے
بِعَهْدِهٖ (۱)	اپنا قول وقرار	بِعَهْدِ اللّٰهِ (۳)	اللہ کے قول وقرار کے بدل	فِى الْاٰخِرَةِ	آخرت میں
وَاتَّقٰى (۲)	اور ڈرا (بچا)	وَ اَيْمَانِهِمْ	اور اپنی قسموں کے بدل	وَلَا	اور نہیں
فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بے شک اللہ	ثَمَنًا	پونجی	يُكَلِّمُهُمُ	بات کریں گے ان سے
يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں	قَلِيْلًا	تھوڑی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
الْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کو	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	وَلَا يَنْظُرُ	اور نہیں دیکھیں گے وہ

(۱) عهده: اپنا قول وقرار یعنی لوگوں کے ساتھ کیا ہوا وعدہ، اضافت فاعل کی طرف ہے، اور عهد الله: اللہ کے ساتھ کیا ہوا قول وقرار، اضافت مفعول کی طرف ہے، تمام انسانوں نے عہد الست میں اللہ کے ساتھ بندگی کا عہد کیا ہے (۲) تقوی کے اصطلاحی معنی: اللہ سے ڈرنا بھی ہیں اور لغوی معنی: نقضِ عہد سے بچنا بھی ہیں (۳) بعهد الله: میں باءِ متروک پر داخل ہوئی ہے، جس کو چھوڑا ہے اور قلیل ثمن لیا ہے، پس ثمن قلیل: ماخوذ ہے (۴) خلاق (خیر وبھلائی کا) حصہ، نصیب، کہا جاتا ہے: فلان لا خلاق له: اس کو بھلائی سے کوئی دلچسپی نہیں۔



اِلَیۡهِمۡ	ان کی طرف	وَلَا یُزَكِّیۡهِمۡ	اور نہیں پاک صاف کریں گے ان کو	وَلَهُمۡ	اور ان کے لئے
یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ	قیامت کے دن			عَذَابٌ اَلِیۡمٌ	دردناک عذاب ہے

ہر کسی سے کیا ہوا قول وقرار پورا کرنا ضروری ہے

گذشتہ آیت میں فرمایا ہے کہ بعض اہل کتاب بددیانت ہوتے ہیں، خاص طور پر غیر مذہب والوں کی امانت سے مکر جاتے ہیں، اور کہتے ہیں: اس میں کوئی گناہ نہیں! اللہ پاک فرماتے ہیں: کیوں نہیں! خیانت اور بدعہدی بہر حال گناہ ہے، قانونِ خداوندی یہ ہے کہ جو کوئی اپنے قول وقرار کا وفا نہیں کرے گا، نقضِ عہد کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے۔

پہلی آیت میں لوگوں سے کئے ہوئے قول وقرار کا ذکر ہے، اور دوسری آیت میں اللہ سے کئے ہوئے قول وقرار کی خلاف ورزی کی ممانعت ہے۔

﴿ بَلٰى مَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُتَّقِیۡنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کیوں نہیں! ــــ یعنی امانت میں خیانت گناہ کیوں نہیں؟ خواہ غیر مذہب والوں کی امانت ہو ــــ جس نے اپنا قول وقرار پورا کیا اور نقضِ عہد سے بچا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتے ہیں۔

عدالت میں جھوٹی قسم کھانے کا وبال

جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے، اور عدالت میں جھوٹی قسم کھانا وبال ڈھاتا ہے، عدالت میں جب مقدمہ چلتا ہے تو قاضی مدعی سے گواہ طلب کرتا ہے، وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہے، اور اس پر فیصلہ کیا جاتا ہے، اس قسم کو یمینُ صَبْرٍ: روکی ہوئی قسم کہتے ہیں، یہ قسم اگر مدعی علیہ جانتے ہوئے جھوٹی کھائے تو وہ دنیا میں بھی تباہی لاتی ہے، اور آخرت میں بھی عذاب الیم کا حقدار بناتی ہے۔

آیت کا شانِ نزول: حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کا جو حضر موت کے باشندے تھے: ایک یہودی سے زمین کا جھگڑا ہوا، وہ زمین اشعث کے دادا سے اس یہودی کے دادا نے غصب کی تھی، اشعث اس کا مقدمہ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، آپؐ نے اشعث سے گواہ طلب کئے، کیونکہ وہ مدعی تھے، وہ گواہ پیش نہ کر سکے، کیونکہ اس معاملہ کا دیکھنے والا کوئی شخص زندہ نہیں تھا، پس آپؐ نے یہودی کو قسم کھلانی چاہی، حضرت اشعثؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ یہودی ہے، جھوٹی قسم کھا کر میرا مال ہڑپ کر جائے گا، اس پر آیت نازل ہوئی۔

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَشۡتَرُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَاَیۡمَانِهِمۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنۡظُرُ اِلَیۡهِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیۡهِمۡ ۠ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: جو لوگ حقیر معاوضہ لیتے ہیں اس عہد و پیمان کے بدلے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے اور اپنی قسموں کے عوض میں: ان لوگوں کے لئے آخرت میں (رحمت میں) کچھ حصہ نہیں، نہ اللہ تعالیٰ ان سے (خوشی سے) کلام فرمائیں گے، اور نہ ان کی طرف قیامت کے دن (مہربانی سے) دیکھیں گے، اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک صاف کریں گے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ملحوظہ: ایسی آیت پہلے سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۴) میں گذری ہے، وہاں جو تفسیر ہے وہی یہاں بھی ہے۔

وَاِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الۡكِتٰبِ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۝ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّؤۡتِيَهُ اللّٰهُ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوۡلَ لِلنَّاسِ كُوۡنُوۡا عِبَادًا لِّىۡ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰـكِنۡ كُوۡنُوۡا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنۡتُمۡ تُعَلِّمُوۡنَ الۡكِتٰبَ وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَدۡرُسُوۡنَ ۝ وَلَا يَاۡمُرَكُمۡ اَنۡ تَتَّخِذُوا الۡمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرۡبَابًا ؕ اَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡكُفۡرِ بَعۡدَ اِذۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝

وَاِنَّ مِنۡهُمۡ	اور بے شک ان میں سے	مِنَ الۡكِتٰبِ	اللہ کی کتاب سے	الۡكَذِبَ	جھوٹ
لَفَرِيۡقًا	یقیناً ایک جماعت ہے	وَيَقُوۡلُوۡنَ	اور کہتے ہیں وہ	وَهُمۡ	درانحالیکہ وہ
يَّلۡوٗنَ(۱)	(جو) موڑتی ہے	هُوَ	(کہ) وہ (پڑھا ہوا)	يَعۡلَمُوۡنَ	جانتے ہیں
اَلۡسِنَتَهُمۡ	اپنی زبانیں	مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس سے ہے	مَا كَانَ	نہیں (جائز) تھا
بِالۡكِتٰبِ	اللہ کی کتاب کے ساتھ	وَمَا هُوَ	حالانکہ وہ نہیں ہے	لِبَشَرٍ	کسی انسان کے لئے
لِتَحۡسَبُوۡهُ	تاکہ گمان کرو تم اس کو	مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس سے	اَنۡ يُّؤۡتِيَهُ	کہ دیں اس کو
مِنَ الۡكِتٰبِ	اللہ کی کتاب سے	وَيَقُوۡلُوۡنَ	اور کہتے ہیں وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَمَا هُوَ	درانحالیکہ نہیں ہے وہ	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	الۡكِتٰبَ	آسمانی

(۱) يَلْوٗنَ: مضارع، جمع مذکر غائب، لَوَى يَلْوِى (ض) لَيًّا: موڑنا، مروڑنا، پھیرنا، گھمانا، لَوىٰ لسانَہ اور لَوىٰ بلسانہ: زبان پھیرلی، زبان گھمادی، یعنی جھوٹ کہا، خود اپنی طرف سے بات گھڑ دی (راغب)

وَ الْحُكْمَ (۱)	اور فہم وفراست	رَبّٰنِيّٖنَ (۲)	اللہ والے	الْمَلٰٓئِكَةَ	فرشتوں کو
وَ النُّبُوَّةَ	اور نبوت	بِمَا كُنْتُمْ (۳)	اس وجہ سے کہ تھے تم	وَالنَّبِيّٖنَ	اور نبیوں کو
ثُمَّ يَقُوْلَ	پھر کہے وہ	تُعَلِّمُوْنَ	سکھلاتے (لوگوں کو)	اَرْبَابًا	خدا (خود مختار)
لِلنَّاسِ	لوگوں سے	الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب	اَيَاْمُرُكُمْ	کیا حکم دے گا تم کو
كُوْنُوْا	ہو جاؤ تم	وَبِمَا كُنْتُمْ	اور اس وجہ سے کہ تھے تم	بِالْكُفْرِ	اللہ کے انکار کا
عِبَادًا لِّيْ	میرے بندے	تَدْرُسُوْنَ (۴)	پڑھتے	بَعْدَ اِذْ	بعد اس کے کہ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کو چھوڑ کر	وَلَا يَاْمُرَكُمْ	اور نہیں حکم دے گا وہ تم کو	اَنْتُمْ	تم
وَلٰكِنْ كُوْنُوْا	بلکہ ہو وتم	اَنْ تَتَّخِذُوا	کہ بناؤ تم	مُّسْلِمُوْنَ	اللہ کو ماننے والے ہو

عیسائیوں (وفد نجران) نے عہد الست میں اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے دو اقرار توڑے!

گذشتہ آیت میں دو باتوں پر سخت وعید آئی ہے۔ ایک: اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو دنیوی مفاد کے لئے توڑنا۔ دوم: کورٹ میں جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال ہڑپ کر لینا، دوسری بات کی وضاحت شانِ نزول کی روایت کی روشنی میں اوپر آ گئی، اب پہلی بات لیتے ہیں۔ وفد نجران نے (عیسائیوں نے) عہد الست میں اللہ پاک سے کئے ہوئے دو اقرار توڑے، یہ سنگین گناہ ہے:

ایک: تمام انسانوں نے بلا واسطہ اللہ ہی کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے، اب عیسائی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی رب مانتے ہیں، وہ تثلیث کے قائل ہیں، اس نقضِ عہد کا ذکر زیرِ تفسیر آیات میں ہے:

دوم: تمام امتوں نے اپنے انبیاء کے واسطہ سے خاتم النّبیین ﷺ پر ایمان لانے کا اور ان کی مدد کرنے کا اقرار کیا ہے، اب وفد نجران ایمان لانے کے لئے تیار نہیں، اس نقضِ عہد کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

عیسائیوں کی تثلیث: عیسائی تثلیث (تین خداؤں) کے قائل ہیں، ایک: بڑا اور اصل خدا مانتے ہیں، اس کو باپ کہتے ہیں، دوسرا: دوسرے نمبر کا خدا مانتے ہے، اس کو بیٹا کہتے ہیں، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تیسرا: تیسرے نمبر کا خدا مانتے ہیں، اس کو روح القدس (پاکیزہ روح) کہتے ہیں، اور معلوم نہیں اس سے کیا مراد لیتے ہیں؟ کوئی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو مراد لیتا ہے، کوئی حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اور کوئی عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو، پھر وہ تین کو ایک بناتے ہیں، اور

(۱) الحکم اور الحکمة ایک ہیں: فہم، دانشمندی کی باتیں، انبیاء کی حدیثیں۔ (۲) رَبَّانی: اللہ والا، الف نون زائد تان اور یاء نسبت کی (۳) بما: ما مصدریہ (۴) دَرَسَ (ن) دَرْسًا الکتابَ: غور سے پڑھنا، مطالعہ کرنا۔ مراد دوسری دینی کتابیں ہیں۔

اپنی تثلیث انجیل سے ثابت کرتے ہیں، یا تو انجیل میں تحریف کرکے، یا کچھ کا کچھ پڑھ کرکے یا غلط تاویل کرکے، بہرحال یہ نقضِ عہد ہے، انھوں نے عہد الست میں جو صرف اللہ ہی کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے: اس کی خلاف ورزی ہے، جس کی ان کو سخت سزا ملے گی، کیونکہ یہ شرک ہے، اور شرک کی معافی نہیں، لندن میں میری یورپ کے سربراہ ایک یہودی عالم سے ملاقات ہوئی، میں نے اس کو میری مسجد (مسجدِ قبا) میں آنے کی دعوت دی، اس نے کہا: ہم مسجد میں آسکتے ہیں، چرچ میں نہیں جاسکتے! میں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: وہاں شرک ہوتا ہے، اور ہم ایسی جگہ نہیں جاتے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: کچھ اہل کتاب (عیسائی) اپنی آسمانی کتاب (انجیل) میں کچھ چیزیں اپنی طرف سے بڑھا کر ایسے لہجہ میں پڑھتے ہیں کہ ناواقف سننے والا دھوکہ کھا جائے، بلکہ جھوٹا دعوی بھی کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ کے پاس سے آیا ہے، حالانکہ وہ مضمون اللہ کے پاس سے نہیں آیا، خود ساختہ ہے، اور یہ سب کچھ جان بوجھ کر کرتے ہیں، اس طرح وہ اپنی تثلیث اور عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت اور الوہیت ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ کوئی بھی انسان جس کو اللہ نے اپنی کتاب، عقل وفہم اور نبوت سے سرفراز کیا ہو لوگوں کو یہ تعلیم دے ہی نہیں سکتا کہ اللہ کو چھوڑو، مجھے معبود بناؤ، اور میرے بندے بنو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک انسان تھے، وہ لوگوں کو یہ تعلیم کیسے دے سکتے ہیں؟ وہ تو لوگوں کو اللہ سے جوڑیں گے، کہیں گے: اللہ والے بنو، اللہ نے تمھیں اپنی کتاب دی ہے، جس کو تم لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہو اور دیگر مذہبی کتابیں بھی پڑھتے ہو، ان میں یہی تعلیم ہے کہ اللہ والے بنو، اسی کی بندگی کرو، کسی دوسرے کو اس کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ۔

وہ کبھی یہ تعلیم نہیں دے سکتے کہ فرشتوں (جبرئیل علیہ السلام) کو اور نبیوں کو یعنی خود ان کو خدا (خود مختار) بناؤ، جب تم نے اسلام قبول کرلیا تو اب وہ تمھیں کافر کیسے بنائیں گے؟ بادشاہ: سفارت اسی کو سونپتا ہے جو حکومت کا وفادار ہو، اور لوگوں کو وفاداری کی تعلیم دے۔ اگر وہ بغاوت کی تعلیم دے تو اسے رسول نہیں بنایا جاتا۔

آیاتِ پاک: اور بے شک اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ہیں جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبانیں مروڑتے ہیں —— اور کچھ کا کچھ پڑھتے ہیں —— تاکہ تم اس (پڑھے ہوئے) کو اللہ کی کتاب کا حصہ سمجھو، حالانکہ وہ اللہ کی کتاب کا حصہ نہیں —— خود ساختہ کلام ہے —— اور وہ کہتے ہیں کہ وہ (بڑھایا ہوا) اللہ کے پاس سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں، اور وہ جانتے بوجھتے اللہ کے نام جھوٹ لگاتے ہیں۔

کسی انسان سے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو آسمانی کتاب، عقل وفہم اور نبوت عطا کریں —— مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں —— پھر وہ لوگوں سے کہے: اللہ کو رہنے دو، میرے بندے بن جاؤ —— مشرکین بڑے خدا کو مانتے ضرور ہیں، مگر

اس کی عبادت نہیں کرتے ـــــ بلکہ (وہ کہے گا:) اللہ والے بنو، کیونکہ تم اللہ کی کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور تم دیگر مذہبی کتابوں کا بھی مطالعہ کرتے ہو ـــــ جن میں اللہ ہی کی بندگی کا حکم ہے۔

وہ تمہیں کبھی یہ حکم نہیں دے گا کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب (معبود) بنالو، کیا وہ تمہیں اللہ کے انکار کا حکم دے گا تمہارے مسلمان ہونے کے بعد؟ ـــــ یہ ناممکن بات ہے، غیر اللہ کی بندگی کفر ہے، پس تثلیث سے باز آؤ، یہ نقضِ عہد ہے!

فائدہ: ﴿الْمَلٰٓئِكَةَ﴾ جمع لائے ہیں، حالانکہ مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں، اس لئے کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، پس آیت ان کو بھی شامل ہو جائے گی، اسی طرح ﴿النَّبِيّٖنَ﴾ کو بھی جمع لائے ہیں، اگرچہ مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں، کیونکہ یہود عزیر علیہ السلام کو بھی اللہ کا بیٹا کہتے تھے، پس آیت ان کو بھی شامل ہوگی۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۸۱

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	وَّحِكْمَةٍ (۲)	اور دانشمندی	وَلَتَنْصُرُنَّهٗ	اور البتہ ضرور مدد کریں
اَخَذَ اللّٰهُ	لیا اللہ نے	ثُمَّ جَآءَكُمْ	پھر آیا تمہارے پاس		گے تم اس کی
مِيْثَاقَ	وچن (قول و قرار)	رَسُوْلٌ (۳)	عظیم المرتبت رسول	قَالَ	پوچھا
النَّبِيّٖنَ	نبیوں سے	مُّصَدِّقٌ	سچا بتانے والا	ءَاَقْرَرْتُمْ	کیا تم نے اقرار کیا
لَمَآ (۱)	البتہ جو	لِّمَا مَعَكُمْ	اس کو جو تمہارے پاس ہے	وَاَخَذْتُمْ	اور لیا تم نے
اٰتَيْتُكُمْ	دی میں نے تم کو	لَتُؤْمِنُنَّ	البتہ ضرور ایمان لاؤ گے تم	عَلٰي ذٰلِكُمْ	اس بات پر
مِّنْ كِتٰبٍ	کوئی کتاب	بِهٖ	اس پر	اِصْرِيْ (۴)	میرا عہد

(۱) لَمَا: لامِ ابتداء ہے، اخذِ میثاق میں جو قسم کے معنی ہیں اس کی تاکید کرتا ہے، اور ما: موصولہ ہے (۲) حکمۃ: اور حکم: ہم معنی ہیں، اس کے معنی ہیں: دانشمندی کی باتیں، یعنی انبیاء کی حدیثیں، انبیائے کرام فہم و فراست کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں (۳) رسول: کی تنوین تعظیم کے لئے ہے، مراد خاتم النّبیین ﷺ ہیں قاله علي وابن عباس رضی الله عنهما (۴) اِصر کے لغوی معنی ہیں: بوجھ اور مجازی معنی ہیں: قول و قرار، عہد و پیمان، کیونکہ عہد کی ذمہ داری کا بھی انسان پر بوجھ پڑتا ہے۔

اور میں تمہارے ساتھ	وَاَنَا مَعَكُمْ	فرمایا	قَالَ	جواب دیا انھوں نے	قَالُوْٓا
گواہوں میں سے ہوں	مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ(۲)	پس گواہی دو	فَاشْهَدُوْا(۱)	اقرار کیا ہم نے	اَقْرَرْنَا

نبی ﷺ صرف نبی الامت نہیں، نبی الانبیاء والامم بھی ہیں

آیت کی تفسیر سے پہلے یہ جان لیں کہ نبی ﷺ کی شان صرف نبی الامت کی نہیں، نبی الانبیاء والامم کی بھی ہے۔ حدیث میں ہے: اگر آج موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کے لئے میری پیروی کے سوا چارہ نہ تھا، اور حدیث میں ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو قرآن وحدیث کی پیروی کریں گے، اور حدیث میں ہے کہ میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں، یعنی از آدم تا قیام قیامت سبھی لوگوں کی طرف آپؐ کی بعثت ہوئی ہے، اور حدیث میں ہے کہ میں نبی تھا اور آدم ہنوز روح وجسد کے درمیان تھے، اور آپؐ ہی قیامت کے دن تمام امتوں کے صلحاء کے لئے شفاعت کبری فرمائیں گے، اور آپؐ نے معراج سے واپسی میں بیت المقدس میں تمام انبیاء کی امامت فرمائی ہے، اور قیامت کے دن تمام انسان آپؐ ہی کے جھنڈے تلے جمع ہونگے، اور سورۃ الاحزاب (آیت ۴۰) میں ﴿ رَّسُوْلَ اللّٰهِ ﴾ کے بعد ﴿ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ﴾ کا وصف لایا گیا ہے، پہلے وصف کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے مؤمنین آپؐ کے روحانی بیٹے ہیں، کیونکہ ان کو ایمان آپؐ کی بدولت ملا ہے، اور دوسرے وصف کا یہ بھی مطلب ہے کہ گذشتہ امتوں کے مؤمنین آپؐ کے روحانی پوتے ہیں، کیونکہ گذشتہ انبیاء کو فیض نبوت آپؐ سے پہنچا ہے، آپؐ وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہیں، اور دوسرے انبیاء بالعرض، کیونکہ آپؐ خاتم النّبیین (نبیوں کی مہر) بھی ہیں، پس ان کی امتیں آپؐ کی بالواسطہ امتیں ہیں، پس ضروری ہوا کہ تمام امتوں سے ان کے انبیاء کے توسط سے عہد و پیمان لیا جائے کہ جب آپؐ کا ظہور ہو تو سب امتیں آپؐ پر ایمان لائیں، آپؐ کی پیروی کریں، اور آپؐ کی مدد کریں، کیونکہ آپؐ کی نبوت کا وجود اگرچہ سب سے پہلے ہوا ہے، مگر ظہور کسی مصلحت سے سب کے بعد ہوا ہے، جیسے نظام شمسی میں سورج سب سے پہلے منور ہوا ہے، باقی سیارے اس کے پرتو سے روشن ہوئے ہیں، پھر جب ستارے اپنی چمک دمک دکھالیتے ہیں تو آفتابِ نبوت طلوع ہوتا ہے، پھر کسی ستارے کی ضیاء پاشی باقی نہیں رہتی۔

(۱) اشْهَدُوا: فعل امر، صیغہ واحد مذکر حاضر، شهد (س) علی كذا شهادة: گواہی دینا، کسی بات کی یقینی خبر دینا، اور گواہی دو: یعنی اپنی امتوں کو ہدایت دو (۲) شہادت کے مفہوم میں دیکھنے کے معنی ہیں، جیسے ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾: جو ماہِ رمضان (کے چاند) کو دیکھے وہ اس کے روزے رکھے، اور اللہ کا گواہ ہونا یہ ہے کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ انبیاء نے امتوں کو ہدایت دی یا نہیں؟

وفد نجران نے دوسرا عہد و پیمان بھی توڑا، وہ نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے!

حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ ﴿ رَسُوْل ﴾ سے مراد نبی ﷺ ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد الست میں نبی ﷺ کے تعلق سے یہ عہد لیا ہے کہ اگر وہ ان کا زمانہ پائیں تو ان پر ایمان لائیں، اور ان کی تائید ونصرت کریں، اور اپنی امتوں کو بھی اس کی ہدایت کریں۔

آیتِ کریمہ: اور (یاد کرو) جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کوئی کتاب اور فہم وفراست دوں، پھر تمہارے پاس عظیم الشان رسول (محمد ﷺ) آئیں جو اس کتاب کی تصدیق کریں جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ان پر ایمان لاؤ گے، اور تم ضرور ان کی مدد کرو گے —— اللہ تعالیٰ نے (انبیاء سے) پوچھا: کیا تم نے اس بات کا اقرار کیا؟ اور اس معاملہ میں میرا عہد و پیمان قبول کیا؟ سب نے جواب دیا: ہم نے اقرار کیا! —— پس تم (اپنی امتوں کے سامنے) گواہی دو —— یعنی اپنی امتوں کو وصیت کرو کہ جب اس عظیم الشان رسول کا ظہور ہو تو سب ان پر ایمان لائیں اور ان کی تائید ونصرت کریں —— اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں —— یعنی دیکھ رہا ہوں کہ کس نے وصیت کی، کس نے نہیں کی؟ جواب: سب نے کی تھی، کیونکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں، وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

فَمَنْ تَوَلّٰى	پس جس نے روگردانی کی	الْفٰسِقُوْنَ	حد اطاعت سے نکلنے	يَبْغُوْنَ	چاہتے ہیں وہ
بَعْدَ ذٰلِكَ	بعد ازیں		والے ہیں	وَلَهٗٓ	حالانکہ اس کے لئے
فَاُولٰٓئِكَ	پس وہ لوگ	اَفَغَيْرَ	کیا پس علاوہ	اَسْلَمَ	سرافگندہ ہیں
هُمُ	ہی	دِيْنِ اللّٰهِ	اللہ کے دین کے	مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہیں

وَ الۡاَرۡضِ (۱)	اور زمین میں ہیں	وَاِسۡحٰقَ	اور اسحاق	وَنَحۡنُ لَهٗ	اور ہم اس کی
طَوۡعًا وَّكَرۡهًا	خوشی سے اور ناخوشی سے	وَيَعۡقُوۡبَ	اور یعقوب	مُسۡلِمُوۡنَ	اطاعت کرنے والے ہیں
وَّاِلَيۡهِ	اور اسی کی طرف	وَالۡاَسۡبَاطِ	اور ان کی اولاد پر	وَمَنۡ يَّبۡتَغِ	اور جو چاہے گا
يُرۡجَعُوۡنَ	لوٹائے جائیں گے وہ	وَمَاۤ اُوۡتِىَ	اور جو دیئے گئے	غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ	اسلام کے علاوہ
قُلۡ	کہو	مُوۡسٰى	موسیٰ	دِيۡنًا	دین
اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	وَعِيۡسٰى	اور عیسیٰ	فَلَنۡ	پس ہرگز
بِاللّٰهِ	اللہ پر	وَالنَّبِيُّوۡنَ	اور دیگر انبیاء	يُّقۡبَلَ	قبول نہیں کیا جائے گا
وَمَاۤ اُنۡزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا	مِنۡ رَّبِّهِمۡ	ان کے پروردگار کی	مِنۡهُ	اس سے
عَلَيۡنَا	ہم پر		طرف سے	وَهُوَ	اور وہ
وَمَاۤ اُنۡزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا	لَا نُفَرِّقُ	نہیں جدائی کرتے ہم	فِى الۡاٰخِرَةِ	آخرت میں
عَلٰۤى اِبۡرٰهِيۡمَ	ابراہیم پر	بَيۡنَ اَحَدٍ	کسی کے درمیان	مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ	گھاٹا پانے والوں میں
وَاِسۡمٰعِيۡلَ	اسماعیل	مِّنۡهُمۡ	ان میں سے		سے ہوگا

نجران کا وفد نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے گا تو وہ حکم عدولی ہوگی

جب زمانۂ الست میں اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں سے ان کے انبیاء کے توسط سے عہد لیا ہے کہ جب خاتم النّبیین ﷺ کا زمانہ آئے تو سب ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں، اللہ کا یہ حکم عمل کے لئے ہے، پس اگر نجران والے (عیسائی) ایمان نہیں لائیں گے تو یہ عہد شکنی اور حکم عدولی ہوگی اور وہ حد اطاعت سے باہر ہونگے اور ایسے بندوں کا انجام معلوم ہے۔

﴿ فَمَنۡ تَوَلّٰى بَعۡدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴾

ترجمہ: پھر جو اس عہد و پیمان کے بعد روگردانی کرے وہی لوگ نافرمان ہیں!

(۱) طَوۡعًا: خوشی سے، كَرۡهًا: ناخوشی سے، جو کام کسی کے دباؤ میں ناخوشی سے کیا جائے وہ كَرۡهًا (کاف کے زبر کے ساتھ) ہے اور جو ناگوار کام طبیعت کے تقاضے کے کیا جائے وہ كُرۡهًا (کاف کے پیش کے ساتھ) ہے، جیسے: ﴿حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا وَّوَضَعَتۡهُ كُرۡهًا﴾: اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت سے پیٹ میں رکھا، اور اس کو بڑی مشقت سے جنا، حمل اور وضع حمل عورت کا طبعی تقاضا ہے، یہاں كَرۡهًا کے معنی ہیں: اسلامی حکومت کا باج گزار بننا پڑے گا۔

خوشی سے ایمان لاؤ، ورنہ اسلامی حکومت کا باج گذار بننا پڑے گا

اللہ کا دین وہ ہے جو آخری پیغمبر ﷺ پیش کر رہے ہیں، یہی دین از آدم تا ایں دم نازل ہوتا رہا ہے، اس کے علاوہ دیگر ادیان باطل اور بگڑے ہوئے ہیں، نجران والے اسلام کو قبول نہیں کر رہے، وہ دوسرے دین (عیسائیت) پر رہنا چاہتے ہیں، پس سنو! پوری کائنات اللہ کے احکام کی منقاد ہے، قوانینِ فطرت کے سامنے سرافگندہ ہے، کوئی خوشی سے کوئی ناخوشی سے، نجران والے بھی خوشی سے ایمان لائیں تو بہتر ہے، ورنہ ناگواری کے ساتھ ان کو اسلامی حکومت کی رعیت بننا پڑے گا، جزیہ ادا کرنا ہوگا، اس کے سوا چارہ نہیں ہوگا، پھر وہ جائیں گے کہاں؟ لوٹ کر آئیں گے تو اللہ کے پاس، اس وقت ان کے انکار کا بھگتان کر دیا جائے گا۔

﴿ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴾

ترجمہ: کیا پس وہ لوگ (نجران والے) اللہ کے دین (اسلام) کے علاوہ کسی اور دین (عیسائیت) کو چاہتے ہیں، حالانکہ اللہ کے سامنے خواہی نخواہی سرافگندہ ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں؟! اور اسی کی طرف وہ (نجران والے) لوٹائے جائیں گے۔

تعصب چھوڑو، دیکھو ہم اسرائیلی انبیاء کو بھی مانتے ہیں

یہود و نصاریٰ کے لئے نبی ﷺ پر ایمان لانے میں یہ چیز بھی مانع بن رہی تھی کہ آپؐ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں تھے، اور چچازاد بھائیوں میں چشمک ہوتی ہے، اب قرآنِ کریم مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ نجران والوں سے کہو: تعصب کا چشمہ اتارو، ہمیں دیکھو: ہم تمام اسرائیلی انبیاء کو بھی مانتے ہیں، پھر تم اسماعیلی پیغمبر کو کیوں نہیں مانتے؟ جس زمانہ میں جو بھی نبی مبعوث ہوئے، اور ان پر جو بھی کتاب نازل ہوئی: ہم بلا تفریق سب کو مانتے ہیں، یہی مسلمان کی شان ہے، بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا اسلام نہیں، تمام انبیاء ایک سرکار کے فرستادے ہیں، اور تمام کتابیں ایک سرچشمہ سے نکلی ہوئی ہیں، پھر ان میں تفریق کے کیا معنی؟ کسی بھی نبی اور کسی بھی آسمانی کتاب کا انکار کفر ہے، آخری نبی اور آخری کتاب کو مانے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا، اور نجات اسلام ہی سے ہوگی۔

﴿ قُلْ اٰمَنَّا بِاللهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾

ترجمہ: کہو: ہم ایمان لائے اللہ پر، اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا، اور اس پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتارا گیا، اور جو موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے انبیاء، ان کے پروردگار کی طرف سے دیئے گئے، ہم ان

میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے، اور ہم اللہ کے فرمان بردار ہیں ـــ یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سب انبیاء اور ان کی کتابوں پر ایمان لائیں، سب کو سچا جانیں، رہا عمل کا معاملہ تو جس پیغمبر کا پریڈ ہوگا، اسی کی تعلیمات پر عمل کیا جائے گا۔

نجات اسلام ہی سے ہوگی

نجران والے عیسائی جان لیں کہ یہودیت ونصرانیت یا کسی بھی دوسرے مذہب سے نجات نہیں ہوگی، نجات اسلام ہی سے ہوگی، اسلام ہی اللہ کا نازل کردہ دین ہے، یہی دین بار بار نازل کیا گیا ہے، جب انسانیت کے حالات بدلتے ہیں یا امتیں اسلام کو ضائع کردیتی ہیں یا اس میں تحریف وتبدیلی کردیتی ہیں تو نیا نبی مبعوث ہوتا ہے، اور اس پر اسلام دوبارہ نازل ہوتا ہے، اب آخری مرتبہ خاتم النّبیین ﷺ پر وہی اسلام نازل ہورہا ہے، جو اسلام کا کامل ومکمل ایڈیشن ہے، اب قیامت تک اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کریں گے، وہ تغیر وتبدل سے محفوظ رہے گا، اس لئے کہ اس کی اصل قرآنِ کریم محفوظ رہے گی، اور یہودیت وعیسائیت اسلام کی محرّف شکلیں ہیں، پس جو نجات کا متمنی ہے وہ اسلام کو اپنائے، اس کی حقانیت کے دلائل لوگوں کے سامنے آچکے ہیں، اور نجران والوں کے دل اس کی صداقت کی گواہی دے چکے ہیں، پھر دیر کس بات کی؟

اور اگر وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ ابھی دنیا میں ہمارا ہاتھ بالا ہے، تو وہ جان لیں کہ دنیا میں بھی حالات پلٹیں گے، ان کو باج گزار (رعیت) ہونا پڑے گا، اور آخرت میں تو پانسا پلٹے گا، اسلام کے علاوہ تمام مذاہب والے ناکام ہونگے، اور گھاٹے میں رہیں گے۔

فائدہ: یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ کہتے ہیں: تمام ادیان برحق ہیں، راستے الگ الگ ہیں اور منزل ایک ہے، ان کی یہ بات قطعاً درست نہیں، اللہ کے نزدیک: مقبول دین وہی ہے جو انھوں نے نازل کیا ہے، اب اسلام اور شریعتِ نبوی ہی سے نجات ہوگی، نبی ﷺ کی بعثت کے بعد اب کسی اور دین وشریعت سے انسانیت کی نجات وفلاح کا تعلق باقی نہیں رہا (ماخوذ از آسان تفسیر)

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾

ترجمہ: اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دین چاہے گا (اپنائے گا) تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا!

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۶

كَيْفَ(1)	کیسے	بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ	اپنے ایمان لانے کے بعد	الْبَيِّنٰتُ	واضح دلیلیں
يَهْدِي(2)	منزل تک پہنچائیں	وَشَهِدُوْٓا	اور گواہی دی انھوں نے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اَنَّ الرَّسُوْلَ	کہ یہ رسول	لَا يَهْدِي	منزل سے ہم کنار نہیں کرتے
قَوْمًا	ایسے لوگوں کو	حَقٌّ	برحق ہے	الْقَوْمَ	لوگوں کو
كَفَرُوْا	جنھوں نے انکار کیا	وَّجَآءَهُمُ	اور گئی ان کے پاس	الظّٰلِمِيْنَ	ناانصافی کرنے والے

گمراہی کے اسباب جب بہت ہوجاتے ہیں تو ایمان کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے

سورۃ البقرۃ (آیت ۷) میں ایک مضمون ہے: ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾: اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی، اب وہ ایمان نہیں لائیں گے، جب کوئی شخص گمراہی کے بہت سے اسباب اکٹھا کرلیتا ہے تو اس کی ایمان کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے، یہی اللہ کا دلوں پر مہر کرنا ہے، یہاں بھی یہی مضمون ہے، نجران والوں نے گمراہی کے تین اسباب جمع کرلئے، اس لئے اب وہ منزل مقصود (ایمان) تک نہیں پہنچ سکتے، اس میں پیشین گوئی بھی ہے کہ نجران والے ایمان نہیں لائیں گے، چنانچہ وہ جزیہ پر صلح کرکے لوٹ گئے۔

وفد نجران کی گمراہی کے تین اسباب:

۱- وہ اہل کتاب تھے، نبوت اور آسمانی کتاب سے واقف تھے، عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل پر ان کا ایمان تھا، ان کے لئے نبی ﷺ کی نبوت کا اور قرآنِ کریم کے کلام الٰہی ہونے کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں تھا، مگر حسد، جلن، ضد اور ہٹ دھرمی کا برا ہو! اس نے ایمان لانے سے ان کو روک دیا۔

۲- ان کے لاٹ پادری ابو حارثہ نے اعتراف کیا تھا جب اس کا خچر لڑکھڑایا تھا، اور اس کے بھائی کُرز نے تَعِسَ الأبعد! کہا تھا تو ابو حارثہ نے کہا تھا: ایسا مت کہو، یہ وہی نبی ہیں جن کی ہماری کتابوں میں اطلاع ہے، یہ اس کی گواہی تھی کہ آپؐ برحق نبی ہیں، مگر وہ طے کرکے آئے تھے کہ ایمان نہیں لانا، بلکہ بحث کرکے ان کو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے موقف سے ہٹانا ہے، ان کو عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت اور الوہیت کا قائل کرنا ہے۔

۳- ان کے سامنے اسلام کی حقانیت کے بہت سے دلائل آچکے ہیں، مکہ مکرمہ فتح ہوگیا ہے، اسلام کا ڈنکا بجنے لگا ہے اور عربوں کا رجوع عام شروع ہوگیا ہے، اور سورۃ آلِ عمران میں ننانوے آیتیں نازل ہوچکی ہیں، جن میں عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح

(۱) کیف: استفہام انکاری ہے یعنی منزل تک نہیں پہنچاتے (۲) ہدایت کے دو معنی ہیں: إراءۃ الطریق: راہ نمائی کرنا اور إیصال إلی المطلوب: منزل تک پہنچانا، یہاں دوسرے معنی ہیں۔

پوزیشن واضح کردی ہے اوران کو مباہلہ کی دعوت دی جاچکی ہے، جس کو انھوں نے قبول نہیں کیا، یہ سب نبی ﷺ کی صداقت، قرآنِ کریم کی حقانیت اور اسلام کے سچے مذہب ہونے کے واضح دلائل ہیں، پھر بھی وہ ایمان لانے کے لئے تیار نہیں۔

ایسے نالائقوں کو اللہ تعالیٰ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچایا کرتے، انھوں نے اپنی ایمان کی صلاحیت کھودی ہے، اس لئے ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے، اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

آیت کریمہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے منزلِ مقصود تک پہنچائیں، جنھوں نے (سابقہ نبیوں پر) اپنے ایمان لانے کے بعد (نبی ﷺ پر) ایمان لانے سے انکار کردیا، اور انھوں نے گواہی دی کہ اللہ کا یہ رسول برحق ہے، اور ان کے پاس (اسلام کی حقانیت کے) واضح دلائل (بھی) آچکے؟ اور اللہ تعالیٰ ناانصافوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچایا کرتے —— یہ اللہ کی سنت ہے، جو منزل پانا چاہتا ہے اسی کو منزل ملتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے	اِلَّا الَّذِيْنَ	مگر جنھوں نے
جَزَآؤُهُمْ	ان کا بدلہ	فِيْهَا	اس میں	تَابُوْا	توبہ کی
اَنَّ عَلَيْهِمْ	(یہ ہے) کہ ان پر	لَا يُخَفَّفُ	نہ ہلکا کیا جائے گا	مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ	بعد ازاں
لَعْنَةَ اللّٰهِ	اللہ کی لعنت ہے	عَنْهُمُ	ان سے	وَاَصْلَحُوْا	اور نیک ہوئے وہ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ	اور فرشتوں کی	الْعَذَابُ	عذاب	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بیشک اللہ تعالیٰ
وَالنَّاسِ	اور لوگوں کی	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
اَجْمَعِيْنَ	سبھی کی	يُنْظَرُوْنَ	ڈھیل دیئے جائیں گے	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم فرمانے والے ہیں

جن لوگوں نے اپنی ایمان کی صلاحیت کھودی: ان کی سزا

جن لوگوں نے اپنی ایمان کی صلاحیت کھودی ہے: ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سبھی لوگوں کی لعنت ہے، لعنت کا مفہوم

اللہ کے تعلق سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں اپنی رحمت سے محروم کریں گے، اور ملائکہ اور لوگوں کے تعلق سے یہ ہے کہ وہ دعا کرتے ہیں: الٰہی! ان کو آخرت میں اپنی رحمت سے محروم رکھنا۔

اس لعنت کا اثر آخرت تک پہنچے گا، وہ ہمیشہ اس لعنت کے اثر (دوزخ) میں رہیں گے، وہاں نہ کسی وقت عذاب کی شدت میں کمی آئے گی، نہ دنیا کی طرف لوٹنے کی مہلت ملے گی۔

ہاں ایک چانس ہے، ابھی دنیا میں توبہ کریں، ایمان لے آئیں اور اپنے اعمال کو سنوار لیں تو اللہ کی بارگاہ مایوسی کی بارگاہ نہیں، وہ غفور الرحیم ہیں، سب گناہ یک قلم معاف کردیں گے۔

آیاتِ کریمہ: ان لوگوں کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سبھی لوگوں کی لعنت ہے —— حتی کہ وہ خود بھی اپنے اوپر لعنت بھیجتے ہیں، جب کہتے ہیں کہ ظالموں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت! تو وہ لعنت ان پر بھی واقع ہوتی ہے (فوائد) —— وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کا عذاب ہلکا کیا جائے گا، نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے، ہاں جو بعد ازیں توبہ کریں اور سنور جائیں تو اللہ تعالیٰ بلاشبہ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۹۱ ع

اِنَّ الَّذِيْنَ	بیشک جن لوگوں نے	وَاُولٰٓئِكَ هُمُ	اور وہی لوگ	مِّلْءُ الْاَرْضِ	زمین بھر کر
كَفَرُوْا	انکار کیا	الضَّآلُّوْنَ	گمراہ ہیں	ذَهَبًا	سونا
بَعْدَ	بعد	اِنَّ الَّذِيْنَ	بیشک جن لوگوں نے	وَّلَوِ افْتَدٰى	اگرچہ فدیہ دیں وہ
اِيْمَانِهِمْ	ان کے ایمان لانے کے	كَفَرُوْا	انکار کیا	بِهٖ	اس کے ذریعہ
ثُمَّ ازْدَادُوْا	پھر بڑھتے چلے گئے	وَمَاتُوْا	اور مرے وہ	اُولٰٓئِكَ لَهُمْ	انہی لوگوں کے لئے
كُفْرًا	انکار میں	وَهُمْ كُفَّارٌ	درانحالیکہ وہ منکر تھے	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک عذاب ہے
لَّنْ تُقْبَلَ	ہرگز قبول نہیں کی جائیگی	فَلَنْ يُّقْبَلَ	پس ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا	وَّمَا لَهُمْ	اور نہیں ہے ان کے لئے
تَوْبَتُهُمْ	ان کی توبہ	مِنْ اَحَدِهِمْ	ان میں سے کسی سے	مِّنْ نّٰصِرِيْنَ	کوئی بھی مددگار

توبہ کا وقت غرغرہ لگنے تک ہے، اس کے بعد نہ توبہ قبول ہے نہ فدیہ

اب وفد نجران کے تعلق سے دو باتیں بیان فرماتے ہیں:

۱- نجران کے عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور ان کی کتاب انجیل پر ایمان تھا، اور دونوں نے صاف صاف نبی ﷺ کی پیشین گوئی کی تھی، اس لئے عیسائیوں کے لئے نبی ﷺ پر ایمان لانا آسان تھا، مگر وہ ایمان نہیں لائے، اب اگر وہ نبی ﷺ اور اسلام کی مخالفت میں بڑھتے چلے گئے، اور موت تک ان کا یہی حال رہا تو بوقت نزع وہ توبہ کرنا چاہیں گے بھی تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس دنیا میں ایمان بالغیب مطلوب ہے، اَن دیکھی سچائیوں کو ماننا ہے، اور جب موت کا فرشتہ آگیا تو پردہ ہٹ گیا، اس لئے اب ایمان لانا معتبر نہیں، اب وہ گمراہی کی حالت میں مرنے والے قرار پائیں گے، لہٰذا ان کو چاہئے کہ ابھی ایمان لائیں، ابھی وقت ہے، ان کی توبہ قبول ہوگی۔

۲- موت کے بعد اگر وہ عذاب سے بچنے کے لئے زمین بھر کر سونا دیں تو بھی وہ عذاب سے نہیں بچ سکیں گے، اول تو آخرت میں ہر شخص خالی ہاتھ ہوگا، اور اگر بالفرض کسی کے پاس مال ہو، اور وہ اس کو فدیہ میں پیش کرے تو قبول نہیں کیا جائے گا، آخرت میں صرف ایمان وعمل صالح کام آئے گا، مال وزر کام نہیں آئے گا۔

فائدہ: توبہ کب تک قبول ہوتی ہے؟ جواب: موت کے وقت جب روح جسم سے نکلنے لگتی ہے تو دَم گھٹنے لگتا ہے، اور حلق کی نالی میں ایک قسم کی آواز پیدا ہوتی ہے، اس کو "حالتِ نزع" کہتے ہیں، اس کے بعد زندگی کی کوئی امید نہیں رہتی، اور اس وقت دوسرا عالم منکشف ہوجاتا ہے، اس لئے اس وقت کا ایمان اور توبہ قابل قبول نہیں، کیونکہ ایمان بالغیب (بن دیکھے ایمان لانا) مطلوب ہے، اس لئے جب تک موت آنکھوں کے سامنے نہ آجائے توبہ کا موقعہ ہے، سورۃ النساء (آیت ۱۸) میں ہے: "اور ایسے لوگوں کی توبہ قابل قبول نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہوتی ہے یعنی دوسرے عالم کی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں تو وہ کہتا ہے: میں اب توبہ کرتا ہوں! اور نہ ان لوگوں کا ایمان قابلِ قبول ہے جن کو حالتِ کفر میں موت آجاتی ہے"

آیاتِ پاک: بیشک جن لوگوں نے (نبی ﷺ پر ایمان لانے سے) انکار کیا، ان کے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر) ایمان لانے کے بعد، پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی، اور وہی لوگ گمراہ ہیں —— یہ پہلی بات ہے، پھر تمہید لوٹا کر دوسری بات فرمائی ہے —— بے شک جن لوگوں نے انکار کیا —— یہ تمہید لوٹائی ہے —— اور کفر ہی کی حالت میں ان کی موت آئی، تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا ان میں سے کسی سے زمین بھر کر سونا، اگرچہ جان چھڑانے کے لئے اس کو پیش کرے، انہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے، اور ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۹۲﴾

لَنۡ تَنَالُوا	ہرگز حاصل نہیں کرسکو گے	مِمَّا تُحِبُّوۡنَ	اس سے جس کو پسند کرتے ہو تم	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بیشک اللہ تعالیٰ
الۡبِرَّ	کامل نیکی	وَمَا تُنۡفِقُوۡا	اور جو خرچ کرو گے	بِهٖ	اس سے
حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا	یہاں تک کہ خرچ کرو	مِنۡ شَىۡءٍ	کوئی بھی چیز	عَلِيۡمٌ	خوب واقف ہیں

پیاری چیز خرچ کرو بڑی نیکی پاؤ گے؟

وفد نجران کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور انجیل سے بڑی محبت تھی، وہ کسی قیمت پر ان کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، ان سے قاعدہ کلیہ کی شکل میں فرماتے ہیں کہ اپنی پیاری چیز خرچ کرو، اور اس کے بدل نبی ﷺ اور قرآنِ کریم پر ایمان لاؤ، کامیاب ہوجاؤ گے، پیاری چیز خرچ کرنے ہی سے بڑی نیکی ملتی ہے۔

قاعدہ کلیہ: نیکی میں کمال اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اپنی پیاری چیز خرچ کرے، اگر کوئی اعلیٰ درجہ کی نیکی حاصل کرنا چاہے تو اپنی محبوب چیزوں میں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ کرے، جس چیز سے دل بہت لگا ہوا ہو اس کو خرچ کرنے میں بڑا ثواب ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنا محبوب گھوڑا خیرات کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خیبر کی جائداد وقف کی اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا باغ اللہ کے راستہ میں پیش کیا۔

اور سورۃ البقرۃ میں جہاں انفاقات کا ذکر ہے: بیان کیا ہے کہ خرچ کرنا دو مقصد سے ہوتا ہے: ایک: اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، غریب کی حاجت روائی پیش نظر نہ ہو تو پیاری چیز خرچ کرنے کا حکم ہے، دوم: غریب کی حاجت روائی مقصود ہو، اور ثواب حاصل کرنا بھی پیشِ نظر ہو تو ضرورت سے بچی ہوئی چیز خرچ کرنے کا حکم ہے، آیت کے شروع میں پہلی قسم کا بیان ہے اور آخر میں دوسری قسم کا۔

آیتِ پاک: ہرگز نیکی (میں کمال) حاصل نہیں کرسکو گے جب تک اپنی پیاری چیز میں سے کچھ خرچ نہ کرو، اور جو بھی چیز تم خرچ کرو گے وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰٮةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰٮةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

كُلُّ الطَّعَامِ(۱)	سبھی کھانے	قُلْ	کہو	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	پس وہی لوگ
كَانَ حِلًّا	حلال تھے	فَاْتُوْا	پس لاؤ	الظّٰلِمُوْنَ	ظالم ہیں
لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	بنی اسرائیل کے لئے	بِالتَّوْرٰىةِ	تورات	قُلْ	کہہ دو
اِلَّا مَا	مگر جو	فَاتْلُوْھَآ	پس پڑھو اس کو	صَدَقَ اللّٰهُ	سچ فرمایا اللہ نے
حَرَّمَ	حرام کیا	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	فَاتَّبِعُوْا	پس پیروی کرو
اِسْرَاۗءِيْلُ	یعقوبؑ نے	صٰدِقِيْنَ	سچے	مِلَّةَ	ملتِ
عَلٰي نَفْسِهٖ	اپنے اوپر	فَمَنِ افْتَرٰى	اب جس نے گھڑا	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کی
مِنْ قَبْلِ	پہلے	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	حَنِيْفًا	پکا موحد
اَنْ تُنَزَّلَ	نازل ہونے	الْكَذِبَ	جھوٹ	وَمَا كَانَ	اور نہ تھا وہ
التَّوْرٰىةُ	تورات کے	مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ	بعد ازیں	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں میں سے

سب کھانے جو اسلام میں حلال ہیں ملتِ ابراہیم میں حلال تھے

ان آیات میں اہل کتاب (یہود و نصاری) کے ایک اعتراض کا جواب ہے، وہ کہتے تھے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کا دعوی کرتے ہیں، جبکہ آپ اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں اور اس کا دودھ پیتے ہیں، حالانکہ یہ چیزیں ملتِ ابراہیم میں حرام تھیں، ان آیات میں اس کا جواب دیا ہے کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں حرام نہیں تھیں اور تورات میں ان کی حرمت حضرت یعقوب علیہ السلام کی نذر کی وجہ سے آئی ہے، پس یہ بنی اسرائیل کے لئے مخصوص حکم ہے، ملتِ ابراہیمی کی بات نہیں، تورات لاؤ اور اس میں دکھاؤ کہ یہ حرمت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے، نہیں دکھا سکو گے، اللہ تعالی سچ فرمارہے ہیں، لہٰذا ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرو، وہ حنیف (پکے موحد) تھے، اور تم اے نجران والو عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی میں شریک کرتے ہو! اور سب بولے بولے چھلنی بھی بولی جس میں ستر چھید! مشرکین بھی کہنے

(۱) كلُّ الطعام میں كلٌّ: موجبہ کلیہ کا سور ہے، مگر حصر اضافی ہے أي: بالنسبة إلى الشريعة الإسلامية: ساری چیزیں جو شریعتِ اسلامیہ میں حلال ہیں۔

لگے: ہم ملتِ ابراہیم پر ہیں، پس کیا ابراہیم علیہ السلام بت پرست تھے؟ وہ تو بت شکن تھے!

اس کی تھوڑی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام، جن کا لقب اسرائیل تھا، عرق النّساء میں مبتلا ہوئے، یہ درد چڈّوں سے شروع ہوکر ٹخنوں تک جاتا ہے، اس میں اونٹ کا گوشت اور دودھ مضر ہے، اس لئے انھوں نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ شفاء بخشیں تو وہ یہ دونوں چیزیں چھوڑ دیں گے، شفاء ہوگئی، اور انھوں نے وہ دونوں چیزیں چھوڑ دیں تو ان کی اولاد نے بھی وہ چیزیں چھوڑ دیں۔

پھر چار سو سال بعد موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا اور تورات نازل ہوئی، اس میں ان دونوں چیزوں کو بعض دوسری چیزوں کے ساتھ حرام کر دیا، اس لئے کہ بنی اسرائیل ان کے ترک کے خوگر ہو چکے تھے، اور قومی تصورات کا تحریم میں اعتبار ہوتا ہے، پس یہ حرمت بنی اسرائیل کے لئے خاص تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا یہ حکم نہیں تھا، یہ بات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے، اور اللہ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہوسکتا۔

پھر نجران والوں کی توجہ پھیری کہ اس فرعی مسئلہ میں کیا الجھ رہے ہو، دینِ ابراہیم کا بنیادی مسئلہ توحید ہے، ابراہیم علیہ السلام حنیف (پکے موحد) تھے، اور تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت میں شریک کر رکھا ہے، اس کو کیوں نہیں سوچتے! اور آخر میں مشرکین کی بھی چٹکی لی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام صنم پرست کہاں تھے، جو تم کہتے ہو کہ ہم ان کی ملت پر ہیں، وہ تو بت شکن تھے، لہٰذا تم بھی اپنے موقف پر نظر ثانی کرو۔

آیاتِ کریمہ: سب کھانے کی چیزیں بنی اسرائیل کے لئے حلال تھیں، مگر جو نزولِ تورات سے پہلے اسرائیل نے اپنے لئے حرام کر لی تھیں، کہو: تورات لاؤ، اور اس کو پڑھو، اگر تم سچے ہو —— کہ یہ چیزیں ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں حرام تھیں، تورات سے یہ بات ثابت کرو —— پس جو اس وضاحت کے بعد بھی اللہ کی طرف غلط بات منسوب کرے —— اور مرغ کی ایک ٹانگ! گائے جائے —— وہی لوگ اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔ کہہ دو: اللہ نے سچ فرمایا ہے، پس پکے موحد ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو، اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے!

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِينَ ﴿۹۶﴾ فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرٰهِيمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ﴿۹۷﴾

إِنَّ أَوَّلَ	بے شک پہلا	بَيْتٍ	گھر	وُّضِعَ	(جو) رکھا گیا

لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	مَّقَامُ (۴)	(جیسے) کھڑے ہونے	الْبَيْتِ	اس گھر کا
لَلَّذِىْ (۱)	البتہ وہ گھر ہے جو		کی جگہ	مَنِ اسْتَطَاعَ	جو طاقت رکھتا ہو
بِبَكَّةَ (۲)	مکہ میں ہے	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کی	اِلَيْهِ	اس کی طرف
مُبٰرَكًا (۳)	برکت والا	وَمَنْ دَخَلَهٗ	اور جو اس میں داخل ہوا	سَبِيْلًا	راہ کی
وَّهُدًى	اور راہ نما	كَانَ اٰمِنًا	امن والا ہوگیا	وَمَنْ كَفَرَ	اور جس نے انکار کیا
لِّلْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے لئے	وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بیشک اللہ تعالیٰ
فِيْهِ	اس میں	عَلَى النَّاسِ	لوگوں کے ذمے ہے	غَنِيٌّ	بے نیاز ہیں
اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ	واضح نشانیاں ہیں	حِجُّ (۵)	قصد کرنا	عَنِ الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں سے

کعبہ شریف بیت المقدس سے پہلے تعمیر کیا گیا ہے، تاکہ سب لوگ اس کا حج کریں

ان آیات میں اہل کتاب کے ایک دوسرے اعتراض کا جواب ہے، وہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل وطن شام ہے، عراق سے ہجرت کر کے شام میں جا بسے تھے، وہیں وفات پائی، پھر ان کی اولاد شام میں رہی، ہزاروں انبیاء ان کی نسل میں مبعوث ہوئے، ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے بیت المقدس کو قبلہ بنایا، جو دنیا کے زرخیز آباد خطہ میں ہے، اور تم سرزمین شام سے دور ایک بے آب وگیاہ خطّے میں پڑے ہو، پھر کس منہ سے دعوی کرتے ہو کہ ہم ملتِ ابراہیم پر ہیں، اور ہمیں ابراہیمؑ سے زیادہ قرب ومناسبت ہے، جبکہ تم نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو اپنا قبلہ بنایا ہے؟

اس کا جواب: یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف پہلے تعمیر کیا ہے، اور تعمیر مکمل کر کے حج کا اعلان بھی کیا ہے، پھر چالیس سال بعد بیت المقدس کی بنیاد رکھی ہے (بخاری حدیث ۳۴۲۵) اور اس کی عمارت کی تکمیل حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی ہے، بیت المقدس کو حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لئے قبلہ بنایا تھا، تمام لوگوں کے لئے اللہ کا یہ گھر تعمیر نہیں کیا تھا۔

اللہ کا یہ پہلا گھر شہر مکہ میں ہے، مکہ کا تذکرہ اہل کتاب کے صحیفوں میں بکۃ کے لفظ سے ہے، پھر باء میم سے بدل گئی تو مکہ ہوگیا، جیسے لازب کی باء میم سے بدل گئی تو لازم ہوگیا، اور یہ قدیم نام قرآن میں اس لئے اختیار کیا کہ اہل کتاب کو یقین

(۱) لَلَّذِىْ: إن کی خبر ہے اور لام زائد ہے۔ (۲) اہل کتاب کے صحیفوں میں مکہ کے لئے بکّہ تھا، اسی کا یہاں ذکر کیا ہے، تاکہ اہل کتاب نبی ﷺ کو پہچانیں۔ (۳) مبارکا اور ھدی: وُضع کی ضمیر سے حال ہیں (۴) مقام: مبتدا ہے اور منہا خبر محذوف ہے (۵) حِجّ: حاء کا زبر اور زیر: مصدر ہے: قصد کرنا، ارادہ کرنا۔

آئے کہ یہ مکہ وہی بکہ ہے۔

اور اللہ کا یہ گھر بابرکت ہے۔ایک تو اس وجہ سے کہ یہاں وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہوکر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ چنا ہے، اور جہاں بزرگوں کے تبرکات ہوتے ہیں وہ جگہ بابرکت ہوتی ہے۔ دوم: اس وجہ سے کہ جو اللہ کے گھر کے صحن (حرم) میں بھی پہنچ جاتا ہے مأمون ہوجاتا ہے، یہ اسی جگہ کی برکت ہے۔

اور اللہ کا یہ گھر سارے عالم کی دینی راہ نمائی کرتا ہے، تمام لوگوں پر اس کا حج فرض ہے، جو اسلام کا ایک اہم رکن ہے، اور سب لوگ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، جو دین کا بنیادی فریضہ ہے، یہ دینی راہ نمائی ہے۔

اب بتاؤ: بیت المقدس میں ایسی کیا چیز ہے؟ پس اہمیت بیت اللہ کو حاصل ہوئی یا بیت المقدس کو؟ اور اس امت نے چند ماہ جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے وہ عارضی حکم تھا، اس کا مقصد اس امت کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنا تھا، تاکہ اس امت کو انبیائے بنی اسرائیل سے بُعد اور ان کی امتوں سے عداوت نہ رہے، یہ مقصد الحمد للہ! حاصل ہوگیا، پھر ان کے اصلی قبلہ کی طرف ان کو پھیر دیا گیا۔

اور نبی ﷺ نے دو خواب دیکھے ہیں:

ایک: موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ تلبیہ پڑھتے ہوئے حج/عمرہ کے لئے اونٹ پر تشریف لا رہے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ ان کی امت بھی ایمان لا کر حج/عمرہ کے لئے آئے، اب قبلہ ایک ہی ہے۔

دوسرا: عیسیٰ علیہ السلام کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا، اور ان کے پیچھے دجال کو دیکھا، اس میں دو اشارے ہیں: ایک: ان کی امت بھی ایمان لا کر حج/عمرہ کے لئے آئے۔ دوم: دونوں مسیح جمع ہونگے، اور ایسا آخر زمانہ میں ہوگا۔

تفصیل: یہ آیات اہم ہیں، ان کا انداز بھی نرالا ہے، اس لئے ان کی کچھ تفصیل ضروری ہے:

۱- **پہلا گھر:** یہ اولیت مطلقہ کا بیان نہیں، بلکہ بیت المقدس کی بہ نسبت اولیت کا بیان ہے، اگرچہ کعبہ شریف کو اولیتِ مطلقہ بھی حاصل ہے، ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی بھری ہوئی بنیادوں پر دیواریں اٹھائی ہیں ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِـمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ﴾ میں اس کی صراحت ہے، اور تاریخی روایات میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے بھی کعبہ کی تعمیر کی ہے، بلکہ ان سے پہلے ملائکہ نے تعمیر کی ہے، اور یہ جگہ البیت المعمور کی محاذات میں ہے، اور زمین اسی جگہ سے ابھری ہے، پہلے ساری زمین پر پانی تھا، خشکی بعد میں ابھری ہے، اس وقت ۷۱٪ زمین پانی میں دوبی ہوئی ہے، ۲۹٪ زمین کی بالائی سطح خشک ہے، جس پر لوگ آباد ہیں، اور اس کے نیچے بھی پانی کے سوت ہیں، جب زمین پانی میں سے ابھرنی شروع ہوئی تو سب سے پہلے کعبہ کی جگہ نمودار ہوئی، اس طرح اس کو اولیت مطلقہ بھی حاصل ہے، مگر یہاں جس

اولیت کا ذکر ہے وہ اولیتِ اضافیہ ہے، یعنی بیت المقدس سے چالیس سال پہلے ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر کیا۔

۲-لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا: یعنی سبھی لوگوں کے لئے یہ گھر بنایا گیا ہے، الناس کا ال استغراقی ہے، اور اس کا ظہور خاتم النّبیین ﷺ کی بعثت کے بعد ہوا، آپؐ کی نبوت عام تام ہے، پس سب لوگ اس کی طرف نماز پڑھیں گے، اور اس کا حج کریں گے۔

۳-بکۃ: مکۃ کا قدیم تلفظ ہے، اور اس کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ اہل کتاب کے صحیفوں میں یہ نام آیا ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: شہر، جیسے بعلبك: یعنی بَعل بت کا شہر، اور جیوش انسائیکلو پیڈیا میں صراحت ہے کہ یہ ایک مخصوص بے آب وگیاہ وادی کا نام ہے، زبور میں بھی اس کا ذکر ہے (تدبر قرآن) قرآنِ کریم نے یہ قدیم نام ذکر کر کے اہل کتاب کو یاد دہانی کرائی ہے کہ کعبہ شریف جس شہر میں ہے وہی بکۃ ہے۔

۴-بابرکت: مکہ شریف دو وجہ سے بابرکت ہے، اس کا تذکرہ اگلی آیت میں ہے: ایک: وہاں مقامِ ابراہیم ہے۔ دوم: جو وہاں پہنچ جاتا ہے مأمون ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں: زمزم اور حجر اسود بھی اللہ کی نشانیاں ہیں، بلکہ خود کعبہ شریف اللہ کی بہت بڑی نشانی ہے، غور کیجئے کہ ایک چھوٹی سی چوکور عمارت، معمولی پتھروں سے بنی ہوئی، نہ نقش ونگار ہے اور نہ ظاہری حسن وجمال، ایک ایسے خطہ میں جہاں نہ کوئی درخت اگتا ہے اور نہ کوئی پودا، نہ پھل ہے اور نہ پھول، موسم کی ناہمواری اس کے علاوہ، نہ مادی اعتبار سے کوئی سامانِ کشش ہے اور نہ سیاحوں کے لئے کوئی سامانِ دلچسپی، لیکن دنیا کے کونہ کونہ سے اللہ کے بندے سردی وگرمی اور بارش کی پرواہ کئے بغیر دن رات اور صبح وشام اس گھر کی طرف رواں دواں ہیں اور اس کے پھیرے لگا رہے ہیں، اس سے بڑھ کر نشانی اور کیا ہوگی؟ (آسان تفسیر ۱:۲۵۵)

اور بڑے آدمی کے محل کا ایک احاطہ (صحن) ہوتا ہے، اللہ کے گھر کا بھی حرم ہے، جو اس میں پہنچ جاتا ہے مأمون ہو جاتا ہے، یہ بھی ایک نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو امن وامان کی جگہ بنایا ہے، اسلام سے پہلے جاہلیت میں بھی ہزار لاقانونیت کے باوجود عربوں کا حال یہ تھا کہ وہ مکہ میں ہر قسم کی دست درازی سے بچتے تھے، باپ کا قاتل نظر پڑتا تو نظریں جھکا لیتے تھے، یہ بھی اس گھر کی برکت ہے۔

۵-جہانوں کے لئے راہ نما: پوری زمین کے مسلمان اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، اور ہر صاحب مقدرت پر اس کا حج فرض ہے، یہ گویا مسلمانوں کا عالمی اجتماع ہے، عبادت کے علاوہ ان کو یہاں سے دینی راہ نمائی ملتی ہے۔

۶-اس میں واضح نشانیاں ہیں: پھر دو نشانیوں کا تذکرہ کیا ہے، ایک: مقامِ ابراہیم کا، یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے

ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو چنا تھا، پہلے یہ پتھر کعبہ شریف کے اندر رکھا ہوا تھا، پھر اسلام سے پہلے اس کو باہر رکھا گیا، اب وہاں طواف کا دوگانہ پڑھا جاتا ہے۔ دوم: حرم میں پہنچ کر مامون ہو جانا، تیسری نشانی: زمزم ہے، اس بے آب خطہ میں زمزم کے کنویں میں بے حساب پانی کہاں سے آتا ہے؟ اس کو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔

۷۔حج کی فرضیت: کعبہ شریف جمالِ خداوندی کا مظہر ہے، پس ضروری ہوا کہ جسے اللہ کی محبت کا دعوی ہے، اور وہ بدنی اور مالی استطاعت بھی رکھتا ہے: کم از کم عمر میں ایک مرتبہ دیارِ محبوب میں حاضری دے، اور جو انکار کرے وہ جھوٹا عاشق ہے، وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے محبوب کو اس کی کیا پرواہ ہے؟

آیاتِ پاک: بے شک پہلا گھر جو سب لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ وہ ہے جو شہر بکہ میں ہے، وہ بابرکت اور جہانوں کے لئے راہ نما ہے، اس میں واضح نشانیاں ہیں (ان میں سے) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، اور (دوسری نشانی یہ ہے کہ) جو شخص اس میں پہنچ گیا وہ مامون ہو گیا، اور (وہ جہانوں کے لئے راہ نما بایں طور ہے کہ) اللہ (کی بندگی) کے لئے لوگوں کے ذمہ اس گھر کا حج کرنا فرض ہے، جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہے، اور جس نے انکار کیا تو بے شک اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہیں!

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

قُلْ	کہو	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	تَبْغُوْنَهَا(۳)	چاہتے ہو تم اس میں
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے اہل کتاب	قُلْ	کہو	عِوَجًا	کجی
لِمَ تَكْفُرُوْنَ	کیوں انکار کرتے ہو	يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے اہل کتاب	وَّاَنْتُمْ	اور تم
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتوں کا	لِمَ تَصُدُّوْنَ	کیوں روکتے ہو	شُهَدَآءُ	گواہ ہو (واقف ہو)
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	عَنْ سَبِيْلِ(۱)	راستے سے	وَمَا اللّٰهُ	اور نہیں ہیں اللہ
شَهِيْدٌ	دیکھ رہے ہیں	اللّٰهِ	اللہ کے	بِغَافِلٍ	بے خبر
عَلٰى مَا	ان کاموں کو جو	مَنْ اٰمَنَ(۲)	اس کو جو ایمان لایا	عَمَّا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم کرتے ہو

(۱) سبیل: مذکر و مؤنث (۲) من آمن: تصدون کا مفعول بہ (۳) تبغونہا: ضمیر سبیل کی طرف راجع ہے۔

وفد نجران سے آخری دو باتیں

ان دو آیتوں پر(آیت ۹۹ پر) وفد نجران سے گفتگو پوری ہورہی ہے۔آگے کی آیت گریز کی آیت ہے، اس سے موضوع بدلے گا، پھر آگے آخر سورت تک مسلمانوں سے خطاب ہے اوران آیتوں میں اہل کتاب (یہود و نصاری) سے دو باتیں فرمائی ہیں:

ایک: تم اللہ کی باتوں کا جو شروع سورت سے تمہیں سنائی جارہی ہیں، کیوں انکار کرتے ہو؟ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں، تمہاری نیتوں کو خوب جانتے ہیں، وقت آنے پر رتی رتی کا تم سے حساب لیں گے!

دوم: اہل کتاب ایمان نہ لاکر دوسروں کو تشکیک میں مبتلا کرتے ہیں، ان کا ارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی راہ میں روڑا اٹکائیں، اگر ان کا ارادہ ایسا ہے تو وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے خوب واقف ہیں، مناسب وقت پر ان کو واجبی سزا دیں گے۔

آیاتِ کریمہ: کہو: اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہے ہیں۔ کہو! اے اہل کتاب! تم اللہ کے راستہ سے ایمان لانے والوں کو کیوں روکتے ہو؟ تم اس میں کجی چاہتے ہو! درانحالیکہ تم خوب جانتے ہو —— کہ وہ سچا مذہب ہے —— اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں!

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	اِنْ تُطِيْعُوْا	اگر کہنا مانو گے تم

فَرِيْقًا	کچھ لوگوں کا	اِلٰى صِرَاطٍ	راستے کی طرف	اَعْدَآءً	دشمن
مِّنَ الَّذِيْنَ	ان میں سے جو	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے	فَاَلَّفَ	پس جوڑ دیا
اُوْتُوا	دیئے گئے	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ	تمہارے دلوں کو
الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	اٰمَنُوا	ایمان لائے	فَاَصْبَحْتُمْ	پس ہوگئے تم
يَرُدُّوْكُمْ [1]	بنادیں گے تم کو	اتَّقُوا اللّٰهَ	اللہ سے ڈرو	بِنِعْمَتِهٖٓ	اس کے فضل سے
بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ	تمہارے ایمان کے بعد	حَقَّ [2]	جیسا حق ہے	اِخْوَانًا	بھائی بھائی
كٰفِرِيْنَ	کافر	تُقٰتِهٖ	اس سے ڈرنے کا	وَكُنْتُمْ	اور تھے تم
وَكَيْفَ	اور کیسے	وَلَا تَمُوْتُنَّ	اور ہرگز نہ مرو تم	عَلٰى شَفَا	کنارے پر
تَكْفُرُوْنَ	کفر کروگے تم	اِلَّا وَاَنْتُمْ	مگر درانحالیکہ تم	حُفْرَةٍ	گڑھے
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	مُّسْلِمُوْنَ	فرماں بردار ہو	مِّنَ النَّارِ	دوزخ کے
تُتْلٰى	پڑھی جاتی ہیں	وَاعْتَصِمُوْا	اور مضبوط پکڑو	فَاَنْقَذَكُمْ	پس نجات دی تم کو
عَلَيْكُمْ	تم پر	بِحَبْلِ اللّٰهِ	اللہ کی رسّی	مِّنْهَا	اس سے
اٰيٰتُ اللّٰهِ	اللہ کی آیتیں	جَمِيْعًا	سب مل کر	كَذٰلِكَ	اس طرح
وَفِيْكُمْ	اور تمہارے اندر	وَّلَا تَفَرَّقُوْا	اور نہ بٹ جاؤ	يُبَيِّنُ اللّٰهُ	بیان کرتے ہیں اللہ
رَسُوْلُهٗ	اس کے رسول ہیں	وَاذْكُرُوْا	اور یاد کرو	لَكُمْ	تمہارے لئے
وَمَنْ يَّعْتَصِمْ	اور جو مضبوط پکڑے گا	نِعْمَتَ اللّٰهِ	اللہ کا احسان	اٰيٰتِهٖ	اپنی آیتیں
بِاللّٰهِ	اللہ کو	عَلَيْكُمْ	تم پر	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
فَقَدْ هُدِيَ	تو بالیقین راہ پائی اس نے	اِذْ كُنْتُمْ	جب تھے تم	تَهْتَدُوْنَ	راہِ ہدایت پاؤ

ربط: وفد نجران (عیسائیوں) سے جو گفتگو آغازِ سورت سے شروع ہوئی تھی وہ گذشتہ آیت پر پوری ہوگئی، اب ایک آیت میں گفتگو کا موضوع بدلے گا، پھر آخر سورت تک مسلمانوں سے خطاب ہے۔

اور شروع سورت میں بیان کیا ہے کہ سورۃ البقرۃ میں بنی اسرائیل کے متقدمین (یہود) کا مفصل تذکرہ کیا ہے، اوران

---

(۱) یردوکم: رَدَّ بمعنی صار ہے، کم: پہلا مفعول اور کافرون دوسرا مفعول ہے۔(۲) حق تقاته: اتقوا الله کا مفعول مطلق ہے، تقاۃ: مصدر ہے، اور حق تقاته میں صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے یعنی برحق ڈرنا، کما حقہ ڈرنا۔

کے متأخرین (عیسائیوں) کا ذکر نہیں کیا، اب اس سورت کی ننانوے آیتوں میں ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے، پھر سورۃ البقرۃ مؤمنین کی اس دعا پر پوری ہوئی ہے: ﴿ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾: اسلام کا انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما! اب اس سورت میں اس کا بیان ہے کہ اللہ کی مدد کب آتی ہے؟ اس کے لئے کیا شرائط ہیں؟ آج کا مسلمان شرائط پوری نہیں کر رہا اور مدد کا امیدوار ہے! وضوء کے بغیر نماز کہاں ہوتی ہے؟ شرائط پوری کی جائیں تو مدد خداوندی ضرور آئے گی۔

مسلمان اہل کتاب کی ریشہ دوانیوں سے بچیں

گذشتہ دو آیتوں میں اہل کتاب (یہود و نصاری) کو ڈانٹا ہے کہ تم لوگوں کو کیوں گمراہ کرتے ہو؟ تم ایمان نہ لاکر دوسروں کے لئے بھی روک کھڑی کرتے ہو، جبکہ تم اسلام کی حقانیت کو جانتے ہو!

اب دو آیتوں میں مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ تم ان مفسدین کی ایک نہ سنو، اگر ان کی گمراہ کن باتوں پر کان دھروگے تو اندیشہ ہے کہ وہ تمہیں کفر کے تاریک کھڈے میں دھکیل دیں۔ اور تمہارے لئے کیسے ممکن ہے کہ تم ایمان لائے پیچھے کافر بن جاؤ؟ تمہارے درمیان اللہ کا عظیم رسول موجود ہے، وہ شب و روز تمہیں اللہ کا کلام پڑھ کر سناتا ہے، پس ہر طرف سے یکسو ہو کر ایک اللہ کو مضبوط پکڑو، جو اس کا ہو جاتا ہے وہی صراط مستقیم کو پالیتا ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ھُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی باتیں مانو گے تو وہ تم کو تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں گے! اور تم کفر کیسے اختیار کر سکتے ہو جبکہ تمہارے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، اور تمہارے درمیان اس کے رسول موجود ہیں —— یہ اہل کتاب کو مایوس کیا کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب نہیں ہونگے، مگر انہی مسلمانوں کو جو دین سے واقف ہیں دین سے بالکل ناواقف مسلمان ان کے شکار ہو جاتے ہیں —— اور جس نے اللہ کو مضبوط تھام لیا وہ بالیقین سیدھے راستہ پر پڑ گیا! —— اس طرح موضوع بدلا، اور ایک گروہ اس لئے فرمایا کہ سارے اہل کتاب ایسے نہیں، ان کے بد باطن ریشہ دوانی کرتے ہیں، آج بھی یہودی اور عیسائی مسلمانوں کو فکری اور عملی ارتداد میں مبتلا کرنے کی کوشش میں دن رات لگے ہوئے ہیں۔

مسلمان صحیح طرح اللہ سے ڈریں اور ہر وقت احکام کی پیروی کریں

اللہ کی مدد کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ ایمان کا دعوی رکھنے والے سچے مسلمان بنیں، اسلام میں دو قسم کے احکام ہیں، کرنے کے اور نہ کرنے کے، اول مثبت احکام ہیں، ثانی منفی، مثلاً نماز پڑھنا مثبت حکم ہے اور زنا چوری سے بچنا منفی حکم ہے، مسلمان دونوں قسم کے احکام پر عمل کریں تو سرخ رو ہونگے، منفی پہلو کی تعبیر قرآن میں عام طور پر تقوی سے کی جاتی ہے، تقوی کے معنی ہیں: اللہ سے ڈرنا، یعنی اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنا، اور مثبت پہلو کو اسلام سے تعبیر کرتے ہیں، اسلام کے معنی ہیں: فرمان برداری یعنی حکم بجالانا، جن کاموں کے کرنے کا حکم ہے، ان کو کرنا، اور منفی پہلو مقدم ہوتا ہے، جلبِ منفعت سے دفع مضرت مقدم ہے، پہلے تھپڑ سے بچے پھر تھپڑ مارے، اور ﴿حَقَّ تُقٰتِہٖ﴾ مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے، یعنی صحیح طرح اللہ سے ڈرو، جیسا اللہ سے ڈرنے کا حق ہے، اپنے مَن سے تو ہر شخص ڈرتا ہے، مگر یہ ڈرنا کافی نہیں، شراب پیتا ہے، ڈاڑھی منڈاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، یہ خیالی ڈرنا ہے جو کافی نہیں، موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں، جو ہر وقت اعمالِ اسلام پر کاربند ہے اسی کی موت اسلام پر آئے گی، جام ہاتھ میں تھا اور مرا تو اعمالِ اسلام پر کہاں مرا؟ یا نماز نہیں پڑھتا تھا اور مرا تو مسلمان کہاں مرا؟ آج مسلمانوں کی اکثریت مثبت و منفی پہلوؤں سے صفر ہے، اور رونا روتے ہیں کہ منکرین اسلام کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ہماری مدد کیوں نہیں کرتے؟ ہم محبوب کی امت ہیں! ذرا مسلمان شریعت کے آئینہ میں اپنا منہ دیکھیں پھر شکوہ کریں!

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا ان سے ڈرنے کا حق ہے —— یہ منفی پہلو ہے —— اور مرتے دم تک اسلام پر قائم رہو! —— یہ مثبت پہلو ہے۔

مسلمان اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کریں

اللہ کی مدد کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ سب مسلمان مل کر اللہ کی رسّی مضبوط پکڑیں تو اسلام کی گاڑی سرکے گی، اگر وہ بٹے رہے تو خواہ ان کی تعداد کتنی بھی ہو اسلام کی گاڑی آگے نہیں بڑھے گی۔

آیت کا شانِ نزول: مدینہ میں انصار کے دو قبیلے تھے: اوس اور خزرج، دونوں میں پرانی عداوت تھی، بات بات پر لڑائی ہوجاتی تھی، اور برسوں تک سرد نہیں پڑتی تھی، ان کی بعاث کی جنگ ایک سو بیس سال تک چلی ہے، اسلام نے دونوں قبیلوں کو شیر وشکر کردیا، یہود مدینہ کو یہ بات ایک آنکھ نہ بھائی، ایک اندھا یہودی شماس نامی ان کی ایک ایسی محفل سے گذرا جس میں دونوں قبیلے جمع تھے، اس نے جنگِ بعاث کے مرثیے پڑھنے شروع کئے، جس سے آگ بھڑکی، اور قتل وقتال کی

نوبت آ گئی، نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی، آپ صحابہ کے ساتھ ان کے مجمع میں تشریف لے گئے اور سمجھایا تب ان کا غصہ ٹھنڈا پڑا۔ آیت کے آخر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: انگریزوں کی اسکیم تھی: ''بانٹو اور پیٹو!'' اب اس اسکیم پر اکثریت عمل کر رہی ہے، اور مسلمان اول تو فرقوں میں بٹ گئے جس سے ان کی طاقت کمزور پڑ گئی، پھر جو اہلِ حق ہیں ان کی صفوں میں بھی انتشار ہے، پس مسلمان پنپنے کا سلیقہ سیکھیں، اپنے فائدے پر اپنے بھائی کا فائدہ مقدم رکھیں، اور الیکشن میں مقابلہ بازی نہ کریں، ورنہ شیر منہ کھولے ہوئے ہے، نگل جائے گا۔

آیتِ کریمہ: اور سب مل کر اللہ کی رسّی مضبوط تھامو، اور بٹ مت جاؤ، اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب تم باہم دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، پس تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم (کفر کی وجہ سے) جہنم کے کھڈے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے، پس اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا، اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی باتیں بیان کرتے ہیں تاکہ تم راہِ ہدایت پاؤ۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْھَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

وَلْتَكُنْ	اور چاہئے کہ ہو	يَّدْعُوْنَ	بلائے وہ	بِالْمَعْرُوْفِ	اچھے کاموں کا		
مِّنْكُمْ	تم میں سے	اِلَى الْخَيْرِ	نیک کام کی طرف	وَيَنْهَوْنَ	اور روکے وہ		
اُمَّةٌ	ایک جماعت	وَيَاْمُرُوْنَ	اور حکم دے وہ	عَنِ الْمُنْكَرِ	برے کاموں سے		

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ	اور وہی لوگ	فَاَمَّا الَّذِيْنَ	سو رہے وہ جو	تِلْكَ	یہ
الْمُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہونے والے ہیں	اسْوَدَّتْ	سیاہ ہوگئے	اٰيٰتُ اللّٰهِ	اللہ کی باتیں ہیں
وَلَا تَكُوْنُوْا	اور نہ ہوؤ تم	وُجُوْهُهُمْ	ان کے چہرے	نَتْلُوْهَا	پڑھتے ہیں ہم ان کو
كَالَّذِيْنَ	ان لوگوں کی طرح جو	اَكَفَرْتُمْ (۲)	کیا انکار کیا تم نے	عَلَيْكَ	آپ کے سامنے
تَفَرَّقُوْا	بٹ گئے	بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ	تمہارے ایمان کے بعد	بِالْحَقِّ	ٹھیک ٹھیک
وَاخْتَلَفُوْا	اور مختلف ہوگئے	فَذُوْقُوا	پس چکھو	وَمَا اللّٰهُ	اور نہیں اللہ
مِنْۢ بَعْدِ	بعد	الْعَذَابَ	سزا	يُرِيْدُ	چاہتے
مَا جَآءَهُمُ	ان کے پاس آنے	بِمَا كُنْتُمْ (۳)	بایں وجہ کہ تم	ظُلْمًا	حق تلفی
الْبَيِّنٰتُ	واضح باتوں کے	تَكْفُرُوْنَ	انکار کیا کرتے تھے	لِّلْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے لئے
وَاُولٰٓئِكَ	اور وہ لوگ	وَاَمَّا الَّذِيْنَ	اور رہے وہ جو	وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہے
لَهُمْ عَذَابٌ	ان کے لئے سزا ہے	ابْيَضَّتْ	سفید ہوئے	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہے
عَظِيْمٌ	بڑی	وُجُوْهُهُمْ	ان کے چہرے	وَمَا فِي الْاَرْضِ	اور جو زمین میں ہے
يَّوْمَ (۱) تَبْيَضُّ	جس دن سفید ہونگے	فَفِيْ رَحْمَةِ	تو وہ مہربانی میں ہیں	وَاِلَى اللّٰهِ	اور اللہ کی طرف
وُجُوْهٌ	کچھ چہرے	اللّٰهِ	اللہ کی	تُرْجَعُ	لوٹیں گے
وَّتَسْوَدُّ	اور سیاہ ہونگے	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں	الْاُمُوْرُ	سارے کام
وُجُوْهٌ	کچھ چہرے	خٰلِدُوْنَ	سدا رہنے والے ہیں	۞	۞

امت کی اصلاح کے لئے دعوت وارشاد کا مسلسل جاری رہنا ضروری ہے

اللہ کی مدد جب آتی ہے کہ امت دین پر عمل پیرا ہو (آیت ۱۰۲) اب ایک آیت میں یہ بیان ہے کہ امت کی اصلاح کے لئے دعوت وارشاد کا مسلسل جاری رہنا ضروری ہے، اس لئے کہ دنیا پچاس سال میں بدل جاتی ہے، تدریجاً نئی نسل آجاتی ہے، پس اگر اصلاح کا عمل جاری نہیں رہے گا تو نصف صدی کے بعد جہالت عام ہوجائے گی، اعمالِ اسلام میں خلل پڑے گا، مسلمان بے دین بلکہ بددین ہوکر رہ جائیں گے، اور اللہ کی مدد رک جائے گی۔

(۱) یومَ: لھم کے فعلِ متعلَّق کا مفعول فیہ بھی ہوسکتا ہے اور اذکر: فعلِ مقدر کا مفعول بہ بھی۔ (۲) أکفرتم: سے پہلے یقال لھم: مقدر ہے (۳) بما: میں ما مصدریہ ہے۔

برصغیر (متحدہ ہندوستان) میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی، مگر بادشاہ عجمی تھے، ان کا مزاج دعوت کا نہیں تھا، یہ مزاج عربوں کا ہے، یہاں صوفیاء نے محنت کی اور لاکھوں انسان مسلمان ہوئے، مگر ان کو سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا، اس لئے لوگ برائے نام مسلمان ہو کر رہ گئے، مؤمن، میواتی اور میمن: سب کا حال یکساں تھا، مگر اللہ کا فضل یہ ہوا کہ ملک پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد **دارالعلوم دیوبند** قائم ہوا اور اس کے نہج پر دوسرے ادارے وجود میں آئے، اور ان کے فضلاء نے جگہ جگہ دعوت وارشاد کا کام شروع کیا، پھر **دارالعلوم دیوبند** ہی کے ایک خوشہ چین نے تبلیغ کا کام شروع کیا، اور چاروں طرف سے محنت شروع ہوئی، مکاتب و مدارس نے بچوں پر محنت کی، جماعت تبلیغ نے بڑوں کو سنبھالا، اور مصلحین نے عوام کی خبر لی تو برصغیر کے احوال ماضی سے بہتر ہو گئے۔

دوسری طرف اسپین (قرطبہ اور اشبیلیہ) کا حال دیکھو، وہاں مسلمانوں نے سات سو سال حکومت کی ہے، اور ازبکستان کو دیکھو، جہاں دیہاتوں میں بھی اسلام کے جھنڈے لہرا رہے تھے، جب وہاں زوال آیا، اسلامی حکومت ختم ہوئی، اور روس نے قبضہ کیا اور دعوت وارشاد کا سلسلہ باقی نہ رہا تو اب وہاں اسلام کا نام بھی باقی نہیں۔

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ ﴾

ترجمہ: اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کاموں کا حکم دے، اور برے کاموں سے روکے، اور وہی لوگ کامیاب ہیں!

تفسیر:

۱- مصلحین کی اس جماعت کے لئے ضروری نہیں کہ وہ سب ایک جگہ اکٹھا ہوں اور سب مل کر جماعت بنا کر کام کریں، متفرق جگہ جو لوگ اصلاحِ حال کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں وہ سب اس کا مصداق ہیں۔

۲- قرآنِ کریم میں دو تعبیریں ہیں:

(الف) ﴿ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ ﴾: وہ نیکی کے کاموں کی طرف بلاتے ہیں، یہ تعبیر دعوت وارشاد کے لئے ہے، جو مصلحین مسلمانوں میں کام کرتے ہیں وہ اس کا مصداق ہیں۔

(ب) ﴿ اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ ﴾: اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلا، یہ تعبیر دعوتِ اسلام کے لئے ہے، جو لوگ غیر مسلموں میں کام کرتے ہیں وہ اس کا مصداق ہیں۔

۳- ﴿ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ ﴾ اجمال ہے، اور ﴿ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ تفصیل ہے، یہی نیکی کے کام ہیں۔

۴- ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ مصلحین کے لئے صلہ اور مژدہ ہے، ان کو ان کی بے لوث خدمت کا صلہ آخرت میں ملے گا، اور دنیا میں جو تنخواہ یا عزت ملتی ہے وہ روُنگا (سودے سے زائد) ہے۔

گمراہ فرقے مسلمانوں کی کمزوری کا سبب

اللہ کی مدد جب آتی ہے کہ مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد واتفاق ہو، گمراہ فرقے ملت کے افتراق کا سبب بنتے ہیں، وہ اپنی آن باقی رکھنے کے لئے ملّی اتحاد سے بھی گریز کرتے ہیں، صحابہ میں بھی سیاسی اختلافات ہوئے ہیں، مگر گمراہی نہیں تھی، سب صراطِ مستقیم پر تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے روم کے بادشاہ کو اس کے ارادۂ بد کے جواب میں لکھا تھا: ''اگر تو نے کوئی ارادہ کیا تو علی کے لشکر کا ادنی سپاہی معاویہ ہوگا''

نزولِ قرآن کے وقت مسلمانوں میں گمراہ فرقوں کی مثال نہیں تھی، امت کا پہلا قافلہ اصول وعقائد میں متفق تھا، مسائل میں اختلاف تھا، مگر وہ مضر نہیں، وہ امت کے لئے رحمت تھا، ایسی صورت میں قرآن گفتہ آید در حدیثِ دیگراں کا اصول اپناتا ہے، اہلِ کتاب کو دین واضح شکل میں دیا گیا، پھر کچھ لوگ صحیح دین پر برقرار رہے، ان کے چہرے قیامت کے دن روشن ہونگے، ان کو سدا بہار باغات میں داخل کیا جائے گا، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور کچھ لوگ اللہ کے دین سے ہٹ گئے، گمراہی کی دلدل میں پھنس گئے، ان کے منہ قیامت کے دن کالے ہونگے اور ان کو آخرت میں سخت سزا ملے گی، ان کو دھمکایا جائے گا: کم بختو! تم نے دولتِ ایمان کی یہ قدر کی کہ ایمان لانے کے بعد کفر کے راستہ پر پڑ گئے! اب چکھو اس کا مزہ!

اس مثال میں اشارہ ہے کہ آگے چل کر امتِ مسلمہ کا بھی یہی حال ہوگا، حدیث میں ہے کہ تم اگلوں کے نقشِ قدم پر چلو گے، ہو بہو! صحابہ نے پوچھا: یہود ونصاری کے نقشِ قدم پر؟ آپؐ نے فرمایا: ''اور کس کے؟'' یعنی انہیں کی پیروی کروگے۔

باقی آیات: اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہوجانا جو بٹ گئے اور جدا جدا ہوگئے —— کوئی دینِ حق پر رہا، کوئی گمراہ ہوگیا، یہ خطاب صحابہ سے ہے، وہ اہلِ کتاب کی طرح نہیں ہوئے، اصول وعقائد میں مختلف نہیں ہوئے، گمراہ فرقے صحابہ کے بعد پیدا ہوئے —— ان کے پاس واضح احکامات آنے کے بعد —— یعنی گذشتہ انبیاء کی تعلیمات میں کوئی خفا یا اجمال نہیں تھا، گمراہ فرقوں کے لئے کوئی عذر نہیں تھا، انھوں نے محض ضد میں اپنی راہ الگ کرلی، یہی کام اس امت کے گمراہ فرقوں کے بانیوں نے کیا —— اور انہیں لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے، جس دن کچھ چہرے روشن ہونگے اور کچھ چہرے سیاہ ہونگے —— اہلِ حق سرخ رو ہونگے اور گمراہ سیاہ فام! —— رہے وہ جن کے چہرے سیاہ ہونگے (ان کو دھمکایا جائے گا:) کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے تھے؟ —— گمراہ فرقوں کے بانی پہلے مسلمان ہوتے ہیں، پھر ان پر شیطان مسلط ہوجاتا ہے تو وہ خود بھی ڈوبتے ہیں، اور دوسروں کو بھی لے ڈوبتے ہیں! —— پس تم اپنے کفر کی سزا

میں عذاب چکھو! ــــ گمراہ فرقے دو قسم کے ہیں: ایک: دائرہ اسلام سے خارج وہ تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، دوسرے: دین کے دائرے سے خارج، وہ اپنے غلط عقائد کی سزا پانے کے بعد جہنم سے نکلیں گے۔

اور رہے وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہونگے ــــ جنت اللہ کی رحمت کا پَرتو ہے ــــ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے!

یہ اللہ کی باتیں ہیں ــــ پنڈت کی پوتھی کی باتیں نہیں ــــ ہم ان کو آپ کے سامنے ٹھیک پڑھ رہے ہیں ــــ پس یہ آپ ﷺ کی رسالت کی بھی دلیل ہیں ــــ اور اللہ تعالیٰ جہانوں میں سے کسی کی حق تلفی نہیں کرنا چاہتے ــــ ثواب میں کمی کرنا یا سزا میں زیادتی کرنا حق تلفی اور ظلم ہے، اللہ کی بارگاہ اس سے بالاتر ہے ــــ اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ ہی کی طرف سارے کام لوٹیں گے ــــ اہلِ حق اور اہلِ باطل سب اس بارگاہ میں حاضر ہونگے، اور سب اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١١٠﴾

كُنْتُمْ	تھے تم (صحابہ)	وَتَنْهَوْنَ	اور روکتے ہو تم	لَكَانَ خَيْرًا	تو بہتر ہوتا
خَيْرَ أُمَّةٍ	بہترین جماعت	عَنِ الْمُنْكَرِ	ناجائز کاموں سے	لَهُمْ	ان کے لئے
أُخْرِجَتْ	وجود میں لائی گئی	وَتُؤْمِنُونَ	اور یقین رکھتے ہو تم	مِنْهُمُ	بعض ان میں سے
لِلنَّاسِ	لوگوں کے فائدے کیلئے	بِاللَّهِ	اللہ پر	الْمُؤْمِنُونَ	ایمان لانے والے ہیں
تَأْمُرُونَ	حکم دیتے ہو تم	وَلَوْ آمَنَ	اور اگر ایمان لاتے	وَأَكْثَرُهُمُ	اور بیشتر ان کے
بِالْمَعْرُوفِ	نیکی کے کاموں کا	أَهْلُ الْكِتَابِ	اہل کتاب (یہود)	الْفَاسِقُونَ	حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں

ختم نبوت کے بعد دعوت وارشاد کی ذمہ داری کون سنبھالے گا؟

صحابہ سنبھالیں گے، پھر جو لوگ صحابہ کے نقشِ قدم پر ہیں

نبوت تو اپنی نہایت کو پہنچ گئی، خاتم النبیین ﷺ تشریف لے آئے، اب آگے دعوتِ اسلام اور رشد و ہدایت کی

ذمہ داری کون سنبھالے گا؟ پہلے تو یکے بعد دیگرے انبیاء مبعوث ہوتے تھے، اور وہ دین کا کام کرتے تھے، اب یہ فریضہ کون انجام دے گا؟

اس آیت میں اس کا جواب ہے کہ آپؐ کے بعد یہ فریضہ آپؐ کے صحابہ انجام دیں گے، وہ پوری دنیا میں دین پہنچائیں گے، اور وہی مسلمانوں میں دین کی تبلیغ بھی کریں گے، اس لئے کہ وہ بھی نبی ﷺ کی طرح مبعوث ہیں، نبی ﷺ کی بعثت دوہری ہے، دلائل رحمۃ اللہ الواسعہ (۲:۵۱) میں ہیں، امیین (عربوں) کی طرف آپؐ راست مبعوث ہوئے ہیں، اور ساری دنیا کی طرف صحابہ کے واسطہ سے مبعوث ہوئے ہیں، تفصیل سورۃ الجمعہ کے شروع میں ہے (ہدایت القرآن ۸: ۲۷۱)

اور اللہ نے امت کے اس پہلے طبقہ میں یہ صلاحیت رکھی ہے، وہ آباد دنیا تک دین کی دعوت لے کر پہنچیں گے، پھر ان کے بعد چونکہ امت میں کوڑا بھی شامل ہوجائے گا، اس لئے جو لوگ عقائد و اعمال میں صحابہ کے نقشِ قدم پر ہونگے وہ یہ فریضہ انجام دیں گے، اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا، اور یہی حضرات خیر امت ہیں، علم الٰہی میں یہ بہترین جماعت تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ریزرو (محفوظ) رکھا تھا، جب سلسلۂ نبوت پورا ہوا تو ان کو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے وجود میں لایا گیا وہ لوگوں کو بھلائی کی باتوں کا حکم دیں گے، اور بری باتوں سے روکیں گے، اور ان کا اعتماد اللہ تعالیٰ پر ہوگا، وہ کسی سے اپنے کام کے صلہ کی امید نہیں رکھیں گے، وہ انبیاء کے وارث ہونگے، اور انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾

ترجمہ: تم (علم الٰہی میں) بہترین امت تھے، جن کو لوگوں کی فائدہ رسانی کے لئے وجود میں لایا گیا ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو، اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین رکھتے ہو! —— یعنی کسی سے صلہ کی امید نہیں رکھتے، اللہ ہی سے صلہ کے امید رکھتے ہو۔

یہ آیت صحابہ کے ساتھ خاص ہے، اور ان لوگوں کے لئے ہے جو صحابہ جیسے کام کریں (حضرت عمرؓ)

اس آیت پاک کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تین ارشاد مروی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے سُدّی رحمہ اللہ (مفسر قرآن تابعی) سے اس آیت پاک کی تفسیر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لو شاء الله لقال: "أنتم" فكنا كلُّنا، ولكن قال: "كنتم" خاصةً في	اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو أنتم فرماتے، پس اس وقت ہم سب آیت کا مصداق ہوتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کنتم فرمایا ہے۔ خاص طور پر صحابۂ

أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم؛ ومن صنع مثلَ صنيعهم كانوا خير أمة أخرجت للناس.

کرام کے بارے میں ؛ اور جولوگ صحابۂ کرام جیسے کام کریں وہ بہترین امت ہوں گے، جولوگوں کی نفع رسانی کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔

(۲) سُدّی رحمہ اللہ ہی سے ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ نے آیت کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

قال: يكون لأوَّلِنا، ولايكون لآخرنا.

فرمایا: یہ آیت ہمارے اگلوں کے لئے یعنی صحابہ کے لئے ہے، اور ہمارے پچھلوں کے لئے نہیں ہے۔

(۳) ابن جریر حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں:

ذُكرلنا أن عمر بنَ الخطاب رضي الله عنه قرأ هذه الآية:" كنتم خير أمة أخرجت للناس" الآية، ثم قال: يأ يها الناس! من سَرَّهُ أن يكون من تلكم الأمة فليؤد شرط الله منها.

ہم سے یہ بات بیان کی گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کنتم خیر أمة تلاوت فرمائی، پھر فرمایا کہ جو شخص تم میں سے چاہتا ہے کہ اس امت (خیر الامم) میں شامل ہو تو چاہئے کہ وہ اللہ کی شرط پوری کرے جو خیر الامم کے لئے آیت میں لگائی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا تینوں ارشادات کنز العمال ۲: ۳۷۵ و ۳۷۶ میں مذکور ہیں۔ حدیث نمبر ترتیب وار یہ ہیں ۴۲۸۹، ۴۲۹۲، ۴۲۹۳، حیات الصحابہ عربی ۱: ۱۷ میں بھی پہلا اور تیسرا اثر مذکور ہے۔

اس کے بعد ایک نحوی قاعدہ جان لیں تا کہ انتم اور کنتم کا فرق واضح ہو سکے۔ أنتم خير أمة جملہ اسمیہ خبریہ ہے جو محض ثبوت واستمرار پر دلالت کرتا ہے، اس میں کسی زمانہ سے کوئی بحث نہیں ہوتی۔ مثلاً زیدقائم زید کے لئے قیام کے ثبوت واستمرار پر دلالت کرتا ہے کوئی خاص زمانہ اس میں ملحوظ نہیں۔ اور کنتم خَيْرَ أمة میں ضمیر کان کا اسم ہے۔ اور خیر أمة مرکب اضافی کان کی خبر ہے اور نحوی قاعدہ یہ ہے کہ:

'' کان اپنے دونوں معمولوں (اسم وخبر) کے ساتھ، اس کے اسم کے، اس کی خبر کے مضمون کے ساتھ محض اتصاف پر دلالت کرتا ہے (یعنی کوئی امر زائد اس میں نہیں ہوتا) ایسے زمانہ میں جو اس کے صیغہ کے مناسب ہو یا اس کے مصدر کے مشتقات میں سے جملہ میں مذکور صیغہ کے مناسب ہو۔ اگر صیغہ فعل ماضی ہو تو زمانہ صرف ماضی ہوگا۔ بشرطیکہ اس کو غیر ماضی کے لئے کرنے والا کوئی لفظ نہ ہو۔ اور اگر صیغہ خالص فعل مضارع کا ہو تو اس میں حال

واستقبال دونوں زمانوں کی صلاحیت ہوگی۔ بشرطیکہ کوئی حرف جیسے لَنْ، لَمْ وغیرہ اس کو کسی ایک زمانہ کے ساتھ خاص نہ کردیں یا اس کو ماضی کے لئے نہ کردیں۔ اور اگر صیغہ فعل امر ہو تو اس میں زمانہ استقبال ہوگا۔ مثلاً: کان الطفل جاریا (بچہ چلنے لگا) اس وقت کہیں گے جب بچہ زمانۂ ماضی میں چلنے لگا ہو۔ اور یکون الطفل جاریا اس وقت کہیں گے جب چلنا زمانۂ حال میں یا مستقبل میں متحقق ہو۔ اور کُنْ جاریًا سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ مخاطب زمانۂ مستقبل میں چلے (النحو الوافی ۱: ۵۴۸)

پس اگر آیت میں أنتم خیرُ أمةٍ ہوتا تو خیریت کا ثبوت دوام واستمرار کے ساتھ ہوتا اور پوری امت اس کا مصداق ہوتی۔ مگر جب آیت میں کنتم خیرَ أمةٍ فرمایا گیا ہے تو نزول آیت کے وقت زمانۂ ماضی میں جوامت وجود پذیر ہو چکی تھی اس کو خیریت کے ساتھ متصف کیا گیا ہے۔ پس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی آیت کا مصداق اولیں ہوں گے، کیونکہ نزول آیت کے وقت انہیں کا تحقق ہو چکا تھا، باقی امت تو ابھی تک وجود پذیر نہیں ہوئی تھی۔ البتہ باقی امت کے وہ افراد جو آیت کی شرط پوری کریں وہ فن اعتبار سے آیت کا مصداق ہوں گے۔

جماعتِ صحابہ کے لئے حفاظت ضروری ہے

اور جس طرح نبی کے لئے عصمت ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر نبی کے پہنچائے ہوئے دین پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح جماعت صحابہ کے لئے حفاظت ضروری ہے، کیونکہ وہ خیر الامم ہیں اور وہ من وجہٍ مبعوث الی الآخرین ہیں، پس عدالت وحفاظت کے بغیر ان کے پہنچائے ہوئے دین پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اور یہ حکم کلی کے ہر ہر فرد کا ہے ارشاد نبوی ہے: ''میرے صحابہ آسمان کے تاروں کی مثال ہیں، ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کروگے منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے'' (یہ حدیث چھ صحابہ سے مروی ہے اور حسن لغیرہ ہے)

اسی عدالت وحفاظت کا نام صحابہ کا ''معیار حق'' ہونا ہے، جن لوگوں کے نزدیک اللہ ورسول کے علاوہ کسی کی ذہنی غلامی جائز نہیں، وہ سخت گمراہی میں ہیں، وہ سوچیں ان تک دین صحابہ ہی کے توسط سے پہنچا ہے، اگر وہی قابل اعتماد اور لائق تقلید نہیں، تو پھر ان کے دین کی صحت کی کیا ضمانت ہے!

غرض صحابہ کا طبقہ امت کا ایک ایسا طبقہ ہے جو من حیث الطبقة یعنی پوری کی پوری جماعت دین کے معاملہ میں مأمون ومحفوظ ہے، اور وہ ہر اعتقادی گمراہی یا عملی خرابی سے پاک ہے، کیونکہ وہ بھی مبعوث ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کردیا، لوگوں نے اس کو لے لیا، تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''اُسے چھوڑو، اور اس کے پیشاب پر پانی کی ایک بالٹی ڈال دو فإنما بُعثتم میسرین،

ولم تُبعثوا معسِّرین (کیونکہ تم آسانی کرنے والے بنا کر ہی مبعوث کئے گئے ہو، تنگی کرنے والے بنا کر مبعوث نہیں کئے گئے) (بخاری کتاب الوضوء، حدیث نمبر ۲۲۰، مشکوۃ، باب تطہیر النجاسات حدیث نمبر ۴۹۱) یہ حدیث شریف صحابۂ کرام کی بعثت میں بالکل صریح اور دوٹوک ہے۔ عُلم من هذا الحديث أن أمته صلى الله تعالى عليه وسلم أيضًا مبعوثةٌ إلى الناس، فثبت له صلى الله عليه وسلم بعثتان ألبتة اھ (سندیؒ)

یہود کے لئے بھی خیر امت میں شامل ہونے کا دروازہ کھلا ہے

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے جہانوں پر برتری بخشی تھی، سورۃ البقرۃ (آیت ۴۷) میں اس کی صراحت ہے۔ اور اب خاتم النّبیین ﷺ کی بعثت کے بعد یہ فضیلت آپؐ کی امت کو عطا فرمائی ہے، اب وہی خیر امت قرار پائی ہے، بنی اسرائیل کی فضیلت ختم ہوگئی، مگر ان کے لئے بھی دروازہ کھلا ہے، وہ بھی نبی ﷺ پر ایمان لا کر بہترین امت میں شامل ہو سکتے ہیں۔

مگر ان کی صورتِ حال ناگفتہ بہ ہے، کچھ ہی حضرات ایمان لائے ہیں، حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں، باقی ان کے بیشتر اللہ کا حکم ماننے کے لئے اور ایمان لانے کے لئے تیار نہیں، یہ ان کا قصور ہے، اللہ نے ان کے لئے بھی دوبارہ فضیلت حاصل کرنے کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

﴿ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ ۱۱۰

ترجمہ: اور اگر اہلِ کتاب (یہود) ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا، ان میں سے بعضے ایمان لائے ہیں، اور ان میں سے اکثر حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۱۱۱ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۱۱۲

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ	ہرگز ضرر نہیں پہنچائیں گے وہ تم کو	اِلَّآ اَذًى	مگر ستانا	يُّقَاتِلُوْكُمْ	لڑیں گے وہ تم سے
		وَاِنْ	اور اگر	يُوَلُّوْكُمُ	پھیریں گے وہ تم سے

الْاَدْبَارَ	پیٹھوں کو	وَحَبْلٍ	اور رسّی سے	كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ	انکار کیا کرتے تھے
ثُمَّ لَا	پھر نہیں	مِّنَ النَّاسِ	لوگوں کی	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں کا
يُنْصَرُوْنَ	مدد کئے جائیں گے وہ	وَبَآءُوْ	اور لوٹے وہ	وَيَقْتُلُوْنَ	اور قتل کرتے تھے
ضُرِبَتْ	ماری گئی	بِغَضَبٍ	غصہ کے ساتھ	الْاَنْۢبِيَآءَ	نبیوں کو
عَلَيْهِمُ	ان پر	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کے	بِغَيْرِ حَقٍّ	ناحق
الذِّلَّةُ	ذلت (رسوائی)	وَضُرِبَتْ	اور ماری گئی	ذٰلِكَ	یہ بات
اَيْنَ مَا	جہاں بھی	عَلَيْهِمُ	ان پر	بِمَا عَصَوْا	ان کی نافرمانی کی وجہ
ثُقِفُوْٓا	پائے جائیں وہ	الْمَسْكَنَةُ	حاجت مندی		سے ہے
اِلَّا بِحَبْلٍ	مگر رسّی سے	ذٰلِكَ	یہ بات	وَّكَانُوْا	اور تھے وہ
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی	بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ ہے کہ وہ	يَعْتَدُوْنَ	حد سے نکل جاتے

فاسق یہودیوں کا تذکرہ: وہ مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے

فرمایا تھا: ﴿وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾: اکثر یہودی حد اطاعت سے نکل جانے والے ہیں، یعنی اللہ کا یہ حکم ماننے کے لئے تیار نہیں کہ نبی ﷺ پر ایمان لاؤ، مدینہ میں یہود کے تین قبائل تھے: بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع، اور مدینہ کے قریب خیبر میں بھی یہود آباد تھے، ان کے پاس مضبوط قلعے، گھنے باغات، وسیع کاروبار اور مال ودولت کا ڈھیر تھا، مشرکین پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، اب نئی جماعت مسلمانوں کی وجود میں آئی، ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے، ان کے اصل دشمن یہی یہودی تھے، وہ مسلمانوں کو مدینہ میں پنپنے نہیں دینا چاہتے تھے، ہر ممکن چال ان کے قدم اکھاڑنے کے لئے چلتے تھے، اللہ پاک پیشین گوئی فرماتے ہیں: وہ مسلمانوں کو کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، بس چھیڑ خانی تک بات رہے گی، لہٰذا ان کا خوف مت کھاؤ، اول تو وہ تم سے لڑنے کی ہمت نہیں کریں گے، اور اگر مقابلہ ہوگیا تو دُم دبا کر بھاگیں گے، اور جن مشرک قبائل کے ساتھ ان کے معاہدے ہیں، اور ان کو ان کی حمایت پر ناز ہے، ان میں سے کوئی ان کی مدد نہیں کرے گا، یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی، مدینہ منورہ تینوں قبائل سے خالی کرالیا گیا، ایسی پیشین گوئی علام الغیوب کے علاوہ کون کرسکتا ہے؟ پس یہ رسالت کی صداقت کی بھی دلیل ہے۔

﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۱۱۱﴾

ترجمہ: وہ تم کو ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکتے، ہاں ستائیں گے، اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر وہ

مدد نہیں کئے جائیں گے!

اللہ تعالیٰ یہود سے سخت ناراض ہیں، اس لئے ذلت اور حاجت ان کا مقدر بن گئی ہے

مدینہ کے یہود مسلمانوں کو کوئی بڑا ضرر کیوں نہیں پہنچا سکتے؟ اور اگر مسلمانوں سے مڈ بھیڑ ہو تو دم دبا کر کیوں بھاگیں گے؟ وہ تو ہر اعتبار سے مضبوط ہیں! اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ یہود کی آن بان اور شان شوکت محض دکھاوا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہیں، اس لئے ان پر ذلت اور حاجت مندی کا ٹھپّہ لگا دیا ہے، وہ دنیا میں جہاں بھی رہیں ذلیل وخوار رہیں گے، اور ارب پتی بھی پیسے پیسے کو مرے گا، ایسے لوگ مسلمانوں کو کیا ضرر پہنچا سکتے ہیں؟ جن میں نہ مردانگی ہو نہ خرچ کا حوصلہ وہ مسلمانوں سے کیا لوہا لیں گے!

البتہ وہ دو صورتوں میں سر ابھار سکتے ہیں:

ایک: وہ اللہ کی رسّی تھام لیں، ایمان لے آئیں تو وہ سرخ رو ہو سکتے ہیں، ان کی ذلت ونکبت دور ہو جائے گی۔

دوم: لوگوں کا سہارا مل جائے، جیسے یورپ اور امریکہ کے سہارے انھوں نے فلسطین میں حکومت بنالی ہے، یہ حکومت مکڑی کا جالا ہے، اگر ان کے آقاؤں کی نظریں پھر جائیں تو وہ زمین بوس ہو جائیں گے، وہ سمجھتے نہیں! یہ تو عیسائیوں نے — جو ان کے دشمن ہیں — ان کو قربانی کا بکرا بنایا ہے۔

اور آخر میں یہ بیان ہے کہ یہود پر ذلت ورسوائی اور حاجت مندی وپستی کا ٹھپّہ چار وجوہ سے لگا ہے:

۱- ماضی میں بھی اور اب بھی اللہ کی باتوں کو نہ ماننا ان کا شیوہ رہا ہے۔

۲- وہ نبیوں کو قتل کرتے رہے ہیں، یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ ناحق قتل کر رہے ہیں۔

۳- جو احکام ان کو دیئے جاتے تھے وہ ہمیشہ ان کی نافرمانی کرتے رہے۔ گائے ذبح کرنے کا ان کو حکم دیا تو سوالات کی بوچھار کردی۔

۴- حدود شرعیہ سے تجاوز کرنا ان کا مزاج ہے، حِطَّۃ کہتے ہوئے سر جھکاتے ہوئے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا تو حِنْطَۃ کہتے ہوئے سرینوں کے بل داخل ہوئے۔

اور گمراہی کے اسباب جب تہہ بہ تہہ جمع ہو جاتے ہیں تو ایمان کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، اسی کو دلوں پر مہر کرنا اور ذلت ورسوائی کا ٹھپّہ لگانا کہتے ہیں، اب ان کو ایمان کہاں نصیب ہوگا!

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ: ان پر ذلت مسلط کردی گئی ہے، جہاں بھی وہ رہیں ــــ مگر اللہ کے سہارے یا لوگوں کے سہارے ــــ اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو چکے ہیں، اور ان پر پستی مسلط کردی گئی ہے، یہ بات اس لئے ہے کہ وہ احکام الٰہی کا انکار کیا کرتے تھے، اور انبیاء کو ناحق قتل کیا کرتے تھے، یہ بات ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہے، اور وہ حد سے نکل نکل جایا کرتے تھے۔

ملحوظہ: ﴿وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ میں واو بمعنی أو ہے (تفسیر ماجدی اردو)

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَـيْــــًٔـا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

لَيْسُوْا	نہیں وہ (اہل کتاب)	اٰنَاۗءَ الَّيْلِ[2]	رات کے اوقات میں	عَنِ الْمُنْكَرِ	برائیوں سے
سَوَآءً	یکساں (برابر)	وَھُمْ	اور وہ	وَيُسَارِعُوْنَ	اور دوڑتے ہیں
مِنْ اَھْلِ	اہل کتاب میں سے	يَسْجُدُوْنَ	سجدے کرتے ہیں	فِي الْخَيْرٰتِ	نیک کاموں میں
الْكِتٰبِ		يُؤْمِنُوْنَ	یقین رکھتے ہیں وہ	وَاُولٰۗىِٕكَ	اور وہ لوگ
اُمَّةٌ[1]	ایک جماعت	بِاللّٰهِ	اللہ پر	مِنَ الصّٰلِحِيْنَ	نیکیوں میں سے ہیں
قَاۗىِٕمَةٌ	(نماز میں) کھڑی	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن پر	وَمَا يَفْعَلُوْا	اور جو کرتے ہیں وہ
	رہنے والی ہے	وَيَاْمُرُوْنَ	اور حکم دیتے ہیں	مِنْ خَيْرٍ	کوئی بھی نیک کام
يَّتْلُوْنَ	پڑھتے ہیں وہ	بِالْمَعْرُوْفِ	نیکی کے کاموں کا	فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ	تو ہرگز ناشکری نہیں کئے
اٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتیں	وَيَنْهَوْنَ	اور روکتے ہیں		جائیں گے وہ اس کی

(۱) أمة: مبتدا مؤخر ہے (۲) آناء: أنیٰ کی جمع: وقت۔

وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	لَنْ تُغْنِيَ	ہرگز نہیں ہٹائیں گے	شَيْـًٔا	ذرا بھی
عَلِيْمٌۢ	خوب جانتے ہیں	عَنْهُمْ	ان سے	وَاُولٰٓئِكَ	اور وہ لوگ
بِالْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کو	اَمْوَالُهُمْ	ان کے اموال	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں
اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جنھوں نے	وَلَآ اَوْلَادُھُمْ	اور نہ ان کی اولاد	ھُمْ فِيْهَا	وہ اس میں
كَفَرُوْا	انکار کیا	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ (کے عذاب) سے	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں

ایمان لانے والے اہل کتاب کے احوال

حد اطاعت سے باہر نکل جانے والے (فاسق) یہودیوں کے تذکرہ کے بعد ایمان لانے والے اہلِ کتاب کا حال بیان فرماتے ہیں، دونوں کے احوال میں موازنہ کریں، ایمان کی برکت سے ان کی زندگی کیسی سنور گئی! ارشاد فرماتے ہیں: سب یہودی یکساں نہیں، ان میں فاسق ہیں تو حق شناس بھی ہیں، یہی لوگ نبی ﷺ پر ایمان لائے ہیں، مفسرین نے ان کے نام لکھے ہیں: حضرات عبداللہ بن سلام، ثعلبۃ بن سعید، اُسید بن سعید اور اسد بن عبید رضی اللہ عنہم، اور قرآن کہتا ہے: ان کی ایک جماعت ہے:

۱- جو شب زندہ دار ہے، تہجد کی نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو کھڑے ہیں، قرآنِ کریم کی لمبی تلاوت کرتے ہیں، اور اسی اعتبار سے رکوع وسجود کرتے ہیں، جن کی نفل نماز کا یہ حال ہے ان کے فرائض کا کیا حال ہوگا؟ رات کے سناٹے میں ان کی نماز ایسی ہے تو دن کے اجالے میں ان کی نماز کیسی ہوگی؟

۲- وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر کامل یقین رکھتے ہیں، یہی اعتقاد اعمالِ صالحہ پر ابھارتا ہے، اس لئے قرآن وحدیث میں انہی دو عقیدوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۳- وہ لوگ نہ صرف خود پاکیزہ کرداری کے پتلے ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی اسی راہ پر ڈالنا چاہتے ہیں، لوگوں کو نیکیوں کا شوق دلاتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔

۴- وہ لوگ نیک کاموں کی طرف بے دلی اور بدشوقی سے نہیں، بلکہ بڑے شوق، رغبت اور چاؤ کے ساتھ لپکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ حضرات نیک بندوں میں شامل ہیں، اور نیک بندے جو بھی نیک کام کرتے ہیں اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی، اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتے ہیں، جزاء کے دن بھرپور صلہ ان کو عنایت فرمائیں گے۔

ان کے بالمقابل جو اہلِ کتاب ایمان نہیں لائے، جن کو اپنی دولت اور کنبہ پر ناز ہے وہ جان لیں کہ کل قیامت کو یہ چیزیں اللہ کے عذاب کو ذرا بھی نہیں ہٹا سکیں گی، ان کو جہنم کا ایندھن بننا پڑے گا، وہ اس میں ہمیشہ سڑیں گے!

فائدہ: پہلی آیت میں نماز کے ارکانِ ستہ میں سے تین کا ذکر کیا ہے: قیام، قراءت اور سجدہ، رکوع کا تذکرہ سجدہ کے ضمن میں آگیا، دونوں کے معنی جھکنے اور عاجزی کے ہیں، اور تکبیر تحریمہ میں اختلاف ہے کہ وہ رکن ہے یا شرط؟ اسی طرح قعدہ اخیرہ میں اختلاف ہے کہ وہ فرض ہے یا سنت بمعنی واجب؟ اور تہجد میں قیام اگرچہ فرض نہیں، مگر مستطیع کے لئے مستحب ہے اور اس میں ثواب پورا ملتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں اتنا طویل قیام فرماتے تھے کہ پیر ورم کر جاتے تھے۔

آیاتِ کریمہ: وہ (یہود) سب یکساں نہیں، اہلِ کتاب میں سے ایک جماعت ہے (تہجد کی نماز میں) کھڑی ہونے والی، وہ رات کے اوقات میں اللہ کی آیتیں (قرآنِ کریم) پڑھتے ہیں، اور وہ (رکوع) سجدہ کرتے ہیں، وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر کامل یقین رکھتے ہیں، اور نیکی کے کاموں کا حکم دیتے ہیں، اور برائیوں سے روکتے ہیں، اور لپک کر نیکی کے کام کرتے ہیں، اور وہ لوگ نیکوں میں سے ہیں، اور وہ جو بھی نیک کام کرتے ہیں، پس ہرگز ان کے اس کام کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتے ہیں —— بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے سے انکار کیا، ان سے ان کی دولت اور ان کی اولاد اللہ کے عذاب کو ذرا بھی نہیں ہٹائے گی، اور وہ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

مَثَلُ	عجیب حالت	فِیْهَا صِرٌّ	اس میں ٹھر (پالا) ہے	فَاَهْلَكَتْهُ	پس برباد کردیا اس نے اسکو
مَا یُنْفِقُوْنَ	اسکی جو خرچ کرتے ہیں وہ	اَصَابَتْ	پہنچی وہ ہوا	وَمَا ظَلَمَهُمُ	اور نہیں ظلم کیا ان پر
فِیْ هٰذِهِ	اس دنیا کی	حَرْثَ	کھیتی کو	اللّٰهُ	اللہ نے
الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا	زندگی میں	قَوْمٍ	ایسی قوم کی	وَلٰكِنْ	لیکن
كَمَثَلِ	جیسے عجیب حالت	ظَلَمُوْٓا (۲)	جنھوں نے ظلم کیا	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں پر
رِیْحٍ (۱)	ہوا کی	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں پر	یَظْلِمُوْنَ	ظلم کرتے ہیں وہ

(۱) ریح (مفرد) قرآن میں عموماً عذاب کے موقع پر استعمال ہوا ہے اور ریاح (جمع) رحمت کے موقعہ پر۔ (۲) ظلموا أنفسهم: یعنی کفار، کلام مثال سے ممثل لہ کی طرف منتقل ہوا ہے، اور یہ قرآن کا اسلوب ہے۔

ایمان کے بغیر جو خیرات کی جاتی ہے وہ آخرت میں برباد ہوگی

اب ایک آیت میں ایک سوال کا جواب ہے۔ فرمایا تھا کہ جو اہلِ کتاب نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے ان کی دولت آخرت میں ان کے کچھ کام نہیں آئے گی، اس پر سوال ہوا کہ یہودی، عیسائی اور ہندو بہت سے رفاہی اور خدمتِ خلق کے کام کرتے ہیں، پس کیا یہ نیک کام بھی آخرت میں ان کے کام نہیں آئیں گے؟

اس آیت میں اس کا جواب ہے کہ ایمان کے بغیر کیا ہوا ان کا یہ نیک کام آخرت میں برباد ہوگا، اس کا کوئی صلہ ان کو نہیں ملے گا، اس کو ایک آسان اور عام فہم مثال سے سمجھاتے ہیں، ایک شخص نے کھیت بویا، کھیتی لہلہانے لگی، کسان اس کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اور اس سے بہت کچھ امیدیں باندھتا ہے پھر اچانک پالا پڑتا ہے اور کھیت جل کر خاک ہو جاتا ہے، اور وہ کھیتی کی تباہی پر کفِ افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔

اسی طرح جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، کفر و شرک میں مبتلا ہیں، اور خیر خیرات اور دان پُن کرتے ہیں: قیامت کے دن ان کا کفر و شرک ان کے نیک عمل کو برباد کر دے گا، اور وہ آخرت میں تہی دامن رہ جائیں گے، کیونکہ گری بغیر کی مونگ پھلی کی مارکیٹ میں کوئی قیمت نہیں ملتی۔

اور یہ ان پر اللہ کا ظلم نہیں، بلکہ انھوں نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے کہ ایمان نہیں لائے، کفر و شرک میں مبتلا رہے، اعمال کی روح ایمان ہے، ایمان کے بغیر عمل بے جان ہے۔ البتہ حدیث میں ہے کہ غیر مسلم کے نیک کاموں کا پھل اس کو دنیا میں کھلا دیا جاتا ہے، شہرت کی شکل میں یا ناموری کی صورت میں یا اذیت ٹلنے کے ذریعہ یا کسی اور صورت میں صلہ مل جاتا ہے، آخرت میں اس کو کچھ نہیں ملے گا۔

آیتِ پاک: وہ لوگ (اہلِ کتاب) اس دنیوی زندگی میں جو خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہوا میں پالا ہو، وہ کسی ایسی قوم کی کھیتی کو پہنچے جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے —— یعنی کفر کیا ہے، بات مثال سے ممثل لہٗ کی طرف منتقل ہوگئی —— پس وہ (ہوا) اس کھیتی کو برباد کر دے، اور ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا —— کہ ان کو ان کے نیک عمل کا صلہ نہیں دیا —— بلکہ وہ اپنی ذاتوں پر ظلم کرتے ہیں —— کہ ایمان نہیں لائے اور بے ایمانی کے ساتھ خیرات کرتے ہیں، ایسی خیرات کا انجام یہی ہوگا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	وَمَا تُخْفِيْ	اور جو چھپاتے ہیں	بِالْكِتٰبِ	کتابوں کو
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	صُدُوْرُهُمْ	ان کے سینے	كُلِّهٖ	ساری
لَا تَتَّخِذُوْا	نہ بناؤ تم	اَكْبَرُ	(اس سے) بڑی ہے	وَاِذَا	اور جب
بِطَانَةً (۱)	استر (رازدار)	قَدْ بَيَّنَّا	تحقیق بیان کردی ہم نے	لَقُوْكُمْ	ملتے ہیں وہ تم سے
مِّنْ دُوْنِكُمْ	اپنوں کے علاوہ	لَكُمُ الْاٰيٰتِ	تمہارے لئے اپنی باتیں	قَالُوْٓا	کہتے ہیں
لَا يَاْلُوْنَكُمْ (۲)	نہیں روکیں گے وہ تم سے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم
خَبَالًا (۳)	فساد کو	تَعْقِلُوْنَ	سمجھتے!	وَاِذَا خَلَوْا	اور جب تنہا ہوتے ہیں وہ
وَدُّوْا	آرزو کرتے ہیں وہ	هٰٓاَنْتُمْ (۵)	سنو! تم	عَضُّوْا	کاٹتے ہیں وہ
مَا عَنِتُّمْ (۴)	تمہاری مشقت کی	اُولَآءِ	اے لوگو!	عَلَيْكُمُ	تم پر
قَدْ بَدَتِ	تحقیق ظاہر ہوگئی ہے	تُحِبُّوْنَهُمْ	محبت کرتے ہو ان سے	الْاَنَامِلَ	پورے
الْبَغْضَآءُ	دشمنی	وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ	اور نہیں محبت کرتے وہ تم سے	مِنَ الْغَيْظِ	غصہ سے
مِنْ اَفْوَاهِهِمْ	ان کے مونہوں سے	وَتُؤْمِنُوْنَ (۶)	اور مانتے ہو تم	قُلْ مُوْتُوْا	کہو: مرو

(۱) بِطَانة: استر، نیچے کا کپڑا، خلاف ظِهارة: دل کی بات، ہم راز (۲) ألاَ (ن) ألُوًا: کوتاہی کرنا، سست وکمزور ہونا، منع کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہے، جیسے لا آلوك نُصحا، لا آلوك جهدا (روح) (۳) خبالاً: دوسرا مفعول بہ ہے، خبال: فساد، تباہی، باب نصر کا مصدر بھی ہے۔ (۴) ما عنتم: ما: مصدریہ ہے، عنتم: اس کا صلہ، موصول صلہ مرکر وَدوا کا مفعول بہ۔ (۵) هأنتم: ها: حرف تنبیہ، أنتم: مبتدا، جملہ تحبونهم: خبر، اور أولاء: منادی، حرف ندا محذوف، ها: دوبارہ نہیں لائے، آیت ۶۶ میں دوبارہ لائے ہیں۔ (۶) تؤمنون: آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا فہم سامع پر اعتماد کرکے چھوڑ دیا ہے۔

بِغَیْظِکُمْ	اپنے غصہ میں	وَاِنْ تُصِبْکُمْ	اور اگر پہنچے تمہیں	کَیْدُھُمْ	ان کی چال
اِنَّ اللّٰہَ	بے شک اللہ تعالیٰ	سَیِّئَۃٌ	کوئی برائی	شَیْئًا	کچھ بھی
عَلِیْمٌ	خوب جانتے ہیں	یَّفْرَحُوْا	خوش ہوتے ہیں وہ	اِنَّ اللّٰہَ	بے شک اللہ تعالیٰ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	سینوں والی باتوں کو	بِھَا	اس کی وجہ سے	بِمَا یَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو وہ
اِنْ تَمْسَسْکُمْ	اگر چھوئے تمہیں	وَاِنْ تَصْبِرُوْا	اگر صبر کرو تم		کرتے ہیں
حَسَنَۃٌ	کوئی خوبی	وَتَتَّقُوْا	اور بچو تم	مُحِیْطٌ	گھیرنے والے ہیں
تَسُؤْھُمْ	بری لگتی ہے ان کو	لَا یَضُرُّکُمْ	نہیں نقصان پہنچائیگی تم کو	۞	۞

مسلمان: مسلمانوں کے سوا کسی کو رازدار نہ بنائیں

اب سلسلۂ کلام پیچھے کی طرف لوٹ گیا ہے۔ فرمایا تھا کہ اللہ کی مدد جب آئے گی کہ امت اعمال پر استوار ہو، اور سب مل کر اللہ کی رسّی مضبوط پکڑیں، پھر بات پھیلتی چلی گئی تھی، اب فرماتے ہیں کہ کامیابی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ خاص جنگی حالات میں مسلمان: مسلمانوں کے علاوہ کسی کو بھیدی اور رازدار نہ بنائیں، مسلمانوں کے دشمن مدینہ میں یہودی اور منافق تھے، اور منافقین میں بھی یہودی شامل تھے پس اگر اپنے جنگی راز دشمنوں کو دیدو گے تو کامیابی مشکل ہے۔

تمہارے دشمن خواہ کوئی ہوں، یہودی ہوں یا عیسائی، منافق ہوں یا مشرک: وہ تمہارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، وہ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے، وہ تمہیں زَک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے، ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ تمہیں ضرر پہنچے، کبھی ان کی زبان بے قابو ہو جاتی ہے تو عداوت کے جذبات ظاہر ہو جاتے ہیں، اور ان کے دلوں میں جو دشمنی کی آگ بھری ہوئی ہے: اس کا تو تم اندازہ نہیں کر سکتے، پس عقلمندوں کا کام نہیں کہ ایسے بدباطن دشمنوں کو اپنا رازدار بنائیں۔

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنوں کے سوا کسی کو (جنگی حالات میں) رازدار مت بناؤ، وہ لوگ (تمہارے دشمن) تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے، ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ تمہیں مشقت پہنچے —— تم شکست سے دوچار ہوؤ —— بالیقین دشمنی ان کی زبانوں سے ظاہر ہو چکی ہے، اور جو سینوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے زیادہ ہے، ہم نے باتیں

تمہارے لئے کھول کر بیان کردی ہیں اگر تم سمجھو!

اور سنو! تم ان سے واقعی محبت کرتے ہو، مگر ان کی طرف سے محبت ندارد! تم اللہ کی سبھی کتابوں کو مانتے ہو، بنی اسرائیل کے انبیاء پر جو کتابیں نازل ہوئی ہیں ان پر بھی تمہارا ایمان ہے، مگر وہ تمہاری کتاب کو جو بنی اسماعیل پر نازل ہوئی ہے: نہیں مانتے، اور وہ تمہارے سامنے تو اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں، اور تمہاری پیٹھ پیچھے تم پر غصہ کے مارے انگلیاں کاٹتے ہیں ان سے کہہ دو: اپنے غصہ میں پھانسی کھالو، ہمارا کیا بگڑے گا! اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہیں، وہ ہمیں تمہارے رازہائے سربستہ سے واقف کردیں گے۔

﴿هَآ أَنتُمْ أُولَآءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَٰبِ كُلِّهِۦ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوٓا ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ: سنو! تم ــــ اے لوگو ــــ ان سے محبت کرتے ہو، اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے، اور تم اللہ کی سبھی کتابوں کو مانتے ہو ــــ اور وہ تمہاری کتاب کو نہیں مانتے ــــ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لائے، اور جب تنہا ہوتے ہیں تو تم پر غصہ کے مارے انگلیاں کاٹتے ہیں، کہہ دو: اپنے غصہ میں مرو! بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں سے خوب واقف ہیں!

اور سنو: تمہاری ذراسی بھلائی بھی ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی، اور اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے، ایسے کمینہ لوگوں سے ہمدردی اور خیر خواہی کی کیا امید رکھتے ہو؟ اور دوستی کا ہاتھ ان کی طرف کیوں بڑھاتے ہو؟ اور اگر کوئی کہے کہ ہم ان کے ضرر سے بچنے کے لئے تعلقات ہموار رکھنا چاہتے ہیں تو جان لو کہ اگر تم نے صبر کیا، نفس کو ان کے ساتھ تعلقات سے روکا اور تم محتاط رہے تو ان کی چالیں رائگاں جائیں گی، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، ان کو پوری قدرت حاصل ہے کہ وہ ان کی اسکیموں کو خاک میں ملادیں۔

﴿إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۱۲۰﴾﴾

ترجمہ: اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو بری لگتی ہے، اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچتا ہے تو اس کی وجہ سے ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور احتیاط رکھو تو ان کی سازش سے تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا، بے شک اللہ تعالیٰ احاطہ کئے ہوئے ہیں ان کاموں کا جو وہ کرتے ہیں۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	لِلْقِتَالِ	لڑنے کے لئے	اَنْ تَفْشَلَا (۴)	کہ بزدلی دکھائیں
غَدَوْتَ (۱)	چلے ہیں آپؐ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
مِنْ اَهْلِكَ	اپنے گھر سے	سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ	سمیع وعلیم ہیں	وَلِيُّهُمَا	دونوں کے کارساز ہیں
تُبَوِّئُ (۲)	بٹھارہے ہیں	اِذْ هَمَّتْ	جب ارادہ کیا	وَعَلَى اللّٰهِ	اور اللہ ہی پر
الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کو	طَّآئِفَتٰنِ	دوجماعتوں نے	فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ بھروسہ کریں
مَقَاعِدَ (۳)	ٹھکانوں میں	مِنْكُمْ	تم میں سے	الْمُؤْمِنُوْنَ	مؤمنین

غزوۂ احد میں صورتِ حال نازک ہوگئی تو یہود ومنافقین نے گھی کے چراغ جلائے!

ابھی سابقہ سلسلۂ بیان چل رہا ہے، جب مسلمانوں کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ یہود ومنافقین کو بری لگتی ہے، اور جب کوئی تکلیف دہ بات پیش آتی ہے تو وہ خوشیاں مناتے ہیں، اب اس کی مثالیں بیان فرماتے ہیں، پہلے دوسری بات کی پھر پہلی بات کی مثال ہے، اس لئے کہ پہلی مثال مفصل ہے اور دوسری مختصر، اس لئے مختصر کو پہلے بیان کیا ہے۔

غزوۂ احد میں مشرکینِ مکہ ان کے بدر میں مارے گئے سرداروں کا بدلہ لینے کے لئے تین ہزار کی تعداد میں مدینہ پر چڑھ آئے، وہ ہتھیاروں سے پوری طرح لیس تھے، اور مسلمان کل ایک ہزار تھے، ان کے پاس ہتھیار بھی برائے نام تھے، پھر عین وقت پر منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس لوٹ گیا، اور مجاہدین کی تعداد صرف سات سو رہ گئی۔

اس کمی کی تلافی نبی ﷺ نے مورچہ بندی سے کی، آپؐ نے حیرت انگیز طریقہ پر فوجیوں کے ٹھکانے متعین کئے، اور پچاس تیر اندازوں کا دستہ فوج کی پشت پر ایک پہاڑی پر متعین کیا، تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کرسکے، اور ان کو ہدایت

(۱) غدا: بمعنی صَارَ بھی آتا ہے، اس وقت وہ افعالِ ناقصہ میں سے ہوتا ہے، ضمیر واحد مذکر حاضر اس کا اسم ہے اور جملہ تبوئ خبر (جمل حاشیہ جلالین) (۲) تبوئ: مضارع، واحد مذکر حاضر: ٹھکانہ دیتے ہیں، اتارتے ہیں، جگہ متعین کرتے ہیں (۳) مقاعد: مَقْعَد کی جمع منتہی الجموع، ظرف مکان: بیٹھنے کی جگہ۔ (۴) فشِلَ (س) فَشَلًا: بزدلی دکھانا، ڈھیلا اور سست پڑنا۔

دی کہ وہ اپنی جگہ کسی حال میں نہ چھوڑیں، خواہ جنگ میں کامیابی ہو یا ناکامی، اور میمنہ اور میسرہ پر بنو حارثہ اور بنو سلمہ کو مقرر کیا، یہ بہادر قبائل تھے، مگر شیطان نے ان کو ورغلایا، اور وہ منافقوں کی طرح واپسی کی سوچنے لگے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو سنبھال لیا اور وہ جم گئے۔

پھر جنگ شروع ہوئی، پہلے انفرادی مقابلہ ہوا، اور کافروں کے علم بردار یکے بعد دیگرے کام آ گئے، پھر عام مقابلہ شروع ہوا، مسلمانوں نے تابڑ توڑ حملہ کیا، اور کافروں کے چھکے چھوٹ گئے، ان کی عورتیں بھاگتی نظر آئیں، مجاہدین غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے، اور پہاڑی پر جو پچاس تیرانداز مقرر کئے تھے ان میں سے چالیس نے جگہ چھوڑ دی، وہ بھی غنیمت جمع کرنے کے لئے آ گئے، جب مورچہ خالی ہو گیا تو خالد بن ولید نے سواروں کے رسالہ کے ساتھ عقب سے حملہ کر دیا، اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، ستر صحابہ شہید ہو گئے اور جو زندہ تھے زخمی تھے، نبی ﷺ بھی زخموں سے چور تھے، مگر اللہ کا کرنا کہ کفار سراسیمہ ہو کر میدان سے چل دیئے، یوں ہاری ہوئی بازی جیت لی گئی، مگر مسلمانوں کا نقصان ہو گیا، اس پر یہود اور منافقین نے خوب بغلیں بجائیں اور گھی کے چراغ جلائے! ان دو آیتوں میں اس کا تذکرہ ہے۔

نبی ﷺ نے میدانِ جنگ میں مورچہ بندی کی

نبی ﷺ ۱۱ شوال بروز جمعہ بعد نمازِ عصر میدانِ احد کے لئے روانہ ہوئے، مدینہ سے باہر نکل کر مقام شیخین پر فوج کا جائزہ لیا، جو نوعمر اور کم سن صحابہ تھے ان کو واپس کر دیا (یہ آٹھ حضرات تھے ان کے نام سیرۃ المصطفیٰ (۱۹۱:۲) میں ہیں) پھر بار کی صبح آپؐ وہاں سے روانہ ہوئے، جب احد کے قریب پہنچے تو رأس المنافقین عبداللہ بن ابی اپنے قبیلہ کے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس لوٹ گیا، اس نے کہا: جب ہماری بات نہیں سنی گئی تو ہم بلاوجہ اپنی جانوں کو کیوں ضائع کریں! اب نبی ﷺ کے ساتھ صرف سات سو صحابہ رہ گئے، مقام شیخین سے آپؐ نے رات کے آخری حصہ میں کوچ کیا، جب احد قریب آیا تو صبح کی نماز کا وقت ہو گیا، وہاں اذان دی گئی اور آپؐ نے تمام اصحاب کو نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر آپؐ لشکر کی طرف متوجہ ہوئے، مدینہ کو سامنے اور احد کو پس پشت رکھ کر صفوں کو مرتب فرمایا، اور پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ جبل احد کے پیچھے ایک پہاڑی پر مقرر فرمایا اور ان کا امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور ان کو حکم دیا کہ اگر ہم مشرکین پر غالب آ جائیں تب بھی تم وہاں سے مت ہٹنا، اور اگر مشرکین ہم پر غالب آ جائیں تب بھی تم اس جگہ سے مت سرکنا، اور ہماری مدد کے لئے مت آنا۔

پھر نبی ﷺ نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا:

۱- مہاجرین کا دستہ: اس کا پرچم حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

۳-قبیلہ اوس (انصار) کا دستہ: اس کا علم حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

۴-قبیلہ خزرج (انصار) کا دستہ: اس کا علم حضرت حُباب بن مُنذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

اور جنگی نقطۂ نظر سے لشکر کی ترتیب و تنظیم قائم کی، منصوبہ بڑی باریکی اور حکمت پر مبنی تھا، جس سے نبی ﷺ کی فوجی قیادت میں عبقریت کا پتہ چلتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ کوئی کمانڈر خواہ کیسا ہی بالیاقت ہو، آپؐ سے زیادہ باریک اور باحکمت منصوبہ تیار نہیں کرسکتا، آپؐ نے پہاڑ کی بلندی کی اوٹ لے کر اپنی پشت اور اپنا دایاں بازو محفوظ کرلیا اور بائیں بازو پر دورانِ جنگ جس شگاف سے پشت پر حملہ کا اندیشہ تھا اسے تیراندازوں کے ذریعہ بند کردیا اور پڑاؤ کے لئے ایک اونچی جگہ منتخب فرمائی کہ اگر خدانخواستہ شکست ہوجائے تو وہ جگہ کیمپ کا کام دے، اس میں پناہ لی جاسکے اور دشمن اس کی طرف پیش قدمی کرے تو سنگباری کرکے اس کو خسارہ پہنچایا جاسکے، اور دشمن کے لئے ایسا نشیبی مقام چھوڑ دیا کہ اگر وہ غالب آجائے تو فتح کا کوئی خاص فائدہ حاصل نہ کرسکے اور اگر مغلوب ہوجائے تو تعاقب کرنے والوں کی گرفت سے بچ نہ سکے، اس طرح آپؐ نے ممتاز بہادروں کی ایک جماعت منتخب کرکے فوجی تعداد کی کمی پوری کردی، یہ تھی نبی ﷺ کے لشکر کی ترتیب و تنظیم جو ۷ شوال سن ۳ ہجری یوم سنیچر کی صبح کو عمل میں آئی (ماخوذ از الرحیق المختوم ص: ۳۹۷) آیتِ کریمہ میں اسی مورچہ بندی کا ذکر ہے۔

جنگ احد میں منافقین کا کردار

مقام ’شیخین‘ سے طلوع فجر سے کچھ پہلے آپ ﷺ روانہ ہوئے اور مقام ’شوط‘ پہنچ کر فجر کی نماز ادا کی، اب آپؐ دشمن کے بالکل قریب تھے، دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، یہاں پہنچ کر عبداللہ بن ابی منافق نے تمرد اختیار کیا، وہ ایک تہائی لشکر یعنی تین سو افراد کو لے کر واپس ہوگیا، اور احتجاج بھی کرتا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات نہیں مانی، دوسروں کی بات مان لی، مگر حقیقت میں علاحدگی کا یہ سبب نہیں تھا، اگر یہ سبب ہوتا تو اس کو لشکر کے ساتھ آنا ہی نہیں چاہئے تھا، اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اس نازک موقعہ پر الگ ہوکر اسلامی لشکر میں کھلبلی مچانا چاہتا تھا جب دشمن اس کی ایک ایک نقل وحرکت کو دیکھ رہا تھا، تاکہ ایک طرف فوجی نبی ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں اور جو باقی رہ جائیں ان کے حوصلے پست ہوجائیں، اور دوسری طرف یہ منظر دیکھ کر دشمن کی ہمت بڑھے اور اس کے حوصلے بلند ہوں، پس اس کی یہ کاروائی سارا کھیل بگاڑنے کی ایک مؤثر تدبیر تھی، اور قریب تھا کہ منافق اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتے، کیونکہ دو اور قبیلوں: بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے قدم بھی اکھڑنے کے قریب ہوگئے تھے، وہ واپسی کی سوچ رہے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری فرمائی اور وہ دونوں جماعتیں ارادۂ واپسی کے بعد جم گئیں۔

انصار کے دو قبیلے پھسلتے پھسلتے رہ گئے

خزرج کے قبیلہ بنی سلمہ نے اور اوس کے قبیلہ بنی حارثہ نے عبداللہ بن ابی کی طرح واپسی کا کچھ کچھ ارادہ کرلیا تھا، یہ دو قبیلے لشکر کی دونوں جانبوں میں تھے، اگر خدانخواستہ یہ قبیلے پلٹ جاتے تو لشکر بے بازو ہوجاتا، مگر توفیقِ خداوندی نے ان دونوں قبیلوں کی دست گیری کی، اللہ نے ان کو واپسی سے بچالیا۔

آیاتِ کریمہ: اور (یاد کیجئے) جب آپؐ گھر سے چلے، مسلمانوں کو جنگ کے لئے ان کی جگہوں میں جمارہے تھے، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں —— یعنی مورچہ بندی کا کمال اللہ کی ہدایت کی وجہ سے تھا —— (یاد کرو) جب تم میں سے دو جماعتوں نے دل میں خیال کیا کہ وہ ہمت ہار دیں، اور اللہ تعالیٰ دونوں کے کارساز تھے، اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سورۂ آلِ عمران کی یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے، جب بنوسلمہ اور بنوحارثہ نے ہمت ہاردی، اور میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں ارشاد فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ ان دونوں جماعتوں کا مددگار ہے'' یہ ان دونوں قبیلوں کے لئے بڑی فضیلت ہے، اللہ تعالیٰ نے بیانِ جرم کے ساتھ ولایت خاصہ کی بشارت بھی سنائی ہے، جس سے وعدہ معافی بھی مترشح ہوتا ہے، اور جرم کو بھی ہلکا کرکے پیش کیا ہے کہ دونوں قبیلے واپس نہیں ہوئے، صرف کم ہمت ہوئے، پھر اس کا وقوع بھی نہیں ہوا، بات خیال ہی کی حد تک رہی، اس لئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آیت کا ابتدائی حصہ ہمارے لئے نامناسب تھا، مگر آخری حصہ میں ہمارے لئے بڑی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کارساز ہیں۔

جنگ احد میں فرشتوں کی کمک نہیں آئی

فرشتوں کی کمک بدر میں آئی تھی، مجاہدین کے ساتھ جنگ میں فرشتوں نے حصہ لیا تھا، پھر احزاب میں آئی، پھر حنین میں آئی، چنانچہ ان جنگوں میں واضح کامیابی ملی اور جنگ احد میں فرشتوں کی عام کمک نہیں آئی، اس لئے فتح ہزیمت سے بدل گئی، اس جنگ میں اللہ تعالیٰ کا یہی منشا تھا۔

ملحوظہ: ﴿إِذْ﴾ دونوں آیتوں میں مکرر لایا گیا ہے، تاکہ واقعہ کے دونوں اجزاء کو مستقل حیثیت حاصل ہوجائے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ
رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ
وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾
لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَاۗىِٕبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ
مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

ع ۱۳

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	لِلْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں سے	وَيَاْتُوْكُمْ	اور آئیں گے وہ تم پر
نَصَرَكُمُ	مدد کی تمہاری	اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ	کیا ہرگز کافی نہیں	مِّنْ فَوْرِهِمْ (۳)	فی الفور
اللّٰهُ	اللہ نے		تمہارے لئے	هٰذَا	اسی وقت
بِبَدْرٍ	بدر میں	اَنْ يُّمِدَّكُمْ	(یہ بات) کہ مدد کریں	يُمْدِدْكُمْ	(تو) مدد کریں گے
وَّاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم		تمہاری		تمہاری
اَذِلَّةٌ (۱)	بے حیثیت (کمزور) تھے	رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار	رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار
فَاتَّقُوا	پس ڈرو	بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ	تین ہزار	بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ	پانچ ہزار
اللّٰهَ	اللہ سے	مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں سے	مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں سے
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	مُنْزَلِيْنَ (۲)	اتارے ہوئے	مُسَوِّمِيْنَ (۴)	نشان مقرر کرنے والے
تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاؤ	بَلٰٓى	کیوں نہیں!		(وردی پہننے والے)
اِذْ	(یاد کرو) جب	اِنْ تَصْبِرُوْا	اگر صبر کروگے تم	وَمَا جَعَلَهُ	اور نہیں بنایا اس (مدد) کو
تَقُوْلُ	کہہ رہے تھے آپؐ	وَتَتَّقُوْا	اور احتیاط رکھوگے	اللّٰهُ	اللہ نے

(۱) أذلة: ذلیل کی جمع ہے: کمزور، بے سروسامان، بے حیثیت، نرم دل (۲) مُنْزَل: اسم مفعول: اتارے ہوئے یعنی آسمانی فرشتے، ملأ اعلیٰ۔ (۳) فور: فوراً، فی الفور، ابھی ہاتھ کے ہاتھ، فار الماءُ: پانی کا ابلنا، زور سے نکلنا۔ (۴) مُسَوِّم: اسم فاعل، تَسْوِيْم: خاص نشان لگانا، وردی پہن کر آنے والے

اِلَّا بُشْرٰی	مگر خوش خبری	مِّنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کا جنھوں نے	ظٰلِمُوْنَ	اپنا نقصان کرنے والے ہیں
لَكُمْ	تمہارے لئے	كَفَرُوْٓا	انکار کیا	وَلِلّٰهِ	اور اللہ کی کے لئے ہے
وَلِتَطْمَىِٕنَّ	اور تاکہ مطمئن ہوجائیں	اَوْ يَكْبِتَهُمْ (۱)	یا ذلیل کریں ان کو	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو کچھ آسمانوں میں ہے
قُلُوْبُكُمْ	تمہارے دل	فَيَنْقَلِبُوْا	پس پلٹ جائیں وہ	وَمَا فِي الْاَرْضِ	اور جو کچھ زمین میں ہے
بِهٖ	اس (مدد) کی وجہ سے	خَآىِٕبِيْنَ	نامراد ہوکر	يَغْفِرُ	بخشتے ہیں
وَمَا النَّصْرُ	اور نہیں ہے مدد	لَيْسَ لَكَ	نہیں اختیار ہے آپ کو	لِمَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	مگر اللہ کی طرف سے	مِنَ الْاَمْرِ	معاملہ میں	وَيُعَذِّبُ	اور سزا دیتے ہیں
		شَيْءٌ	کچھ بھی	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
الْعَزِيْزِ	زبردست	اَوْ يَتُوْبَ	یا توجہ فرمائیں وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
الْحَكِيْمِ	بڑے حکمت والے	عَلَيْهِمْ	ان پر	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
لِيَقْطَعَ	تاکہ کاٹ دیں وہ	اَوْ يُعَذِّبَهُمْ	یا سزا دیں ان کو	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم فرمانے
طَرَفًا	ایک حصہ	فَاِنَّهُمْ	پس بے شک وہ		والے ہیں

غزوۂ بدر میں صورتِ حال نازک تھی، مگر اللہ کی مدد آئی اور مسلمانوں کا ہاتھ اونچا ہوا تو یہود ومنافقین کو بہت برا لگا

اب ﴿ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ﴾ کی مثال بیان فرماتے ہیں، یہ مثال ایک آیت میں ہے، آگے مثال کے متعلقات ہیں، یہ قرآنِ کریم کا اسلوب ہے، اسی لئے دوسری آیت کے شروع میں ﴿ اِذْ ﴾ ہے، اور اس سے پہلے اُذکر پوشیدہ ہے، تاکہ اس کو مستقل حیثیت حاصل ہوجائے۔

بدر کی جنگ: اسلام کی پہلی جنگ تھی، اس وقت تک مسلمانوں کی عالَم واقعہ میں کوئی نمایاں حیثیت نہیں تھی، وہ بحیثیتِ قوم کسی شمار قطار میں نہیں تھے، اور سامانِ جنگ بھی کوئی خاص نہیں تھا، دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، جن پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ اور چونکہ کسی مسلح فوج سے لڑنا پیش نظر نہیں تھا، ابوسفیان کے قافلہ کا تعاقب کرنا تھا، اس لئے جو لوگ وقت پر جمع ہوگئے ان کو ساتھ لے لیا، جن کی تعداد کم وبیش تین سو تیرہ تھی۔

دوسری طرف ایک ہزار آدمی پورے ساز وسامان کے ساتھ اپنا تجارتی قافلہ بچانے کے لئے مکہ سے نکلے تھے، ابوجہل

(۱) کبت (ض) كَبْتًا: ذلیل ورسوا کرنا۔

لشکر کا کمانڈر انچیف تھا، لشکر کرّ وفر، سامانِ طرب وعیش کے ساتھ، اور گانے بجانے والی عورتوں اور طبلوں کے ساتھ اکڑتا اِتراتا روانہ ہوا تھا، اور بدر میں پہلے پہنچ گیا تھا، اور اس نے پانی کے چشمہ پر قبضہ کرلیا تھا، اور مناسب جگہوں کو اپنے لئے چھانٹ لیا تھا، جب مسلمان بدر میں پہنچے تو ان کو پانی ملا نہ مناسب جگہ، ریتلا میدان تھا جہاں چلنا بھی دشوار تھا، پیر دھنس رہے تھے، مگر اللہ نے بارش بھیجی جس سے ریت جم گئی، اور مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے حوض بنا کر پانی جمع کرلیا۔

پھر جنگ شروع ہوئی، پہلے انفرادی مقابلہ ہوا، پھر گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی، اور نبی ﷺ نے ایک مٹھی مٹی لے کر مشرکین کی طرف پھینکی، مشرکین میں سے کوئی نہ بچا جس کی آنکھ، ناک اور منہ میں وہ مٹی نہ پہنچی ہو، مشتِ خاک پھینکنا تھا کہ کفار کا لشکر سراسیمہ ہوگیا، بڑے بڑے بہادر اور جان باز قتل اور قید ہونے لگے، اور ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ میدان کارزار کا فیصلہ ہوگیا۔ ستّر کافر مارے گئے اور ستّر ہی گرفتار ہوگئے۔

اس غزوہ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی کمک بھیجی، پہلے ایک ہزار، پھر اور دو ہزار پھر اور دو ہزار، کل پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لئے اترے، یہ فرشتے کفار کو نظر آئے، جس سے ان پر دھاک بیٹھی، صحابہ کو یہ فرشتے عام طور پر نظر نہیں آئے، مگر فرشتوں کا اس جنگ میں نازل ہونا اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا قتال کرنا آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے صراحتاً ثابت ہے، جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ جاننا چاہئے کہ دنیا عالم اسباب ہے، اس کی رعایت سے فرشتوں کو لشکر کی صورت میں مسلمانوں کی امداد کے لئے نازل فرمایا، ورنہ ایک ہی فرشتہ سب کے لئے کافی تھا۔

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی، جبکہ تم بے حیثیت (بے سروسامان) تھے، پس اللہ سے ڈرو ــــــ یعنی ممنوعاتِ شرعیہ سے بچو، اور اس کے احکام کی تعمیل کرو، یہ آدھا مضمون فہم سامع پر اعتماد کرکے چھوڑ دیا ہے ــــــ تاکہ تم شکر بجالاؤ ــــــ اس کا تعلق نصر کم سے ہے۔

فائدہ: بدر کی دعا میں نبی ﷺ نے عرض کیا تھا: ''اے اللہ! اگر آپ چاہیں تو آپ کی پرستش نہ ہو!'' آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ میں نے تمہاری مدد کی، اب تم ممنوعات سے بچو اور احکام کی تعمیل کرو، یہ بھی اللہ کی پرستش ہے۔

بدر میں کتنے فرشتے اترے تھے؟ تین ہزار یا پانچ ہزار؟

بدر میں کتنے فرشتے اترے تھے، تین ہزار یا پانچ ہزار؟ بلکہ سورۃ الانفال آیت ۹ میں ہے: ''وہ وقت یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کررہے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا، جو سلسلہ وار آئیں گے اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے بھیجی تھی کہ وہ تمہارے لئے بشارت بنے، اور اس سے تمہارے

دلوں کو قرار آئے، اور نصرت تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست حکمت والے ہیں‘‘ اس آیت میں ایک ہزار فرشتوں کا ذکر ہے، اور یہ آیت بھی غزوۂ بدر کے بارے میں ہے، اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ بدر میں کتنے فرشتے آئے تھے: ایک ہزار، تین ہزار یا پانچ ہزار؟

جواب: پہلے ایک ہزار آئے، پھر دو ہزار آئے تو تین ہزار ہوگئے، پھر دو ہزار آئے تو پانچ ہزار ہوگئے، فوج کی کمک اسی طرح آتی ہے، تاکہ فوج کا حوصلہ بڑھے اور دشمن پر دھاک بیٹھے، جب نئی کمک نعرہ لگاتی ہوئی آتی ہے تو دشمن کا استنجاء خطا ہو جاتا ہے۔

﴿ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: (یاد کرو) جب آپؐ مسلمانوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں کہ تمہارے پروردگار تمہاری مدد کریں آسمان سے اتارے ہوئے تین ہزار فرشتوں سے؟ کیوں نہیں! —— یہ جواب ہے کہ کافی ہے —— اگر تم میدان میں ڈٹے رہے، اور محتاط رہے، اور وہ تم پر اسی وقت فوراً بول دیں تو تمہارے پروردگار پانچ ہزار وردی پوش فرشتوں سے تمہاری مدد کریں گے!

فائدہ: آسمان سے اتارے ہوئے: یعنی بڑے درجہ کے فرشتے، ملأ اعلی، ورنہ جو فرشتے زمین پر موجود تھے (ملأ سافل) ان سے بھی یہ کام لیا جاسکتا تھا (بیان القرآن)

فرشتے جب امداد کے لئے آتے ہیں تو کیا کام کرتے ہیں؟

فرشتے جب امداد کے لئے آتے ہیں تو کیا کام کرتے ہیں؟ باقاعدہ جنگ میں حصہ لیتے ہیں یا پشت پناہی کرتے ہیں؟

جواب: فرشتے جب بھی کسی جنگ میں نازل ہوتے ہیں تو لڑتے نہیں، لڑنا انسانوں کا کام ہے، فرشتے دلوں میں نیک جذبات ابھارتے ہیں، ہمت بندھاتے ہیں اور مجاہدین کے کاموں میں کمک پہنچاتے ہیں، جیسے کسی مجاہد نے بم پھینکا اس کا نشانہ غلط ہوسکتا تھا، فرشتہ اس بم کو صحیح جگہ گراتا ہے، یا مجاہد نے گیند لڑھکائی اس کو سو میٹر تک جانا چاہئے، فرشتہ نے اس میں کمک پہنچائی وہ ہزار میٹر تک چلی گئی، فرشتے جنگ میں اس طرح کا تعاون کرتے ہیں اور بدر کی جنگ میں فرشتوں کے لڑنے کی جو روایات ہیں ان کی صورت بھی یہی ہوئی تھی، صحابی نے تلوار چلائی، اس کی تلوار لگنے سے پہلے ہی دشمن کا سر جدا ہوگیا، یہ فرشتہ کی کمک تھی۔

﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ

اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: اور اللہ نے اُس (مدد) کو تمہارے لئے صرف خوش خبری بنایا، اور تا کہ اُس (مدد) کی وجہ سے تمہارے دل مطمئن ہوں، اور مدد تو زبردست حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

جنگِ بدر میں امداد ونصرت کی حکمت

بدر میں کفار کے ستّر لیڈر قتل ہوئے، اور ستّر ہی قید ہوئے، باقی رسوا ہو کر پسپا ہوئے: اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ اللہ نے ایسا اس لئے کیا کہ کفار کا زور ٹوٹے، اور اسلام کا راستہ ہموار ہو۔

﴿ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآىِٕبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ ﴾

ترجمہ: تا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ایک حصہ کاٹ دیں —— ان کو موت کی گھاٹ اتار دیں —— جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا، یا ان کو رسوا کریں —— قید ہوں یا پسپا ہوں —— پھر وہ نامراد ہو کر پلٹ جائیں!

جنگِ بدر میں جو بچ گئے ان میں سے کچھ مسلمان ہوئے

زمین وآسمان میں اختیار سارا اللہ کا ہے، وہ جس کو مناسب ہوگا ایمان کی توفیق دیں گے، اور جسے چاہیں گے کفر کی سزا میں پکڑ لیں گے، ہدایت میں رسولوں کا کوئی دخل نہیں، ہدایت وگمراہی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس میں اشارہ ہے کہ زندہ بچ جانے والوں کو ممکن ہے اللہ ہدایت دیدیں، پس جو مقتول ہوئے ان میں بھی اللہ کی حکمت تھی، اور جن کو بچالیا ان میں بھی حکمت ہے۔

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ﴾

ترجمہ: آپ کا معاملہ میں کچھ اختیار نہیں، یا تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف توجہ فرمائیں گے یا ان کو سزا دیں گے، اس لئے کہ وہ ظالم (مشرک کافر) ہیں، اور اللہ ہی کے لئے ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں، اور جو چیزیں زمین میں ہیں، بخشیں گے جسے چاہیں گے، اور سزا دیں گے جسے چاہیں گے، اور اللہ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

سوال: آیت کریمہ: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ﴾: کس واقعہ میں نازل ہوئی ہے؟ روایات میں اختلاف ہے، کسی روایت میں ہے کہ جب نبی ﷺ غزوۂ احد میں زخمی ہوئے تو زبانِ مبارک سے نکلا: ''وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کر دیا جو ان کو اللہ کی طرف بلا رہا ہے!'' پس یہ آیت نازل ہوئی۔

اور کسی روایت میں ہے کہ جب بیر معونہ کے واقعہ میں کفار نے ستر قراء کو شہید کیا تو آپؐ نے ایک ماہ تک قنوتِ نازلہ پڑھا، پھر یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے بددعا بند کردی۔ اور بخاری شریف (حدیث ۴۰۶۹) میں ہے کہ آپؐ نے تین شخصوں کے لئے بددعا کی تو یہ آیت نازل ہوئی ـــــ پس آیت کا واقعی شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: یہ اختلاف کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، کیونکہ صحابہ ہر احتمالی صورت کے لئے اُنزلت فی کذا استعمال کرتے تھے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں بیان کیا ہے، البتہ حقیقی شانِ نزول غزوۂ بدر ہے، یہاں اسی سیاق میں یہ آیت آئی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ دشمن خواہ کتنا ہی نقصان پہنچائے داعی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ وہ اس کے لئے بددعا کرے، ممکن ہے اللہ اس کو ہدایت دے کر بخش دیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿١٣١﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٣﴾ الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٤﴾ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿١٣٦﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے وہ لوگو جو ایمان لائے	لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا	مت کھاؤ سود	أَضْعَافًا(۱) مُّضَاعَفَةً(۲)	کئی گنا (بڑھا کر) دونے پے دونا

(۱) أضعاف: ضِعْف کی جمع: کئی گنا، یہ الفاظِ متضائفہ میں سے ہے، جن میں ایک کا وجود دوسرے کے وجود کا مقتضی ہوتا ہے جیسے نصف اور زوج (۲) مضاعفة: مفاعلة کے وزن پر مصدر ہے، ضِعْف سے بنا ہے، اور أضعافا کی تاکید کے لئے ہے، عربی میں تابع مہمل نہیں ہوتا، معنی دار ہوتا ہے اور تاکید کرتا ہے، جیسے ظِلًّا ظَلِيلًا: گھنا سایہ۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو اللہ سے	لِلْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کے لئے	وَمَنْ يَّغْفِرُ	اور کون بخشتا ہے
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	الَّذِيْنَ	جو لوگ	الذُّنُوْبَ	گناہوں کو
تُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہوؤ	يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں	اِلَّا اللّٰهُ	اللہ کے سوا
وَاتَّقُوا	اور ڈرو	فِي السَّرَّآءِ	خوش حالی میں	وَلَمْ يُصِرُّوْا	اور نہیں اڑتے وہ
النَّارَ الَّتِيْٓ	اس آگ سے جو	وَالضَّرَّآءِ	اور تنگ حالی میں	عَلٰى مَا فَعَلُوْا	اپنے کئے پر
اُعِدَّتْ	تیار کی گئی ہے	وَالْكٰظِمِيْنَ	اور دبانے والے	وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ	درانحالیکہ وہ جانتے ہیں
لِلْكٰفِرِيْنَ	اسلام کا انکار کرنے	الْغَيْظَ	غصہ کو	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ
	والوں کے لئے	وَالْعَافِيْنَ	اور معاف کرنے والے	جَزَآؤُهُمْ	ان کا بدلہ
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ	اور حکم مانو اللہ کا	عَنِ النَّاسِ	لوگوں کو	مَّغْفِرَةٌ	بخشش ہے
وَالرَّسُوْلَ	اور اس کے رسول کا	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	مِّنْ رَّبِّهِمْ	ان کے رب کی طرف سے
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں	وَجَنّٰتٌ	اور باغات ہیں
تُرْحَمُوْنَ	رحم کئے جاؤ	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو	تَجْرِيْ	بہتی ہیں
وَسَارِعُوْٓا	اور دوڑو	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	مِنْ تَحْتِهَا	ان میں
اِلٰى مَغْفِرَةٍ	بخشش کی طرف	اِذَا فَعَلُوْا	جب وہ کرتے ہیں	الْاَنْهٰرُ	نہریں
مِّنْ رَّبِّكُمْ	اپنے پروردگار کی	فَاحِشَةً	کوئی بے حیائی کا کام	خٰلِدِيْنَ	سدا رہنے والے
وَجَنَّةٍ	اور باغ کی طرف	اَوْ ظَلَمُوْٓا	اور نقصان کرتے ہیں	فِيْهَا	ان میں
عَرْضُهَا	جس کی چوڑائی	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں کا	وَنِعْمَ	اور کیا خوب ہے
السَّمٰوٰتُ	آسمانوں	ذَكَرُوا اللّٰهَ	یاد کرتے ہیں وہ اللہ کو	اَجْرُ	مزدوری
وَالْاَرْضُ	اور زمین کی ہے	فَاسْتَغْفَرُوْا	پس معافی چاہتے ہیں وہ	الْعٰمِلِيْنَ	کام کرنے والوں کی
اُعِدَّتْ	تیار کیا گیا ہے وہ	لِذُنُوْبِهِمْ	اپنے گناہوں کی	❁	❁

سودخور مسلمانوں کو جہنم میں جانا پڑسکتا ہے

فرمایا تھا: ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت ہے، وہ جسے چاہیں بخشیں اور جسے چاہیں سزا دیں، اور وہ غفور رحیم ہیں''، یعنی ان کی بخشش و رحمت: غضب اور پکڑ سے آگے ہے، اب اس کی دو مثالیں دیتے ہیں، ایک ان لوگوں

کی جن کواللہ تعالیٰ سزادیں گے،اوروہ سودخور مسلمان ہیں،اورمثال کافروں کی نہیں دی،ان کوتو کفروشرک کی ابدی سزا ملے گی،اورسودخورمسلمانوں کوان کے گناہ کی وقتی سزاملے گی۔یہ ایسا سنگین گناہ ہے جس کی شاید معافی نہ ہو،عصاتِ مؤمنین کو بھی جہنم میں جانا پڑسکتا ہے۔

فائدہ(۱): یہاں سود کے مسائل سے بحث نہیں،مسائل سورۃ البقرۃ میں آچکے ہیں،اورمثال سودخوروں کی دی ہے، سودی قرض لینے والوں کا تذکرہ نہیں کیا،ان کی مجبوری ہے،اگرچہ گناہ میں دونوں برابر کے شریک ہیں،مسلم شریف میں ہے:ھم سواء:وہ گناہ میں یکساں ہیں،تالی دوہاتھ سے بجتی ہے،کوئی سوددے گا تو کوئی لے گا۔مگرمثال سودخورکی دی ہے، اس کے لئے کوئی مجبوری نہیں۔

فائدہ(۲): سود تین طرح کا ہے: ربا القرض،ربا الفضل اور ربا النسیئہ،قرآنِ کریم میں صرف اول کا ذکر ہے،باقی دو کا حدیثوں میں تذکرہ ہے۔ربا القرض: مہاجنی سود کہلاتا ہے،یہ سنگین گناہ ہے،یہ بڑھتا جاتا ہے اورکئی گناہ ہوجاتا ہے، مثلاً:ایک ہزارروپے دس فیصد پرقرض دیئے توایک ماہ کے بعدقرضہ گیارہ سوہوجائے گا،پھراگلے مہینہ گیارہ سوپردس فیصد سود چڑھے گا،اسی طرح ہرماہ دس فیصد سوداصل سرمایہ میں شامل ہوتا رہے گا،اورمجموعہ پردس فیصد سود بڑھے گا،اس طرح وہ﴿ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ﴾ہوجائے گا۔

اس لئے فرمایا کہ دونے پردونا کرکے سودمت لو،یعنی اللہ سے ڈرواورربا القرض سے بچو،آخرت کی کامیابی یہی ہے، سود لینے سے صرف دنیا میں مال بڑھتا ہے،مگردنیا ہے کئی روزکی؟پائدارزندگی آخرت کی ہے،وہاں کامیابی سودنہ لینے میں ہے،اگرسودلوگےتواس جہنم میں جانا پڑسکتا ہے جودرحقیقت کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے،مگرسخت گنہگارمؤمنین کوبھی اس میں جانا پڑسکتا ہے،سودخوری ایسا ہی سخت گناہ ہے،پس اللہ کااوران کے رسول کاحکم مانواورتینوں قسم کے سود سے بچو تاکہ تم پراللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں اورتمہیں بخش دیں۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ:اے ایمان والو!چنددرچند بڑھا کرسودمت لو،اوراللہ سے ڈرو،تاکہ تم کامیاب ہوؤ —— تمہیں جنت نصیب ہو —— اوراس آگ سے ڈروجوکافروں کے لئے تیار کی گئی ہے —— جہنم درحقیقت کفارومشرکین کے لئے تیار کی گئی ہے،مگرسخت گنہگارمسلمانوں کوبھی سزاپانے کے لئے جہنم میں جانا پڑسکتا ہے —— اوراللہ اوراس کے رسول کا کہنامانو،تاکہ تم پرمہربانی کی جائے —— جہنم سے بچالیا جائے،اورسیدھے جنت میں پہنچادیا جائے!

جو مسلمان نیک کام کرتے ہیں اور گناہ ہوجائے تو توبہ کرتے ہیں ان کو بخش دیا جائے گا

دوسری مثال: ﴿ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ﴾ کی ہے، یہ پرہیزگار مسلمان ہیں، جنت انہیں کے لئے تیار کی گئی ہے، جس میں بے پناہ وسعت (گنجائش) ہے، آسمانوں اور زمین کو پھیلائیں تو جتنی ان کی وسعت ہے اتنی جنت کی چوڑائی ہے، پس اس کی لمبائی کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ لمبائی: چوڑائی سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ بھی تشبیہ ہے، انسان کے ذہن میں آسمانوں اور زمین کی وسعت سے زیادہ کسی وسعت کا تصور نہیں، سورۃ ہود (آیات ۱۰۷ و ۱۰۸) میں جنت وجہنم میں خلود (ہمیشہ رہنے) کو ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ﴾ کی تشبیہ سے سمجھایا ہے، اسی طرح یہاں بھی اس تشبیہ سے جنت کی وسعت کو سمجھایا ہے، ورنہ اس کی وسعت کا اندازہ کوئی نہیں کرسکتا۔

یہ وسیع جنت پرہیزگاروں کے لئے بنائی ہے، اور پرہیزگار وہ ہیں جو نیکی کے تین کام کرتے ہیں:

۱- خوش حالی ہو یا تنگ حالی وجوہِ خیر میں خرچ کرتے ہیں۔

۲- کسی بات پر غصہ آتا ہے تو اس کو پی جاتے ہیں، نکالتے نہیں۔

۳- لوگوں کی غلطیوں سے درگذر کرتے ہیں، سزا نہیں دیتے۔

ایسے ہی نیکوکاروں کو اللہ دوست رکھتے ہیں، اور خدانخواستہ کوئی بے حیائی والا کام ان سے سرزد ہوجاتا ہے یا کوئی عام گناہ کر بیٹھتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور اپنے گناہوں کی اللہ سے معافی مانگتے ہیں، کیونکہ اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کرنے والا کوئی نہیں۔ غرض وہ جانتے بوجھتے اپنے گناہ پر اصرار نہیں کرتے، انہیں حضرات کا بدلہ مغفرت اور باغات ہیں، جن میں نہریں رواں دواں ہیں، اس لئے وہ باغات سدا بہار ہیں، وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے، پس کیسا اچھا ہے نیک عمل کرنے والوں کا صلہ!

فائدہ (۱): نبی ﷺ نے: ﴿ ذَكَرُوا اللّٰهَ ﴾ سے صلاۃ التوبہ مستنبط فرمائی ہے، اللہ کو یاد کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ شکل نماز ہے، نماز کا مقصد اور اس کا سب سے بڑا فائدہ اللہ کا ذکر ہے، لہٰذا جب بندہ کسی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوجائے تو اسے چاہئے کہ اچھی طرح پاکی حاصل کرے، پھر کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ جتنی چاہے پڑھے، پھر عاجزی اور انکساری کے ساتھ گڑگڑا کر معافی مانگے، ان شاء اللہ اس کے گناہ پر قلمِ عفو پھیر دیا جائے گا۔

اور توبہ کی ماہیت تین چیزیں ہیں: گناہ پر پشیمان ہونا، اس گناہ کو چھوڑ دینا، اور آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا، جب یہ تینوں باتیں جمع ہونگی تو توبہ متحقق ہوگی، ورنہ صرف زبانی جمع خرچ ہوگا۔

فائدہ (۲): ﴿ ذَكَرُوا اللّٰهَ ﴾ میں اشارہ ہے کہ اللہ یاد ہوتے ہوئے گناہ نہیں ہوسکتا، جب آدمی اللہ کو بھولتا ہے

جبھی گناہ کرتا ہے، پھر نیک بندے کو گناہ سے فارغ ہوتے ہی اللہ یاد آتا ہے اور وہ معافی مانگتا ہے، اور برا بندہ گناہ پر اڑتا ہے، اس کو اللہ یاد نہیں آتا، اور وہ گناہ میں پیر پسارتا رہتا ہے۔

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْھَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور لپکو اپنے پروردگار کی مغفرت حاصل کرنے کے لئے، اور ایسا باغ حاصل کرنے کے لئے جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کی چوڑائی ہے، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

پرہیزگار وہ لوگ ہیں جو خوش حالی اور تنگ حالی میں خرچ کرتے ہیں، اور غصہ دبانے والے ہیں، اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند کرتے ہیں، اور وہ لوگ ہیں کہ جب وہ کوئی ایسا کام کر گذرتے ہیں جو بے شرمی کا ہے یا وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں —— یعنی کوئی بھی گناہ کا کام کرتے ہیں —— تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں، پس وہ اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں —— اور اللہ کے سوا گناہوں کو بخشنے والا کون ہے؟ —— کوئی نہیں! —— اور وہ جانتے بوجھتے اپنے کئے ہوئے گناہ پر اڑتے نہیں، انہیں لوگوں کا بدلہ ان کے رب کی مغفرت ہے اور ایسے باغات ہیں جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور کیسا شاندار بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا!

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ھٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُھَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

قَدْ خَلَتْ	تحقیق ہو چکے ہیں	مُّؤْمِنِيْنَ	ایماندار	الظّٰلِمِيْنَ	ناانصافوں کو
مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے	اِنْ يَّمْسَسْكُمْ	اگر پہنچا تمہیں	وَلِيُمَحِّصَ (۳)	اور تاکہ پاک صاف کریں
سُنَنٌ (۱)	واقعات	قَرْحٌ	زخم	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
فَسِيْرُوْا	پس چلو پھرو	فَقَدْ مَسَّ	تو بالیقین پہنچ چکا ہے	الَّذِيْنَ	ان کو جو
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	الْقَوْمَ	لوگوں کو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
فَانْظُرُوْا	پس دیکھو	قَرْحٌ	زخم	وَيَمْحَقَ	اور مٹائیں وہ
كَيْفَ كَانَ	کیسا تھا	مِّثْلُهٗ	اس کے مانند	الْكٰفِرِيْنَ	اسلام قبول نہ کرنے
عَاقِبَةُ	انجام	وَتِلْكَ الْاَيَّامُ	اور یہ دن		والوں کو
الْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں کا	نُدَاوِلُهَا	ادلتے بدلتے رہتے	اَمْ حَسِبْتُمْ	کیا خیال ہے تمہارا
هٰذَا بَيَانٌ	یہ وضاحت ہے		ہیں ہم ان کو	اَنْ تَدْخُلُوا	کہ داخل ہو جاؤ گے تم
لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	بَيْنَ النَّاسِ	لوگوں کے درمیان	الْجَنَّةَ	جنت میں
وَهُدًى	اور راہ نمائی	وَلِيَعْلَمَ	اور تاکہ جانیں	وَلَمَّا يَعْلَمِ	اور اب تک نہیں جانا
وَّمَوْعِظَةٌ	اور نصیحت ہے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
لِّلْمُتَّقِيْنَ	پرہیز گاروں کے لئے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ان کو جو ایمان لائے	الَّذِيْنَ	ان کو جو
وَلَا تَهِنُوْا (۲)	اور نہ سست پڑو	وَيَتَّخِذَ	اور بنائیں وہ	جٰهَدُوْا	لڑے
وَلَا تَحْزَنُوْا	اور نہ غم کھاؤ	مِنْكُمْ	تم میں سے	مِنْكُمْ	تم میں سے
وَاَنْتُمُ	اور تم ہی	شُهَدَآءَ	شہداء	وَيَعْلَمَ (۴)	اور (نہیں) جانا
الْاَعْلَوْنَ	غالب رہو گے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	الصّٰبِرِيْنَ	ثابت قدم رہنے والوں کو
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہوئے تم	لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	وَلَقَدْ كُنْتُمْ	اور البتہ تحقیق تھے تم

(۱) سنن: سُنَّة کی جمع: راہ، طریقہ، مراد واقعات ہیں (۲) وَهَنَ يَهِنُ وَهْنًا: کمزور پڑنا، سست ہونا (۳) مَحَّصَ الشيئَ: خالص بنانا، آلودگی دور کرنا (۴) یعلم پہلے یَعْلَمَ پر معطوف ہے اور اس سے پہلے أن ناصبہ مقدر ہے، جیسے لا تأكل السمك وتشربَ اللبن۔

تَمَنَّوْنَ	آرزو کرتے	اَنۡ تَلۡقَوۡهُ	اس سے کہ ملاقات کرو	رَاَيۡتُمُوۡهُ	دیکھ لیا تم نے اس کو
الۡمَوۡتَ	موت کی		تم اس سے	وَاَنۡتُمۡ	درانحالیکہ تم
مِنۡ قَبۡلِ	پہلے	فَقَدۡ	پس واقعہ یہ ہے	تَنۡظُرُوۡنَ	دیکھ رہے ہو

غزوۂ احد کا بیان

گذشتہ سلسلۂ بیان پورا ہوا۔ اب غزوۂ احد میں ہزیمت کی حکمتوں کا بیان شروع ہوتا ہے، شروع میں دو تمہیدیں ہیں: تمہیدِ بعید اور تمہیدِ قریب، پھر غزوۂ احد میں ہزیمت کی چھ حکمتیں بیان کی ہیں۔

انبیاء کی تکذیب کرنے والے ہمیشہ ہلاک ہوئے ہیں

شروع کی دو آیتوں میں تمہیدِ بعید ہے، ان میں سے پہلی آیت میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے کہ ماضی میں ایسے واقعات پیش آ چکے ہیں جن میں انبیاء کی تکذیب کرنے والے تباہ ہوئے ہیں، تم سرزمین عرب میں چل پھر کر ان ظالموں کا انجام دیکھو، عاد وثمود کے واقعات سے اور قومِ لوط اور اصحابِ مدین کی تباہی سے عبرت حاصل کرو، کیا آج نبی ﷺ کی تکذیب کا انجام اس سے مختلف ہوگا؟ یہ لوگوں (مشرکوں) کے لئے وضاحت ہے، ان کے لئے کھول کر بات بیان کردی ہے، پھر دوسری آیت کے نصف آخر میں مسلمانوں کے تعلق سے فرمایا ہے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے قرآن کا یہ بیان ہی راہ نما اور نصیحت ہے، ان کو زمین میں چلنے پھرنے کی ضرورت نہیں، ان کے لئے قرآن کا یہ بیان کافی ہے۔

﴿قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ سُنَنٌ ۙ فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝۱۳۷ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوۡعِظَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۝۱۳۸﴾

ترجمہ: بالیقین تم سے پہلے واقعات پیش آ چکے ہیں، پس تم سرزمین عرب میں چل پھر کر دیکھو انبیاء کو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟ یہ لوگوں (مشرکوں) کے لئے وضاحت ہے، اور اللہ سے ڈرنے والوں (مسلمانوں) کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔

۱- آخری فتح مسلمانوں کی ہوگی اگر وہ ایمان میں مضبوط رہیں

۲- احد میں مسلمانوں کو زخم پہنچا ہے تو ویسا ہی زخم فریق مقابل کو بھی پہنچ چکا ہے

پھر دو آیتیں بطور تمہیدِ قریب ہیں، جنگ احد میں عارضی ہزیمت پیش آئی تھی، مسلمان مجاہدین زخموں سے چور تھے، ان کے بہادروں کی لاشیں مثلہ کی ہوئی ان کی آنکھوں کے سامنے پڑی تھیں، بدبختوں نے نبی ﷺ کو بھی زخمی کردیا تھا، اور

بہ ظاہر ہزیمت کا منظر سامنے تھا، اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، اور مسلمانوں سے دو باتیں کہیں:

پہلی بات: سختیوں سے مت گھبراؤ، دشمن کے سامنے نامردی کا مظاہرہ مت کرو، اور یاد رکھو! آج بھی تم ہی سر بلند ہو، حق کی حمایت میں تکلیفیں اٹھا رہے ہو، جانیں دے رہے ہو، اور آخری فتح بھی تمہاری ہی ہوگی، انجام کار تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ ایمان کے راستہ پر مستقیم رہو، اور اللہ کے وعدوں پر اعتماد کرتے ہوئے اطاعت رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے قدم نہ ہٹاؤ، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا، اور پژمردہ جسموں میں حیاتِ نو پھونک دی، نتیجہ یہ ہوا کہ کفار جو بہ ظاہر غالب آچکے تھے، زخم خوردہ مجاہدین کے جوابی حملہ کی تاب نہ لاسکے اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔

دوسری بات: مسلمانوں کو جنگِ احد میں جو شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا، اس سے وہ شکستہ خاطر ہوگئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان ٹوٹے دلوں کو جوڑا، مسلمانوں کو تسلی دی کہ اگر اس لڑائی میں تم کو زخم پہنچا ہے اور تکلیف اٹھانی پڑی ہے تو ایسا ہی حادثہ فریق مقابل کے ساتھ پیش آچکا ہے، احد میں تمہارے ستّر آدمی شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے تو ایک سال پہلے بدر میں ان کے ستر آدمی جہنم رسید ہوئے، اور بہت سے زخمی ہوئے اور ستر کو تم نے گرفتار کیا، اور اُس جنگ میں اور اِس جنگ میں تمہارا کوئی آدمی گرفتار نہیں ہوا، تمہیں قید کی ذلت سے محفوظ رکھا، پس اگر تم اپنے نقصان کا ان کے نقصان سے موازنہ کروگے تو غم کا مداوا ہوجائے گا۔

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ﴾

ترجمہ: (۱) اور تم (احد میں ہزیمت سے) ہمت مت ہارو، اور کچھ غم نہ کھاؤ، اور (آئندہ) تم ہی غالب رہوگے اگر تم کھرے مؤمن ثابت ہوئے (۲) اگر تم کو زخم پہنچا ہے تو قوم (مشرکین) کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے۔

غزوۂ احد میں ہزیمت کی چھ حکمتیں

اس کے بعد غزوۂ احد میں عارضی ہزیمت کی چھ حکمتیں بیان کی ہیں:

پہلی حکمت: سنتِ الٰہی یہ ہے کہ جب حق و باطل کی کشمکش ہوتی ہے تو کامیابی اور ناکامی کو اللہ تعالیٰ ادلتے بدلتے رہتے ہیں، کبھی مسلمان کامیاب ہوتے ہیں کبھی مخالفین، تاکہ پردہ پڑا رہے، غیب پر ایمان لانا ضروری ہے، اگر ہر جنگ میں مسلمانوں کا ہاتھ اونچا رہے تو بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ حق یہی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پردہ ڈالے رہتے ہیں، کبھی مسلمان غالب آتے ہیں کبھی کافر، ہرقل نے بھی یہی بات کہی تھی کہ انبیاء کا بھی امتحان ہوتا ہے، مگر اچھا انجام انہی

کے لئے ہے۔

دوسری حکمت: اللہ تعالیٰ مؤمنین اور منافقین کے درمیان امتیاز کرنا چاہتے ہیں، دیکھو عین موقع پر منافقین مسلمانوں سے الگ ہوگئے، انھوں نے دیکھا کہ سامنے تین ہزار کی نفری ہے، پھر وہ اپنی جانوں کو جوکھوں میں کیوں ڈالیں؟ مگر مؤمنین ثابت قدم رہے، کیونکہ چت بھی ان کی تھی اور پٹ بھی ان کی!

تیسری حکمت: اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تم میں سے بعضوں کو مقام شہادت پر فائز کریں، اس لئے عارضی ہزیمت ہوئی اور مؤمنین نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

عارضی ہزیمت کی یہ آخری دو حکمتیں اس وجہ سے نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ظالم لوگ پسند ہیں اس لئے ان کو کامیاب کیا، وہ تو اللہ کے نزدیک مبغوض ہیں، چنانچہ ان کو ایمان وشہادت کے مقام سے دور پھینک دیا، اصل حکمت: مؤمنین کو آستین کے سانپوں سے بچانا اور مؤمنین کو ایمان کا صلہ دینا ہے۔

چوتھی حکمت: عارضی ہزیمت کی ایک حکمت مؤمن اور کافر کو پرکھنا بھی ہے، مسلمانوں کو گناہوں سے پاک صاف کرنا اور کافروں کو آہستہ آہستہ مٹا دینا ہے، وہ اپنے عارضی غلبہ اور وقتی کامیابی پر مسرور ومغرور ہوکر کفر وطغیانی میں پیر پساریں گے اور خدا کے قہر وغضب کے اور زیادہ مستحق بنیں گے اور رفتہ رفتہ صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے، اس واسطے یہ عارضی ہزیمت مسلمانوں کو ہوئی، ورنہ اللہ تعالیٰ کافروں سے راضی نہیں۔

پانچویں حکمت: جنت کے جن اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر اللہ تعالیٰ تم کو پہنچانا چاہتے ہیں کیا تم سمجھتے ہو کہ بس یونہی آرام سے وہاں پہنچ جاؤ گے؟ اور اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان نہیں کریں گے؟ اور یہ نہیں دیکھیں گے کہ تم میں سے کتنے اللہ کی راہ میں لڑنے والے اور لڑائی کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہیں؟ ایسا خیال دل میں مت لانا، مقامات عالیہ پر وہی لوگ فائز ہوتے ہیں جو خدا کی راہ میں ہر طرح کی سختیاں جھیلتے ہیں اور قربانیاں پیش کرتے ہیں۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ❁ ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں!

چھٹی حکمت: احد میں عارضی ہزیمت صحابہ کی آرزو کا نتیجہ تھی، جو صحابہ بدر کی جنگ میں شرکت سے محروم رہ گئے تھے وہ شہدائے بدر کے فضائل سن کر تمنا کیا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ پھر کوئی موقع لائیں تو ہم بھی راہِ خدا میں مارے جائیں اور شہادت کے مراتب حاصل کریں، انہی حضرات نے مشورہ دیا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہئے، ان کو بتایا کہ جس چیز کی تم پہلے تمنا کیا کرتے تھے وہ تمنا آنکھوں کے سامنے آگئی تو اب افسوس کیسا؟ اور مقام شہادت عام طور پر کامیابی کی صورت میں ہاتھ نہیں آتا، ہزیمت کی صورت میں ملتا ہے۔

نوٹ: آیات کی تفسیر فوائد شیخ الہند سے ترتیب والفاظ بدل کر لی گئی ہے۔

﴿ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: (۱) اور ہم یہ دن لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں (۲) تاکہ اللہ تعالیٰ جان لیں ان لوگوں کو جو مؤمنین ہیں (۳) اور تم میں سے بعضوں کو مقام شہادت پر فائز کریں ــــ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں (شرک کرنے والوں) سے محبت نہیں رکھتے ــــ (۴) اور (یہ دن بدلتے رہتے ہیں) تاکہ ایمان والوں سے میل کچیل صاف کریں! اور کافروں کو مٹادیں (۵) کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں پہنچ جاؤ گے، اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے لڑنے والوں کو تم میں سے اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو (۶) اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ تم مرنے کی تمنا کیا کرتے تھے، موت کے سامنے آنے سے پہلے (یا اس واقعہ سے پہلے) سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو اپنی آنکھوں سے!

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۗ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

وَمَا مُحَمَّدٌ	اور نہیں ہیں محمدؐ	اِلَّا رَسُوْلٌ	مگر ایک رسول	قَدْ خَلَتْ	تحقیق ہو چکے ہیں

مِنْ قَبْلِهِ	ان سے پہلے	كِتٰبًا	لکھا ہوا	فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں
الرُّسُلُ (۱)	رسول	مُّؤَجَّلًا	وقت مقرر کیا ہوا	اللّٰهِ	اللہ کے
اَفَا۟ئِنْ	کیا پس اگر	وَمَنْ يُّرِدْ	اور جو چاہتا ہے	وَمَا ضَعُفُوْا	اور نہیں سست پڑے وہ
مَّاتَ	مر گئے وہ	ثَوَابَ الدُّنْيَا	دنیا کا بدلہ	وَمَا اسْتَكَانُوْا (۴)	اور نہ دبے وہ
اَوْ قُتِلَ	یا مار دیئے گئے وہ	نُؤْتِهٖ	دیتے ہیں ہم اس کو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
انْقَلَبْتُمْ	(تو) پلٹ جاؤ گے تم	مِنْهَا	اس میں سے کچھ	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں
عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ	اپنی ایڑیوں پر	وَمَنْ يُّرِدْ	اور جو چاہتا ہے	الصّٰبِرِيْنَ	جمنے والوں کو
وَمَنْ يَّنْقَلِبْ	اور جو پلٹ جائے گا	ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ	آخرت کا بدلہ	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھی
عَلٰى عَقِبَيْهِ	اپنی ایڑیوں پر	نُؤْتِهٖ	دیں گے ہم اس کو	قَوْلَهُمْ	ان کی بات
فَلَنْ	پس ہرگز نہیں	مِنْهَا	اس میں سے	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ
يَّضُرَّ اللّٰهَ	نقصان پہنچائیگا وہ اللہ کو	وَسَنَجْزِي	اور اب بدلہ دیں گے ہم	قَالُوْا	کہا انھوں نے
شَيْئًا	ذرا بھی	الشّٰكِرِيْنَ	حق ماننے والوں کو	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!
وَسَيَجْزِي	اور ابھی بدلہ دیں گے	وَكَاَيِّنْ	اور بہت سے	اغْفِرْ لَنَا	بخش دے ہمارے لئے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مِّنْ نَّبِيٍّ	انبیاء	ذُنُوْبَنَا	ہمارے گناہ
الشّٰكِرِيْنَ	حق ماننے والوں کو	قٰتَلَ مَعَهٗ	لڑے اس کے ساتھ	وَاِسْرَافَنَا	اور ہماری زیادتی
وَمَا كَانَ	اور نہیں ہے	رِبِّيُّوْنَ (۲)	اللہ والے	فِيْٓ اَمْرِنَا	ہمارے کام میں
لِنَفْسٍ	کسی شخص کے لئے	كَثِيْرٌ	بہت	وَثَبِّتْ	اور جمادے
اَنْ تَمُوْتَ	کہ مرے وہ	فَمَا وَهَنُوْا (۳)	پس نہیں کمزور پڑے وہ	اَقْدَامَنَا	ہمارے پیر
اِلَّا بِاِذْنِ	مگر حکم سے	لِمَآ	اس کی وجہ سے جو	وَانْصُرْنَا	اور مدد فرما ہماری
اللّٰهِ	اللہ کے	اَصَابَهُمْ	پہنچی ان کو	عَلَى الْقَوْمِ	لوگوں پر

(۱) الرسل: میں الف لام جنسی ہیں استغراقی نہیں، اثباتِ مدعی میں استغراق کو کوئی دخل نہیں، جیسے سورۃ المائدہ (آیت ۷۵) میں بھی الف لام جنسی ہیں (فوائد) (۲) ربیون: غالباً سریانی زبان کا لفظ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ ''جماعتوں'' کیا ہے اور اس کا واحد رِبِّیٌّ بتایا ہے، مفسرین عام طور پر اس کا ترجمہ: خدا کے طالب، خدا پرست، اللہ والے کرتے ہیں (۳) وَهَنَ يَهِنُ وَهْنًا فلانٌ: کام میں کمزور ہونا (۴) اسْتَكَانَ: عاجز و ذلیل ہونا، دشمن کے سامنے دبنا، بےبس اور کم ہمت ہونا۔

اَلْكٰفِرِيْنَ	نہ ماننے والے	ثَوَابَ الدُّنْيَا	دنیا کا بدلہ	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَاٰتٰىهُمُ	پس دیا ان کو	وَحُسْنَ	اور خوب	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں
اللّٰهُ	اللہ نے	ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ	آخرت کا بدلہ	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکو کاروں کو

جہاد کلمۃ اللہ کی سر بلندی کے لئے ہے، رسول کی ذات کے لئے نہیں

اب غزوۂ احد کے متعلقات (لگتی باتوں) کا تذکرہ ہے، غزوۂ احد میں جنگ کا پانسا اس وقت پلٹا تھا جب لشکر کے عقب میں پہاڑی پر جو پچاس تیر اندازوں کا پہرہ بٹھایا تھا، ان میں سے چالیس نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی، جب درہ خالی ہوگیا تو خالد بن ولید نے سواروں کے رسالہ کے ساتھ عقب سے حملہ کردیا، اور سامنے جو کفار بھاگے جارہے تھے وہ بھی پلٹ گئے، اور گھمسان کا رن پڑا، اپنے پرائے کی تمیز نہ رہی، اور کتنے ہی مجاہدین شہید ہوگئے، اس وقت ابن قَمِیْئَة نے ایک بھاری پتھر پھینکا جس سے نبی ﷺ کا دندانِ مبارک شہید ہوگیا، اور خَود ٹوٹ کر ماتھے میں لوہے کا ٹکڑا گھس گیا، آپ ﷺ زمین پر گر پڑے اور شیطان نے آواز لگائی: محمدؐ مارے گئے! پھر کیا تھا مسلمانوں کے ہوش اڑ گئے، ان کے پاؤں اکھڑ گئے، اور بعض تو ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ گئے کہ اب لڑنا فضول ہے، اور بعض ضعفاء دشمن سے مصالحت کی سوچنے لگے، اسی کا ایک آیت میں تذکرہ ہے، فرماتے ہیں: محمد ﷺ صرف اللہ کے رسول ہیں، یہ حصر اضافی ہے، الوہیت کے تعلق سے حصر کیا ہے، یعنی حضرت محمد ﷺ خدا نہیں، خدا کے رسول اور بندے ہیں، اور بندوں کو جو احوال پیش آتے ہیں وہ آپؐ کو بھی پیش آسکتے ہیں، اور آپؐ سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں، ان کو بھی موت آئی ہے، جو ہر متنفس کو آنی ہے، پس اگر آپ کا انتقال ہوجائے — اس تقدیم میں اشارہ ہے کہ آپؐ کی طبعی موت ہوگی — یا آپؐ شہید کئے جائیں جیسی کسی نے افواہ اُڑائی تھی، تو کیا تم الٹے پاؤں کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ — استفہام انکاری ہے یعنی تمہیں اللہ کا دین نہیں چھوڑنا چاہئے، اللہ سدا زندہ ہیں، پس ان کا دین بھی ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔ سنو! اگر رسول کی تشریف بری کے بعد کوئی اللہ کا دین چھوڑ کر الٹے پاؤں کفر کی طرف پلٹ جائے گا تو اللہ کا کیا بگڑے گا؟ — اس میں اشارہ ہے کہ آپؐ کی وفات کے بعد کچھ لوگ مرتد ہونگے، مگر اس سے اسلام کا کچھ نقصان نہیں ہوگا — اور جو لوگ دین پر جمے رہیں گے اور نعمتِ اسلام کی قدر کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ دارین میں خوب نوازیں گے، سین: قریب کے لئے ہے یعنی کچھ ہی وقت کے بعد دنیا میں بھی ان کو ان کے جہاد کا بدلہ ملے گا، اور سین: آخرت کے بدلہ کو بھی شامل ہے۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾﴾

ترجمہ: محمد (ﷺ) صرف رسول ہیں ـــــ یعنی خدا نہیں کہ ان کو موت نہ آئے ـــــ ان سے پہلے رسول ہو چکے ہیں ـــــ ان کو بھی موت آئی ہے اور شہید بھی ہوئے ہیں ـــــ پس اگر ان کا (محمد ﷺ کا) انتقال ہو جائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر (کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے؟ اور جو اپنی ایڑیوں پر (کفر کی طرف) لوٹ جائے گا تو وہ ہرگز اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا، اور اللہ تعالیٰ ابھی شکر گزار بندوں کو صلہ عطا فرمائیں گے!

موت کا وقت مقرر ہے، میدان میں بھی آسکتی ہے اور دوسری جگہ بھی!

غزوۂ احد میں مسلمانوں کا بھاری جانی نقصان ہوا تھا، ستر صحابہ شہید ہو گئے تھے، اسلام کا ابھی ابتدائی دور تھا، اس لئے یہ معمولی نقصان نہیں تھا، اس صورتِ حال سے سب شکستہ خاطر تھے، ایک آیت میں ان کو تسلی دیتے ہیں کہ موت کا وقت مقرر ہے، جہاں جس طرح موت لکھی ہے آئے گی، خواہ میدانِ جنگ میں آئے خواہ دوسری جگہ، پس اگر مقدر کی بات پیش آئی تو اس میں دل گیر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ ہوائی جہاز گرتا ہے، ٹرینیں ٹکراتی ہیں، ایکسیڈنٹ ہوتا ہے اور جانیں جاتی ہیں، ان کی اسی طرح ایک ساتھ موتیں لکھی ہوئی تھیں، اور قسمت کا لکھا ٹل نہیں سکتا، اور واقعہ رونما ہونے کے بعد تقدیر پر توکل کرنا شریعت کی تعلیم ہے۔

پھر آخر میں ان لوگوں پر تعریض (چوٹ) ہے جنھوں نے مالِ غنیمت کی لالچ میں حکم عدولی کی تھی، فرماتے ہیں: جو دنیا کا بدلہ (غنیمت) چاہتا ہے اس کو دنیا میں اللہ جتنا چاہتے ہیں دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کے لئے محرومی ہے، اور جو فرماں برداری پر ثابت قدم رہے، محاذ نہیں چھوڑا اور جامِ شہادت نوش فرمایا ان کو آخرت میں صلہ ملے گا، یہی بندے حق شناس ہیں، ان کو ان کا بھرپور بدلہ ملے گا۔

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٥﴾﴾

ترجمہ: اللہ کے حکم کے بغیر کوئی شخص مرتا نہیں، مقررہ مدت لکھی ہوئی ہے، اور جو دنیا کا بدلہ چاہتا ہے: ہم اس کو دنیا میں سے کچھ دیتے ہیں، اور جو آخرت کا بدلہ چاہتا ہے: ہم اس کو آخرت میں سے عطا کریں گے، اور ہم جلد شکر گزاروں کو صلہ عطا فرمائیں گے۔

کم ہمتوں کی عبرت کے لئے ماضی کی ایک مثال

جنگِ احد میں کچھ مسلمانوں نے کمزوری دکھلائی، بعض نے تو یہ تک کہا کہ کسی کو بیچ میں ڈال کر ابوسفیان سے امن

حاصل کرلو، ان مسلمانوں کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ تم سے پہلے بہت سے اللہ والوں نے نبیوں کے ساتھ ہوکر کفار سے جنگ لڑی ہے، جس میں بہت تکلیفیں اور سختیاں جھیلی ہیں، مگران کے عزائم میں کمزوری نہیں آئی، نہ انھوں نے ہمت ہاری، نہ ڈھیلے پڑے، نہ دشمن سے دبے، بلکہ دعا کرتے رہے: ''الٰہی! ہمارا گناہ معاف فرما، ہماری تقصیرات سے درگذر فرما، ہمارے دلوں کو مضبوط فرما، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما'' ایسے ہی ثابت قدم رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں۔

فائدہ: بسا اوقات مصیبت کے آنے میں لوگوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کا دخل ہوتا ہے، کون دعوی کرسکتا ہے کہ اس سے کبھی کوئی کوتاہی نہیں ہوئی؟ اس لئے کوئی مصیبت آئے تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرے، گناہ کی معافی مانگے اور کوتاہی نہ کرنے کا عزم کرے، ان شاء اللہ اللہ کی مدد آئے گی اور مصیبت دور ہوگی۔

﴿وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَا أَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٦﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤٨﴾﴾

ترجمہ: بہت سے نبیوں کے ساتھ ہوکر اللہ والوں نے (دشمنوں سے) لڑائی لڑی ہے، پس وہ کمزور نہیں پڑے، ان مصائب کی وجہ سے جو ان کو اللہ کے راستہ میں پہنچے، اور نہ وہ سست پڑے اور نہ دبے، اور اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں اور ان لوگوں کی دعا بس یہی تھی کہ الٰہی! ہمارے لئے ہمارے گناہ معاف فرما، اور (جنگ میں) ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرما، اور ہمارے قدموں کو جمادے، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما! پس اللہ نے ان کو دنیا کا بدلہ (کامیابی) دیا، اور آخرت کا بدلہ تو واہ واہ! اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو پسند کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥١﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	اِنْ تُطِيْعُوا	اگر کہا مانوگے

الَّذِيْنَ	ان لوگوں کا جنھوں نے	النّٰصِرِيْنَ	مددگار ہیں	مَا لَمْ يُنَزِّلْ	ان مورتیوں کو کہ نہیں
كَفَرُوْا	اسلام قبول نہیں کیا	سَنُلْقِيْ	ابھی ڈالیں گے ہم		اتاری اللہ نے
يَرُدُّوْكُمْ	پھیر دیں گے وہ تم کو	فِيْ قُلُوْبِ	دلوں میں	بِهٖ	ان کے شریک ہونے کی
عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ	تمہاری ایڑیوں پر	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کے جنھوں نے	سُلْطٰنًا	کوئی دلیل
فَتَنْقَلِبُوْا	پس پلٹ جاؤ گے تم	كَفَرُوْا	اسلام قبول نہیں کیا	وَمَاْوٰىهُمُ	اور ان کا ٹھکانا
خٰسِرِيْنَ	گھاٹا پائے ہوئے	الرُّعْبَ	دھاک (ہیبت)	النَّارُ	دوزخ ہے
بَلِ اللّٰهُ	بلکہ اللہ تعالیٰ	بِمَآ اَشْرَكُوْا	ان کے شریک کرنے	وَبِئْسَ	اور برا ہے
مَوْلٰىكُمْ	تمہارے کارساز ہیں		کی وجہ سے	مَثْوَى	ٹھکانا
وَهُوَ خَيْرُ	اور وہ بہترین	بِاللّٰهِ	اللہ کے ساتھ	الظّٰلِمِيْنَ	ناانصافوں (مشرکوں) کا

مشرکین نے مسلمانوں کو کفر کی طرف لوٹنے کی دعوت دی

جنگ نمٹ گئی، میدان میں ۳۷ کفار ڈھیر ہوئے پڑے تھے، اور ۷۰ صحابہ نے جام شہادت نوش فرمایا تھا، باقی مسلمان بشمول نبی ﷺ زخمی تھے، آپؐ ایک اونچی چٹان پر چڑھ گئے، صحابہ بھی آپؐ کے پاس جمع ہوگئے، کفار بھی سامنے کی پہاڑی پر چڑھ گئے۔ ابوسفیان (کمانڈر) نے پوچھا: **أفیکم محمدٌ؟** کیا تم میں محمدؐ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: جواب مت دو، پھر اس نے پوچھا: **أفیکم أبو بکر؟** کیا تم میں ابوبکر ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: جواب مت دو، پھر اس نے پوچھا: **أفیکم عمر؟** کیا تم میں عمر ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: جواب مت دو، ابوسفیان نے اعلان کیا: تینوں مارے گئے! یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہوسکی، اور فرمایا: تینوں زمین سے تیری ناک رگڑنے کے لئے موجود ہیں!

اس کے بعد ابوسفیان نے نعرہ لگایا: **أُعْلُ هُبَلْ**: ہبل بت کی جے! نبی ﷺ نے فرمایا: اس کا جواب دو، لوگوں نے کہا: کیا جواب دیں، فرمایا: کہو: **الله أعلى و أجل**: اللہ برتر وبالا ہیں، ابوسفیان نے دوسرا نعرہ لگایا: **لنا الْعُزّٰی ولا عُزّٰی لکم**: ہمارے لئے عزی بت ہے، تمہارے پاس یہ بت نہیں! آپؐ نے فرمایا: اس کا جواب دو، لوگوں نے پوچھا: کیا جواب دیں؟ آپؐ نے فرمایا: کہو: **الله مولانا ولا مولیٰ لکم**: ہمارا کارساز اللہ ہے، تمہارا کوئی کارساز نہیں!

ان نعروں میں مسلمانوں کو دعوت دی تھی کہ ہبل کی طرف لوٹ آؤ عزت پاؤ گے، تمہارے نئے مذہب نے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، پہلی دو آیتوں میں اس کا تذکرہ ہے۔

اور موقع تھا کہ مسلمانوں پر جھاڑو پھیر کر جائیں، مگر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر

بھاگے، تیسری آیت میں اس کا تذکرہ ہے۔اور دھاک کی وجہ ان کے شرک کو قرار دیا ہے، کیونکہ پائے چوبیں (لکڑی کے پاؤں) سے چل نہیں سکتے اور اللہ کی قدرت کامل ہے، پھر آخر میں ان کا اخروی انجام بیان کیا ہے۔

آیاتِ پاک: اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں پر پھیر دیں گے، پس تم گھاٹا پائے ہوئے پلٹو گے! بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کارساز ہیں، اور وہ بہترین مددگار ہیں!

ہم ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالتے ہیں، ان کے شریک ٹھہرانے کی وجہ سے اس چیز کو (جس کے شریک ہونے کی) کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری ــــ مشرکین اللہ کو مانتے ہیں، پس اگر اللہ کے کاموں میں کوئی ساجھی ہوتا تو اللہ ضرور اس سے اپنی کتابوں میں باخبر کرتے، جبکہ ایسی کوئی اطلاع نہیں دی، بلکہ شد و مد سے شرک کی تردید فرمائی ہے ــــ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے!

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	فَشِلْتُمْ (۳)	بزدلی دکھائی تم نے	تُحِبُّوْنَ	پسند کرتے ہو تم
صَدَقَكُمُ	سچا کیا تم سے	وَتَنَازَعْتُمْ	اور جھگڑا کیا تم نے	مِنْكُمْ مَّنْ	تم میں سے کچھ
اللّٰهُ	اللہ نے	فِي الْاَمْرِ (۴)	حکم میں	يُّرِيْدُ	چاہتے ہیں
وَعْدَهٗٓ (۱)	اپنا وعدہ	وَعَصَيْتُمْ	اور نافرمانی کی تم نے	الدُّنْيَا	دنیا
اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ (۲)	جب تم ان کو قتل کر رہے تھے	مِّنْۢ بَعْدِ	بعد	وَمِنْكُمْ مَّنْ	اور تم میں سے کچھ
بِاِذْنِهٖ	اللہ کے حکم سے	مَآ اَرٰىكُمْ (۵)	تمہیں دکھانے	يُّرِيْدُ	چاہتے ہیں
حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	مَّا (۶)	اس کو جو	الْاٰخِرَةَ	آخرت

(۱) وعدہ: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [المؤمن ۵۱] (۲) حَسَّ (ن) حَسًّا فلاناً: سر قلم کرنا، مار ڈالنا (۳) فَشِلَ (س) فَشَلاً: ڈھیلا، سست پڑنا، بزدلی دکھانا (۴) الأمر: میں ال عہدی ہے، أی أمرُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۵) ما أراکم: ما مصدریہ (۶) ما تحبون: ما: موصولہ اور موصول صلہ مل کر أراکم کا مفعول ثانی۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ	پھر پھیر دیا تم کو	وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
عَنْهُمْ	ان سے	عَفَا	درگذر کیا اس نے	ذُوْ فَضْلٍ	مہربانی والے ہیں
لِيَبْتَلِيَكُمْ (۱)	تاکہ جانچیں وہ تم کو	عَنْكُمْ	تم سے	عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین پر

ربط: آیت کریمہ میں پانچ باتیں ہیں، پہلی بات: ماسبق سے مربوط ہے، باقی چار باتیں: پہلی بات کے متعلقات ہیں، اور یہ قرآنِ کریم کا اسلوب ہے، جب وہ کوئی مضمون اٹھاتا ہے تو اس کو متعلقات تک بڑھاتا ہے۔

جنگ کے شروع میں اللہ نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈالا

گذشتہ آیت میں فرمایا تھا: ابھی ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈالیں گے، وہ سر پر پاؤں رکھ کر دُم دبا کر بھاگیں گے، پس ان کا خوف مت کھاؤ، اور ان کی بات مت مانو، اب اس کی نظیر پیش کرتے ہیں، احد میں کفار چار گنا تھے، مسلمان سات سو تھے اور وہ تین ہزار تھے، جب جنگ شروع ہوئی تو پہلے انفرادی مقابلہ ہوا، کافروں کے سات علم بردار یکے بعد دیگرے ڈھیر ہوگئے، پھر عام جنگ شروع ہوئی، حضرات حمزہ، علی اور ابودجانہ رضی اللہ عنہم اس طرح دشمن پر ٹوٹے کہ صفیں کی صفیں صاف کردیں، دشمن کے قدم اکھڑ گئے، وہ گھاٹیوں کی طرف بھاگے، ان کی عورتیں پائینچے چڑھا کر اِدھر اُدھر بھاگتی نظر آنے لگیں، اس طرح اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا، سورۃ المؤمن (آیت ۵۱) میں ہے: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾: ہم ضرور ہمارے رسولوں کی اور مؤمنین کی مدد کرتے ہیں، چنانچہ مدد آئی اور سب نے آنکھوں سے دیکھ لی، اسی طرح اب جنگ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کفار کے دلوں میں رعب ڈالیں گے۔

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم ان کو بہ اذنِ الٰہی تہہِ تیغ کر رہے تھے!

جنگ میں رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی سے پانسا پلٹا

اب ایک سوال کا جواب ہے:

سوال: جب جنگ کی ابتدا میں اللہ نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈالا، اور وہ پسپا ہوگئے، پھر جنگ کا پانسا کیسے پلٹا؟

جواب: تیراندازوں کو نبی ﷺ نے جو حکم دیا تھا: انھوں نے اس کی خلاف ورزی کی، وہ آپس میں جھگڑنے لگے، کوئی کہتا تھا: ہمیں یہیں رہنا چاہئے، اکثر نے کہا: اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں، چل کر غنیمت حاصل کرنی چاہئے،

(۱) ابتلاء: آزمانا، آزمائش میں ڈال کر جان لینا۔

اس طرح اکثر تیراندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی، جب مورچہ خالی ہوگیا تو خالد بن الولید نے اس سے فائدہ اٹھایا، عقب سے دفعۃً حملہ کردیا اور لڑائی کا نقشہ بدل گیا، پس ہزیمت کا سبب عصیان (نافرمانی) بنا، اللہ نے کچھ ظلم نہیں کیا۔

﴿حَتّٰٓی اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ عَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ تم نے نامردی دکھائی، اور رسول کے حکم میں جھگڑا کیا، اور تم نے حکم عدولی (نافرمانی) کی اس کے بعد کہ اللہ نے تمھیں تمہاری خوشی کی چیز (فتح) دکھادی —— پس جنگ کا پانسا پلٹ گیا، لہٰذا قصور تمہارا تھا۔

حکم عدولی کا سبب مال کی از حد محبت

پھر سوال ہے کہ تیراندازوں نے حکم عدولی کیوں کی؟ جب ان سے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی حال میں مورچہ نہ چھوڑیں، خواہ جنگ میں کامیابی ہو یا ناکامی، وہ پہاڑی پر اس وقت تک جمے رہے جب تک ان کو واپس نہ بلایا جائے، ایسی تاکید کے باوجود انھوں نے جگہ کیوں چھوڑ دی؟

جواب: ایسا مال کی از حد محبت میں ہوا، مال کی محبت جب حدود سے بڑھ جاتی ہے تو تباہ کر کے چھوڑتی ہے، جنگ میں جو غنیمت حاصل ہوتی ہے وہ حسبِ قاعدہ فوجیوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ خواہ کوئی فوجی اس کے جمع کرنے میں شریک ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، پھر مورچہ چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ مگر حرص نے پیچھا نہیں چھوڑا، اور جنگ میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

فائدہ: مال کی محبت فطری ہے، اور بری نہیں، مال مایۂ زندگانی ہے، مگر مال کی حرص بری ہے، مگر دونوں کے ڈانڈے ملے ہوئے ہیں، آدمی حد قائم نہیں کرسکتا، جیسے خودداری صفتِ حمیدہ ہے اور گھمنڈ (تکبر) بری صفت ہے، مگر دونوں کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ہم نہیں سمجھتے تھے کہ انسان میں ایسی حد سے بڑھی ہوئی مال کی محبت بھی ہوتی ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہمیں پتہ چلا (انتہی) پس حقوق واجبہ میں مال کی محبت کی وجہ سے کوتاہی ہو تو سمجھنا چاہئے کہ وہ از حد بڑھی ہوئی ہے، حقوقِ واجبہ میں حکم کی تعمیل بھی ہے، اس میں کوتاہی ہوئی اس کی وجہ سے عارضی ہزیمت ہوئی۔

﴿مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ﴾

ترجمہ: کوئی تم میں سے دنیا چاہتا ہے —— یہ ان لوگوں پر تعریض ہے جنھوں نے مورچہ چھوڑ دیا تھا —— اور کوئی تم میں سے آخرت چاہتا ہے —— یہ ان حضرات کی ستائش ہے جو پہاڑی پر جمے رہے تھے اور انھوں نے جامِ شہادت نوش کیا تھا۔

جنگِ احد میں عارضی ناکامی میں حکمت

پھر ایک سوال ہے کہ عالم اسباب میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا اگرچہ ظاہری سبب ہوتا ہے، مگر حقیقت میں وہ اللہ کا فیصلہ ہوتا ہے، جنگِ احد میں جو عارضی ہزیمت ہوئی اس میں اللہ کی کیا حکمت تھی؟

جواب: سنتِ الٰہی یہ ہے کہ جب حق وباطل کی کشمکش ہوتی ہے تو کامیابی اور ناکامی کو اللہ تعالیٰ ادلتے بدلتے رہتے ہیں کبھی مسلمان کامیاب ہوتے ہیں کبھی مخالفین، تاکہ پردہ پڑا رہے، غیب پر ایمان لانا ضروری ہے، اگر ہر جنگ میں مسلمانوں کا ہاتھ اونچا رہے تو بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ حق یہی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پردہ ڈالے رہتے ہیں، کبھی مسلمان غالب آتے ہیں کبھی کافر، ہرقل نے بھی یہی بات کہی تھی کہ انبیاء کا بھی امتحان ہوتا ہے، مگر اچھا انجام انہی کے لئے ہوتا ہے۔

﴿ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ﴾

ترجمہ: پھر (ابتدائی کامیابی کے بعد) تم کو ان سے پھیر دیا، تاکہ وہ تم کو آزمائیں —— کہ تم غیب پر ایمان رکھتے ہو یا شکستہ خاطر ہو کر الٹے پاؤں پھر جاتے ہو؟

جن لوگوں نے مورچہ چھوڑا تھا: اللہ نے ان کو معاف کردیا

آخر میں معافی کا اعلان ہے، جن لوگوں نے مورچہ چھوڑا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو بالکل معاف کردیا، اب کسی کو جائز نہیں کہ ان پر اس حرکت کی وجہ سے طعن وتشنیع کرے (فوائد) اور جو لوگ میدان سے ہٹ گئے تھے ان کی معافی کا اعلان (آیت ۱۵۵) میں آئے گا۔

﴿ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے تم کو —— مورچہ چھوڑنے والوں کو —— معاف کیا، اور اللہ تعالیٰ مؤمنین پر مہربانی فرمانے والے ہیں۔

إِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

إِذْ	(یاد کرو) جب	تُصْعِدُوْنَ(۱)	چڑھے جارہے تھے تم	وَلَا تَلْوٗنَ(۲)	اور نہیں مڑ رہے تھے تم

(۱) أَصْعَدَ (رباعی) في الْعَدْوِ: تیز دوڑنا، اس کے مفہوم میں چڑھنا اور پہنچنا بھی ہے، صَعِدَ الجبلَ: پہاڑ پر چڑھا ﴿ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ ﴾: اللہ تک پہنچتی ہیں ستھری باتیں۔ (۲) لاتلوٗن: فعل مضارع منفی، صیغہ جمع مذکر حاضر، مصدر لَيٌّ، جب اس کے صلہ میں علی آتا ہے تو اس کے معنی دوسرے کی طرف مڑنے اور انتظار کرنے کے ہوتے ہیں، جیسے فلانٌ لَايَلْوِي علی أحد: فلاں کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا۔

عَلٰٓی اَحَدٍ	کسی کی طرف	غَمًّا بِغَمٍّ[2]	غم کے عوض غم	وَلَا مَآ	اور نہ اس پر جو
وَّ الرَّسُوْلُ	اور رسولؐ	لِّكَيْلَا	تاکہ نہ	اَصَابَكُمْ	تمہیں پہنچا
يَدْعُوْكُمْ	پکار رہے تھے تم کو	تَحْزَنُوْا	غمگیں ہوؤتم	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ	تمہارے پیچھے سے	عَلٰى مَا	اس پر جو	خَبِيْرٌ	خوب واقف ہیں
فَاَثَابَكُمْ[1]	پس پہنچا تم کو	فَاتَكُمْ	تمہارے ہاتھ سے نکل گیا	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ان کاموں سے جو تم کرتے ہو

غزوۂ احد میں جو بھگدڑ مچی اس میں حکمت یہ تھی کہ جنگ کا پانسا پلٹے اور مسلمان رضا بہ قضاء رہیں

غزوۂ احد میں جنگ شروع ہوتے ہی مسلمانوں نے پالا مار لیا، پس تیر اندازوں نے کہا: تمہارے بھائی جیت گئے، غنیمت حاصل کرو! تمہارے بھائی جیت گئے اب کس بات کا انتظار ہے؟ کمانڈر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم بھول گئے رسول اللہ ﷺ نے تمہیں کیا حکم دیا تھا؟ پھر بھی چالیس تیر انداز مورچہ چھوڑ کر غنیمت سمیٹنے کے لئے چلے آئے، اس طرح مسلمانوں کی پشت ننگی ہوگئی۔

مگر مسلمانوں کو طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، اپنے آدمیوں کے مارے جانے کا غم لاحق ہوا، کسی نے افواہ اڑادی کہ نبی ﷺ شہید کردیئے گئے، اس کا رنج وملال ہوا، اور جیتی ہوئی جنگ ہار سے بدل گئی، اس کا بھی افسوس ہوا، یہ طرح طرح کے غم اکٹھا ہوگئے، ان میں حکمت یہ تھی کہ مؤمن کو ہمیشہ رضا بہ قضاء رہنا چاہے، اس کی یہ عملی مشق کرائی گئی کہ کوئی زد پہنچے تو غم نہ کھائے، کوئی چیز ہاتھ سے نکل جائے تو افسوس نہ کرے، اور کوئی حادثہ یا بلا پہنچے تو غمگین نہ ہو، یہ خیال کرے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، یہ حکمت تھی احد میں جو معاملہ پیش آیا اس کی۔

آیتِ کریمہ: وہ وقت یاد کرو جب تم چڑھے جارہے تھے، اور مڑ کر کسی کو نہیں دیکھ رہے تھے، اور اللہ کے رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے پکار رہے تھے، پس تم کو غم بالائے غم سے دوچار کیا، تاکہ تم غمگین نہ ہوؤ اس بات پر جو ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس بات پر جو تمہیں پیش آئے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ

(۱) أثابه: بدلہ دینا، جیسے: ﴿فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ پس اللہ نے ان کو ان کے قول کے عوض ایسے باغات دیئے جن میں نہریں جاری ہیں [المائدۃ ۸۵] (۲) غما بغم: غم بالائے غم: محاورہ ہے، یعنی طرح طرح کی پریشانیوں سے تمہیں سابقہ پڑا۔

وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۵۴

ثُمَّ اَنْزَلَ	پھر اتارا	بِاللّٰهِ	اللہ کے بارے میں	فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ	اپنے دلوں میں
عَلَيْكُمْ	تم پر	غَيْرَ الْحَقِّ	غلط خیال	مَّا لَا يُبْدُوْنَ	جونہیں ظاہر کرتے وہ
مِّنْۢ بَعْدِ	بعد	ظَنَّ(۳)	(جیسا) خیال	لَكَ	آپؐ کے سامنے
الْغَمِّ	گھٹن کے	الْجَاهِلِيَّةِ	جاہلیت کا	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ (دل میں)
اَمَنَةً	اطمینان	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ	لَوْ كَانَ لَنَا	اگر ہوتا ہمارے لئے
نُّعَاسًا(۱)	اونگھ	هَلْ لَّنَا	کیا ہمارے لئے ہے	مِنَ الْاَمْرِ	معاملہ میں
يَّغْشٰى	چھا رہی تھی	مِنَ الْاَمْرِ	معاملہ (جنگ) سے	شَيْءٌ	کچھ بھی
طَآئِفَةً	ایک جماعت پر	مِنْ شَيْءٍ	کچھ بھی؟	مَّا قُتِلْنَا(۴)	(تو) نہ مارے جاتے ہم
مِّنْكُمْ	تمہاری	قُلْ	کہو	هٰهُنَا	یہاں
وَطَآئِفَةٌ(۲)	اور دوسری جماعت	اِنَّ الْاَمْرَ	بے شک معاملہ	قُلْ	کہو
قَدْ اَهَمَّتْهُمْ	فکر پڑی تھی ان کو	كُلَّهٗ	سارا	لَّوْ كُنْتُمْ	اگر ہوتے تم
اَنْفُسُهُمْ	اپنی جانوں کی	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے	فِيْ بُيُوْتِكُمْ	تمہارے گھروں میں
يَظُنُّوْنَ	خیال کرتے ہیں	يُخْفُوْنَ	چھپاتے ہیں وہ	لَبَرَزَ	ضرور ظاہر ہوتا وہ

(۱) نعاسًا: أمنةً سے بدل الکل ہے، اور أمنةً: أنزل کا مفعول بہ ہے، اور جملہ یغشی: نعاسًا کی صفت ہے (۲) نکرہ کی نکرہ سے تکرار ہوتی ہے تو ثانی غیر اول ہوتا ہے (۳) ظن سے پہلے کاف جارہ محذوف ہے۔ (۴) ہم: یعنی ہمارے برادر۔

الَّذِيْنَ كُتِبَ	جو لکھا گیا	وَلِيَبْتَلِيَ	اور تا کہ آزمائش میں	وَلِيُمَحِّصَ (۱)	اور تا کہ صاف کریں وہ
عَلَيْهِمُ	ان پر		ڈال کر جان لیں	مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ	جو تمہارے دلوں میں ہے
الْقَتْلُ	مارا جانا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ	ان کی لیٹنے کی جگہ کی	مَا فِيْ	جو تمہارے	عَلِيْمٌ	خوب جانتے ہیں
	طرف	صُدُوْرِكُمْ	سینوں میں	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	سینوں والی باتوں کو

اونگھ چین بن کر اتری اور بے چینی دور ہوئی

جنگِ احد میں جن کو شہید ہونا تھا ہو گئے اور جن کو ہٹنا تھا ہٹ گئے، اور جو میدان میں باقی رہے ان میں سے مخلص مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے ایک دم غنودگی طاری کر دی، لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کئی مرتبہ تلوار زمین پر گری، یہ حسی اثر تھا اس باطنی سکون کا جو اس ہنگامہ رُست خیز میں مؤمنین کے دلوں پر وارد ہوا، اس سے خوف وہراس کافور ہو گیا، یہ کیفیت ٹھیک اس وقت پیش آئی جب لشکر اسلام میں نظم وضبط قائم نہیں رہا تھا، بیسیوں لاشیں خاک وخون میں تڑپ رہی تھیں، سپاہی زخموں سے چور تھے، نبی ﷺ کے قتل کی افواہ سے رہے سہے ہوش گم ہو گئے تھے، پس یہ نیند بیدار ہونے کا پیام تھی، غنودگی طاری کر کے ان کی ساری تھکن دور کر دی اور ان کو متنبہ فرمادیا کہ خوف وہراس اور تشویش واضطراب کا وقت جا چکا، مأمون ومطمئن ہو کر اپنا فرض انجام دو، چنانچہ فوراً صحابہ نے نبی ﷺ کے گرد جمع ہو کر لڑائی کا محاذ قائم کر لیا، تھوڑی دیر کے بعد مطلع صاف تھا، دشمن سامنے سے بھاگتا نظر آیا۔

﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ﴾

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اُس بے چینی کے بعد طمانینت یعنی اونگھ اتاری، جو تم میں سے ایک جماعت پر چھا رہی تھی۔

مخلص مسلمانوں کے بالمقابل نخالص مسلمانوں کا حال

بزدل اور ڈرپوک منافقین جن کو نہ اسلام کی فکر تھی نہ نبی ﷺ کی محض اپنی جان بچانے کی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ کہیں ابوسفیان کی فوج نے دوبارہ حملہ کر دیا تو ہمارا کیا حشر ہوگا؟ اس خوف وفکر میں اونگھ یا نیند کہاں آتی؟ جب دماغوں میں خیالات پکار ہے تھے کہ اللہ کے وعدے کہاں گئے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا قصہ نمٹ گیا، اب نبی ﷺ اور مسلمان اپنے گھر واپس جانے والے نہیں، سب یہیں کام آجائیں گے، وہ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ جو ہونا تھا ہو گیا، ہمارا اس میں کیا اختیار ہے؟ ان کو جواب دیا: بیشک تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں، سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں، جس کو چاہے

(۱) مَحَّصَ الشيئَ: خالص بنانا، آلودگی دور کرنا۔

بنائے یا بگاڑے، غالب کرے یا مغلوب، آفت بھیجے یا راحت، کامیاب کرے یا ناکام، سب اس کے قبضہ میں ہے، مگر تمہارے دلوں میں چور ہے، تم آپس میں کہتے ہو: شروع میں ہماری رائے نہیں مانی گئی، چند جوشیلے ناتجربہ کاروں کے کہنے پر مدینہ سے باہر لڑنے نکل آئے، آخر منہ کی کھائی، اگر ہمارے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو اس قدر نقصان نہ اٹھانا پڑتا، ہماری برادری کے بہت آدمی مارے گئے وہ کیوں مارے جاتے؟ آپؐ اس کا جواب دیں: اب حسرت وافسوس سے کچھ حاصل نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی موت کی جگہ، سبب اور وقت لکھ دیا ہے، جو کبھی ٹل نہیں سکتا، اگر تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے اور فرض کرو تمہاری ہی رائے سنی جاتی تو بھی جن کی قسمت میں احد کے قریب جس جگہ مارا جانا لکھا جاچکا تھا وہ کسی نہ کسی سبب سے ادھر کو نکلتے اور وہیں مارے جاتے، اس کے بجائے اللہ کا یہ انعام ہوا کہ جہاں مارا جانا مقدر تھا مارے گئے اور اللہ کے راستہ میں خوشی سے بہادروں کی طرح شہید ہوئے، پھر اس پر پچھتانے اور افسوس کرنے کا کیا موقع ہے؟

﴿وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ﴾

ترجمہ: اور ایک دوسری جماعت وہ تھی جن کو اپنی ہی پڑی تھی، وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خلاف واقعہ گمان کررہے تھے، جو محض حماقت والے گمان تھے، وہ کہہ رہے تھے: کیا ہمارا معاملہ میں کچھ اختیار ہے؟ آپؐ جواب دیں: سب اختیار اللہ کا ہے، وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی بات پوشیدہ رکھتے ہیں جس کو وہ آپؐ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں: اگر ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے! آپؐ کہہ دیں: اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی جن لوگوں کے لئے مارا جانا مقدر تھا وہ ان مقامات کی طرف نکلتے، جہاں وہ مارے گئے۔

بھٹی میل کو جلا دیتی ہے اور خالص سونا نکھر جاتا ہے

اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں سے واقف ہیں، ان سے کسی کی کوئی حالت پوشیدہ نہیں، اور احد میں جو صورت پیش آئی اس سے مقصود یہ تھا کہ تم کو ایک آزمائش میں ڈالا جائے تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ باہر نکل آئے، امتحان کی بھٹی میں کھرا کھوٹا الگ ہوجائے، مخلصین کامیابی کا صلہ پائیں، اور ان کے دل آئندہ کے لئے وساوس اور کمزوریوں سے پاک ہوجائیں اور منافقین کا اندرونی نفاق کھل جائے اور سب لوگ صاف طور پر ان کے خبث کو سمجھنے لگیں۔

﴿وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۵۴﴾

ترجمہ: اور (اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لئے کیا یعنی جنگ کا پانسا اس لئے پلٹا) تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی بات کی آزمائش کریں اور تا کہ تمہارے دلوں میں جو بات ہے اس کو صاف کر دیں، اور اللہ تعالیٰ سب باطن کی باتوں کو خوب جانتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۙ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾

ع ۱۷

إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جنھوں نے	إِنَّمَا	اس کے سوانہیں کہ	عَفَا	(کہ) درگذر کیا
تَوَلَّوْا	پیٹھ پھیری	اسْتَزَلَّهُمُ	پھسلا دیا ان کو	اللهُ	اللہ نے
مِنكُمْ	تم میں سے	الشَّيْطَانُ	شیطان نے	عَنْهُمْ	ان سے
يَوْمَ	جس دن	بِبَعْضِ	ایک حرکت کی وجہ سے	إِنَّ اللهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
الْتَقَى	بھڑیں	مَا كَسَبُوا	جو انھوں نے کی	غَفُورٌ	بڑے بخشنے والے
الْجَمْعَانِ	دو فوجیں	وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	حَلِيمٌ	بڑے تحمل والے ہیں

جنگ احد میں پیٹھ پھیرنے والوں کو اللہ نے معاف کیا

تیر اندازوں نے مورچہ چھوڑ دیا، لشکر کی پشت ننگی ہوگئی، کافروں کے سواروں نے عقب سے حملہ کر دیا، اور آگے جو بھاگے جا رہے تھے وہ بھی پلٹ گئے، اور اسلامی فوج نرغہ میں آگئی، اس لئے بھگدڑ مچ گئی، مگر نبی ﷺ میدان میں ڈٹے رہے، چند جاں باز صحابہ بھی ساتھ تھے، پہلے آپؐ نے پھر حضرت کعبؓ نے آواز دی تب جو لوگ بھاگ رہے تھے وہ پلٹ گئے، اور دوبارہ جنگ شروع ہوئی، پس صورتِ حال بدلی اور مسلمانوں نے ہاری ہوئی بازی پھر جیت لی۔

اس عارضی ہزیمت کا سبب تیر اندازوں کی غلطی تھی، ان کی معافی کا حکم پہلے آگیا ہے، اب اس آیت میں میدان چھوڑنے والوں کی معافی کا اعلان ہے، فوج نے یہ حرکت جان بوجھ کر نہیں کی تھی، شیطان نے ان سے یہ غلطی کرائی تھی، اور اللہ بڑے بخشنے والے بڑے بردبار ہیں، اس لئے سب کو بخش دیا، اب کسی کو ان پر انگلی اٹھانے کا حق نہیں۔

مصر کے ایک شخص نے حضرت عثمانؓ پر جب اعتراض کیا کہ وہ جنگ احد میں بھاگے تھے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ نے ان کو معاف کر دیا، یہ اسی آیت کی طرف اشارہ تھا (بخاری حدیث ۴۰۶۶)

آیتِ کریمہ: جن لوگوں نے تم میں سے پشت پھیری، جس دن دو جماعتیں باہم مقابل ہوئیں —— یعنی مدینہ

والے اور مکہ والے ــــــ اس کا سبب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ شیطان نے ان سے غلطی کرادی، ان کے بعض اعمال کی وجہ سے ــــــ یعنی نبی ﷺ کے حکم کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے ــــــ اور یقین رکھو اللہ نے ان کو معاف کردیا، بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے بردبار ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَقَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ اِذَا ضَرَبُوۡا فِی الۡاَرۡضِ اَوۡ کَانُوۡا غُزًّی لَّوۡ کَانُوۡا عِنۡدَنَا مَا مَاتُوۡا وَمَا قُتِلُوۡا ۚ لِیَجۡعَلَ اللّٰهُ ذٰلِکَ حَسۡرَةً فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَ اللّٰهُ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحۡمَةٌ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِلَی اللّٰهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ	اے لوگو جو	اَوۡ کَانُوۡا	یا تھے وہ	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اٰمَنُوۡا	ایمان لائے	غُزًّی (۳)	غازی (مجاہد)	یُحۡیٖ	جلاتے ہیں
لَا تَکُوۡنُوۡا	نہ ہو تم	لَّوۡ کَانُوۡا	اگر ہوتے وہ	وَ یُمِیۡتُ	اور مارتے ہیں
کَالَّذِیۡنَ	ان لوگوں کی طرح	عِنۡدَنَا	ہمارے پاس	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
	جنھوں نے	مَا مَاتُوۡا	(تو) نہ مرتے وہ	بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ	ان کاموں کو جو تم کرتے
کَفَرُوۡا	اسلام کو قبول نہیں کیا	وَ مَا قُتِلُوۡا	اور نہ مارے جاتے	بَصِیۡرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں
وَ قَالُوۡا	اور انھوں نے کہا	لِیَجۡعَلَ (۴)	تاکہ بنائیں	وَ لَئِنۡ	بخدا! اگر
لِاِخۡوَانِهِمۡ (۱)	اپنے برادروں کے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قُتِلۡتُمۡ	مارے گئے تم
	بارے میں	ذٰلِکَ	اس (وسوسہ) کو	فِیۡ سَبِیۡلِ	راستے میں
اِذَا ضَرَبُوۡا (۲)	جب انھوں نے سفر کیا	حَسۡرَةً	حسرت (پچھتاوا)	اللّٰهِ	اللہ کے
فِی الۡاَرۡضِ	زمین میں	فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ	ان کے دلوں میں	اَوۡ مُتُّمۡ	یا مر گئے تم

(۱) لإخوانهم: میں لام اجلیہ ہے، اور ہم نسب اور ہم مشرب بھائی مراد ہیں (۲) ضَرَب فی الأرض: زمین میں پیر مارا: یعنی لمبا سفر کیا (۳) غزی: غازی کی جمع: مجاہد (۴) لیجعل: میں لام عاقبت ہے، یعنی نتیجہ یہ ہوگا، یہ کانٹا (وسوسہ) ان کے دلوں میں چبھتا رہے گا۔

لَمَغْفِرَةٌ	یقیناً بخشش	مِّمَّا	اس سے جو	اَوْ قُتِلْتُمْ	یا مارے گئے
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	يَجْمَعُوْنَ	جمع کرتے ہیں وہ	لَاِلَى اللّٰهِ	ضرور اللہ کی طرف
وَرَحْمَةٌ(۱)	اور مہربانی (اس کی)	وَلَئِنْ	اور بخدا! اگر	تُحْشَرُوْنَ	اکٹھا کئے جاؤ گے
خَيْرٌ	بہتر ہے	مُّتُّمْ	مرے تم	۞	۞

مسلمان کافروں کی وسوسہ اندازی سے متأثر نہ ہوں، مارتے جلاتے اللہ تعالیٰ ہیں

احد کی جنگ سنہ ۳ ہجری میں ہوئی ہے، یہ مدنی زندگی کا ابتدائی دور تھا، اس وقت مدینہ میں نفاق بھی تھا اور کفر وشرک بھی، جنگ کے ختم پر منافقوں کا تبصرہ (آیت ۱۵۴) میں آگیا، انھوں نے کہنا شروع کیا: ہمارا مشورہ نہیں مانا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے، اگر ہماری بات مان لیتے تو یہاں میدانِ احد میں نہ مارے جاتے —— اس کا جواب دیا تھا کہ جس کے لئے جہاں موت مقدر ہوتی ہے وہیں آتی ہیں، آدمی وہاں ضرور پہنچ جاتا ہے، مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرتے تو بھی جن کی موت میدانِ احد میں مقدر تھی وہ ضرور وہاں پہنچ کر مارے جاتے۔

اب ایک آیت میں جنگ کے نتیجہ پر کافروں کی وسوسہ اندازی کا جواب ہے، وہ اپنے نسبی اور مسلکی بھائیوں کے بارے میں جو جہاد میں شریک ہوئے اور شہید ہوئے: کہنے لگے: اگر وہ ہمارے پاس رہتے، جنگ میں شرکت نہ کرتے تو نہ مرتے نہ مارے جاتے! خواہ مخواہ خود ہی کنویں میں گرے!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان کا یہ خیال ہمیشہ کانٹا بن کران کے دلوں میں چبھتا رہے گا، کیا وہ نہیں جانتے کہ جلاتے مارتے اللہ تعالیٰ ہی ہیں، جس کو جہاں چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں مارتے ہیں، وہ شہداء تمہارے پاس رہتے اور غزوہ میں شرکت نہ کرتے تو بھی موت سے نہیں بچ سکتے تھے، اور اللہ تعالیٰ تمہاری وسوسہ اندازی کو خوب دیکھ رہے ہیں، مسلمان ان کی باتوں سے قطعاً متأثر نہ ہوں، جس کی جہاں اور جس طرح موت مقدر تھی آئی، مسلمان اللہ کے فیصلہ پر راضی رہیں۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنھوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا، اور اپنے (شہید ہونے

(۱) رحمة کے بعد من اللہ مقدر ہے۔

والے) برادروں کے تعلق سے کہا، جب انھوں نے زمین میں سفر کیا، یا وہ جہاد کے لئے نکلے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو وہ نہ مرتے اور نہ مارے جاتے ــــ یعنی تم شہداء کے بارے میں اس طرح کا خیال دل میں مت لاؤ ــــ (یہ خیال ان کے ذہنوں میں اس لئے آیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے دلوں میں پچھتاوا بنائیں ــــ یعنی وہ ہمیشہ اس حسرت وافسوس میں مبتلا رہیں گے ــــ اور اللہ تعالیٰ جلاتے اور مارتے ہیں ــــ اس نے جس کے لئے جہاں موت مقدر کی تھی اس سے اس کو ہم کنار کیا ــــ اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں جو تم کر رہے ہو! ــــ یعنی مسلمانوں کے دلوں میں تمہاری وسوسہ اندازی سے خوب واقف ہیں، تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

مجاہد کی موت اور دوسری موت برابر نہیں

جو شخص جہاد کے لئے نکلتا ہے وہ خواہ شہید ہو یا طبعی موت مرے اس کا شہادت کا ثواب پیٹنٹ (رجسٹری شدہ) ہو جاتا ہے، سورۃ النساء (آیت ۹۹) میں ضابطہ ہے کہ جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے، پھر اس کو راستہ میں موت آ جائے تو اس کا ثواب اللہ کے یہاں مقرر ہو جاتا ہے، اس ضابطہ سے اگر مجاہد کو طبعی موت بھی آئے تو اس کا شہادت کا ثواب مقرر ہو جاتا ہے، جو دنیا کے مال ومنال سے بہتر ہوتا ہے، اور جو شخص ویسے ہی مر جاتا ہے یا مارا جاتا ہے اس کو بھی اللہ کے پاس پہنچنا ہے، وہ اپنے عمل کا ثواب پائے گا، مگر شہادت کے ثواب سے محروم رہے گا۔

اب موازنہ کرو: کفار اپنے برادروں کے بارے میں کہتے ہیں: اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے نہ مارے جاتے! کیوں نہ مرتے؟ ایک دن ضرور مرتے! اور شہادت کے ثواب سے محروم رہتے، اور اب جو وہ جہاد کے لئے نکلے اور جامِ شہادت نوش فرمایا تو ان کا کیا نقصان ہوا؟ دنیا کا عیش چھٹا اور آخرت میں مالا مال ہو گئے، جانا تو سب کو بہر حال اللہ کے پاس ہی ہے، دنیا تو ہاتھ سے چھٹنے والی ہی ہے ﴿ وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴾: اور آخرت تیرے لئے دنیا سے بہتر ہے!

﴿ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِ۟لَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! اگر تم راہِ خدا میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ کی بخشش اور مہربانی ــــ یعنی شہادت کا ثواب ــــ بہتر ہے اس سے جس کو لوگ جمع کرتے ہیں ــــ یعنی دنیا کے مال ومنال سے۔

اور بخدا! اگر تم (ویسے ہی) مر گئے یا مارے گئے تو ضرور اللہ کے پاس جمع کئے جاؤ گے!

فائدہ: مجاہد عام طور پر مارا جاتا ہے، اس لئے ﴿ قُتِلْتُمْ ﴾ پہلے آیا ہے، اور کبھی طبعی موت مرتا ہے اس لئے ﴿ مُتُّمْ ﴾ بعد میں آیا ہے، اور غیر مجاہد عام طور پر اپنی موت مرتا ہے، اس لئے دوسری آیت میں ﴿ مُّتُّمْ ﴾ پہلے آیا ہے، اور کبھی مارا

بھی جاتا ہے اس لئے ﴿ قُتِلْتُمْ ﴾ بعد میں آیا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٦٠﴾

فَبِمَا رَحْمَةٍ(۱)	پس بڑی مہربانی کی وجہ سے	لَهُمْ	ان کا	فَلَا غَالِبَ	تو نہیں کوئی دبانے والا
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	وَشَاوِرْهُمْ	اور مشورہ کریں آپ ان سے	لَكُمْ	تم کو
لِنْتَ	نرم (دل) ہوئے آپ	فِي الْاَمْرِ(۲)	(جنگی) معاملہ میں	وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ	اور اگر اللہ تعالیٰ تمہاری
لَهُمْ	ان لوگوں کے لئے	فَاِذَا	پھر جب		مدد سے ہاتھ کھینچ لیں
وَلَوْ كُنْتَ	اور اگر ہوتے آپؐ	عَزَمْتَ	پختہ ارادہ کریں آپؐ	فَمَنْ ذَا الَّذِيْ	تو کون ہے یہ جو
فَظًّا	تندخو	فَتَوَكَّلْ	تو بھروسہ کریں	يَنْصُرُكُمْ	مدد کرے تمہاری
غَلِيْظَ الْقَلْبِ	سنگ دل	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	مِّنْ بَعْدِهٖ	اللہ کے بعد
لَانْفَضُّوْا	ضرور متفرق ہو جاتے وہ	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَعَلَى اللّٰهِ	اور اللہ ہی پر
مِنْ حَوْلِكَ	آپ کے پاس سے	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں	فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ بھروسہ
فَاعْفُ عَنْهُمْ	پس معاف کریں آپؐ	الْمُتَوَكِّلِيْنَ	بھروسہ کرنے والوں کو		کریں
	ان کو	اِنْ يَّنْصُرْكُمُ	اگر مدد کریں تمہاری	الْمُؤْمِنُوْنَ	ایماندار
وَاسْتَغْفِرْ	اور گناہ بخشوائیں آپ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	❁	❁

غزوۂ احد میں نبی ﷺ نے اپنی نرم خوئی سے خطا کاروں کو معاف کیا

غزوۂ احد میں اول تیر اندازوں نے حکم عدولی کی، جس کی وجہ سے مجاہدین نرغہ میں آگئے اور بھگدڑ مچ گئی، میدانِ

(۱) فبما: باء سببیہ، ما: زائدہ برائے تاکید أی برحمة عظیمة (۲) الأمر: میں الف لام عہدی ہے۔

کارزار میں صرف نبی ﷺ اور چند جاں باز صحابہ رہ گئے، اور دشمن اتنے قریب آ گئے کہ ایک شیطان نے ایک بھاری پتھر اٹھا کر نبی ﷺ کو مارا، جو سیدھا منہ پر لگا، جس سے ایک دانت کا کنارہ ٹوٹ گیا، اور خود ٹوٹ کر ماتھے میں گڑ گیا، چہرۂ انور لہولہان ہو گیا، یہ فوج کی دوسری غلطی تھی، مگر ان خطا کاروں کو نبی ﷺ نے کوئی سزا نہیں دی، سب کو معاف کر دیا۔

اور یہ بات مثبت پہلو سے اس طرح ہوئی کہ نبی ﷺ اللہ کی عظیم مہربانی سے نرم دل تھے، آپؐ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بدلہ نہیں لیا، اللہ کے رسول کو اور دین کے داعی کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔

اور منفی پہلو سے یہ بات اس طرح ہوئی کہ اگر آپؐ تند خو سنگ دل ہوتے تو لوگ بکھر جاتے، ہیبت سے کوئی قریب نہ آتا، اس لئے حکم دیا کہ آپؐ خطا کاروں کو معاف کر دیں، اور ان کے لئے بخشش کی دعا کریں، تا کہ ان کے دل بڑھیں، اور جس طرح جنگِ احد کے لئے آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا تھا، آئندہ بھی جنگی معاملات میں ان سے مشورہ کیا کریں، تا کہ ان کا حوصلہ بڑھے۔

پھر مشورہ کے بعد جب آپؐ کوئی بات طے کر لیں، جیسے غزوۂ احد میں آپؐ نے ہتھیار باندھ کر باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا تو اب آپؐ اللہ کے بھروسہ پر اقدام کریں، مشورہ پر تکیہ نہ کریں، اللہ کو وہی بندے پسند ہیں جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، کیونکہ مشورہ من جملۂ اسباب ہے، اور مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہیں، اگر وہ مسلمانوں کی مدد کریں تو کوئی ان کو دبا نہیں سکتا، اور اگر ان کی مدد نہ پہنچے تو وہ رسوا ہو کر رہ جائیں گے، پس مسلمانوں کو ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ ابھی (آیت ۱۵۲) میں حکم عدولی کرنے والے تیر اندازوں کی معافی کا اعلان کر چکے ہیں، اور (آیت ۱۵۵) میں میدان چھوڑنے والوں کو بھی معاف کر چکے ہیں، مگر جہاں تک نبی ﷺ کے حقوق کا تعلق ہے اس کو آپؐ ہی معاف کریں گے، اس لئے پہلی آیت میں حکم دیا کہ آپؐ بھی معاف کر دیں، بندوں کے حقوق بندے ہی معاف کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ تو اپنے حقوق چھوڑتے ہیں۔

آیاتِ پاک: پس اللہ کی بڑی مہربانی کی وجہ سے آپؐ ان لوگوں کے لئے نرم ہو گئے، اور اگر آپؐ تند خو سنگ دل ہوتے تو وہ آپؐ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، پس آپؐ ان کو معاف کر دیں، اور اللہ سے ان کا گناہ بخشوائیں، اور (حسب سابق) جنگی معاملہ میں ان سے مشورہ کریں ــــــ پھر جب آپؐ (مشورہ کے بعد) پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں ــــــ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریں تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا، اور اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لیں تو کون ہے یہ جو اللہ کے بعد تمہاری مدد کرے؟ اور اللہ ہی پر چاہئے کہ مسلمان اعتماد کریں۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦١﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦٢﴾ ھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٣﴾

وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا	كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص	وَمَاْوٰىهُ	اور اس کا ٹھکانا
لِنَبِيٍّ	کسی نبی کے لئے	مَّا كَسَبَتْ	جو اس نے کمایا	جَهَنَّمُ	دوزخ ہے
أَنْ يَّغُلَّ (۱)	کہ غنیمت میں خیانت	وَھُمْ	اور وہ	وَبِئْسَ	اور بری ہے وہ
	کرے	لَا يُظْلَمُوْنَ	ظلم نہیں کئے جائیں گے	الْمَصِيْرُ	لوٹنے کی جگہ
وَمَنْ	اور جو	اَفَمَنِ	کیا پس جس نے	ھُمْ	لوگوں کے
يَّغْلُلْ	غنیمت میں خیانت کریگا	اتَّبَعَ	پیروی کی	دَرَجٰتٌ	مختلف درجات ہیں
يَاْتِ	آئے گا وہ	رِضْوَانَ اللّٰهِ	اللہ کی خوشنودی کی	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک
بِمَا غَلَّ	اس کے ساتھ جو خیانت	كَمَنْ	مانند اس کے ہے جو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
	کی ہے اس نے	بَاۗءَ (۲)	لوٹا	بَصِيْرٌ	خوب دیکھ رہے ہیں
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	بِسَخَطٍ	غصہ کے ساتھ	بِمَا	جو کچھ
ثُمَّ تُوَفّٰى	پھر پورا دیا جائے گا	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کے	يَعْمَلُوْنَ	وہ کرتے ہیں

نبی ﷺ کی کمالِ امانت داری کا بیان

گذشتہ آیتوں میں بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ بفضلہ تعالیٰ خوش اخلاق، نرم خُو ہیں، تند مزاج اور سنگ دل نہیں، ورنہ لوگ آپؐ کے گرد کہاں جمع رہتے! —— اب ان آیتوں میں آپؐ کی کمالِ امانت داری کا بیان ہے، آپؐ دیگر انبیاء کی طرح اعلیٰ درجہ کے امین ہیں، آپؐ مالِ غنیمت میں خیانت کر ہی نہیں سکتے، اور صحابہ آپؐ کے ماتحت تھے، وہ آپؐ کی نظر بچا کر کیسے کچھ چھپا لیتے؟

اور آپؐ کا یہ وصف یہاں اس مناسبت سے بیان کیا ہے کہ تیر انداز مورچہ چھوڑ کر غنیمت جمع کرنے کے لئے کیوں

(۱) يَغُلَّ: مضارع معروف، واحد مذکر غائب، مصدر غُلٌّ، باب نصر: مالِ غنیمت میں خیانت کرنا (۲) بَاءَ بِه: لوٹنا۔

دوڑے؟ کیا وہ غنیمت سے محروم رہتے؟ کیا نبی ﷺ غنیمت میں خیانت کرتے؟ خود رکھ لیتے اور ان کو نہ دیتے؟ اس کا تو امکان ہی نہیں تھا، پھر مال کی حرص کے علاوہ کونسا جذبہ تھا جس کی وجہ سے حکم عدولی کی؟!

آگے مضمون کے متعلقات ہیں، مالِ غنیمت میں خیانت کرنا زکات نہ نکالنے کی طرح سنگین گناہ ہے، جو شخص زکات نہیں نکالے گا یا مالِ غنیمت میں خیانت کرے گا وہ اندوختہ یا چرایا ہوا مال اٹھا کر میدانِ قیامت میں آئے گا، اونٹ ہونگے تو بلبلا رہے ہونگے، گھوڑے ہونگے تو ہنہنا رہے ہونگے، گائیں بھینسیں ہونگی تو رینک رہی ہونگی، بکریاں ہونگی تو ممیا رہی ہونگی اور کپڑے ہونگے تو لہرا رہے ہونگے، تاکہ اہل محشر کے سامنے خوب رسوائی ہو، جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔

پھر قیامت کے دن ہر شخص کو اس کی کمائی پوری دی جائے گی، کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی، نہ نیکی کا ثواب کم کیا جائے گا نہ گناہ کی سزا بڑھائی جائے گی، دونوں ہی حق تلفیاں ہیں، اور اللہ کی بارگاہ ظلم سے پاک ہے۔

ایک مثال سے وضاحت: دو شخص ہیں: ایک: اللہ کی خوشنودی کی راہ چل رہا ہے، احکام شرعیہ پر پوری طرح عمل کر رہا ہے۔ دوسرا: دنیا سے اللہ کی ناراضگی لے کر آخرت کی طرف لوٹا، ایمان نہیں لایا یا احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کی، تو کیا آخرت میں یہ دونوں بندے یکساں ہونگے؟ نہیں! پہلے کا ٹھکانا جنت ہے، اور وہ کیا خوب رہنے کی جگہ ہے! اور دوسرے کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ کیسی بری لوٹنے کی جگہ ہے!

اس طرح آخرت میں لوگوں کے درجات متفاوت ہونگے، کوئی جنتی ہوگا کوئی جہنمی، پھر جنت میں درجات اور جہنم میں درکات بھی اعمال کے اعتبار سے متفاوت ہونگے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو خوب دیکھ رہے ہیں!

آیاتِ پاک: اور کوئی بھی نبی ایسا نہیں جو مالِ غنیمت میں خیانت کرے، اور جو بھی مالِ غنیمت میں خیانت کرے گا: وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو لے کر آئے گا، پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے —— کیا جو شخص اللہ کی خوشنودی کے راستہ پر چلا: اس کے برابر ہے جو اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹا؟ اور اس (ثانی) کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ برا ٹھکانا ہے! —— لوگ اللہ کے نزدیک مختلف درجات میں ہونگے، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھ رہے ہیں جو لوگ کر رہے ہیں!

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

لَقَدْ	بخدا! تحقیق	رَسُوْلًا	عظیم رسول	الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب
مَنَّ	احسان فرمایا	مِّنْ اَنْفُسِهِمْ	انہیں میں سے	وَالْحِكْمَةَ	اور دانشمندی کی باتیں
اللّٰهُ	اللہ نے	يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ	پڑھتا ہے وہ ان پر	وَاِنْ كَانُوْا	اگرچہ تھے وہ
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والوں پر	اٰيٰتِهٖ	اس کی آیتیں	مِنْ قَبْلُ	پہلے سے
اِذْ بَعَثَ	جب بھیجا اس نے	وَيُزَكِّيْهِمْ	اور پاک صاف کرتا ہے ان کو	لَفِيْ ضَلٰلٍ	یقیناً گمراہی میں
فِيْهِمْ	ان میں	وَيُعَلِّمُهُمْ	اور سکھلاتا ہے وہ ان کو	مُّبِيْنٍ	صریح (کھلی)

نبی ﷺ کی بعثت مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے

یہ آیت نبی ﷺ کے اوصاف کے بیان کا تتمہ ہے، آگے سابق مضمون کی طرف عود (لوٹنا) ہے، نبی ﷺ کی بعثت مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے، لوگوں کو چاہئے کہ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کریں، کبھی بھولے سے بھی ایسی حرکت نہ کریں جس سے آپؐ کا دل رنجیدہ ہو، یہ مورچہ چھوڑنے والے تیر اندازوں کو اور میدان چھوڑنے والے فوجیوں کو نصیحت کی۔

اس طرح کی آیت اسی جلد میں سورۃ البقرۃ میں (آیت ۱۲۹ اور آیت ۱۵۱) گذر چکی ہیں۔ اور آٹھویں جلد میں سورۃ الجمعہ میں بھی ہے، اس لئے یہاں مختصر وضاحت کی جاتی ہے:

۱- ﴿ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾: مسلمانوں پر بڑا احسان کیا: یعنی نبی ﷺ کی بعثت پوری انسانیت کے لئے نعمتِ عظمیٰ ہے، مگر سب لوگ نفع کہاں اٹھاتے ہیں، مؤمنین ہی نفع اٹھاتے ہیں، اس لئے ان کی تخصیص کی ہے۔

۲- ﴿ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ان ہی میں سے یعنی انسانوں میں سے، فرشتوں اور جنات میں سے نہیں، انسانوں کے لئے انسان کا رسول ہونا ہی موزوں ہے، ہم جنس اور ہم قوم رسول سے استفادہ آسان ہوتا ہے، اگر وہ کوئی معجزہ دکھائے تو سمجھ میں آئے گا، فرشتہ یا جن کوئی محیر العقول کارنامہ انجام دے تو لوگ اس کو اس کی خصوصیت قرار دیں گے۔

۳- ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ﴾: وہ ان کو قرآن پڑھ کر سنائے۔ عربوں کو قرآن تلقین کے ذریعہ یاد کرایا جاتا ہے، پس ناظرہ اور تجوید پڑھانا اس کا مصداق ہے، رہے ظاہری معنی تو مخاطبین اہل لسان تھے، وہ خود ہی مطلب سمجھ لیں گے، اور اس پر عمل کریں گے، ان کو قرآن کا ترجمہ نہیں پڑھانا ہوگا، البتہ عجمیوں کو پڑھانا پڑے گا، پس وہ ﴿ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ میں آئے گا۔

۴- ﴿ يُزَكِّيْهِمْ ﴾: وہ ان کو پاک صاف کرتے ہیں: یعنی نفسانی آلائشوں سے، اخلاق رذیلہ سے اور شرک وکفر کے

جذبات سے پاک صاف کرتے ہیں، دلوں کو مانجھ کران میں جلا پیدا کرتے ہیں، اور یہ بات احکامِ قرآن پر عمل کرنے سے اور صحبت وتوجہ وتصرف سے بہ اذن الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

۵-﴿ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ﴾: وہ لوگوں کو اللہ کی کتاب سکھلاتے ہیں: عجمیوں کو ترجمہ پڑھانا، مضامین سمجھانا، اور اہل لسان کے لئے خاص ضرورت کے مواقع میں پیش آنے والے اشکالات کو حل کرنا اس میں شامل ہے۔

۶-﴿ وَالْحِكْمَةَ ﴾: اور دانشمندی کی باتیں سکھلانا، گہرے مضامین بیان کرنا بھی نبی کی ذمہ داری ہے، مثلاً: قرآنِ کریم میں رضاعت (دودھ پینے) کے تعلق سے دو رشتوں کی حرمت کا ذکر ہے: رضاعی ماں اور رضاعی بہن کا، نبی ﷺ نے فرمایا: **يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب**: دودھ پینے سے بھی وہ ساتوں رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ یعنی قرآن میں دو کا تذکرہ بطور مثال ہے، پس تمام احادیثِ شریفہ حکمت کا مصداق ہیں۔

۷-﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾: اگرچہ عرب بعثتِ نبوی سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے: یعنی شرک میں مبتلا تھے، اس سے زیادہ واضح کوئی گمراہی نہیں، خالق اور مخلوق کے ڈانڈے ملا دینا اور بندوں کو الوہیت میں شریک کرنا: اس سے زیادہ کھلی گمراہی کیا ہوسکتی ہے؟!

آیت پاک: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنین پر بڑا احسان فرمایا: جب ان میں انہی میں سے عظیم رسول بھیجا، جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں، اور ان کو پاک صاف کرتے ہیں، اور ان کو اللہ کی کتاب سکھلاتے ہیں اور دانشمندی کی باتیں بتلاتے ہیں، اگرچہ وہ بعثتِ نبوی سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۱۶۵

اَوَلَمَّآ	اور[1] کیا جب	قُلْتُمْ	کہا تم نے	اَنْفُسِكُمْ	تمہارے آئی ہے
اَصَابَتْكُمْ	پہنچی تمہیں	اَنّٰى هٰذَا	یہ کہاں سے آئی؟	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مُّصِيْبَةٌ	کچھ تکلیف	قُلْ	کہو	عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
قَدْ اَصَبْتُمْ[2]	تحقیق پہنچا چکے ہو تم	هُوَ	وہ	قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے
مِّثْلَيْهَا	اس سے ڈبل	مِنْ عِنْدِ	پاس سے		والے ہیں

(۱) ہمزہ: استفہام انکاری کا ﴿ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ﴾ پر داخل ہے (۲) جملہ **قد أصبتم**: **مصيبة** کی صفت ہے۔

اگر احد میں مسلمانوں کو کچھ تکلیف پہنچی تو تعجب کی کیا بات ہے؟

پہلے سے احد کا واقعہ چل رہا ہے، درمیان میں خطا کاروں کی معافی کا ذکر آیا تو نبی ﷺ کے اخلاق، صفات اور حقوق کا بیان آ گیا، اب پھر احد کے قصہ کی طرف لوٹتے ہیں، جنگ احد میں مسلمانوں کو تکلیف پہنچی، ستّر صحابہ شہید ہوئے اور نقصان اٹھانا پڑا پس لوگ تعجب سے کہنے لگے: یہ آفت کہاں سے آئی؟ ہم تو مسلمان مجاہد تھے، اللہ کے راستہ میں اس کے دشمنوں سے لڑ رہے تھے، اللہ کے رسول ہم میں موجود تھے، جن سے نصرت کا اللہ نے وعدہ کیا ہے: پھر یہ مصیبت ہم پر کیوں نازل ہوئی؟

جواب: یہ بات زبان سے نکالنے سے پہلے ذرا سوچو: جس قدر تکلیف تم کو پہنچی ہے اس سے دوگنی تکلیف تم ان کو پہنچا چکے ہو، احد میں تمہارے ستّر شہید ہوئے تو بدر میں ان کے ستّر مارے جا چکے ہیں، اور ستّر ہی تم قید کر کے لے آئے تھے، جن پر تم کو پورا قابو حاصل تھا، چاہتے تو قتل کر دیتے، اب انصاف سے کہو: تمہیں اپنی تکلیف کا شکوہ کرنے کا کیا حق ہے؟ اور تم بددل کیوں ہو رہے ہو!

پھر مزید غور کرو: نقصان کا سبب تم خود ہی بنے ہو:

۱- تم نے جوش میں آ کر نبی ﷺ اور تجربہ کاروں کی بات نہ مانی، اور مدینہ سے نکل کر محاذ جنگ قائم کرنے پر اصرار کیا۔

۲- پھر آخری درجہ کی تاکید کے باوجود تیر اندازوں نے اہم مورچہ چھوڑ دیا۔

۳- دشمن کی نظروں کے سامنے لشکر میں سے تین سو آدمی ٹوٹ کر لوٹ گئے۔

۴- ایک سال پہلے جب تم کو بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختیار دیا گیا تھا کہ یا تو ان کو قتل کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو، مگر ایسا کرو گے تو آئندہ سال اتنے ہی آدمی تمہارے شہید ہونگے، تاہم تم نے یہ دوسری صورت اختیار کی۔

۵- پھر تم شہادت کی آرزو کے ساتھ میدان میں اترے تھے، پس اگر وہ آرزو پوری ہوئی تو تعجب کا کیا موقع ہے؟

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، وہ جو چاہیں فیصلہ کرتے ہیں، چاہیں تو کلّی غلبہ دیں چاہیں تو جزئی، احد میں کلّی غلبہ دینا مصلحت نہیں تھی، اس لئے لوگوں کے کسب و اختیار سے ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ جزئی غلبہ عطا فرمایا، بہر حال جو کچھ ہوا اللہ کی مشیت سے ہوا، جیسا کہ اگلی آیت میں آ رہا ہے۔

آیتِ کریمہ: اور جب تم کو کچھ تکلیف پہنچی، جس کا دوگنا تم ان کو پہنچا چکے ہو: پس کیا تم کہتے ہو: یہ آفت کہاں سے آئی؟ کہو: وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں!

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۖۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

وَمَآ	اور جو (تکلیف)	لَهُمْ	ان سے	اَقْرَبُ	زیادہ نزدیک ہیں
اَصَابَكُمْ	پہنچی تم کو	تَعَالَوْا	آؤ	مِنْهُمْ	ان سے
يَوْمَ	جس دن	قَاتِلُوْا	لڑو	لِلْاِيْمَانِ	ایمان سے
الْتَقَى	مقابل ہوئیں	فِيْ سَبِيْلِ	راہ میں	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ
الْجَمْعٰنِ	دو فوجیں	اللّٰهِ	اللہ کی	بِاَفْوَاهِهِمْ	اپنے مونہوں سے
فَبِاِذْنِ	پس (وہ) اجازت سے ہے	اَوِ ادْفَعُوْا	یا (دشمن کو) ہٹاؤ	مَّا لَيْسَ	جو نہیں ہے
اللّٰهِ	اللہ کی	قَالُوْا	کہا انھوں نے	فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں
وَلِيَعْلَمَ	اور تا کہ جانیں وہ	لَوْ نَعْلَمُ	اگر جانتے ہم	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
الْمُؤْمِنِيْنَ	ایمانداروں کو	قِتَالًا	لڑائی	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں
وَلِيَعْلَمَ	اور تا کہ جانیں وہ	لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ	ضرور پیروی کرتے تمہاری	بِمَا يَكْتُمُوْنَ	جس کو چھپاتے ہیں وہ
الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے	هُمْ	وہ لوگ	اَلَّذِيْنَ (۳)	جنھوں نے
نَافَقُوْا (۱)	دوغلی پالیسی اختیار کی	لِلْكُفْرِ (۲)	کفر سے	قَالُوْا	کہا
وَقِيْلَ	اور کہا گیا	يَوْمَئِذٍ	آج	لِاِخْوَانِهِمْ	اپنے بھائیوں سے

(۱) نَافَقَ: دوغلی پالیسی اختیار کی: دل میں کفر اور زبان پر کلمۂ اسلام! (۲) للکفر اور للإیمان: دونوں ہم معنی حروفِ جار أقرب سے متعلق ہیں، اسم تفضیل میں ایسا جائز ہے (جمل) (۳) الذین قالوا: الذین نافقوا سے بدل ہے۔

وَقَعَدُوْا	اور بیٹھ رہے وہ	قُلْ	کہو	الْمَوْتَ	موت کو
لَوْ اَطَاعُوْنَا	اور کہنا مانتے وہ ہمارا	فَادْرَءُوْا	پس ہٹاؤ	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
مَا قُتِلُوْا	نہ مارے جاتے	عَنْ اَنْفُسِكُمُ	اپنی ذاتوں سے	صٰدِقِيْنَ	سچے

مصلحت نہیں تھی کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو کلّی غلبہ حاصل ہو

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو کلّی غلبہ حاصل ہوا تھا، اب اس دوسری جنگ میں بھی غلبۂ کلّی حاصل ہوتا تو پردہ اٹھ جاتا، ہر کوئی سمجھ جاتا کہ اسلام ہی برحق مذہب ہے، اسی کو اختیار کرنا چاہئے، حالانکہ غیب: درغیب رہنا چاہئے، ایمان بالغیب مطلوب ہے، اس لئے مصلحتِ خداوندی کا تقاضا ہوا کہ احد میں مسلمانوں کو جزوی کامیابی حاصل ہو، اس لئے مسلمانوں کو جانی نقصان پہنچا۔

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ﴾

ترجمہ: اور جو (نقصان) تم کو پہنچا جس دن دونوں فوجیں بھڑیں، وہ بہ حکم الٰہی تھا۔

احد میں جو صورت پیش آئی اس میں مصلحت یہ تھی کہ کھرے کھوٹے کا امتیاز ہو جائے

جنگ بدر کے لئے تو سب مخلص مسلمان نکلے تھے، اس وقت تک مسلمانوں کی صفوں میں نفاق نہیں تھا، مگر جب بدر میں مسلمانوں کو کلّی غلبہ حاصل ہوا تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے اپنے لوگوں (مشرکوں) سے کہا: إن هذا الأمر قد تَوَجَّهَ! اسلام تو بڑھ چلا، اب اس کا لبادہ اوڑھو! اس کی پناہ لو! اس طرح نفاق شروع ہوا، وہ درپردہ کافر تھے، مگر کلمہ نماز کرنے لگے، اس لئے مصلحتِ خداوندی کا تقاضا ہوا کہ جنگ سے پہلے بھی اور بعد میں بھی یہ چہرے کھل کر سامنے آجائیں، تاکہ ان آستین کے سانپوں سے بچا جا سکے، چنانچہ عبداللہ اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدان سے لوٹ گیا، اس طرح ان کا بھانڈا پھوٹا، ان کے دیکھا دیکھی فوج کا دایاں بایاں بازو بھی پھسلنے لگا، مگر اللہ کی کارسازی سے وہ پھسلتے پھسلتے بچ گئے، اور جنگ کے بعد منافقوں اور یہود نے طرح طرح کی باتیں شروع کیں، اس طرح کھرے کھوٹوں میں امتیاز ہو گیا۔

﴿وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا﴾

ترجمہ: اور تاکہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو جان لیں، اور ان لوگوں کو بھی جان لیں جنھوں نے دوغلی پالیسی اختیار کی!

منافقین کو جنگ میں شرکت کی دعوت دی مگر قبول نہیں کی، پھر باتیں چھانٹیں!

نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد فوراً مدینہ میں آباد تین قوموں (مسلمان، مشرکین اور یہود) کے درمیان ایک معاہدہ کیا

تھا، اس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ اگر باہر سے دشمن حملہ آور ہو تو تینوں قومیں مل کر مدافعت کریں گی، اس معاہدہ کی رو سے مشرکین اور یہود کی بھی ذمہ داری تھی کہ جنگ میں حصہ لیتے، اس لئے کہ مکہ والے چڑھ آئے تھے، چنانچہ عبداللہ اور اس کے تین سو ساتھیوں سے کہا گیا کہ آؤ، اگر تم واقعی مسلمان ہو تو راہ خدا میں لڑو، ورنہ دشمن کو مدینہ سے ہٹاؤ! انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور میدان سے چل دیئے۔

جنگ کے بعد انھوں نے ذومعنی جواب دیا، کہا: ''اگر ہم لڑنا جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے'' اس کے دو مطلب نکلتے ہیں:

ایک: ہم نے مشورہ دیا تھا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے، مگر ہمارا مشورہ نہیں مانا گیا، پس ہم ناتجربہ کار ٹھہرے، ہم میں جنگی معاملات کی سوجھ بوجھ نہیں تھی، پھر ہم اپنی جانیں کیوں گنواتے! ہماری بات مانی جاتی اور مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جاتا تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔

دوسرا: ہم تو اس کو جنگ نہیں سمجھے تھے، کھیل (کرکٹ میچ) سمجھے تھے، سمجھتے تھے کہ مجاہدین کھیل کر واپس آجائیں گے، اگر ہم اس کو واقعی جنگ سمجھتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: آج وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب ہوگئے، یعنی پہلے وہ کلمہ پڑھتے تھے، نماز روزہ کرتے تھے، اس لئے وہ ایمان سے بظاہر قریب تھے، اور اب جو ان کی حرکت اور باتیں سامنے آئیں تو وہ کفر سے زیادہ قریب ہوگئے، ان کے دلوں کا حال طشت از بام ہوگیا!

﴿ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۚ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ ۚ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ ﴾

ترجمہ: جب ان (منافقین) سے کہا گیا: آؤ، اللہ کے راستہ میں لڑو یا دفاع کرو، انھوں نے جواب دیا: اگر ہم لڑنا جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے! وہ آج بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب ہوگئے!

منافقین کی بات دل کی بات نہیں!

منافقین کا مذکورہ جواب محض سخن سازی ہے، ان کے دل میں جو بات ہے وہ اللہ کو معلوم ہے، وہ جنگ میں اس لئے شریک نہیں ہوئے کہ اچھا ہے مسلمان مغلوب وذلیل ہوں، اور ان کی راڑ کٹے، اور وہ خوشیاں منائیں۔

﴿ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں، اور وہ جو بات چھپا رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہیں!

موت تو آنی ہے، اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا

غزوۂ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے، جن میں بھاری اکثریت انصار کی تھی، ان کے ۶۵ آدمی شہید ہوئے تھے، ۴۱ خزرج کے اور ۲۴ اوس کے، اور ایک یہودی قتل ہوا تھا، اور مہاجرین کے شہداء صرف چار تھے، اس لئے منافقوں نے اپنے برادروں (انصار) کے بارے میں کہنا شروع کیا: ''اگر وہ ہماری بات مانتے اور گھر میں رہتے تو مارے نہ جاتے!''

قرآن کہتا ہے: اگر تمہاری طرح نامرد بن کر گھر میں بیٹھے رہتے تو کیا موت سے بچ جاتے؟ جب تمہاری موت آئے تو اس کو گھر میں داخل ہونے سے روکنا، موت کو گھر میں آنے سے کوئی روک نہیں سکتا، اس سے بہتر راہ خدا میں عزت کی موت مرنا ہے، گھر میں مرنے والا مٹی میں جائے گا اور شہادت کی موت مرنے والا زندۂ جاوید ہوجائے گا اور جنت میں گھومے گا، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا، قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾﴾

ترجمہ: (منافق) وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے (شہید ہونے والے) بھائیوں کے بارے میں کہا، اور خود بھی گھروں میں بیٹھے رہے کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے! —— کہو: اپنی ذاتوں سے موت کو ہٹاؤ اگر تم سچے ہو —— کہ گھر میں رہنے سے موت نہیں آتی!

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا، بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ، لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾

وَلَا تَحْسَبَنَّ	اور نہ خیال کر تو	الَّذِيْنَ(۱)	ان لوگوں کو جو	قُتِلُوْا	مارے گئے

(۱) الذین قُتلوا: مفعول اول، اور أمواتا: مفعول ثانی ہے، اور عند ربھم: یرزقون کا ظرف ہے۔

فِيْ سَبِيْلِ	راہ میں	بِهِمْ	ان کے ساتھ	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کی
اللّٰهِ	اللہ کی	مِّنْ خَلْفِهِمْ	ان کے پیچھے سے	اَلَّذِيْنَ(۳)	جنھوں نے
اَمْوَاتًا	مردے	اَلَّا خَوْفٌ(۲)	کہ نہیں کوئی ڈر	اسْتَجَابُوْا	قبول کی (مانی)
بَلْ اَحْيَآءٌ	بلکہ (وہ) زندہ ہیں	عَلَيْهِمْ	ان پر	لِلّٰهِ	اللہ کی بات
عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	وَ الرَّسُوْلِ	اور اس کے رسول کی بات
يُرْزَقُوْنَ	روزی دیئے جاتے ہیں	يَحْزَنُوْنَ	غم گین ہونگے	مِنْ بَعْدِ	بعد
فَرِحِيْنَ(۱)	خوش ہورہے ہیں	يَسْتَبْشِرُوْنَ	خوشی منارہے ہیں وہ	مَآ اَصَابَهُمُ(۴)	ان کو پہنچے
بِمَآ اٰتٰهُمُ	اس پر جو دیا ان کو	بِنِعْمَةٍ	نعمتوں پر	الْقَرْحُ	زخم کے
اللّٰهُ	اللہ نے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی	لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کیلئے جنھوں نے
مِنْ فَضْلِهٖ	اپنی مہربانی سے	وَفَضْلٍ	اور مہربانی پر (ان کی)	اَحْسَنُوْا	اچھے کام کئے
وَيَسْتَبْشِرُوْنَ	اور خوش ہورہے ہیں	وَّاَنَّ اللّٰهَ	اور اس پر کہ اللہ	مِنْهُمْ	ان میں سے
بِالَّذِيْنَ	ان لوگوں کی وجہ سے جو	لَا يُضِيْعُ	ضائع نہیں کرتے	وَاتَّقَوْا	اور ڈرے وہ
لَمْ يَلْحَقُوْا	نہیں ملے	اَجْرَ	مزدوری	اَجْرٌ عَظِيْمٌ	بڑا ثواب ہے

شہداء حیات ہیں، وہ کھلائے پلائے جاتے ہیں

گھر میں بیٹھے رہنے سے موت تو رک نہیں سکتی، ہاں آدمی اس موت سے محروم رہتا ہے جس کو موت کے بجائے 'حیاتِ جاودانی' کہنا چاہئے، شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے جو اوروں کو نہیں ملتی، ان کو حق تعالیٰ کا ممتاز قرب حاصل ہوتا ہے، وہ بڑے عالی درجات ومقامات پر فائز ہوتے ہیں، ان کو جنت کا رزق آسانی سے پہنچتا ہے، جس طرح ہم اعلی درجہ کے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر ذرا سی دیر میں جہاں چاہیں اڑے چلے جاتے ہیں: شہداء کی ارواح ہرے رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں داخل ہوکر جنت کی سیر کرتی ہیں، اور جنت کے پھل چرتی چگتی ہیں، اور پوٹوں میں بیٹھ کر یعنی اگلی سیٹ پر بیٹھ کر جہاز خود چلاتی ہیں، اس وقت شہداء بے حد مسرور ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دولت شہادت عنایت فرمائی، پس ہزار زندگیاں اس موت پر قربان!

(۱)فرحین: الذین قُتلوا: مفعولِ اول کا حال ہے (۲)ألّا: اصل میں أنْ لاَ تھا، ادغام ہوا ہے۔ (۳)الذین: المؤمنین کی صفت ہے (۴)ما: مصدریہ ہے أی بعد إصابة القرح۔

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ راہِ خدا میں مارے گئے ان کو مردے مت سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں، ان کے پروردگار کے پاس کھلائے پلائے جاتے ہیں!

ملحوظہ: شہداء کی حیات برزخی اور اس سے استدلال کر کے انبیاء کی حیات پر گفتگو اسی جلد میں سورۃ البقرہ (آیت ۱۵۴) میں گذر چکی ہے۔

شہداء کو دو خوشیاں

شہداء کے لئے دو خوشیاں ہیں:

اول: اللہ نے جو کچھ ان کو اپنے فضل سے عنایت فرمایا ہے اس پر وہ نازاں وفرحاں ہیں، بعض روایات میں ہے کہ شہدائے احد یا شہدائے بیر معونہ نے بارگاہِ خداوندی میں تمنا کی تھی کہ کاش ہمارے عیش کی خبر ہمارے بھائیوں کو ہو جائے تا کہ وہ جہاد سے جان نہ چرائیں، اللہ نے فرمایا: میں ان کو خبر دیتا ہوں، اور یہ آیت نازل کی، پھر ان کو اطلاع دی کہ میں نے خبر پہنچادی، پس وہ اور زیادہ خوش ہوئے۔

دوم: ان کو ان مسلمان بھائیوں کا تصور کر کے بھی خاص خوشی حاصل ہوتی ہے، جن کو وہ اپنے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول چھوڑ آئے ہیں کہ اگر وہ بھی ہماری طرح اللہ کی راہ میں مارے گئے تو وہ بھی پُر لطف اور بے خوف زندگی کے مزے لوٹیں گے، نہ ان کو اپنے آگے کا ڈر ہوگا نہ پیچھے کا غم، مامون ومطمئن سیدھے خدا کی رحمت میں داخل ہو جائیں گے۔

﴿ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾

ترجمہ: (۱) اللہ نے جو ان کو اپنا فضل عطا فرمایا ہے: وہ اس پر شاداں وفرحاں ہیں (۲) اور وہ خوشیاں مناتے ہیں ان لوگوں کی وجہ سے جو (ابھی) ان کے پاس نہیں پہنچے کہ ان پر بھی نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم گیں ہونگے۔

زخم خوردہ صحابہ لشکر کفار کے تعاقب میں نکلے

(غزوۂ حمراء الاسد)

ختم جنگ کے بعد نبی ﷺ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر مشرکین نے سوچا کہ جنگ میں اپنا پلہ بھاری ہوتے ہوئے بھی ہم نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو انہیں یقیناً ندامت ہوگی اور وہ پلٹ کر مدینہ پر حملہ کریں گے، اس لئے آپؐ نے فیصلہ کیا کہ

مکی لشکر کا تعاقب کیا جائے۔

چنانچہ معرکۂ احد کے دوسرے دن یعنی یکشنبہ ۸ شوال ۳ ہجری کو علی الصباح اعلان فرمایا کہ دشمن کے تعاقب کے لئے چلنا ہے اور ہمارے ساتھ وہی چلے جو معرکہ احد میں شریک تھا، عبداللہ بن ابی نے ساتھ چلنے کی اجازت چاہی مگر آپؐ نے اجازت نہیں دی، مسلمان سب زخموں سے چور، غم سے نڈھال اور خوف سے دوچار تھے، مگر سب بلاتردد تیار ہو گئے۔

پروگرام کے مطابق نبی ﷺ مسلمانوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور مدینہ سے آٹھ میل پر حمراء الاسد میں خیمہ زن ہوئے، وہاں معبد بن ابی معبد خزاعی ملا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہوا، یا ابھی وہ حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوا تھا، معاہد تھا، اس نے کہا: آپ کو اور آپؐ کے ساتھوں کو جو زد پہنچی ہے اس سلسلہ میں آپؐ مجھ سے کوئی خدمت لینا چاہیں تو لیں، نبی ﷺ نے فرمایا: ابوسفیان کے پاس جاؤ اور اس کی حوصلہ شکنی کرو۔

اُدھر نبی ﷺ کو جو اندیشہ لاحق ہوا تھا وہ واقعہ بنا، ابوسفیان مدینہ سے چھتیس میل دور مقام روحاء پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا کہ لوگ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تم لوگوں نے کچھ نہیں کیا، مسلمانوں کی شوکت وقوت توڑ کر انہیں یونہی چھوڑ دیا، ابھی ان میں اتنے سر باقی ہیں کہ وہ پھر تمہارے لئے دردِ سر بن سکتے ہیں، پس واپس چلو اور انہیں جڑ سے اکھاڑ دو، مگر صفوان بن امیہ نے اس کی مخالفت کی اور کہا: ایسا مت کرو، مجھے خطرہ ہے کہ جو مسلمان غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ بھی اب تمہارے خلاف جمع ہو جائیں گے، لہٰذا واپس چلو، فتح تمہاری ہے، مدینہ پر پھر چڑھائی کرو گے تو گردش میں آجاؤ گے، مگر بھاری اکثریت نے اس کی رائے قبول نہیں کی اور فیصلہ کیا کہ مدینہ واپس چلیں۔

ابھی کفار یہ سوچ ہی رہے تھے کہ معبد خزاعی وہاں پہنچ گیا، ابوسفیان نے پوچھا: پیچھے کی کیا خبر ہے؟ معبد نے کہا: محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو لے کر تمہارے تعاقب میں نکل چکے ہیں، ان کے ساتھ اتنی بڑی جمعیت ہے کہ میں نے ایسی جمعیت کبھی نہیں دیکھی، سب لوگ غصہ میں بھرے ہوئے ہیں، احد میں جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی ساتھ ہو گئے ہیں، ابوسفیان نے پوچھا: بھائی تو کیا کہہ رہا ہے؟ معبد نے کہا: تم کوچ کرنے سے پہلے لوگوں کی پیشانیاں دیکھ لو گے اور لشکر کا ہراول دستہ ٹیلہ کے پیچھے سے نمودار ہو جائے گا، یہ باتیں سن کر مکی لشکر کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ان پر رعب طاری ہو گیا اور انہیں اسی میں عافیت نظر آئی کہ مکہ کی جانب سفر جاری رکھیں، البتہ ابوسفیان نے قبیلہ عبدالقیس کے ایک وفد سے کہا: جو وہاں سے گذرا تھا کہ میرا ایک پیغام محمد (ﷺ) کو پہنچا دینا، ان کو یہ خبر پہنچا دیں کہ ہم نے ان کی اور ان کے رفقاء کی جڑ کاٹنے کے لئے پلٹ کر دوبارہ حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جب یہ قافلہ حمراء الاسد پہنچا تو اس نے ابوسفیان کا پیغام سنایا، مسلمانوں نے اس کی باتیں سن کر کہا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾: اللہ ہمارے لئے کافی ہیں اور وہ بہترین کارساز

ہیں، اس طرح ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوگیا، نبی ﷺ حمراء الاسد میں تین دن قیام کر کے مدینہ واپس آ گئے۔

﴿ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر خوش ہو رہے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے، جنھوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانی، ان کو زخم پہنچنے کے بعد —— اور حمراء الاسد تک کفار کا پیچھا کیا —— ان لوگوں کے لئے جنھوں نے ان میں سے اچھے کام کئے اور اللہ سے ڈرے بڑا ثواب ہے! —— یہ سبھی صحابہ کی مدح سرائی اور ان کی شان کو بلند کرنا ہے، کیونکہ وہ سب کے سب ایسے ہی تھے (فوائد)

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

اَلَّذِيْنَ (۱)	(وہ) جو	وَّقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	لَّمْ يَمْسَسْهُمْ	نہیں چھویا ان کو
قَالَ لَهُمُ	کہا ان سے	حَسْبُنَا	ہمارے لئے کافی ہیں	سُوْٓءٌ	کسی برائی نے
النَّاسُ	لوگوں نے:	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَّاتَّبَعُوْا	اور پیروی کی انھوں نے
اِنَّ النَّاسَ	بے شک لوگوں نے	وَنِعْمَ	اور کیا خوب ہیں	رِضْوَانَ	خوشنودی کی
قَدْ جَمَعُوْا	بالیقین جمع کیا ہے	الْوَكِيْلُ	کارساز!	اللّٰهِ	اللہ کی
لَكُمْ	تمہارے لئے (بڑا لشکر)	فَانْقَلَبُوْا	پس لوٹے وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَاخْشَوْهُمْ	پس ڈرو تم ان سے	بِنِعْمَةٍ	نعمت کے ساتھ	ذُوْ فَضْلٍ	مہربانی والے ہیں
فَزَادَهُمْ	پس بڑھایا (اس نے) ان کا	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی	عَظِيْمٍ	بڑی
اِيْمَانًا	ایمان	وَفَضْلٍ	اور فضل کے ساتھ	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ

(۱) الذین: پہلے الذین سے بدل اور المؤمنین کی صفت ہے۔

ذٰلِكُمُ	وہ	اَوْلِيَآءَهٗ	اپنے دوستوں سے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہوتم
الشَّيْطٰنُ	شیطان	فَلَا تَخَافُوْهُمْ	پس مت ڈروتم ان سے	مُّؤْمِنِيْنَ	ایماندار
يُخَوِّفُ(۱)	ڈراتا ہے (تم کو)	وَخَافُوْنِ	اور ڈرو مجھ سے	۞	۞

صحابہ زخم مندمل ہوتے ہی کفار کے مقابلہ کے لئے نکلے (غزوۂ بدر صغریٰ)

جنگِ احد کے خاتمہ پر ابوسفیان (کمانڈر) نے اعلان کیا تھا کہ اگلے سال پھر بدر میں لڑائی ہوگی، نبی ﷺ نے اس کو قبول کرلیا، اگلا سال آیا تو آپؐ نے حکم دیا: جہاد کے لئے نکلو، اگر کوئی نہیں جائے گا تو اللہ کا رسول تنہا ہوجائے گا، یہ اس لئے فرمایا تھا کہ سال گذشتہ کی کسک ابھی باقی تھی۔

اُدھر ابوسفیان بھی فوج لے کر مکہ سے نکلا، تھوڑی دور چل کر ہمت ٹوٹ گئی، قحط سالی کا عذر کرکے چاہا کہ مکہ لوٹ جائے، مگر چاہا کہ الزام مسلمانوں پر رہے، ایک شخص مدینہ جارہا تھا اس کو کچھ دیا، اور کہا: وہاں پہنچ کر ایسی خبریں اڑانا کہ مسلمان خوف کھائیں اور جنگ کو نہ نکلیں۔

وہ شخص مدینہ پہنچ کر کہنے لگا: مکہ والوں نے بڑی بھاری جمعیت اکٹھا کی ہے، تم ہرگز اس کا مقابلہ نہیں کرسکو گے، بہتر یہ ہے کہ بیٹھ رہو! مسلمانوں کا جوش ایمان بڑھ گیا، انھوں نے کہا: اللہ ہمارے لئے کافی ہے!

خیر، مسلمان حسب وعدہ بدر پہنچے، وہاں بڑا بازار لگتا تھا، تین روز تک خوب خرید وفروخت کی، اور خوب نفع کمایا، اور بسلامت واپس آئے، اس غزوہ کو بدر صغریٰ کہتے ہیں، اور غزوۂ حمراء الاسد اور غزوۂ بدر صغریٰ میں ربط کی طرف عنوانوں میں اشارہ کیا ہے۔

ملحوظہ: اکثر مفسرین نے ان آیات کو غزوۂ حمراء الاسد ہی سے متعلق کیا ہے۔

آیاتِ پاک: (وہ مؤمنین) جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے (کفار نے) تمہارے لئے بڑا لشکر اکٹھا کیا ہے، پس تم ان سے ڈرو ــــــ اور مقابلہ کے لئے مت نکلو ــــــ پس اِس خبر نے اُن کا ایمان بڑھا دیا، اور انھوں نے کہا: "اللہ ہمارے لئے کافی ہیں، اور وہ خوب مددگار ہیں!" پس وہ پلٹے اللہ کی نعمت اور مہربانی کے ساتھ ــــــ تجارتی نفع بھی مراد ہے، اور فتح وظفر بھی ــــــ کسی برائی نے ان کو نہیں چھویا ــــــ نہ لگی ہلدی نہ لگی پھٹکری اور رنگ آیا چوکھا! ــــــ اور انہوں نے اللہ کی خوشنودی کی پیروی کی ــــــ یعنی جہاد کے لئے نکلے ــــــ اور اللہ بڑے فضل والے ہیں ــــــ مجاہدین کو سرخ رو بھی کیا اور مالا مال بھی!

(۱) یخوف کا مفعول اول کم محذوف ہے، جیسے ﴿لِيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا﴾ میں پہلا مفعول کم محذوف ہے [الکہف ۲]

وہ شیطان ہی ہے جو تم کو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے —— یعنی جو اُدھر سے آکر مرعوب کُن خبریں پھیلاتا ہے وہ شیطان ہے، یا شیطان کے اغواء سے ایسا کر رہا ہے، وہ اپنے چیلے چانٹوں اور اپنے بھائی بندوں سے تمہیں مرعوب کر رہا ہے —— پس تم ان سے مت ڈرو، اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو!

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

وَلَا يَحْزُنْكَ	اور نہ غمگین کریں آپ کو	حَظًّا	کوئی حصہ	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	سزا ہے دردناک
يُسَارِعُوْنَ	لپکتے ہیں	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	وَلَا يَحْسَبَنَّ	اور نہ خیال کریں
فِي الْكُفْرِ	کفر کی طرف	عَذَابٌ	سزا ہے	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے
اِنَّهُمْ	بے شک وہ	عَظِيْمٌ	بڑی	كَفَرُوْٓا	اسلام قبول نہیں کیا
لَنْ	ہرگز نہیں	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	اَنَّمَا (۱)	کہ جو
يَّضُرُّوا	نقصان پہنچائیں گے	اشْتَرَوُا	بدلتے ہیں	نُمْلِيْ	مہلت دے رہے ہیں ہم
اللّٰهَ	اللہ کو	الْكُفْرَ	کفر کو	لَهُمْ	ان کو
شَيْـــًٔا	ذرا بھی	بِالْاِيْمَانِ	ایمان سے	خَيْرٌ	بہتر ہے
يُرِيْدُ اللّٰهُ	چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ	لَنْ	ہرگز نہیں	لِّاَنْفُسِهِمْ	ان کے لئے
اَلَّا يَجْعَلَ	کہ نہ بنائیں	يَّضُرُّوا	نقصان پہنچائیں گے	اِنَّمَا	سوا اس کے نہیں کہ
لَهُمْ	ان کے لئے	اللّٰهَ شَيْـــًٔا	اللہ کو ذرا بھی	نُمْلِيْ	ہم مہلت دے رہے ہیں

(۱) أنما: أن: الگ ہے، ما: موصولہ صلہ کے ساتھ اس کا اسم ہے اور خیر: خبر ہے، قرآنی رسم الخط میں دونوں کو ملا کر لکھا گیا ہے۔

لَهُمْ	ان کو	اِثْمًا	گناہ میں	عَذَابٌ	سزا ہے
لِيَزْدَادُوْٓا	تا کہ بڑھ جائیں وہ	وَلَهُمْ	اوران کے لئے	مُّهِيْنٌ	رسوا کن

کافروں کی کاروائیوں سے اسلام کی ترقی رک نہیں سکتی

اب غزوۂ احد کے متعلقات کا بیان ہے، پہلی دو آیتوں میں نبی ﷺ کی تسلی فرمائی ہے اور تیسری آیت میں کافروں کے ایک خلجان کا جواب ہے۔ مکہ مکرمہ کے تیرہ سال بہت کٹھن گزرے ہیں، چند سو آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا، پھر ہجرت کے بعد صورتِ حال بدلی، اسلام کی اشاعت عام ہوئی، مگر اہل مکہ مدینہ پر چڑھ چڑھ آتے تھے، وہ اسلام کو بیخ و بُن سے اکھاڑ دینا چاہتے تھے، احد کی جنگ میں صورتِ حال نازک ہوگئی تھی، یہ صورتِ حال نبی ﷺ کے لئے تشویشناک ہوسکتی تھی، اس لئے دو آیتوں میں نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپؐ فکر نہ کریں اسلام کا مستقبل روشن ہے، لوگ اگرچہ کفر کی طرف لپک رہے ہیں، مگر اس سے اللہ کے دین کا ذرا نقصان نہیں ہوگا، جلدی وہ دن آئے گا کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونگے۔

اور جو لوگ کفر میں پیر پسار رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دے رہے ہیں: یہ بات اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو، اور وہ بڑے عذاب سے دوچار ہوں۔

اور سنو! جو لوگ اسلام قبول نہیں کر رہے، اس کے عوض کفر کو خرید رہے ہیں، وہ اسلام کی ترقی کو روک نہیں سکتے، اسلام کا پھیلنا مقدر ہے، وہ تو پھیل کر رہے گا اور مخالفین منہ کی کھائیں گے، ان کو آخرت میں دردناک عذاب سے سابقہ پڑے گا۔

﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: اور آپؐ کو غمگین نہ کریں وہ لوگ جو کفر کی طرف لپک رہے ہیں، بے شک وہ اللہ تعالیٰ (کے دین) کو ذرا نقصان نہیں پہنچا سکتے، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو، اور ان کے لئے بڑی سزا ہے!

بے شک جن لوگوں نے کفر کو ایمان کے بدل خریدا، وہ اللہ تعالیٰ (کے دین) کو ذرا نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان کے لئے دردناک سزا ہے!

کافروں کی خوش حالی اور مہلت ان کے حق میں کچھ اچھی نہیں

ممکن تھا کافروں کو اپنی لمبی عمریں، خوش حالی اور دولت وثروت کی وجہ سے یہ خیال گذرے کہ اگر ہم اللہ کے مبغوض

(ناپسندیدہ) بندے ہوتے تو ہمیں مہلت کیوں دی جاتی؟ اور ہم ایسی اچھی حالت میں کیوں ہوتے؟ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ مہلت دینا ان کے حق میں کچھ بھلی بات نہیں، ان کو یہ مہلت اس لئے دی جارہی ہے کہ وہ خوب گناہ سمیٹیں! اور کفر پر مریں، ان کے لئے ذلیل وخوار کرنے والا عذاب تیار ہے۔

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٧٨﴾ ﴾

ترجمہ: اور ہرگز خیال نہ کریں وہ لوگ جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا کہ ہم جو ان کو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کے حق میں بہتر ہے، ہم ان کو صرف اس لئے مہلت دے رہے ہیں کہ وہ گناہوں میں بڑھ جائیں، اور ان کے لئے رسواکن عذاب ہے!

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَآ أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَآءُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٩﴾

مَا كَانَ	نہیں تھے	مِنَ الطَّيِّبِ	ستھرے سے	مَن يَشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
اللَّهُ	اللہ	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھے	فَآمِنُوا	پس ایمان لاؤ
لِيَذَرَ	کہ چھوڑتے	اللَّهُ	اللہ	بِاللَّهِ	اللہ پر
الْمُؤْمِنِينَ	مسلمانوں کو	لِيُطْلِعَكُمْ	کہ واقف کریں تم کو	وَرُسُلِهِ	اور اس کے رسولوں پر
عَلَىٰ مَآ	اس حالت پر جو	عَلَى الْغَيْبِ	پوشیدہ بات پر	وَإِن تُؤْمِنُوا	اور اگر ایمان لائے تم
أَنتُمْ عَلَيْهِ	تم اس پر ہو	وَلَٰكِنَّ اللَّهَ	لیکن اللہ تعالیٰ	وَتَتَّقُوا	اور پرہیزگار رہے
حَتَّىٰ يَمِيزَ	یہاں تک کہ جدا کریں وہ	يَجْتَبِي	چنتے ہیں	فَلَكُمْ أَجْرٌ	تو تمہارے لئے ثواب ہے
الْخَبِيثَ	گندے کو	مِن رُّسُلِهِ	اپنے رسولوں میں سے	عَظِيمٌ	بڑا

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ مسلمانوں کو بھی آزمائش سے گذارا جائے تاکہ کھرا کھوٹا جدا ہوجائے

گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ خوش حالی اور مہلت کفار کے حق میں بہتر نہیں، اب اس کی برعکس صورت بیان فرماتے

ہیں کہ اگر مسلمانوں کو مصائب اور ناخوش گوار واقعات پیش آئیں، جیسے جنگِ احد میں پیش آئے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ کے ناپسندیدہ بندے ہیں، یہ حالات تو خاص مصلحت سے پیش آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ مسلمانوں کو بھی آزمائش سے گذارا جائے تا کہ مخلص مسلمان اور منافق جدا ہو جائیں، مسلمان اس وقت رلے ملے ہیں، مخلص اور منافق میں امتیاز نہیں، منافق بھی کلمہ پڑھ کر دھوکہ کے لئے مسلمانوں میں شامل رہتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ایسے واقعات اور حوادث پیش آئیں جو کھرے کو کھوٹے سے اور پاک کو ناپاک سے کھلے طور پر جدا کر دیں۔

اس کے بعد آیت میں ایک سوال کا جواب ہے:

سوال: اللہ تعالیٰ کے لئے آسان تھا کہ تمام مسلمانوں کو بدوں امتحان میں ڈالے منافقوں کے ناموں اور کاموں سے مطلع کر دیتے، پھر ایسا کیوں نہیں کیا؟ سب کو آزمائش کی بھٹی میں کیوں ڈالا؟

جواب: اللہ کی حکمت و مصلحت نہیں تھی کہ سب لوگوں کو اس قسم کے غیوب سے آگاہ کیا جائے، اس لئے کسوٹی پر ڈالا تا کہ کھرا کھوٹا علاحدہ ہو جائے۔

ہاں وہ اپنے رسولوں کا انتخاب کر کے جس قدر غیوب کی اطلاع دینا مناسب ہوتا ہے: دیتے ہیں، مگر عام لوگوں کو بلا واسطہ اس کی اطلاع نہیں دیتے، چنانچہ نبی ﷺ کو اللہ نے منافقین کے نام بتا دیئے تھے، اور آپؐ نے حضرت حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو بتائے تھے، اور ان کو دوسروں کو بتانے سے منع کیا تھا۔ اور آخر میں فرمایا ہے کہ اللہ کا جو خاص معاملہ رسولوں سے ہے، اور پاک و ناپاک کو جدا کرنے کی نسبت سے جو اللہ تعالیٰ کی عادت ہے: اس میں زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں، مسلمان کا کام یہ ہے کہ اللہ و رسول کی باتوں پر کامل یقین رکھے، اور تقوی و پرہیز گاری پر قائم رہے: یہ کر لیا تو سب کچھ کما لیا (ماخوذ از فوائد)

آیتِ پاک: اللہ تعالیٰ ایسے تو ہیں نہیں کہ مسلمانوں کو اس حالت پر رہنے دیں جس حالت پر تم ہو، یہاں تک کہ گندے کو ستھرے سے جدا کریں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے تو ہیں نہیں کہ تمہیں پوشیدہ باتوں سے واقف کریں، البتہ اللہ تعالیٰ چنتے ہیں اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتے ہیں —— اور اس کو غیوب کی اطلاع دیتے ہیں —— لہٰذا تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو! اور اگر تم ایمان لائے اور پرہیز گار رہے تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے!

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ

وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۱۸۰﴾

وَلَا یَحۡسَبَنَّ	اور نہ گمان کریں	لَّھُمۡ	ان کے لئے	وَ لِلّٰہِ	اور اللہ ہی کے لئے
الَّذِیۡنَ	وہ لوگ جو	بَلۡ ھُوَ	بلکہ وہ	مِیۡرَاثُ (۳)	متروکہ (چھوڑا ہوا) ہے
یَبۡخَلُوۡنَ	بخیلی کرتے ہیں	شَرٌّ لَّھُمۡ	بدتر ہے ان کے لئے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
بِمَا	اس مال میں جو	سَیُطَوَّقُوۡنَ	اب مالا پہنائے جائیں گے وہ	وَ الۡاَرۡضِ	اور زمین کا
اٰتٰھُمُ	دیا ان کو	مَا (۲)	اس مال کی جو	وَ اللّٰہُ	اور اللہ تعالیٰ
اللّٰہُ	اللہ نے	بَخِلُوۡا	بخیلی کی انھوں نے	بِمَا	ان کاموں سے جو
مِنۡ فَضۡلِہٖ	اپنی مہربانی سے	بِہٖ	اس میں	تَعۡمَلُوۡنَ	تم کرتے ہو
ھُوَ خَیۡرًا (۱)	(کہ) وہ بہتر ہے	یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ	قیامت کے دن	خَبِیۡرٌ	پورے باخبر ہیں

جس مال کے حقوقِ واجبہ ادا نہیں کئے گئے اس مال کی قیامت کے دن مالا پہنائی جائے گی!

سورت عیسائیوں کے تذکرہ سے شروع ہوئی ہے، پھر غزوۂ احد کی تفصیلات آئیں، اب کچھ یہود کا تذکرہ کرتے ہیں، ان کا معاملہ بہت مضرت رساں اور تکلیف دہ تھا، منافقین بھی اکثر انہی میں سے تھے، اور گذشتہ آیت میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے جدا کر کے رہیں گے، یہ جدائی جانی و مالی جہاد کے وقت ظاہر ہوتی ہے، جہاد کے لئے مال خرچ کرتے وقت بھی کھرا کھوٹا اور کچا پکا صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔

اس لئے اب ایک آیت میں یہ بات بیان کی ہے کہ یہود و منافقین جہاد کے لئے خرچ کرنے سے بھاگتے ہیں، مال خرچ کرنے سے بھی ان کو موت آتی ہے، لیکن جس طرح جہاد سے پیچھے رہ کر چند روز کی مہلت پالینا بہتر نہیں اسی طرح مال میں بخیلی کرنا اور راہِ خدا میں خرچ نہ کرنا بھی بہتر نہیں، دنیا میں کوئی مصیبت نہ بھی آئے تو قیامت کے دن جمع کیا ہوا مال عذاب کی صورت میں ظاہر ہوگا، وہ ان کے گلے کا ہار بن کر رہے گا۔

اور زکات وغیرہ حقوقِ واجبہ ادا نہ کرنے میں بھی یہی سزا ملے گی، نبی ﷺ نے فرمایا:

''جس کو اللہ نے مال دیا پھر اس نے مال کی زکات ادا نہیں کی تو اس کا مال قیامت کے دن ایک گنجے سانپ کا پیکر

---

(۱) ھو خیراً: خیراً مفعول ثانی ہے، اور ھو ضمیر فصل ہے (۲) ما: أی بما، طَوَّق: بغیر صلہ کے بھی مستعمل ہے (۳) میراث: اسم ہے: میت کا ترکہ، جمع مواریث۔

(شکل) اختیار کرے گا، جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہونگے، وہ قیامت کے دن اس کے گلے کا طوق بن جائے گا، پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا، اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں! میں تیرا خزانہ ہوں! پھر نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی" (بخاری شریف حدیث ۱۴۰۳)

تشریح: مال گلے میں کس طرح طوق بنا کر ڈالا جائے گا؟ حدیث میں اس کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دولت زہریلے سانپ کی شکل میں نمودار ہوگی، اور انتہائی زہریلے ہونے کی وجہ سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے ہونگے، اس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہونگے، وہ سانپ اس کے گلے کا ہار بن جائے گا پھر اس کی دونوں باچھوں کو کاٹے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں! میں تیری دولت ہوں! تو اپنی دولت پر سانپ بنا بیٹھا رہا، خرچ کرنے کی جگہوں میں بھی خرچ نہیں کیا، اللہ کا حق بھی ادا نہیں کیا، پس اب چکھ اس کا مزہ! اور عذاب کا یہ سلسلہ حساب وکتاب پورا ہونے تک جاری رہے گا، ظاہر ہے اتنی سخت سزا غیر فرض پر نہیں دی جاسکتی، معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

پھر آخر آیت میں فرمایا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے تو سب مال اسی کا ہو رہے گا، جس کا حقیقت میں پہلے سے تھا، انسان اس کو اپنے اختیار سے دے تو ثواب پائے گا، اور وہ بخل یا سخاوت جو کچھ کرے گا اور جس نیت سے کرے گا؟ اللہ کو سب خبر ہے، اسی کے موافق بدلہ دے گا۔

آیتِ پاک: اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخیلی کرتے ہیں اس مال میں جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے کہ وہ بخیلی ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ وہ بخیلی ان کے حق میں بری ہے، عنقریب وہ مال جس میں وہ بخیلی کیا کرتے تھے قیامت کے دن ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کا متروکہ مال ہے، اور اللہ کو ان اعمال کی خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو!

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ	بخدا! واقعہ یہ ہے سن لی اللہ نے	قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا	بات ان کی جنھوں نے کہا	اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ	بے شک اللہ تعالیٰ فقیر ہیں اور ہم

أَغْنِيَآءُ	مالدار ہیں	ذُوْقُوْا	چکھو	اَيْدِيْكُمْ	تمہارے ہاتھوں نے
سَنَكْتُبُ	اب لکھتے ہیں ہم	عَذَابَ	عذاب	وَ اَنَّ (۲)	اوراس وجہ سے ہے کہ
مَا قَالُوْا	جو کہا انھوں نے	الْحَرِيْقِ	آگ کا	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
وَقَتْلَهُمُ (۱)	اوران کے خون کرنے کو	ذٰلِكَ	یہ بات	لَيْسَ بِظَلَّامٍ (۳)	قطعاً حق تلفی کرنے
الْاَنْۢبِيَآءَ	انبیاء کا	بِمَا	ان کاموں کی وجہ سے		والے نہیں
بِغَيْرِ حَقٍّ	ناحق		ہے جو	لِّلْعَبِيْدِ	بندوں کی
وَّنَقُوْلُ	اور کہیں گے ہم	قَدَّمَتْ	آگے بھیجے ہیں	❁	❁

یہود کی شانِ خداوندی میں گستاخی اوراس کی سزا

اب ایک آیت میں اللہ کی عظمت کا بیان ہے، پس یہ توحید کا مضمون ہے، یہود انتہائی بخل کی وجہ سے جہاد کے لئے پیسہ خرچ کرنا نہیں جانتے تھے، بلکہ جب وہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حکم سنتے تو اس کا مذاق اڑاتے، جب آیتِ کریمہ: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ نازل ہوئی تو یہود کہنے لگے: لو، اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے، معلوم ہوا: وہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے تمہاری بات سن لی ہے اور ہم نے اس کو تمہارے نامۂ اعمال میں لکھ لیا ہے، اس پر جو کارروائی ہوگی اس کے منتظر رہو۔

اور یہی ایک گندی بات تمہارے نامۂ اعمال میں درج نہیں، بلکہ تمہاری قوم کی ایک دوسری ناپاک حرکت: معصوم انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی تمہارے نامۂ اعمال میں درج ہے، کیونکہ تم اپنے آباء کی اس ناپاک حرکت کو بہ نظرِ استحسان دیکھتے ہو، جب تمہاری یہ مسل پیش ہوگی تو فیصلہ ہوگا کہ اپنی خباثتوں کا مزہ چکھو اور دوزخ میں داخل ہوجاؤ، یہ تمہارے آگے بھیجے ہوئے اعمال کی سزا ہے، اور یہ سزا اس وجہ سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی قطعاً حق تلفی نہیں کرتے، تم دوزخ کے مستحق ہو، اگر تم کو دوزخ میں نہ ڈالا جائے تو یہ تمہاری حق تلفی ہے، اور اللہ کی بارگاہ ظلم (حق تلفی) سے پاک ہے۔

فائدہ: انفاق کا حکم اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ اس میں بندوں کا فائدہ ہے، اور اس کو قرض اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کا عوض دنیا میں بہ شکل غنیمت ملتا ہے اور آخرت میں أضعافا مضاعفةً ملے گا۔

آیاتِ پاک: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں!

(۱) قتلَهم کا عطف ماقالوا پر ہے (۲) أن: کا عطف ما پر ہے، أي بأن۔ (۳) ظلام: مبالغہ ہے، پس نفی کی جانب میں مبالغہ ہوگا۔

ہم ان کی یہ بات اور ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا لکھ رہے ہیں، اور ہم کہیں گے: آگ کا عذاب چکھو! یہ سزا تمہارے آگے بھیجے ہوئے اعمال کا نتیجہ ہے، اور اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ قطعاً بندوں کی حق تلفی نہیں کرتے!

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝

اَلَّذِيْنَ(1)	انہی نے	قُلْ	کہو	فَاِنْ كَذَّبُوْكَ	اب اگر جھٹلایا انھوں
قَالُوْٓا	کہا	قَدْ جَآءَكُمْ	تحقیق آئے تمہارے پاس		نے آپ کو
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ نے	رُسُلٌ	رسول	فَقَدْ كُذِّبَ	تو یقیناً جھٹلائے گئے
عَهِدَ اِلَيْنَآ	ہم سے قول وقرار کیا ہے	مِّنْ قَبْلِيْ	مجھ سے پہلے	رُسُلٌ	رسول
اَلَّا نُؤْمِنَ	کہ ہم ایمان نہ لائیں	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح معجزات کے ساتھ	مِّنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے
لِرَسُوْلٍ	کسی بھی رسول پر	وَبِالَّذِيْ	اور اس کے ساتھ جو	جَآءُوْ	آئے وہ
حَتّٰى يَاْتِيَنَا	یہاں تک کہ لائے وہ	قُلْتُمْ	تم نے کہا	بِالْبَيِّنٰتِ	معجزات کے ساتھ
	ہمارے پاس	فَلِمَ	پس کیوں	وَالزُّبُرِ	اور صحیفوں کے ساتھ
بِقُرْبَانٍ	ایسی بھینٹ (نذرونیاز)	قَتَلْتُمُوْهُمْ	قتل کیا تم نے ان کو	وَالْكِتٰبِ	اور کتابوں کے ساتھ
تَاْكُلُهُ	جس کو کھا جائے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	الْمُنِيْرِ	روشن کرنے والی
النَّارُ	آگ	صٰدِقِيْنَ	سچے	۞	۞

یہود کو نبی ﷺ پر ایمان تو لانا نہیں تھا اس لئے پکھ نکالی!

توحید کے بعد اب رسالت کو لیتے ہیں، انہی لوگوں نے جنھوں نے اللہ پاک کو فقیر قرار دیا تھا: یہ بھی کہا کہ اللہ پاک

(۱) الذین: پہلے الذین کی صفت یا بدل ہے، یعنی انہی یہود نے یہ بات بھی کہی، موصوف صفت اور بدل مبدل ایک ہوتے ہیں، اور معطوف معطوف علیہ میں کچھ فرق ہوتا ہے۔

نے ہم سے قول وقرار لیا ہے کہ ہم اسی رسول پر ایمان لائیں جو سوختنی قربانی پیش کرے، اور آپ ﷺ یہ قربانی پیش نہیں کرتے، بلکہ غنیمت ان کا تر لقمہ ہے، اس لئے ہم ان پر ایمان نہیں لاتے۔

اللہ نے ان کی یہ بات بھی سن لی ہے، یہ انھوں نے گپ اڑائی ہے، ایسی بھینٹ پیش کرنا رسالت کے لئے کبھی شرط نہیں رہا، سوختنی قربانی معجزہ، کرامت اور کرشمہ کے قبیل سے ہے، اور معجزات رسول کے اختیار میں نہیں ہوتے، اللہ کے اختیار میں ہوتے ہیں، جب اللہ چاہتے ہیں نبی/ ولی کرشمہ دکھاتا ہے۔

ماضی میں سب سے پہلے ایسی ایک نیاز کا تذکرہ سورۃ المائدہ (آیت ۲۷) میں ہے، ہابیل کی نیاز قبول ہوئی، آگ نے اس کو کھالیا، اور قابیل کی نیاز رد ہوگئی، اس لئے کہ وہ ناقابل تھا۔ پھر الیاس علیہ السلام (ایلیاہ نبی) کا واقعہ سلاطین باب ۱۸ و۱۹ میں آیا ہے، ان کی قربانی کو بھی آگ نے جلایا تھا، اور مالِ غنیمت کو آگ کا جلانا تو معروف ہے، گذشتہ امتوں کے لئے غنیمت حلال نہیں تھی، بنی اسرائیل جہاد کرکے مالِ غنیمت لاکر بیت المقدس میں ایک خاص جگہ رکھ دیتے تھے، سفید آگ آتی اور اس کو خاکستر کردیتی، اور یہ جہاد کی مقبولیت کی علامت ہوتی۔

گذشتہ امتوں کا جہاد چونکہ وقتی اور محدود تھا، اس لئے غنیمت ان کے لئے حلال نہیں کی گئی، تاکہ اخلاص باقی رہے، اور اس امت کا جہاد دائمی ہے، اسلام عالم گیر مذہب ہے، اور اس کے دشمن بہت ہیں، اس لئے مجاہدین کے پاس کمانے کا وقت نہیں، چنانچہ اس امت کے لئے مالِ غنیمت حلال کیا، اور سوختنی قربانی کا سلسلہ موقوف ہوا۔ یہود نے یہی پکھ نکالی کہ ہم آپؐ پر ایمان اس لئے نہیں لاتے کہ آپؐ سوختنی قربانی پیش نہیں کرتے، غنیمت کو کھاتے ہیں، اور اللہ نے ہم سے قول وقرار لیا ہے کہ ہم ایسے رسول کو نہ مانیں جو سوختنی قربانی پیش نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں: زمانۂ ماضی میں اللہ کے رسول معجزات کے ساتھ اور سوختنی قربانی کے ساتھ آئے، حضرات زکریا اور یحییٰ علیہما السلام بیت المقدس کے ذمہ دار تھے، ان کے زمانہ میں مالِ غنیمت کو آگ جلاتی تھی، پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا؟ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ ہمیں اسی رسول پر ایمان لانے کا حکم ہے جو سوختنی قربانی پیش کرے!

پھر تیسری آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دی ہے کہ تکذیب رُسل کا سلسلہ قدیم ہے، آج یہ کوئی نئی بات نہیں، پہلے جو انبیاء معجزات اور چھوٹی بڑی کتابوں کے ساتھ مبعوث ہوئے: ان کی بھی لوگوں نے تکذیب کی ہے، آج یہود یہ حرکت کررہے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں، آپؐ دل گیر نہ ہوں۔

آیاتِ کریمہ: انہی لوگوں نے کہا: بے شک اللہ نے ہم سے قول وقرار لیا ہے کہ ہم کسی بھی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں: جب تک وہ ایسی نیاز نہ پیش کرے جس کو آگ کھاجائے، آپؐ کہیں: مجھ سے پہلے تمہارے پاس رسول کھلی

نشانیاں اور وہ چیز لے کر آئے جس کا تم مطالبہ کرتے ہو، پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو؟ اب اگر وہ آپؐ کی تکذیب کرتے ہیں تو بالیقین آپؐ سے پہلے بھی ان رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جو کھلی نشانیاں، صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے ہیں!

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

كُلُّ نَفْسٍ	ہر جان	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	فَقَدْ	تو یقیناً
ذَآئِقَةُ	چکھنے والی ہے	فَمَنْ	پس جو شخص	فَازَ	کامیاب ہو گیا
الْمَوْتِ	موت کو	زُحْزِحَ	دور ہٹایا گیا	وَمَا الْحَيٰوةُ	اور نہیں ہے زندگی
وَاِنَّمَا	اور اس کے سوا نہیں کہ	عَنِ النَّارِ	دوزخ سے	الدُّنْيَآ	دنیا کی
تُوَفَّوْنَ	پورا پورا دیئے جاؤ گے تم	وَاُدْخِلَ	اور داخل کیا گیا	اِلَّا مَتَاعُ	مگر برتنے کا سامان
اُجُوْرَكُمْ	تمہارا بدلہ	الْجَنَّةَ	جنت میں	الْغُرُوْرِ	دھوکہ دینے والا

دوزخ سے بچ جانا اور جنت میں پہنچ جانا اصل کامیابی ہے

اب ایک آیت میں آخرت کا مضمون ہے، ہر شخص کو دنیا چھوڑنی ہے، موت کا مزہ سب کو چکھنا ہے، پھر قیامت کے دن ہر اچھے برے کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ چکایا جائے گا، آخرت میں جو دوزخ سے بچ جائے گا اور جنت میں پہنچ جائے گا اس کے وارے نیارے! اور جو جنت سے محروم رہے گا اور جہنم رسید ہوگا اس کی لٹیا ڈوبی! اور جو لوگ دنیا کی عارضی بہار پر مفتون ہیں وہ دھوکہ خوردہ ہیں، دنیا کا مال ومنال تو چند روز برتنے کا سامان ہے، پھر ہاتھ سے نکل جانے والا ہے، فرزانہ وہ ہے جو دنیا کی حقیقت کو سمجھے، اور اصل کامیابی کو سوچے اور آخرت کی تیاری میں لگا رہے، اور جاہل صوفیاء کا قول: ''ہمیں نہ جنت کی طلب نہ دوزخ کا ڈر!'' ژٹل بازی ہے۔

آیت پاک: ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تمہیں قیامت کے دن تمہارا پورا پورا بدلہ چکایا جائے گا، پس جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ بالیقین کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی محض دھوکہ دینے والی چند روز برتنے کا سامان ہے!

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى كَثِيۡرًا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۱۸۶﴾

لَتُبۡلَوُنَّ	ضرور آزمائے جاؤ گے تم	الۡكِتٰبَ	آسمانی کتاب	وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا	اور اگر صبر کرو تم
فِىۡۤ اَمۡوَالِكُمۡ	تمہارے مالوں میں	مِنۡ قَبۡلِكُمۡ	تم سے پہلے	وَتَتَّقُوۡا	اور احتیاط رکھو تم
وَاَنۡفُسِكُمۡ	اور تمہاری جانوں میں	وَمِنَ الَّذِيۡنَ	اور ان سے جنھوں نے	فَاِنَّ	تو بے شک
وَلَتَسۡمَعُنَّ	اور ضرور سنو گے تم	اَشۡرَكُوۡۤا	شریک ٹھہرایا	ذٰلِكَ	وہ
مِنَ الَّذِيۡنَ	ان لوگوں سے جو	اَذًى	تکلیف (بدگوئی)	مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ	پختہ کاموں سے ہے
اُوۡتُوا	دیئے گئے	كَثِيۡرًا	بہت		

دل آزاری کی باتیں سن کر صبر وتحمل سے کام لینا اولوالعزمی کا کام ہے

مسلمانوں کی بھی جان ومال میں آزمائش ہوگی، قتل کیا جانا، زخمی ہونا، قید وبند کی تکلیف برداشت کرنا، بیمار پڑنا، اموال کا تلف ہونا، اقارب سے بچھڑنا: اس طرح کی سختیاں پیش آئیں گی، نیز اہل کتاب اور مشرکین کی زبانوں سے بہت جگر خراش اور دل آزار باتیں سننی پڑیں گی، کبھی وہ پیغمبر اسلام پر کیچڑ اچھالیں گے، کبھی غیر واقعی فیچر شائع کریں گے، جن کو سن کر اور دیکھ کر دل چھلنی ہوجائے گا، کبھی تعلیماتِ اسلام پر اعتراض کریں گے اور طرح طرح سے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کریں گے: ان سب باتوں کا علاج صبر وتحمل سے کام لینا، تقوی شعار رہنا اور کافروں کی چالوں سے واقف رہنا ہے، یہ ہمت اور اولوالعزمی کا کام ہے، اس کو برداشت کرنے کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے، ایسے حالات میں اوچھا پن کبھی شماتتِ اعداد کا سبب بن جاتا ہے۔

فائدہ: صبر کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تدبیر نہ کرے، یا مواقع انتقام میں انتقام نہ لے، یا مواقع قتال میں قتال نہ کرے، بلکہ حوادث سے دل تنگ نہ ہو، کیونکہ اس میں تمہارے لئے منافع ومصالح ہیں، اور تقوی یہ کہ خلافِ شرع امور سے بچے، گو تدبیر بھی کرے (بیان القرآن)

آیتِ کریمہ: تم ضرور آزمائے جاؤ گے تمہارے مالوں میں اور تمہاری جانوں میں، اور تم ضرور سنو گے دل آزاری کی بہت سی باتیں ان لوگوں سے جو تم سے پہلے آسمانی کتابیں دیئے گئے ہیں —— یعنی یہود ونصاری سے —— اور مشرکین سے، اور اگر صبر کرو تم اور پرہیز (احتیاط) رکھو تم تو وہ ہمت کے کاموں سے ہے!

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ز فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	لَتُبَيِّنُنَّهٗ	ضرور بیان کروگے تم	وَرَآءَ	پیچھے
اَخَذَ	لیا		اس کو	ظُهُوْرِهِمْ	اپنی پیٹھوں کے
اللّٰهُ	اللہ نے	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	وَاشْتَرَوْا	اور مول لی انھوں نے
مِيْثَاقَ	عہد وپیمان	وَلَا	اور نہیں	بِهٖ	اس کے بدل
الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جو	تَكْتُمُوْنَهٗ	چھپاؤگے تم اس کو	ثَمَنًا قَلِيْلًا	تھوڑی قیمت
اُوْتُوا	دیئے گئے	فَنَبَذُوْهُ	پس پھینک دیا انھوں	فَبِئْسَ	پس براہے
الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب		نے اس کو	مَا يَشْتَرُوْنَ	جو خریدا انھوں نے

علمائے اہل کتاب دنیا کی محبت میں پھنس کر احکام وبشارت چھپاتے تھے

اہل کتاب سے عہد لیا گیا تھا کہ جو احکام وبشارات اللہ کی کتاب میں ہیں ان کو صاف صاف لوگوں کے سامنے بیان کریں گے۔ مگر انھوں نے اس کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی، اور دنیا کے تھوڑے سے نفع کی خاطر سب عہد وپیمان کو پس پشت ڈال دیا، تورات کے احکام کو چھپاتے تھے، اور رشوت لے کر غلط فتوے دیتے تھے، اور نبی ﷺ کے تعلق سے جو بشارات تھیں ان کو بہت زیادہ چھپاتے تھے، اور وہ ایسا متاع دنیا کی محبت میں کرتے تھے، پس تُف ہے ایسی محبت پر! —— اس میں مسلمان اہل علم کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ دنیا کی محبت میں پھنس کر ایسا نہ کریں، **اللّٰھم احفظنا منہ!**

آیتِ کریمہ: اور (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد وپیمان لیا کہ وہ اپنی کتاب کو عام لوگوں کے سامنے ظاہر کریں، اور اس کو چھپائیں نہیں، پس ان لوگوں نے اس حکم کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال دیا، اور اس کے عوض میں حقیر معاوضہ لے لیا، پس بری ہے وہ چیز جس کو وہ لے رہے ہیں!

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

لَا تَحْسَبَنَّ	ہرگز گمان مت کروتم	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	يَفْرَحُوْنَ	خوش ہوتے ہیں

بِمَآ	اس کام سے جو	بِمَا	اس کام پر جو	بِمَفَازَةٍ[2]	نجات کی جگہ میں
اَتَوْا[1]	کیا انھوں نے	لَمْ يَفْعَلُوْا	نہیں کیا انھوں نے	مِّنَ الْعَذَابِ	عذاب سے
وَّيُحِبُّوْنَ	اور پسند کرتے ہیں وہ	فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ	ہرگز گمان نہ کریں	وَلَهُمْ	اوران کے لئے
اَنْ يُّحْمَدُوْا	کہ تعریف کئے جائیں		آپ ان کو	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک عذاب ہے

یہود اپنے غلط کئے ہوئے کام پر خوش ہوتے تھے اور صحیح نہ کئے ہوئے کام پر تعریف کے خواہاں ہوتے تھے

غلط کئے ہوئے پر خوش ہونا اور صحیح نہ کئے ہوئے پر تعریف کا خواہاں ہونا: یہود و منافقین کا شیوہ تھا۔ جب علمائے یہود سے مسلمان وہ بشارات پوچھتے جو نبی ﷺ کے بارے میں ان کی کتابوں میں ہیں تو وہ تحریف کر کے کچھ کا کچھ بتاتے، اور صحیح بات چھپانے پر خوش ہوتے اور غلط بات بتانے پر مسلمانوں سے تعریف کے خواہاں ہوتے کہ ہم نے فرمائش کی تعمیل کردی۔

اسی طرح جب کوئی جہاد کا موقع آتا تو منافقین گھروں میں بیٹھ رہتے اور بغلیں بجاتے کہ کیسے بچ گئے! پھر جب نبی ﷺ جہاد سے لوٹتے تو جھوٹے بہانے بناتے، اور چاہتے کہ نبی ﷺ ان کی ستائش کریں اور کہیں کہ تم نے ٹھیک کیا، تمھیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔

یہ یہود و منافقین آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے، ان کو دردناک سزا دی جائے گی، دنیا میں اگر انھوں نے اپنا الّو سیدھا کرلیا تو کیا ہوتا ہے؟ دنیا چند روز کی ہے، اصل آخرت ہے، وہاں عذاب سے کیسے بچیں گے؟

فائدہ: کئے پر خوش ہونا اور نہ کئے پر تعریف کا خواہاں ہونا انسان کی بڑی کمزوری ہے، مگر آیت میں اس کا ذکر نہیں، آیت میں صحیح بات نہ بتانا اور خوش ہونا اور غلط بات بتا کر تعریف کا خواہاں ہونا، جو یہود و منافقین کا شیوہ تھا، اس کی برائی ہے اور اس پر وعید سنائی ہے۔

آیتِ کریمہ: آپ ہرگز گمان نہ کریں ان لوگوں کو جو اپنے (غلط) کئے ہوئے پر خوش ہوتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے اس کام پر جو انھوں نے نہیں کیا، پس آپ ان کو ہرگز عذاب سے بچا ہوا خیال نہ کریں، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے!

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ

(۱) بما أتوا: بما فعلوا (جلالین) إتیان سے: آنا اور بہ: مقدر ہے تو ترجمہ لانا ہوگا۔ (۲) مفازۃ: ظرف مکان۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

وَ لِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہے	لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں ہیں	هٰذَا	اس کو
مُلْكُ	حکومت	لِّاُولِي الْاَلْبَابِ	خالص عقل والوں کیلئے	بَاطِلًا	بے مقصد (عبث)
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	الَّذِيْنَ	جو لوگ	سُبْحٰنَكَ	پاک ہے آپ کی ذات
وَ الْاَرْضِ	اور زمین کی	يَذْكُرُوْنَ	یاد کرتے ہیں	فَقِنَا	پس بچا ہمیں
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کو	عَذَابَ النَّارِ	دوزخ کی آگ سے
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	قِيٰمًا	کھڑے	رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ!
قَدِيْرٌ	قادر ہیں	وَّقُعُوْدًا	بیٹھے	اِنَّكَ	بے شک آپ
اِنَّ	بے شک	وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ	اور اپنی کروٹوں پر	مَنْ تُدْخِلِ	جس کو داخل کریں
فِيْ خَلْقِ	بنانے میں	وَيَتَفَكَّرُوْنَ	اور سوچتے ہیں	النَّارَ	دوزخ میں
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	فِيْ خَلْقِ	بنانے میں	فَقَدْ	تو بالیقین
وَالْاَرْضِ	اور زمین کے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	اَخْزَيْتَهٗ	رسوا کیا آپ نے اس کو
وَاخْتِلَافِ	اور آنے جانے میں	وَ الْاَرْضِ	اور زمین کے	وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ	اور نہیں ہے ناانصافوں
الَّيْلِ	شب	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!		کے لئے
وَالنَّهَارِ	و روز کے	مَا خَلَقْتَ	نہیں پیدا کیا آپ نے	مِنْ اَنْصَارٍ	کوئی بھی مددگار

رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ!	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!	مَا وَعَدْتَّنَا	جس کا وعدہ فرمایا ہے
اِنَّنَا	بیشک ہم نے	فَاغْفِرْ لَنَا	پس بخشیے ہمارے لئے		آپ نے ہم سے
سَمِعْنَا	سنا ہم نے	ذُنُوْبَنَا	ہمارے گناہ	عَلٰی رُسُلِكَ	اپنے رسولوں کی معرفت
مُنَادِيًا	ایک پکارنے والے کو	وَكَفِّرْ عَنَّا	اور مٹایئے ہم سے	وَلَا تُخْزِنَا	اور نہ رسوا کیجئے ہمیں
يُّنَادِيْ	پکارتا ہے	سَيِّاٰتِنَا	ہماری برائیاں	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
لِلْاِيْمَانِ	ایمان کے لئے	وَتَوَفَّنَا	اور موت دیجئے ہمیں	اِنَّكَ	بے شک آپ
اَنْ اٰمِنُوْا	کہ ایمان لاؤ	مَعَ الْاَبْرَارِ	نیک لوگوں کے ساتھ	لَا تُخْلِفُ	نہیں خلاف کریں گے
بِرَبِّكُمْ	اپنے پروردگار پر	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!	الْمِيْعَادَ	وعدہ کے
فَاٰمَنَّا	پس ایمان لائے ہم	وَاٰتِنَا	اور عطا فرمایئے ہمیں		

حکومت اللہ قادر مطلق کی ہے

یہود و منافقین جو غلط بیانی کر کے خوش ہوتے تھے اور صحیح بات چھپا کر تعریف کے خواہاں ہوتے تھے: وہ اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے، اس لئے کہ کائنات پر حکومت اللہ کی ہے، مجرم بھاگ کر کہاں جائے گا؟ اللہ تعالیٰ ہر جگہ اس کو سزا دے سکتے ہیں، اس طرح توحید، رسالت، آخرت، ذکر و فکر اور دعا کے مضامین پیدا ہو گئے۔

﴿ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ﴾

ترجمہ: اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

توحید کے دلائل اور اللہ کی عبادت کرنے والوں کی دعائیں

اگر عقلمند آدمی آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور کرے، اور رات دن کے الٹ پھیر کو سوچے تو وہ یقین کر سکتا ہے کہ یہ عظیم کارخانہ اور مضبوط نظام کسی قادر مطلق فرماں روا کے وجود کی دلیل ہے اور وہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، یہ عقلمند بندے کسی حال میں اللہ سے غافل نہیں ہوتے، کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور برابر کائنات میں غور و فکر کرتے ہیں، اور وہ اس حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بے مقصد پیدا نہیں کی، کیونکہ حکیم کوئی فضول کام نہیں کرتا۔

یہ دنیا اللہ نے اکیلی پیدا نہیں کی، اس کا جوڑا آخرت ہے، یہ دنیا آخرت کے مقصد سے پیدا کی گئی ہے، اور وہ مقصد

ہے تکلیف اور جزاوسزا، اللہ نے اس دنیا میں احکام دیئے ہیں، جو تعمیل کرے گا اس کو آخرت میں جزائے خیر ملے گی، اور جو نافرمانی کرے گا اور من مانی زندگی گذارے گا اس کو آخرت میں سزا ملے گی۔

جب عقلمند بندوں نے دنیا کا یہ مقصد پالیا تو وہ تین دعائیں کرتے ہیں:

۱-اے ہمارے پروردگار! آپ جس کو دوزخ میں داخل کریں وہ رسوا ہوگا، اور کافروں کو سزا سے کوئی بچا نہیں سکے گا، اور جن کو جنت عنایت فرمائیں وہ سرخ رو ہوگا اور فرشتے ان کے کام بنائیں گے۔

۲-اے ہمارے پروردگار! ایک منادی نے ایمان کی دعوت دی، ہم نے قبول کی اور ایمان لائے، پس ہمارے گناہ بخش دیں، ہماری برائیاں مٹادیں اور موت کے بعد ہمارا نیک بندوں کے ساتھ حشر فرمائیں!

۳-اے ہمارے پروردگار! آپ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ جس جنت کا وعدہ کیا ہے وہ وعدہ پورا فرمائیں، اور قیامت کے دن کی رسوائی سے بچائیں! آپ وعدہ خلافی ہرگز نہیں کرتے!

یہ تو آیات کی مسلسل تقریر تھی، اب چار باتوں کی تفصیل عرض ہے:

۱-کائنات میں عقلمندوں کے لئے توحید کی نشانیاں ہیں: عقل مند آدمی جب آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتا ہے تو اس کے عجیب وغریب احوال سامنے آتے ہیں، اسی طرح دن رات کے مضبوط ومستحکم نظام میں غور کرتا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ کوئی قادر مطلق ہے جو اس پورے نظام پر کنٹرول کر رہا ہے، ورنہ یہ محکم نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا۔

۲-اللہ نے آسمانوں اور زمین کا کارخانہ عبث نہیں بنایا: مؤمن بندے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، ہر وقت ان کے دل میں اللہ کی یاد بسی رہتی ہے اور زبان پر ان کا ذکر جاری رہتا ہے، اور جب وہ آسمان وزمین میں غور کرتے ہیں تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلتا ہے: یہ عظیم الشان کارخانہ اللہ تعالیٰ نے بیکار نہیں بنایا، ضرور اس کا کوئی مقصد ہے، یہاں سے ان کا ذہن آخرت کی طرف منتقل ہوتا ہے جو موجودہ زندگی کا آخری نتیجہ ہے، پس وہ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے ہیں، اور اس کے لئے جتن بھی کرتے ہیں۔

فائدہ: آسمان وزمین اور دیگر مصنوعاتِ الٰہیہ میں غور وفکر کرنا وہی محمود ہوسکتا ہے جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو، باقی جو مادہ پرست ان مصنوعات کے تاروں میں الجھ کر رہ جائیں اور صانع کی صحیح معرفت تک نہ پہنچ سکیں، خواہ دنیا انہیں محقق اور سائنس داں کہا کرے، مگر قرآن کی زبان میں وہ اولوالالباب نہیں ہوسکتے، بلکہ پرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہیں (فوائد عثمانی)

۳-دوزخ رسوائی کا گھر ہے، اس سے بچنے کا سامان کریں: دوزخ رسوائی کا گھر ہے اور جو جس قدر دوزخ میں

رہے گا، اسی قدر اس کے لئے رسوائی ہوگی، پس دائمی رسوائی صرف کفار کے لئے ہوگی، اور عصاتِ مؤمنین جب دوزخ سے نجات پائیں گے تو ان کی رسوائی دُھل جائے گی —— اور جس کے لئے اللہ کا فیصلہ دوزخ میں ڈالنے کا ہوگا اس کو کوئی حمایت کرکے بچا نہیں سکتا، ہاں بہ اذنِ الٰہی سفارش کرکے شفعاء بخشوائیں گے۔

۴- ایمان وعمل صالح ہی آخرت کی رسوائی سے بچائیں گے: ایمان کی دعوت نبی ﷺ نے دی، مؤمن بندوں نے قبول کی اور آپؐ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کیا، یہی چیز رسوائی سے بچائے گی اور جنت میں باعزت پہنچائے گی۔

﴿ اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۚ﴿۱۹۰﴾ ﴾

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کے بنانے میں، اور رات دن کے آنے جانے میں خالص عقل والوں کے لئے بالیقین (توحید کی) نشانیاں ہیں —— ﴿وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ﴾ کے دو مطلب ہیں: ایک: ایک کے بعد دوسرے کا آنا۔ دوم: شب وروز کا گھٹنا بڑھنا۔

﴿الَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِهِمۡ﴾

ترجمہ: (عقلمند بندے وہ ہیں) جو اللہ کو (ہر حال میں) یاد کرتے ہیں: کھڑے، بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔

مسئلہ: فرض اور واجب نمازوں میں قیام ورکوع وسجود فرض ہیں، اور اگر کھڑے ہونے کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر رکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھے، رکوع وسجود کی بھی استطاعت نہ ہو تو اشارے سے پڑھے۔ اور بیٹھنے کی بھی استطاعت نہ ہو تو کروٹ پر یا چت لیٹ کر پڑھے اور رکوع وسجود اشارے سے کرے، یہ مسئلہ اسی آیت سے مستنبط ہے۔

﴿ وَيَتَفَكَّرُوۡنَ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ﴾

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین کے بنانے میں غور کرتے ہیں۔

تفسیر: پہلا غور کرنا توحید اور وجود باری تک پہنچنے کے لئے تھا، اور یہ غور کرنا مقصد کائنات کو پانے کے لئے ہے۔

﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَيۡتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ ﴾

ترجمہ: (جب مقصد کائنات سمجھ لیتے ہیں تو کہتے ہیں:) اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ کائنات بے مقصد پیدا نہیں کی —— بلکہ آخرت کے مقصد سے پیدا کی ہے —— آپ کی ذات پاک ہے! —— آپ کوئی کام بے مقصد نہیں کرتے، یہ خامی اور عیب ہے، اور آپ ہر عیب سے پاک ہیں —— پس آپ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالیں —— اور جنت میں داخل کریں —— اے ہمارے پروردگار! آپ جس کو دوزخ میں داخل کریں گے تو آپ نے اس کو

یقیناً رسوا کیا ـــــ اور جس کو جنت میں داخل کریں گے تو آپ نے اس کو یقیناً باعزت کیا ـــــ اور ظالموں (مشرکوں) کے لئے کوئی بھی مددگار نہیں ـــــ اور مؤمنوں کے کارساز فرشتے اور سفارش کرنے والے ہیں، اور سب سے بڑی سفارش پروردگار عالم کی ہوگی۔

﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۚ﴿۱۹۳﴾ ﴾

(دوسری دعا:) اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے (رسول یا قرآن) کو سنا جو پکار رہا ہے کہ ''اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ'' پس ہم ایمان لائے! اے ہمارے پروردگار! پس ہمارے گناہ بخش دے، اور ہماری برائیاں مٹادے، اور ہمیں نیک بندوں کے ساتھ موت دے! ـــــ پہلا ایمانِ عقلی تھا یہ ایمانِ سمعی ہے۔

﴿ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ ﴾

(تیسری دعا:) اے ہمارے پروردگار! اور آپ نے ہم سے اپنے رسولوں کی معرفت جو وعدہ فرمایا ہے: وہ ہمیں عطا فرما! اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ فرما! بے شک آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے! ـــــ اس لئے امید ہے کہ ہماری یہ دعا قبول ہوگی۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِھِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَيِّاٰتِھِمْ وَلَاُدْخِلَنَّھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

فَاسْتَجَابَ	پس قبول کی (دعا)	عَامِلٍ	کسی کام کرنے والے کا	مِّنْۢ بَعْضٍ	بعض سے ہے
لَهُمْ رَبُّهُمْ	ان کیلئے ان کے رب نے	مِّنْكُمْ	تم میں سے	فَالَّذِيْنَ	پس جنھوں نے
اَنِّىْ	کہ میں	مِّنْ ذَكَرٍ	مرد سے	هَاجَرُوْا	ہجرت کی
لَآ اُضِيْعُ	نہیں ضائع کرتا	اَوْ اُنْثٰى	یا عورت سے	وَاُخْرِجُوْا	اور نکالے گئے وہ
عَمَلَ	کام	بَعْضُكُمْ	تمہارا بعض	مِنْ دِيَارِھِمْ	ان کے گھروں سے

وَ اُوْذُوْا	اور ستائے گئے وہ	سَیِّاٰتِهِمْ	ان کی برائیاں	الْاَنْهٰرُ	نہریں
فِیْ سَبِیْلِیْ	میرے راستہ میں	وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ	اور ضرور داخل کروں گا	ثَوَابًا[1]	بدلہ کے طور پر
وَ قٰتَلُوْا	اور لڑے وہ		میں ان کو	مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس سے
وَ قُتِلُوْا	اور مارے گئے وہ	جَنّٰتٍ	باغات میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
لَاُكَفِّرَنَّ	ضرور مٹاؤں گا میں	تَجْرِیْ	بہتی ہیں	عِنْدَهٗ	ان کے پاس
عَنْهُمْ	ان سے	مِنْ تَحْتِهَا	ان میں	حُسْنُ الثَّوَابِ	اچھا بدلہ ہے

اللہ نے نیک بندوں کی دعائیں قبول کیں، اور مہاجر شہداء کا تذکرہ خاص طور پر کیا

اللہ تعالیٰ نے نیک مؤمنین کی مذکورہ دعائیں قبول فرمائیں، اللہ تعالیٰ کسی کی محنت ضائع نہیں کرتے، خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں ایک نوع کی دو صنفیں ہیں، تفصیل سورۃ النساء کی پہلی آیت میں آئے گی، پس جو بھی اچھا کام کرے گا، اس کا پھل پائے گا۔

پھر مہاجر شہداء کا خاص طور پر تذکرہ کیا، یہ وہ بندے ہیں جن کو کفر وشرک چھوڑنے کی وجہ سے وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا، وہ دارالاسلام کی طرف نکل گئے، وہاں بھی ان کے لئے زمین تنگ کردی، بڑھ بڑھ کر حملے کئے تو مجبوراً ان سے لڑنا پڑا، اور شہید ہوئے: ان بندوں کے گناہ اللہ تعالیٰ ضرور معاف کریں گے، اور ان کو سدا بہار باغات میں داخل کریں گے، یہ ان کے عمل کا بدلہ ہے، اور اللہ کے یہاں ان کے لئے اور بھی اچھا بدلہ ہے، وہ جمالِ خداوندی کے دیدار سے شاد کام ہونگے۔

آیتِ کریمہ: پس ان کے پروردگار نے ان کے فائدے کے لئے ان کی دعائیں قبول کیں، اس لئے کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، خواہ مرد ہو یا عورت، تمہارا ایک: دوسرے سے ہے!

پھر جن لوگوں نے ہجرت کی، اور وہ ان کے گھروں سے نکالے گئے، اور میری راہ میں (دین کی وجہ سے) ستائے گئے، اور وہ لڑے اور مارے گئے: میں ضرور ان کے گناہوں کو معاف کروں گا، اور میں ضرور ان کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن میں نہریں رواں ہیں، یہ بطور بدلہ ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ کے پاس (اور بھی) بہترین بدلہ ہے!

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ

(۱) ثوابا: لأدخلنهم اور لأكفرن کا مفعول مطلق برائے تاکید ہے، یہ ان کے ہم معنی ہے، أی لأُثِيْبَنَّهُمْ ثوابًا (جمل)

جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
لَا يَغُرَّنَّكَ(۱)	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	رَبَّهُمْ	اپنے پروردگار سے	وَاِنَّ	اور بے شک
تَقَلُّبُ	چلنا پھرنا	لَهُمْ جَنّٰتٌ	ان کیلئے باغات ہیں	مِنْ اَهْلِ	کچھ اہل کتاب
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	کافروں کا	تَجْرِيْ	بہتی ہیں	الْكِتٰبِ	
فِي الْبِلَادِ	شہروں میں	مِنْ تَحْتِهَا	ان میں	لَمَنْ يُّؤْمِنُ	یقیناً ایمان رکھتے ہیں
مَتَاعٌ	فائدہ اٹھانا ہے	الْاَنْهٰرُ	نہریں	بِاللّٰهِ	اللہ پر
قَلِيْلٌ	تھوڑا	خٰلِدِيْنَ	سدا رہنے والے	وَمَا اُنْزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا
ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ	پھر ان کا ٹھکانا	فِيْهَا	ان میں	اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف
جَهَنَّمُ	دوزخ ہے	نُزُلًا(۲)	مہمانی	وَمَا اُنْزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا
وَبِئْسَ	اور برا ہے (وہ)	مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
الْمِهَادُ	بچھونا	وَمَا عِنْدَ	اور جو پاس ہے	خٰشِعِيْنَ(۳)	عاجزی کرنے والے
لٰكِنِ	لیکن	اللّٰهِ	اللہ کے	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے
الَّذِيْنَ	جو لوگ	خَيْرٌ	بہتر ہے	لَا يَشْتَرُوْنَ	نہیں خریدتے وہ
اتَّقَوْا	ڈرتے رہے	لِّلْاَبْرَارِ	نیک لوگوں کے لئے	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں کے عوض

(۱) لایغرنك: فعل نہی بانون تاکید ثقیلہ غَرَّ فلاناً: دھوکہ دینا، باطل کی طرف مائل کرنا۔ (۲) نزلا: جنات کا حال ہے أی الجنات ضیافة لهم۔ (۳) خشعین: یؤمن کے فاعل کا حال ہے، فاعل مَن کی رعایت سے ھو ہے۔

ثَمَنًا قَلِيۡلًا	تھوڑی پونجی	سَرِيۡعُ	جلدی حساب	وَصَابِرُوۡا	اور مقابلہ میں صبر کرو
اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ	انہی لوگوں کے لئے	الۡحِسَابِ	کرنے والے ہیں	وَرَابِطُوۡا	اور سرحد کا پہرہ دو
اَجۡرُهُمۡ	ان کی مزدوری ہے	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ	اے وہ لوگو جو	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور اللہ سے ڈرو
عِنۡدَ رَبِّهِمۡ	ان کے رب کے پاس	اٰمَنُوا	ایمان لائے	لَعَلَّكُمۡ	تاکہ
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	اصۡبِرُوۡا	صبر کرو	تُفۡلِحُوۡنَ	کامیاب ہوؤ

کافروں کی چار دن کی چاندنی سے کوئی دھوکہ نہ کھائے: یہ عارضی بہار ہے!

جن کافروں نے نبی ﷺ اور صحابہ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا، اور مہاجرین بے خانماں ہوگئے: وہ دنیا میں دندناتے پھر رہے ہیں، فرماتے ہیں: کوئی ان کی خوش حالی سے دھوکہ نہ کھائے کہ وہ خوش عیش ہیں، یہ تو چار دن کی چاندنی ہے، عارضی بہار ہے، جیسے کسی کو پھانسی سے پہلے قورمہ کھلایا جائے تو وہ کیا خوش عیش ہے! خوش عیش وہ ہے جو چند دن تکلیف اٹھا کر اندوختہ جمع کرے، پھر ہمیشہ کے لئے راحت سے ہمکنار ہوجائے۔

اور جنت کو 'مہمانی' اس لئے کہا ہے کہ مہمان کو اپنے کھانے پینے کی کچھ فکر نہیں کرنی پڑتی، بیٹھے بٹھائے عزت و آرام سے ہر چیز مل جاتی ہے —— اور نیک بندوں کے لئے اللہ کے پاس جنت سے بڑھ کر نعمت ہے، اور وہ اللہ کی دائمی خوشی اور جمالِ خداوندی کا دیدار ہے، یہی ﴿ زِيَادَةٌ ﴾: بہت کچھ زائد ہے، جس کا تذکرہ سورۃ یونس (آیت ۲۶) میں ہے۔

﴿ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِى الۡبِلَادِ ۞ مَتَاعٌ قَلِيۡلٌ ثُمَّ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ۞ لٰكِنِ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا نُزُلًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ لِّلۡاَبۡرَارِ ۞ ﴾

ترجمہ: آپ کو کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکہ میں نہ ڈالے، یہ تو چند دن کے لئے فائدہ اٹھانا ہے، پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ برا بچھونا ہے! ہاں جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں —— یعنی منہیات سے بچتے ہیں اور مامورات کو بجالاتے ہیں —— ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن میں نہریں رواں ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کی طرف سے 'مہمانی' ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک بندوں کے لئے بہتر ہے!

اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے لئے بھی جنت کے دروازے کھلے ہیں!

عام مؤمنین کے تذکرہ کے بعد اہل کتاب مؤمنین کا خصوصی تذکرہ کرتے ہیں، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان

کے رفقاء رضی اللہ عنہم، اوراس تذکرہ کا ایک مقصد یہ ہے کہ جنت: صرف شرک سے نکل آنے والے مؤمنین کے لئے نہیں، اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) بھی اللہ پر ٹھیک طرح ایمان لائیں، قرآنِ کریم کو مانیں اوراپنی کتابوں کو بھی مانیں، اس لئے کہ قرآن خود تورات وانجیل کی تصدیق کرتا ہے، اور وہ اللہ کے سامنے عاجزی اوراخلاص سے گریں، اکڑفوں چھوڑیں اور دنیا پرست احبار ورہبان کی طرح دنیا کے چند ٹکوں کی خاطر حق کو نہ چھپائیں نہ بدلیں، بشارات کو ظاہر کریں اوراحکام میں تبدیلی نہ کریں تو ایسے پاکباز حق پرست اہل کتاب کو حدیث کی رو سے دوہرا ثواب ملے گا، اور حساب کا دن دور نہیں، جلد آیا چاہتا ہے، اس دن ان مسلمانوں کو بھی بھرپور صلہ ملے گا۔

﴿ وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ خٰشِعِيۡنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ اُولٰۤئِكَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۝۱۹۹ ﴾

ترجمہ: اوراہل کتاب میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو یقیناً ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اوراس کتاب پر جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے، اوراس کتاب پر جو ان کی طرف اتاری گئی ہے، جو اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں، اور معمولی قیمت میں اللہ کی باتوں (بشارات واحکام) کا سودا نہیں کرتے: انہی لوگوں کے لئے ان کی مزدوری ہے ان کے پروردگار کے پاس، بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والے ہیں!

دنیا وآخرت میں کامیابی کے چار گُر

۱- سختیوں میں باہمت رہنا ۲- مقابلہ میں ثابت قدمی دکھانا۔

۳- حفاظت کی پوری تیاری رکھنا ۴- شریعت پر مکمل عمل کرنا۔

یہ سورت کی آخری آیت ہے، اور گویا پوری سورت کا خلاصہ ہے، دارین میں کامیابی کے چار گُر ہیں:

۱- سختیوں میں باہمت رہنا، دشمن کے سامنے سینہ سپر ہوجانا، کوئی جانی یا مالی آفت آئے تو جزع فزع نہ کرنا، اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا، صبر کے اصل معنی ہیں: روکنا، اس کی تین قسمیں ہیں: طاعات پر نفس کو روکنا یعنی پابندی سے عبادت ادا کرنا، مصائب میں نفس کو جزع فزع سے روکنا اور نفس کو گناہوں سے بچانا۔

۲- دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھانا، جس طرح دشمن میدان میں ڈٹا ہوا ہے خود بھی پتھر کی چٹان بن جانا۔

۳- حفاظت کی پوری تیاری رکھنا، اسی سے حدود اسلام کی حفاظت ہوگی، جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ

ہو وہاں آہنی دیوار بن جانا۔ رَبَطَ کے معنی ہیں: باندھنا اور مُرَابطة (باب مفاعلہ) کے معنی ہیں: سرحد پر مقابلہ میں گھوڑے باندھنا۔

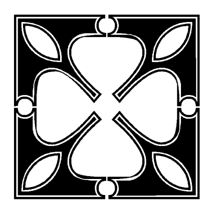
۴-اللہ سے ڈرنا یعنی منہیات سے بچنا، اور یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے: طاعات پر عمل کرنا یعنی شریعت کی مکمل پابندی کرنا۔

حدیث میں ہے: نبی ﷺ جب تہجد کے لئے اٹھتے تھے تو ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ سے آخر سورت تک تلاوت فرماتے تھے، پھر وضوء کرکے نماز شروع کرتے تھے

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۲۰۰﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! (کوئی مصیبت پہنچے تو) صبر کرو ـــــ یعنی باہمت رہو ـــــ اور (دشمن کے) مقابلہ میں مضبوط رہو، اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم کامیاب ہوؤ!

آج بروز منگل ۵ رشعبان ۱۴۳۸ھ مطابق ۲ رمئی ۲۰۱۷ء کو سورۃ آلِ عمران کی تفسیر بفضلہٖ تعالیٰ پوری ہوئی۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النساء

نمبر شمار ۴ نزول کا نمبر ۹۲ نزول کی نوعیت مدنی آیات ۱۷۶ رکوع ۲۴

آخر و اول ہم آہنگ: گذشتہ سورت: ﴿ اتَّقُوا اللّٰہَ ﴾ پر پوری ہوئی تھی، اور یہ سورت: ﴿ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ ﴾ سے شروع ہورہی ہے، پس آخر و اول ہم آہنگ (موافق) ہیں، اللہ اور رب ایک ہیں، اللہ تو خالق و مالکِ کائنات کا اسم علم (ذاتی نام) ہے اور ربّ صفاتی نام ہے، ربّ: وہ ہستی ہے جو تین کام کرے: اول: کسی چیز کو عدم سے وجود میں لائے، نیست کو ہست کرے، دوم: نئی مخلوق کے بقاء کا سامان کرے، تاکہ وہ وجود میں آکر فنا نہ ہوجائے، سوم: نوزائیدہ مخلوق کو بہ تدریج بڑھا کر منتہائے کمال (آخری پوئنٹ) تک پہنچائے، ظاہر ہے یہ تین کام اللہ کے سوا کون کرتا ہے؟ پس اللہ اور ربّ ایک ہیں۔

سورت کا نام: جاننا چاہئے کہ مرد و زن: نوع انسان کی دو صنفیں ہیں، اور دونوں کے احکام ایک ہیں، حدیث میں ہے: إن النساءَ شَقَائِقُ الرجال: عورتیں مردوں کا حصہ ہیں، اور خربوزہ کی ایک پھانک میٹھی ہو تو دوسری بھی میٹھی ہوگی، اور ایک پھیکی ہو تو دوسری بھی ویسی ہی ہوگی، البتہ صنفی احکام مختلف ہیں، مگر وہ دو فیصد ہیں، اٹھانوے فیصد احکام مشترک ہیں، اس لئے قرآن و حدیث میں مردوں کو مخاطب کرکے احکام دیئے گئے ہیں، کیونکہ اسلام میں مردوں کو عورتوں پر بالادستی حاصل ہے، پس دونوں کے لئے احکام ایک ہیں، نماز، زکات، روزہ اور حج وغیرہ مردوں پر بھی فرض ہیں اور عورتوں پر بھی، البتہ حیض وغیرہ کے احکام صنفی احکام ہیں، وہ عورتوں کے لئے علاحدہ ہیں۔

پس جب اسلام میں مردوں کو عورتوں پر بالادستی حاصل ہے تو بیانِ احکام میں مردوں سے خطاب کیا جائے گا، اور افضل کو مخاطب بنایا جائے گا تو مفضول بھی مخاطب ہوگا، جیسے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو یہ حکم جنات کے لئے بھی تھا، سورۃ الکہف (آیت ۵۰) میں ہے: ﴿ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ ﴾: ابلیس جنات میں سے تھا، پس وہ اپنے پروردگار کے حکم سے آؤٹ ہوگیا! پس عورتوں کے لئے کوئی شکایت کا موقع نہیں تھا، مگر وہ صنفِ نازک ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! قرآن میں کہیں بھی عورتوں کی ہجرت وغیرہ اعمالِ صالحہ

کا بالتخصیص ذکر نہیں آیا! اس پر سورۃ آلِ عمران کی آیت (۱۰۵) میں: ﴿ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ نازل ہوا، تا کہ ان کی اشک شوئی ہوجائے، اور بعض نیک خواتین نے عرض کیا: یارسول اللہ! امہات المؤمنین کے تعلق سے سورۃ الاحزاب میں دس آیتیں نازل ہوئیں، مگر عام عورتوں کا کچھ حال بیان نہ ہوا! چنانچہ متصلاً (آیت ۳۵) نازل ہوئی، اور اس میں دس مرتبہ مردوں کے دوش بدوش عورتوں کا بھی تذکرہ کیا، یہ ان کی دلداری کے لئے تھا۔ اب ممکن ہے نیک بندیاں سوال کریں کہ آلِ عمران کے نام سے سورت آئی، اور آگے مریم کے نام سے بھی سورت آرہی ہے، مگر عام عورتوں کے نام سے کوئی سورت نہیں! اس لئے متصلاً ہی سورت النساء رکھ دی، تا کہ ان کی بات بھی رہ جائے! اس سورت کے شروع میں عورتوں کے احکام ہیں، پھر آگے عام احکام ہیں۔

عورتوں کی تخلیق کا مسئلہ

اس سورت کی پہلی آیت میں عورتوں کی تخلیق کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے، جاننا چاہئے کہ دو مسئلے الگ الگ ہیں، ان میں غت ربود نہیں کرنا چاہئے۔ ایک مسئلہ ہے: عام عورتیں کس طرح پیدا ہوتی ہیں؟ دوسرا مسئلہ ہے: پہلی خاتون دادی حواء رضی اللہ عنہا کس طرح پیدا کی گئیں؟

پہلا مسئلہ: عام خیال یہ ہے کہ ہر عورت شوہر کی پسلی سے پیدا ہوتی ہے، مگر یہ خیال بداہۃً باطل ہے ہر بچہ مرد کے جرثومہ اور عورت کے بیضہ کے ملنے سے پیدا ہوتا ہے، لڑکا بھی اور لڑکی بھی، اور قرآن وحدیث میں اس مسئلہ کے تعلق سے کچھ نہیں، بائبل میں بھی یہ مسئلہ نہیں، البتہ بخاری شریف کی ایک حدیث (نمبر ۳۳۳۱) کو اس مسئلہ سے جوڑا گیا ہے، مگر اس حدیث کا نہ تو اس مسئلہ سے تعلق ہے نہ آئندہ مسئلہ سے، وہ حدیث درج ذیل ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " اسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْئٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ"

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی میری وصیت قبول کرو، اس لئے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور پسلیوں میں سب سے ٹیڑھی اوپر کی پسلی ہے، پس اگر آپ پسلی کو سیدھا کرنا چاہیں گے تو اس کو توڑ بیٹھیں گے اور اگر اس کو ٹیڑھا رہنے دیں گے تو وہ برابر ٹیڑھی رہے گی، پس عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔

تشریح: اس حدیث میں نسوانی فطرت میں جو کجی ہے اس کی تمثیل ہے، پسلی کی مثال سے اس کو سمجھایا ہے، پسلی میں کجی فطری ہوتی ہے وہ کسی طرح ختم نہیں ہوسکتی، کوئی اس کو سیدھا کرنا چاہے تو ٹوٹ جائے گی، یہی حال صنف نساء کا ہے، اس کی فطرت میں کجی ہے، جو کبھی نکل نہیں سکتی، اس لئے اس بات کو پیش نظر رکھ کر بیوی سے معاملہ کرنا چاہئے، یعنی حسن

سلوک کرنا چاہئے، بیوی کی کوتاہیوں سے درگذر کرنا چاہئے اس کی نامناسب باتوں کو نظر انداز کرنا چاہئے، جبھی نباہ ہوگا، اور اگر کوئی چاہے گا کہ بیوی کو سیدھا کردے تو یہ ناممکن ہے، اس کو سیدھا نہیں کرسکے گا، بلکہ اس کو توڑ بیٹھے گا، اور بیوی کو توڑنا یہ ہے کہ طلاق کی نوبت آجائے گی، پس اس سے بہتر نرمی کا معاملہ کرنا ہے۔

فائدہ: اس حدیث کو دادی حواء رضی اللہ عنہا کے ساتھ جوڑا گیا ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلیوں میں سے کسی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، مگر بخاری کے حاشیہ میں اس قول کو قیل سے ذکر کیا ہے، یعنی یہ ضعیف قول ہے، صحیح بات وہ ہے جو اوپر بیان کی، اور حاشیہ ہی میں قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے: إِنَّهُنَّ خُلِقْنَ خَلْقًا فِيهِنَّ إِعْوِجَاجٌ: فَكَأَنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ أَصْلٍ مُعَوَّجٍ، كَالضِّلَعِ مَثَلاً، فَلاَ يَتَهَيَّأُ انْتِفَاعٌ بِهِنَّ إِلاَّ بِالصَّبْرِ عَلَى إِعْوِجاجِهِن: عورتوں کی بناوٹ ایسی ہے کہ ان میں کجی ہے پس گویا عورتیں ٹیڑھی اصل سے پیدا کی گئی ہیں، مثلاً پسلی سے، پس ان سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں، مگر ان کی کجی پر صبر کرنے کے ذریعہ، حدیث کا صحیح مطلب یہی ہے اور جو عام بات چلی ہوئی ہے وہ ضعیف ہے، اسرائیلیات سے وہ بات تفسیروں میں در آئی ہے۔ اس حدیث کا دونوں مسائل سے کچھ تعلق نہیں، یہ تو مضمون فہمی کی ایک تمثیل ہے۔

دوسرا مسئلہ: پہلی خاتون دادی حواء رضی اللہ عنہا کی تخلیق کس طرح ہوئی؟ اس مسئلہ کے تعلق سے بھی احادیث میں کچھ نہیں اور قرآنِ کریم کی تعبیر ذو معنی ہے، اس لئے قطعی طور پر کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ البتہ یہ بات قطعی ہے کہ انسان دیگر حیوانات کی طرح مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، کوئی بلا واسطہ اور کوئی بالواسطہ، حضرت آدم علیہ السلام بلا واسطہ مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، ان کی تخلیق کے سلسلہ میں قرآنِ کریم میں یہ تعبیریں آئی ہیں: (۱) ﴿مِنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ﴾: چپکتی مٹی سے (۲) ﴿مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾: سڑے ہوئے گارے سے (۳) ﴿مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾: ٹھیکری کی طرح بجتی مٹی سے، ان مختلف تعبیرات کو ملا کر بھی کوئی واضح صورت سمجھ میں نہیں آتی۔

اور دادی کے تعلق سے عام خیال یہ ہے کہ یہ ارشاد ہے: ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ تمام انسانوں کو ایک نفس سے پیدا کیا، اور اس نفس سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔

اس آیت میں نفس کا کیا ترجمہ ہے؟ نفس متعدد معانی کے لئے آتا ہے، روح، جسم، جی وغیرہ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے، اور عارف شیرازی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ 'جوہر' کیا ہے، فرماتے ہیں:

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند ❁ کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

پس اس کا ترجمہ 'ماہیت' بھی کیا جاسکتا ہے اور ترجمہ نہ کریں تو نفسِ ناطقہ مراد لے سکتے ہیں، یہ انسان کی کلی طبعی ہے،

اس کا وجود عالَم اجساد میں اس کے افراد کے ضمن میں ہوتا ہے، مستقل وجود نہیں ہوتا، مگر عالم مثال میں اس کا مستقل وجود ہے، اسی کو شاید صوفیاء 'انسانِ اکبر' کہتے ہیں۔

اسی طرح زوج کے بھی دو ترجمے ہیں: بیوی اور جوڑا۔ جوڑا: وہ دو چیزیں جو مل کر کسی مقصد کی تکمیل کرتی ہیں، جیسے آسمان وزمین جوڑا ہیں، آسمان برستا ہے اور زمین اُگاتی ہے، اس طرح حیوانات کی معیشت کا اللہ تعالیٰ انتظام کرتے ہیں، اسی طرح شب وروز جوڑا ہیں، کرتا پاجامہ جوڑا ہیں، دو جوتے جوڑا ہیں اور نر ومادہ بھی جوڑا ہیں، دونوں سے نسل پھیلتی ہے۔

اب سورۃ النساء کی پہلی آیت کے دو مطلب نکلیں گے:

۱- تمام انسانوں کو ایک نفس سے یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا، اور اسی نفس سے یعنی آدم علیہ السلام سے ان کی بیوی (دادی حواءؑ) کو پیدا کیا، یہی مطلب عام طور پر لیا جاتا ہے۔

۲- تمام انسانوں کو نفسِ ناطقہ سے پیدا کیا، پھر اس کی دو صنفیں بنائیں اور اس جوڑے سے بے شمار مرد وزن پیدا کئے، اب آیت کا آدم وحواء علیہما السلام سے کچھ تعلق نہ ہوگا، تمام انسانوں سے آیت کا تعلق ہوگا۔

اور روح المعانی میں سورۃ النساء کی پہلی آیت کے حاشیہ میں خود مفسر کا منہیہ ہے، حضرت ابوجعفر محمد باقر رحمہ اللہ جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور جلیل القدر تابعی ہیں، ان کی طرف منسوب کر کے یہ قول لکھا ہے: **إنها خلقت من فضل طينته**: دادی حواءؑ اس مٹی سے پیدا کی گئیں جو آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لئے تیار کی ہوئی مٹی سے بچی تھی، اس باقی ماندہ سے دادی کا پتلا بنایا گیا، پھر اس میں روح پھونکی گئی۔

البتہ بائبل کی کتاب پیدائش میں ہے کہ آدم علیہ السلام جنت میں اکیلے پریشان رہتے تھے، ایک مرتبہ وہ سوئے ہوئے تھے، اللہ پاک کبوتر کی شکل میں آئے (پناہ بخدا!) اور ان کی بائیں پسلی سے ایک جزء کاٹ کر لے گئے، اور دادی کو بنا کر بھیج دیا، ان سے دادا کو سکون حاصل ہوا۔ یہی بات روایات کے راستے تفسیروں میں در آئی، اور آیات کی عام تفسیر یہی کی جانے لگی۔

جاننا چاہئے کہ فی الحال مخلوقات تین طرح پیدا ہو رہی ہیں:

اول: کیڑوں کی طرح ڈائریکٹ بے شمار مخلوق مٹی سے پیدا ہو رہی ہے، پھر ان میں توالد وتناسل نہیں ہوتا، وہ اپنی مدت پوری کر کے ختم ہو جاتے ہیں، برسات میں بے شمار کیڑے اسی طرح پیدا ہوتے ہیں۔

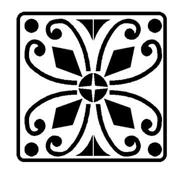
دوم: کچھ مخلوقات ڈائریکٹ مٹی سے بھی پیدا ہوتی ہے، پھر ان میں توالد وتناسل بھی ہوتا ہے، جیسے مچھلی اور مینڈک، کسی تالاب میں عرصہ تک پانی رہے تو اس میں مٹی سے مچھلیاں پیدا ہونگی، پھر وہ انڈے دیں گی اور نسل چلے گی، یہی حال

مینڈکوں کا ہے۔

سوم: بڑے حیوانات کی پہلے عالم مثال میں نوعیں پیدا کی ہیں، پھران کے پہلے دو فرد (نر مادہ) ڈائریکٹ مٹی سے پیدا کئے ہیں، پھران میں توالد وتناسل ہوتا ہے، اب ان کا کوئی فرد مٹی سے پیدا نہیں ہوتا، اب یہ مسئلہ حل ہوگیا کہ مرغی پہلے ہے یا انڈا؟ جواب: مرغی پہلے ہے، پہلا مرغا اور پہلی مرغی راست مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، پھر جب نر مادہ ملے تو مرغی نے انڈا دیا۔

اور ڈارون کا خیال مہمل ہے کہ انسان: بندر سے ترقی کرکے بنا ہے، سوال یہ ہے کہ حیوانات کی دیگر انواع کس طرح بنی ہیں؟ بلکہ خود بندر کس طرح بنے ہیں؟ اگر ان کے پہلے دو فرد (نر مادہ) مٹی سے بنے ہیں تو یہی بات انسان کے تعلق سے مان لینے میں کیا پریشانی ہے؟

اور محرّف بائبل کی یہ بات بھی مہمل ہے کہ دادی جنت میں پیدا کی گئیں، سورۃ البقرۃ میں صراحت ہے کہ دادی بھی زمین میں پیدا کی گئی ہیں، ارشاد پاک ہے: ﴿ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ﴾: آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرانے کے بعد حکم ملا کہ آدم تم خود اور تمہاری بیوی جنت میں جا بسو، پھر جنت سونے کی جگہ نہیں، نیند تھکن کی وجہ سے آتی ہے اور جنت میں تھکن نہیں، اس لئے تورات کی بات بھی مہمل ہے، اور اس کی روشنی میں آیت کی تفسیر کرنا بھی ٹھیک نہیں۔





سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

بِسْمِ اللّٰهِ	اللہ کے نام سے	وَّاحِدَةٍ	ایک	تَسَآءَلُوْنَ (۳)	باہم سوال کرتے ہو تم
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	وَّخَلَقَ مِنْهَا	اور اس سے پیدا کیا	بِهٖ	اس کے ذریعہ
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	زَوْجَهَا (۲)	اس کا جوڑا (مرد وزن)	وَالْاَرْحَامَ (۴)	اور قرابت داری سے
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!	وَبَثَّ مِنْهُمَا	اور دونوں سے پھیلائے		(ڈرو)
اتَّقُوْا رَبَّكُمُ	اپنے ربّ سے ڈرو	رِجَالًا كَثِيْرًا	مرد بہت	اِنَّ	بے شک
الَّذِيْ	جس نے	وَّنِسَآءً	اور عورتیں (بہت)	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
خَلَقَكُمْ	تم کو پیدا کیا	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور تم ڈرو اللہ سے	كَانَ عَلَيْكُمْ	تم پر ہیں
مِّنْ نَّفْسٍ (۱)	نفس سے	الَّذِيْ	جو	رَقِيْبًا	نگران (نگہبان)

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رشتہ داری کا تعلق ختم مت کرو، اور رشتہ داری کا تعلق تمام انسانوں سے ہے

سورت کی پہلی آیت میں ایک حکم اور اس کی تمہید ہے، حکم یہ ہے کہ رشتہ داری کا تعلق مت توڑو، ناتے کا خیال رکھو، اور تمہید یہ ہے کہ ناتا (رشتہ داری) کا تعلق تمام انسانوں سے ہے، تمام انسان ایک ماہیت کے افراد ہیں، اور مرد وزن نوع انسانی کی دو صنفیں ہیں، اور ماہیتِ کلیہ سے پہلا جوڑا آدم وحواء علیہما السلام کا بنایا ہے، پھر ان سے نسل چلی اور ساری دنیا آباد ہوگئی، پس سب انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، سب ایک کنبہ ہیں، اور بعد میں لوگوں میں جو تقسیم ہوئی ہے وہ

(۱) نفس سے نفسِ ناطقہ (ماہیت) مراد ہے، یہی انسان کی کلی طبیعی ہے (۲) زوج سے مراد بیوی نہیں، بلکہ مرد وزن کا جوڑا ہے (۳) تساء لون میں ایک تاء محذوف ہے (۴) الأرحام کا عطف اللہ پر ہے۔

باہمی تعارف کے لئے ہے، اس کا ناتے سے کوئی تعلق نہیں، سب مرد وزن، مسلم اور غیر مسلم ایک خاندان ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ربِّ حقیقی ہیں اور والدین ربِّ مجازی۔ ربّ: وہ ہوتا ہے جو نیست سے ہست کرے، پھر اس کی بقاء کا سامان کرے، پھر آہستہ آہستہ اس کو ترقی دے کر منتہائے کمال (آخری حد) تک لے جائے، بایں معنی اللہ تعالیٰ تو رب حقیقی ہیں، اور ماں باپ بھی اولاد کے وجود کا ظاہری سبب ہیں، پھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں باپ اس کی پوری دیکھ بھال کرتے ہیں، اس کی ہر ضرورت پوری کرتے ہیں اور بیس سال تک اس کو کھلاتے پلاتے ہیں، پھر جب وہ جوان رعنا ہو جاتا ہے تو شادی کر کے اڑا دیتے ہیں۔

پس رب حقیقی اور رب مجازی میں مناسبت ہے، اور لوگ اللہ کے واسطے سے ایک دوسرے سے مانگتے ہیں، کہتے ہیں: اللہ کے لئے میری مدد کرو، اسی طرح لوگ رشتہ داری کے واسطے سے بھی سوال کرتے ہیں، کہتے ہیں: بھیّا میری مدد کرو، چچا میرا خیال رکھو، اور رشتہ داری کے واسطہ سے اسی وقت سوال کیا جاسکتا ہے جبکہ تعلقات استوار ہوں، ورنہ بھائی نہ بھائی ہے، نہ چچا چچا!

اس لئے جہاں اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا رشتہ داری سے ڈرنے کا بھی حکم دیا، البتہ دونوں ڈر مختلف ہیں اللہ سے ڈرنا تو اس کے احکام کی خلاف روزی سے بچنا ہے۔ اور رشتہ داری سے ڈرنا: قطع رحمی سے بچنا ہے، اور آخر آیت میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نگرانی کررہے ہیں، ان سے تمہارا کوئی حال پوشیدہ نہیں، تم رشتہ داری کا پاس ولحاظ رکھتے ہو یا نہیں؟ اس کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔

اور حدیثوں میں قطع رحمی پر سخت وعید آئی ہے:

حدیثِ قدسی: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں ہی اللہ (معبود) ہوں، میں ہی رحمان (نہایت مہربان) ہوں، میں نے رَحِمْ (ناتے) کو پیدا کیا ہے، اور میں نے اس کو اپنے نام میں سے حصہ دیا ہے، پس جو اس کو جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا، اور جو اس کو کاٹے گا میں اس کو (اپنے سے) کاٹوں گا!

اور دوسری حدیث میں ہے: جب اللہ تعالیٰ مخلوقات کو پیدا کر کے فارغ ہوئے تو ناتا کھڑا ہوا، اور اس نے رحمان کی کمر میں کولی بھری، اللہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میں نے قطع رحمی سے پناہ لینے کے لئے آپ کی کولی بھری ہے، اللہ نے فرمایا: کیا تو اس پر راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے میں اس کو جوڑوں، اور جو تجھے کاٹے میں اس کو کاٹوں؟ ناتے نے کہا: میں اس پر راضی ہوں؟ اللہ نے فرمایا: جا تجھ سے اس کا وعدہ ہے۔

فائدہ: معدنِ وجود اور منشأ وجود کے اتحاد کے باعث تو تمام بنی آدم میں رعایتِ حقوق اور حسنِ سلوک ضروری ہے، اس کے بعد اگر کسی موقع میں کسی خصوصیت کی وجہ سے اتحاد میں زیادتی ہو جائے، جیسے اقارب میں، یا کسی موقع میں

شدتِ احتیاج پائی جائے، جیسے یتامی اور مساکین وغیرہ میں، تو وہاں رعایتِ حقوق میں بھی ترقی ہوجائے گی (فوائد)

آیتِ کریمہ: اے لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک نفس (ایک ماہیت) سے پیدا کیا، پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا، اور دونوں سے بہت مرد اور عورتیں پھیلائیں، اور اس اللہ سے ڈرو جس کے ذریعہ تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابت داری سے (بھی) ڈرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہیں!

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝

وَاٰتُوا	اور دو تم	الْخَبِيْثَ	برے مال کو	اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ (۱)	اپنے اموال کے ساتھ (ملاکر)
الْيَتٰمٰٓى	یتیموں کو	بِالطَّيِّبِ	اچھے مال سے	اِنَّهٗ كَانَ	بیشک وہ (کھانا) ہے
اَمْوَالَهُمْ	ان کے اموال	وَلَا تَاْكُلُوْٓا	اور مت کھاؤ	حُوْبًا (۲)	وبال (گناہ)
وَلَا تَتَبَدَّلُوا	اور مت بدلو	اَمْوَالَهُمْ	ان کے اموال	كَبِيْرًا	بڑا

یتیموں کے تعلق سے تین احکام

گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ ناتا مت توڑو: یہ ایک امر کلّی تھا، اب اس کی تفصیلات شروع کرتے ہیں۔ یتامی عام طور پر قرابت دار اور کمزور ہوتے ہیں، اس لئے ان کے تعلق سے اولیاء کو تین حکم دیتے ہیں:

۱- جب یتیم بالغ ہوجائے تو اس کا مال اس کے حوالے کیا جائے، ولی کسی غرض سے اس میں لیت ولعل نہ کرے، البتہ اگر وہ ناسمجھ ہو تو اس کا حکم آگے آرہا ہے۔

۲- زمانۂ تولیت میں یتیم کی کسی اچھی چیز کو اپنی بری چیز سے نہ بدلے، اس کے کھیت کے اچھے گیہوں رکھ لئے اور اپنے کھیت کے گھٹیا گیہوں اس کے حساب میں لگادیئے: ایسا نہ کرے۔

۳- یتیم کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھائے، ولی کے لئے جائز ہے کہ یتیم کا کھانا اپنے کھانے کے ساتھ پکائے، مگر اس کا آٹا اس کی خوراک سے زائد لینا، اور شرکت کے بہانے اس کا مال اڑانا جائز نہیں، اس پر آگے سخت وعید آرہی ہے، یہ بڑا بھاری گناہ ہے، اس سے بچے!

آیتِ کریمہ: (۱) اور تم یتیموں کو ان کے اموال دو (۲) اور اپنے برے مال کو ان کے اچھے مال سے مت بدلو (۳) اور

(۱) إلی أموالکم: أی مضمومة إلی أموالکم (۲) الحُوب: اسم ہے، حاب (ن) حَوبا: گنہگار ہونا۔

ان کے اموال مت کھاؤ اپنے اموال کے ساتھ ملا کر، بے شک وہ بڑا گناہ ہے!

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ﴿٣﴾ وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا ﴿٤﴾

وَإِنْ خِفْتُمْ	اور اگر ڈرو تم	أَلَّا تَعْدِلُوا (۳)	کہ نہیں انصاف کروگے تم	صَدُقَاتِهِنَّ (۴)	ان کے مہر
أَلَّا تُقْسِطُوا	کہ نہیں انصاف کروگے تم	فَوَاحِدَةً	تو (نکاح کرو) ایک سے	نِحْلَةً (۵)	بطیب خاطر
فِي الْيَتَامَىٰ	یتیم لڑکیوں میں	أَوْ مَا مَلَكَتْ	یا (اکتفا کرو) اس پر	فَإِنْ طِبْنَ	پھر اگر خوش ہو جائیں
فَانْكِحُوا (۱)	تو نکاح کرو		جس کے مالک ہیں	لَكُمْ	تمہارے لئے
مَا طَابَ لَكُمْ	جو پسند آئیں تمہیں	أَيْمَانُكُمْ	تمہارے دائیں ہاتھ	عَنْ شَيْءٍ	کسی چیز سے
مِنَ النِّسَاءِ	عورتوں سے	ذَٰلِكَ	وہ بات	مِنْهُ (۶)	اس (مہر) میں سے
مَثْنَىٰ (۲)	دو دو	أَدْنَىٰ (۳)	قریب ہے	نَفْسًا (۷)	ان کے دل
وَثُلَاثَ	اور تین تین	أَلَّا تَعُولُوا	کہ نہ ناانصافی کرو تم	فَكُلُوهُ	پس کھاؤ اس کو
وَرُبَاعَ	اور چار چار	وَآتُوا	اور دو تم	هَنِيئًا (۸)	خوش گوار (رچتا)
فَإِنْ خِفْتُمْ	پس اگر ڈرو تم	النِّسَاءَ	عورتوں کو	مَرِيئًا (۸)	خوش ذائقہ (پچتا)

یتیم لڑکی کے ساتھ ناانصافی کا ڈر ہو تو اس کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے

ان دو آیتوں میں یتامی کے تعلق سے بنیادی مسئلہ تو مذکورہ مسئلہ ہے، پھر اس کے ذیل میں لگتے چند مسائل ہیں:

(۱) فانکحوا: فاء جزائیہ اور جملہ أنکحوا: إن خفتم کی جزاء کے قائم مقام ہے، أی: فلا تنکحوهن وانکحوا ماطاب لکم (۲) مثنی وثلث وربع: النساء کے حال ہیں (۳) عَالَ (ن) عَوْلاً: ایک طرف کو جھک جانا، عورتوں میں برابری نہ کرنا (۴) صَدُقَات: صَدُقَة کی جمع: مہر (۵) نِحْلَة: مصدر باب فتح اور اسم: خوش دلی (۶) منه: شیئ کی صفت ہے أی کائنا منه اور مِن تبعیضیہ یا بیانیہ ہے (۷) نفسًا: طبن کے فاعل سے محول تمیز ہے (۸) هنیئا اور مریئا: دونوں صفتِ مشبہ ہم معنی ہیں، عربی میں تابع معنی دار ہوتا ہے اور متبوع کی تاکید کرتا ہے۔ رچتا پچتا بھی ہم معنی ہیں وہ چیز جو آسانی سے گلے سے اتر جائے اور بدن کے موافق آئے۔

کبھی یتیم لڑکی کا سرپرست لڑکی کے مال میں رغبت رکھتا ہے، اس لئے وہ خود اس سے نکاح کرتا ہے، مگر مہر میں انصاف نہیں کرتا، کم مہر دیتا ہے، چنانچہ قرآنِ کریم نے فرمایا: ایسا مت کرو، اگر تمہیں یتیم لڑکیوں کے حق میں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں کروگے، مناسب مہر نہیں دوگے یا ان کے حقوق ادا نہیں کروگے تو ان سے نکاح مت کرو، دوسری عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں۔

تعددِ ازدواج مردوں کی واقعی ضرورت ہے

۱- عورت عوارض سے دوچار ہوتی ہے، حیض، حمل، زچگی، نفاس اور رضاعت سے اس کو دوچار ہونا پڑتا ہے، اس زمانہ میں عورت قابل استفادہ نہیں رہتی یا جنسی اختلاط باعث کلفت ہوتا ہے۔

۲- پچاس سال کے بعد عورت مایوس ہوجاتی ہے، اور جنسی التفات میں کمی آجاتی ہے، اور مرد بہت دنوں تک کارآمد رہتا ہے اور بے رغبتی کے ساتھ اختلاط باعث مسرت نہیں ہوتا، اس لئے بھی نیا نکاح مرد کی ضرورت بن جاتا ہے۔

۳- بعض خطوں میں لڑکیوں کی شرح پیدائش لڑکوں سے زیادہ ہوتی ہے، پس ایک سے زیادہ نکاح ایک معاشرتی ضرورت ہے۔

۴- مردوں پر عورتوں کی بہ نسبت حوادث زیادہ آتے ہیں، ایسی صورت میں عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے، جس کا حل تعددِ ازدواج ہے۔

۵- عورت بیک وقت ایک ہی مرد کے لئے بچہ جنتی ہے، جبکہ مرد بیک وقت کئی عورتوں سے اولاد حاصل کرسکتا ہے، پس افزائش نسل کی ضرورت بھی تعددِ ازدواج کے جواز کی مقتضی ہے۔

۶- اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت عفت وعصمت اور پاکدامنی وپرہیزگاری کی ہے، اور مرد کبھی قوی الشہوت ہوتا ہے، ایک بیوی سے اس کی ضرورت کی تکمیل نہیں ہوتی، ایسی صورت میں وہ یا تو گناہ میں مبتلا ہوگا یا خون کے گھونٹ پی کر رہ جائے!

مگر کبھی فخر ومباہات اور حرص وآز درمیان میں آجاتے ہیں، اور آدمی حد سے زیادہ نکاح کرلیتا ہے، پھر سب بیویوں کے حقوق ادا نہیں کرتا، بعض کو ادھر لٹکا ہوا چھوڑ دیتا ہے، جو ظلم وزیادتی ہے، چنانچہ اسلام نے انصاف کی شرط کے ساتھ چار بیویوں تک نکاح کی اجازت دی، اور اس پر امت کا اجماع ہے، پس کسی گمراہ فرقہ کا اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا۔

چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں

شریعت نے نکاح کے لئے چار کا عدد مقرر کیا ہے، اس سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، کیونکہ اس سے

زیادہ بیویوں کے ساتھ ازدواجی معاملات میں حسن سلوک ممکن نہیں، اور چار ہی عورتوں سے نکاح کا جواز سورۃ النساء کی آیت ۳ میں مذکور ہے، فرمایا: ﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ﴾: پس تم ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں: دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے، اور آیت میں اگرچہ کلمہ حصر نہیں مگر موقع کی دلالت حصر پر ہے، اگر کسی چیز کی اجازت دی جائے، اور اجازت دینے والا کسی حد پر رک جائے تو اتنے ہی کی اجازت ہوتی ہے، جیسے کہا: دو، تین اور چار لے لو: تو کم لے سکتا ہے زیادہ نہیں —— اور تین حدیثوں میں حصر کی صراحت ہے، حضرت غیلانؓ کے نکاح میں دس عورتیں تھیں، ان کو حکم دیا گیا کہ چار رکھ کر باقی سے علاحدگی اختیار کریں، حضرت حارثؓ کے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں، ان کو بھی حکم دیا کہ چار رکھ کر باقی سے علاحدگی اختیار کریں، اور حضرت نوفلؓ کے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں ان کو بھی ایک بیوی کو علاحدہ کرنے کا حکم دیا، پس آیت اور احادیث سے ثابت ہوا کہ چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اور اس پر اجماع ہے۔ اور گمراہ فرقوں کا اختلاف اجماع کو متاثر نہیں کرتا (تفصیل کے لئے دیکھیں رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۹۷)

اور شیعوں اور غیر مقلدوں کے نزدیک چار میں حصر نہیں، اور خوارج کے نزدیک اٹھارہ عورتوں تک جمع کر سکتے ہیں، ان کے نزدیک ﴿ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ﴾ میں واو جمع کے لئے ہے، اور اعداد معدول ہیں، ان کا ترجمہ دو دو، تین تین اور چار چار ہے، پس مجموعہ اٹھارہ ہوا، اور فریق اول اعداد کو معدول نہیں لیتا، وہ دو، تین اور چار ترجمہ کرتا ہے، اور واو جمع کے لئے ہے، پس مجموعہ نو ہوا، اور غیر مقلدوں کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ نبی ﷺ کے نکاح میں نو بیویاں تھیں، پس کوئی حصر نہیں، جتنی عورتوں کو چاہے جمع کرے (عرف الجادی)

اور اہل السنہ والجماعہ کے نزدیک واو تنویع کے لئے بمعنی أَو ہے، حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے سورۃ النساء کی آیت تین اور سورۃ الفاطر کی پہلی آیت کی یہی تفسیر کی ہے، پس دو سے یا تین سے یا چار ہی سے نکاح کر سکتے ہیں، اور فرشتوں میں کسی فرشتہ کے دو بازو، کسی کے تین بازو اور کسی کے چار بازو ہیں، اور کسی کے اس سے بھی زیادہ ہیں، یہ بات آیت میں مصرح ہے، واو جمع کے لئے نہیں ہے کہ ہر فرشتہ کے نو یا اٹھارہ بازو ہیں۔

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ﴾

ترجمہ: اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف نہیں کرو گے تو (ان سے نکاح مت کرو، اور ان کے علاوہ) جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو: دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے۔

ایک سے زیادہ نکاح کا جواز انصاف کی شرط کے ساتھ ہے

اگر یہ ڈر ہو کہ ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے کی صورت میں انصاف اور برابری کا معاملہ نہیں کر سکے گا تو

ایک ہی پر قناعت کرے یا باندی پر بس کرے (اب باندیاں نہیں رہیں) صرف ایک کو نکاح میں رکھنے میں اس بات کی توقع ہے کہ بے انصافی سے محفوظ رہے گا (اور ایک نکاح میں بھی ناانصافی کا اندیشہ ہو تو پھر مجرد رہے اور مسلسل روزے رکھے اور سحری برائے نام کرے، مگر دو ماہ سے زیادہ مسلسل روزے نہ رکھے، درمیان میں وقفہ کرے)

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳﴾

ترجمہ: پس اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ (تعدد ازدواج کی صورت میں) انصاف نہیں کرسکوگے تو ایک پر اکتفا کرو، یا ان باندیوں پر (اکتفا کرو) جو تمہاری ملکیت میں ہیں، اس میں زیادہ امید ہے کہ ایک طرف کو نہ جھک جاؤ۔

شوہر مہر خوش دلی سے ادا کرے، اور عورت مہر معاف کرسکتی ہے

یتیم لڑکی کے ساتھ ناانصافی کا اندیشہ ہو تو اس سے نکاح نہ کرے، اور ناانصافی سب سے پہلے مہر میں ہوتی ہے: یا تو مہر برائے نام رکھا جاتا ہے، یا بوجھ سمجھ کر ادا کیا جاتا ہے، یا جبراً معاف کرالیا جاتا ہے، اس لئے اب مہر کے تعلق سے دو حکم دیتے ہیں:

ایک: شوہر مہر خوش دلی سے ادا کرے، اس کو بوجھ نہ سمجھے، وہ مہر کا عوض استعمال کرتا ہے، وہ کوئی جرمانہ نہیں جو دے کر جان بچالی جائے۔

دوسرا: اگر بیوی بطیب خاطر مہر کا کچھ حصہ (یا سارا مہر) معاف کردے تو وہ شوہر کے لئے ترلقمہ ہے، وہ اس معافی کو قبول کرسکتا ہے، اور منه میں اشارہ ہے کہ کچھ مہر چھوڑ دے اور کچھ کی معافی قبول کرے۔

﴿وَاٰتُوا النِّسَاۗءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــــًٔـا مَّرِيْۗـــــًٔـا ۝۴﴾

ترجمہ: اور عورتوں کو خوش دلی کے ساتھ ان کا مہر دو، پس اگر وہ خوش دلی سے اپنے مہر میں سے کچھ حصہ تمہارے لئے چھوڑ دیں تو وہ تمہارے لئے ترلقمہ ہے اس کو رچتا پچتا کھاؤ!

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْھُمْ فِيْھَا وَاكْسُوْھُمْ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْھِمْ اَمْوَالَھُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْھَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْھِمْ اَمْوَالَھُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْھِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

وَلَا تُؤْتُوا	اور مت دو	الْيَتٰمٰى	یتیموں کو	وَمَنْ كَانَ	اور جو ہو
السُّفَهَآءَ(۱)	ناسمجھوں کو	حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	غَنِيًّا	مالدار
اَمْوَالَكُمُ(۲)	اپنے اموال	بَلَغُوا	پہنچ جائیں وہ	فَلْيَسْتَعْفِفْ	پس چاہئے کہ بچے وہ
الَّتِىْ	جن کو	النِّكَاحَ	نکاح کو	وَمَنْ كَانَ	اور جو ہو
جَعَلَ اللّٰهُ	اللہ نے بنایا ہے	فَاِنْ اٰنَسْتُمْ	پس اگر محسوس کرو	فَقِيْرًا	حاجت مند
لَكُمْ	تمہارے لئے	مِّنْهُمْ	ان سے	فَلْيَاْكُلْ	پس چاہئے کہ کھائے وہ
قِيٰمًا(۳)	سہارا	رُشْدًا	سمجھداری (تمیز)	بِالْمَعْرُوْفِ	عرف کے مطابق
وَّارْزُقُوْهُمْ	اور کھلاؤ ان کو	فَادْفَعُوْٓا	تو دیدو	فَاِذَا دَفَعْتُمْ	پھر جب حوالے کرو تم
فِيْهَا	اس میں	اِلَيْهِمْ	ان کو	اِلَيْهِمْ	ان کو
وَاكْسُوْهُمْ	اور پہناؤ ان کو	اَمْوَالَهُمْ	ان کے اموال	اَمْوَالَهُمْ	ان کے اموال
وَقُوْلُوْا	اور کہو	وَلَا تَاْكُلُوْهَآ	اور نہ کھاؤ ان کو	فَاَشْهِدُوْا	تو گواہ بنالو
لَهُمْ	ان سے	اِسْرَافًا(۵)	فضول خرچی کرتے ہوئے	عَلَيْهِمْ	ان پر
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا	بات بھلی	وَّبِدَارًا	اور سبقت کرتے ہوئے	وَكَفٰى بِاللّٰهِ	اور کافی ہیں اللہ تعالیٰ
وَابْتَلُوا(۴)	اور آزماؤ	اَنْ يَّكْبَرُوْا(۶)	ان کے بڑے ہونے سے	حَسِيْبًا	گواہ

مال مایۂ زندگانی ہے، ناسمجھ بچوں کو زیادہ خرچ نہ دیا جائے، ان کی عادت خراب ہوگی

بچے: عقل کے کچے ہوتے ہیں، خواہ اپنے ہوں یا زیر تربیت یتیم، ان کو جیب خرچ بہت زیادہ نہیں دینا چاہئے، اس سے ان کی عادت خراب ہوگی، وہ ابھی مال کی اہمیت سے ناواقف ہیں، وہ مال اناپ شناپ اڑائیں گے اور بڑے ہوکر 'اڑاؤ' بنیں گے، البتہ ان کی ضروریات میں: کھانے پینے میں اور پہننے اوڑھنے میں مال خرچ کیا جائے، اس میں تنگی نہ کی

(۱) السفهاء: عام ہے، اپنے بچے اور یتیم دونوں کو شامل ہے، اس لئے آگے ضمیر کُم آئی ہے (۲) أموال: جمع قلت: تین تا دس تک کے لئے ہے، اور مراد مال کی کافی مقدار ہے۔ (۳) القِیام: القِوام کی طرح اسم ہے: سہارا، مایۂ زندگانی، روزی جو بقائے حیات کے لئے ضروری ہو (۴) ابْتَلاہ: آزمانا، آزمائش میں ڈال کر جان لینا۔ (۵) إسْرَافًا (باب افعال کا مصدر): فضول خرچ کرنا...... بِدَارًا (باب مفاعلہ کا مصدر) سبقت کرنا، جلدی کرنا...... دونوں لاتأکلوا کی ضمیر فاعل أنتم سے حال ہیں۔ (۶) أن یکبروا: أن: مصدریہ، اس سے پہلے مِن جارہ محذوف ہے، اور جار مجرور بدارًا سے متعلق ہیں۔

جائے، اوروہ جیب خرچ زیادہ مانگیں توان کونرمی سے سمجھایا جائے۔

مال مایۂ زندگانی ہے: قرآنِ کریم نے دوہی چیزوں کو قیاما للناس کہا ہے، ایک مال کو دوسرے کعبہ شریف کو، ارشاد فرمایا: ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾: اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو جو کہ محترم گھر ہے، لوگوں کے قائم رہنے کا سبب بنایا ہے (مائدہ ۹۷) یعنی جب تک کعبہ شریف باقی ہے دنیا باقی ہے، اور جب کفار اس کو منہدم کردیں گے تو جلد قیامت آجائے گی۔

غرض اس تعبیر سے جس طرح کعبہ شریف کی اہمیت آشکارہ ہوتی ہے، مال کی اہمیت بھی آشکارہ ہوتی ہے، مال لوگوں کے لئے سہارا ہے مایۂ زندگانی ہے، اس لئے جائز راہوں سے مال کمانا چاہئے، خرچ کرنا چاہئے اور کچھ جمع بھی رکھنا چاہئے، بالکل خالی ہاتھ نہیں ہوجانا چاہئے، اندوختہ ہوتو آدمی باہمت رہتا ہے، ورنہ کمر ٹوٹ جاتی ہے۔

نرمی سے سمجھانے کی ایک مثال: گجرات میں (گڈھا گاؤں میں) ایک عربی مدرسہ ہے، اس میں بچوں کے اولیاء بچوں کا جیب خرچ مدرسہ کی بینک میں جمع کرتے ہیں، مدرسہ کی بینک نے ایک رمزی کرنسی چھاپی ہے، جو مدرسہ کی کینٹین میں چلتی ہے، بچے وہاں سے حسب ضرورت رقم نکال کر خرچ کرتے ہیں، ایک مالدار کے بچے نے ایک ماہ میں چودہ ہزار روپے نکالے، مہتمم کے علم میں یہ بات آئی، اس نے طالب علم کو بلایا، اور کہا: ''اگر مہتمم بھی ایک ماہ میں اتنی بڑی رقم چائے پانی میں خرچ کرے تو اس کو'اڑاؤ' کہیں گے!'' تم نے یہ کیا کیا؟ اس نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ یہ ایک مثال ہے نرمی سے سمجھانے کی، اس طرح اپنے بچوں کو اور زیر تربیت یتیموں کو سمجھایا جائے۔

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝﴾

ترجمہ: اور تم ناسمجھوں کو اپنے وہ اموال مت دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سہارا بنایا ہے، اور ان کو اس مال میں سے کھلاتے (پلاتے) اور پہناتے (اوڑھاتے) رہو، اور ان سے بھلی بات کہو۔

تفسیر: السفهاء: ناسمجھ بچے: عام ہے، خواہ اپنے بچوں ہوں یا یتیم: خرچ کے لئے ان کو بہت زیادہ پیسہ نہ دیا جائے، اور کبھی انعام کے طور پر بڑی رقم دی جائے تو نظر رکھی جائے کہ صحیح مصرف میں خرچ کریں، اِدھر اُدھر نہ اڑادیں۔

اور أموال (جمع قلت) میں اشارہ ہے کہ جیب خرچ ان کو بہت زیادہ نہ دیا جائے، البتہ کھانے اور پہنانے میں خرچ کیا جائے، اس میں تنگی نہ کی جائے۔

خاص یتامی کے تعلق سے چار احکام

گذشتہ آیت میں ناسمجھ بچوں کے تعلق سے حکم تھا، اس میں زیر پرورش یتامی بھی شامل تھے، اب ایک آیت میں خاص

یتامی کے تعلق سے چار احکام ہیں:

۱- یتیموں سے کاروبار کرا کر ان کو آزمایا جائے

بچوں کو آزمانے کی صورت یہ ہے کہ دیکھا جائے ان کو بڑے ہو کر کیا کام کرنا ہوگا؟ اگر کھیتی باڑی کرنی ہے تو ان سے اس سلسلہ کے کام کرائے جائیں، دکان داری کرنی ہے تو ان سے خرید وفروخت کرائی جائے، ملازمت کرنی ہے تو لکھنا پڑھنا سکھایا جائے، تا کہ بلوغ تک ان میں شعور پیدا ہو جائے، اور وہ اپنا کام آسانی سے کرلیں۔

مسئلہ: نابالغ کی خرید وفروخت ولی کی اجازت سے درست ہے۔

۲- جب یتیم کی شادی ہو جائے اور وہ سمجھ دار بھی ہو جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کیا جائے

یتیم کو سِدھایا سکھایا اور وہ سن بلوغ کو پہنچ گیا تو اس کا نکاح کر دیا جائے، جوان لڑکے لڑکیوں کی شادی میں بہت تاخیر مناسب نہیں، اس سے معاشرہ بگڑتا ہے، ہاں کوئی عارض ہو، تعلیم باقی ہو، یا اٹھان کمزور ہو تو تاخیر کی جاسکتی ہے، اور یتیم ہوشمند بھی ہو گیا، اپنا کاروبار سنبھال سکتا ہے تو اس کے اموال اس کے حوالے کئے جائیں، تا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو، اور اس کے کاموں پر نظر رکھی جائے اور مشورے بھی دیئے جائیں، تا کہ وہ خسارے میں نہ پڑے۔

۳- یتیم کے باپ کا ورثہ کچھ یتیم کے لئے بچایا جائے

ایک خاص حکم یہ ہے کہ یتیم کے باپ نے جو میراث چھوڑی ہے وہ اس کے بڑے ہونے تک کھا پی کر ختم نہ کردی جائے، اگر ایسا کیا جائے گا تو یتیم اپنا کاروبار کیسے شروع کرے گا؟ کاروبار شروع کرنے کے لئے پلّے کچھ ہونا ضروری ہے۔

اور بڑے ہونے تک کھا پی کر مال ختم کرنے کی دو صورتیں ہیں:

۱- یتیم پر خرچ میں اسراف کیا جائے، مثلاً: اس کی ضرورت سے زیادہ اس کا آٹا لیا جائے تو بچا ہوا سرپرست کھائے گا، پس یتیم پر کفایت شعاری سے خرچ کیا جائے، تا کہ کچھ اندوختہ رہے اور جب اس کو الگ کیا جائے تو اس کے کام آئے، وہ اس کو کاروبار کے ذریعہ بڑھائے، خالی ہاتھ الگ کریں گے تو وہ مشکل میں پڑے گا۔

۲- سرپرست اپنی خدمت کا معاوضہ از حد لے تو بھی ترکہ ختم ہو جائے گا، مثلاً: یتیم کا کھیت بویا، یا اس کی دکان سنبھالی اور معاوضہ بہت زیادہ لیا تو اس صورت میں بھی یتیم کے بڑا ہونے تک ترکہ ختم ہو جائے گا اور اس کو خالی ہاتھ علاحدہ کرنا پڑے گا۔

اس سلسلہ میں یہ مسئلہ جان لینا چاہئے کہ اگر یتیم کا سرپرست مالدار ہے تو خدمت کا معاوضہ لینا جائز نہیں (اور وقف کا متولی مالدار ہو تو بھی تنخواہ لے سکتا ہے) اور غریب ہو تو بھی عرف سے زیادہ تنخواہ (معاوضہ) لینا جائز نہیں، یہ مسئلہ ملحوظ رکھا

جائے تو یتیم کو بھرے ہاتھ علاحدہ کر سکے گا۔

۴-جب یتیم کا مال اس کو سونپے تو گواہ بنالے

مستحب یہ ہے کہ جب یتیم کا مال اس کے حوالے کرے تو جو کچھ اس کے سپرد کرے اس پر گواہ بنالے، اصل گواہ تو اللہ تعالیٰ ہیں، وہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور جان رہے ہیں، مگر انسانوں میں سے بھی گواہ بنالے تو بہتر ہے، کبھی کوئی نزاع ہو یا یتیم کو بدگمانی ہو تو گواہوں سے اس کی تسلی کی جاسکے گی۔

﴿ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَھُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْھَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَھُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ ﴾

ترجمہ:(۱)اور یتیموں کو آزماتے رہو ——— سدھاتے رہو، جیسے بیل کو ہل میں چلنے کے لئے سدھاتے ہیں، اور یہ مستقل حکم ہے ——— (۲) یہاں تک کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں ——— اور ان کا نکاح کردو ——— تو اگر تم ان میں ہوشمندی کے آثار دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالے کردو ——— یعنی ان کو علاحدہ کردو، تا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں ——— (۳) اور تم ان کے اموال کھا مت ڈالو: فضول خرچی کرتے ہوئے، اور ان کے بڑے ہونے سے سبقت کرتے ہوئے ——— اگر ایسا کروگے تو ان کو خالی ہاتھ علاحدہ کرنا پڑے گا، اور ان کے باپ کا چھوڑا ہوا مال بچانے کی صورت یہ ہے کہ فضول خرچی مت کرو ——— اور ——— دوسری صورت یہ ہے کہ ——— جو مالدار ہے اس کو چاہئے کہ بچے ——— یعنی اس کے لئے حق الخدمت لینا جائز نہیں ——— اور جو حاجت مند ہے وہ معروف طریقہ پر کھا سکتا ہے ——— بقدر ضرورت لے سکتا ہے ——— (۴) پھر جب تم ان کو ان کے اموال حوالہ کرو تو گواہ بنالو، اراللہ تعالیٰ کافی گواہ ہیں ——— پھر بھی انسانوں میں سے گواہ بنالینا بہتر ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْھُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ

فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝٩ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝١٠ ع ۱۲

لِلرِّجَالِ	مردوں کے لئے	وَ اِذَا حَضَرَ	اور جب آموجود ہوں	فَلْيَتَّقُوْا[1]	پس چاہئے کہ ڈریں وہ
نَصِيْبٌ	حصہ ہے	الْقِسْمَةَ	تقسیم ترکہ کے وقت	اللّٰهَ	اللہ سے
مِّمَّا	اس میں سے جو	اُولُوا الْقُرْبٰى	رشتہ دار	وَلْيَقُوْلُوْا	اور چاہئے کہ کہیں وہ
تَرَكَ	چھوڑا	وَ الْيَتٰمٰى	اور یتیم	قَوْلًا	بات
الْوَالِدٰنِ	ماں باپ نے	وَ الْمَسٰكِيْنُ	اور غریب	سَدِيْدًا	سیدھی
وَ الْاَقْرَبُوْنَ	اور رشتہ داروں نے	فَارْزُقُوْهُمْ	تو کھلا دو ان کو	اِنَّ	بے شک
وَ لِلنِّسَآءِ	اور عورتوں کے لئے	مِّنْهُ	ان میں سے	الَّذِيْنَ	جو لوگ
نَصِيْبٌ	حصہ ہے	وَ قُوْلُوْا لَهُمْ	اور کہو ان سے	يَاْكُلُوْنَ	کھاتے ہیں
مِّمَّا	اس میں سے جو	قَوْلًا مَّعْرُوْفًا	بات معقول	اَمْوَالَ	اموال
تَرَكَ	چھوڑا	وَلْيَخْشَ	اور چاہئے کہ ڈریں	الْيَتٰمٰى	یتیموں کے
الْوَالِدٰنِ	ماں باپ نے	الَّذِيْنَ	جو	ظُلْمًا	ناحق
وَ الْاَقْرَبُوْنَ	اور رشتہ داروں نے	لَوْ تَرَكُوْا	اگر چھوڑیں	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ
مِمَّا	اس میں سے جو	مِنْ خَلْفِهِمْ	اپنے پیچھے	يَاْكُلُوْنَ	کھاتے ہیں وہ
قَلَّ مِنْهُ	تھوڑا ہو اس میں سے	ذُرِّيَّةً	اولاد	فِىْ بُطُوْنِهِمْ	اپنے پیٹوں میں
اَوْ كَثُرَ	یا زیادہ	ضِعٰفًا	کمزور	نَارًا	آگ
نَصِيْبًا	حصہ	خَافُوْا	ڈریں وہ	وَ سَيَصْلَوْنَ	اور عنقریب داخل ہونگے وہ
مَّفْرُوْضًا	مقرر کیا ہوا	عَلَيْهِمْ	ان پر	سَعِيْرًا	دوزخ میں

عورتوں اور نابالغ لڑکوں کا بھی میراث میں حصہ ہے

زمانہ جاہلیت میں بیٹیوں کو — خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی — میراث نہیں دیتے تھے، اسی طرح نابالغ بیٹوں کو بھی

(۱) فلیتقوا: فاء جزائیہ ہے، اس کے بعد لو کا جواب محذوف ہے، أی: فلیقولوا قولا معروفا ولیتقوا۔

میراث نہیں دیتے تھے، صرف بڑے مرد جو دشمنوں سے مقابلہ کرسکیں وارث سمجھے جاتے تھے، جس کی وجہ سے یتیم بچوں کو میراث سے کچھ نہیں ملتا تھا، پس یہ آیت نازل ہوئی اور اجمالی طور پر بتادیا کہ ماں باپ اور دیگر قرابت داروں کے مالِ متروکہ میں سے مردوں کو — خواہ بچے ہوں یا جوان — اسی طرح عورتوں کو — خواہ بالغ ہوں یا نابالغ — حصہ دیا جائے، اور یہ حصے مقرر ہیں جن کا بیان آگے آئے گا۔ اس سے رسم جاہلیت کا ابطال ہوگیا اور یتیموں وغیرہ کے حقوق کی حفاظت ہوگئی (از فوائد)

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝﴾

ترجمہ: مردوں کا حصہ ہے اس میں جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے، اور عورتوں کا حصہ ہے اس میں جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے، خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ، مقرر کیا ہوا حصہ!

تقسیم میراث کے وقت غیر وارث رشتہ دار یا یتیم غریب آجائیں تو ان کو بھی کچھ دیا جائے

کسی کی میراث تقسیم ہورہی ہے، اس وقت ایسے رشتہ دار آئے جو وارث نہیں، یا یتیم بچے اور مسکین غریب آئے تو میراث میں سے ان کو بھی کچھ دینا چاہئے، جب ورثاء عاقل بالغ ہوں، پس باہمی رضامندی سے ان کو بھی کچھ دینا چاہئے، البتہ نابالغ کے حصہ میں سے نہیں دے سکتے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے، حالانکہ یہ منسوخ نہیں بلکہ تین آیتوں پر عمل کرنے میں لوگ سستی کرتے ہیں، ایک تقسیم میراث کی یہ آیت، دوسری استیذان کی آیت، لوگ بغیر اجازت گھر میں گھس آتے ہیں، تیسری: ﴿وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ﴾ یعنی انسانوں کی خاندانوں میں تقسیم محض تعارف کے لئے ہے، مگر لوگوں نے اس کو عزت وذلت کا مسئلہ بنالیا ہے۔

اور تقسیم میراث کے وقت آنے والوں کو کچھ دینا مستحب ہے، واجب نہیں، اس لئے لوگ عمل کرنے میں سستی کرتے ہیں، اور ﴿فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ترکہ میں سے ان آنے والوں کو بھی کچھ دو، اور ﴿وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ نہ دینا ہو تو ان کے ساتھ خوبی سے بات کرو، یعنی ان کا دل مت توڑو، ان سے کہو کہ معاف کرو، ورثاء کچھ دینے پر راضی نہیں، اس لئے ہم مجبور ہیں۔

﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝﴾

ترجمہ: اور جب تقسیم ترکہ کے وقت آموجود ہوں (دور کے) رشتہ دار اور یتیم اور غریب لوگ تو ان کو ترکہ میں سے کچھ دو، اور ان کے ساتھ خوبی سے بات کرو — ان کا دل مت توڑو!

سخت بات کہہ کر یتیم کا دل نہ توڑا جائے

ایک مثال فرض کرو: کوئی شخص ننھے مُنے بچے چھوڑ کر مرجائے، تو ان بچوں کے بارے میں اس کے کیا جذبات ہونگے؟ کوئی ان کے ساتھ سخت کلامی کرے تو اس کو کیسا لگے گا؟ دوسروں کے یتیم بچوں کے بارے میں بھی ہمارے یہی جذبات ہونے چاہئیں، ان کے لئے بھی ہمارے اندر وہی جذبۂ ترحم ہونا چاہئے۔ اور ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنا چاہئے، یہی سیدھی بات کرنا ہے۔

﴿ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑتے ہیں — یہ ایک مفروضہ مثال ہے — پس (وہ سخت بات کہہ کر یتیم کا دل نہ توڑیں، اور) اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات کہیں!

ناحق یتیم کا مال کھانا پیٹ میں انگارے بھرنا ہے

یہ یتامی کے حقوق کے سلسلہ کی آخری آیت ہے، آگے یتیموں اور عورتوں کا ترکہ میں مقررہ حصوں کے بیان کیا ہے، جو لوگ یتیم کا مال بلا استحقاق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں، اس کھانے کا انجام دوزخ ہے۔ یہ ارشاد درحقیقت یتیم کے ولی اور میت کے وصی کے لئے ہے، وہی کھاتا ہے، دوسرا تو اس کی نظر بچا کر کھاتا ہے، پس درجہ بہ درجہ اوروں کے لئے بھی یہ وعید ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ ناحق یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں انگارے بھرتے ہیں، اور وہ عنقریب دوزخ میں داخل ہونگے!

آج ۱۶ رشعبان ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۳ رمئی ۲۰۱۷ء کو تفسیر یہاں تک پہنچی، اب دو ماہ کا طویل سفر درپیش ہے اور رمضان بھی آرہا ہے، اس لئے آگے تفسیر رمضان کے بعد لکھی جائے گی: ان شاء اللہ

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِيٓ أَوْلَٰدِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ ٱثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَٰحِدَةً فَلَهَا ٱلنِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَٰحِدٍ مِّنْهُمَا ٱلسُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُۥ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُۥ وَلَدٌ وَوَرِثَهُۥٓ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ ٱلثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُۥٓ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ ٱلسُّدُسُ ۚ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ ءَابَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
يُوصِيكُمُ	حکم دیتے ہیں تمہیں	وَإِن كَانَتْ	اور اگر ہو (لڑکی)	لَّهُۥ	اس کے لئے
اللَّهُ	اللہ تعالیٰ	وَٰحِدَةً	ایک	وَلَدٌ	اولاد
فِيٓ أَوْلَٰدِكُمْ	تمہاری اولاد میں	فَلَهَا	تو اس کے لئے ہے	وَوَرِثَهُۥٓ	اور وارث ہوں اس کے
لِلذَّكَرِ	مذکر کے لئے ہے	ٱلنِّصْفُ	آدھا	أَبَوَاهُ	اس کے ماں باپ
مِثْلُ	مانند	وَلِأَبَوَيْهِ	اور میت کے والدین کیلئے	فَلِأُمِّهِ	تو اس کی ماں کیلئے ہے
حَظِّ	حصہ	لِكُلِّ وَٰحِدٍ	ہر ایک کے لئے	ٱلثُّلُثُ	تہائی
ٱلْأُنثَيَيْنِ	دو مؤنث کے	مِّنْهُمَا	دونوں میں سے ہے	فَإِن كَانَ لَهُۥٓ	پس اگر ہوں اس کے
فَإِن كُنَّ	پس اگر ہوں	ٱلسُّدُسُ	چھٹا حصہ	إِخْوَةٌ	بھائی (بہن)
نِسَآءً	عورتیں	مِمَّا تَرَكَ	اس میں سے جو چھوڑا اس نے	فَلِأُمِّهِ	تو اس کی ماں کے لئے
فَوْقَ	زیادہ	إِن كَانَ	اگر ہو	ٱلسُّدُسُ	چھٹا حصہ ہے
ٱثْنَتَيْنِ	دو سے	لَهُۥ	میت کے لئے	مِنۢ بَعْدِ	بعد
فَلَهُنَّ	تو ان کے لئے ہے	وَلَدٌ	اولاد	وَصِيَّةٍ	وصیت کے
ثُلُثَا	دو تہائی	فَإِن	پس اگر	يُوصِى بِهَآ (۱)	جس کی وصیت کی ہو
مَا تَرَكَ	اس کا جو چھوڑا اس نے	لَّمْ يَكُن	نہ ہو		اس نے

(۱) جملہ یوصی بہا: وصیۃ کی صفت ہے، اور یہ صفتِ کاشفہ ہے، جیسے سورۃ الانعام (آیت ۳۸) میں طائر کی صفت یطیر بِجَنَاحَیْہِ آئی ہے، صفتِ کاشفہ تحسینِ کلام کے لئے لائی جاتی ہے، کسی چیز سے احتراز مقصود نہیں ہوتا

اَوْ دَيْنٍ	یا (بعد) قرضہ کے	اَيُّهُمْ	ان میں سے کون	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
اٰبَآؤُكُمْ	تمہارے باپ	اَقْرَبُ لَكُمْ	قریب تر ہے تم سے	اِنَّ اللّٰهَ كَانَ	بے شک اللہ تعالیٰ ہیں
وَاَبْنَآؤُكُمْ	اور تمہارے بیٹے	نَفْعًا	نفع رسانی میں	عَلِيْمًا	خوب جاننے والے
لَا تَدْرُوْنَ	نہیں جانتے تم	فَرِيْضَةً	مقررہ حکم ہے	حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے

احکامِ میراث

ربط: شروع سورت سے —— پہلی آیت کے بعد سے —— یتامی کے، خاص طور پر یتیم لڑکیوں کے حقوق بیان ہورہے ہیں۔ ان کے ذیل میں آیت سات میں فرمایا ہے:﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝﴾: مردوں کے لئے حصہ ہے والدین اور رشتہ داروں کے متروکات میں سے، اور عورتوں کے لئے حصہ ہے والدین اور رشتہ داروں کے متروکات میں سے، خواہ متروکہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ، اور وہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔ اس ارشادِ پاک میں یتامی بھی شامل ہیں، پھر آیت دس ہے:﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝﴾: جو لوگ ناحق یتامی کے مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں انگارے بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب جہنم رسید ہونگے، اس آیت میں یتیموں کی میراث ہڑپ کر جانا بھی شامل ہے، اس لئے اب دو آیتوں میں میراث کے احکام بیان فرماتے ہیں، تاکہ یتامی کے حقوق کی حفاظت ہوجائے، اور زبردست ان کے اموال ظلماً نہ کھائیں۔

آیاتِ میراث کا شانِ نزول:

ترمذی شریف میں حدیث (نمبر ۲۰۹۲) ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی سعدؓ کی دو بیٹیوں کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں آئیں، اور عرض کیا: یارسول اللہ! یہ سعد بن الربیع کی بیٹیاں ہیں، ان کے ابا آپؐ کے ساتھ جنگ احد میں شہید ہوگئے ہیں، اور ان کے چچا نے سارا مال لے لیا ہے، پس دونوں کے لئے کوئی مال نہیں بچا، اور ان دونوں کی شادی اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب ان کے پاس کچھ مال ہو، نبی ﷺ نے فرمایا: **يَقْضِي اللّٰهُ فِي ذٰلِكَ**: اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں فیصلہ فرمائیں گے، چنانچہ میراث کی آیتیں نازل ہوئیں پس نبی ﷺ نے ان کے چچا کو بلایا، اور فرمایا: سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی دو، اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو، اور باقی آپ کا ہے عصبہ ہونے کی وجہ سے۔

فروضِ مقدّرہ: جن سہام کے ذریعہ ورثاء کے حصے متعین کئے گئے ہیں ان میں دو باتوں کا لحاظ کیا گیا ہے:

اول: وہ سہام واحد (ایک) کے ایسے واضح اجزاء ہیں جن کو حساب دان اور غیر حساب دان یکساں سمجھ سکتا ہے، عام لوگوں کو ایسی ہی باتیں بتلائی جاتی ہیں جن میں حساب کی گہرائی میں نہ اترنا پڑے۔

دوم: وہ سہام ایسے ہیں جن میں کمی زیادتی کی ترتیب اول وہلہ ہی میں ظاہر ہوجاتی ہے، شریعت نے جو سہام مقرر کئے ہیں ان کے دو زمرے بنتے ہیں: (۱) ثلثان، ثلث اور سدس (۲) نصف، ربع اور ثمن۔

ان سہام میں دو خوبیاں ہیں:

اول: ان سہام کا اصلی مخرج شروع کے دو عدد ہیں، یعنی دو اور تین سے یہ سب سہام نکلتے ہیں، نصف کا مخرج تو دو ہے ہی، ربع اور ثمن کا بھی یہی مخرج ہے، اس طرح کہ دو کا دوگنا چار ہے، جو ربع کا مخرج ہے، اور دو کا چار گنا آٹھ ہے، جو ثمن کا مخرج ہے، پس چار اور آٹھ مخرج فرعی ہیں۔ اسی طرح ثلث اور ثلثان کا مخرج تو تین ہے ہی، سدس کا مخرج بھی یہی ہے، اس لئے کہ تین کا دوگنا چھ ہے جو سدس کا مخرج ہے۔

اور ہر کسر کا مخرج وہ عدد ہوتا ہے جس کی طرف وہ کسر منسوب ہوتی ہے، مثلاً ثُمن (آٹھواں) آٹھ کی طرف منسوب ہے، 'واں' لاحقہ ہے جو عدد کے بعد نسبت کو ظاہر کرنے کے لئے لایا جاتا ہے، پس ثمن کا مخرج آٹھ ہے، یعنی ثمن نکالنا ہو تو ایک چیز کے آٹھ حصے کریں، اور ان میں سے ایک حصہ لیں تو وہ آٹھواں ہوگا، چھ حصے کرنے سے یا چار حصے کرنے سے ثمن نہیں نکلے گا۔

دوم: دونوں زمروں میں تین تین مرتبے پائے جاتے ہیں، جن میں تضعیف وتنصیف کی نسبت ہے، اس لئے محسوس اور واضح طور پر کمی بیشی کا پتہ چل جاتا ہے، ثلثان کا نصف ثلث ہے، اور ثلث کا نصف سدس ہے، اور سدس کا دوگنا ثلث ہے، اور اس کا دوگنا ثلثان ہے، اسی طرح دوسرے زمرے کو سمجھ لیں۔

میراث میں مرد کی برتری کی وجہ:

مرد اور عورت جب ایک ہی درجہ میں ہوں تو ہمیشہ مرد کو عورت پر ترجیح دی جاتی ہے، یعنی مرد کو میراث زیادہ دی جاتی ہے، جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی اور بھائی بہن جمع ہوں تو مرد کو عورت کا دوگنا ملتا ہے، اسی اصول پر شوہر کا حصہ بھی بیوی سے دوگنا رکھا گیا ہے۔ البتہ باپ اور ماں اور اخیافی بھائی بہن اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔

اور مرد کی عورت پر برتری دو وجہ سے ہے:

ایک: مرد جنگ کرتے ہیں اور اہل وعیال اور اموال واعراض کی حفاظت کرتے ہیں۔

دوم: مردوں پر مصارف کا بار زیادہ ہے، اس لئے مالِ غنیمت کی طرح بے مشقت اور بے محنت ملنے والی چیز کے مرد ہی زیادہ حقدار ہیں، اور عورتیں نہ جنگ کرتی ہیں نہ ان پر مصارف کا بار ہے، نکاح سے پہلے ان کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے، نکاح کے بعد شوہر کے ذمے، بیوہ ہو جائے تو اولاد کے ذمے، اولاد نہ ہو تو حکومت کے ذمے، حکومت کفالت نہ کرے تو مسلمانوں کے صالح معاشرہ کے ذمہ، اس لئے ان کو میراث سے حصہ کم دیا گیا ہے (تفصیل سورۃ النساء کی آیت ۳۴ میں آئے گی)

سوال: باپ اور ماں میں: مرد کی ترجیح کا ضابطہ کیوں جاری نہیں کیا گیا؟ اگر میت کی مذکر اولاد ہو تو ماں اور باپ دونوں کو سدس ملتا ہے۔ یہ برابری کیوں ہے؟

جواب: باپ کی فضیلت ایک مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے۔ جب میت کی صرف مؤنث اولاد ہو تو ماں کو سدس ملتا ہے، اور باپ کو ذوالفرض ہونے کی حیثیت سے سدس بھی ملتا ہے اور عصبہ ہونے کی وجہ سے بچا ہوا ترکہ بھی ملتا ہے۔ اب اگر دوبارہ اس کی فضیلت ظاہر کی جائے گی اور اس کا حصہ بڑھایا جائے گا تو دیگر ورثاء کا نقصان ہوگا، اس لئے مذکورہ صورت میں دونوں کو سدس سدس ملتا ہے۔

سوال: اخیافی بھائی بہن میں بھی مرد کی برتری کا قاعدہ جاری نہیں ہوتا۔ وہ تہائی میں شریک ہوتے ہیں۔ بہن کو بھی بھائی کے برابر حصہ ملتا ہے، ایسا کیوں ہے؟

جواب: اخیافی میں مرد کی برتری دو وجہ سے ظاہر نہیں ہوتی۔ ایک: اخیافی بھائی میت کے لئے اور اس کی قابل حفاظت چیزوں کے لئے جنگ نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ کبھی دوسری قوم کا ہوتا ہے، اس لئے اس کو بہن پر ترجیح نہیں دی گئی۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ اخیافی کا رشتہ ماں کے رشتہ کی فرع ہے۔ پس گویا اخیافی بھائی بھی عورت ہے۔ اس لئے اس کا حصہ اخیافی بہن کے مساوی ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ ۴: ۶۳۹)

﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۗ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کے حق میں تاکیدی حکم دیتے ہیں کہ مذکر کے لئے دو مؤنث کے حصہ کے برابر ہے ــــ پھر اگر اولاد دو سے زیادہ عورتیں ہوں تو ان کے لئے ترکہ کا دو تہائی ہے ــــ اور اگر ایک ہو تو اس کے لئے آدھا ہے۔

تفسیر:

۱- لڑکے کو لڑکی سے دوگنا ملنے کی وجہ ابھی بیان کی ہے۔

۲- ایک بیٹی کو نصف اس لئے ملتا ہے کہ جب ایک بیٹا ہوتا ہے تو سارا مال سمیٹ لیتا ہے، پس تنصیف و تضعیف کے

قاعدہ سے ایک بیٹی کو اس کا آدھا ملے گا۔

۳- دو بیٹیاں دو سے زیادہ کے حکم میں ہیں، یعنی ان کو بھی دو تہائی ملے گا، یہ بات اجماع سے ثابت ہے، اور اجماع کی بنیاد حضرت سعد بن الربیع کا واقعہ ہے جو شانِ نزول کے بیان میں گذرا ہے، اس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ دو لڑکیوں کو دو تہائی دو، نیز یہ حکم قرآنِ کریم سے بھی مستنبط ہے، سورۃ النساء کی آخری آیت میں کلالہ کی میراث کا بیان ہے، اس میں صراحت ہے کہ دو بہنوں کو دو تہائی ملے گا، پس دو بیٹیوں کو بدرجۂ اولیٰ دو تہائی ملے گا، کیونکہ بیٹیاں بہنوں کی بہ نسبت میت سے اقرب ہیں۔

سوال: دو یا زیادہ لڑکیوں کو دو تہائی دیا تو باقی ایک تہائی کس کے لئے ہے؟

جواب: باقی ایک تہائی عصبہ کے لئے ہے۔ اس لئے کہ بیٹیوں کے ساتھ بہنیں، یا بھائی یا چچا ہو سکتے ہیں۔ اور ان میں بھی سبب وراثت پایا جاتا ہے۔ لڑکیاں اگر خدمت وہمدردی اور مہر ومحبت کی وجہ سے وراثت پاتی ہیں تو عصبہ میں بھی معاونت کی شکل موجود ہے۔ بہن میں بھی یہی جذبات کسی درجہ میں پائے جاتے ہیں، اور بھائی اور چچا تو قائم مقامی بھی کرتے ہیں۔ پس ایک تعاون دوسرے تعاون کو ساقط نہیں کرے گا۔ اس لئے ایک تہائی عصبہ کے لئے باقی رکھا گیا ہے۔

سوال: جب لڑکیوں کی طرح عصبہ میں بھی تعاون کی شکل موجود ہے تو ان کے لئے صرف ایک تہائی کیوں رکھا؟ ان کو برابر کا شریک کیوں نہیں بنایا؟

جواب: لڑکیوں سے میت کا ولادت کا تعلق ہے۔ وہ سلسلہ نسب میں داخل ہیں۔ اور عصبہ اطراف کا رشتہ ہے۔ اس لئے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ لڑکیوں کو عصبہ سے زیادہ دیا جائے۔ اور زیادتی واضح طور پر دوگنا کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے لڑکیوں کو دو ثلث دیا گیا۔ اور عصبہ کے لئے ایک ثلث بچایا —— ایسا ہی اس وقت کیا گیا ہے جب لڑکے لڑکیوں کے ساتھ ماں باپ ہوں۔ والدین کو سدس سدس دیا جاتا ہے۔ اور دو سدس مل کر ثلث ہوتے ہیں۔ اور باقی دو ثلث لڑکے لڑکیوں کو دیا جاتا ہے۔

﴿ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ ﴾

ترجمہ: اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے اگر میت کی اولاد ہو —— اور اگر اس کی اولاد نہیں، اور والدین (ہی) اس کے وارث ہیں تو اس کی ماں کے لئے ایک تہائی ہے (اور باقی دو تہائی باپ کے لئے ہے) —— پھر اگر میت کے کئی بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔

والدین کی میراث

اس آیت میں والدین کی میراث کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

پہلی صورت — میت نے والدین چھوڑے، اور ساتھ ہی اولاد بھی، خواہ ایک ہی لڑکا یا ایک ہی لڑکی ہو، تو باپ کو سدس اور ماں کو سدس ملے گا۔ اور باقی ترکہ دیگر ورثاء کو ملے گا۔ پھر مذکر اولاد کی صورت میں تو کچھ نہیں بچے گا۔ کیونکہ وہ عصبہ ہوگی۔ پس باپ صرف ذوالفرض ہوگا۔ اور مؤنث اولاد ہوگی تو کچھ بچ جائے گا۔ وہ باپ کو مل جائے گا۔ اور باپ اس صورت میں ذوالفرض اور عصبہ دونوں ہوگا۔

اور اس حالت کی وجہ یہ ہے کہ والدین کے مقابلہ میں اولاد میراث کی زیادہ حقدار ہوتی ہے۔ اور برتری کی صورت یہی ہے کہ اولاد کو والدین سے دوگنا دیا جائے۔ والدین کے دو سدس مل کر ایک ثلث ہوں گے۔ اور باقی دو ثلث اولاد کو ملیں گے۔

سوال: مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہے، پھر والدین میں سے ہر ایک کو سدس کیوں دیا گیا؟ یہ تو دونوں کو برابر کر دیا؟

جواب: باپ کی برتری ایک مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ باپ کو ذوالفرض ہونے کے ساتھ عصبہ بھی بنایا ہے۔ اس لئے کہ وہ اولاد کی قائم مقامی اور حمایت بھی کرتا ہے۔ پس اسی فضیلت کا دوبارہ اعتبار کرنا اور اس کے حصہ کو دوگنا کرنا درست نہیں۔

دوسری صورت — مرنے والے کی نہ اولاد ہو، نہ دو بھائی، بہن ہوں تو ماں کو کل ترکہ کا تہائی اور باپ کو عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی دو ثلث ملے گا۔ البتہ اگر شوہر یا بیوی ہو تو ان کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ کا تہائی ماں کو، اور دو تہائی باپ کو ملے گا۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میت کی اولاد نہ ہو تو ترکہ کے سب سے زیادہ حقدار والدین ہیں، اس لئے وہ سارا ترکہ لیں گے۔ اور اس صورت میں باپ کو ماں پر ترجیح حاصل ہوگی۔ اور ترجیح کی صورت میراث کے اکثر مسائل میں دوگنا کرنا ہے۔ پس ماں کو ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی ملے گا — اور شوہر یا بیوی کی موجودگی میں ماں کو ثلث باقی اس لئے دیا جاتا ہے تاکہ ایک صورت میں ماں کا حصہ باپ سے بڑھ نہ جائے۔

اس کی وضاحت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں آئی ہے، آپؓ نے ثلثِ باقی کے مسئلہ میں فرمایا کہ اللہ مجھے ایسی الٹی سمجھ نہ دیں کہ میں ماں کو باپ پر ترجیح دوں (مسند دارمی ۲: ۳۴۵ کتاب الفرائض)

وضاحت: باپ کو اگر میت کی مذکر اولاد ہو تو سدس ملتا ہے۔ اور مؤنث اولاد ہو تو سدس بھی ملتا ہے اور عصبہ بھی ہوتا ہے۔ اور کسی طرح کی اولاد نہ ہو تو صرف عصبہ ہوتا ہے — اور ماں کو اگر میت کی کسی طرح کی اولاد ہو یا کسی طرح کے دو بھائی بہن ہوں تو سدس ملتا ہے۔ ورنہ ثلث ملتا ہے۔ البتہ اگر میت نے شوہر یا بیوی اور والدین چھوڑے ہوں تو

ماں کو ثلثِ باقی ملتا ہے یعنی شوہر یا بیوی کا حصہ دینے کے بعد جو بچے گا: اس کا تہائی ماں کو اور باقی باپ کو ملے گا — اس آخری مسئلہ میں صحابہ میں اختلاف تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی شاذ رائے یہ تھی کہ ماں کو حسب ضابطہ کل ترکہ کا تہائی ملے گا۔ اور جمہور صحابہ کی رائے یہ تھی کہ اس خاص صورت میں ماں کو ثلثِ باقی ملے گا، تاکہ ماں کا حصہ ایک صورت میں باپ سے زیادہ نہ ہوجائے۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ شوہر کے ساتھ والدین ہوں تو شوہر کو نصف یعنی چھ میں سے تین ملیں گے اور ماں کو کل مال کا ثلث دیا جائے گا تو اس کو دو ملیں گے اور باپ کے لئے صرف ایک بچے گا۔ اور ثلثِ باقی دیا جائے گا تو ماں کو ایک ملے گا اور باقی دو باپ کو ملیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد اسی صورت کے بارے میں ہے کہ ماں کو اس صورت میں کل مال کا ثلث کیسے دیا جاسکتا ہے؟ یہ تو الٹی بات ہوگئی۔ برتری مرد کو حاصل ہے نہ کہ عورت کو۔

تیسری صورت — مرنے والے کی اولاد تو نہ ہو، البتہ کسی بھی طرح کے دو یا زیادہ بھائی بہن ہوں، تو ماں کو سدس ملے گا۔ اور بھائی بہن باپ کی وجہ سے محروم ہوں گے۔ مگر ان کی وجہ سے ماں کا حصہ کم ہوجائے گا۔ یعنی حجب نقصان واقع ہوگا۔ اور باقی ترکہ اگر دوسرے ورثاء ہوں گے تو وہ لیں گے۔ اور جو بچ جائے گا وہ باپ کو ملے گا۔ اور اگر دوسرے ورثاء نہ ہوں تو باقی سارا ترکہ باپ کو ملے گا۔ اور اس صورت میں باپ صرف عصبہ ہوگا۔

اور اس صورت میں ماں کا حصہ کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت — میت کی دو یا زیادہ صرف بہنیں ہیں تو وہ عصبہ نہیں ہونگی، بلکہ ذوالفرض ہونگی، اور عصبہ چچا ہوگا، جو بہنوں سے دور کا رشتہ ہے۔ پس ماں اور بہنوں کی میراث کی بنیاد ایک ہوگی یعنی ہمدردی اور مہر ومحبت اور چچا کی میراث کی بنیاد دوسری ہوگی یعنی نصرت وحمایت۔ اس لئے آدھا ترکہ ماں اور بہنوں کا ہوگا اور آدھا عصبہ کا۔ پھر ماں اور دو بہنیں آدھا ترکہ آپس میں تقسیم کریں گی تو ماں کے حصہ میں ایک آئے گا۔ وہی اس کا حصہ ہے۔ اور ترکہ کے باقی پانچ: بہنوں اور چچا میں تقسیم ہوں گے بہنوں کو ثلثان یعنی چار ملیں گے، اور باقی ایک چچا کو ملے گا۔

دوسری صورت — اور اگر دو بھائی یا ایک بھائی اور ایک بہن ہو تو چونکہ یہ خود عصبہ ہیں، اس لئے ان میں وراثت کی دو جہتیں جمع ہونگی: ایک قرابتِ قریبہ یعنی ہمدردی اور محبت۔ دوسری: نصرت وحمایت۔ اور ماں میں وارثت کی ایک ہی جہت ہوگی یعنی محبت وہمدردی۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میت کے اور بھی ورثاء ہوتے ہیں۔ جیسے ایک بیٹی اور دو بیٹیاں اور شوہر، اس لئے ماں کو سدس ہی دیا جائے گا۔ تاکہ دوسرے ورثاء پر تنگی نہ ہو۔

وضاحت: اگر میت کی ماں، ایک بیٹی اور ایک بھائی اور ایک بہن ہو تو مسئلہ چھ سے بنے گا۔ اور سدس ماں کو، نصف بیٹی کو اور باقی دو بھائی بہن کو ملیں گے۔ اور ماں، دو بیٹیاں اور ایک بھائی اور بہن ہو تو بھی مسئلہ چھ سے بنے گا۔ اور سدس ماں کو، اور ثلثان بیٹیوں کو اور باقی ایک بھائی بہن کو ملے گا۔ اور شوہر، ماں اور ایک بھائی اور ایک بہن ہو تو بھی مسئلہ چھ سے بنے گا۔ اور نصف شوہر کو، سدس ماں کو اور باقی دو بھائی بہن کو ملیں گے۔

﴿ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِىْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ ﴾

ترجمہ: وصیت کے بعد جو میت نے کی ہو یا قرضہ کے بعد۔

تفسیر: آیتِ کریمہ میں وصیت کا ذکر پہلے ہے اور قرضہ کا بعد میں، جبکہ مسئلہ یہ ہے کہ پہلے تمام مال سے تجہیز و تکفین کی جائے گی، پھر جو بچے گا اس سے قرضہ ادا کیا جائے گا، پھر جو بچے کا اس کی تہائی سے وصیت نافذ کی جائے گی، پھر باقی ترکہ ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا، پس قرضہ کا نمبر دوسرا ہے اور وصیت کا تیسرا، مگر اس آیت میں اور اگلی آیت میں دو مرتبہ وصیت کا ذکر پہلے آیا ہے اور قرضہ کا بعد میں اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: کبھی کسی چیز کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے نفس الامر میں جو چیز مؤخر ہوتی ہے اس کو مقدم ذکر کرتے ہیں، جیسے سورۂ آل عمران کی آیت ۵۵ ہے: ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ ﴾: یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بیشک میں تم کو وفات دینے والا ہوں، اور (فی الحال) میں تم کو اپنی طرف اٹھائے لیتا ہوں (ترجمہ تھانوی رحمہ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نزول کے بعد ہوگی اور آسمان کی طرف اٹھایا جانا مقدم ہے، مگر آیت میں وفات کا تذکرہ پہلے ہے، اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے تاکہ کسی کو ان کے رفع سماوی سے دھوکا نہ ہو کہ وہ کوئی مافوق البشر ہستی ہیں، نہیں وہ بھی بشر ہیں ان کو بھی اپنے وقت پر موت آنی ہے، پھر رفع سماوی کا ذکر کیا تاکہ عیسائیوں کی طرح کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔

اب یہ مسئلہ سمجھنا چاہئے کہ جب کسی پر قرض ہوتا ہے تو مرنے کے بعد قرض خواہ تین دن انتظار نہیں کرتے، فوراً آجاتے ہیں کہ ہمارا قرضہ لاؤ، پس دَین کا مطالبہ کرنے والے بندے موجود ہیں اس کو تو جھک مار کر دینا ہوگا، اور وصیت وجوہ خیر میں ہوتی ہے، بندوں کی طرف سے اس کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ غریبوں کے لئے وصیت کی تو وہ کیا مطالبہ کریں گے؟ مدرسہ یا مسجد کے لئے وصیت کی تو مہتمم اور متولی آکر کیا مطالبہ کریں گے؟ ورثاء وصیت نافذ کریں تو وہ ممنون ہونگے، اس لئے وصیت کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اس کو مقدم کیا کہ اس کو معمولی چیز مت سمجھو، وہ اللہ کے نزدیک دَین سے بھی مقدم ہے۔

﴿ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ ﴾

ترجمہ: تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے: تم نہیں جانتے ان میں سے کون تمہارے لئے زیادہ نفع رساں ہے!

ترکیب: آباؤکم و أبناؤکم: مبتدا، لاتدرون خبر ہے۔

تفسیر: آیت کے اس حصہ میں یہ بیان ہے کہ توریث کی بنیاد نفع رسانی نہیں، کیونکہ کون کس کے لئے کتنا نفع رساں ہے: اس کو اللہ ہی جانتے ہیں، کبھی کسی دوست سے نفع پہنچتا ہے، کبھی بیٹے سے، کبھی باپ سے اور کبھی بھائی سے زیادہ نفع پہنچتا ہے، اس لئے نفع رسانی توریت کی بنیاد نہیں ہوسکتی، بلکہ میراث کی تین بنیادیں ہیں: میت کی قائم مقامی کرنا، ہمدری اور محبت اور نصرت وحمایت۔ اوران کے بھی مظانِ کلیہ کا اعتبار کیا گیا ہے، فرد کی خصوصیات کا اعتبار نہیں کیا، اس لئے بیٹے سب برابر ہیں، ایک زیادہ خدمت گذار ہے دوسرا کم اس کا اعتبار نہیں کیا۔ تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ میں معاملات کے بیان میں باب پنجم میں ہے۔

﴿ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ ﴾

ترجمہ: اللہ کی طرف سے مقرر کرنا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں۔

ترکیب: فریضةً: فعل محذوف کا مفعولِ مطلق ہے، أی فَرَضَ الله ذلك فريضة: یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے حصے ہیں، کسی کو دخل درمعقولات کرنے کا حق نہیں، اللہ خوب جاننے والے ہیں، انھوں نے جس کا جو حق تھا وہ دیا ہے اور وہ بڑی حکمت والے ہیں، انھوں نے حکمت کا لحاظ کر کے حصے مقرر کئے ہیں، ان کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں!

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے	وَلَهُنَّ	اور ان کے لئے	وَاِنْ كَانَ	اور اگر ہو
نِصْفُ	آدھا ہے	الرُّبُعُ	چوتھائی ہے	رَجُلٌ	کوئی آدمی
مَا تَرَكَ (۱)	اس سے جو چھوڑا ہے	مِمَّا	اس میں سے جو	يُّوْرَثُ (۲)	جو وارث بنایا گیا
اَزْوَاجُكُمْ	تمہاری بیویوں نے	تَرَكْتُمْ	چھوڑا ہے تم نے	كَلٰلَةً	بے پدر و پسر
اِنْ لَّمْ يَكُنْ	اگر نہ ہو	اِنْ لَّمْ يَكُنْ	اگر نہ ہو	اَوِ امْرَاَةٌ (۳)	یا کوئی عورت
لَّهُنَّ	ان کے لئے	لَّكُمْ	تمہارے لئے	وَّلَهٗٓ اَخٌ	اور اس کا بھائی ہے
وَلَدٌ	اولاد	وَلَدٌ	اولاد	اَوْ اُخْتٌ	یا بہن ہے
فَاِنْ كَانَ	پس اگر ہو	فَاِنْ كَانَ	پس اگر ہو	فَلِكُلِّ وَاحِدٍ	تو ہر ایک کے لئے
لَهُنَّ	ان کے لئے	لَكُمْ	تمہارے لئے	مِّنْهُمَا	دونوں میں سے
وَلَدٌ	اولاد	وَلَدٌ	اولاد	السُّدُسُ	چھٹا ہے
فَلَكُمُ	تو تمہارے لئے	فَلَهُنَّ	تو ان کے لئے ہے	فَاِنْ كَانُوْٓا	پس اگر ہوں وہ
الرُّبُعُ	چوتھائی ہے	الثُّمُنُ	آٹھواں ہے	اَكْثَرَ	زیادہ
مِمَّا	اس سے جو	مِمَّا	اس میں سے جو	مِنْ ذٰلِكَ	اس سے
تَرَكْنَ	چھوڑا ہے انھوں نے	تَرَكْتُمْ	چھوڑا ہے تم نے	فَهُمْ	تو وہ
مِنْ بَعْدِ	بعد	مِّنْ بَعْدِ	بعد	شُرَكَآءُ	ساجھی ہیں
وَصِيَّةٍ	وصیت کے	وَصِيَّةٍ	وصیت کے	فِي الثُّلُثِ	تہائی میں
يُّوْصِيْنَ	کر گئیں وہ	تُوْصُوْنَ	کی ہو تم نے	مِنْ بَعْدِ	بعد
بِهَآ	اس کو	بِهَآ	وہ وصیت	وَصِيَّةٍ	وصیت کے
اَوْ دَيْنٍ	یا (بعد) قرض کے	اَوْ دَيْنٍ	یا (بعد) قرض کے	يُّوْصٰى	کی گئی ہو

(۱) ما ترك: مضاف الیہ ہے، اور اضافت بواسطہ مِنْ ہے (۲) یورث: جملہ فعلیہ رجل کی صفت ہے، اور کلالۃ: کان کی خبر ہے، کلالۃ: باب ضرب کا مصدر ہے کَلَّ یَکِلُّ کُلالاً و کَلالۃ کے لغوی معنی ہیں: کمزور ہونا اور اصطلاحی معنی ہیں: وہ شخص جو مرنے کے بعد اپنے پیچھے نہ باپ دادا چھوڑے نہ اولاد (بیٹے پوتے) بلکہ اس کا وارث قرابتی ہو، یعنی بھائی بہن وارث ہوں، کلالہ کی تعریف سورۃ النساء کی آخری آیت میں آئے گی۔

بِهَآ	وہ وصیت	وَصِيَّةً (۲)	تاکیدی حکم ہے	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے
اَوْدَيْنٍ	یا (بعد) قرض کے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	حَلِيْمٌ	بڑے بردبار ہیں
غَيْرَ مُضَآرٍّ (۱)	نہ نقصان پہنچانے والی	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	۞	۞

زوجین کی میراث

زوجین کی میراث کے سلسلہ میں تین باتیں جاننی چاہئیں:

پہلی بات — زوجین کی میراث کی بنیاد — شوہر کو میراث دو وجہ سے ملتی ہے: ایک: شوہر کا بیوی اور اس کے مال پر قبضہ ہوتا ہے۔ پس سارا مال اس کے قبضہ سے نکال لینا اس کو ناگوار ہوگا۔ دوم: شوہر بیوی کے پاس اپنا مال امانت رکھتا ہے، اور اپنے مال کے سلسلہ میں اس پر اعتماد کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا قوی حق ہے اس چیز میں جو عورت کے قبضہ میں ہے۔ اور یہ ایک ایسا خیال ہے جو شوہر کے دل سے آسانی سے نہیں نکل سکتا۔ اس لئے شریعت نے عورت کے ترکہ میں شوہر کا حق رکھ دیا تا کہ اس کے دل کو تسلی ہو، اور اس کا نزاع نرم پڑے — اور بیوی کو خدمت، غم خواری اور ہمدردی کے صلہ میں میراث ملتی ہے۔

دوسری بات — زوجین کی میراث میں تفاضل — ارشاد پاک ہے: ''مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے'' اس ارشاد کے بموجب شوہر کو عورت پر برتری حاصل ہے۔ اور یہ بات پہلے آچکی ہے کہ میراث کے اکثر مسائل میں جو زیادتی معتبر ہے وہ دوگنے کی زیادتی ہے۔ چنانچہ شوہر کو عورت سے دوگنا دیا گیا۔ جس حالت میں عورت کو ربع ملتا ہے، شوہر کو نصف ملتا ہے۔ اور جس حالت میں عورت کو ثمن ملتا ہے، شوہر کو ربع ملتا ہے۔

تیسری بات — زوجین کی میراث میں اولاد کا خیال — شوہر اور بیوی کو اتنی میراث نہیں دی گئی کہ اولاد کے لئے ترکہ بس برائے نام بچے۔ بلکہ اولاد کا خیال رکھ کر زوجین کا حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں زوجین کو زیادہ دیا گیا ہے، اور اولاد ہونے کی صورت میں کم۔

﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ﴾

(۱) غیر مضار: وصیة کا حال ہے (۲) وصیة: مفعولِ مطلق ہے فعل محذوف کا۔

ترجمہ: اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں کے ترکہ کا آدھا ہے، اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو۔ اور اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو تمہارے لئے چوتھائی ہے اس مال میں سے جو وہ چھوڑ مریں۔ اس وصیت کے بعد جو وہ کر گئیں، یا ادائے قرض کے بعد ـــــ اور ان بیویوں کے لئے تمہارے ترکہ کا چوتھائی ہے، اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو۔ اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لئے تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ہے۔ اس وصیت کے بعد جو تم کر مرو یا ادائے قرض کے بعد۔

اخیافی بھائی بہن کی میراث

بھائی بہن دو طرح کے ہیں: سگے اور سوتیلے۔ سگے وہ ہیں جو ماں باپ دونوں میں شریک ہوں، ان کو حقیقی اور عینی بھی کہتے ہیں، اور سوتیلے دو طرح کے ہیں: ماں کی طرف سے سوتیلے، ان کو علاتی کہتے ہیں، اور باپ کی طرف سے سوتیلے، ان کو اخیافی کہتے ہیں۔

حقیقی اور علاتی بھائی عصبہ ہوتے ہیں، ذوی الفروض کے بعد جو ترکہ بچتا ہے: ان کو ملتا ہے، پھر حقیقی کی موجودگی میں علاتی محروم رہتے ہیں، اس لئے کہ حقیقی میت سے اقرب ہیں، ان کا رشتہ دوہرا ہے اور علاتی کا رشتہ اکہرا ہے اور علم میراث کا قاعدہ الأقرب فالأقرب ہے، ان کی میراث کا بیان سورۃ النساء کی آخری آیت میں آئے گا۔ یہاں اخیافی بھائی بہن کا ذکر ہے، اگرچہ ﴿ لَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ ﴾ میں کوئی قید نہیں، مگر حضرات ابن مسعود و ابی رضی اللہ عنہما کی قراءت من أم بڑھا ہوا ہے، وہ اگرچہ شاذ قراءت ہے، مگر شاذ قراءت بمنزلہ خبر واحد ہوتی ہے، اس لئے اس سے استدلال درست ہے۔

اخیافی بھائی بہن اگر ایک ہو تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ان کو تہائی ترکہ ملے گا، اور بھائی بہن ترکہ مساوی تقسیم کریں گے، بھائی کو بہن سے دوگنا نہیں ملے گا۔ اور دو یا زیادہ اخیافی بھائی بہن ماں کے لئے حجب نقصان کا سبب بنیں گے، اب ماں کو چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر ایک اخیافی بھائی یا بہن ہو تو ماں کا حصہ کم نہ ہوگا، وہ تہائی ترکہ پائے گی۔

غیر مضار کا مطلب: مضار: اسم فاعل واحد مذکر ہے، اصل میں باب مفاعلہ سے مُضَارِرٌ تھا، ضَرّ مادہ ہے، اس کے معنی ہیں: نقصان پہنچانے والا۔ اور جمہور مفسرین کے نزدیک غیر مضار: وصیة سے حال ہے، اور اس کے معنی ہیں: تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر کے وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے، اور یہ قید پہلی دو جگہوں میں بھی ملحوظ ہے۔ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے دین سے حال بنایا ہے، پس غیر مضار کا مطلب ہوگا: کسی کے قرض کا غلط اقرار کر کے وارثوں کو ضرر نہ پہنچائے۔

سوال: احکام کی آیات میں تکرار نہیں ہوتا، کیونکہ ان کا مقصد مسائل کا بیان ہے، البتہ تذکیر کی آیات میں تکرار ہوتا

ہے، کیونکہ ان کا مقصد قاری پر رنگ چڑھانا ہوتا ہے، پھر ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ﴾ چار مرتبہ کیوں لایا گیا ہے؟

جواب: جہاں نسخ یا تخصیص کا احتمال ہوتا ہے وہاں احکام کی آیات میں بھی تکرار ہوتی ہے، جیسے تیمّم اور روزوں کے بیان میں تکرار ہے، کیونکہ وہاں نسخ کا احتمال تھا، اور یہاں تخصیص کا احتمال تھا، اس لئے یہ قید بار بار آئی ہے۔

﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾﴾

ترجمہ: اور اگر وہ مرد جس کی میراث ہے کلالہ (بے پدر و پسر) ہو یا ایسی کوئی عورت ہو، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، پس اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو وہ تہائی میں ساجھی ہونگے، وصیت کے بعد جو وہ کر مرا ہو یا قرضے کے بعد، درانحالیکہ وہ نقصان پہنچانے والا نہ ہو، یہ اللہ کی طرف سے تاکیدی حکم ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑے ہی بردبار ہیں —— ایک دم نہیں پکڑتے، وقت پر دیکھ لیں گے!

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤﴾ ع

تِلْكَ(۱)	وہ	وَرَسُولَهُ	اور اس کے رسول کی	الْأَنْهَارُ	نہریں
حُدُودُ(۲)	سرحدیں ہیں	يُدْخِلْهُ	داخل کریں گے اس کو	خَالِدِينَ	ہمیشہ رہنے والے
اللَّهِ	اللہ کی	جَنَّاتٍ	باغات میں	فِيهَا	ان میں
وَمَنْ يُطِعِ	اور جو اطاعت کرے	تَجْرِي	بہتی ہیں	وَذَٰلِكَ	اور وہ
اللَّهَ	اللہ کی	مِنْ تَحْتِهَا(۳)	ان میں	الْفَوْزُ الْعَظِيمُ	بڑی کامیابی ہے

(۱) تلك (اسم اشارہ بعید برائے واحد مؤنث) بمعنی هذه (اسم اشارہ قریب برائے واحد مؤنث) بکثرت آتا ہے، یہاں مشار الیہ احکامِ میراث ہیں، وہی قریب بیان ہوئے ہیں (۲) حدود: حَدّ کی جمع: سرحد، ڈانڈا، سرکل، گاؤں کی زمین کا آخر، ہر چیز کی نہایت (۳) من تحتها: محاورہ ہے، اس کے لفظی معنی: ان کے نیچے: مراد نہیں، اس کا صحیح ترجمہ: ان میں ہے، دیکھیں سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۶۔

وَمَنْ يَّعْصِ	اور جو نافرمانی کرے	حُدُوْدَهٗ	اس کی حدود سے	فِيْهَا	اس میں
اللّٰهَ	اللہ کی	يُدْخِلْهُ	داخل کریں گے اس کو	وَلَهٗ	اور اس کے لئے
وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کی	نَارًا	بڑی آگ میں	عَذَابٌ	سزا ہے
وَيَتَعَدَّ (۱)	اور تجاوز کرے	خَالِدًا	ہمیشہ رہنے والا	مُّهِيْنٌ	ذلیل کرنے والی

احکامِ میراث پر عمل کرنے کی ترغیب اوران کی خلاف ورزی پر ترہیب

ترغیب: رغبت دلانا، شوق دلانا۔ ترہیب: ڈرانا، خوف زدہ کرنا، مرعوب کرنا۔

دوآیتوں میں میراث کے احکام بیان کئے، اب دوآیتوں میں ان کے سلسلہ میں ترغیب وترہیب ہے، پہلے تین باتیں جان لیں:

۱- قرآنِ کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ احکام کے بیان کے بعد: ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، اوران کی مخالفت سے ڈراتا ہے، اسی کا نام تقوی ہے، تقوی ہی احکام پر عمل کراتا ہے، قانون کو تو لوگ نظرانداز کردیتے ہیں، ان سے بچنے کی راہ نکال لیتے ہیں، اور تقوی (اللہ کا ڈر) دل کے تقاضے سے احکام کا پابند بناتا ہے، اس لئے احکامِ میراث بیان کرکے ان پر عمل کا شوق دلاتے ہیں، اوران کی مخالفت سے ڈراتے ہیں۔

۲- سرحدیں (دائرے) دو ہیں: ایک: دینداری کا دائرہ، دوسرا: دین کا دائرہ، پہلا چھوٹا دائرہ ہے، اور دوسرا بڑا، جو شخص پہلے دائرہ سے نکلجاتا ہے وہ فاسق کہلاتا ہے، مگر وہ مسلمان رہتا ہے، اور جو بڑے دائرے سے نکل جاتا ہے وہ اسلام ہی سے نکل جاتا ہے، اور وہ مرتد کہلاتا ہے۔

پس احکام میراث پر عمل نہ کرنے کی دوصورتیں ہیں: اول: اللہ کے حکم کو مانتا ہے، مگر مال کے لالچ میں وارث کا حق مارتا ہے تو وہ فاسق ہے، گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ دوم: اللہ کے حکم ہی کو نہیں مانتا، حلال جان کر دوسرے وارث کا حق مارتا ہے تو وہ اسلام کے دائرے سے نکل جاتا ہے، آیتِ کریمہ دونوں صورتوں کو شامل ہے، بلکہ زیادہ روئے سخن دوسری صورت کی طرف ہے۔

۳- میراث کے احکام زیادہ تر قرآنِ کریم میں مذکور ہیں، اور بعض احکام حدیثوں میں ہیں، جیسے حقیقی بھائی علاتی بھائی کو محروم کرتا ہے (مشکوۃ حدیث ۳۰۵۷) اور بعض احکام اجماع امت سے ثابت ہیں، جیسے باپ کی عدم موجودگی میں دادا بمنزلہٗ باپ ہوتا ہے، اس لئے دونوں آیتوں میں ﴿وَرَسُوْلَهٗ﴾ بھی آیا ہے۔

(۱) تعدّی تعدِّیا: تجاوز کرنا، حد سے بڑھنا، دائرہ سے نکل جانا۔

ترغیب: —— یہ (احکامِ میراث) اللہ کی قائم کی ہوئیں حدیں ہیں، اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا: وہ اس کو باغات میں داخل کریں گے، جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور وہ بڑی کامیابی ہے۔

ترہیب: —— اور جو شخص نافرمانی کرے گا، اللہ کی اور اس کے رسول کی، اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا: وہ اس کو بڑی آگ میں داخل کریں گے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کے لئے رسوا کن سزا ہے!

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾

وَالّٰتِیْ[1]	اور جو (عورتیں)	فِی الْبُیُوْتِ	گھروں میں	فَاٰذُوْهُمَا	پس تکلیف پہنچاؤ ان کو
یَاْتِیْنَ	آئیں وہ	حَتّٰی	یہاں تک کہ	فَاِنْ	پھر اگر
الْفَاحِشَةَ	بدکاری کو	یَتَوَفّٰهُنَّ[2]	روح قبض کرے ان کی	تَابَا	توبہ کرلیں دونوں
مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ	تمہاری عورتوں میں سے	الْمَوْتُ	موت	وَاَصْلَحَا	اور اصلاح کرلیں وہ
فَاسْتَشْهِدُوْا	پس گواہی لو تم	اَوْ یَجْعَلَ	یا بنائیں	فَاَعْرِضُوْا	تو روگردانی کرو تم
عَلَیْهِنَّ	ان پر	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	عَنْهُمَا	ان دونوں سے
اَرْبَعَةً	چار کی	لَهُنَّ	ان کے لئے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مِّنْكُمْ	تم میں سے	سَبِیْلًا	کوئی راہ	كَانَ تَوَّابًا	بڑے توبہ قبول کرنے
فَاِنْ	پس اگر	وَالَّذٰنِ	اور جو دو مرد		والے ہیں
شَهِدُوْا	گواہی دیں وہ	یَاْتِیٰنِهَا[3]	آئیں وہ فاحشہ کو	رَّحِیْمًا	بڑے مہربان ہیں
فَاَمْسِكُوْهُنَّ	تو روکو ان کو	مِنْكُمْ	تم میں سے	❁	❁

اہانت آمیز سزا کی دو مثالیں

﴿عَذَابٌ مُّهِیْنٌ﴾: جو احکامِ میراث کی خلاف ورزی کرے گا اس کو رسوا کن سزا ملے گی، یہ ارشاد عام ہے، دنیا

(۱) اللاتی: اللتی کی جمع: اسم موصول جمع مؤنث (۲) توفّی اللہ فلانا: روح قبض کرنا، وفات دینا (۳) ھا: کا مرجع الفاحشة ہے۔

کی سزا کو بھی شامل ہے، بلکہ روئے سخن دنیوی سزا کی طرف ہے، کیونکہ ﴿ يُدۡخِلۡهُ نَارًا ﴾ میں اخروی سزا کا ذکر آ گیا ہے، اس لئے اب دو آیتوں میں دنیوی سزا کی دو مثالیں بیان فرماتے ہیں:

پہلی مثال: کوئی عورت زنا کی مرتکب ہو تو ضابطہ کی کارروائی کی جائے، چار آزاد، عاقل، بالغ، دیندار مردوں کی گواہی لی جائے، اگر وہ گواہی دیں تو عورت کو تاحیات گھر میں نظر بند رکھا جائے، نہ وہ گھر سے نکلے نہ کوئی عورت اس سے ملے، یہ اس کے لئے دنیوی رسوا کن سزا ہے، اور آخرت کی سزا آگے ہے۔

پھر دو صورتیں ہیں:

۱- یا تو نظر بندی کی حالت میں مر جائے، اس حالت میں اگر سچی توبہ کر لی ہے تو آخرت میں سزا نہیں ملے گی، ورنہ آخرت میں بھی سزا ملے گی۔

۲- یا اللہ تعالیٰ اس کو گھر سے نکالنے کی کوئی راہ تجویز فرما دیں تو اس پر عمل کیا جائے، یہ راہ بعد میں نکالی، زنا کی سزا نازل فرمائی، اگر وہ عورت کنواری ہے تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں، اور شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے۔

دوسری مثال: دو مسلمان مرد فاحشہ (اغلام) کا ارتکاب کریں تو دونوں کو سخت تکلیف پہنچائی جائے، یہ دونوں کے لئے دنیا میں سخت رسوا کن سزا ہے۔

پھر اگر دونوں توبہ کر لیں، اور احوال درست کر لیں تو ان کو نظر انداز کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیں گے، وہ بڑے مہربان ہیں، اور حدیث میں ہے: التائب من الذنب کمن لاذنب له: گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے، لہٰذا اب ان کو مزید رسوا نہ کیا جائے۔

پہلی آیت: اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان پر اپنوں میں سے —— مسلمانوں میں سے —— چار آدمیوں کی گواہی لو، پس اگر وہ گواہی دیں تو ان کو اس وقت تک گھروں میں نظر بند رکھو جب تک ان کو موت نہ آ جائے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راہ تجویز نہ فرما دیں۔

سوال (۱): یہ تو زانیہ کی سزا ہوئی، زانی کو کیا سزا دی جائے گی؟

جواب: اس کو وہ سزا دی جائے گی جو اگلی آیت میں آ رہی ہے، اسی لئے دوسری مثال لائے ہیں، اس کی سخت مار پٹائی کی جائے، اور سر عام رسوا کیا جائے، مگر نظر بند نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ بات مرد کے موضوع کے خلاف ہے، اس کو زندگی گذارنے کے لئے کمانا پڑے گا، لوگوں سے ملنا ہوگا، اس لئے اس کو نظر بند نہیں رکھا جائے گا۔

سوال (۲): زانی آزاد رہے گا تو پھر فاحشہ وجود میں آئے گا، کسی دوسری عورت کے ساتھ منہ کالا کرے گا؟ اس لئے اس کو بھی نظر بند کر دینا چاہئے؟

جواب: اسلامی معاشرہ میں فاحشہ آسانی سے وجود میں نہیں آتا، جس معاشرہ میں ہر مرد وزن نمازی اور شادی شدہ ہوں وہاں زنا نہیں پایا جاسکتا، البتہ معاشقہ کے نتیجہ میں یہ برائی پائی جاسکتی ہے عشق آدمی کو اندھا کردیتا ہے، پس ایک فریق کو نظر بند کرنا فاحشہ کے سدّ باب کے لئے کافی ہے۔

سوال (۳): جب زنا کی سزا آ گئی تو آیت منسوخ ہوگئی، پھر یہ آیت قرآن میں کیوں باقی ہے؟

جواب: سب اسلامی حکومتوں میں زنا کی سزا کہاں جاری ہے؟ اور مسلمان تو بڑی تعداد میں غیر اسلامی ملکوں میں بھی بستے ہیں، وہاں اس آیت پر عمل ہوگا، اس لئے آیت باقی رکھی گئی ہے۔

سوال (۴): مسلمانوں کے جن ملکوں میں زنا کی سزا نافذ نہیں یا غیر اسلامی ملک میں اس آیت پر کس طرح عمل کیا جائے گا؟

جواب: پہلے قبائلی نظام تھا، ماضی قریب تک قوم پر پنچائتوں کا کنٹرول تھا، وہ اس آیت پر عمل کریں گے، مگر اب قبائلی نظام درہم برہم ہوگیا ہے، اور پنچائتوں نے بھی طرف داری شروع کردی تو ان کا کنٹرول بھی ختم ہوگیا، اور پچاس فیصد مرد وزن بے نمازی ہوگئے، اور جہیز اور تلک کی لعنت کی وجہ سے جوان لڑکے اور لڑکیاں کنواری بیٹھی ہیں، اس لئے **إلی اللہ المشتکی!**

دوسری آیت: اور تم میں سے جو دو مرد فاحشہ کا ارتکاب کریں تو ان کو تکلیف پہنچاؤ —— سخت پٹائی کرو، ان کے لئے قرآنِ کریم میں تو کوئی سزا نازل نہیں کی گئی، البتہ احادیث میں دونوں کو قتل کرنے کی سزا آئی ہے، مگر ان روایات میں اضطراب ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان کا اضطراب واختلاف واضح کیا ہے، اور فقہائے کرام میں بھی اس کی سزا میں اختلاف ہے، تفصیل کے لئے تحفۃ الالمعی شرح سنن ترمذی (۳۹۲:۴) دیکھیں۔

البتہ اتنی بات پر تمام فقہاء متفق ہیں کہ فاعل ومفعول دونوں کو سخت سزا دی جائے گی، البتہ اگر مفعول پر زبردستی کی گئی ہے تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی، جیسے زنا میں اگر عورت سے زبردستی زنا کیا ہے تو اس کو سزا نہیں دی جاتی۔

باقی آیت: پھر اگر دونوں توبہ کرلیں، اور دونوں اصلاح کرلیں تو دونوں سے روگردانی کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والے، بڑے رحم والے ہیں —— یعنی توبہ تاللہ سے دونوں کا آخرت کا معاملہ کلیر ہوجائے گا، اور یہ بات پہلی آیت میں بھی جائے گی، بدکار عورت بھی اگر سچی پکی توبہ کرے تو وہ بھی آخرت کے عذاب سے بچ جائے گی۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰٓئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ

لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

اِنَّمَا	سوائے اس کے نہیں کہ	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	اِنِّىْ	بے شک میں
التَّوْبَةُ	توبہ	عَلِيْمًا	سب کچھ جاننے والے	تُبْتُ	توبہ کرتا ہوں
عَلَى اللّٰهِ [1]	اللہ پر	حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے	الْـٰٔنَ	اب!
لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے ہے جو	وَلَيْسَتِ	اور نہیں ہے	وَلَا الَّذِيْنَ [5]	اور نہ ان کے لئے جو
يَعْمَلُوْنَ	کرتے ہیں	التَّوْبَةُ	توبہ	يَمُوْتُوْنَ	مرتے ہیں
السُّوْٓءَ [2]	برا کام	لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے جو	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
بِجَهَالَةٍ [3]	نادانی (حماقت) سے	يَعْمَلُوْنَ	کرتے ہیں	كُفَّارٌ	اسلام کا انکار کرنے
ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ	پھر توبہ کرتے ہیں	السَّيِّاٰتِ	برائیاں		والے ہیں
مِنْ قَرِيْبٍ [4]	جلد ہی	حَتّٰٓى	یہاں تک کہ	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ
فَاُولٰٓئِكَ	تو وہی لوگ	اِذَا حَضَرَ	جب آموجود ہوتی ہے	اَعْتَدْنَا	تیار کیا ہے ہم نے
يَتُوْبُ	توجہ فرماتے ہیں	اَحَدَهُمُ	ان میں سے کسی کے پاس	لَهُمْ	ان کے لئے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	الْمَوْتُ	موت	عَذَابًا	عذاب
عَلَيْهِمْ	ان پر	قَالَ	(تو) کہا اس نے	اَلِيْمًا	دردناک

اللہ کی بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں، توبہ کا دروازہ کھلا ہے!

ربط: فرمایا تھا کہ فاحشہ عورت اور بدکاری کرنے والے مرد بھی توبہ کریں، اور خود کو سنوار لیں تو ان کا گناہ ڈھل جائے گا، اب اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ مایوسی کی بارگاہ نہیں، ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے:

(۱) **علی:** لزوم کے لئے آتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ جو چاہیں لازم کریں، بندے ان کے ذمہ کوئی چیز لازم نہیں کر سکتے (۲) **السوء:** مفرد ہے، اور اگلی آیت میں **السیئات:** جمع ہے، اس میں نکتہ ہے جو تفسیر میں بیان کیا جائے گا (۳) **جہالت کے معنی:** مسئلہ نہ جاننا نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی حماقت کے ہیں (۴) **من قریب:** یعنی نزع شروع ہونے سے پہلے، یہ آخرت کے اعتبار سے قریب زمانہ ہے (۵) **الذین:** محل جر میں ہے، پہلے **الذین** پر معطوف ہے۔

ایں درگہِ ما درگہِ نو میدی نیست ❁ صد بار گر توبہ شکستی باز آ

(اللہ کی بارگاہ: مایوسی کی بارگاہ نہیں ❁ سو بار بھی توبہ توڑی ہے، پھر بھی توبہ کر!)

مگر توبہ اس کی مقبول ہے جو حماقت سے گناہ کر بیٹھا ہو، کیونکہ مؤمن قصد وارادہ سے اور جان بوجھ کر گناہ کرے: یہ بات اس کی شان کے خلاف ہے، بھلا جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے: وہ اللہ کے احکام کی خلاف روزی کیسے کرے گا؟ اور بار بار برائی کیسے کرے گا؟ ہاں ایک آدھ بار گناہ ہو جائے: یہ ممکن ہے، اور وہ بھی حماقت سے، پھر جلد سے جلد اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے تو اللہ اس کو گلے سے لگا لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہیں، وہ دلوں کے احوال سے واقف ہیں اور ایسے بندوں کو بارگاہ سے بدر کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔

فائدہ(۱): اور جو شخص قصد وارادہ سے بار بار گناہ کرے، پھر موت سے پہلے توبہ کرلے تو اس کی توبہ بھی مقبول ہے، مگر یہاں اللہ پاک نے اس کا ذکر نہیں کیا، دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ اس کی توبہ بھی مقبول ہے، مگر یہاں اس کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ قرآنِ کریم غیر احسن (نامناسب بات) کا ذکر نہیں کرتا، تاکہ اس کو اعتباریت کا پروانہ نہ مل جائے، جیسے تیسری طلاق کا ذکر نہیں کیا، بلکہ فرمایا: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ پھر آگے تیسری طلاق کی سزا بیان کی کہ تیسری طلاق دے گا تو حلالہ کی ضرورت پڑے گی، جو شوہر کی غیرت کے خلاف ہوگی۔

فائدہ(۲): گناہ پر اقدام کی تین صورتیں ہیں:

اول: بندہ کبھی بھی کسی گناہ پر اقدام نہ کرے: یہ شان فرشتوں اور انبیاء کی ہے۔

دوم: گناہ کرے اور اس پر اڑے، اس کو ندامت نہ ہو: یہ کام شیطان کا ہے۔

سوم: کبھی حماقت سے گناہ ہو جائے تو عرقِ انفعال (ندامت) سے اس کو دھو ڈالے، توبہ کرے: یہ بات عام انسانوں سے ممکن ہے: اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔

فائدہ(۳): سچی توبہ کے لئے تین شرطیں ہیں:

اول: گناہ پر ندامت اور شرمساری ہو، حدیث میں ہے: **إنما التوبة الندم:** ندامت ہی توبہ ہے۔

دوم: جو گناہ سرزد ہو گیا ہے اس سے باز آجائے، آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے، ورنہ بار بار گناہ کرتے رہنا اور توبہ توبہ پکارتے رہنا: توبہ کا مذاق اڑانا ہے!

سوم: مافات کی تلافی کرے، نمازیں فوت ہوئی ہیں تو قضا کرے، روزے چھوڑے ہیں ان کی قضا کرے، زکات نہیں دی تو گذشتہ کی زکات دے، کسی کا حق مارا ہے تو اس کو واپس کرے یا معاف کرائے۔

یہ تین باتیں جمع ہونگی تو سچی توبہ ہوگی، اسی کو قبول کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔

آیتِ کریمہ: توبہ (قبول کرنا) اللہ کے ذمہ انہی لوگوں کے لئے ہے جو حماقت سے برائی کر گذرتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں۔

دو شخصوں کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتے

فرمایا تھا کہ جس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، اور وہ جلد ہی توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ ضرور قبول فرماتے ہیں، مگر دو شخصوں کی توبہ قبول نہیں فرماتے: ایک: جو برابر گناہ کرتا رہا، اور موت تک توبہ نہیں کی تو اس کو جہنم میں جانا پڑسکتا ہے، مگر ایمان کی وجہ سے وہ کسی نہ کسی دن نجات پائے گا۔ دوسرا: وہ جو موت تک اسلام کا انکار کرتا رہا، ایمان نہیں لایا، تو اس کے لئے بھی دوزخ کا عذاب تیار ہے، اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہے گا، کیونکہ کافر مرا ہے، اور دونوں میں فرق دوسرے دلائل سے ثابت ہے، اس آیت میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا، پس معتزلہ اور خوارج کا اس سے استدلال کرنا کہ مرتکبِ کبیرہ جو توبہ کے بغیر مر گیا مخلّد فی النار ہوگا: صحیح نہیں، کیونکہ اس مسئلہ سے اس آیت میں تعرض نہیں کیا گیا۔

دوسری آیت کا ترجمہ: اور توبہ (مقبول) نہیں ان کی جو برائیاں کرتے رہتے ہیں —— اور توبہ نہیں کرتے —— تا آنکہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ کھڑی ہوئی —— اور دوسری دنیا منکشف ہوگئی —— تو کہتا ہے: میں اب توبہ کرتا ہوں! اور نہ ان لوگوں کی جو حالتِ کفر میں مرتے ہیں، ان لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾ وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ﴿٢٠﴾ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٢١﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	اے لوگو جو	آمَنُوا	ایمان لائے	لَا يَحِلُّ لَكُمْ	نہیں جائز تمہارے لئے

اَنْ تَرِثُوا	کہ وارث بنو تم	فَعَسٰٓی	تو ہو سکتا ہے	مِنْهُ شَيْئًا	اس میں سے کچھ
النِّسَآءَ	عورتوں کے	اَنْ تَكْرَهُوْا	کہ ناپسند کرو تم	اَتَاْخُذُوْنَهٗ	کیا لیتے ہو تم اس کو
كَرْهًا (۱)	ناگواری کے باوجود	شَيْئًا	کسی چیز کو	بُهْتَانًا (۵)	بہتان تراش کر
وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ (۲)	اور نہ روکو ان کو	وَّيَجْعَلَ	اور گردانیں	وَّاِثْمًا	اور گناہ کے طور پر
لِتَذْهَبُوْا	تاکہ لے لو تم	اللّٰهُ فِيْهِ	اللہ تعالیٰ اس میں	مُّبِيْنًا	صریح
بِبَعْضِ	کچھ	خَيْرًا كَثِيْرًا	بہت خوبی	وَكَيْفَ	اور کیسے
مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ	اس کا جو دیا تم نے ان کو	وَاِنْ اَرَدْتُّمُ	اور اگر چاہو تم	تَاْخُذُوْنَهٗ	لیتے ہو تم اس کو
اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	اسْتِبْدَالَ	بدلنا	وَقَدْ اَفْضٰى (۶)	جبکہ پہنچ چکا ہے
يَّاْتِيْنَ	ارتکاب کریں	زَوْجٍ	ایک بیوی کو	بَعْضُكُمْ	تمہارا ایک
بِفَاحِشَةٍ (۳)	بے حیائی	مَّكَانَ زَوْجٍ	دوسری بیوی سے	اِلٰى بَعْضٍ	دوسرے تک
مُّبَيِّنَةٍ	صریح کا	وَّاٰتَيْتُمْ	اور دیا ہو تم نے	وَّاَخَذْنَ	اور لیا ہے انھوں نے
وَعَاشِرُوْهُنَّ	اور رہو سہو ان کے ساتھ	اِحْدٰىهُنَّ	ان کے ایک کو	مِنْكُمْ	تم سے
بِالْمَعْرُوْفِ	بھلے انداز سے	قِنْطَارًا (۴)	مالِ کثیر	مِّيْثَاقًا	عہد (پیمان)
فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ	پس اگر ناپسند کرو تم ان کو	فَلَا تَاْخُذُوْا	تو نہ لو تم	غَلِيْظًا	گاڑھا (پکا)

میت کی بیوی ترکہ نہیں پس اس پر زبردستی قبضہ جائز نہیں

احکامِ میراث کے بعد ترغیب وترہیب کا بیان آیا تھا، پھر رسوا کن عذاب کی دو مثالیں بیان کی تھیں، پھر بات آگے بڑھائی تھی کہ موت تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے، البتہ جب جان کنی شروع ہوجائے تو توبہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے، اس طرح بات پھیلتی چلی گئی تھی، اب مضمون پیچھے کی طرف لوٹ رہا ہے۔

(۱) كَرْهًا: مصدر: بمعنی اسم فاعل، ناگوار بات: النساء سے حال، وہ ناگوار بات جس کو طبیعت کے تقاضے سے برداشت کیا جائے كُرْهٌ (کاف کے پیش کے ساتھ) ہے، اور جو خارجی دباؤ سے برداشت کی جائے وہ كَرْهٌ (کاف کے زبر کے ساتھ ہے) (۲) عَضَلَ (ن) المرأة: عورت کو ظلماً شادی سے روکنا۔ (۳) فاحشة مبينة: کھلی بے حیائی یعنی نشوز، نافرمانی، بدزبانی وغیرہ (۴) قنطار: ایک وزن جو مختلف ملکوں میں مختلف ہوتا تھا، مصر میں سو رطل سونا ہوتا تھا مراد مالِ کثیر ہے۔ (۵) بهتانا اور إثما مبينا ایک ہیں، الزام تراشی: کھلا گنا ہے (۶) أفضى إليه: پہنچنا یعنی جماع یا خلوتِ صحیحہ۔

فرماتے ہیں: مرنے والے کی بیوی میت کا ترکہ نہیں، میت کے ورثاء اس کی بیوی پر زبردستی قبضہ نہیں کرسکتے، جاہلیت کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی شخص مرتا تو وارثوں میں کوئی اس کی بیوی پر چادر ڈال دیتا، اس طرح بیوی اس کی میراث ہوجاتی، پھر اگر اس سے نکاح جائز ہوتا، جیسے جیٹھ دیور سے نکاح جائز ہے تو وہ بغیر مہر کے اس سے نکاح کرلیتا، اور اگر نکاح جائز نہ ہوتا یا خود نکاح کرنا نہ چاہتا تو کسی اور سے نکاح کردیتا، اور مہر خود وصول کرلیتا، جبکہ میت کی بیوی اس کو پسند نہیں کرتی تھی، مگر وہ مجبور ہوتی تھی، اس ظلم کا ان آیتوں میں دروازہ بند کیا ہے کہ زبردستی ایسا کرنا جائز نہیں، ہاں اگر عورت جیٹھ دیور سے نکاح کرنے پر راضی ہو، اور وہ مہر دے کر نکاح کرے تو جائز ہے، اسی طرح کبھی عورت بے سہارا ہوتی ہے، اس کا میکہ نہیں ہوتا، پس اگر میت کے ورثاء عدت کے بعد کسی جگہ اس کے نکاح کا انتظام کریں تو عورت کی رضامندی سے مہر کے ساتھ اس کا نکاح کردینا بھی درست ہے۔

اس ظلم کے سدّ باب کے ساتھ ایک دوسرے ظلم کا بھی سد باب کیا ہے، **الشیئ بالشیئ یُذکر**: بات میں سے بات نکلتی ہے، اور وہ دوسرا ظلم خود شوہر کرتا تھا، اور اس کی دو صورتیں ہوتی تھیں:

پہلی صورت: بیوی ناپسند ہوتی، اس لئے چھوڑنا چاہتا، مگر دیا ہوا مال: مہر زیور وغیرہ واپس لینا چاہتا، اس لئے لٹکا کر رکھ دیتا، معروف طریقہ پر اس کے ساتھ نہ رہتا، تاکہ عورت مجبور ہوکر خلع کرے یا مال لوٹا کر طلاق حاصل کرے، یہ عورت پر ظلم تھا، اس لئے اس کی بھی ممانعت کی۔

البتہ اگر عورت کی طرف سے نشوز پایا جائے، عورت شوہر کی نافرمانی کرے تو خلع کیا جاسکتا ہے، اور دیا ہوا کچھ مال واپس لیا جاسکتا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ ناپسندیدگی کے باوجود اس عورت کو رکھے رہے، اور بھلے انداز سے اس کے ساتھ نباہ کرے، ہوسکتا ہے وہ خدمت گذار ثابت ہو، یا اس کی کوکھ سے نیک اولاد جنم لے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز ناپسند ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں خیر کثیر گردانتے ہیں۔

دوسری صورت: بیوی پسند ہے، مگر دوسری عورت دل میں کُھب گئی ہے، اس لئے بیوی بدلنا چاہتا ہے، مگر اس کو بڑا مال مہر زیور کی شکل میں دے چکا ہے، اس لئے مفت چھوڑنے کو بھی جی نہیں چاہتا، چاہتا ہے کہ دیئے ہوئے مال میں سے کچھ واپس لیلے، یہ بھی ممنوع ہے، کیونکہ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب عورت پر کوئی الزام لگائے اور اس کو بدنام کرے، تاکہ وہ خلع کرکے جان چھڑائے، یہ کھلا ہوا گناہ ہے۔ علاوہ ازیں: وہ مہر وغیرہ کا عوض (ناموس) استعمال کرچکا ہے، پھر اس کا عوض مہر وغیرہ واپس کیسے لے گا، یہ بات انسانیت ومروت کے خلاف ہے، اور بیوی شوہر سے شریکِ حیات رہنے کا پکا عہد بھی لے چکی ہے، پس اس کی بھی خلاف ورزی ہوگی، اس لئے اس کی بھی ممانعت کی گئی کہ اس سے دیا ہوا

مال کچھ بھی واپس مت لو۔

مسئلہ: شوہر نے بیوی کو جو مہر دیا ہے یا زیور ہبہ کیا ہے: اس کا بعض خلع میں واپس لینا جائز ہے، دیا ہوا پورا واپس لینا یا زیادہ کا مطالبہ کرنا مکروہ ہے —— اور لڑکے کے باپ نے جو رسم ورواج اور ولیمہ میں خرچ کیا ہے: اس کا مطالبہ جائز نہیں، یہ تو لڑکے کے باپ نے جو دعوتیں اڑائی ہیں وہ قرضہ چکایا ہے، نکاح کے مصارف سے اس کا کچھ تعلق نہیں، اسی طرح جہیز تلک کا بھی مصارفِ نکاح سے کچھ تعلق نہیں، یہ ناجائز رسمیں ہندوؤں سے جاہل مسلمانوں میں آئی ہیں۔

آیاتِ پاک: اے ایمان والو! تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو! —— یہ بات ماسیق لاجلہ الکلام ہے —— (ضمنی مسئلہ کی پہلی صورت) اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کو ظلماً نکاح سے روکو —— بایں طور کہ ان کو طلاق نہ دو، بس لٹکائے رکھو —— تاکہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو —— یعنی بیوی خلع کرنے پر مجبور ہو —— لیکن اگر وہ صریح بے حیائی (نافرمانی) کا ارتکاب کریں —— تو خلع کا بدل لینا جائز ہے، کیونکہ قصور ان کا ہے —— اور ان کے ساتھ بھلے انداز سے رہو سہو —— یعنی طلاق مت دو، ان کے ساتھ نباہ کرو —— پس اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت بھلائی گردانیں!

(ضمنی مسئلہ کی دوسری صورت) —— اور اگر تم ایک بیوی کو دوسری بیوی سے بدلنا چاہو، اور تم ان میں سے ایک کو مالِ کثیر (اربوں کھربوں) دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ (واپس) مت لو، کیا تم اس کو لوگے بہتان باندھ کر اور صریح گناہ کے طور پر —— عطف تفسیری ہے، بہتان تراشی ہی صریح گناہ ہے —— اور تم کیسے لوگے جبکہ تمہارا ایک دوسرے تک پہنچ چکا ہے —— صحبت یا خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہے —— اور وہ عورتیں تم سے مضبوط پیمان لے چکی ہیں —— یعنی تم نے ان کے ساتھ: ساتھ جینے مرنے کا عہد کیا ہے، پس اگر تم کسی وجہ سے اس کو چھوڑ رہے ہو تو کم از کم دیا ہوا مال تو واپس مت لو! یہ بات شریف انسان کو زیب نہیں دیتی!

اختلافی مسئلہ: نکاح مؤکد صرف صحبت سے ہوتا ہے یا خلوتِ صحیحہ سے بھی؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف صحبت سے ہوتا ہے، اسی صورت میں پورا مہر دینا ہوگا، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خلوتِ صحیحہ سے بھی نکاح مؤکد (پکا) ہوجاتا ہے، اس صورت میں بھی پورا مہر واجب ہوگا ﴿قَدْ اَفْضٰی﴾: تحقیق پہنچ چکا: کے دونوں مطلب ہوسکتے ہیں، کیونکہ خلوتِ صحیحہ ایسی تنہائی کو کہتے ہیں: جہاں صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہو، پس جس طرح چت لیٹنا خروج ریح کے قائم مقام ہے، خلوتِ صحیحہ بھی جو امر ظاہر ہے صحبت کے قائم مقام ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

وَلَا تَنْكِحُوْا	اور نہ نکاح کرو	اِلَّا مَا	مگر جو	فَاحِشَةً	بے حیائی
مَا نَكَحَ (۱)	جن سے نکاح کیا ہے	قَدْ سَلَفَ	بالتحقیق پہلے ہو چکا	وَّمَقْتًا (۲)	اور نہایت قابل نفرت
اٰبَآؤُكُمْ	تمہارے باپ دادوں نے	اِنَّهٗ	بے شک وہ (نکاح)	وَسَآءَ	اور برا ہے وہ
مِّنَ النِّسَآءِ	عورتوں سے	كَانَ	ہے	سَبِيْلًا (۳)	راہ کے اعتبار سے

جو عورت باپ دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی ہے: اس سے نکاح حرام ہے

یہاں سے محرمات کا بیان شروع ہوتا ہے، محرمات: وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح حرام ہے، ایسی پندرہ عورتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

پہلی عورت: وہ ہے جو باپ دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی ہے، اس سے بیٹا، پوتا اور نواسا نکاح نہیں کرسکتا، اور پہلے اس کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ یہ ﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا﴾ کی مثال بھی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں ایک برا طریقہ یہ رائج تھا کہ مرنے والے کی بیوی کو میراث سمجھتے تھے، بیٹا اپنی سوتیلی ماں پر قبضہ کرتا تھا، اور اس سے نکاح کرتا تھا، جبکہ وہ محرماتِ ابدیہ میں سے ہے، اس لئے شدت کے ساتھ اس سے نکاح کی ممانعت کی ہے، اور اس مثال پر میراث کے احکام پورے ہوجائیں گے، پھر محرمات کا بیان شروع ہوگا، پس گویا یہ 'گریز' کی آیت ہے، گریز: قصیدہ کا وہ شعر کہلاتا ہے جو تمہید اور مقصد کے درمیان آتا ہے، یہاں دو مضامین کے درمیان کی کڑی مراد ہے۔

مسئلہ: باپ، دادا یا نانا کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے، اگرچہ انھوں نے اس سے صحبت نہ کی ہو، یہ حرمت نفسِ عقد سے ثابت ہوجاتی ہے، جیسے: بیٹے، پوتے اور نواسے کی بیوی سے بھی نکاح حرام ہے، اور یہ حرمت بھی نفسِ عقد سے ثابت ہوتی ہے، صحبت ضروری نہیں، اسی طرح ساس کی حرمت بھی نفس عقد سے ثابت ہوتی ہے، البتہ ربیبہ (بیوی کی دوسرے شوہر سے لڑکی) سے نکاح کی حرمت بیوی سے صحبت کرنے پر موقوف ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے۔

فائدہ (۱): باپ، دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی ہوں: سے مقصود صرف وہی عورتیں نہیں ہیں جن سے باقاعدہ نکاح

---

(۱) ما نکح: جملہ مفعول بہ، ما: موصولہ، من النساء بیان۔ (۲) مقت: باب نصر کا مصدر: گناہ کرنے والے سے شدید بغض رکھنا (۳) سبیلاً: تمیز ہے۔

ہوا ہو، بلکہ وہ تمام عورتیں مراد ہیں جن سے جائز یا ناجائز تعلق رہ چکا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں نکاح کے چار طریقے تھے:

(۱) ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا زیر ولایت کسی لڑکی کے نکاح کے لئے پیام دیا جاتا۔ پھر وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا اس آدمی سے نکاح کر دیتا۔ یہی نکاح کا صحیح طریقہ تھا۔ اور اسی کو اسلام نے باقی رکھا ہے۔

(۲) جب کسی آدمی کی بیوی حیض سے پاک ہوتی، جبکہ رحم میں حمل قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے تو شوہر اپنی بیوی سے کہتا کہ فلاں شخص سے جنسی تعلق قائم کر۔ پھر حمل ظاہر ہونے تک شوہر اپنی بیوی سے الگ رہتا۔ جب حمل کے آثار ظاہر ہو جاتے: شوہر اپنی بیوی سے صحبت کرتا۔ اور ایسا اس لئے کیا جاتا تھا کہ لڑکا نجیب (بڑی شان والا) پیدا ہو۔ عرب کے بعض پست قبیلوں میں یہ طریقہ رائج تھا۔

(۳) چند آدمی (دس سے کم) ایک عورت کے پاس جاتے۔ اور اس کی رضامندی سے سب اس سے صحبت کرتے۔ پھر اگر عورت حاملہ ہو جاتی، اور بچہ جنتی تو وہ ان سب آدمیوں کو بلاتی، اور کسی کو نامزد کرتی کہ یہ تیرا بچہ ہے۔ اور وہ آدمی انکار نہیں کر سکتا تھا۔

(۴) پیشہ ور قحبہ سے بہت سے لوگ جنسی تعلق قائم کرتے۔ پھر اگر اس کو حمل رہ جاتا، اور وہ بچہ جنتی تو قیافہ شناس بلایا جاتا۔ اور وہ علامات دیکھ کر فیصلہ کرتا کہ یہ بچہ فلاں کا ہے۔ اور اس کو ماننا پڑتا —— اسلام نے یہ تمام شرمناک طریقے ختم کر دیئے۔ اور صرف ایک پاکیزہ طریقہ باقی رکھا جو اب لوگوں میں رائج ہے (بخاری حدیث ۵۱۲۷)

اور یہ آیت چاروں نکاح کو عام ہے، جبکہ تین نکاح محض زنا تھے، پس زنا اور مقدماتِ زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوگی۔

فائدہ (۲): عقد صحیح کے بعد اور عقد فاسد و باطل کے بعد صحبت سے بالاجماع حرمت ثابت ہوتی ہے، اور زنا سے امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک حرمت ثابت ہوتی ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ کے دو قول ہیں، معتمد قول عدم حرمت کا ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک زنا سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

اور اسبابِ زنا: مسّ (چھونا) قُبلہ (چومنا) اور نظر (شرمگاہ کو دیکھنا) سے صرف امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حرمت ثابت ہوتی ہے، مگر ان کے لئے شرطیں ہیں، جب شرائط پائی جائیں گی حرمت ثابت ہوگی، اس کی تفصیل میرے رسالہ حرمتِ مصاہرت میں ہے، اور اس میں نقلی اور عقلی دلائل بھی ہیں۔

فائدہ (۳): ﴿ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ﴾: مگر جو پہلے ہو چکا، یعنی زمانۂ جاہلیت میں، اس لئے کہ کفار دنیا میں فروعات

(احکام) کے مکلّف نہیں، اور مسلمان ہونے کے بعد تو سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، البتہ اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں، نہ ابتداءً نہ بقاءً۔ ابتداءً کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرے تو اس کو سخت عبرتناک سزا دی جائے گی۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا: میرے ماموں جھنڈا لئے کہیں جارہے ہیں، میں نے پوچھا: آپ کہاں جارہے ہیں؟ انھوں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کا سر قلم کرنے کے لئے روانہ کیا ہے جس نے اپنی باپ کی منکوحہ (بیوی) سے نکاح کیا ہے (رواہ الترمذی وابوداؤد)

اور بقاءً کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر مسلم نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرلیا، پھر میاں بیوی مسلمان ہوگئے تو اب ان کو اس نکاح پر برقرار نہیں رکھا جائے گا، دونوں میں تفریق کردی جائے گی، مگر کوئی سزا نہیں دی جائے گی، جیسے جنوبی ہند (کیرلا) میں ماموں کے نکاح میں بھانجی ہوتی ہے، یہ فیملی بھی مسلمان ہوجائے تو دونوں میں تفریق کردی جائے گی، اسی طرح کسی غیر مسلم کے نکاح میں دو بہنیں ہوں اور وہ سب مسلمان ہوجائیں تو کسی بھی ایک کو الگ کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی جاہل مسلمان دو بہنوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کرے تو دوسری کا نکاح نہیں ہوا، اس کو علاحدہ کیا جائے گا۔

آیتِ کریمہ: اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے، مگر جو پہلے گذر گیا، بے شک وہ (نکاح) بڑی بے حیائی، اور نہایت قابل نفرت کام ہے، اور وہ بہت برا طریقہ ہے!

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَرَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَاۗىِٕلُ اَبْنَاۗىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۲۳

حُرِّمَتْ	حرام کی گئیں	وَاَخَوٰتُكُمْ	اور تمہاری بہنیں	الْاَخِ	بھائی کی
عَلَيْكُمْ	تم پر	وَعَمّٰتُكُمْ	اور تمہاری پھوپھیاں	وَبَنٰتُ	اور بیٹیاں
اُمَّهٰتُكُمْ	تمہاری مائیں	وَخٰلٰتُكُمْ	اور تمہاری خالائیں	الْاُخْتِ	بہن کی
وَبَنٰتُكُمْ	اور تمہاری بیٹیاں	وَبَنٰتُ	اور بیٹیاں	وَاُمَّهٰتُكُمُ	اور تمہاری مائیں

الّٰتِیۡۤ	جنھوں نے	الّٰتِیۡ	جو	اَبۡنَآئِکُمۡ	تمہارے بیٹیوں کی
اَرۡضَعۡنَکُمۡ	دودھ پلایا تم کو	دَخَلۡتُمۡ	صحبت کی تم نے	الَّذِیۡنَ	جو
وَاَخَوٰتُکُمۡ	اور تمہاری بہنیں	بِهِنَّ	ان سے	مِنۡ اَصۡلَابِکُمۡ	تمہاری پیٹھوں سے ہیں
مِّنَ الرَّضَاعَةِ	دودھ پینے سے	فَاِنۡ	پس اگر	وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا (۱)	اور جمع کرنا
وَاُمَّهٰتُ	اور مائیں	لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا	نہیں ہو تم	بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ	دو بہنوں کے درمیان
نِسَآئِکُمۡ	تمہاری بیویوں کی	دَخَلۡتُمۡ	صحبت کی تم نے	اِلَّا مَا	مگر جو
وَرَبَآئِبُکُمُ	اور تمہاری پروردہ لڑکیاں	بِهِنَّ	ان کے ساتھ	قَدۡ سَلَفَ	تحقیق پہلے گذرا
الّٰتِیۡ	جو	فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
فِیۡ حُجُوۡرِکُمۡ	تمہاری گود میں ہیں	عَلَيۡكُمۡ	تم پر	كَانَ غَفُوۡرًا	بڑے بخشنے والے ہیں
مِّنۡ نِّسَآئِکُمُ	تمہاری بیویوں سے	وَحَلَآئِلُ	اور بیویاں	رَّحِيۡمًا	بڑے مہربان ہیں

تیرہ عورتوں کا تذکرہ جن سے نکاح حرام ہے

محرمات: وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے ایسی ایک عورت کا ذکر گذشتہ آیت میں آ گیا، یعنی باپ دادا یا نانا کی موطوءۃ (سوتیلی ماں دادی یا نانی) سے نکاح حرام ہے، اب اس آیت میں تیرہ محرمات کا ذکر ہے، اور ایک کا ذکر اگلی آیت میں آئے گا۔

(۲) ـــــ ماں سے نکاح حرام ہے، اور ماں سے مراد: تمام مذکر ومؤنث اصول ہیں، یعنی باپ، دادا اور نانا اوپر تک، اور ماں دادی، نانی اوپر تک: أمهات سے یہ سب اصول مراد ہیں، یعنی نکاح کرنے والی عورت ہو تو وہ باپ، دادا اور نانا سے نکاح نہیں کرسکتی، اور نکاح کرنے والا مرد ہو تو ماں، دادی اور نانی سے نکاح نہیں کرسکتا، اسی طرح آگے سمجھیں۔

(۳) ـــــ بیٹیوں سے نکاح حرام ہے، اور بیٹی سے مراد تمام مذکر ومؤنث فروع ہیں، یعنی بیٹا، پوتا، نواسا نیچے تک، اور بیٹی، پوتی، نواسی نیچے تک حرام ہیں، بنات سے یہ سب مراد ہیں۔

(۴) ـــــ بہنوں سے نکاح حرام ہے، خواہ سگی ہوں یا علاتی یا اخیافی، اسی طرح بھائیوں سے بھی نکاح حرام ہے، خواہ سگے بھائی ہوں یا علاتی یا اخیافی۔

(۵و۶) ـــــ پھوپھیوں اور خالاؤں سے نکاح حرام ہے، پھوپھی: باپ کی بہن، خواہ سگی ہو یا علاتی یا اخیافی، اور

---

(۱) **وأن تجمعوا:** أن: مصدر یہ ہے، اور ماقبل پر معطوف ہے۔

خالہ: ماں کی بہن، خواہ سگی ہو یا علاتی یا اخیافی، اور عمات و خالات سے مراد اصل بعید (دادادادی، نانا نانی اوپر تک) کی تمام صُلبی (بلاواسطہ) مذکر ومؤنث اولاد ہے، یعنی چچا، ماموں، پھوپھی اور خالہ، چاہے وہ پردادا اور پردادی کی صُلبی اولاد ہو، سب حرام ہیں، اور بالواسطہ اولاد یعنی چچازاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد حلال ہیں۔

(۷و۸) ـــــ بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح حرام ہے، اور بنات الأخ اور بنات الأخت سے مراد اصل قریب (ماں باپ) کی تمام مذکر ومؤنث فروع ہیں، پس بھائی، بھتیجے نیچے تک، اور بھانجے بھانجیاں نیچے تک سب حرام ہیں۔

فائدہ: یہ سات رشتہ دار (ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی) محرماتِ نسبیہ کہلاتے ہیں، یعنی بہت نزدیک کی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے حرام ہیں، اور حرمت دو وجہ سے ہے:

پہلی وجہ ـــــ مفاسد کا سدّ باب مقصود ہے ـــــ قریبی رشتہ داروں میں رفاقت اور ہر وقت کا ساتھ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے پردہ کا التزام ممکن نہیں۔ اور جانبین سے فطری اور واقعی حاجتیں ہیں، مصنوعی اور بناوٹی نہیں۔ پس اگر ایسے مردوں اور عورتوں میں لالچ منقطع نہیں کی جائے گی، اور رغبت ختم نہیں کی جائے گی تو مفاسد کا سیلاب امنڈ آئے گا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ایک شخص کی اجنبی عورت کے محاسن پر نظر پڑتی ہے تو وہ اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی خاطر جان جوکھوں میں ڈال دیتا ہے۔ پس جن کے ساتھ تنہائی ہوتی ہے، اور وہ ایک دوسرے کی خوبیوں کو شب وروز دیکھتے ہیں، کیا وہاں مفاسد پیدا نہیں ہوں گے؟ اسی فساد کو روکنے کے لئے قرابتِ قریبہ میں نکاح حرام کیا گیا ہے، کیونکہ سلیم المزاج لوگوں کی رغبت حرام کی طرف نہیں ہوتی۔

دوسری وجہ ـــــ عورتوں کو ضررِ عظیم سے بچانا مقصود ہے ـــــ اگر محرمات میں رغبت کا دروازہ کھولا جائے گا، اور امید کا دروازہ بند نہیں کیا جائے گا۔ اور اس سلسلہ میں بے راہی اختیار کرنے والوں پر سخت نکیر نہیں کی جائے گی، تو دو طرح سے عورتوں کو ضررِ عظیم پہنچے گا:

۱ ـــــ عورت جس مرد سے نکاح کرنا چاہے گی، اولیاء نہیں کرنے دیں گے۔ خود نکاح کرنا چاہیں گے۔ کیونکہ ان عورتوں کا معاملہ اولیاء کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ان کا نکاح کرانے کے ذمہ دار ہیں۔ پس عورت کے جذبات پامال ہوں گے۔ اور اس کو بھاری نقصان پہنچے گا۔

۲ ـــــ اگر شوہر عورت کے حقوق ادا نہیں کرتا، تو عورت کی طرف سے اولیاء حقوقِ زوجیت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کیونکہ عورت کمزور ہے۔ وہ اپنے حق کے لئے نہیں لڑسکتی۔ پس اگر ولی خود شوہر بن جائے گا، اور عورت کی حق تلفی کرے گا، تو عورت کی طرف سے حقوقِ زوجیت کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اس طرح عورت کو ضررِ عظیم پہنچے گا۔

اوراس کی نظیر: یتیم لڑکیوں سے نکاح کی ممانعت ہے۔ بخاری شریف (حدیث ۴۵۷۳) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص کی ولایت میں ایک یتیم لڑکی تھی۔ اوراس کا ایک باغ تھا۔ جس میں یہ لڑکی بھی شریک تھی۔ اس شخص نے خود ہی اس لڑکی سے نکاح کرلیا۔ اوراس کا باغ کا حصہ ہتھیالیا۔ اس پر سورۃ النساء کی آیت تین نازل ہوئی کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے انصاف پر قائم نہیں رہ سکو گے تو تمہارے لئے دوسری عورتیں بہت ہیں۔ ان میں جو تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو یعنی یتیم لڑکیوں سے نکاح مت کرو۔ یہ ممانعت ان لڑکیوں کو ضرر سے بچانے کے لئے ہے۔

(۹و۱۰) —— رضاعی ماں اور رضاعی بہن سے بھی نکاح حرام ہے۔ رضاعی ماں: وہ عورت جس کا کسی بچہ نے اس وقت دودھ پیا ہو جب اس کی دودھ پینے کی عمر ہو، یعنی ڈھائی سال کی عمر کے اندر دودھ پیا ہو، اور رضاعی بہن: وہ ہے جس نے اس کی رضاعی ماں کا دودھ پیا ہو، دونوں دودھ شریک بھائی بہن ہیں، اسی طرح رضاعی ماں کی نسبی اولاد سے بھی نکاح حرام ہے۔

فائدہ: دودھ پینے سے وہ ساتوں رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، یعنی دودھ پلانے والی ماں، اور اس کے تمام اصول وفروع۔ اوراس کا شوہر، اوراس کے تمام اصول وفروع۔ اور دونوں کی اصل قریب کی تمام فروع۔ اور دونوں کے اصولِ بعیدہ کی صلبی اولاد۔ اوراس آیت میں جو صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کا ذکر ہے: وہ بطور مثال ہے یہ بات حدیث نے واضح کی ہے۔ فرمایا: ''دودھ پینے سے وہ تمام رشتے حرام ہوتے ہیں، جو ولادت (ناتے) سے حرام ہوتے ہیں'' (رواہ البخاری، مشکوۃ حدیث ۳۱۶۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی پورے قریش میں قابل فخر ہے، اگر حضور کا منشاء اس طرف ہو تو بہت مناسب ہے اس پر ارشاد ہوا ''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حمزہ میرے رضاعی (دودھ شریک) بھائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے رضاعت کے وہ تمام رشتے حرام فرمادیئے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں''

امہات المؤمنین کے لئے پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا، اسی زمانہ کا یہ واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میرے پاس میرے رضاعی چچا آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے کہلوادیا کہ اس بارے میں جب تک حضور ﷺ سے نہ پوچھ لوں کیسے اجازت دے سکتی ہوں، پھر میں نے آپ کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ یقیناً تمہارے چچا ہیں، ان کو اندر آنے کی اجازت دینا چاہئے'' اس پر میں نے التماس کیا: حضور میں نے تو دودھ عورت کا پیا ہے، اس مرد سے مجھے کیا تعلق ہے، اس پر دوبارہ ارشاد ہوا ''وہ یقیناً تمہارے چچا ہیں، وہ اندر آسکتے ہیں''

ایک اور واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہی منقول ہے، فرماتی ہیں کہ ایک روز حضور اقدس ﷺ میرے مکان میں تشریف رکھتے تھے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر کسی شخص کے اجازت طلب کرنے کی آواز آئی، یعنی کوئی صاحب ان کے مکان پر اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے تھے میں نے اجنبی آواز سن کر حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ یہ کون صاحب ہیں جو اس طرح اندر آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غالباً یہ فلاں صاحب ہیں یہ حفصہ کے رضاعی چچا ہیں، اس پر میں نے عرض کیا اچھا، اگر فلاں صاحب زندہ ہوتے تو کیا وہ بھی رضاعی چچا ہونے کی وجہ سے اندر آنے کی اجازت پاتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ضرور پاتے، کیونکہ رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت (نسب) سے حرام ہوتے ہیں

(۱۱) ـــــ خوش دامن (ساس) سے نکاح حرام ہے، یہی حکم بیوی کی دادی نانی کا بھی ہے، اور یہ حرمت نفسِ عقد سے ثابت ہوتی ہے، اور یہی حکم اس عورت کی ماں، دادی اور نانی کا بھی ہے، جس کے ساتھ مغالطہ کی وجہ سے یا دانستہ جنسی تعلق قائم ہو گیا ہو یا دواعی صحبت پائے گئے ہوں۔

(۱۲) ـــــ ربیبہ (پروردہ لڑکی) سے بھی نکاح حرام ہے، یعنی وہ لڑکی جو بیوی کے ساتھ آئی ہے، اور وہ دوسرے شوہر کی ہے، اور ربیبہ سے نکاح حرام ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کی ماں سے صحبت ہو چکی ہو، اگر یہ تعلق قائم ہونے سے پہلے ہی طلاق دیدی یا مرگئی تو اس ربیبہ سے نکاح ہو سکتا ہے، اور یہ بھی جان لیں کہ ربیبہ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ شوہر کی پرورش میں ہو، بلکہ صرف بیوی کی لڑکی ہونا ہی حرمت کے لئے کافی ہے۔

(۱۳) ـــــ بیٹے، پوتے اور نواسے کی بیوی سے بھی نکاح حرام ہے، یہی حکم اس عورت کا بھی ہے جس سے بیٹے، پوتے اور نواسے کا مغالطہ سے یا دانستہ جنسی تعلق قائم ہو گیا ہو، یعنی زنا کیا ہو یا دواعی زنا پائے گئے ہوں، اسی طرح رضاعی بیٹے، پوتے اور نواسے کی بیوی سے بھی نکاح حرام ہے۔

(۱۴) ـــــ دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے، خواہ وہ سگی بہنیں ہوں یا علاتی یا اخیافی اور یہی حکم رضاعی بہنوں کا بھی ہے۔ پھر جس طرح ایک وقت میں دو بہنوں کو نکاح میں رکھنا حرام ہے اسی طرح ایک عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ یا اس کے باپ اور ماں کی پھوپھی یا ان دونوں کی خالہ یا اس کے دادا دادی کی پھوپھی یا خالہ کو جمع کرنا بھی حرام ہے، اور یہ بات متفق علیہ حدیث میں آئی ہے۔

فائدہ: ﴿إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ کا تعلق صرف دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے سے ہے یا دو تا چودہ تک جن عورتوں کا ذکر آیا ہے: ان سب سے ہے؟ یعنی زمانۂ جاہلیت میں کسی نے ماں یا بہن بیٹی وغیرہ سے نکاح کیا تو اس سے بھی درگذر

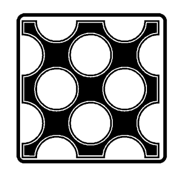
کیا جائے گا؟ اس میں مفسرین کرام کی دو رائیں ہیں، کوئی اس کا تعلق صرف دو بہنوں سے کرتا ہے، اور کوئی سب کے ساتھ کرتا ہے، جلالین میں سب کے ساتھ کیا ہے، اور یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے، البتہ اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں، نہ ابتداءً نہ بقاءً، اس لئے بات زیادہ اہم نہیں۔

ملحوظہ: پندرہویں عورت وہ ہے جو شوہر والی ہے یعنی کسی کے نکاح میں ہے، اس کا بیان اگلی آیت میں ہے، جو اگلی جلد میں آئے گی، چونکہ حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمہ اللہ نے پہلی جلد پارہ چار پر ختم کی ہے، اس لئے میں نے بھی یہ جلد اسی آیت پر پوری کی ہے، تاکہ تفسیر کے سیٹ میں توافق رہے، جو چاہے مولانا مرحوم کی جلد لے اور جو چاہے یہ جلد لے۔

آیتِ پاک: تم پر حرام کی گئیں: تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں، اور تمہاری بہنیں، اور تمہاری پھوپھیاں، اور تمہاری خالائیں، اور تمہاری بھتیجیاں، اور تمہاری بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہے، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں، تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو، پس اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر (ان سے نکاح کرنے میں) کچھ گناہ نہیں، اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری نسل سے ہیں، اور دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا، مگر جو پہلے ہو چکا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

﴿پہلی جلد پوری ہوئی، دوسری جلد ان شاء اللہ پانچویں پارہ سے شروع ہوگی﴾

﴿سنیچر گیارہ ذی قعدہ ۱۴۳۸ھ = ۵/اگست ۲۰۱۷ء﴾



وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

وَّ الْمُحْصَنٰتُ (۱)	اور شوہر والی	ذٰلِكُمْ (۳)	ان کے	فَرِيْضَةً (۹)	مقررہ
مِنَ النِّسَآءِ	عورتوں سے	اَنْ تَبْتَغُوْا (۴)	بشرطیکہ چاہو تم	وَلَا جُنَاحَ	اور نہیں گناہ
اِلَّا مَا	مگر جن کے	بِاَمْوَالِكُمْ	تمہارے مالوں سے	عَلَيْكُمْ	تم پر
مَلَكَتْ	مالک ہوئے	مُّحْصِنِيْنَ (۵)	شادی کرنے والے	فِيْمَا	اس میں جو
اَيْمَانُكُمْ	تمہارے دائیں ہاتھ	غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ (۶)	پانی بہانے والے نہیں	تَرٰضَيْتُمْ (۱۰)	باہم راضی ہوگئے تم
كِتٰبَ (۲)	لکھنا	فَمَا	پس جو	بِهٖ	اس کے ساتھ
اللّٰهِ	اللہ کا	اسْتَمْتَعْتُمْ (۷)	فائدہ اٹھایا تم نے	مِنْۢ بَعْدِ	بعد
عَلَيْكُمْ	تم پر	بِهٖ (۸)	اس کے ساتھ	الْفَرِيْضَةِ	مقرر کرنے کے
وَاُحِلَّ	اور حلال کیا گیا	مِنْهُنَّ	ان عورتوں سے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
لَكُمْ	تمہارے لئے	فَاٰتُوْهُنَّ	پس دو تم ان کو	كَانَ عَلِيْمًا	ہیں خوب جاننے والے
مَّا وَرَآءَ	جو سوا ہیں	اُجُوْرَهُنَّ (۸)	ان کی اجرتیں	حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے

(۱) المُحْصَنَة: شوہر والی عورت، أَحْصَنَتِ المرأةُ: شادی شدہ ہونا، احصان: قرآن میں چار معانی کے لئے آیا ہے (۱) نکاح کرنا (۲) آزاد (۳) اسلام (۴) پاکدامن ...... اور اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں صحیح ہیں، البتہ مرد کے لئے اسم فاعل اور عورت کے لئے اسم مفعول بہتر ہے۔ (۲) کتابٌ: مصدر: مفعول مطلق: أی كَتَبَ اللّٰه كتابا (۳) ذلكم: ذا: اسم اشارہ کے ساتھ کم حرفِ خطاب لگا ہے (۴) أن سے پہلے باء یا لام مقدر ہے (۵) محصنين: تبتغوا کی ضمیر فاعل سے حال ہے، أحصن الرجل: شادی شدہ ہونا (۶) غير مسافحين: دوسرا حال ہے، سَفَحَ (ف) الماءَ: پانی بہانا، سَافَحَهَا: باضابطہ نکاح کے بغیر کسی عورت کے ساتھ رہنا، زنا کرنا (۷) اسْتَمْتَعَ بكذا: فائدہ اٹھانا، لطف اندوز ہونا، استمتاع: جماع سے عام ہے، خلوتِ صحیحہ کو بھی شامل ہے (۸) به کی ضمیر ما کی طرف لوٹتی ہے (۸) اجرت: منافع کا عوض، عورت سے فائدہ اٹھانے کا بدل (۹) فريضة: أجورهن کا حال ہے (۱۰) تراضی (مفاعلہ) باہم خوش دل ہونا۔

ربط: اوپر دو آیتوں میں چودہ محرمات کا بیان آیا ہے، اب اس آیت میں پندرہویں حرام عورت کا ذکر ہے، اور اس میں ایک استثناء ہے، پھر نکاح میں مہر کا بیان ہے، اور اس سلسلہ کے مسائل ہیں۔

منکوحہ عورتوں سے نکاح حرام ہے، مگر باندیاں مستثنیٰ ہیں

ہر وہ عورت جو حقیقۃً یا حکماً کسی کے نکاح میں ہو: اس سے دوسرا شخص نکاح نہیں کرسکتا، اور حکماً نکاح میں ہونا یہ ہے کہ عدتِ طلاق یا عدتِ وفات میں ہو، جب تک اس کی عدت پوری نہ ہوجائے: اس سے نکاح درست نہیں۔

البتہ شرعی جہاد میں جو عورتیں گرفتار ہوں، اور امیر ان کو مالِ غنیمت میں فوجیوں میں تقسیم کردے، اور فوجی کی ملکیت میں آنے کے بعد اس کو ایک حیض آجائے، یعنی استبرائے رحم ہوجائے، اس کا غیر حاملہ ہونا معلوم ہوجائے، اور وہ عورت مسلمان ہوجائے یا کتابیہ ہو تو اس سے مولیٰ صحبت کرسکتا ہے، اگرچہ اس کا شوہر دارالحرب میں زندہ ہو، کیونکہ تباینِ دارین سے سابقہ نکاح ختم ہوجاتا ہے، اس لئے فوجی اس کو بیوی کے طور پر استعمال کرسکتا ہے۔

منکوحہ عورت سے نکاح حرام ہونے کی اور باندی سے صحبت جائز ہونے کی وجہ

منکوحہ عورت سے نکاح حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایسی عورت سے نکاح کرکے صحبت کرے گا تو وہ زنا ہوگا۔ حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شوہر والی عورتوں کی حرمت اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام کیا ہے (موطا ۲: ۵۴۱ کتاب النکاح، باب ماجاء فی الاحصان) اور یہ صحبت زنا اس لئے ہے کہ زنا کسی عورت سے اختصاص پیدا کئے بغیر اور دوسروں کی لالچ منقطع کئے بغیر صحبت کرنے کا نام ہے۔ اور جب عورت کسی کے نکاح میں ہے تو دوسرے ناکح سے اس کا اختصاص نہیں ہوسکتا۔ نہ پہلے شوہر کی اس سے طمع منقطع ہوگی، پس وہ زنا ہے۔ البتہ منکوحہ عورت باندی بن جائے تو استبرائے رحم کے بعد آقا کے لئے حلال ہوگی۔ غزوۂ اوطاس میں ایسی عورتیں ہاتھ آئی تھیں، اور صحابہ کو ان سے صحبت کرنے میں اشکال پیش آیا تھا کہ ان کے شوہر تو زندہ ہیں۔ اس پر مذکورہ آیت پاک نازل ہوئی۔ اور ان باندیوں کو حلال قرار دیا گیا (مشکوٰۃ حدیث ۳۱۷۰) اور ان کی حلت کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ قید ہوگئیں تو ان کے شوہروں کی طمع منقطع ہوگئی۔ اور دارالاسلام میں آگئیں تو ان سے صحبت کرنے میں بھیڑ کرنے کا موقع بھی نہ رہا۔ اور جن کے حصہ میں آئیں ان کے ساتھ اختصاص بھی پایا گیا۔ اس لئے ان سے صحبت جائز ہوئی۔

﴿وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ﴾

ترجمہ: اور (تم پر حرام کی گئی ہیں) منکوحہ عورتیں، مگر جو تمہاری ملکیت میں آجائیں، اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیا ہے

ـــــ یعنی مذکورہ پندرہ عورتوں کی حرمت لازمی ہے، ان میں سے ابتدائی تیرہ عورتوں کی حرمت ابدی (ہمیشہ کے لئے) ہے، اور آخری دو کی حرمت وقتی ہے، دو بہنوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کر سکتے ہیں، اور منکوحہ عورت سے بھی طلاق/ وفات اور عدت گذرنے کے بعد نکاح جائز ہے۔

نکاح میں مہر ضروری ہے

اس کے بعد یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ مذکورہ عورتوں کے سوا دیگر حلال عورتوں سے کوئی نکاح کرنا چاہے تو مہر دے کر نکاح کر سکتا ہے، زمانۂ جاہلیت میں چار طرح کے نکاح ہوتے تھے، جلد اول کے آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ان کی تفصیل گذر چکی ہے، اسلام نے ان میں سے صرف ایک طریقہ باقی رکھا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا زیر ولایت کسی لڑکی کے نکاح کے لئے پیام دیا جائے، پھر وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا اس آدمی سے نکاح کر دے، یہی نکاح کا صحیح طریقہ تھا، اور اسی کو اسلام نے باقی رکھا ہے، باقی تین طریقوں کو ـــــ جو حقیقت میں زنا تھے ـــــ ختم کر دیا ہے، اگر چہ ان میں بھی مال خرچ کیا جاتا ہے ﴿غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ کی قید بڑھا کر ان طریقوں کو خارج کر دیا ہے۔

نکاح میں مہر کی حکمت

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں نکاح کا جو شریفانہ طریقہ رائج تھا اس میں مہر مقرر کیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس کو برقرار رکھا ہے۔ اس میں دو مصلحتیں ہیں:

پہلی مصلحت ـــــ مہر سے نکاح پائیدار ہوتا ہے ـــــ نکاح کا مقصد اس وقت تکمیل پذیر ہوتا ہے جب میاں بیوی خود کو دائمی رفاقت و معاونت کا خوگر بنائیں۔ اور یہ بات عورت کی طرف سے تو اس طرح متحقق ہوتی ہے کہ نکاح کے بعد زمام اختیار اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ وہ مرد کی پابند ہو جاتی ہے۔ مگر مرد با اختیار رہتا ہے۔ وہ طلاق دے سکتا ہے۔ اور ایسا قانون بنانا کہ مرد بھی بے بس ہو جائے، جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں طلاق کی راہ مسدود ہو جائے گی۔ اور مرد بھی عورت کا ایسا اسیر ہو کر رہ جائے گا جیسا عورت اسیر تھی۔ اور یہ بات اس ضابطہ کے خلاف ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ اور دونوں کا معاملہ کورٹ کو سپرد کرنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ قاضی کے یہاں مقدمہ لے جانے میں سخت مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ اور قاضی وہ مصلحتیں نہیں جانتا جو شوہر اپنے بارے میں جانتا ہے۔ پس مرد کو دائمی نکاح کا خوگر بنانے کی راہ یہی ہے کہ اس پر مہر واجب کیا جائے۔ تاکہ جب وہ طلاق دینے کا ارادہ کرے تو مالی

نقصان اس کی نگاہوں کے سامنے رہے اور وہ ناگزیر حالات ہی میں طلاق دے۔ پس مہر نکاح کو پائدار بنانے کی ایک صورت ہے۔

دوسری مصلحت ــــ مہر سے نکاح کی عظمت ظاہر ہوتی ہے ــــ نکاح کی عظمت واہمیت بغیر مال کے ــ جو کہ شرمگاہ کا بدل ہوتا ہے ــ ظاہر نہیں ہوتی۔ کیونکہ لوگوں کو جس قدر مال کی حرص ہے اور کسی چیز کی نہیں۔ پس مال خرچ کرنے سے نکاح کا مہتم بالشان ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں: مہر میں اور بھی فوائد ہیں: (۱) مہر اولیاء کی خوش دلی کا ذریعہ ہے۔ قابل لحاظ مال کے ذریعہ اہتمام سے نکاح کرنے سے عورت کے اولیاء کی آنکھیں ٹھنڈی ہونگی۔ جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے دل کے ٹکڑوں کا ایک شخص بڑے اہتمام سے مالک بن رہا ہے تو ان کا دل باغ باغ ہوجائے گا (۲) اور مہر کے ذریعہ نکاح اور زنا میں امتیاز بھی قائم ہوتا ہے۔ ارشاد پاک ہے: ''محرمات کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں، بشرطیکہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ چاہو، قید میں لانے کے طور پر، نہ کہ مستی نکالنے کے طور پر'' یعنی ان عورتوں کو پابند کرنا مقصود ہو، یہی نکاح ہے۔ صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی کرنا مقصود نہ ہو، یہی زنا ہے۔

مہر کی زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم مقدار

مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار بالاتفاق متعین نہیں۔ اور سورۃ النساء آیت ۲۰ میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے۔ ارشاد پاک ہے: ﴿ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ﴾ یعنی اگر تم نے کسی بیوی کو انبار کا انبار مال دیا ہو، تو بھی بوقت طلاق اس میں سے کچھ واپس مت لو ــــ اور کم سے کم مہر کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک کم سے کم مہر بھی متعین نہیں۔ جس چیز پر زوجین راضی ہوجائیں وہ مہر ہوسکتی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک متعین ہے۔ اول کے نزدیک دس درہم، اور ثانی کے نزدیک چوتھائی دینار یعنی ڈھائی درہم کم از کم مہر ہونا ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ: ﴿ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ ﴾ کے ذریعہ نکاح میں مہر شرط کیا گیا ہے۔ اور أموال جمع ہے مال کی، جو جمع قلّت کا وزن ہے، جس کا تین سے دس تک اطلاق ہوتا ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بہ سندِ حسن روایت مروی ہے: **لامهر دون عشرة دراهم**: دس درہم سے کم مہر نہیں (نصب الرایہ ۳:۱۹۹) تعلیم قرآن کو مہر بنانے کی روایت معلوم نہیں، نزولِ آیت سے پہلے کی ہے یا بعد کی؟ نیز عرف میں مہر دو ہیں: ایک نقد دوسرا ادھار۔ نقد مہر وہ ہے جو اول ملاقات میں پیش کیا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے تَهَادَوْا تَحَابُّوا:

باہم ہدیہ دو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے یعنی ہدیہ محبت ومودت کا بیج بوتا ہے۔ اور عورت اس موقعہ پر اپنی گرانقدر چیز پیش کرتی ہے۔ پس مرد کو بھی اس موقعہ پر کچھ پیش کرنا چاہئے۔ اور وہ چیز نکاح کا اصل مہر بھی ہوسکتی ہے۔ یہی نبی ﷺ کا طریقہ تھا۔ لیکن اگر اس کی گنجائش نہ ہو تو کچھ اور پیش کیا جائے۔ مثلاً: انگوٹھی، تھوڑا ستو، کھجوریں اور آج کی اصطلاح میں مٹھائی کھٹائی۔ کچھ تو تقریب بہر ملاقات چاہئے۔ اور روایات وواقعات میں اس کی صراحت نہیں کہ وہ کونسا مہر تھا؟ پس محکم کتاب کو لینا اور اس کے موافق جو روایت مروی ہے اس پر عمل کرنا اَولی ہے۔

﴿ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ ﴾

ترجمہ: اور تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں جو عورتیں اِن کے سوا ہیں، بایں طور کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ چاہو، شادی کرنے والے، بدکاری کرنے والے نہیں!

سوال: مذکورہ پندرہ عورتوں کے سوا بھی متعدد عورتوں سے نکاح حرام ہے، مثلاً:

۱- پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

۲- معتدۂ طلاق یا وفات سے بھی نکاح حرام ہے۔

۳- چار بیویاں نکاح میں ہوں تو پانچویں سے نکاح حرام ہے۔

۴- جس عورت سے شوہر نے لعان کیا ہے، اس عورت سے شوہر کبھی بھی نکاح نہیں کرسکتا۔

علاوہ ازیں: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جس کے نکاح میں آزاد عورت ہو وہ باندی سے نکاح نہیں کرسکتا، اور جو آزاد عورت سے نکاح پر قادر ہو وہ بھی باندی سے نکاح نہیں کرسکتا۔

اس قسم کی عورتوں کو لے کر سوال ہوگا کہ ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ﴾ کیسے صحیح ہوگا؟ دیگر سب عورتیں حلال کہاں ہیں؟

جواب: ﴿ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ﴾ کا ماسیق لاجلہ الکلام یہ ہے ہی نہیں جو معترض سمجھ رہا ہے، بلکہ مقصود کلام یہ ہے کہ مذکورہ عورتوں کے علاوہ سے مہر دے کر نکاح کرنا ضروری ہے، پس یہ مہر کی ضرورت کا بیان ہے، حرمت کا مذکورہ پندرہ عورتوں میں حصر کرنا مقصود نہیں، دیگر حرام عورتوں کا ذکر احادیث میں ہے، اور احادیث بھی قرآن کی طرح وحی ہیں، اور ان میں بھی قرآن کے بقدر یا زیادہ احکام ہیں، حدیث میں ہے: **ألا إني أوتيتُ القرآنَ ومثله معه** (مشکوٰۃ حدیث ۱۶۳): سنو! بے شک میں قرآن دیا گیا ہوں، اور اس کے ساتھ اس کے بقدر احکام دیا گیا ہوں، پس دیگر محرمات کا ذکر احادیث میں ہے۔

مہر دینے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے، زبانی جمع خرچ نہیں کیا جاتا

مہر: صحبت اور خلوتِ صحیحہ سے مؤکد ہوتا ہے

کچھ لوگ نکاح میں اپنی ناک اونچی کرنے کے لئے بڑا مہر باندھتے ہیں، اور دینے کی نیت نہیں ہوتی، حدیث میں ایسے نکاح کو زنا کہا گیا ہے، اور کچھ لوگ زبردستی بیوی کو شرم میں ڈال کر مہر معاف کرا لیتے ہیں یہ بھی ظلم ہے، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: جو مہر مقرر کیا ہے وہ ادا کرو۔

دوسرا مسئلہ: آیت میں ضمناً یہ بات ہے کہ مہر صحبت یا خلوتِ صحیحہ سے مؤکد ہوتا ہے، خلوتِ صحیحہ یہ ہے کہ میاں بیوی کسی ایسی جگہ جمع ہو جائیں جہاں صحبت کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہو۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف صحبت سے مہر مؤکد ہوتا ہے، خلوتِ صحیحہ سے مؤکد نہیں ہوتا، اور احناف کے نزدیک خلوتِ صحیحہ سے بھی مؤکد ہو جاتا ہے اور پورا مہر واجب ہوتا ہے، آیتِ کریمہ میں اس کی طرف اشارہ ہے، استمتاع (فائدہ اٹھانا) جماع سے عام ہے، کیونکہ تنہائی میں جمع ہونا بھی ایک طرح کا فائدہ اٹھانا ہے، اور موطا مالک میں حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس عورت کے بارے میں فیصلہ فرمایا: جس سے کسی آدمی نے نکاح کیا کہ جب اس نے پردے ڈال دیئے تو اس پر پورا مہر واجب ہو گیا، اور مصنف عبدالرزاق میں یہ اضافہ ہے کہ اس نے دروازے بھیڑ دیئے، یہ روایت موطا محمد میں بھی ہے، اور ابو عبید کی کتاب النکاح میں ہے کہ چاروں خلفاء راشدین کا یہی فیصلہ ہے (اعلاء السنن ۱۱: ۹۰)

﴿ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ ﴾

ترجمہ: پھر جو تم نے ان عورتوں سے فائدہ اٹھایا تو ان کا مقررہ مہر ادا کرو!

مقررہ مہر میں میاں بیوی تبدیلی کر سکتے ہیں

مہر طے کرنے سے لازم نہیں ہو جاتا، میاں بیوی خوش دلی سے تبدیلی کر سکتے ہیں، شوہر مقرر کردہ مہر سے زیادہ بھی دے سکتا ہے، اور عورت کے لئے اس کا لینا جائز ہے، یا عورت مقررہ مہر میں سے کچھ چھوڑ دے یا سارا مہر خوش دلی سے معاف کر دے تو شوہر اس معافی کو قبول کر سکتا ہے۔

پھر آخر آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہیں، انھوں نے اپنے علم و حکمت سے یہ احکام مقرر کئے ہیں، بندوں کو چاہئے کہ وہ ان پر عمل کریں، اسی میں ان کا فائدہ ہے۔

﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۲۴ ﴾

ترجمہ: اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس میں جس کے ساتھ تم باہم خوش دل ہو جاؤ مہر مقرر کرنے کے بعد —— بے شک

اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں!

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۵

وَمَنْ (۱)	اور جو شخص	مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ (۳)	تمہاری خادماؤں سے	وَ اٰتُوْهُنَّ	اور دو تم ان کو
لَمْ يَسْتَطِعْ	نہ رکھے	الْمُؤْمِنٰتِ	ایماندار	اُجُوْرَهُنَّ	ان کی اجرتیں
مِنْكُمْ	تم میں سے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	بِالْمَعْرُوْفِ	دستور کے موافق
طَوْلًا	طاقت	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	مُحْصَنٰتٍ (۴)	شادی کرنے والیاں
اَنْ يَّنْكِحَ (۲)	نکاح کرنے کی	بِاِيْمَانِكُمْ	تمہارے ایمان کو	غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ	بدکاری کرنے والیاں نہیں
الْمُحْصَنٰتِ	پاک دامن	بَعْضُكُمْ	تمہارا ایک	وَّلَا مُتَّخِذٰتِ	اور نہ بنانے والیاں
الْمُؤْمِنٰتِ	مؤمن عورتوں سے	مِّنْۢ بَعْضٍ	دوسرے سے ہے	اَخْدَانٍ (۵)	یار
فَمِنْ مَّا	تو (نکاح کرے) جن کے	فَانْكِحُوْهُنَّ	پس نکاح کرو تم ان سے	فَاِذَآ	پس جب
مَلَكَتْ	مالک ہوئے ہیں	بِاِذْنِ	اجازت سے	اُحْصِنَّ	وہ منکوحہ بنالی گئیں
اَيْمَانُكُمْ	تمہارے دائیں ہاتھ	اَهْلِهِنَّ	ان کے مالکوں کی	فَاِنْ	تو اگر

(۱) من: متضمن معنی شرط ہے...... طولا: لم یستطع کا مفعول ہے...... طولاً کی وجہ سے لم یستطع کے معنی میں تجرید کی ہے ......فمن ما: جزاء ہے (۲) أن ینکح: ان مصدریہ ہے، اوراس سے پہلے لام مقدر ہے أی لأن (۳) من فتیاتکم، ما کا بیان ہے، فتاۃ: جوان لڑکی، خادمہ، مراد باندی ہے (۴) محصنات: آتوھن کی ضمیر منصوب سے پہلا حال ہے...... غیر مسافحات: دوسرا حال ہے...... ولا متخذات: تیسرا حال ہے (۵) أخدان: خِدْن کی جمع: یار، بوئے فرینڈ۔

اٰتَيْنَ	آئیں وہ	مِنَ الْعَذَابِ	سزا سے	وَ اَنْ تَصْبِرُوْا[2]	اور صبر کرنا
بِفَاحِشَةٍ	بدکاری کو	ذٰلِكَ	یہ بات	خَيْرٌ	بہتر ہے
فَعَلَيْهِنَّ	تو ان پر ہے	لِمَنْ	اس کے لئے ہے جو	لَّكُمْ	تمہارے لئے
نِصْفُ	آدھی	خَشِيَ	ڈرتا ہے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
مَا	اس کی جو	الْعَنَتَ[1]	مشقت (زنا) سے	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
عَلَى الْمُحْصَنٰتِ	آزاد عورتوں پر ہے	مِنْكُمْ	تم میں سے	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں

باندی سے نکاح کب جائز ہے؟ کس کے لئے جائز ہے؟ اور کس باندی سے نکاح جائز ہے؟

گذشتہ آیت کے نصف آخر میں یہ مضمون تھا کہ جو عورتیں جہاد میں ہاتھ آئیں، اور امیر ان کو باندیاں بنا کر فوج میں تقسیم کردے، ان کو مولیٰ استبرائے رحم کے بعد بیوی کے طور پر استعمال کرسکتا ہے، اگرچہ اس کا شوہر زندہ ہو، اس لئے کہ استرقاق سے نکاح ختم ہوجاتا ہے، اب اس آیت میں یہ بیان ہے کہ باندی سے نکاح کب جائز ہے؟ کس کے لئے جائز ہے؟ اور کس باندی سے نکاح جائز ہے؟

جاننا چاہئے کہ مولیٰ اپنی باندی سے نکاح نہیں کرسکتا، اس لئے کہ اس کو بغیر نکاح کے حقوقِ زوجیت حاصل ہیں، پس نکاح بے فائدہ ہوگا، البتہ مولیٰ اپنی باندی کو آزاد کرکے نکاح کرسکتا ہے، حدیث میں اس کی فضیلت آئی ہے، اس لئے یہ مسئلہ تو یہاں زیر بحث نہیں، یہاں غیر کی باندی سے نکاح کرنے کا بیان ہے۔

حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غیر کی باندی سے نکاح کرنے کے لئے تین شرائط ہیں:

۱- باندی سے وہ شخص نکاح کرسکتا ہے جو آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے پر قادر نہ ہو۔

۲- مسلمان باندی سے نکاح کرے، یہودی یا عیسائی باندی سے نکاح جائز نہیں۔

۳- باندی سے نکاح اس وقت جائز ہے جب زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔

ان حضرات نے مفہوم شرط اور مفہومِ وصف سے استدلال کیا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تینوں باتیں شرط نہیں، ترجیحات ہیں، ان کے نزدیک مذکورہ دونوں مفہوم حجت نہیں، وجوہِ فاسدہ میں سے ہیں، ان کے نزدیک آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی وسعت کے باوجود باندی سے نکاح جائز ہے، نیز کتابی باندی سے بھی نکاح جائز ہے، اور زنا

(۱) العنت کے اصل معنی ہیں، مشقت اور مرادی معنی ہیں: زنا، زنا دارین میں مشقت کا سبب ہے (۲) أن تصبروا: أن مصدریہ ہے اور مبتدا ہے، خیر لکم خبر ہے۔

میں مبتلا ہونے کا اندیشہ بھی شرط نہیں، البتہ اولیٰ یہ ہے کہ باندی سے نکاح وہی شخص کرے جو آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی وسعت نہیں رکھتا، اور مسلمان باندی سے نکاح کرے، کتابی سے نہ کرے، اور اسی صورت میں کرے کہ مبتلائے معصیت ہونے کا اندیشہ ہو، کیونکہ باندی سے جو اولاد ہوگی وہ اس کے آقا کی غلام ہوگی، پس اپنی اولاد کو غلامی کے در پے کرنا اچھی بات نہیں، مگر مجبوری کا حکم دوسرا ہے، اور چونکہ اب باندیاں نہیں رہیں، اس لئے میں طول نہیں دیتا، آیت کی مختصر تفسیر کرتا ہوں۔

البتہ دو باتیں ذہن میں تازہ کرلیں:

۱- جلد اول کے پیش لفظ (تقریب) میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ نص سے اخذ واستنباط کے یقینی طریقے چار ہیں، عبارت النص سے استدلال، اشارت النص سے استدلال، دلالت النص سے استدلال، اور اقتضاء النص سے استدلال، یہی چار یقینی اصول ہیں، دیگر طرق احناف کے نزدیک وجوہِ فاسدہ ہیں، وہ ہر جگہ صحیح نتیجہ نہیں دیتے، اس لئے احناف ان سے استدلال نہیں کرتے، دیگر ائمہ ان سے استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً مفہومِ لقب، مفہومِ مخالف، مفہومِ شرط، مفہومِ وصف وغیرہ سے بھی وہ حضرات استدلال کرتے ہیں۔

۲- اور یہ بات بھی جلد اول میں کسی جگہ بیان کی ہے کہ قرآنِ کریم احسن صورت ہی کو بیان کرتا ہے، غیر احسن صورت کو بیان نہیں کرتا، تا کہ اس کو اعتباریت کا پروانہ نہ مل جائے، اس آیت میں بھی قرآن نے احسن صورت ہی بیان کی ہے۔

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾

ترجمہ: اور تم میں سے جو شخص پاک دامن عورتوں سے نکاح کی طاقت نہیں رکھتا وہ ان مسلمان باندیوں سے نکاح کرے جو تمہاری (مسلمانوں کی) ملکیت میں ہیں —— پاک دامن اور مسلمان کی قیدیں اختیارِ اَولیٰ کے طور پر ہیں، کیونکہ بدکار عورت اور بدکار باندی سے بھی نکاح جائز ہے، احناف کے نزدیک نہ مفہومِ شرط کا اعتبار ہے نہ مفہومِ وصف کا، دیگر ائمہ کے نزدیک دونوں کا اعتبار ہے —— آزاد عورتوں کے مقابلہ میں باندیوں کا مہر کم ہوتا ہے اور رہن سہن کا معیار بھی نسبۃً کم ہی رہتا ہے، اس لئے فرمایا کہ اگر آزاد عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ ہو تو مسلمان باندیوں ہی سے نکاح کرو (آسان تفسیر)

﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ﴾ —— اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو خوب جانتے ہیں —— یہ ایک سوال کا جواب ہے، کوئی خیال کرسکتا ہے کہ مسلمان باندی کیا خاک مسلمان ہوگی! باندی عام طور پر جاہل ہوتی ہے، اس کو علم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا، اس لئے وہ نام کی مسلمان ہوگی؟ —— اس کا جواب دیا کہ ظاہر حال کا اعتبار کرو، حقیقتِ حال سے

اللہ ہی واقف ہیں، انسان واقف نہیں ہوسکتا، پس جب وہ خود کو مسلمان کہتی ہے تو اس کو مسلمان سمجھو اور اس سے نکاح کرو۔

﴿ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ ﴾ —— تمہارا ایک دوسرے سے ہے —— یعنی تم سب ایک ہی تو ہو، ایک ماں باپ کی اولاد ہو —— اس میں باندی سے نکاح کا ذہن بنایا ہے، لوگوں نے ذات پات کے امتیازات پیدا کئے ہیں، انسانوں کو شریف اور رذیل میں تقسیم کیا ہے، اس لئے باندی سے نکاح کرنے والا خیال کرسکتا ہے کہ وہ نیچ اور ہیچ ہے، اس سے کیا نکاح کروں! میری ہیٹی (بے عزتی) ہوگی —— اس کا جواب دیا کہ سب انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، سب انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں، شریف اور رذیل کا فرق لایعنی ہے، اس کا خیال مت کرو، اگر وہ باندی ہے تو کیا ہوا؟ بے تکلف اس سے نکاح کرو۔

باندی سے باقاعدہ نکاح مولیٰ کی اجازت سے ہو، اور اس کو حسبِ عرف مہر بھی دیا جائے

غلام باندی کو اپنے نفس پر ولایت حاصل نہیں ہوتی، وہ مولیٰ کے زیر تصرف ہوتے ہیں، اس لئے کہ وہ مملوک ہیں، وہ اپنی ذات کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے، اس لئے غلام بھی مولیٰ کی اجازت سے نکاح کرسکتا ہے اور باندی بھی —— پھر باندی سے نکاح کے لئے تین قیدیں لگائی ہیں، یہ شرطیں بھی لگزری (ترجیحی) ہیں:

۱- ﴿ مُحۡصَنٰتٍ ﴾: وہ نکاح میں آنے والیاں ہوں، حِصْن کے معنی ہیں: قلعہ، یعنی وہ نظام خانہ داری میں آنے والیاں ہوں۔

حَصُن (ک) حَصَانَةً کے اصل معنی ہیں: مضبوط و محفوظ ہونا۔ اور حَصُنَتِ المرأۃُ اور أَحْصَنَتِ المرأۃ کے تین معنی ہیں: (۱) شادی شدہ ہونا، جیسے ﴿ وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ﴾ اور وہ عورتیں جو شوہر والی ہیں (النساء آیت ۲۴) (۲) پاک دامن ہونا۔ جیسے ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ ﴾ الآیۃ: بیشک جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاک دامن ہیں (سورۃ النور آیت ۲۳) (۳) آزاد ہونا، جیسے ﴿ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ ﴾ میں آزاد عورتیں مراد ہیں۔ یہ تینوں صورتیں مضبوط و محفوظ ہونے کی ہیں۔

۲- ﴿ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ ﴾: وہ پانی بہانے والیاں نہ ہوں، ان کا مقصد محض بدکاری نہ ہو، بلکہ نکاح سے مقصود عفت و عصمت ہو۔

۳- ﴿ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ﴾: وہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں بھی نہ ہوں، بوئے فرینڈ بنانے والیاں نہ ہوں، خفیہ راہ و رسم پیدا کرنے والیاں نہ ہوں، بلکہ جس طرح آزاد عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے اس طرح نکاح کریں۔

اور ان کو حسبِ عرف مہر دینا بھی ضروری ہے، باندیوں کا مہر آزاد عورتوں سے کم ہوتا ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ

یہ مہر کس کا حق ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک باندی کا حق ہے، اور جمہور کے نزدیک: اس کے مولیٰ کا حق ہے، مہر وہ لے گا، اس لئے کہ وہ مملوک کے مال کا مالک ہے۔

﴿ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ﴾

ترجمہ: لہٰذا ان باندیوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو، اور ان کے مہر حسب عرف دو، نکاح کرنے والیاں ہوں، بدکاری کرنے والیاں نہ ہوں، اور خفیہ آشنائی کرنے والیاں نہ ہوں۔

زنا میں غلام باندیوں کے لئے آدھی سزا ہے

غلام باندی خواہ شادی شدہ ہوں یا کنوارے ان کو پچاس کوڑے مارے جائیں گے، سنگسار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ رجم میں تجزی نہیں ہوسکتی، اور رجم کرنے میں مولیٰ کا نقصان ہے، اور سزا میں تنصیف کی وجہ یہ ہے کہ آزاد شادی شدہ کامل ہے، اور غیر شادی شدہ ناقص اور غلام باندی انقص ہیں، اس لئے ناقص کی سزا کا نصف انقص کے لئے تجویز کیا گیا، اور آیت میں باندی کی سزا کا ذکر ہے، غلام کو اس پر قیاس کیا گیا ہے۔

﴿ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾

ترجمہ: پھر جب وہ باندیاں منکوحہ بنائی جائیں، پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام (زنا) کریں تو ان پر اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں پر ہے۔

باندی سے نکاح کے لئے تیسری ترجیحی شرط: زنا میں مبتلا ہونے کا ڈر ہے

باندی سے نکاح کے لئے دو شرطیں تو شروع آیت میں لگائی تھیں: ایک: آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی استطاعت نہ ہو، دوسری: مسلمان باندی سے نکاح کرنا، کتابیہ سے نکاح نہ کرنا، اب ایک تیسری ترجیحی شرط لگاتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ باندی سے نکاح کی اجازت اس شخص کے لئے ہے جس کو زنا میں مبتلا ہونے کا ڈر ہے، اگر یہ ڈر نہ ہو تو اجازت نہیں، یہ بھی استحبابی شرط ہے، اور دلیل اگلا ارشادِ پاک ہے: ﴿ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾: اور صبر کرنا تمہارے لئے بہتر ہے، یعنی زنا کا اندیشہ ہو پھر بھی باندی سے نکاح نہ کرنا بہتر ہے، کیونکہ باندی سے نکاح کرنے میں یہ نقصان ہے کہ جو بچے پیدا ہونگے وہ باندی کے مولیٰ کے غلام ہونگے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو بہتر یہ ہے کہ باندی کو نکاح میں لانے سے بچا جائے۔ یہ ارشادِ پاک دلیل ہے کہ یہ شرط بھی استحبابی ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ پاک بڑے بخشنے والے، بڑے مہربان ہیں، یعنی صبر کیا اور باندی سے نکاح نہ کیا اور زنا سے ہلکے گناہ میں مبتلا ہوگیا، بدنظری وغیرہ کا شکار ہوگیا، پھر سچی پکی توبہ کرلی تو اللہ تعالیٰ بخش دیں گے، وہ بڑے مہربان ہیں۔

﴿ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِيَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ ؕ وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴾ ۲۵

ترجمہ: یہ (باندی سے نکاح کی اجازت) اس شخص کے لئے ہے جو تم میں سے زنا کا اندیشہ رکھتا ہو، اور تمہارے لئے صبر کرنا بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں!

يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمۡ وَيَهۡدِيَكُمۡ سُنَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَيَتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۲۶ وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ وَيُرِيۡدُ الَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الشَّهَوٰتِ اَنۡ تَمِيۡلُوۡا مَيۡلًا عَظِيۡمًا ۲۷ يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّخَفِّفَ عَنۡكُمۡ ۚ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا ۲۸

يُرِيۡدُ	چاہتے ہیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	الشَّهَوٰتِ	خواہشات کی
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	عَلِيۡمٌ	سب کچھ جاننے والے	اَنۡ تَمِيۡلُوۡا	کہ جھک جاؤ تم
لِيُبَيِّنَ	کہ کھول کر بیان کریں	حَكِيۡمٌ	بڑی حکمت والے ہیں	مَيۡلًا عَظِيۡمًا	بہت زیادہ جھک جانا
لَكُمۡ	تمہارے لئے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	يُرِيۡدُ	اور چاہتے ہیں
وَيَهۡدِيَكُمۡ	اور چلائیں تمہیں	يُرِيۡدُ	چاہتے ہیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
سُنَنَ	راہ پر	اَنۡ يَّتُوۡبَ	کہ توجہ فرمائیں	اَنۡ يُّخَفِّفَ	کہ ہلکا کریں
الَّذِيۡنَ	ان کی جو	عَلَيۡكُمۡ	تم پر	عَنۡكُمۡ	تم سے
مِنۡ قَبۡلِكُمۡ	تم سے پہلے ہوئے	وَيُرِيۡدُ	اور چاہتے ہیں	وَخُلِقَ	اور پیدا کیا گیا ہے
وَيَتُوۡبَ	اور توجہ فرمائیں	الَّذِيۡنَ	جو لوگ	الۡاِنۡسَانُ	انسان
عَلَيۡكُمۡ	تم پر	يَتَّبِعُوۡنَ	پیروی کرتے ہیں	ضَعِيۡفًا	کمزور

ربط: سورت اس بیان سے شروع ہوئی ہے کہ تمام انسان ایک ہیں، پہلے اللہ نے نفسِ ناطقہ (نوع) کی دو صنفیں بنائیں، پھر اس سے بے شمار مرد وزن پھیلائے، پھر یتامی (کمزور افراد) کے احکام بیان کئے، اس کے بعد میراث کے

مسائل آئے، اس لئے کہ یتیم لڑکیوں کو میراث نہیں دی جاتی تھی، زبردست قبضہ کر لیتے تھے، تا آنکہ میت کی بیوی کو بھی میراث سمجھا جاتا تھا، میت کا لڑکا سوتیلی ماں سے نکاح کرتا تھا، حالانکہ وہ محرماتِ ابدیہ میں سے تھی، اس طرح محرمات کا بیان شروع ہوگیا، پھر حلال عورتوں کا اور ان کے مہر کا ذکر آیا، اور باندیوں سے بھی نکاح کی اجازت دی، اب نہج بدلتا ہے، گذشتہ احکام کے سلسلہ میں تین باتیں ارشاد فرماتے ہیں، پھر دوسرے احکام شروع ہونگے جو سراسر خیر و برکت ہیں۔

۱- احکام گذشتہ امتوں پر بھی نازل کئے گئے ہیں، اور وہ تمھیں اپنا بنانے کے لئے ہیں

سورۃ البقرۃ (آیت ۱۸۳) میں ارشادِ پاک ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح تم سے اگلوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم تقوی شعار بنو۔ معلوم ہوا کہ روزے اسی امت پر ابتداءً مقرر نہیں کئے گئے، گذشتہ امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے، اور ان میں ایمان لانے والوں کا فائدہ ہے، روزوں سے پرہیز گاری کی دولت ہاتھ آتی ہے۔

اسی طرح دیگر احکام بھی جو اس سورت میں بیان کئے جارہے ہیں: نئے نہیں، گذشتہ امتوں پر بھی اس طرح کے احکام نازل کئے گئے تھے، اور یہ احکام اس لئے نازل کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنا بنانا چاہتے ہیں، ایمان لانے والے بندے احکامِ الٰہی پر عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ عنایت فرمائیں گے، جو غلام (بندے) آقا کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں وہ آقا کے چہیتے ہوجاتے ہیں، انہیں کو آقا مہربانیوں سے نوازتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہیں، انھوں نے بندوں کو اپنانے کے لئے اپنی حکمتِ بالغہ سے ایک طریقہ تجویز کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ بندوں کو احکام دیئے ہیں، پھر جو بندے تعمیل کریں ان کی طرف توجہ مبذول کی جائے، اور ان کو عنایات سے نوازا جائے۔

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تمہارے لئے (احکام) پوری تفصیل سے بیان کریں، اور پہلے گذرے ہوئے لوگوں کی طرح تمہاری راہ نمائی کریں —— دونوں جملوں کا حاصل ایک ہے —— اور تمہاری طرف توجہ فرمائیں —— یعنی تمہیں اپنا بنائیں —— اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں —— انھوں نے اپنی حکمت سے تمہیں اپنانے کا یہ طریقہ تجویز کیا ہے، لہٰذا احکامِ الٰہی کی تعمیل کرو، اس سے روگردانی مت کرو، ورنہ اپنا نقصان کر بیٹھوگے۔

۲-خواہشات کے پجاری تمہیں احکامِ الٰہی سے بالکل ہی برگشتہ کردینا چاہتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے تو اپنے احکام پوری تفصیل سے بیان کئے ہیں، احکام کے ساتھ ان کی حکمتیں اور فوائد بھی بیان کئے ہیں، مگر بے دین اور بددین لوگ جو دنیا کے مزوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں چاہتے ہیں کہ تم دین حق سے بالکل ہی دست بردار ہوجاؤ، نام کے مسلمان رہ جاؤ، یہود ونصاری کی پوری کوشش ہے کہ مسلمان چاہے مسلمان رہیں، مگر دین پر نہ رہیں، نام کے مسلمان ہوجائیں، کام کے نہ ہوں، ایسے مسلمانوں سے ان کو کوئی خطرہ نہیں، وہ ان کے اشاروں پر ناچیں گے، اسی طرح دانشور بھی اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ احکام میں تشکیک پیدا کریں، وہ حدود کو بربریت بتلاتے ہیں، اور اجتہاد کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں، تاکہ نیا دین وضع کریں۔

کہنا یہ ہے کہ تم ان کی کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دو، احکام الٰہی پر جمے رہو، اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔

﴿ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝۲۷ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ (احکام نازل کرکے) چاہتے ہیں کہ تمہاری طرف توجہ فرمائیں ـــــ تمہیں اپنا بنائیں ـــــ اور جو لوگ نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں: چاہتے ہیں کہ تم دین حق سے بالکل ہی ہٹ جاؤ!

انسان ضعیف البنیاں ہے، اس لئے احکام ہلکے دیئے ہیں

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس میں کروٹ لینے کی بھی طاقت نہیں ہوتی، کئی ماہ تک ماں باپ اس کو اٹھائے پھرتے ہیں، پھر جب پیر آتے ہیں تو اس کو انگلی پکڑاتے ہیں، وہ گرتا پڑتا چلنا سیکھتا ہے، اور جسم قوی ہونے لگتا ہے، مگر عقل ایک عرصہ کے بعد قوی ہوتی ہے، اس لئے بلوغ تک مکلّف نہیں ہوتا، اور بالغ ہوکر بھی ہاتھی گھوڑا نہیں بن جاتا، ضعیف البنیان رہتا ہے، اس لئے سماوی شریعتوں میں اس کو ہلکے اور آسان احکام دیئے ہیں، تکلیف مالا یطاق ممنوع ہے، آگے ایسے احکام دیں گے جن سے معاشرت (رہن سہن) کی اصلاح ہوگی اور خانگی زندگی پروان چڑھے گی۔

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝۲۸ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم پر آسانی کریں، اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے!

فائدہ: دانشمند اس کا رونا روتے ہیں کہ شریعت کے احکام بہت سخت ہیں، جرائم کی سزائیں رونگٹے کھڑے کرنے والی ہیں، یہ احکام اونٹوں کے زمانہ کے ہیں، برق رفتار کاروں، ریلوں اور ہوائی جہازوں کے دور میں یہ احکام نہیں چل سکتے، اس لئے اجتہاد کا دروازہ کھولنا چاہئے، اور نئی شریعت مرتب کرنی چاہئے۔

یہ حضرات جان لیں کہ اللہ نے احکام میں آسانی کا لحاظ رکھا ہے، وہ ہر دور اور ہر شخص کے لئے موزون ہیں، نماز کھڑے ہوکر پڑھنا دشوار ہو، استطاعت نہ ہوتو بیٹھ کر پڑھے، اس پر بھی قدرت نہ ہوتو لیٹ کر اشارے سے پڑھے، مگر پڑھے، چھوڑے نہیں، ورنہ کافر اور مسلمان میں کیا فرق رہے گا؟ روزے بیماری اور سفر میں نہ رکھے، بعد میں اتنی ہی تعداد پوری کرلے، زکات اس وقت واجب ہوتی ہے جب سال بھر نصاب بدست رہے، حج استطاعت کی شرط کے ساتھ فرض ہے، اور حدود: صرف چار ہیں، اور یہ سخت سزائیں صرف ہوّا ہیں، ان کو نافذ کرنے کی نوبت بہت ہی کم آتی ہے، اور جرائم رک جاتے ہیں، پس سزا کا ہوّا سزا سے بہتر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔــلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِيْبَھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اِلَّآ	لیکن	اَنْفُسَكُمْ (۲)	اپنے لوگوں کا
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اَنْ تَكُوْنَ (۱)	یہ کہ ہو	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
لَا تَاْكُلُوْٓا	نہ کھاؤ تم	تِجَارَةً	تجارت	كَانَ بِكُمْ	ہیں تم پر
اَمْوَالَكُمْ	اپنے اموال	عَنْ تَرَاضٍ	خوشی سے	رَحِيْمًا	بے حد مہربان
بَيْنَكُمْ	باہم (اپنے درمیان)	مِّنْكُمْ	باہمی	وَمَنْ	اور جو شخص
بِالْبَاطِلِ	ناحق (غلط) طریقہ پر	وَلَا تَقْتُلُوْٓا	اور مت خون کرو	يَّفْعَلْ	کرے گا

(۱) تکون کی خبر محذوف ہے أی فلکم أن تأکلوھا، أی الأموال (۲) انفس سے مراد مسلمان بھائی ہیں، وہ اپنے ہیں۔

ذٰلِكَ	وہ کام (قتل)	وَلَا تَتَمَنَّوْا	اور نہ آرزو کرو تم	كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ	ہیں ہر چیز کو
عُدْوَانًا (۱)	حد سے تجاوز کرتے ہوئے	مَا فَضَّلَ (۶)	اس کی جو برتری بخشی	عَلِيمًا	خوب جاننے والے
وَّظُلْمًا	اور ستم ڈھاتے ہوئے	اللّٰهُ	اللہ نے	وَلِكُلٍّ	اور ہر ایک کے لئے
فَسَوْفَ	تو عنقریب	بِهٖ	اس کے ذریعہ	جَعَلْنَا	بنائے ہم نے
نُصْلِيهِ	ہم اس کو داخل کریں گے	بَعْضَكُمْ	تمہارے بعض کو	مَوَالِيَ (۸)	ورثاء
نَارًا	دوزخ میں	عَلٰى بَعْضٍ	بعض پر	مِمَّا	اس سے جو
وَكَانَ ذٰلِكَ	اور یہ ہے (داخل کرنا)	لِلرِّجَالِ	مردوں کے لئے ہے	تَرَكَ	چھوڑا
عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	نَصِيبٌ	حصہ	الْوَالِدَانِ	ماں باپ نے
يَسِيرًا	آسان	مِّمَّا	اس میں سے جو	وَالْأَقْرَبُونَ	اور رشتہ داروں نے
إِنْ تَجْتَنِبُوا	اگر بچے رہو تم	اكْتَسَبُوا	کمایا انھوں نے	وَالَّذِينَ	اور جن سے
كَبَائِرَ (۲)	بڑے گناہوں سے	وَلِلنِّسَاءِ	اور عورتوں کے لئے ہے	عَقَدَتْ (۹)	بندھی ہیں
مَا تُنْهَوْنَ	جو روکے جاتے ہو تم	نَصِيبٌ	حصہ	أَيْمَانُكُمْ	تمہاری قسمیں
عَنْهُ (۳)	ان سے	مِّمَّا	اس میں سے جو	فَآتُوهُمْ	پس دو ان کو
نُكَفِّرْ	مٹا دیں گے ہم	اكْتَسَبْنَ	کمایا انھوں نے	نَصِيبَهُمْ	ان کا حصہ
عَنْكُمْ	تم سے	وَسْئَلُوا (۷)	اور مانگو تم	إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
سَيِّئَاتِكُمْ (۴)	تمہاری برائیاں	اللّٰهَ	اللہ سے	كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ	ہیں ہر چیز پر
وَنُدْخِلْكُمْ	اور داخل کریں گے تم کو	مِنْ فَضْلِهٖ	ان کے فضل سے		
مُدْخَلًا كَرِيمًا (۵)	عزت کی جگہ میں	إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	شَهِيدًا	گواہ

(۱)عدوانا: یفعل کے فاعل کا حال ہے، اور ظلماً اس کی تاکید ہے (۲) کبائر: مابعد کی طرف مضاف ہے (۳)عنه کی ضمیر ما کی طرف لوٹتی ہے، ما لفظاً مفرد ہے، معناً جمع ہے (۴) قرآن میں سیئات بمعنی صغائر آیا ہے (۵)مدخلا (اسم مفعول کے وزن پر) مصدر ہے، اور کریما اس کی صفت ہے اور ظرفِ مکان بھی ہوسکتا ہے، ترجمہ اسی کا کیا ہے (۶) ما فضل الله: لاتتمنوا کا مفعول بہ ہے (۷) سئلوا: سین سے پہلے ہمزہ وصل قرآنی رسم الخط میں متروک ہے (۸) موالی: مولیٰ کی جمع ہے، یہاں اسکے معنی ہیں: ورثاء (ابن عباس) (۹) عَقَدَ (ض) عَقْدًا: باندھنا، ایک قراءت میں باب مفاعلہ سے عاقدت ہے یعنی تم نے باہم عہد و پیمان باندھا ہے، اور أیمانکم: فاعل ہے یعنی تمہاری قسمیں بندھی ہیں / باہم بندھی ہیں، مراد وہ لوگ ہیں جن سے تم نے معاونت کا معاہدہ کیا ہے۔

ذات البین کی اصلاح کے لئے احکام

۱- ناحق ایک دوسرے کے اموال مت کھاؤ، اس سے قتل کا دروازہ کھلے گا

اب ایسے احکام بیان فرماتے ہیں جن میں ذات البین کی اصلاح ہے، ذات البین: یعنی آپسی معاملات:

پہلا حکم: ناحق ایک دوسرے کے اموال (دولت) مت کھاؤ، اس سے قتل کی نوبت آسکتی ہے، اور قتلِ مؤمن سنگین گناہ ہے ـــــ اور 'ناحق' میں حصولِ زر کی وہ تمام صورتیں آجاتی ہیں جن کی قرآن وحدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے ـــــ اور اموال جمع سے مراد دولت ہے، کسی کا بڑا مال ہڑپ کرلیا، اور مظلوم بے بس ہو تو ظالم کو کسی طرح نمٹا دے گا، یہ قتل کی نوبت آگئی! یہ آیت میں مذکور دونوں حکموں میں مناسبت ہے۔

اور آیت سے معلوم ہوا کہ خرید وفروخت میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے، کسی فریق کو مجبور کر کے معاملہ طے کرنا جائز نہیں، نہ زبان بندی جائز ہے، آخر تک فریقین کو بولنے کا اختیار ہے، اور آخر میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک: ایجاب وقبول پورے ہونے تک اختیار ہے، اسی لئے خرید وفروخت اور دیگر مالی معاملات میں ایجاب وقبول کو ضروری قرار دیا گیا، کیونکہ ان سے فریقین کی رضامندی کا پتہ چل جاتا ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک: متعاقدین کے ایک دوسرے سے جدا ہونے تک اختیار ہے، دونوں کے دلائل تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی (۱۶۲:۴) میں ہیں۔

اور 'ناحق' اموال کھانے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس سے قتل کی نوبت آسکتی ہے، زر، زمین اور زن کے جھگڑے بڑے خطرناک ہوتے ہیں، قتل کی نوبت آجاتی ہے، جبکہ ہر شخص کو قتلِ مؤمن سے بچنا چاہئے، اللہ تعالیٰ بندوں پر بے حد مہربان ہیں، پس مؤمن بندوں میں بھی اس کی خوبو ہونی چاہئے۔

مسئلہ: ناحق کسی کا ایک پیسہ بھی کھانا حرام ہے، اور آیت میں اموال جمع دوسرے حکم کی مناسبت سے لایا گیا ہے۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۲۹ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! باہم ناحق طریقہ پر ایک دوسرے کے اموال مت کھاؤ، ہاں اگر آپس میں رضامندی سے بزنس (معاملہ) ہو (تو مضائقہ نہیں) اور اپنے آدمیوں کو قتل مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بے حد مہربان ہیں!

قتلِ مؤمن نہایت سنگین گناہ ہے

یہ ضمنی بات ہے، جو شخص ظلم وزیادتی سے کسی مسلمان کو قتل کرے گا: اس کو اللہ تعالیٰ جہنم میں جھونکیں گے! اللہ تعالیٰ کے

لئے یہ کام کچھ مشکل نہیں! ـــــ یہ غایت بیان کئے بغیر قتلِ مؤمن کی سزا کا بیان ہے، آگے اسی سورت (آیت ۹۳) میں اس سے سخت لب ولہجہ میں یہی سزا بیان کی ہے۔

﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور جو شخص یہ کام (قتل) ظلم وزیادتی سے کرے گا ـــــ حد (شرعی سزا) میں قتل کرنا نکل گیا ـــــ اس کو ہم جلدی جہنم میں جھونکیں گے، اور یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے! ـــــ مؤمن کو بھی جہنم میں ڈالنے سے ان کو کوئی چیز روک نہیں سکتی!

جو کبائر سے بچا رہے گا: اس کے صغائر معاف کر دیئے جائیں گے

یہ بھی ضمنی بات ہے، اور اوپر کی مقابل بات ہے، اور یہ قرآنِ کریم کا اسلوب بیان ہے، وہ اہل جنت وجہنم میں سے ایک کے تذکرہ کے بعد دوسرے کا تذکرہ کرتا ہے، پس جو کسی مسلمان کو ناحق قتل کرے گا وہ جہنم میں جائے گا، اور جو اس سے بچا رہے گا وہ جنت میں جائے گا، اور یہ بات ایک قاعدہ کلیہ کی صورت میں بیان کی ہے:

قاعدہ کلیہ: جو شخص کبیرہ گناہوں سے بچا رہے گا، اور کبیرہ گناہ وہ ہیں جن سے قرآن وحدیث میں روکا گیا ہے: اس کی برائیاں نامۂ اعمال سے مٹادی جائیں گی، اور جب وہ بے گناہ ہوجائے گا تو عزت کی جگہ (جنت) میں داخل کیا جائے گا۔

گناہ کے چار درجے: (۱) مَعْصِيَة (نافرمانی) اس کے مقابل طَاعَة (فرمان برداری) ہے (۲) سَيِّئَة (برائی) اس کے مقابل حَسَنَة (نیکی) ہے (۳) خَطِيْئَة (غلطی) اس کے مقابل صَوَاب (درستگی) ہے (۴) ذنوب (کوتاہی، عیوب) اس کے مقابل کچھ نہیں، یہ معمولی گناہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ صرف معصیت کبیرہ گناہ ہے، باقی تین صغائر ہیں، اور اہل السنہ کا اتفاق ہے کہ کبائر کے لئے توبہ (قولی یا فعلی) ضروری ہے، وہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے، ان کی سزا ملے گی، اور صغائر: حسنات سے بھی معاف ہوجاتے ہیں، سورۃ ہود (آیت ۱۱۴) میں ہے: ﴿ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾: بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہاں بھی یہی ارشاد پاک ہے کہ جو بڑے گناہوں سے بچا رہے گا اس کی برائیاں مٹادی جائیں گی، سیئات سے صغائر مراد ہیں۔

اور صغائر وکبائر: اضافی الفاظ ہیں، ہر گناہ نیچے کے اعتبار سے کبیرہ ہے، اور اوپر کے اعتبار سے صغیرہ ہے، جیسے چار بھائی ہیں، ہر ایک نیچے کے اعتبار سے بڑا ہے، اور اوپر کے اعتبار سے چھوٹا ہے۔

اور نصوص میں صغائر وکبائر کی تحدید نہیں آئی، تاکہ لوگ ہر گناہ سے بچیں، یہ خیال کر کے کہ وہ نیچے کے اعتبار سے کبیرہ

ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کبیرہ گناہ تقریباً سات سو ہیں (جلالین) اور ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ نے ان کو الزواجر عن ارتکاب الکبائر میں جمع کیا ہے۔ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ ہوگیا ہے، قارئین اس کا مطالعہ کریں اور ہر کبیرہ سے دامن بچائیں۔

میں یہاں صرف ایک متفق علیہ (بخاری مسلم کی) حدیث لکھتا ہوں، جس میں سات گناہوں کو موبقات (ہلاک کرنے والے) کہا گیا ہے، لوگ ان سے بچیں:

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''سات ستیاناس کرنے والے گناہوں سے بچو!'' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(۱) اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا (۲) جادو (کرنا کرانا) (۳) اس شخص کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے، مگر حقِ شرعی کی وجہ سے (قتل کرسکتے ہیں) (۴) سود لینا (دینا) (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) مڈبھیڑ کے دن پیٹھ پھیرنا (۷) پاک باز، ایماندار، گناہ (زنا) سے بے خبر عورت پر زنا کی تہمت لگانا (مشکاۃ ح ۵۲)

فائدہ (۱): ﴿ تُنْهَوْنَ ﴾: فعلِ مجہول میں وہ گناہ بھی آجاتے ہیں جن سے حدیثوں میں روکا گیا ہے۔

فائدہ (۲): کبیرہ گناہ کی تعریف میں بہت اقوال ہیں، جامع ترین قول یہ ہے کہ (۱) جس گناہ پر کوئی وعید آئی ہو (۲) یا حد مقرر کی گئی ہو (۳) یا اس گناہ پر لعنت آئی ہو (۴) یا اس میں خرابی کسی ایسے گناہ کے برابر یا زیادہ ہو جس پر وعید یا حد یا لعنت آئی ہے (۵) یا وہ کام آدمی نے دین میں سستی کی راہ سے کیا ہو تو وہ کبیرہ گناہ ہے، اور اس کا مقابل صغیرہ ہے۔

﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝۳۱ ﴾

ترجمہ: اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچوگے، جن سے تمہیں روکا جاتا ہے، تو ہم تم سے تمہاری برائیاں مٹادیں گے، اور ہم تمہیں عزت والی جگہ (جنت) میں داخل کریں گے۔

۲- باکمال کی فضیلت پر رشک مت کرو

ایک کمزوری انسانوں میں یہ ہے کہ باکمال مردوں پر مرد، اور باکمال عورتوں پر عورتیں جلتی ہیں، کسی مرد کو کوئی دینی یا دنیوی کمال حاصل ہوگیا، کوئی عہدہ مل گیا، علم میں تفوق حاصل ہوگیا یا کاروبار چمک گیا تو دوسروں کی آنکھوں میں وہ کانٹے کی طرح چبھتا ہے، وہ مقابلہ بازی پر اتر آتے ہیں، اس کی ٹانگ گھسیٹتے ہیں، اس کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں، اور کردنی ناکردنی کرنے لگتے ہیں، جادو، ٹوناٹوٹکا کرنے سے بھی باز نہیں آتے —— یہی حال عورتوں کا بھی ہے، وہ بھی دوسری کی فضیلت اور برتری پر جلتی ہیں، کسی عورت کو اچھا شوہر مل گیا، خوش حال گھرانہ مل گیا یا کوئی دینی کمال حاصل ہوگیا تو بعض عورتوں کی نیند حرام ہوجاتی ہے، اور وہ ہاتھ دھوکر اس کے پیچھے پڑجاتی ہیں، اس سے بھی معاشرہ خراب ہوتا ہے، آپس

میں بغض ونفرت پیدا ہوتی ہے، اور رشک بڑھ کر حسد بن جاتا ہے، اور حسد: بغض ونفرت پیدا کرتا ہے، اس لئے ایسے رشک ہی کی ممانعت فرماتے ہیں:

اگر اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر برتری بخشی ہے تو اس پر رشک مت کرو، مردوں کو ان کی صلاحیت کی وجہ سے کمال حاصل ہوا ہے، اسی طرح عورتوں کو بھی ان کی صلاحیت کی وجہ سے کمال ہوا ہے، تم بھی صلاحیت پیدا کرو، اور اللہ سے فضل مانگو، وہ تمہیں بھی ضرور عنایت فرمائیں گے، وہ لوگوں کی صلاحیتوں کو خوب جانتے ہیں، کسی باکمال کو محروم نہیں کرتے۔

﴿ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور تم آرزو مت کرو اس کی جس کے ذریعہ اللہ نے تمہارے ایک کو دوسرے پر برتری بخشی ہے، مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو انھوں نے کمایا ہے ـــــ یعنی محنت سے صلاحیت پیدا کی ہے ـــــ اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو انھوں نے کمایا ہے، اور تم (بھی) اللہ تعالیٰ سے ان کا فضل مانگو، اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

۳-وارث کو نقصان نہ پہنچایا جائے، خواہ نزدیک کا وارث ہو یا دور کا، اور جس کا تعاون ضروری ہو اس کا معروف طریقہ پر تعاون کیا جائے

بعض لوگ نزدیک کے ورثاء کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں، زمین جائداد لڑکوں کو ہبہ کر دیتے ہیں، اور لڑکیوں کو اس کا کوئی عوض نہیں دیتے، اور بعض لوگ کسی لڑکے سے ناراض ہو جاتے ہیں اور اس کو عاق (غیر وارث) کر دیتے ہیں جبکہ ایسا کرنے کا اس کو اختیار نہیں، وارث خود بخود میراث کا مالک ہو جاتا ہے، اس کی ملکیت اضطراری ہے، اور حدیث میں ہے کہ جو کسی وارث کا حصہ کاٹے گا: اللہ تعالیٰ اس کا جنت سے حصہ کاٹیں گے! ـــــ رہی لڑکے کی نالائقی تو اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں سزا دیں گے، اس کی وجہ سے اس کو میراث سے محروم کرنا جائز نہیں، ورثاء اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیئے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگوں کے قریبی وارث نہیں ہوتے، دور کے وارث ہوتے ہیں، مثلاً بھائی یا بھتیجے وارث ہوتے ہیں، اس لئے وہ اپنی زندگی میں مال اڑا دیتے ہیں، خیر خیرات کر دیتے ہیں، زمین جائداد وقف کر دیتے ہیں تاکہ دور کے وارثوں کو ترکہ نہ پہنچے، یہ طریقہ بھی غلط ہے، اس سے معاشرتی بگاڑ پیدا ہوتا ہے، لوگ ایسا کرنے سے بچیں، ورثاء کے لئے ترکہ چھوڑنا بھی صدقہ ہے۔

اور اگر وجوہِ خیر میں خرچ کرنا ضروری ہے، یا کسی کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے، اور اس کا تعاون کرنا ضروری ہے، تو تہائی

ترکہ سے دے یا وصیت کرے، سارا مال نہ دیدے، دوتہائی ورثاء کے لئے بچائے۔

زمانۂ جاہلیت میں عقد موالات (دوستی کا معاہدہ) کرتے تھے، جس کا کوئی وارث نہیں ہوتا تھا وہ دوسرے کے ساتھ اس طرح معاملہ کرتا تھا کہ اگر میں کوئی جنایت کروں تو آپ اس کی دیت دیں، اور آپ جنایت کریں گے تو میں دیت دونگا، اور میں مروں گا تو آپ کو میراث ملے گی اور آپ مریں گے تو مجھے میراث ملے گی، اور اس کو'عقد موالات' کہتے تھے۔

پھر جب اسلام کا زمانہ آیا تو ہجرت کے بعد مہاجرین وانصار میں 'مواخات' کرائی، یہی موالات ہے، اس کی بنیاد پر ایک دوسرے کو میراث ملتی تھی، پھر جب مہاجرین کے ورثاء مسلمان ہو گئے تو اس حکم میں تبدیلی آئی، اور زیر تفسیر آیت نازل ہوئی، ارشاد فرمایا: ''اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں ہم نے وارث مقرر کردیئے ہیں'' —— حضرت ابن عباسؓ نے موالی کا ترجمہ 'ورثہ' کیا ہے —— اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ (سدس) دیدو، (باقی ترکہ ورثاء کو ملے گا) —— نصیب سے احناف کے نزدیک چھٹا حصہ مراد ہے، اور حضرت ابن عباسؓ نے مدد، تعاون، خیر خواہی اور وصیت کرنا مراد لیا ہے یعنی اب مولی الموالات کا میراث میں کوئی حصہ نہیں —— پھر جب سورۃ الانفال کی آخری آیت: ﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾: نازل ہوئی تو مولی الموالات کا جو سدس تھا وہ بھی ختم ہو گیا —— اور یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ دوسرے ورثاء کی موجودگی میں —— خواہ وہ ذوی الفروض نسبیہ ہوں یا عصبہ ہوں یا ذوی الارحام ہوں —— مولی الموالات کو میراث نہیں ملے گی، لیکن جب کوئی وارث نہ ہو اور مولی الموالات ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس کو کل میراث ملے گی (بیان القرآن)

﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے ہر ایک کے لئے ورثاء بنائے ہیں اس مال کے جو والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے —— والدین نے اولاد کے لئے چھوڑا ہے یعنی قریبی ورثاء کے لئے، اور رشتہ داروں نے دور کے رشتہ داروں کے لئے چھوڑا ہے —— اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں —— یعنی عقد موالات کیا ہے یا کسی سے کوئی پختہ وعدہ کیا ہے —— تو ان کو ان کا حصہ دو —— یعنی سارا ترکہ مت دو، تہائی ترکہ سے احسان کرو —— اللہ تعالیٰ بالیقین ہر چیز کے گواہ ہیں —— یعنی دیکھ رہے ہیں، گواہ دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی نظر رکھے ہوئے ہیں، دیکھ رہے ہیں کہ تم حکم پر عمل کرتے ہو یا نہیں؟

فائدہ: ورثاء کے لئے لفظ موالی استعمال کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہارے اصل موالی (دوست) ورثاء ہیں، نہ کہ مولی الموالات۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

اَلرِّجَالُ	مرد	لِلْغَيْبِ (۴)	چھپی چیز کی	عَلَيْهِنَّ	ان پر
قَوّٰمُوْنَ (۱)	بہت ذمہ دار ہیں	بِمَا حَفِظَ (۲)	حفاظت کرنے کی وجہ سے	سَبِيْلًا	کوئی راستہ
عَلَى النِّسَآءِ	عورتوں کے	اللّٰهُ	اللہ کی	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
بِمَا فَضَّلَ (۲)	برتری دینے کی وجہ سے	وَ الّٰتِيْ	اور جو عورتیں	كَانَ عَلِيًّا	ہیں برتر
اللّٰهُ	اللہ کے	تَخَافُوْنَ	ڈرتے ہو تم	كَبِيْرًا	بہت زیادہ
بَعْضَهُمْ	ان کے ایک کو	نُشُوْزَهُنَّ	ان کی نافرمانی سے	وَ اِنْ خِفْتُمْ	اور اگر ڈرو تم
عَلٰى بَعْضٍ	دوسرے پر	فَعِظُوْهُنَّ	پس سمجھاؤ ان کو	شِقَاقَ	ناچاقی سے
وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا (۲)	اور خرچ کرنے کی وجہ سے	وَاهْجُرُوْهُنَّ	اور جدا کردو ان کو	بَيْنِهِمَا	باہمی
مِنْ اَمْوَالِهِمْ	ان کے اموال میں سے	فِي الْمَضَاجِعِ	خواب گاہوں میں	فَابْعَثُوْا	پس بھیجو
فَالصّٰلِحٰتُ (۳)	پس نیک خواتین	وَاضْرِبُوْهُنَّ	اور مارو ان کو	حَكَمًا	ایک پنچ
قٰنِتٰتٌ	اطاعت شعار ہوتی ہیں	فَاِنْ	پھر اگر	مِّنْ اَهْلِهٖ	مرد کے خاندان سے
حٰفِظٰتٌ	نگہبانی کرنے والی	اَطَعْنَكُمْ	کہنا مانیں وہ تمہارا	وَحَكَمًا	اور ایک پنچ
	ہوتی ہیں	فَلَا تَبْغُوْا	تو نہ چاہو تم	مِّنْ اَهْلِهَا	عورت کے خاندان سے

(۱) قوام: اسم مبالغہ، بروزن علّام، قام بأمر: ذمہ دار ہونا، حاکم: رعیت کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس لئے 'حاکم' بھی ترجمہ کرتے ہیں
(۲) تینوں جگہ باء سببیہ اور ما مصدریہ ہے (۳) الصالحات: مبتدا، قانتات: پہلی خبر اور حافظات دوسری خبر ہے (۴) غیب: چھپی ہوئی چیز، یعنی ناموس۔

اِنْ يُّرِيْدَآ	اگر چاہیں گے دونوں	بَيْنَهُمَا	دونوں کے درمیان	عَلِيْمًا	سب کچھ جاننے والے
اِصْلَاحًا	سنوارنا	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	خَبِيْرًا	بڑے باخبر
يُّوَفِّقِ اللّٰهُ	موافقت کردیں گے اللہ	كَانَ	ہیں	۞	۞

خانگی زندگی خراب ہوجائے تو حتی الامکان اس کو سنوارنے کی کوشش کی جائے

یہ دو آیتیں ہیں، ان میں یہ مضمون ہے کہ خانگی زندگی جب بگڑ جاتی ہے تو چین حرام ہوجاتا ہے، ہر وقت برتن بجتے ہیں، جھگڑا انٹنار رہتا ہے، پس ایسی صورتِ حال میں حتی الامکان اصلاح کی کوشش کی جائے، ایک دم طلاق پر اقدام نہ کیا جائے، طلاق گو مباح ہے، مگر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، اور شیطان کو اس سے بڑی خوشی ہوتی ہے، اس لئے ناگزیر حالات ہی میں طلاق پر اقدام کرنا چاہئے۔

اور اصلاحِ حال کے ترتیب وار چار طریقے ہیں، مگر پہلی آیت میں تمہید میں دو باتیں بیان کی ہیں:

پہلی بات: مرد وزن جب تک رشتۂ ازدواج میں منسلک نہیں ہوتے آزاد ہوتے ہیں، دونوں اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہیں، مگر جب مناکحت ہوگئی تو مرد صدر خاندان ہوجاتا ہے، اس کو بالادستی حاصل ہوجاتی ہے، اور عورت زیردست ہوجاتی ہے، لہٰذا مرد جو جائز بات کہے، عورت اس کو سنے اور مانے، اسی صورت میں گھر جنت کا نمونہ ہوگا، اور اگر عورت مرد کی جائز بات بھی نہ مانے تو وہ ایک دوسرے سے دور ہوجائیں گے، اور خانگی زندگی کا مزہ کرکرا ہوجائے گا۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ مساواتِ مرد وزن اسلام میں بھی ہے اور غیروں کا بھی نعرہ ہے، مگر دونوں کی تعریف مختلف ہے۔ اسلامی مساوات: حقوق اور ذمہ داریوں کے تبادلہ کا نام ہے، اور ایک فریق کے حقوق دوسرے فریق کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں، شوہر کا بیوی پر حق یہ ہے کہ اس کی تعظیم وتکریم کرے اور اس کی اطاعت وفرمان برداری کرے، پس یہ بیوی کی ذمہ داری ہے، اور بیوی کا شوہر پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے اور اس کی ہر ضرورت پوری کرے، پس یہ شوہر کی ذمہ داری ہے۔

اور غیروں کی مساوات مطلق العنانی کا نام ہے، یعنی ہر ایک کی لگام اس کے ہاتھ میں، نہ مرد کی عورت سنے اور مانے نہ مرد عورت کی کفالت کرے، بلکہ عورت خود کمائے اور کھائے، ایسی صورت میں دو دلوں کا جڑنا مشکل ہے، وقتی جذبہ سے تھوڑی دیر کا ساتھ ہوجاتا ہے، یورپ اور امریکہ میں روز گھر ٹوٹتے ہیں، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ان کے یہاں خاندان کا تصور ہی ختم ہوگیا ہے، جو مساوات کا غلط مطلب لینے کا نتیجہ ہے (فائدہ ختم ہوا)

اور خانگی زندگی میں مرد کی سربراہی کی قرآنِ کریم نے دو وجہیں بیان کی ہیں:

پہلی وجہ: وہبی (خلقی) ہے، یعنی اللہ نے مردوں کو ایسا بنایا ہے کہ وہ عورتوں کے ذمہ دار بن سکتے ہیں، مردوں کو اللہ نے زیادہ جسمانی طاقت دی ہے، دل ودماغ کی بڑھی ہوئی صلاحیت دی ہے، اور قوتِ فیصلہ کا امتیاز بخشا ہے، اور عورتیں کم زور جسم کی ہیں، دل ودماغ کی صلاحیت بھی کم ہے، اور ان میں قوتِ فیصلہ بھی نہیں ہوتی، اس لئے صدر خاندان مرد ہی ہوسکتا ہے، وہی گھر کی حفاظت وصیانت پر قادر ہے، اور اپنی قوتِ فیصلہ سے اہم امور میں رائے قائم کرسکتا ہے۔

دوسری وجہ: کسبی ہے، یعنی مرد عورتوں پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں، مہر، خوراک، پوشاک وغیرہ جملہ ضروریات کا تکفل کرتے ہیں، اور انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے، پس مرد کی بات عورت سنے اور مانے یہ زیادہ موزون بات ہے، اس کی برعکس صورت معقول نہیں، لہٰذا عورتوں کو مردوں کا فرمان بردار ہونا چاہئے۔

دوسری بات: تمہید میں یہ بیان کی ہے کہ بیوی میں تین خوبیاں ہونی چاہئیں، اور یہ بات تمہید میں اس لئے بیان کی ہے کہ تقابل تضاد سے نشوز (نافرمانی) کی حقیقت سمجھی جاسکے گی، ضد سے ضد پہچانی جاتی ہے، جس عورت میں یہ تینوں خوبیاں نہ ہوں وہ اعلی درجہ کی نافرمان ہوگی، اور ایک یا دو خوبیاں نہ ہوں وہ نسبۃً کم درجہ نافرمان ہوگی، جیسے حدیث میں ہے: چار عادتیں جس شخص میں ہوں وہ خالص (پکا) منافق ہے، اور اگر کسی میں ان میں سے ایک عادت ہوتو اس میں ایک برائی ہے، یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے: (۱) جب اس کو امانت سونپی جائے تو خیانت کرے (۲) اور جب بھی بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) اور جب کوئی قول وقرار کرے تو بے وفائی کرے (۴) اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے (بخاری شریف حدیث ۳۴) اسی انداز پر ان تین خوبیوں کے فقدان کو سمجھیں۔

نیک بیویوں کی تین خوبیاں یہ ہیں:

۱- اچھی بیوی وہ ہے جو اللہ کی نیک بندی ہو، دیندار ہو، شریعت کی پابند ہو، احکام پر عمل کرتی ہو، اور یہ خوبی وصفِ عنوانی میں مندرج ہے، **الصالحات** مبتدا ہے، اس میں یہ خوبی شامل ہے۔

۲- دوسری خوبی **قانتات** ہے، یعنی اچھی بیوی مرد کی تابعدار ہوتی ہے، مرد جو بھی جائز بات اس سے کہتا ہے اس کی تعمیل کرتی ہے۔

۳- تیسری خوبی عورت میں یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنے پوشیدہ عضو کی حفاظت کرے، اپنی آبرو نیلام نہ کرے، **تَرُدُّ یَدَ لاَمِسٍ**: چھونے والا کا ہاتھ جھٹک دیتی ہو، اور یہ کام مشکل ہے، اس لئے کہ گناہ کے دو سرچشمے ہیں، پیٹ اور شرمگاہ، پیٹ کے گناہ سے بچنا یعنی حرام لقمہ پیٹ میں نہ جائے یہ کام اتنا مشکل نہیں جتنا شرمگاہ کے گناہ سے بچنا مشکل ہے، لیکن اللہ کی حفاظت شاملِ حال ہوجائے تو اس گناہ سے بچنا بھی کچھ مشکل نہیں۔

پھر اصل مضمون شروع کیا ہے: اگر بیوی کے نشوز کا ڈر ہو، یعنی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو بالترتیب چار طرح سے اس کی اصلاح کی جائے:

اول: اس کو نصیحت کی جائے، بات اس کے دل میں اتر جائے، اس طرح فہمائش کی جائے، دین پر عمل کرنے کا شوق دلایا جائے، قرآن وحدیث کی باتیں سنائی جائیں، دینی حلقوں میں بھیجا جائے اور فضائل اعمال کے مضامین سنائے جائیں تو ان شاء اللہ دین داری کا جذبہ ابھرے گا اور وہ شوہر کی اطاعت کرنے لگے گی۔

دوم: اگر نصیحت کارگر نہ ہو تو بیوی کو ساتھ نہ لٹائے، یہ ناراضگی کے اظہار کا ایک طریقہ ہے، مگر میاں بیوی ایک ہی کمرے میں رہیں، تاکہ عورت تنہائی میں معافی تلافی کرنا چاہے تو کر سکے۔

سوم: اگر یہ ترکیب بھی کارگر نہ ہو، وہ اکیلی آرام سے سوتی ہو تو اس کی پٹائی کرے، مگر سخت نہ مارے، اعضائے رئیسہ پر نہ مارے، بدن پر نشان نہ پڑے ـــــ اگر ان تدابیر سے بیوی کے رویہ میں تبدیلی آجائے تو پھر خواہ مخواہ اس کے پیچھے نہ پڑے، مضٰی ما مضٰی کر کے اچھی طرح اس کے ساتھ نباہ کرے۔

فائدہ: اسلام میں تادیب ضربی جائز ہے، یعنی اصلاح کے لئے ہلکی مار مارنا جائز ہے، حدیث میں ہے کہ بچہ دس سال کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو مار کر نماز پڑھوائی جائے، اور حدیث میں ایک واقعہ ہے۔ ایک صحابیہ نے اپنے شوہر کی نافرمانی کی، شوہر نے طمانچہ مارا، عورت نے باپ سے شکایت کی، باپ نے نبی ﷺ سے یہ بات ذکر کی، آپؐ نے بدلہ لینے کا فیصلہ فرمایا، باپ بیٹی بدلہ لینے کے لئے چلے، پیچھے یہ آیت اتری، آپؐ نے دونوں کو واپس بلایا اور اپنا حکم واپس لیا، اور فرمایا: ''ہم نے کچھ چاہا اور اللہ نے کچھ چاہا، اور جو اللہ نے چاہا اس میں خیر ہے''

یورپ اور امریکہ میں گنگا الٹی بہتی ہے، شوہر کو مارنے کی اجازت نہیں، بیوی کو اجازت ہے، شوہر نے آنکھ بھی دکھائی اور بیوی نے پولس کو فون کر دیا تو پولس اس کو اندر کر دے گی، اور محلّہ میں آنے پر بھی پابندی لگا دیتی ہے، اور عورت بیلن سے مارے اور شوہر فون کرے تو اس کی کوئی شنوائی نہیں، کیونکہ بیوی کو مارنے کا حق ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب شوہر کا غصہ جمع ہو جاتا ہے تو وہ بیوی کو مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گٹر میں بہا دیتا ہے (فائدہ پورا ہوا)

چہارم: اور اگر بات شقاق تک پہنچ جائے، جھگڑا اپنی نہایت کو پہنچ جائے، ضد اضدی کی نوبت آجائے تو آخری تدبیر یہ ہے کہ دونوں کے خاندان پنچایت قائم کریں، مرد کے خاندان والے اپنے میں سے ایک حکم مقرر کریں اور عورت کے رشتہ دار اپنے میں سے ایک حکم مقرر کریں، دونوں حکم میاں بیوی کی شکایات سنیں، اور جس کا قصور سمجھ میں آئے اس کو دبائیں، اگر دونوں حکم اصلاح کی کوشش کریں گے تو امید ہے کہ گاڑی پٹری پر چڑھ جائے گی۔

اور اگر پنچوں کی محنت بھی رائگاں جائے تو کیا کیا جائے؟ یہ بات قرآنِ کریم نے بیان نہیں کی، قرآن کریم غیر احسن صورت بیان نہیں کرتا، اس کا تذکرہ حدیثوں میں آتا ہے، یا پھر فقہاء بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ فقہائے کرام نے بیان کیا کہ اگر قصور عورت کا ہو یا مرد و عورت دونوں کا ہو تو وہ عورت کو خلع کا حکم دیں، عورت کچھ واجبات (مہر وغیرہ) چھوڑ دے یا واپس کرے اور شوہر اس کو قبول کرے تو ایک طلاق بائنہ پڑ جائے گی، اور اگر قصور مرد کا سمجھ میں آئے تو اس کو بلاعوض طلاق کا حکم دیں، اور اگر فریقین نے حکموں کو اختیار دیا ہے تو وہ بھی خلع یا طلاق کا فیصلہ کر سکتے ہیں، اس طرح ترکِ تعلقات بھی ہوں تو خوشی کے ساتھ! آگے اسی سورت (آیت ۱۳۰) میں آرہا ہے: ﴿ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴾: اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی کشایش سے بے پرواہ کر دیں گے، شوہر کو اس سے اچھی بیوی مل جائے گی، اور عورت کو اس سے اچھا بَر، اور اللہ تعالیٰ وسعت والے بڑی حکمت والے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک کے کارساز ہیں، اور اپنی حکمت سے ہر ایک کی ضرورت پوری کر دیں گے۔

یہ دونوں آیات کا خلاصہ ہے، آگے تفصیل ہے۔

فیملی لائف میں مرد عورتوں کے سربراہ اور ذمہ دار ہیں

قَوَّام: قائم کا مبالغہ ہے، قام بالأمر کے معنی ہیں: ذمہ دار ہونا، حاکم بھی اس کا ترجمہ کرتے ہیں، اس لئے کہ حاکم بھی رعیت کا ذمہ دار ہوتا ہے، مگر بعد میں حاکم کے مفہوم میں ڈنڈا اور ظلم شامل ہو گیا، اس لئے اب حاکم ترجمہ مناسب نہیں، سربراہ، ذمہ دار اور مہتمم وغیرہ ترجمہ کرنا چاہئے، جیسے شمائل میں حدیث ہے، کسی نے صحابی سے پوچھا: نبی ﷺ کا چہرہ تلوار کی طرح (چمک دار) تھا، صحابی نے جواب دیا: نہیں! چاند کی طرح روشن تھا، تلوار میں خوف کا مفہوم ہے، اس لئے یہ تشبیہ مناسب نہیں، اور چاندنی میں محبوبیت کا مفہوم ہے، اس لئے یہ تشبیہ مناسب ہے۔ اسی طرح حاکم میں غلط مفہوم شامل ہو گیا، اس لئے اب ترجمہ بدل دیا جاتا ہے۔

دوسری مثال: لفظ 'جاہ' پہلے عزت و مرتبہ کے معنی میں مستعمل تھا، بعد میں اس کے معنی میں 'دبدبہ' شامل ہو گیا، جبکہ جاہ وجلال محاورہ بنا اس لئے اب بجاہِ فلان کہنا ٹھیک نہیں، اللہ کے سامنے کسی کا دبدبہ نہیں چلتا۔

بہر حال جب مرد و زن میں مناکحت ہوئی اور فیملی لائف وجود میں آئی، اور مرد و زن ایک ساتھ رہنے لگے تو اب دونوں کے ہاتھ برابر ہوں یہ بات حکمت کے خلاف ہے، لامحالہ ایک ہاتھ اوپر ہوگا، دوسرا نیچے، ایک کہے گا دوسرا سنے گا اور تعمیل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے مرد کو بالادست بنایا ہے اور بیوی کو زیر دست، اور یہ نظام قدرت ہے، اس میں دخل

دینے کا کسی کو حق نہیں، جیسے اللہ نے پانچ انگلیاں یکساں نہیں بنائیں، اس میں جو حکمتیں ہیں ان کو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، دوسری وجہ مرد کی بالادستی کی یہ ہے کہ مرد عورت کی کفالت کرتا ہے، اس کی ضروریات کا انتظام کرتا ہے، اس لئے عورت اس کی ممنونِ احسان ہوگی اور اس کے لئے شوہر کی بات سننا اور تعمیل کرنا آسان ہوگا۔

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾

ترجمہ: مرد عورتوں کے نگرانِ کار ہیں، بایں وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر برتری بخشی ہے، اور بایں وجہ کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔

عورتوں کی تین خوبیاں

دینداری، اطاعت شعاری اور نفس کی حفاظت

پھر عورتوں کی تین خوبیاں بیان کی ہیں، تاکہ تقابل تضاد سے نشوز (نافرمانی) کی حقیقت واضح ہو جائے:

۱- صالحات: نیک بیبیاں، یہ عورت کی پہلی خوبی ہے، وہ اللہ کی نیک بندیاں ہوتی ہیں، نماز روزے کی پابند ہوتی ہیں اور شریعت کے تمام احکام پر عمل کرتی ہیں۔

۲- قانتات: اطاعت شعار، شوہروں کی بات مانتی ہیں، نافرمانی نہیں کرتیں۔

۳- حافظات للغیب: پوشیدہ عضو کی حفاظت کرتی ہیں، عزت پر حرف نہیں آنے دیتیں، اور گو یہ کام مشکل ہے، شہوت کے گناہ سے بچنا آسان نہیں، لیکن اللہ کی مدد شامل حال ہو جائے تو کچھ مشکل نہیں۔

﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ط ﴾

ترجمہ: پس نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمان بردار ہوتی ہیں اور اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرنے والی ہیں، اللہ کی حفاظت کے شامل حال ہونے کی وجہ سے!

عورت کی نافرمانی کے ترتیب وار چار علاج

جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو ان کی اصلاح ضروری ہے۔ اور نشوز کے درجات کے تفاوت سے اصلاح کے چار طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: زبانی فہمائش کرنا۔ کیونکہ اصلاح کا اصول یہ ہے کہ پہلے آسان تدبیر کی جائے۔ اس سے کام نہ چلے تو سختی کی جائے۔

دوسرا طریقہ: ناراضگی ظاہر کرنا اور عورت کو اپنے ساتھ نہ لٹانا، مگر عورت کو گھر سے نہ نکالے، نہ خود نکلے۔ تاکہ عورت اپنے قصور کی تلافی کرنا چاہے تو کر سکے۔

تیسرا طریقہ: تعزیر و تادیب ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ چہرے پر اور نازک حصوں پر نہ مارے، اور سخت مار بھی نہ مارے کہ جس سے جسم پر نشان پڑ جائیں۔ ان تین طریقوں سے معاملہ قابو میں آجائے اور عورت بات ماننے لگے تو خواہ مخواہ عورت کو پریشان نہ کرے، یاد رکھے کہ وہ مطلق بالادست نہیں۔ اس سے اوپر بھی ایک بالادست ہے۔

چوتھا طریقہ: اگر اختلاف سخت ہو جائے۔ اور مرد عورت کی نافرمانی، اور عورت مرد کے ظلم کا دعوی کرے، تو اب نزاع ختم کرنے کی صورت یہ ہے کہ دو آدمیوں کی پنچایت بٹھائی جائے: ایک پنچ مرد کے خاندان کا ہو، اور ایک عورت کے خاندان کا۔ دونوں اگر اخلاص سے محنت کریں گے تو زوجین میں اتحاد کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ ورنہ پھر علاحدگی کا راستہ ہے۔

اور عورت کے نشوز کا یہ علاج مرد کے اختیار میں اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کے ہاتھ میں اقتدار اعلی ہے اور عورت کی سیاست (نظم و انتظام) بھی اسی کے ذمے ہے۔ پس اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کام مرد ہی کو سپرد کیا جائے۔

اور آخری مرحلہ میں پنچایت بٹھانے کا حکم اس لئے ہے کہ جو باتیں زوجین کے درمیان پیش آئی ہیں، ان پر قاضی کے سامنے گواہ قائم کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے اس معاملہ میں قضات کوئی خاص رول ادا نہیں کر سکتے۔ پس بہتر یہ ہے کہ معاملہ ایسے دو شخصوں کو سونپا جائے جو زوجین کے قریبی رشتہ دار اور خاندان میں دونوں پر زیادہ مہربان ہیں۔ تاکہ میاں بیوی کھل کر ان کے سامنے بات رکھ سکیں، اور وہ جو مناسب سمجھیں فیصلہ کریں۔

﴿وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝۳۴ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝۳۵﴾

ترجمہ: اور تم کو (شوہروں کو) جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو ان کو سمجھاؤ، اور ان کو خواب گاہوں میں علاحدہ کرو، اور ان کو مارو، پھر اگر وہ تمہاری فرماں برداری کرنے لگیں تو ان پر کوئی راہ نہ چاہو، بے شک اللہ تعالیٰ برتر بڑے ہیں ـــــ اور اگر تمہیں (فریقین کو زوجین کی) باہمی ضدا ضدی کا ڈر ہو تو مرد کے لوگوں میں سے ایک پنچ اور عورت کے لوگوں میں سے ایک پنچ بھیجو ـــــ اگر دونوں پنچ معاملہ سنوارنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کر دیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، ہر چیز سے باخبر ہیں۔

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَاۙ ﴿۳۶﴾ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۚ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّكُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَا ذَا عَلَیْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِیْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا ﴿۴۱﴾ یَوْمَىِٕذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا یَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا ﴿۴۲﴾ ع

وَ اعْبُدُوا	اور بندگی کرو	اِحْسَانًا	حسن سلوک کرنا	الْجُنُبِ(۳)	دور کے
اللّٰهَ	اللہ کی	وَّبِذِی الْقُرْبٰى(۲)	اور قرابت داروں کے ساتھ	وَ الصَّاحِبِ	اور ساتھی کے ساتھ
وَلَا تُشْرِكُوْا	اور نہ شریک کرو	وَ الْیَتٰمٰى	اور یتیموں کے ساتھ	بِالْجَنْۢبِ	پہلو کے
بِهٖ	ان کے ساتھ	وَالْمَسٰكِیْنِ	اور غریب غرباء کے ساتھ	وَابْنِ السَّبِیْلِ	اور مسافر کے ساتھ
شَیْـًٔا	کسی چیز کو	وَ الْجَارِ	اور پڑوسی کے ساتھ	وَمَا مَلَكَتْ	اور ان کے ساتھ جن کے مالک ہیں
وَّ بِالْوَالِدَیْنِ(۱)	اور (سلوک کرو) والدین کے ساتھ	ذِی الْقُرْبٰى	رشتہ دار	اَیْمَانُكُمْ	تمہارے دائیں ہاتھ
		وَالْجَارِ	اور پڑوسی کے ساتھ		

(۱) بالوالدین: کا عامل محذوف ہے أی أحسنوا، اور إحسانا: مفعول مطلق ہے (۲) القربی: اسم مصدر: رشتہ داری (۳) الجُنُب: دور، اجنبی، جَنْب: پہلو، الصاحب بالجنب: پہلو کا رفیق۔

إِنَّ اللهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	رِئَاءَ(۲)	دکھانے کے لئے	بِهِمْ	ان کو
لَا يُحِبُّ	پسند نہیں کرتے	النَّاسِ	لوگوں کو	عَلِيْمًا	خوب جاننے والے
مَنْ كَانَ	اس شخص کو جو ہے	وَلَا يُؤْمِنُوْنَ	اور نہیں ایمان رکھتے	إِنَّ اللهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مُخْتَالًا	اترانے والا	بِاللهِ	اللہ پر	لَا يَظْلِمُ	حق نہیں مارتے
فَخُوْرًا	شیخی بگارنے والا	وَلَا بِالْيَوْمِ	اور نہ دن پر	مِثْقَالَ	برابر
الَّذِيْنَ(۱)	اور جو لوگ	الْآخِرِ	قیامت کے	ذَرَّةٍ	ذرہ کے
يَبْخَلُوْنَ	بخیلی کرتے ہیں	وَمَنْ يَّكُنِ	اور جو شخص ہو	وَإِنْ تَكُ	اور اگر ہو
وَيَأْمُرُوْنَ	اور حکم دیتے ہیں	الشَّيْطٰنُ	شیطان	حَسَنَةً	نیکی
النَّاسَ	لوگوں کو	لَهٗ	اس کا	يُّضٰعِفْهَا	(تو) دونا کرتے ہیں اس کو
بِالْبُخْلِ	بخل کا	قَرِيْنًا	ساتھی	وَيُؤْتِ	اور دیتے ہیں
وَيَكْتُمُوْنَ	اور چھپاتے ہیں	فَسَآءَ	تو برا ہے وہ	مِنْ لَّدُنْهُ	اپنے پاس سے
مَآ اٰتٰهُمُ	جو دیا ہے ان کو	قَرِيْنًا	ساتھی	أَجْرًا عَظِيْمًا	بڑا ثواب
اللهُ	اللہ نے	وَمَاذَا	اور کیا (نقصان) ہوتا	فَكَيْفَ	پس کیا حال ہوگا
مِنْ فَضْلِهٖ	اپنی مہربانی سے	عَلَيْهِمْ	ان کا	إِذَا جِئْنَا	جب لائیں گے ہم
وَأَعْتَدْنَا	اور تیار کی ہے ہم نے	لَوْ اٰمَنُوْا	اگر ایمان لاتے وہ	مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ	ہر گروہ میں سے
لِلْكٰفِرِيْنَ	اسلام قبول نہ کرنے	بِاللهِ	اللہ پر	بِشَهِيْدٍ	ایک گواہ
	والوں کے لئے	وَالْيَوْمِ الْآخِرِ	اور قیامت کے دن پر	وَّجِئْنَا بِكَ	اور لائیں گے ہم آپ کو
عَذَابًا	سزا	وَأَنْفَقُوْا	اور خرچ کرتے	عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ	ان لوگوں پر
مُّهِيْنًا	رسوا کن	مِمَّا	اس میں سے جو	شَهِيْدًا	گواہ بنا کر
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	رَزَقَهُمُ	بطور روزی دیا ہے ان کو	يَوْمَئِذٍ	اس دن
يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں	اللهُ	اللہ نے	يَوَدُّ	آرزو کریں گے
أَمْوَالَهُمْ	اپنے اموال	وَكَانَ اللهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	الَّذِيْنَ	جنھوں نے

(۱) الذین: فخوراً سے بدل ہے، اور آئندہ الذین پہلے الذین پر معطوف ہے (۲) رِئاء: مفعول لہٗ ہے، مصدر: دکھانا۔

کَفَرُوْا	اسلام قبول نہیں کیا	لَوْتُسَوّٰی	کاش برابر کردی جاتی	وَلَا یَکْتُمُوْنَ	اورنہیں چھپا سکیں گے وہ
وَعَصَوُا	اور نافرمانی کی انھوں نے	بِہِمُ	ان کے ساتھ	اللہَ	اللہ تعالیٰ سے
الرَّسُوْلَ	اللہ کے رسول کی	الْاَرْضُ	زمین	حَدِیْثًا	کوئی بات

اہلِ حقوق کے حقوق کی ادائیگی

ذات البین کی اصلاح کا بیان چل رہا ہے، اب ان آیات میں عام اہلِ حقوق کے حقوق کی ادائیگی کا بیان ہے، اور سب سے پہلا اور بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے، اس کے ذکر سے آیت شروع ہوئی ہے۔

۱- پہلا اور بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ کا ان کے بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اور کسی بھی چیز کو عبادت میں شریک نہ کریں، اور عبادت: صرف نماز روزے کا نام نہیں ہے، بلکہ اللہ کے تمام احکام کی بجا آوری ان کی عبادت ہے، اس لئے کسی بھی حکم پر عمل کرتے ہوئے اللہ کی خوشنودی کے علاوہ کوئی جذبہ نہیں ہونا چاہئے، ورنہ عبادت اللہ کے لئے خالص نہیں رہے گی۔

۲- والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا: ـــــ اللہ کے حق سے ملا ہوا والدین کا حق ہے، والدین بھی دنیا میں وجود کا سببِ ظاہری ہیں، اس لئے ان کے ساتھ حسن سلوک مامور بہ ہے، تفصیل سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۲۳) کی تفسیر میں ہے، وہاں سب مسائل بھی ہیں (دیکھیں ہدایت القرآن ۵:۵۶)

۳- رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا: ـــــ ماں باپ کے بعد دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک ضروری ہے، حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اجنبی کے ساتھ حسن سلوک صرف حسن سلوک ہے، اور ضرورت مند رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک حسن سلوک بھی ہے اور صلہ رحمی بھی'' (رواہ الترمذی) یعنی رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک دوگنے اجر وثواب کا باعث ہے۔ آدمی آسودہ حال ہو تو بقدر گنجائش دیگر رشتہ داروں کی کفالت کرنی چاہئے، خاص طور پر رشتہ داروں میں کوئی بچہ یا غریب یا دائم المرض یا بیوہ عورت ہو تو ان کا تعاون ضروری ہے، یہ کوئی شرافت کی بات نہیں کہ آدمی آرام کی زندگی بسر کرتا رہے، اور اس کے رشتہ دار بھوک سے دم توڑتے رہیں!

۴- یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کرنا: ـــــ لاوارث بچے معاشرہ کے کمزور افراد ہوتے ہیں، لوگ اگر ان کی دیکھ بھال نہیں کریں گے تو وہ ضائع ہو جائیں گے، حدیثوں میں یتیموں سے سلوک کی بڑی فضیلت آئی ہے، نبی ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا: ''یتیم کی خبر گیری کرنے والا اور میں جنت میں اس طرح (قریب) ہونگے (بخاری شریف)

اور آپؐ نے فرمایا: ’’جو شخص اللہ کی رضا کے لئے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ رکھے، اس کو ہر بال کے بدل دس نیکیاں ملیں گی، جس پر سے اس کا ہاتھ گذرے گا، اور جو شخص کسی یتیم لڑکے یا لڑکی کے ساتھ حسن سلوک کرے گا: وہ شخص اور میں جنت میں اتنے قریب ہونگے جتنی یہ دو انگلیاں قریب ہیں (بغوی)

۵-غریب غرباء کا تعاون کرنا: —— خواہ زکات سے ہو یا للہ رقم سے، جو کچھ میسر ہو سکے ان کا تعاون کرنا، کیونکہ غریبوں کا رزق مالداروں کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ بھیجتے ہیں، ورنہ ان کو راست روزی دینے پر اللہ تعالیٰ قادر ہیں، مگر مال والوں کے رتبے بڑھانا چاہتے ہیں —— مگر پیشہ ور سائل مراد نہیں، ان کا تو مانگنا پیشہ ہے، اور ان میں بہت سے مالدار ہوتے ہیں، اس لئے زکات ان کو دیکھ بھال کر دینی چاہئے۔

۶-رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا: —— پڑوسی دکھ درد اور خوشی میں شریک ہوتا ہے، خاص طور پر جب وہ رشتہ دار بھی ہو تو اس کا حق زیادہ ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ پڑوسی تین طرح کے ہیں: ایک کے تین حق ہیں! پڑوس کا حق، رشتہ داری کا حق اور مسلمان ہونے کا حق۔ دوسرے پڑوسی کے دو حق ہیں: پڑوس کا حق اور مسلمان ہونے کا حق (اس سے رشتہ داری نہیں) اور تیسرے پڑوسی کا صرف ایک حق ہے یعنی صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے (کیونکہ وہ نہ رشتہ دار ہے نہ مسلمان) —— اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ’’جب تم سالن ترکاری پکایا کرو تو ذرا سا پانی بڑھالیا کرو، اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھا کرو‘‘ (مسلم شریف)

اور بخاری شریف میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’جبرئیل نے مجھ سے بار بار پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید پڑوسی کو شرعی وارث قرار دے دیا جائے گا‘‘

۷-دور کے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا: —— دور کا پڑوسی: یعنی جس کے ساتھ رشتہ داری نہیں یا جس کا مکان فاصلہ سے ہے، بخاری شریف میں ہے: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! اگر میرے دو پڑوسی ہوں تو اپنا تحفہ کس کو بھیجوں؟ آپؐ نے فرمایا: ’’جس کا دروازہ تمہارے دروازے سے قریب ہو اس کو تحفہ بھیجو‘‘ کیونکہ اس کا حق پہلے ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کا مکان فاصلہ سے ہو وہ بھی پڑوسی ہے، اس طرح سارا محلّہ پڑوسی ہے، سب سے بنائے رکھنی چاہئے، آڑے وقت سب کام آتے ہیں، سب کے دکھ درد میں شریک ہونا چاہئے، سب کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے۔

۸-پہلو کے رفیق کے ساتھ حسن سلوک کرنا: —— میاں بیوی، مدرسہ کا ساتھی، سفر کا ساتھی، کارخانہ اور دفتر کا ساتھی، کسی کام کا ساتھی، کسی مجلس کا ساتھی: سب پہلو کے رفیق ہیں، اور سب حسن سلوک کے مستحق ہیں، گھر میں بیوی کا

ساتھ ہے، وہ ڈبل حسن سلوک کی مستحق ہے، ایک تو وہ بیوی ہے، دوسری شریک حیات ہے! اسی طرح مسجد کا ساتھی دو وجہ سے حسن سلوک کا مستحق ہے، ایک: وہ مسلمان بھائی ہے، دوسرے: وہ نماز کا ساتھی ہے، لہٰذا اس کی بھی خبر گیری کرنی چاہئے، گاڑی میں آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے جو مسافر بیٹھے ہیں وہ سبھی آپ کے حسن سلوک کے مستحق ہیں، وہ بھی تھوڑی دیر کے آپ کے ساتھی ہیں۔

۹-راہ رَو (مسافر) کے ساتھ حسن سلوک کرنا:—— مسافر دو ہیں: ایک: وہ جو دورانِ سفر آپ سے ملا ہو، دوسرا: وہ جو آپ کے گھر مہمان آیا ہو: دونوں ہی حسن سلوک کے مستحق ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہئے کہ اپنے مہمان کی تعظیم کرے، کم سے کم پذیرائی تو یہ ہے کہ ایک دن رات اپنے یہاں رکھے، اس سے بڑھ کر ضیافت یہ ہے کہ تین دن اپنے یہاں رکھے، اور اگر مہمان اس سے زیادہ قیام کرے تو میزبان کے لئے خیر کا باعث ہوگا۔ ہاں مہمان کے لئے مناسب نہیں کہ اتنا لمبا قیام کرے کہ میزبان پریشانی میں پڑ جائے۔

زمانہ کے مزاج اور دستور کا لحاظ رکھتے ہوئے اجتماعی طور پر ایسا انتظام کرنا کہ جس سے مسافروں کو آرام اور سہولت حاصل ہو بہت بڑے اجر کا باعث ہے، مثلاً مرکزی مقامات پر مسافر خانے تعمیر کرائے جائیں، راستوں پر سایہ دار درخت لگوائے جائیں، شاہراہیں بنوائی جائیں، اگر بنی ہوئی ہوں تو اُن کی مرمت وغیرہ کا خیال رکھا جائے، رہزنوں اور لٹیروں سے حفاظت کی جائے۔

طالب علموں کے لئے رہنے سہنے کا انتظام، خصوصاً دین سے نسبت رکھنے والے طلبہ کے لئے ایسا انتظام بہت ہی خیر و برکت کا سبب ہے، کیونکہ ایسے طالب علم عموماً پردیسی ہوتے ہیں، ان کی اس طرح کی کوئی بھی خدمت اللہ پاک کی رضا حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے (ہدایت القرآن کاشفی)

۱۰-ممالیک (غلام باندیوں) کے ساتھ حسن سلوک کرنا:—— غلام باندی کا نان ونفقہ اور لباس و پوشاک مولیٰ کے ذمہ ہے، ان کو مولیٰ کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے کمانے کی فرصت نہیں ملتی، اس لئے ان کا واجبی خرچہ مولیٰ کے ذمہ واجب ہے، اب چونکہ ممالیک کا دور نہیں رہا اس لئے تفصیل نہیں کرتا، بس اتنا جان لیں کہ جاہلیت میں ان کے ساتھ بہت گھٹیا برتاؤ کیا جاتا تھا، ان کو انسانیت کی سطح سے بھی نیچے گرا دیا تھا، اسلام نے ان کے حقوق متعین کئے اور سختی کے ساتھ ان پر عمل کرنے کا حکم دیا، اور غلامی سے نکلنے کی بہت سی راہیں تجویز کیں، یہ سب حسن سلوک میں داخل ہیں۔

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔـا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى

وَالْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ﴾

ترجمہ: (۱) اور اللہ کی عبادت کرو، اور ان کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو (۲) اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو (۳) اور رشتہ داروں کے ساتھ (۴) اور یتیموں کے ساتھ (۵) اور غریب غرباء کے ساتھ (۶) اور رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ (۷) اور دور کے پڑوسی کے ساتھ (۸) اور پہلو کے رفیق کے ساتھ (۹) اور راہ گیر کے ساتھ (۱۰) اور اپنے مملوکہ غلام باندیوں کے ساتھ۔

وہ لوگ جو اہلِ حقوق کے حقوق ادا نہیں کرتے

چار قسم کے لوگ اہلِ حقوق کے حقوق ادا نہیں کرتے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک نہیں کرتے:

ایک: مختال: ناز سے چلنے والا، اترانے والا، مغرور ومتکبر، اپنے اندر ایسی بڑائی کا خیال کرنے والا جو واقع میں نہیں ہے، ایسا شخص خیالی بڑائی میں مگن رہتا ہے، اور دوسروں کی حاجات کی مطلق فکر نہیں کرتا۔

دوم: فخور: شیخی بگارنے والا، ظاہری چیزوں پر اترانے والا، مثلاً: مال دار دولت، جاہ وعزت اور حکومت وغیرہ پر ناز کرنے والا، ایسا شخص بھی اپنی دولت پر سانپ بنا رہتا ہے، اور اہلِ حاجات کا کوئی تعاون نہیں کرتا —— یہ دونوں شخص اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔

سوم: بخیل آدمی، بخل اگرچہ انسان کی فطرت ہے، اور برا نہیں، مگر جب بخل حد سے تجاوز کر جائے تو بری صفت بن جاتا ہے، اس کا بخل اس درجہ پہنچ گیا ہے کہ دوسروں کو بھی تلقین کرتا ہے کہ اہل حاجات کو مت دو، اور اللہ تعالیٰ نے جو اس کو اپنا فضل دیا ہے اس کو چھپاتا ہے، سائل سے کہتا ہے: معاف کرو، دینے کے لئے کچھ نہیں، ایسے لوگوں کے لئے اللہ نے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے، ان کی دولت قیامت کے دن سانپ بن کر ان کے گلے کا ہار بنے گی۔

چہارم: جو لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، ان کا اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین نہیں، ان کو آخرت میں ثواب کی کوئی امید نہیں، اس لئے ان کا خرچ کرنا بیکار جاتا ہے، درحقیقت شیطان نے ان کی راہ ماری ہے، شیطان ان کا ساتھی ہے، اور وہ برا ساتھی ہے، شیطان جس کا شریک کار ہو جاتا ہے اس کا بیڑا غرق کر دیتا ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا

فَسَآءَ قَرِیۡنًا ﴿۳۸﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتے اس شخص کو جو (۱) اترانے والا (۲) شیخی بگارنے والا ہے (۳) اور جو لوگ بخیلی کرتے ہیں، اور دوسرے لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں، اور چھپاتے ہیں جو اللہ نے ان کو عنایت فرمایا ہے اپنی مہربانی سے، اور ہم نے منکروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے (۴) اور جو لوگ اپنی دولت لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، اور وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، اور جس کا شیطان ساتھی ہوا وہ برا ساتھی ہے!

اللہ کی خوشنودی کے لئے اہل حاجات پر خرچ کرنے کی ترغیب

اوپر چوتھا شخص: جو لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے: اس کو دو آیتوں میں سمجھاتے ہیں کہ اگر تو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لا کر خرچ کرتا تو تیرا کیا بگڑ جاتا؟ اور خرچ بھی سارا نہیں کرنا تھا، اللہ نے تجھے بطور روزی جو کچھ عنایت فرمایا ہے اس میں سے کچھ کرتا — بطور روزی: یعنی بطور بھتا، انسان کو مالک نہیں بنایا — اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ تو نے کتنا خرچ کیا ہے؟ اور کس محل میں کس نیت سے خرچ کیا ہے؟ وہ آخرت میں اس کا صلہ ضرور عنایت فرمائیں گے، وہ کسی بندے کا ذرہ بھر حق نہیں مارتے، ہاں نیکی کا بدلہ بڑھا کر دیں گے، کیونکہ یہ ظلم نہیں، بلکہ فضل مزید ہے۔ واللہ ذو الفضل العظیم!

﴿ وَمَا ذَا عَلَيۡهِمۡ لَوۡ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمۡ عَلِيۡمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفۡهَا وَيُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۴۰﴾ ﴾

ترجمہ: اور ان کا کیا بگڑتا اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے، اور اس میں سے کچھ خرچ کرتے جو ان کو اللہ نے روزی کے طور پر دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں — بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ بھر حق نہیں مارتے، اور اگر نیکی ہوتی ہے تو اس کو دو چند کرتے ہیں، اور اپنے پاس سے بڑا ثواب عنایت فرماتے ہیں۔

قیامت کا دل دونیم کرنے والا منظر

یہ مضمون سابق کا تتمہ ہے، قیامت کا دن — پچاس ہزار سال لمبا — قائم ہے، تمام معاملات بارگاہِ خداوندی میں پیش ہو کر آخری مرتبہ فیصل ہو رہے ہیں، اس وقت تمام انبیاء کی امتِ دعوت کے مقدمات بھی پیش ہونگے، امتیں انکار کریں گی کہ ان کو کسی نے دین کی دعوت نہیں پہنچائی، تب انبیائے کرام کو کورٹ میں طلب کیا جائے گا، وہ آ کر گواہی دیں

گے کہ ہم نے ان کو دین پہنچایا ہے ـــــ اس وقت نبی ﷺ کی امتِ دعوت (منکرین اسلام) کا مقدمہ بھی پیش ہوگا، اور آپؐ بھی تبلیغ دین کی گواہی دیں گے، تب امتوں کے ہوش اڑ جائیں گے، اور وہ ہونے والے فیصلہ سے ڈر کر تمنا کریں گے: کاش وہ غیر مکلّف مخلوقات کی طرح مٹی کر دیئے جاتے! ـــــ مگر ایسا نہیں ہوگا، مکلّف اور غیر مکلّف مخلوقات کا ایک فیصلہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس دن امتیں اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گی، ہر چیز طشت از بام ہوجائے گی، پس لوگوں کو چاہئے کہ آج اس آنے والے دن کو مانیں اور اس کے لئے تیاری کریں، اور اہل حاجات کا تعاون کریں تاکہ اس دن سرخ رو ہوں، ورنہ قیامت کے دن ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے، اور بات بنائے نہیں بنے گی!

﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ﴾

ترجمہ: پس کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے، اور آپؐ کو ہم ان لوگوں پر گواہ لائیں گے؟ اس دن آرزو کریں گے وہ لوگ جنھوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا، اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کی ہے کہ کاش ان کو زمین کے برابر کر دیا جاتا! اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے!

تفسیر: جن لوگوں نے اللہ کے احکام دنیا میں نہیں مانے، ان کے مقدمہ کی پیشی کے وقت بطور سرکاری گواہ کے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اظہارات سنے جائیں گے، اور جو معاملات انبیاء کرام کی موجودگی میں پیش آئے ہیں، وہ سب ظاہر کر دیئے جائیں گے، اور انبیاء کی شہادت کے بعد ان کے مخالفین پر جرم عائد کر دیا جائے گا، اور ان کو سزا ہوگی، ہمارے نبی ﷺ کو بھی اس وقت اپنے مخالفین کے سامنے بطور گواہ پیش کیا جائے گا، اور یہ مضمون سورۃ النحل آیت ۸۹ میں بھی آیا ہے۔

فائدہ: تین مضمون ملتے جلتے ہیں اس لئے ان کو الگ الگ سمجھ لینا چاہئے، اور اُن سے متعلقہ آیتوں کو ذہن نشین کر لینا چاہئے۔ عام طور پر اُن میں اشتباہ واقع ہوا ہے:

پہلا مضمون: قیامت کے دن تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کے خلاف گواہیاں دیں گے اور حضور اقدس ﷺ اپنی امت دعوت کے خلاف گواہی دیں گے، یہ مضمون صرف دو جگہ آیا ہے، سورۃ النساء آیت ۴۰ میں اور سورۃ النحل آیت ۸۹ میں سورۃ النساء میں مقصود منظر کشی ہے اور سورۃ النحل میں مقصود اس مضمون کو مدلل کرنا ہے۔

دوسرا مضمون: قیامت کے دن امت محمدیہ، پچھلی تمام امتوں کے خلاف، انبیاء کرام کی حمایت میں گواہی دے گی اور جب ان امتوں کی طرف سے اعتراض ہوگا کہ یہ امت سب سے آخری امت ہے، انھوں نے ہمارا زمانہ کہاں دیکھا ہے؟ پھر یہ کیونکر گواہی دے رہے ہیں؟ تب آنحضور ﷺ تشریف لا کر گواہی دیں گے کہ بلاشبہ میری امت جو کچھ کہہ رہی ہے

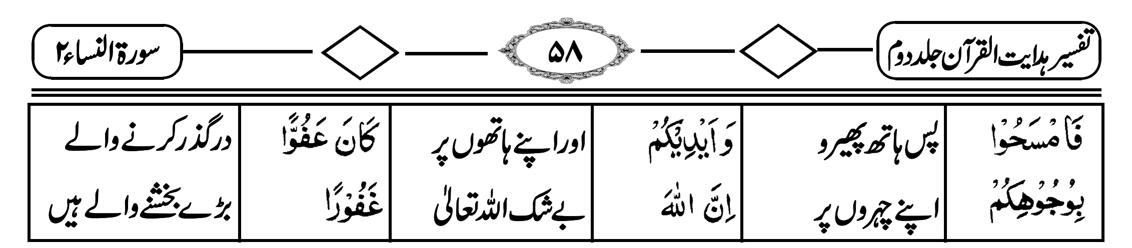
سچ کہہ رہی ہے، ان کو مجھ سے اور قرآن سے ایسا ہی معلوم ہوا تھا ـــــ یہ مضمون صرف سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۳ میں آیا ہے۔

تیسرا مضمون: آنحضور ﷺ اپنے زمانے کے لوگوں کے خلاف گواہی دیں گے اور آپ کی امت اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے خلاف گواہی دے گی۔ یہ مضمون صرف سورۃ الحج آیت ۷۸ میں آیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	وَلَا جُنُبًا (۲)	اور نہ ناپاکی کی حالت میں	اَحَدٌ مِّنْكُمْ	تم میں سے کوئی
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اِلَّا عَابِرِيْ (۳)	مگر عبور کرتے ہوئے	مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ (۴)	نشیبی جگہ سے
لَا تَقْرَبُوا	نہ نزدیک جاؤ	سَبِيْلٍ	راستہ	اَوْ لٰمَسْتُمُ (۵)	یا پکڑا تم نے
الصَّلٰوةَ	نماز کے	حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا	یہاں تک کہ نہالو تم	النِّسَاۗءَ	عورتوں کو
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	وَاِنْ كُنْتُمْ	اور اگر تم ہو	فَلَمْ تَجِدُوْا	پس نہیں پایا تم نے
سُكٰرٰى (۱)	نشے میں چور ہو	مَّرْضٰٓى	بیمار	مَاۗءً	پانی
حَتّٰى تَعْلَمُوْا	یہاں تک کہ جانو تم	اَوْ عَلٰي سَفَرٍ	یا سفر میں	فَتَيَمَّمُوْا	تو قصد کرو
مَا تَقُوْلُوْنَ	جو کہتے ہو تم	اَوْ جَاۗءَ	یا آیا	صَعِيْدًا طَيِّبًا (۶)	پاک مٹی کا

(۱) **سُکَارٰی:** نشہ میں دُھت، چور، مست، سَکْرانُ کی جمع ہے (۲) **ولا جنبا:** حال ہے، اور پہلے حال و أنتم سکاری پر معطوف ہے (۳) **عابر:** عُبور سے اسم فاعل ہے اور عابری سے اضافت کی وجہ سے نونِ تثنیہ حذف ہوا ہے اور عابری سبیل سے مراد مسافر ہیں، سفر شرعی میں جنبی نہائے بغیر تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ (۴) **الغائط:** نشیبی وسیع میدان، عرب قضائے حاجت کے لئے نشیبی وسیع میدانوں میں جاتے تھے، اس لئے بطور کنایہ براز یا قضائے حاجت کا مقام مراد ہے، بیت الخلاء (۵) **لٰمَسْتُمْ:** ماضی معروف، جمع مذکر حاضر، از مُلَامَسَة: باب مفاعلة: اس باب میں اشتراک ہوتا ہے: تم نے عورتوں کو چھوا (اور عورتوں نے تم کو چھوا) ایسا مقاربت میں انزال کے وقت ہوتا ہے۔ (۶) **صعید:** روئے زمین (بخاری) صُعُوْد سے جس کے معنی بلند ہونے کے ہیں، یہاں فعیل: صفت کا صیغہ ہے، جو بھی زمین کی جنس سے ہے: اس سے تیمّم جائز ہے، اور زمین کی جنس سے وہ چیز مراد ہے جو نہ آگ سے پگھلے اور نہ جل کر راکھ ہو جائے۔



فَامْسَحُوْا	پس ہاتھ پھیرو	وَ اَيْدِيْكُمْ	اور اپنے ہاتھوں پر	كَانَ عَفُوًّا	درگذر کرنے والے
بِوُجُوْهِكُمْ	اپنے چہروں پر	اِنَّ اللّٰهَ	بےشک اللہ تعالیٰ	غَفُوْرًا	بڑے بخشنے والے ہیں

مسلمان نشہ چھوڑیں، نشہ گندی چیز ہے، معاشرہ کو خراب کرتا ہے

اصلاح ذات البین کا بیان چل رہا ہے، اہلِ حقوق کے حقوق ادا کرنے سے معاشرہ پروان چڑھتا ہے، اب یہ بیان ہے کہ مسلمان نشہ کرنا چھوڑیں، نشہ: جنابت کی طرح نجاستِ حکمی ہے، اور گندگی سے معاشرہ خراب ہوتا ہے۔

نشہ کرنا اور جنابت ایسی حکمی نجاستیں ہیں کہ ان کے ساتھ نہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے نہ مسجد میں داخل ہونے کی، ایسی گندگی سے معاشرہ برباد ہوتا ہے، آج مسلمانوں میں جہالت عام ہے، جوان نشہ کرتے ہیں اور برائیاں وجود میں آتی ہیں، طلاق، گالی گلوچ، نزاعات اور قتل کی گرم بازاری ہے، شوہر نشہ میں چور ہوکر آبگینہ توڑ بیٹھتا ہے، بچے ویران ہوجاتے ہیں، پھر سر پکڑ کر روتا ہے!

نشہ کرنا اسلام میں حرام ہے، خواہ کوئی نشہ ہو، جامد ہو یا سیّال، قرآن وحدیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں، زیرِ تفسیر آیت میں یہ ارشاد پاک ہے کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھیں، کیونکہ نجاست کے ساتھ نماز جائز نہیں، جب نشہ اتر جائے اور اپنی بات سمجھنے لگے تب نماز پڑھے۔

اور نشہ کی حالت میں صرف نماز کی ممانعت نہیں، بلکہ مخمور مسجد میں بھی نہ آئے، وہ قَی کرکے مسجد کو گندہ کرے گا، اسی لئے آیت میں لَاتُصَلُّوْا (نماز مت پڑھو) نہیں فرمایا، بلکہ ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ فرمایا، یعنی نماز کے نزدیک مت جاؤ، یعنی مساجد میں بھی مت جاؤ۔

اور یہ ارشاد: ﴿لَاتَقْرَبُوا الزِّنٰى﴾ جیسا ہے، یعنی زنا کے قریب مت جاؤ، چنانچہ زنا اور دواعی زنا سب حرام ہیں، اسی طرح نماز اور نماز کی جگہوں کے قریب جانا سب ممنوع ہیں۔

اور شراب کی نجاست کو سمجھانے کے لئے جنابت کو ساتھ ملایا ہے، جب کسی پر غسل واجب ہو تو غسل کئے بغیر نماز پڑھنا جائز نہیں، اور وضوء نہ ہو تو بھی نماز جائز نہیں، مگر وہ حدثِ اصغر ہے، اور جنابت حدثِ اکبر ہے، اس حدثِ اکبر کو لیا تا کہ شراب کی قباحت خوب ذہن نشیں ہوجائے۔

البتہ جنابت کے حکم میں ایک استثناء ہے، اور شراب کے حکم میں کوئی استثناء نہیں، اس سے بھی شراب کا حکم دوآتشہ ہوجاتا ہے، اور قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ حکم بیان کرنے سے پہلے استثناء کرتا ہے، یہاں بھی مسافروں کا استثناء کیا ہے، یعنی حالتِ جنابت میں نماز پڑھنا مطلقاً ناجائز نہیں، جواز کی ایک صورت ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسافر کو جنابت لاحق ہوئی،

اور پانی موجود نہیں تو وہ تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

اور قرآنِ کریم کا یہ اسلوب وہاں ہے جہاں غلط فہمی کا احتمال ہو، جیسے:

۱- میدانِ جہاد سے پیٹھ پھیرنا جائز نہیں، اللہ کا غضب مول لینا ہے، لیکن پینترہ بدلنے کے لئے پیٹھ پھیر سکتے ہیں، سورۃ الانفال (آیت ۱۶) میں: ﴿اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ﴾ کا استثناء حکم بیان کرنے سے پہلے کیا ہے۔

۲- ارتداد: یعنی اسلام سے پھر جانا بہت بڑا گناہ ہے، لیکن جان کا خطرہ ہو تو زبانی جمع خرچ کر سکتے ہیں، سورۃ النحل (آیت ۱۰۶) میں ﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ کا استثناء حکم بیان کرنے سے پہلے کیا ہے۔

اسی طرح یہاں: ﴿اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ کا استثناء پہلے ہی کر دیا کہ مسافر غسل کئے بغیر مٹی سے تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

سوال: یہ آیت تحریم خمر سے پہلے ذہن سازی کے مرحلہ کی ہے، ؟ پس اب یہ آیت منسوخ ہے۔

جواب: منسوخ نہیں، ذہن سازی کے مرحلہ کی آیات منسوخ نہیں ہوتیں، جیسے روزوں کی فرضیت کی ذہن سازی کی آیات منسوخ نہیں (سورۃ البقرۃ آیات ۱۸۳ و ۱۸۴) علاوہ ازیں: شراب اگرچہ حرام ہے، لیکن کوئی نانجار مسلمان پیئے تو حکم وہی ہے جو اس آیت میں ہے کہ نشہ کی حالت میں نہ نماز پڑھے نہ اس کو مسجد میں آنے دیا جائے گا۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم نماز کے نزدیک مت جاؤ، جبکہ تم نشہ میں ہو، یہاں تک کہ جو بولو اس کو سمجھنے لگو، اور نہ حالتِ جنابت میں —— البتہ مسافر مستثنیٰ ہیں —— یہاں تک کہ نہا لو!

نشہ کی تعریف: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مخمور وہ ہے جو آسمان وزمین اور بیوی بہن میں امتیاز نہ کر سکے ﴿حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور صاحبین کے نزدیک دوسری تعریف ہے جو کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔

دو عوارض اور دو نواقض میں تیمّم جائز ہے، اور تیمّم کا طریقہ

دو عوارض پیش آئیں تو تیمّم جائز ہے، ایک عارضِ سماوی ہے، یعنی اللہ کی طرف سے پیش آتا ہے، اور وہ بیماری ہے، دوسرا عارض اختیاری ہے، جس کو بندہ خود پیدا کرتا ہے، اور وہ سفر ہے۔

سماوی عذر: اگر کسی کو کوئی ایسی بیماری ہے کہ وضوء یا غسل کرنے سے پانی ضرر پہنچاتا ہے تو تیمّم کر سکتا ہے۔

اختیاری عذر: کوئی سفر میں نکل گیا، اور پانی میسر نہیں تو بھی تیمّم کرسکتا ہے۔

اور نواقض: بھی دو ہیں: حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر، وضوء ٹوٹ گیا یا غسل واجب ہوگیا، اور پانی حقیقۃً یا حکماً نہیں تو تیمّم کرسکتا ہے، اور دونوں کا تیمّم یکساں ہے۔

اور تیمّم کا طریقہ: یہ ہے کہ پاک مٹی پر دونوں ہاتھ مارے، پھر سارے منہ پر اچھی طرح مل لے، پھر دوبارہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے، اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں سمیت مل لے۔

تفصیل:

پہلا عارض: ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى ﴾: اگر تم بیمار ہو، بیماری سے مراد ایسی بیماری ہے جس میں پانی نقصان کرتا ہو، اگر وضوء یا غسل کرے گا تو بیماری بڑھ جائے گی یا دیر میں اچھی ہوگی تو تیمّم کرنا درست ہے۔ اور اگر ٹھنڈا پانی نقصان کرتا ہو، اور گرم پانی نقصان نہ کرتا ہو تو گرم پانی سے غسل کرنا واجب ہے، البتہ اگر ایسی جگہ ہے کہ گرم پانی نہیں مل سکتا تو تیمّم کرنا درست ہے۔

دوسرا عارض: ﴿ اَوْ عَلٰى سَفَرٍ ﴾: یا آدمی سفر میں ہو، اور پانی تھوڑا ہو، اگر وضوء کرے گا تو پیاس سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے، اور دور تک پانی ملنے کی امید نہیں تو تیمّم کرنا جائز ہے۔

پہلا ناقض: ﴿ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ ﴾: یا کوئی شخص نشیبی جگہ میں جا کر آیا، اور وضوء ٹوٹ گیا، نشیبی جگہ میں یعنی بیت الخلاء میں سبیلین سے ناپاکی نکلتی ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک: جسم میں کہیں سے بھی کوئی ناپاکی خون پیپ وغیرہ نکلے اور بہہ جائے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے، آگے کی دو راہوں کی تخصیص نہیں، اور دیگر ائمہ کے نزدیک تخصیص ہے، ان کے نزدیک سبیلین کے علاوہ سے ناپاکی نکلے تو وضوء نہیں ٹوٹتا۔

دوسرا ناقض: ﴿ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ﴾: یا تم نے عورتوں کو پکڑا ہو (اور عورتوں نے تم کو پکڑا ہو) یعنی بیوی سے صحبت کی اور انزال ہوگیا تو غسل واجب ہے، صحبت کرتے وقت: جب انزال کا وقت آتا ہے تو مرد عورت کو اور عورت مرد کو پکڑتی ہے، پس آیت میں آدھی بات ہے، دوسری آدھی فہم سامع پر اعتماد کرکے چھوڑ دی ہے، اور باب مفاعلہ اپنے معنی میں ہے، اور آیت میں ناقضِ غسل کا بیان ہے، اور قرینہ یہ ہے کہ پہلے جنبی کا ذکر آیا ہے۔

اور دوسرے اماموں کے نزدیک: باب مفاعلہ: مجرد کے معنی میں ہے، لامس بمعنی لمس ہے، باب مفاعلہ مجرد کے معنی میں بھی آتا ہے، ان کے نزدیک آیت کا مطلب ہے: باوضوء آدمی نے عورت کو یا باوضوء عورت نے مرد کو چھویا یعنی ہاتھ لگایا تو اس کا وضوء ٹوٹ گیا، پس یہ ناقضِ وضوء کا بیان ہے۔

فائدہ: نبی ﷺ نے شروع میں **الماءُ من الماء** کا حکم اسی آیت سے مستنبط کیا تھا، یعنی غسل اس وقت واجب ہوگا جب انزال ہوجائے، اکسال میں غسل واجب نہیں، پھر یہ حکم بدل دیا، اس لئے کہ بڑی عمر میں کبھی انزال کا احساس نہیں ہوتا، اور ایسی صورت میں شریعت امر ظاہر کو امر خفی کے قائم مقام کردیتی ہے، اس لئے بعد میں حکم دیا: **إذا التقی الختانان فقد وجب الغسل**: جب مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ میں داخل ہوگئی تو غسل واجب ہوگیا، خواہ انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اور اس پر امت کا اجماع ہے (فائدہ پورا ہوا)

اور پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونے کی تین صورتیں ہیں:

۱- بیماری ایسی ہے کہ اس میں پانی نقصان کرتا ہے، پس یہ حکماً پانی نہ پانا ہے۔

۲- سفر ہو اور پانی تھوڑا ہو، اگر وضوء یا غسل کرے گا تو پیاس سے ہلاک ہوجائے گا، اور دور تک پانی ملنے کی امید نہیں تو یہ بھی حکماً پانی نہ پانا ہے۔

۳- پانی بالکل ہی موجود نہیں، یہ حقیقۃً پانی کا نہ پانا ہے۔ ان سب صورتوں میں پاک مٹی سے تیمّم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے، چاہے سالوں تک پانی نہ ملے۔

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾

ترجمہ: اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا آیا تم میں سے کوئی جائے ضرورت سے یا چھویا تم نے عورتوں کو، پس نہ پاؤ تم پانی، تو قصد کرو پاک مٹی کا، پس ہاتھ پھیرو اپنے چہروں پر اور اپنے ہاتھوں پر، بے شک اللہ تعالیٰ درگذر کرنے والے بڑے بخشنے والے ہیں —— یعنی قبل ازیں نماز میں نشہ کی حالت میں جو تم نے اوندھا پڑھ دیا تھا اس کو اللہ نے معاف کردیا، آئندہ ایسی غلطی نہ ہو۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہمارے لئے کھانا تیار کیا، پس ہمیں (کھانے پر) بلایا اور ہمیں شراب پلائی (یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب شراب حلال تھی) پس شراب نے ہم سے لیا یعنی ہم پر شراب اثر انداز ہوگئی، نشہ چڑھ گیا، اور نماز کا وقت آگیا، تو لوگوں نے مجھے آگے بڑھایا، پس میں نے پڑھا: **قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ، لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ، وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ**: آپ فرمادیں: اے کافرو! میں اُس کو نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو، اور ہم اس کو پوجتے ہیں جس کو تم پوجتے ہو (یہ غلط پڑھ دیا، یہ دو باتوں میں تعارض ہے) پس اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی آیت ۴۳ نازل فرمائی، جس میں ایمان والوں کو حکم دیا کہ تم نماز کے قریب مت جاؤ، جبکہ تم نشہ میں ہوؤ،

یہاں تک کہ تم سمجھو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔

تشریح: نشہ کی حالت میں نماز جائز نہیں، اور نمازیں اپنے اوقات میں پڑھنی ضروری ہیں، اس لئے اوقاتِ نماز میں نشہ کا استعمال مت کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے منہ سے کوئی غلط کلمہ نکل جائے، اور یہ حکم اس وقت تھا جب شراب حلال تھی، پھر جب شراب حرام ہوگئی تو اب نہ نماز کے وقت میں پینا جائز ہے، نہ غیر نماز کے وقت میں، مگر یہ حکم اب بھی باقی ہے کہ نشہ کی حالت میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۫ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اَلَمْ تَرَ	کیا تم نے دیکھا نہیں	الضَّلٰلَةَ	گمراہی کو	بِاَعْدَآئِكُمْ	تمہارے دشمنوں کو
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	وَ يُرِيْدُوْنَ	اور چاہتے ہیں وہ	وَكَفٰى بِاللّٰهِ	اور کافی ہیں اللہ تعالیٰ
اُوْتُوْا	دیئے گئے	اَنْ تَضِلُّوا	کہ بھٹک جاؤ تم	وَلِيًّا (۲)	کارساز
نَصِيْبًا	ایک حصہ	السَّبِيْلَ	راہِ راست سے	وَّكَفٰى	اور کافی ہیں
مِّنَ الْكِتٰبِ (۱)	آسمانی کتابوں کا	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ
يَشْتَرُوْنَ	خریدتے ہیں وہ	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	نَصِيْرًا (۲)	مددگار

یہود و نصاریٰ تمہارے دشمن ہیں، وہ تم کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں

جیسے نشہ انسان کا دشمن ہے، معاشرہ کو خراب کرتا ہے، اسی طرح یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے دشمن ہیں، وہ ہمیشہ ملتِ اسلامیہ کو خراب کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، خود تو ڈوبے ہیں مسلمانوں کو بھی لے ڈوبنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ایک سو چار کتابوں میں سے تین کتابیں: تورات، زبور اور انجیل عنایت فرمائیں، مگر انہیں کتابوں سے وہ گمراہی کے دلدل میں پھنس کر رہ گئے، اس لئے کہ اللہ کی کتابوں سے ہدایت بھی ملتی ہے اور گمراہی بھی، سورۃ البقرۃ (آیت ۲۶) میں ہے: ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾: اللہ تعالیٰ اس (مثال) سے بہت سوں کو گمراہ کرتے ہیں اور بہت سوں کو راہِ راست دکھاتے ہیں، اور اس مثال سے بدکاروں ہی کو گمراہ کرتے ہیں۔ آج مسلمانوں میں جو گمراہ فرقے ہیں وہ قرآن وحدیث سے غلط استدلال کر کے ہی گمراہ ہوئے ہیں۔

(۱) الکتاب: اسم جنس ہے، سب آسمانی کتابیں مراد ہیں، ان کا ایک حصہ: یعنی تورات، زبور اور انجیل (۲) ولیا اور نصیرا: حال ہیں۔

یہی حال یہود و نصاریٰ کا ہوا، اللہ کی کتابوں کے خود ساختہ مطالب لے کر گمراہ ہوگئے، اب وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بھی راہِ ہدایت سے ہٹادیں، مستشرقین رات دن کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ دین اسلام کو بگاڑ کر رکھ دیں، اور دانشوروں کو انھوں نے دبوچ بھی لیا ہے، مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے، پھر بھی ان سے ہوشیار رہو، وہی تمہارے دشمن ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتے ہیں، مگر ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ کافی کارساز اور کافی مددگار ہیں!

آیتِ کریمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتب سماویہ کا ایک حصہ دیا گیا، وہ (ان کتابوں سے) گمراہی خریدتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہِ راست سے ہٹ جاؤ، اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے خوب واقف ہیں، اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز اور کافی مددگار ہیں!

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

مِنَ الَّذِيْنَ [1]	ان لوگوں میں سے جنھوں نے	وَعَصَيْنَا	اور نافرمانی کی ہم نے	فِي الدِّيْنِ	دین میں
هَادُوْا	یہودیت کی راہ اختیار کی	وَاسْمَعْ	اور سنیے	وَلَوْ اَنَّهُمْ	اور اگر ہوتے وہ
يُحَرِّفُوْنَ	(ایک قوم) پھیرتی ہے	غَيْرَ مُسْمَعٍ [3]	نہ سنایا گیا	قَالُوْا	کہتے
الْكَلِمَ [2]	باتوں کو	وَّرَاعِنَا	اور راعنا	سَمِعْنَا	سنا ہم نے
عَنْ مَّوَاضِعِهٖ	اس کی جگہوں سے	لَيًّا [4]	مروڑتے ہوئے	وَاَطَعْنَا	اور مانا ہم نے
وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ	بِاَلْسِنَتِهِمْ	اپنی زبانوں کو	وَاسْمَعْ	اور سنیے
سَمِعْنَا	سنا ہم نے	وَطَعْنًا	اور اعتراض کرتے ہوئے	وَانْظُرْنَا	اور ہمارا لحاظ کیجئے

(۱) من الذين هادوا: خبر مقدم ہے، اور مبتدا قوم محذوف ہے، اور جملہ یحرفون اس کی صفت ہے (۲) الكلم: اسم جنس ہے، لفظاً مفرد اور معنی جمع ہے، اس لئے آگے مفرد کی ضمیر لوٹائی ہے۔ (۳) مُسْمَع: اسم مفعول از باب افعال: سنایا گیا (۴) لَيًّا: مصدر باب ضرب لَوىٰ يَلْوِىْ لَيًّا: موڑنا، پھیرنا، گھمانا، باء صلہ کے ساتھ بھی مستعمل ہے اور بغیر صلہ کے بھی، لَوىٰ بلسانه: زبان گھمادی یعنی زبانیں موڑ کر الفاظ بگاڑ کر ادا کرتے ہیں ـــــ اور لیا اور طعنا: حال یا مفعول لہٗ ہیں۔

لَکَانَ خَیۡرًا	تو بہتر ہوتا	وَ لٰکِنۡ	لیکن	بِکُفۡرِهِمۡ	ان کے انکار کی وجہ سے
لَّهُمۡ	ان کے لئے	لَّعَنَهُمُ	پھٹکارا ان کو	فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ	پس نہیں ایمان لاتے وہ
وَاَقۡوَمَ	اور زیادہ سیدھا	اللّٰهُ	اللہ نے	اِلَّا قَلِيۡلًا	مگر تھوڑے

یہود کی اسلام دشمنی نبی ﷺ کے ساتھ ان کے طرز عمل سے ظاہر ہے

مدینہ منورہ کے یہود کا نبی ﷺ کے ساتھ جو طرزِ عمل تھا وہ ان کی اسلام دشمنی کا واضح ثبوت ہے، ان کا طرزِ عمل کیا تھا؟

۱- وہ تورات میں نبی ﷺ کے بارے میں جو خبریں تھیں، مثلاً: آپ کے اوصافِ حمیدہ، حلیہ اور جائے ہجرت کا بیان، اور صحابہ کے حالات، اور آپ کی ملت اور آپ کے قبلہ کا تذکرہ: یہ سب مضامین انھوں نے تورات سے ہٹا دیئے تھے اور یہ کام ان کے بدباطن علماء اور رؤساء نے کیا تھا، وہ لوگوں کو ایسا باور کراتے تھے کہ گویا یہ باتیں تورات میں ہیں ہی نہیں۔

۲- جب یہود مجلسِ نبوی میں آتے، اور ان سے کوئی بات کہی جاتی تو زبان سے کہتے: سَمِعۡنَا: ہم نے سنا، اور دل میں کہتے: عَصَيۡنَا: ہم آپ کی بات پر عمل نہیں کریں گے، یعنی سننا محض سننا تھا، عمل کا جذبہ اس کے پیچھے نہیں تھا۔

۳- جب وہ نبی ﷺ سے کوئی بات کہتے تو اسۡمَعۡ سے خطاب کرتے، یعنی ہماری بات سنیں، مگر ساتھ ہی دل میں کہتے: غَيۡرَ مُسۡمَعٍ: تو نہ سنایا جائیو! یعنی بہرہ ہو جائیو! —— یہ بددعا بلکہ گالی تھی!

۴- یہود زبان مروڑ کر رَاعِنَا کہتے تھے، ان کی زبان میں اس کے معنی احمق کے تھے، اور عین کے کسرہ کو کھینچ کر کہتے تو رَاعِيۡنَا ہو جاتا، یعنی ہمارے چرواہے، یہ بھی گالی تھی، پھر اعتراض بھی کرتے کہ اگر یہ سچے نبی ہیں تو ان کو ہماری چالبازی کا پتہ کیوں نہیں چلا؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہود کی یہ حرکتیں ان کے حق میں مفید نہیں، اگر وہ ادبِ نبوی کا لحاظ کرتے اور صرف سَمِعۡنَا کہتے اور صرف اسۡمَعۡ کہتے، گالی نہ دیتے اور راعنا کے بجائے انظرنا کہتے تو ان کے حق میں بہتر اور سیدھی بات ہوتی، مگر ان کا ایسا نصیب کہاں؟ اسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ نے ان کو پھٹکار دیا ہے، اپنی خاص رحمت سے دور کر دیا ہے، اس لئے اب ان میں شاید باید ہی کوئی ایمان لائے۔

سوال: یہود کی چار حرکتوں میں سے تین کی اصلاح کی، مگر پہلی نہیں لوٹائی: اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: پہلی حرکت ان کے بڑے کر گذرے ہیں، انھوں نے تورات سے وہ مضامین ہٹائے ہیں، اب موجودہ یہودی ان کو واپس نہیں لا سکتے، اس لئے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

آیتِ کریمہ: اور جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی ان میں سے بعض: تورات کے الفاظ کو ان کی جگہوں سے

پھیرتے ہیں ـــــ یعنی انھوں نے وہ مضامین تورات سے نکال دیئے ہیں ـــــ اور کہتے ہیں: ہم نے سنا، اور ہم اس پر عمل نہیں کریں گے، اور (کہتے ہیں:) سنیے! نہ سنایا جائیو! اور (کہتے ہیں:) راعنا، اپنی زبانیں مروڑ کر اور دین پر اعتراض کرتے ہوئے اور اگر یہ بات ہوتی کہ وہ کہتے: ہم نے سنا اور ہم عمل کریں گے، اور ہماری بات سنیں اور ہمارا لحاظ کریں: تو ان کے لئے بہتر اور زیادہ سیدھا ہوتا ـــــ مگر اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، اسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے، پس وہ سوائے چند کے ایمان نہیں لائیں گے! ـــــ چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ چند ہی خوش نصیب ایمان لائے، اور آج تک یہی صورتِ حال ہے، اکّا دکّا کوئی یہودی ایمان لاتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	مَعَكُمْ	تمہارے پاس ہے	اَصْحٰبَ السَّبْتِ	ہفتہ والوں پر
اُوْتُوا	دیئے گئے	مِّنْ قَبْلِ[1]	مٹانے سے پہلے	وَكَانَ	اور ہے
الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	اَنْ نَّطْمِسَ		اَمْرُ اللّٰهِ	حکم اللہ کا
اٰمِنُوْا	ایمان لاؤ	وُجُوْهًا	چہروں کو	مَفْعُوْلًا	ہو کر رہنے والا
بِمَا	اس کتاب پر جو	فَنَرُدَّهَا	پس پھیر دیں ہم ان کو	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
نَزَّلْنَا	اتاری ہے ہم نے	عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ	ان کی پیٹھوں پر	لَا يَغْفِرُ	نہیں بخشیں گے
مُصَدِّقًا	سچ بتانے والی	اَوْ نَلْعَنَهُمْ	یا لعنت کریں ہم ان پر	اَنْ يُّشْرَكَ	شرک کرنے کو
لِّمَا	اس کتاب کو جو	كَمَا لَعَنَّاۤ	جیسی لعنت کی ہم نے	بِهٖ	اس کے ساتھ

(۱) أن نطمس: أن مصدریہ ہے۔

وَ يَغْفِرُ	اور بخشیں گے	اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	اُنْظُرْ	دیکھ
مَا دُوْنَ	جو نیچے ہیں	اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	كَيْفَ	کیسے
ذٰلِكَ	اس کے	يُزَكُّوْنَ	مقدس سمجھتے ہیں	يَفْتَرُوْنَ	گھڑتے ہیں وہ
لِمَنْ يَّشَآءُ	جس کے لئے چاہیں گے	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں کو	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
وَمَنْ يُّشْرِكْ	اور جو شریک کرے گا	بَلِ اللّٰهُ	بلکہ اللہ تعالیٰ	الْكَذِبَ	جھوٹ
بِاللّٰهِ	اللہ کے ساتھ	يُزَكِّيْ	مقدس کرتے ہیں	وَكَفٰى	اور کافی ہے
فَقَدِ افْتَرٰٓى	تو تحقیق گھڑا اس نے	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں	بِهٖ	وہ (جھوٹ)
اِثْمًا	گناہ	وَلَا يُظْلَمُوْنَ	اور نہیں ظلم کئے جائیں گے وہ	اِثْمًا	گناہ
عَظِيْمًا	بڑا	فَتِيْلًا (۱)	دھاگہ برابر	مُّبِيْنًا	صریح

یہود کو قرآنِ کریم پر ایمان لانے کی دعوت

یہود کی اسلام دشمنی کا حال آپ نے دیکھ لیا، اب ان کو قرآنِ کریم پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں، اور ترہیب (دھمکی) کے ساتھ دیتے ہیں، یعنی حکم کی مخالفت سے ڈراتے بھی ہیں۔

فرماتے ہیں: اے اہل کتاب! قرآن پر ایمان لاؤ، اس کتاب کے احکام تورات کے احکام کے مصدق ہیں، دونوں کتابیں ایک سرچشمہ سے آئی ہیں، اور اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو تمہارے چہروں کے نشانات آنکھ ناک وغیرہ مٹا دیئے جائیں گے، اور ان کو الٹ کر گدی کی طرف کر دیا جائے گا، یا جس طرح ہم نے ہفتہ کی حرمت پامال کرنے والوں کو سور بندر بنا دیا تمہیں بھی مسخ کر کے جانور بنا دیں گے (اصحابِ سبت کا واقعہ سورۃ الاعراف آیات ۱۶۳-۱۶۶ میں ہے)

﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴾: اور اللہ کا معاملہ پورا ہو کر رہتا ہے، یعنی یہ وعید کی آیت ہے، خبر نہیں ہے، خبر کا اس عالم میں تحقق ضروری ہے، اور وعید کا اس عالم میں پورا ہونا ضروری نہیں، عالم برزخ میں، عالم حشر میں اور عالم آخرت میں اس کا تحقق ہو سکتا ہے، جیسے بخاری شریف کی حدیث (نمبر ۶۹۱) ہے کہ جو امام سے پہلے رکوع وسجود سے سر اٹھاتا ہے: کیا وہ اس سے ڈرتا نہیں کہ اس کا سر گدھے کے سر سے بدل دیا جائے؟ جبکہ بعض لوگ رکوع وسجود میں امام سے پہلے سر اٹھا لیتے ہیں، مگر کسی کا سر گدھے کے سر سے نہیں بدل جاتا، یہ اشکال صحیح نہیں، کیونکہ یہ وعید کی حدیث ہے، خبر نہیں۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ

(۱) فتیل: ڈورہ، باریک تاگہ، کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں جو باریک ڈورا ہوتا ہے وہ فتیل کہلاتا ہے، مراد حقیر، قلیل چیز۔

وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو جو آسمانی کتاب (تورات) دیئے گئے! اس کتاب پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتاری ہے، وہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے، اس سے پہلے کہ ہم تمہارے چہروں کو مٹادیں، اور انہیں ان کی الٹی جانب پھیر دیں، یا ہم ان کو اپنی خاص رحمت سے دور کردیں جس طرح ہم نے ہفتہ والوں کو (دنیا ہی میں) اپنی خاص رحمت سے دور کردیا، اور اللہ کا معاملہ پورا ہو کر ہی رہتا ہے!

یہود شرک میں مبتلا ہیں، اس کی مغفرت ایمان لانے ہی سے ہوگی

جس طرح عیسائی شرک میں مبتلا ہیں، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو 'اللہ کا بیٹا' مانتے ہیں، جو صریح شرک ہے، میری یورپ کے سب سے بڑے ربائی (یہودی مقتداء) سے ایک ملاقات ہوئی تھی، میں نے ان کو میری مسجد میں آنے کی دعوت دی، اس نے کہا: ''ہم مسجد میں آسکتے ہیں، چرچ میں نہیں جاسکتے'' میں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: ''وہاں شرک ہوتا ہے، اور ہم شرک کی جگہ نہیں جاسکتے!'' جبکہ اسی شرک میں نزولِ قرآن کے زمانہ میں یہود مبتلا تھے، وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو 'اللہ کا بیٹا' مانتے تھے (سورۃ التوبہ آیت ۳۰) اور یہود و نصاریٰ دونوں ہی احبار و رہبان کے لئے تشریع (قانون سازی) کا اختیار مانتے ہیں (سورۃ آلِ عمران آیت ۶۴) یہ بھی شرک ہے، اور شرک ایسا گناہ ہے جس کی بخشش نہیں ہوگی، البتہ اس سے کم درجہ کے گناہ خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ قابلِ مغفرت ہیں، اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں گے بخش دیں گے، خواہ عذاب کے بعد یا بغیر عذاب کے، مگر شرک قابل مغفرت نہیں، اس کی مغفرت کی ایک ہی صورت ہے، اور وہ مسلمان ہونا ہے۔

حدیث میں ہے: **إن الإسلامَ يهدِم ما كان قبله**: مسلمان ہونے سے سابقہ سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں، شرک وکفر جیسے سنگین گناہ بھی معاف ہوجاتے ہیں، لہٰذا یہود قرآن پر ایمان لائیں تاکہ ان کا شرک کا گناہ دُھل جائے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ ﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک ٹھہرانے کو معاف نہیں کریں گے، اور اس سے نیچے جو گناہ ہیں ان کو جس کے لئے چاہیں گے معاف کردیں گے، اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اس نے بالیقین بڑا گناہ کمایا —— جو قابل معافی نہیں۔

یہود خود کو مقدس سمجھتے ہیں یہ اللہ پر افتراء ہے!

یہود مذکورہ آیت سن کر کہنے لگے: ہم مشرک نہیں، ہم تو اللہ کے خاص بندے اور نبیوں کی اولاد ہیں، نبوت ہماری

میراث ہے، وہ خود کو ابناء اللہ اور احباء اللہ کہتے تھے، یعنی ہم تو اللہ کے بیٹے اور اللہ کے پیارے ہیں (المائدہ آیت ۱۸)

جواب: میاں مٹھو بننے سے کیا حاصل؟ اپنی تعریف آپ کرنا خود ستائی ہے، مقدس وہ ہے جس کو اللہ مقدس بنائیں، اور اللہ تعالیٰ ایمان لا کر نیک کام کرنے والے کو مقدس بناتے ہیں، ان کا دھاگہ کے بقدر بھی حق نہیں مارتے، تم بھی ایمان لاؤ اور اچھے کام کرو، وہ تمہیں بھی مقدس بنا دیں گے، ابھی جو تم تقدیس کا دعوی کرتے ہو وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو، جو تمہارے صریح گناہ کے لئے کافی ہے۔

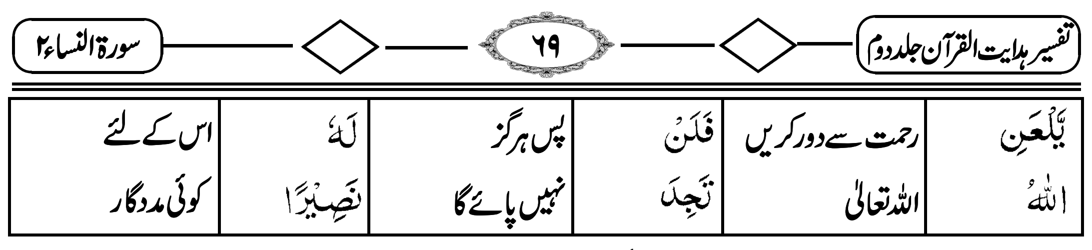
﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۴۹ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۰﴾

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو خود کو مقدس قرار دیتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں مقدس بناتے ہیں، اور ان پر دھاگہ کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا، دیکھ تو سہی! کس طرح وہ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں، اور وہ (جھوٹ گھڑنا) صریح گناہ کے لئے کافی ہے!

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝۵۱ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝۵۲ۭ

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	وَالطَّاغُوْتِ (۲)	اور سرکش طاقتوں پر	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں	سَبِيْلًا	باعتبار راہ کے
اُوْتُوْا	دیئے گئے	لِلَّذِيْنَ	ان سے جنھوں نے	اُولٰۗىِٕكَ	یہی لوگ ہیں
نَصِيْبًا	ایک حصہ	كَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا	الَّذِيْنَ	جن کو
مِّنَ الْكِتٰبِ	آسمانی کتابوں کا	هٰٓؤُلَاۗءِ	یہ لوگ	لَعَنَهُمُ	رحمت سے دور کر دیا
يُؤْمِنُوْنَ	یقین رکھتے ہیں وہ	اَهْدٰى	زیادہ سیدھے ہیں	اللّٰهُ	اللہ نے
بِالْجِبْتِ (۱)	بتوں پر	مِنَ الَّذِيْنَ	ان سے جو	وَمَنْ	اور جس کو

(۱) جبت: ہر وہ معبود جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے، جیسے استھان وغیرہ (۲) طاغوت: ہر وہ سرکش طاقت جو خیر کے راستے سے روکے، خواہ جادوگر ہو، کاہن ہو، سرکش جنّ ہو یا خیر سے روکنے والے مذہبی پیشوا ہوں، سب کو طاغوت سے موسوم کیا جاتا ہے۔



يَّلْعَنِ	رحمت سے دور کریں	فَلَنْ	پس ہرگز	لَهٗ	اس کے لئے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	تَجِدَ	نہیں پائے گا	نَصِيْرًا	کوئی مددگار

یہود مشرک نہیں تو مشرکین سے ان کی سرحد کیوں ملتی ہے؟

یہود کو ایمان کی دعوت دی تھی، فرمایا تھا کہ تم شرک میں مبتلا ہو، اور یہ گناہ ایمان ہی سے معاف ہوسکتا ہے، لہٰذا ایمان لاؤ، اس پر انھوں نے کہا کہ ہم مشرک نہیں! ہم تو اللہ کے چہیتے اور بخشے بخشائے ہیں، اس سے پہلے یہ جواب دیا تھا کہ یہ افتراء ہے۔ اب فرماتے ہیں کہ اگر تم مشرک نہیں تو مشرکین مکہ کی طرف پینگ کیوں بڑھاتے ہو، قاعدہ یہ ہے کہ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز!

جنگِ بدر کے بعد بنونضیر کا سردار کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب مکہ گئے، اور مسلمانوں کے خلاف ان کے جذبات بھڑکائے، مرثیہ کہہ کر سردارانِ قریش کا نوحہ ماتم کرتے تھے، اور کعبہ شریف کا پردہ پکڑ کر مشرکین سے عہد لے آئے تھے کہ وہ ضرور مدینہ پر حملہ کریں گے، اور مدینہ کے یہود ان کا ساتھ دیں گے۔

اس موقعہ پر کفارِ مکہ کے سردار ابوسفیان نے ان سے کہا: اگر تم واقعی ہمارے ہمدرد ہو تو ہمارے دو بتوں کو سجدہ کرو، انھوں نے کیا، پھر ابوسفیان نے پوچھا! ہمارا مذہب اچھا ہے یا مسلمانوں کا؟ انھوں نے کہا: تمہارا مذہب مسلمانوں کے مذہب سے اچھا ہے! حالانکہ وہ جانتے تھے کہ مکہ والے بت پرست ہیں، وہ اچھے نہیں ہوسکتے، تاہم ان کے مذہب کو بہتر کہنا بت پرستی کی تائید نہیں تھی تو کیا تھی؟ پس یہود مشرک ہوئے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: انہیں لوگوں کو اللہ نے اپنی رحمتِ خاصہ سے دور کردیا ہے، اور جن کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کردیں ان کے لئے آپ ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔

آیتِ کریمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جو آسمانی کتابوں کا ایک حصہ (تورات) دیئے گئے: وہ بت اور سرکش طاقت کو مانتے ہیں —— بت سے مراد وہ بت ہے جس کو کعب اور حیی نے سجدہ کیا تھا، اور سرکش طاقت سے مراد ابو سفیان ہے —— اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں: وہ مسلمانوں سے زیادہ راہِ راست پر ہیں، انہیں لوگوں کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کردیا ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کردیں اس کے لئے آپ ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیں گے!

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ

وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝٥٤ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝٥٥

اَمْ لَهُمْ	کیاان کے لئے	عَلٰى مَآ	اس پر جو	مُلْكًا عَظِيْمًا	بڑا ملک
نَصِيْبٌ	کوئی حصہ ہے	اٰتٰىهُمُ	دیاان کو	فَمِنْهُمْ	پس ان میں سے بعضے
مِّنَ الْمُلْكِ	سلطنت سے	اللّٰهُ	اللہ نے	مَّنْ اٰمَنَ	جو ایمان لائے
فَاِذًا	پس تب	مِنْ فَضْلِهٖ	اپنی مہربانی سے	بِهٖ	اس پر
لَّا يُؤْتُوْنَ	نہیں دیں گے وہ	فَقَدْ اٰتَيْنَآ	پس تحقیق دی ہے ہم نے	وَمِنْهُمْ	اوران میں سے بعضے
النَّاسَ	لوگوں کو	اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ	خاندانِ ابراہیم کو	مَّنْ صَدَّ عَنْهُ	جورک گئے اس سے
نَقِيْرًا(1)	رتی بھر	الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	وَكَفٰى	اور کافی ہے
اَمْ يَحْسُدُوْنَ	یا جلتے ہیں وہ	وَالْحِكْمَةَ	اور دانشمندی	بِجَهَنَّمَ	دوزخ
النَّاسَ	لوگوں پر	وَاٰتَيْنٰهُمْ	اور دیا ہم نے ان کو	سَعِيْرًا	دہکتی آگ!

سو بات کی ایک بات: بنی اسرائیل: بنی اسماعیل سے جلے بُھنے ہیں!

پہلے دو باتیں جان لیں:

۱- نبوت اور حکومت میں تلازم ہے، ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہیں، چنانچہ جب تک نبوت بنی اسرائیل میں رہی وہی حکومت کرتے رہے، پھر جب نبوت بنی اسماعیل میں منتقل ہوئی تو حکومت بھی ان کی طرف منتقل ہوگئی۔

۲- حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء ہیں، ان کے بعد آسمانی کتابیں اور پیغمبری ان کی اولاد میں دائر ہوئی، سورۃ العنکبوت (آیت ۲۷) میں ہے: ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾: اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب رکھ دی، ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ بیٹے تھے (قصص القرآن) کسی بیٹے کی تخصیص نہیں تھی، سب ذریت کے لئے یہ انعام عام تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، ان کا لقب اسرائیل تھا، ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی تھی، عرصہ تک ان میں نبوت جاری رہی، اور آسمانی کتابیں نازل

(۱) نقیر: کھجور کی گٹھلی کے اوپر جو چھلکا ہوتا ہے، مراد حقیر ترین چیز، ذرہ بھر، رتی بھر۔

ہوتی رہیں، پھر دورِ آخر میں بنی اسماعیل میں خاتم النّبیین ﷺ مبعوث ہوئے، اور ان پر اللہ کا کلام (قرآنِ کریم) نازل ہوا تو حکومت بھی ان کی طرف منتقل ہوگئی۔

یہی بات بنی اسرائیل کے لئے جلن کی وجہ بن گئی، ان کے ایمان کے راستہ کا روڑا بن گئی، اب ان آیات پر یہود سے گفتگو مکمل ہو رہی ہے، اور ان آیات میں چار باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

۱- حکومت پر کسی کی اجارہ داری نہیں، اللہ کا اختیار ہے جس کو چاہیں حکومت دیں، اللہ تعالیٰ نے پہلے حکومت بنی اسرائیل کو دی، اب بنی اسماعیل کو تفویض کی ہے، اگر حکومت پر بنی اسرائیل کا کچھ بھی اختیار ہوتا تو وہ کبھی اپنے اندر سے حکومت کو نکلنے نہ دیتے، بنی اسماعیل کو رتّی بھر نہ دیتے، مگر ان کا کیا اختیار ہے، سارا اختیار اللہ کا ہے، وہ جس کو چاہیں نوازیں۔

۲- اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کو اپنے فضل (نبوت) سے نوازا تو یہود جل کر کباب ہوگئے!

۳- اللہ تعالیٰ نے خاندانِ ابراہیم سے کتاب وحکمت کا وعدہ کیا ہے، کسی خاص بیٹے کی تخصیص نہیں کی، اور بنی اسماعیل بھی ان کی اولاد ہیں، اس لئے حسب وعدہ ان کو اب کتاب وحکمت اور حکومت عطا فرمائی ہے۔

۴- اب کچھ یہودی تو اسماعیلی نبی پر ایمان لائے ہیں، اور کچھ اینٹھے ہوئے ہیں، وہ جہنم کی دہکتی آگ کا ایندھن بنیں گے۔

آیاتِ کریمہ: (۱) کیا ان (یہود) کا سلطنت میں کوئی حصہ (اختیار) ہے؟ تب تو وہ لوگوں کو (بنی اسماعیل کو) رتّی بھر نہ دیں گے! (۲) کیا وہ جلے بھنے ہیں لوگوں پر (بنی اسماعیل پر) اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل (نبوت) سے عنایت فرمایا (۳) پس (سنو!) ہم نے خاندانِ ابراہیم کو آسمانی کتابیں اور دانشمندی عطا فرمائی، اور ہم نے ان کو بڑی سلطنت عطا فرمائی —— کیونکہ کسی بیٹے کی تخصیص نہیں تھی —— (۴) پس بعضے ان (یہود) میں سے وہ ہیں جو اس پر (آخری نبی پر) ایمان لائے اور بعضے ان میں سے ان (پر ایمان لانے) سے رکے ہوئے ہیں، اور ان کے لئے دہکتی دوزخ کافی ہے!

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ	بیشک جن لوگوں نے	لِيَذُوْقُوا	تاکہ چکھیں وہ	تَجْرِيْ	بہتی ہیں
كَفَرُوْا	انکار کیا	الْعَذَابَ	عذاب	مِنْ تَحْتِهَا	ان میں
بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کا	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	الْاَنْهٰرُ	نہریں
سَوْفَ	عنقریب	كَانَ عَزِيْزًا	ہیں زبردست	خٰلِدِيْنَ	رہنے والے
نُصْلِيْهِمْ	داخل کریں گے ہم ان کو	حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے	فِيْهَآ	اس میں
نَارًا	دوزخ میں	وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	اَبَدًا	سدا
كُلَّمَا	جب جب	اٰمَنُوْا	مان لیا	لَهُمْ فِيْهَآ	ان کے لئے ان میں
نَضِجَتْ	پک جائیں گی	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	اَزْوَاجٌ	بیویاں ہے
جُلُوْدُهُمْ	ان کی کھالیں	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	مُّطَهَّرَةٌ	پاکیزہ
بَدَّلْنٰهُمْ	بدل دیں گے ہم ان کو	سَنُدْخِلُهُمْ	عنقریب داخل کریں گے ہم ان کو	وَّنُدْخِلُهُمْ	اور داخل کریں گے ہم ان کو
جُلُوْدًا	کھالوں سے				
غَيْرَهَا	ان کے علاوہ	جَنّٰتٍ	باغات میں	ظِلًّا ظَلِيْلًا	گھنے سایے میں

ربط: گذشتہ آیت میں ان یہود کا ذکر تھا جو حسد کی وجہ سے نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے، اب قاعدہ کلیہ کے طور پر ایمان نہ لانے والوں کی سزا کا ذکر فرماتے ہیں، پس یہ سزا ان یہود کے لئے بھی ہوگی، پھر کفار کے بالمقابل مؤمنین کی جزائے خیر کا ذکر ہے، اور یہ قرآنِ کریم کا اسلوب ہے۔

دوزخ میں کافروں کی کھالیں بدلی جائیں گی، تاکہ وہ مسلسل عذاب کا مزہ چکھیں

جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا، خواہ وہ یہود ہوں یا ان کے علاوہ، اللہ تعالیٰ جلدی ان کو جہنم میں جھونکیں گے، وہاں جب بھی ان کی کھالیں پک جائیں گی تو ان کو دوسری کھالیں دیدی جائیں گی، کھالیں ری پلیس (Replace) کی جائیں گی، تاکہ وہ مسلسل عذاب کا مزہ چکھتے رہیں، اللہ تعالیٰ زبردست ہیں، ان کے لئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں، اور حکیم ہیں، کفر وشرک کی جو حقیقتِ مستمرہ ہیں یہی سزا ہے۔

فائدہ: جدید میڈیکل کی تحقیق یہ ہے کہ انسان کے جسم کو جو تکلیف پہنچتی ہے، اس کو محسوس کرنے کی صلاحیت اصل میں جسم کے چمڑوں میں ہوتی ہے نہ کہ گوشت میں، اس پس منظر میں قرآنِ کریم کی یہ آیت ایمان کو تازہ کرتی ہے کہ یہاں

عذاب کو چکھنے اور تکلیف کو محسوس کرنے کی نسبت چمڑوں ہی کی طرف کی گئی ہے، اگر چہ قرآن کا اصل موضوع انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی ہے، لیکن جہاں کہیں اس نے کائنات کی کسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، حیرت انگیز طور پر وہ اس کے مطابق ہے، جہاں سائنسدان علم وتحقیق کا طویل سفر کر کے پہنچے ہیں (آسان تفسیر، مولانا خالد سیف اللہ صاحب)

نیک مؤمنین کی خوش انجامی

نیک مؤمنین کو آخرت میں سدابہار باغات ملیں گے، جوان کا دائمی مستقر ہوگا، وہاں ان کو ایسی عورتیں ملیں گی جو حیض اور دیگر آلائشوں سے پاک ہونگی، اور اللہ تعالیٰ ان کو گنجان چھاؤں میں داخل کریں گے، جہاں دھوپ چھن کر بھی نہیں آئے گی، کیونکہ جنت میں دھوپ نہیں (سورۃ طٰہٰ ۱۱۹)

فائدہ: عربی میں تابع مہمل نہیں ہوتا، معنی دار ہوتا ہے، وہ متبوع کے معنی میں اضافہ کرتا ہے، ظلیلا نے ظلا کے معنی میں اضافہ کیا ہے، اردو میں تابع مہمل ہوتا ہے، جیسے کھانا وانا، پانی وانی وغیرہ۔

آیاتِ کریمہ: بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا: جلدی ہم ان کو دوزخ میں جھونکیں گے، جب بھی ان کی کھالیں پک جائیں گی: ہم ان کو دوسری کھالیں بدل دیں گے، تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں، بے شک اللہ تعالیٰ زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔

اور جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کیا: عنقریب ہم ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، ان کے لئے ان میں ستھری بیویاں ہونگی، اور ہم ان کو گھنے سایے میں داخل کریں گے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾

إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	يَأْمُرُكُمْ	حکم دیتے ہیں تم کو	أَنْ تُؤَدُّوا	کہ پہنچاؤ

الْاَمٰنٰتِ	امانتیں	كَانَ سَمِيْعًا	خوب سننے والے	فِيْ شَيْءٍ	کسی چیز میں
اِلٰٓى اَهْلِهَا	ان کے حقداروں کو	بَصِيْرًا	خوب دیکھنے والے ہیں	فَرُدُّوْهُ	تو لوٹاؤ اس کو
وَ اِذَا	اور جب	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف
حَكَمْتُمْ	تم فیصلہ کرو	اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	وَ الرَّسُوْلِ	اور رسول کی طرف
بَيْنَ النَّاسِ	لوگوں کے درمیان	اَطِيْعُوا	کہا مانو	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
اَنْ تَحْكُمُوْا(۱)	(تو) فیصلہ کرنا	اللّٰهَ	اللہ کا	تُؤْمِنُوْنَ	یقین رکھتے
بِالْعَدْلِ	انصاف کے ساتھ	وَ اَطِيْعُوا	اور کہا مانو	بِاللّٰهِ	اللہ پر
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	الرَّسُوْلَ	اللہ کے رسول کا	وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن پر
نِعِمَّا(۲)	بہت ہی اچھی	وَ اُولِي الْاَمْرِ(۴)	اور ذمہ داروں کا	ذٰلِكَ	یہ بات
يَعِظُكُمْ	نصیحت کرتے ہیں تم کو	مِنْكُمْ	تم میں سے	خَيْرٌ	بہتر ہے
بِهٖ(۳)	اس کے ذریعہ	فَاِنْ	پس اگر	وَّ اَحْسَنُ	اور اچھی ہے
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	تَنَازَعْتُمْ	مختلف ہو جاؤ تم	تَاْوِيْلًا	انجام کے اعتبار سے

آخری نبوت اور آخری کتاب بنی اسماعیل کی امانت ہے، ان کا یہ حق تسلیم کرو

اب بنی اسرائیل کو ایک قیمتی نصیحت کرتے ہیں کہ آخری نبوت اور آخری کتاب بنی اسماعیل کا حق ہے، ان کی یہ امانت ان تک پہنچاؤ، اس میں خیانت مت کرو، ذریت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری سب باتیں سن رہے ہیں، اور تمہارے احوال سے پوری طرح باخبر ہیں۔

امانت: قابل حفاظت چیز کو کہتے ہیں۔ امانت رکھنا: یعنی حفاظت کے لئے کوئی چیز کسی کو سپرد کرنا، پھر امانت کے بہت درجے ہیں:

ا-سب سے اہم امانت: تکلیفِ شرعی ہے، یعنی اللہ کے احکام پر عمل کرنا ہے، اس کا ذکر سورۃ الاحزاب (آیت ۷۲) میں ہے، ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾: بے شک ہم نے امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے

(۱) أن تحكموا: أن مصدریہ ہے (۲) نِعِمَّا: مرکب کلمہ ہے، نِعْمَ اور مَا سے: میم کا میم میں ادغام ہوا ہے (۳) به: کی ضمیر ما کی طرف لوٹتی ہے، ما: عام ہے، مراد مذکورہ دونوں باتیں ہیں۔ (۴) أولی الأمر: ذمہ داروں سے مراد حکام اور علماء ہیں۔

سامنے پیش کی، پس انھوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا، اور وہ اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کو اٹھایا ــــ اس آیت میں امانت سے مراد تکلیف شرعی ہے، یہ ذمہ داری انسان نے قبول کی ہے، آیت زیر تفسیر میں بھی امانت سے یہی ذمہ داری مراد ہے، یعنی آخری نبوت اور آخری کتاب بنی اسماعیل کا حق ہے، ان کا یہ حق تسلیم کرو، زبردستی اس پر قبضہ مت کرو، ذریتِ ابراہیم علیہ السلام کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرو، یہ قیمتی نصیحت ہے، اس کو پلّے باندھو!

۲- عہدہ بھی ایک امانت ہے، اس لئے وہ اہل ہی کو سونپنا چاہئے، نااہل کو عہدہ سونپنا امانت کو ضائع کرنا ہے، ایسی صورت میں قیامت کا انتظار کرنا ہوگا، اب دنگے فساد اور فتنے برپا ہونگے، جب نااہل کو صدرِ مملکت، خلیفہ یا کسی تنظیم کا صدر یا سکریٹری بنادیا جائے تو جھگڑے کھڑے ہونگے، اور واقعی اہل کو عہدہ سونپا جائے تو امن وامان قائم ہوگا۔ حدیث شریف میں عہدہ کو امانت سے تعبیر کیا ہے، ایک بدّو نے سوال کیا: قیامت کب آئے گی؟ آپؐ نے فرمایا: **إذَا ضُيِّعَتِ الأمانةُ فانتظر الساعةَ**: جب امانتیں ضائع کی جائیں تو قیامت کا انتظار کر! بدّو امانتیں ضائع کرنے کا مطلب نہیں سمجھا، اس نے پوچھا: امانت کیسے ضائع ہوتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: **إذا وُسِّدَ الأَمْرُ إلى غير أهله فانتظر الساعةَ**: جب معاملہ نااہل کو سونپا جائے تو قیامت کا انتظار کر (بخاری شریف ۵۹) پس یہ بھی آیت کے پہلے جزء ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ﴾ میں شامل ہے۔

۳- قضا بھی ایک امانت ہے، جب لوگ کسی حاکم یا قاضی کے پاس کوئی معاملہ لے کر جاتے ہیں تو یہ امید لے کر جاتے ہیں کہ فیصلہ انصاف سے ہوگا، کوئی رعایت یا جانبداری نہیں ہوگی، پس انصاف کا خون کرنا بھی امانت کو ضائع کرنا ہے، اس کا ذکر: ﴿ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾ میں ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، اور دونوں حکموں میں مناسبت یہ ہے کہ ﴿ بَيْنَ النَّاسِ ﴾ سے مراد ذریتِ ابراہیم علیہ السلام ہے، یعنی فیصلہ انصاف سے کرو کہ آخری نبوت اور آخری کتاب کس کا حق ہے؟ بنی اسرائیل کا یا بنی اسماعیل کا؟ حق دار کو اس کا حق پہنچاؤ، اور اس پر ایمان لاؤ۔

۴- اطاعت بھی ایک امانت ہے، جب کسی کو امیر یا حاکم بنادیا تو اب اس کی اطاعت (فرمان برداری) ضروری ہے، اس کے بغیر حاکم اپنی ذمہ داری سے کیسے عہدہ برآ ہوگا؟ اس لئے اگلی آیت میں اللہ ورسول کی اطاعت کے بعد: ﴿ اُولِى الْاَمْرِ ﴾ کی اطاعت کا بھی حکم دیا۔

۵- پھر عام امانتیں ہیں، جو بھی چیز کسی کو سپرد کی جائے اس کا حق ادا کرنا ضروری ہے، حدیث میں ہے: **لا إيمان لمن لا أمانة له**: جس میں امانت داری نہیں وہ بے ایمان ہے، ایک مدرس ہے، اس کے پاس طلبہ کا وقت امانت ہے، اگر وہ اس کو ضائع کرتا ہے تو وہ طلبہ کا حق مارتا ہے، ایک کارکن ہے، اس کا مفوضہ کام امانت ہے، اگر وہ اس کو صحیح طریقہ پر بجا نہیں

لاتا تو وہ امانت میں خیانت کرتا ہے۔

حتیٰ کہ فرمایا: المجالسُ بالأمانة: مجلس میں جو بات کہی جائے وہ امانت ہے، بے اجازت اس کو دوسروں تک نقل کرنا جائز نہیں، اور ایک حدیث میں امانت میں خیانت کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔

یہ دونوں آیات کا خلاصہ ہے، آگے تفصیل ہے:

آیت کا شانِ نزول: آغازِ اسلام سے پہلے باشندگان مکہ نے بیت اللہ، اور حج اور دیگر اہم کام آپس میں بانٹ رکھے تھے، تقریباً تمام سر برآوردہ خاندانوں میں کوئی نہ کوئی اہم خدمت یا عہدہ بطور وراثت چلا آتا تھا، چنانچہ ایک اہم خدمت بیت اللہ کھولنے بند کرنے اور اس کی کنجی سے متعلق بھی تھی، اس کو حجابت اور سدانت کے نام سے موسوم کر رکھا تھا اور یہ پشتہا پشت سے خاندان بنو طلحہ میں چلی آتی تھی، جناب رسول اللہ ﷺ جب نبوت سے سرفراز ہوئے تو اُس وقت یہ خدمت حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے متعلق تھی —— اب آگے کیا ہوا یہ خود انہیں کی زبانی سنئے: فرماتے ہیں کہ ابھی جناب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ ہی میں قیام پذیر تھے، یعنی ہجرت نہ ہوئی تھی ایک روز آپ مجھ سے ملے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، میں نے نہایت گستاخانہ جواب دیا کہ کیا مذاق کرتے ہو؟ تم یہ سمجھے ہوئے ہو کہ میں تمہارا کہنا مان جاؤں گا، حالت تو یہ ہے کہ تم نے ایک نئے دین کا شاخسانہ نکال کر پوری قوم کو تباہ کر دیا، آپ نے میرے جواب پر کچھ نہیں فرمایا، ہمارا یہ دستور تھا کہ پیر اور جمعرات کے دن عام زیارت کے لئے بیت اللہ کھولا کرتے تھے، ایک روز کسی موقعہ پر بیت اللہ کھلا ہوا تھا، لوگ زیارت کر رہے تھے، آپ نے بھی اندر جانا چاہا، میں نے اس موقعہ پر جو کچھ میرے منہ میں آیا خوب بکا آپ نے اب کی بار بھی سکوت فرمایا، صرف اس قدر فرمایا کہ عثمان! ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک روز اس کی چابی میرے ہاتھ میں ہو، اور میں جسے چاہوں دوں، میں نے کہا یہ تو تب ہی ہوسکتا ہے کہ قریش پامال ہو چکے ہوں، آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ آبرومند ہو چکے ہونگے۔ آپ تو اس قدر فرما کر بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے اور میرا دل بے قابو ہو گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ جو کچھ فرما دیا گیا ہے بس وہی ہوگا، اس کے بعد میں برابر اسلام لانے کے لئے کوشش کرتا رہا، ہر بار قوم کے لوگ مجھے ایسی دھمکیاں دیتے کہ ارادہ کمزور پڑ جاتا، آخر کار وہ وقت آ گیا۔ مکہ مکرمہ آپ کے ہاتھ پر فتح ہو گیا، جس دن یہ واقعہ پیش آیا مجھ سے آپ نے کنجی طلب کی، میں نے لا کر پیش کر دی، بیت اللہ میں تشریف لے گئے، باہر تشریف لے آئے مجھے کنجی عنایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: لو! یہ تمہارے پاس ہمیشہ نسلاً بعد نسلٍ رہے گی اور جو بھی تم سے اسے چھیننے کی کوشش کرے گا وہ ظالم ہوگا یا کافر، عثمان! تمہیں اللہ رب العزت نے اپنے گھر کی وجہ سے امان دیدی ہے لہٰذا اس گھر کی خدمت کے صلہ میں جائز طریقہ سے جو کچھ تمہیں ملے لے سکتے ہو، میں چلنے لگا تو آپ نے مجھے یاد فرمایا، میں پھر حاضر ہوا۔ ارشاد ہوا: کیوں عثمان! وہی ہوا جو ایک موقعہ پر کہا تھا، آپ کے اتنے اشارے سے پورا واقعہ مجھے

تازہ ہوگیا اور میں بے ساختہ پکار اٹھا أَشْهَدُ أَنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ۔(ہدایت القرآن ۲:۹۳ کاشفی)

حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روز جب آنحضرت ﷺ بیت اللہ سے باہر تشریف لائے تو یہ آیت آپؐ کی زبان پر تھی: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ﴾: اس سے پہلے میں نے یہ آیت کبھی آپؐ سے نہ سنی تھی، ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت اُس وقت جوفِ کعبہ میں نازل ہوئی تھی، اسی آیت کی تعمیل میں آنحضرت ﷺ نے دوبارہ عثمان بن طلحہ کو بلا کر کنجی ان کو سپرد کی، کیونکہ عثمان بن طلحہ نے جب یہ کنجی آنحضرت ﷺ کو دی تھی تو یہ کہہ کر دی تھی کہ "میں یہ امانت آپؐ کے سپرد کرتا ہوں" اگرچہ ضابطہ سے اُن کا یہ کہنا صحیح نہ تھا، بلکہ رسولِ کریم ﷺ ہی کو ہر طرح کا اختیار تھا کہ جو چاہیں کریں، لیکن قرآنِ کریم نے صورتِ امانت کی بھی رعایت فرمائی، اور آنحضرت ﷺ کو اس کی ہدایت کی کہ کنجی عثمان ہی کو واپس فرمادیں، حالانکہ اس وقت حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بھی آنحضرت ﷺ سے یہ درخواست کی تھی کہ جس طرح بیت اللہ کی خدمت سقایہ اور سدانہ ہمارے پاس ہے یہ کنجی برداری کی خدمت بھی ہمیں عطا فرمادیجئے، مگر آیت مذکورہ کی ہدایت کے موافق آنحضرت ﷺ نے اُن کی درخواست رد کر کے کنجی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو واپس فرمائی (تفسیر مظہری)

یہاں تک آیت کے شانِ نزول پر کلام تھا، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آیت کا شانِ نزول اگرچہ کوئی خاص واقعہ ہوا کرتا ہے، لیکن حکم عام ہوتا ہے، جس کی پابندی پوری امت کے لئے ضروری ہوتی ہے۔(معارف القرآن شفیعی)

اس کے بعد ایک قاعدہ سمجھ لیں: قرآنِ کریم جب کوئی مضمون اٹھاتا ہے تو اس کو ممکنہ حد تک بڑھاتا ہے، اور اس کو عام بھی کرتا ہے، یہاں مقصود کلام تو یہی ہے کہ آخری نبوت اور آخری کتاب بنی اسماعیل کا حق ہے، ان کا یہ حق تسلیم کرو، اور امانت حقداروں کو پہنچاؤ، باقی تفصیل آگے ہے:

۱- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ﴾ —— بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ —— یہ حکم عام ہے، امانت خواہ کسی کی ہو، مسلمان کی ہو یا غیر مسلم کی، چھوٹی ہو یا بڑی، اہم ہو یا غیر اہم: حکم یہ ہے کہ وہ امانت جس کی ہے اس کو پہنچادی جائے، اس میں رتّی بھر خیانت نہ کی جائے۔

۲- ﴿ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾ —— اور جب تم لوگوں کے درمیان کوئی فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو —— یہ پہلے حکم کی مثال ہے، جب لوگ کوئی جھگڑا لے کر حاکم کے پاس آتے ہیں تو وہ یہ امید لے کر آتے ہیں کہ انصاف سے فیصلہ ہوگا، پس فیصلہ ایک امانت ہے، اس میں امانت داری کا پورا لحاظ رکھو، رو رعایت اور طرفداری نہ ہو، ورنہ تم لوگوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاؤ گے۔

۳-﴿ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ﴾ —— بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کے ذریعہ —— یعنی ادائے امانت اور انصاف سے فیصلہ کرنے کے حکم کے ذریعہ —— تمہیں کیسی اچھی نصیحت کرتے ہیں! —— یعنی یہ دونوں حکم تمہارے لئے سراسر مفید ہیں، ان کی تعمیل کروگے تو تمہارا بھلا ہوگا۔

۴-﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴾ —— بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب دیکھنے والے ہیں —— یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری کھلی چھپی، موجودہ اور آئندہ باتوں کو خوب جانتے ہیں اور تمہارے احوال سے خوب واقف ہیں، تمہارا فائدہ ان دوحکموں پر عمل کرنے میں ہے، اگر کبھی تمہیں امانت داری یا انصاف کرنا مفید معلوم نہ ہو تو حکم الٰہی کے مقابلہ میں اس کا اعتبار نہ کرو۔

۵-﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ —— اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا کہنا مانو اور اللہ کے رسول کا کہنا مانو —— یہی تکلیفِ شرعی کی تعمیل ہے، پس یہ ادائے امانت کی تیسری مثال ہے، اور ﴿ اَطِيْعُوا ﴾ مکرر اس لئے لایا گیا ہے کہ قرآن وحدیث کے احکام میں من وجہٍ فرق ہوتا ہے، اگرچہ دونوں وحی جلی ہیں، اور سنت متواترہ کے صریح حکم کا منکر کافر ہے —— اور تم میں سے جو لوگ حکومت کے ذمہ دار ہیں —— ان کا کہنا مانو، یہ اطاعت: حکام کا حق ہے، پس یہ ادائے امانت کی چوتھی مثال ہے، کوئی بھی حاکم جو کسی کام پر مقرر ہو اس کا حکم ماننا ضروری ہے، اور یہ حکم: اللہ ورسول کی اطاعت کے بعد لایا گیا ہے، اور أطیعوا مکرر نہیں لایا گیا: اس میں اشارہ ہے کہ حکام کے جو احکام قرآن وسنت کے مطابق ہونگے وہی واجب التعمیل ہونگے۔

۶-﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ —— پھر اگر کسی بات میں تمہارے درمیان —— حاکم اور محکومین کے درمیان —— اختلاف ہو جائے —— کہ حاکم کا حکم شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟ —— تو تم اس کو اللہ کی طرف اور اللہ کے رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تمہارا اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے! —— یعنی اگر قرآن وسنت میں صراحت ہو تو اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے، اور اختلاف کو دور کر دینا چاہئے، اور قرآن وسنت میں کوئی واضح بات نہ ہو تو مجتہدین اور علماء اخذ واستنباط سے کام لیں، اب ﴿ اُولِي الْاَمْرِ ﴾ کا مصداق بدل جائے گا، اور مجتہدین کا فیصلہ حاکم ومحکوم سب کو ماننا ہوگا، مسائل اجتہادیہ کا بھی یہی حکم ہے۔

۷-﴿ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝﴾ —— یہ بات بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے مفید ہے! —— یعنی آپس میں جھگڑنے یا اپنی رائے کے موافق فیصلہ کرنے سے اس رجوع کا انجام بہتر ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۶۰ وَاِذَا قِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝۶۱ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَاۗءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ڰ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۝۶۲ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۤ فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ وَعِظْھُمْ وَقُلْ لَّھُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيْغًا ۝۶۳

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	اَنْ يَّكْفُرُوْا	کہ انکار کریں	الْمُنٰفِقِيْنَ	منافقوں کو
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	بِهٖ	اس کا	يَصُدُّوْنَ	باز رہتے ہیں وہ
يَزْعُمُوْنَ	گمان کرتے ہیں	وَيُرِيْدُ	اور چاہتا ہے	عَنْكَ	آپؐ سے
اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا	کہ وہ ایمان لائے ہیں	الشَّيْطٰنُ	شیطان	صُدُوْدًا	باز رہنا
بِمَآ اُنْزِلَ	اس پر جو اتارا گیا ہے	اَنْ يُّضِلَّھُمْ	کہ گمراہ کرے ان کو	فَكَيْفَ	پس کیسے؟
اِلَيْكَ	آپؐ کی طرف	ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا	دور کا گمراہ کرنا	اِذَآ اَصَابَتْھُمْ	جب پہنچی ان کو
وَمَآ اُنْزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا ہے	وَاِذَا قِيْلَ	اور جب کہا گیا	مُّصِيْبَةٌۢ	بڑی مصیبت
مِنْ قَبْلِكَ	آپؐ سے پہلے	لَھُمْ	ان سے	بِمَا	اس بات کی وجہ سے جو
يُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہیں وہ	تَعَالَوْا	آؤ	قَدَّمَتْ	آگے بھیجی
اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا (۱)	کہ مقدمہ لے جائیں	اِلٰى مَآ	اس کی طرف جو	اَيْدِيْهِمْ	ان کے ہاتھوں نے
اِلَى الطَّاغُوْتِ (۲)	سرکش طاقت کے پاس	اَنْزَلَ اللّٰهُ	اتارا اللہ نے	ثُمَّ جَاۗءُوْكَ	پھر آئے وہ آپ کے پاس
وَقَدْ	حالانکہ بالتحقیق	وَاِلَى الرَّسُوْلِ	اور اس کے رسول کی طرف	يَحْلِفُوْنَ	قسمیں کھاتے ہیں
اُمِرُوْٓا	حکم دیئے گئے ہیں وہ	رَاَيْتَ	(تو) دیکھے گا تو	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی

(۱) تحاکما (بابِ تفاعل): فریقین کا کسی کے پاس مقدمہ لے جانا (۲) طاغوت: سے کعب بن اشرف مراد ہے۔

اِنۡ اَرَدۡنَآ	نہیں چاہا ہم نے	یَعۡلَمُ اللّٰہُ	جانتے ہیں اللہ	وَعِظۡهُمۡ	اور نصیحت کریں ان کو
اِلَّآ اِحۡسَانًا	مگر نکوکردن	مَا فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ	اس کو جو ان کے دلوں میں ہے	وَقُلۡ لَّهُمۡ	اور کہیں ان سے
وَّتَوۡفِیۡقًا	اور میل ملاپ	فَاَعۡرِضۡ	پس روگردانی کریں آپؐ	فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ	ان کے حق میں
اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ	یہی لوگ ہیں جو	عَنۡهُمۡ	ان سے	قَوۡلًاۢ بَلِیۡغًا	بات مؤثر

یہود فصلِ خصومات میں رعایت ورشوت کے عادی تھے

ابھی حکم دیا تھا کہ جب تم ـــ اے یہود ـــ لوگوں کے درمیان کسی قضیہ کا تصفیہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، مگر یہود اس پر عمل نہیں کرتے تھے، وہ فصلِ خصومات میں رعایت ورشوت کے عادی تھے، پس وہ زیر بحث مسئلہ میں بھی انصاف سے فیصلہ نہیں کریں گے، مسئلہ یہ ہے کہ آخری نبوت اور آخری کتاب بنی اسماعیل کا حق ہے، یہ حق ان کو پہنچایا جائے، مگر وہ انصاف سے فیصلہ نہیں کریں گے، مرغ کی ایک ٹانگ گائے جائیں گے، یہی کہیں گے کہ یہ نعمت بھی بنی اسرائیل کا حق ہے، بنی اسماعیل کا اس میں کوئی حصہ نہیں! اور یہ بات ان آیات کے شانِ نزول کے واقعہ سے ظاہر ہوگی۔

آیات کا شانِ نزول: ایک منافق مسلمان ـــ اور نفاق اکثر یہود میں تھا ـــ کسی یہودی سے جھگڑا کر بیٹھا، یہودی نے مطالبہ کیا کہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلیں، کیونکہ بار بار تجربہ ہو چکا تھا کہ آپؐ کے یہاں بے لاگ انصاف ہوتا ہے، منافق نے دعوئ اسلام کے باوجود یہود کی بدنام ترین شخصیت کعب بن اشرف کا نام تجویز کیا، وہ جانتا تھا کہ یہود رشوت لے کر حسبِ منشا فیصلہ کرتے ہیں، آخر یہودی نہ مانا، اور معاملہ آپؐ ہی کے روبرو پیش ہوا، سارا واقعہ سماعت فرما کر آپؐ کا فیصلہ یہودی کے حق میں صادر ہوا، اس سے منافق سخت گھبرایا، اور یہودی کو مجبور کیا کہ دوبارہ فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کرایا جائے ـــ حضرت عمرؓ مدینہ میں ذیلی عدالت کے جج تھے، اور جلاد بھی تھے، یعنی مجرموں کو سزا آپ دیا کرتے تھے ـــ دونوں آپؓ کے پاس پہنچے، یہودی نے ساری سرگذشت سنائی، حضرت عمرؓ نے منافق سے پوچھا: کیا واقعہ اسی طرح پیش آیا ہے؟ اس نے اقرار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچھا تم دونوں یہاں دروازے پر ٹھہرو، میں ابھی اندر سے آتا ہوں، حضرت عمرؓ اندر گئے، اور چادر میں تلوار چھپا کر باہر نکلے، اور منافق کا سر قلم کر دیا، اور فرمایا: جو بدبخت اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا میرے یہاں یہی فیصلہ ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَیُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِیۡدًا ۝۶۰﴾

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا: جو کہتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لائے ہیں جو آپؐ کی طرف اتارا گیا ہے اور اس پر (بھی) جو آپؐ سے پہلے اتارا گیا ہے —— یعنی پہلے وہ یہودی تھا، تورات کو مانتا تھا، اب مسلمان ہو گیا ہے اور قرآن کو بھی مانتا ہے —— وہ مقدمہ لے جانا چاہتے ہیں سرکش طاقت کے پاس، حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں، اور شیطان ان کو دور کی گمراہی میں پھنسا رہا ہے!

اور یہ کوئی شخصی واقعہ نہیں، منافقین کا عام حال یہی تھا، وہ صرف اس حد تک اسلام کی پیروی کا دَم بھرتے تھے جب تک ان کے مفادات متأثر نہیں ہوتے تھے، اگر جان یا مال پر آنچ آتی تو احکام شرع سے پہلو تہی کرتے، اور طاغوت کے قدموں میں جا گرتے، ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ إِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلٰى مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَ إِلَى الرَّسُوْلِ رَأَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۚ﴿٦١﴾ ﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ، اس (شریعت) کی طرف جو اللہ نے اتاری ہے اور اللہ کے رسول کی طرف: تو آپ منافقین کو دیکھیں گے: وہ آپؐ سے بالکل ہی کنّی کاٹتے ہیں۔

پھر اس واقعہ میں کیا ہوا؟ منافق مسلمان کے رشتہ دار خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف مقدمہ دائر کیا، اور قسمیں کھانے لگے کہ ہمارا آدمی عمرؓ کے پاس مقدمہ لے کر صرف اس لئے گیا تھا کہ وہ صلح صفائی اور باہم میل ملاپ کرائیں، مگر انھوں نے خواہ مخواہ اس کو قتل کر دیا!

اُدھر فوراً جبرئیل علیہ السلام آئندہ آیت لائے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ آج انھوں نے حق و باطل کو الگ کر دیا، اسی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق لقب عطا ہوا، اور قرآن نے فرمایا: اب کیسے بدل گئے؟ جب ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر مصیبت آئی تو ننگے پاؤں ہو گئے! یعنی غضبناک ہو گئے! وہ جان لیں کہ ان کے دلوں میں جو کھوٹ بھرا ہوا ہے وہ اللہ کو خوب معلوم ہے، آپؐ ان کا قصہ ایک طرف کیجئے، اور ان کو سمجھائیے، شاید ان پر سیدھی راہ کھل جائے، مگر نصیحت کا انداز کان کھولنے والا ہو کہ تمہاری اس منافقانہ روش سے اسلام کا کچھ بگڑنے والا نہیں، بلکہ تم خود اپنے پیروں پر تیشہ زنی کر رہے ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قصاص یا دیت لازم نہیں کی۔

﴿ فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ عِظْهُمْ وَ قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾ ﴾

ترجمہ: پس کیسے (بدل گئے؟) جب ان کو بڑی مصیبت پہنچی، ان کے کرتوت کی پاداش میں، پھر وہ آپؐ کے پاس آئے، اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ بھلائی اور ملاپ ہی کا تھا!

یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو ان کے دلوں میں ہے، لہٰذا آپؐ ان سے اعراض کریں، اور ان کو نصیحت کریں، اور ان سے ان کے حق میں مؤثر بات کہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

وَمَآ اَرْسَلْنَا	اور نہیں بھیجا ہم نے	وَاسْتَغْفَرَ	اور معافی مانگتے	يُحَكِّمُوْكَ	حکم بنائیں وہ آپ کو
مِنْ رَّسُوْلٍ	کوئی رسول	لَهُمُ	ان کے لئے	فِيْمَا شَجَرَ	اس میں جو جھگڑا اٹھے
اِلَّا لِيُطَاعَ	مگر تاکہ اطاعت کیا جائے	الرَّسُوْلُ	اللہ کے رسول	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
بِاِذْنِ اللّٰهِ	اللہ کے حکم سے	لَوَجَدُوا	تو ضرور پاتے وہ	ثُمَّ لَا	پھر نہ
وَلَوْ اَنَّهُمْ	اور کاش کہ وہ	اللّٰهَ	اللہ کو	يَجِدُوْا	پائیں وہ
اِذْ ظَّلَمُوْٓا	جب ظلم کیا انھوں نے	تَوَّابًا رَّحِيْمًا	معاف کرنے والا مہربان	فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ	اپنے دلوں میں
اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں پر	فَلَا (۱)	پس قسم ہے	حَرَجًا	کوئی تنگی
جَآءُوْكَ	آتے وہ آپ کے پاس	وَ رَبِّكَ	تیرے رب کی	مِّمَّا قَضَيْتَ	اس سے جو فیصلہ کیا آپ نے
فَاسْتَغْفَرُوا	پس معافی مانگتے وہ	لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں مؤمن ہونگے وہ	وَ يُسَلِّمُوْا (۲)	اور مان لیں وہ
اللّٰهَ	اللہ سے	حَتّٰى	یہاں تک کہ	تَسْلِيْمًا	خوشی سے مان لینا

اگر نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی تو حاضر خدمت ہو کر گناہ بخشواتے!

ابھی آیت ۶۰ کا جو شانِ نزول بیان ہوا ہے: اس میں ہے کہ منافق مسلمان نے معاملہ کعب بن اشرف کے پاس لے

(۱) فلا: کا لا آگے یؤمنون پر مکرر آئے گا، ترجمہ وہاں ہوگا۔ اور تحفۃ الالمعی (۷: ۱۸۳) میں جو ہے کہ یہ لا: یحکموک پر داخل ہے: اس کا بھی احتمال ہے، البتہ صحیح بات وہ ہے جو تحفۃ القاری (۹: ۱۸۹) میں ہے (۲) یسلموا کا عطف لا یجدوا پر ہے۔

جانے پر اصرار کیا، یہ نبی ﷺ کی شان میں گستاخی تھی، جو سنگین جرم تھا، اس لئے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اسی لئے مبعوث کئے جاتے ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے، خلاف ورزی نہ کی جائے، یہی حکم الٰہی کی اطاعت ہے، اس لئے اس سے روگردانی بڑا گناہ ہے۔

اور اس کا کفارہ یہ تھا کہ اپنی اس حرکت پر نادم ہوتے اور خدمتِ نبوی میں حاضر ہوتے، خود بھی اللہ تعالیٰ سے گناہ کی معافی مانگتے، اور نبی ﷺ بھی اس کے لئے استغفار کرتے تو اللہ کو گناہ معاف کرنے والا بڑا مہربان پاتے ——— یہ تو اس منافق نے کیا نہیں، اب اس کے آدمی باتیں بناتے ہیں، اس سے کیا ہوتا ہے!

فائدہ: رسول کی حیثیت محض قاصد اور ڈاکیہ کی نہیں، بلکہ اس کا قول وفعل اللہ تعالیٰ کی مرضیات کا ترجمان ہوتا ہے، اس لئے اس کی اطاعت واتباع ضروری ہے، اس آیت میں ان لوگوں کے غلط استدلال کا جواب بھی موجود ہے، جو کہتے ہیں کہ حکم تو صرف اللہ کے لئے ہے ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (یوسف: ۴۰) اور ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ (الاعراف: ۵۴) اس لئے صرف قرآن حجت ہے نہ کہ حدیث، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ رسول کی اطاعت بھی دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے، اس لئے کہ اللہ ہی نے اس کا حکم دیا ہے (آسان تفسیر: ص: ۳۱۷ مولانا خالد سیف اللہ)

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝۶۴﴾

ترجمہ: اور ہم نے جو بھی رسول مبعوث کیا ہے: وہ اسی لئے مبعوث کیا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے، پس ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب انھوں نے اپنی ذاتوں پر ظلم کیا تو وہ آپؐ کے پاس آتے، پس اللہ سے گناہ کی معافی چاہتے، اور اللہ کے رسول بھی ان کے لئے بخشش کی دعا کرتے تو وہ اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان پاتے!

تمام نزاعات کا فیصلہ نبی ﷺ سے کرانا ضروری ہے

ایک واقعہ: ایک انصاری اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا مقدمہ نبی ﷺ کے پاس آیا، حرّہ مقام میں ایک ڈیم باندھ رکھا تھا، اس میں پانی ختم ہونے والا تھا، حضرت زبیرؓ کا باغ پہلے تھا اور انصاری کا بعد میں، حضرت زبیرؓ کے باغ میں سینچائی ہو رہی تھی، انصاری نے تقاضا کیا کہ پانی میرے باغ میں آنے دو، حضرت زبیرؓ نے انکار کیا اور کہا: جب میری ضرورت پوری ہوگی آنے دوں گا، پس دونوں مقدمہ لے کر حضور ﷺ کے پاس آئے، آپؐ نے دونوں کی رعایت میں فیصلہ کیا کہ زبیر! جب باغ میں پانی گھوم جائے تو پڑوسی کی طرف جانے دو، اس کا بھی کچھ بھلا ہو جائے، اس پر انصاری ناراض ہوا اور کہا: یہ فیصلہ آپؐ نے اس لئے کیا کہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں! اس پر آپؐ کو شدید غصہ آیا، چہرہ کا رنگ بدل گیا،

کیونکہ جس کی رعایت میں فیصلہ کیا تھا وہ اللہ کا بندہ الٹا سمجھ رہا ہے، پھر نبی ﷺ نے واقعی فیصلہ کیا، جو حضرت زبیرؓ کا حق تھا وہ پورا ان کو دیا، اور فرمایا: ''باغ میں پانی گھومنے کے بعد روکے رہو، یہاں تک کہ کھیت مینڈھ تک بھر جائے!'' کیونکہ گنا اور دھان کی طرح کھجور کا باغ بھی اس کا محتاج ہے کہ کھیت کو لبالب بھر دیا جائے۔

یہ آیتِ کریمہ کا احتمالی شانِ نزول ہے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بخدا! میرا خیال ہے کہ یہ آیت اسی معاملہ میں نازل ہوئی ہے، مگر حکم عام ہے، شریعت کے حکم کو دل سے قبول کرنا ضروری ہے، آدمی سچا مسلمان اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک شریعت کے فیصلوں کے سامنے سر نہ جھکا دے! اور نبی ﷺ کے فیصلوں کو جی جان سے قبول نہ کرلے کامل ایمان نصیب نہیں ہوسکتا۔

جس حکم کا سنت سے ثابت ہونا یقینی طور پر معلوم ہو اس کا انکار کفر ہے، انسان کو دائرۂ ایمان سے نکال دیتا ہے

﴿ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝۶۵ ﴾

ترجمہ: پس آپ کے پروردگار کی قسم! وہ لوگ ایماندار نہیں ہونگے جب تک آپؐ کو ثالث نہ بنائیں اپنے ان نزاعات میں جو ان کے درمیان پیدا ہوں، پھر وہ اپنے دلوں میں کچھ تنگی نہ پائیں اس فیصلہ سے جو آپؐ فرمائیں، اور وہ اس کو دل وجان سے تسلیم کرلیں!

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝۶۶ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۶۷ وَّ لَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۶۸

وَلَوْ اَنَّا[1]	اور اگر بے شک ہم	اَنِ اقْتُلُوْٓا[2]	کہ قتل کرو	مِنْ دِيَارِكُمْ	اپنے گھروں سے
كَتَبْنَا	لکھتے (فرض کرتے)	اَنْفُسَكُمْ	خود کو	مَّا فَعَلُوْهُ	(تو) نہ کرتے وہ اس کو
عَلَيْهِمْ	ان (منافقین) پر	اَوِ اخْرُجُوْا	یا نکلو	اِلَّا قَلِيْلٌ[3]	مگر تھوڑے سے

(۱) أَنَّا: بے شک ہم، أَنَّ: حرفِ مشبہ بالفعل اور نا ضمیر جمع متکلم سے مرکب ہے (۲) أن اقتلوا: أن: تفسیریہ بمعنی أی ہے (۳) قلیل: ما فعلوہ کی ضمیر فاعل سے بدل ہے، اس لئے کہ استثناء کلام غیر موجب سے ہے۔

مِّنْهُمْ	ان میں سے	لَّهُمْ	ان کے لئے	اَجْرًا عَظِيْمًا	بڑا ثواب
وَلَوْ اَنَّهُمْ	اور اگر بے شک وہ	وَّاَشَدَّ	اور زیادہ	وَّلَهَدَيْنٰهُمْ	اور البتہ ضرور دکھاتے
فَعَلُوْا	کرتے	تَثْبِيْتًا (۱)	جمانے والا		ہم ان کو
مَا يُوْعَظُوْنَ	جو نصیحت کئے گئے	وَّاِذًا	اور تب	صِرَاطًا	راستہ
بِهٖ	اس کے ساتھ	لَّاٰتَيْنٰهُمْ	البتہ ضرور دیتے ہم ان کو	مُّسْتَقِيْمًا	سیدھا
لَكَانَ خَيْرًا	(تو) البتہ ہوتا بہتر	مِّنْ لَّدُنَّآ	خاص ہمارے پاس سے	❁	❁

منافقین سے اطاعتِ رسول ہی کا تو مطالبہ ہے شہید ہونے کا
یا گھر بار چھوڑنے کا مطالبہ نہیں جو ان کو بھاری معلوم ہو!

ان آیات میں بھی خطاب منافقین سے ہے، گذشتہ آیات میں ان سے 'اطاعتِ رسول' کا مطالبہ کیا تھا، یہ مطالبہ کیا مشکل تھا؟ اگر ان سے جہاد میں نکل کر شہید ہونے کا مطالبہ کیا جاتا یا گھر بار چھوڑ کر (ہجرت کرنے کا) مطالبہ کیا جاتا تو ان میں سے بہت کم لوگ اس پر عمل کرتے، اور اطاعتِ رسول میں تو ان کا سراسر فائدہ ہے، ان کا ایمان مضبوط ہوگا، وہ اجر عظیم کے مستحق ہونگے، اور اللہ تعالیٰ ان کو صراطِ مستقیم پر گامزن کریں گے۔

جاننا چاہئے کہ جہاد کے لئے دو نیتوں سے نکلا جاتا ہے:

۱- شہادت کی آرزو لے کر، بہت سے صحابہ اس امید سے میدان میں اترتے تھے، ایسا شخص دشمن سے ڈٹ کر لڑتا ہے، پیٹھ نہیں پھیرتا، چاہے جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑے۔

۲- دشمن کو کیفر کردار تک پہنچانے کی نیت سے ایسا شخص بھی جم کر لڑتا ہے۔

یہ دونوں مقاصد صحیح ہیں، یہاں آیت میں پہلی نیت کا ذکر ہے، اور سورۃ التوبہ (آیت ۱۱۱) میں دوسری نیت کا، وہاں يَقْتُلُوْنَ (معروف) مقدم ہے، اور يُقْتَلُوْنَ (مجہول) مؤخر ہے۔

جاننا چاہئے کہ منافقین کی اکثریت مدینہ کی تھی، مگر ان کو ہجرت کی کٹھنائیوں کا پورا اندازہ تھا، گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑا ہونا آسان کام نہیں، اور جہاد میں نکل کر شہید ہونے کا حکم تو اور بھی مشکل ہے، اگر یہ احکام دیئے جاتے تو منافقین بہت کم اس کی تعمیل کرتے، اور اطاعتِ رسول میں کچھ دشواری نہیں، پھر یہ حکم سراسر مفید بھی ہے، اس لئے ان سے اسی کا مطالبہ ہے، مگر ہائے رے شومئ قسمت! وہ طاغوت کے یہاں مقدمہ لے جانے پر اصرار کرتے رہے۔

(۱) تثبیت (تفعیل): جمانا، ثابت رکھنا، خوگر بنانا، عادی بنانا، أشد تثبیتا: اسم تفضیل ہے۔

سوال: شہید ہونا: خود کو قتل کرنا کیسے ہے؟ مجاہد کو تو دشمن قتل کرتا ہے، پس ﴿ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ کیسے صحیح ہوگا؟

جواب: جب مجاہد دشمن کے سامنے ڈٹا رہتا ہے، اور وہ اس کو قتل کرتا ہے تو گویا مجاہد نے خود کو قتل کیا، پس یہ ارشاد ایسا ہے: جیسے ﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾: اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں مت ڈالو (البقرۃ ۱۹۵) یعنی جہاد میں خرچ کرنے سے ہاتھ روکو گے تو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالو گے۔

آیاتِ کریمہ: اور اگر ہم ان (منافقین) پر فرض کرتے کہ خود کو قتل کرو ـــــ یعنی جہاد میں نکلو اور شہادت سے ہم کنار ہو جاؤ، زندہ واپس مت آؤ ـــــ یا اپنے گھروں سے نکلو ـــــ یعنی ہجرت کرو ـــــ تو ان میں سے کچھ ہی لوگ اس پر عمل کرتے ـــــ مگر ان کو یہ دو بھاری حکم نہیں دیئے، بلکہ اطاعتِ رسول ہی کا حکم دیا ہے ـــــ اور اگر وہ اس کام کو کرتے جس کے ذریعہ وہ نصیحت کئے گئے ہیں ـــــ یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے، اور اس کو نصیحت اس لئے کہا کہ وہ حکم ان کے لئے مفید تھا ـــــ تو وہ ان کے حق میں بہتر ہوتا، اور وہ ان کو ایمان میں زیادہ مضبوط کرتا، اور اس وقت ہم ان کو خاص اپنے پاس سے بڑا اجر عطا فرماتے، اور ہم ان کو ضرور سیدھا راستہ دکھاتے!

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾ ع ۹ / ۱۱

وَمَنْ يُّطِعِ	اور جو شخص حکم مانے	عَلَيْهِمْ	ان پر	رَفِيْقًا	ساتھی ہونے کے اعتبار سے
اللّٰهَ	اللہ کا	مِّنَ النَّبِيّٖنَ	یعنی انبیاء	ذٰلِكَ	یہ
وَ الرَّسُوْلَ	اور اس کے رسول کا	وَ الصِّدِّيْقِيْنَ	اور صدیق	الْفَضْلُ	مہربانی ہے
فَاُولٰٓئِكَ	پس وہ لوگ	وَالشُّهَدَآءِ	اور شہداء	مِنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
مَعَ الَّذِيْنَ	ان کے ساتھ ہونگے جو	وَالصّٰلِحِيْنَ	اور صالحین	وَ كَفٰى	اور کافی ہیں
اَنْعَمَ	انعام فرمایا	وَحَسُنَ	اور اچھے ہیں	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ
اللّٰهُ	اللہ نے	اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ	عَلِيْمًا	خوب جاننے والے

آخرت میں اطاعت شعار بندوں کے ساتھی

یہ منافقین کے تذکرہ کی آخری آیت ہے، آگے جہاد کا بیان شروع ہوگا، اس آیت میں یہ بیان ہے کہ اطاعتِ رسول کا فائدہ آخرت میں ظاہر ہوگا، اطاعت شعار بندے نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہونگے، واہ! یہ کیسے اچھے رفیق ہیں، اور یہ رفاقت عمل کا صلہ نہیں، بلکہ اللہ کا فضل ہوگا، اور کون اس فضل کا مستحق ہے؟ اس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں! منافقین بھی اگر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں تو وہ بھی اللہ کے فضل سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

''انسان کو اچھا کھانا پینا، بہتر لباس و پوشاک اور عمدہ رہائش گاہ میسر ہو، لیکن ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور رہنے سہنے والے لوگ اچھے اور مزاج کے موافق نہ ہوں تو طبیعت بدمزہ ہو جاتی ہے، اور سارا لطف خاک میں مل جاتا ہے، جنت میں جہاں راحت و آرام اور عیش و نشاط کے تمام سامان ہونگے، ہم نشیں اور رفقاء بھی اچھے ملیں گے، تاکہ ان نعمتوں کا لطف دوبالا ہو جائے'' (آسان تفسیر)

اور منعم علیہم: یعنی وہ بندے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام و فضل فرمایا: چار ہیں: نبی، صدیق، شہید اور صالح۔ نبی: جس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی آتی ہے، اور اس کو بندوں کی اصلاح کا کام سپرد کیا جاتا ہے۔ صدیق: نبی کی دعوت کی جی جان سے گواہی دینے والا، دلیل طلب کئے بغیر اس کی تصدیق کرنے والا۔ شہید: دین کے لئے جان کا نذرانہ پیش کرنے والا۔ صالح: نیک، پرہیزگار، طاعات پر کمربستہ اور مناہی سے کنارہ کش —— یہ چار قسم کے لوگ امت کے باقی افراد سے افضل ہیں یعنی ان کے علاوہ جو مسلمان ہیں وہ درجہ میں ان کے برابر نہیں، اور یہ مقامات اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے حاصل ہوتے ہیں، پس ہر مسلمان کو اطاعت میں کمال پیدا کرنا چاہئے، تاکہ ان بندوں کے زمرہ میں شامل ہو، ان کی رفاقت نصیب ہو، ان سے بہتر کوئی ساتھی نہیں۔

سوال: ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ﴾: یعنی اطاعت شعار بندے صالحین کے ساتھ ہونگے، حالانکہ صالحین ہی اطاعت شعار بندے ہیں، پس یہ دور ہے!

جواب: دور ہے، مگر کند ہم جنس با ہم جنس پرواز، جب دو ہم جنس مل بیٹھتے ہیں تو مجلس زعفران زار ہو جاتی ہے یا یہ کہیں کہ صالحین سے اولیاء مراد ہیں، اور اطاعت شعار بندوں سے عام مؤمنین مراد ہیں، پس دور نہیں رہے گا۔

منعم علیہم کے ساتھ رفاقت کی نوعیت

اس نوعیت کی تمام تفصیلات نہ فی الحال بیان کی جاسکتی ہیں نہ سمجھی جاسکتی ہیں، یہ معاملہ آخرت کا ہے، اور جس طرح آئندہ پیش آنے والے واقعات کی پوری تفصیل ابھی نہیں جانی جاسکتی، اسی طرح آخرت کے معاملات کو بھی ابھی پوری

طرح نہیں سمجھا جاسکتا، البتہ اتنی بات بدیہی ہے کہ جس نبی سے، جس صدیق سے، جس شہید سے اور جس نیک بندے سے محبت ہوگی اس سے ملنا جلنا ہوگا، حدیث میں ہے: **المرءُ مع من أحب**: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے، ہر نبی، ہر صدیق، ہر شہید اور ہر صالح بندے سے ملنا نہ ممکن ہے نہ معقول!

البتہ درج ذیل روایات سے رفاقت کی نوعیت پر روشنی پڑتی ہے:

حدیث(۱): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صاحب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپؐ مجھے میری جان واولاد سے بڑھ کر عزیز ہیں، گھر میں ہوتا ہوں تو آپ کی یاد آتی ہے، پھر جب تک دیدار نہ کرلوں صبر نہیں آتا، مجھے خیال ہوتا ہے کہ جب آپؐ جنت میں جائیں گے تو آپ کا مقام بلند تر اور انبیاء کے ساتھ ہوگا اور ہم لوگ کم تر درجہ میں ہوں گے، اس لئے آپ کے دیدار سے محروم رہیں گے، آپ ﷺ خاموش رہے، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اہل ایمان وہاں بھی انبیاء کی رفاقت سے محروم نہ ہوں گے (مجمع الزوائد ۷: ۱۰، بہ سند صحیح) (آسان تفسیر)

حدیث(۲): صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ربیعۃ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ رات گذارتے تھے، ایک رات تہجد کے وقت ربیعۃ بن کعب اسلمیؓ نے آنحضرت ﷺ کے لئے وضو کا پانی اور مسواک وغیرہ ضروریات لاکر رکھیں، تو آپؐ نے خوش ہوکر فرمایا: مانگو کیا مانگتے ہو، ربیعۃ بن کعب اسلمیؓ نے عرض کیا: میں جنت میں آپؐ کی صحبت چاہتا ہوں، آپؐ نے ارشاد فرمایا اور کچھ؟ تو انھوں نے عرض کیا اور کچھ نہیں، اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم جنت میں میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو **أعني علیٰ نفسك بكثرة السجود** یعنی تمہارا مقصد حاصل ہوجائے گا، لیکن اس میں تم بھی میری مدد اس طرح کرو کہ کثرت سے سجدے کیا کرو، یعنی نوافل کی کثرت کرو۔

حدیث(۳): مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس بات کی شہادت دے چکا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور یہ کہ آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں، اور میں پانچ وقت کی نماز کا بھی پابند ہوں، اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہوں، اور رمضان کے روزے بھی رکھتا ہوں، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں مرجائے وہ انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا، بشرطیکہ اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرے۔

حدیث(۴): صحیح بخاری میں طرقِ متواترہ کے ساتھ صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اس شخص کا کیا درجہ ہوگا جو کسی جماعت سے محبت اور تعلق رکھتا ہے، مگر عمل میں ان کے درجہ کو نہیں پہنچا، آپؐ نے فرمایا: **اَلْمَرْأُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ**: یعنی محشر میں ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے۔

آیتِ کریمہ: اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمان برداری کرتا ہے: وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا، اور وہ کیسے اچھے ساتھی ہیں! ـــــ یہ (رفاقت) اللہ کی مہربانی ہے ـــــ یعنی اعمال کا صلہ نہیں ـــــ اور اللہ تعالیٰ کا علم کافی ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	لَّيُبَطِّئَنَّ (۴)	ضرور دیر لگائیں گے	فَضْلٌ	فضل
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ	پس اگر پہنچی تمہیں	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
خُذُوْا	لے لو تم	مُّصِيْبَةٌ	کوئی مصیبت	لَيَقُوْلَنَّ	(تو) ضرور کہے گا وہ
حِذْرَكُمْ (۱)	اپنا بچاؤ	قَالَ	تو کہا اس نے	كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ	گویا نہیں تھی
فَانْفِرُوْا (۲)	پھر اٹھ کھڑے ہو	قَدْ اَنْعَمَ	بالتحقیق انعام فرمایا	بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ	تمہارے اور اس کے درمیان
ثُبَاتٍ (۳)	گروہ گروہ	اللّٰهُ عَلَيَّ	اللہ نے مجھ پر	مَوَدَّةٌ	دوستی
اَوِ انْفِرُوْا	یا اٹھ کھڑے ہو	اِذْ لَمْ اَكُنْ	کیونکہ نہیں تھا میں	يّٰلَيْتَنِيْ	اے کاش میں
جَمِيْعًا	ایک ساتھ	مَّعَهُمْ	ان کے ساتھ	كُنْتُ مَعَهُمْ	ہوتا ان کے ساتھ
وَاِنَّ مِنْكُمْ	اور بیشک تم میں سے بعض	شَهِيْدًا (۵)	حاضر	فَاَفُوْزَ	پس حاصل کرتا میں
لَمَنْ	البتہ وہ ہیں جو	وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ	اور بخدا اگر پہنچا تمہیں	فَوْزًا عَظِيْمًا	بڑی کامیابی

جہاد کا بیان

ربط: یہاں سے جہاد کا ذکر شروع ہو رہا ہے، اس سے پہلی آیت میں یہ ذکر تھا کہ جو اللہ و رسول کی فرمان برداری

(۱) حِذْرٌ: مصدر یا اسم: بچاؤ کا سامان، ہتھیار (۲) نفر (ن،ض) نفیرًا و نفورًا: نکلنا، کوچ کرنا، دوڑنا، اٹھ کھڑا ہونا (۳) ثبات: ثُبَةٌ کی جمع: متفرق، جدا جدا، گروہ گروہ (۴) لیبطئن: مضارع، واحد مذکر غائب، بانون تاکید ثقیلہ، تَبَطِّيٌ وتبطِئَةٌ (تفعیل) مصدر، بُطُوْء مادہ، ضرور دیر لگاتا ہے (۵) شهید: حاضر، موجود، دیکھنے والا۔

کرے گا: اس کو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت انعام میں ملے گی، اور احکام خداوندی میں حکم جہاد چونکہ شاق اور دشوار ہے، خصوصاً منافقین پر جن کا ذکر اوپر سے آرہا ہے، اس لئے جہاد کا حکم دیا جاتا ہے، تا کہ ہر کوئی مذکورہ حضرات کی رفاقت کی امید نہ کرنے لگے (فوائد شبیری)

بچاؤ کا سامان لے لو، اور اقدامی جہاد کرو

جہاد: دفاعی بھی ہوتا ہے اور اقدامی بھی، جب درندہ صفت لوگ حملہ کریں، لوگوں کے اموال لوٹیں، ان کے اہل وعیال کو قید کر کے لے جائیں، ان کی عزت کی دھجیاں اڑائیں، اور لوگوں کا ناک میں دم کر دیں تو ضرر کو ہٹانے کے لئے تلوار اٹھانی پڑتی ہے۔ ہجرت سے پہلے جہاد کی اجازت نہیں تھی، امارت تھی مگر مرکزیت نہیں تھی، اور حالات بھی سازگار نہیں تھے، اس لئے جہاد کا حکم نہیں تھا، پھر ہجرت کے بعد جب مسلمان ایک مرکز میں جمع ہوئے، اور مشرکین مکہ نے مدینہ پر حملہ کی تیاری شروع کی تو سورۃ الحج کی (آیت ۳۹) نازل ہوئی، اور دفاعی جہاد کی اجازت دی گئی، یہ جہاد غزوۂ احزاب تک چلتا رہا، مکہ والے بار بار مدینہ پر چڑھائی کرتے تھے، اور مسلمان ان کو جواب دیتے تھے۔

اور اقدامی جہاد کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب خواہش پرست لوگ بدراہی اختیار کرتے ہیں، اللہ کی زمین کو فتنہ سے بھر دیتے ہیں، اور لوگوں کو ایک اللہ کی بندگی سے روکتے ہیں تو شر پسندوں کی شوکت توڑنا ضروری ہو جاتا ہے، کیونکہ درندہ صفت لوگ انسانوں میں سڑا لگے ہوئے عضو کی طرح ہیں، اس کو کاٹ کر پھینک دینا ہی مصلحت ہے، غزوۂ احزاب کے بعد کے تمام چھوٹے بڑے، غزوات وسرایا اقدامی تھے، اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِانْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی تو احتیاط رکھو، پھر نکل کھڑے ہوؤ گروہ گروہ یا نکل کھڑے ہوؤ اکٹھا! ـــــ یعنی سرایا کی شکل میں یا بڑے لشکر کی شکل میں۔

کچھ مسلمان پیچھے رہیں گے، پھر وہ یا تو خوشیاں منائیں گے یا کفِ افسوس ملیں گے

مسلمانوں کو حکم دیا کہ بچاؤ کا سامان لے لو، پھر سرایا یا لشکر کی صورت میں جہاد کے لئے نکل پڑو، اب فرماتے ہیں کہ تمہاری جماعت میں بعضے ایسے بھی ہیں جو جہاد کے لئے نکلنے میں دیر کریں گے، یوم وفردا کرتے رہیں گے اور وہ پیچھے رہ جائیں گے، پھر اگر مجاہدین کو خدانخواستہ ناکامی ہوئی، زد پہنچی تو وہ بغلیں بجائیں گے، کہیں گے: اللہ کا مجھ پر انعام ہوا کہ میں نہیں نکلا، ورنہ میری بھی گت بنتی، اور اگر مجاہدین کو فتح نصیب ہوئی، اور ڈھیر سارا مال غنیمت ہاتھ آیا تو وہ کف افسوس ملے

گا، اور کہے گا: اگر میں بھی مجاہدین کے ساتھ نکلتا تو مالا مال ہو جاتا۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: تجھے ساتھ چلنے سے کس نے روکا تھا؟ کیا تیرا مجاہدین کے ساتھ دوستی کا تعلق نہیں تھا؟ کیا تو مسلمان نہیں تھا؟ کیا تجھے مسلمانوں نے دھکا دے کر پیچھے کر دیا تھا؟ پس قصور تیرا ہے، کسی کا کیا قصور!

﴿ وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور تم میں بعض ایسے ہیں جو (جہاد کے لئے نکلنے میں) ضرور دیر لگائیں گے، پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آئی تو وہ کہے گا: ''مجھ پر اللہ کا کرم ہوا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہیں تھا'' اور اگر تمہیں اللہ کی مہربانی پہنچی تو وہ ضرور کہے گا —— گویا تمہارے اور اس کے درمیان دوستی کا کوئی تعلق نہیں تھا —— ''کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا، تو مجھے بھی بڑی کامیابی حاصل ہوتی!''

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَاۗءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝

فَلْيُقَاتِلْ(۱)	پس چاہئے کہ لڑیں	اللّٰهِ	اللہ کے	يَشْرُوْنَ(۳)	بیچتے ہیں
فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	الَّذِيْنَ(۲)	جو لوگ	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی کو

(۱) فليقاتل: فاء شرط مقدر کے جواب میں ہے أى إن بَطَّأَ وتأخر هؤلاء فليقاتل المخلصون (جمل) (۲) الذين: صله کے ساتھ فليقاتل کا فاعل ہے (۳) شَرىٰ يَشْرِى شِرىً: بیچنا خریدنا، اضداد میں سے ہے، یہاں بیچنے کے معنی ہیں۔

بِالْاٰخِرَةِ	آخرت کے بدل	وَالنِّسَآءِ	اور عورتوں سے	نَصِيْرًا	مددگار
وَمَنْ	اور جو شخص	وَالْوِلْدَانِ	اور بچوں سے	اَلَّذِيْنَ	جو لوگ
يُّقَاتِلْ	لڑے	الَّذِيْنَ	جو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں	يُقَاتِلُوْنَ	لڑتے ہیں
اللّٰهِ	اللہ کے	رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ!	فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں
فَيُقْتَلْ	پھر قتل کیا جائے	اَخْرِجْنَا	نکالیں ہمیں	اللّٰهِ	اللہ کے
اَوْ يَغْلِبْ	یا غالب ہو جائے	مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ	اس بستی سے	وَالَّذِيْنَ	اور جنھوں نے
فَسَوْفَ	پس عنقریب			كَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا
نُؤْتِيْهِ	دیں گے ہم اس کو	الظَّالِمِ (۳)	ظالم ہیں	يُقَاتِلُوْنَ	لڑتے ہیں
اَجْرًا	ثواب	اَهْلُهَا (۴)	اس کے باشندے	فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں
عَظِيْمًا	بڑا	وَاجْعَلْ	اور بنائیں	الطَّاغُوْتِ (۵)	سرکش طاقت کے
وَمَا لَكُمْ (۱)	اور تمہیں کیا ہوا؟	لَّنَا	ہمارے لئے	فَقَاتِلُوْآ	پس لڑو تم
لَا تُقَاتِلُوْنَ	نہیں لڑتے تم	مِنْ لَّدُنْكَ	اپنے پاس سے	اَوْلِيَآءَ	دوستوں سے
فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	وَلِيًّا	کارساز	الشَّيْطٰنِ	شیطان کے
اللّٰهِ	اللہ کے	وَّاجْعَلْ	اور بنائیں	اِنَّ كَيْدَ	بے شک خفیہ چال
وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ (۲)	اور کمزوروں کے	لَّنَا	ہمارے لئے	الشَّيْطٰنِ	شیطان کی
مِنَ الرِّجَالِ	مردوں سے	مِنْ لَّدُنْكَ	اپنے پاس سے	كَانَ ضَعِيْفًا	بودی ہے

مفاد پرست جہاد میں ڈھیلے ہیں پس آخرت کے طالب بڑھیں

گذشتہ آیت میں جہاد سے پیچھے رہنے والوں کا ذکر تھا، اس آیت میں مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیتے ہیں، فرماتے ہیں: اگر منافق لوگ جہاد سے رُکیں تو رُکیں، اور اپنے مفادات کو تکتے رہیں تو تکتے رہیں، مگر جو لوگ آخرت کے مقابلہ میں دنیا پر لات مار چکے ہیں ان کو چاہئے کہ اٹھیں اور اللہ کی راہ میں لڑیں، وہ دنیا کی زندگی اور اس کے مال و منال پر نگاہ نہ رکھیں (از فوائد)

(۱) ومالكم: مبتدا خبر مل کر مستقل جملہ ہے (۲) والمستضعفين: کا اللّٰہ پر یا سبیل پر عطف ہے (۳) الظالم: القرية کی صفت ہے (۴) أهلها: فاعل ہے الظالم کا (۵) الطاغوت سے شیطان مراد ہے۔

﴿فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ﴾

ترجمہ: (اگر مفاد پرست جہاد سے پیچھے رہتے ہیں) تو وہ لوگ راہِ خدا میں لڑیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدل بیچ چکے ہیں ـــــ یعنی وہ آخرت کے طالب ہیں۔

مجاہد ہارے یا جیتے: چت بھی اس کی اور پٹ بھی اس کی!

ابھی آیا ہے کہ منافق: مجاہدین کی ناکامی پر بغلیں بجاتے ہیں، اور کامیابی پر کفِ افسوس ملتے ہیں، اب فرماتے ہیں کہ مجاہد خواہ ہارے یا جیتے بہرصورت کامیاب ہے، دونوں ہی صورتوں میں اس کا نفع ہے، اگر شہید ہوگا تو اجرِ عظیم پائے گا، اور فتح مند ہوگا تو اجرِ عظیم کے ساتھ مالِ غنیمت بھی پائے گا، پس اس کا تو ہر حال میں نفع ہے! اس کی ناکامی پر خوشیاں کیوں مناتے ہو؟!

﴿وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ اَجْرًا عَظِيمًا﴾

ترجمہ: اور جو راہِ خدا میں لڑے، پھر قتل کیا جائے یا غالب آجائے تو عنقریب ہم اس کو بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے!

جہاد مظلوموں کی رستگاری کے لئے بھی ہے

جب مسلمان اپنی مجبوری کی وجہ سے کافروں کے درمیان پھنسے ہوئے ہوں، اور ان پر ظلم وستم ڈھایا جاتا ہو، تو اسلامی ملک کے مسلمانوں پر ان کی حفاظت ونصرت واجب ہے، اور یہ بھی جہاد کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔

دورِ اول میں مکہ مکرمہ میں بھی اور دوسرے قبائل میں بھی کچھ مردوں نے، عورتوں نے اور سمجھ دار بچوں نے اسلام قبول کیا تھا، پھر ہجرت فرض ہوئی، جو لوگ کافروں کی بستی میں رہ کر اسلام پر عمل نہیں کر سکتے: ان پر فرض کیا گیا کہ وہ وطن چھوڑ کر مدینہ منورہ آجائیں، مگر کچھ مسلمان کافروں کے ہاتھوں میں اسیر تھے، وہ ان کو ہجرت نہیں کرنے دیتے تھے، اور ان پر ظلم کے پہاڑ توڑتے تھے، وہ بے چارے دعائیں کرتے تھے کہ الٰہی! ان کافروں کی بستی سے ہمیں نجات عطا فرما، اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی کارساز اور مددگار بنا، مؤمن کا آخری ہتھیار اللہ سے دعا کرنا ہے، جب اسباب موافق نہ ہوں تو مسبب الاسباب آخری سہارا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تمہیں کیا ہوا، ان مظلوموں کی رستگاری کے لئے جہاد کیوں نہیں کرتے؟ یہ بھی اللہ کے راستہ میں جہاد ہے اٹھو، اور ان بے کسوں کو ظلم وستم سے نجات دلاؤ۔

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ

وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

ترجمہ: اور تمہیں کیا ہوا، تم لڑتے نہیں ہو راہِ خدا میں، اور کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی گلوخلاصی کے لئے؟ جو دعائیں کرتے ہیں: "اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکالیے، جس کے باشندے ظالم (کافر) ہیں، اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی کارساز عطا فرمائیے، اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار بنایئے!

ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا؟

ایک تم ہو، راہِ خدا میں دشمنانِ اسلام سے نبرد آزما ہو، دوسری طرف اللہ کے دین کے منکر ہیں، وہ شیطان کے چیلے ہیں، اس کی خاطر وہ تم سے لڑ رہے ہیں، ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا؟ پس اٹھو، شیطان کے دوستوں سے لوہا لو، اور جان لو کہ کفار کے مکر وفریب بودے ہیں، ان کی کثرت سے مت گھبراؤ، ناکامی ان کا مقدر ہے!

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ﴾

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ راہِ خدا میں لڑتے ہیں، اور جن لوگوں نے اسلام کا انکار کیا ہے وہ سرکش طاقت (شیطان) کے راستہ میں لڑتے ہیں، پس شیطان کے دوستوں سے لڑو، بے شک شیطان کی خفیہ چال بودی ہے!

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۛ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	اَيْدِيَكُمْ	اپنے ہاتھوں کو	الزَّكٰوةَ	زکات
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو	وَ اَقِيْمُوا	اور اہتمام رکھو	فَلَمَّا كُتِبَ	پھر جب لکھا گیا
قِيْلَ لَهُمْ	جن سے کہا گیا	الصَّلٰوةَ	نماز کا	عَلَيْهِمُ	ان پر
كُفُّوْٓا	روکو	وَ اٰتُوا	اور ادا کرو	الْقِتَالُ	لڑنا

اِذَا	یکا یک	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	قُلْ	کہو
فَرِيْقٌ	ایک جماعت	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!	مَتَاعُ	برتنے کا سامان
مِّنْهُمْ	ان کی	لِمَ كَتَبْتَ	کیوں لکھا آپ نے	الدُّنْيَا	دنیا کا
يَخْشَوْنَ	ڈرنے لگی	عَلَيْنَا	ہم پر	قَلِيْلٌ	تھوڑا ہے
النَّاسَ	لوگوں سے	الْقِتَالَ	لڑنا	وَالْاٰخِرَةُ	اور آخرت
كَخَشْيَةِ	جیسے ڈرنا	لَوْلَآ	کیوں نہیں	خَيْرٌ	بہتر ہے
اللّٰهِ	اللہ (کے عذاب) سے	اَخَّرْتَنَا	ڈھیل دی آپ نے ہمیں	لِّمَنِ اتَّقٰى	اس کے لئے جو ڈرے
اَوْ اَشَدَّ	یا زیادہ	اِلٰٓى اَجَلٍ	مدت تک	وَلَا تُظْلَمُوْنَ	اور نہیں حق مارے جائیں گے تم
خَشْيَةً	ڈرنا (اس سے)	قَرِيْبٍ	نزدیک	فَتِيْلًا	باریک تاگے کے برابر

جہاد تو تمہاری چاہت تھی، اب دوسری بات منہ سے کیوں نکالتے ہو؟

مکہ میں ہجرت سے پہلے کافر مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے، مجبور ہو کر مسلمانوں نے مکہ چھوڑا تھا اور حبشہ چلے گئے تھے، مگر گھر بار چھوڑنا آسان نہیں تھا، اس سے بہتر یہ تھا کہ ظالموں سے دو دو ہاتھ کر لئے جائیں، اس زمانہ میں صحابہ نے لڑنے کی اجازت چاہی تھی، مگر اجازت نہیں ملی، صبر اور درگذر کا حکم ملا، اور نماز کے اہتمام اور زکات ادا کرنے کی تاکید فرمائی، کیونکہ جب تک آدمی اطاعتِ خداوندی میں نفس سے جہاد نہ کرے، تکالیف برداشت کرنے کا خوگر نہ ہو جائے اور مال خرچ کرنے کی عادت نہ پڑ جائے: جہاد کرنا اور جان کی قربانی پیش کرنا مشکل ہے۔

پھر ہجرت کے بعد جب مکہ والوں نے مدینہ پر چڑھائی کی تو دفاعی جہاد کی اجازت دی گئی، پس مسلمانوں کو تو خوش ہونا چاہئے کہ مراد برآئی، درخواست قبول ہوئی، مگر ہوا یہ کہ کچھ مسلمانوں پر کفار کی دہشت چھا گئی، جیسا اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے یا اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگے، اور آرزو کرنے لگے کہ کاش کچھ دن قتال کا حکم نہ آتا، تھوڑی مہلت مل جاتی تو چند دن جی لیتے!

اللہ تعالیٰ ان بودے مسلمانوں سے فرماتے ہیں: جہاد سے جان چرا کر کتنے دن زندہ رہو گے؟ دنیا کا سامان تو چند روزہ ہے، اور آخرت کی زندگی دائمی ہے، اس کو کامیاب کرنے کی کوشش کرو، اور وہ جہاد سے ہوگی، اور اطمینان رکھو: اگر تم نے احکامِ خداوندی کی اطاعت کی، اور جہاد سے منہ نہ موڑا تو آخرت میں تمہارا رتّی بھر نقصان نہ ہوگا، پورا پورا اجر ملے گا!

آیتِ کریمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا: اپنے ہاتھوں کو روکو —— یعنی ابھی لڑو مت

—— اور نماز کا اہتمام کرو اور زکات ادا کرو —— پھر جب (مدینہ میں) ان پر لڑنا فرض کیا گیا تو یکا یک ان کی ایک جماعت لوگوں سے (کافروں سے) ڈرنے لگی، جیسے اللہ (کے عذاب) سے ڈرنا چاہئے یا اس سے بھی زیادہ! اور انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! کیوں فرض کیا آپ نے ہم پر لڑنا؟ کیوں نہ مہلت دی آپ نے ہمیں کچھ دنوں کی؟ کہو: دنیا کا سامان چند روزہ برتنے کا سامان ہے (اس میں دنیا کی زندگی بھی آگئی) اور آخرت بہتر ہے اس کے لئے جو اللہ سے ڈرے (اور جہاد کرے) اور تم حبّہ بھر ظلم نہیں کئے جاؤ گے!

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝۷۸ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ

اَيْنَ مَا (1)	جہاں کہیں	مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس سے ہے	الْقَوْمِ	لوگوں کو
تَكُوْنُوْا	ہوؤتم	وَاِنْ تُصِبْهُمْ	اور اگر پہنچتی ہے ان کو	لَا يَكَادُوْنَ	نہیں قریب ہیں وہ
يُدْرِكْكُّمُ	پکڑے گی تم کو	سَيِّئَةٌ	کوئی برائی	يَفْقَهُوْنَ	(کہ) سمجھیں
الْمَوْتُ	موت	يَّقُوْلُوْا	کہتے ہیں	حَدِيْثًا	کوئی بات
وَلَوْ كُنْتُمْ	اگرچہ ہوؤتم	هٰذِهٖ	یہ	مَا اَصَابَكَ	جو پہنچی تجھے
فِيْ بُرُوْجٍ (2)	محلوں میں	مِنْ عِنْدِكَ	تیرے پاس سے ہے	مِنْ حَسَنَةٍ	کوئی بھی نیکی
مُّشَيَّدَةٍ (3)	مضبوط کئے ہوئے	قُلْ كُلٌّ	کہو سب	فَمِنَ اللّٰهِ	پس وہ اللہ کے پاس سے ہے
وَاِنْ تُصِبْهُمْ	اور اگر پہنچتی ہے ان کو	مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس سے ہے	وَمَا اَصَابَكَ	اور جو پہنچی تجھے
حَسَنَةٌ	کوئی بھلائی	فَمَا	پس کیا ہوا	مِنْ سَيِّئَةٍ	کوئی بھی برائی
يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ	کہتے ہیں یہ	لِ هٰٓؤُلَاۗءِ	ان	فَمِنْ نَّفْسِكَ	تو وہ تیری طرف سے ہے

(۱) أینما: جہاں کہیں، اسم شرط، قرآنی رسم الخط میں دونوں کو علاحدہ لکھا گیا ہے (۲) بروج: بُرْج کی جمع: قلعہ، محل بَرَجَ (ن) بروجا: بلند اور نمایاں ہونا (۳) مشیدة: اسم مفعول: مضبوط بنایا ہوا، مسالہ لیپا ہوا، تشیید: باب تفعیل کا مصدر اور باب ضرب کا مصدر شَیْد ہے

موت تو گچ کاری سے مضبوط کئے ہوئے محلات میں بھی آئے گی

گچ: چونا یا سیمنٹ کا مسالا جو اینٹوں کو جوڑنے یا پلاستر میں استعمال ہوتا ہے، گچ کاری: چونے کا کام۔ جب جہاد فرض ہوا تو کچے مسلمانوں نے کہا: ''اے ہمارے رب! اتنی جلدی آپ نے ہم پر جہاد کیوں فرض کردیا؟ چند دن مہلت دیتے تو ہم کچھ اور جی لیتے!'' گویا جہاد اور موت میں تلازم ہے کہ نکلے اور مرے!

ان سے فرمایا جارہا ہے کہ تم خواہ کیسے ہی مضبوط ومحفوظ محلات میں رہو: موت تم کو کسی طرح نہ چھوڑے گی، وقت پر پہنچ کر رہے گی، اس لئے کہ موت ہر ایک کے لئے مقدر ومقرر ہے، پس کیا تم جہاد میں نہیں نکلو گے تو موت سے بچ جاؤ گے؟ ہرگز نہیں بچ سکتے! پس جہاد اور موت میں تلازم سمجھنا، اور کافروں کے مقابلہ سے خوف کھانا تمہاری نادانی ہے، اور اسلام میں کچے ہونے کی دلیل ہے۔

﴿اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ؕ﴾

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہوؤ گے موت تمہیں پالے گی، چاہے تم مضبوط قلعوں میں ہوؤ!

جنگ میں فتح ہوئی تو اتفاقی بات، اور ہزیمت ہوئی تو رسول کی بے تدبیری!

منافقوں کا عجب حال ہے: اگر کسی جنگ میں فتح ہوتی ہے اور مالِ غنیمت ہاتھ آتا ہے، جیسے بدر میں تو وہ کہتے ہیں: یہ خدا کی طرف سے ہے، یعنی اتفاقی بات ہے، رسول کی حسن تدبیر کا اس میں کوئی دخل نہیں، اور اگر ہزیمت ہوتی ہے جیسے احد میں تو الزام رسول کے سر دھرتے ہیں کہ یہ ان کی بے تدبیری کا نتیجہ ہے۔

جواب سنو! بھلائی برائی سب اللہ کی طرف سے ہے، وہی ہر چیز کے موجد وخالق ہیں، اور ہر پہلو میں حکمت ہوتی ہے، فتح وشکست میں کسی اور کا کوئی دخل نہیں، رسول کی تدبیر بھی اللہ کے الہام سے ہوتی ہے، پس الزام ان کے سر دھرنا تمہاری کم فہمی ہے، کیا منافقین اتنی موٹی حقیقت نہیں سمجھ سکتے؟ سمجھتے ہیں، مگر سنی ان سنی کر دیتے ہیں، ان کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں، ان کو تو دلچسپی اس سے ہے کہ گیند رسول کے پالے میں نہ چلی جائے!

﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا ۝﴾

ترجمہ: اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: ''یہ اللہ کی طرف سے ہے'' اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: ''یہ تیری وجہ سے ہے!'' — کہو: سب اللہ کی طرف سے ہے، پس ان لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ بات سمجھنے کے

قریب بھی نہیں ہوتے! ـــــ فعل کاد: محلِ نفی میں اثبات کرتا ہے، یعنی سمجھتے ہیں، مگر الٹی گنگا بہاتے ہیں!

فضل اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اور آفت شامتِ اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے

اب ایک ضابطہ بیان فرماتے ہیں: انسان کو جو نعمت ملتی ہے وہ کوئی اس کا حق نہیں ہوتی، بلکہ محض اللہ کا فضل ہوتا ہے، انسان خواہ کتنی ہی عبادت وریاضت کرے، مگر وہ اس سے نعمت کا مستحق نہیں ہوتا، اس لئے کہ عبادت کی توفیق بھی تو اس کو اللہ نے بخشی ہے ـــــ البتہ آفت ومصیبت انسان کی شامتِ اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے، اگرچہ تخلیق سب کی اللہ ہی کرتے ہیں، لیکن اس کا سبب خود انسان کے اعمال ہوتے ہیں، انسان کی کوئی نہ کوئی کوتاہی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے آفت آتی ہے، قرآنِ کریم میں دوجگہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو انعام سے نوازتے ہیں تو وہ اس وقت تک اس نعمت کو سلب نہیں کرتے جب تک قوم اپنے حالات کو بگاڑ نہ لے۔

پھر کافر کے لئے وہ آفت اخروی سزا کا ایک ادنیٰ نمونہ ہوتی ہے، اور مؤمن کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، ترمذی کی حدیث ہے: ''جو بھی مصیبت کسی مسلمان کو پہنچتی ہے تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، یہاں تک کہ کانٹا جو اس کے پاؤں میں چبھتا ہے''

﴿ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ ﴾

ترجمہ: جو بھی بھلائی تجھے پہنچتی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اور جو بھی برائی تجھے پہنچتی ہے وہ خود تیری طرف سے ہوتی ہے!

وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

وَ اَرْسَلْنٰكَ	اور بھیجا ہم نے آپ کو	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	رَسُوْلًا[1]	پیامبر بنا کر

(۱) رسولا: حال ہے۔

وَكَفٰى	اور کافی ہیں	فَاِذَا بَرَزُوْا	پس جب نکلتے ہیں وہ	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ	مِنْ عِنْدِكَ	آپ کے پاس سے	وَكَفٰى	اور کافی ہیں
شَهِيْدًا	دیکھنے والے	بَيَّتَ(۲)	(تو) خفیہ مشورہ کرتی ہے	بِاللّٰهِ	اللہ
مَنْ يُّطِعِ	جو اطاعت کرے	طَآئِفَةٌ	ایک جماعت	وَكِيْلًا	کارسازی کے لئے
الرَّسُوْلَ	اللہ کے رسول کی	مِّنْهُمْ	ان کی	اَفَلَا	کیا پس نہیں
فَقَدْ اَطَاعَ	تو بالیقین اطاعت کی اس نے	غَيْرَ الَّذِيْ(۳)	اس کے علاوہ جو	يَتَدَبَّرُوْنَ	غور کرتے وہ
اللّٰهَ	اللہ کی	تَقُوْلُ	کہتے ہیں وہ	الْقُرْاٰنَ	قرآن میں
وَمَنْ تَوَلّٰى	اور جس نے روگردانی کی	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَلَوْ كَانَ	اور اگر ہوتا وہ
فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ	تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو	يَكْتُبُ	لکھتے ہیں	مِنْ عِنْدِ	پاس سے
عَلَيْهِمْ	ان پر	مَا يُبَيِّتُوْنَ	جو سازش کرتے ہیں وہ	غَيْرِ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ کے
حَفِيْظًا	نگراں بنا کر	فَاَعْرِضْ	پس روگردانی کریں آپ	لَوَجَدُوْا	تو پاتے وہ
وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ	عَنْهُمْ	ان سے	فِيْهِ	اس میں
طَاعَةٌ(۱)	(ہمارا معاملہ) تابعداری ہے	وَتَوَكَّلْ	اور بھروسہ کریں	اخْتِلَافًا كَثِيْرًا(۴)	بڑا تفاوت

پیغمبر کی ذمہ داری پیغام رسانی کی ہے

منافقین جنگ میں ناکامی کی ذمہ داری رسول پر ڈالتے تھے: ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پیغمبر کی ذمہ داری پیغام رسانی کی ہے، اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں کہ وہ یہ فریضہ انجام دے رہا ہے یا نہیں؟ جنگ میں کامیابی یا ناکامی اس کے اختیار میں نہیں، پھر تم یہ الزام اس کے سر کیوں تھوپتے ہو؟

﴿وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۷۹﴾

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو (تمام) لوگوں کے لئے پیامبر بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ تعالیٰ کافی دیکھنے والے ہیں!

رسول سرکار عالی مقام کا نمائندہ ہے

رسول: اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے، وہ جو پیغام پہنچاتا ہے وہ سرکار عالی مقام کی بات ہوتی ہے، پس جو اس کی بات مانے گا

(۱) طاعة: أی أمْرُنَا طاعةٌ: مبتدا محذوف ہے (۲) بَيَّتَ: رات میں سازش کرنا (۳) غیر الذی: بَيَّت کا مفعول بہ ہے (۴) اختلاف کے معنی تفاوت ہیں، تعارض نہیں۔

وہ اللہ کی بات مانے گا، اور جو اس سے منہ موڑے گا وہ اللہ کے حکم سے سرتابی کرے گا، اللہ اس کو دیکھ لیں گے، پیغامبر کا کام زبردستی لوگوں سے بات منوانا نہیں، وہ لوگوں پر چوکیدار مقرر نہیں کیا گیا۔

﴿مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنۡ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ؕ﴾

ترجمہ: جو اللہ کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ بالیقین اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اور جو روگردانی کرتا ہے تو ہم نے آپؐ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا!

منافقین کی دورخی پالیسی

منافقین: نبی ﷺ کے روبرو تو کہتے ہیں: ہم آپؐ کے حکم کی تعمیل کریں گے یعنی جہاد میں چلیں گے، مگر مجلس سے نکل کر رات میں نافرمانی اور مخالفت کا مشورہ کرتے ہیں، یعنی جہاد میں نکلنا تو ہے نہیں، مگر بچا کیسے جائے؟ ان کے یہ مشورے ان کے نامۂ اعمال میں لکھے جارہے ہیں، جس کی ان کو قرار واقعی سزا ملے گی، آپ اے پیغمبر! ان سے منہ پھیر لیں، اور ان کی اس حرکت کی پروانہ کریں، آپؐ اپنے سب کام اللہ کے حوالے کریں، اور جہاد کے لئے نکلیں، اللہ تعالیٰ آپ کی کارسازی کے لئے کافی ہیں۔

﴿وَيَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ بَيَّتَ طَآٮِٕفَةٌ مِّنۡهُمۡ غَيۡرَ الَّذِىۡ تَقُوۡلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكۡتُبُ مَا يُبَيِّتُوۡنَ ۚ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَ تَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ۝﴾

ترجمہ: اور وہ (منافقین) کہتے ہیں: ہمارا معاملہ آپؐ کی اطاعت ہے! پھر جب وہ آپؐ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان کی ایک جماعت خفیہ مشورہ کرتی ہے اس کے علاوہ جو وہ کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ لکھ رہے ہیں وہ جو خفیہ سازش کر رہے ہیں، پس آپؐ ان سے اعراض کریں، اور اللہ پر بھروسہ کریں، اور اللہ تعالیٰ کارسازی کے لئے کافی ہیں!

رسول کی صداقت کی دلیل قرآنِ کریم ہے

اللہ کے سچے رسول کے ساتھ منافقین جو دورخی پالیسی اختیار کرتے ہیں وہ اپنا انجام سوچ لیں، رسول کی صداقت کی دلیل تو خود قرآنِ کریم ہے، وہ اس میں غور کیوں نہیں کرتے، اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو وہ اس میں بہت تفاوت پاتے، کیونکہ انسان کے کلام میں یکسانیت نہیں ہوسکتی، وہ کبھی خوش ہوتا ہے کبھی ناراض، کبھی محبت کا غلبہ ہوتا ہے کبھی نفرت کا، کبھی چائے پی کر لکھتا ہے کبھی منہ لٹکا کر، کبھی اس کی توجہ دنیا کی طرف ہوتی ہے کبھی آخرت کی طرف، اس لئے اس کا کلام ایک نہج پر نہیں ہوسکتا۔

اور قرآنِ کریم جو ۲۳ سال میں نازل ہوا ہے ایک ہی انداز پر ہے، کہیں اطناب کہیں ایجاز، کہیں تفصیل کہیں اختصار، کہیں اجمال کہیں تفصیل نہیں ہے، پس یہ اللہ کا کلام ہے جو ہر ناہمواری سے پاک ہے، اور یہ رسول کی صداقت کی اور قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝۸۲ ﴾

ترجمہ: پس کیا وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، اور اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے پاس سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ تفاوت پاتے!

وَاِذَا جَاۗءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۳

وَاِذَا	اور جب	اِلَى الرَّسُوْلِ	اللہ کے رسول کی طرف	وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتا
جَاۗءَھُمْ	آتا ہے ان کے پاس	وَاِلٰٓى اُولِي	اور معاملہ کے ذمہ داروں	فَضْلُ	کرم
اَمْرٌ	کوئی معاملہ	الْاَمْرِ	کی طرف	اللّٰهِ	اللہ کا
مِّنَ الْاَمْنِ	امن کا	مِنْھُمْ (۲)	ان میں سے	عَلَيْكُمْ	تم پر
اَوِ الْخَوْفِ	یا خوف کا	لَعَلِمَهُ	تو جانتے اس کو	وَرَحْمَتُهٗ	اور اس کی مہربانی
اَذَاعُوْا (۱)	(تو) پھیلا دیتے ہیں وہ	الَّذِيْنَ (۳)	جو لوگ	لَاتَّبَعْتُمُ	تو پیچھے ہو لیتے تم
بِهٖ	اس کو	يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ (۴)	کھوج لگا سکتے ہیں اس کی	الشَّيْطٰنَ	شیطان کے
وَلَوْ رَدُّوْهُ	اور اگر لوٹاتے وہ اس کو	مِنْھُمْ (۵)	ان میں سے	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑے سے

جنگی حالات میں بے تحقیق خبریں پھیلانا

کم سمجھ مسلمانوں میں اور منافقوں میں ایک خرابی یہ ہے کہ جب کوئی امن کی بات پیش آتی ہے، مثلاً لشکر اسلام کی فتح

(۱) أذاعه: اور أذاع به: دونوں طرح مستعمل ہے: پھیلانا، منتشر کرنا (۲) منهم: أى من المسلمين (۳) الذين: صلہ کے ساتھ عَلِمَ کا فاعل ہے (۴) استنباط: استخراج کرنا، صحیح غلط کی تحقیق کرنا، کھوج لگانا نَبَطَ (ض) الشيئُ: پوشیدگی کے بعد ظاہر ہونا (۵) منهم: أى من أولى الأمر۔

کی خبر آتی ہے یا کوئی خوف کی بات پیش آتی ہے، مثلاً: مسلمانوں کی شکست کی خبر آتی ہے تو اس کو بے تحقیق مشہور کرنے لگتے ہیں، اس سے کبھی مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے، اس لئے اس آیت میں تین باتیں فرمائی ہیں:

۱- اگر فتح یا شکست کی خبر آئے تو بلا تحقیق اس کو عام نہ کیا جائے، جنگی حالات میں حفاظتی نقطۂ نظر سے یہ نامناسب بات ہے، اس سے اجتماعی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

۲- چاہئے کہ ایسی باتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یا مسلمانوں کے حکام کے پاس لے جایا جائے، وہ اگر خبر کی تحقیق کے بعد تسلیم کرلیں تو ان کی ہدایت کے مطابق نقل کی جائے۔

۳- یہ حکم سراسر مفید ہے، اللہ نے اپنے فضل وکرم سے یہ حکم دیا ہے، پس مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہئے، ورنہ وہ شیطان کے نقشِ قدم پر چل پڑیں گے، اور اپنا نقصان کرلیں گے۔

فائدہ (۱): آیتِ کریمہ اگرچہ جنگی حالات کے تعلق سے ہے، مگر حکم عام ہے، بے تحقیق باتیں چلانا کبھی فتنہ کا سبب بن جاتا ہے، اس لئے حدیث شریف میں ہے: كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات (بغیر تحقیق کے) بیان کرنا شروع کردے، آج کل واٹس ایپ کے زمانہ میں اس کا فساد خوب واضح ہے، ہزاروں باتیں لوگ بے تحقیق چلا دیتے ہیں، یہ بڑا گناہ ہے۔

فائدہ (۲): اس آیت سے معلوم ہوا کہ نئے مسائل میں علمائے امت کو استنباط واجتہاد کا فریضہ انجام دینا ہوگا، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امت میں تمام لوگ اجتہاد کرنے کے اہل نہ ہونگے، اور یہ بات بھی واضح ہوئی کہ جو لوگ اجتہاد کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ان پر اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والوں کی تقلید واتباع واجب ہے (آسان تفسیر)

آیتِ کریمہ: اور جب پہنچتی ہے اُن (منافقین) کو کوئی خبر امن کی ــــ یعنی فتح ونصرت کی ــــ یا ڈر کی ــــ یعنی ہزیمت وشکست کی ــــ تو وہ اس کو مشہور کردیتے ہیں ــــ ان کا یہ طریقہ غلط ہے ــــ اور اگر وہ اس خبر کو پھیرتے اللہ کے رسول کی طرف اور اپنے حاکموں کی طرف تو اس کو سمجھتے وہ لوگ جو ان میں سے اس کی تحقیق کی صلاحیت رکھتے ہیں ــــ پس بہتر ہوتا، کیونکہ بے تحقیق بات اکثر جھوٹی نکلتی ہے، پھر پشیمانی ہوتی ہے ــــ اور اگر تم پر اللہ کا کرم اور ان کی مہربانی نہ ہوتی تو کچھ لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے ہو لیتے ــــ اور اپنا نقصان کر بیٹھتے!

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً

حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

ع ۱۱/۸

فَقَاتِلْ	پس جہاد کریں آپ	وَّ اَشَدُّ	اور زیادہ سخت ہیں	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	تَنْكِيْلًا(۳)	سزا دینے کے اعتبار سے	مُّقِيْتًا(۵)	قدرت رکھنے والے
اللّٰهِ	اللہ کے	مَنْ يَّشْفَعْ	جو سفارش کرے	وَاِذَا	اور جب
لَا تُكَلَّفُ	نہیں حکم دیئے جاتے	شَفَاعَةً	سفارش	حُيِّيْتُمْ	دعا دیئے جاؤ تم
اِلَّا نَفْسَكَ	مگر آپ ہی کو	حَسَنَةً	اچھی	بِتَحِيَّةٍ	زندہ رہنے کی
وَحَرِّضِ(۱)	اور ترغیب دیں	يَّكُنْ لَّهٗ	ہوگا اس کے لئے	فَحَيُّوْا	تو دعا دو تم
الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں کو	نَصِيْبٌ	بڑا حصہ	بِاَحْسَنَ	بہتر
عَسَى(۲) اللّٰهُ	ممکن ہے اللہ تعالیٰ	مِّنْهَا	اس (سفارش) سے	مِنْهَآ	اس (دعا) سے
اَنْ يَّكُفَّ	روک دیں	وَمَنْ يَّشْفَعْ	اور جو سفارش کرے	اَوْ رُدُّوْهَا	یا لوٹا دو اس کو
بَاْسَ	سختی (لڑائی)	شَفَاعَةً	سفارش	اِنَّ اللّٰهَ كَانَ	بے شک اللہ ہیں
الَّذِيْنَ	ان کی جنھوں نے	سَيِّئَةً	بری	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کا
كَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا	يَّكُنْ لَّهٗ	ہوگا اس کے لئے	حَسِيْبًا	حساب کرنے والے
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	كِفْلٌ(۴)	بڑا بوجھ (گناہ)	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اَشَدُّ بَاْسًا	سخت ہیں لڑائی کے	مِّنْهَا	اس (سفارش) سے	لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں
	اعتبار سے	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	اِلَّا هُوَ	مگر وہی

(۱) حَرَّض تحریضا: ترغیب دینا، ابھارنا (۲) عسی: افعالِ مقاربہ میں سے ہے، اس کی خبر فعل مضارع أن کے ساتھ آتی ہے۔ (۳) تنکیل: مصدر: سزا دینا، عاجز بنا دینا، نکالاً: عذاب، سزا۔ (۴) کِفل: اسم: گناہ کا حصہ، تنوین تعظیم کے لئے (۵) مُقیت: اسم فاعل: أقات علی الشیئ: قادر ہونا (بیضاوی)

لَیَجۡمَعَنَّکُمۡ	ضرور جمع کریں گے تم کو	لَا رَیۡبَ	کوئی شک نہیں	اَصۡدَقُ	زیادہ سچا ہے
اِلٰی یَوۡمِ	دن میں	فِیۡہِ	اس میں	مِنَ اللّٰہِ	اللہ سے
الۡقِیٰمَۃِ	قیامت کے	وَمَنۡ	اور کون	حَدِیۡثًا	بات کے اعتبار سے

ربط: اب تک منافقوں اور کچے مسلمانوں سے خطاب تھا، اب روئے سخن پکے اور سچے مسلمانوں کی طرف ہے، اور ان آیات کا پس منظر غزوۂ بدر صغری ہے۔ سنہ ۳ ہجری میں غزوۂ احد پیش آیا تھا، اس میں مسلمانوں کا بھاری جانی نقصان ہوا تھا، ستر صحابہ شہید ہوئے تھے، اور جو بچے تھے وہ بشمول نبی ﷺ زخمی تھے، اس جنگ کے خاتمہ پر لشکر کفار کے کمانڈر انچیف ابوسفیان نے اعلان کیا تھا: ''ہم نے غزوۂ بدر کا بدلہ لے لیا، اب پھر اگلے سال بدر میں معرکہ آرائی ہوگی'' مسلمانوں نے اس کی بات قبول کر لی، چنانچہ سنہ ۴ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے بدر کا ارادہ کیا، عام صحابہ احد کے واقعہ سے شکستہ خاطر تھے، ان کی خواہش تھی کہ اب پھر مقابلہ نہ ہو، اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، اور نبی ﷺ نے مدینہ کا انتظام حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو سونپا، اور ڈیڑھ ہزار کی جمعیت لے کر بدر پہنچ کر مشرکین کے انتظار میں خیمہ زن ہوگئے۔

اُدھر ابوسفیان بھی دو ہزار مشرکین کی جمعیت لے کر مکہ سے روانہ ہوا، ایک مرحلہ چل کر وادی مرّ الظہران میں خیمہ زن ہوا، مگر وہ مکہ سے بوجھل اور بددل نکلا تھا، بار بار مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی جنگ کا انجام سوچتا تھا، اور رعب وہیبت سے لرز اٹھتا تھا، مرّ الظہران میں اس کی ہمت جواب دے گئی، اور وہ واپسی کے بہانے سوچنے لگا، بالآخر اس نے ساتھیوں سے کہا: ''جنگ اس وقت مناسب ہوتی ہے جب شادابی اور ہریالی ہو، تا کہ جانور چریں اور لوگ دودھ پئیں! اس وقت خشک سالی ہے، جنگ مناسب نہیں، اس لئے میں واپس جا رہا ہوں، تم بھی واپس چلو'' ابوسفیان کی یہ بات سن کر سبھی واپس لوٹ گئے، اس لئے کہ یہ سب کے دل کی آواز تھی۔

اور مسلمانوں نے بدر میں آٹھ روز قیام کیا، اور اس دوران خوب تجارت کی اور نفع کمایا، پھر فتح کا پھریرا اڑاتے ہوئے مدینہ لوٹ آئے، اس غزوہ سے لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی، اور ماحول پر ان کی گرفت مضبوط ہوگئی۔

غزوۂ بدر صغری کے لئے نبی ﷺ تنہا نکلیں اور مسلمانوں کو ترغیب دیں

(پیشین گوئی کہ کفار مقابلہ کے لئے نہیں آئیں گے)

آیت کریمہ عجیب انداز سے شروع ہوئی ہے، نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپؐ بذاتِ خود تنِ تنہا بدر صغری کے لئے نکلیں، کوئی ساتھ چلے یا نہ چلے اس کی پروانہ کریں، اللہ تعالیٰ آپؐ کے مددگار ہیں۔

البتہ صحابہ کو چلنے کی ترغیب دیں: ﴿ وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾: اور نصیحت کیجئے، اس لئے کہ نصیحت کرنا مسلمانوں کے لئے سودمند ہوتا ہے [الذاریات ۵۵] وہ بھی ان شاء اللہ ساتھ چلیں گے، چنانچہ ڈیڑھ ہزار صحابہ بھی ساتھ چلے، اور ساتھ ہی پیشین گوئی کی کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی لڑائی کو روک دیں گے، مگر ﴿ عَسَى ﴾ استعمال کیا، تاکہ فوج نڈر نہ ہو جائے، جیسے عمرۂ قضا کی آیت میں ﴿ اٰمِنِيْنَ ﴾ کے ساتھ ﴿ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ بڑھایا [الفتح ۲۷] تاکہ صحابہ بے خوف ہو کر مکہ میں داخل نہ ہوں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں ضرور بدر کے لئے نکلوں گا، اگرچہ ایک بھی میرا ساتھ نہ دے!'' مگر صحابہ پیچھے رہنے والے کہاں تھے؟ وہ بھی ساتھ چلے! مگر اللہ نے کافروں کی ہمتیں پست کردیں، وہ نکل کر بھی لوٹ گئے، اور پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی، بے شک اللہ تعالیٰ کی جنگ بہت سخت ہے اور ان کی سزا بھی خوفناک ہے، بے شک اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں! وہ بغیر جنگ کے بھی دشمن کو پسپا اور رسوا کر دیتے ہیں!

﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝﴾

ترجمہ: پس آپ اللہ کے راستہ میں جہاد کیجئے، صرف آپ ہی کی ذات کو حکم دیا جاتا ہے، اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے، ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ منکرینِ اسلام کی لڑائی کو روک دیں، اور اللہ تعالیٰ بہت سخت لڑائی والے ہیں اور سخت ترین سزا دینے والے ہیں!

جو جہاد کے لئے مثبت ذہن سازی کرے گا وہ ثواب میں حصہ دار ہوگا

اور جو منفی ذہن سازی کرے گا وہ گناہ میں حصہ دار ہوگا

جب بدر صغریٰ کے لئے چلنے کی بات چلی تو چونکہ ایک سال پہلے احد کا واقعہ پیش آچکا تھا، اور اس میں بھاری جانی نقصان ہوا تھا، اس لئے مخلص اور بہادر حضرات تو لوگوں کی مثبت ذہن سازی کرتے تھے، لوگوں کو جہاد کے لئے نکلنے کی ترغیب دیتے تھے، اور مخلص مگر کمزور طبیعت کے لوگ منفی ذہن سازی کرتے تھے کہ مت نکلو، کہیں احد جیسی صورتِ حال پیش نہ آئے! یہ لوگ منافق نہیں تھے، سچے مسلمان تھے، مگر بشری کمزوری رنگ لا رہی تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مثبت ذہن سازی کرنے والوں کو بڑا ثواب ملے گا، **الدالُّ علی الخیر کفاعله**: نیکی کی راہ نمائی کرنے والا: نیکی کرنے والے کی طرح ہے، اور منفی ذہن سازی کرنے والوں کو جہاد سے رکنے والوں کی طرح بڑا

بوجھ ڈھونا پڑے گا، مذکورہ ضابطہ آدھا ہے، دوسرا آدھا اس کا برعکس بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، ان کے لئے دونوں باتیں دشوار نہیں!

آیت کا مقصود خاص ہے، مگر مدلول عام ہے: لہٰذا کسی بھی نیک کام میں سفارش کرنے والا، کسی محتاج کی مدد کرانے والا اور دینی کام میں مدد کرانے والا بھی خیر کے کام میں شریک ہوگا، اسی طرح برائی میں حصہ دار بننے والا گناہ میں بھاگی دار ہوگا۔

﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝﴾

ترجمہ: جو اچھی بات کی سفارش کرے: اس کے لئے اس نیکی کے کام میں سے بڑا حصہ ہے، اور جو بری بات کی سفارش کرے: اس کے لئے اس برائی میں سے بڑا بوجھ (گناہ) ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

منفی ذہن سازی کرنے والوں کو بھی اخلاقی برتاؤ سے قریب کیا جائے

جو لوگ منفی ذہن سازی کر رہے تھے، وہ بھی سچے مسلمان تھے، بس بشری کمزوری اور ان کی پست ہمتی رنگ لا رہی تھی، ایسے لوگوں کو ٹھوک نہیں دینا چاہئے، اگر وہ سلام کریں یا ہیلو ہلا کریں تو خندہ پیشانی سے جواب دیا جائے، بلکہ مزاج پرسی بھی کی جائے، اس سے وہ قریب آئیں گے، اور اگر ہوں ہاں کر کے رہ گئے اور ان کو نظر انداز کر دیا تو وہ کٹ جائیں گے اور ملت کا نقصان ہوگا۔

اس آیت کا بھی مقصود خاص ہے مگر مدلول عام ہے۔ تحية: مصدر ہے، حَيَّاهُ تحيةً کے معنی ہیں: زندہ رہنے کی دعا دینا، سلام بھی دنیا میں سلامتی کی دعا ہے، پس تحیہ: سلام سے عام ہے، ہیلو ہلا کرنا بھی اس کا مصداق ہے۔

مسئلہ: جب کوئی سلام کرے تو جواب دینا واجب ہے، یا تو وہی کلمہ اس کو لوٹا دے یا اس سے بہتر، مثلاً کسی نے کہا: **السلام علیکم** تو جواب میں کہے: **وعلیکم السلام**، اور اگر جواب میں **ورحمة الله** بڑھائے یا **وبرکاته** بڑھائے تو مزید ثواب پائے گا، اس سے آگے ثابت نہیں۔ اللہ کے یہاں ہر چیز کا حساب ہوگا، اور اس کی جزاء ملے گی۔

کب حساب ہوگا؟ اور کب جزاء ملے گی؟

جواب: کائنات کے معبود برحق اللہ تعالیٰ ہی ہیں، وہ سب کو قیامت کے دن میں جمع کریں گے، اور قیامت کا آنا برحق ہے، اس میں ذرا شک نہیں، یہ اللہ کا وعدہ ہے، اور اللہ سے زیادہ سچا وعدہ کس کا ہو سکتا ہے؟ کسی کا نہیں! اسی مقررہ دن

میں ہر ایک کا حساب ہوگا، اور سب کو اچھے برے کا بدلہ ملے گا۔

﴿ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب تمہیں زندہ سلامت رہنے کی کوئی دعا دی جائے تو تم اس دعا کا اس سے بہتر جواب دو، یا وہی دعا لوٹا دو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب کرنے والے ہیں —— اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، وہ تمہیں قیامت کے دن میں ضرور جمع کریں گے، جس کے آنے میں ذرا شک نہیں، اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوسکتی ہے؟ —— کسی کی نہیں، وہی اصدق القائلین ہیں!

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

فَمَا لَكُمْ	پس تمہیں کیا ہوا	مَنْ اَضَلَّ	جس کو گمراہ کیا	وَدُّوْا	آرزو کرتے ہیں وہ
فِي الْمُنٰفِقِيْنَ	منافقین کے بارے میں	اللّٰهُ	اللہ نے	لَوْ تَكْفُرُوْنَ	کاش کافر ہوجاتے تم
فِئَتَيْنِ	دو جماعتیں ہورہے ہو	وَمَنْ	اور جس کو	كَمَا كَفَرُوْا	جس طرح کافر ہوئے وہ
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ نے	يُّضْلِلِ	گمراہ کریں	فَتَكُوْنُوْنَ	پس ہوجاتے تم
اَرْكَسَهُمْ(۱)	ان کو الٹ دیا ہے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	سَوَاۗءً	برابر
بِمَا كَسَبُوْا	ان کے اعمال کی وجہ سے	فَلَنْ تَجِدَ	پس ہرگز نہیں پائے گا تو	فَلَا تَتَّخِذُوْا	پس مت بناؤ
اَتُرِيْدُوْنَ	کیا چاہتے ہو تم	لَهٗ	اس کے لئے	مِنْهُمْ	ان میں سے
اَنْ تَهْدُوْا	کہ راہ پر لاؤ	سَبِيْلًا	کوئی راہ	اَوْلِيَاۗءَ	دوست

(۱) أرکس إرکاسًا: سر کے بل اوپر سے نیچے تک بالکل الٹ دینا۔

حَتّٰى يُهَاجِرُوْا	یہاں تک کہ ہجرت کریں وہ	فَخُذُوْهُمْ	تو ان کو پکڑو	وَلَا تَتَّخِذُوْا	اور مت بناؤ تم
فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	وَاقْتُلُوْهُمْ	اور ان کو قتل کرو	مِنْهُمْ	ان میں سے
اللّٰهِ	اللہ کے	حَيْثُ	جہاں کہیں	وَلِيًّا	دوست
فَاِنْ تَوَلَّوْا	پس اگر روگردانی کریں وہ	وَجَدْتُّمُوْهُمْ	پاؤ ان کو	وَّلَا نَصِيْرًا	اور نہ مددگار

ربط: یہاں سے منافقین کا تذکرہ شروع نہیں ہورہا، مؤمنین ہی سے خطاب ہے، اس پورے رکوع میں تین چار قسم کے کفار کے بارے میں مسلمانوں کو ہدایات دی ہیں:

اول: وہ کفار جو مسلمانوں کے حق میں نرم گوشہ رکھتے تھے، مگر وہ نہ کھل کر مسلمان ہوئے تھے، نہ انھوں نے ہجرت کی تھی، ان کے ساتھ کفار جیسا معاملہ کیا جائے، قرآنِ کریم نے ان لوگوں کو 'منافق' کہا ہے۔

دوم: دو قسم کے کفار ہیں:

(الف) وہ کفار جو کسی معاہد قوم کے حلیف بن گئے ہیں۔

(ب) وہ کفار جو نہ مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہیں، نہ اپنی قوم کا ساتھ دیتے ہیں۔

ان دونوں کے ساتھ معاہد قوم جیسا برتاؤ کیا جائے، ان کو قتل نہ کیا جائے، اسی کو غنیمت سمجھا جائے کہ وہ بے آزار ہوگئے ہیں۔

سوم: وہ کفار جو موقع پرست اور دغا باز ہیں، ان کے ساتھ تو کفار جیسا برتاؤ کرنا ہی چاہئے۔

۱- وہ کفار جو مسلمانوں کے حق میں نرم گوشہ رکھتے ہیں، مگر انھوں نے ہجرت نہیں کی، ان کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ کیا جائے

مکہ مکرمہ میں خاص طور پر، اور دیگر بعض قبائل میں، کچھ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں نرم گوشہ رکھتے تھے، نبی ﷺ کے خیر خواہ تھے، جیسے آپؐ کے چچا عباس بن عبد المطلب، چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب اور داماد ابو العاص، یہ لوگ کھل کر مسلمان نہیں ہوئے تھے، نہ وہ ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے، بلکہ جنگ بدر میں کفار کے لشکر میں شامل ہوکر آئے تھے: ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ مسلمانوں کے لئے یہ معاملہ پیچیدہ ہوگیا تھا، بعض کہتے تھے کہ وہ مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں، ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کرنا چاہئے، دوسرے حضرات کی رائے اس کے خلاف تھی، پس یہ آیت نازل ہوئی اور اس نے تصفیہ کیا۔

فرماتے ہیں: مسلمانوں کو کیا ہوا، وہ منافقوں کے بارے میں مختلف الرائے کیوں ہورہے ہیں؟ وہ منافق ہیں، مسلمان کہاں ہیں؟ عملاً خیر خواہ ضرور ہیں، مگر دل میں کفر بھرا ہوا ہے، ہجرت کرتے تو وہ عملاً ان کے ایمان کا ثبوت ہوتا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی مصلحت پسندی کی وجہ سے سر کے بل الٹا کردیا ہے، اب کیا مسلمان ان کو راہ راست پر لاسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! جسے اللہ گمراہ کریں اسے کون سنبھال سکتا ہے؟

ان کی دلی خواہش تو یہ ہے کہ تم بھی اسلام سے پھر جاؤ، جیسے وہ پھرے ہوئے ہیں، تاکہ تم اور وہ ایک تھیلے کے چٹے بٹے ہوجاؤ، پس جب تک وہ ہجرت نہ کریں اور اسلام کا عملی ثبوت نہ دیں: ان کو دوست مت بناؤ، کفار سے دوستی جائز نہیں، ان کے ساتھ کفار جیسا معاملہ کرو، ان کو پکڑو اور جہاں کہیں پاؤ تہہ تیغ کرو، اور ان کو نہ دوست بناؤ، اور نہ ان سے کسی مدد کی امید رکھو۔

فائدہ: بدر کے قیدیوں کے بارے میں فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ ہوا تھا، اگر قتل کا فیصلہ ہوتا تو عباس، عقیل اور ابوالعاص سب قتل کردیئے جاتے، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز تو یہ تھی کہ رشتہ دار رشتہ دار کو قتل کرے۔

آیتِ کریمہ: تمہیں کیا ہوا کہ تم منافقین کے بارے میں دو گروہ ہورہے ہو؟ درانحالیکہ اللہ نے ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے بالکل ہی الٹ دیا ہے؟ کیا تم ان لوگوں کو راہ پر لانا چاہتے ہو جن کو اللہ نے گمراہ کیا ہے؟ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کریں: تم ہرگز اس کے لئے کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔

وہ آرزو مند ہیں کہ کاش تم بھی اسلام کا انکار کردو جس طرح وہ انکار کرتے ہیں، پس تم اور وہ برابر ہوجاؤ، لہٰذا ان میں سے کسی کو دوست مت بناؤ، تا آنکہ وہ اللہ کے راستہ میں ہجرت کریں، پھر اگر وہ اس (ہجرت) سے روگردانی کریں تو انہیں پکڑو اور ان کو قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ، اور ان میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ نہ مددگار!

> اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝۹۰

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ	مستثنیٰ ہیں جو لوگ ملتے ہیں	اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ	ایسے لوگوں سے تمہارے درمیان	وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ	اور ان کے درمیان عہد و پیان ہے

اَوْ جَآءُوْكُمْ	یا آئیں وہ تمہارے پاس	اللهُ	اللہ تعالیٰ	وَاَلْقَوْا	اور ڈالیں وہ
حَصِرَتْ(۱)	تنگ ہورہے ہوں	لَسَلَّطَهُمْ	(تو) ضرور مسلط کرتے ان کو	اِلَيْكُمُ	تمہاری طرف
صُدُوْرُهُمْ	ان کے سینے	عَلَيْكُمْ	تم پر	السَّلَمَ	صلح
اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ(۲)	اس سے کہ لڑیں وہ تم سے	فَلَقٰتَلُوْكُمْ	پس وہ تم سے لڑتے	فَمَا جَعَلَ	تو نہیں بنائی
اَوْ يُقَاتِلُوْا	یا لڑیں وہ	فَاِنِ	پس اگر	اللهُ لَكُمْ	اللہ نے تمہارے لئے
قَوْمَهُمْ	اپنی قوم سے	اعْتَزَلُوْكُمْ	جدا رہیں وہ تم سے	عَلَيْهِمْ	ان پر
وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے	فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ	پس نہ لڑیں وہ تم سے	سَبِيْلًا	کوئی راہ

۲-دو قسم کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ کرنے کی ممانعت

ایک: وہ جو کسی ایسی قوم کے حلیف ہوں جن سے مسلمانوں کا ناجنگ معاہدہ ہے، جیسے حدیبیہ میں مسلمانوں کی قریش سے صلح ہوئی تو بنومدلج اور بنوبکر قریش کے حلیف ہوگئے۔

دوم: وہ کفار جو خود براہِ راست مسلمانوں سے صلح کی پیشکش کریں اور مسلمان ان کی پیشکش قبول کرلیں۔

ان دونوں قسم کے غیر مسلموں سے جہاد کا حکم نہیں، کیونکہ دونوں پرامن طریقہ پر مسلمانوں کے ساتھ رہنے کے لئے تیار ہیں، پس مسلمان بھی ان کے ساتھ پرامن رہیں۔

آیتِ کریمہ: وہ لوگ مستثنیٰ ہیں (۱) جو کسی ایسی قوم سے جاملیں —— یعنی حلیف ہوجائیں —— کہ تمہارے اور ان کے درمیان ناجنگ معاہدہ ہے (۲) یا تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ ان کے سینے تنگ ہورہے ہوں تمہارے ساتھ لڑنے سے یا اپنی قوم (کفار) کے ساتھ لڑنے سے —— یعنی وہ خود صلح کی پیش کش کریں —— اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ان کو تم پر مسلط کردیتے پس وہ تم سے جنگ کرتے! —— یہ ارشاد بمنزلۂ تعلیل ہے یعنی اسی بات کو غنیمت جانو کہ وہ تم سے صلح وآشتی چاہتے ہیں، پس ان کی صلح کی پیش کش کو قبول کرلو، کیونکہ یہ ممکن تھا کہ وہ برسر پیکار ہوجاتے: پھر تم کیا کرتے؟ —— پس اگر وہ تم سے الگ تھلگ رہیں اور وہ تم سے جنگ نہ کریں اور تم سے صلح کی پیش کش کریں تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ نہیں رکھی —— یعنی ان دونوں قسم کے کفار سے لڑنا جائز نہیں۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَ يَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا

(۱) حصرت: جملہ حالیہ ہے (۲) أن سے پہلے عن مقدر ہے۔

إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۚ فَإِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿٩١﴾

سَتَجِدُوْنَ	عنقریب پاؤگے تم	أُرْكِسُوا(۱)	الٹے کئے گئے وہ	فَخُذُوْهُمْ	تو پکڑو ان کو
اٰخَرِيْنَ	دوسروں کو	فِيْهَا	اس میں	وَاقْتُلُوْهُمْ	اور قتل کرو ان کو
يُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہیں وہ	فَإِنْ لَّمْ	پس اگر نہ	حَيْثُ	جہاں کہیں
أَنْ يَّأْمَنُوْكُمْ	کہ بےخوف رہیں تم سے	يَعْتَزِلُوْكُمْ	الگ تھلگ رہیں وہ تم سے	ثَقِفْتُمُوْهُمْ(۳)	پاؤ تم ان کو
وَيَأْمَنُوْا	اور بےخوف رہیں	وَيُلْقُوْا(۲)	اور (نہ) ڈالیں وہ	وَأُولٰٓئِكُمْ	اور یہ لوگ
قَوْمَهُمْ	اپنی قوم سے	إِلَيْكُمُ	تمہاری طرف	جَعَلْنَا لَكُمْ	بنائی ہم نے تمہارے لئے
كُلَّمَا	جب بھی	السَّلَمَ	صلح	عَلَيْهِمْ	ان پر
رُدُّوْٓا	لوٹائے گئے وہ	وَيَكُفُّوْٓا(۲)	اور (نہ) روکیں وہ	سُلْطٰنًا	حجت
إِلَى الْفِتْنَةِ	فساد کی طرف	أَيْدِيَهُمْ	اپنے ہاتھوں کو	مُّبِيْنًا	کھلی

۳-بدعہدی کرنے والے کفار کے ساتھ معاملہ

کچھ لوگ مسلمانوں سے عہد کر جاتے ہیں کہ وہ نہ تم سے لڑیں گے نہ اپنی قوم سے، تاکہ وہ تم سے اور اپنی قوم سے: دونوں سے امن میں رہیں، پھر وہ اس عہد پر قائم نہیں رہتے، جب اپنی قوم (کفار) کا غلبہ دیکھتے ہیں تو ان کے مددگار بن جاتے ہیں، ایسے لوگوں سے تم بھی درگذر مت کرو، تمہارے ہاتھ تو صریح حجت آگئی کہ انھوں نے اپنا عہد خود توڑ ڈالا۔

اس کی مثال بنو قریظہ کا معاملہ ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے عہد کیا تھا کہ اگر دشمن باہر سے حملہ آور ہوگا تو وہ بھی دفاع میں حصہ لیں گے، مگر غزوۂ احزاب میں جب انھوں نے قریش کا پلّہ بھاری دیکھا تو نقضِ عہد کر کے ان کا ساتھ دیا، جس کی ان کو سخت سزا دی گئی۔

آیتِ کریمہ: اب تم کچھ اور لوگوں کو پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم (کفار) سے بھی

(۱) أُرکسوا: ماضی مجہول: إرکاس: سر کے بل اوپر سے نیچے تک بالکل الٹ دینا (۲) یلقوا اور یکفوا: نفی کے تحت ہیں۔
(۳) ثَقِفَ (س) ثَقفًا: پانا، ادراک کرنا، اصل معنی ہیں: مہارت سے کوئی کام انجام دینا، مثقف: مہذب، سلیقہ مند۔

امن میں رہیں، ان کو جب بھی فساد کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اس میں اندھادھند گھس پڑتے ہیں، پس اگر وہ تم سے الگ تھلگ نہ رہیں، اور تمہارے سامنے صلح کی پیش کش نہ کریں، اور وہ اپنے ہاتھ نہ روکیں تو ان کو پکڑو، اور ان کو جہاں بھی پاؤ قتل کرو، یہی لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے تمہارے لئے کھلی دلیل فراہم کردی ہے!

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

وَمَا كَانَ	اور نہیں ہے	مُّسَلَّمَةٌ	پہنچایا ہوا	وَاِنْ كَانَ	اور اگر ہے وہ
لِمُؤْمِنٍ	کسی مسلمان کے لئے	اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ	مقتول کے ورثاء کو	مِنْ قَوْمٍ	قوم سے
اَنْ يَّقْتُلَ	کہ قتل کرے وہ	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	بَيْنَكُمْ	تمہارے درمیان
مُؤْمِنًا	کسی مسلمان کو	يَّصَّدَّقُوْا	معاف کردیں وہ	وَبَيْنَھُمْ	اور ان کے درمیان
اِلَّا خَطَـًٔا	مگر غلطی سے	فَاِنْ كَانَ	پس اگر ہے وہ	مِّيْثَاقٌ	عہدو پیان ہے
وَمَنْ قَتَلَ	اور جس نے قتل کیا	مِنْ قَوْمٍ	قوم سے	فَدِيَةٌ	تو خوں بہا ہے
مُؤْمِنًا	کسی مسلمان کو	عَدُوٍّ لَّكُمْ	تمہاری دشمن	مُّسَلَّمَةٌ	پہنچایا ہوا
خَطَـًٔا	غلطی سے	وَھُوَ	اور وہ	اِلٰٓى اَھْلِهٖ	مقتول کے ورثاء کو
فَتَحْرِيْرُ	تو آزاد کرنا ہے	مُؤْمِنٌ	مسلمان ہے	وَتَحْرِيْرُ	اور آزاد کرنا ہے
رَقَبَةٍ	ایک گردن	فَتَحْرِيْرُ	تو آزاد کرنا ہے	رَقَبَةٍ	ایک گردن
مُّؤْمِنَةٍ	مسلمان کی	رَقَبَةٍ	ایک گردن	مُّؤْمِنَةٍ	مسلمان کی
وَّدِيَةٌ	اور خوں بہا ہے	مُّؤْمِنَةٍ	مسلمان کی	فَمَنْ لَّمْ	پس جو شخص

يَجِدْ	نہ پائے (بردہ)	مُتَتَابِعَيْنِ	پے بہ پے	وَكَانَ اللهُ	اور ہیں اللہ
فَصِيَامُ	تو روزے ہیں	تَوْبَةً	گناہ بخشوانے کو	عَلِيْمًا	بہت جاننے والے
شَهْرَيْنِ	دو ماہ کے	مِّنَ اللهِ	اللہ سے	حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے

ربط: دور سے جہاد کا بیان چل رہا ہے، جہاد میں کبھی غلطی سے مسلمان کے ہاتھ سے مسلمان مارا جاتا ہے، جنگِ احد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد یمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے تھے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ چلاتے رہے! میرے ابا! میرے ابا! مگر کسی نے نہ سنا اوران کو شہید کردیا، اس لئے اب قتل خطا کے احکام بیان فرماتے ہیں، مسلمان کو قتل کرنا گناہِ عظیم ہے، مگر انجانے میں مارا جاسکتا ہے، پھر ان کے ذیل میں مجاہدین کی فضیلت، ہجرت کی ضرورت اور سفر اور خوف کی نماز کی کیفیت کا بیان ہے (ازفوائد)

قتل کی بنیادی قسمیں تین ہیں

۱- قتلِ عمد: جان لینے کے ارادے سے ایسے آلہ سے قتل کرنا جو آہنی ہو، جیسے تلوار، چھری اور چاقو، یا تفریقِ اعضاء میں آہنی آلہ کی طرح ہو، جیسے دھاردار بانس یا دھاردار پتھر —— قتل عمد کا دنیوی حکم قصاص ہے، اور اس کا ذکر سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۸) میں گذر چکا ہے، اور اخروی حکم اگلی آیت میں آرہا ہے۔

۲- قتلِ شبہِ عمد: قتل قصداً تو ہو، مگر ایسے آلہ سے نہ ہو جس سے اعضاء میں تفریق ہوجاتی ہے، جیسے لاٹھی سے مارا، قرآنِ کریم کی اصطلاح میں یہ بھی قتلِ خطا ہے، اور اس کا حکم بھی اس آیت میں ہے۔

۳- قتلِ خطا: وہ قتل ہے جس میں مقتول کی جان لینا مقصود نہ ہو، مگر جان چلی جائے، اور اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) سمجھنے میں غلطی ہوجائے، جیسے دور سے جانور سمجھا اور گولی چلادی، قریب آئے تو معلوم ہوا کہ وہ انسان تھا۔

(ب) نشانہ لگانے میں غلطی ہوجائے، جیسے نشانہ لیا نیل گائے کا، اور گولی لگ گئی کسی انسان کو۔

اس آیت میں قتلِ خطا سے مراد غیر عمد ہے، پس شبہِ عمد اور قتل خطا دونوں آیت میں شامل ہیں۔ دونوں میں دیت بھی ہے اور گناہ بھی، مگر دونوں میں تفاوت ہے، شبہ عمد کی دیت چار قسم کے سو اونٹ ہیں اور قتل خطا کی دیت پانچ قسم کے سو اونٹ ہیں، تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔ اور شبہ عمد میں گناہ قتل خطا کے گناہ سے زیادہ ہے، کیونکہ شبہ عمد میں مار ڈالنے کا ارادہ ہوتا ہے، اور قتل خطا میں صرف بے احتیاطی ہوتی ہے —— اور اگر دیت میں نقد دیا جائے تو دونوں قسموں میں دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار دینے ہونگے —— اور دیت قاتل کا عاقلہ (اہلِ نصرت) تین سال میں ادا کرے گا۔

شبہ عمد اور قتلِ خطا کے احکام

اس آیت میں شبہِ عمد اور قتلِ خطا کے دو حکم مذکور ہیں:

(الف) مسلمان بَردہ (غلام یا باندی) آزاد کرنا، اور وہ میسر نہ ہو تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا (اور اس کی استطاعت نہ ہو تو مسلسل توبہ کرتے رہنا ہے) یہ گناہ بخشوانے کے لئے ہے، جو کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوسکتا۔

(ب) مقتول کے ورثاء کو خوں بہا (خون کی قیمت) دینا، یہ ان کا حق ہے، ان کے معاف کرنے سے معاف ہوسکتا ہے، اور دیت کی تین صورتیں ہیں: اس لئے کہ جس مسلمان کو قتل کیا ہے اس کے وارث مسلمان ہونگے یا کافر، اور کافر ہیں تو ان سے مصالحت ہے یا دشمنی؟ —— اگر ورثاء مسلمان ہیں یا ان سے مصالحت ہے تو ان کو خون بہا دینا ہوگا —— اور اگر کافر دشمن ہیں تو خون بہا لازم نہ ہوگا، البتہ کفارہ سب صورتوں میں ہوگا؛ کیونکہ مقتول مسلمان تھا۔

آیتِ کریمہ: کسی مسلمان سے ہو نہیں سکتا کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے، مگر غلطی سے (ممکن ہے) اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو وہ ایک مسلمان بَردہ (غلام یا باندی) آزاد کرے، اور مقتول کے ورثاء کو خون بہا پہنچائے، مگر یہ کہ وہ معاف کردیں —— تَصَدُّق کے اصل معنی: صدقہ خیرات کرنے کے ہیں، چونکہ پوری یا کچھ دیت معاف کرنا باعثِ اجر ہے؛ اس لئے اس کو صدقہ سے تعبیر کیا ہے —— پھر اگر مقتول تمہاری دشمن قوم کا ہو، اور وہ خود مسلمان ہو تو ایک مسلمان بَردہ کا آزاد کرنا ہے —— اس صورت میں دیت نہیں —— اور اگر وہ ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان ناجنگ معاہدہ ہو تو مقتول کے ورثاء کو خون بہا پہنچانا ہے، اور ایک مسلمان بَردہ آزاد کرنا ہے، پس جو شخص بَردہ نہ پائے وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے، یہ اللہ تعالیٰ سے گناہ بخشوانے کے لئے ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

وَمَنْ	اور جو شخص	جَهَنَّمُ	دوزخ ہے	عَلَيْهِ	اس پر
يَّقْتُلْ	قتل کرے	خٰلِدًا	پڑا رہے گا	وَلَعَنَهٗ	اور رحمت سے دور کردیا اس کو
مُؤْمِنًا	کسی مسلمان کو	فِيْهَا	اس میں	وَاَعَدَّ لَهٗ	اور تیار کیا اس کے لئے
مُّتَعَمِّدًا	جان کر	وَغَضِبَ	اور غضبناک ہوئے	عَذَابًا	عذاب
فَجَزَآؤُهٗ	تو اس کی سزا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	عَظِيْمًا	بڑا

قصداً قتلِ مؤمن کی سخت سزا

قصداً قتلِ مؤمن کی سزا بڑی سخت ہے، آیتِ کریمہ کا لب ولہجہ دیکھیں، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کو قصداً قتل کرنے والے کی بخشش نہیں ہوگی، مگر تمام اہل حق متفق ہیں کہ بجز کفر وشرک کے کوئی امر موجب خلود فی النار نہیں (تھانوی رحمہ اللہ) پس خلود سے مراد مدتِ دراز تک جہنم میں پڑا رہنا ہے، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے: ''پڑا رہے گا اس میں'' پس یہ غایت بیان کئے بغیر سزا کا بیان ہے، اور خلود کے مفہوم میں ہیشگی ہے بھی نہیں، ورنہ اس کے ساتھ جگہ جگہ أبدًا کے اضافہ کی ضرورت نہیں تھی، اور سورۃ ہود میں ﴿ مَا دَامَتْ ﴾ کی قید نہ آتی۔

غایت بیان کئے بغیر سزا: جیسے: جج بڑے مجرم کو سزا دے کہ اسے جیل میں ڈالو اور وہیں پڑا رہنے دو، اور یہ بیان نہ کرے کہ بیس سال کی سزا دی ہے یا عمر قید کی، تو یہ غایت بیان کئے بغیر سزا ہے، پھر کوئی خاص دن آئے، جیسے یومِ جمہوریہ اور کورٹ نے کچھ مجرموں کو آزاد کیا اور ان میں اس مجرم کو بھی شامل کرلیا تو ایسا ممکن ہے۔

ملحوظہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو فرمایا ہے کہ قاتلِ عمد کی بخشش نہیں ہوگی، اس کی تفصیل تحفۃ الالمعی (۳۲۸:۴) میں ہے۔

آیتِ کریمہ: اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں پڑا رہے گا، اور اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوئے، اور اس کو اپنی رحمت سے محروم کردیا، اور اس کے لئے اللہ نے بڑا عذاب تیار کیا ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	اے وہ لوگو جو	اللَّهِ	اللہ کے	إِلَيْكُمُ	تمہاری طرف
آمَنُوا	ایمان لائے	فَتَبَيَّنُوا[1]	تو خوب تحقیق کرلیا کرو	السَّلَامَ	سلام
إِذَا ضَرَبْتُمْ	جب تم سفر کرو	وَلَا تَقُولُوا	اور مت کہو	لَسْتَ مُؤْمِنًا	نہیں ہے تو مسلمان
فِي سَبِيلِ	راستے میں	لِمَنْ أَلْقَىٰ	اس سے جو ڈالے	تَبْتَغُونَ	چاہتے ہو تم

(۱) تَبَیُّن (باب تفعل): تحقیق کرنا، امر، صیغہ جمع مذکر حاضر۔

عَرَضَ	سامان	كَذٰلِكَ	اسی طرح	فَتَبَيَّنُوْا	پس خوب تحقیق کرلیا کرو
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیوی زندگی کا	كُنْتُمْ	تھے تم	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
فَعِنْدَ اللّٰهِ	پس اللہ کے پاس ہیں	مِّنْ قَبْلُ	قبل ازیں	كَانَ بِمَا	ہیں ان سے جو
مَغَانِمُ	غنیمتیں	فَمَنَّ اللّٰهُ	پس احسان کیا اللہ نے	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو
كَثِيْرَةٌ	بہت	عَلَيْكُمْ	تم پر	خَبِيْرًا	باخبر

جس کے مسلمان ہونے کا احتمال ہو، اس کو قتل کرنا جائز نہیں

جہاد میں اس کی نوبت آتی ہے کہ ایک شخص خود کو مسلمان ظاہر کرتا ہے، سلام کرتا ہے تو ظاہر حال کا اعتبار کیا جائے، اس کو مسلمان سمجھا جائے، اور قتل نہ کیا جائے، اور آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں متعدد واقعات مروی ہیں، دو روایتیں درج ذیل ہیں:

حدیث(۱): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: بنوسُلیم کا ایک آدمی صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا، درانحالیکہ اس کے ساتھ اس کی بکریاں تھیں، پس اس نے صحابہ کو سلام کیا، صحابہ نے کہا: اس شخص نے تمہیں سلام نہیں کیا مگر تا کہ پناہ حاصل کرے وہ تم سے، یعنی تلوار سے بچنے کے لئے سلام کیا ہے، پس وہ اٹھے اور اس کو قتل کر دیا، اور اس کی بکریاں لے لیں، پس وہ ان بکریوں کو نبی ﷺ کے پاس لائے تو یہ آیتِ پاک نازل ہوئی۔

حدیث(۲): مسلم شریف (حدیث ۹۶) میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، انھوں نے ایک شخص کو **لا إلٰه إلا الله** کہنے کے بعد قتل کر دیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم نے اس کو کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کر دیا؟'' حضرت اسامہؓ نے عرض کیا: اس نے تلوار کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا، آپؐ نے فرمایا: **أَفَلَا شَقَقْتَ عن قلبه حتى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أم لا؟**: پس کیا تم نے اس کا دل نہیں چیرا کہ تم جانتے کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا ہے یا نہیں؟

تشریح: آیتِ پاک سے اور اس کے شانِ نزول کی دونوں روایتوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ایمان کے معاملہ میں انتہائی احتیاط چاہئے، اور ظاہر پر عمل کرنا چاہئے؛ کیونکہ قلبی کیفیت کا کوئی ادراک نہیں کر سکتا، پس اگر ایمان کی کوئی قولی یا فعلی علامت پائی جائے تو اس کا اعتبار کر کے اس پر اسلام کے احکام جاری کرنے چاہئیں، کفر والا معاملہ اس کے ساتھ نہیں کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تمہارا حال بھی پہلے ایسا ہی تھا، تم بھی دار الکفر میں رہتے تھے، تمہاری کوئی شناخت نہیں تھی، نہ لباس میں نہ تراش خراش میں، اس وقت تم قول ہی سے اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، تم

دارالاسلام میں پہنچ گئے، تمہاری وضع قطع اور لباس پوشاک مسلمانوں جیسا ہو گیا، اور تم قول کے علاوہ حلیہ سے بھی پہچانے جانے لگے، مگر جو مسلمان کافروں کے درمیان بود و باش رکھتے ہیں ان کی کوئی الگ پہچان نہیں ہے، پس بلا تحقیق ان کو قتل مت کرو، احتیاط سے کام لو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ جیسے تمہارے ظاہری اعمال سے واقف ہیں، دلوں کے احوال سے بھی واقف ہیں، اگر کوئی تمہیں سلام کر کے دھوکہ دے اور جان و مال بچالے تو وہ اللہ کو معلوم ہے، وہ اس کو دیکھ لیں گے، تم اس کے ظاہر کا اعتبار کرو اور اس کو قتل مت کرو۔

آیتِ کریمہ: اے ایمان والو! جب تم راہِ خدا میں (یعنی جہاد کے لئے) سفر کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو، اور ایسے شخص سے جو تمہیں سلام کرے یہ مت کہو کہ تو مسلمان نہیں! تم دنیوی زندگی کا سامان چاہتے ہو —— یعنی مالِ غنیمت کے لئے اس کو قتل کرنا چاہتے ہو —— سو (جان لو کہ) اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں —— وہ تمہیں کسی اور جگہ سے مالا مال کر دیں گے —— تم بھی تو قبل ازیں ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا (قتل کرنے سے پہلے) خوب تحقیق کر لیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھنے والے ہیں —— وہ دیکھ رہے ہیں کہ تم نے تحقیق کر کے قتل کیا یا بغیر تحقیق کے!

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰي ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

ع ۱۳ / ۵ / ۱۰

لَا يَسْتَوِي	یکساں نہیں	اُولِي الضَّرَرِ	عذر والے	بِاَمْوَالِهِمْ	اپنے مالوں سے
الْقٰعِدُوْنَ	بیٹھ رہنے والے	وَ الْمُجٰهِدُوْنَ	اور لڑنے والے	وَ اَنْفُسِهِمْ	اور اپنی جانوں سے
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمان	فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	فَضَّلَ اللّٰهُ	بڑھایا اللہ نے
غَيْرُ (۱)	نہیں	اللّٰهِ	اللہ کے	الْمُجٰهِدِيْنَ	لڑنے والوں کا

(۱) غیر: القاعدون کی دوسری صفت ہے۔

بِاَمْوَالِهِمْ	اپنے مالوں سے	الْحُسْنٰى	بھلائی کا	مِّنْهُ	اللہ کی طرف سے
وَاَنْفُسِهِمْ	اور اپنی جانوں سے	وَفَضَّلَ اللّٰهُ	اور بڑھایا اللہ نے	وَمَغْفِرَةً	اور بخشش
عَلَى الْقٰعِدِيْنَ	بیٹھنے والوں پر	الْمُجٰهِدِيْنَ	لڑنے والوں کو	وَّرَحْمَةً	اور مہربانی
دَرَجَةً (۱)	ایک درجہ	عَلَى الْقٰعِدِيْنَ	بیٹھنے والوں پر	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
وَكُلًّا (۲)	اور سبھی سے	اَجْرًا عَظِيْمًا	بڑے اجر میں	غَفُوْرًا	بڑے بخشنے والے
وَّعَدَ اللّٰهُ	وعدہ کیا ہے اللہ نے	دَرَجٰتٍ (۳)	یعنی درجات	رَّحِيْمًا	بڑے مہربان

مجاہدین کی فضیلت اور جہاد کی ترغیب

ربط: اس سے پہلی آیت میں کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرنے پر تنبیہ فرمائی تھی، اس لئے احتمال تھا کہ کوئی جہاد کرنے سے رک جائے، کیونکہ مجاہدین کو ایسی صورت پیش آ ہی جاتی ہے، اس لئے مجاہدین کی فضیلت بیان فرما کر جہاد کی رغبت دلائی گئی (فوائد)

فرماتے ہیں: جو غیر معذور لوگ جہاد سے پیچھے رہتے ہیں وہ مرتبہ میں ان لوگوں کے برابر نہیں جو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں —— یہ بالا جمال تفاوتِ درجات کا بیان ہے۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو: جہاد نہ کرنے والوں پر ایک بڑے درجہ میں برتری بخشی ہے —— یہ نفس جہاد کے اعتبار سے تفاوتِ درجات کا بیان ہے۔

پھر فرمایا: فریقین میں سے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے، کیونکہ دخول جنت کے لئے جہاد شرط نہیں، بخاری شریف کی روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا، اور نماز کا اہتمام کیا، اور رمضان کے روزے رکھے (اور مال کی زکوٰۃ ادا کی اور حج فرض ہوا تو حج کیا اور کبیرہ گناہوں سے بچا رہا تو) اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ اس کو جنت میں داخل کریں، اس نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا ہو، یا اپنی اس سرزمین میں بیٹھا رہا ہو جس میں وہ جنا گیا ہے" صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم لوگوں کو یہ خوشخبری سنادیں؟ آپؐ نے فرمایا: (نہیں کیونکہ) "جنت میں سو درجے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کئے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان آسمان وزمین کا تفاوت ہے، پس جب تم اللہ سے مانگو تو فردوس (بہشت بریں) مانگو، کیونکہ وہ جنت کا بہترین اور اعلیٰ ترین درجہ ہے، اور اس سے اوپر رحمٰن کا عرش ہے، اور فردوس سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں" (مشکوٰۃ حدیث ۳۷۸۷) اس حدیث میں

(۱) درجة: فَضَّل کا مفعول مطلق ہے (۲) کلا: وعد کا مفعول مقدم ہے (۳) درجات: أجراً عظيماً سے بدلِ کل ہے۔

نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے جو بات ارشاد فرمائی ہے وہ اسی آیت سے مستفاد ہے۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بغیر عذر کے بیٹھے رہنے والوں پر بڑے اجر میں برتری بخشی ہے، اس اجر عظیم کی تفصیل سورۃ التوبہ (آیات ۱۲۰ و ۱۲۱) میں ہے، پھر اجر عظیم سے بدل لائے ہیں کہ وہ اجر عظیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے بہت سے مراتب ہیں، ساتھ ہی بخشش اور مہربانی بھی ہے۔

﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ کو بعد میں کیوں نازل کیا؟

جب یہ آیتِ پاک نازل ہوئی تھی تو ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ نازل نہیں کیا گیا تھا، آیت اس طرح نازل کی گئی تھی: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ اور نزول کے ساتھ ہی یہ آیت لکھوا بھی لی گئی تھی، پھر جب آپؐ نے مجمع میں یہ آیت پڑھ کر سنائی تو حضرت ابن ام مکتومؓ نے کھڑے ہو کر اپنا عذر بیان کیا، تو آپؐ پر آثارِ وحی طاری ہوئے، اور ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ نازل ہوا، چنانچہ شانے کی ہڈی یا تختی منگوا کر آیتِ کریمہ میں اس کا اضافہ کیا۔

اور ایسا اس لئے کیا گیا کہ احکام کی آیتیں اسی طرح نازل کی جاتی تھیں، پہلے معاشرہ میں واقعہ رونما ہوتا تھا، پھر جب لوگوں کے ذہنوں میں حکم شرعی کی طلب پیدا ہوتی تھی تو متعلقہ آیتیں نازل کی جاتی تھیں، جن کو سنتے ہی صحابہ مطلب سمجھ جاتے تھے، ان کو سمجھانا نہیں پڑتا تھا۔ جیسے ہدایہ آخرین کا ایک مسئلہ استاذ سمجھاتے سمجھاتے تھک جاتا ہے، پھر بھی آدھے طلبہ نہیں سمجھتے، اور یہی واقعہ ایک گاؤں میں رونما ہوتا ہے، گاؤں والے امام صاحب سے صورت واقعہ لکھوا کر دارالافتاء کو بھیجتے ہیں، مفتی صاحب چند سطروں میں جواب دیتے ہیں، جب جواب گاؤں میں پہنچتا ہے، اور امام صاحب گاؤں والوں کو جمع کر کے فتوی سناتے ہیں تو سب اس مسئلہ کو کماحقہ سمجھ جاتے ہیں، کیونکہ صورتِ واقعہ پہلے سے ان کے سامنے ہوتی ہے، اسی طرح آیات احکام کے نزول میں اس کا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ پہلے واقعہ رونما ہو پھر متعلقہ آیتیں نازل کی جائیں، اس آیت میں بھی اگر ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ پہلے نازل کر دیا جاتا تو شاید سب لوگ اس کا مصداق نہ سمجھ سکتے، اس لئے اتنا حصہ روک لیا گیا، پھر جب ابن ام مکتومؓ نے سوال کیا اور اس کے جواب میں یہ ٹکڑا نازل ہوا تو سب لوگ سمجھ گئے کہ معذور ایسے ہوتے ہیں، جن کا آیت میں استثناء کیا گیا ہے۔

معذور لوگ مجاہدین کے ساتھ ملحق ہیں:

معذور مؤمنین جیسے: اندھے، لولے، لنجے، مجاہدین کے ساتھ ملحق ہیں، تبوک سے واپسی پر نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا: ''مدینہ میں کچھ لوگ ہیں کہ نہیں چلے تم کوئی چال اور نہیں طے کیا تم نے کوئی میدان مگر وہ تمہارے ساتھ تھے، کیونکہ ان کو

عذر نے روک رکھا ہے'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ معذور مؤمنین، مجاہدین کے ساتھ ملحق ہیں، البتہ ان کو مجاہدین کا اصلی ثواب ملے گا، فضلی (انعامی) ثواب نہیں ملے گا، وہ مجاہدین کے لئے خاص ہے۔

ان آیات کے ذیل میں دو سوال ہیں:

پہلا سوال: پہلی آیت میں تین مرتبہ قاعدین کا ذکر آیا ہے، اور پہلی جگہ غیر أولی الضرر کی قید آئی ہے، مگر دوسری دو جگہوں میں یہ قید نہیں آئی، پس کیا وہاں بھی یہ قید ملحوظ ہے؟

دوسرا سوال: پہلی آیت میں درجة (مفرد) آیا ہے، اور دوسری آیت میں درجات (جمع) آیا ہے، ان میں کیا فرق ہے؟ یعنی درجة سے کیا مراد ہے اور درجات سے کیا مراد ہے؟

جواب: غیر أولی الضرر کی قید آگے بھی دونوں جگہ ملحوظ ہے، اور درجة سے نفس جہاد کے اعتبار سے درجہ کا تفاوت مراد ہے، اور درجات سے: جہاد کے علاوہ دیگر اعمال کی وجہ سے درجات کا تفاوت مراد ہے۔

آیتِ کریمہ: یکساں نہیں غیر معذور بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کے راستہ میں جان و مال سے لڑنے والے مسلمان، اللہ نے جان و مال سے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑے درجہ میں برتری بخشی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے سبھوں سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم میں برتری بخشی ہے، یعنی اللہ کی طرف سے ملنے والے درجات اور مغفرت اور رحمت! اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٠٠﴾

ع ۱۴

إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جو لوگ	جَهَنَّمُ	دوزخ ہے	فِي سَبِيلِ	راستے میں
تَوَفّٰهُمُ	جان نکالتے ہیں ان کی	وَسَآءَتْ	اور بری ہے وہ	اللّٰهِ	اللہ کی
الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتے	مَصِيرًا	لوٹنے کی جگہ	يَجِدْ	پائے گا وہ
ظَالِمِيٓ (۱)	درانحالیکہ وہ ظلم کرنے	إِلَّا	مگر	فِي الْأَرْضِ	زمین میں
	والے ہیں	الْمُسْتَضْعَفِينَ	بے بس (کمزور)	مُرٰغَمًا (۲)	ہجرت کی جگہ
أَنْفُسِهِمْ	اپنی ذاتوں پر	مِنَ الرِّجَالِ	مردوں سے	كَثِيرًا	بہت
قَالُوْا	کہا فرشتوں نے	وَالنِّسَآءِ	اور عورتوں سے	وَّسَعَةً	اور کشادگی
فِيمَ كُنْتُمْ	کس حال میں تھے تم؟	وَالْوِلْدَانِ	اور بچوں سے	وَمَنْ يَّخْرُجْ	اور جو شخص نکلے
قَالُوْا	کہا انھوں نے	لَا يَسْتَطِيعُوْنَ	نہیں طاقت رکھتے وہ	مِنْۢ بَيْتِهٖ	اپنے گھر سے
كُنَّا	تھے ہم	حِيلَةً	کسی تدبیر کی	مُهَاجِرًا	وطن چھوڑتے ہوئے
مُسْتَضْعَفِينَ	بے بس (کمزور)	وَلَا يَهْتَدُوْنَ	اور نہیں جانتے وہ	إِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف
فِي الْأَرْضِ	زمین میں	سَبِيلًا	کوئی راہ	وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول کی طرف
قَالُوْٓا	کہا فرشتوں نے	فَأُولٰٓئِكَ	پس یہ لوگ	ثُمَّ يُدْرِكْهُ	پھر آ پکڑے اس کو
أَلَمْ تَكُنْ	کیا نہیں تھی	عَسَى اللّٰهُ	ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ	الْمَوْتُ	موت
أَرْضُ اللّٰهِ	اللہ کی زمین	أَنْ يَّعْفُوَ	کہ درگذر کریں	فَقَدْ وَقَعَ	تو بالیقین ثابت ہوگیا
وَاسِعَةً	کشادہ	عَنْهُمْ	ان سے	أَجْرُهٗ	اس کا بدلہ
فَتُهَاجِرُوْا	پس ہجرت کرتے تم	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
فِيهَا	اس میں	عَفُوًّا	بڑے درگذر کرنے والے	وَكَانَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ ہیں
فَأُولٰٓئِكَ	پس یہ لوگ	غَفُوْرًا	بڑے معاف کرنے والے	غَفُوْرًا	بڑے بخشنے والے
مَأْوٰىهُمْ	ان کا ٹھکانہ	وَمَنْ يُّهَاجِرْ	اور جو ہجرت کرے	رَّحِيمًا	بڑے مہربان

(۱) ظالمی: توفاهم کی ضمیر مفعول سے حال ہے، اور إن کی خبر محذوف ہے، أی هلكوا، اور اسم فاعل کا نونِ جمع اضافت کی وجہ سے گرا ہے، اور اضافت: مفعول بہ کی طرف ہے (۲) مُرَاغم: باب مفاعلہ کے وزن پر ظرفِ مکان ہے: بھاگنے کی جگہ، ہجرت کا مقام رغم (ف،س): مٹی سے لگ جانا، اور ذلیل ہونا، رَغِمَ أنفه: ذلیل ہوا۔

ربط: دورِ اول میں جہاد: ہجرت پر موقوف تھا، لوگ وطن چھوڑ کر مدینہ آئیں گے جبھی جہاد شروع ہوگا، اس لئے اب ہجرت کی فرضیت اور متعلقہ مسائل کا بیان ہے۔

جس ملک میں مسلمان آزادی سے دین پر عمل نہ کرسکیں، وہاں سے ہجرت فرض ہے

مکی دور میں صحابہ نے دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا راستہ کھول دیا، پس سب مسلمان ہجرت کرکے مدینہ آگئے، اور جہاد شروع ہوگیا، مگر کچھ لوگ مکہ ہی میں رہے، انھوں نے ہجرت نہیں کی، جبکہ وہ ہجرت کرسکتے تھے، بلکہ جنگِ بدر میں وہ کفار کے لشکر میں نکلے، اور ان کی نفری بڑھائی، پھر وہ لوگ میدانِ بدر میں لقمۂ اجل بنے، ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۚ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۚ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں کی فرشتے روح قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ انھوں نے اپنے اوپر ظلم کر رکھا ہے —— یعنی ہجرت نہیں کی، بلکہ کفار کے ساتھ بدر میں آئے اور مارے گئے —— ان سے فرشتے پوچھتے ہیں: تمہارے احوال کیا تھے؟ —— یعنی تم نے ہجرت کیوں نہیں کی؟ —— وہ کہتے ہیں: ہم سرزمین (مکہ) میں بے بس تھے! فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ —— یقیناً تھی، مگر وطن کی محبت نے ان کو ہجرت نہ کرنے دی —— ایسوں کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔

ضعیف مرد، عورتیں اور بچے قابل معافی ہیں

ابتدائے اسلام میں ہجرت فرض تھی، لیکن حالتِ عذر میں اس کی فرضیت ساقط تھی، کمزور مرد، عورتیں اور بچے مستثنیٰ تھے، جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ انھوں نے ہجرت نہیں کی تھی، اللہ نے ان سے درگذر کیا۔

﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۙ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴾

ترجمہ: البتہ مستثنیٰ ہیں کمزور مرد، عورتیں اور بچے جو نہ کوئی تدبیر کرسکتے ہیں نہ کوئی راستہ پاتے ہیں، پس امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کریں گے، اور اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والے بڑے بخشنے والے ہیں۔

ہجرت کرنے میں اس بات سے مت ڈرو کہ کہاں رہیں گے؟ اور کیا کھائیں گے؟

وطن چھوڑنا آسان نہیں، یہ خیال جان کھاتا ہے کہ کہاں جائیں گے؟ کہاں رہیں گے؟ کیا کھائیں گے؟ اس لئے فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے واسطے ہجرت کرے گا اور اپنا وطن چھوڑ دے گا، اس کو زمین میں رہنے کی بہت جگہ ملے گی اور اس کی روزی میں فراخی ہوگی؛ لہٰذا یہ وساوس دل سے نکال دو، اور نکل کھڑے ہوؤ!

﴿ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ﴾

ترجمہ: اور جو اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں رہنے کی بہت جگہ اور گنجائش پائے گا۔

ایک انجانا خطرہ کہ اگر راستہ میں موت آگئی تو کیا ہوگا؟

فرماتے ہیں: اس صورت میں بھی ہجرت کا پورا ثواب ملے گا، اور موت تو وقتِ مقررہ پر آنی ہے، اس سے کیوں ڈرتے ہو!

﴿ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۰۰ ﴾

ترجمہ: اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلا، پھر اسے موت نے آ پکڑا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ثابت ہو چکا، اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں!

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ڰ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝۱۰۱

وَاِذَا	اور جب	اَنْ تَقْصُرُوْا	(اس بات میں) کہ کم	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے
ضَرَبْتُمْ	تم سفر کرو		کرو تم	كَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	مِنَ الصَّلٰوةِ	نماز سے	اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ	بیشک منکرینِ اسلام
فَلَيْسَ	تو نہیں ہے	اِنْ خِفْتُمْ	اگر ڈرو تم	كَانُوْا	ہیں وہ
عَلَيْكُمْ	تم پر	اَنْ يَّفْتِنَكُمُ	(اس سے) کہ فتنہ میں	لَكُمْ	تمہارے
جُنَاحٌ	کچھ گناہ		ڈالیں گے تم کو	عَدُوًّا مُّبِيْنًا	کھلے دشمن

ربط: اس آیت کا تعلق صلاۃِ خوف سے ہے، آیت کے آخر میں اس کی صراحت ہے، جہاد میں کبھی میدانِ کارزار میں

نماز پڑھنی پڑتی ہے، دشمن سامنے ہوتا ہے، اور اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ نماز کے دوران حملہ کر دے گا، اس لئے شریعت نے دو سہولتیں دیں: ایک: رباعی نماز کی رکعتوں میں آخر سے کچھ کمی کر دی جائے، اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ دوسری: نماز کی ہیئتِ کذائی میں تخفیف کر دی کہ نماز بھی پڑھی جائے اور حفاظتِ خودی کا خیال بھی رکھا جائے، اس کا بیان اگلی آیت میں ہے۔ پھر اس آیت کو خوف کی نماز سے نکال دیا، خوف کے بغیر بھی قصر کا حکم باقی رہا، البتہ آئندہ آیت کا حکم خوف کے ساتھ خاص ہے، پس یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ آیت بھی صلاۃِ خوف کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب صلاۃ الخوف میں دونوں آیتیں لکھی ہیں۔

سفر شرعی میں قصر واجب ہے، دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو

سفر شرعی میں قصر یعنی رباعی نمازیں دو رکعت پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔ پھر اتمام کے جائز ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ یعنی سفر میں رباعی نماز پوری پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے: حنفیہ کے نزدیک قصر واجب ہے، اور قصر: قصر اسقاط ہے، پس پوری نماز پڑھنا جائز نہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قصر: قصر ترفیہ ہے، پس اتمام بھی جائز ہے۔ پھر ان کے درمیان اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قصر اور اتمام یکساں ہیں، کوئی اولیٰ یا غیر اولیٰ نہیں اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: قصر افضل ہے اور اتمام جائز ہے۔ غرض بنیادی نقطۂ نظر دو ہیں: حنفیہ کے نزدیک قصر واجب ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قصر و اتمام دونوں جائز ہیں، کوئی واجب نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: سورۃ النساء کی یہ آیت ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ یعنی جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (رباعی) نماز سے کم کرو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کفار تمہیں پریشانی میں ڈالیں گے۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں: لاجناح: اباحت کی تعبیر ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ قصر کرنا جائز ہے واجب نہیں۔ پس اس کا مقابل اتمام بھی جائز ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سفر میں اتمام کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہر جگہ پوری نماز پڑھتی تھیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے خلافت کے آخری سالوں میں حج کے موقع پر مکہ میں پوری نماز پڑھانی شروع کی۔ اگر اتمام جائز نہ ہوتا تو یہ حضرات سفر میں پوری نماز کیسے پڑھتے؟

اور حنفیہ کا استدلال: یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفائے راشدین نے مواظبتِ تامہ کے ساتھ سفر میں رباعی نماز قصر پڑھی ہے۔ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں سفر میں رباعی نماز پوری پڑھی ہو،

بلکہ حضورا کرم ﷺ کے بعد سوسال تک صحابہ کا زمانہ ہے، اور ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ تھے، کسی صحابی کے بارے میں یہ مروی نہیں کہ انھوں نے سفر میں اتمام کیا ہو، اور حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما جو اتمام کرتے تھے تو وہ اپنے عمل کی تاویل کرتے تھے۔ تاویل کے بغیر کسی صحابی نے سفر میں اتمام نہیں کیا۔ پس نبی ﷺ کا مواظبتِ تامہ کے ساتھ قصر کرنا وجوب کی دلیل ہے۔ اور اتمام کے جواز کے سلسلہ میں کوئی روایت نہیں، نہ کسی صحابی کا تاویل کے بغیر اتمام کرنا مروی ہے پس قصر واجب ہے اور اتمام جائز نہیں۔

اور آیت کریمہ کی جو تفسیر ائمہ ثلاثہ نے کی ہے کہ **لیس علیکم جناح**: اباحت کی تعبیر ہے اس کا جواب بخاری (حدیث ۱۶۴۳) میں ہے، حضرت عروۃ نے (جو مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں اور حضرت عائشہؓ کے بھانجے ہیں) اپنی خالہ سے دریافت کیا کہ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۵۸) میں ارشاد پاک ہے: ﴿ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾ یعنی جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے (یہ بعینہٖ وہی تعبیر ہے جو یہاں سورۃ النساء کی آیت میں ہے) حضرت عروۃ نے کہا: اس سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حج اور عمرہ میں سعی واجب نہیں۔ حالانکہ سعی حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ آیت کا صحیح مطلب نہیں سمجھے، اگر سعی صرف جائز ہوتی تو تعبیر یہ ہوتی: **فلا جناح علیه أن لایطوف بهما**: یعنی حج اور عمرہ کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کرے۔ حضرت عروۃ اہل لسان تھے، بات ان کی سمجھ میں آ گئی، مگر یہ سوال باقی رہا کہ آخر یہ تعبیر کیوں ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: انصار زمانۂ جاہلیت میں جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان دو پہاڑیوں پر دو بت رکھے ہوئے تھے۔ وہ ان کو خدا نہیں مانتے تھے پھر جب اسلام کا زمانہ آیا اور بت وہاں سے ہٹا دیئے گئے تو بھی انصار کو قدیم نظریہ کے مطابق سعی کرنے میں حرج محسوس ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کو سمجھایا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی ان بتوں کی وجہ سے نہیں کی جاتی ہے بلکہ اس کا پس منظر کچھ اور ہے۔ لہٰذا بے تکلف سعی کرو اور دل میں کوئی حرج محسوس نہ کرو، اس لئے **لا جناح** کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ غرض یہ اباحت کی تعبیر نہیں ہے بلکہ انصار کے دلوں سے بوجھ ہٹانے کے لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ یہی بات یہاں بھی ہے ﴿ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ﴾ اباحت کی تعبیر نہیں ہے۔ اگر اتمام جائز ہوتا تو تعبیر یہ ہوتی: **فلیس علیکم جناح أن أتموا صلاتکم** یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز پوری پڑھو۔ اگر یہ تعبیر ہوتی تو اس کا مقابل قصر جائز ہوتا، رہی یہ بات کہ آخر یہ تعبیر کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو بندے حضر میں ہمیشہ ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار رکعتیں پڑھتے ہیں

جب سفر میں ان سے دو رکعتیں پڑھنے کے لئے کہا جائے گا تو ان کے دل پر بوجھ پڑے گا۔ اس وجہ سے یہ تعبیر اختیار کی ہے کہ سفر میں دو رکعتیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور جو دو صحابہ سفر میں اتمام کرتے تھے ان سے سوالات ہوئے ہیں۔ اگر سفر میں قصر واجب نہ ہوتا تو لوگ کیوں اعتراض کرتے؟ اور ان کو اپنے عمل کی وجہ کیوں بیان کرنی پڑتی؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو اپنے عمل کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ان کے حق میں سفر متحقق ہی نہیں ہوتا کیونکہ وہ تمام مسلمانوں کی ماں ہیں پس دنیا میں جہاں بھی رہیں وہ اپنے بیٹوں کے گھر ہیں اور ماں اپنے بیٹوں کے گھر مسافر نہیں ہوتی۔ یہ تاویل صحیح ہے یا نہیں؟ اس سے بحث نہیں۔ سمجھنے کی بات صرف اتنی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے عمل کی تاویل کی ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت کے شروع میں چھ یا آٹھ سال تک جب حج کرانے کے لئے مکہ تشریف لاتے تو نماز قصر پڑھاتے تھے، پھر حضرت کا عمل بدل گیا اور مکہ میں اور منی میں چار رکعتیں پڑھانی شروع کیں تو لوگوں نے سوال کیا۔ آپؓ نے جواب دیا: میں نے مکہ کے قریب ایک گاؤں میں شادی کی ہے، میں پہلے مدینہ سے سیدھا اس گاؤں میں آتا ہوں، پھر ایک ماہ کے بعد وہاں سے مکہ آتا ہوں اس لئے مسافر نہیں ہوتا۔ غرض یہ دونوں اکابر اپنے عمل کی تاویل کرتے تھے، تاویل کے بغیر کسی صحابی نے سفر میں اتمام نہیں کیا (حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی تاویلات متفق علیہ روایت میں ہیں (مشکوۃ حدیث ۱۳۴۸) اور تفصیل شرح معانی الآثار (۱:۲۷۷) میں ہے)

علاوہ ازیں: مسلم شریف میں حدیث ہے کہ یعلی بن امیہؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء (آیت ۱۰۱) میں قصر کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ کافروں کے پریشان کرنے کا اندیشہ ہو، اور اب اسلام کا جھنڈا لہرا رہا ہے، ہر طرف امن وامان ہے، جزیرۃ العرب میں کوئی کافر قبیلہ نہیں رہا، اب قصر کیوں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے بھی یہ خیال آیا تھا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات دریافت کی تھی تو آپؐ نے فرمایا: ''یہ ایک خیرات ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی خیرات کو قبول کرو'' (مشکوۃ حدیث ۱۳۳۵) یعنی إن خفتم کی قید اولاً چاہے احترازی رہی ہو مگر بعد میں یہ قید احترازی نہیں رہی، اتفاقی ہوگئی، لہٰذا کافروں کے اندیشہ کے بغیر بھی قصر واجب ہے، کیونکہ یہ اللہ کا صدقہ ہے، اور سخی کی خیرات قبول کرنا ہی زیبا ہے۔ اب اگر کوئی نماز پوری پڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی خیرات کو رد کرتا ہے جو کسی طرح زیبا نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک یہ قصر: قصر اسقاط ہے یعنی سفر میں اللہ تعالیٰ نے رباعی نمازوں میں سے دو رکعتیں کم کردی ہیں پس سفر میں رباعی نماز پوری پڑھنا فجر کی نماز چار رکعتیں پڑھنے کی طرح ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ قصر: قصر ترفیہ (ترخیص) ہے۔ یعنی شریعت نے مسافر کو سہولت دی ہے کہ وہ چاہے تو قصر کرے اور چاہے تو نماز پوری

پڑھے۔ واللہ اعلم

فائدہ: قصر صرف رباعی نماز میں ہے، مغرب اور فجر میں قصر نہیں، رباعی نماز کی آخری دو رکعتیں خالی ہیں، اس لئے وہ کم کردی گئی ہیں اور مغرب وتر النہار ہے، اس کی شروع ہی سے تین رکعتیں فرض ہوئی ہیں، پس اگر اس میں سے ایک رکعت کم کردی جائے گی تو اس میں وتریت کی شان باقی نہیں رہے گی، اور قصر کے لئے نماز آدھی کرنا ضروری نہیں، ایک رکعت کم کی جائے تو بھی قصر ہے، جیسے احرام کھولنے کے لئے عورت قصر کراتی ہے یعنی چوٹی سے بقدر انملہ کاٹتی ہے۔ اور فجر میں قصر اس لئے نہیں کہ ایک رکعت صلاتِ بتیرا (دُم کٹی نماز) ہے جو ناقص نماز ہے۔

مسئلہ: سفر شرعی محتاط اندازے کے مطابق ۸۷ کلومیٹر سے کچھ زیادہ ہے۔

آیتِ کریمہ: اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کے آخر سے کچھ کم کردو، اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تمہیں آزمائش میں مبتلا کریں گے وہ لوگ جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا —— اور اس اندیشہ کی وجہ سے ایک جگہ زیادہ دیر ٹھہرنا خلافِ مصلحت ہو تو قصر پڑھ کر آگے چل دو —— بے شک منکرینِ اسلام تمہارے کھلے دشمن ہیں!

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا۟ أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا۟ فَلْيَكُونُوا۟ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا۟ فَلْيُصَلُّوا۟ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا۟ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَٰحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَن تَضَعُوٓا۟ أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا۟ حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾

وَإِذَا كُنتَ	اور جب ہوں آپ	فَلْتَقُمْ	تو چاہئے کہ کھڑی ہو	فَإِذَا سَجَدُوا	پس جب سجدہ کرلیں وہ
فِيهِمْ	لوگوں میں	طَآئِفَةٌ	ایک جماعت	فَلْيَكُونُوا	تو چاہئے کہ ہو جائیں وہ
فَأَقَمْتَ	پس کھڑی کریں آپ	مِّنْهُم مَّعَكَ	ان میں سے آپ کے ساتھ	مِن وَرَآئِكُمْ	تمہارے پیچھے
لَهُمُ	ان کے لئے	وَلْيَأْخُذُوٓا	اور چاہئے کہ لے لیں وہ	وَلْتَأْتِ	اور چاہئے کہ آئے
الصَّلَوٰةَ	نماز	أَسْلِحَتَهُمْ	اپنے ہتھیار	طَآئِفَةٌ	جماعت

اُخْرٰى	دوسری	وَ اَمْتِعَتِكُمْ	اور تمہارے سامان سے	اَوْ كُنْتُمْ	یا ہوتم
لَمْ يُصَلُّوْا	نہیں نماز پڑھی انھوں نے	فَيَمِيْلُوْنَ	تو پل پڑیں وہ	مَّرْضٰٓى	بیمار
فَلْيُصَلُّوْا	پس چاہیے کہ نماز پڑھیں وہ	عَلَيْكُمْ	تم پر	اَنْ تَضَعُوْٓا	کہ رکھ دو
مَعَكَ	آپؐ کے ساتھ	مَّيْلَةً	پل پڑنا	اَسْلِحَتَكُمْ	تمہارے ہتھیار
وَلْيَاْخُذُوْا	اور چاہیے کہ لے لیں وہ	وَّاحِدَةً	یکبارگی	وَخُذُوْا	اور لے لو
حِذْرَهُمْ	اپنا بچاؤ	وَلَا جُنَاحَ	اور کوئی گناہ نہیں	حِذْرَكُمْ	تمہارا بچاؤ
وَ اَسْلِحَتَهُمْ	اور اپنے ہتھیار	عَلَيْكُمْ	تم پر	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ نے
وَدَّ	تمنا کرتے ہیں	اِنْ كَانَ	اگر ہو	اَعَدَّ	تیار کیا ہے
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	جنھوں نے کفر کیا	بِكُمْ	تمہارے ساتھ	لِلْكٰفِرِيْنَ	منکرینِ اسلام کیلئے
لَوْ تَغْفُلُوْنَ	اگر بے خبر ہو جاؤ تم	اَذًى	کوئی تکلیف	عَذَابًا	عذاب
عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ	تمہارے ہتھیاروں سے	مِّنْ مَّطَرٍ	بارش سے	مُّهِيْنًا	رسوا کن

نمازِ خوف کا بیان

پوری امت متفق ہے کہ صلاۃ الخوف آج بھی مشروع ہے اور اُسے پڑھنا جائز ہے، صرف امام ابو یوسفؒ اور امام مزنیؒ (جو امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں) اختلاف کرتے ہیں۔ وہ صلاۃ الخوف کی مشروعیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ امام مزنیؒ تو کہتے ہیں اس کی مشروعیت منسوخ ہے مگر نسخ کی کوئی دلیل نہیں۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں: سورۃ النساء کی جس آیت (۱۰۲) میں صلاۃ الخوف کا تذکرہ آیا ہے اس میں یہ قید ہے کہ یہ نماز اس وقت مشروع ہے جب حضور اکرم ﷺ نماز پڑھائیں، جب آپؐ کا وصال ہو گیا تو اب اس کی مشروعیت ختم ہوگئی، کیونکہ شرط باقی نہیں رہی، اس کو نسخ بھی کہہ سکتے ہیں، مگر یہ دلیل اس وجہ سے کمزور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد متعدد جنگوں میں صحابہ نے صلاۃ الخوف پڑھی ہے۔ پس سورۃ النساء (آیت ۱۰۲) میں إذا كنتَ فيهم کی قید اتفاقی ہے۔

اور روایات میں صلاۃ الخوف مختلف طرح سے مروی ہے۔ امام ابو داود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں آٹھ طریقے، ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں نو طریقے، اور ابن حزم ظاہری نے المحلّٰی میں چودہ طریقے ذکر کئے ہیں۔ اور ابوالفضل عراقی نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، اس میں انھوں نے سترہ طریقے ذکر کئے ہیں، یعنی نبی ﷺ سے سترہ طریقوں سے صلاۃ الخوف پڑھنا مروی ہے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس باب کی سب روایتیں صحیح ہیں، کوئی روایت ضعیف نہیں۔ پس سب طریقوں پر جو حضور اکرم ﷺ سے مروی ہیں صلاۃ الخوف پڑھنا جائز ہے۔ اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ البتہ ان میں سے کونسے طریقہ پر صلاۃ الخوف پڑھنا افضل ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جو طریقہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے، اس طرح صلاۃ الخوف پڑھنا افضل ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں: جو طریقہ سہل بن ابی حثمہ کی روایت میں ہے، اس طرح پر صلاۃ الخوف پڑھنا افضل ہے۔

حنفیہ کا طریقہ: یہ ہے کہ فوج کے دو حصے کئے جائیں، ایک حصہ دشمن کے مقابل کھڑا رہے اور دوسرے حصے کو امام اگر مسافر ہے تو ایک رکعت اور مقیم ہے تو دو رکعتیں پڑھائے۔ پھر یہ جماعت دشمن کے مقابل چلی جائے، اور جو طائفہ دشمن کے مقابل ہے وہ آکر صف بنائے اور نماز شروع کرے، پھر امام اس طائفہ کو ایک یا دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دے امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ طائفہ سلام پھیرے بغیر دشمن کی طرف چلا جائے۔ اور پہلا طائفہ واپس آئے اور صف بنا کر لاحق کی طرح یعنی قراءت کے بغیر ایک رکعت یا دو رکعت پڑھ کر نماز پوری کرے، پھر وہ دشمن کے مقابل جائے، اور دوسرا طائفہ آئے، اور وہ بھی صف بنا کر مسبوق کی طرح یعنی قراءت کے ساتھ بقیہ نماز پوری کرے۔

ائمہ ثلاثہ کا طریقہ: یہ ہے کہ امام پہلے طائفہ کو ایک رکعت یا دو رکعت پڑھائے، پھر وہ طائفہ باقی نماز اسی وقت لاحق کی طرح پوری کرے پھر دشمن کے مقابل جائے اور امام دوسرے طائفہ کا انتظار کرے، جب دوسرا طائفہ آکر صف بنا کر نماز شروع کرے تو امام اس کو ایک رکعت یا دو رکعت پڑھائے اور سلام پھیر دے اور وہ لوگ مسبوق کی طرح باقی نماز پوری کریں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ اس میں نماز کے اندر نقل و حرکت نہیں کرنی پڑتی۔ اور احناف نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو دو وجہ سے اختیار کیا ہے: ایک: سورۃ النساء کی آیت ۱۰۲ میں صلاۃ الخوف کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے ابن عمرؓ کی حدیث میں مروی طریقہ اس سے اقرب ہے، اور قرآن میں بہتر صورت ہی لی جاتی ہے، اس لئے حنفیہ نے اس طریقہ کو افضل قرار دیا ہے۔ دوم: ابن عمرؓ کی حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، نہ سند میں نہ متن میں۔ اور سہل بن ابی حثمہ کی روایت میں سند میں بھی اختلاف ہے اور متن میں بھی، سند میں اختلاف یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان کے ایک استاذ یحییٰ بن سعید انصاری نے اس حدیث کو موقوف بیان کیا ہے۔ یعنی حضرت سہلؓ کی حدیث میں صلاۃ الخوف کا جو طریقہ مذکور ہے وہ حضرت سہل کا بیان کیا ہوا ہے، نبی ﷺ کا بیان کیا ہوا نہیں ہے، اور یحییٰ قطان کے دوسرے استاذ شعبہ رحمہ اللہ نے اس کو مرفوع بیان کیا ہے —— اور متن میں اختلاف یہ ہے کہ شعبہ والی سند سے جو مرفوع ہے، بخاری میں متن کچھ ہے اور نسائی میں کچھ۔ بخاری (حدیث ۴۱۳۱ کتاب المغازی) میں اس سند سے جو متن آیا

ہے وہ ائمہ ثلاثہ کے موافق ہے اور نسائی (۳:۱۷۰ مصری) میں جو متن آیا ہے وہ احناف کے موافق ہے۔ یعنی نسائی میں ابن عمر کی حدیث کے مطابق متن آیا ہے —— غرض ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سب سے اعلیٰ روایت ہے، اور اس کی سند میں اور متن میں کوئی اختلاف نہیں۔ نیز اس میں جو طریقہ ہے وہ نص قرآن سے قریب تر ہے۔ اس لئے احناف نے اس کو اختیار کیا ہے، اگرچہ اس طریقہ پر صلاۃ الخوف پڑھنے میں نماز کے اندر نقل وحرکت ہوتی ہے؛ مگر اس میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ اس نماز کی شان ہی نرالی ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ: اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ میدانِ جنگ میں کھڑے ہیں، دشمن مقابلہ پر ہے اور خطرات کی گھٹائیں ہر سو چھائی ہوئی ہیں: اس وقت شمشیر کے سایہ میں بھی مؤمن کو نماز ادا کرنی ہے (آسان تفسیر)

آیتِ کریمہ: اور جب آپؐ لوگوں میں ہوں، پس آپؐ ان کے لئے نماز کھڑی کریں تو ان کی ایک جماعت آپؐ کے ساتھ کھڑی ہو، اور وہ اپنے ہتھیار لے لیں —— باندھ لیں، پہن لیں —— پھر جب وہ سجدہ کرلیں تو وہ تمہارے پیچھے ہوجائیں —— یعنی دشمن کے مقابل چلے جائیں —— اور دوسری جماعت جس نے ابھی نماز شروع نہیں کی: آئے، اور وہ آپؐ کے ساتھ نماز پڑھے، اور وہ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لے —— منکرینِ اسلام تو چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہوجاؤ تو وہ تم پر یکبارگی حملہ کردیں —— اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا بیمار ہو تو اپنے ہتھیار رکھ دو، اور اپنا بچاؤ لے لو —— بے شک اللہ تعالیٰ نے اسلام کا انکار کرنے والوں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کررکھا ہے!

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاۗءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾

ع ۱۵/۱۲

فَاِذَا	پس جب	اللّٰهَ	اللہ کو	فَاِذَا	پس جب		
قَضَيْتُمُ	پوری کرلو تم	قِيٰمًا	کھڑے	اطْمَاْنَنْتُمْ	بے خوف ہوجاؤ تم		
الصَّلٰوةَ	نماز	وَّ قُعُوْدًا	اور بیٹھے	فَاَقِيْمُوا	تو اہتمام کرو		
فَاذْكُرُوا	تو یاد کرو	وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ	اور اپنی کروٹوں پر	الصَّلٰوةَ	نماز کا		

اِنَّ الصَّلٰوۃَ	بے شک نماز	الْقَوْمِ	لوگوں کے	وَ تَرْجُوْنَ	اور امید رکھتے ہو تم
كَانَتْ	ہے	اِنْ تَكُوْنُوْا	اگر ہو تم	مِنَ اللّٰہِ	اللہ سے
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں پر	تَاْلَمُوْنَ[۳]	تکلیف محسوس کرتے	مَا لَا يَرْجُوْنَ	جو نہیں امید رکھتے وہ
كِتٰبًا[۱]	لکھی ہوئی	فَاِنَّهُمْ	پس بیشک وہ (بھی)	وَكَانَ	اور ہیں
مَّوْقُوْتًا[۲]	وقت کی پابندی کے ساتھ	يَاْلَمُوْنَ	تکلیف محسوس کرتے ہیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَلَا تَهِنُوْا	اور نہ بودے بنو تم	كَمَا تَاْلَمُوْنَ	جیسے تم تکلیف محسوس	عَلِيْمًا	علیم
فِي ابْتِغَآءِ	پیچھا کرنے میں		کرتے ہو	حَكِيْمًا	حکیم

نمازِ خوف سے فارغ ہوکر ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کو یاد کرو

نمازِ خوف سے فارغ ہوگئے، اس میں تو بے اطمینانی کی وجہ سے تخفیف کی گئی، مگر اب نماز سے فراغت کے بعد ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ کو یاد کرو، کسی حال میں ان کی یاد سے غافل مت رہو، جس کے عقل وحواس ٹھکانے نہ ہوں وہ معذور ہے، اور کوئی معذور نہیں۔

﴿ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ﴾

ترجمہ: پھر جب تم نماز ادا کرلو تو اللہ تعالیٰ کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے یاد کرو۔

جب خوف جاتا رہے تو اہتمام کے ساتھ نماز ادا کرو

جب خوف ختم ہوجائے اور خاطر جمع ہوجائے تو اہتمام سے نماز ادا کرو، تعدیلِ ارکان، رعایتِ شروط اور محافظتِ آداب کے ساتھ نماز پڑھو، اور خاص طور پر دو باتوں کا خیال رکھو:

۱- نماز فرض ہے، اطمینان کی حالت ہو یا خوف کی: ہر حال میں نماز پڑھنا ضروری ہے، سولی پر بھی پڑھنا ضروری ہے اور بچہ پیدا ہو رہا ہو اس وقت بھی پڑھنا ضروری ہے، یہ نہیں کہ کبھی پڑھی، کبھی نہیں پڑھی؛ بلکہ ٹھاٹھ سے (ریگولر) پڑھنا ضروری ہے، کتابا کا یہی مطلب ہے۔

۲- نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے، ہر نماز کی ابتدا اور انتہا ہے، حدیث میں ہے: **إن للصلاة أولاً وآخراً** (ترمذی) اسی لئے احناف نے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے سفر اور بیماری وغیرہ میں بھی جمع حقیقی کی اجازت نہیں

(۱) کتاب: مصدر: لکھنا، مراد فرض کی ہوئی (۲) موقوت: اسم مفعول: وقت مقرر کیا ہوا (۳) أَلِمَ (س) أَلَمًا: دردمند ہونا، سخت تکلیف پانا۔

دی،صرف جمع صوری کی اجازت دی ہے،موقوتًا کا یہی مطلب ہے۔

﴿ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿١٠٣﴾ ﴾

ترجمہ: پھر جب تم بے خوف ہوجاؤ تو نماز کا اہتمام کرو، بے شک نماز مسلمانوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔

بھاگتے ہوئے دشمن کا پیچھا کرو

فرمایا تھا کہ کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں، وہ نماز میں بھی تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا جب نمازِ خوف سے فارغ ہوجاؤ تو ان سے لوہا لو اور ان کو مار بھگاؤ؛ بلکہ ان کا تعاقب کرو، اور ان کو کیفرِ کردار تک پہنچاؤ، اور یہ مت سوچو کہ ہم تھکے ماندے اور زخم خوردہ ہیں ان کا بھی تو یہی حال ہے، پھر وہ بھاگے جارہے ہیں، تم بھی ان کو کھدیڑو، اور تمہیں ثوابِ عظیم کی امید ہے، ان کو یہ امید نہیں، پھر تم کیوں سست پڑتے ہو!

فائدہ: یہ آیت غزوۂ حمراء الاسد کے موقع پر نازل ہوئی ہے، یہ غزوہ: غزوۂ احد کے بعد فوراً پیش آیا ہے، معرکۂ احد کے دوسرے دن نبی ﷺ نے اعلان کیا کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے چلنا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان فرمایا کہ ہمارے ساتھ صرف وہی آدمی چلے جو معرکۂ احد میں شریک تھا، صحابہ سب زخموں سے چور، غم سے نڈھال اور اندیشہ وخوف سے دوچار تھے، پس یہ آیت نازل ہوئی اور تمام صحابہ نے بلا تردد سر اطاعت خم کردیا، پروگرام کے مطابق رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور مدینہ سے آٹھ میل دور حمراء الاسد میں خیمہ زن ہوئے، مگر دشمن سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگتا چلا گیا اور مسلمان مظفر ومنصور لوٹ آئے۔ پس آیت کا شانِ نزول تو خاص ہے، مگر لوحِ محفوظ کی ترتیب میں آیت اس جگہ ہے، اور یہاں اس کا مطلب وہ ہے جو اوپر بیان کیا۔

﴿ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٠٤﴾ ﴾

ترجمہ: اور تم کافروں کا پیچھا کرنے میں ڈھیلے مت پڑو، اگر تم تکلیف سے دوچار ہو تو وہ بھی تمہاری طرح تکلیف سے دوچار ہیں، اور تم اللہ سے امیدوار ہو جس کی وہ امید نہیں رکھتے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں!

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿١٠٥﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا

تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝۱۰۷ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝۱۰۸

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ	بے شک ہم نے اتاری	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے	مِنَ النَّاسِ	لوگوں سے
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ	اور نہیں چھپتے وہ
الْكِتٰبَ(۱)	یہ کتاب (قرآن)	كَانَ غَفُوْرًا	ہیں بڑے بخشنے والے	مِنَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے
بِالْحَقِّ(۲)	دین حق پر مشتمل	رَّحِيْمًا	بڑے مہربان	وَهُوَ	حالانکہ وہ
لِتَحْكُمَ	تاکہ فیصلہ کریں آپ	وَلَا تُجَادِلْ	اور نہ جھگڑیں آپ	مَعَهُمْ	ان کے ساتھ ہیں
بَيْنَ النَّاسِ	لوگوں کے درمیان	عَنِ الَّذِيْنَ	ان کی طرف سے جو	اِذْ يُبَيِّتُوْنَ(۶)	جب رات میں مشورہ
بِمَآ	اس کے مطابق جو	يَخْتَانُوْنَ	خیانت کرتے ہیں		کرتے ہیں وہ
اَرٰىكَ(۳)	دکھلایا آپ کو	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں سے	مَا	اس کا جو
اللّٰهُ	اللہ نے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	لَا يَرْضٰى	اللہ پسند نہیں کرتے
وَلَا تَكُنْ	اور نہ ہوں آپ	لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	مِنَ الْقَوْلِ	بات سے
لِّلْخَآئِنِيْنَ	خیانت کرنے والوں کیلئے	مَنْ كَانَ	اس کو جو ہے	وَكَانَ	اور ہیں
خَصِيْمًا(۴)	سخت جھگڑا کرنے والے	خَوَّانًا	بڑا خیانت کرنے والا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَّاسْتَغْفِرِ(۵)	اور رحمت میں ڈھانکنے	اَثِيْمًا	گنہ گار	بِمَا يَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو
	کی درخواست کریں	يَّسْتَخْفُوْنَ	چھپتے ہیں وہ	مُحِيْطًا	گھیرنے والے

(۱) الكتاب کا الف لام عہد ذہنی ہے، مراد قرآنِ کریم ہے (۲) بالحق: الكتاب کا حال ہے أی مُلْتَبِسًا بالحق (جمل) (۳) أراك: دکھلایا یعنی سمجھایا (۴) خصیم: اسم مبالغہ، اور خصومت کے اصطلاحی معنی ہیں: مقدمہ کورٹ میں لے جانا پس خصیم کے معنی ہونگے: فریق۔ (۵) غَفَر کے مادہ میں چھپانے کا مفہوم ہے، مِغْفَر: خود، جو سر پر پہنا جاتا ہے، پس استغفار کے معنی ہیں: اللہ سے دعا کرنا کہ وہ اپنی رحمت میں چھپالیں، اور بے گناہ (معصوم) اس کا زیادہ حقدار ہے۔ (۶) بَيَّتَ: رات کے وقت سازش کرنا۔

رسالت کا بیان

یہاں سے آیت ۱۱۵ تک رسالت کا بیان ہے، رسول کا مقام ومرتبہ اور اس کی مخالفت کا انجام بیان کیا ہے، گذشتہ آیت میں کافروں کو کھدیڑنے کا حکم تھا، اب ان آیات میں منافقین سے محتاط رہنے کا حکم ہے، یہ بھی آستین کے سانپ ہیں، اور یہ آیات ایک واقعہ میں نازل ہوئی ہیں، چونکہ آیات میں اس واقعہ کی طرف اشارے ہیں، اس لئے پہلے وہ واقعہ پڑھ لیں:

واقعہ: بنو اُبَیرِق ایک خاندان تھا، اس میں ایک شخص بشیر نامی منافق تھا، اس نے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی بخاری (کوٹھری) میں نقب دے کر کچھ آٹا اور کچھ ہتھیار جو اس میں رکھے ہوئے تھے چرالئے، صبح کو یہ چیزیں پاس پڑوس میں تلاش کی گئیں، اور بعض قرائن سے بشیر پر شبہ ہوا۔

بنو ابیرق نے جو کہ بشیر کے شریک حال تھے اپنی براءت کے لئے حضرت لبید رضی اللہ عنہ کا نام لے دیا، حضرت رفاعہؓ نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی خدمت میں بھیج کر اس واقعہ کی اطلاع کی، آپؐ نے تحقیق کا وعدہ فرمایا۔

جب بنو ابیرق کو یہ خبر پہنچی کہ معاملہ نبی ﷺ تک پہنچ گیا ہے اور آپؐ نے تحقیق کا وعدہ فرمایا ہے تو وہ لوگ ایک شخص کے پاس جو اسی خاندان کا تھا جس کا نام اُسیر تھا جمع ہوئے، اور باہمی مشورہ کر کے نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: حضرت قتادہؓ اور حضرت رفاعہؓ نے بغیر گواہوں کے ایک مسلمان اور دیندار گھرانے پر چوری کا الزام لگایا ہے، اور ان کا مقصود یہ تھا کہ نبی ﷺ اس معاملہ میں ان کی طرفداری کریں، آپؐ نے طرف داری تو نہیں کی، البتہ اتنا ہوا کہ جب حضرت قتادہؓ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: ''تم ایسے لوگوں پر بے سند کیوں الزام لگاتے ہو؟'' حضرت قتادہؓ نے آکر اپنے چچا حضرت رفاعہؓ کو اس کی اطلاع دی، وہ اللہ پر بھروسہ کر کے خاموش ہو گئے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، پھر چوری ثابت ہوگئی، اور مال برآمد ہوا، جو مالک کو دلایا گیا چنانچہ بشیر ناخوش ہو کر مرتد ہو گیا، اور مکہ جا کر مشرکوں میں مل گیا، مگر وہاں بھی اس کو چین نصیب نہ ہوا، جس عورت کے مکان میں جا کر ٹھہرا تھا، جب اس کو حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار پہنچے تو اس نے بشیر کو نکال باہر کیا، یہ شخص ادھر اُدھر بھٹکتا رہا، آخر اس نے ایک اور شخص کے مکان میں نقب لگایا، پس دیوار اس کے اوپر گر گئی اور وہ وہیں دب کر مر گیا۔

نبی ﷺ قرآنِ کریم سے اور اپنی صوابدید سے فیصلہ کریں

سب سے پہلے یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپؐ پر قرآنِ کریم نازل کیا ہے، جو دینِ حق کی تعلیمات پر مشتمل ہے، یہ کتاب اسی لئے نازل کی گئی ہے کہ آپؐ اس کے مطابق فیصلہ کریں —— اس ارشاد میں مقدمات کا فیصلہ کرنے کے دو

اصول ذکر فرمائے ہیں:

ایک: تمام فیصلے کتاب اللہ کے احکام کے تابع ہونے چاہئیں، نزولِ قرآن کی یہی غرض وغایت ہے۔

دوم: نبی ﷺ اپنی صوابدید سے بھی فیصلے کرسکتے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ پر ایسے امور کھولتے ہیں جو صراحۃً قرآن میں مذکور نہیں ہوتے: ﴿بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ کا یہی مطلب ہے، اور اس سے سنت کی حجیت بھی ثابت ہوتی ہے، جیسا کہ آیت ۱۱۵ میں آرہا ہے۔

فائدہ: نبی ﷺ کو ایسے مسائل میں جن میں قرآنِ کریم کی کوئی نص صریح وارد نہ ہوئی ہو اجتہاد کرنے کا حق تھا، اس لئے کہ نبی ﷺ قرآنِ کریم سے جو کچھ سمجھتے تھے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا سمجھایا ہوا ہوتا تھا، سورۃ القیامہ میں ہے: ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ اس لئے غلط فہمی کا امکان نہیں تھا، اور یہ حق مجتہدینِ امت کو بھی حاصل ہے، سورۃ النحل میں ہے: ﴿وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ مگر دوسرے مجتہدین جو کچھ سمجھتے ہیں اس میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے، اور نبی ﷺ سے ایک مرتبہ جو اجتہاد میں خطا ہوئی ہے اس کی وحی نے اصلاح کردی، دوسرے مجتہدین کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے آپؐ پر دین کی تعلیمات پر مشتمل کتاب نازل کی ہے، تاکہ آپؐ لوگوں کے درمیان اُس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپؐ کو سُجھایا ہے!

قاضی مقدمہ میں کسی فریق کی طرفداری نہ کرے

اگر قاضی مقدمہ کے کسی فریق کی طرفداری کرے گا تو لوگوں کے لئے انصاف کا حصول مشکل ہوجائے گا، جس فریق کی طرفداری کرے گا وہ بے باک ہوجائے گا، اور دوسرا فریق مایوس ہوجائے گا۔ شانِ نزول کے واقعہ میں نبی ﷺ نے حضرت قتادہؓ سے جو فرمایا تھا کہ تم بے دلیل لوگوں پر الزام کیوں لگاتے ہو؟ یہ بنوابیرق کی طرفداری تھی، چنانچہ جب حضرت قتادہؓ نے یہ بات اپنے چچا حضرت رفاعہؓ کو بتلائی تو وہ واللہ المستعان کہہ کر خاموش ہوگئے، یعنی انصاف کے حصول سے مایوس ہوگئے، اس لئے قاضی کو ایسا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

استغفار کے معنی: غ، ف، ر کے مادہ میں چھپانے کا مفہوم ہے، الغِفَارَة: عورتوں کے سر کا رومال جو بالوں کو چھپاتا ہے، المِغْفَر: خَود، جو لڑائی میں سر کو بچاتا ہے، اور استغفار (باب استفعال) میں س، تا طلب کے لئے ہیں، پس استغفار کے معنی ہیں: اللہ سے دعا کرنا کہ وہ اپنی رحمت میں چھپالیں، گنہ گار کا گناہ معاف کرکے اور معصوم کو بدرجۂ اولیٰ! اور انبیاء معصوم ہوتے ہیں، مگر حسنات الأبرار سیئات المقربین، اس لئے نبی ﷺ کا ایک فریق کی طرف التفات بھی

مناسب نہیں تھا، اس لئے استغفار کا حکم دیا۔

﴿ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ وَّ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپؐ خیانت کرنے والوں کی —— یعنی ایک فریق کی —— طرفداری نہ کریں، اور اللہ سے دعا کریں کہ وہ آپؐ کو اپنی رحمت میں چھپالیں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔

وکلاء غلط فریق کا مقدمہ نہ لڑیں

کبھی وکیل جانتے ہوئے غلط فریق کا مقدمہ لڑتا ہے، اسلامی کورٹ میں تو ایڈووکیٹ (مُحَامِی) نہیں ہوتا، فریقین خود ہی مقدمہ کی پیروی کرتے ہیں، ان سے کہا جارہا ہے کہ بنوابیرق جو چور کی حمایت میں خدمتِ نبوی میں آئے ہیں اور چور کی طرف سے حجت بازی کررہے ہیں: وہ غلط کام کررہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے خائن گنہ گار کو پسند نہیں کرتے، یعنی چور کو پسند نہیں کرتے، پس جو اس کی حمایت کرے گا اس کو بھی پسند نہیں کریں گے۔

اور غیر اسلامی ملکوں میں مقدمات میں ہر فریق کو وکیل مل جاتا ہے، جو اس کی طرف سے لڑتا ہے اور اس کو جتانے کی کوشش کرتا ہے، جبکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا گاہک باطل پر ہے، پھر بھی اس کا مقدمہ لڑتا ہے، یہ حرام ہے اور ایسی آمدنی بھی حرام ہے! ایسے ہی وکیلوں کے بارے میں کہا ہے:

پیدا ہوا وکیل تو شیطان نے کہا: ❁ لو آج ہم بھی صاحبِ اولاد ہوگئے!

﴿ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپ ان لوگوں کی طرف سے فریق نہ بنیں جو اپنے آپ سے دغا کرتے ہیں —— مراد چور ہے —— بے شک اللہ تعالیٰ بڑے خائن گنہ گار کو پسند نہیں کرتے! —— مراد چور ہے۔

غلط مقدمات دائر کرنے والوں کو تنبیہ

لوگ غلط مقدمات دائر کرتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ وہ غلط ہیں، اور لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ وہ صحیح ہیں، لوگوں کے سامنے خود کو غلط کہنے سے شرماتے ہیں، مگر کیا وہ اللہ سے چھپ سکتے ہیں، جب رات میں وکیل کی آفس میں جا کر اپنے بوگس دلائل فراہم کرتے ہیں: اس وقت وہ اللہ سے نہیں شرماتے، جبکہ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔

اور شانِ نزول کے واقعہ میں ہے کہ چور کے حمایتی رات میں مشورہ کے لئے اکٹھا ہوئے تھے اور طے کیا تھا کہ کل خدمتِ نبوی میں حاضر ہوکر چور کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنی ہے، ان کو تنبیہ ہے کہ تمہاری سب حرکتوں کا اللہ تعالیٰ احاطہ

کئے ہوئے ہیں، وقت پر اس کی سزا دیں گے۔

﴿ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿۱۰۸﴾ ﴾

ترجمہ: وہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں، اور اللہ سے نہیں چھپتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں جب وہ رات میں اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ بات —— چور کو بچانے —— کا مشورہ کرتے ہیں، اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں سب اللہ کے قابو میں ہے!

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾

ع ۱۶

هٰٓاَنْتُمْ	سنتے ہو تم	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	يَجِدِ اللّٰهَ	پائے گا وہ اللہ کو
هٰٓؤُلَآءِ	اے لوگو!	اَمْ مَّنْ	یا کون	غَفُوْرًا	بڑا بخشنے والا
جٰدَلْتُمْ	لڑ لئے تم	يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ	ہوگا ان کا	رَّحِيْمًا	بڑا مہربان
عَنْهُمْ	ان کی طرف سے	وَكِيْلًا	کارساز	وَمَنْ	اور جو شخص
فِي الْحَيٰوةِ	زندگی میں	وَمَنْ يَّعْمَلْ	اور جو کرے	يَّكْسِبْ	کمائے
الدُّنْيَا	دنیا کی	سُوْٓءًا	کوئی برائی	اِثْمًا	کوئی گناہ
فَمَنْ	پس کون	اَوْ يَظْلِمْ	یا ظلم کرے	فَاِنَّمَا	تو اس کے سوا نہیں کہ
يُّجَادِلُ	لڑے گا	نَفْسَهٗ	اپنی ذات پر	يَكْسِبُهٗ	کماتا ہے وہ اس کو
اللّٰهَ	اللہ سے	ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ	پھر معافی مانگے	عَلٰى نَفْسِهٖ	اپنی ذات کے خلاف
عَنْهُمْ	ان کی طرف سے	اللّٰهَ	اللہ سے	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ پاک

عَلِیْمًا	خوب جاننے والے	خَطِیْٓئَۃً	کوئی غلطی	بَرِیْٓـًٔا	کسی بے گناہ کو
حَکِیْمًا	بڑی حکمت والے	اَوْ اِثْمًا	یا کوئی گناہ	فَقَدِ احْتَمَلَ	تو یقیناً اٹھایا اس نے
وَمَنْ	اور جو شخص	ثُمَّ یَرْمِ	پھر پھینک مارے وہ	بُھْتَانًا	جھوٹا الزام
یَّکْسِبْ	کمائے	بِہٖ	اس کے ساتھ	وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا	اور صریح گناہ

قیامت کے دن دغابازوں کی طرف سے حجت بازی اوران کی کارسازی کون کرے گا؟

جولوگ غلط مقدمات دائر کرتے ہیں، پھران کے بوگس شواہد وقرائن پیش کرتے ہیں،اور وکلاء بھی حقیقتِ حال جانتے ہوئے مقدمہ لڑتے ہیں، بلکہ اپنے گاہک کے حق میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں،ان کو تنبیہ کرتے ہیں کہ اس جہاں سے آگے جہاں اور بھی ہے، یہاں تو چور کے حمایتی نبی ﷺ کو دھوکہ دے سکتے ہیں،اس لئے کہ آپؐ عالم الغیب نہیں، حقیقتِ حال سے واقف نہیں،مگر کل قیامت کے دن جب یہ معاملہ اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگا:اس وقت دغابازوں کی طرف سے کون مقدمہ لڑے گا؟اور کون ان کی کارسازی کرے گا؟ کوئی نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال سے واقف ہونگے، کاش یہ بات آج دنیا میں لوگ جان لیں تو وہ غلط مقدمات دائر نہ کریں،اور نہ ان کے حمایتی ان کی طرف سے حجت بازی کریں۔

﴿ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فَمَنْ یُّجَادِلُ اللہَ عَنْھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَمْ مَّنْ یَّکُوْنُ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا ﴿۱۰۹﴾﴾

ترجمہ: تم سنتے ہو؟اے لوگو!تم نے ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں حجت بازی کرلی، پس قیامت کے دن کون ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے سامنے حجت بازی کرے گا؟اور کون ان کا کارساز ہوگا؟ —— کوئی نہیں ہوگا، کاش یہ بات لوگ ابھی سمجھ لیں!

توبہ کا دروازہ کھلا ہے، چور کی حمایت کرنے والے توبہ کریں

گناہ خواہ کیسا ہی ہو، چھوٹا ہو یا بڑا، لازم ہو یا متعدی: اس کا علاج توبہ واستغفار ہے،توبہ کرنے والا اللہ کی مغفرت سے محروم نہیں رہتا، جن لوگوں نے چور کی حمایت کی ہے ان کا گناہ بھی توبہ سے معاف ہوجائے گا،اور توبہ نہیں کریں گے تو اللہ کی رحمت سے محروم رہیں گے۔

﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللہَ یَجِدِ اللہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۱۰﴾﴾

ترجمہ: اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے، پھر اللہ سے بخشش چاہے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا بڑا مہربان پائے گا!

ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے

شانِ نزول کے واقعہ میں بنوابیرق نے پہلے چوری کا الزام لبید بن سہیلؓ پر لگایا تھا، جو مخلص مسلمان اور نیک آدمی تھے، جب انھوں نے یہ بات سنی تو انھوں نے تلوار سونت لی، اور کہا: کیا میں چوری کروں گا؟ پس بخدا! ضرور تم سے یہ تلوار مل جائے گی یا چوری واضح کرو، بنوابیرق نے کہا: او آدمی ہم سے پرے ہٹ! آپ چوری کے ذمہ دار نہیں ـــــ پھر انھوں نے اس یہودی کو متہم کیا جس کے پاس چرایا ہوا آٹا اور ہتھیار امانت رکھے تھے، وہ بے چارہ الزام دفع نہ کر سکا، اور قریب تھا کہ اس کا ہاتھ کٹے کہ یہ آیات نازل ہوئیں اور معاملہ کی حقیقت کھول دی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: جس نے چوری کی ہے وہی اپنی حرکت کا ذمہ دار ہے، دوسرا اس کو کیوں بھگتے؟

﴿ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرے وہ اپنے ہی حق میں گناہ کماتا ہے ـــــ یعنی وہی اس کا ذمہ دار ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں۔

کسی کے سر ناکردہ گناہ چیپنا کھلا گناہ ہے

بنوابیرق نے چوری کا الزام یہودی کے سر تھوپا تھا، یہ بہتان (ناکردہ گناہ کسی کے سر لگانا) اور کھلا گناہ ہے، چوری خود کی اور الزام یہودی پر دھرا، پس وبال بڑھ گیا، اور حاصل کچھ نہ ہوا کہ اللہ نے وحی سے پول کھول دیا۔

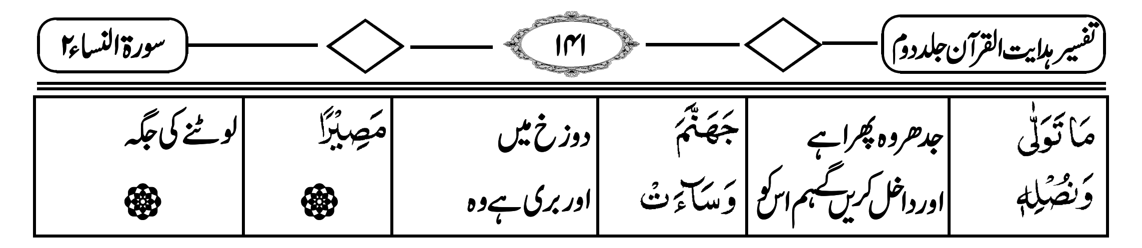
﴿ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗـــــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗـــــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور جو شخص کوئی غلطی یا گناہ کا ارتکاب کرے، پھر اس کو کسی بے قصور کے سر تھوپے تو اس نے بہتان لگایا اور صریح گناہ کا ارتکاب کیا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْھُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ع

وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتا	مَا لَمْ تَكُنْ	وہ باتیں جو نہیں تھے	ابْتِغَآءَ	چاہتے ہوئے
فَضْلُ اللّٰهِ	اللہ کا فضل	تَعْلَمُ	آپ جانتے	مَرْضَاتِ	خوشنودی
عَلَيْكَ	آپ پر	وَكَانَ	اور ہے	اللّٰهِ	اللہ کی
وَرَحْمَتُهٗ	اور اس کی مہربانی	فَضْلُ اللّٰهِ	اللہ کا فضل	فَسَوْفَ	تو عنقریب
لَهَمَّتْ	تو ارادہ کر چکی تھی	عَلَيْكَ	آپ پر	نُؤْتِيْهِ	دیں گے ہم اس کو
طَّآئِفَةٌ	ایک جماعت	عَظِيْمًا	بڑا	اَجْرًا	ثواب
مِّنْهُمْ	ان کی	لَا خَيْرَ	کچھ بھی بھلائی نہیں	عَظِيْمًا	بڑا
اَنْ يُّضِلُّوْكَ	کہ بہکا دیں وہ آپ کو	فِيْ كَثِيْرٍ	زیادہ تر	وَمَنْ	اور جو شخص
وَمَا يُضِلُّوْنَ	اور نہیں بہکائیں گے وہ	مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ	ان کے مشوروں میں	يُّشَاقِقِ	مخالفت کرے
اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ	مگر اپنے آپ کو	اِلَّا مَنْ	مگر جو شخص	الرَّسُوْلَ	اللہ کے رسول کی
وَمَا يَضُرُّوْنَكَ	اور نہیں نقصان پہنچائیں	اَمَرَ	حکم دے	مِنْۢ بَعْدِ	بعد
	گے وہ آپ کو	بِصَدَقَةٍ	خیرات کا	مَا تَبَيَّنَ	واضح ہونے
مِنْ شَيْءٍ	کچھ بھی	اَوْ مَعْرُوْفٍ	یا نیکی کے کام کا	لَهُ الْهُدٰى	اس کے لئے سیدھی راہ
وَاَنْزَلَ اللّٰهُ	اور اتاری ہے اللہ نے	اَوْ اِصْلَاحٍ	یا اصلاح کا	وَيَتَّبِعْ	اور پیروی کرے
عَلَيْكَ	آپ پر	بَيْنَ النَّاسِ	لوگوں کے درمیان	غَيْرَ سَبِيْلِ	علاوہ راستہ
الْكِتٰبَ	اپنی کتاب	وَمَنْ	اور جو شخص	الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں کے
وَالْحِكْمَةَ	اور دانشمندی کی باتیں	يَّفْعَلْ	کرے گا	نُوَلِّهٖ	(تو) پھیریں گے ہم
وَعَلَّمَكَ	اور سکھلائی ہیں آپ کو	ذٰلِكَ	یہ کام		اس کو



مَا تَوَلّٰی	جدھر وہ پھرا ہے	جَهَنَّمَ	دوزخ میں	مَصِيْرًا	لوٹنے کی جگہ
وَنُصْلِهٖ	اور داخل کریں گے ہم اس کو	وَسَآءَتْ	اور بری ہے وہ	۞	۞

ربط: رسالت کا بیان چل رہا ہے، ان آیات پر یہ مضمون پورا ہوگا، پھر ردّ اشراک کا مضمون شروع ہوگا، اور یہ تین آیتیں نہایت اہم ہیں، ان کا ایک مطلب تو شانِ نزول کے واقعہ کے اعتبار سے ہے، اور دوسرا مطلب الفاظ کے عموم کے اعتبار سے ہے، اس لئے دونوں کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے۔

شانِ نزول کے واقعہ کے اعتبار سے تینوں آیتوں کا مطلب

شانِ نزول کے واقعہ میں ہے کہ بشیر نامی منافق نے آٹا اور ہتھیار چرائے، اس کی قوم بنوابیرق اور محلّہ دار رات میں اکٹھا ہوئے، اور مشورہ میں طے کیا کہ جس طرح ہوسکے بشیر پر چوری ثابت نہ ہونے دو، یہودی کو چور بناؤ، اگلے دن سب خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، اور چور کی براءت پر قسمیں کھائیں، قریب تھا کہ یہودی چور سمجھا جائے اور مجرم قرار دیا جائے۔

اس پر یہ دو رکوع (آیات ۱۰۵-۱۱۵) نازل ہوئے، اور نبی ﷺ کو حقیقتِ حال سے واقف کیا گیا کہ چور یہی منافق ہے، اور یہودی بے قصور ہے، پھر جب بات کھل گئی تو وہ منافق بھاگ کر مکہ چلا گیا اور مشرکین سے مل گیا، وہاں وہ ایک عورت کا مہمان بنا، اِدھر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے چند اشعار کہے، جن میں اس کی اس حرکت کا تذکرہ کیا، جب وہ اشعار اس عورت کو پہنچے تو اس نے اس منافق کو گھر سے دھکا دیدیا، وہ اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا، پھر کسی کے گھر میں چوری کے لئے نقب لگایا، دیوار بودی تھی بیٹھ گئی، اور وہ دب کر مر گیا اور جہنم رسید ہوا۔

اس پسِ منظر میں اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں فرمایا کہ چور کے قبیلہ نے تو طے کر دیا تھا کہ نبی ﷺ سے غلط فیصلہ کرانا ہے، اور یہودی کو چور ثابت کرنا ہے، مگر آپؐ پر اللہ کا فضل اور مہربانی ہوئی کہ آپؐ اُن کے جھانسے میں نہیں آئے، اللہ نے وحی نازل کرکے حقیقت کھول دی۔

پھر فرمایا کہ اگر وہ آپ کو گمراہ کرتے اور غلط فیصلہ کراتے تو آپ کو کیا نقصان پہنچاتے؟ انہیں کا نقصان ہوتا، آپؐ کے فیصلہ میں تو غلطی کا امکان ہی نہیں ہے، وبال تو انہیں پر پڑتا، جنھوں نے جھوٹی قسمیں کھائی ہیں۔

پھر آیت کا تتمہ ہے کہ اللہ نے آپؐ پر اپنی کتاب اور حکمت یعنی احادیث شریفہ نازل کی ہیں، اور آپ کو دین کی وہ باتیں سکھلائی ہیں جن کو آپؐ نبوت سے پہلے نہیں جانتے تھے، اور واقعی بات یہ ہے کہ آپؐ پر اللہ کا فضل بے حساب ہے۔

اس آیت سے ایک خاص بات یہ معلوم ہوئی کہ قرآنِ کریم کی طرح حکمت یعنی احادیث شریفہ بھی اللہ کی طرف سے

نازل ہوئی ہیں، وہ بھی وحی جلی ہیں، اگرچہ غیر متلوّ ہیں۔

پھر دوسری آیت میں پہلے منفی پہلو سے ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ لوگوں کی اکثر خفیہ مجالس میں شاید باید ہی خیر کی بات ہوتی ہے، زیادہ تر سازشیں ہوتی ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ بنوابیرق نے جو خفیہ میٹنگ بھری تھی اس میں سازش رچی تھی۔

پھر مثبت پہلو سے بتایا ہے کہ اگر کوئی سرگوشی خیر خیرات کے لئے، کسی تنظیم کے چندے کے لئے یا اور کسی نیک کام کے لئے یا لوگوں میں کوئی نزاع تھا، ان میں مصالحت کرانے کے لئے خفیہ مجلس منعقد کی تو وہ اچھی سرگوشی ہے، اور ایسے نیک کام جو اللہ کی خوشنودی کے لئے کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

پھر تیسری اور آخری آیت میں یہ مضمون ہے کہ بشیر منافق جو بظاہر مسلمان تھا، اور نبی ﷺ کا حلقہ بگوش تھا: وہ مرتد ہوکر اور آپؐ کا دامن چھوڑ کر اور مسلمانوں سے علاحدہ ہوکر کافروں میں جاملا: اس نے کسی کا کیا بگاڑا؟ اپنی آخرت برباد کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو جدھر وہ گیا جانے دیا، مگر لوٹے گا تو وہ اللہ کی طرف، اس وقت اللہ اس کو جہنم میں جھونکیں گے، اور وہ برا ٹھکانہ ہے!

اب عموم الفاظ کے اعتبار سے آیات کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

نبی ﷺ پر اللہ کی بے شمار مہربانیاں

نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے بے شمار عنایتیں فرمائی ہیں، پہلی آیت میں چار عنایتوں کا تذکرہ ہے:

۱- جب چور کی قوم نے پلان بنایا کہ چوری کے معاملہ میں نبی ﷺ سے غلط فیصلہ کرانا ہے، اور بے گناہ یہودی کا ہاتھ کٹوانا ہے تو اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی نبی ﷺ کے شاملِ حال ہوئی، اور فیصلہ سے پہلے ہی وحی نازل ہوگئی، اور آپؐ کو حقیقتِ حال سے واقف کردیا اور غلط فیصلہ کی نوبت نہیں آئی۔

۲- قاضی اگر فیصلہ میں صواب کو چوک جاتا ہے تو بھی وہ ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے، اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا، وہ بہر حال بامراد رہتا ہے، پس اگر خدا نخواستہ بنوابیرق آپؐ کو بہکا کر غلط فیصلہ کرادیتے تو آپؐ کا کیا نقصان ہوتا؟ نقصان تو انہیں کا ہوتا، وہی آخرت میں اس کی سزا بھگتتے!

غرض یہ قاعدہ اسی مناسبت سے نازل ہوا ہے اور اس سے سب فیصلہ کرنے والوں کا بھلا ہوگیا، چنانچہ حدیث میں فرمایا: ''جب فیصلہ کرنے والا کوئی فیصلہ کرے، اور وہ انتہائی کوشش کرے، پس وہ نفس الامری حق کو پالے تو اس کے لئے دو ثواب ہیں، اور جب قاضی کوئی فیصلہ کرے اور وہ اس میں چوک جائے، یعنی نفس الامری حق کو نہ پاسکے تو اس کے لئے ایک ثواب ہے'' (ترمذی حدیث ۱۳۱۱ ابواب الاحکام) یہ ضابطہ اسی آیت کریمہ سے اخذ کیا گیا ہے۔

۳- اللہ نے نبی ﷺ پر قرآنِ کریم اور اس کی تبیین وتشریح یعنی احادیثِ شریفہ نازل کیں، قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے، قرآن سے پہلے جو آسمانی کتابیں نازل ہوتی تھیں وہ اللہ کی کتابیں ہوتی تھیں، اللہ کا کلام نہیں ہوتی تھیں، کلام یا تو جبرئیل علیہ السلام کا ہوتا تھا یا رسول کا ہوتا تھا (تفصیل تحفۃ القاری ۹:۴۵ میں ہے)

اور حکمت سے مراد احادیثِ شریفہ ہیں، قرآن میں جگہ جگہ احادیث کے لئے یہی تعبیر آئی ہے، احادیث بھی وحی ہیں اور کلام اللہ کی تبیین وتشریح ہیں، اور سورۃ القیامہ میں اس کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے، فرمایا: ﴿ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴾: پھر بے شک قرآن کی وضاحت ہمارے ذمہ ہے، پس جو لوگ قرآن کو تو حجت مانتے ہیں، مگر احادیث کی حجیت کا انکار کرتے ہیں وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں (فتاوی رحیمیہ)

۴- اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بے شمار علوم سے سرفراز فرمایا ہے، ایک حدیث حضرت نانوتوی قدس سرہ نے تحذیر الناس کے شروع میں لکھی ہے: عُلِّمْتُ علمَ الأولین والآخرین: مجھے گذشتہ لوگوں کا علم بھی دیا گیا ہے اور آئندہ آنے والوں کا بھی! مراد علومِ نبوت ہیں، سورۃ الضحیٰ میں ارشادِ پاک ہے: ﴿ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴾: اور اللہ نے آپؐ کو (شریعت سے) بے خبر پایا پس آپؐ کو باخبر کیا، غرض آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری! آپؐ پر بے پایاں افضالِ الٰہی ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ نے قصیدہ بہاریہ میں فرمایا ہے:

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں ❁ تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار!

﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿١١٣﴾ ﴾

ترجمہ: (۱) اور اگر آپؐ پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو ان کی ایک جماعت نے تو پلان بنا لیا تھا کہ آپؐ کو بہکا دیں (۲) اور وہ اپنے آپ ہی کو بہکا رہے ہیں —— یعنی اس کا نقصان آخرت میں انہیں کو پہنچے گا —— اور وہ آپؐ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے —— کیونکہ قاضی کو بہرحال ثواب ملتا ہے —— (۳) اور اللہ نے آپؐ پر اپنی کتاب اور حکمت (دانشمندی کی باتیں) اتاری ہیں (۴) اور آپؐ کو وہ باتیں سکھلائی ہیں جو آپؐ نہیں جانتے تھے —— اس میں تمام علومِ نبوت آ گئے —— اور آپؐ پر اللہ کا فضل بے پایاں ہے! —— یہ چاروں امتیازات کا خلاصہ ہے۔

جو سرگوشیاں اللہ کی خوشنودی کے لئے کی جائیں ان میں بڑا ثواب ہے

لوگوں کے اکثر مشورے خیر سے خالی ہوتے ہیں، صاف اور سچی بات کو چھپانے کی ضرورت نہیں ہوتی، فریب کی

بات ہی چھپا کر طے کی جاتی ہے، جیسے بنوابیرق نے مشورہ کر کے طے کیا کہ نبی ﷺ کو بچلانا ہے، صحیح فیصلہ سے ہٹانا ہے۔

البتہ صدقہ خیرات چھپا کر کرنا، تا کہ غریب شرمندہ نہ ہو، اور ریاء سُمعہ کا احتمال نہ رہے، یا کوئی نیک کام، مثلاً نماز روزہ چھپا کر کرنا یا لوگوں میں نزاع ہے، ایک فریق جوش میں ہے، صلح کرنا نہیں چاہتا اس کو تنہائی میں سمجھانا اور صلح پر آمادہ کرنا: اس قسم کی سرگوشیاں اللہ کی خوشنودی کے لئے کرنا: بڑا ثواب کا کام ہے، ایسی سرگوشیاں ضرور کرنی چاہئیں۔

﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾

ترجمہ: لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں کچھ بھی خیر نہیں ہوتی، ہاں جو خیرات کا، نیکی کے کاموں کا اور لوگوں کو مصالحت کا حکم دے (تو وہ اچھی سرگوشی ہے) اور جو شخص یہ کام اللہ کی خوشنودی کے لئے کرے: اس کو اللہ تعالیٰ جلدی بڑا ثواب عطا فرمائیں گے۔

احادیث اور اجماع کی حجیت

تیسری آیت میں دو اہم مسئلے ہیں:

۱- احادیثِ شریفہ بھی قرآنِ کریم کی طرح حجتِ شرعیہ ہیں، فرماتے ہیں: ''جو شخص اللہ کے رسول کی مخالفت کرے، اس کے لئے ہدایت واضح ہونے کے بعد'' (تو اس کا انجام بہت برا ہوگا) یعنی وہ **لا إلٰہ إلا اللّٰہ** کے ساتھ **محمد رسول اللّٰہ** کا بھی قائل ہے، نبی ﷺ کو اللہ کا پیامبر مانتا ہے، مگر انھوں نے اللہ کی طرف سے جو دو پیام پہنچائے ہیں ان میں سے ایک کو (قرآن کو) مانتا ہے، اور دوسرے پیام کو (احادیث کو) جو پہلے پیام کی وضاحت ہیں: نہیں مانتا، ایسا شخص اسلام سے برطرف ہے، اس لئے کہ احادیث بھی قرآنِ کریم کی طرح وحی جلی ہیں، ان کا وحی ہونا دلیل کا محتاج نہیں۔

اور احادیث کی حجیت پر قرآنِ کریم میں متعدد آیات ہیں، مثلاً:

(الف) ابھی آیت ۱۱۳ میں آیا ہے: ﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾: اللہ نے آپؐ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے، حکمت سے مراد احادیثِ نبویہ ہیں، ان کو بھی اللہ نے اتارا ہے، البتہ نزول کی نوعیت کتاب اللہ سے مختلف تھی، پس احادیث بھی قرآن کی طرح حجت ہونگی۔

(ب) سورۃ النحل کی (آیت ۴۴) ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾: اور ہم نے آپؐ کی طرف یہ قرآن اتارا ہے، تا کہ آپؐ لوگوں کو وہ قرآن کھول کر سمجھائیں جو ان کی طرف اتارا گیا ہے، اور احادیث قرآن ہی کی وضاحت ہیں، پس جب قرآن حجت ہے تو اس کی وضاحت حجت کیوں نہیں ہوگی؟

(ج) سورۃ القیامہ کی (آیت ۱۹) ہے: ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾: پھر بے شک ہمارے ذمہ نازل کردہ قرآن کی وضاحت ہے، اس میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ کی وضاحتیں بھی اللہ کی طرف سے ہیں۔

۲- امت کا اجماع (اتفاق) بھی حجتِ شرعی ہے، اور اجماعِ امت کا اعلیٰ فرد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے، آیت کے دوسرے جملہ میں اس کا ذکر ہے، ارشادِ پاک ہے: ''مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسری راہ اپناتا ہے'' (اس کا انجام بھی برا ہے) معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا جو متفقہ طریقہ ہے اس کی پیروی واجب ہے، اور اس کی مخالفت گناہ اور گمراہی ہے، اور سب سے پہلے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت سے اجماع امت کی حجیت کو ثابت کیا ہے، اور احادیث سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔

حدیث میں ہے: **لا تجتمع أمتي على الضلالة**: میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوگی (مشکوٰۃ حدیث ۱۷۳) پس اگر کسی بات پر اجماع ہوگیا تو یہ عند اللہ اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ یہ حدیث مستدرک حاکم (۱:۱۱۵) میں پوری اس طرح ہے: **لا يَجْمَعُ اللّٰهُ هذه الأمةَ على الضلالة أبدًا، وقال: يد الله على الجماعة، فَاتَّبِعُوا السَّوَادَ الأَعْظَمَ، فإنه من شَذَّ شَذَّ في النار**: یعنی اللہ تعالیٰ اس امت کو گمراہی پر کبھی بھی جمع نہیں ہونے دیں گے (معلوم ہوا کہ صرف صحابہ کا اجماع ہی نہیں، بلکہ قیامت تک امت کا اجماع حجت ہے) اور ارشاد فرمایا: اللہ کا ہاتھ (تائید و نصرت) جماعت پر ہے، پس امت کی اکثریت کا اتباع کرو (امت کی اکثریت ائمہ اربعہ کی تقلید کرنے والوں کی ہے) پس جو امت کی اکثریت سے علحدہ ہوا وہ دوزخ میں اکیلا ہوگا (کیونکہ امت تو جنت میں جائے گی وہ اکیلا ہی جہنم رسید ہوگا)

اجماعِ امت کی مثالیں:

۱- صحابہ کا اجماع ہے کہ رمضان میں ایک زائد نماز ہے، جس کا نام قیامِ رمضان ہے، یعنی رمضان میں سونے سے پہلے نفلیں پڑھنا، اور وہ بیس رکعتیں ہیں، اور تہجد رمضان میں بھی آخر شب میں ہے، اور اس کی آٹھ رکعتیں ہیں، مگر جن لوگوں کو عبادت سے موت آتی ہے وہ اس اجماع کو نہیں مانتے، مرغ کی ایک ٹانگ! گاتے رہتے ہیں اور آٹھ رکعتوں کے بعد سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتے ہیں، وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

۲- جمعہ کی پہلی اذان پر بھی صحابہ کا اجماع ہے، غیر مقلدین اس کو بدعتِ عثمانی کہتے ہیں۔

۳- ایک مجلس کی تین طلاقوں پر بھی صحابہ کا اجماع ہے، مگر کچھ لوگ اس کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝۱۱۵﴾

ترجمہ: اور جو شخص اللہ کے رسول کی مخالفت کرے، اس کے لئے ہدایت واضح ہونے کے بعد، اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے: ہم اس کو جو وہ کر رہا ہے کرنے دیں گے، اور اس کو دوزخ میں داخل کریں گے، اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے!

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾ إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ﴿١١٧﴾ لَعَنَهُ اللَّهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ﴿١١٨﴾ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢٠﴾ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿١٢١﴾

إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	يُشْرِكْ	شریک ٹھہرائے	إِلَّا شَيْطَانًا	مگر شیطان
لَا يَغْفِرُ	نہیں بخشیں گے	بِاللَّهِ	اللہ کے ساتھ	مَرِيدًا	سرکش کو
أَنْ يُشْرَكَ (۱)	شریک ٹھہرانے کو	فَقَدْ ضَلَّ	تو یقیناً وہ گمراہ ہوا	لَعَنَهُ	رحمت سے دور کر دیا اس کو
بِهِ	ان کے ساتھ	ضَلَالًا (۲)	گمراہی	اللَّهُ	اللہ نے
وَيَغْفِرُ	اور بخشیں گے	بَعِيدًا	دور کی	وَقَالَ	اور کہا اس نے
مَا دُونَ	جو کم تر ہیں	إِنْ يَدْعُونَ (۳)	نہیں پکارتے وہ	لَأَتَّخِذَنَّ (۴)	ضرور لونگا میں
ذَٰلِكَ	اس سے	مِنْ دُونِهِ	اللہ سے ورے	مِنْ عِبَادِكَ	آپ کے بندوں میں سے
لِمَنْ يَشَاءُ	جس کیلئے چاہیں گے	إِلَّا إِنَاثًا	مگر عورتوں کو	نَصِيبًا	حصہ
وَمَنْ	اور جو شخص	وَإِنْ يَدْعُونَ (۳)	اور نہیں پکارتے وہ	مَفْرُوضًا	مقررہ (طے شدہ)

(۱) أن یشرك: أن مصدریہ ہے، اور فعل بتاویل مصدر ہو کر لا یغفر کا مفعول بہ ہے (۲) ضلالاً بعیدا: مفعولِ مطلق ہے (۳) إن یدعون: إن دونوں جگہ نافیہ ہے (۴) لأتخذن: اور آگے سب افعال لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ ہیں۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ	اور ضرور گمراہ کروں گا ان کو	يَّتَّخِذِ	بنائے گا	وَمَا	اور نہیں
وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ	اور ضرور امیدیں	الشَّيْطٰنَ	شیطان کو	يَعِدُهُمُ	وعدہ کرتا ان سے
	دلاؤں گا ان کو	وَلِيًّا	دوست	الشَّيْطٰنُ	شیطان
وَلَاٰمُرَنَّهُمْ	اور ضرور حکم دوں گا ان کو	مِّنْ دُوْنِ	ورے	اِلَّا غُرُوْرًا	مگر فریب (دھوکے) کا
فَلَيُبَتِّكُنَّ (۱)	پس ضرور کاٹیں گے وہ	اللّٰهِ	اللہ کے	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ
اٰذَانَ	کان	فَقَدْ خَسِرَ	تو یقیناً گھاٹے میں رہا وہ	مَاْوٰىهُمْ	ان کا ٹھکانہ
الْاَنْعَامِ	پالتو چوپایوں کے	خُسْرَانًا	گھاٹا	جَهَنَّمُ	دوزخ ہے
وَلَاٰمُرَنَّهُمْ	اور ضرور حکم دوں گا ان کو	مُّبِيْنًا	صریح (کھلا)	وَلَا يَجِدُوْنَ	اور نہیں پائیں گے وہ
فَلَيُغَيِّرُنَّ	پس ضرور بدلیں گے وہ	يَعِدُهُمْ	وعدہ کرتا ہے وہ ان سے	عَنْهَا	اس سے
خَلْقَ اللّٰهِ	اللہ کی بناوٹ کو	وَيُمَنِّيْهِمْ	اور امیدیں دلاتا ہے	مَحِيْصًا (۲)	کوئی بھاگنے کی جگہ
وَمَنْ	اور جو شخص		وہ ان کو	۞	۞

ردّ اشراک کا بیان

ربط: چوری کرنا اور دوسرے پر جھوٹی تہمت لگانا: اگرچہ کبیرہ گناہ ہے، مگر قابلِ معافی ہے، ایک شرک وکفر ہی ناقابل معافی گناہ ہے، پس اگر وہ چور توبہ کرتا تو بخشا جاتا، مگر اس نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اور مسلمانوں کے پاس سے بھاگا، اور مشرکوں کے ساتھ جاملا، اس لئے اب اس کی مغفرت کا احتمال ہی نہ رہا (فوائد)

ہر گناہ قابلِ معافی ہے، مگر شرک وکفر قابلِ معافی نہیں

شرک وکفر متلازم (لازم ملزوم) ہیں، شرک کے معنی ہیں: اللہ کے ساتھ اللہ کے علاوہ کسی اور کو معبود ماننا، اور کفر کے معنی ہیں: اللہ کے نازل کئے ہوئے دین کو نہ ماننا یا منسوخ دین کو ماننا، پس دونوں ایک ہی قبیل سے ہیں۔

اور شرک وکفر قابلِ معافی اس لئے نہیں کہ یہ از قبیل بغاوت ہیں، اور حکومت ہر گناہ معاف کرتی ہے، مگر باغی کو ضرور سزا دیتی ہے، اسی طرح جو اللہ کے ساتھ خدائی میں شریک کرتا ہے یا اللہ کے نازل کئے ہوئے دین کو نہیں مانتا، اس کو ضرور سزا ملے گی کہ یہ سنگین گناہ ہے، دیگر جرائم قابلِ عفو ہیں، مگر معافی مشیت کے تابع ہے، پس اس پر تکیہ کر کے گناہ کرنا حماقت

(۱) بَتَكَ (ض) بَتْكًا: کاٹنا، بَتَّكَهُ تَبْتِيْكًا: کاٹنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ (۲) محیصا: ظرف مکان: پناہ گاہ، لوٹنے کی جگہ۔

ہے، البتہ گناہ سرزد ہونے کے بعد مایوس نہ ہو۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو تو معاف نہیں کریں گے کہ ان کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے، اور اس کے علاوہ گناہوں کو جس کے لئے منظور ہوگا معاف کریں گے، اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا وہ پرلے درجہ کی گمراہی میں جاپڑا! —— یعنی اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔

مشرکین کے دیوی دیوتا فرشتے اور سرکش شیاطین ہیں

عرب کے مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے، اور ان کے پیکر (نظر آنے والی صورتیں) بنا رکھے تھے، اور ان کو جلب منفعت کے لئے پوجتے تھے، کہتے تھے: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾: ہم ان کی صرف اس لئے پرستش کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ سے نزدیک کردیں [الزمر ۳] حالانکہ وہ صنفِ نازک کو گھٹیا تصور کرتے تھے، لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے: ﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ﴾ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تو دن بھر اس کا چہرہ بے رونق رہتا، اور وہ دل میں کڑھتا رہتا، مگر ایسی صنف کو اللہ کی اولاد ماننے سے ذرا نہیں شرماتے تھے، یہ ایک متضاد فکر ہے کہ عورتوں کو کمزور بھی سمجھا جائے اور ان کو خدا کا درجہ بھی دیا جائے۔

اور ان کے دیوتا سرکش شیاطین تھے، ان کو ضرر سے بچنے کے لئے پوجتے تھے، اور ان کے بھی پیکر بنا رکھے تھے، اور ان کا باوا شیطانِ اکبر ہے، پس وہ درحقیقت اسی شیطانِ اکبر کی عبادت کرتے تھے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا ہے، اس کے پجاریوں کی مغفرت کیسے ہوسکتی ہے؟

﴿إِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ إِلَّآ إِنٰثًا ۚ وَإِنْ يَّدْعُوْنَ إِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۙ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ﴾

ترجمہ: مشرکین اللہ سے نیچے صرف عورتوں کو پوجتے ہیں —— یہی ان کی دیویاں ہیں اور وہ فرشتوں کے پیکر ہیں، فرشتوں کے کئی کئی ہاتھ ہیں، مشرکین دیویوں کے بھی کئی کئی ہاتھ بناتے ہیں —— اور وہ صرف سرکش شیطان کی پوجا کرتے ہیں —— یہ ان کا بڑا دیوتا ہے —— جس کو اللہ نے اپنی رحمت سے پھٹکار دیا ہے!

شیطانِ اکبر بنی آدم کا روزِ اول سے سخت دشمن اور بدخواہ ہے

جب شیطانِ اکبر: حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے پر ملعون و مردود ہوا تو اسی وقت اس نے کہا تھا کہ میں تو

غارت ہو ہی چکا، مگر میں بھی تیرے بندوں میں سے — بنی آدم اور جنات میں سے — جتنے میرے کوٹے میں ہیں ان کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا، اور ان کو آرزوئیں دلاؤں گا، گناہوں کو خوبصورت اور پرکشش بنا کر پیش کروں گا، اور ان کی دلیلیں ان کو سوجھاؤں گا کہ سودی نظام: معیشت کی ترقی کے لئے ضروری ہے، اور مروجہ سودی نظام میں غریبوں کا استحصال نہیں، بلکہ ان کو خون سپلائی کرنا ہے، اور پردہ عورتوں کی ترقی میں مانع ہے اور ہر مذہب والے کو پٹی پڑھاؤں گا کہ اسی کا مذہب حق ہے، اس پر وہ مضبوطی سے جما رہے، اور ان سے دو کام خاص طور پر کراؤں گا:

۱- ان کو اس بات کی تعلیم دوں گا کہ وہ جانوروں کے کان کاٹ کر بتوں کے نام پر چھوڑیں، عربوں میں بحیرہ سائبہ وغیرہ کا رواج تھا۔

۲- ان کو اس بات کی بھی تعلیم دوں گا کہ وہ اللہ کی بناوٹ کو بدلیں، جانوروں کے کان کاٹنا اس کا ایک فرد ہے، اسی طرح فوطے نکال کر ہیجڑا بننا، سرجری کرا کر جنس بدلنا، نس بندی کرا کر افزائشِ نسل کو روکنا، خود کو خوبصورت ظاہر کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری کرانا وغیرہ، حتی کہ علماء نے بدن گدوانے اور ڈاڑھی منڈوانے کو بھی اسی ذیل میں لیا ہے۔

البتہ علاج کے طور پر کوئی آپریشن کرانا اس میں داخل نہیں، وہ مقصد تخلیق کو بدلنا نہیں، بلکہ اس کو حاصل کرنا ہے، اسی طرح اگر جسم میں کوئی عیب ہو، اس کو دور کرنے کے لئے سرجری کرانا بھی اس میں داخل نہیں، کیونکہ یہ علاج ہے اور علاج جائز ہے (آسان تفسیر)

آخر میں فرمایا کہ جو شخص شیطان کے اشارے پر یہ کام کرے گا گھاٹے میں رہے گا، پھر تمہید لوٹا کر فرمایا کہ شیطان کے یہ وعدے محض فریب اور دھوکہ ہیں، جو کبھی پورے نہیں ہونگے، اور جو شیطان کے فریب میں آئے گا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے، جہاں سے وہ بھاگ نہیں سکے گا۔

﴿وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾﴾

ترجمہ: اور شیطان نے کہا: میں آپ کے بندوں میں سے ایک معین حصہ (اپنا کوٹہ) لے کر رہوں گا، اور میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا — یعنی فکر وعقیدہ کی غلطی میں مبتلا کروں گا — اور میں ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا — کہ اللہ سے مت ڈرو، وہ غفور رحیم ہیں، ہر گناہ بخش دیں گے — اور میں ضرور ان کو حکم دوں گا: (۱) پس وہ پالتو چوپایوں کے

کان کاٹیں گے (۲) اور میں ضرور ان کو حکم دوں گا: پس وہ ضرور اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کریں گے —— اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے گا —— اور اس کے کہنے پر چلے گا —— وہ کھلے گھاٹے میں رہے گا!

شیطان ان سے وعدہ کرتا ہے، اور ان کو امیدیں دلاتا ہے —— یہ تمہید لوٹائی ہے —— اور شیطان ان سے محض دھوکہ کا وعدہ کرتا ہے، ان لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور وہ اس سے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے!

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَھُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	مِنْ تَحْتِهَا	ان میں	مِنَ اللّٰهِ	اللہ سے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	الْاَنْهٰرُ	نہریں	قِيْلًا	بات کے اعتبار سے
وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	خٰلِدِيْنَ	رہنے والے وہ	لَيْسَ	نہیں ہے
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	فِيْهَآ اَبَدًا	ان میں ہمیشہ	بِاَمَانِيِّكُمْ	تمہاری آرزوؤں سے
سَنُدْخِلُهُمْ	عنقریب داخل کریں	وَعْدَ اللّٰهِ	اللہ کا وعدہ	وَلَآ اَمَانِيِّ	اور نہ آرزوؤں سے
	گے ہم ان کو	حَقًّا	برحق ہے	اَهْلِ الْكِتٰبِ	اہل کتاب کی
جَنّٰتٍ	باغات میں	وَمَنْ	اور کون ہے	مَنْ يَّعْمَلْ	جو شخص کرے گا
تَجْرِيْ	بہتی ہیں	اَصْدَقُ	زیادہ سچا	سُوْۗءًا	کوئی بھی برائی

يُّجْزَ	بدلہ دیا جائے گا وہ	فَاُولٰٓئِكَ	تو وہ لوگ	مُحْسِنٌ	نیکوکار ہے
بِهٖ	اس کا	يَدْخُلُوْنَ	داخل کیے جائیں گے	وَّاتَّبَعَ	اور پیروی کی اس نے
وَلَا يَجِدْ	اور نہیں پائے گا وہ	الْجَنَّةَ	باغ میں	مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ	دین ابراہیم کی
لَهٗ	اپنے لئے	وَلَا يُظْلَمُوْنَ	نہیں حق مارے جائیں	حَنِيْفًا	یکسو ہونے والا
مِنْ دُوْنِ	وَرے		گے وہ	وَاتَّخَذَ اللّٰهُ	اور بنایا اللہ نے
اللّٰهِ	اللہ کے	نَقِيْرًا	کھجور کی گٹھلی کے چھلکے	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کو
وَلِيًّا	کوئی حمایتی		کے برابر	خَلِيْلًا	خاص دوست
وَّلَا نَصِيْرًا	اور نہ کوئی مددگار	وَمَنْ	اور کون	وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہیں
وَمَنْ	اور جو	اَحْسَنُ	اچھا ہے	مَا	جو چیزیں
يَّعْمَلْ	کرے گا	دِيْنًا	دین کے اعتبار سے	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہیں
مِنَ الصّٰلِحٰتِ	نیک کاموں سے	مِّمَّنْ	اس شخص سے جس نے	وَمَا	اور جو چیزیں
مِنْ ذَكَرٍ	مرد سے	اَسْلَمَ	تابع کردیا	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں
اَوْ اُنْثٰى	یا عورت سے	وَجْهَهٗ	اپنا چہرہ	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
وَهُوَ	درانحالیکہ وہ	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
مُؤْمِنٌ	ایماندار ہے	وَهُوَ	درانحالیکہ وہ	مُّحِيْطًا	قابو میں لینے والے

نیک مؤمنین سے سدابہار باغات کا سچا وعدہ ہے

قرآنِ کریم فریقین میں سے ایک کے تذکرہ کے بعد دوسرے فریق کا ذکر کرتا ہے، گذشتہ آیت میں جہنمیوں کا ذکر آیا ہے، اب ایک آیت میں اہل جنت کا بیان ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے —— قرآنِ کریم نیک مؤمنین ہی کا انجام بیان کرتا ہے، عام مؤمنین کا تذکرہ حدیثوں میں ہے —— ہم عنقریب ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن میں نہریں رواں دواں ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، اور اللہ سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہوسکتی ہے؟

—— کسی کی نہیں!

آخرت میں جھوٹی آرزوئیں کام نہیں آئیں گی، ہر برائی کی سزا اور ہر نیکی کا بدلہ ملے گا

دنیا میں ہر دھرم والے خود کو برحق سمجھتے ہیں، اور خود کو جنت کا حقدار سمجھتے ہیں، شیطان نے ان کو یہ پٹی پڑھا رکھی ہے، جیسا کہ گذشتہ آیات میں گذرا، مگر یہاں قرآنِ کریم نے صرف مسلمانوں کا اور اہل کتاب کا تذکرہ کیا ہے، دیگر مذاہب والوں کا تذکرہ نہیں کیا، کیونکہ ان دھرموں کی سخافت (بوداپن) نہایت واضح ہے، مگر حکم عام ہے۔

آج مسلمان بھی، چاہے وہ کتنا ہی بدعمل ہو، یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ جنت اس کی جاگیر ہے، وہ محبوب کا امتی ہے، وہ نہیں بخشا جائے گا تو اور کون بخشا جائے گا؟ یہی حال یہود ونصاریٰ کا ہے، وہ کہتے ہیں: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں، جنت ہمارے ہی لئے ہے، اور ہمارے بڑے ہمارے گناہ بخشوادیں گے، ایسا ہی کچھ ہندو، بودھسٹ وغیرہ فرقے سمجھے ہوئے ہیں۔

قرآنِ کریم کہتا ہے: ان جھوٹی امیدوں سے آخرت میں کام نہیں چلے گا، آخرت میں ایمان صحیح اور عمل صالح کو دیکھا جائے گا، جس کا ایمان صحیح ہے —— اور اس کا ذکر آگے ہے —— اور اس نے ایمان کے ساتھ کوئی بھی برائی کی ہے تو اس کا بدلہ اس کو ضرور دیا جائے گا، اور اللہ سے کم تر جو معبود اس نے مان رکھے ہیں وہ نہ اس کی حمایت کرسکیں گے نہ کوئی مدد کرسکیں گے، اور جس مؤمن نے نیک کام کئے ہیں، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، وہ ضرور جنت میں جائے گا، اور وہاں رتّی بھر اس کا حق نہیں مارا جائے گا۔

ملحوظہ: یہ مضمون قرآنِ کریم میں جگہ جگہ آیا ہے، مثلاً ہدایت القرآن جلد اول صفحہ ۹۵ میں بھی یہ بات گذری ہے۔

﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝۱۲۳ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝۱۲۴﴾

ترجمہ: نہ تو تمہاری آرزوؤں پر مدار ہے، اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر! —— جو بھی کوئی برائی کرے گا وہ اس کا بدلہ دیا جائے گا، اور وہ اللہ سے وَرے اپنے لئے نہ کوئی حمایتی پائے گا، اور نہ کوئی مددگار! —— اور جو شخص نیک کام کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو تو وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے، اور وہ رتّی بھر ظلم نہیں کئے جائیں گے۔

ایمان معتبر نیکوکار مسلمان ہی کا ہے، وہی ملتِ ابراہیم کا پیروکار ہے

یہود ونصاریٰ نے جو آرزوئیں باندھ رکھی ہیں وہ کبھی پوری نہ ہونگی، اس لئے کہ بنی اسرائیل کی شریعت منسوخ ہوچکی

ہے، اب جو بنی اسماعیل کی شریعت کی پیروی کرے گا اسی کا دین معتبر ہے، اور سب سے اچھا دین وہ ہے جس میں آدمی عصبیت سے ہٹ کر اپنا رخ اللہ کے دین کے تابع کردے، اور ساتھ ہی اس دین پر عمل پیرا بھی ہو، یہی یکسو ہونے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقامِ خلّت سے سرفراز کیا ہے، اس لئے نبوت اور کتاب کو ان کی نسل میں دائر کردیا، یہ نعمت ایک وقت تک بنی اسرائیل کو حاصل رہی، اب یہ نعمت بنی اسماعیل کی طرف منتقل کردی ہے، پس جو شخص مسلمان ہے اور ساتھ ہی نیکوکار بھی ہے تو آخرت میں اس کی امیدیں برآئیں گی، اور یہود ونصاریٰ جو امیدیں باندھے بیٹھے ہیں وہ شیخ چلّی والی امیدیں ثابت ہونگی۔

شیخ چلّی کی امیدیں: شیخ چلی مزدوری کرتے تھے، کسی نے ان کو گھی کا گھڑا اٹھوایا، وہ گھڑا اٹھا کر چلے اور سوچنے لگے جو مزدوری ملے گی اس سے انڈے لاؤں گا اور ان پر مرغی بٹھاؤں گا، پھر بچے بیچ کر بکری لاؤں گا، جب ریوڑ تیار ہوگا تو شادی کروں گا، صاحبزادہ ہوگا، میں آفس میں بیٹھا ہوں گا، اور لڑکا آئے گا، کہے گا: ابا جان! چلئے امی جان کھانے کو بلا رہی ہیں، میں کہوں گا: ابھی آیا! جب سر مٹکایا تو گھڑا گر گیا، مالک نے ایک دھول رسید کیا کہ میرا گھی گرادیا! شیخ چلّی نے کہا: آپ کا گھی گر گیا اور میرا گھر گر گیا!

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ ﴾

ترجمہ: اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے اپنا رخ اللہ کے تابع کردیا —— اور نبی ﷺ پر ایمان لے آیا —— بشرطیکہ وہ نیکوکار ہو، اور وہ یکسو ہونے والے ابراہیم کے دین کی پیروی کرتا ہو؟ اور اللہ نے ابراہیم کو خاص دوست بنایا ہے!

مالکِ کائنات اللہ تعالیٰ ہیں، وہ جسے چاہیں اپنی نعمت سے سرفراز فرمائیں

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے: سب اللہ کی ملکیت ہے، اور مالک کو اپنی ملکیت میں ہر طرح تصرف کا حق ہے، اپنی حکمت سے اپنی رحمت سے جسے چاہے عطا فرمائے، اب نعمتِ نبوت وکتاب بنی اسماعیل کو عطا ہوئی ہے، اور ہر چیز ان کے قابو میں ہے، پس ان کی تقسیم کو مانو اور آخری پیغمبر پر ایمان لاؤ، اگر آخرت میں نجات کی آرزو رکھتے ہو!

﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کی ملک ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ چیزیں جو زمین میں ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والے ہیں!

وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ	اور لوگ آپ سے مسائل دریافت کرتے ہیں	فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ	یتیم عورتوں کے بارے میں	وَاَنْ تَقُوْمُوْا (۷)	اور کھڑے ہونے (کے بارے) میں
فِي النِّسَآءِ	عورتوں کے بارے میں	الّٰتِيْ (۳)	وہ (عورتیں) جو	لِلْيَتٰمٰى	یتیموں کے لئے
قُلِ	آپ کہیں:	لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ	نہیں دیتے تم ان کو	بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مَا كُتِبَ	جو لکھا گیا ہے	وَمَا تَفْعَلُوْا	اور جو بھی کروگے تم
يُفْتِيْكُمْ	فتوی دیتے ہیں تم کو	لَهُنَّ	ان کے لئے	مِنْ خَيْرٍ	کوئی بھلائی
فِيْهِنَّ	ان کے بارے میں	وَتَرْغَبُوْنَ	اور رغبت رکھتے ہو تم	فَاِنَّ	پس بے شک
وَمَا (۱)	اور (اس میں) جو	اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ (۴)	ان سے نکاح کرنے کی	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
يُتْلٰى	پڑھا جاتا ہے	وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ (۵)	اور کمزوروں کے بارے میں	كَانَ بِهٖ	اس سے ہیں
عَلَيْكُمْ	تم پر	مِنَ الْوِلْدَانِ (۶)	بچوں سے	عَلِيْمًا	خوب واقف
فِي الْكِتٰبِ (۲)	اللہ کی کتاب میں				

احکام کا بیان

ربط: اب مضمون شروع سورت کی طرف لوٹ رہا ہے، سورت کے شروع میں یتیموں اور عورتوں کے حقوق کا بیان تھا،

(۱) وما: کا عطف فیھن کی ضمیر مجرور پر حرفِ عطف لوٹائے بغیر کیا ہے۔ حرفِ جر لوٹانے کی شرط بصری لگاتے ہیں وھو لیس بوحی یجب اتباعه (روح) (۲) فی الکتاب: یتلی سے متعلق ہے (۳) التی: صلہ کے ساتھ یتٰمی النساء کی صفت ہے (۴) أن سے پہلے فی مقدر ہے، اور رغب کے صلہ میں جب فی آتا ہے تو رغبت کرنے کے معنی ہوتے ہیں (۵) والمستضعفین کا عطف بھی فیھن کی ضمیر مجرور پر ہے (۶) الولدان: لڑکے لڑکی کو عام ہے (۷) أن تقوموا: أن: مصدریہ ہے، اور تقوموا بتاویل مصدر ہو کر فیھن کی ضمیر مجرور پر معطوف ہے۔

پھر میراث کے احکام آئے تھے، پھر مضامین پھیلتے گئے، اب پھر مرد وزن کے باہمی تعلقات کے بارے میں چند احکام بیان فرماتے ہیں، اور اس آیت میں ان تین احکام کا حوالہ ہے جو پہلے آئے ہیں، ان کے بارے میں غلط فہمی تھی کہ شاید یہ احکام عارضی اور وقتی ہیں، کچھ وقت کے بعد اٹھا لئے جائیں گے، اس لئے ان کا حوالہ دیا کہ وہ احکام دائمی اور قطعی ہیں، ان کا خیال رکھو۔

تین احکام جن کا اس آیت میں حوالہ ہے

پہلا حکم: آیت تین میں حکم دیا ہے کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف کرو، کبھی یتیم لڑکی کا سرپرست لڑکی کے مال میں رغبت رکھتا ہے، اس لئے وہ خود اس سے نکاح کرتا ہے، مگر مہر میں انصاف نہیں کرتا، کم مہر دیتا ہے، ایسا نہ کیا جائے، اگر یتیم لڑکی کے حق میں اندیشہ ہو کہ اس کے ساتھ انصاف نہیں کرے گا تو دوسری عورتوں سے نکاح کرے جو اسے پسند ہوں۔

دوسرا حکم: پھر آیت گیارہ سے میراث کے احکام شروع ہوئے ہیں، ان کے بارے میں غلط فہمی تھی، سردار کہتے تھے: جو لڑتا ہے اور غنیمت لاتا ہے وہی میراث کا حقدار ہے، اور بچوں کی میراث کے احکام عارضی ہیں، کچھ وقت کے بعد اٹھا لئے جائیں گے، اس آیت میں فرمایا کہ وہ احکام دائمی اور قطعی ہیں، ان پر عمل کرو۔

تیسرا حکم: آیت دو میں یتیموں کے تعلق سے تین احکام ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ یتامی کے معاملہ میں انصاف کرو، ظلم وزیادتی مت کرو، ان کا کسی طرح نقصان مت کرو ــــ اور مزید حسنِ سلوک کرو تو اس کا صلہ پاؤ گے۔

آیتِ پاک: اور لوگ آپؐ سے عورتوں کے مسائل دریافت کرتے ہیں؟ آپ کہیں: اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بارے میں فتوی دیتے ہیں ــــ یعنی اب ان کے احکام کا بیان شروع ہوتا ہے ــــ (۱) اور اس میں (فتوی دیتے ہیں) جو تم پر قرآن میں پڑھا جاتا ہے یتیم عورتوں کے بارے میں، جن کو تم ان کا وہ حق نہیں دیتے جو ان کے لئے لکھا گیا ہے ــــ یعنی واجبی مہر نہیں دیتے، کم مہر دیتے ہو ــــ اور ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو (۲) اور کمزور بچوں کے بارے میں (فتوی دیتے ہیں) ــــ خواہ وہ بچے یتیم ہوں یا غیر یتیم، ان کا میراث میں جو حق ہے وہ ان کو دو ــــ (۳) اور یتیموں کے ساتھ انصاف کرنے کے بارے میں (فتوی دیتے ہیں) ــــ اور تم جو کچھ بھلائی کرو گے ــــ انصاف کے علاوہ ــــ تو اللہ تعالیٰ اس سے یقیناً خوب واقف ہیں ــــ وہ تمہیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں گے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

وَاِنْ	اور اگر	وَاُحْضِرَتِ (۲)	اور حاضر کئے گئے ہیں	وَلَوْ حَرَصْتُمْ	اگرچہ تمہارا کتنا ہی
امْرَاَةٌ	کوئی عورت	الْاَنْفُسُ	نفوس (دل)		جی چاہے
خَافَتْ	ڈرے	الشُّحَّ	خودغرضی	فَلَا تَمِيْلُوْا	پس مت جھک جاؤ
مِنْ بَعْلِهَا	اپنے شوہر کی	وَاِنْ تُحْسِنُوْا (۳)	اور اگر اچھا سلوک کرو	كُلَّ الْمَيْلِ	پوری طرح جھک جانا
نُشُوْزًا (۱)	زیادتی سے	وَتَتَّقُوْا	اور اللہ سے ڈرو	فَتَذَرُوْهَا	پس کر کے رکھ دو اس کو
اَوْ اِعْرَاضًا	یا بے رخی سے	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو یقیناً اللہ تعالیٰ	كَالْمُعَلَّقَةِ	لٹکی ہوئی کی طرح
فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں	كَانَ بِمَا	ہیں ان کاموں سے جو	وَاِنْ تُصْلِحُوْا (۵)	اور اگر تم سنوارو
عَلَيْهِمَآ	دونوں پر	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	وَتَتَّقُوْا	اور اللہ سے ڈرو
اَنْ يُّصْلِحَا	دونوں کے صلح کرنے میں	خَبِيْرًا	خوب واقف	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو یقیناً اللہ تعالیٰ
بَيْنَهُمَا	باہم	وَلَنْ	اور ہرگز نہیں	كَانَ غَفُوْرًا	ہیں بڑے بخشنے والے
صُلْحًا	کسی طرح کی مصالحت	تَسْتَطِيْعُوْٓا	طاقت رکھتے تم	رَّحِيْمًا	بڑے مہربان
وَالصُّلْحُ	اور مصالحت	اَنْ تَعْدِلُوْا (۴)	انصاف کرنے کی	وَاِنْ	اور اگر
خَيْرٌ	بہت اچھی چیز ہے	بَيْنَ النِّسَآءِ	عورتوں کے درمیان	يَّتَفَرَّقَا	جدا ہو جائیں دونوں

(۱) نشوز: مصدر: نشز (ن، ض) نَشْزًا و نشوزًا: اٹھنا، بلند ہونا۔ عورت کا نشوز: عورت کا شوہر کی نافرمانی کرنا۔ اور شوہر کا نشوز: شوہر کا بیوی پر سختی کرنا، ظلم و زیادتی کرنا (۲) أحضرت: حاضر کی گئی، إحضار سے ماضی مجہول ...... الأنفس: نائب فاعل ...... الشح: مفعول ثانی، شُحّ: آخری درجہ کا بخل، خودغرضی، دنیوی مفادات (۳) احسان: سلوک کرنا یعنی آئندہ (۴) أن تعدلوا: أن مصدریہ، تعدلوا: بتاویل مصدر ہو کر مفعول بہ ہے۔ (۵) اصلاح: سنوارنا یعنی پہلے جو بگاڑ پیدا ہو گیا ہے اس کو ٹھیک کرنا، بیوی کو راضی کر لینا۔

یُغْنِ	(تو) بے نیاز کردیں گے	مِّنْ سَعَتِهٖ	اپنی گنجائش سے	وَاسِعًا	بڑی گنجائش والے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَكَانَ	اور ہیں	حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے
كُلًّا	ہرایک کو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	❁	❁

ربط: گذشتہ آیت میں ان تین باتوں کی تاکید تھی جن کا ذکر اس سورت کے پہلے دورکوع میں آیا ہے۔اب تین آیتوں میں خانگی پرابلم (PROBLEM) کا حل ہے، پہلی آیت میں ایک بیوی کی مشکلات کے دوحل ہیں، دوسری آیت میں ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں ایک کا ہوکررہ جانے کی ممانعت ہے، اور آخری آیت میں نزاع کا آخری حل ہے۔

ایک بیوی سے بگاڑ کے دوعلاج

اگر کسی کی ایک بیوی ہے، اور کسی وجہ سے وہ شوہر کو ناپسند ہے، اس لئے دونوں میں اَن بَن رہتی ہے تو بگاڑ دور کرنے کے دوطریقے ہیں:

(الف) پہلا طریقہ مصالحت کا ہے، بیوی سارا مہر یا کچھ مہر معاف کردے، یا خرچ چھوڑ دے یا کم لے، جیب سے خرچ کرے یا تنگی ترشی سے گذارہ کرے تو شوہر کے ساتھ نباہ ہوگا، لوگ مفاد پرست ہوتے ہیں، جب شوہر کو فائدہ نظر آئے گا تو وہ بیوی کو رکھے گا۔

(ب) شوہر: بیوی ناپسند ہونے کے باوجود اس کے ساتھ حسن سلوک کرے، اور ظلم وزیادتی سے بچے، ابھی اسی سورت میں یہ ارشاد پاک آیا ہے: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾: اور عورتوں کے ساتھ خوبی سے گذر بسر کرو، پس اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں کوئی بڑی منفعت رکھ دیں ـــــ اور شوہر یہ بات پیش نظر رکھے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہیں، اس لئے ناروا سلوک نہ کرے، بلکہ حسن سلوک کرے، اور ظلم وستم نہ کرے، اللہ سے ڈرے!

﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾﴾

ترجمہ: اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی یا بے رخی کا ڈر ہو تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ وہ باہم کسی بھی طرح مصالحت کرلیں ـــــ ''کچھ گناہ نہیں'' میں اشارہ ہے کہ یہ رشوت نہیں، بلکہ مصالحت ہے، گو صورت رشوت کی نظر آرہی

ہو —— اور بینھما میں اس طرف اشارہ ہے کہ میاں بیوی کے معاملات میں بہتر یہ ہے کہ کوئی تیسرا دخیل نہ ہو، دونوں آپس میں کوئی بات طے کرلیں، عورت یا مرد کے خاندان والے دخل دیں گے تو شاید مصالحت ناممکن ہوجائے، اور ہو بھی جائے تو بھانڈا تو چوراہے پر پھوٹے گا! گھر کی بات گھر ہی میں رہے یہ زیادہ بہتر ہے۔

اس کے بعد ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے: —— اور مصالحت خوب تر ہے! —— کوئی بھی معاملہ ہو نزاع سے بہتر صلح ہے —— پھر مصالحت کے امکان کا بیان ہے: —— اور دنیوی مفادات کا نفوس کے ساتھ اقتران ہے —— یعنی ہر شخص اپنا مفاد چاہتا ہے، اس کمزوری سے شاید کوئی خالی ہو، پس جب شوہر کو بیوی کے رکھنے میں فائدہ نظر آئے گا تو وہ رکھے گا، چھوڑے گا نہیں!

(دوسری صورت) —— اور اگر تم (آئندہ) اچھا برتاؤ کرو، اور اللہ سے ڈرو —— اور ظلم وستم نہ کرو —— تو اللہ تعالیٰ یقیناً تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہیں —— یعنی تم اچھا سلوک کرتے ہو یا نہیں؟ ظلم وستم سے بچتے ہو یا نہیں؟ اس کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔

چند بیویاں ہوں تو ایک کا ہو کر نہ رہے

اگر کسی کی دو یا زیادہ بیویاں ہوں تو اختیاری امور میں، یعنی نان ونفقہ میں اور شب باشی وغیرہ میں برابری اور انصاف کرنا واجب ہے، اور قلبی میلان (محبت) کم وبیش ہو تو چونکہ یہ غیر اختیاری امر ہے، اس لئے اس کی گنجائش ہے، نبی ﷺ کو صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے قلبی تعلق زیادہ تھا، مگر آپؐ تمام ازواج کو نفقہ برابر دیتے تھے، اور سب کے یہاں (علاوہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے) باری باری رات گذارتے تھے، اور دعا فرماتے تھے: ''الٰہی! یہ میری تقسیم ہے اس چیز میں جو میرے اختیار میں ہے، پس آپ مجھے سرزنش نہ کریں اس میں جو آپ کے اختیار میں ہے، اور میرے اختیار میں نہیں!'' یعنی قلبی میلان جو ایک کی طرف زیادہ ہے اس میں میری پکڑ نہ کریں۔

لیکن اس غیر اختیاری معاملہ میں بھی اس کی گنجائش نہیں کہ اس کا ظاہری برتاؤ پر اثر پڑے، بایں طور کہ ایک بیوی کا ہو کر رہ جائے، اور دوسری بیوی نہ اِدھر کی رہے نہ اُدھر کی، بلکہ شب باشی وغیرہ میں جو اس کا حق ہے، اس کو دے، اور پہلے ایسی غلطی ہوگئی ہے تو اس کی اصلاح کرے اور آئندہ ایسی بے عنوانی کرنے سے اللہ سے ڈرے، اور جان لے کہ اگر کچھ اونچ نیچ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں!

﴿ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۲۹ ﴾

ترجمہ: اور تم ہرگز بیویوں میں ـــــ قلبی تعلق میں ـــــ برابری نہیں کر سکتے، اگرچہ تمہارا کتنا ہی جی چاہے، پس تم پوری طرح (ایک کی طرف) مت جھک جاؤ، کہ (دوسری کو) لٹکی ہوئی کی طرح کر کے رکھ دو، اور اگر تم (گذشتہ معاملات کو) سنوار و اور (آئندہ) اللہ سے ڈرو تو اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے مہربان ہیں!

علاحدگی کی نوبت آئے تو اللہ کفیل ہیں

دونوں صورتوں میں یعنی خواہ ایک بیوی ہو یا چند، زوجین میں علاحدگی ہو جائے، شوہر طلاق دیدے، یا عورت خلع لیلے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں، طلاق ابغض المباحات ضرور ہے، مگر بوقت ضرورت جائز بھی ہے اور دونوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، شوہر کو کوئی دوسرا جوڑا مل جائے گا، اور عورت کو کوئی دوسرا شریکِ زندگی، اللہ تعالیٰ بڑی کشائش والے ہیں، اپنی وسعت سے دونوں کا انتظام کر دیں گے اور وہ بڑی حکمت والے ہیں، پس زوجین جدائی میں اپنی مصلحت سمجھیں۔

﴿ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝﴾

ترجمہ: اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی کشادگی سے بے نیاز کر دیں گے، اور اللہ تعالیٰ بڑی کشادگی والے بڑی حکمت والے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝

وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہیں	وَمَا	اور جو چیزیں	وَصَّيْنَا (۱)	ہم نے تاکیدی حکم دیا
مَا	جو چیزیں	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہیں	وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے	اُوْتُوا الْكِتٰبَ	دیئے گئے آسمانی کتاب

(۱) وَصّٰی تَوْصِیَۃً بالشیئ: مامور و مکلّف بنانا، زوردار حکم دینا۔

مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے	وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہیں	وَ كَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
وَاِيَّاكُمْ	اور تمہیں (بھی)	مَا	جو چیزیں	عَلٰى ذٰلِكَ	اس بات پر
اَنِ اتَّقُوا	کہ ڈرو تم	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہیں	قَدِيْرًا	پوری قدرت رکھنے والے
اللّٰهَ	اللہ سے	وَمَا	اور جو چیزیں	مَنْ كَانَ	جو ہے
وَاِنْ تَكْفُرُوْا	اور اگر انکار کروگے تم	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	يُرِيْدُ	چاہتا
فَاِنَّ لِلّٰهِ	تو بیشک اللہ تعالیٰ کیلئے ہے	وَكَفٰى بِاللّٰهِ	اور کافی ہیں اللہ تعالیٰ	ثَوَابَ الدُّنْيَا	دنیا کا بدلہ
مَا	جو کچھ	وَكِيْلًا	کارساز	فَعِنْدَ اللّٰهِ	تو اللہ کے پاس ہے
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے	اِنْ يَّشَاْ	اگر چاہیں وہ	ثَوَابُ الدُّنْيَا	بدلہ دنیا کا
وَمَا	اور جو کچھ	يُذْهِبْكُمْ	لے جائیں تم کو	وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت کا
فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	اَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو	وَ كَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	وَيَاْتِ	اور لے آئیں	سَمِيْعًا	خوب سننے والے
غَنِيًّا حَمِيْدًا	بے نیاز ستودہ صفات	بِاٰخَرِيْنَ	دوسروں کو	بَصِيْرًا	خوب دیکھنے والے

صفتِ وسعت کا بیان، تقوی کا تاکیدی حکم اور دوسری باتیں

یہ چار آیتیں گذشتہ تین آیتوں کا تتمہ ہیں، اور ان میں تین باتیں بیان فرمائی ہیں، پہلی دو آیتوں میں گذشتہ تیسری آیت کی وضاحت ہے، اس میں اللہ کی صفتِ وسعت (گنجائش) کا ذکر تھا، اس کے تعلق سے فرماتے ہیں: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے: سب کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہیں، یہ چوڑی چکلی زمین، اس میں پوشیدہ خزانے، یہ بلند آسمان، اس پر دوسرے چھ آسمان، ان کے درمیان بے شمار فرشتے، پھر آگے جنت و جہنم اور سب کا احاطہ کرنے والا عرشِ اعظم: اس پوری کائنات کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہی ہیں اور وہی اس کے مالک ہیں، اس سے ان کی صفتِ وسعت کا اندازہ لگاؤ کہ وہ کتنی وسیع سلطنت کے مالک ہیں۔

پھر تقوی کی وصیت کی ہے، تقوی کے معنی ہیں: پرہیزگاری، اور مراد ہے: احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی سے بچنا، خواہ احکام مثبت ہوں یا منفی، اور تقوی کا حکم صرف اس امت کو نہیں دیا، گذشتہ امتوں کو بھی اس کا زوردار طریقہ پر حکم دیا تھا۔

پس جو شخص اس حکم کو نہیں مانے گا وہ اپنا نقصان کرے گا، کائنات کے مالک کا کچھ نقصان نہیں ہوگا، جیسے کارخانے کے مالک کا حکم ماننا ضروری ہے، جو بوس کی بات نہیں مانے گا وہ منہ کی کھائے گا، اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ستودہ صفات ہیں، وہ

کسی کے ایمان کے محتاج نہیں، نہ کسی کے کفر سے ان کا کچھ نقصان ہوتا ہے، ساری خلقت مل کر ان کے کمال کا اعتراف کرے تو ان کے کمالات میں ذرہ بھر اضافہ نہیں ہوگا، اور معاذ اللہ! ساری مخلوق انکار پر اتر آئے تو ان کی شان میں ذرہ بھر کمی نہیں آئے گی، بلکہ ایمان وکفر کا فائدہ خود مخلوق کو پہنچتا ہے۔

پھر تمہید لوٹا کر فرمایا ہے کہ کائنات کی کارسازی کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کائنات کے صرف خالق و مالک نہیں، بلکہ کارساز بھی ہیں، یعنی کائنات کی تدبیر وانتظام بھی وہی کر رہے ہیں، پس وہی معبود ہیں، دوسرا کوئی معبود نہیں۔

اور تقوی کا حکم یہاں اس لئے دیا ہے کہ گذشتہ پہلی اور دوسری آیتوں میں دونوں شوہروں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا ہے، اس کے بارے میں اس آیت میں فرمایا کہ یہ شریعتوں کا قدیم حکم ہے اور تاکیدی حکم ہے، اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

اور اللہ کی کارسازی کا مضمون اس لئے بیان کیا کہ تیسری آیت میں ہے کہ اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں گے تو ان کی کارسازی اللہ تعالیٰ کریں گے، شوہر کو بھی جوڑا مہیا کریں گے اور عورت کو بھی شریک حیات سے ہم کنار کریں گے، جو ہستی اتنی وسیع کائنات کی کارسازی کر رہی ہے اس کے لئے زوجین کی کارسازی کیا مشکل ہے؟

پھر ایک آیت میں یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو تمام انسانوں کو ختم کر دیں، اور ان کی جگہ دوسری مخلوق پیدا کر دیں، اللہ کی قدرت کے لئے یہ بات کچھ مشکل نہیں، اس بات میں اشارہ ہے کہ میاں بیوی میں جدائی کے بعد نئے جوڑے وجود میں لانا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔

پھر آخری آیت میں مصالحت کرنے والے شوہر کو نصیحت کی ہے کہ وہ صرف دنیا کا فائدہ پیش نظر نہ رکھے، آخرت کا بھی دھیان رکھے، اللہ کے پاس دارین کا صلہ ہے، اور وہ سمیع وبصیر ہیں، آخرت میں صلہ کا حقدار کون ہے، اس کو خوب جانتے ہیں۔

آیاتِ کریمہ: —— اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ چیزیں جو زمین میں ہیں —— یہ اللہ کی صفتِ وسعت کا بیان ہے —— اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے زوردار حکم دیا ہے ان لوگوں کو جن کو تم سے پہلے آسمانی کتابیں دی گئی ہیں —— یعنی سابقہ شرائع والوں کو، یہود ونصاریٰ کی تخصیص نہیں —— اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرو! —— پس دونوں شوہروں کو بھی حکم کی خلاف ورزی سے بچنا چاہئے۔

اور اگر تم انکار کرو گے تو آسمانوں میں جو کچھ ہے اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کا ہے —— یہ تکرار نہیں، دلیل ہے کہ کارخانہ کے مالک کا حکم ماننا ضروری ہے —— اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ستودہ صفات ہیں۔

اور اللہ ہی کے لئے ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں —— یہ بھی تکرار نہیں، بلکہ تمہید

لوٹائی ہے، اور یہ قرآن کا اسلوب ہے، جب وہ دوسری بات کہنا چاہتا ہے تو تمہید لوٹاتا ہے، تاکہ کلام میں پیچیدگی پیدا نہ ہو، اور کہنا یہ ہے: —— اور اللہ تعالیٰ کارسازی کے لئے کافی ہیں —— یعنی وہ صرف کائنات کے خالق و مالک نہیں، کارساز بھی ہیں، پس وہ زوجین کی بھی کارسازی کریں گے۔

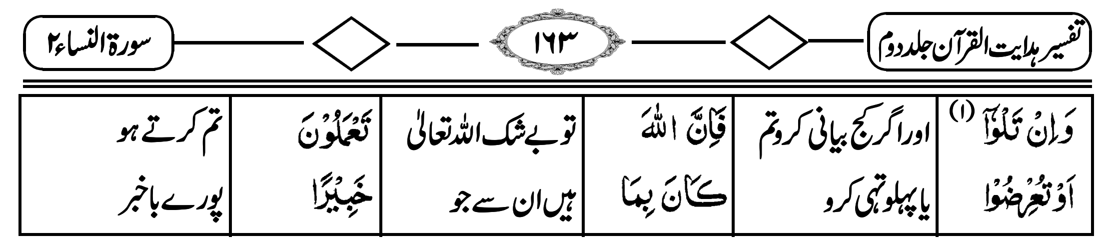
اور اگر وہ چاہیں تو اے لوگو! تمہیں نابود کردیں اور دوسروں کو (تمہاری جگہ) لے آئیں، اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں —— اس میں اشارہ ہے کہ یہ جوڑا ختم ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ نئے جوڑے وجود میں لائیں گے!

جو دنیا کا صلہ چاہتا ہے (وہ جان لے کہ) اللہ کے پاس دارین کا صلہ ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب دیکھنے والے ہیں —— اس میں مصالحت کرنے والے شوہر کو نصیحت کی ہے، کاش وہ سمجھے!

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	وَلَوْ	گو	فَاللّٰهُ	تو اللہ تعالیٰ
اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہو	عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ	اپنے خلاف ہو	اَوْلٰى (۲)	زیادہ نزدیک ہیں
كُوْنُوْا	ہوجاؤ	اَوِ الْوَالِدَيْنِ	یا ماں باپ کے	بِهِمَا (۳)	دونوں سے
قَوّٰمِيْنَ (۱)	اچھی طرح کھڑے رہنے والے	وَالْاَقْرَبِيْنَ	اور رشتہ داروں کے	فَلَا تَتَّبِعُوا	پس نہ پیروی کرو
بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ	اِنْ يَّكُنْ	اگر وہ ہو	الْهَوٰٓى	خواہش کی
شُهَدَآءَ	گواہی دینے والے	غَنِيًّا	مالدار	اَنْ (۴)	کبھی
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	اَوْ فَقِيْرًا	یا غریب	تَعْدِلُوْا (۵)	حق سے ہٹ جاؤ

(۱) قَوَّام: مبالغہ کا صیغہ ہے (۲) أولی: اقرب، زیادہ حقدار، اور جب لام صلہ آتا ہے تو دھمکی کے معنی ہوتے ہیں، أولی لك: تیرا ناس ہو! (۳) بھما کا مرجع غنی اور فقیر ہیں، چونکہ اللہ کی اقربیت دونوں سے ایک ساتھ ہے، اس لئے تثنیہ کی ضمیر آئی ہے، ورنہ قاعدے سے أو سے عطف کی صورت میں ضمیر مفرد آنی چاہئے۔ (۴) أن کا ترجمہ 'کبھی' حضرت تھانویؒ نے کیا ہے، مفسرین أن سے پہلے لام اور أن کے بعد لا نافیہ مقدر مانتے ہیں أی لِئَلَّا۔ (۵) تعدِلوا: عُدول سے ہے، جس کے معنی ہیں: عدول کرنا یعنی حق سے ہٹ جانا، عدل سے نہیں۔



وَاِنْ تَلْوٗٓا (۱)	اور اگر کج بیانی کرو تم	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ تعالیٰ	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو
اَوْ تُعْرِضُوْا	یا پہلو تہی کرو	كَانَ بِمَا	ہیں ان سے جو	خَبِیْرًا	پورے باخبر

ماسبق سے ربط: گذشتہ سات آیتوں میں گھر کے بکھیڑوں کا ذکر تھا کہ میاں بیوی اپنے مسائل خود حل کرلیں تو آسانی سے حل ہوجائیں گے، مگر کبھی زوجین کے نزاع میں ان کے والدین اور رشتہ دار حصہ دار بن جاتے ہیں، پھر جانب داری شروع ہوجاتی ہے، شوہر اپنے والدین کی اور رشتہ داروں کی بولی بولتا ہے، جبکہ قصوروار خود ہوتا ہے اور عورت اپنے والدین اور رشتہ داروں کی سُر میں سُر ملاتی ہے، جبکہ نافرمانی اس کی ہوتی ہے، اس طرح جھگڑا بڑھتا ہے، اور گھر برباد ہوجاتا ہے، لیکن اگر دونوں انصاف کی بات کہیں، چاہے ان کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ پڑے تو معاملہ آسانی سے نمٹ جائے گا۔

نکاح کے خطبہ میں سورۃ الاحزاب کی (آیات ۷۰ و ۷۱) اسی مقصد سے شامل کی گئی ہیں، ارشاد پاک ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝﴾: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سیدھی بات کہو، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہارے اعمال سنواریں گے، اور تمہارے لئے تمہاری غلطیاں معاف کریں گے، اور جو اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم مانے گا وہ بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔

اس آیت میں یہی ہدایت ہے کہ میاں بیوی کے نزاع میں ہر شخص سیدھی سچی بات کہے تو گذشتہ معاملات سنور جائیں گے، اور گاڑی پٹڑی پر چڑھ جائے گی۔

اسی مناسبت سے یہاں ایک عام حکم بیان کیا ہے، جو درج ذیل ہے:

دنیا میں عدل وانصاف کا راج قائم کرنا کھرے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے

یہ آیت بہت اہم ہے، عدل وانصاف کو بروئے کار لانا پکے مسلمانوں کا فریضہ ہے، اور پکے مسلمان کون ہیں؟ اس کا ذکر اگلی آیت میں ہے، نبوت اور آسمانی کتابوں کا ایک بنیادی مقصد دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنا ہے، انسان اللہ کا زمین میں خلیفہ ہے، اور اللہ کی صفت العدل ہے، اس لئے انسان کی ذمہ داری عدل قائم کرنے کی ہے۔

جاننا چاہئے کہ نبوت کا سلسلہ پہلے انسان سے شروع ہوا ہے، اور وہی زمین میں اللہ کا پہلا خلیفہ ہے، پھر رسولوں پر اللہ

(۱) تَلْوٗا (دو واو کے ساتھ) لَوىٰ لَيًّا سے مضارع، جمع مذکر حاضر، لَوَى الشيئَ: موڑنا۔ رسّی بٹنا، مراد: کج بیانی کرنا ہے، قرآنی رسم الخط میں ایک واو الٹے پیش کی شکل میں لکھا گیا ہے۔

نے اپنی کتابیں نازل کیں، ان کی تعلیمات کا ایک اہم مقصد عدل وانصاف کو بروئے کار لانا ہے، مگر لوگ انبیاء پر ایمان لائیں گے، اور اللہ کے نازل کردہ احکام کی پیروی کریں گے جبھی یہ مقصد حاصل ہوگا، سورۃ الحدید کی (آیت ۲۵) ہے:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ مبعوث کیا، اوران پر آسمانی کتابیں اور ترازو اتاری، تاکہ لوگ انصاف کو بروئے کار لائیں، ترازو سے مراد عدل وانصاف ہے، یعنی انصاف کا راج قائم کرنے کا حکم دیا۔

اور عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے:

اول: تمام نزاعات میں، خواہ گھریلو ہوں، شخصی ہوں یا قومی: دستاویزات اور کاغذات صحیح پیش کئے جائیں، اور گواہ اللہ کی خوشنودی کے لئے گواہی دیں، یعنی قاضی کو صحیح بات بتائیں، اگرچہ وہ بات گواہوں کے یا ان کے ماں باپ کے یا ان کے رشتہ داروں کے خلاف ہو، جبھی قاضی صحیح فیصلہ کرے گا اور انصاف قائم ہوگا ـــــ اس شرط کا ذکر اس آیت میں ہے۔

دوم: قاضی کاغذات اور شہادت کے مطابق انصاف سے فیصلہ کرے، کسی کی رورعایت نہ کرے، اس کا ذکر سورۃ المائدۃ کی آیت ۸ میں ہے، شروع کا مضمون یہاں اور وہاں ایک ہے کہ انصاف قائم کرنے کے لئے گواہی صحیح دو، پھر فرمایا ہے: ﴿ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا ﴾: اور کسی خاص قوم کی عداوت تم کو اس پر نہ ابھارے کہ تم انصاف نہ کرو، یہ قاضی کے لئے ہدایت ہے، وہ فریقین میں سے کسی کے ساتھ عداوت کی وجہ سے انصاف کا خون نہ کرے، چنانچہ آگے فرمایا ہے: ﴿ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ﴾: انصاف کرو، وہ تقوی سے زیادہ قریب ہے۔

سوم: انتظامیہ (پولیس) قاضی کے فیصلہ کو رورعایت کے بغیر نافذ کرے، جس کا حق ثابت ہوا ہے اس کو پہنچائے، سورۃ الحدید کی مذکورہ آیت میں ہے: ﴿ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ ﴾: اور ہم نے لوہا پیدا کیا ہے، اس میں سخت ہیبت ہے، یعنی لوہے کا ایک مقصد تہدید (دھمکی) ہے، انتظامیہ قوت سے فیصلہ نافذ کرے گا جبھی انصاف بروئے کار آئے گا۔

آیتِ کریمہ کی تفسیر:

۱-﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ـــــ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ـــــ یہاں بھی اور سورۃ المائدۃ میں بھی مؤمنین سے خطاب ہے، دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنا مؤمنین کی ذمہ داری ہے، جو اللہ کو مانتے ہیں وہی اللہ کا منشا پورا کرتے ہیں، دوسروں کو کیا پڑی ہے! وہ تو اپنی اغراض کے لئے دوسروں پر ظلم وستم ڈھاتے ہیں۔

البتہ مسلمان کھرے ہونے چاہئیں، نام نہاد مسلمانوں سے اس کی توقع کرنا فضول ہے کہ وہ اپنے نزاعات کا فیصلہ اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق کرائیں گے، اور کورٹوں کی زیر باری سے بچیں گے، آپ کسی سول کورٹ میں چلے جائیں، آپ کو وہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ملے گی —— رہی یہ بات کہ کھرا مسلمان کون ہے؟ اس کا تذکرہ اگلی آیت میں ہے۔

۲-﴿ كُونُوا قَوّٰمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ ﴾ —— آپ لوگ اچھی طرح انصاف کو بروئے کار لاؤ، اللہ کی رضا کے لئے گواہی دینے والے بنو —— دونوں جملوں کے درمیان واو عاطفہ نہیں، اس لئے دونوں جملوں کا مضمون متحد ہے، یعنی گواہی سچی اور اللہ کے حکم کے موافق دینی چاہئے، تاکہ قاضی صحیح فیصلہ کر سکے اور انصاف کا راج قائم ہو۔

ملحوظہ: یہاں ﴿ بِالْقِسْطِ ﴾ ﴿ قَوّٰمِينَ ﴾ کے ساتھ ہے، اور ﴿ لِلّٰهِ ﴾ ﴿ شُهَدَآءَ ﴾ کے ساتھ، اور سورۃ المائدہ میں اس کے برعکس ہے، اس لئے کہ یہاں آگے گواہی کے متعلقہ مسائل ہیں، اور وہاں انصاف کے ساتھ قاضی کے فیصلہ کا ذکر ہے، پس دونوں جگہ ایک مضمون ہے اور تقدیم وتاخیر تفنن ہے۔

۳-﴿ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ﴾ —— گو وہ گواہی اپنی ذات کے یا ماں باپ کے اور رشتہ داروں کے خلاف ہو —— یعنی اس کی پرواہ مت کرو، کسی کی طرفداری مت کرو، نہ اپنی ذات کی رعایت کرو، نہ ماں باپ کی، نہ رشتہ داروں کی، جو بات کھری ہو اس کو صاف صاف قاضی کے سامنے رکھ دو، تاکہ وہ انصاف سے فیصلہ کر سکے۔

۴-﴿ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ﴾ —— اگر وہ مالدار یا غریب ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں سے زیادہ نزدیک ہیں —— یعنی نہ مالدار کی وجاہت کا لحاظ کرو نہ غریب کی ہمدردی کرو، صحیح صحیح گواہی دو، اور جان لو کہ تمہاری بہ نسبت اللہ تعالیٰ ان دونوں سے اقرب ہیں، وہ یہ حکم دے رہے ہیں کہ تم دونوں میں سے کسی کا خیال مت کرو، انصاف کا تقاضا پورا کرو، اگر ان میں سے کسی کا نقصان ہوگا تو اللہ اس کی تلافی کریں گے۔

۵-﴿ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ﴾ —— پس تم خواہشِ نفس کی پیروی مت کرو کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ —— یعنی اپنی چاہت کو درمیان میں لاؤ گے، مالدار کی رعایت کرو گے، یا غریب کی ہمدردی کرو گے، اور تم غلط گواہی دو گے تو تم حق سے ہٹ جاؤ گے۔

۶-﴿ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴾ —— اور اگر تم کج بیانی کرو یا پہلوتہی کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے پوری طرح باخبر ہیں —— یعنی غلط گواہی تو نہیں دی، مگر کج بیانی کی، زبان دبا کر اس طرح بولا کہ بات صاف سمجھ میں نہیں آئی، یا کورٹ میں حاضری سے پہلوتہی کی، جس سے حقدار کا حق مارا گیا تو اس کی سزا تمہیں آخرت میں ملے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے بخوبی واقف ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	عَلٰى رَسُوْلِهٖ	اپنے رسول پر	وَكُتُبِهٖ	اور اس کی کتابوں کا
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	وَالْكِتٰبِ	اور ان کتابوں کا	وَرُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں کا
اٰمِنُوْا	یقین کرو	الَّذِيْٓ اَنْزَلَ	جو اتاری اس نے	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن کا
بِاللّٰهِ	اللہ کا	مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں	فَقَدْ	تو واقعہ یہ ہے
وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول کا	وَمَنْ يَّكْفُرْ	اور جو انکار کرے	ضَلَّ	بہک گیا وہ
وَالْكِتٰبِ	اور اس کی کتاب کا	بِاللّٰهِ	اللہ کا	ضَلٰلًا	بہکنا
الَّذِيْ نَزَّلَ	جو اتاری اس نے	وَمَلٰٓئِكَتِهٖ	اور اس کے فرشتوں کا	بَعِيْدًا	دور کا

مؤمنین کا تذکرہ

ایمان کو بڑھایا بھی جاسکتا ہے، اور گھٹایا بھی جاسکتا ہے

سورۃ التین میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ انسان بہترین مستوی (لیول) پر پیدا کیا گیا ہے، پھر وہ خود کو گرا بھی سکتا ہے، پس وہ بدترین خلائق ہو کر رہ جائے گا، اور اٹھا بھی سکتا ہے، پس کرّ وبی (مقرب فرشتے) اس کا دامن دھو کر پئیں گے (ہدایت القرآن ۸:۵۵۹) یہی حال ایمان کا ہے، مؤمن اپنے ایمان کو قوی بھی کرسکتا ہے، ایمان بڑھے گا تو ما عَرَفْنَاكَ حَقَّ معرفتك: ہم نے آپ کو نہیں پہچانا جیسا آپ کو پہچاننے کا حق ہے: کے اعتراف تک پہنچائے گا، اور گھٹائے گا تو کفر کی وادی میں پہنچ جائے گا۔

فائدہ: ایمان دو طرح بڑھتا ہے: ایک: ایمانیات پر یقین بڑھا کر، صدیق کا ایمان اسی وجہ سے دوسروں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے کہ اس کا یقین بڑھا ہوا ہوتا ہے دوسرے: اعمالِ صالحہ کی پابندی کر کے اور اعمالِ سیۂ سے بچ کر، اہل حق کے نزدیک: اعمال: ایمانِ کامل کا جزء ہیں، یعنی اعمال کی پابندی سے ایمان میں کمال پیدا ہوتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد کا ملازم ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دو، ملازم یعنی پابندی سے مسجد میں نماز پڑھنے والا۔

اسی طرح ایمان گھٹتا بھی دو طرح ہے: ایک: ایمانیات پر یقین کمزور ہے، جیسے منافق کا حال ہوتا ہے۔ دوسرے اعمالِ صالحہ چھوڑنے سے اور اعمالِ طالحہ کا ارتکاب کرنے سے ایمان کمزور پڑتا ہے۔ حدیث میں ہے: جو بے عذر نماز نہیں پڑھتا وہ کافر ہے یعنی ضعیف الایمان ہے، معلوم ہوا: ترک نماز سے ایمان گھٹتا ہے۔

اور یہ مضمون یہاں اس لئے بیان کیا ہے کہ کامل مؤمنین ہی دنیا میں عدل وانصاف کا راج قائم کرتے ہیں، نام نہاد مسلمانوں (منافقوں) اور کافروں سے اس کی توقع فضول ہے، اسی لئے آگے منافقین کا مفصل تذکرہ ہے۔

آیتِ کریمہ: اے ایمان والو! اپنا یقین بڑھاؤ اللہ پر، اور اس کے رسول پر، اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری —— یعنی قرآنِ کریم پر —— اور ان کتابوں پر جو اس نے قرآن سے پہلے اتاری ہیں —— ان چیزوں کا یقین بڑھے گا تو ایمان کامل ہوگا۔

اور جو شخص نہیں مانتا اللہ کو، اور اس کے فرشتوں کو، اور اس کی کتابوں کو، اور اس کے رسولوں کو، اور دنیا کے آخری دن کو —— یعنی قیامت کے دن کو —— تو وہ بالیقین ہدایت کے راستے سے بہت دور جا پڑا! —— یعنی وہ شخص ایمان لایا ہی نہیں یا لایا تو تھا مگر مؤمَن بہ کا انکار کر کے کفر کی گھاٹی میں پہنچ گیا!

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿۱۴۱﴾

ع

إِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں کو	إِنَّكُمْ إِذًا	بے شک تم تب تو
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	أَيَبْتَغُوْنَ	کیا چاہتے ہیں وہ	مِّثْلُهُمْ	ان کے جیسے ہوگے
ثُمَّ كَفَرُوْا	پھر انکار کیا انھوں نے	عِنْدَهُمُ	ان کے پاس	إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
ثُمَّ اٰمَنُوْا	پھر ایمان لائے	الْعِزَّةَ	عزت	جَامِعُ	اکٹھا کرنے والے ہیں
ثُمَّ كَفَرُوْا	پھر انکار کیا انھوں نے	فَإِنَّ الْعِزَّةَ	پس بے شک عزت	الْمُنٰفِقِيْنَ	منافقوں کو
ثُمَّ ازْدَادُوْا	پھر بڑھ گئے	لِلّٰهِ جَمِيْعًا (۲)	اللہ کے لئے ہے ساری	وَالْكٰفِرِيْنَ	اور کافروں کو
كُفْرًا	کفر میں	وَقَدْ نَزَّلَ	اور تحقیق اتارا اس نے	فِيْ جَهَنَّمَ	دوزخ میں
لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ	نہیں ہیں اللہ تعالیٰ	عَلَيْكُمْ	تم پر	جَمِيْعًا	سبھی کو
لِيَغْفِرَ لَهُمْ	کہ بخشیں ان کو	فِي الْكِتٰبِ	قرآن میں	الَّذِيْنَ (۱)	وہ لوگ جو
وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ	اور نہیں دکھلائیں گے ان کو	أَنْ إِذَا	کہ جب	يَتَرَبَّصُوْنَ	انتظار کرتے ہیں
سَبِيْلًا	راہ ہدایت	سَمِعْتُمْ	سنو تم	بِكُمْ	تمہارے حق میں
بَشِّرِ	خوش خبری سنائیں آپ	اٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتیں	فَإِنْ كَانَ	پس اگر ہوتی ہے
الْمُنٰفِقِيْنَ	منافقوں کو	يُكْفَرُ بِهَا (۳)	انکار کیا جاتا ہو ان کا	لَكُمْ فَتْحٌ	تمہارے لیے کوئی کامیابی
بِأَنَّ لَهُمْ	کہ ان کے لئے ہے	وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا	اور ٹھٹھا کیا جاتا ہو ان کا	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
عَذَابًا أَلِيْمًا	دردناک عذاب	فَلَا تَقْعُدُوْا	پس نہ بیٹھو تم	قَالُوْا	کہا انھوں نے
الَّذِيْنَ (۱)	وہ لوگ جو	مَعَهُمْ	ان کے ساتھ	أَلَمْ نَكُنْ	کیا نہیں تھے ہم
يَتَّخِذُوْنَ	بناتے ہیں	حَتّٰى يَخُوْضُوْا (۴)	یہاں تک کہ مشغول	مَّعَكُمْ	تمہارے ساتھ
الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کو		ہوجائیں وہ	وَإِنْ كَانَ	اور اگر ہوتا ہے
أَوْلِيَاءَ	دوست	فِيْ حَدِيْثٍ	کسی بات میں	لِلْكٰفِرِيْنَ	کافروں کے لئے
مِنْ دُوْنِ	چھوڑ کر	غَيْرِهٖ	اس کے علاوہ	نَصِيْبٌ	کوئی حصہ

(۱) دونوں الذین: المنافقین کی صفتیں یا بدل ہیں، اور انہی دو مذموم حرکتوں کا آیات میں ذکر ہے۔ (۲) جميعا: لله میں ضمیر مستکن سے حال ہے (جمل) (۳) يكفر بها: جملہ فعلیہ حال ہے آيات الله کا (۴) خاض (ن) خَوْضًا: مشغول ہونا، خاض الماء: گھسنا۔

قَالُوْٓا	(تو) کہا انھوں نے	مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں سے	وَلَنْ يَّجْعَلَ	اور ہرگز نہیں بنائیں گے
اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ (۱)	کیا نہیں قابض ہوگئے تھے ہم	فَاللّٰهُ	پس اللہ تعالیٰ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
عَلَيْكُمْ	تم پر	يَحْكُمُ	فیصلہ کریں گے	لِلْكٰفِرِيْنَ	کافروں کے لئے
وَنَمْنَعْكُمْ (۲)	اور (کیا نہیں) بچایا	بَيْنَكُمْ	تمہارے درمیان	عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمان پر
	ہم نے تم کو	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	سَبِيْلًا	کوئی راہ

منافقین کا تذکرہ

مؤمنین کا ایک آیت میں ذکر کیا، اب منافقین کا لمبا تذکرہ کرتے ہیں، یہ لوگ آستین کے سانپ ہیں، ان سے ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے، مسلمانوں کو یہی لوگ نقصان پہنچاتے ہیں، شیخ سعدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد: مجھے جو نقصان پہنچایا ہے اس متعارف نے پہنچایا ہے، اور منافقوں کے دلوں کی کیفیت تو معلوم نہیں ہوسکتی، ان کو علامات ہی سے پہچانا جاسکتا ہے، اس لئے ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ سورۃ البقرۃ کے شروع میں بھی ایک لمبے رکوع میں ان کا مفصل تذکرہ گذر چکا ہے۔

مدینہ کے منافق گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے تھے

مدینہ شریف میں منافقین کی بڑی تعداد تھی، مشرکین میں بھی اور یہود میں بھی، اور ان کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا:

۱- جب جنگِ بدر میں مسلمانوں کو نمایاں کامیابی ملی تو مشرکین پر ان کی دھاک بیٹھی، اس وقت عبداللہ نے اپنے مشرک ساتھیوں سے کہا: **هذا أمر قد توجه، فبايعوا الرسول على الإسلام**: یہ معاملہ (اسلام) یقیناً تمہاری طرف متوجہ ہوا ہے، پس اسلام پر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرلو، چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے (بخاری شریف حدیث ۴۵۶۶ تحفۃ القاری ۹: ۱۶۳) یہ پہلا ﴿ اٰمَنُوْا ﴾ ہے۔

۲- پھر ایک سال کے بعد غزوۂ احد میں وہ اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ عین محاذ سے لوٹ گیا یہ ﴿ ثُمَّ كَفَرُوْا ﴾ ہے۔

۳- پھر غزوۂ احد کے بعد جب غزوۂ حمراء الاسد کے لئے چلنے کا وقت آیا، تو عبداللہ نے ساتھ چلنے کی درخواست کی ـــــ یہ دوسرا ﴿ اٰمَنُوْا ﴾ ہے، مگر اس کی درخواست منظور نہیں ہوئی۔

(۱) اِسْتِحْواذ: قابو میں کرنا، غالب ہونا، جیسے **استحوذ عليهم الشيطان**: شیطان ان پر غالب آگیا (۲) نمنعکم: معطوف ہے نستحوذ پر، پس ألم یہاں بھی آئے گا۔

۴- پھر غزوۂ بنی المصطلق میں اس نے وہ گندی بات کہی جس کا ذکر سورۃ المنافقین میں ہے: ﴿ لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَی الۡمَدِیۡنَۃِ لَیُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ ﴾: اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو ضرور نکال باہر کرے گا نہایت عزت دار بڑے ذلیل کو ــــ یہ دوسرا ﴿ کَفَرُوۡا ﴾ ہے۔

۵- پھر مدینہ پہنچ کر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی، اس کا ذمہ دار بھی یہی عبداللہ اور اس کے ساتھی تھے ــــ یہ ﴿ ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا ﴾ ہے۔

بہر حال اس کا (عبداللہ کا) حال آخر تک درست نہیں ہوا، نفاق میں پیر پسارتا رہا، اس لئے فرماتے ہیں کہ ہم اس کی بخشش نہیں کریں گے، وہ نفاق سے توبہ نہیں کرے گا، اس لئے اس کو ہدایت نصیب نہیں ہوگی، البتہ اس کے ساتھی دیر سویر مخلص مسلمان ہوگئے، آخر میں مدینہ میں صرف بارہ منافق رہ گئے تھے۔

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّمۡ یَکُنِ اللّٰهُ لِیَغۡفِرَ لَهُمۡ وَلَا لِیَهۡدِیَهُمۡ سَبِیۡلًا ﴿۱۳۷﴾ ﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے، پھر انھوں نے کفر کیا، پھر وہ لوگ ایمان لائے، پھر انھوں نے کفر کیا، پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے: ان کو نہ تو اللہ تعالیٰ معاف کریں گے، اور نہ ان کو سیدھا راستہ دکھائیں گے!

منافقوں کی دو مذموم حرکتیں

اب منافقوں کی دو مذموم حرکتوں کا تذکرہ کرتے ہیں، اور بات یہاں سے شروع کی ہے کہ منافقوں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنادو، ہر شخص اپنے مستقبل کے لئے خوش کن خبر سننے کا منتظر ہوتا ہے، منافقین کے لئے یہی خوش خبری ہے، پھر دو ﴿ الَّذِیۡنَ ﴾ آئے ہیں، ان میں ان کی دو حرکتوں کا ذکر ہے، اور تمہید کی آیت میں اشارہ ہے کہ ان کی یہ دونوں حرکتیں نہایت مذموم ہیں، جن کی ان کو دردناک سزا ملے گی۔

۱- منافقین مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں

اور جب ان کی کافروں سے دوستی ہوگی تو وہ ان کو مسلمانوں کے جنگی راز پہنچائیں گے، جو جنگ میں مسلمانوں کی ناکامی کا سبب بنے گا، پس سوچو! یہ کتنی بری حرکت ہے!

اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں: بتاؤ! کافروں سے دوستی کا کیا مقصد ہے؟ کیا کافروں کے درمیان اپنا وقار بڑھانا چاہتے ہو؟ اگر ان کا یہ مقصد ہے تو سن لو: عزت تو اللہ کے لئے ہے، وہ جس کو عزت دیں وہی باعزت ہے، سورۃ المنافقین

(آیت ۸) میں ہے:﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾:اور عزت اللہ کے لئے ہے، اوراس کے رسول اور مؤمنین کے لئے ہے، مگر منافقین جانتے نہیں! اگر ان کو عزت چاہئے تو مسلمانوں سے دوستی رکھیں، کافروں کے پاس عزت کہاں رکھی ہے؟ وہاں تو دارین میں ان کے لئے ذلت ہی ذلت ہے!

اور کافروں کے ساتھ دوستی میں قباحت یہ ہے کہ جب ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا ہوگا تو ان کی باتیں سننی پڑیں گی، اور ان کی باتیں کیا ہونگی؟ اسلام اور اللہ کی باتوں کا مذاق! پس منافقین اس کو سنیں گے، جبکہ سورۃ الانعام کی (آیت ۶۸) میں —— جو مکی سورت ہے اور سورۃ النساء سے پہلے نازل ہو چکی ہے —— یہ حکم نازل کیا جا چکا ہے:﴿ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾:اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری باتوں میں گھستے ہیں، یعنی اسلام اور قرآن کی باتوں میں کیڑے نکالتے ہیں، ان کی عیب جوئی کرتے ہیں تو آپ ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں، منافقین سوچیں: وہ اپنے دوستوں سے کیسے کنارہ کش ہونگے؟ ان سے تو دوستی گانٹھ رکھی ہے! لامحالہ ان کو اسلام کی برائیاں سننی ہونگی، پس وہ بھی ان کی طرح ہو جائیں گے، برائی کرنا جس طرح برا ہے برائی سننا بھی برا ہے، پس وہ ایک تھیلے کے چٹے بٹے ہو کر رہ جائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو اکٹھا دوزخ میں ڈالیں گے!

﴿ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۟ۙ۱۳۸ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۟ؕ۱۳۹ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۟ۙ۱۴۰ ﴾

ترجمہ: آپ منافقوں کو خوش خبری سنا دیں کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے —— اس تمہید میں ان کی حرکتوں کی شدید مذمت ہے —— یہ (منافق) وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں —— اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں: —— کیا وہ ان کے پاس عزت کے خواہاں ہیں؟ —— (ایسا ہے تو سنیں:) عزت تو ساری کی ساری اللہ کے لئے ہے!

اور (ان سے دوستی کا بڑا نقصان یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ قرآن میں تم پر یہ حکم نازل کر چکے ہیں کہ جب تم سنو کہ اللہ کی باتوں کا انکار کیا جا رہا ہے، اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو تم ان کے پاس مت بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ بات میں مشغول ہو جائیں —— قاعدہ: نہی سے استثناء اباحت کے لئے ہوتا ہے یعنی اب ان کے پاس بیٹھنا جائز ہے —— بے شک تب تو تم بھی ان ہی جیسے ٹھہرو گے —— یعنی ان کے ہم جنس شمار کئے جاؤ گے، اس لئے —— اللہ تعالیٰ یقیناً

منافقوں اور کافروں کو سبھوں کو دوزخ میں اکٹھا کریں گے!

۲-منافقین ہر وقت مسلمانوں کے نقصان کی تاک میں رہتے ہیں

جب اسلام اور کفر کی آویزش ہوتی ہے تو منافقین: مسلمانوں کے نقصان کی تاک میں رہتے ہیں، پھر اگر کامیابی اللہ کے فضل سے مسلمانوں کے قدم چومتی ہے تو وہ کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ یعنی کامیابی کا سہرا اپنے سر باندھتے ہیں کہ تمہیں کامیابی ہماری وجہ سے ملی، اور اگر خدانخواستہ کافر گول (Goal) کرتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں: کیا ہم تم پر غالب نہیں آگئے تھے؟ پھر جنگ کا پانسہ کیسے پلٹا! ہم نے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کیا، اس لئے تم جیت گئے! اس طرح وہ کافروں سے بھی بنائے رکھتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ دین حق پر ہوکر گمراہوں سے بنائے رکھنا بھی نفاق کی علامت ہے!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تمہارے (مسلمانوں کے) اور ان کے درمیان فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، تم جنت میں جاؤ گے اور وہ جہنم میں! اور منافقین یہ بات جان لیں کہ مسلمانوں کی بیخ کنی کافر کبھی نہ کرسکیں گے جو منافقوں کی دلی تمنا ہے۔

﴿ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾ ﴾

ترجمہ: یہ (منافقین) وہ لوگ ہیں جو تمہارے بارے میں منتظر رہتے ہیں —— کہ تمہیں کسی طرح نقصان پہنچے —— پھر اگر تمہیں اللہ کی طرف سے کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ اور اگر کافروں کی کچھ جیت ہوتی ہے تو (کافروں سے) کہتے ہیں: کیا ہم تم پر غالب نہیں آگئے تھے؟ اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچایا نہیں؟ —— پس اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کریں گے —— اور اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مسلمانوں پر ہرگز کوئی راہ نہیں بنائیں گے —— یعنی کفار: مسلمانوں کی بیخ کنی کبھی نہیں کرسکیں گے۔

فائدہ: آیت کے آخر میں جو ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾ کے عموم سے چند مسائل مستنبط کئے گئے ہیں: (۱) کافر: مسلمان کا ولی نہیں ہوسکتا (۲) کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف معتبر نہیں (۳) شوہر مرتد ہوجائے تو اس کی بیوی نکاح سے نکل جائے گی (۴) بیوی مسلمان ہوجائے اور شوہر کافر رہے تو دونوں کے درمیان جدائی واقع ہوجائے گی۔

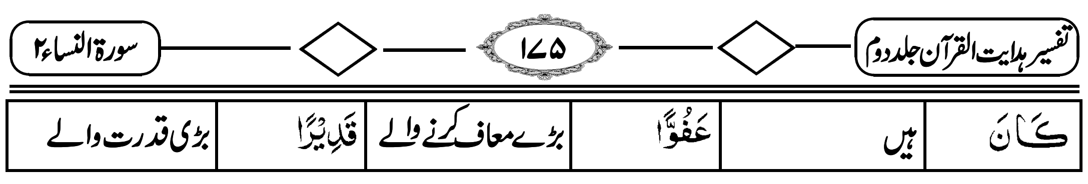
إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ إِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوْهُ أَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ	بے شک منافقین	وَإِذَا قَامُوْٓا	اور جب کھڑے ہوتے	يُرَآءُوْنَ	دکھلاتے ہیں وہ
يُخٰدِعُوْنَ	دھوکہ دیتے ہیں		ہیں وہ	النَّاسَ	لوگوں کو
اللّٰهَ	اللہ کو	إِلَى الصَّلٰوةِ	نماز کے لئے	وَلَا يَذْكُرُوْنَ	اور نہیں یاد کرتے
وَهُوَ	اور وہ	قَامُوْا	کھڑے ہوتے ہیں	اللّٰهَ	اللہ کو
خَادِعُهُمْ (۱)	دھوکہ دینے والے ہیں ان کو	كُسَالٰى (۲)	سست (ہارے جی سے)	إِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑا

(۱) عربی میں مشاکلت (ہم شکلی) کا قاعدہ ہے، جیسے: ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾: اور انھوں نے (یہود نے) سازش کی، اور اللہ نے خفیہ تدبیر کی، اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والے ہیں [آل عمران ۵۴] یعنی برائی کے جواب کے لئے بھی برائی کا لفظ استعمال کرتے ہیں، مگر اردو میں یہ قاعدہ نہیں، اس لئے خادعھم کا لفظی ترجمہ تو ہے: وہ ان کو دھوکہ دینے والے ہیں، مگر مراد ہے: ان کو دھوکہ دہی کی سزا دینے والے ہیں (۲) کُسالی: کَسْلان کی جمع: سست، کاہل،

مُذَبْذَبِيْنَ[1]	ڈانواں ڈول	مِنَ النَّارِ	دوزخ کے	بِعَذَابِكُمْ	تم کو سزا دے کر
بَيْنَ ذٰلِكَ[2]	ان کے درمیان	وَلَنْ تَجِدَ	اور ہرگز نہیں پائے گا تو	اِنْ شَكَرْتُمْ	اگر حق گذار بنو تم
لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ	نہ ان کی طرف	لَهُمْ	ان کے لئے	وَاٰمَنْتُمْ	اور ایمان لاؤ تم
وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ	اور نہ اُن کی طرف	نَصِيْرًا	کوئی مددگار	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
وَمَنْ يُّضْلِلِ	اور جسے گمراہ کریں	اِلَّا الَّذِيْنَ	مگر جنھوں نے	شَاكِرًا	بڑے قدرداں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	تَابُوْا	توبہ کی	عَلِيْمًا	سب کچھ جاننے والے
فَلَنْ تَجِدَ	پس ہرگز نہیں پائے گا تو	وَاَصْلَحُوْا	اور سنوار لیا	لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے
لَهٗ سَبِيْلًا	اس کے لئے کوئی راہ	وَاعْتَصَمُوْا	اور مضبوط پکڑا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	بِاللّٰهِ	اللہ کو	الْجَهْرَ	زور سے کہنے کو
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَاَخْلَصُوْا	اور خالص کیا انھوں نے	بِالسُّوْٓءِ	بری بات
لَا تَتَّخِذُوا	مت بناؤ تم	دِيْنَهُمْ	اپنا دین	مِنَ الْقَوْلِ	
الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کو	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	اِلَّا مَنْ	مگر جو شخص
اَوْلِيَآءَ	دوست	فَاُولٰٓئِكَ	تو وہ لوگ	ظُلِمَ	ظلم کیا گیا
مِنْ دُوْنِ	مسلمانوں کو چھوڑ کر	مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کے ساتھ ہیں	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
الْمُؤْمِنِيْنَ		وَسَوْفَ	اور عنقریب	سَمِيْعًا	خوب سننے والے
اَتُرِيْدُوْنَ	کیا چاہتے ہو تم	يُؤْتِ	دیں گے	عَلِيْمًا	سب کچھ جاننے والے
اَنْ تَجْعَلُوْا	کہ بناؤ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اِنْ تُبْدُوْا	اور ظاہر کرو تم
لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ	اللہ کے لئے اپنے اوپر	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کو	خَيْرًا	کوئی بھلی بات
سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا	واضح غلبہ	اَجْرًا	ثواب	اَوْ تُخْفُوْهُ	یا چھپاؤ اس کو
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ	بے شک منافقین	عَظِيْمًا	بڑا	اَوْ تَعْفُوْا	یا معاف کرو
فِى الدَّرْكِ	طبقہ میں	مَا يَفْعَلُ	کیا کریں گے	عَنْ سُوْٓءٍ	کوئی بھی برائی
الْاَسْفَلِ	نچلے (ہونگے)	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بے شک اللہ

(۱) مُذَبْذَب: اسم مفعول: ڈانواں ڈول ذَبْذَبَة: ہلنا۔ (۲) ذلك کا مشار الیہ: مسلمان اور کافر ہیں۔



کَانَ	ہیں	عَفُوًّا	بڑے معاف کرنے والے	قَدِيْرًا	بڑی قدرت والے

منافقوں کی پانچ نشانیاں

ان آیات پر منافقوں کا تذکرہ پورا ہوجائے گا، پھر یہود کا تذکرہ شروع ہوگا، یہود میں بھی منافقوں کی بڑی تعداد تھی۔ جاننا چاہئے کہ دورِ نبوی میں بھی منافقوں کے نام عام طور پر ظاہر نہیں کئے گئے تھے، حالانکہ وحی کا سلسلہ جاری تھا، کیونکہ یہ بات دعوت کے مقصد کے خلاف ہے، جیسا کہ ان آیات کی آخری دو آیتوں میں یہ بات آرہی ہے۔

البتہ منافقوں کو علامتوں اور طرز کلام سے پہچانا جاسکتا ہے، سورۃ محمدؐ کی (آیت ۳۰) ہے: ﴿ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ﴾: اور اگر ہم چاہیں تو آپؐ کو ان کا پورا پتہ بتادیں، پس آپؐ نے ان کو ان کی علامتوں سے تو پہچان لیا ہے، اور آپؐ آئندہ ان کو ان کے طرز کلام سے پہچان لیں گے۔

اس لئے اب ایک آیت میں ان کی پانچ علامتیں ذکر فرماتے ہیں، تاکہ ان کی شناخت ہوسکے:

۱- منافقین: اللہ تعالیٰ سے فریب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو کوئی فریب نہیں کرسکتا، دھوکہ بے خبر کو دیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہیں، اس لئے آیت کی مراد نبی ﷺ اور مسلمان ہیں، منافق ان کے ساتھ فریب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ فریب کو اپنے ساتھ فریب قرار دیا ہے، اور اس کی مثال گذشتہ آیت میں آئی ہے، جب کسی جنگ میں مسلمانوں کا غلبہ ہوجاتا تو منافق: مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرتے، جس سے جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا، یہی مسلمانوں کے ساتھ فریب کرنا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ ان کو اس دھوکہ دہی کی سزا ضرور دیں گے، وہ غافل نہ رہیں۔

۲- منافقین نماز میں شامل ہوتے ہیں تو ہارے جی کھڑے ہوتے ہیں، جیسے کسی نے ستّر جوتے مار کر کھڑا کیا ہو۔ ایسی نماز سے ان کو کیا حاصل ہوگا؟

۳- منافقین انہی نمازوں میں آتے ہیں جن میں مسلمان ان کو دیکھیں، عشاء اور فجر میں چونکہ اندھیرا ہوتا ہے اس لئے غائب رہتے ہیں، یہ دو نمازیں ان پر بہت بھاری ہیں، ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے: ایک مرتبہ فجر کی نماز کے بعد نبی ﷺ نے دریافت کیا: کیا فلاں حاضر ہے؟ بتایا گیا: نہیں، پوچھا: اور کیا فلاں موجود ہے؟ جواب دیا گیا: نہیں! پس آپؐ نے فرمایا: **إن هاتين الصلاتين أثقلُ الصلوات على المنافقين**: یہ دو نمازیں (عشاء اور فجر) منافقین پر بہت بھاری ہیں (مشکات حدیث ۱۰۶۶ باب الجماعۃ) کیونکہ ان کا مقصد دکھلاوا کرنا ہے جو حاصل نہیں ہوتا۔

۴- منافقین نماز کے علاوہ بھولے سے بھی اللہ کو یاد نہیں کرتے، جبکہ سورۃ الجمعہ میں ہے: ﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾: اور (نمازِ جمعہ سے فارغ ہوکر کاروبار کرتے ہوئے بھی) اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتے رہو، تاکہ تم

کامیاب ہوں ــــ مگر منافقین کو اس کی توفیق نہیں ہوتی۔

۵-منافق کبھی مسلمانوں کے پاس آتے ہیں کبھی کافروں کے پاس جاتے ہیں، وہ نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے، دونوں کے درمیان آوارہ جانور کی طرح مذبذب رہتے ہیں، اِدھر بھی بنائے رکھنی ہے، اور اُدھر بھی کو لگائے ہوئے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ منافقوں کے یہ احوال کیوں ہیں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی استعداد کی خرابی کی وجہ سے راہ راست سے ان کو بہکا دیا ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ بے راہ کردیں اس کے لئے آپ کوئی راہ نہیں پائیں گے۔

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ ﴾

ترجمہ: (۱) بے شک منافقین اللہ تعالیٰ کو چکما دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو اس کی سزا دینے والے ہیں (۲) اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ہارے جی کھڑے ہوتے ہیں (۳) لوگوں کے سامنے دکھلاوا کرتے ہیں (۴) اور اللہ تعالیٰ کو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں (۵) اور وہ دونوں فریقوں کے درمیان مذبذب رہتے ہیں، نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے ــــ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کریں آپ ہرگز اس کے لئے کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔

مسلمانوں کو تنبیہ کہ وہ کافروں سے دوستی نہ رکھیں، ورنہ وہ بھی منافق ثابت ہونگے!

گذشتہ آیت میں منافقوں کی پانچویں علامت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ کافروں کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں، کیونکہ ان سے دوستی ہے، اب ایک آیت میں مسلمانوں کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ وہ کافروں سے دوستی نہ رکھیں، کیا دوستی کے لئے مسلمان کافی نہیں؟! اگر وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کریں گے تو وہ ان کے نفاق کی دلیل ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کی صریح حجت ان پر قائم ہوجائے گی، اور وہ اس کی سزا سے بچ نہ سکیں گے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے لئے اپنے خلاف صریح حجت قائم کرو!

منافقوں کا آخرت میں بھیانک انجام

جنت کے سات طبقات ہیں اور جہنم کے بھی، جنت کے طبقات کے لئے درجات اور جہنم کے طبقات کے لئے درکات

استعمال کرتے ہیں، جنت کے درجات خوبی اور عمدگی میں نیچے سے اوپر کو چڑھتے ہیں، جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ فردوس (بہشتِ بریں) ہے، جو سب سے اوپر کا ساتواں درجہ ہے۔ اور جہنم کے طبقات عذاب کی شدت میں اوپر سے نیچے کو اترتے ہیں، سب سے تیز آگ ساتویں طبقہ میں ہے، وہ سب سے نچلا طبقہ ہے، وہ منافقوں کا ٹھکانہ ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کی آستین کے سانپ ہیں، وہ مسلمانوں کے حق میں کافروں سے زیادہ نقصان رساں ہیں، دوزخ میں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا جو ان کو وہاں سے نکالے، یا عذاب میں کچھ تخفیف کرادے، پس مسلمانوں کو نفاق سے کوسوں دور رہنا چاہئے۔

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ ﴾

ترجمہ: بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہونگے، اور تم (وہاں) ان کے لئے ہرگز کوئی مددگار نہیں پاؤ گے!

توبہ کا دروازہ منافقوں کے لئے بھی کھلا ہے

منافق اپنا بھیانک انجام سن کر مایوس نہ ہوں، ان کے لئے بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے، نفاق سے توبہ کریں، اپنے اعمال درست کریں، اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھامیں اور ریاء وسمعہ وغیرہ خرابیوں سے دین کو پاک صاف رکھیں تو وہ مخلص مسلمان سمجھے جائیں گے، اور دارین میں مسلمانوں کے ساتھ ہونگے، اور ایمان والوں کو بڑا ثواب ملنے والا ہے، منافق بھی اس سے محروم نہیں رہیں گے۔

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ ﴾

ترجمہ: ہاں مگر جنھوں نے توبہ کرلی، اور اپنے احوال کو سنوار لیا، اور اللہ (کے دین) کو مضبوطی سے تھام لیا، اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کرلیا: تو وہ لوگ مؤمنین کے ساتھ ہونگے، اور اللہ تعالیٰ مؤمنین کو عنقریب بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔

اللہ پاک نے انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی مہربانی کے حقدار بنیں

اللہ پاک نے دنیا کا یہ کارخانہ دوزخ بھرنے کے لئے قائم نہیں کیا، وہ تو بہر حال بھر جائے گی، اللہ نے یہ جہاں جنت کو آباد کرنے کے لئے قائم کیا ہے، جیسے دار العلوم اور یونیورسٹی طلبہ کو فیل کرنے کے لئے قائم نہیں کی جاتی، فیل ہونے والے تو بہر حال فیل ہونگے، بلکہ ادارہ اس لئے قائم کیا جاتا ہے کہ ہر طالب علم پہلی پوزیشن سے کامیاب ہو، اسی طرح یہ عالم رنگ وبو اسی لئے وجود میں لایا گیا ہے کہ ہر انسان بہترین عمل کر کے جنت کا اعلیٰ درجہ حاصل کرے، اور یہ بات قرآنِ

کریم میں دوجگہ بیان کی گئی ہے،سورۃ الکہف کی آیت سات میں اور سورۃ الملک کی دوسری آیت میں، یہاں بھی ایک آیت میں یہی مضمون ہے،اور سورہ ہود(آیت ۱۱۹) میں صراحت ہے:﴿ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ﴾ ذلك کا مشارالیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رحمت کو قرار دیا ہے،یعنی اللہ نے لوگوں کو اپنی مہربانی حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے،اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرکے جنت کے حقدار بنیں، یہاں بھی عجیب انداز سے یہی بات فرمائی ہے کہ اگر تم اللہ کے حق شناس بندے بنو اور ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری سزا سے کیا دلچسپی ہے؟ رہی یہ بات کہ کون شکرگذار بندہ اور مؤمن ہے؟اس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

﴿ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝۱۴۷ ﴾

ترجمہ:اگر تم اللہ کا حق مانو اور ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کریں گے؟! —— یعنی ان کو تمہاری سزا سے کوئی دلچسپی نہیں، وہ تو تمہیں جنت نشیں بنانا چاہتے ہیں —— اور اللہ تعالیٰ بڑے شکرگذار اور سب کچھ جاننے والے ہیں۔

منافقین کی بھی پردہ دَری پسندیدہ نہیں

کبھی سربستہ راز کھولنے سے نقصان ہوتا ہے، دبلی اور لنگڑی بکری سے بھی ریوڑ بڑھتا ہے، پس کسی کا کوئی عیب معلوم ہو تو اس کا افشا نہیں کرنا چاہئے، البتہ مظلوم مستثنیٰ ہے، وہ قاضی سے فریاد کرسکتا ہے، کیونکہ اس کے بغیر انصاف کا حصول مشکل ہے،اور یہ بات قاعدہ کلیہ کی شکل میں بیان کی ہے۔اور قاعدہ کلیہ کا منشأ یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ منافقوں کے نام مشہور نہ کریں، کسی کی برملا برائی کرنے میں اندیشہ ہے کہ وہ بگڑ جائے،اور بے باک ہوکر کھلا مخالف ہوجائے، پس عام پیرایہ میں نصیحت کرنی چاہئے، منافق خود سمجھ جائے گا، یا تنہائی میں نصیحت کی جائے،اس میں اصلاح کی زیادہ امید ہے، نبی ﷺ بھی کسی منافق کا نام لے کر مشہور نہیں کرتے تھے، آیات واحادیث بھی منافقین کے بارے میں عام ہیں، بلکہ جب منافقوں کے سردار عبداللہ نے وہ بات کہی جو سورۃ المنافقین میں آئی ہے کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو نہایت عزت والا ضرور نہایت ذلیل کو مدینہ سے نکال دے گا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا ہم اس خبیث کو یعنی عبداللہ کو قتل نہ کردیں؟ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے زمانہ میں جلاّد تھے،یعنی سزا دینے کے لئے مقرر تھے) آپؐ نے فرمایا: نہیں! لوگ باتیں کریں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرتے تھے،یعنی رہتی دنیا تک لوگ پروپیگنڈہ کریں گے کہ محمدؐ نے تو اپنے ساتھیوں کو بھی نہیں چھوڑا، ان کو بھی قتل کیا،ان کو ایسا پروپیگنڈہ کرنے کا موقع کیوں دیا جائے؟

اور اب تو اعتقادی نفاق کا پتہ ہی نہیں چل سکتا، اس لئے اگر کوئی کسی کو اعتقادی منافق قرار دیتا ہے تو وہ بہتان اور محض الزام ہوگا،اور منافق عملی کو بھی عام پیرایہ میں نصیحت کی جائے،اسی میں اصلاح کی امید ہے۔

﴿ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴾ (۱۴۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بری بات زور سے کہنے کو پسند نہیں کرتے، البتہ جس پرظلم کیا گیا —— وہ قاضی سے فریاد کرسکتا ہے —— اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور ہر چیز جاننے والے ہیں۔

منافقوں کی اصلاح کا طریقہ ان کی شرارتوں سے درگذر کرنا ہے

پھر ایک دوسرا قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ منافقوں کی اصلاح چاہتے ہو تو ان کی حرکتوں سے درگذر کرو، ان کی ایذارسانیوں پر صبر کرو، پردہ سے ان کو سمجھاؤ، ظاہری لعن طعن سے بچو، اور ان کو اپنا کھلا مخالف نہ بناؤ۔

اور قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ تم جو بھی اچھا کام برملا کرو یا چھپا کر کرو یا کسی کی کوئی برائی معاف کرو، مثلاً: مظلوم: ظالم کو معاف کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو معاف کریں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے، بڑی قدرت والے ہیں، وہ قادر ہو کر معاف کرتے ہیں تو تم بھی ان کی صفت اپناؤ۔

﴿ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴾ (۱۴۹)

ترجمہ: اگر تم کوئی اچھا کام ظاہر کر کے کرو، یا اس کو چھپا کر کرو یا کسی برائی سے درگذر کرو تو اللہ تعالیٰ یقیناً بڑے معاف کرنے والے، بڑی قدرت والے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ (۱۵۰) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (۱۵۱) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۧ (۱۵۲)

ع ۲۱ / ۱۱

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	وَ رُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں کا	بَيْنَ اللّٰهِ	اللہ کے درمیان
يَكْفُرُوْنَ	انکار کرتے ہیں	وَ يُرِيْدُوْنَ	اور چاہتے ہیں	وَ رُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں کے درمیان
بِاللّٰهِ	اللہ کا	اَنْ يُّفَرِّقُوْا (۱)	جدائی کرنا	وَ يَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ

(۱) أن: مصدریہ ہے اور أن یفرقوا: مفعول بہ ہے، أي یریدون التفریق۔

نُؤْمِنُ	مانتے ہیں ہم	الْكٰفِرُوْنَ	کافر ہیں	وَلَمْ يُفَرِّقُوْا	اور نہیں جدا کیا انھوں نے
بِبَعْضٍ	بعض کو	حَقًّا	پکے	بَيْنَ اَحَدٍ	کسی کے درمیان
وَّنَكْفُرُ	اور نہیں مانتے	وَاَعْتَدْنَا	اور تیار کیا ہم نے	مِّنْهُمْ	ان میں سے
بِبَعْضٍ	بعض کو	لِلْكٰفِرِيْنَ	کافروں کے لئے	اُولٰٓئِكَ سَوْفَ	وہ لوگ عنقریب
وَّيُرِيْدُوْنَ	اور چاہتے ہیں وہ	عَذَابًا مُّهِيْنًا	رسوا کن عذاب	يُؤْتِيْهِمْ	دیں گے ان کو
اَنْ يَّتَّخِذُوْا(۱)	کہ بنائیں وہ	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	اُجُوْرَهُمْ	ان کا ثواب
بَيْنَ ذٰلِكَ	اس کے درمیان	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
سَبِيْلًا	کوئی راہ	بِاللّٰهِ	اللہ پر	غَفُوْرًا	بڑے بخشنے والے
اُولٰٓئِكَ هُمُ	یہی لوگ	وَرُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں پر	رَّحِيْمًا	بڑے مہربان

یہود کا تذکرہ

اب یہود کا تذکرہ شروع ہوتا ہے، یہود میں نفاق بہت تھا، بہت سے یہودی منافقانہ مسلمان ہوئے تھے، ان کا مقصد دین اسلام کو بگاڑنا تھا، مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے! عیسائیت کو بھی یہودیوں نے منافقانہ عیسائیت قبول کر کے بگاڑا ہے، اور شیعیت کا بانی ابن سبا بھی یہودی تھا، منافقانہ مسلمان ہوا اور اسلام کے متوازی شیعیت کو وجود میں لایا، اسی طرح مشرکین میں سے جو منافق تھے: ان کا بھی یہود سے محبت کا تعلق تھا، وہ ان کے مشورہ پر چلتے تھے، اس لئے منافقین کے تذکرہ کے بعد اب یہود کا تذکرہ شروع کیا ہے۔

یہود پکے کافر ہیں، وہ تمام رسولوں کو نہیں مانتے!

یہود کا دعوی ہے کہ وہی پکے ایماندار ہیں، موسیٰ علیہ السلام اور تورات کو مانتے ہیں، وہ تورات کو اللہ کی آخری کتاب مانتے ہیں، اور بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد چار ہزار انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، یہود ان میں سے بعض کو مانتے ہیں، بعض کو نہیں مانتے، جن کو نہیں مانتے تھے ان کے سخت دشمن ہو جاتے تھے، اور ان کے قتل سے بھی گریز نہیں کرتے تھے، سورۃ البقرۃ (آیت ۶۱) میں ہے:﴿ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾: وہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں، چنانچہ دور آخر میں انھوں نے زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو شہید کیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دجال قرار دے کر ان کے قتل کے درپے ہوئے، مگر اللہ نے ان کی حفاظت کی، اور ان کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا، جیسا کہ ابھی آرہا ہے۔

(۱) یہ أن بھی مصدر یہ ہے اور أن يتخذوا: مفعول بہ ہے۔

پھر جب خاتم النّبیین ﷺ مبعوث ہوئے تو کعب بن اشرف یہودی نے آپؐ کے قتل کی سازش کی، مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت کی، اور وہ کیفر کردار تک پہنچ گیا۔

اس صورتِ حال میں یہود کا دعویٰ کہ وہی سچے مؤمن ہیں: کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ پہلی دو آیتوں میں اس کی تردید ہے کہ جو لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء کو نہیں مانتے، بلکہ رسولوں میں تفریق کرتے ہیں، بعض کو مانتے ہیں بعض کو نہیں مانتے، یہ انھوں نے اپنے لئے نیا مذہب نکالا ہے، اس لئے وہ پکے کافر ہیں، ان کے لئے آخرت میں ذلت وخواری کا عذاب تیار ہے!

فائدہ: جو لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء اور تمام آسمانی کتابوں کو نہیں مانتے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں مانتے، جو شخص کسی ایک سچے نبی کی بھی تکذیب کرتا ہے وہ اللہ کی اور اس کے تمام رسولوں کی تکذیب کرتا ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ ﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ کا اور ان کے (بعض) رسولوں کا انکار کرتے ہیں، وہ اللہ اور ان کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں ــــ یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے ــــ اور وہ کہتے ہیں: ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے ــــ یہ پہلے ارشاد کی وضاحت ہے ــــ اور وہ کوئی (ایمان وکفر کا) درمیانی راستہ نکالنا چاہتے ہیں ــــ یعنی انھوں نے نیا مذہب کھڑا کیا ہے ــــ وہی پکے کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے!

سچے مؤمنین وہ ہیں جو نبی ﷺ پر ایمان لائے ہیں

نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے والے ہی سچے مؤمن ہیں، اس لئے کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے تمام نبیوں کو، اور ان پر نازل کی ہوئی تمام کتابوں کو مانتے ہیں، ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے، ان کھرے مؤمنین کو اللہ تعالیٰ آخرت میں اپنی رحمت سے بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے، اور ان کی کوتاہیوں سے درگذر فرمائیں گے، بے شک وہ ارحم الراحمین ہیں!

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کو، اور ان کے (تمام) رسولوں کو مانتے ہیں، اور ان میں سے کسی کو بھی جدا نہیں کرتے: انہیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کا ثواب عنایت فرمائیں گے، اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں!

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾

يَسْـَٔلُكَ	مطالبہ کرتے ہیں آپ سے	فَاَخَذَتْهُمُ	پس پکڑا ان کو	فَوْقَهُمُ	ان کے اوپر
اَهْلُ الْكِتٰبِ	آسمانی کتاب والے	الصّٰعِقَةُ	کڑک نے	الطُّوْرَ	طور کو
	(یہود)	بِظُلْمِهِمْ	ان کی گستاخی کی وجہ سے	بِمِيْثَاقِهِمْ	ان سے قول وقرار لینے کیلئے
اَنْ تُنَزِّلَ	کہ اتاریں آپ؛	ثُمَّ اتَّخَذُوا	پھر بنایا انھوں نے	وَقُلْنَا	اور کہا ہم نے
عَلَيْهِمْ	ان پر	الْعِجْلَ	بچھڑا	لَهُمُ	ان سے
كِتٰبًا	کوئی خط	مِنْۢ بَعْدِ	بعد	ادْخُلُوا	داخل ہوؤ
مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	مَا جَآءَتْهُمُ	ان کے پاس آنے	الْبَابَ	دروازے میں
فَقَدْ	پس واقعہ یہ ہے	الْبَيِّنٰتُ	واضح دلائل کے	سُجَّدًا	جھکتے ہوئے
سَاَلُوْا	مطالبہ کر چکے ہیں وہ	فَعَفَوْنَا	پس درگذر کیا ہم نے	وَّقُلْنَا لَهُمْ	اور کہا ہم نے ان سے
مُوْسٰۤى	موسیٰ سے	عَنْ ذٰلِكَ	اس سے	لَا تَعْدُوْا	حد سے مت بڑھو
اَكْبَرَ	بڑی بات کا	وَاٰتَيْنَا	اور دیا ہم نے	فِى السَّبْتِ	بار کے دن میں
مِنْ ذٰلِكَ	اس سے	مُوْسٰى	موسیٰ کو	وَاَخَذْنَا	اور لیا ہم نے
فَقَالُوْۤا	سو کہا انھوں نے	سُلْطٰنًا	غلبہ (رعب)	مِنْهُمْ	ان سے
اَرِنَا اللّٰهَ	دکھلایئے ہمیں اللہ کو	مُّبِيْنًا	واضح	مِّيْثَاقًا	قول وقرار
جَهْرَةً	عیاں (کھلا)	وَرَفَعْنَا	اور اٹھایا ہم نے	غَلِيْظًا	گاڑھا (مضبوط)

یہود کا گستاخانہ مطالبہ کہ ہمارے نام آسمان سے خط لایئے!

ناچنا نہ جانے آنگن ٹیڑھا! یہود کو نبی ﷺ پر ایمان تو لانا نہیں تھا، اس لئے مطالبہ کیا کہ آپ آسمان سے ہمارے نام

لیٹر لائیے، اس میں اطلاع ہو کہ اللہ نے آپؐ کو مبعوث فرمایا ہے، اور قرآن اللہ کا کلام ہے، اور سب لوگوں کو آپ پر ایمان لانا ضروری ہے، تب ہم آپؐ پر ایمان لائیں گے۔

جواب: یہ منہ اور مسور کی دال! تم اللہ سے بڑے ہو گئے کہ اللہ تمھیں خط لکھیں، سبحان اللہ! چھوٹا منہ بڑی بات! آپؐ ان کی اس گستاخی کو نظر انداز کریں، انھوں نے اس سے بھی بڑی بات کا موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا، جس سے اللہ نے درگذر کیا، آپؐ بھی یہی کریں۔

یہود کا موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ: یہ واقعہ سورۃ البقرۃ (آیت ۵۵) میں بھی آیا ہے۔ جب اللہ نے طور پر موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت فرمائی، موسیٰ علیہ السلام اس کو لے کر قوم کے پاس آئے، اور قوم سے کہا: یہ اللہ کی کتاب ہے، اس کو قبول کرو، اور اس پر عمل کرو، قوم نے کہا: یہ کتاب اللہ نے دی ہے: اس کی کیا دلیل ہے؟ آپ چالیس دن طور پر رہے، ممکن ہے آپ خود لکھ لائے ہوں! موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تم اپنے نمائندے منتخب کرو، میں اللہ تعالیٰ سے کہلوا دوں کہ یہ کتاب اللہ نے عنایت فرمائی ہے، انھوں نے ستّر آدمی منتخب کئے، موسیٰ علیہ السلام ان کو طور پر لے گئے، وہاں انھوں نے اللہ کا کلام سنا، موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: سن لیا؟ انھوں نے کہا: سنا تو سہی، مگر کون بولا؟ یہ معلوم نہیں! اللہ پاک ہمارے روبرو ظاہر ہوں، اور ہم سر کی آنکھوں سے ان کو دیکھیں، پھر فرمائیں تو ہم مانیں! اس گستاخی پر بجلی چمکی، کڑک ہوئی اور سب کھیت رہے! موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: پروردگارِ عالم! قوم کہے گی: موسیٰ نے ہمارے ستّر معزز آدمیوں کو لے جا کر مار دیا! چنانچہ اللہ نے ان کو دوبارہ زندہ کر دیا، اور ان کی گستاخی سے درگذر کیا، پس نبی ﷺ بھی ان کی گستاخی کو نظر انداز کریں۔

﴿ یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ﴾

ترجمہ: اہل کتاب (یہود) آپؐ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپؐ ان پر آسمان سے کوئی خط اتاریں! پس انھوں نے موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بات کا مطالبہ کیا تھا، چنانچہ انھوں نے کہا: ہمیں اللہ تعالیٰ کو کھلی آنکھوں سے دکھایئے! پس ان کی گستاخی کی وجہ سے کڑک نے ان کو پکڑ لیا!

یہود کی دوسری شرارتیں جن سے اللہ نے درگذر کیا

مذکورہ گستاخی کے علاوہ یہود کی دوسری شرارتوں سے بھی اللہ نے درگذر کیا ہے، ان کی چار شرارتیں ملاحظہ فرمائیں:

پہلا واقعہ: قرآنِ کریم میں کئی جگہ (مثلاً سورۃ البقرۃ آیت ۵۴ میں) یہ واقعہ آیا ہے: جب موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تو پیچھے سامری نے زیورات سے بچھڑا ڈھالا، کچھ لوگ اس کو خدا مان کر پوجنے لگے، حالانکہ ان کے پاس

توحید کے واضح دلائل آچکے تھے، جب موسیٰ علیہ السلام طور سے لوٹے تو قوم سے کہا: تم نے یہ کیا غضب ڈھایا! توبہ کرو، جنھوں نے بچھڑے کو نہیں پوجا وہ پوجنے والوں کو قتل کریں، جب کچھ لوگ قتل ہوگئے تو باقی کو اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا۔

سوال: کوئی کہہ سکتا ہے کہ مرتدین نے موسیٰ علیہ السلام کی بات کیوں مان لی؟ وہ چپ چاپ کان دبا کر گردنیں جھکا کر قتل کے لئے کیسے بیٹھ گئے؟ انھوں نے بغاوت کیوں نہیں کی؟ وہ تو بہت لوگ تھے؟

جواب: موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے رعب عطا فرمایا تھا، اس لئے مرتدین چوں نہ کرسکے، اور قتل ہونے کے لئے تیار ہوگئے، جیسے ہمارے نبی ﷺ کو بھی اللہ نے رعب عطا فرمایا تھا، ایک ماہ کی مسافت تک مشرکین لرزہ براندام رہتے تھے، اسی طرح بہت سے اکابر کو بھی اللہ تعالیٰ اس نعمت سے نوازتے ہیں، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ نعمت حاصل تھی، کوئی ان کے سامنے چوں نہیں کرسکتا تھا، مکھی تیل میں گر جاتی تھی، اور خواہی نخواہی ان کی بات ماننی پڑتی تھی۔

دوسرا واقعہ: سورۃ البقرۃ (آیت ۶۳) اور سورۃ الاعراف (۱۷۱) میں یہ واقعہ آیا ہے: جب ستّر منتخب نمائندوں نے براہِ راست اللہ تعالیٰ سے سن لیا کہ تورات اللہ نے عنایت فرمائی ہے تو قوم کہنے لگی: اس کے احکام سخت ہیں، ہمارے لئے ان پر عمل کرنا مشکل ہے! تو اللہ تعالیٰ نے ان پر کوہِ طور کا ایک حصہ معلق کیا، اور کہا: تورات کو قبول کرو، ورنہ سب دب مروگے! مرتے کیا نہ کرتے، مان تو لیا مگر بعد میں اس پر عمل نہ کیا، جیسے آج امت مسلمہ قرآن کو مانتی تو ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتی، مگر اللہ نے ان کو معاف کردیا، وہ بے عملوں بلکہ بدعملوں کو بھی کوئی سزا نہیں دیتے۔

تیسرا واقعہ: سورۃ البقرۃ (آیت ۵۸) اور سورۃ الاعراف (آیت ۱۶۱) میں یہ واقعہ ہے: میدانِ تیہ کی اسارت کے زمانہ میں یہود کو ایک بستی میں جانے کی اجازت ملی، تاکہ وہاں جو چاہیں آسودہ ہوکر کھائیں، مگر ساتھ ہی حکم دیا کہ بستی میں عاجزی سے سر جھکائے ہوئے اور منہ سے توبہ! توبہ! پکارتے ہوئے داخل ہونا، مگر وہ ناہنجار سینہ تان کر گیہوں گیہوں! پکارتے ہوئے داخل ہوئے، اس کی سزا میں ان پر پلیگ مسلط کیا گیا، جس سے ایک دن میں ستّر ہزار آدمی مر گئے، باقی کو معاف کردیا۔

چوتھا واقعہ: سورۃ البقرۃ (آیت ۶۵) اور سورۃ الاعراف (آیت ۱۶۳) میں یہ واقعہ آیا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں سمندر کے کنارے یہودیوں کی ایک بستی تھی، وہ لوگ ماہی گیر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمایا، ہفتہ کے دن مچھلیوں کی کثرت ہوتی، دوسرے دنوں میں غائب ہوجاتیں، انھوں نے حیلہ کیا، حوض بنائے اور ان کو سمندر سے جوڑ دیا، اللہ نے ان حیلہ گروں کو سزا دی، ان کی صورتیں مسخ ہوگئیں، وہ ذلیل بندر بنادئے گئے، اور تین دن کے بعد مر گئے، باقی لوگوں کو معاف کردیا۔

یہود سے تورات پر عمل کرنے کا پختہ عہد و پیمان لیا گیا

ہر صاحبِ شریعت قوم سے ان کی شریعت پر عمل کرنے کا پختہ قول وقرار لیا جاتا ہے کہ ان کو جو شریعت دی جارہی ہے وہ اس پر مضبوطی سے عمل کریں، حسبِ دستور یہود سے بھی یہ عہد لیا گیا، مگر انھوں نے عہد و پیمان کی دھجیاں اڑائیں، اللہ کی نازل کردہ شریعت پر عمل نہیں کیا، آیت کا یہ آخری ٹکڑا اگلی آیات سے مربوط ہے۔

دونوں آیتوں کا خلاصہ: یہود نے مطالبہ کیا کہ نبی ﷺ آسمان سے یہود کے نام لیٹر لائیں، جواب دیا کہ ان کی اس گستاخی کو نظر انداز کریں، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سے بڑی گستاخی اوران کی دوسری چار شرارتوں کو معاف کیا ہے، آپؐ بھی یہی راہ اختیار کریں۔

﴿ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَ اٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَ رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ ﴾

ترجمہ: (۱) پھر انھوں نے بچھڑے کو (معبود) بنایا، ان کے پاس (توحید کی) واضح دلیلیں آجانے کے بعد، پس ہم نے ان سے درگذر کیا (اعتراض کا جواب:) اور ہم نے موسیٰ کو واضح غلبہ دیا (۲) اور ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ کو اٹھایا، ان سے (تورات پر عمل کا) قول وقرار لینے کے لئے (۳) اور ہم نے ان کو حکم دیا کہ دروازے میں جھکتے ہوئے داخل ہونا (۴) اور ہم نے ان کو منع کیا تھا کہ بار کے دن کی حرمت پامال مت کرنا (آخری بات) اور ہم نے ان سے (تورات پر عمل کرنے کا) مضبوط عہد و پیمان لیا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ قَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ

الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

فَبِمَا نَقْضِهِمْ (۱)	پس ان کے توڑنے کی وجہ سے	بِكُفْرِهِمْ	ان کے کفر کی وجہ سے	قَتَلُوْهُ	قتل کیا انھوں نے اس کو
مِّيْثَاقَهُمْ	اپنے قول وقرار کو	فَلَا يُؤْمِنُوْنَ	پس نہیں ایمان لائیں گے وہ	وَمَا	اور نہیں
وَكُفْرِهِمْ	اور ان کے انکار کرنے	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑے سے	صَلَبُوْهُ	سولی دی انھوں نے اس کو
	کی وجہ سے	وَّبِكُفْرِهِمْ (۲)	اور ان کے کفر کی وجہ سے	وَلٰكِنْ	لیکن
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں کا	وَقَوْلِهِمْ	اور ان کے کہنے کی وجہ سے	شُبِّهَ	مشتبہ کردیا گیا (معاملہ)
وَقَتْلِهِمُ	اور ان کے خون کرنے	عَلٰى مَرْيَمَ	مریم پر	لَهُمْ	ان کے لئے
	کی وجہ سے	بُهْتَانًا	بہتان (الزام)	وَاِنَّ الَّذِيْنَ	اور بیشک جن لوگوں نے
الْاَنْۢبِيَآءَ	پیغمبروں کا	عَظِيْمًا	بڑا	اخْتَلَفُوْا	اختلاف کیا
بِغَيْرِ حَقٍّ	ناحق	وَّقَوْلِهِمْ	اور ان کے کہنے کی وجہ سے	فِيْهِ	اس (معاملہ) میں
وَّقَوْلِهِمْ	اور ان کے کہنے کی وجہ سے	اِنَّا قَتَلْنَا	بیشک ہم نے قتل کیا	لَفِيْ شَكٍّ	یقیناً شک میں ہیں
قُلُوْبُنَا	ہمارے دل	الْمَسِيْحَ	مسیح (مبارک)	مِّنْهُ	اس (معاملہ) سے
غُلْفٌ	پیک (غلاف میں) ہیں	عِيْسَى	عیسیٰ کو	مَا لَهُمْ	نہیں ہے ان کو
بَلْ طَبَعَ	بلکہ مہر کردی ہے	ابْنَ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	بِهٖ	اس بارے میں
اللّٰهُ	اللہ نے	رَسُوْلَ اللّٰهِ (۳)	اللہ کے رسول!	مِنْ عِلْمٍ	کچھ بھی خبر
عَلَيْهَا	ان پر	وَمَا	اور نہیں	اِلَّا اتِّبَاعَ	سوائے پیروی کرنے

(۱) فَبِمَا: میں باء سببیہ ہے، اور ما زائدہ ہے، نَقْض: خود مصدر ہے، اس لئے ما مصدریہ کی ضرورت نہیں، اور باء کا متعلق محذوف ہے أی: فبما نقضهم لَعَنّاهم (۲) بکفرهم: میں باء اس لئے دوبارہ لائی گئی ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل ہوگیا ہے، اور کفر سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کا انکار ہے (۳) رسولَ الله: أَمْدَحُ کا مفعول بہ ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، یہود کا کلام نہیں ہے۔

الظَّنِّ	گمان (اٹکل) کی	وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	اور قیامت کے دن	كَثِيْرًا	بہت زیادہ
وَمَا	اور نہیں	يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ	ہوگا وہ ان کے خلاف	وَّ اَخْذِهِمُ	اور ان کے لینے کی وجہ سے
قَتَلُوْهُ	قتل کیا انھوں نے اس کو	شَهِيْدًا	گواہ	الرِّبٰوا	سود
يَقِيْنًا	بالیقین	فَبِظُلْمٍ	پس ظلم (زیادتی) کی	وَقَدْ	اور بالتحقیق
بَلْ رَّفَعَهُ	بلکہ اٹھالیا اس کو		وجہ سے	نُهُوْا	روکے گئے وہ
اللّٰهُ	اللہ نے	مِّنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی جنھوں نے	عَنْهُ	اس سے
اِلَيْهِ	اپنی طرف	هَادُوْا	یہودیت اختیار کی	وَ اَكْلِهِمُ	اور ان کے کھانے کی
وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	حَرَّمْنَا	حرام کیں ہم نے		وجہ سے
عَزِيْزًا	زبردست	عَلَيْهِمْ	ان پر	اَمْوَالَ	اموال
حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے	طَيِّبٰتٍ	ستھری چیزیں	النَّاسِ	لوگوں کے
وَاِنْ (۱)	اور نہیں ہے	اُحِلَّتْ (۳)	(جو) حلال کی گئی تھیں	بِالْبَاطِلِ	ناحق
مِّنْ اَهْلِ	اہل کتاب میں سے	لَهُمْ	ان کے لئے	وَ اَعْتَدْنَا	اور تیار کیا ہم نے
الْكِتٰبِ	(کوئی)	وَبِصَدِّهِمْ (۴)	اور ان کے روکنے کی	لِلْكٰفِرِيْنَ	منکروں کے لئے
اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ	مگر ضرور ایمان لائے گا		وجہ سے	مِنْهُمْ	ان میں سے
بِهٖ	اس پر	عَنْ سَبِيْلِ	راستے سے	عَذَابًا	عذاب
قَبْلَ مَوْتِهٖ (۲)	اس کی موت سے پہلے	اللّٰهِ	اللہ کے	اَلِيْمًا	دردناک

یہود کی خباثتیں جن سے درگذر نہیں کیا گیا

۱- انھوں نے نقض عہد کیا، انبیاء کو قتل کیا اور اپنے دلوں کو محفوظ بتایا

یہود کی شرارتوں سے تو اللہ نے درگذر کیا، جیسا کہ گذرا، مگر ان کی خباثتوں کا وبال ان پر اترا، ان کو اللہ نے اپنی رحمت

(۱) إنْ: نافیہ ہے، اور من أهل الكتاب کے بعد أحَدٌ محذوف ہے، اور اس کی صفت من أهل الكتاب موصوف کے قائم مقام ہے (۲) موته: کی ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہیں، وہی به کا مرجع ہیں، أهل كتاب کو مرجع بنائیں گے تو انتشار ضمائر لازم آئے گا۔ (۳) جملہ أحلت: طيبات کی صفت ہے (۴) بصدهم: میں باء مکرر آئی ہے، جملہ کو ماسبق سے علاحدہ کرنے کے لئے، پھر تین معطوفات کی سزا محذوف ہے اور قرینہ آیت کا آخری حصہ ہے جو چوتھا معاملہ ہے أي لهم في الآخرة عذاب أليم۔

سے محروم کردیا، لعنت کا یہی مفہوم ہے، ان آیات میں ان کی شیطنت کے واقعات ہیں، پہلی آیت میں ان کی تین بری حرکتوں کا ذکر ہے:

۱- گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا تھا کہ اللہ نے یہود سے پختہ قول وقرار لیا تھا کہ وہ تورات کے احکام پر عمل کریں گے، مگر انھوں نے اس عہد کو توڑ دیا، تورات کو پسِ پشت ڈال دیا اور اللہ کے احکام کا انکار کردیا۔

۲- یہود نے انبیاء کا ناحق خون کیا، حضرات زکریا و یحییٰ علیہما السلام کو شہید کیا، اور نہ معلوم کتنے انبیاء کو قتل کیا۔

۳- جب نبی ﷺ نے یہود کو ایمان کی دعوت دی تو انھوں نے کہا: ''ہمارے دل محفوظ ہیں!'' یعنی ان میں آپ کی باتیں نہیں اترتیں! —— یہی وہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی۔

اور ان کی آخری بات محض بکواس ہے، ان کے قلوب پیک نہیں، اوپن ہیں، ہر برائی ان میں گھستی ہے، خیر کی بات ہی نہیں گھستی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مسلسل انکار کی وجہ سے ان کو سیل کردیا ہے، اس لئے ان میں سے معدودے چند کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لائے گا!

﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭبَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۵۵﴾

ترجمہ: پس (اللہ نے یہود کو اپنی رحمت سے دور کردیا) (۱) ان کے عہد وپیمان توڑنے کی وجہ سے، اور ان کے اللہ کے احکام کا انکار کرنے کی وجہ سے (۲) اور ان کے انبیاء کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے (۳) اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہمارے دل (ڈبوں میں) محفوظ ہیں! —— نہیں! بلکہ اللہ نے ان کے (مسلسل) اسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے ان پر مہر کردی ہے، پس وہ چند کے علاوہ ایمان نہیں لائیں گے —— جن چند کا استثناء ہے ان کا ذکر آگے (آیت ۱۶۲) میں آرہا ہے۔

۲- یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا، ان کی والدہ پر بدکاری کا الزام لگایا، اور فخریہ کہا کہ ہم نے عیسیٰ مسیح کو قتل کردیا!

یہود کی تین بدرات جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہیں: درج ذیل ہیں، ان کی وجہ سے بھی وہ ملعون ٹھہرے!

۱- جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو یہود نے ان کو نبی ماننے سے انکار کردیا، انھوں نے آپ کو مسیح ضلالت (دجال) قرار دیا، اور ان کے قتل کے درپے ہوئے، اور وہ آج بھی اپنے مسیح ہدایت (دجال) کے منتظر ہیں، چنانچہ جب دجال نکلے گا تو سب سے پہلے یہودی ہی اس کی پیروی کریں گے۔

۲- جب کنواری عفیفہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے محض قدرتِ خداوندی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو یہود نے ان کی والدہ پر بدکاری کا الزام لگایا، جبکہ نومولود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ حضرت مریم کی براءت کی شہادت بھی دلوادی تھی، مگر یہود نے اس کو نہیں مانا، اور پاک دامن، گناہ سے بے خبر عورت پر زنا کا الزام لگانا سنگین جرم ہے، اس کی وجہ سے بھی یہود ملعون ٹھہرے۔

۳- یہود فخریہ دعوی کرتے ہیں کہ انھوں نے مریم کے بیٹے مسیح کو قتل کر کے تماشہ کے لئے سولی پر لٹکا دیا، کون مسیح؟ وہی مسیح جو اللہ کے سچے رسول تھے، جبکہ عام مؤمن کا قتلِ عمد سنگین جرم ہے: نبی کا قتل تو بڑا جرم ہوگا؟ مگر وہ فخریہ اس کا جھوٹا دعوی کرتے ہیں، اس کی وجہ سے بھی وہ ملعون ٹھہرے!

﴿ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ ﴾

ترجمہ: (۱) اور ان (یہود) کے (عیسیٰ علیہ السلام کا) انکار کرنے کی وجہ سے (۲) اور ان کے مریمؑ پر بہتان باندھنے کی وجہ سے (۳) اور ان کے (فخریہ) کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو قتل کر دیا! یعنی اللہ کے (سچے) رسول! —— یہ اللہ کا کلام ہے، یہود کا قول نہیں، یعنی دیکھو! چوری اور سینہ زوری!

عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے قتل نہیں کیا، ان کو دھوکہ لگا ہے

عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے اپنی قدرت سے زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے

اللہ تعالیٰ یہود کی تکذیب فرماتے ہیں، یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا، نہ سولی پر چڑھایا، ان کو دھوکہ لگا ہے، اور جو لوگ ان کے بارے میں مختلف باتیں کرتے ہیں وہ اٹکل کی اڑا رہے ہیں، خبر کسی کو کچھ نہیں، یقینی بات یہ ہے کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا نہ سولی پر لٹکایا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت سے زندہ آسمان پر اٹھالیا، اللہ تعالیٰ زبردست ہیں، ان کے لئے یہ کام کچھ مشکل نہیں، اور وہ بڑی حکمت والے ہیں، ان کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ ان کو زندہ اٹھالیا جائے: چنانچہ اٹھالیا۔

قصہ یہ ہوا کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کا ارادہ کیا تو ان کو گرفتار کرنے کے لئے ان کے گھر پر دھاوا بول دیا، سب سے پہلے شمعون کرینی نامی شخص گھر میں گھسا، اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تو آسمان پر اٹھالیا، اور اس شخص کی صورت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ کر دی، جب باقی لوگ گھر میں گھسے تو اس کو مسیح سمجھ کر پکڑ لیا، اور قتل کر کے سولی پر

لٹکا دیا، پھر بعض کہنے لگے کہ اس کا چہرہ تو مسیح کا چہرہ ہے اور باقی بدن ہمارے آدمی کا معلوم ہوتا ہے، اور بعض نے کہا: یہ مقتول مسیح ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا؟ اور یہ ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں گیا؟ اس طرح اٹکل سے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ، علم کسی کو بھی نہیں تھا، صحیح بات اللہ تعالیٰ نے کھولی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز مقتول نہیں ہوئے، بلکہ ان کو اللہ نے آسمان پر اٹھالیا اور یہود کو شبہ میں ڈال دیا (از فوائد)

﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے ان کو قتل نہیں کیا، اور نہ انھوں نے ان کو سولی دی، بلکہ معاملہ ان کے لئے گڈمڈ کر دیا گیا، اور جو لوگ ان کے معاملہ میں مختلف باتیں کرتے ہیں وہ ان کے معاملہ میں شک میں مبتلا ہیں، ان کو اس معاملہ کی کچھ بھی خبر نہیں، وہ محض اٹکل کی اڑاتے ہیں، اور انھوں نے ان کو یقیناً قتل نہیں کیا (اور نہ ان کو سولی پر لٹکایا) بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ تعالیٰ زبردست، بڑی حکمت والے ہیں!

یہود و نصاریٰ کو عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ان کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کا یقین آجائے گا

آج تو یہود و نصاریٰ: دونوں غلط فہمی کا شکار ہیں، یہود فخریہ کہتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا۔ اور نصاریٰ یہ سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہو کر اپنی امت کے گناہوں کا کفارہ بن گئے، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں، جب دجال ظاہر ہوگا وہ زمین پر اتریں گے، اور اس کو قتل کریں گے۔ اس وقت یہود و نصاریٰ: دونوں کو یقین آجائے گا کہ وہ قتل نہیں کئے گئے، نہ سولی دیئے گئے، بلکہ آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے ہیں۔

پھر قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام دونوں کے خلاف گواہی دیں گے، یہود کے خلاف یہ گواہی دیں گے کہ انھوں نے ان کی نبوت کا انکار کیا، اور عیسائیوں کے خلاف یہ گواہی دیں گے کہ انھوں نے ان کو خدائی میں شریک گردانا، حالانکہ معبود تنہا اللہ تعالیٰ ہیں، خدائی میں ان کا کوئی شریک نہیں۔

﴿ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ ﴾

ترجمہ: اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے کوئی نہیں، مگر وہ ضرور عیسیٰ کی موت سے پہلے اس پر (ان کے زندہ



اٹھائے جانے پر) ایمان لائے گا ـــــ اور وہ قیامت کے دن ان (دونوں) کے خلاف گواہ ہونگے!

یہود کے پانچ بڑے جرائم

ایک کی جزا دنیا میں، چار کی سزا آخرت میں

اب دو آیتوں میں نہایت جامعیت کے ساتھ یہود کے پانچ جرائم بیان فرماتے ہیں، ایک نسبۃً ہلکا جرم ہے، اس کا بدلہ ان کو دنیا میں مل گیا، اور چار سنگین جرائم ہیں، ان کی سزا ان کو آخرت میں ملے گی، آیت میں وہ سزا محذوف ہے، اور اس پر آیت کا آخری حصہ دلالت کرتا ہے، اور وہ **لھم عذاب ألیم فی الآخرۃ** ہے۔

پہلا جرم: جس کا بدلہ یہود کو دنیا میں ملا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری تھی، اس بیماری میں اونٹ کا گوشت اور دودھ مضر ہوتا ہے، چنانچہ آپ نے یہ دونوں چیزیں چھوڑ دیں، پس ان کی اولاد نے بھی چھوڑ دیں، پھر چار سو سال بعد موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تورات نازل ہوئی تو یہ دونوں چیزیں بنی اسرائیل کے لئے حرام کر دیں، اس لئے کہ وہ ان کے ترک کے خوگر ہو گئے تھے، اور قومی تصورات کا تشریع (قانون سازی) میں اعتبار ہوتا ہے ـــــ اور اس کا تذکرہ سورۃ آلِ عمران (آیت ۹۳) میں آیا ہے۔

اور ظلم کے معنی ہیں: اپنا نقصان کرنا، اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنا، وہ بے ہودے بلا وجہ اپنے پُرکھ (بڑے) کی پیروی کرنے لگے، اس لئے مذکورہ دو طیب چیزیں ان پر حرام کر دی گئیں، ایسا ان کے جرم کے نتیجہ میں ہوا، جیسے حدیث میں بھی ہے کہ بڑا مجرم وہ ہے جس کے بے ضرورت سوال کرنے سے کوئی شئ سب کے لئے حرام ہو جائے، یعنی زمانۂ وحی میں، **کذا فی المشکاۃ عن الشیخین** (بیان القرآن)

علاوہ ازیں: سورۃ الانعام (آیت ۱۴۶) میں ہے کہ یہود پر تمام ناخن والے جانور حرام کئے گئے تھے، اور گائے بکری کی خالص چربی جو پیٹ میں سے نکلتی ہے: حرام کی گئی تھی، پھر فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ﴾: یہ ہم نے ان کو ان کی شرارت کی سزا دی، بَغْیٌ کے معنی ہیں: زیادتی، پس بغی اور ظلم ایک ہیں، اور یہ کس سرکشی کی سزا تھی؟ اس کی تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔

باقی چار جرائم: جن کی سزا ان کو آخرت میں ملے گی: یہ ہیں:

۱- نبی ﷺ کے زمانہ میں بے ہودوں کا دلچسپ مشغلہ لوگوں کو ایمان لانے سے روکنا تھا، وہ طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے، اور ایک مخلوق کو انھوں نے اللہ کے راستہ پر پڑنے سے روک دیا۔

۲- یہود بڑی سود خور قوم ہے، نزولِ قرآن کے وقت بھی ان کا یہی حال تھا اور آج بھی یہی حال ہے، اور سود خوری

نہایت سنگین جرم ہے، قرآنِ کریم میں اس پر سخت وعید آئی ہے، تورات میں بھی سود کی ممانعت کا حکم آج بھی موجود ہے، خروج (۲۲: ۲۵) اور احبار (۳۵: ۳۷) میں یہ حکم ہے، مگر یہود کہاں مانتے ہیں!

۳- یہودی ناحق لوگوں کے مال کھاتے تھے، رشوتیں لے کر فیصلے کرتے تھے، جھوٹی گواہیاں دیتے تھے اور جادو ٹوٹکوں کے ذریعہ بھی پیسے بٹورتے تھے، یہ بھی ان کا سنگین جرم تھا۔

۴- یہود کی اکثریت نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائی تھی، حالانکہ وہ آپ ﷺ کو بیٹوں کی طرح پہچانتے تھے، چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد! اندھا کنواں میں گرے تو ہوسکتا ہے، بینا گرے تو کتنی تعجب کی بات ہے!

ان چاروں جرائم کی سزا یہودیوں کو آخرت میں ملے گی، ان کو دوزخ کے دردناک عذاب سے واسطہ پڑے گا!

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝۱۶۰ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۶۱﴾

ترجمہ: (۱) پس یہود کی زیادتی کی وجہ سے: ہم نے ان پر حرام کردیں (کچھ) ستھری چیزیں جو ان کے لئے حلال کی گئی تھیں ــــ (۲) اور ان کے بہت زیادہ روکنے کی وجہ سے اللہ کے راستہ سے ــــ یعنی نبی ﷺ پر ایمان لانے سے ــــ (۳) اور ان کے سود لینے کی وجہ سے، جبکہ ان کو اس سے روکا گیا تھا (۴) اور ان کے لوگوں کے اموال ناحق کھانے کی وجہ سے ــــ ان کو آخرت میں دردناک سزا ملے گی، اور اس حذف کا قرینہ ہے: ــــ اور ہم نے ان میں سے ــــ نبی ﷺ پر ــــ ایمان نہ لانے والوں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے!

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۶۲ ع۲۲

لٰكِنِ	لیکن	مِنْهُمْ	یہود میں سے	يُؤْمِنُوْنَ (۲)	ایمان لائے ہیں
الرّٰسِخُوْنَ	پختہ کار	وَالْمُؤْمِنُوْنَ (۱)	اور ایمان لانے والے	بِمَآ اُنْزِلَ	اس پر جو اتارا گیا
فِي الْعِلْمِ	علم دین میں		(دونوں ایک ہیں)	اِلَيْكَ	آپ کی طرف

(۱) المؤمنون: کا عطف الراسخون پر، اور معطوف معطوف علیہ ایک ہیں، عطف تفسیری ہے۔ (۲) یؤمنون خبر ہے۔

وَمَآ اُنْزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا ہے	وَ الْمُؤْتُوْنَ (۲)	اور دینے والے	اُولٰٓئِكَ (۳)	یہی لوگ
مِنْ قَبْلِكَ	آپؐ سے پہلے	الزَّكٰوةَ	زکات کے	سَنُؤْتِيْهِمْ	جلد دیں گے ہم ان کو
وَالْمُقِيْمِيْنَ (۱)	اور (شاباش!) قائم	وَ الْمُؤْمِنُوْنَ	اور یقین کرنے والے	اَجْرًا	ثواب
	کرنے والے	بِاللّٰهِ	اللہ کا	عَظِيْمًا	بڑا
الصَّلٰوةَ	نماز کے	وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن کا	۞	۞

یہود میں سے ایمان لانے والوں کے لئے بشارت

گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا تھا کہ جو یہودی نبی ﷺ پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں: ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے، اب جو حضرات ان میں سے ایمان لائے ہیں ان کو خوش خبری سناتے ہیں:

فرماتے ہیں: جو حضرات علم دین میں پختہ کار ہیں، جو دینی بات سمجھتے ہیں اور صحیح سمجھتے ہیں، جو نبی ﷺ پر ایمان لائے ہیں، جیسے حضرات عبداللہ بن سلام، اُسید اور ثعلبہ وغیرہ رضی اللہ عنہم، یہ حضرات قرآنِ کریم کو بھی اللہ کی کتاب مانتے ہیں، اور سابقہ آسمانی کتابوں کو بھی مانتے ہیں، اور بدنی اور مالی عبادتیں بجالاتے ہیں، اور اعراب بدل کر نماز کی اہمیت ظاہر کی ہے، اور وہ اللہ پر اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، آخرت کا یقین ہی احکام کی تعمیل کراتا ہے، ان حضرات کو اللہ تعالیٰ جلدی اجر عظیم عطا فرمائیں گے، جنت میں ان کو داخل فرمائیں گے۔

آیتِ کریمہ: لیکن یہود میں سے علم دین میں پختہ کار اور ایمان لانے والے: ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو آپؐ کی طرف اتاری گئی ہے، اور ان کتابوں پر جو آپؐ سے پہلے اتاری گئی ہیں، اور نماز کا اہتمام کرنے والوں (کا تو کیا کہنا!) اور زکات دینے والے، اور اللہ کا اور آخرت کا یقین کرنے والے: انہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ جلدی بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے!

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ

(۱) المقیمین: أَمْدَحُ محذوف کا مفعول بہ ہے، وهو أولى الأعاريب (جمل) (۲) المؤتون: المؤمنون پر معطوف ہے (۳) أولئك: مستقل جملہ ہے۔

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾

اِنَّآ	بے شک ہم نے	وَاِسْحٰقَ	اور اسحاق	وَرُسُلًا(۱)	اور (بھیجا ہم نے)
اَوْحَيْنَآ	وحی بھیجی ہے	وَيَعْقُوْبَ	اور یعقوب		رسولوں کو
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	وَالْاَسْبَاطِ	اور نبیروں (اولاد)	قَدْ	تحقیق
كَمَآ	جس طرح	وَعِيْسٰى	اور عیسیٰ	قَصَصْنٰهُمْ	بیان کیا ہم نے ان کو
اَوْحَيْنَآ	وحی بھیجی ہے ہم نے	وَاَيُّوْبَ	اور ایوب	عَلَيْكَ	آپ کے سامنے
اِلٰى نُوْحٍ	نوح کی طرف	وَيُوْنُسَ	اور یونس	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے
وَّالنَّبِيّٖنَ	اور نبیوں کی طرف	وَهٰرُوْنَ	اور ہارون	وَرُسُلًا(۱)	اور رسولوں کو
مِنْ بَعْدِهٖ	ان کے بعد	وَسُلَيْمٰنَ	اور سلیمان (کی طرف)	لَّمْ نَقْصُصْهُمْ	نہیں بیان کیا ہم نے ان کو
وَاَوْحَيْنَآ	اور وحی بھیجی ہم نے	وَاٰتَيْنَا	اور دی ہے ہم نے	عَلَيْكَ	آپ کے سامنے
اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کی طرف	دَاوٗدَ	داؤد کو	وَكَلَّمَ	اور بات چیت کی
وَاِسْمٰعِيْلَ	اور اسماعیل	زَبُوْرًا	زبور	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے

(۱) تینوں جگہ رسلاً کا عامل أرسلنا محذوف ہے۔

مُوْسٰى	موسیٰ سے	وَكَفٰى بِاللّٰهِ	اور کافی ہیں اللہ تعالیٰ	خٰلِدِيْنَ	رہنے والے
تَكْلِيْمًا	بات چیت کرنا	شَهِيْدًا	گواہ	فِيْهَآ اَبَدًا	اس میں سدا
رُسُلًا	(بھیجا ہم نے) پیغمبروں کو	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جنھوں نے	وَكَانَ ذٰلِكَ	اور ہے یہ بات
مُّبَشِّرِيْنَ (۱)	خوشخبری سنانے والے	كَفَرُوْا	انکار کیا	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
وَمُنْذِرِيْنَ	اور ڈرانے والے	وَصَدُّوْا	اور روکا انھوں نے	يَسِيْرًا	آسان
لِئَلَّا يَكُوْنَ	تا کہ نہ ہو	عَنْ سَبِيْلِ	راستے سے	يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!
لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	اللّٰهِ	اللہ کے	قَدْ	تحقیق
عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	قَدْ ضَلُّوْا	تحقیق گمراہ ہوگئے وہ	جَآءَكُمُ	آئے ہیں تمہارے پاس
حُجَّةٌ	کوئی حجت (عذر)	ضَلٰلًا	گمراہ ہونا	الرَّسُوْلُ	اللہ کے رسول
بَعْدَ الرُّسُلِ	رسولوں کے بعد	بَعِيْدًا	دور کا	بِالْحَقِّ	دین حق کے ساتھ
وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جنھوں نے	مِنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے پروردگار کی طرف سے
عَزِيْزًا	زبردست	كَفَرُوْا	انکار کیا	فَاٰمِنُوْا	پس ایمان لاؤ
حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے	وَظَلَمُوْا	اور اپنا نقصان کیا	خَيْرًا لَّكُمْ (۲)	بہتر ہوگا تمہارے لئے
لٰكِنِ اللّٰهُ	لیکن اللہ تعالیٰ	لَمْ يَكُنِ	نہیں ہیں	وَاِنْ تَكْفُرُوْا	اور اگر انکار کروگے تم
يَشْهَدُ	گواہی دیتے ہیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	فَاِنَّ لِلّٰهِ (۳)	تو بیشک اللہ ہی کیلئے ہے
بِمَآ اَنْزَلَ	اُس کی جو اتارا اس نے	لِيَغْفِرَ لَهُمْ	کہ بخشیں ان کو	مَا	جو کچھ
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ	اور نہیں ہیں کہ دکھلائیں	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں
اَنْزَلَهٗ	اتارا ہے اس کو		ان کو	وَالْاَرْضِ	اور زمین (میں ہے)
بِعِلْمِهٖ	اپنے علم پر مشتمل	طَرِيْقًا	کوئی راہ	وَكَانَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ ہیں
وَالْمَلٰٓئِكَةُ	اور فرشتے	اِلَّا طَرِيْقَ	بجز راہ	عَلِيْمًا	سب کچھ جاننے والے
يَشْهَدُوْنَ	گواہی دیتے ہیں	جَهَنَّمَ	دوزخ کی	حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے

(۱) مبشرین اور منذرین: رسلاً کے احوال ہیں۔ (۲) خیرا لکم کا عامل یَكُنْ محذوف ہے (۳) للہ: خبر مقدم ہے، اس لئے حصر پیدا ہوا ہے۔

سابقہ وحیاں اور موجودہ وحی سب اللہ کی طرف سے ہیں

ان آیات پر یہود کا تذکرہ مکمل ہوجائے گا، آگے نصاریٰ کا تذکرہ شروع ہوگا، اور گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ جو پختہ علم رکھنے والے یہودی مسلمان ہوئے ہیں وہ قرآنِ کریم کو بھی مانتے ہیں، اور سابقہ کتابوں کو بھی مانتے ہیں، اس لئے کہ سب کتابیں ایک سرچشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، اور ایک سرکار کے بھیجے ہوئے احکام ہیں، پس بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا اللہ تعالیٰ کو نہ ماننا ہے، جیسے مرکزی حکومت ایک گورنر کو کوئی حکم بھیجے، پھر دوسرے گورنر کو دوسرا حکم بھیجے، پھر آخری گورنر کو آخری حکم بھیجے تو سب کو ماننا ہوگا، سابقہ احکام کو ماننا اور موجودہ حکم کو نہ ماننا سرکار کی بغاوت سمجھا جائے گا۔

اور نبی ﷺ چونکہ اللہ کے رسول ہیں، اس لئے ان کی وحی کو نوح علیہ السلام کی وحی سے تشبیہ دی ہے، نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں، ان سے پہلے نبی مبعوث ہوتے تھے، اور ان کے بعد انبیاء بھی مبعوث ہوئے ہیں اور رسول بھی، اس لئے أوحينا مکرر لائے ہیں۔

نبی اور رسول میں فرق: رسول: اللہ کے بڑے نمائندے ہوتے ہیں، ان پر نئی کتاب اور نئی شریعت نازل ہوتی ہے، اور ان کی وحی کے پہلے مخاطب کفار و مشرکین ہوتے ہیں، پھر جو ایمان لاتے ہیں ان کے لئے بھی احکام نازل ہوتے ہیں، اور نبی پر غیر تشریعی وحی آتی ہے، اور اس کے مخاطب مؤمنین ہوتے ہیں، اور وہ سابق رسول کی شریعت کی تبلیغ کرتے ہیں، جیسے انبیائے بنی اسرائیل: موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی خدمت کرتے تھے۔

اور یہود سلیمان علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے، صرف بادشاہ مانتے ہیں، اس لئے صراحت کی کہ داؤد علیہ السلام کو اللہ نے زبور عطا فرمائی ہے، پس ثابت ہوا کہ دونوں حضرات نبی ہیں، اور یہود کا خیال غلط ہے۔

﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿١٦٣﴾ ﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے آپؐ کی طرف اُس طرح وحی کی جس طرح ہم نے نوح اور ان کے بعد انبیاء کی طرف وحی کی ہے، اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، ان کی اولاد، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی، اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔

رسول بہت مبعوث ہوئے ہیں، اور وحی کی مختلف صورتیں

اللہ کے رسولوں اور نبیوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں، قرآنِ کریم میں پچیس انبیاء و رسل کا ذکر آیا ہے، بعض کے تو صرف

نام آئے ہیں، جیسے حضرت ذوالکفل علیہ السلام، ان کے احوال مذکور نہیں، مگر یہ بات قطعی ہے کہ انبیاؤرسل بہت مبعوث ہوئے ہیں، اور قرآن تاریخ کی کتاب نہیں، کتابِ دعوت ہے، اس لئے انبیاء کے حالات بیان کرنا قرآنِ کریم کا موضوع نہیں، پس تعیین کے بغیر تمام انبیاؤرسل پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اسی طرح اللہ کی کتابیں بھی متعدد نازل ہوئی ہیں، مگر ان کی تعداد بھی معلوم نہیں، صرف چار کتابوں کا قرآن میں ذکر آیا ہے، ان کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں کا بھی ذکر آیا ہے، اس لئے بالاجمال سبھی کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اور رسولوں پر اللہ کی وحی مختلف طرح سے آئی ہے:

وحی کی پہلی صورت: اللہ تعالیٰ نے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ بول کر کلام فرمایا ﴿ تَكْلِيْمًا ﴾: مفعولِ مطلق بیانِ نوعیت کے لئے ہے، یعنی بول کر کلام فرمایا، پس ﴿ كَلَّمَ ﴾ میں کچھ مجاز نہیں، مگر یہ کلام فرمانا صرف نبوت سے سرفراز کرنے کے سلسلہ میں تھا، پوری تورات اس طرح نازل نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہ آئندہ آنے والی دوسری صورت میں نازل ہوئی تھی۔

وحی کی دوسری صورت: اللہ کا پیغام فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) نبی کو پہنچاتا ہے، نبی اس کو لکھ لیتا ہے، یا لکھوالیتا ہے، اس صورت میں الفاظ فرشتے کے یا نبی کے ہوتے ہیں، اور کبھی مضمون نبی کے قلب پر وارد ہوتا ہے، نبی اس کو بھی اپنے الفاظ میں لکھ لیتا ہے یا بیان کر دیتا ہے، اسی لئے سابقہ کتابوں کو قرآن میں اللہ کی کتابیں کہا ہے، اللہ کا کلام نہیں کہا، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے براہینِ قاسمیہ (جواب ترکی بہ ترکی) میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ تورات وانجیل وغیرہ کتب من جانب اللہ ہونے کے باوجود قرآنِ کریم کی طرح فصیح وبلیغ کیوں نہیں؟ فرماتے ہیں:

''ہاں خدا کی کتاب مثل تورات وانجیل اور زبانوں میں بھی نازل ہوئیں، مگر ظاہر ہے کہ کسی کی کوئی کتاب ہو تو یہ لازم نہیں کہ اس کا کلام بھی ہو، کیونکہ عربی زبان میں کتاب خط کو کہتے ہیں، اور خط اوروں سے بھی لکھوا سکتے ہیں، سو اگر مضمون الہامی ہو، اور عبارت ملائکہ کی ہو، یا فرض کرو کہ عبارت انبیاء کی ہو، جیسے اہلِ کتاب کا بہ نسبت تورات وانجیل خیال ہے تو تورات وانجیل کتاب اللہ تو ہونگی، پر کلام اللہ نہ ہونگی۔

شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں تورات وانجیل کا ذکر ہے وہاں ان کو کتاب اللہ کہا ہے، کلام اللہ نہیں کہا، اور ایک آدھ جگہ (سورۃ البقرۃ آیت ۷۵) سوائے قرآن اور کلام کو 'کلام اللہ' کہا ہے تو وہاں نہ تورات کا ذکر ہے نہ انجیل کا، بلکہ بدلالتِ قرآن اس کلام کا ذکر معلوم ہوتا ہے جو ہم راہیانِ موسیٰ علیہ السلام نے سنا تھا، اور پھر یہ کہا تھا: ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۵۵) یعنی فقط کلام سن کر ایمان نہ لائیں گے،

خدا کو دیکھ لیں گے تو ایمان لائیں گے۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اور کتابوں کے اعجاز بلاغت وفصاحت کا دعوی نہیں کیا گیا، یعنی خدا کا کلام ہوتیں تو وہ بھی معجزہ ہوتیں، کیونکہ ایک آدمی کے کلام کا ایک انداز ہوتا ہے" الی آخرہ۔

(براہین قاسمیہ ص:۱۱۵)

جاننا چاہئے کہ نبی ﷺ پر بھی اس طرح وحی آتی تھی، اور اسی کا نام احادیث شریفہ ہے، احادیث اللہ کا کلام نہیں، ان کا مضمون فرشتہ کے ذریعہ آیا ہے یا آپؐ کے قلب پر وارد ہوا ہے، آپؐ نے اس کو اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہے ﴿ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ ﴾ میں یہی تشبیہ مراد ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف کے شروع میں اسی آیت سے احادیث شریفہ کی حجیت پر استدلال کیا ہے، اور اسی وجہ سے احادیث نماز میں پڑھنا جائز نہیں، اگر چہ وہ وحی جلی ہیں، مگر وہ اللہ کا کلام نہیں، اور نماز اللہ کے لئے پڑھی جاتی ہے، اس لئے نماز میں اللہ کا کلام ہی پڑھنا ضروری ہے، اور اسی وجہ سے اہل کتاب (یہود ونصاری) اپنی نمازوں میں اپنی کتابیں (تورات وانجیل) نہیں پڑھتے، کیونکہ وہ اللہ کا کلام نہیں ہیں۔

وحی کی تیسری صورت: اللہ کا کلام ازل میں لوح محفوظ میں ریکارڈ ہوا، پھر جب نزولِ قرآن کا وقت آیا تو پورا قرآن یکبارگی لوحِ محفوظ سے بیتِ معمور میں جو پہلے آسمان پر ہے نازل کیا گیا، اس لئے کہ تشریعی وحی جبرئیل علیہ السلام اتارتے ہیں، اس لئے پورا قرآن بیتِ معمور میں اتارا گیا، تاکہ حسبِ حکم وہاں سے آیات لے کر جبرئیل علیہ السلام: نبی ﷺ کو پہنچائیں۔ پھر جب جبرئیل علیہ السلام: نبی ﷺ کو قرآن پہنچاتے تھے تو آپؐ اس کو صحابہ کے سامنے پڑھتے تھے، پھر وحی لکھنے والے صحابہ کو بلا کر لکھوا لیتے تھے۔

پس قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے، واسطوں کا اس میں کچھ دخل نہیں، نہ لوحِ محفوظ کا، نہ بیتِ معمور کا، نہ جبرئیل علیہ السلام کا، نہ نبی ﷺ کا، نہ کاتبین وحی کا، اسی لئے قرآن کلام معجز ہے، اس جیسا کلام کوئی نہیں بنا سکتا، قرآن اللہ کی صفتِ کلام کا پَرتو ہے، اور اللہ کی صفات کے مماثل کوئی چیز نہیں ﴿ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ میں وحی کی پہلی قسم کا ذکر ہے، اور اس کی تفصیل آگے (آیت ۱۶۶) میں آرہی ہے۔

﴿ وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۱۶۴﴾

ترجمہ: اور (بھیجا ہم نے) ایسے رسولوں کو جن کا حال ہم پہلے آپ سے (قرآن میں مختلف جگہ) بیان کر چکے ہیں، اور (بھیجا ہم نے) ایسے رسولوں کو جن کا حال ہم نے آپؐ سے بیان نہیں کیا (یعنی قرآن میں ان کا ذکر نہیں آیا) اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے براہِ راست کلام فرمایا۔

بعثتِ انبیاء کا مقصد اتمامِ حجت

پہلا انسان پہلا نبی ہے، پھر وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ انبیاء بھیجتے رہے، تاکہ وہ لوگوں کو نتائج اعمال سے آگاہ کریں، اور اللہ کی پسندیدہ زندگی اپنانے والوں کو جنت کی خوش خبری سنائیں، اور اللہ کے احکام کی خلاف روزی کرنے والوں کو دوزخ سے ڈرائیں، تاکہ کل قیامت کے دن لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم نتائج اعمال سے بے خبر تھے، اگر ہمیں آپ کی مرضی نامرضی معلوم ہوجاتی تو ہم ضرور اس پر عمل کرتے، مگر اب جب کہ اللہ نے پیغمبروں کو بھیج کر لوگوں کو آگاہ کردیا تو اب ان کے لئے عذر کا کوئی موقع نہ رہا! ویسے اللہ تعالیٰ زبردست ہیں، وہ بعثتِ رسل کے بغیر بھی داروگیر کرسکتے تھے، مگر وہ حکیم بھی ہیں، ان کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ پہلے لوگوں کو خبردار کیا جائے، پھر خلاف ورزی کرنے والوں کی پکڑ کی جائے۔

﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ ﴾

ترجمہ: (ہم نے بھیجا) رسولوں کو خوش خبری سنانے والے، اور ڈرانے والے بنا کر، تاکہ لوگوں کے لئے بعثتِ رسل کے بعد اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے، اور اللہ تعالیٰ زبردست، بڑی حکمت والے ہیں۔

قرآنِ کریم اللہ کا کلام گنجینۂ علوم ہے، جو فرشتوں کی معرفت اتارا گیا ہے

نوح علیہ السلام سے نبی ﷺ تک جو وحی آتی رہی ہے: قرآنِ کریم کی وحی اس سے مختلف ہے، سابقہ وحیاں فرشتہ کا کلام ہوتی تھیں یا انبیاء کا، اور قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے، اللہ کی گواہی کا یہی مطلب ہے، اور وہ اللہ کا کلام ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ گنجینۂ علوم ہے، حدیث میں ہے: لَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ: اس کی حیرت زا باتیں کبھی ختم نہ ہونگی، البتہ اللہ کا یہ کلام بلاواسطہ نازل نہیں ہوا، جیسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ کلام فرمایا، بلکہ فرشتوں کے توسط سے نازل ہوا ہے، فرشتوں کی گواہی کا یہی مطلب ہے، پیغام لانے والا پیغام کا گواہ ہوتا ہے، ویسے اللہ کی گواہی کافی ہے، فرشتوں کی گواہی کی ضرورت نہیں، کلام کا اعجاز اور اس کا خزانۂ معارف ہونا کافی شہادت ہے، مشک آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید: مشک تو خود مہکتا ہے، عطار کی ستائش کی کیا ضرورت ہے؟

﴿ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ ﴾

ترجمہ: لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں اس قرآن کے بارے میں جو اللہ نے آپؐ کی طرف نازل کیا ہے، اللہ نے اس کو اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے ـــــ یعنی قرآن علوم کا خزانہ ہے اور وہی اس کے کلام اللہ ہونے کی دلیل ہے

—— اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں —— کیونکہ وہی لائے ہیں —— اور اللہ کی گواہی کافی ہے!

یہودیوں کی آخری درجہ کی گمراہی

اکثر یہود نے نہ صرف یہ کہ اسلام قبول نہیں کیا، بلکہ وہ تورات میں جو نبی ﷺ کے اوصاف وحالات تھے، ان کو چھپاتے بھی تھے، اور لوگوں کو کچھ کا کچھ بتاتے تھے، اس طرح مشرکین کو اسلام سے روکتے تھے، یہ لوگ پرلے درجہ کے گمراہ ہیں، اور جو شخص گمراہی میں آخری درجہ تک پہنچ جاتا ہے اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے، اور اس کی ہدایت کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۶۷ ﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا، اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا، وہ بالیقین گمراہی میں بہت دور نکل گئے!

یہود کا برا انجام

جن یہودیوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا انھوں نے نبی ﷺ کا کیا بگاڑا؟ اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی ماری! ان کی آخرت میں ہرگز بخشش نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے راستہ پر نہیں ڈالیں گے، ہاں ان کو دوزخ کا راستہ دکھائیں گے، جہاں وہ ہمیشہ سڑیں گے، اور یہ بات یعنی دوزخ میں ان کو ہمیشہ کے لئے ڈال دینا اللہ تعالیٰ کے لئے نہایت آسان ہے!

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝۱۶۸ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۱۶۹ ﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا، اور انھوں نے اپنا نقصان کیا: اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرنے والے نہیں، اور نہ ان کو راہِ ہدایت دکھائیں گے، البتہ دوزخ کی راہ! وہ اس میں سدا رہیں گے، اور یہ بات اللہ کے لئے آسان ہے!

سبھی لوگوں کو ایمان کی دعوت

یہ یہود کے تذکرہ کی آخری آیت ہے، اس میں سب لوگوں کو بشمول یہود دعوت دی جاتی ہے کہ اسلام کو قبول کرو، ہمارا رسول ہماری سچی کتاب لے کر تمہارے پاس پہنچ چکا ہے، اس پر ایمان لانے ہی میں تمہاری خیریت ہے، اور اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو جان لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے، تمہارے ایمان نہ لانے سے ان کا کچھ نہیں بگڑے گا، نہ تم ان کی گرفت سے بچ سکتے ہو، وہ تمہارے جملہ احوال واعمال سے واقف ہیں، وہ تمہیں اس کی قرار واقعی سزا دیں

گے، انھوں نے تم کو اپنی حکمت سے چندے مہلت دے رکھی ہے، اس سے دھوکہ مت کھاؤ!

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۷۰ ﴾

ترجمہ: اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کے رسول تمہارے پروردگار کی طرف سے دین حق لے کر آچکے ہیں، پس ان پر ایمان لاؤ، تمہاری بہتری اسی میں ہے، اور اگر تم اس کو نہیں مانو گے تو (جان لو) اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۱۷۱ ع ۲۳

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے آسمانی کتاب والو!	ابْنُ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	وَرُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں پر
لَا تَغْلُوْا (۱)	غلو مت کرو	رَسُوْلُ اللّٰهِ	اللہ کے رسول ہیں	وَلَا تَقُوْلُوْا	اور مت کہو
فِىْ دِيْنِكُمْ	اپنے دین میں	وَكَلِمَتُهٗ	اور اس کا حکم ہیں	ثَلٰثَةٌ (۲)	(معبود) تین (ہیں)
وَلَا تَقُوْلُوْا	اور مت کہو	اَلْقٰهَاۤ	دیا حکم اللہ نے	اِنْتَهُوْا	باز آجاؤ
عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	اِلٰى مَرْيَمَ	مریم کو	خَيْرًا لَّكُمْ	بہتر ہوگا تمہارے لئے
اِلَّا الْحَقَّ	مگر سچی بات	وَرُوْحٌ	اور معزز روح ہیں	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ
اِنَّمَا	علاوہ ازیں نیست کہ	مِّنْهُ	اللہ کی طرف سے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
الْمَسِيْحُ	مسیح (مبارک)	فَاٰمِنُوْا	پس ایمان لاؤ	اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	ایک معبود ہیں
عِيْسَى	عیسیٰ	بِاللّٰهِ	اللہ پر	سُبْحٰنَهٗۤ	ان کی ذات پاک ہے

(۱) غلو کے معنی ہیں: حد سے بڑھنا، بشر کی ایک حد ہے، اس سے کسی بشر کو بڑھانا غلو ہے، جیسا کچھ لوگ نبی ﷺ کی شان میں غلو کرتے ہیں، اور آپ کو جمیع ما کان و ما یکون کا جاننے والا مانتے ہیں: یا جیسے اب دیوبندی بھی اکابر کے القاب میں حد سے بڑھنے لگے ہیں (۲) ثلاثة: أي الآلهة ثلاثة۔

اَنْ یَّکُوْنَ	اس سے کہ ہو	فِی السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے	وَکَفٰی	اور کافی ہیں
لَهٗ وَلَدٌ	ان کے لئے اولاد	وَمَا	اور جو	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ
لَهٗ مَا	ان کی ملک ہے جو	فِی الْاَرْضِ	زمین میں	وَكِيْلًا	کارساز

عیسائیوں کا تذکرہ

عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور 'تین میں کا ایک' مت کہو، وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول تھے

یہود کا تذکرہ پورا ہوا، بنی اسرائیل کی آخری امت عیسائی ہیں، اب ان کا تذکرہ آخر میں کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل کی آخری کڑی ہیں، عیسائیوں کا بنیادی عقیدہ تثلیث کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا قرب خاص حاصل ہے، پس ان کا رتبہ تمام مخلوق سے بلند ہے، قرآن میں ان کو کلمة الله (اللہ کا بول) کہا گیا ہے، اس لئے ان کو 'اللہ کا بندہ' نہیں کہنا چاہئے، ایسا کہنے سے ان کو دوسرے بندوں کے برابر کرنا لازم آئے گا، اور اس میں ان کی کسرِ شان ہے، اور ان کے مقام قرب خاص کو نظر انداز کرنا ہے۔

پھر عیسائیوں میں اختلاف ہوا کہ آپ کی اس خصوصیت کی تعبیر کس لفظ سے کی جائے؟ ایک جماعت: آپ کو 'اللہ کا بیٹا' کہنے لگی، اور دوسری جماعت نے آپ کو 'خدا' کہنا شروع کردیا، تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۱:۵۹۶) میں ہے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: یہ عیسائیوں کا غلو ہے، عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں، دونوں کھانا کھاتے تھے، اور اللہ وحدہ لاشریک لہ ہیں، وہ کھانے پینے سے مبرا ہیں، لہٰذا اللہ کے حق میں وہی بات کہو جو اللہ کے شایانِ شان ہے۔

البتہ ان کی پیدائش عام انسانوں کے برخلاف صرف عورت سے ہوئی ہے، وہ براہِ راست (مرد کے توسط کے بغیر) اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے ہیں، یہی حکم کلمة الله (اللہ کا بول) ہے، حضرت مریمؑ کو حکم ہوا اور ان کے بطن میں عیسیٰ علیہ السلام کا جسم تیار ہوگیا، پھر اللہ نے اپنی طرف سے اس میں معزز روح ڈالی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام وجود پذیر ہوگئے۔

لہٰذا اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر (بشمول عیسیٰ علیہ السلام) ایمان لاؤ، اور عیسیٰ علیہ السلام کو تہائی خدا کہنے سے باز آجاؤ، اسی میں تمہاری نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ایک ہیں، ان کی اولاد ہو نہیں سکتی، ان کی اولاد ہوگی تو ہم جنس ہوگی، پس اللہ ایک کہاں رہے؟ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملک ہے، اور بیٹا مملوک نہیں ہوتا، وہ برابر کے درجہ میں ہوتا ہے، اور جہاں کی کارسازی کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہیں، ان کو بیٹے کی مدد کی ضرورت نہیں!

آیتِ کریمہ: اے آسمانی کتاب کے ماننے والو! اپنے دین میں حد سے مت بڑھو، اور اللہ کے حق میں سچی بات کے سوا مت کہو، عیسیٰ مسیح مریم کے بیٹے اللہ کے رسول ہیں، اور ان کا حکم ہیں، جو انھوں نے مریم کو دیا، اور اللہ کی طرف سے معزز روح ہیں، پس اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور مت کہو کہ خدا تین ہیں، اس سے باز آجاؤ، اسی میں تمہاری بھلائی ہے، اللہ تعالیٰ تو ایک ہی معبود ہیں، ان کی ذات اولاد سے پاک ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ ان کی ملکیت ہے، اور اللہ تعالیٰ جہاں کی کارسازی کے لئے کافی ہیں!

لَنۡ يَّسۡتَنۡكِفَ الۡمَسِيۡحُ اَنۡ يَّكُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰهِ وَلَا الۡمَلٰٓـئِكَةُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ وَمَنۡ يَّسۡتَنۡكِفۡ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَيَسۡتَكۡبِرۡ فَسَيَحۡشُرُهُمۡ اِلَيۡهِ جَمِيۡعًا ۝۱۷۲ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ وَيَزِيۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡتَنۡكَفُوۡا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا فَيُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ۝۱۷۳ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا ۝۱۷۴ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَاعۡتَصَمُوۡا بِهٖ فَسَيُدۡخِلُهُمۡ فِىۡ رَحۡمَةٍ مِّنۡهُ وَفَضۡلٍ ۙ وَّيَهۡدِيۡهِمۡ اِلَيۡهِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ۝۱۷۵

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
لَنۡ يَّسۡتَنۡكِفَ	ہرگز عار نہیں کرتے	عَنۡ عِبَادَتِهٖ	اس کی عبادت سے	فَيُوَفِّيۡهِمۡ	پس پورا دے گا وہ ان کو
الۡمَسِيۡحُ	مسیح	وَيَسۡتَكۡبِرۡ	اور گھمنڈ کرے	اُجُوۡرَهُمۡ	ان کی اجرتیں
اَنۡ يَّكُوۡنَ	(اس بات سے) کہ ہوں وہ	فَسَيَحۡشُرُهُمۡ	تو جلد جمع کرے گا وہ ان کو	وَيَزِيۡدُهُمۡ	اور زیادہ دے گا وہ ان کو
		اِلَيۡهِ	اپنے پاس	مِّنۡ فَضۡلِهٖ	اپنے فضل سے
عَبۡدًا لِّلّٰهِ	اللہ کے بندے	جَمِيۡعًا	سبھی کو	وَاَمَّا الَّذِيۡنَ	اور رہے وہ جنھوں نے
وَلَا الۡمَلٰٓـئِكَةُ	اور نہ فرشتے	فَاَمَّا الَّذِيۡنَ	پس رہے وہ جو	اسۡتَنۡكَفُوۡا	عار سمجھا
الۡمُقَرَّبُوۡنَ	نزدیک کئے ہوئے	اٰمَنُوۡا	ایمان لائے	وَاسۡتَكۡبَرُوۡا	اور گھمنڈ کیا
وَمَنۡ	اور جو شخص	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	فَيُعَذِّبُهُمۡ	پس سزا دے گا وہ ان کو
يَّسۡتَنۡكِفۡ	عار کرے	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	عَذَابًا اَلِيۡمًا	دردناک سزا

وَلَا يَجِدُوْنَ	اور نہیں پائیں گے وہ	وَ اَنْزَلْنَآ	اور اتاری ہے ہم نے	فَسَيُدْخِلُهُمْ	پس عنقریب داخل
لَهُمْ	اپنے لئے	اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف		کرے گا وہ ان کو
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے ورے	نُوْرًا	واضح	فِيْ رَحْمَةٍ	بڑی مہربانی میں
وَلِيًّا	کوئی کارساز (حمایتی)	مُّبِيْنًا	روشنی	مِّنْهُ	اپنی طرف سے
وَّلَا نَصِيْرًا	اور نہ کوئی مددگار	فَاَمَّا الَّذِيْنَ	پس رہے وہ جو	وَفَضْلٍ	اور فضل میں
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَّيَهْدِيْهِمْ	اور دکھائے گا وہ ان کو
قَدْ جَآءَكُمْ	تحقیق پہنچی ہے تم کو	بِاللّٰهِ	اللہ پر	اِلَيْهِ	اپنی طرف
بُرْهَانٌ	دلیل	وَاعْتَصَمُوْا	اور مضبوط پکڑا انھوں نے	صِرَاطًا	راہ
مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	بِهٖ	اس کو	مُّسْتَقِيْمًا	سیدھی

حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کا بندہ بننے میں ننگ وعار محسوس نہیں کرتے

(مدعی سست گواہ چست!)

عیسائی: عیسیٰ علیہ السلام کے بندہ ہونے کو ان کی کسرِ شان سمجھتے ہیں، وہ ان کو 'اللہ کا بیٹا' کہتے ہیں، بیٹا باپ کی برابر کی پوزیشن میں ہوتا ہے، وہ باپ کی بندگی نہیں کرسکتا، جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اللہ کا بندہ ہونا، ان کی عبادت کرنا اور ان کے احکام کی تعمیل کرنا طرّۂ امتیاز ہے، وہ اس میں فخر وعزت محسوس کرتے ہیں، یہی حال کرّوبیوں (مقرب فرشتوں) کا ہے، وہ بھی اللہ کی بندگی سے ناک نہیں چڑھاتے، مگر عیسائی مسیح علیہ السلام کو خدائی میں حصہ دار بنا کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں، اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مان کر ان کی عبادت کرتے ہیں، یہ مدعی سست گواہ چست والا معاملہ ہے۔

پھر وعید ہے کہ جو اللہ کی عبادت میں ننگ وعار محسوس کرے گا، اور تکبر سے اپنا سر اللہ کے سامنے نہیں جھکائے گا، اس کو اور دوسروں کو بھی اپنے پاس جمع کریں گے، پھر جو مؤمن ہے اور اس نے نیک کام کئے ہیں: اس کو اس کے کاموں کی پوری مزدوری دیں گے، اور اپنے فضل سے زائد بھی دیں گے، اور جو لوگ اللہ کی عبادت سے ناک چڑھاتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں: ان کو دردناک سزا دیں گے، آخرت میں ان کا نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ مددگار جو ان کو عذاب سے بچائے۔

﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ، وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ

اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

ترجمہ: مسیح ہرگز اس بات میں عار محسوس نہیں کرتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں، اور نہ مقرب فرشتے (عار محسوس کرتے ہیں) اور جو لوگ اللہ کی بندگی میں عار محسوس کرتے ہیں، اور (بندگی سے) گھمنڈ کرتے ہیں: عنقریب ان سب کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس جمع کریں گے، پھر جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انھوں نے نیک کام کئے ہیں: اللہ تعالیٰ ان کو بھرپور ثواب عنایت فرمائیں گے، اور ان کو اپنے فضل وکرم سے زیادہ بھی دیں گے، اور رہے وہ لوگ جنھوں نے بندگی کو عار خیال کیا ہے اور تکبر کیا ہے: ان کو دردناک سزا دیں گے، اور وہ اللہ سے وَرے اپنے لئے نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ کوئی مددگار!

اعلانِ عام

ایمان لاؤ، رسول کی قدر پہچانو اور قرآن کی روشنی سے فائدہ اٹھاؤ

اس آیت پر عیسائیوں کا تذکرہ پورا ہوگا، اس آیت میں اعلان عام ہے، یہود اور نصاریٰ بھی مخاطب ہیں، تمام لوگوں کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے برہان آچکا ہے، برہان سے نبی ﷺ کی ذات مراد ہے، اور واضح نور بھی نازل کیا ہے، واضح نور سے مراد قرآنِ کریم ہے، پس جو اللہ پر ایمان لائے گا، اور اللہ کے دین کو مضبوط تھامے گا اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کریں گے، اور اپنی ذات تک پہنچنے کا سیدھا راستہ دکھائیں گے۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہدایت کے لئے رسول اور کتاب دونوں ضروری ہیں، رسول کو محض ڈاکیہ سمجھنا اور یہ کہنا کہ رسول کی ہدایات وارشادات کی ضرورت نہیں، صرف قرآن مجید کافی ہے، غلط ہے اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں، وہ گمراہی میں ہیں (آسان تفسیر)

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ ﴾

ترجمہ: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے مضبوط دلیل آچکی ہے —— رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارک مراد ہے —— اور ہم نے تمہاری طرف واضح روشنی اتاری ہے —— مراد قرآنِ کریم ہے —— پس رہے وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے، اور انھوں نے اللہ (کے دین) کو مضبوط پکڑا تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت اور اپنے فضل (جنت) میں داخل کریں گے، اور وہ ان کو اپنی طرف پہنچنے کا سیدھا راستہ دکھائیں گے۔

يَسۡتَفۡتُوۡنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِى الۡكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امۡرُؤٌا هَلَكَ لَيۡسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخۡتٌ فَلَهَا نِصۡفُ مَا تَرَكَ‌ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنۡ كَانَتَا اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ‌ ؕ وَاِنۡ كَانُوۡۤا اِخۡوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ‌ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا‌ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۷۶﴾

يَسۡتَفۡتُوۡنَكَ(۱)	لوگ آپ سے مسئلہ پوچھتے ہیں	وَهُوَ	اور وہ (بھائی)	رِّجَالًا	مرد
		يَرِثُهَاۤ	وارث ہوگا اس (بہن) کا	وَّنِسَآءً	اور عورتیں
قُلِ اللّٰهُ	آپ کہیں: اللہ تعالیٰ	اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ	اگر نہ ہو	فَلِلذَّكَرِ	تو مرد کے لئے
يُفۡتِيۡكُمۡ	تمہیں مسئلہ بتاتے ہیں	لَّهَا وَلَدٌ	اس (بہن) کی کوئی اولاد	مِثۡلُ	مانند
فِى الۡكَلٰلَةِ(۲)	کلالہ کا	فَاِنۡ كَانَتَا	پس اگر ہوں بہنیں	حَظِّ	حصہ
اِنِ امۡرُؤٌا	اگر کوئی شخص	اثۡنَتَيۡنِ	دو	الۡاُنۡثَيَيۡنِ	دو عورتوں کے ہے
هَلَكَ	مر گیا	فَلَهُمَا	تو دونوں کے لئے	يُبَيِّنُ	کھول کر بیان کرتے ہیں
لَيۡسَ لَهٗ	نہیں ہے اس کی	الثُّلُثٰنِ	دو تہائی ہے	اللّٰهُ لَـكُمۡ	اللہ تعالیٰ تمہارے لئے
وَلَدٌ	کوئی اولاد	مِمَّا	اس میں سے جو	اَنۡ تَضِلُّوۡا	تا کہ تم گمراہ نہ ہوؤ
وَّلَهٗۤ اُخۡتٌ	اور اس کی بہن ہے	تَرَكَ	چھوڑا میت نے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَلَهَا نِصۡفُ	تو اس کیلئے آدھا ہے	وَاِنۡ كَانُوۡۤا	اور اگر ہوں وہ	بِكُلِّ شَىۡءٍ	ہر چیز کو
مَا تَرَكَ	اس کا جو چھوڑا اس نے	اِخۡوَةً	بھائی بہن	عَلِيۡمٌ	خوب جاننے والے ہیں

(۱) سوال کی تفصیل جواب سے معلوم ہوگی، میراث کے مسائل میں سوال مجمل نقل کیا جاتا ہے (۲) الکلالۃ: اسم بھی ہے اور مصدر بھی، تَکَلَّلَهُ النسبُ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: نسب سے کنارہ پر آگیا، ایک طرف ہوگیا، اور مجرد باب ضرب سے ہے کَلَّ یَکِلُّ کَلًّا وَ کَلَالَةً: کمزور ہونا، اور اصطلاحی معنی ہیں: بے پسر و پدر ہونا، جس کے نہ بیٹے پوتے ہوں، نہ باپ دادا، ایسا شخص کمزور ہوتا ہے، اور یہ معنی عصوبت (عصبہ ہونے) کے تعلق سے ہیں، سب سے پہلے عصبہ بیٹے ہیں، دوسرے نمبر پر باپ دادا ہیں، اور تیسرے نمبر پر حقیقی اور علاتی بھائی (بالترتیب) اور ان کی مذکر اولاد ہے، اور مطلق کلالہ کے معنی ہیں: جس کی اولاد لڑکے لڑکیاں اور پوتے پوتیاں نہ ہوں اور نہ ماں باپ ہوں۔

حقیقی اور علاتی بھائی بہنوں کی میراث

ربطِ خاص: گذشتہ آیت میں قرآنِ کریم کو واضح روشنی فرمایا ہے، اب اس کی ایک مثال دیتے ہیں، اور وہ کلالہ کی میراث کا مسئلہ ہے، اگر کسی کے اول نمبر کے عصبہ نہ ہوں، نہ دوسرے نمبر کے عصبہ ہوں تو تیسرے نمبر کے عصبہ: میت کی اصل قریب کی مذکر اولاد ہے، یعنی حقیقی اور علاتی بھائی اور بھتیجے ذوی الفروض سے بچے ہوئے مال کے وارث ہونگے، اخیافی بھائی بہن ذوی الفروض ہیں، اور حقیقی بھائی علاتی سے مقدم ہے۔ یہ مسائل ایسے ہیں کہ اگر قرآن بیان نہ کرتا تو شاید لوگ ان کو نہ پاتے! اسی لئے آخر آیت میں فرمایا: ﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ﴾: اللہ نے یہ حکم کھول کر بیان کیا تاکہ تم غلطی میں نہ پڑو۔

ربط عام: سورت یتامی کے حقوق کے بیان سے شروع ہوئی ہے، پھر اسی ذیل میں میراث کے احکام بیان ہوئے ہیں، پھر باتیں پھیلتی گئیں، پھر آیت ۱۲۷ سے شروع سورت کی طرف لوٹے ہیں، اور احکام کا بیان شروع ہوا ہے، اب پھر شروع سورت کی طرف لوٹتے ہیں، اور احکام میراث مکمل کرتے ہیں، پس سورت کی ابتداء اور انتہاء ہم آہنگ ہوگئے۔

کلالہ کی تعریف: کلالہ کا ذکر سورۃ النساء کی آیت ۱۲ میں بھی آیا ہے، اور یہاں بھی، آیت ۱۲ سردیوں میں نازل ہوئی ہے، اور یہ آیت بعد میں گرمیوں میں نازل ہوئی ہے، آیت ۱۲ میں اخیافی بھائی بہن کی میراث کا ذکر ہے، اور یہاں حقیقی اور علاتی بھائی بہنوں کا، آیت ۱۲ میں اور یہاں کلالہ کی یہ تعریف ہے: ﴿ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ یعنی میت کی اولاد نہ ہو، اور یہ آدھی بات ہے، باقی آدھی: ولا والد ہے یعنی اس کا باپ بھی نہ ہو تو وہ کلالہ ہے اور یہ آدھا مضمون فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا گیا ہے، جس کی وضاحت مراسیل ابی داؤد میں ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن کی روایت میں ہے کہ ایک شخص خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے کلالہ کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: کیا تم نے وہ آیت نہیں سنی جو گرمیوں میں نازل کی گئی ہے: ﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ﴾؟ فمن لم يترك ولداً ولا والداً فورثته كلالة: جس نے نہ اولاد چھوڑی نہ باپ تو اس کے ورثہ کلالہ ہیں، اور حاکم نے اس روایت کو عن أبی هريرة سے موصول کیا ہے (درمنثور ۲: ۲۴۹) اور دارمی وغیرہ میں یہی تعریف حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے، اور مصنف عبدالرزاق میں عمرو بن شرحبیل نے اس پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے (درمنثور ۲: ۲۵۰)

فائدہ: کلالہ کی تعریف تو وہی ہے جو اوپر گذری، یعنی من لا وَلَدَ له ولا والد: جس کی نہ اولاد ہو، نہ باپ، مگر دو مسئلوں میں اختلاف ہے:

پہلا مسئلہ: لفظ ولد: لغت میں عام ہے، اس کے معنی ہیں: اولاد، خواہ مذکر ہو یا مؤنث، اور خواہ صلبی ہو یا نیچے کی (پوتا، پوتی) مگر باب میراث میں اگر میت کی مذکر اولاد ہو یا مذکر اولاد کی مذکر اولاد (پوتے) ہو تب تو ہر طرح کے بھائی بہن (اخیافی، علاتی اور حقیقی) بالاتفاق محروم رہتے ہیں، لیکن اگر میت کی صرف مؤنث اولاد (بیٹیاں) ہو تو بالاتفاق بھائی بہن

وارث ہوتے ہیں، بھائی تیسرے نمبر میں عصبہ بنفسہ ہوتے ہیں اور بہنیں: اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بالغیر ہوتی ہیں، اور اگر صرف بہنیں (لڑکیوں کے ساتھ) ہوں تو وہ عصبہ مع الغیر ہوتی ہیں۔ حدیث میں ہے: **اجعلوا الأخوات مع البنات عصبة**: بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ، یہ حدیث ان لفظوں سے اگرچہ ثابت نہیں، مگر اس کا مضمون صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے۔ بخاری شریف میں دو حدیثیں (حدیث ۶۷۴۱ و ۶۷۴۲) ہیں: (۱) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے زمانہ میں بیٹی کے لئے نصف کا اور بہن کے لئے نصف کا فیصلہ کیا (۲) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مسئلہ میں فرمایا: میں اس میں نبی ﷺ کا فیصلہ کرتا ہوں: بیٹی کے لئے نصف ہے، اور پوتی کے لئے سدس اور باقی بہن کے لئے ہے...... اس لئے کلالہ کی تعریف میں ولد سے عام معنی مراد نہیں، بلکہ مذکر اولاد مراد ہے۔

دوسرا مسئلہ: والد کا لفظ بھی لغت میں عام ہے، باپ دادا سب کو شامل ہے، مگر بابِ میراث میں اگر میت کا باپ ہو تو ہر طرح کے بھائی بہن بالاتفاق محروم ہوتے ہیں، اور اگر میت کا دادا ہو تو اختلاف ہے: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک: دادا کی وجہ سے بھی ہر طرح کے بھائی بہن محروم ہوتے ہیں، ان کے نزدیک لفظ ''والد'' عام ہے، اور باپ کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں اس لئے فتوی اسی پر ہے...... اور صاحبین کے نزدیک: دادا کے ساتھ بھائی بہن وارث ہوتے ہیں، وہ لفظ والد کو باپ کے ساتھ خاص کرتے ہیں، کیونکہ لفظ ولد جب مذکر اولاد کے ساتھ خاص ہے، تو لفظ والد بھی باپ کے ساتھ خاص ہوگا۔

حقیقی اور علاتی بھائی بہنوں کی میراث: اگر میت کے لڑکے لڑکیاں، پوتے پوتیاں نہ ہوں تو حقیقی اور علاتی بہنیں بیٹیوں کی جگہ لیتی ہیں، ایک بہن کو آدھا ترکہ ملتا ہے، اور دو یا زیادہ ہوں تو دو تہائی ملتا ہے، اور اگر کلالہ عورت ہو تو اسی طرح اس کے بھائی بہن وارث ہوتے ہیں، اور ان کے ساتھ ان کا بھائی ہو تو پھر وہ عصبہ بالغیر ہوجاتی ہیں، اور ذوی الفروض سے بچا ہوا ترکہ ان کو مل جاتا ہے، پھر بھائی دوہرا اور بہن اکہرا حصہ پاتی ہے۔

فائدہ (۱): جب دو بہنوں کو دو تہائی ملتا ہے تو دو بیٹیوں کو بہ درجۂ اولیٰ دو تہائی ملے گا پس یہ مسئلہ یہاں سے آیت ۱۲ میں جائیگا۔

فائدہ (۲): اخیافی بھائی بہن ذوی الفروض ہیں، اور ان کی میراث آیت ۱۲ میں بیان ہوئی ہے۔

آیتِ کریمہ: لوگ آپؐ سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں؟ آپؐ بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتوی دیتے ہیں: اگر کسی ایسے شخص کا انتقال ہوا جس کی اولاد (بیٹیاں) نہیں ہیں، اور اس کی ایک بہن ہے تو اس کو آدھا ترکہ ملے گا اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا، اگر بہن کی کوئی اولاد (لڑکیاں) نہ ہوں —— پس اگر دو بہنیں ہوں تو ان کے لئے ترکہ کا دو تہائی ہے —— اور اگر بھائی بہن چند ہوں: مرد بھی اور عورتیں بھی، تو مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے —— اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کھول کر بیان کرتے ہیں، تاکہ تم غلطی میں نہ پڑو! اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب واقف ہیں۔

﴿۱۳ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ = ۴/ اکتوبر ۲۰۱۷ء کو سورۃ النساء کی تفسیر بحمد للہ مکمل ہوئی﴾

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورۃ المائدۃ

نمبر شمار	۵	نزول کا نمبر	۱۱۲	آیات	۱۲۰	رکوع	۱۶

مائدۃ: کے معنی ہیں: کھانا چُنا ہوا دستر خوان، بھرا ہوا خوان، خالی دستر خوان کو عربی میں سُفْرَۃ کہتے ہیں، عورتیں گھر میں ہوتی ہیں تو بھرا ہوا دستر خوان بچھتا ہے، اس لئے سورۃ النساء کے بعد اب سورۃ المائدۃ آئی ہے، اور یہ جزء سے کل کا نام رکھا گیا ہے، سورت کے آخر میں حواریوں کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک درخواست کا ذکر آیا ہے، انھوں نے درخواست کی تھی کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے کھانے کا بھرا ہوا خوان نازل فرمائیں، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور مائدۃ نازل ہوا، اس واقعہ سے سورت کا نام المائدۃ رکھا گیا ہے۔

سورۃ النساء کا بڑا حصہ احکام پر مشتمل تھا، اور آخر میں حقیقی اور علاتی بھائی بہنوں کی میراث کا ذکر ہے، یہ سورت بھی احکام سے شروع ہو رہی ہے، اس کا بھی بڑا حصہ احکام پر مشتمل ہے، یہ سورت کا سورت سے ارتباط ہے۔

اور اس سورت کے شروع میں ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے: ﴿ أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾: معاہدوں کو پورا کرو، حقیقی اور علاتی بھائیوں کے ساتھ عصوبت کا تعلق ہے، یہ مضبوط خاندانی رشتہ ہے، اس کی پاسداری ضروری ہے، اس لئے میراث میں ان کا بھی حق رکھا گیا ہے، یہ گذشتہ سورت کے آخر کا اس سورت کے آغاز سے ارتباط ہے۔

آیاتہا ۱۲۰ (۵) سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۲) رکوعاتہا ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

بِسْمِ اللّٰهِ	اللہ کے نام سے	الرَّحِيْمِ	نہایت رحم والے	اٰمَنُوْۤا	ایمان لائے
الرَّحْمٰنِ	بے حد مہربان	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	اَوْفُوْا (۱)	پورا کرو

(۱) اَوْفٰى اِيْفَاءً: پورا کرنا۔

بِالْعُقُوْدِ (۱)	معاہدوں کو	يُتْلٰى	پڑھے جائیں	حُرُمٌ	احرام میں ہو
اُحِلَّتْ	حلال کئے گئے	عَلَيْكُمْ	تم پر (آگے)	اِنَّ	بےشک
لَكُمْ	تمہارے لئے	غَيْرَ (۴)	نہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
بَهِيْمَةُ (۲)	چرنے والے	مُحِلِّي (۵)	جائز کرنے والے	يَحْكُمُ	فیصلہ کرتے ہیں
الْاَنْعَامِ (۳)	پالتو جانور	الصَّيْدِ	شکار کو	مَا يُرِيْدُ	جو چاہتے ہیں
اِلَّا مَا	مگر جو	وَاَنْتُمْ (۶)	جبکہ تم	❁	❁

سورت کی پہلی آیت نہایت اہم ہے، ایک ضابطہ کلیہ سے شروع ہوئی ہے:

جو معاہدہ کیا جائے اسے پورا کیا جائے

ارشاد فرماتے ہیں: اے مسلمانو! معاہدوں کو پورا کرو، تم نے جس کسی سے کوئی قول وقرار کیا ہے اس کی تکمیل کرو، اس کی خلاف ورزی مت کرو، عقود: عَقْد کی جمع ہے، عقد کے معنی ہیں: باندھنا، ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ گرہ لگا کر مضبوط باندھنا، اس کا ترجمہ عہد و پیمان اور قول وقرار کیا جاتا ہے، اس میں تمام تکالیفِ شرعیہ اور احکام دینیہ آجاتے ہیں جن کی تعمیل بندوں کے لئے ضروری ہے، نیز امانات اور معاملات کے جملہ عہد و پیمان بھی اس میں شامل ہیں، جن کا پورا کرنا شرعاً اور اخلاقاً ضروری ہے۔

ایک مثال: لوگ جانور پالتے ہیں، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا مامور بہ ہے، گھاس پانی کا خیال رکھنا ضروری ہے، نبی ﷺ ایک اونٹ کے پاس سے گذرے، جس کی پیٹھ (بھوک کی وجہ سے) اس کے پیٹ سے مل گئی تھی، پس آپ ﷺ نے فرمایا: **اتقوا الله فی هذه البهائم المعجمة، فارکبوها صالحة، واترکوها صالحة:** ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان پر ٹھیک طرح سواری کرو، اور ان کو ٹھیک طرح (چرنے کے لئے) چھوڑو! (مشکات حدیث ۳۳۷۰)

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدوں کو پورا کرو! —— خواہ معاہدوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو یا مخلوق سے،

(۱) **العقود:** عَقْدٌ کی جمع ہے: قول وقرار، عہد و پیمان، مضبوط معاملات، (۲) **بهيمة:** بے زبان جانور، جن کی آواز میں ابہام ہو، مگر عرف میں چوپایوں کو کہتے ہیں (درندوں کے علاوہ) (۳) **الأنعام:** نَعَمٌ کی جمع: مویشی، پالتو جانور، جن میں اونٹ شامل ہو (۴) **غیر:** لکم کی ضمیر سے حال ہے (۵) **مُحِلِّي:** اصل میں مُحِلِين تھا، اضافت کی وجہ سے نون گرا ہے، إحلال: مصدر: حلال بنانا، جائز قرار دینا (۶) **وأنتم:** مُحِلِّي میں پوشیدہ ضمیر سے حال ہے۔

جسمانی تربیت سے تعلق ہو یا روحانی اصلاح سے، دنیوی مفاد سے تعلق ہو یا اخروی فلاح سے، شخصی زندگی سے تعلق ہو یا اجتماعی زندگی سے، صلح سے تعلق ہو یا جنگ سے: سب عہد و پیمان کو پورا کرنا ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے، خلاف ورزی کی صورت میں سخت مؤاخذہ ہوگا۔

غذا کی ضرورت سے پالتو جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہے

جاننا چاہئے کہ اردو میں حلال کرنا: شریعت کے مطابق ذبح کرنے کو کہتے ہیں، اور عربی میں أحلَّ الشیئَ إحلالاً کے معنی ہیں: مباح و جائز کرنا، قرآنِ پاک میں ہے: ﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾: اللہ نے خرید و فروخت کو جائز کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، پس آیت کریمہ میں ﴿ اُحِلَّتْ ﴾ کے عربی معنی ہیں۔

دوسری بات: یہ جاننی چاہئے کہ علم نحو میں استثناء إلاَّ اور اس کی بہنوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ إلا کی بہنیں خَلاَ، عَدَا، لیس، لایکون، غیر، سِوی، سواءٌ اور حاشا وغیرہ ہیں، مگر قرآن وحدیث اور کلامِ عرب میں کلماتِ استثناء کے بغیر بھی استثناء کیا جاتا ہے، مثال آگے ذکر کروں گا، یہاں آیت پاک میں حروفِ استثناء کے بغیر مذکورہ حکم کلی سے استثناء کیا ہے۔ فرمایا ہے کہ لوگ جو جانور پالتے ہیں: ان کے ساتھ بھی اگرچہ اخلاقی معاہدہ ہے کہ ان کو تکلیف نہ پہنچائی جائے، مگر غذا کی ضرورت سے ان کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے کھانا جائز ہے، البتہ آیت تین میں جن حرام جانوروں کا ذکر آرہا ہے وہ مستثنیٰ ہیں۔

اور نَعَمٌ کے اصل معنی اونٹ کے ہیں، اونٹ عربوں کے نزدیک قیمتی مال تھا، اس لئے اس کو نَعْمٌ (نعمت) کہتے تھے، پھر اس کا اطلاق پالتو جانوروں پر ہونے لگا، بھیڑ بکری، گائے بھینس اور اونٹ سب انعام (مویشی) ہیں، مگر ان کو انعام اس وقت تک نہیں کہا جاتا جب تک ان میں اونٹ شامل نہ ہو، اس لئے تعمیم کرنے کے لئے الأنعام کے ساتھ بھیمة بڑھایا ہے، بھیمة وہ جانور کہلاتے ہیں جن کی آواز میں ابہام ہوتا ہے، جن کی بات واضح طور پر سمجھ میں نہیں آتی۔

اور سورۃ الانعام (آیت ۱۴۳) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ نر و مادہ پیدا کئے ہیں، یہی مویشی حلال ہیں، گدھا اور خچر (جو گدھے اور گھوڑی کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے) حرام ہیں، اگرچہ وہ بھی پالتو جانور ہیں، اور یہ حرمت حدیث سے ثابت ہے، اور حلت و حرمت اور قربانی میں مادہ کا اعتبار ہے، اگر خچر کی ماں گھوڑی ہے تو حلال ہے۔

حروفِ استثناء کے بغیر استثناء کی مثال

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا کہ جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہے وہ اس شخص کی پیروی کرے جس کا ہدایت پر انتقال ہوا ہے، اس لئے کہ زندہ فتنہ کا شکار ہوسکتا ہے، پس اگر وہ گمراہ ہوگیا تو اپنے مقلد کو بھی لے

ڈوبے گا، پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس ضابطہ سے أولئك کے ذریعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا استثناء کیا، فرمایا: وہ گمراہی سے محفوظ ہیں، اس لئے زندہ صحابی کی پیروی کی جاسکتی ہے۔

پھر آپؓ نے صحابہ کرام کی خصوصیات بیان فرمائیں: (۱) صحابہ امت میں سب سے افضل ہیں، یعنی وہ گمراہ ہوجائیں تو بدیگراں چہ رسد؟ (۲) صحابہ کے دل امت میں سب سے زیادہ نیک ہیں، یعنی گمراہ وہ ہوتا ہے جس کا دل خراب ہو (۳) ان کا علم امت میں سب سے زیادہ گہرا ہے، یعنی سطحی علم والا گمراہ ہوتا ہے (۴) وہ امت میں سب سے کم تکلف (بناوٹ) کرنے والے ہیں یعنی بہ تکلف باتیں بنانے والے ہی گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہ کرتے ہیں (۵) اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی ﷺ کی صحبت (رفاقت) کے لئے چنا ہے، یعنی وہ گمراہ ہوجائیں تو اللہ کے انتخاب پر حرف آئے گا (۶) ان کو سارے عالم میں اپنا دین برپا کرنے کے لئے منتخب کیا ہے، یعنی وہ دنیا میں پھیلیں گے اور لوگوں کو اللہ کا دین پہنچائیں گے، اور کسی ملک میں وہ اکیلے بھی جائیں گے، پس اگر لوگ ان کی بات پر اعتماد نہیں کریں گے تو وہ راہِ راست کیسے پائیں گے؟ لہٰذا ان کی فضیلت پہچانو، اور ان کے نشانِ قدم کی پیروی کرو، اور ان کے اخلاق اور ان کی سیرت کو جہاں تک تمہارے بس میں ہو اپناؤ، اس لئے کہ وہ دین کے سیدھے راستہ پر ہیں (روایت پوری ہوئی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قاعدہ کلیہ سے صحابہ کا استثناء لفظ أولئك سے کیا ہے، معروف کلماتِ استثناء استعمال نہیں کئے، اسی طرح زیر تفسیر آیت کریمہ میں بھی حرفِ استثناء کے بغیر استثناء کیا ہے۔

اور یہ روایت مشکات (حدیث ۱۹۳ باب الاعتصام) میں رزین کے حوالے سے ہے، اور ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی کتاب **جامعُ بیانِ العلم وفضله** کی جلد دوم صفحہ ۱۱۹ میں بھی ہے، مشکات میں اس کے الفاظ درج ذیل ہیں، اس روایت کو عام طور پر طلباء سمجھتے نہیں، اس لئے نقل کررہا ہوں۔

عن ابن مسعود، قال: من كان مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بمن قدمات، فإن الحيَّ لا تُؤْمَنُ عليه الفتنةُ، أولئك أصحابُ محمد صلى الله عليه وسلم: كانوا أفضلَ هذه الأمة، أَبَرَّهَا قلوبا، وَأَعْمَقَهَا علما، وَأَقَلَّهَا تكلفا، اختارهم اللّٰهُ لصحبة نبيه، ولإقامةِ دينه، فاعرفوا لهم فضلَهم، واتبعوهم على آثارهم، وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسِيَرِهم، فإنهم كانوا على الهدى المستقيم.

لغت: اِسْتَنَّ بِسُنَّتِه: کسی کے راستہ پر چلنا، اتباع کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جسے کسی کی پیروی کرنی ہے وہ اس شخص کی پیروی کرے جس کا (ہدایت پر) انتقال ہوگیا ہے، کیونکہ زندہ آدمی فتنہ کا شکار ہوسکتا ہے (پھر اس ضابطہ سے استثناء فرمایا کہ) یہ نبی ﷺ کے

صحابہ اس امت میں سب سے افضل تھے، ان کے دل نہایت پاکیزہ تھے، ان کا علم نہایت گہرا تھا، ان میں بناوٹ نام کو بھی نہیں تھی، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی رفاقت کے لئے اور اپنے دین کو (سارے جہاں میں) برپا کرنے کے لئے چن لیا ہے، لہٰذا ان کی برتری پہچانو، اور ان کے اقوال وافعال کی پیروی کرو، اور ان کے اخلاق اور ان کی سیرت کو جہاں تک ہوسکے مضبوط پکڑو، اس لئے کہ وہ دین کے سیدھے راستہ پر تھے۔

﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾

ترجمہ: تمہارے لئے پالتو چوپایے حلال کئے گئے ہیں، علاوہ ان کے جن کا ذکر آگے آئے گا۔

غذا کی ضرورت سے شکار حلال کیا گیا ہے

پالتو جانوروں کی طرح غذا ہی کی ضرورت سے جنگلی جانور (شکار) حلال کئے گئے ہیں، چرند بھی اور پرند بھی، دو شرطوں کے ساتھ:

پہلی شرط: اس جانور کی کچلیاں (نوکیلے دانت) نہ ہوں، نہ وہ درندے ہوں یعنی اپنے شکار کو پھاڑ کر کھاتے نہ ہوں، اور پرندوں میں پنجے نہ ہوں، یعنی وہ پنجوں سے شکار کو پھاڑ کر کھاتے نہ ہوں، اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے، مسلم شریف کی روایت ہے: نَهٰى رسولُ الله صلى الله عليه وسلم عن كل ذى ناب من السباع، وكل ذى مِخْلَبٍ من الطير: رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمائی ہر کچلی والے درندے کی اور ہر پنجے والے پرندے کی (مشکات حدیث ۴۱۰۵)

دوسری شرط: یہ ہے کہ وہ حرم کا شکار نہ ہو، حرم کا شکار مطلقاً حرام ہے، اور احرام کی حالت میں شکار نہ کیا گیا ہو، اگرچہ وہ غیر حرم کا شکار ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حرم اور احرام شعائر اللہ سے ہیں، پس ان کی حرمت کی پامالی جائز نہیں۔

پس آیتِ کریمہ سے دو مسئلے ثابت ہونگے، ایک مسئلہ آیت کے منطوق سے ثابت ہوگا، اور دوسرا مسئلہ آیت کے ایماء (اشارے) سے ثابت ہوگا، آیت کا منطوق (ماسیق لاجلہ الکلام) یہ ہے کہ حالتِ احرام میں کیا ہوا شکار حرام ہے، اور حرم کے شکار کی حرمت دلالت النص سے ثابت ہوگی، یعنی بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگی، اور آیت کے ایماء سے معلوم ہوگا کہ غیر حرم اور غیر احرام کا شکار حلال ہے۔ اور یہ انداز بیان اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ مسئلہ کی دلیل بھی ساتھ ہی آجائے، اور آئندہ آیت کے شروع میں جو حکم کلی بیان کیا ہے: اس سے مضمون مربوط ہوجائے۔

﴿غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ﴾

ترجمہ: درانحالیکہ تم شکار کو جائز کرنے والے نہ ہوؤ، جبکہ تم احرام میں ہوؤ۔

مسئلہ(۱): محرم نے اگر شکار کرنے میں تعاون کیا، ذبح کیا، اشارہ کیا، راہ نمائی کی یا کسی بھی طرح مدد کی اور حلال نے شکار کیا تو بھی شکار مردار ہو جائے گا، اس کو کوئی نہیں کھا سکتا، اور اس کی جزاء واجب ہے۔

مسئلہ(۲): حرم شریف میں پالتو جانور مرغی بکری وغیرہ محرم اور غیر محرم ذبح کر سکتے ہیں۔

ایک خلجان کا جواب

جین مت والے (پارسی) غذا کی ضرورت سے بھی جانور کے ذبح کے روادار نہیں، اور آرین ہندو گائے کے ذبح کی اجازت نہیں دیتے، اس لئے آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں فیصلہ کرتے ہیں، تمام مخلوقات انھوں نے پیدا کی ہیں، اور سب کی روزی کا انتظام بھی انھوں نے کیا ہے، پس جس طرح درندوں کی غذا کے لئے شکار کو جائز کیا ہے، انسانوں کی غذا کے لئے بھی پالتو جانوروں اور شکار کو حلال کیا ہے، انسان کے آخری دانت بھی گول ہیں، پس وہ بھی گوشت خور ہے، اس لئے انھوں نے انسان کی غذائی ضرورت سے اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حلال کیا ہے، اور جن جانوروں کے گوشت میں مضرت تھی ان کو حرام کیا ہے۔

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں فیصلہ کرتے ہیں —— ان کے فیصلہ میں کون عیب نکال سکتا ہے؟

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآىِٕدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے وہ لوگو جو ایمان لائے	لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ (۱)	بے حرمتی مت کرو نشانیوں کی	اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ (۲)	اللہ (کے دین) کی اور نہ مہینوں

(۱) شعائر: شعیرۃ کی جمع: وہ خاص نشانی جس سے کوئی چیز پہچانی جائے، جیسے مسجد کے منارے (۲) الشہر: میں الف لام جنسی ہے، مراد اشہر حرام ہیں۔

الْحَرَامَ	محترم کی	فَاصْطَادُوْا	توشکار کرو			وَالتَّقْوٰى	اور پرہیزگاری کے
وَلَا الْهَدْيَ (۱)	اور نہ حرم کی قربانی کی	وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ (۴)	اور ہرگز جرم نہ کرائے				کاموں میں
وَلَا الْقَلَآئِدَ (۲)	اور نہ قربانی کے اونٹوں کی		تم سے			وَلَا تَعَاوَنُوْا	اور ایک دوسرے کی
وَلَآ آٰمِّيْنَ (۳)	اور نہ قصد کرنے والوں کی	شَنَاٰنُ	عداوت				مدد مت کرو
الْبَيْتَ	خانۂ	قَوْمٍ	کسی قوم کی			عَلَى الْاِثْمِ	گناہ کے کاموں میں
الْحَرَامَ	محترم کی	اَنْ صَدُّوْكُمْ (۵)	بایں وجہ کہ روکا انھوں			وَالْعُدْوَانِ	اور ظلم وزیادتی میں
يَبْتَغُوْنَ	چاہتے ہیں وہ		نے تم کو			وَاتَّقُوا	اور ڈرو
فَضْلًا	فضل وکرم	عَنِ الْمَسْجِدِ	مسجد سے			اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے
مِّنْ رَّبِّهِمْ	ان کے پروردگار کا	الْحَرَامِ	محترم			اِنَّ	بیشک
وَرِضْوَانًا	اور خوشنودی (ان کی)	اَنْ تَعْتَدُوْا (۶)	کہ زیادتی کرو تم			اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
وَاِذَا حَلَلْتُمْ	اور جب تمہارا احرام	وَتَعَاوَنُوْا	اور ایک دوسرے کی مدد کرو			شَدِيْدُ	سخت
	کھل جائے	عَلَى الْبِرِّ	نیکی کے کاموں میں			الْعِقَابِ	سزا دینے والے ہیں

شعائر اللہ کی بے حرمتی کی ممانعت اور چار شعائر کا ذکر

گذشتہ آیت میں احرام کی حالت میں شکار کرنے کی ممانعت آئی ہے، یہ ممانعت شعائر اللہ کی تعظیم کی وجہ سے ہے، احرام بھی منجملۂ شعائر ہے، اب باقاعدہ شعائر اللہ کی حرمت پامال کرنے کی ممانعت فرماتے ہیں، اور حج سے تعلق رکھنے والے چار شعائر کا تذکرہ فرماتے ہیں، پھر جب احرام کھل جائے تو شکار کرنے کی اجازت ہے، پس یہ دوسری آیت پہلی آیت کا تتمہ ہے۔

شعائر : شَعِيْرة یا شِعَارَة کی جمع ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: علامت، اور اصطلاحی معنی ہیں: وہ نشانی جو اس چیز کو

(۱) **هَدْی**: حرم میں قربانی کا چھوٹا جانور، بھیڑ بکری، قلائد سے تقابل کی وجہ سے تخصیص ہوئی ہے (۲) **قلائد**: قِلَادَة کی جمع: وہ چیز جو گردن میں لٹکائی جائے، رسّی، پٹّہ، مراد اونٹ ہیں (۳) **آمین**: اسم فاعل، جمع مذکر، آمٌّ واحد، أَمَّ الشيئَ وإليه أَمًّا: قصد کرنا، رخ کرنا، خرجوا يؤمون البلدَ: شہر کے ارادے سے نکلے (۴) **لَايَجْرِمَنَّ**: فعل نہی بانون تاکید ثقیلہ، صیغہ واحد مذکر غائب، جَرَمَ (ض) الرجلَ: مجرم بنانا، گنہ گار بنانا، جرم کرانا (۵) **أن صدوكم**: أن سے پہلے لام محذوف ہے، أی لأن (۶) **أن تعتدوا**: لايجرمنكم کا مفعولِ ثانی ہے، اور یہی اعتداء جرم ہے۔

بتائے جس کے لئے وہ مقرر کی گئی ہے، جیسے منارہ مسجد کی مخصوص علامت ہے، اور شرعی ڈاڑھی مسلمان کا یونیفارم ہے، اسی طرح وہ اعمال، اماکن اور احکام جو دین اسلام کی علامتیں اور پہچان ہیں وہ سب شعائر اللہ ہیں، اور سورۃ الحج آیت ۳۰ میں شعائر اللہ کو حُرُمَات اللہ بھی کہا گیا ہے، یعنی اللہ کے قابل احترام احکام، پس تمام وہ چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے نشان بندگی ٹھہرایا ہے اور تمام محترم احکام شعائر اللہ ہیں، اور بڑے شعائر چار ہیں: قرآن، کعبہ، نبی اور نماز، تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۱:۷۰۹) میں ہے۔

حج کے تعلق سے چار شعائر: پہلی آیت میں احرام کا ذکر آیا ہے، جس کا تعلق حج اور عمرہ سے ہے، اس لئے حج کے تعلق سے چار شعائر کا تذکرہ فرماتے ہیں:

۱- محترم مہینوں کی حرمت پامال کرنے کی ممانعت: اشہر حج تین ہیں: شوال، ذی قعدہ اور سارا ذی الحجہ یا شروع کے دس دن، یہ حج کے مہینے اس لئے کہلاتے ہیں کہ شوال کا چاند نظر آنے سے پہلے حج کا احرام باندھنا مکروہ ہے۔

اور اشہر حرام (محترم مہینے): چار ہیں: ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم الحرام (مسلسل تین ماہ) اور رجب المرجب یہ قبیلۂ مضر کا رجب کہلاتا ہے، حجاج کرام ذی قعدہ میں حج کے لئے روانہ ہوتے ہیں، اور ذی الحجہ میں حج کرتے ہیں، اور محرم میں واپس لوٹتے ہیں، اس لئے جاہلیت میں ان مہینوں میں لڑائی موقوف رہتی تھی، اور مضر قبائل رجب میں عمرہ کرتے تھے، اس لئے اس میں بھی لڑائی موقوف رہتی تھی، اسلام میں ان چاروں مہینوں میں بھی جنگ جائز ہے، مگر ان کا احترام باقی ہے، جیسے جمعہ کو جنگ جائز ہے، مگر جمعہ قابلِ احترام ہے۔ پس آیتِ کریمہ میں **الشھر الحرام** سے تین ماہ ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم مراد ہیں، ان میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے، گناہوں سے بچنا چاہئے، ان محترم مہینوں میں گناہ کرنا ان کی حرمت کو پامال کرنا ہے، جیسے مسجد میں بیڑی اور جمعہ کے دن شراب پینا جگہ اور زمانہ کی حرمت کی پامالی ہے۔

۲- ہدی کے چھوٹے جانور کی بے حرمتی نہ کرنا: ہدی: ہر قربانی کے جانور کو کہتے ہیں جس کو حج یا عمرہ کرنے والے مکہ معظمہ لے جاتے ہیں، مگر یہاں چھوٹا جانور بھیڑ بکری مراد ہے، اس لئے کہ آگے قلائد کا ذکر آ رہا ہے، اس تقابل کی وجہ سے تخصیص ہوئی ہے، ورنہ ہدی عام ہے، حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے حرم شریف میں قربانی کرنے کے لئے گھر کی پلی ہوئی بھیڑ بکریاں لے کر جاتے تھے، سنہ نو ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حج کرانے کے لئے گئے تھے، نبی ﷺ نے ان کے ساتھ سو بکریاں قربانی کے لئے بھیجی تھیں، ان ہدایا کا احترام کیا جائے، ان کی خدمت کی جائے، ان کو ستایا نہ جائے، یہ ان کی حرمت کی پامالی ہے۔

۳- ہدی کے بڑے جانور (اونٹ) کی بے حرمتی نہ کرنا: عرب میں بھینس تو ہوتی نہیں، اور گائے بہت نادر ہے،

البتہ اونٹوں کی فراوانی ہے، بڑے لوگ حج اور عمرہ میں اونٹ قربانی کے لئے لے جاتے تھے، نبی ﷺ بھی عمرۃ القضاء میں اونٹ لے گئے تھے، اور حجۃ الوداع میں سو اونٹ قربانی کے لئے ساتھ تھے، اونٹ کے گلے میں پرانا چپل رسّی میں باندھ کر لٹکایا جاتا تھا، یہ اس کے ہدی ہونے کی علامت ہوتی تھی، راستے میں لوگ ان کو لوٹتے نہیں تھے، خدمت کرتے تھے، اور گلے کا یہ ہار ٹوٹ بھی سکتا ہے، اس لئے نبی ﷺ نے اونٹوں کا اشعار بھی کیا تھا، اشعار کے لغوی معنی ہیں: اطلاع دینا، اور اصطلاحی معنی ہیں: کوہان کی ایک طرف ذرا سا چیر دینا، یہاں تک کہ خون نکل آئے، یہ اس امر کی نشانی ہوتی تھی کہ یہ قربانی کا اونٹ ہے، اگر گلے کا ہار ٹوٹ بھی جائے تو اس لازمی نشانی سے پہچان لیا جائے گا کہ یہ ہدی کا اونٹ ہے۔

پھر فقہاء میں اختلاف ہوا کہ اشعار سنت ہے یا صرف حدیث ہے، یعنی خاص وجہ سے یہ عمل کیا گیا تھا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ سنت نہیں، قرآنِ کریم نے صرف قلادہ کا ذکر کیا ہے، اگر اشعار سنت ہوتا تو اس کا بھی ذکر کیا جاتا، جیسے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا سنت نہیں، عذر کی صورت میں جواز کے لئے نبی ﷺ نے ایک مرتبہ یہ عمل کیا ہے، اسی طرح حیض کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانا سنت نہیں، بلکہ اعتزالِ مطلوب کی وضاحت کے لئے دو تین بار آپؐ نے ازواج کو ساتھ لٹایا ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اشعار کو سنت کہتے ہیں، ایسا اختلاف بہت سے مسائل میں ہوا ہے: ﴿ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ﴾: اور ہر شخص کا ایک قبلہ رہا ہے، وہ اس کی طرف منہ کرنے والا ہے، پس تم نیک کاموں میں تگاپو کرو، خواہ مخواہ امام اعظم رحمہ اللہ کی پگڑی مت اچھالو، ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے، اس میں صرف گلے میں ہار ڈالنے کا ذکر ہے، اشعار کا ذکر نہیں۔

سوال: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اشعار کو بدعت کہا ہے، جبکہ نبی ﷺ سے اشعار ثابت ہے، پھر اگر اشعار سنت نہیں تو جواز تو ثابت ہوگا؟ پھر اس کو بدعت کہنا کیسے صحیح ہے؟

جواب: امام اعظمؒ نے مطلق اشعار کو بدعت نہیں کہا بلکہ ان کے زمانہ میں جس طرح لوگ بے دردی سے اشعار کرتے تھے اس کو بدعت کہا ہے۔ آنحضور ﷺ نے تو اپنے دستِ مبارک سے اشعار فرمایا تھا اور ذرا سی کھال کاٹی تھی اور خون پونچھ ڈالا تھا اور عرب کا ملک گرم خشک ہے دو چار دن میں زخم خشک ہو جائے گا اور اشعار کی علامت کوہان پر باقی رہ جائے گی، بعد میں لوگ شیخ (سیٹھ) بن گئے، نوکروں کو اشعار کرنے کا حکم دیتے تھے، ان کو کیا پڑی تھی وہ بے دردی سے اشعار کرتے تھے، جس میں کھال کے ساتھ گوشت بھی کاٹ دیتے تھے اور عراق کا علاقہ مرطوب تھا، چنانچہ زخم میں کیڑے پڑ جاتے تھے۔ امام اعظمؒ نے اس اشعار کو بدعت کہا ہے، مطلق اشعار کو بدعت نہیں کہا۔ اور امام اعظمؒ کے قول کا یہ مطلب

امام طحاوی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے جو مذہبِ حنفی کے سب سے زیادہ واقف کار تھے۔

۴- حجاج کرام کی بے حرمتی نہ کرنا: وہ اللہ کا فضل وکرم اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بیت اللہ کے قصد سے جارہے ہیں، پس وہ بھی شعائر اللہ ہیں، ان کی تعظیم اور خدمت کرو، ان کی حرمت پامال مت کرو۔

پھر جب حاجی یا معتمر مکہ مکرمہ پہنچ گیا، اور ارکان ادا کر چکا، اور احرام سے نکل آیا تو احرام میں شکار کرنے کی جو ممانعت تھی وہ ختم ہوگئی، اب غیر حرم کا شکار کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، اصطادوا کا امر اباحت کے لئے ہے، کیونکہ جس طرح نہی سے استثناء اباحت کے لئے ہوتا ہے: نہی کے بعد امر بھی اباحت کے لئے ہوتا ہے، جیسے کہیں: یہاں کوئی نہ بیٹھے، مگر زید مستثنیٰ ہے تو زید کے لئے بیٹھنے کا جواز ثابت ہوگا، اور حکیم: مریض سے کہے: کھٹا نہ کھانا، پھر ایک وقت کے بعد کہے: کھٹا کھاؤ تو یہ امر اباحت کے لئے ہوگا، وجوب ثابت نہ ہوگا۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ ﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ (کے دین) کی خاص علامتوں کی بے حرمتی مت کرو ـــــ یہ ضابطہ کلیہ ہے، اس کے ماتحت چار چیزیں بیان کی ہیں جو سب شعائر اللہ ہیں ـــــ (۱) اور نہ محترم مہینوں کی (۲) اور نہ حرم میں قربان ہونے کے لئے جانے والی بھیڑ بکریوں کی (۳) اور نہ گلوں میں پٹے پڑے ہوئے اونٹوں کی (۴) اور نہ محترم گھر کا قصد کرنے والوں (حاجیوں اور معتمرین) کی، وہ لوگ اپنے پروردگار کا فضل وکرم اور خوشنودی کے خواستگار ہیں، اور جب تم احرام کھول لو تو شکار کرو۔

حجاج اور معتمرین مقامی لوگوں کے ساتھ زیادتی نہ کریں

جو لوگ حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر، اللہ کے فضل وکرم اور خوشنودی کے طالب بن کر مکہ مکرمہ جارہے ہیں ان کو شعائر اللہ میں داخل کیا ہے، پس وہ لوگ مکہ مکرمہ پہنچ کر اس بات کا خیال رکھیں کہ وہ مقامی لوگوں کے ساتھ زیادتی نہ کریں، مالک مکان کے ساتھ یا ڈرائیور کے ساتھ نہ الجھیں، صبر سے کام لیں، سورۃ البقرۃ (آیت ۱۹۷) میں ہے: ﴿ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾: حج میں کسی سے جھگڑا نہ کریں، جھگڑتے ہوئے کبھی آدمی آپے سے باہر ہوجاتا ہے، اور زیادتی ہوجاتی ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد عمرۂ قضا سے پہلے نازل ہوئی ہے، مکہ والوں نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا، اس وجہ سے مسلمان بپھرے ہوئے تھے، اندیشہ تھا کہ جب عمرۂ قضا کے لئے جائیں گے تو مکہ والوں کے ساتھ ترکی بہ ترکی معاملہ کریں گے، پس یہ آیت نازل ہوئی، اور مسلمانوں کو ہدایت دی کہ وہ مقامی لوگوں کے ساتھ جواباً

بھی زیادتی نہ کریں، وہ یاد رکھیں کہ وہ اللہ کا فضل وکرم اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے گئے ہیں، اگر وہ مقامی لوگوں کے ساتھ بدمعاملگی کریں گے تو وہ مجرم سمجھے جائیں گے، جبکہ حجاج اور معتمرین کو گناہ سے بچنا چاہئے۔

سوال: اس سورت کا نزول کا نمبر ۱۱۲ ہے، یعنی یہ سورت آخری دور کی ہے، پس اس آیت کے بارے میں یہ کہنا کہ صلح حدیبیہ کے بعد عمرۂ قضاء سے پہلے نازل ہوئی ہے: کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ صلح حدیبیہ تو ۶ ہجری میں ہوئی ہے۔

جواب: نزول کا نمبر مجموعۂ سورت کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور بعض آیتیں پہلے نازل شدہ ہوتی ہیں، مگر لوحِ محفوظ کی ترتیب میں بعد کی سورت میں ہوتی ہیں، جیسے اگلی آیت میں: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ ﴾ بالکل آخر میں نازل ہوئی ہے، مگر ترتیب سماوی میں اس جگہ ہے۔

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ ﴾

ترجمہ: اور تم سے ہرگز گناہ نہ کرائے کسی قوم کی عداوت اس وجہ سے کہ انھوں نے تم کو مسجدِ حرام سے روکا ہے کہ تم زیادتی کرو ـــــ یعنی تمہاری یہی زیادتی تمہارا گناہ ہوگی۔

ظلم وزیادتی نہ ابتداءً جائز ہے نہ ردِ عمل کے طور پر

دو عام ضابطے

۱- نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو

۲- گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدمت کرو

ان دونوں ضابطوں کا تعلق گذشتہ سبھی مسائل سے ہے، یعنی جو ان احکام پر عمل کرنا چاہے اس کی مدد کرو، اور ان کے خلاف کرنے لگے اس کی مدمت کرو، اور دوسرے ضابطہ کے بعد جو وعید ہے اس کا مقابل پہلے ضابطہ کے بعد محذوف ہے، یعنی نیکی کے کاموں میں مدد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائیں گے۔

اور ان دونوں ضابطوں سے معلوم ہوا کہ جو حکم اصل کا ہوتا ہے وہی ذرائع کا ہوتا ہے، اور جو بات دین میں مطلوب ہو اس میں تعاون بھی اسی درجہ مطلوب ہوگا، اور جو بات گناہ کی ہو اس میں تعاون بھی اسی درجہ کا گناہ ہوگا، اسی لئے حدیث میں سودی معاملہ میں تعاون کرنے والوں کو، اور شراب پینے میں تعاون کرنے والوں کو برابر کے درجہ کا گنہ گار قرار دیا ہے۔

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

الْعِقَابِ ﴿۲﴾

ترجمہ: (۱) اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو —— اللہ تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائیں گے —— (۲) اور گناہ کے کاموں میں اور ظلم وزیادتی میں ایک دوسرے کی مددمت کرو، اور اللہ سے ڈرو —— تقوی سے سب احکام کی پابندی سہل ہوجاتی ہے —— بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں!

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۗ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾

حُرِّمَتْ	حرام کیا گیا	لِغَيْرِ اللّٰهِ	غیر اللہ کے لئے	السَّبُعُ	درندے نے
عَلَيْكُمُ	تم پر	بِهٖ	اس کے ذریعہ	إِلَّا مَا	مگر جو
الْمَيْتَةُ	مرا ہوا جانور	وَالْمُنْخَنِقَةُ (۲)	اور دم گھٹ کر مرنے والا	ذَكَّيْتُمْ	ذبح کرلیا تم نے
وَالدَّمُ	اور (بہنے والا) خون	وَالْمَوْقُوْذَةُ (۳)	اور چوٹ مارا ہوا	وَمَا ذُبِحَ	اور جو ذبح کیا گیا
وَلَحْمُ	اور گوشت	وَالْمُتَرَدِّيَةُ (۴)	اور اوپر سے گرنے والا	عَلَى النُّصُبِ (۶)	آستھان پر
الْخِنْزِيرِ	سور کا	وَالنَّطِيْحَةُ (۵)	اور سینگ مارا ہوا	وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوْا (۷)	اور بانٹنا
وَمَآ أُهِلَّ (۱)	اور جو آواز بلند کی گئی	وَمَآ أَكَلَ	اور جو کھایا	بِالْأَزْلَامِ (۸)	پاسوں کے ذریعہ

(۱) ما: موصولہ ہے، بھینٹ چڑھا ہوا جانور اور حلوہ وغیرہ مراد ہے (۲) المنخنقة: اسم فاعل: سانس گھٹ کر مرنے والا (۳) الموقوذة: اسم مفعول: لاٹھی پتھر کی چوٹ سے مارا ہوا، وَقْذٌ: مصدر باب ضرب (۴) المتردية: اسم فاعل: اوپر سے نیچے کھائی یا کنویں میں گرنے والا (۵) النطيحة: صیغۂ صفت، بمعنی منطوحة، مصدر نَطَحَ: سینگ مارنا (۶) نُصُب: مفرد، جمع أنصاب: اَستھان: مندر، مزار، آستانہ، اصل معنی ہیں: جھنڈا، نشان، شکاری کا جال جس کی طرف شکاری تیزی سے دوڑتا ہے، تاکہ پھنسا ہوا شکار نکل نہ جائے (۷) أن: ناصبہ مصدریہ، استقسام کے دو معنی ہیں: (۱) بانٹنا، حصہ چاہنا (۲) قسمت معلوم کرنا (۸) أزلام: زَلَم کی جمع: پانسا: فال کے تیر۔

ذٰلِكُمْ	یہ	اَكْمَلْتُ	مکمل کردیا میں نے	دِيْنًا (۱)	دین کے طور پر
فِسْقٌ	حد اطاعت سے نکلنا ہے	لَكُمْ	تمہارے لئے	فَمَنِ	پس جو شخص
اَلْيَوْمَ	آج	دِيْنَكُمْ	تمہارا دین	اضْطُرَّ	سخت لاچار ہوگیا
يَئِسَ	مایوس ہوگئے	وَ اَتْمَمْتُ	اور پوری کردی میں نے	فِيْ مَخْمَصَةٍ (۲)	شدید بھوک میں
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	منکرین اسلام	عَلَيْكُمْ	تم پر	غَيْرَ مُتَجَانِفٍ (۳)	نہیں مائل ہونے والا
مِنْ دِيْنِكُمْ	تمہارے دین سے	نِعْمَتِيْ	میری نعمت	لِاِثْمٍ	گناہ کی طرف
فَلَا تَخْشَوْهُمْ	پس نہ ڈرو ان سے	وَ رَضِيْتُ	اور پسند کرلیا میں نے	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بے شک اللہ تعالیٰ
وَاخْشَوْنِ	اور ڈرو مجھ سے	لَكُمُ	تمہارے لئے	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
اَلْيَوْمَ	آج	الْاِسْلَامَ	اسلام کو	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں

حرام جانوروں وغیرہ کا تذکرہ

پہلی آیت میں فرمایا تھا: ﴿ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾: مگر جن کا ذکر آگے آئے گا، اب اس آیت میں ان حرام جانوروں وغیرہ کا ذکر ہے، پس یہ آیت پہلی آیت کا ضمیمہ ہے۔

گیارہ حرام جانور وغیرہ:

۱- مردہ جانور حرام ہے: جو جانور خود بخود مر جائے، ذبح کی نوبت نہ آئے، یا غیر شرعی طریقہ پر ذبح یا شکار کیا جائے تو وہ حرام ہے۔

۲- ذبح کے وقت رگوں سے نکلنے والا خون حرام ہے، وہ نجاستِ غلیظہ ہے، عرب اس کو کھاتے تھے، البتہ جو خون گوشت پر لگا رہتا ہے یا پیٹ میں آنتوں وغیرہ پر لگا ہوا ہوتا ہے وہ پاک ہے، پس اگر گوشت کو دھوئے بغیر پکا لیا جائے تو اس کا کھانا درست ہے، مگر نظافت کے خلاف ہے۔

۳- خنزیر کا گوشت، پوست (چمڑا) چربی، ناخن، بال، ہڈی، پٹھا وغیرہ سب ناپاک اور حرام ہیں، اور گوشت کی تخصیص اعظم منافع کی وجہ سے کی ہے، عرب خنزیر کھاتے تھے۔

۴- غیر اللہ کے نامزد کیا ہوا جانور، جیسے شیخ سدّو کا بکرا (شیخ سدّو: جاہل عورتوں کا ایک فرضی ولی یا جنّ) اور پیرانِ پیر

(۱) دینا: تمیز ہے، نسبت کے ابہام کو دور کرتی ہے (۲) مخمصة: اسم: ایسی بھوک جس سے پیٹ لگ جائے (۳) متجانف: اسم فاعل، تجانُف: (گناہ کی طرف) مائل ہونا۔

(شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ) کا مرغا، ایسا جانور اگر تکبیر پڑھ کر ذبح کیا جائے تو بھی حرام ہے، مردار سے بھی اخبث ہے، البتہ نامزد کرنے والا توبہ کرے، پھر اللہ کے نام پر ذبح کرے تو حلال ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے مشرکین بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے تھے (بحیرہ، سائبہ وغیرہ) اسی طرح جو بت یا مزار پر چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے: اس کا کھانا بھی حرام ہے، البتہ چڑھانے سے پہلے ناذر توبہ کرلے تو جائز ہے۔

۵- دَم گھٹ کر مرنے والا جانور بھی حرام ہے، وہ مردار ہے، کبھی ہوا رک جاتی ہے یا کمرے میں دھواں بھر جاتا ہے تو انسان اور جانور سانس گھٹنے سے مرجاتا ہے۔

۶- لاٹھی پتھر وغیرہ سے مارا ہوا جانور بھی مرا ہوا ہے اور حرام ہے۔

۷- کبھی جانور کھائی میں یا کنویں میں گر جاتا ہے اور مرجاتا ہے: یہ بھی مردار اور حرام ہے۔

۸- سینگ مارا ہوا جانور کبھی دو جانور لڑتے ہیں، ایک جانور دوسرے کو سینگ سے مار دیتا ہے یہ بھی مردار ہے اور حرام ہے۔

۹- جانور کو درندے نے پھاڑ دیا، بلّی نے مرغی کو پھاڑ دیا، مگر زندہ پکڑ لی اور مرنے سے پہلے ذبح کرلی تو جائز ہے۔

۱۰- کسی اَستھان پر ذبح کیا ہوا جانور بھی مردار ہے، کسی جن بھوت کو راضی کرنے کے لئے یا ولی پیر کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس کے خاص مقام پر جانور لے جا کر ذبح کرتے تھے، یہ بھی حرام ہے، اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا ہو۔

۱۱- فال کے تیروں سے حصہ لینا یا قسمت معلوم کرنا حرام ہے، پس اس کی دو صورتیں ہیں اور دونوں حرام ہیں:

(الف) جاہلیت میں ایک طریقہ یہ تھا کہ ایک مشترک اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کرتے تھے، اور قرعہ اندازی کا طریقہ یہ تھا کہ مختلف تیروں پر حصے لکھ کر ایک تھیلے میں ڈال دیتے تھے، پھر ہر شریک ایک تیر نکالتا تھا، جس کے نام جو تیر نکل آیا، اس کو گوشت میں سے اتنے حصے دیئے جاتے تھے، جو اس پر لکھے ہوئے ہوتے تھے، اور جس کے ہاتھ میں ایسا تیر آتا جس پر کوئی حصہ لکھا ہوا نہیں اس کو کچھ بھی نہیں ملتا تھا، بلکہ آئندہ اونٹ لانا اس کے ذمہ ہوتا تھا، یہ سٹّہ بازی تھی، جس کو اسلام نے حرام کردیا۔

(ب) کعبہ کے مجاور کے پاس تین تیر تھے، ایک پر لکھا ہوا تھا: أمرنی ربی: مجھے میرے پروردگار نے حکم دیا، دوسرے پر لکھا تھا: نہانی ربی: مجھے میرے پروردگار نے منع کیا، تیسرے پر کچھ لکھا ہوا نہیں ہوتا تھا، جب کسی کو کسی اہم کام کے کرنے میں تردد اور اشکال ہوتا تو وہ ان تیروں سے فیصلہ کرتا، پہلا تیر ہاتھ میں آتا تو کام کرتا، دوسرا تیر ہاتھ میں آتا تو کام نہ کرتا، اور تیسرا تیر ہاتھ میں آتا تو فال دوبارہ نکالتا، یہ اٹکل پچو کے تیر تھے، ان سے قسمت کا حال معلوم کرتے تھے، اسلام نے اس

توہم پرستی کا خاتمہ کردیا۔ بلکہ اس گیارہویں بات پر سخت نکیر کی کہ یہ فسق (حد اطاعت سے نکل جانا) ہے، یعنی سخت کبیرہ گناہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے کہ ذلکم کا مشار الیہ صرف استقسام بالازلام ہے۔ مذکورہ سبھی گیارہ باتیں مراد نہیں، اور اسم اشارہ بعید انتہائی برائی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لایا گیا ہے (روح)

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ﴾

ترجمہ: حرام کیا گیا تم پر: (۱) مردہ جانور (۲) اور (بوقتِ ذبح رگوں سے نکلنے والا) لہو (۳) اور سور کا گوشت (۴) اور وہ جانور جس کے ذریعہ غیر اللہ کی شہرت کی گئی ہو ــــــ یعنی وہ غیر اللہ کے نامزد کیا گیا ہو، نام پکارنے کا مطلب شہرت کرنا ہے ــــــ (۵) اور دَم گھٹنے سے مرنے والا جانور (۶) اور (لاٹھی پتھر وغیرہ سے) مارا ہوا جانور (۷) اور (اوپر سے کھائی کنویں وغیرہ میں) گر کر مرا ہوا جانور (۸) اور سینگ سے مارا ہوا جانور (۹) اور جسے درندے نے پھاڑ ڈالا، مگر جس کو تم نے (مرنے سے پہلے) ذبح کرلیا (۱۰) اور جو جانور کسی تھان پر ذبح کیا گیا (۱۱) اور فال کے تیروں سے حصہ/قسمت معلوم کرنا یہ (آخری بات) سخت گناہ کا کام ہے۔

ربط: گیارہ ناجائز امور کا ذکر کیا، یہ شریعت کے منفی احکام ہیں، اور جس طرح مثبت احکام پر عمل ضروری ہے منہی امور سے بچنا بھی ضروری ہے، یعنی جس طرح نماز و زکات اور صوم و حج کی تعمیل ضروری ہے: ناجائز کاموں اور گناہوں سے بچنا بھی ضروری ہے، بلکہ تحلیہ سے تخلیہ مقدم ہے، پہلے چہرہ دھوتے ہیں پھر غازہ ملتے ہیں، اس لئے منہیات کا ترک مامورات کی تعمیل سے پہلے ہے۔ چنانچہ اب بطور نصیحت تین باتیں ذکر فرماتے ہیں۔

۱- احکام شرعیہ پر بے خوف ہوکر عمل کرو

اب اسلام بڑھ چلا ہے، لوگ جوق جوق اسلام میں داخل ہونے لگے ہیں، اب اسلام کو کفار زَک (شکست) نہیں دے سکتے، لہٰذا اب کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، اللہ ہی سے ڈرو، اور بے خوف ہوکر احکامِ شرعیہ پر عمل کرو، مثبت احکام پر بھی اور منفی احکام پر بھی!

﴿ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ﴾

ترجمہ: اب کافر تمہارے دین (کی ترقی روکنے) سے ناامید ہوگئے ہیں، لہٰذا ان سے مت ڈرو، اور مجھ سے ڈرو!

۲-(الف) مثبت ومنفی جملہ احکام قرآنِ کریم میں ہیں

(ب) قرآنِ کریم انسانیت پر اللہ کا بڑا احسان ہے

(ج) قیامت تک کے لئے پسندیدہ دین اسلام ہے

آیت کا زمانۂ نزول اور مقام نزول: یہ آیت ۱۰ھ میں عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے، اور اتفاق سے وہ دن جمعہ کا تھا، اور یہ آیت میدانِ عرفات میں جبلِ رحمت کے پاس عصر کی نماز کے بعد نازل ہوئی ہے، جو قبولیتِ دعا کی گھڑی ہے۔ اور اس وقت مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہو رہا تھا، جس میں ڈیڑھ لاکھ پروانے شمع نبوت کے گرد جمع تھے، یہ اجتماع ہر سال اسی جگہ ہوتا ہے، پس جگہ بھی بابرکت، وقت بھی بابرکت، دن بھی بابرکت اور دو عیدوں کے اجتماع کا دن تھا۔

حدیث(۱): طارق بن شہابؒ کہتے ہیں: ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر یہ آیت: ﴿ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ ﴾ ہم پر نازل کی جاتی، یعنی ہمارے دین وشریعت کو کامل ومکمل قرار دیا جاتا تو ہم اس دن میں (جس دن میں یہ آیت نازل کی جاتی) عید (خوشی) منایا کرتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''مجھے بالیقین معلوم ہے کہ یہ آیت کس دن میں اتاری گئی ہے: عرفہ کے دن میں، جمعہ کے دن میں یہ آیت نازل کی گئی ہے (یہ اعلی درجہ کی صحیح حدیث ہے)

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب کی وضاحت یہ ہے کہ ہم اس آیت کی غیر معمولی اہمیت سے ناواقف نہیں ہیں، مگر ہمیں اس کے نزول کے دن میں کوئی تقریب منعقد کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ آیت دو عیدوں کے اجتماع کے موقعہ پر نازل کی گئی ہے۔ پھر ان میں سے جمعہ کا دن تو اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے، مگر عرفہ کا دن اسی جگہ ہے، اور ہر سال جہاں یہ آیت نازل ہوئی ہے: لاکھوں کا اجتماع ہوتا ہے، وہی اجتماع ہمارے لئے کافی ہے، کوئی دوسری تقریب منعقد کرنے کی ضرورت نہیں۔

﴿ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ﴾

ترجمہ: آج میں نے ــــ اللہ تعالیٰ نے ــــ تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا ــــ یعنی جملہ احکام قرآنِ کریم میں نازل کر دیئے گئے ــــ اور میں نے تم پر اپنا احسان تمام کر دیا، اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا ــــ یعنی اب قیامت تک تمہارا دین یہی رہے گا، اس کو منسوخ کر کے دوسرا دین نازل نہیں کیا جائے گا۔

تفسیر: اکمال کا مطلب ہے کہ نزولِ قرآن سے جو مقصود تھا وہ پورا ہو گیا، اور وہ مقصود انسانوں کو دین وشریعت عطا فرمانا

تھا...... اور اتمام کا مطلب ہے کہ اب کسی دوسری چیز کی ضرورت باقی نہیں رہی ...... اور اس آیت میں دین کی نسبت مسلمانوں کی طرف کی ہے، کیونکہ دین کا ظہور وغلبہ اُن کی محنت سے ہوتا ہے۔ اور نعمت کی نسبت اپنی طرف کی ہے، کیونکہ دین کی تکمیل براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے......اور اکمالِ دین کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کا دین ناقص تھا۔ دین تو ہر نبی کا اس کے زمانے کے اعتبار سے کامل تھا، مگر جو دین ان کے زمانے اور ان کی قوم کے اعتبار سے کامل تھا، وہ اگلے زمانے اور اگلی قوموں کے اعتبار سے نامکمل تھا۔ جیسے بچپن کا کرتا: اُس عمر کے اعتبار سے کامل ہوتا ہے، مگر جوانی کے زمانے کے اعتبار سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اسی طرح اب زمانے کے شباب کے زمانے میں جو شریعت سب سے آخر میں نازل کی گئی ہے: وہ ہر جہت اور ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہے، اس لئے اب رہتی دنیا تک نئی شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی، یہی دین تا قیامت لوگوں کی نجات کے لئے کافی ہے۔

احکام شرعیہ میں اعذار کا لحاظ رکھا گیا ہے

آخر آیت میں ایک خلجان کا جواب ہے: کوئی سوچ سکتا ہے کہ پوری شریعت پر ہر شخص کے لئے عمل کیسے ممکن ہے؟ آدمی کے ساتھ اعذار لگے ہوئے ہیں! اس کا جواب: دیتے ہیں کہ اعذار کا احکام میں لحاظ رکھا گیا ہے، نابالغ پر نماز فرض نہیں، حالت حیض اور طویل بیہوشی کی نمازیں معاف ہیں، کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ بھی نہ سکے تو لیٹ کر پڑھے، زکات ہر مال میں فرض نہیں، نصاب تجویز کیا ہے، اور مال نامی (بڑھنے والے مال) میں زکات فرض کی ہے، اور بیماری اور سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے، اور حج کے لئے زاد (توشہ) اور راحلہ (سواری) شرط کی ہے۔

اسی طرح اگر بھوک مری کی نوبت آجائے یا اکراہ ملجی ہو اور جان کا خطرہ ہو تو مردار وغیرہ حرام چیزیں استعمال کرنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ لطف اندوز ہونا مقصود نہ ہو، نہ ضرورت سے زیادہ کھائے، بس جان بچالے!

ملحوظہ: مَن: موصولہ متضمن معنی شرط کا جواب محذوف ہے، سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۳) میں مذکور ہے، اور وہ ہے: ﴿ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ﴾: یعنی اس شخص پر کچھ گناہ نہیں، گنجائش کا یہی مفہوم ہے، اور یہاں حذف کا قرینہ: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ہے۔

﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: پس جو شخص بھوک کی شدت سے بے قرار ہو جائے، اِس کے بغیر کہ گناہ کی طرف مائل ہونے والا ہو، تو اللہ تعالیٰ یقیناً بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵ ع

يَسْئَلُوْنَكَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں	عَلَّمْتُمْ	سکھلایا تم نے	اَمْسَكْنَ	روکا انھوں نے
مَاذَآ	کیا چیزیں	مِّنَ الْجَوَارِحِ (۲)	زخمی کرنے والوں سے	عَلَيْكُمْ	تمہارے لئے
اُحِلَّ	حلال کی گئی ہیں	مُكَلِّبِيْنَ (۳)	چھوڑنے والے	وَاذْكُرُوا	اور لو تم
لَهُمْ	ان کے لئے	تُعَلِّمُوْنَهُنَّ (۴)	سکھلاتے ہو تم ان کو	اسْمَ اللّٰهِ	اللہ کا نام
قُلْ	آپ کہیں	مِمَّا	اس میں سے جو	عَلَيْهِ (۵)	اس پر
اُحِلَّ	حلال کی گئی ہیں	عَلَّمَكُمُ	سکھلایا تم کو	وَاتَّقُوْا	اور ڈرو
لَكُمْ	تمہارے لئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	اللّٰهَ	اللہ سے
الطَّيِّبٰتُ	پاکیزہ چیزیں	فَكُلُوْا	پس کھاؤ تم	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
وَمَا (۱)	اور (شکار اس کا) جس کو	مِمَّآ	اس میں سے جو	سَرِيْعُ	جلد لینے والے ہیں

(۱) وما: کا عطف الطیبات پر ہے، اور مضاف صید محذوف ہے (جلالین) (۲) الجوارح: الجارحۃ کی جمع ہے: زخمی کرنے والا شکاری جانور، جَرْحٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں: زخمی کرنا (۳) مکلبین: علمتم کی ضمیر سے حال ہے، اور مُکَلِّب: اسم فاعل کی جمع ہے، مصدر تکلیب کے دو معنی ہیں: (۱) شکار پر چھوڑنا (۲) شکار کی تعلیم دینا، پہلے معنی راجح ہیں، اس لئے کہ دوسرے معنی کے لئے آگے حال متداخلہ آرہا ہے (۴) تعلمونھن: جملہ حال متداخلہ ہے، یعنی پہلے حال مکلبین میں ضمیر مستتر سے حال در حال ہے، پس یہ مستقل شرط ہے۔ (۵) علیہ کی ضمیر کا مرجع ما علمتم میں ما موصولہ ہے، مراد شکاری جانور ہے۔

الْحِسَابِ	حساب	حِلٌّ لَّهُمْ	حلال ہے ان کے لئے	غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ	نہ مستی نکالنے والے
اَلْيَوْمَ	آج	وَالْمُحْصَنٰتُ	اور پاک دامن عورتیں	وَلَا مُتَّخِذِيْٓ (۲)	اور نہ بنانے والے
اُحِلَّ	حلال کی گئیں	مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ	مسلمانوں سے	اَخْدَانٍ (۳)	خفیہ دوست
لَكُمُ	تمہارے لئے	وَالْمُحْصَنٰتُ	اور پاک دامن عورتیں	وَمَنْ يَّكْفُرْ	اور جو شخص انکار کرے
الطَّيِّبٰتُ	پاکیزہ چیزیں	مِنَ الَّذِيْنَ	ان کی جو	بِالْاِيْمَانِ	ایمان کا
وَطَعَامُ (۱)	اور کھانا	اُوْتُوا الْكِتٰبَ	کتاب دیئے گئے	فَقَدْ حَبِطَ	تو یقیناً اکارت گیا
الَّذِيْنَ	ان کا جو	مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے	عَمَلُهٗ	اس کا عمل
اُوْتُوا الْكِتٰبَ	دیئے گئے کتاب	اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ	جبکہ دو تم ان کو	وَهُوَ	اور وہ
حِلٌّ لَّكُمْ	حلال ہے تمہارے لئے	اُجُوْرَهُنَّ	ان کی اجرت	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں
وَطَعَامُكُمْ (۱)	اور کھانا تمہارا	مُحْصِنِيْنَ	پاک دامن رہنے والے	مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	ٹوٹا پانے والوں سے ہے

ربط: (گذشتہ آیت کے شروع کے مضمون کے تعلق سے) حرام چیزوں کے تذکرہ کے بعد حلال چیزوں کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، دونوں میں تقابل تضاد ہے، اور یہ تقابل بھی ایک طرح کا ربط ہے، جیسے شرابی پر جنت کی شراب حرام ہے، اور فیشن پرست عورت آخرت میں ننگی ہوگی، یہ جزاء بالمثل ہے، اسی طرح حرام وحلال بھی تقابل تضاد کی وجہ سے ایک ہیں۔

دوسرا ربط: (گذشتہ آیت کے آخری مضمون کے اعتبار سے) احکامِ شرعیہ میں اعذار کا لحاظ رکھا گیا ہے: اس کی ایک مثال: شکاری جانور سے کیا ہوا شکار ہے، اگر شکاری جانور سے شکار کیا جائے، اور اس میں پانچ شرائط کا لحاظ رکھا جائے تو مرا ہوا شکار بھی حلال ہے، اس میں ذبح اضطراری کافی ہے، اگر شکار میں بھی ذبح اختیاری ضروری ہوگا تو شکاری کی محنت ضائع جائے گی، شکار ہاتھ میں آنے سے پہلے مر جائے گا اور شکاری کا نقصان ہوگا، پس شکار میں ذبح اضطراری کا اعتبار: احکام شرعیہ میں اعذار کے اعتبار کی ایک مثال ہے —— پھر یہ بیان ہے کہ ذبح اضطراری کا اعتبار صرف مسلمان کے شکار میں نہیں، بلکہ اہل کتاب کے شکار میں بھی اس کا اعتبار ہے، یہود ونصاری کا ذبیحہ، خواہ اختیاری ہو یا اضطراری، مسلمانوں کے لئے حلال ہے —— جیسے مسلمان عورتوں کی طرح کتابی عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے، اس طرح تیسرا مسئلہ شروع ہوگا —— پھر یہ مضمون ہے کہ معاملات کی طرح عبادات (وضوء وغسل) میں بھی اعذار کا اعتبار ہے، پانی میسر نہ ہو تو تیمم جائز

(۱) طعام سے دونوں جگہ ذبیحہ مراد ہے، عربوں کے نزدیک گوشت ہی کھانا ہے (۲) متخذی میں نونِ جمع اضافت کی وجہ سے محذوف ہے (۳) أخدان: خِدْنٌ کی جمع: چھپے یار۔

ہے، یہ وضوء و غسل میں عذر کی وجہ سے تخفیف کی ہے —— اس طرح دور تک آیات میں ربط ہے۔

تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں

اصل اشیاء میں اباحت ہے، پس حلال کا دائرہ وسیع ہے، چند چیزوں کو چھوڑ کر جن میں کوئی دینی یا بدنی نقصان ہے: دنیا کی تمام ستھری اور پاکیزہ چیزیں حلال ہیں، سورۃ الاعراف (آیت ۱۵۷) میں نبی ﷺ کے فرائض منصبی کے بیان میں فرمایا ہے: ﴿ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ﴾: نبی ﷺ لوگوں کے لئے پاکیزہ چیزوں کی حلّت بیان فرماتے ہیں، اور گندی چیزوں کی حرمت بیان فرماتے ہیں۔

یہاں بھی لوگوں نے پوچھا کہ ان کے لئے کیا چیزیں حلال ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگوں کو بتادو کہ تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں، پھر اسی قاعدہ کلیہ کو دوسری آیت میں بطور تمہید لوٹایا ہے، اور دونوں آیتوں میں تین پاکیزہ چیزوں کی حلت کا بیان ہے۔

۱- شکاری جانور کے ذریعہ پانچ شرائط کا لحاظ کر کے کیا ہوا مرا ہوا شکار بھی حلال وطیب ہے۔

۲- اہل کتاب (یہود ونصاری) کا ذبیحہ مسلمان کے ذبیحہ کی طرح حلال وطیب ہے۔

۳- پاک دامن کتابی عورت سے نکاح پاک دامن مسلمان عورت کی طرح جائز ہے۔

یہ تینوں باتیں ایسی ہیں کہ کسی کو خلجان ہوسکتا تھا کہ یہ حلال وطیب کیسے ہیں؟ اس لئے پہلے قاعدہ کلیہ بیان کیا، پھر اس کے ذیل میں یہ تین باتیں بیان کیں۔

۱- شکاری کتے یا باز وغیرہ سے شکار کیا ہوا جانور مرا ہوا بھی حلال ہے

جانور سے شکار کرنے کے لئے چار شرطیں ہیں: (۱) شکاری جانور شکار کو زخمی کرے جس سے خون بہے (یہ شرط لفظ جوارح سے مفہوم ہوتی ہے، اس کا مادّہ جرح ہے، جس کے معنی زخمی کرنے کے ہیں) (۲) جانور کو شکار پر چھوڑا گیا ہو (مکلبین) (۳) شکاری جانور معلَّم ہو، اسے اس طریقہ سے تعلیم دی گئی ہو جس کو شریعت نے معتبر رکھا ہے، یعنی کتے کو سکھایا جائے کہ وہ شکار کو مار کر کھائے نہیں، اور باز کو تعلیم دی جائے کہ وہ بلانے پر واپس آجائے، اگرچہ وہ شکار کے پیچھے جارہا ہو ﴿ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ ﴾ (۴) چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ کر چھوڑا ہو ﴿ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ ﴾۔

جب یہ شرائط پائی جائیں تو شکاری جانور سے کیا ہوا شکار حلال ہے، اگرچہ وہ ہاتھ میں آنے سے پہلے مرجائے، البتہ

اگر زندہ ہاتھ میں آجائے تو ذبح اختیاری ضروری ہے، اگر ذبح کا وقت ملا اور ذبح نہیں کیا اور جانور مر گیا تو وہ حرام ہے۔

ذبح کی دو قسمیں: ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری، اگر جانور قابو میں ہو تو ذبح اختیاری ضروری ہے، اور ذبح اختیاری کا محل حلق اور لبّہ ہے، اور اس میں ذبیحہ پر تسمیہ ضروری ہے، پس اگر ذبح کرنے کے لئے ایک بکری لٹائی، اور اس پر بسم اللہ پڑھی، پھر وہ بکری چھوڑ کر دوسری بکری ذبح کی، اور اس پر بسم اللہ نہیں پڑھی تو یہ دوسری بکری حرام ہے، اور اگر بکری تو وہی رہی، لیکن چھری بدل دی، دوسری چھری سے ذبح کیا تو وہ حلال ہے۔

اور اگر جانور بے قابو ہو، جیسے شکار تو ذبح اضطراری کافی ہے، اور اس کا محل جانور کا سارا جسم ہے، حدیث میں ہے: ایک صحابی نے دریافت کیا: کیا ذبح حلق اور لبّہ ہی میں ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم جانور کی ران میں نیزہ مارو تو بھی تمہارے لئے کافی ہے'' (مشکات حدیث ۴۰۸۲) یہ ذبح اضطراری کا بیان ہے، شکار میں چونکہ جانور اختیار میں نہیں ہوتا؛ اس لئے تسمیہ ذبیحہ پر ضروری نہیں، بلکہ آلہ پر ضروری ہے، پس اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی شکار پر تیر چلایا یا جانور چھوڑا اور وہ تیر دوسرے شکار کو لگ گیا یا کتے نے دوسرے خرگوش کو پکڑ کر مار دیا تو وہ حلال ہے، اور اگر شکار پر چلانے کے لئے ایک تیر نکالا، اور اس پر بسم اللہ پڑھی، پھر وہ تیر چھوڑ کر دوسرا تیر چلایا اور از سر نو بسم اللہ نہیں پڑھی، یا ایک معلم کتے کو چھوڑنے کے لئے اس پر بسم اللہ پڑھی، پھر دوسرا معلّم کتا چھوڑا اور اس پر بسم اللہ نہیں پڑھی تو شکار حرام ہے۔

فائدہ (۱): شکار میں ذبح کا اس کی تمام شرطوں کے ساتھ پایا جانا ضروری ہے، مگر دو باتوں میں تخفیف کی گئی ہے:

ایک: تسمیہ جانور کے بجائے آلہ پر مقرر کیا گیا ہے، کیونکہ شکار میں جانور قابو میں نہیں ہوتا، آلہ ہی اختیار میں ہوتا ہے۔

دوم: ذبح کے لئے گلا اور لبّہ شرط نہیں، شکار کا سارا ہی جسم محل ذبح ہے، کسی بھی جگہ کتے وغیرہ نے زخم کیا اور خون بہا تو ذبح متحقق ہو گیا، ورنہ وہ منخنقة (دم گھٹ کر مرنے والا جانور) ہوگا اور حرام ہوگا۔

فائدہ (۲): شکاری جانور سے کئے ہوئے شکار کی حلت کے لئے دو شرطیں بڑھائی گئی ہیں:

ایک: شکاری جانور کو بالقصد جانور پر چھوڑنا، تاکہ اصطیاد (مشکل سے شکار کرنا) متحقق ہو، ورنہ وہ ظفر مندی (فتح یاب ہونا) ہوگا۔

دوم: شکاری جانور شکار کو روکے رکھے، خود نہ کھائے، تاکہ اس کا معلّم (سکھلایا ہوا) ہونا متحقق ہو۔

شکاریوں میں دو کوتاہیاں: جو لوگ شکار کے دھنی ہوتے ہیں ان میں دو کوتاہیاں ہوتی ہیں:

ایک: وہ فرائض سے بھی غافل ہو جاتے ہیں، اسی لئے حدیث میں فرمایا: ''جو شکار کے پیچھے پڑا وہ غافل ہوا۔

(ابوداؤد حدیث ۲۸۵۹)

دوم: وہ جانور یا تیر سے شکار کے جواز کی شرائط کا کچھ زیادہ خیال نہیں کرتے، ان کی یہی خواہش رہتی ہے کہ شکار ہاتھ

سے نہ جائے! اس لئے آیت کے آخر میں تنبیہ کی ہے کہ اللہ سے ڈرو، اللہ جلد حساب لینے والے ہیں، یعنی حساب کا دن کچھ دور نہیں!

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ ﴾

ترجمہ: لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں: کیا چیزیں ان کے لئے حلال کی گئی ہیں؟ آپؐ بتائیں: تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں، اور ان زخمی کرنے والے جانوروں کا شکار حلال کیا گیا ہے جن کو تم نے سکھلایا ہے —— یہ ﴿ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ ﴾ کا ترجمہ ہوا —— جبکہ تم اس کو شکار پر چھوڑو —— یہ ﴿ مُكَلِّبِيْنَ ﴾ کا ترجمہ ہے، اور 'جبکہ' حال کا ترجمہ ہے —— تم ان کو اس علم سے سکھلاتے ہو جو اللہ نے تم کو سکھلایا ہے —— یعنی کتے اور باز کی تعلیم کا جو طریقہ شریعت میں معتبر ہے، اس طریقہ سے سکھلاتے ہو —— پس تم کھاؤ اس شکار میں سے جو انھوں نے تمہارے لئے روکا ہے —— یہ بھی معتبر طریقہ سکھانے میں شامل ہے —— اور اس جانور پر اللہ کا نام لو —— یہ چوتھی شرط ہے، پھر تنبیہ ہے: —— اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والے ہیں!

۲- اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے

کبھی یہودی یا عیسائی اپنے شکاری جانور سے شکار کرتا ہے، پس اگر وہ شرائط معتبرہ سے کیا گیا ہے تو وہ مرا ہوا شکار اس کا مذبوحہ ہے، اور اہل کتاب کا ذبح خواہ اختیاری ہو یا اضطراری، معتبر ہے، مگر شرط یہ ہے کہ کتابی واقعی کتابی ہو، نام کا کتابی نہ ہو، ہمارے زمانہ کے اکثر اہل کتاب نام کے کتابی ہیں، ان کا ذبیحہ حلال نہیں، اور اصلی کتابی شرائط ذبح میں مسلمان کی طرح ہے، ہدایہ میں ہے: المسلم والكتابي في ترك التسمية سواء (کتاب الذبائح) پس اگر کتابی نے بالقصد اللہ کا نام نہیں لیا، جیسا مشینی ذبح میں ہوتا ہے تو وہ حلال نہیں۔

﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾

ترجمہ: آج تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں —— یہ تمہید لوٹائی ہے —— اور ان لوگوں کا کھانا (ذبیحہ) حلال کیا گیا ہے جو آسمانی کتابیں دیئے گئے ہیں، اور تمہارا کھانا (ذبیحہ) ان کے لئے حلال کیا گیا ہے۔

سوال: اس آخری بات کی کہ تمہارا کھانا (ذبیحہ) ان کے لئے حلال کیا گیا ہے: کیا ضرورت تھی؟ قرآنِ کریم میں تو مسلمانوں کے لئے احکام ہیں، اہل کتاب کے لئے قرآن میں احکام نہیں، پھر یہ بات کیوں بڑھائی ہے؟

جواب: یہ بات صرف مشاکلۃً بے ضرورت نہیں بڑھائی، بلکہ آئندہ تیسری بات میں اس سے استدلال کیا جائے گا!

۳- پاک دامن کتابی عورت سے نکاح: شرائط ومقاصدِ نکاح کا لحاظ کر کے جائز ہے

اہل کتاب کا ذبیحہ جائز ہے: اب اس کی نظیر بیان کرتے ہیں: اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہے، جبکہ عورت عفیفہ ہو، اور اس کو مہر دیا جائے، اور نکاح کا مقصد عفت (پاک دامنی) ہو، زنا کرنے والا اور خفیہ آشنائی کرنے والا نہ ہو، بلکہ باقاعدہ پیام دے کر نکاح کرے، جس طرح مسلمان عورت سے کیا جاتا ہے، اور یہ ترجیحی (لگزری) شرطیں ہیں، جیسے سورۃ النور کے شروع میں زانی اور زانیہ سے نکاح کی ممانعت ہے، مگر نکاح ہوجاتا ہے، اسی طرح کتابی عورت سے کو (محبت) کا نکاح کیا جائے تو بھی ہوجاتا ہے، البتہ مسلمان عورت کا نکاح کتابی مرد سے درست نہیں، اس لئے اس کا تذکرہ نہیں کیا، خاموشی اختیار کی، کیونکہ محلِ بیان میں خاموشی دلیلِ نفی ہوتی ہے، جیسے تعدد ازدواج کی اجازت چار پر روک دی، معلوم ہوا کہ بیک وقت پانچ عورتوں سے نکاح درست نہیں، اور اسی وجہ سے دوسری بات میں بے ضرورت بھی مشاکلۃً: ﴿ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ بڑھایا تھا، اور اس تیسرے مسئلہ میں خاموشی اختیار کی، یہ دلیلِ نفی ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح مسلمان مرد کے سوا کسی سے نہیں ہوسکتا۔

اور کتابی کے ذبیحہ کی حلت اور کتابی عورت سے نکاح کا جواز: یہود ونصاری کے ساتھ رواداری اور تعلقات کی استواری کے لئے ہے، اور اسی مقصد سے نبی ﷺ نے غزوۂ خیبر کے بعد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا، تاکہ یہود قریب آئیں، مگر وہ بے بہود اور دور ہوگئے!

اور عورت مرد کے زیر اثر ہوتی ہے، پس کتابی عورت سے نکاح کے جواز میں عورت کی اخروی مصلحت بھی پیش نظر ہے، اور مسلمان عورت کے کتابی سے نکاح کے جواز میں اس کے دین کا خطرہ ہے، اس لئے جائز نہیں۔

محبت اور خفیہ آشنائی کا نکاح خطرہ سے خالی نہیں

جہاں عورتیں مردوں کے زیر اثر نہیں، جیسے مغربی ممالک میں، وہاں اگر محبت کی بنیاد پر نکاح ہوگا یا خفیہ آشنائی نکاح کا سبب ہوگی تو خطرہ ہے، اولاد تو ماں کے ساتھ چرچ میں جائے گی، اور ممکن ہے شوہر بھی مرتد ہوجائے، اس لئے آخر آیت میں تنبیہ کی ہے کہ اگر شوہر نے ایمان چھوڑ دیا یا اولاد کو برباد کیا تو وہ آخرت میں ماخوذ ہوگا، اور اس کا سب کیا کرایا اکارت جائے گا۔

زنا اور نکاح میں فرق: معشوقہ (Girl Friend) سے بڑھاپے میں تعلق ٹوٹ جاتا ہے، اور بیوی سے بڑھ جاتا ہے، اور مرنے کے بعد تو وہ دل سے نہیں نکلتی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ نبی ﷺ کے دل میں رہیں

﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور (تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں) پاک دامن مسلمان عورتیں —— مسلمان عورتوں کا تذکرہ اُس مقصد سے کیا ہے جس مقصد سے مالِ فیٔ اور مالِ غنیمت کے مصارف میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا ہے، یعنی کتابی عورت سے نکاح کو گوارہ بنانے کے لئے مسلمان عورتوں سے نکاح کا تذکرہ کیا ہے —— اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں (بھی حلال ہیں) جن کو تم سے پہلے آسمانی کتابیں دی گئی ہیں، جب تم ان کو ان کے مہر دو (اور نکاح) پاک دامن رہنے کی نیت سے ہو —— اسلام میں نکاح کا بنیادی مقصد یہی ہے، حدیث میں ہے: "جس نے نکاح کرلیا اس کا آدھا دین محفوظ ہو گیا یعنی وہ شرمگاہ کے گناہ سے بچ گیا، پس وہ باقی آدھے میں اللہ سے ڈرے یعنی پیٹ کے گناہ سے بچے، مال میں حرام وحلال کا خیال رکھے —— نکاح کا مقصد مستی نکالنا نہ ہو، اور نہ خفیہ یارانہ کیا گیا ہو۔

تنبیہ: —— اور جو شخص ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے: اس کا کیا کرایا اکارت گیا، اور وہ آخرت میں ٹوٹا پانے والوں میں سے ہوگا!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اے وہ لوگو جو ایمان لائے	اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ	جب اٹھو تم نماز کے لئے	فَاغْسِلُوْا[1] وُجُوْهَكُمْ	تو دھوؤ اپنے چہروں کو

(۱) غَسْل کے معنی ہیں: إسَالَة یعنی پانی ٹپکانا

وَ اَیْدِیَکُمْ	اور اپنے ہاتھوں کو	اَحَدٌ مِّنْکُمْ	تم میں سے کوئی	مِّنْہُ (٦)	اس (مٹی) سے
اِلَی الْمَرَافِقِ	کہنیوں تک	مِّنَ الْغَآئِطِ (٣)	نشیبی وسیع میدان سے	مَا یُرِیْدُ	نہیں چاہتے
وَ امْسَحُوْا (١)	اور بھیگا ہوا ہاتھ پھیرو	اَوْ لٰمَسْتُمُ (٤)	یا پکڑا تم نے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
بِرُءُوْسِکُمْ	اپنے سروں پر	النِّسَآءَ	عورتوں کو	لِیَجْعَلَ	کہ گردانیں
وَاَرْجُلَکُمْ	اور (دھوؤ) اپنے پیروں کو		(اور پکڑا عورتوں نے تم کو)	عَلَیْکُمْ	تم پر
اِلَی الْکَعْبَیْنِ	دونوں ٹخنوں تک	فَلَمْ تَجِدُوْا	پس نہیں پایا تم نے	مِّنْ حَرَجٍ	کچھ تنگی
وَاِنْ کُنْتُمْ	اور اگر ہو تم	مَآءً	پانی	وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ	بلکہ چاہتے ہیں
جُنُبًا	حالتِ جنابت میں	فَتَيَمَّمُوْا	تو قصد کرو	لِیُطَهِّرَکُمْ	کہ پاک کریں تم کو
فَاطَّهَّرُوْا (٢)	تو خوب پاک ہوؤ	صَعِیْدًا (٥)	سطح زمین کا	وَلِیُتِمَّ	اور پورا کریں
وَاِنْ کُنْتُمْ	اور اگر ہو تم	طَیِّبًا	پاک	نِعْمَتَهٗ	اپنا احسان
مَّرْضٰٓی	بیمار	فَامْسَحُوْا	پس ہاتھ پھیرو	عَلَیْکُمْ	تم پر
اَوْ عَلٰی سَفَرٍ	یا سفر میں	بِوُجُوْهِکُمْ	اپنے چہروں پر	لَعَلَّکُمْ	تا کہ تم
اَوْ جَآءَ	یا آیا	وَاَیْدِیْکُمْ	اور اپنے ہاتھوں پر	تَشْکُرُوْنَ	شکر بجالاؤ

ربط: پہلے یہ عنوان آیا ہے کہ احکام شرعیہ میں اعذار کا لحاظ کیا گیا ہے: یہ لحاظ صرف معاملات میں نہیں کیا گیا، بلکہ عبادات میں بھی کیا گیا ہے، اگر وضوء وغسل کے لئے پانی میسر نہ ہو تو تیمّم جائز ہے، یہ اجازت عذر کی وجہ سے ہے اور یہ اجازت وضوء وغسل کے بیان سے شروع ہوئی ہے پس یہ اصل مضمون کی تمہید ہے۔

وضوء: میں چار فرائض:

ا- چہرہ دھونا۔ چہرہ: سر کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے۔

(١) مسح کے معنی ہیں: إصابة یعنی بھیگا ہوا ہاتھ پہنچانا (٢) اِطَّهَّرُوْ: امر، جمع مذکر حاضر، از باب تفعل، اصل میں تَطَهَّرُوْا تھا، تعلیل ہوئی ہے اور ابتدا میں ہمزۂ وصل بڑھایا ہے۔ (٣) الغائط: نشیبی وسیع میدان، مراد بیت الخلاء ہے، عرب وسیع میدانوں میں بڑے استنجاء کے لئے جاتے تھے (٤) لاَ مَسْتُمْ: از باب مفاعلہ، ماضی معروف، صیغہ جمع مذکر حاضر، اس باب میں اشتراک ہوتا ہے، پس آدھی بات فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دی گئی ہے، اور وہ ہے: لَمَسْنَکُمْ: عورتوں نے تم کو چھویا ہو، یہ کیفیت بوقتِ انزال ہوتی ہے، پس جماع کرنا مراد ہے (٥) صعید: روئے زمین، زمین کا اوپر کا ظاہری حصہ (٦) منہ کی ضمیر صعید کی طرف لوٹتی ہے۔

۲-دونوں ہاتھ کہنیوں کے اوپر تک دھونا، کہنی: کلائی اور بازو کی ہڈیوں کے سنگم کا نام ہے، اس کا دھونا بھی فرض ہے۔

۳-ہاتھ بھیگا کر سر پر پھیرنا، چوتھائی سر کا مسح فرض ہے، نبی ﷺ نے ایک مرتبہ صرف ناصیہ پر مسح کیا ہے۔

ناصیہ: سر کے اگلے حصہ کے بال، جو چوتھائی سر کے بقدر ہوتے ہیں، اور پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے، نبی ﷺ ہمیشہ پورے سر کا مسح کیا کرتے تھے، اور مسح کا طریقہ: علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں یہ لکھا ہے کہ دونوں ہاتھ تر کر کے سر کے اگلے حصہ پر رکھے، اور پورے سر کو گھیرتے ہوئے گدی تک لے جائے، پھر دونوں ہاتھوں کو واپس پیشانی تک لائے، پھر دونوں کانوں کا مسح کرے۔

۴-دونوں پیر ٹخنوں تک دھونا۔ ٹخنہ: پیر کی دونوں جانب میں ابھری ہوئی ہڈی کا نام ہے، اس کا دھونا بھی فرض ہے۔

فائدہ: ایک ایک مرتبہ اعضائے مغسولہ کا دھونا فرض ہے، اور دھونا یہ ہے کہ سارا عضو بھیگ جائے اور دو چار قطرے ٹپک جائیں، اور دو دو مرتبہ دھونا چھوٹی سنت ہے، اور تین تین مرتبہ دھونا کامل سنت ہے، اور سر کے مسح میں چوتھائی سر کا مسح فرض ہے، اور سارے سر کا مسح سنت ہے۔

جنابت کا حکم: اگر آدمی جنبی ہے تو غسل فرض ہے یعنی سارے بدن کا ایک مرتبہ دھونا ضروری ہے، اور جسم کا جو حصہ من وجہٍ ظاہر اور من وجہٍ باطن ہے، جیسے منہ کے اندر کا حصہ اور ناک کے اندر کا حصہ: اس کا دھونا بھی فرض ہے، یہی خوب پاک ہونا ہے، البتہ جس کے دھونے میں ضرر ہے، جیسے آنکھ کے اندر کا دھونا: وہ فرض نہیں۔

تیمّم کا حکم: اگر آدمی بیمار ہے یعنی سماوی عذر ہے یا سفر میں ہے یعنی اختیاری عذر ہے، اور آدمی بیت الخلاء ہو کر آیا ہے یعنی ناقضِ وضوء پیش آیا ہے یا بیوی سے مقاربت کی ہے یعنی ناقضِ غسل پیش آیا ہے، جنابت لاحق ہوئی ہے اور پانی حقیقۃً یا حکماً نہیں ہے تو زمین کے اوپر کا قصد کرے پس تیمّم میں نیت ضروری ہے، اور زمین کھود کر نیچے سے مٹی نکالنا تیمّم کے لئے ضروری نہیں، البتہ روئے زمین کا پاک ہونا شرط ہے، پس مٹی پر دونوں ہاتھ مارے اور پورے چہرے پر پھیرے، پھر دوبارہ ہاتھ مارے اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں سمیت پھیرے، تیمّم ہو گیا، وضوء کا تیمّم بھی یہی ہے اور غسل کا تیمّم بھی یہی ہے۔

آخر میں فرمایا کہ تیمّم کی یہ اجازت اس لئے ہے کہ تنگی رفع ہو، احکام شرعیہ میں اعذار کا اعتبار ہے، نماز کے لئے طہارت شرط ہے، مگر پانی نہ ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے طہارت کی یہ صورت تجویز کی ہے، یہ امت مسلمہ پر اللہ کا بڑا احسان ہے، گذشتہ امتوں کے لئے یہ سہولت نہیں تھی، پس مسلمانوں کو اللہ کے احسان کا شکر گذار ہونا چاہئے۔

آیتِ کریمہ: اے مسلمانو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے چہروں کو دھوؤ، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک، اور اپنے سروں پر بھیگا ہوا ہاتھ پھیرو، اور اپنے پیروں کو ٹخنوں تک (دھوؤ) اور اگر تم حالتِ جنابت میں ہوؤ تو خوب پاک

ہوؤ، اور اگر تم بیمار یا سفر میں ہوؤ، یا تم میں سے کوئی جائے ضرورت سے ہو آیا، یا تم نے عورتوں کو چھویا (اور عورتوں نے تم کو چھویا) پس تم (حقیقۃً یا حکماً) پانی نہ پاؤ تو پاک روئے زمین کا قصد کرو، پس اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر اس (مٹی) سے ہاتھ پھیرو۔

اللہ تعالیٰ تم پر ذرا تنگی کرنا نہیں چاہتے، بلکہ وہ تم کو پاک صاف کرنا چاہتے ہیں، اور تم پر اپنا احسان مکمل کرنا چاہتے ہیں، تاکہ تم شکر بجالاؤ!

مسئلہ: جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرے اور وضوء نہ ہو تو وضوء کرنا فرض ہے، اور وضوء ہو تو ہر فرض نماز کے لئے نیا وضوء کرنا مستحب ہے، نبی ﷺ ہر فرض نماز کے لئے نیا وضوء کرتے تھے، اور صحابہ ایک وضوء سے کئی کئی نمازیں پڑھتے تھے اور آپ ﷺ نے بھی بعض مرتبہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھی ہیں۔

فائدہ: بیت الخلاء سے آنے کا مطلب ہے: جسم میں سے کثیر ناپاکی نکلے، اتنی کہ بہہ سکے، خواہ خون ہو یا پیپ وغیرہ، اور سبیلین میں نجاست کا ظہور کافی ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

وَاذْكُرُوْا	اور یاد کرو	الَّذِيْ	جو	سَمِعْنَا	سنا ہم نے
نِعْمَةَ اللّٰهِ	اللہ کا احسان	وَاثَقَكُمْ (۱)	باندھا اس نے تم سے	وَاَطَعْنَا	اور مانا ہم نے
عَلَيْكُمْ	تم پر	بِهٖٓ (۲)	اس کے ساتھ	وَاتَّقُوا	اور ڈرو
وَمِيْثَاقَهُ	اور اس کا پختہ وعدہ	اِذْ قُلْتُمْ	جب کہا تم نے	اللّٰهَ	اللہ سے

(۱) وَاثَقَ: از باب مفاعلہ، مصادر مُوَاثَقَۃٌ اور وِثَاقٌ ہیں: ایک چیز کو دوسری چیز سے باندھنا (۲) بہ کی ضمیر الذی کی طرف عائد ہے

اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ	عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا	کہ نہ انصاف کرو تم	الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جو
عَلِيْمٌۢ	خوب جانتے ہیں	اِعْدِلُوْا	انصاف کرو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	سینوں کے بھیدوں کو	هُوَ اَقْرَبُ	وہ قریب تر ہے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	لِلتَّقْوٰى	پرہیزگاری سے	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَاتَّقُوا	اور ڈرو	لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ	ان کے لئے بخشش ہے
كُوْنُوْا	ہو جاؤ	اللّٰهَ	اللہ سے	وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ	اور بڑا ثواب ہے
قَوّٰمِيْنَ	کھڑے ہونے والے	اِنَّ	بے شک	وَالَّذِيْنَ	اور جنھوں نے
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	كَفَرُوْا	اسلام کو قبول نہیں کیا
شُهَدَآءَ	گواہی دینے والے	خَبِيْرٌۢ	باخبر ہیں	وَكَذَّبُوْا	اور انھوں نے جھٹلایا
بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ	بِمَا	ان کاموں سے جو	بِاٰيٰتِنَآ	ہماری باتوں کو
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ (۱)	اور نہ گنہگار بنائے تم کو	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ
شَنَاٰنُ قَوْمٍ (۲)	کسی قوم کی نفرت	وَعَدَ اللّٰهُ	وعدہ فرمایا اللہ نے	اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ	دوزخ والے ہیں

تیمّم کی رخصت کی طرح دولتِ ایمان بھی اللہ کا ایک احسان ہے

گذشتہ آیت میں اعذار کی صورت میں تیمّم کی اجازت کو مسلمانوں پر اللہ کا ایک احسان قرار دیا تھا، اب ایک اور احسان کا ذکر فرماتے ہیں، اور وہ دولتِ ایمان ہے، یہ اللہ کا مسلمانوں پر بڑا انعام واحسان ہے، دنیا میں دو تہائی انسان اس نعمت سے محروم ہیں، وہ کچھ بے عقل نہیں، فرزانے ہیں، آسمان زمین کے قلابے ملاتے ہیں، اور چاند پر کمندیں پھینکتے ہیں، مگر اپنے خالق و مالک کو نہیں پہچانتے، اور مسلمانوں کو یہ دولت خاص محنت کے بغیر مل گئی، اس لئے ان کو یاد کرنے کا حکم دیا یعنی اس کا شکر بجالانا چاہئے، اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہئے۔

پھر جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے 'سنا اور مانا' ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو سزا نہیں دیں گے، حدیث میں ہے: نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: جانتے ہو بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ اور اللہ تعالیٰ پر بندوں کا کیا حق ہے؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) لَا يَجْرِمَنَّ: فعل نہی بانون تاکید ثقیلہ، صیغہ واحد مذکر غائب، جَرَمَ الرجلَ: جرم کرانا، مجرم بنانا (۲) شَنَآن: مصدر شَنَأَهٗ شَنْئًا وَشَنْآنًا: نفرت کرنا۔

''بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ بندے اسی کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں، اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ وہ اس شخص کو سزا نہ دیں جو ان کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے'' (مشکات حدیث ۲۴)

پھر آخر میں تنبیہ کی ہے کہ جب ایمان لائے ہو تو اس کے تقاضوں کو پورا کرو، دل میں خلاف ورزی کا خیال بھی مت لاؤ، اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہیں۔

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ؀ ﴾

ترجمہ: اور یاد کرو اللہ کا احسان تم پر ــــ احسان سے مراد دولتِ ایمان ہے، اور یاد کرنے سے مراد اس کا شکر بجالانا اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے ــــ اور (یاد کرو) اس کا وہ عہد جس کو اس نے تمہارے ساتھ باندھا ہے جب تم نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے مانا ــــ اللہ کا وہ عہد یہ ہے کہ اگر مؤمن ایمان کے تقاضے پورے کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں سزا نہیں دیں گے، اس احسان کو یاد کر کے احکام کی تعمیل کرو ــــ اور اللہ سے ڈرو ــــ یعنی ایمان کے تقاضوں کے خلاف مت کرو ــــ بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں سے بھی خوب واقف ہیں ــــ پس دل میں بھی خلاف ورزی کا خیال مت لاؤ۔

گواہوں اور قاضیوں سے عہد کی خلاف ورزی ممکن ہے

جب مؤمنین نے عہد کیا کہ سمعنا و أطعنا، یعنی ہم اللہ کے احکام کو سنیں گے، اور ان کی فرمان برداری کریں گے، ایمان لانے کا یہی مطلب ہے: تاہم دو شخصوں سے اس عہد میں کوتاہی ممکن ہے: ایک: مقدمہ کے گواہوں سے: وہ گواہی میں گڑبڑ کر سکتے ہیں۔ دوم: قاضیوں سے: وہ انصاف سے فیصلہ نہ کریں: ایسا ممکن ہے، اس لئے ایک آیت میں دونوں کو تنبیہ کی ہے کہ گواہ اللہ کی خوشنودی کے لئے کھڑے ہوں، اور انصاف کے ساتھ گواہی دیں، تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، اور قضات بھی انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں، تعلقات کا خیال رکھیں نہ عداوت کا، رورعایت کے بغیر فیصلہ کریں، یہی پرہیزگاری سے اقرب ہے، اور دونوں اللہ سے ڈریں، اور جان لیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہیں!

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ؀ ﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے، اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو

—— درمیان میں واو عاطفہ نہیں، پس دونوں باتیں ایک ہیں، اور یہ گواہوں کو تنبیہ ہے —— اور کسی قوم کی دشمنی —— اسی طرح محبت وتعلق —— تم سے یہ جرم نہ کرائے کہ تم انصاف نہ کرو —— یہ قُضات کو تنبیہ ہے —— انصاف کرو یہی تقویٰ سے قریب تر ہے —— یعنی یہی پرہیزگاری کا تقاضہ ہے —— اور اللہ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ یقیناً باخبر ہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

وہ وعدہ جو اللہ نے نیک مؤمنین سے کیا ہے

اب ایک آیت میں اس عہد و پیمان کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے نیک مؤمنین سے کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی بخشش کریں گے، یعنی ان کی کوتاہیاں معاف کریں گے، اور ان کو بڑا ثواب (جنت) عطا فرمائیں گے۔

پھر ان کے بالمقابل ایک آیت میں دوسرے فریق کا ذکر کیا ہے، یہ قرآن کا اسلوب ہے، جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا، اور اللہ کی باتوں (قرآنِ کریم) کو جھٹلایا: ان کا ابدی ٹھکانہ دوزخ ہے!

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے کہ ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے —— اور جن لوگوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا، اور ہماری آیتوں (قرآن) کو جھٹلایا وہی لوگ دوزخی ہیں!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ع

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	قَوْمٌ	کچھ لوگوں نے	عَنْكُمْ	تم سے
اٰمَنُوا	ایمان لائے	اَنْ يَّبْسُطُوْٓا	کہ لمبے کریں	وَاتَّقُوا	اور ڈرو
اذْكُرُوْا	یاد کرو	اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف	اللّٰهَ	اللہ سے
نِعْمَتَ اللّٰهِ	اللہ کا احسان	اَيْدِيَهُمْ	اپنے ہاتھ	وَعَلَي اللّٰهِ	اور اللہ پر
عَلَيْكُمْ	تم پر	فَكَفَّ	پس روک دیا اس نے	فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ بھروسہ کریں
اِذْ هَمَّ	جب ارادہ کیا	اَيْدِيَهُمْ	ان کے ہاتھوں کو	الْمُؤْمِنُوْنَ	ایمان والے

اعدائے مسلمین کا تذکرہ

۱- اللہ تعالیٰ مشرکوں کی دست درازی سے مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہیں

اب اعدائے اسلام و مسلمین کا تذکرہ شروع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر ایک احسان یہ ہے کہ وہ مشرکوں کی دست درازی سے ان کی حفاظت کرتے ہیں، دورِاول میں اور بعد کے ادوار میں سینکڑوں واقعات اس کے شاہد ہیں، کسی معین واقعہ کا تذکرہ ضروری نہیں، مشرکین کی عداوت طشت ازبام ہے، وہ ضرر رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے! مشرکین جب بھی مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی اسکیم کو خاک میں ملا دیتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ مسلمان اللہ سے ڈریں، اور اس کے احکام کی تعمیل کریں، اور اللہ پر بھروسہ کریں، آج مسلمانوں کی زبوں حالی کا سبب ان کا اللہ سے نہ ڈرنا، احکام الٰہی کی تعمیل نہ کرنا اور اعدائے اسلام سے دوستی کرنا ہے۔

آیت کریمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے! اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب کچھ لوگوں نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک دیا، اور اللہ سے ڈرو، اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

وَلَقَدْ	اور بخدا واقعہ یہ ہے	وَبَعَثْنَا	اور مقرر کئے ہم نے	وَقَالَ	اور فرمایا
اَخَذَ اللّٰهُ	اللہ نے لیا	مِنْهُمُ	ان میں سے	اللّٰهُ	اللہ نے
مِيْثَاقَ	عہد و پیمان	اثْنَيْ عَشَرَ	بارہ	اِنِّىْ	بے شک میں
بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	اولادِ یعقوبؑ سے	نَقِيْبًا	سردار	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ ہوں

لَئِنْ اَقَمْتُمُ	بخدا! اگر اہتمام کیا تم نے	مِنْ تَحْتِهَا	ان میں	وَ نَسُوْا	اور بھول گئے وہ
الصَّلٰوةَ	نماز کا	الْاَنْهٰرُ	نہریں	حَظًّا	بڑا حصہ
وَ اٰتَيْتُمُ	اور دی تم نے	فَمَنْ كَفَرَ	پس جس نے انکار کیا	مِّمَّا	اس میں سے جو
الزَّكٰوةَ	زکات	بَعْدَ ذٰلِكَ	اس (عہد) کے بعد	ذُكِّرُوْا	نصیحت کئے گئے تھے وہ
وَ اٰمَنْتُمْ	اور ایمان لائے تم	مِنْكُمْ	تم میں سے	بِهٖ	اس کے ذریعہ
بِرُسُلِيْ	میرے رسولوں پر	فَقَدْ ضَلَّ	تو یقیناً کھو دیا اس نے	وَلَا تَزَالُ	اور آپؐ برابر
وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ	اور مدد کی تم نے ان کی	سَوَآءَ السَّبِيْلِ	سیدھا راستہ	تَطَّلِعُ	واقف ہوتے رہتے ہیں
وَ اَقْرَضْتُمُ	اور قرض دیا تم نے	فَبِمَا نَقْضِهِمْ (۱)	پس ان کے توڑنے کی	عَلٰى خَآئِنَةٍ (۳)	کسی نہ کسی خیانت پر
اللّٰهَ	اللہ کو		وجہ سے	مِّنْهُمْ	ان کی
قَرْضًا حَسَنًا	اچھا قرض	مِّيْثَاقَهُمْ	اپنا عہد	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑے مستثنیٰ ہیں
لَّاُكَفِّرَنَّ	(تو) ضرور مٹاؤں گا میں	لَعَنّٰهُمْ	پھٹکار دیا ہم نے ان کو	مِّنْهُمْ	ان میں سے
عَنْكُمْ	تم سے	وَ جَعَلْنَا	اور بنا دیا ہم نے	فَاعْفُ	پس معاف کریں آپ
سَيِّاٰتِكُمْ	تمہاری برائیاں	قُلُوْبَهُمْ	ان کے دلوں کو	عَنْهُمْ	ان کو
وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ	اور ضرور داخل کروں گا	قٰسِيَةً	سخت	وَاصْفَحْ	اور درگذر کریں (ان سے)
	میں تم کو	يُحَرِّفُوْنَ (۲)	پھیرتے ہیں وہ	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
جَنّٰتٍ	باغات میں	الْكَلِمَ	باتوں کو	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں
تَجْرِيْ	بہتی ہیں	عَنْ مَّوَاضِعِهٖ	ان کی جگہوں سے	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو

یہود کا تذکرہ

عہد و پیمان کے باوجود یہود میں سے چند کے علاوہ آخری پیغمبر پر کوئی ایمان نہیں لایا

گذشتہ آیت میں تھا کہ مشرکین مسلمانوں کے دشمن ہیں، وہ بار بار مسلمانوں پر دست درازی کرنا چاہتے ہیں، مگر ہر

(۱) نَقْض: خود مصدر ہے، اس لئے ما مصدریہ کی ضرورت نہیں، صرف تحسین کلام کے لئے بڑھایا گیا ہے (۲) حَرَّفَ الكلامَ: ردوبدل کر کے کلام کو اصل جگہ سے ہٹا دینا، مختلف کر دینا (۳) خائنة: عافية اور عاقبة کی طرح مصدر ہے، اور الخيانة کے معنی میں ہے، اور تنوین تنکیر کے لئے ہے۔

بار اللہ تعالیٰ ان کی اسکیم کو خاک میں ملا دیتے ہیں، اور مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہیں، یہ مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے، مسلمان اس کو یاد کریں اور شکر بجالائیں۔

اب دو آیتوں میں یہود کا تذکرہ کرتے ہیں، وہ بھی اسلام دشمنی میں مشرکوں سے کم نہیں، وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشیں کرتے رہتے ہیں، اور نام نہاد مسلمان ان کی سازشوں کا شکار بھی ہوجاتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کی اسکیموں کو گاؤ خورد کردیتے ہیں، اور مسلمان محفوظ رہتے ہیں، یہ بھی اللہ کا مسلمانوں پر احسانِ عظیم ہے، مسلمان اس کی قدر کریں۔

پہلی آیت: میں بنی اسرائیل کے ابتدائی احوال کا ذکر ہے، جب وہ ہدایت پر تھے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جب ان کو تورات دی گئی تو ان سے عہد و پیمان لیا گیا، اور اس پیمان کی حفاظت کے لئے ان میں سے بارہ سردار مقرر کئے، بنی اسرائیل کے بارہ خاندان تھے، اس لئے کہ یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحبزادے تھے، ہر لڑکے کی اولاد ایک خاندان تھا، اور اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، یعنی میری نصرت وحمایت تمہارے ساتھ رہے گی: اگر تم نے چار کام کئے:

۱- اگر تم نے نماز کا اہتمام کیا، نماز بدنی عبادات میں سب سے اہم ہے، اس لئے اس کی تخصیص کی۔

۲- اگر تم نے زکات دی، زکات مالی عبادات میں سب سے اہم ہے، اس لئے اس کی تخصیص کی، مراد لوجہ اللہ سارے انفاقات ہیں۔

۳- اگر تم اللہ کے تمام انبیاء پر ایمان لاتے رہے اور ان کی مدد کرتے رہے، اس عہد کی رو سے ان پر ضروری تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہونے والے تمام انبیاء پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں، مگر انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور آخری نبی ﷺ کے زمانہ میں یہ عہد پورا نہیں کیا۔

۴- اور وہ اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض دیں، یعنی وہ حلال مال سے وجوہ خیر میں خرچ کرتے رہیں، یہ اچھا قرض دینا ہے، اور اس کو قرض اس لئے نام دیا کہ وہ ثواب کی شکل میں لامحالہ واپس آئے گا، اگر واپس نہ کیا جائے تو وہ صدقہ/ ہدیہ کہلائے گا۔

مذکورہ چار کاموں پر اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کی برائیوں کو مٹائیں گے، اور ان کو ایسی بہشتوں میں داخل کریں گے جن میں نہریں رواں دواں ہیں، جن کی وجہ سے وہ سدا بہار ہیں!

اور ان کو تورات میں یہ بھی بتلادیا تھا کہ جو اس عہد کی خلاف ورزی کرے گا، یعنی بعد کے تمام انبیاء پر ایمان نہیں لائے گا

وہ راہ راست کھودے گا!

پھر دوسری آیت: میں یہ مضمون ہے کہ یہود نے اپنا عہد توڑ دیا جس کی وجہ سے: (۱) وہ مستحق لعنت ہوئے، اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا (۲) اور ان کے دلوں کو پتھر کر دیا، اب ان میں حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہی، اور ان دو باتوں کا نتیجہ درج ذیل دو باتیں نکلیں:

۱- انھوں نے خاتم النّبیین ﷺ کے بارے میں جو بشارات تورات میں تھیں ان میں تحریف کردی، یا تو ان باتوں کو تورات سے نکال دیا، یا ان کا مطلب کچھ سے کچھ گھڑ دیا، تا کہ عام لوگ نبی ﷺ کو پہچان نہ سکیں اور ایمان نہ لائیں۔

۲- اور تورات میں عہد و پیمان کی پاسداری کے سلسلہ میں ان کو جو نصیحتیں کی گئی تھیں ان کا بڑا حصہ انھوں نے بھلا دیا، وہ نصیحتیں اب بھی تورات میں ہیں، مگر وہ اس کا کچھ خیال نہیں کرتے، یہ بھول جانا ہے۔

یہود کی دھوکہ دہی اب بھی جاری ہے: یہود نبی ﷺ کے زمانہ میں بھی برابر خیانتیں کرتے رہتے تھے، دھوکہ دہی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، ہر دن ان کی نئی خیانت سامنے آتی تھی، البتہ چند نیک فطرت یہودی مستثنیٰ ہیں، جو ایمان لے آئے تھے۔

ان دغابازوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ آخر میں نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ جب بھی ان کی کوئی خیانت سامنے آئے تو ان سے درگذر کریں، ان کو معاف کریں، اَلڑھ جانور کے ساتھ نرمی بہتر ہے، اور ظالم کو معاف کرنا اچھا کام ہے، اور اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

آیاتِ کریمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا —— یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ان کو تورات دی گئی تھی، اور عہد و پیمان تورات پر عمل کرنے کے سلسلہ میں لیا تھا —— اور ہم نے ان میں سے بارہ ذمہ دار مقرر کئے —— جو اپنے خاندانوں کے احوال کی خبر رکھیں اور ان کو پیمان کا پابند رکھیں —— اور اللہ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ ہوں —— یعنی میری نصرت اور حمایت تمہیں حاصل رہے گی، بشرطے کہ تم اگلی چار باتوں پر عمل کرو —— (۱) بخدا!! اگر تم نے نماز کا اہتمام کا (۲) اور تم نے زکات ادا کی (۳) اور میرے (آئندہ آنے والے تمام) رسولوں پر ایمان لائے، اور ان کی مدد کی (۴) اور تم نے اللہ کو اچھا قرض دیا —— یہ زکات کے علاوہ وجوہِ خیر میں انفاق ہے، جو مستحب ہے —— تو میں ضرور تمہاری برائیاں مٹاؤں گا، اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کروں گا جن میں نہریں بہتی ہیں —— ایمان صحیح اور اعمالِ صالحہ کا آخرت میں یہی صلہ ہے۔

پس اس (عہد) کے بعد جس نے تم میں سے کفر کیا اس نے یقیناً سیدھا راستہ کھو دیا!

(دوسری آیت:) پس ان کے اپنا عہد توڑنے کی وجہ سے: ہم نے ان کو رحمت سے دور کردیا، اور ان کے دلوں کو سخت کردیا —— ان دو باتوں کا نتیجہ دو باتیں نکلیں: —— (۱) وہ (تورات کی) باتوں کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں —— یعنی نبی ﷺ کے بارے میں تورات میں جو بشارات تھیں: ان کو یا تو تورات سے نکال دیا، یا ان کی غلط تاویل کرڈالی —— (۲) اور وہ اس نصیحت کا بڑا حصہ بھول گئے جو ان کو (تورات میں) کی گئی تھی!

ان کا آج کا حال: اور آپؐ برابر ان کی کسی نہ کسی خیانت سے واقف ہوتے رہتے ہیں —— یعنی روزان کی کوئی دھوکہ دہی آپؐ کے سامنے آتی رہے گی —— بجز ان میں سے چند حضرات کے —— جنھوں نے یہود میں سے اسلام قبول کرلیا ہے —— لہٰذا آپؐ ان کو معاف کیجئے، اور ان سے درگذر کیجئے —— یہ اچھا کام ہے —— بے شک اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کو دوست رکھتے ہیں!

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

وَمِنَ الَّذِيْنَ (۱)	اور جن لوگوں نے	مِمَّا	اس کا جو	اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن تک
قَالُوْٓا	کہا	ذُكِّرُوْا	نصیحت کئے گئے وہ	وَسَوْفَ	اور عنقریب
اِنَّا نَصٰرٰٓى	بیشک ہم عیسائی ہیں	بِهٖ	اس کے ذریعہ	يُنَبِّئُهُمُ	آگاہ کریں گے ان کو
اَخَذْنَا	لیا ہم نے	فَاَغْرَيْنَا (۲)	پس ڈالی ہم نے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
مِيْثَاقَهُمْ	ان کا عہد و پیمان	بَيْنَهُمُ	ان کے درمیان	بِمَا	ان کاموں سے جو
فَنَسُوْا	پس بھول گئے وہ	الْعَدَاوَةَ	دشمنی	كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ	کیا کرتے تھے وہ
حَظًّا	بڑا حصہ	وَالْبَغْضَآءَ	اور کینہ	۞	۞

نصاریٰ کا تذکرہ

بڑے میاں سو بڑے میاں: چھوٹے میاں سبحان اللہ!

بڑے میاں یعنی یہود تو دشمن تھے ہی، چھوٹے میاں یعنی عیسائی ان سے بڑھ کر نکلے، کبھی عیسائیوں میں علماء اور

(۱) مِن: جارہ: أخذنا سے متعلق ہے (۲) أغری العداوۃ بینھم: دشمنی پیدا کرنا، لڑائی کی آگ بھڑکانا۔

درویش ہوتے تھے، اس وقت وہ مسلمانوں کے حق میں نرم گوشہ رکھتے تھے، مگر اب ان میں یہ صنف نایاب ہے، اب وہ مسلم دشمنی میں یہود کے برابر یا بڑھ کر ہیں، فلسطین میں یہودی حکومت کا کھونٹا عیسائیوں ہی نے گاڑا ہے، مگر اللہ تعالیٰ ان کے شرور سے مسلمانوں کی حفاظت فرماتے ہیں، یہ بھی مسلمانوں پر ایک بڑا احسان ہے، مسلمان اس کا شکر ادا کریں، کاش! مسلم سربراہاں ان کی زلفوں کے اسیر نہ ہوتے۔

جب عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ نصاریٰ کو انجیل دی گئی تو ان سے عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ آنے والے رسول پر ایمان لائیں، نبی ﷺ کے سلسلہ میں واضح پیشین گوئیاں آج بھی انجیل میں موجود ہیں، مگر عیسائیوں نے ان کو پس پشت ڈال دیا، اور عہد و پیمان کی پاسداری کے سلسلہ میں انجیل میں ان کو جو نصیحتیں کی گئی تھیں ان کو بھلا دیا اور وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے، بڑے فرقے پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک ہیں، ان میں مذہب کی بنیادی باتوں میں بھی اتفاق نہیں، اور باہم تشدد، ظلم وستم اور انسان سوزی کے واقعات سے مذاہبِ عالم کی تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے، ان کو جان لینا چاہئے کہ دنیا ایک دن ختم ہونے والی ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کی حرکتیں جتلائیں گے، وہ غافل نہ رہیں۔

آیتِ کریمہ: اور جنھوں نے کہا: ہم نصاریٰ ہیں: ہم نے ان سے (بھی) عہد لیا ہے —— کہ آنے والے نبی پر ایمان لائیں —— پھر جو ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا بڑا حصہ وہ بھلا بیٹھے —— اور عام طور پر ایمان نہیں لائے —— پس ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے —— یعنی عرصۂ دراز تک کے لئے —— دشمنی اور کینہ کی آگ بھڑکا دی —— یعنی وہ باہم لڑتے رہیں گے —— اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کاموں سے آگاہ کریں گے جو وہ کرتے رہے ہیں۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے آسمانی کتاب والو!	جَآءَكُمْ	پہنچے ہیں تمہارے پاس	يُبَيِّنُ(۱)	درانحالیکہ واضح کرتے ہیں
قَدْ	تحقیق	رَسُوْلُنَا	ہمارے پیغمبر	لَكُمْ	تمہارے لئے

(۱) یبین: جملہ فعلیہ رسولنا کا حال ہے (جمل)

كَثِيْرًا	بہت سی باتیں	نُوْرٌ	بڑی روشنی	السَّلٰمِ	سلامتی کی
مِّمَّا	ان میں سے جو	وَّكِتٰبٌ (۱)	اور کتاب	وَ يُخْرِجُهُمْ	اور نکالتے ہیں ان کو
كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ	چھپایا کرتے تھے تم	مُّبِيْنٌ	واضح کرنے والی	مِّنَ الظُّلُمٰتِ	تاریکیوں سے
مِنَ الْكِتٰبِ	آسمانی کتاب سے	يَّهْدِيْ	دکھاتے ہیں	اِلَى النُّوْرِ	روشنی کی طرف
وَيَعْفُوْا	اور درگذر کرتے ہیں	بِهِ اللّٰهُ	اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ	بِاِذْنِهٖ	اپنے حکم سے
عَنْ كَثِيْرٍ	بہت سی باتوں سے	مَنِ اتَّبَعَ	اس کو جس نے پیروی کی	وَ يَهْدِيْهِمْ	اور چلاتے ہیں ان کو
قَدْ جَآءَكُمْ	تحقیق پہنچی ہے تم کو	رِضْوَانَهٗ	اللہ کی خوشنودی کی	اِلٰى صِرَاطٍ	راستے کی طرف
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	سُبُلَ	راہیں	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے

اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کو اسلام کی دعوت

اللہ کے رسول قرآن کی روشنی کے ساتھ تمہارے پاس پہنچ چکے ہیں: ان پر ایمان لاؤ، تمہارا بھلا ہوگا

اب اہل کتاب کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں، اور دو باتیں بیان فرماتے ہیں:

پہلی بات: ہمارے سچے رسول تمہارے پاس آچکے ہیں، اور ان کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ تم جن بشارات کو چھپاتے رہے ہو: ان میں سے جن کا اظہار ضروری ہے: ان کو وہ کھول کر بیان کرتے ہیں، یہ ان کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے، کیونکہ ان کے پاس وحی کے علاوہ کوئی اور ذریعۂ علم نہیں، اور صاحبِ وحی سچا رسول ہوتا ہے، اور جن باتوں کی اب چنداں ضرورت نہیں ان کو چھوڑتے ہیں، بیان نہیں کرتے۔

دوسری بات: اللہ کا رسول خالی ہاتھ نہیں آیا، ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا ہے، ایک روشنی اور واضح کتاب لے کر آیا ہے، اللہ تعالیٰ اس روشنی اور کتاب کے ذریعہ ان بندوں کو سلامتی کی راہیں دکھاتے ہیں جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں، اور جن کے حق میں ان کا فیصلہ ہوتا ہے: ان کو کفر وضلالت کی تاریکیوں سے ہدایت کی روشنی میں لاتے ہیں، اور اس کے ذریعہ ایمان لانے والوں کو سیدھے راستے پر چلاتے ہیں، لہٰذا ہمارے رسول اور ہماری کتاب پر ایمان لاؤ، تمہارا بھلا ہوگا!

فائدہ: ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ﴾ مستقل جملہ ہے، اور واوِ عاطفہ نہیں، پس پہلے ﴿قَدْ جَآءَكُمْ﴾ میں اور اس ﴿قَدْ جَآءَكُمْ﴾ میں غایتِ ارتباط ہے، گویا دونوں ایک ہیں —— اور نور اور کتاب مبین میں عطف تفسیری ہے، یہ دونوں بھی ایک ہیں، جن کی تین دلیلیں ہیں:

---

(۱) کتاب مبین: عطف تفسیری ہے، نور اور کتاب مبین ایک ہیں، اور مبین: أبان سے اسم فاعل ہے۔

۱-اگر نور سے نبی ﷺ کو مراد لیں گے تو تکرار ہوگی، کیونکہ ﴿رَسُوْلُنَا﴾ سے بھی آپؐ ہی مراد ہیں۔

۲-آگے ﴿يَهْدِىْ بِهِ﴾ میں مفرد ضمیر آئی ہے، اگر نور اور کتاب مبین دو چیزیں ہوتی تو بھما تثنیہ کی ضمیر آتی۔

۳-قرآنِ کریم میں اللہ کی کتابوں کو تو 'نور' کہا گیا ہے، مگر اللہ کے کسی رسول کو نور نہیں کہا گیا۔ آگے اسی سورت (آیت ۴۴) میں تورات کے بارے میں ہے: ﴿فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ﴾: اس میں ہدایت اور روشنی ہے پھر (آیت ۴۶ میں) یہی بات انجیل کے تعلق سے فرمائی ہے، اور سورۃ النساء (آیت ۱۷۴) میں قرآنِ کریم کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾: اور ہم نے تمہاری طرف واضح کرنے والی روشنی اتاری، اور قرآنِ کریم میں کسی بھی نبی، رسول کو نور نہیں کہا گیا، اور جس حدیث میں یہ بات آئی ہے وہ بے اصل روایت ہے، اور مواہب لدنیہ میں جو حوالہ ہے: اُس میں وہ حدیث نہیں ملی، اور سورۃ الکہف (آیت ۱۱۰) میں نبی ﷺ کی بشریت کی صراحت ہے، پس ایسا خیال کرنا کہ نبی ﷺ کا مادۂ تخلیق نور ہے: قرآن کے منافی ہے۔

آیتِ کریمہ: اے آسمانی کتاب والو! تمہارے پاس ہمارے رسول پہنچ چکے ہیں، درانحالیکہ وہ کھول کر بیان کرتے ہیں آسمانی کتابوں کی بہت سی وہ باتیں جن کو تم چھپاتے رہے ہو، اور بہت سی باتوں کو نظر انداز کردیتے ہیں، بالتحقیق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے بڑی روشنی اور واضح کرنے والی کتاب آچکی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس شخص کو سلامتی کی راہیں دکھاتے ہیں جو اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے، اور جن کے لئے منظور ہوتا ہے: ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالتے ہیں، اور ان کو سیدھے راستہ پر چلاتے ہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	هُوَ	ہی	فَمَنْ يَّمْلِكُ	پس کون مالک ہے
كَفَرَ	کافر ہوگئے	الْمَسِيْحُ	مسیح ہیں	مِنَ اللّٰهِ	اللہ (کی گرفت) سے
الَّذِيْنَ قَالُوْٓا	جنھوں نے کہا:	ابْنُ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	شَيْـــًٔا	ذرا بھی
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ	قُلْ	پوچھیں:	اِنْ اَرَادَ	اگر وہ چاہیں

اَنۡ یُّهۡلِكَ	کہ ہلاک کریں	جَمِیۡعًا	سب کو؟	بَیۡنَهُمَا	دونوں کے درمیان ہے
الۡمَسِیۡحَ	مسیح کو	وَ لِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے	یَخۡلُقُ	پیدا کرتا ہے
ابۡنَ مَرۡیَمَ	بیٹے مریم کے	مُلۡكُ	حکومت ہے	مَا یَشَآءُ	جو چاہتا ہے
وَ اُمَّهٗ	اور اس کی ماں کو	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَمَنۡ	اور ان کو جو	وَ الۡاَرۡضِ	اور زمین کی	عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ	ہر چیز پر
فِی الۡاَرۡضِ	زمین میں ہیں	وَمَا	اور اس کی جو	قَدِیۡرٌ	پوری قدرت والے ہیں

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ بھی ان کے ایمان کی راہ کا روڑا!

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی یونٹ (UNIT، وحدت) کا تہائی حصہ ہیں، یقولون: هو ثالث ثلاثة، اور جو حکم کل کا ہوتا ہے وہی جزء کا ہوتا ہے، پس عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ ہیں، اب وہ اپنے مزعومہ اللہ کو چھوڑ کر اسلام کے اللہ پر جو حقیقی اللہ ہے اور وحدہ لا شریك له ہے: کیسے ایمان لائیں؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان کا یہ عقیدہ کفریہ عقیدہ ہے، یہ اللہ کو ماننا نہ ماننے کے مترادف ہے، اس سے توبہ کریں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مریم رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے: مسیح عیسیٰ کو، اور ان کی والدہ مریم کو اور زمین کی ساری مخلوقات کو ہلاک کرنا چاہیں تو ان کو کون روک سکتا ہے؟ اور کیا کل اپنے جزء کو ختم کر سکتا ہے؟ جو اپنی ناک کاٹ لے وہ نکٹا (عیب دار) ہو جائے گا، پھر وہ خدا کہاں ہوگا؟ —— رہا مسیح علیہ السلام کا غیر معروف طریقہ پر صرف کنواری مریم رضی اللہ عنہا سے پیدا ہونا: تو اللہ تعالیٰ ہر طرح پیدا کرنے پر قادر ہیں، کیا آدم وحواء علیہما السلام کو بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا نہیں کیا؟ بے شک اللہ تعالیٰ ہر طرح پیدا کرنے پر قادر ہیں، پس عیسائی اپنے کفریہ عقیدہ سے باز آئیں، اور حقیقی اللہ پر ایمان لائیں، جن کا نہ کوئی جزء ہے نہ شریک وسہیم!

آیتِ کریمہ: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا، جنھوں نے کہا: "بے شک مریم کے بیٹے: مسیح ہی اللہ ہیں" —— پوچھو: اللہ کے مقابلہ میں کس کی کچھ چل سکتی ہے: اگر وہ مریم کے بیٹے: مسیح کو، اور ان کی ماں کو، اور زمینی تمام مخلوقات کو ہلاک کرنا چاہیں؟ وہ جو چاہیں پیدا کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

وَ قَالَتِ الۡیَهُوۡدُ وَ النَّصٰرٰی نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلۡ فَلِمَ یُعَذِّبُكُمۡ بِذُنُوۡبِكُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ مِّمَّنۡ خَلَقَ ؕ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ

مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۡ وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ﴿۱۸﴾

وَ قَالَتِ	اور کہا	بِذُنُوۡبِكُمۡ	تمہارے گناہوں کی وجہ سے	مَنۡ يَّشَآءُ	جسے چاہیں گے
الۡيَهُوۡدُ	یہود	بَلۡ اَنۡتُمۡ	بلکہ تم	وَلِلّٰهِ	اوراللہ کے لئے
وَالنَّصٰرٰى	اور نصاری نے	بَشَرٌ(۲)	انسان ہو	مُلۡكُ	حکومت ہے
نَحۡنُ	ہم	مِّمَّنۡ	ان میں سے جن کو	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ	اللہ کے بیٹے	خَلَقَ	اس نے پیدا کیا	وَالۡاَرۡضِ	اور زمین کی
وَاَحِبَّآؤُهٗ(۱)	اور اس کے پیارے ہیں	يَغۡفِرُ	بخشیں گے وہ	وَمَا	اور ان چیزوں کی جو
قُلۡ	پوچھو	لِمَنۡ يَّشَآءُ	جسے چاہیں گے	بَيۡنَهُمَا	دونوں کے درمیان ہیں
فَلِمَ يُعَذِّبُكُمۡ	پس کیوں سزادیں گے تم کو	وَيُعَذِّبُ	اور سزادیں گے	وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ	اور اسی کی طرف لوٹنا ہے

یہود ونصاری کی خوش خیالی بھی ان کے ایمان کی راہ کا روڑا!

یہود ونصاری کو یہ خوش فہمی ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے یعنی اس کے پیارے ہیں: پھر ان کو آخری نبی پر ایمان لانے کی کیا ضرورت! ـــــ حالانکہ وہ مانتے ہیں کہ ان کو بھی آخرت میں سزا ملے گی، سورۃ البقرۃ (آیت ۸۰) میں ان کا قول آیا ہے: ﴿لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً﴾: ہمیں جہنم کی آگ ہرگز نہیں چھوئے گی، مگر چند روز، بعض نے کہا: سات دن، اور بعض نے کہا: چالیس دن، جتنے دن بچھڑے کی پوجا کی ہے، اور بعض نے کہا: چالیس سال، جتنی مدت میدانِ تیہ میں سرگرداں رہے تھے، اور بعض نے کہا: مدت العمر، جتنی مدت دنیا میں زندہ رہے تھے ـــــ پس ان سے پوچھو: اگر تم اللہ کے چہیتے ہو تو اللہ تعالیٰ تم کو سزا کیوں دیں گے؟ پیارے کو کوئی سزا نہیں دیا کرتا!

بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہود ونصاری بھی منجملۂ مخلوقات ایک مخلوق ہیں، اور اللہ کا اختیار ہے: آخرت میں جس کو چاہیں بخشیں، اور جس کو چاہیں سزا دیں، وہی ساری کائنات کے مالک وحاکم ہیں، کوئی ذرہ ان کے اختیار سے باہر نہیں، اور سب کو ان کے روبرو حاضر ہونا ہے۔ لہٰذا اپنی خوش فہمی کے خول سے باہر آئیں، اور اللہ کے آخری رسول پر ایمان لائیں، اور نیک کام کریں، تاکہ آخرت کی سزا سے بچ جائیں!

آیتِ کریمہ: اور یہود ونصاری نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں! ـــــ پوچھو: پھر اللہ تمہیں

---

(۱) و أحباؤہ: عطف تفسیری ہے، بیٹوں سے نسبی بیٹے مراد نہیں، مجازی بیٹے مراد ہیں۔ (۲) انسان کو بشر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی کھال بھیڑ بکری کی طرح بالوں سے ڈھکی ہوئی نہیں، بَشَرۃ کے معنی ہیں: کھلی کھال۔

تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیں گے؟ —— بلکہ تم منجملہ مخلوقات انسان ہی ہو، اللہ تعالیٰ جسے چاہیں گے معاف کریں گے، اور جسے چاہیں گے سزا دیں گے، آسمانوں پر، زمین پر، اور ان کے درمیان کی چیزوں پر حکومت اللہ ہی کی ہے، اور ہر چیز کو اس کی طرف لوٹنا ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۹

ع ۴

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے آسمانی کتاب والو!	عَلٰى فَتْرَةٍ[1]	درمیانی وقفہ کے بعد	جَآءَكُمْ	آگیا تمہارے پاس
قَدْ	تحقیق	مِّنَ الرُّسُلِ	رسولوں کے	بَشِيْرٌ	خوش خبری سنانے والا
جَآءَكُمْ	آیا ہے تمہارے پاس	اَنْ تَقُوْلُوْا[2]	کبھی تم کہنے لگو	وَّنَذِيْرٌ	اور ڈرانے والا
رَسُوْلُنَا	ہمارا رسول	مَا جَآءَنَا	نہیں آیا ہمارے پاس	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
يُبَيِّنُ	درانحالیکہ کھول کر بیان	مِنْۢ بَشِيْرٍ	کوئی خوشخبری سنانے والا	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
	کررہا ہے	وَّلَا نَذِيْرٍ	اور نہ کوئی ڈرانے والا	قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے
لَكُمْ	تمہارے لئے	فَقَدْ	سو تحقیق		والے ہیں

یہود و نصاریٰ ایمان نہیں لائیں گے تو حجت تو تام ہوگی!

بنی اسرائیل میں مسلسل انبیاء مبعوث ہوتے تھے، حدیث میں ہے: **كلما هلك نبى خلفه آخر**: جب بھی کسی نبی کی وفات ہوتی تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا (بخاری شریف حدیث ۳۴۵۵) یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام: بنی اسرائیل کے آخری نبی مبعوث ہوئے، ان کے بعد نبوت کا سلسلہ رک گیا، پھر تقریباً چھ سو سال کے بعد کامل آخری نبی مبعوث ہوئے، درمیانی زمانہ فترت کا زمانہ کہلاتا ہے، یہ لمبا عرصہ تھا، اس عرصہ میں دنیا جہل وغفلت اور شک واوہام میں مبتلا ہوگئی، ہدایت کے چراغ گل ہوگئے، ظلم وزیادتی کی گھٹا چھاگئی تو آفتابِ نبوت طلوع ہوا، اللہ نے اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالا، اور اس کی قیامت تک کے لئے حفاظت کی ذمہ داری لے لی، اس لئے اب نئی نبوت کی ضرورت نہیں رہی۔

(۱) فَترۃ: اسم مصدر: کسی نبی کی شریعت کا دھیما پڑ جانا اور آئندہ نبی کا مبعوث نہ ہونا: زمانۂ فترت کہلاتا ہے (۲) أن: أى لئلا تقولوا: کبھی ایسا نہ ہو کہ تم کہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: زمانۂ فترت کے بعداب آخری رسول مبعوث ہوئے ہیں، وہ احکام شرع کھول کر بیان کر رہے ہیں، تاکہ لوگ قیامت کے دن یہ بہانہ نہ بناسکیں کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا، آتا تو ہم اس پر ایمان لاتے، اور اس کی پیروی کرتے، اور جہنم سے بچ جاتے، مگر اب جبکہ بشیر ونذیر آ گیا تو کسی کے لئے عذر کا موقع نہ رہا۔

اب اگر اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) ایمان نہیں لاتے تو انہیں کا نقصان ہوگا، اللہ پاک نے حجت تام کردی ہے، اور وہ ایمان نہیں لائیں گے تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو کھڑا کردیں گے، وہ پیغمبر کی مدد کرے گی، اور ان کا دین پھیلائے گی، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، اللہ کا کام کچھ اہل کتاب کے ایمان اور نصرت پر موقوف نہیں!

آیتِ کریمہ: اے آسمانی کتاب والو! تمہارے پاس ہمارے رسول آئے ہیں، درانحالیکہ وہ تمہارے لئے کھول کر احکام بیان کرتے ہیں: (اور وہ) رسولوں کے درمیانی وقفہ کے بعد آئے ہیں، تاکہ تم (قیامت کے دن) یہ کہہ نہ سکو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوش خبری سنانے والا آیا نہ کوئی ڈرانے والا! اب تمہارے پاس خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا پہنچ چکا ہے! اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَٰقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَٰلَمِينَ ﴿٢٠﴾ يَٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَٰسِرِينَ ﴿٢١﴾ قَالُوا يَٰمُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَٰخِلُونَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَٰلِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾ قَالُوا يَٰمُوسَىٰ إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَٰتِلَا إِنَّا هَٰهُنَا قَٰعِدُونَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَٰسِقِينَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَٰسِقِينَ ﴿٢٦﴾

ع ۸

وَ اِذْ قَالَ	اور (یادکرو) جب کہا	وَلَا تَرْتَدُّوْا	اور مت پلٹو	عَلَيْهِمَا	دونوں پر
مُوْسٰى	موسیٰ نے	عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ	اپنی پیٹھوں پر	اُدْخُلُوْا	جاگھسو
لِقَوْمِهٖ	اپنی قوم سے	فَتَنْقَلِبُوْا	پس پلٹ جاؤ گے تم	عَلَيْهِمُ	ان پر
يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	خٰسِرِيْنَ(۱)	ٹوٹا پاتے ہوئے	الْبَابَ	دروازے میں
اذْكُرُوْا	یادکرو	قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے	فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ	پس جب داخل ہوجاؤ
نِعْمَةَ اللّٰهِ	اللہ کا احسان	يٰمُوْسٰٓى	اے موسیٰ!		گے تم اس میں
عَلَيْكُمْ	تم پر	اِنَّ فِيْهَا	بے شک اس میں	فَاِنَّكُمْ	تو بے شک تم
اِذْ جَعَلَ	جب بنائے اس نے	قَوْمًا	لوگ ہیں	غٰلِبُوْنَ	غالب ہونے والے ہو
فِيْكُمْ	تم میں	جَبَّارِيْنَ	زبردست	وَعَلَى اللّٰهِ	اور اللہ ہی پر
اَنْۢبِيَآءَ	انبیاء	وَاِنَّا	اور بے شک ہم	فَتَوَكَّلُوْٓا	پس بھروسہ کرو
وَجَعَلَكُمْ	اور بنایا تم کو	لَنْ نَّدْخُلَهَا	ہرگز نہیں داخل ہوں گے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
مُّلُوْكًا	بادشاہ	حَتّٰى يَخْرُجُوْا	یہاں تک کہ نکلیں وہ	مُّؤْمِنِيْنَ	ایماندار
وَّاٰتٰىكُمْ	اور دیا تم کو	مِنْهَا	اس آبادی سے	قَالُوْا	کہا انھوں نے
مَّا لَمْ يُؤْتِ	جو نہیں دیا	فَاِنْ يَّخْرُجُوْا	پس اگر نکلے وہ	يٰمُوْسٰٓى	اے موسیٰ!
اَحَدًا	کسی کو	مِنْهَا	اس جگہ سے	اِنَّا	بے شک ہم
مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں سے	فَاِنَّا	تو بے شک ہم	لَنْ نَّدْخُلَهَآ	ہرگز داخل نہیں ہوں گے
يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	دٰخِلُوْنَ	داخل ہونے والے ہیں	اَبَدًا	کبھی بھی
ادْخُلُوا	داخل ہوؤ	قَالَ	کہا	مَّا دَامُوْا	جب تک ہوں گے وہ
الْاَرْضَ	زمین	رَجُلٰنِ	دو شخصوں نے	فِيْهَا	اس بستی میں
الْمُقَدَّسَةَ	پاکیزہ میں	مِنَ الَّذِيْنَ	ان میں سے جو	فَاذْهَبْ	پس جائیں
الَّتِيْ كَتَبَ	جو لکھی ہے	يَخَافُوْنَ	ڈرتے ہیں (اللہ سے)	اَنْتَ	آپ
اللّٰهُ لَكُمْ	اللہ نے تمہارے لئے	اَنْعَمَ اللّٰهُ	احسان فرمایا ہے اللہ نے	وَرَبُّكَ	اور آپ کے پروردگار

(۱) خاسرین: ضمیر جمع سے حال ہے۔

فَقَاتِلَآ	پس لڑو تم دونوں	وَاَخِيْ	اور میرے بھائی کا	عَلَيْهِمْ	ان پر
اِنَّا هٰهُنَا	بے شک ہم یہاں	فَافْرُقْ	پس جدائی کردیں آپ	اَرْبَعِيْنَ	چالیس
قٰعِدُوْنَ	بیٹھنے والے ہیں	بَيْنَنَا	ہمارے درمیان	سَنَةً	سال
قَالَ	کہا (موسیٰ نے)	وَبَيْنَ الْقَوْمِ	اور لوگوں کے درمیان	يَتِيْهُوْنَ (۱)	بھٹکتے پھریں گے وہ
رَبِّ	اے میرے پروردگار	الْفٰسِقِيْنَ	حد اطاعت سے نکلنے والے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
اِنِّيْ	بے شک میں	قَالَ	فرمایا (اللہ نے)	فَلَا تَاْسَ (۲)	پس نہ افسوس کریں آپ
لَآ اَمْلِكُ	نہیں مالک ہوں	فَاِنَّهَا	پس بے شک وہ بستی	عَلَى الْقَوْمِ	لوگوں کے بارے میں
اِلَّا نَفْسِيْ	مگر میری ذات کا	مُحَرَّمَةٌ	حرام کی ہوئی ہے	الْفٰسِقِيْنَ	حد اطاعت سے نکلنے والے

یہود نبی ﷺ کے ساتھ بدمعاملہ کرتے ہیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟

وہ تو اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس سے بھی زیادہ بدمعاملہ کر چکے ہیں!

پیچھے سے گفتگو یہ چل رہی ہے کہ مشرکین، یہود اور نصاریٰ مسلمانوں کے دشمن ہیں، وہ ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے پلان بناتے رہتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کی دست درازی سے بچاتے ہیں، اسلام کا چراغ بجھنے نہیں دیتے۔

اب یہ بیان ہے کہ یہود کی تو فطرت ہی کج واقع ہوئی ہے، وہ آخری نبی کے ساتھ بدمعاملگی کرتے ہیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، وہ تو اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی اس سے زیادہ برا معاملہ کر چکے ہیں، ایک آئینہ (واقعہ) دکھاتے ہیں، اس میں ان کی سچی تصویر سامنے آئے گی۔

واقعہ: حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں یعقوب علیہ السلام کی اولاد مصر میں جا بسی تھی، ان کا اصلی وطن کنعان (فلسطین کا علاقہ) تھا، مصر میں یوسف علیہ السلام سے چار سو سال کے بعد موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، بنی اسرائیل کو قبطیوں نے غلام بنا رکھا تھا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ان کو غلامی سے نجات بخشی، جب وہ دریا عبور کر کے میدانِ سینا میں پہنچے تو سوال پیدا ہوا کہ اب وہ کہاں جا بسیں؟ ان کے وطن فلسطین پر عمالقہ نے قبضہ کر لیا تھا، چنانچہ اللہ کا حکم آیا کہ بنی اسرائیل عمالقہ سے لوہا لیں، جہاد کریں اور ان کو وہاں سے نکال دیں اور وہاں جا بسیں۔

(۱) تاهَ (ض) تَيْهًا في الأرض: بھٹکنا، سرگرداں پھرنا، وهو تائهٌ (۲) أَسِيَ (س) عليه وله: رنجیدہ ہونا، غم کرنا، فهو آسٍ۔

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی، ان میں دو لاکھ عورتیں ہونگی، دو لاکھ بچے ہونگے، ایک لاکھ بوڑھے ہونگے، تو ایک لاکھ جنگ کے قابل جوان ہونگے، اتنی بڑی تعداد کے لئے عمالقہ سے نبرد آزما ہونا کیا مشکل تھا؟

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے خطاب کیا، پہلے ان کو اللہ کے احسانات یاد دلائے کہ اللہ تعالیٰ ماضی میں تم میں انبیاء مبعوث فرماتے رہے ہیں، اور مستقبل میں تمہارے لئے بادشاہت مقدر کردی ہے، اور تم کو ایسی نعمتیں دینے کا وعدہ فرمایا ہے جو جہانوں میں کسی کو نہیں دیں، جیسے عظیم المرتبت کتاب تورات شریف عنایت فرمائی، اور غذا کے لئے منّ وسلوی اتارا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام مطلب پر آئے، اور فرمایا: تم بابرکت زمین فلسطین پر قابض عمالقہ سے جہاد کرو، اور اس سرزمین کو فتح کر کے وہاں جا بسو، اللہ تعالیٰ نے ازل سے وہ سرزمین تمہارے لئے لکھ دی ہے، اس لئے وہ تمہیں ضرور ملے گی، جہاد سے منہ مت موڑو، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے!

قوم نے آپ کو جواب دیا: وہاں کے لوگ بہت طاقتور ہیں، بڑے ڈیل ڈول کے مالک ہیں، ہم ان سے مقابلہ نہیں کرسکتے، اور جب تک وہ وہاں ہیں ہم وہاں نہیں جائیں گے، ہاں اگر وہ وہاں سے ہٹ جائیں تو ہم وہاں ضرور جائیں گے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے بارہ قبائل کے سرداروں کو دشمن کے ملک کا جائزہ لینے کے لئے روانہ کیا، جہاد کے لئے یہ کام ضروری ہے، سردار گئے، انھوں نے وہاں خوش حالی دیکھی، باغ وبہار دیکھی، زرخیز زمین دیکھی، اور لوگوں کو توانا تنومند پایا، انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ قوم کے سامنے یہاں کی برکات بیان کی جائیں، اور لوگوں کے طاقتور ہونے کی بات بیان نہ کی جائے، تاکہ قوم کے حوصلے پست نہ ہوجائیں، مگر ان میں سے دس نے عہد کی پابندی نہیں کی، اور عمالقہ سے قوم کو ڈرادیا، صرف یوشع اور کالب نے عہد کی پابندی کی، یہی دو حضرات بعد میں پیغمبر بنے ہیں، انھوں نے قوم سے کہا: عمالقہ کھوکھلے تنے ہیں، تم ہمت کر کے ایک مرتبہ شہر پناہ کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ، وہ بھاگتے نظر آئیں گے، مگر قوم کی بزدلی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ٹکا سا جواب دیدیا کہ ہم تو وہاں جب تک وہ لوگ وہاں ہیں قدم ہی نہیں رکھیں گے، آپ اور آپ کا ربّ جائیں اور جنگ کریں، اور ان کو وہاں سے نکالیں، ہم یہاں بیٹھے انتظار کرتے ہیں، جب علاقہ خالی ہوجائے تو ہمیں آ کر لے جائیں، ہم ضرور وہاں جائیں گے۔

اس جواب سے موسیٰ علیہ السلام کا دل ٹوٹ گیا، ہاتھ اٹھائے اور دعا کی: الٰہی! میرا اختیار صرف اپنی ذات پر اور میرے بھائی پر ہے، ہمیں ان نانہجاروں سے جدا کردیجئے، اب ہم ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے!

یہ دعا تو قبول نہیں ہوئی، دونوں کو بنی اسرائیل کے ساتھ رہنا پڑا، البتہ بابرکت زمین بنی اسرائیل پر چالیس سال کے لئے حرام کردی گئی، اس عرصہ میں ان کو وہاں جانا نصیب نہ ہوا، میدانِ تیہ میں بھٹکتے پھرے، اور موسیٰ علیہ السلام کو دلاسا دیا

کہ آپ اس نالائق قوم پر کچھ افسوس نہ کریں! انھوں نے خود ہی اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے!

پھر میدانِ تیہ کی اسارت کے زمانہ میں موسیٰ وہارون علیہما السلام دنیا سے چل بسے اور یوشع علیہ السلام نبی بنے، قوم نے ان سے درخواست کی کہ ان پر بادشاہ مقرر کیا جائے، جس کی سرکردگی میں وہ عمالقہ سے جہاد کریں، چنانچہ طالوت کو بادشاہ مقرر کیا، انھوں نے جہاد کیا اور ملک فتح کر کے عمالقہ کو وہاں سے نکال دیا اور بنی اسرائیل کو وہاں بسایا۔

اس واقعہ میں غور کرو، یہود نے اپنے پیغمبر کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اگر وہ آج آخری نبی ﷺ کے ساتھ برا معاملہ کرتے ہیں تو تعجب کی بات نہیں، کتے کی دُم ہمیشہ ٹیڑھی رہتی ہے، لہٰذا مسلمان سمجھ جائیں کہ وہ ان کے دشمن ہیں، وہ ان سے ہمیشہ چوکنا رہیں۔

آیاتِ کریمہ: اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم اپنے اوپر اللہ کے انعام کو یاد کرو —— آگے انہی احسانات کا ذکر ہے —— جب اس نے تم میں سے انبیاء بنائے، اور تم کو بادشاہ بنایا —— یعنی تمہارے لئے آئندہ بادشاہت مقدر کی ہے، جو جہاد ہی سے حاصل ہوگی، پس یہ آگے کی تمہید ہے —— اور تمہیں وہ چیزیں عنایت فرمائیں جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیں —— جیسے فرعون کی غلامی سے نجات دی، اور تمہاری نجات کے لئے بحرِ قلزم کو پھاڑ دیا، اور کھانے کے لئے منّ وسلوی اتارا، اور تمہاری ہدایت کے لئے تورات شریف عنایت فرمائی۔

اے میری قوم! تم بابرکت زمین میں پہنچ جاؤ، جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے —— اللہ نے ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام سے اس کا وعدہ کیا تھا —— اور تم (جہاد سے) اپنی پیٹھیں مت پھیرو، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

ان لوگوں نے جواب دیا: اے موسیٰ! وہاں طاقتور لوگ ہیں، جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں ہم وہاں ہرگز نہیں جائیں گے، البتہ اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم وہاں ضرور جائیں گے۔

دو آدمیوں (یوشع اور کالب) نے کہا، جو اللہ سے ڈرتے ہیں، جن پر اللہ نے فضل فرمایا ہے —— یعنی بعد میں ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا ہے، دونوں نے قوم کو سمجھایا: —— تم ان پر (شہر پناہ کے) دروازے میں داخل ہو جاؤ، پس جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو ضرور تم ہی غالب ہو جاؤ گے —— اور وہ بھاگتے نظر آئیں گے —— اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو، اگر تم ایمان والے ہو!

انھوں نے کہا: اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم وہاں قدم بھی نہ رکھیں گے، لہٰذا آپ اور آپ کے پروردگار جائیں اور جنگ کریں، ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

موسیٰ نے دعا کی: اے میرے پروردگار! میں صرف اپنا اور اپنے بھائی کا مالک ہوں، لہٰذا آپ ہمارے اور نافرمان قوم

کے درمیان جدائی کردیجئے!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ سرزمین ان پر چالیس سال تک کے لئے حرام کردی گئی ہے، وہ وادی سینا میں بھٹکتے پھریں گے، لہٰذا آپ نافرمان قوم کا کچھ افسوس نہ کریں!

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

وَاتْلُ	اور پڑھیے	مِنْ اَحَدِهِمَا	دونوں میں سے ایک کی	مِنَ الْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں سے
عَلَيْهِمْ	ان کے سامنے	وَلَمْ يُتَقَبَّلْ	اور نہیں قبول کی گئی	لَىِٕنْ بَسَطْتَّ	بخدا! اگر لمبا کیا تو نے
نَبَاَ ابْنَيْ	دو بیٹوں کی خبر	مِنَ الْاٰخَرِ	دوسرے کی طرف سے	اِلَيَّ يَدَكَ	میری طرف اپنا ہاتھ
اٰدَمَ	آدم کے	قَالَ	کہا اس نے	لِتَقْتُلَنِيْ	تاکہ قتل کرے تو مجھے
بِالْحَقِّ(۱)	برحق	لَاَقْتُلَنَّكَ	ضرور قتل کروں گا تجھ کو	مَآ اَنَا	نہیں ہوں میں
اِذْ قَرَّبَا	جب دونوں نے قربانی پیش کی	قَالَ	کہا اس نے	بِبَاسِطٍ	لمبا کرنے والا
		اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	يَّدِيَ اِلَيْكَ	میرا ہاتھ تیری طرف
قُرْبَانًا	کوئی قربانی	يَتَقَبَّلُ	قبول فرماتے ہیں	لِاَقْتُلَكَ	کہ قتل کروں میں تجھے
فَتُقُبِّلَ	پس قبول کی گئی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اِنِّىْٓ اَخَافُ	بیشک میں ڈرتا ہوں

(۱) بالحق: نبأ کا حال ہے، جو أتل کا مفعول بہ ہے۔

اللّٰہَ	اللہ سے	لَہٗ نَفْسُہٗ	اس کو اس کے جی نے	سَوْءَۃَ	لاش
رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ	جو تمام جہانوں کے رب ہیں	قَتْلَ اَخِیْہِ	اپنے بھائی کے قتل پر	اَخِیْہِ	اپنے بھائی کی
اِنِّیْٓ اُرِیْدُ	بیشک میں چاہتا ہوں	فَقَتَلَہٗ	پس قتل کر دیا اس کو	قَالَ	کہا اس نے
اَنْ تَبُوْٓءَاَ (۱)	کہ لوٹے تو	فَاَصْبَحَ	پس ہو گیا	یٰوَیْلَتٰٓی	ہائے میری کم بختی!
بِاِثْمِیْ	میرے گناہ کے ساتھ	مِنَ الْخٰسِرِیْنَ	ٹوٹا پانے والوں سے	اَعَجَزْتُ	کیا عاجز رہ گیا میں
وَاِثْمِكَ	اور اپنے گناہ کے ساتھ	فَبَعَثَ	پس بھیجا	اَنْ اَكُوْنَ	اس سے کہ ہوؤں میں
فَتَكُوْنَ	پس ہو جائے تو	اللّٰہُ	اللہ نے	مِثْلَ	مانند
مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ	دوزخ والوں میں سے	غُرَابًا	ایک کوّا	هٰذَا الْغُرَابِ	اس کوّے کے
		یَّبْحَثُ	کرید رہا ہے وہ	فَاُوَارِیَ	پس چھپاؤں میں
وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا (۲)	اور یہ بدلہ ہے	فِی الْاَرْضِ	زمین میں	سَوْءَۃَ اَخِیْ (۴)	لاش میرے بھائی کی
الظّٰلِمِیْنَ	ستم ڈھانے والوں کا	لِیُرِیَہٗ	تا کہ دکھائے اس کو	فَاَصْبَحَ	پس ہو گیا وہ
فَطَوَّعَتْ (۳)	پس آمادہ کیا	كَیْفَ یُوَارِیْ	کیسے چھپائے وہ	مِنَ النّٰدِمِیْنَ	پشیمانوں سے

دشمن ہمیشہ غیر نہیں ہوتا، اپنے بھی دشمن ہوتے ہیں، بھائی بھائی کا گلا کاٹتا ہے

مضمون یہ چلا آرہا ہے کہ مشرکین، یہود اور نصاریٰ تمہارے دشمن ہیں، وہ ہر وقت تمہارے نقصان کے درپے رہتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرتے ہیں، یہ تم پر اللہ کا بڑا احسان ہے۔ اب ایک واقعہ کے ضمن میں یہ بتاتے ہیں کہ دشمن ہمیشہ غیر نہیں ہوتا، کبھی اپنے بھی دشمن ہوتے ہیں، بھائی بھائی کا گلا کاٹتا ہے!

واقعہ: آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے: ہابیل اور قابیل، ہابیل اچھا لڑکا تھا، اور قابیل نا قابل تھا، دونوں نے بھینٹ دی، دونوں کا مقصد اللہ کی نزدیکی حاصل کرنا تھا —— دونوں نے کس مقصد سے قربانی دی تھی؟ اور کس چیز کی قربانی دی تھی؟ یہ بات کسی حدیث میں نہیں آئی، اور آثار کے درپے ہونا بے فائدہ ہے —— ہابیل نے اخلاص سے قربانی پیش کی تھی، اس لئے قبول ہوئی، آسمان سے سفید آگ آئی اور قربانی کو خاکستر کر گئی، اور قابیل کے دل میں کھوٹ تھا، اس کی قربانی قبول نہیں ہوئی، پڑی رہ گئی، اس پر وہ جل بھن گیا، اس نے ہابیل کو دھمکی دی کہ میں تجھ کو قتل کر کے رہونگا!

(۱) بَاءَ بِالشيئ وإليه (ن) بَوْءً ا: لوٹنا (۲) ذلك: اللہ کا اضافہ ہے (۳) طَوَّعَ (تفعیل) له نفسُه كذا: کسی بات پر دل کا آمادہ ہونا، رضامند ہونا، کسی کے نفس کا کسی چیز کو پسندیدہ بنا دینا (۴) سَوْءَ ة: بری چیز، شرمگاہ، یہاں لاش مراد ہے، وہ بری لگتی ہے۔

ہابیل نے کہا: اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کی بھینٹ قبول کرتے ہیں، تیری قربانی عدم اخلاص کی وجہ سے قبول نہیں ہوئی، اس میں میرا کیا قصور؟ اور سن لے! اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کی ہرگز کوشش نہیں کروں گا، قتل سنگین گناہ ہے، مجھے اللہ رب العالمین کا ڈر لگتا ہے، اور تو یہ حرکت کرے گا تو اپنے گناہوں کے ساتھ میرے گناہ بھی ڈھوئے گا، اور جہنم میں جائے گا ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ستم گاروں کی یہی سزا ہے!

پھر کیا ہوا؟ قابیل کے نفس نے اس کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے بھائی کو قتل کردے، چنانچہ وہ یہ حرکت کر گذرا، اور بڑے خسارہ میں پڑ گیا، حدیث میں ہے کہ جو بھی ناحق قتل ہوتا ہے: اس کے گناہ کا ایک حصہ قابیل کو پہنچتا ہے، کیونکہ اس نے ناحق قتل کی طرح ڈالی!

قتل تو کردیا، مگر اب اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ بھائی کی لاش کو کیا کرے؟ پس اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا، جس نے قابیل کے سامنے زمین کریدی، قابیل سمجھ گیا کہ لاش کو زمین میں گاڑ دیا جائے، اس وقت اس نے افسوس کیا کہ میرے پاس تو کوّے جتنی بھی عقل نہیں! مگر اب اس بے وقوفی کا علاج کیا!

عبادت اگر اخلاص سے خالی ہو تو عامل کے منہ پر ماردی جاتی ہے

فائدہ: آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ شروع ہی سے مردہ کو زمین میں دفن کرنے کا طریقہ رہا ہے، نہ کہ لاش کو جلانے کا، دفن کرنے میں مردہ کا احترام بھی ہے اور ماحولیاتی آلودگی سے حفاظت بھی، جلانے میں انسان کی بے حرمتی بھی ہے، عام طور پر کپڑے پہلے جل جاتے ہیں، اس لئے بے پردگی بھی ہوتی ہے، نیز اس سے فضائی آلودگی پیدا ہوتی ہے، جب کہ مٹی میں آلودگی کو جذب کرنے اور تحلیل کرنے کی قدرتی صلاحیت ہوتی ہے، اس لئے دفن کرنے سے آلودگی پیدا نہیں ہوتی (آسان تفسیر)

آیاتِ کریمہ: اور آپ لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کا بالکل سچا واقعہ پڑھ کر سنائیے، جب دونوں نے بھینٹ دی اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے تو ان میں سے ایک کی نیاز قبول کرلی گئی، اور دوسرے کی قبول نہیں کی گئی، اس دوسرے نے کہا: میں تجھ کو قتل کر کے رہونگا، پہلے نے کہا: اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں ہی کی طرف سے قبول کرتے ہیں، بخدا! اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا، میں یقیناً اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کے پالنہار ہیں، بے شک میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ کے ساتھ میرے گناہ کا بھی بوجھ اٹھالے، پس تو دوزخیوں میں سے ہوجائے ـــــ اور یہی ستم گاروں کی سزا ہے!

پس اس کو اس کے جی نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کیا، چنانچہ اس کو قتل کر ڈالا، پس وہ نقصان اٹھانے والوں میں

سے ہوگیا ـــــ پس اللہ نے ایک کوّا بھیجا، جو زمین کرید رہا ہے، تاکہ اس کو دکھلائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے؟ ـــــ اس نے کہا: ہائے میری کم بختی! کیا میں اس کوّے سے بھی گیا گذرا ہوگیا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپاتا! چنانچہ وہ پشیمان ہوکر رہ گیا!

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ	بایں وجہ	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	جَمِيْعًا	ساروں کو
		فَكَاَنَّمَا	تو گویا	وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے
كَتَبْنَا	لکھا ہم نے	قَتَلَ	قتل کیا اس نے	جَاۗءَتْهُمْ	پہنچے ان کے پاس
عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	بنی اسرائیل پر	النَّاسَ	لوگوں کو	رُسُلُنَا	ہمارے رسول
		جَمِيْعًا	سب کو	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح دلائل کے ساتھ
اَنَّهٗ	کہ شان یہ ہے	وَمَنْ	اور جس نے	ثُمَّ اِنَّ	پھر بے شک
مَنْ قَتَلَ	جس نے قتل کیا	اَحْيَاهَا	زندہ کیا کسی نفس کو	كَثِيْرًا مِّنْهُمْ	بہت سے ان میں سے
نَفْسًا	کسی شخص کو	فَكَاَنَّمَآ	تو گویا	بَعْدَ ذٰلِكَ	اس کے بعد
بِغَيْرِ نَفْسٍ	کسی شخص کے بغیر	اَحْيَا	زندہ کیا اس نے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
اَوْ فَسَادٍ	یا فساد (کے بغیر)	النَّاسَ	لوگوں کو	لَمُسْرِفُوْنَ	حد سے بڑھنے والے ہیں

انسانی زندگی کا احترام

بلاوجہ کسی انسان کا قتل سنگین گناہ ہے

یہ ضمنی مضمون ہے، قابیل کے قتل پر متفرع ہے، اور ﴿ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ﴾ میں معانقہ ہے، معانقہ عُنق (گردن) سے باب مفاعلہ ہے، اس میں اشتراک ہوتا ہے، اگر دائیں گردن دائیں گردن سے ملائی جائے تو آدھا معانقہ ہے، پھر

بائیں گردن بائیں گردن سے ملائی جائے تو پورا معانقہ ہے، بس، تیسری مرتبہ گردن ملانے کی ضرورت نہیں۔

اور قرآنِ کریم میں معانقہ یہ ہے کہ کسی ٹکڑے کا دونوں طرف کے مضمون سے تعلق ہو، جیسے سورۃ البقرۃ کی دوسری آیت ﴿ فِيْهِ ﴾ میں معانقہ ہے، اس کا تعلق ﴿ لَا رَيْبَ ﴾ کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے، اور ﴿ هُدًى ﴾ کے ساتھ بھی، پہلی صورت میں مطلب ہوگا: قرآن میں ادنی شک نہیں، اور دوسری صورت میں مطلب ہوگا: قرآن میں پرہیزگاروں کے لئے راہ نمائی ہے، اور قرآن میں معانقہ کی علامت پہلے اور بعد میں تین تین نقطے ہیں۔

اور یہاں ﴿ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ﴾ میں معانقہ ہے، اس کا تعلق ﴿ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴾ کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے، اور ﴿ كَتَبْنَا ﴾ کے ساتھ بھی، پہلی صورت میں ﴿ ذٰلِكَ ﴾ کا مشار الیہ کوّے کی راہ نمائی ہوگی، اور دوسری صورت میں قتل کا واقعہ مشار الیہ ہوگا، پہلی صورت میں مطلب ہوگا: کوے کی راہ نمائی کی وجہ سے قابیل پشیمان ہوا کہ میرے پاس اس پرندے جتنی بھی عقل نہیں! اور دوسری صورت میں مطلب ہوگا کہ انسانوں میں قتل شروع ہوگیا، اس لئے تورات میں وعید نازل ہوئی۔

سوال: قتلِ ناحق کی سنگینی تو ہمیشہ سے ہے، پھر تورات کی تخصیص کیوں کی؟

جواب: تورات سے پہلے کے صحیفے موجود نہیں، آج اللہ کی کتابوں میں سے تورات ہی موجود ہے، اس لئے اس کا حوالہ دیا، پس سابقہ کتابوں کی نفی نہیں کی کہ ان میں یہ مضمون نہیں تھا۔

تفسیر: بایں وجہ: یعنی قابیل نے بھائی کو ناحق قتل کیا اور انسانوں میں ناحق قتل کا سلسلہ شروع ہوا تو تورات میں یہ مضمون اتارا کہ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرتا ہے وہ انسانی زندگی کا احترام نہیں جانتا، پس وہ بہت سے انسانوں کو قتل کرسکتا ہے، حدیث شریف میں ایک اسرائیلی کا واقعہ ہے، اس نے ننانوے قتل کئے تھے، پھر توبہ کرنی چاہی، ایک بزرگ سے مسئلہ پوچھا کہ میری توبہ قبول ہوگی؟ اس نے جواب دیا: نہیں، ایک قتل بخشا نہیں جاتا، ننانوے کیسے بخشے جائیں گے؟ اس نے اس بزرگ کو بھی قتل کردیا، اور سو کی تعداد پوری کرلی (بخاری شریف حدیث ۳۴۷۰) اسی طرح قاتل جیل سے نکلتے ہی قتل کرتا ہے، اس کے نزدیک انسانی زندگی کا کوئی احترام نہیں —— اور جو شخص انسانی زندگی کی اہمیت اور حرمت سمجھتا ہے وہ لوگوں کی جانیں بچاتا ہے، خود کو خطرہ میں ڈالتا ہے اور ڈوبتے کو بچاتا ہے، یہ سب کو زندہ کرنا ہے۔

یہ بلیغ مضمون تورات میں نازل کیا، پھر بنی اسرائیل میں مسلسل انبیاء مبعوث ہوتے رہے، ان کے پاس نبوت کے واضح دلائل ہوتے تھے، وہ لوگوں کو یہ بات یاد دلاتے رہتے تھے، مگر افسوس! اکثر لوگ یاددہانی کے باوجود ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہے، انبیاء کو قتل کرتے رہے، اور آخر میں سید المرسلین ﷺ کے قتل کا پلان بنایا، مگر اللہ نے اپنے حبیب کی حفاظت کی! —— البتہ قتلِ عمد کے قصاص میں یا باغیوں اور ڈاکوؤں کو قتل کرنا جائز ہے۔

فائدہ: گذشتہ شریعتوں کی کوئی بات بغیر نکیر کے قرآن وحدیث میں نقل کی جائے تو وہ حکم ہمارے لئے بھی ہوتا ہے۔

آیتِ پاک: بایں وجہ: ہم نے بنی اسرائیل پر لکھا کہ جس نے کسی شخص کو قتل کیا ـــــ بغیر کسی کو قتل کئے ہوئے، اور بغیر زمین میں فساد کرتے ہوئے ـــــ تو گویا اس نے سبھی انسانوں کو قتل کیا، اور جس نے کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے سبھی انسانوں کی جان بچائی! ـــــ اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ان کے پاس ہمارے رسول پہنچے، کھلی دلیلوں کے ساتھ، پھر بھی ان کی اکثریت بعثتِ انبیاء کے بعد بھی زمین میں حد سے بڑھتی رہی!

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا۟ عَلَيْهِمْ ۖ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾ ع

اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	اَوْ تُقَطَّعَ	یا کاٹے جائیں	عَذَابٌ	سزا ہے
جَزٰٓؤُا	سزا	اَيْدِيْهِمْ	ان کے ہاتھ	عَظِيْمٌ	بڑی
الَّذِيْنَ	ان کی جو	وَاَرْجُلُهُمْ	اور ان کے پاؤں	اِلَّا الَّذِيْنَ	مگر جنھوں نے
يُحَارِبُوْنَ	لڑتے ہیں	مِّنْ خِلَافٍ	مخالف جانب سے	تَابُوْا	توبہ کرلی
اللّٰهَ	اللہ	اَوْ يُنْفَوْا (۲)	یا دور کردیئے جائیں وہ	مِنْ قَبْلِ اَنْ (۳)	تمہارے قابو پانے
وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول سے	مِنَ الْاَرْضِ	زمین سے	تَقْدِرُوْا	سے پہلے
وَيَسْعَوْنَ	اور دوڑتے ہیں	ذٰلِكَ لَهُمْ	یہ ان کے لئے	عَلَيْهِمْ	ان پر
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	خِزْيٌ	رسوائی ہے	فَاعْلَمُوْٓا	تو جان لو
فَسَادًا (۱)	فساد مچاتے ہوئے	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا	کہ قتل کئے جائیں وہ	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
اَوْ يُصَلَّبُوْٓا	یا سولی دیئے جائیں	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں

(۱) فسادًا: یسعون کی ضمیر سے حال ہے اور مفعول لہٗ بھی ہوسکتا ہے، ترجمہ حال کا کیا ہے (۲) نَفَی الشیئَ (ض) نَفْیًا: ہٹانا۔ دور کرنا۔ (۳) أن: مصدریہ ہے۔

اپنے بھی دشمن ہوتے ہیں: اس کی ایک مثال

باغیوں اور راہ زنوں کی سزائیں

کچھ لوگ حکومت کے خلاف بغاوت کرتے ہیں، اور مسلمانوں کا قتل شروع کرتے ہیں، اور کچھ لوگ راہ زنی کا پیشہ اختیار کرتے ہیں، اور لوگوں کو مارتے کاٹتے اور لوٹتے ہیں: ان باغیوں اور راہ زنوں سے سختی کے ساتھ نمٹا جائے، یہ اپنے ہیں یعنی مسلمان ہیں، مگر مسلمانوں کو پریشان کرتے ہیں، اس لئے وہ دشمن ہیں، ان کے لئے چار سزائیں ہیں، یا تو ان کو تہہ تیغ کردیا جائے، یا ان کو سولی پر لٹکا دیا جائے، یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پیر کاٹ کر ان کا علاج کرلیا جائے، یا ان کو پابند سلاسل کردیا جائے، تاکہ زمین ان کے شروفساد سے محفوظ ہوجائے، البتہ جو لوگ قابو میں آنے سے پہلے توبہ کرلیں ان کو سزا نہ دی جائے۔

اور باغیوں اور راہ زنوں کے لئے سخت سزا اس لئے ہے کہ وہ چور کی طرح تنہا نہیں ہوتے، ان کا بڑا اجتماع ہوتا ہے، اور ان میں دلیری اور بے باکی ہوتی ہے، اس لئے وہ بے پرواہ ہوکر مار دھاڑ کرتے ہیں، اور لوگوں کے اموال لوٹتے ہیں، اس لئے ان کا فساد چوروں کے فساد سے زیادہ سخت ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ ان کی سزائیں چوروں کی سزا سے بھاری ہوں۔

پھر مجتہدین میں دو باتوں میں اختلاف ہوا:

ایک: آیت میں حرفِ أو کیسا ہے؟ تقسیم کے لئے ہے یا تخییر کے لئے؟ جمہور کے نزدیک تقسیم کے لئے ہے، پس اگر باغیوں اور راہ زنوں نے صرف قتل کیا ہے، مال نہیں لوٹا تو ان کو قتل کیا جائے، اور مال بھی لوٹا ہے تو ان کو سولی دی جائے، اور صرف مال لوٹا ہے تو مخالف جانب سے ہاتھ پیر کاٹے جائیں، یعنی دایاں ہاتھ پہنچے سے اور بایاں پیر ٹخنہ سے کاٹ دیا جائے، اور پہلے دورانِ خون روک لیا جائے، پھر علاج کرکے دونوں کو ٹھیک کرلیا جائے، اور اگر صرف ڈرایا دھمکایا ہے، نہ قتل کیا ہے نہ مال لوٹا ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو قید میں ڈال دیا جائے، تا آنکہ وہ سچی توبہ کرے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو جلاوطن کردیا جائے۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک أو تخییر کے لئے ہے، یعنی چند چیزوں میں اختیار دینے کے لئے ہے، پس امیر المؤمنین کو اختیار ہے: باغیوں اور ڈاکوؤں کی قوت وشوکت اور جرم کی شدت وخفت پر نظر کرکے جو سزا مناسب سمجھے دے۔

دوم: چوتھی سزا زمین سے دور کرنا ہے، اس کا مطلب امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک قید کرنا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ملک بدر کرنا ہے۔

آیتِ کریمہ: ان لوگوں کی سزا یہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے برسرِ پیکار ہیں —— یعنی مسلمانوں سے لڑتے

ہیں —— اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں کہ وہ قتل کئے جائیں، یا سولی پر لٹکائے جائیں، یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پیر کاٹے جائیں، یا وہ زمین سے دور کئے جائیں، یہ دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے!

مگر جن لوگوں نے تمہارے ان پر قابو پانے سے پہلے توبہ کرلی تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں —— یعنی ان کو کوئی سزا مت دو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	فِيْ سَبِيْلِهٖ	اس کی راہ میں	جَمِيْعًا	سارا
اٰمَنُوا	ایمان لائے	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	وَّمِثْلَهٗ	اور اس کے مانند
اتَّقُوا اللّٰهَ	ڈرو اللہ سے	تُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہوؤ	مَعَهٗ	اس کے ساتھ
وَابْتَغُوْٓا	اور ڈھونڈو	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جنھوں نے	لِيَفْتَدُوْا (۲)	تاکہ فدیہ دیں وہ
اِلَيْهِ	ان سے	كَفَرُوْا	اسلام قبول نہیں کیا	بِهٖ	اس کے ذریعہ
الْوَسِيْلَةَ (۱)	قُرب (نزدیکی)	لَوْ اَنَّ لَهُمْ	اگر ہو ان کے لئے	مِنْ عَذَابِ	عذاب سے
وَجَاهِدُوْا	اور لڑو	مَّا فِي الْاَرْضِ	جو کچھ زمین میں ہے	يَوْمِ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن

(۱) الوسيلة: مصدر اور اسم، وَسَلَ يَسِلُ وَسْلاً: پہنچنا، نزدیکی حاصل کرنا، الوسیلۃ: ذریعہ، جیسے کنویں میں پانی تک پہنچنے کا ذریعہ ڈول رسّی ہے، پس وہ وسیلہ ہے، جملہ طاعات بھی اللہ کے قرب کا ذریعہ ہیں اس لئے وہ وسیلہ ہیں، اور شفاعتِ کبریٰ کا مقام بھی اللہ کے قرب کا خاص مقام ہے اس لئے اس کو وسیلہ کہا گیا ہے۔ (۲) افتَدَى الأسيرَ: قیدی کو مال دے کر چھڑانا، الفِدَاء: جان بچانے یا آزاد کرانے کے لئے دیا جانے والا مال وغیرہ، فدیہ، بدل تقصیر، عبادت میں کوتاہی یا غلطی کا بدل جو اللہ کو پیش کیا جائے، جیسے روزے کا فدیہ یا حج میں جنایت کا کفارہ۔

مَا تُقُبِّلَ	نہیں قبول کیا جائے گا	يُرِيْدُوْنَ	چاہیں گے وہ	بِخٰرِجِيْنَ	نکلنے والے
مِنْهُمْ	ان سے	اَنْ يَّخْرُجُوْا	نکلنا	مِنْهَا وَ لَهُمْ	اس سے اوران کیلئے
وَلَهُمْ	اوران کے لئے	مِنَ النَّارِ	دوزخ سے	عَذَابٌ	عذاب ہے
عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک سزا ہے	وَمَا هُمْ	اورنہیں ہونگے	مُّقِيْمٌ	دائمی

فتنہ ختم کرنے کے لئے جہاد ضروری ہے

دشمن: خواہ کوئی ہو، مشرک ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو، باغی ہوں، یا چور ڈاکو ہوں: اگر فتنہ پیدا کریں اور مسلمانوں کا جینا حرام کردیں تو ان سے لوہالینا ضروری ہے، فتنہ پردازوں کا زور توڑا جائے تاکہ مسلمان سکون کا سانس لیں، اور جہاد نیک مسلمان کریں، جواللہ سے ڈرتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں، تقوی: گناہوں سے بچنے کا نام ہے، اور جہاد کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، وسیلہ تمام طاعات ہیں، ان کا ایک فرد جہاد ہے، نیک مسلمان جہاد کر کے اللہ کی نزدیکی حاصل کریں، اور جہاد کا دوسرا فائدہ کامیابی ہے، فتنہ ختم ہوجاتا ہے اور مسلمانوں کو چین نصیب ہوتا ہے۔

اور سب سے بڑا فتنہ کفر وشرک ہے، جہاد کے نتیجہ میں بہت سے بندوں کو دولتِ ایمان نصیب ہوتی ہے، حدیث میں ہے کہ اللہ کو وہ بندے پسند ہیں جو بیڑیوں میں جنت میں جاتے ہیں، یعنی جہاد میں گرفتار ہوکر آئے اور دولتِ ایمان مل گئی اور جنت میں پہنچ گئے!

اور اگر جہاد میں منکرینِ اسلام کا ہاتھ اونچا ہوگیا تو کیا ہوا؟ دنیا چندروزہ ہے، جھاگ پانی پر چھاتا ہے تو کیا وہ قیمتی چیز بن جاتا ہے؟ آخرت میں ان کے لئے کوئی کامیابی نہیں، دوزخ کی آگ ان کے لئے تیار ہے، آخرت میں اگر ان کے پاس زمین بھر کر دولت ہو، بلکہ دوگنی ہو، اور وہ عذابِ دوزخ سے بچنے کے لئے اس کو فدیہ میں دینا چاہیں تو ان سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی، اور ان کو دردناک عذاب سے سابقہ پڑے گا، وہ بار بار دوزخ سے نکلنے کی کوشش کریں گے، مگر ہر بار اندر دھکیل دیئے جائیں گے، کبھی وہاں سے نکلنا نصیب نہ ہوگا، وہ وہاں دائمی عذاب میں رہیں گے۔

آیتِ کریمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو! —— یعنی گناہوں سے بچو —— اور اس کی نزدیکی حاصل کرو —— یعنی طاعات اور فرماں برداری کے ذریعہ اس کا قرب ڈھونڈو —— اور اس کی راہ میں لڑو —— یہ طاعات کا ایک اعلی فرد ہے —— تاکہ تم (دارین میں) کامیاب ہوؤ!

بے شک جو لوگ ایمان نہیں لائے، اگر ان کے پاس تمام وہ چیزیں ہوں جو زمین میں ہیں، اور اتنی ہی اور بھی، تاکہ وہ ان کے ذریعہ قیامت کے دن عذاب سے بچ جائیں تو وہ ان سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی، اور ان کو دردناک عذاب

سے سابقہ پڑے گا — وہ چاہیں گے کہ دوزخ سے نکل جائیں، مگر وہ اس سے نکلنے والے نہیں، اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے!

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

وَ السَّارِقُ	اور چوری کرنے والا مرد	فَمَنْ تَابَ	پس جس شخص نے توبہ کرلی	لَهٗ مُلْكُ	کے لئے حکومت ہے
وَ السَّارِقَةُ	اور چوری کرنے والی عورت	مِنْۢ بَعْدِ	اس کے حق تلفی کرنے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
فَاقْطَعُوْٓا	پس کاٹو تم	ظُلْمِهٖ	کے بعد	وَ الْاَرْضِ	اور زمین کی
اَيْدِيَهُمَا	دونوں کے ہاتھ	وَ اَصْلَحَ (۲)	اور سنور گیا	يُعَذِّبُ	سزا دیتے ہیں
جَزَآءًۢ	سزا کے طور پر	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ تعالیٰ	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
بِمَا كَسَبَا	ان کی کمائی کی	يَتُوْبُ عَلَيْهِ	توجہ فرمائیں گے اسکی طرف	وَ يَغْفِرُ	اور معاف کرتے ہیں
نَكَالًا (۱)	عبرت کے طور پر	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	لِمَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
عَزِيْزٌ	زبردست	اَلَمْ تَعْلَمْ	کیا آپ جانتے نہیں	قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے
حَكِيْمٌ	بڑے حکمت والے ہیں	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ		والے ہیں

چوری کی سزا

بغاوت اور ڈکیتی کی سزا کے بعد اب چوری کی سزا بیان فرماتے ہیں، چوری کی سزا پہنچے سے دایاں ہاتھ جدا کرنا ہے، پہلے دورانِ خون بند کر دیا جائے گا، پھر ہاتھ سُن کرلیں گے، پھر کاٹ دیں گے، پھر علاج کریں گے، جب ہاتھ درست ہوگا

(۱) النکال: اسم: عبرتناک سزا (۲) أصلح: لازم: سنور گیا، متعدی: خود کو سنوار لیا۔

تو رخصت کریں گے، اور چوری کی تمام صورتوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، بلکہ یہ سزا اس صورت میں نافذ کی جاتی ہیں جب چوری کی حقیقت اور شرائط متحقق ہوں، اور وہ یہ ہیں:

۱- چُرایا ہوا مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، چرانے والے کی نہ اس میں ملکیت ہو، نہ ملکیت کا شبہ۔

۲- مال محفوظ ہو، مقفّل ہو، یا ایسی جگہ ہو جہاں نہ آنے کی اجازت ہو نہ مال لینے کی۔

۳- بے اجازت لے، اگر اجازت کا شبہ بھی پیدا ہو جائے گا تو حد جاری نہیں ہوگی۔

۴- چپکے سے لے، علانیہ لینا سرقہ نہیں، غصب ہے۔

۵- قیمتی چیز لے، شرعاً یا عرفاً جو چیزیں معمولی سمجھی جاتی ہیں: ان کا لینا سرقہ نہیں۔

۶- بقدر نصاب چرائے، اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

نوٹ: جن صورتوں میں حد جاری نہیں ہوتی ان میں بھی قاضی اپنی صوابدید سے تعزیر کرے گا، کیونکہ کسی کا مال بے اجازت لینا حرام ہے۔

نصابِ سرقہ: کتنی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک نصابِ سرقہ چوتھائی دینار یا تین درہم ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک ایک دینار یا دس درہم ہیں۔

جاننا چاہئے کہ نبی ﷺ سے اس سلسلہ میں کہ کتنی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے؟ کوئی تقدیر (اندازہ) مروی نہیں، صرف یہ مروی ہے کہ ایک شخص نے ڈھال چرائی تو آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹا، پھر اس ڈھال کی قیمت کا اندازہ کرنے میں صحابہ میں اختلاف ہوا، چوتھائی دینار بھی اس کا اندازہ کیا گیا، تین درہم بھی اور اس کے علاوہ بھی۔ اور ابن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم نے دس درہم اندازہ کیا، علاوہ ازیں ایک ضعیف روایات میں یہ ارشاد نبوی مروی ہے: **لاقَطْعَ إلَّا فِيْ عَشْرَةِ دراھم** یعنی دس درہم ہی میں ہاتھ کاٹا جائے، حنفیہ نے اس روایت کو اور ابن عباس وغیرہ نے جو ڈھال کی قیمت کا اندازہ کیا ہے: اس کو لیا ہے، یہ روایت اگرچہ کمزور ہے اور چوتھائی دینار اور تین درہم والی روایات اصح مافی الباب ہیں مگر احناف نے یہ روایت دو وجہ سے لی ہے: ایک: چوتھائی دینار اور تین درہم والی روایات دس درہم والی روایت کے ضمن میں خود بخود آ جاتی ہیں اس لئے ان پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ دوم: حدود میں احتیاط ضروری ہے اور احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ جو صورت حد کو ہٹانے والی ہو اس کو اختیار کیا جائے، مثلاً ایک شخص نے پانچ درہم چرائے، پس اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، اب فرض کرو: نفس الامر میں قطع ید کی سزا لازم نہیں تھی اس وجہ سے کہ نصاب سرقہ دس درہم ہے تو یہ حد جاری کرنے میں غلطی ہوئی اور اگر نفس الامر میں قطع ید کی سزا لازم تھی پھر بھی ہاتھ نہ کاٹا گیا تو یہ حد

جاری نہ کرنے میں غلطی ہوئی، اور یہی بہتر ہے۔ پہلے یہ حدیث گذری ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں سے حدود کو ہٹاؤ، اگر مجرم کے لئے کوئی بچنے کی راہ ہو تو اس کو چھوڑ دو، کیونکہ حاکم معاف کرنے میں غلطی کرے یہ بہتر ہے اس سے کہ سزا دینے میں غلطی کرے'' اس لئے احناف نے دس درہم نصاب سرقہ تجویز کیا ہے۔

سوال: ہاتھ کی دیت پانچ سو دینار ہے، پھر دس درہم یا ایک دینار چرانے میں ہاتھ کیوں کاٹا جاتا ہے؟

جواب: جو ہاتھ امین تھا وہ قیمتی تھا، جب چوری کر کے خائن ہوا تو بے قیمت ہو گیا!

سزا سے سزا کا ہوّا بہتر ہے: حدّ: وہ شرعی سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، جس میں رورعایت یا تبدیلی کا کسی کو کوئی حق نہیں۔ ایسی سزائیں صرف چار ہیں: زنا کی سزا، چوری کی سزا، تہمت لگانے کی سزا اور شراب پینے کی سزا، اول تین کا ذکر قرآنِ کریم میں ہے اور چوتھی کا حدیثوں میں، ان چار جرائم کے علاوہ دیگر جرائم کی سزائیں قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں، یہی وہ چار سزائیں ہیں جن کے بارے میں اغیار اور دانشور شور مچاتے ہیں کہ اسلام میں سخت سزائیں ہیں، بے شک یہ سخت سزائیں ہیں، مگر ان کو جاری کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے، کیونکہ ان سزاؤں کا ہوّا ایسا ہے کہ شیطان صفت لوگ سہمے رہتے ہیں، اور سزا سے بہتر سزا کا ہوّا ہے، پھر جو سزا جتنی مشکل ہے اس کا ثبوت بھی اتنا ہی مشکل ہے، زنا کے ثبوت کے لئے چار عینی گواہ ضروری ہیں، جبکہ زنا برسرِ عام نہیں کیا جاتا، پس اس کا ثبوت بھی مشکل ہے، اس لئے سزا جاری کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے، آپ سعودیہ اور یورپ وامریکہ کے جرائم کا تناسب دیکھیں، آپ حیرت میں رہ جائیں گے، یہ ہلکی سزاؤں اور سخت سزاؤں کے خوف کا اثر ہے، تفصیل کے لئے تحفۃ الالمعی (۳۵۴:۴) دیکھیں۔

چور کی گواہی: چور سزا جاری ہونے کے بعد توبہ کر لے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اسی طرح ہر حد جاری کیا ہوا: جب توبہ کر لے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، البتہ حنفیہ کے نزدیک محدود در قذف کی گواہی توبہ کے بعد بھی مقبول نہیں، کیونکہ اس کی گواہی قبول نہ کرنا اس کی سزا کا جزء ہے۔

آیاتِ کریمہ: چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت: پس دونوں کے ہاتھ کاٹو، ان کی بدکرداری کے بدلہ میں، اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا کے طور پر، اور اللہ تعالیٰ زبردست بڑی حکمت والے ہیں —— وہ زبردست ہیں جو چاہیں سزا تجویز کریں، اور اس سزا میں بڑی حکمت ہے، جو بھی کٹا ہوا ہاتھ دیکھے گا چوری کی ہمت نہیں کرے گا، اور لوگ کٹے ہوئے ہاتھ والے کو دیکھ کر اپنے سامان کی حفاظت کریں گے۔

پس جو شخص اپنی غلط کاری کے بعد توبہ کر لے، اور اپنی اصلاح کر لے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ فرمائیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے مہربان ہیں —— معلوم ہوا کہ حدود زواجر ہیں، کفارات نہیں، گناہ کی معافی کے لئے توبہ ضروری ہے۔

کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں؟ سزا دیتے ہیں جسے چاہتے ہیں، اور بخشتے ہیں جسے چاہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ ٱلَّذِينَ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْكُفْرِ مِنَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا بِأَفْوَٰهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ ۛ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّٰعُونَ لِقَوْمٍ ءَاخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ ٱلْكَلِمَ مِنۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهِۦ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَٱحْذَرُوا۟ ۚ وَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ فِتْنَتَهُۥ فَلَن تَمْلِكَ لَهُۥ مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَمْ يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا خِزْىٌ ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّٰلُونَ لِلسُّحْتِ ۚ فَإِن جَآءُوكَ فَٱحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِن تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَن يَضُرُّوكَ شَيْـًٔا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَٱحْكُم بَيْنَهُم بِٱلْقِسْطِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ ٱلتَّوْرَىٰةُ فِيهَا حُكْمُ ٱللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَآ أُو۟لَٰٓئِكَ بِٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٣﴾ ع۹

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ	اے پیغمبر	مِنَ الَّذِينَ (۳)	ان لوگوں سے جنھوں نے	قُلُوبُهُمْ	ان کے دل
لَا يَحْزُنْكَ (۱)	نہ رنجیدہ کریں آپ کو	قَالُوا	کہا	وَمِنَ الَّذِينَ (۴)	اور ان لوگوں میں سے
الَّذِينَ	وہ لوگ جو	آمَنَّا	ایمان لائے ہم		جنھوں نے
يُسَارِعُونَ (۲)	دوڑ کر گرتے ہیں	بِأَفْوَاهِهِمْ	اپنے مونہوں سے	هَادُوا	یہودیت اختیار کی
فِي الْكُفْرِ	کفر میں	وَلَمْ تُؤْمِنْ	جبکہ نہیں ایمان لائے	سَمَّاعُونَ (۵)	وہ بہت زیادہ سننے والے ہیں

(۱) حَزَنَ (ن) حَزْنًا: غمگین کرنا، رنجیدہ کرنا (۲) سَارَعَ إلى كذا: سبقت کرنا، لپکنا، دوڑ کر پہنچ جانا، فی صلہ یقعون کے معنی کی تضمین کی وجہ سے آیا ہے، الذین یسارعون: لایحزنك کا فاعل ہے (۳) من الذین: مِن: بیانیہ ہے، یسارعون کے فاعل کا بیان ہے، یعنی دوڑ کر کفر میں گرنے والے منافقین ہیں (۴) یہ دوسرا من الذین: پہلے من الذین پر معطوف ہے (۵) سمعون: ھادوا کی پہلی صفت ہے ھم مبتدا محذوف کی خبر ہو کر۔

لِلْكَذِبِ	جھوٹی باتوں کو	لَهٗ	اس کے لئے	جَآءُوْكَ	آئیں وہ آپؐ کے پاس
سَمّٰعُوْنَ[1]	بہت زیادہ سننے والے ہیں	مِنَ اللّٰهِ[4]	اللہ کے بدل	فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ	تو آپؐ ان کے درمیان
لِقَوْمٍ	ایک دوسری جماعت	شَيْـًٔا	کسی چیز کے		فیصلہ کریں
اٰخَرِيْنَ	کی باتوں کو	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ	اَوْ اَعْرِضْ	یا آپؐ ٹلائیں
لَمْ يَاْتُوْكَ[2]	جو آپؐ کے پاس نہیں آئی	الَّذِيْنَ	جو	عَنْهُمْ	ان کو
يُحَرِّفُوْنَ[3]	بدلتے ہیں وہ	لَمْ يُرِدِ	نہیں چاہا	وَاِنْ تُعْرِضْ	اور اگر ٹلائیں آپؐ
الْكَلِمَ	باتوں کو	اللّٰهُ	اللہ نے	عَنْهُمْ	ان کو
مِنْۢ بَعْدِ	ان کے مواقع کے بعد سے	اَنْ يُّطَهِّرَ	پاک کرنا	فَلَنْ	تو ہرگز نہیں
مَوَاضِعِهٖ		قُلُوْبَهُمْ	ان کے دلوں کو	يَّضُرُّوْكَ	نقصان پہنچائیں گے
يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ	لَهُمْ	ان کے لئے		وہ آپؐ کو
اِنْ اُوْتِيْتُمْ	اگر دیئے جاؤ تم	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	شَيْـًٔا	کچھ بھی
هٰذَا	یہ (سزا)	خِزْيٌ	رسوائی ہے	وَاِنْ حَكَمْتَ	اور اگر فیصلہ کریں آپؐ
فَخُذُوْهُ	تو لو اس کو	وَّلَهُمْ	اور ان کے لئے	فَاحْكُمْ	تو فیصلہ کریں
وَاِنْ لَّمْ	اور اگر نہ	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
تُؤْتَوْهُ	دیئے جاؤ تم وہ	عَذَابٌ عَظِيْمٌ	بڑی سزا ہے	بِالْقِسْطِ	انصاف سے
فَاحْذَرُوْا	تو بچو تم	سَمّٰعُوْنَ	بہت زیادہ سننے والے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
وَمَنْ يُّرِدِ	اور جو شخص چاہیں	لِلْكَذِبِ	جھوٹی باتوں کو	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اَكّٰلُوْنَ	بہت زیادہ کھانے والے	الْمُقْسِطِيْنَ	انصاف کرنے والوں کو
فِتْنَتَهٗ	اس کی گمراہی	لِلسُّحْتِ[5]	حرام مال کو	وَكَيْفَ[6]	اور کیسے
فَلَنْ تَمْلِكَ	تو ہرگز مالک نہیں آپؐ	فَاِنْ	پس اگر	يُحَكِّمُوْنَكَ	فیصلہ کراتے ہیں وہ آپؐ

(۱) دوسرا سمعون: ھادوا کی دوسری صفت ہے (۲) لم یأتوك: قوم کی دوسری صفت ہے (۳) یحرفون بھی قوم کی تیسری صفت ہے۔ (۴) من اللّٰہ: مِن: عوض کا ہے بمعنی بدل، جیسے: ﴿ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ﴾: کیا تم نے آخرت کے بدل دنیوی زندگی کو پسند کرلیا ہے؟ (۵) سُحت: حرام مال جو دین کو مونڈ دیتا ہے (۶) کیف: استفہام انکاری ہے۔

وَعِنْدَهُمُ	جبکہ ان کے پاس	حُكْمُ اللهِ	اللہ کا حکم ہے	مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ	اس کے بعد
التَّوْرٰىةُ	تورات ہے	ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ	پھر روگردانی کرتے	وَمَا أُولٰئِكَ	اور نہیں ہیں وہ
فِيْهَا	اس میں		ہیں وہ	بِالْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان دار

تحریف بھی معنوی چوری ہے، جس کی سزا آخرت میں ملے گی (پہلی مثال)

ربط: گذشتہ آیات میں اموال کی چوری کی دنیوی سزا بیان کی تھی، یہ حسّی چوری تھی، جو جرم ہے، مگر آخری درجہ کا جرم نہیں، اب ان آیات میں معنوی چوری کا ذکر ہے، یعنی اللہ کی کتابوں کے احکام کو بدل دینا، تحریف کرنا، یہ بڑی بھاری چوری ہے، اس لئے اس کی سزا آخرت میں ملے گی۔

جو گناہ بھاری ہوتے ہیں ان کی سزا آخرت میں ملتی ہے، اس لئے کہ دنیا کی سزا ہلکی ہے، وہ ہلکے گناہوں کے مناسب ہے، دنیا فانی ہے، پس اس کی سزا بھی ختم ہوجانے والی ہے، اور آخرت ابدی ہے، پس اس کی سزا بھی دائمی ہے، اس لئے وہ بھاری سزا ہے، جو بھاری گناہوں کے مناسب ہے۔

مثلاً: کفر وشرک کی سزا آخرت میں دائمی جہنم ہوگی، یمین غموس بھاری گناہ ہے، حنفیہ کے نزدیک کفارہ سے وہ گناہ نہیں مٹ سکتا، یا توبہ کرے یا آخرت میں سزا پائے گا، اسی طرح تفسیر بالرائے بھاری گناہ ہے، یعنی نظریہ قائم کرکے نصوص کو توڑ مروڑ کر اس کے مطابق کرنا بھی تحریف ہے، جو سنگین گناہ ہے، اس کی سزا ہے: فَلْيَتَبَوَّأْ مقعده من النار: وہ اپنی سیٹ جہنم میں ریزرو کرالے!

اور قرآنِ کریم کا اسلوب یہ ہے کہ جب وہ کوئی مضمون بیان کرنا شروع کرتا ہے تو اس کو ضروری حد تک پھیلاتا ہے، ضمنی باتیں بھی بیان کرتا ہے، اور قرآن فہمی کے لئے عام طور پر شانِ نزول کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر جہاں آیت میں کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہو وہاں شانِ نزول کا جاننا ضروری ہے، ان آیات میں ایک واقعہ کی طرف اشارات ہیں، اس لئے پہلے وہ واقعہ پڑھ لیں۔

واقعہ: خیبر کے ایک یہودی اور یہودیہ نے زنا کیا، دونوں شادی شدہ تھے، اس کی سزا تورات میں سنگساری تھی، مگر یہود میں ان کو سزا دینے کے بارے میں اختلاف ہوا، وہ لوگ شریف کو کچھ سزا دیتے تھے اور رذیل کو کچھ، زانی زانیہ بڑے لوگ تھے یا معمولی؟ اس میں اختلاف ہوا، انھوں نے سوچا کہ نبی ﷺ کی شریعت میں آسانی ہے اس لئے اس کا فیصلہ ان سے کرایا جائے، تاکہ وہ اللہ کے سامنے یہ عذر کرسکیں کہ یہ آپ کے نبی ﷺ کا فیصلہ تھا، پس آپ جانیں اور وہ جانیں!

پھر ان کے بڑے تو آئے نہیں، چھوٹوں کو زانی زانیہ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا، مدینہ کے یہودی منافق بھی ان کے ساتھ

ہو گئے، ان عوام کو ان کے بڑوں نے سمجھا دیا تھا کہ اگر نبی ﷺ کالا منہ کر کے تشہیر کرنے کا فیصلہ کریں تو اس پر عمل کرنا، اور سنگساری کا فیصلہ کریں تو اس پر عمل مت کرنا۔

یہ مقدمہ آپؐ کے پاس آیا، آپؐ نے پوچھا: تمہاری شریعت میں شادی شدہ کے زنا کی کیا سزا ہے؟ انھوں نے کہا: زانی زانیہ کا منہ کالا کر کے ان کی تشہیر کی جاتی ہے، آپؐ کو وحی سے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی سزا تورات میں سنگساری ہے، یہ آیات نازل ہو چکی تھیں، چنانچہ آپؐ نے فرمایا: تورات لاؤ! تورات لائی گئی، اور خیبر میں فدک نامی گاؤں کے ایک بڑے یہودی عالم: عبداللہ بن صوریا کو بلایا گیا، اس نے پڑھنا شروع کیا، وہ رجم کی آیت چھوڑ گیا، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے چوری پکڑی کہ بیچ کی ایک آیت کیوں چھوڑی؟ عبداللہ بن صوریا کو مجبوراً وہ آیت پڑھنی پڑی، اس میں سنگسار کرنے کا حکم تھا، ابن صوریا نے کہا: ہم نے اس حکم میں تبدیلی کر دی ہے، جب یہود میں بڑے لوگ زنا کرنے لگے تو بڑے لوگوں نے سزا میں تخفیف کر دی، اب ہم زانی زانیہ کا منہ کالا کر کے گدھے پر الٹا بٹھا کر شہر میں گھماتے ہیں! —— پس نبی ﷺ نے حکم دیا کہ تورات کے حکم کے مطابق دونوں کو سنگسار کر دیا جائے، اور فرمایا: ''میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے اس حکم کو زندہ کیا جس کو تم نے مار دیا تھا!''

تفسیر: مدینہ کے یہود میں نفاق بہت تھا، اور کٹّر کافر بھی بہت تھے، اور خیبر کے یہودی تو سارے کافر تھے، ان کا ذکر ہے کہ جو لوگ بگ ٹٹ دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں، یعنی کافر یہودیوں سے پینگیں لڑاتے ہیں، ان سے راہ و رسم رکھتے ہیں، اگرچہ وہ زبان سے کہتے ہیں: ''ہم ایمان لائے ہیں!'' یعنی خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، مگر وہ دل سے ایمان نہیں لائے جبکہ مدار دل پر ہے، یہ منافق اور خیبر کے عام یہودی، جو اپنے بڑوں کی جھوٹی باتیں یعنی تحریفات (ہیر پھیر کی ہوئی باتیں) خوب کان لگا کر سنتے ہیں اور ان کے دل ان کی جھوٹی باتوں کو قبول کرتے ہیں، وہ آپؐ کے پاس زانی زانیہ کا مقدمہ لے کر آئے ہیں، مگر ان کے بڑے نہیں آئے، ان بڑوں نے تورات میں موجود حکم میں تبدیلی کر دی ہے، اور عوام کو یہ پٹّی پڑھا کر بھیجا ہے کہ اگر نبی ﷺ یہ تبدیل کردہ حکم دیں تو اس پر عمل کر لینا، اور تورات کے حکم کے مطابق سنگساری کا حکم دیں تو اس پر عمل مت کرنا۔

مگر نبی ﷺ نے از خود کوئی فیصلہ نہیں کیا، ان کے پرسنل لا کے مطابق فیصلہ کیا، اس لئے ان کو خواہی نخواہی اس پر عمل کرنا پڑا اور زانی زانیہ مسجدِ نبوی کے سامنے سنگسار کر دیئے گئے۔

فائدہ (۱): رجم کے لئے احصان شرط ہے، اور احصان دو ہیں[1]: احصانُ الرجم اور احصانُ القذف۔ احصان الرجم

(۱) احصان کی دو قسمیں ہیں: احصانُ الرجم اور احصانُ القذف۔ احصان الرجم: یہ ہے کہ مرد اور عورت: دونوں عاقل، بالغ، آزاد اور مسلمان ہوں اور نکاح صحیح کر کے ہم بستر ہو چکے ہوں تو وہ مُحصِن (بکسر الصاد) اور مُحصَنہ (بفتح الصاد) ہیں۔ اور زنا میں ان ←

میں مسلمان ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسلمان ہونا شرط نہیں۔ پس اگر کوئی غیر مسلم مرد وعورت زنا کریں اور ان کا مقدمہ اسلامی عدالت میں آئے تو ان کو رجم کیا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کو جنھوں نے زنا کیا تھا رجم کیا ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک: احصان الرجم کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے، پس غیر مسلموں کو رجم نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ ان کے قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔

فائدہ (۲): سورۃ النساء (آیت ۴۶) میں ہے: ﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾: یہودی اللہ کے کلام کو اس کی جگہوں سے پھیرتے ہیں، یعنی جن آیات میں نبی ﷺ کی بشارات تھیں ان کو تورات سے غائب کردیا، اور تورات میں ان کا نام ونشان باقی نہیں چھوڑا، اور یہاں ہے: ﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ﴾: یعنی یہودی اللہ کے کلام کو اس کی جگہوں کے بعد بدلتے ہیں، یعنی آیت غائب نہیں کرتے، اس کا حکم باطل کردیتے ہیں اور اس کی جگہ دوسرا حکم رائج کردیتے ہیں۔

فائدہ (۳): مصلح: جو لوگوں کی بھلائی کے لئے کام کرتا ہے: اگر اس کے ساتھ چال چلی جائے یا اس کو کسی معاملہ میں دھوکہ دیا جائے تو اس کو سخت تکلیف پہنچتی ہے، لوگ اس کو دھوکہ دیتے ہیں، پھر اس کے خلاف پروپیگنڈہ بھی کرتے ہیں، مگر انبیاء علیہم السلام کا معاملہ دوسرا ہے، اللہ تعالیٰ فریب کاروں کی اسکیم کو کامیاب نہیں ہونے دیتے، وحی سے ان کو آگاہ کردیتے ہیں، ﴿ لَا يَحْزُنْكَ ﴾ سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہود آپ کے ساتھ فریب کریں گے آپ ہوشیار رہیں، ان کی اس حرکت سے متاثر نہ ہوں۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ ﴾

ترجمہ: اے اللہ کے پیغامبر! آپ کو رنجیدہ نہ کریں وہ لوگ جو دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں —— یعنی کفار کے ساتھ ان کا گٹھ جوڑ ہے —— یعنی وہ لوگ جو زبان سے کہتے ہیں: ''ہم ایمان لائے!'' حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے

← کی سزا رجم ہے، اور احصان القذف یہ ہے کہ جس پر زنا کا الزام لگایا گیا ہے وہ عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان اور عفیف (پاک دامن) ہو یعنی پہلے کبھی اس پر زنا کا الزام نہ لگا ہو، ایسا مرد اور ایسی عورت جن پر الزام زنا لگایا گیا ہے باب قذف میں مُحصن اور مُحصَنہ ہیں ایسے لوگوں پر اگر کوئی زنا کا الزام لگائے تو شرعی ثبوت پیش کرے ورنہ تہمت لگانے والے کو حد قذف لگے گی، اور اگر کوئی شخص پاگل، بچے، غلام، غیر مسلم یا غیر عفیف پر تہمت لگائے تو حد قذف جاری نہ ہوگی (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۳۱۲)

—— یعنی مدینہ کے یہودی منافقین جو خیبر کے یہودیوں کی ہمنوائی میں خدمتِ نبوی میں آئے ہیں —— اور وہ لوگ جنھوں نے یہودیت اختیار کی —— یعنی خیبر کے یہودی جو زانی زانیہ کو لے کر فیصلہ کرانے آئے ہیں —— وہ جھوٹی باتوں کو بہت زیادہ سننے والے ہیں —— یہ یہود کے عوام کا عام حال ہے، اور جھوٹی باتوں سے مراد خاص طور پر تحریفات ہیں، عوام ان کو گوش ہوش سے سن کر قبول کر لیتے ہیں، یہ بہت زیادہ سننا ہے، اور ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دینا محض سننا ہے —— اور کچھ دوسرے لوگوں کی باتوں کو بہت زیادہ سننے والے ہیں جو آپؐ کے پاس نہیں آئے —— یہ خاص معاملہ کا ذکر ہے، زانی زانیہ کے معاملہ میں ان کے بڑوں نے ان کو جو پٹی پڑھائی ہے اس کو بھی دل سے قبول کر کے آئے ہیں —— وہ (یہود کے بڑے جو نہیں آئے) وہ اللہ کی باتوں کو ان کے موقع محل سے ہٹا دیتے ہیں —— یعنی تورات میں موجود حکم کو خود ساختہ حکم سے بدل دیتے ہیں —— وہ کہتے ہیں: اگر تم یہ (بدلا ہوا) حکم دیئے جاؤ تو اس کو لے لو —— یعنی اس پر عمل کرو —— اور اگر تم یہ نہ دیئے جاؤ —— بلکہ دوسرا حکم سنگساری کا دیئے جاؤ —— تو بچو —— یعنی اس پر عمل مت کرنا! —— یہ وہ پٹی ہے جو بڑوں نے چھوٹوں کو پڑھائی تھی، مگر ان کے بڑوں کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا، آپؐ نے فیصلہ ان کے پرسنل لا کے مطابق کیا، جس پر ان کو خواہی نخواہی عمل کرنا پڑا۔

تحریف کرنے والوں کو، اور اس کو قبول کرنے والوں کو آخرت میں سخت سزا ملے گی!

جب کوئی حقیقت اپنے جلو میں دو متضاد پہلو رکھتی ہے تو موقع محل کے لحاظ سے اس کو ایک پہلو سے تعبیر کیا جاتا ہے، مگر درحقیقت اس کے وجود پذیر ہونے میں دونوں پہلوؤں کا دخل ہوتا ہے، جیسے مکلّف مخلوقات کے اختیاری افعال بندوں کے کسب اور اللہ کے خلق سے وجود پذیر ہوتے ہیں، بندے اپنے جزئی اختیار سے اس کی ابتدا کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس کا خلق کرتے ہیں، کیونکہ خالق ہر چیز کے اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اور کوئی خالق نہیں!

اس کی مثال سورۃ النساء کی (آیت ۷۹) ہے: ﴿ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ﴾: اے انسان! تجھ کو جو کوئی خوش حالی پیش آتی ہے: وہ اللہ کی جانب سے ہوتی ہے، اور تجھ کو جو کوئی بدحالی پیش آتی ہے: وہ تیرے ہی سبب سے ہوتی ہے —— جبکہ دونوں ہی حالتوں کا کسب بندہ کرتا ہے، اور خلق اللہ تعالیٰ کرتے ہیں، مگر خوش حالی کو اللہ کی طرف منسوب کیا کہ یہ تعریف کے مناسب ہے، اور بدحالی کو بندے کی طرف منسوب کیا کہ وہ اس کے کرتوت کا نتیجہ ہے، اللہ کی طرف اس کی نسبت شانِ حمد کے خلاف ہے۔

اور یہاں یہود کی آزمائش (گمراہی کے خلق) کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے، اس میں ان کی گمراہی کی شدت کی طرف اشارہ ہے، اور اس کو دو طرح سے تعبیر کیا ہے: ایک: اللہ تعالیٰ کو جس کی آزمائش (گمراہی) منظور ہوتی ہے:

اس کو اللہ کے سوا کوئی راہ راست پر نہیں ڈال سکتا، مگر اس کی گمراہی اس کی حرکتوں (تحریف) کی وجہ سے ہوتی ہے، خواہ مخواہ نہیں ہوتی۔ دوم: یہی وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو پاک کرنا اللہ کو منظور نہیں، کیونکہ انھوں نے حرکتیں (تحریفات) ایسی کی ہیں کہ ان کے دل ہمیشہ گندے ہی رہیں گے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی، اور آخرت میں بڑا عذاب (دوزخ) تیار ہے!

﴿ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ؀ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کو جس کی آزمائش (گمراہی) منظور ہوتی ہے: آپ اس کے لئے اللہ کے عوض ــــ یعنی اللہ کو چھوڑ کر ــــ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے ــــ یعنی کوئی دوسرا اس کو راہ راست پر نہیں لا سکتا ــــ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو پاک کرنا اللہ کو منظور نہیں ــــ یہ پہلی ہی حقیقت کی دوسری تعبیر ہے ــــ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے ﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ﴾ ــــ اور آخرت میں ان کے لئے (دوزخ کا) بڑا عذاب ہے!

ایک شبہ: کوئی کہہ سکتا ہے کہ خدا تو اس پر بھی قادر ہے کہ ان کی غلط کاریوں (تحریفات) کو جبراً روک دے، یعنی مجبور کردیں کہ وہ اللہ کی کتاب میں کوئی تحریف نہ کرسکیں!

جواب: خدا کی قدرت کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں، لیکن اللہ نے اس دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ بندے خیر وشر کے اکتساب میں مجبور محض نہ ہوں، اگر خیر کے اختیار کرنے پر سب کو مجبور کردیا جاتا تو تخلیقِ عالم کی حکمت ومصلحت پوری نہ ہوتی، اس لئے مکلّف مخلوقات کو کسب کا جزوی اختیار دیا ہے، اور اسی پر جزاؤ سزا مرتب ہوگی: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ﴾: اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جو چاہیں کریں [الحج ۱۸]

علمائے سوء دنیوی مفاد کے لئے شریعت میں تحریف کرتے ہیں اور جاہل عوام بخوشی اس کو قبول کر لیتے ہیں

حرام کھانا: علمائے یہود کی خاص صفت تھی، وہ نذرانے لے کر لوگوں کے حق میں فتوی دیا کرتے تھے، اور رشوتیں لے کر فیصلے کیا کرتے تھے، اور غلط باتیں سننا اور ان کو قبول کرنا یہود کے عوام کا مزاج بن گیا تھا، یہی دو باتیں قوموں کی گمراہی کا بنیادی سبب ہوتی ہیں: ایک: علماء کا حرص وہوس میں مبتلا ہونا۔ دوم: عوام کا جھوٹی باتیں یعنی تحریفات سننا اور ان کو قبول کرنا، ملتِ اسلامیہ کے علمائے سوء بھی یہی وتیرہ اختیار کرتے ہیں، اور عوام کا بھی یہی مزاج ہے!

﴿ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ ﴾

ترجمہ: وہ جھوٹی باتوں کو بہت زیادہ سننے والے، حرام مال کو بہت زیادہ کھانے والے ہیں!

یہود جو مقدمہ لے کر آئیں اس کا فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اور فیصلہ کریں تو انصاف سے کریں

جاننا چاہئے کہ غیر مسلم چار طرح کے ہیں: ذمی، مُستأمن، مُعاہد اور حربی:

۱-ذمی: جس کو اسلامی ملک کی شہریت حاصل ہے۔۲-مستأمن: امن طلب کرنے والا، یعنی وہ غیر مسلم جو ویزا لے کر اسلامی ملک میں آیا ہے۔۳-مُعاہد: عہد و پیمان باندھنے والا، یعنی دارالحرب کا وہ غیر مسلم جس کے ساتھ اسلامی ملک نے ناجنگ معاہدہ کر رکھا ہے۔۴-حربی: اس دارالحرب کا باشندہ جس کے ساتھ ناجنگ معاہدہ نہیں۔

اسلامی مملکت میں ذمیوں کو ان کے پرسنل مسائل میں فیصلہ کے لئے حکومت الگ کورٹ بنا کر دے گی، اس میں انہی کا قاضی مقرر کیا جائے گا، اس کے مصارف اسلامی حکومت برداشت کرے گی، غیر مسلموں کے پرسنل مقدمات اس میں ان کے پرسنل لا کے مطابق فیصل ہونگے، اور ان کے عام معاملات اسلامی کورٹ میں آئیں گے، اور شریعت اسلامی کے مطابق فیصل ہونگے، اور اگر وہ ان مقدمات کا اسلامی کورٹ میں فیصلہ کرائیں تو اسلامی قانون کے مطابق ان کا فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر مقدمہ کا ایک فریق مسلمان ہو تو وہ معاملہ لامحالہ اسلامی کورٹ میں آئے گا، اور قانونِ اسلامی کے مطابق فیصل ہوگا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ خیبر کے یہودی پوری طرح ذمی نہیں تھے، ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا، ان کے ساتھ وقتی معاہدہ کر کے بطور مزارع ان کو خیبر میں باقی رکھا گیا تھا، پس گویا وہ معاہد تھے، وہ اپنا ایک مقدمہ لے کر اسلامی کورٹ میں آنے والے تھے، چنانچہ نبی ﷺ کو اختیار دیا کہ آپؐ چاہیں تو اس مقدمہ کا فیصلہ کریں، اور چاہیں تو ان کو ٹلا دیں، کہہ دیں: جاؤ اپنے قاضی سے فیصلہ کراؤ، اگر آپؐ ایسا کریں گے تو یہود آپؐ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، اور اگر آپؐ وہ مقدمہ لے لیں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں، یعنی اسلامی احکام کے مطابق فیصلہ کریں، شریعتِ اسلامی میں شادی شدہ زانی زانیہ کی سزا رجم ہے، مگر احصان کے لئے اسلام شرط ہے، غیر مسلم محصن نہیں، پس اس کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، مگر نبی ﷺ نے یہود کی شریعت کے مطابق فیصلہ کیا، اتفاق سے تورات میں بھی ان کے لئے رجم کی سزا تھی، چنانچہ تورات منگوا کر پڑھی گئی، اور اس کا فیصلہ ان پر نافذ کیا گیا، پس نہ سانپ، بچا نہ لاٹھی ٹوٹی!

﴿ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۴۲﴾ ﴾

ترجمہ: پس اگر وہ آپؐ کے پاس آئیں تو آپؐ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان کو ٹلا دیں، اور اگر آپؐ ان کو ٹلا دیں تو وہ آپؐ کو ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر آپؐ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ

کریں، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو بالیقین پسند کرتے ہیں!

گود میں لڑکا گاؤں میں ڈھنڈورا!

خیبر کے یہودی کس منہ سے نبی ﷺ کے پاس زانی زانیہ کا فیصلہ کرانے آرہے ہیں؟ کیا ان کے پاس اللہ کی کتاب نہیں ہے؟ اور کیا اس میں اس واقعہ کا حکم نہیں ہے؟ مگر وہ اس سے روگردانی کرکے آپؐ کے پاس آرہے ہیں! ان سے کیا امید ہے کہ وہ آپؐ کا فیصلہ مانیں گے؟ پس آپ کو اختیار ہے، خواہ آپؐ اس قضیہ کا تصفیہ کریں یا ان کو ٹلا دیں، وہ ایمان لانے والے نہیں!

﴿وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ۝۴۳﴾

ترجمہ: اور وہ آپؐ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں: جبکہ ان کے پاس تورات ہے، اس میں اللہ کا حکم ہے؟ پھر وہ (اس سے) روگردانی کرتے ہیں، ان کے پاس فیصلہ موجود ہوتے ہوئے، اور وہ ایمان لانے والے نہیں!

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝۴۴ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝۴۵

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا	بے شک اتاری ہم نے	هُدًى وَّ نُوْرٌ	راہ نمائی اور روشنی ہے	النَّبِيُّوْنَ	وہ انبیاء
التَّوْرٰىةَ	تورات	يَحْكُمُ	حکم کرتے ہیں	الَّذِيْنَ	جو
فِيْهَا	اس میں	بِهَا	اس کے ذریعہ	اَسْلَمُوْا	فرمان بردار ہوئے

لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے جنھوں نے	بِمَا اَنْزَلَ	اللہ کے اتارے ہوئے	وَالْجُرُوْحَ (۳)	اور زخم
هَادُوْا	یہودیت اختیار کی	اللّٰهُ	احکام کے موافق	قِصَاصٌ	برابر ہیں
وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ (۱)	اور درویش (بزرگ)	فَاُولٰٓئِكَ	پس وہ لوگ	فَمَنْ	پس جو شخص
وَالْاَحْبَارُ	اور بڑے علماء	هُمُ	ہی	تَصَدَّقَ	خیرات کردے
بِمَا اسْتُحْفِظُوْا (۲)	بایں وجہ کہ نگہبان	الْكٰفِرُوْنَ	منکرین ہیں	بِهٖ	اس (جنایت) کو
	ٹھہرائے گئے ہیں وہ	وَكَتَبْنَا	اور لکھا ہم نے	فَهُوَ	تو وہ
مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ	اللہ کی کتاب کے	عَلَيْهِمْ فِيْهَا	ان پر تورات میں	كَفَّارَةٌ	گناہوں کی معافی ہے
وَكَانُوْا عَلَيْهِ	اور تھے وہ اس پر	اَنَّ النَّفْسَ	کہ جان	لَّهٗ	اس کے لئے
شُهَدَآءَ	گواہ	بِالنَّفْسِ	جان کے بدلے	وَمَنْ	اور جس نے
فَلَا تَخْشَوُا	پس مت ڈرو تم	وَالْعَيْنَ	اور آنکھ	لَّمْ يَحْكُمْ	حکم نہیں کیا
النَّاسَ	لوگوں سے	بِالْعَيْنِ	آنکھ کے بدلے	بِمَا اَنْزَلَ	اللہ کے اتارے ہوئے
وَاخْشَوْنِ	اور ڈرو مجھ سے	وَالْاَنْفَ	اور ناک	اللّٰهُ	احکام کے موافق
وَلَا تَشْتَرُوْا	اور نہ مول لو	بِالْاَنْفِ	ناک کے بدلے	فَاُولٰٓئِكَ	تو وہ
بِاٰيٰتِيْ	میری آیتوں کے بدل	وَالْاُذُنَ	اور کان	هُمُ	ہی
ثَمَنًا قَلِيْلًا	پونجی تھوڑی	بِالْاُذُنِ	کان کے بدلے	الظّٰلِمُوْنَ	ظالم (حق تلفی کرنے
وَمَنْ	اور جس نے	وَالسِّنَّ	اور دانت		والے) ہیں
لَّمْ يَحْكُمْ	حکم نہیں کیا	بِالسِّنِّ	دانت کے بدلے	۞	۞

تحریف بھی معنوی چوری ہے، جس کی سزا آخرت میں ملے گی (دوسری مثال)

ان آیات کا پس منظر بھی ایک واقعہ ہے: مدینہ میں یہود کے دو قبیلے آباد تھے، بنونضیر اور بنوقریظہ، اول: مالدار تھے، اور دوم: مالی اعتبار سے کمزور تھے، بنونضیر نے بنوقریظہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر یہ ظالمانہ اصول طے کرالیا تھا کہ اگر بنونضیر کا کوئی آدمی بنوقریظہ کے کسی شخص کو قتل کرے تو قصاص میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ خون بہا کے طور پر ستّر وسق کھجوریں

(۱) الربانیون: کالنبیون پر عطف ہے (۲) بما: یحکم سے متعلق ہے (۳) الجروح: کالنفس پر عطف ہے اور قصاص کا حمل زید عدل کی طرح مبالغۃً ہے۔

دے گا (ایک وسق: ساٹھ صاع کا ہوتا تھا، اور ایک صاع سوا تین کلو کا) اور اگر بنوقریظہ کا کوئی آدمی بنونضیر کے کسی آدمی کو قتل کرے تو قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، اور اس سے خون بہا بھی لیا جائے گا، اور وہ بھی دوگنا! —— پھر جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک واقعہ پیش آیا، بنوقریظہ کے کسی شخص نے بنونضیر کے ایک آدمی کو قتل کردیا، بنونضیر نے حسب قرارداد قصاص اور خون بہا کا مطالبہ کیا بنوقریظہ نے اس کو انصاف کے خلاف قرار دیا، اور کہا: جاؤ، وہ زمانہ گیا جب ہم نے تمہاری قوت کے پیش نظر یہ ظلم منظور کیا تھا، اب محمدؐ مدینہ میں آچکے ہیں، اب یہ ممکن نہیں کہ تم دوگنی دیت لو، اور تجویز پیش کی کہ فیصلہ آنحضرت ﷺ سے کرایا جائے، بنونضیر نے کچھ منافقین کو مقرر کیا جو غیر رسمی طور پر آپؐ کا عندیہ معلوم کریں، اگر آپؐ کی رائے بنونضیر کے حق میں ہو تو آپؐ سے فیصلہ کرایا جائے، ورنہ ان سے فیصلہ نہ کرایا جائے۔

غرض: قصاص (برابری) کا حکم تورات میں موجود تھا، یہود نے اس کے خلاف تعامل قائم کرلیا تھا، جیسے رجم کا حکم تورات میں موجود تھا، مگر یہود نے منہ کالا کرکے تشہیر کرنے کو اس کی جگہ رکھ دیا تھا، پس یہ ﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ﴾ کی دوسری مثال ہے، یہ بھی تحریف معنوی اور بڑی چوری ہے، جس کی سزا آخرت میں ملے گی۔

تورات منارۂ نور اور شمع ہدایت ہے

بات یہاں سے شروع کی ہے کہ تورات منارۂ نور اور شمع ہدایت ہے، اور یہی حال اللہ کی تمام کتابوں کا ہوتا ہے، ہر کتاب بابرکت ہوتی ہے، ظلمتِ دنیا میں روشنی اور راہ نما ہوتی ہے، خواہ وہ اللہ کا کلام ہو یا فرشتہ کا یا نبی کا، بہر حال وہ اللہ کی راہ نمائی ہوتی ہے، اس لئے وہ شمع ہدایت ہوتی ہیں۔

اور قرآنِ کریم سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئی ہیں وہ سب اللہ کی کتابیں تھیں، اللہ کا کلام نہیں تھیں، اللہ کا کلام صرف آخری کتاب (قرآنِ کریم) ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سابقہ کتابوں کے لئے بقاء مقدر نہیں تھا، اور آخری کتاب کو قیامت تک باقی رہنا ہے، اس لئے اللہ نے اپنا کلام نازل کیا ہے، اس کو نہ کوئی بدل سکتا ہے نہ کوئی اس کا مقابلہ کرسکتا ہے، اس لئے وہ نبی ﷺ کا دائمی معجزہ ہے۔

اور سابقہ کتابوں کی نظیر: احادیث شریفہ ہیں، وہ بھی اللہ کی راہ نمائی ہیں، مگر کلام نبی ﷺ کا ہے، پس احادیث بھی سابقہ کتابوں کی طرح منارۂ نور اور ہدایت ہیں، ان کی اتباع بھی سابقہ کتابوں کی طرح ضروری ہے، اسی وجہ سے منکرین حدیث کو کافر کہا گیا ہے۔

اور هدی اور نور: ایک ہیں، عطف تفسیری ہے، عقائد و احکام کا مجموعہ مراد ہے، اور صرف اللہ کی کتابوں کو قرآنِ کریم

میں نور کہا گیا ہے، اس آیت میں تورات کو، اور آئندہ آیت کے بعد والی آیت میں انجیل کو، اور سورۃ النساء (آیت ۱۷۴) میں قرآنِ کریم کو نور فرمایا ہے، اور قرآن میں اور کسی صحیح حدیث میں کسی نبی کو نور نہیں کہا گیا، سب کو بَشَر کہا گیا ہے۔

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے تورات اتاری، اس میں راہ نمائی اور روشنی ہے!

موسیٰ علیہ السلام کی ملت کے اکابر تورات کے ذمہ دار تھے

موسیٰ علیہ السلام کی ملت کے اکابر تین تھے:

(۱) انبیائے بنی اسرائیل: کہتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان بنی اسرائیل میں چار ہزار انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، جو تورات اور دین موسوی کی نشر واشاعت کے ذمہ دار تھے، ان کی صفت: ﴿ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا ﴾ آئی ہے، یعنی وہ فرمان بردار تھے، اس میں ان کی عصمت کا بیان ہے، یہ حضرات ملتِ موسوی میں گڑبڑ کر ہی نہیں سکتے تھے، یہ بات عصمت کے منافی ہے، یہ حضرات تورات کے احکام ﴿ لِلَّذِيْنَ هَادُوْا ﴾ یعنی یہود کے لئے نافذ کرتے تھے، اس لئے کہ تورات کی شریعت انہیں کے لئے خاص تھی، تمام جہاں والوں کے لئے وہ ہدایت اور روشنی نہیں تھی، اور اس وقت تک عیسائی وجود میں نہیں آئے تھے، اس لئے بنی اسرائیل تقسیم نہیں ہوئے تھے، سب بنی اسرائیل یہودی تھے، اس لئے تورات کے احکام انہیں پر نافذ ہوتے تھے۔

(۲و۳) اولیائے کرام اور علمائے عظام: یہ انبیاء کی طرح معصوم نہیں تھے، اس لئے ان کے تعلق سے چار باتیں بیان کی ہیں:

(الف) یہ حضرات بھی تورات کے احکام یہود ہی پر نافذ کرتے تھے، اور ان کو تورات کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، قرآنِ کریم کی طرح تورات کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے نہیں لی تھی، چنانچہ جب تک انھوں نے اپنی ذمہ داری نبھائی تورات محفوظ رہی، اور جب انھوں نے اپنی اغراض کے لئے تحریفات شروع کردیں تو تورات ضائع ہوگئی۔

(ب) علماء اور اولیاء کو یہ ذمہ داری بھی سپرد کی گئی تھی کہ بنی اسرائیل میں سے جو لوگ تورات کے کتابِ الٰہی ہونے کا انکار کریں: ان کے سامنے علماء اور مشائخ گواہی دیں، یعنی دلائل سے ثابت کریں کہ تورات اللہ کی کتاب ہے، اور فیصلہ کرتے وقت اور فتوی دیتے وقت لوگوں سے نہ ڈریں، اللہ سے ڈریں، اور جو فریضہ ان کو اوڑھایا گیا ہے اس کو پورا کریں، مخالفین کیا کریں گے؟ زیادہ سے زیادہ ان کو شہید کردیں گے، اس سے داعی کا کیا نقصان ہوگا؟ یہ تو اس کی آخری آرزو ہے!

(ج) ملت کے اکابر: علماء و مشائخ رشوتیں لے کر تورات کے احکام میں تبدیلی نہ کریں، چند ٹکوں کی خاطر غلط فتوے نہ دیں۔

(د) آخر میں وعید ہے کہ جو تورات کے احکام کے موافق مسئلہ نہیں بتائے گا وہ کافر ہوگا، اس کو آخرت میں انکار شریعت کی سزا ملے گی۔

﴿ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾

ترجمہ: اس (تورات) کے ذریعہ وہ انبیاء حکم کرتے ہیں جو فرماں بردار ہیں ــــ اس میں ان کی عصمت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تورات میں گڑبڑ نہیں کرسکتے ــــ ان لوگوں کے لئے جنھوں نے یہودیت اختیار کی ــــ اس میں صراحت ہے کہ تورات کی شریعت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی ــــ اور اللہ والے اور کبار علماء ــــ بھی تورات کے موافق یہودیوں کے لئے حکم کرتے ہیں ــــ بایں وجہ کہ وہ اللہ کی کتاب کی حفاظت کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں ــــ جب اللہ کی کتاب پر عمل ہوگا تو اس کی حفاظت ہوگی، ورنہ ضائع ہوجائے گی ــــ اور وہ اس (تورات) پر گواہ تھے ــــ کہ وہ اللہ کی کتاب ہے ــــ پس (فیصلہ اور فتوی کے وقت) لوگوں سے مت ڈرو، اور مجھ سے ڈرو، اور میرے احکام کو معمولی قیمت کے بدل مت بدلو، اور جن لوگوں نے اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہیں کیا وہی لوگ (تورات کے) منکر ہیں!

تورات کا وہ حکم جس کو یہود نے نظر انداز کردیا

اللہ کی کتاب میں تحریف (ہیر پھیر) کی تین صورتیں ہیں:

(۱) تحریفِ لفظی: جیسے تورات میں ذبح اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ ہے، اس میں اسماعیل کی جگہ اسحاق کردیا، یہ تحریف لفظی ہے۔

(۲) تحریف معنوی: اللہ کے کلام کی مراد بدل دینا، جیسے یہ عقیدہ کہ یہودی چند دن جہنم میں رہیں گے، پھر وہ انبیاء کی سفارش سے بخشے جائیں گے، یا جیسے یہ اعتقاد کہ یہودیت ابدی مذہب ہے، یہ تحریف معنوی ہے، تفصیل الفوز الکبیر اور اس کی شرح الخیر الکثیر میں ہے۔

(۳) تحریف عملی: تورات میں موجودہ حکم کے خلاف رواج چلا دینا، جیسے سنگساری کی جگہ کالا منہ کرنے کا رواج چلانا، اور قصاص کی جگہ بنونضیر کا بنوقریظہ سے معاہدہ کرنا۔

اب ایک آیت میں تحریف عملی کا بیان ہے، گذشتہ آیت میں تورات کا عظیم الشان اللہ کی کتاب ہونے کا، اس کا یہود کی شریعت ہونے کا اور اس میں ہر طرح کی تحریف کی ممانعت کا بیان تھا۔ اب اس آیت کا پس منظر وہ واقعہ ہے جو گذشتہ آیت

کے شروع میں بیان کیا ہے، تورات میں آج بھی قتلِ عمد میں قصاص کا حکم موجود ہے، اور مادون النفس جنایات کا بھی حکم موجود ہے (دیکھیں: خروج ۲۱: ۲۳-۲۵ احبار ۲۴: ۲۰ استثناء ۱۹: ۲۱ بحوالہ تفسیر ماجدی) مگر بنونضیر نے بنوقریظہ سے ان احکام کے خلاف معاہدہ کیا تھا، جس کا قضیہ نبی ﷺ کی خدمت میں آنے والا تھا، اس لئے آپ کو اس کی قبل از وقت اطلاع کردی، تاکہ آپؐ اس کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔

اور یہی احکام ہمارے لئے بھی ہیں، تفصیل کتبِ فقہ میں ہے، قاعدہ ہے کہ سابقہ شرائع کے احکام بلانکیر قرآن وحدیث میں نقل کئے جائیں تو وہ ہمارے لئے بھی ہوتے ہیں، قتلِ عمد میں قصاص (برابری) کا حکم سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۹) میں بیان ہوا ہے، اور مادون النفس جنایات کا حکم یہاں ہے، اور تفصیل کتبِ فقہ میں ہے۔

مجرم کو معاف کرنا بڑا ثواب کا کام ہے

نفس اور مادون النفس کی جنایات کا برابر بدلہ (قصاص) لینا جائز ہے، اور معاف کرنا بڑا ثواب کا کام ہے، قتلِ عمد میں مقتول کے ورثاء قصاص معاف کریں اور دیت لیں یا دیت بھی معاف کریں تو عظیم ثواب کے مستحق ہونگے، اور مادون النفس جنایت میں خود وہ شخص جانی کو معاف کرے گا جس پر جنایت کی گئی ہے تو یہ معافی اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگی، حدیث میں ہے: جو شخص اپنے بدن کی کوئی تکلیف معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے اتنے ہی گناہ معاف کریں گے (رواہ الطبرانی)

﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٥﴾ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے تورات میں ان پر فرض کیا تھا کہ جان کے بدلے جان لی جائے، اور آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑی جائے، اور ناک کے بدلے ناک کاٹی جائے، اور کان کے بدلے کان کاٹا جائے، اور دانت کے بدلے دانت اکھاڑا جائے، اور زخموں میں بھی برابر کا بدلہ ہے — پس جو شخص اس (جنایت) کو خیرات کردے — یعنی معاف کردے — تو وہ اس کے لئے اس کے گناہوں کی معافی بن جائے گی — اور جس نے اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ کیا — بلکہ باہم طے کردہ بات کا مطالبہ کیا — تو وہی لوگ ظالم (ناحق مطالبہ کرنے والے) ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَّنُورٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾

وَ قَفَّيْنَا (۱)	اور پیچھے بھیجا ہم نے	فِيْهِ	اس میں	بِمَآ	اس کے موافق جو
عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ	نبیوں کے نقش قدم پر	هُدًى وَّ نُوْرٌ	راہ نمائی اور روشنی ہے	اَنْزَلَ اللّٰهُ	اتارا اللہ نے
بِعِيْسَى	عیسیٰ کو	وَّ مُصَدِّقًا	اور سچا بتانے والی ہے	فِيْهِ	اس (انجیل) میں
ابْنِ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ	اس کو جو اس کے سامنے ہے	وَمَنْ	اور جس نے
مُصَدِّقًا	سچا بتانے والا	مِنَ التَّوْرٰىةِ (۲)	یعنی تورات کو	لَّمْ يَحْكُمْ	حکم نہیں کیا
لِّمَا بَيْنَ	اس کو جو اس کے	وَهُدًى	اور راہ نمائی	بِمَآ	اس کے موافق جو
يَدَيْهِ	آگے ہے	وَّ مَوْعِظَةً	اور نصیحت ہے	اَنْزَلَ اللّٰهُ	اتارا اللہ نے
مِنَ التَّوْرٰىةِ (۲)	یعنی تورات کو	لِّلْمُتَّقِيْنَ	ڈرنے والوں کے لئے	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	تو وہی لوگ
وَاٰتَيْنٰهُ	اور دی ہم نے اس کو	وَلْيَحْكُمْ	اور چاہئے کہ حکم کریں	الْفٰسِقُوْنَ	حد اطاعت سے
الْاِنْجِيْلَ	انجیل	اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ	انجیل والے		نکلنے والے ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم انبیائے بنی اسرائیل ہیں اور انجیل تورات کا ضمیمہ ہے

تورات کے تذکرہ کے بعد اب انجیل کا تذکرہ فرماتے ہیں، انجیل: تورات اور قرآنِ کریم کے درمیان کی کڑی ہے، آگے قرآنِ کریم کا تذکرہ آئے گا، جو درحقیقت مقصود ہے۔

کہتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فصل ہے، اور اس عرصہ میں بنی اسرائیل میں چار ہزار انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، كلما هلك نبي خلفه آخر: جب ایک نبی کی وفات ہوجاتی تو دوسرا نبی مبعوث ہوتا، اور بعض زمانوں میں ایک سے زیادہ انبیاء بھی جمع ہوئے ہیں، جن پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی، سب تورات کی تبلیغ کرتے تھے۔

(۱) قَفَّينا: ماضی معروف، جمع متکلم، تَقْفِيَة: مصدر باب تفعیل: پیچھے بھیجنا، پیچھے کر دینا، اس کے مفعول ثانی پر کبھی باء آتی ہے اور مصدقا: عیسیٰ کا حال ہے (۲) من: ما موصولہ کا بیان ہے۔

اس طویل عرصہ میں جب حالات بدلے تو بنی اسرائیل کے آخری نبی پر انجیل نازل ہوئی، اس میں اصل ملت کو باقی رکھ کر بعض احکام میں تبدیلی کی گئی، سورۃ آلِ عمران (آیت ۵۰) میں عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے: ﴿ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ﴾: اور (میں آیا ہوں) اس تورات کو سچا بتانے والا بن کر جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے، اور (میں آیا ہوں) تاکہ بعض وہ چیزیں تمہارے لئے حلال کروں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، یعنی اصل ملت کو باقی رکھ کر اس میں ضروری اصلاح کروں، یہ جزوی نسخ ہے، اس سے تورات کی تصدیق پر اثر نہیں پڑتا، جیسے قرآنِ کریم گذشتہ کتابوں کا مصدق ہے، پھر ان کے بعض احکام کو بدلتا ہے، یہ بھی جزوی نسخ ہے، اس سے سابقہ کتابوں کی تردید نہیں ہوتی۔

غرض: انجیل بھی اللہ کی نازل کی ہوئی سچی کتاب ہے، وہ بھی شمع ہدایت اور منارۂ نور ہے، تورات کی تصدیق کرتی ہے، اور اللہ کا خوف کھانے والے بندوں کے لئے راہ نما اور نصیحت ہے!

اور سورۃ الصّف میں صراحت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، پس ضروری تھا کہ سب بنی اسرائیل آپ پر ایمان لاتے، اور انجیل میں جن احکام میں تبدیلی کی گئی ہے ان کے موافق احکام نافذ کرتے اور ان پر عمل کرتے پس جو اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ نافرمان ہوگا۔

آیاتِ کریمہ: اور ہم نے اُن (انبیائے بنی اسرائیل) کے نشانِ قدم پر مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا، جو سچا بتانے والے ہیں اس کتاب کو جو ان سے پہلے نازل ہو چکی ہے یعنی تورات کو اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی، اس میں راہ نمائی اور روشنی ہے، اور وہ سچا بتانے والی ہے اس کتاب کو جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہے، یعنی تورات کو جو (انجیل) اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے راہ نما اور نصیحت ہے۔

اور چاہئے کہ انجیل والے حکم کریں اس کے موافق جو اللہ نے انجیل میں نازل کیا ہے، اور جس نے اس کے موافق حکم نہیں کیا جس کو اللہ نے نازل کیا ہے: وہی لوگ حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں!

فائدہ: قرآن پاک نے بار بار شہادت دی ہے کہ انجیل اللہ کی کتاب ہے، اب یہ کتاب دنیا کی نظروں سے غائب ہے، عہد نامہ جدید میں جو چار انجیلیں ہیں، ان کے کتابِ الٰہی ہونے کا دعویدار کوئی بھی نہیں، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ملفوظات اور کچھ حالات ہیں، جو آپ کے بعد مجہول الحال لوگوں نے جمع کئے ہیں، اصل انجیل غائب ہے (از تفسیر ماجدی)

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ

مِنَ الۡحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمۡ اُمَّةً
وَّاحِدَةً وَّلٰكِنۡ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ
جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ۙ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ
اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ
اِلَيۡكَ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ ؕ وَ
اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ
مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾

وَ اَنۡزَلۡنَاۤ	اور اتاری ہم نے	فَاحۡكُمۡ	پس آپؐ فیصلہ کریں	جَعَلۡنَا	بنائی ہم نے
اِلَيۡكَ	آپ کی طرف	بَيۡنَهُمۡ	ان کے درمیان	مِنۡكُمۡ	تم میں سے
الۡكِتٰبَ(۱)	یہ کتاب	بِمَاۤ	اس کے موافق جو	شِرۡعَةً(۷)	ایک شاہ راہ
بِالۡحَقِّ(۲)	برحق	اَنۡزَلَ اللّٰهُ	اتارا اللہ نے	وَّمِنۡهَاجًا(۸)	اور کشادہ راستہ
مُصَدِّقًا	سچا بتانے والی	وَلَا تَتَّبِعۡ	اور نہ پیروی کریں آپؐ	وَلَوۡ شَآءَ	اور اگر چاہتے
لِّمَا بَيۡنَ	اس کو جو اس سے	اَهۡوَآءَهُمۡ	ان کی خواہشات کی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
يَدَيۡهِ	پہلے نازل ہو چکی ہے	عَمَّا(۶)	(ہٹتے ہوئے) اس سے جو	لَجَعَلَكُمۡ	تو بناتے تم کو
مِنَ الۡكِتٰبِ(۳)	کتابوں میں سے	جَآءَكَ	آیا آپؐ کے پاس	اُمَّةً	امت
وَ مُهَيۡمِنًا(۴)	اور نگہداشت کرنے والی	مِنَ الۡحَقِّ	برحق بات سے	وَّاحِدَةً	ایک
عَلَيۡهِ(۵)	ان کتابوں کی	لِكُلٍّ	ہر ایک کے لئے	وَّلٰكِنۡ	لیکن

(۱) الکتاب: میں الف لام عہدی ہے، مراد قرآنِ کریم ہے (۲) بالحق: متلبسا سے متعلق ہو کر الکتاب کا پہلا حال ہے، اور مصدقا: دوسرا حال ہے۔ (۳) الکتاب: میں الف لام جنسی ہے، مراد سب آسمانی کتابیں ہیں۔ (۴) مُھَیْمِنٌ: اسم فاعل، ھیمنۃ مصدر: نگہبان، آخری محافظ، مشاہد، یہ اللہ کا صفاتی نام بھی ہے (۵) علیہ کا مرجع الکتاب ہے، وہ لفظاً مفرد ہے (۶) عما: جار مجرور کا متعلق عادلاً (ہٹتے ہوئے، اعراض کرتے ہوئے) محذوف ہے، اور عادلاً: لاتتبع کے فاعل کا حال ہے (۷) شرعۃ: شارعِ اعظم، بڑا راستہ (۸) منہاج: چھوٹا مگر واضح راستہ۔

لِّيَبْلُوَكُمْ	تاکہ وہ آزمائیں تم کو	اَنْزَلَ	اتارا ہے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
فِيْ مَآ	اس میں جو	اللّٰهُ	اللہ نے	اَنْ يُّصِيْبَهُمْ	کہ پہنچ جائے ان کو
اٰتٰكُمْ	دیا تم کو	وَلَا تَتَّبِعْ	اور نہ پیروی کریں آپؐ	بِبَعْضِ	کچھ حصہ
فَاسْتَبِقُوا	پس ریس کرو	اَهْوَآءَهُمْ	ان کی خواہشات کی	ذُنُوْبِهِمْ	ان کے گناہوں کا
الْخَيْرٰتِ	خوبیوں میں	وَاحْذَرْهُمْ	اور چوکنا رہیں آپؐ ان سے	وَ اِنَّ كَثِيْرًا	اور یہ کہ بیشتر
اِلَى اللّٰهِ	اللہ ہی کی طرف	اَنْ	کبھی	مِّنَ النَّاسِ	لوگ
مَرْجِعُكُمْ	تمہارا لوٹنا ہے	يَّفْتِنُوْكَ	بچلا دیں وہ آپؐ کو	لَفٰسِقُوْنَ	یقیناً نافرمان ہیں
جَمِيْعًا	سبھی کا	عَنْ بَعْضِ	کچھ حصہ سے	اَفَحُكْمَ	کیا تو فیصلہ
فَيُنَبِّئُكُمْ	پس آگاہ کریں گے وہ تم کو	مَآ اَنْزَلَ	جو اتارا ہے	الْجَاهِلِيَّةِ	جاہلیت کا
بِمَا كُنْتُمْ	ان باتوں سے جو تھے تم	اللّٰهُ	اللہ نے	يَبْغُوْنَ	چاہتے ہیں وہ؟
فِيْهِ	اس میں	اِلَيْكَ	آپؐ کی طرف	وَمَنْ اَحْسَنُ	اور کون بہت اچھا ہے
تَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے	فَاِنْ تَوَلَّوْا	پس اگر روگردانی کریں وہ	مِنَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک
وَ اَنِ احْكُمْ	اور یہ کہ فیصلہ کریں آپؐ	فَاعْلَمْ	تو آپؐ جان لیں	حُكْمًا	فیصلہ کے اعتبار سے
بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	اَنَّمَا (۱)	سوائے اس کے نہیں کہ	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
بِمَآ	اس کے موافق جو	يُرِيْدُ	چاہتے ہیں	يُّوْقِنُوْنَ	جو یقین رکھتے ہیں

اہل کتاب اپنا دین بگاڑ چکے اب اسلام کو خراب کرنا چاہتے ہیں!

ربط: مال کی چوری کے بعد معنوی چوری یعنی تحریف کی دو مثالیں بیان کی تھیں، اسی کے ساتھ تورات کی اہمیت بھی بیان کی تھی، پھر تورات کے ضمیمہ انجیل کا تذکرہ کیا، اب اللہ کی تمام کتابوں کی محافظ کتاب: قرآنِ کریم کا تذکرہ کرتے ہیں، مہیمن کے یہی معنی ہیں، یہ اللہ کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ مخلوقات سے بالا محافظ ہیں، ان سے اوپر کوئی محافظ نہیں، اسی طرح قرآنِ کریم تمام آسمانی کتابوں کا آخری محافظ ہے، اس کے بعد کوئی کتاب نہیں۔

اور ان آیات کے پیچھے بھی ایک واقعہ ہے، جو ان کا شانِ نزول ہے: یہود کے چار بڑے علماء: عبداللہ بن صوریا، کعب بن اسد، ابن صلوبا اور شاس بن عدی: آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ آپؐ جانتے ہیں: ہم

(۱) أنما: أن حرف مشبہ بالفعل اور ما کافّہ، تحقیق کے لئے بھی آتا ہے اور حصر کے لئے بھی، ترجمہ حصر کا کیا ہے۔

یہود کے علماء اور پیشوا ہیں، اگر ہم مسلمان ہوجائیں تو سب یہود مسلمان ہوجائیں گے، مگر ہماری شرط یہ ہے کہ ہمارا ایک مقدمہ آپؐ کی قوم کے لوگوں کے ساتھ ہے (فرضی یا حقیقی)، ہم یہ مقدمہ آپؐ کے پاس فیصلہ کے لئے لائیں گے، اگر آپؐ اس کا فیصلہ ہمارے حق میں کریں تو ہم مسلمان ہوجائیں گے۔

ایسی صورت میں ایک داعی کی لالچ یہ ہوسکتی ہے کہ فیصلہ میں ذرا اونچ نیچ ہوجائے تو کیا حرج ہے؟ ایک قوم حلقہ بگوشِ اسلام ہوجائے تو کچھ مضائقہ نہیں! اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، اور آپؐ کو متنبہ کیا کہ آپؐ یہود کے مسلمان ہونے کے لالچ میں عدل وانصاف کا خون نہ کریں، اور اللہ کے نازل کردہ قوانین کے خلاف ہرگز فیصلہ نہ کریں، نہ کلی خلاف ورزی ہو نہ جزوی، اور آپؐ اس کی پرواہ نہ کریں کہ وہ مسلمان ہوتے ہیں یا نہیں۔

یہود کج فطرت واقع ہوئے ہیں، انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستانے میں کمی نہیں چھوڑی، انھوں نے تورات جیسی عظیم الشان کتاب میں ہیر پھیر کردیا، پھر عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا! اور ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ایک یہودی منافقانہ عیسائی بنا، اور اس نے عیسائیت کا حلیہ بگاڑ دیا، پھر جب اسلام کا دور آیا تو پہلے وہ نبی ﷺ کے پیچھے پڑے، اللہ نے آپ کی حفاظت کی، اور ان کی طرف مائل نہیں ہونے دیا۔ مگر بہت جلد عبداللہ بن سبا یہودی منافقانہ مسلمان ہوا، اور اس نے اسلام کے متوازی شیعیت کی داغ بیل ڈالی، مگر وہ اسلام کو نقصان نہیں پہنچاسکا، اس لئے کہ یہ آخری دین ہے، اور قیامت تک کے لئے اس کا بقاء مقدر ہے۔

پھر قرونِ متوسطہ میں مسلسل وہ مسلمانوں کے خلاف چالیں چلتے رہے، خلافت کو ختم کرکے عربوں کے ٹکڑے کردیئے، اور ان کو بے حیثیت کرکے رکھ دیا، بلکہ ان کو ان کی عورتوں کے کرتے پہنادیئے، اور آج بھی نام نہاد مسلمانوں کو بڑھاوا دینے میں لگے ہوئے ہیں، اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کی ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں (آمین) پس ضرورت اس کی ہے کہ مسلمان ان کی چالوں کو خاک میں ملادیں، ان آیات کا یہی سبق ہے۔

قرآنِ کریم

برحق تعلیمات پر مشتمل، سابقہ کتابوں کا مصدق اور دینی مضامین کا آخری محافظ ہے

بات قرآنِ کریم کی اہمیت کے بیان سے شروع کی ہے، انجیل تو تورات کا تتمہ تھی، مستقل کتاب نہیں تھی، مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آخری نبی پر اپنی آخری مستقل کتاب نازل کی جو قیامت تک باقی رہے گی، اس لئے کہ وہ اللہ کی کتاب ہی

نہیں، اللہ کا کلام بھی ہے، پس اس میں تحریف اور تبدیلی ناممکن ہے، اور اس میں تین خوبیاں ہیں:

۱- وہ برحق تعلیمات پر مشتمل ہے، اس کی ہر بات باون تولہ پاؤرتی ہے، اس سے ہر دینی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے۔

۲- وہ گذشتہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، اس لئے کہ جو کتابیں اور جو قوانین ایک سرچشمہ اور ایک اتھارٹی سے آتے ہیں وہ سب برحق ہوتے ہیں، بعض بعض کی تغلیط نہیں کرتے۔

۳- قرآنِ کریم: آسمانی کتابوں کے مضامین کا آخری محافظ ہے، وہ مہیمن ہے، اب کوئی دوسری ناسخ کتاب نہیں آئے گی، جیسے اللہ تعالیٰ مہیمن ہیں، وہ مخلوقات کے آخری محافظ ہیں، ان سے بالا کوئی محافظ نہیں۔

﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے آپؐ کی طرف یہ کتاب نازل کی، جو برحق تعلیمات پر مشتمل ہے، جو ان کتابوں کو سچا بتاتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں، جو آسمانی کتابوں کے مضامین کی محافظ ہے!

قاضی اپنے فیصلوں میں شریعت کے احکام سے سرِ مو انحراف نہ کریں

جب قرآنِ کریم برحق تعلیمات پر مشتمل ہے تو اس پر پوری طرح عمل ضروری ہے، اللہ کا دین برائے عمل نازل کیا جاتا ہے، پس قاضی خواہ فیصلہ مسلمانوں کے لئے کریں یا غیروں کے لئے کریں: شریعتِ اسلامیہ سے بال برابر بھی انحراف نہ کریں، رشوت لے کر یا رعایت کر کے فیصلہ کر کے اپنا دامن داغ دار نہ کریں، انصاف ہی سے جہاں کی رونق ہے۔

شانِ نزول کے واقعہ میں یہود کے اکابر نے چاہا تھا کہ نبی ﷺ کے پاؤں پھسلا دیں، مگر ان آیات نے چوکنا کر دیا، اور غلط فیصلہ کی نوبت نہ آئی، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ کوئی نزاع تھا بھی یا محض فرضی بات تھی؟ مگر قضات کے لئے ہدایت آ گئی!

﴿ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ﴾

ترجمہ: پس —— یعنی جب قرآنِ کریم برحق تعلیمات پر مشتمل ہے تو —— آپؐ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے، اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، اس سے (ہٹتے ہوئے) جو برحق بات آپؐ کے پاس آ چکی ہے!

اختلافِ شرائع کی ایک حکمت ابتلاء

یہود و نصاریٰ جو دعوتِ اسلام قبول نہیں کرتے تھے اس کی ایک وجہ شریعتوں کا اختلاف تھا، اسلامی شریعت ان کی

شریعت سے قدرے مختلف تھی، عبادت کے طریقے اور بعض دوسرے احکام موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی شریعتوں میں بھی مختلف ہیں، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام خاتم انبیائے بنی اسرائیل ہیں، اور انجیل تورات کا ضمیمہ ہے، مگر شریعتوں میں قدرے اختلاف ہے جو ان کو ایک نہیں ہونے دیتا، اور شریعتِ محمدی تو مستقل شریعت ہے، اس کا سابقہ شریعتوں سے اختلاف ناگزیر ہے، اس لئے ان کو اسلام کے نئے احکام پر عمل کرنا بھاری معلوم ہوتا تھا۔

لوگ جب کسی ایک طریقہ کے عادی ہوجاتے ہیں، اور وہ اس کو بالذات دین سمجھ لیتے ہیں تو نئی بات قبول کرنے کے لئے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی، اگرچہ وہ نئی بات برحق ہوتی ہے، جیسے بدعات ورسوم جب کسی قوم میں جڑ پکڑ لیتی ہیں تو ان کو اکھاڑنا سخت دشوار ہوجاتا ہے، کبھی جھگڑوں اور لڑائیوں کی نوبت آجاتی ہے، مگر یہ سب جھگڑے نیکی کے کاموں میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کا مردانہ وار مقابلہ کرنا بھی ایک طرح کا جہاد ہے۔

اس لئے اب اہل کتاب کو سمجھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے رسولوں کو الگ الگ شریعتیں دی ہیں، اس کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ زمانے کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں، انسانوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں، اگر سب کے لئے ایک شریعت ہوتی تو مشکلات پیش آتیں، اس لئے حکمت کا تقاضا ہوا کہ زمانہ اور مزاج کی رعایت رکھ کر مختلف احکام دیئے جائیں، جیسے حکیم نسخہ بدلتا ہے تو اس میں مریض کی مصلحت ملحوظ ہوتی ہے۔

اور اختلافِ شرائع کی دوسری وجہ جو یہاں بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ عبادت کا کوئی ایک طریقہ بالذات دین نہیں، اور کسی خاص قانون میں تقدس نہیں، تقدس اللہ کے حکم سے پیدا ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ جس زمانہ میں جو حکم دیں وہی اس زمانہ میں مقدس ہے، اس لئے مختلف امتوں کے لئے مختلف آئین ودستور بنائے گئے، اور ایسا لوگوں کے امتحان کے لئے کیا گیا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ کون بدلے ہوئے احکام کو قبول کرتا ہے؟ مریض کو مزاج کی تبدیلی کے بعد جو نیا نسخہ دیا جاتا ہے اس کو وہ قبول کرتا ہے یا پہلے نسخہ پر اصرار کرتا ہے؟ جو نیا نسخہ استعمال کرے گا وہ شفا پائے گا اور جو سابقہ نسخہ استعمال کرتا رہے گا وہ شفایاب نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو سب امتوں کے لئے ایک آئین اور ایک دستور ہوتا، لیکن انھوں نے مختلف امتوں کے لئے مختلف شریعتیں رکھی ہیں تاکہ لوگوں کا امتحان کریں کہ کون نئی شریعت کو قبول کرتا ہے؟ جو قبول کرے گا وہ مؤمن ہوگا، اور جو انکار کرے گا وہ کافر ہوگا۔

لہٰذا ہر امت کو اس کے زمانہ میں جو شریعت دی گئی ہے اس پر عمل کرنے میں تگ ودو کرنی چاہئے، آج کی شریعت اسلام ہے، اب اسی راستہ سے اللہ تک پہنچا جاسکتا ہے، جو لوگ یہ بات تسلیم نہیں کریں گے، اور برابر اختلاف کرتے رہیں

گے وہ سب اللہ کے پاس جمع کئے جائیں گے، اور اس وقت حق و باطل کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴾

ترجمہ: ہر ایک کے لئے ہم نے تم میں سے آئین اور دستور بنایا ہے —— حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دونوں لفظوں کی تفسیر بڑے راستہ اور چھوٹے راستہ سے کی ہے (بخاری شریف) مگر بہتر دونوں کو ہم معنی قرار دینا ہے، اس لئے کہ شرعۃ سے عقائد اور منہاج سے احکام مراد لینا درست نہیں، عقائد سب انبیاء کے ایک ہیں، احکام ہی میں اختلاف ہے —— اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو ایک امت بناتے —— یعنی سب امتوں کا آئین و دستور ایک ہوتا، طریق عبادت اور احکام ایک ہوتے —— لیکن اس لئے کہ وہ تمہیں آزمائے اس شریعت میں جو تم کو دی ہے —— کہ کون اس کو قبول کرتا ہے، اور کون ناک منہ چڑھاتا ہے؟ —— لہٰذا تم نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کیا کرو —— یعنی اب جو تم کو شریعتِ اسلامیہ دی ہے: اب وہی برحق ہے، پس اس پر عمل کر کے اللہ کا قرب حاصل کرو —— تمہارا سبھی کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے، پھر وہ تم کو آگاہ کریں گے ان باتوں سے جن میں تم اختلاف کرتے ہو —— یعنی تم پرانی لکیر پیٹے جارہے ہو، نئی شریعت کو قبول نہیں کر رہے، اس کی حقیقت قیامت کے دن کھلے گی، اور منسوخ شریعت پر اصرار کرنے کی سزا ملے گی۔

یہود و نصاریٰ سے چوکنا رہو، وہ شریعت کے کسی حصہ سے تم کو ہٹا نہ دیں

یہود و نصاریٰ پہلے دن سے مسلمانوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، سب سے پہلے انھوں نے نبی ﷺ کو بچلانا چاہا، شانِ نزول کے واقعہ میں ہے کہ انھوں نے آپؐ سے شریعت کے خلاف جاہلیت والا فیصلہ کرانا چاہا، اور لالچ یہ دی کہ سب یہودی مسلمان ہوجائیں گے، بعد کی صدیوں میں بھی ان کا یہ مکر جاری رہا، اور اب بھی وہ اسی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، امت مرحومہ کو کلّی طور پر تو وہ شریعت سے ہٹا نہیں سکتے: جزوی طور پر سہی، مسلمان دین سے ہٹ جائیں تو ان کا کلیجہ ٹھنڈا ہو، چنانچہ وہ نام کے مسلمانوں کو بڑھاوا دیتے ہیں، ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، کہتے ہیں: اگر سارے مسلمان اپ ٹو ڈیٹ ہوجائیں، یعنی نام کے مسلمان رہ جائیں تو جھگڑا ختم ہوجائے!

چنانچہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے خطاب فرماتے ہیں، مگر مقصود امت کو ہوشیار کرنا ہے کہ آپؐ ان کے مقدمہ میں شریعت کے مطابق فیصلہ کریں، اور ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیں، آپؐ چوکنا رہیں، وہ اپنی چال میں کامیاب نہ ہوں، ایک خاص معاملہ میں بھی وہ آپؐ کو شریعت سے ہٹانے نہ پائیں، اس لئے کہ رسّی جب ڈھیلی پڑتی ہے تو کبھی سرا ہاتھ سے نکل جاتا ہے! اس لئے رسّی مضبوط تھامے رہنا ہی بہتر ہے۔

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ط﴾

ترجمہ: اور یہ کہ ـــــ یعنی بایں وجہ کہ قرآن سابقہ کتابوں کا محافظ ہے ـــــ آپؐ فیصلہ کریں ان کے درمیان اس کے موافق جو اللہ نے اتارا ہے، اور آپؐ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں ـــــ یہ تمہید لوٹائی ہے اگلی بات کہنے کے لئے ـــــ اور آپؐ ان سے چوکنا رہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپؐ کو بچلا دیں ـــــ پھسلا دیں ـــــ اُس (وحی) کے کچھ حصہ سے جو اللہ نے آپؐ کی طرف نازل کی ہے۔

اگر یہود شرعی فیصلہ قبول نہ کریں تو دو باتیں واضح ہیں

یہود: مشرکین کے ساتھ اپنا مقدمہ اگر اسلامی کورٹ میں لائیں تو قاضی اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کرے گا، ان کی شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا، ان کی شریعت اور اسلامی شریعت تو ایک ہیں، لامحالہ جاہلی ریت کے مطابق فیصلہ کرنا ہوگا، پس دو باتیں واضح ہیں:

ایک: یہود کو اللہ تعالیٰ ان کی اس حرکت کی سزا ضرور دیں گے، اس لئے کہ انھوں نے اللہ کے فیصلہ سے روگردانی کی ہے، اور شیطان کی شریعت کے سامنے سر جھکایا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد ان کی عہد شکنی اور سازشوں کی سزا جلاوطنی اور قتل کی صورت میں دنیا ہی میں مل گئی!

دوم: یہ روگردانی ان کی نافرمانی کی دلیل بن گئی، دنیا میں بیشتر لوگ اطاعت شعار نہیں ہوتے، یہود بھی فرمان بردار نہیں۔

وضعی قوانین اور شرعی قوانین یکساں نہیں ہوسکتے!

مسلمانوں کی جو حکومتیں اسلامی قانون کے بجائے پارلیمنٹری قوانین کو اپنائے ہوئے ہیں، اور جو مسلمان حقیر مفادات کے لئے شریعت کے قانون کو چھوڑ کر غیر اسلامی عدالتوں کا رخ کرتے ہیں وہ جان لیں کہ وضعی قوانین شرعی قوانین کے برابر کبھی نہیں ہوسکتے، پس کیا وہ گھوڑے کو چھوڑ کر گدھے پر سواری کرنا چاہتے ہیں؟!

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ط وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۝﴾

ترجمہ: پس اگر وہ (یہود آپؐ کے فیصلہ سے) روگردانی کریں تو آپؐ سمجھ لیں کہ (۱) اللہ تعالیٰ ان کو ان کی بعض حرکتوں کی سزا دینا چاہتے ہیں (۲) اور یہ کہ بیشتر لوگ نافرمان ہیں۔

تو کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور یقین کرنے والوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟ —— کوئی نہیں!

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ ؔ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْھِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَۃٌ ؕ فَعَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِہٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰی مَآ اَسَرُّوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ نٰدِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ ۙ اِنَّھُمْ لَمَعَکُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۵۳﴾

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ	اے وہ لوگو جو	مِنْھُمْ	ان میں سے ہے	اَنْ تُصِیْبَنَا	کہ پہنچے ہمیں
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اِنَّ اللّٰہَ	بے شک اللہ تعالیٰ	دَآئِرَۃٌ	گردش زمانہ
لَا تَتَّخِذُوا	نہ بناؤ تم	لَا یَھْدِیْ	راہ نہیں دیتے	فَعَسَی	پس قریب ہیں
الْیَھُوْدَ	یہود	الْقَوْمَ	لوگوں کو	اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ
وَالنَّصٰرٰٓی	اور نصاریٰ کو	الظّٰلِمِیْنَ	ناانصاف	اَنْ یَّاْتِیَ	کہ لے آئیں
اَوْلِیَآءَ	دوست	فَتَرَی	پس دیکھتا ہے تو	بِالْفَتْحِ	کامیابی
بَعْضُھُمْ	ان کے بعض	الَّذِیْنَ	ان کو جو	اَوْ اَمْرٍ	یا کوئی دوسری بات
اَوْلِیَآءُ	دوست ہیں	فِیْ قُلُوْبِھِمْ	ان کے دلوں میں	مِّنْ عِنْدِہٖ	اپنے پاس سے
بَعْضٍ	بعض کے	مَّرَضٌ	بیماری ہے	فَیُصْبِحُوْا	پس ہو کر رہ جائیں وہ
وَمَنْ	اور جو شخص	یُّسَارِعُوْنَ	دوڑتے ہیں	عَلٰی مَآ	اس پر جو
یَّتَوَلَّھُمْ	دوستی کرے گا ان سے	فِیْھِمْ	ان میں	اَسَرُّوْا	چھپایا انھوں نے
مِّنْکُمْ	تم میں سے	یَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں	فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ	اپنے دلوں میں
فَاِنَّہٗ	پس بے شک وہ	نَخْشٰٓی	ڈر رہے ہمیں	نٰدِمِیْنَ	پشیمان

وَيَقُوْلُ	اور کہیں گے	اَقْسَمُوْا	قسمیں کھائی تھیں	لَمَعَكُمْ	البتہ تمہارے ساتھ ہیں
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	حَبِطَتْ	برباد ہوئے
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	جَهْدَ	بھاری	اَعْمَالُهُمْ	ان کے کام
اَهٰٓؤُلَآءِ	کیا یہ ہیں وہ لوگ	اَيْمَانِهِمْ	اپنی قسمیں	فَاَصْبَحُوْا	پس ہو کر رہ گئے وہ
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	اِنَّهُمْ	کہ وہ	خٰسِرِيْنَ	نقصان اٹھانے والے

برا چاہنے والوں سے دور کی بھلی!

گذشتہ آیت سے جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہود و نصاری مسلمانوں کا دین خراب کرنا چاہتے ہیں تو برا چاہنے والوں سے دور کی بھلی! ان سے یارانہ مت کرو، جو ان سے دوستی کرے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا، ہر چہ در کانِ نمک رفت نمک شد! اور ظالموں (اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے والوں) کا اللہ تعالیٰ ہاتھ نہیں پکڑتے!

غیر مسلموں سے موالات (مودت، دلی دوستی) جائز نہیں، اس لئے کہ دلی دوستی رنگ لاتی ہے، اور نتیجہ ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتا ہے، اس لئے دینی ضرر کا اندیشہ ہے، اور دین کی حفاظت ضروری ہے، اور موالات کے علاوہ مدارات، مواسات اور معاملات کے احکام ہدایت القرآن (۱:۳۹۴) میں ہیں۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! یہود و نصاری کو دوست مت بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں —— منکرین اسلام سب ایک تھیلے کے چٹے بٹے ہیں —— اور تم میں سے جو ان کے ساتھ دوستی کرے گا وہ انہیں میں سے ہوگا، اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ نہیں دیتے!

نفاق کا کرشمہ اور اس کا جواب

ظالموں کو، یعنی منافقوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے ہم کنار نہیں کرتے، جب تک بندہ ہدایت کا ارادہ نہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی دستگیری نہیں کرتے، اب ایک آیت میں نفاق کی کرشمہ سازی اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

شانِ نزول: انصار کے قبیلہ خزرج میں دو بڑے آدمی تھے، حضرت سعد بن عبادہؓ مخلص مسلمان اور قبیلہ کے سردار تھے، اور عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار تھا۔ دونوں میں گفتگو ہوئی، حضرت سعدؓ نے عبداللہ سے کہا: تو یہود کی طرف پینگ

کیوں بڑھاتا ہے؟ مخلص مسلمان کیوں نہیں بنتا؟ نجات کے لئے یہ نفاق والا اسلام کافی نہیں!

عبداللہ نے جواب دیا: مسلمانوں میں اور ان کے مخالفین میں جو کش مکش برپا ہے: معلوم نہیں یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے، اس لئے اگر ہم مسلمانوں ہی کے ہو کر رہ گئے، اور فتح مخالفین کی ہوئی تو ہم سخت مصیبت میں پھنس جائیں گے، پس بہتر یہی ہے کہ دونوں طرف راہ ورسم باقی رہے۔

اللہ تعالیٰ جواب ارشاد فرماتے ہیں: بہت جلدی اسلام کی فتح ہوگی، اس میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے، یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اور بات پیش آئے گی، اور تمہارے حلیفوں (دوستوں) کو یعنی یہود کو عہد شکنی اور سازشوں کے نتیجہ میں جلاوطن کیا جائے گا یا قتل کیا جائے گا، پس تمہارے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے، اور تم نے دلوں میں جو نفاق چھپایا ہے اس پر سخت پشیمان ہوؤ گے!

﴿ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝۵۲ ﴾

ترجمہ: پس آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، وہ دوڑ دھوپ کرتے ہیں ان (یہود) میں، کہتے ہیں: ہمیں گردش زمانہ کا ڈر ہے! —— (جواب) سو جلد اللہ تعالیٰ فتح (کامیابی) یا اپنی طرف سے کوئی اور بات (جلاوطنی اور قتل) لے آئیں، پس وہ (منافقین) اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر پشیمان ہو کر رہ جائیں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم، نہ اُدھر کے رہے نہ اِدھر کے!

جب اسلام کی فتح ہوگی یا مخالفین اسلام (یہود) ذلیل وخوار ہونگے تو یہ منافقین دوراہے پر کھڑے رہ جائیں گے، اور چہ می کنم؟ میں مبتلا ہونگے۔ افسوس سے انگلیاں کاٹیں گے کہ مسلمان کیوں کامیاب ہو گئے! —— حالانکہ وہ بظاہر مسلمان تھے، ان کو چاہئے تھا کہ مسلمانوں کی کامیابی پر گھی کے چراغ جلاتے! —— جب مسلمان ان کی مکھی تیل میں گری ہوئی دیکھیں گے تو تعجب سے کہیں گے: یہی وہ لوگ ہیں جو کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ ہیں، اب پردہ ہٹا کہ وہ مخالفین اسلام کے ساتھ تھے، اس لئے ان کی رسوائی پر مگر مچھ کے آنسو بہا رہے ہیں —— اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ان کی سب پینترے بازیاں گاؤ خورد ہو گئیں، اور گھاٹے کے سوا ان کے ہاتھوں میں کچھ باقی نہ رہا!

﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۵۳ ﴾

ترجمہ: اور کہیں گے ایمان والے: کیا یہی ہیں وہ لوگ جو بڑے زور کی قسمیں کھاتے تھے کہ بے شک وہ تمہارے (مسلمانوں) کے ساتھ ہیں، ان کے اعمال برباد ہوئے، اور وہ گھاٹا پانے والوں میں سے ہوکر رہ گئے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ ع

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں کے حق میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اَعِزَّةٍ(۲)	تیز طرار	وَاسِعٌ	کشائش والے
مَنْ يَّرْتَدَّ	جو پھر جائے گا	عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کے حق میں	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں
مِنْكُمْ	تم میں سے	يُجَاهِدُوْنَ	لڑیں گے وہ	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ
عَنْ دِيْنِهٖ	اپنے دین سے	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہِ خدا میں	وَلِيُّكُمُ	تمہارا دوست
فَسَوْفَ	پس عنقریب	وَلَا يَخَافُوْنَ	اور نہیں ڈریں گے وہ	اللّٰهُ	اللہ ہے
يَأْتِي اللّٰهُ	لائیں گے اللہ	لَوْمَةَ	ملامت سے	وَرَسُوْلُهٗ	اور اس کا رسول ہے
بِقَوْمٍ	ایسے لوگوں کو	لَآئِمٍ	ملامت کرنے والے کی	وَالَّذِيْنَ	اور وہ لوگ ہیں جو
يُّحِبُّهُمْ	جن سے وہ محبت کرتے ہونگے	ذٰلِكَ	یہ	اٰمَنُوا	ایمان لائے
وَيُحِبُّوْنَهٗٓ	اور جس سے وہ محبت	فَضْلُ اللّٰهِ	اللہ کی مہربانی ہے	الَّذِيْنَ	جو لوگ
	کرتے ہونگے	يُؤْتِيْهِ	دیں گے وہ اس کو	يُقِيْمُوْنَ	اہتمام کرتے ہیں
اَذِلَّةٍ(۱)	نرم دل	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہیں گے	الصَّلٰوةَ	نماز کا

(۱) أذلة: ذلیل کی جمع قلت ہے، یہاں اس کے معنی متواضع اور نرم دل کے ہیں (۲) أعزة: عزیز کی جمع: زبردست۔

وَ يُؤْتُوْنَ	اور دیتے ہیں	وَمَنْ	اور جو شخص	اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہیں
الزَّكٰوةَ	زکات	يَّتَوَلَّ اللّٰهَ	دوستی کرتا ہے اللہ سے	فَاِنَّ حِزْبَ	تو بے شک جماعت
وَهُمْ (۱)	درانحالیکہ وہ	وَ رَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول سے	اللّٰهِ	اللہ کی
رٰكِعُوْنَ	جھکنے والے ہیں	وَ الَّذِيْنَ	اور ان لوگوں سے جو	هُمُ الْغٰلِبُوْنَ	ہی غالب رہنے والی ہے

منافقین اپنی سیرت کا مسلمانوں کی سیرت سے موازنہ کریں اور تفاوت دیکھیں

ربط: گذشتہ آیت میں ان منافقین کا ذکر تھا جو اہل کتاب (یہود ونصاری) کی طرف پینگ بڑھاتے ہیں، اب ان آیات میں ان کو کھرے مسلمانوں کا آئینہ دکھاتے ہیں، تاکہ وہ اپنے احوال کا ان مخلص مسلمانوں کے احوال کے ساتھ موازنہ کریں، اور دیکھیں کہ تفاوت راہ از کجا است تا بکجا!

منافق بھی بظاہر مسلمان تھے، اس لئے ان سے خطاب ہے کہ اگر تم نے اسلام کو چھوڑ دیا تو اللہ کے دین کا کیا نقصان ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کسی اور قوم کو کھڑا کردیں گے، جو اللہ کی محبوب قوم ہوگی، اور وہ اللہ سے محبت کرتی ہوگی، اور ان میں چھ خوبیاں ہونگی، جن سے تم خالی ہو:

۱- وہ مسلمانوں کے حق میں نرم، اور کافروں کے حق میں گرم ہونگے، اور تمہارا معاملہ برعکس ہے، تم مسلمانوں کے بدخواہ، اور کافروں کے خیرخواہ ہو!

۲- وہ اللہ کے دین کے لئے سرفروش ہونگے، اور تم جہاد سے کنّی کاٹتے ہو!

۳- وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے، اور تم کانوں کے کچّے ہو! ملامت گر کی سنتے ہو!

۴- ان کی دوستی اللہ سے، اور ان کے رسول سے اور مسلمانوں سے ہوگی، اور تمہارا اغیروں کے ساتھ سنگت ہے!

۵- وہ بدنی عبادت میں سے اہم عبادت: نماز خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھیں گے، اور تم ہارے جی نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہو!

۶- وہ مالی عبادت میں سے اہم عبادت: زکات خوشی خوشی دیں گے، اور تمہاری خرچ کرتے وقت جان نکلتی ہے!

یہ خوبیاں اللہ کا فضل ہیں، جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں، اور بے حساب دیتے ہیں، وہ بڑی گنجائش والے ہیں، اور اس کو جانتے ہیں جو اس کا مستحق ہے، اور ان صفات کے حامل حزب اللہ (اللہ کی جماعت) ہیں، انہیں کے لئے خوش انجامی ہے، تم بھی خیر چاہتے ہو تو اس جماعت میں شامل ہوجاؤ! اور یہود ونصاری سے کٹ جاؤ!

(۱) وھم راکعون: یقیمون اور یؤتون کے فاعل کا حال ہے (جمل)

یہ آیات کا ماسبق سے ربط ہے، اب تفسیر پڑھیں:

پہلی آیت میں اسلام کی بقا اور حفاظت کے متعلق پیشین گوئی ہے، پچھلی آیات میں کفار کی موالات کی ممانعت تھی، یہاں کوئی سوچ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص یا کوئی قوم کفار کے ورغلانے سے اسلام سے پھر جائے گی تو کیا ہوگا؟ اسلام کا نقصان ہوگا! پس کفار سے بنائے رکھنے میں فائدہ ہے۔

جواب: ایسے لوگ اپنا ہی نقصان کریں گے، اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا، اللہ تعالیٰ مرتدین کی جگہ ایسی قوم لے آئیں گے جن کو اللہ پسند کرتے ہیں، اور وہ اللہ کے عاشق ہونگے، وہ باہم نرم دل اور غیروں کے ساتھ گرم زباں ہونگے، وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ان سے لوہا لیں گے، اور کسی ملامت گر کی نہیں سنیں گے۔

اللہ کی یہ پیشین گوئی ہر قرن میں پوری ہوتی رہی، کعبہ کو صنم خانہ سے محافظ ملتے رہے، آج بھی مشاہدہ ہے: جب اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف کوئی کیچڑ اچھالتا ہے تو اسلام قبول کرنے والوں کی نفری بڑھ جاتی ہے، اور مرتدین کی سرکوبی کے لئے ایسے حضرات کھڑے ہوجاتے ہیں جن کی طرف خیال بھی نہیں جاتا، اللہ تعالیٰ جن بندوں کو چاہتے ہیں اپنے فضل سے نوازتے ہیں، ان کا فضل غیر محدود ہے، اور وہ خوب جانتے ہیں کہ کون بندہ اس کا اہل اور مستحق ہے۔

جب یہود و نصاریٰ کی دوستی سے مسلمانوں کو منع کیا گیا تو سوال پیدا ہوا کہ پھر دوستی کس سے کی جائے؟ اگلی دو آیتوں میں اس کا جواب ہے کہ مسلمان مسلمانوں کی رفاقت پر اکتفا کریں، اور مسلمان بھی دیندار: نماز، زکات ادا کرنے والے، وہی دین کے سچے وفادار ہیں، اور آخر میں انہیں کا پلّہ بھاری رہے گا۔

آیاتِ کریمہ: اے وہ لوگو جو (بظاہر) ایمان لائے ہو! جو تم میں سے اپنے دین (اسلام سے) پھر جائے گا تو جلد ہی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لے آئیں گے جن سے اللہ محبت کرتے ہیں، اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں ـــــ دوطرفہ محبت مثمر ہوتی ہے، یک طرفہ محبت لاحاصل ہوتی ہے ـــــ جو مسلمانوں کے حق میں نرم (دل) اور منکرین اسلام کے ساتھ گرم (زباں) ہونگے، جو اللہ کے راستہ میں لڑیں گے، اور ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ فضلِ الٰہی ہے، اللہ جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑی گنجائش والے، خوب جاننے والے ہیں۔

تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ، اور اس کے رسول اور مسلمان ہی ہیں، جو نماز کا اہتمام کرتے ہیں اور زکات دیتے ہیں، درانحالیکہ وہ اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں ـــــ یعنی دکھاوے کی نماز نہیں پڑھتے، نہ ناموری کے لئے خرچ کرتے ہیں، بلکہ عاجزی کے ساتھ یہ کام کرتے ہیں ـــــ اور جو شخص اللہ کو، اور ان کے رسول کو اور مسلمانوں کو دوست بنائے گا تو اللہ کی جماعت ہی غالب ہو کر رہے گی!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَوْ لَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	هُزُوًا	ٹھٹھا	اَوْلِيَآءَ	دوست
اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہو	وَّ لَعِبًا	اور کھیل	وَ اتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو اللہ سے
لَا تَتَّخِذُوْا	مت بناؤ تم	مِّنَ الَّذِيْنَ(۲)	ان لوگوں میں سے جو	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
الَّذِيْنَ(۱)	ان لوگوں کو جنھوں نے	اُوْتُوا الْكِتٰبَ	دیئے گئے آسمانی کتاب	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان والے
اتَّخَذُوْا	بنایا	مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے	وَ اِذَا نَادَيْتُمْ	اور جب پکارتے ہو تم
دِيْنَكُمْ	تمہارے دین کو	وَ الْكُفَّارَ(۳)	اور کافروں کو	اِلَى الصَّلٰوةِ	نماز کے لئے

(۱) الذين اتخذوا: لاتتخذوا کا مفعول اول ہے، اور أولياء: مفعولِ ثانی (۲) من الذين: میں مِن بیانیہ الذين اتخذوا کا بیان ہے (۳) والکفار: الذين اتخذوا مفعولِ اول پر معطوف ہے۔

اتَّخَذُوْهَا	تو بناتے ہیں وہ اس	قُلْ	کہو	وَ اِذَا	اور جب
	(عبادت) کا	هَلْ اُنَبِّئُكُمْ	کیا آگاہ کروں میں تم کو	جَآءُوْكُمْ	آتے ہیں تمہارے پاس
هُزُوًا	ٹھٹھا	بِشَرٍّ	زیادہ برے سے	قَالُوْٓا	کہتے ہیں:
وَّ لَعِبًا	اور کھیل	مِّنْ ذٰلِكَ	اس سے بھی	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ	یہ بات بایں وجہ کہ وہ	مَثُوْبَةً	بدلہ کے اعتبار سے	وَقَدْ دَّخَلُوْا	حالانکہ آئے ہیں وہ
قَوْمٌ	ایسے لوگ ہیں	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک؟	بِالْكُفْرِ	کفر کے ساتھ
لَّا يَعْقِلُوْنَ	جو سمجھتے نہیں ہیں	مَنْ لَّعَنَهُ	جس کو پھٹکارا	وَهُمْ	اور وہ
قُلْ	کہو	اللّٰهُ	اللہ نے	قَدْ خَرَجُوْا	تحقیق نکلے ہیں
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے آسمانی کتاب والو!	وَ غَضِبَ	اور غضبناک ہوئے وہ	بِهٖ	اس کے ساتھ
هَلْ تَنْقِمُوْنَ (۱)	نہیں عیب پاتے ہو تم	عَلَيْهِ	اس پر	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
مِنَّآ	ہمارے اندر	وَ جَعَلَ	اور بنائے	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں
اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	مِنْهُمُ	ان میں سے	بِمَا كَانُوْا	ان باتوں کو جو
اٰمَنَّا	ایمان لائے ہیں ہم	الْقِرَدَةَ	بندر	يَكْتُمُوْنَ	چھپایا کرتے تھے وہ
بِاللّٰهِ	اللہ پر	وَالْخَنَازِيْرَ	اور سور	وَتَرٰى	اور دیکھتے ہیں آپ
وَمَآ اُنْزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا	وَعَبَدَ	اور پوجا اس نے	كَثِيْرًا مِّنْهُمْ	ان میں سے بہتوں کو
اِلَيْنَا	ہماری طرف	الطَّاغُوْتَ	شیطان کو	يُسَارِعُوْنَ	دوڑ رہے ہیں
وَمَآ اُنْزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ	فِي الْاِثْمِ	گناہ میں
مِنْ قَبْلُ	قرآن سے پہلے	شَرٌّ مَّكَانًا	برے درجہ میں ہیں	وَ الْعُدْوَانِ	اور ظلم وزیادتی میں
وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ (۲)	اور یہ کہ تم میں سے بیشتر	وَّ اَضَلُّ	اور زیادہ گمراہ ہیں	وَ اَكْلِهِمُ	اور ان کے کھانے میں
فٰسِقُوْنَ	حد اطاعت سے نکلنے	عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ	سیدھے راستہ سے	السُّحْتَ	حرام مال کو
	والے ہیں			لَبِئْسَ مَا	یقیناً برا ہے جو

(۱)نقم الشيءَ: کسی چیز میں عیب نکالنا، ناپسند کرنا، اور منا میں من صلہ کا نہیں، ابتدائیہ ہے (۲)**أن أكثركم، أن آمنا** پر معطوف ہے۔

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے وہ	وَ الْاَحْبَارُ	اور بڑے علماء	السُّحْتَ	حرام مال
لَوْلَا	کیوں نہیں	عَنْ قَوْلِهِمُ	ان کے کہنے سے	لَبِئْسَ مَا	البتہ برا ہے جو
يَنْهٰهُمُ	روکتے ان کو	الْاِثْمَ	گناہ کی بات	كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے
الرَّبّٰنِيُّوْنَ	اللہ والے	وَ اَكْلِهِمُ	اوران کے کھانے سے	۞	۞

اہل کتاب اور ہر منکر اسلام کو دوست بنانے کی ممانعت اور اس کی وجہ

گذشتہ آیات میں اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کو دوست بنانے کی ممانعت تھی، اب حکم عام کرتے ہیں کہ خواہ اہل کتاب ہوں جن کو قرآنِ کریم سے پہلے آسمانی کتابیں دی گئی ہیں، خواہ دیگر منکرینِ اسلام ہوں، ہندو ہوں، بدھسٹ ہوں، کمیونسٹ ہوں یا مسلمانوں کے وہ فرقے جو دائرۂ اسلام سے نکل چکے ہیں: ان سب کو دوست (رازدار) بنانا ممنوع ہے۔

وجہ: یہ سب لوگ اسلام کا یا مذہب حق کا مذاق اڑاتے ہیں، دین حق کا کھیل تماشہ بناتے ہیں، اور گمراہ فرقے بھی اہل حق کو برا کہنے میں کسر نہیں چھوڑتے: ایسے لوگوں سے دوستی کے کیا معنی؟ آدمی دوست کا اثر قبول کرتا ہے، گندگی میں جو گھستا ہے گندہ ہوتا ہے، پس مسلمان اپنا دین کیوں خراب کریں؟ جو سچے مؤمنین ہیں وہ اللہ سے ڈریں! اور اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں، اور بدقماش (بددین) لوگوں سے دوستی نہ کریں، ورنہ وہ بھی شرابی اور بے نمازی ہوجائیں گے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۵۷ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جن کو تم سے پہلے آسمانی کتابیں دی گئی ہیں، جو تمہارے دین کا ٹھٹھا مذاق اڑاتے ہیں: ان کو اور منکرینِ اسلام کو دوست مت بناؤ، اور اللہ سے ڈرو اگر تم ایماندار رہو!

اہل کتاب اور کفار مسلمانوں کی عبادت کا مذاق اڑاتے ہیں

جب اذان پکاری جاتی ہے تو غیر مسلم مسلمانوں کی عبادت کا مذاق اڑاتے ہیں، حالانکہ اذان کیا ہے؟ اللہ کی کبریائی اور یکتائی کا اعلان، نبی ﷺ کی رسالت کا اقرار، نماز کی دعوت، جو سبھی سماوی ملتوں کی مشترک عبادت ہے، اور اس پر کامیابی کا مژدہ، اور آخر میں دوبارہ اللہ کی بڑائی اور توحید کا اعلان! اور اذان کے بعد جو نماز پڑھی جاتی ہے: اس کے ذریعہ اللہ کے سامنے آخری درجہ کی عاجزی اور نیازمندی کا اظہار ہوتا ہے۔

مگر یہود ونصاریٰ اور مشرکین کو اذان اور نماز سے چڑ ہے، جہاں ان کی حکومتیں ہیں مساجد بنانے کی اجازت مشکل

سے دیتے ہیں، اور منارہ اور گنبد بنانے کے تو ہرگز روادار نہیں ہوتے، نہ آلۂ مکبر الصوت سے اذان دینے کی اجازت دیتے ہیں، یہ سب کیا ہے؟ مسلمانوں کی عبادت کی ناپسندیدگی!

اور آیت کا شانِ نزول چند واقعات ہیں:

۱- مدینہ میں ایک عیسائی تھا، وہ جب اذان میں أشهد أن محمداً رَّسولُ الله سنتا تو کہتا: جھوٹے کو اللہ تعالیٰ جلا دیں! ـــــ پھر اتفاق یہ ہوا کہ وہ اور اس کا خاندان سویا ہوا تھا، ایک چھوکرا آگ لے کر گھر میں آیا، اس میں سے ایک چنگاری گر گئی، جس سے آگ بھڑکی، اور وہ اور اس کا سارا خاندان جل گیا!

۲- جب اذان ہوتی، اور مسلمان نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو یہود کہتے: یہ کھڑے ہوئے ہیں، خدا کرے کبھی ان کو کھڑا ہونا نصیب نہ ہو! اور جب مسلمان رکوع سجدہ کرتے تو ٹھٹھا مخول کرتے، کیونکہ ان کی نماز میں رکوع سجدہ نہیں تھا۔

۳- مکہ سے حنین جاتے ہوئے جب لشکر ایک بستی کے پاس اترا اور نماز کا وقت ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینی شروع کی، گاؤں کے جوان جو تماشہ دیکھنے آئے تھے انھوں نے مؤذن کی آواز میں آواز ملا کر مذاق شروع کیا، نبی ﷺ کے حکم سے سب پکڑ لئے گئے، ان میں سے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور ان کو مکہ کا مؤذن مقرر کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ لوگ اذان اور نماز کا مذاق کیوں اڑاتے ہیں؟ اس لئے اڑاتے ہیں کہ یہ بے عقل ہیں، عقلِ معاش تو ان کے پاس ہے، مگر عقلِ معاد نہیں، بھلا اللہ کی بندگی اور اس کی صورتیں بھی قابلِ تمسخر ہیں!

﴿ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝۵۸ ﴾

ترجمہ: اور جب تم نماز کے لئے آواز دیتے ہو تو وہ (اہل کتاب اور کفار) اس کا ٹھٹھا مخول کرتے ہیں، یہ بات اس وجہ سے ہے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں!

کیا مسلمانوں کا سچا ایمان اور ان کی اطاعت شعاری اہل کتاب کے نزدیک عیب ہے، جس کی وجہ سے وہ ان کا استہزاء کرتے ہیں؟

کسی کام کی ہنسی اڑانا دو وجہ سے ہوتا ہے: ایک: اس وجہ سے کہ کام قابلِ استہزاء ہے۔ دوم: اس وجہ سے کہ کام کرنے والے کی حالت قابلِ استہزاء ہے ـــــ اب غور کرو! اذان اور نماز تو قابلِ استہزاء نہیں، وہ تو بہترین کام ہیں، لامحالہ مسلمانوں کی حالت ہی اہل کتاب کے نزدیک قابلِ استہزاء ہوگی، مسلمانوں کے حالات کیا ہیں؟

۱- وہ اللہ پر، اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب قرآن پر، اور قرآن سے پہلے جو کتابیں نازل ہو چکی ہیں: ان سب پر ایمان

رکھتے ہیں، اور وہ کتابیں جن رسولوں پر نازل ہوئی ہیں ان کو سچا مانتے ہیں، مگر اہل کتاب کا نہ سب کتابوں پر ایمان ہے، نہ سب رسولوں پر! یہود: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور نبی ﷺ کو نہیں مانتے، اور انجیل اور قرآن کو بھی اللہ کی کتابیں نہیں مانتے، اور عیسائی: نبی ﷺ کو اور آپؐ پر نازل شدہ قرآن کو نہیں مانتے، جبکہ سب انبیاء ایک اتھارٹی کے بھیجے ہوئے ہیں، اور سب کتابیں ایک سرچشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، پس بتاؤ! قابل استہزاء حالت مسلمانوں کی ہے یا اہل کتاب کی؟

۲- مسلمان ہر طرح اللہ کے اطاعت شعار اور فرماں بردار ہیں، وہ اللہ کی نازل کی ہوئی ساری شریعت پر عمل کرتے ہیں، اور اہل کتاب کا حال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر دائرۂ اطاعت سے باہر ہیں، فاسق ہیں، جو احکام ان کو پسند ہیں ان پر عمل کرتے ہیں، اور جو احکام ان کی مرضی کے خلاف ہیں ان کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، یہ کیسی اطاعت ہے؟ —— پس بتاؤ! کس کی حالت قابل تمسخر ہے؟ مسلمانوں کی یا اہل کتاب کی؟ مگر چور الٹا کوتوال کو ڈانٹے! اہل کتاب مسلمانوں کا ٹھٹھا کرتے ہیں!

فائدہ: اور اکثر اس لئے کہا کہ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو ہر حال میں اطاعت شعار تھے، وہی نبی ﷺ پر ایمان لائے تھے، اور قرآنِ کریم کی متابعت کرنے لگے تھے۔

قرآنِ کریم ضدین میں سے ایک کو بیان کرکے دوسری ضد بھی مراد لیتا ہے

قرآنِ کریم کا ایک خاص اسلوب ہے: وہ کبھی ضدین میں سے ایک کو بیان کرتا ہے، اور فہم سامع پر اعتماد کرکے دوسری ضد کو چھوڑ دیتا ہے، سامع تقابل سے دوسری ضد کو خود ہی سمجھ لے گا، جیسے سورۃ آلِ عمران (آیت ۲۶) میں: ﴿ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ﴾ کے بعد اس کی ضد شر کو چھوڑ دیا ہے، جبکہ وہ بھی مراد ہے، شر کے مالک بھی اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور سورۃ الاحزاب کی (آیت ۷۲) میں: ﴿ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴾ کی ضد عادل وعلیم کو چھوڑ دیا ہے، انسان نے بار امانت اٹھایا، بے شک وہ بڑا ظالم بڑا نادان ہے، سوال یہ ہے کہ انسان نے کام وہ کیا جو کوئی مخلوق نہیں کرسکی، اور صلہ یہ ملا کہ وہ ظلوم وجہول ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضدین میں سے ایک کو بیان کیا ہے، اور مراد دوسری ضد بھی ہے، پس یہ صرف صفاتِ ذم نہیں، ان میں صفاتِ مدح بھی مضمر ہیں، یعنی انسان چاہے تو علیم وعدول بھی بن سکتا ہے، انسان میں اس کی وافر صلاحیت ہے، اور نہ چاہے تو ظلوم وجہول ہوگا۔

اسی طرح یہاں اہل کتاب کا فسق (عدم اطاعت) اور مسلمانوں کی اطاعت شعاری ضدین ہیں، ان میں سے ایک کو یعنی اہل کتاب کے فسق کو بیان کیا ہے، اور وہ مراد بھی ہے، اور اس کی ضد: مسلمانوں کی اطاعت شعاری بھی مراد ہے۔

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: پوچھو! اے اہل کتاب! تم ہم میں یہی عیب تو پاتے ہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر، اور اس کتاب پر جو ہماری طرف اتاری گئی ہے، اور ان کتابوں پر جو قرآن سے پہلے اتاری گئی ہیں، اور (یہ عیب پاتے ہو) کہ تم میں سے اکثر حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں ـــــ یعنی ہم تو اطاعت شعار ہیں، پس کیا تمہارے نزدیک مسلمانوں کا یہ عیب ہے جس کی وجہ سے تم ان کا مذاق اڑاتے ہو؟

استہزاء اور ملامت کے قابل لوگ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، اللہ کی طرف سے نازل شدہ تمام کتابوں کی تصدیق کرنا اور اللہ کے تمام احکامات کی پیروی کرنا مسلمانوں کا ہنر ہے، مگر اہل کتاب کے خیال میں یہ ان کی برائی ہے، اس لئے وہ مسلمانوں سے ٹھٹھا کرتے ہیں، ان کا الّو بناتے ہیں، جبکہ یہ باتیں قابلِ تعریف ہیں، قابل الزام چار لوگ ہیں:

۱- کچھ یہودی مچھیرے تھے، انھوں نے حیلہ کر کے ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑیں، اور فہمائش کے باوجود باز نہیں آئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا، ان پر سخت غصہ ہوئے، ان میں سے کچھ کو بندر اور سور بنا دیا، اور انھوں نے شیطان کی اطاعت کی، اس کے ورغلانے میں آ گئے: یہ لوگ ہیں قابل ملامت اور موردِ طعن! یہ بدترین یہودی تھے اور راہِ راست سے بھٹک گئے تھے ـــــ نہ کہ مسلمان!

۲- وہ منافق یہودی قابل ملامت ہیں جو نبی ﷺ کی مجلس میں آتے ہیں اور اپنا مؤمن ہونا ظاہر کرتے ہیں، جبکہ وہ کافر ہی آتے ہیں، اور کافر ہی جاتے ہیں، پس کیا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے کفر سے بے خبر ہیں؟ یہی منافق یہودی استہزاء کے لائق ہیں ـــــ نہ کہ مسلمان!

۳- وہ عام یہودی قابل ملامت ہیں جو شوق سے گناہوں کی طرف جھپٹتے ہیں، لازمی گناہ بھی کرتے ہیں اور متعدی بھی، لازمی گناہ وہ ہیں جن کا اثر ان کی ذات تک محدود رہتا ہے، یہی اِثم ہیں، اور متعدی گناہ وہ ہیں جن کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے، یہ ظلم وعدوان ہیں، اور حرام خوری ان کا شیوہ ہے، ان لوگوں کی برائی میں کیا شبہ ہے؟ یہود ان پر طعن وتشنیع کیوں نہیں کرتے؟

۴- یہود کے خواص: درویش اور کبار علماء: اپنے عوام کی بری حالت دیکھتے ہیں اور گونگے شیطان بنے رہتے ہیں، ان کے عوام دنیوی لذات میں مشغول ہو کر اللہ کے احکام بھلا بیٹھے ہیں، اور ان کے خواص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر چکے ہیں، کیا ان خواص کا یہ عمل قابل ملامت نہیں؟

یہی چار یہودی قابل سرزنش ہیں، یہود کو چاہئے کہ ان کو برا کہیں، مسلمانوں میں جو دو باتیں ہیں — ان کا صحیح ایمان اور اطاعت شعاری — وہ قابل گرفت نہیں، وہ تو ان کی خوبیاں ہیں، یہود کو چاہئے کہ وہ ان خوبیوں کا اعتراف کریں، مسلمانوں کو اعتراضات کا نشانہ نہ بنائیں۔

﴿ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۚ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۚ أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ ﴾

ترجمہ: کہو: کیا میں تمہیں آگاہ کروں ان لوگوں سے — مسلمانوں سے — بدتر لوگوں سے اللہ کے نزدیک بدلہ کے اعتبار سے؟ — ۱- جن کو اللہ نے رحمت سے دور کردیا، اور جن پر وہ غضبناک ہوئے، اور جن میں سے کچھ کو اللہ نے بندر اور سور بنادیا، اور جنھوں نے سرکش (شیطان) کی عبادت کی — یعنی اس کے ورغلانے میں آئے — وہی لوگ مرتبہ میں برے اور راہِ راست سے بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں!

﴿ وَإِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۚ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: ۲- اور جب وہ — منافق یہودی — آپؐ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ''ہم ایمان لائے!'' حالانکہ وہ آئے ہیں کفر کے ساتھ، اور نکلے ہیں کفر کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں اس بات کو جو وہ چھپاتے ہیں!

﴿ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: ۳- اور آپؐ دیکھتے ہیں ان کے اکثر کو دوڑ کر گر رہے ہیں گناہ کے کاموں میں اور ظلم زیادتی کے کاموں میں اور ان کے حرام مال کھانے میں، بے شک برے ہیں وہ کام جو وہ کرتے ہیں!

﴿ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: ۴- کیوں نہیں روکتے ان — عوام — کو اللہ والے اور بڑے علماء: ان کی گناہ کی باتوں سے، اور ان کے حرام مال کھانے سے، یقیناً برا ہے جو وہ کیا کرتے ہیں — یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا چھوڑنا۔

فائدہ: عربی میں 'فعل' ہر کام کو شامل ہے، خواہ بالقصد ہو یا بلا قصد، اور 'عمل' وہ کام ہے جو بالقصد کیا جائے، اور 'صنعت'

اس کام کے لئے ہے جو بالقصد ہو، بار بار کیا جائے اور اس کو درست بھی سمجھا جائے، عوام کی بے راہ روی کے لئے لفظ 'عمل' استعمال کیا، اور خواص کے لئے لفظ 'صنع' اس میں اشارہ ہے کہ خواص کا عمل عوام کے عمل سے زیادہ برا ہے (معارف القرآن)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

ع ۹ / ۱۴

وَقَالَتِ	اور کہا	بَلْ يَدٰهُ	بلکہ ان کے دونوں ہاتھ	طُغْيَانًا	سرکشی کو
الْيَهُوْدُ	یہود نے	مَبْسُوْطَتٰنِ	کھلے ہیں	وَّكُفْرًا	اور انکار کو
يَدُ اللّٰهِ	اللہ کا ہاتھ	يُنْفِقُ	خرچ کرتے ہیں وہ	وَاَلْقَيْنَا	اور ڈالی ہم نے
مَغْلُوْلَةٌ	گردن سے بندھا ہوا ہے	كَيْفَ يَشَآءُ	جس طرح چاہتے ہیں	بَيْنَهُمُ	ان کے درمیان
غُلَّتْ	گردن سے باندھ	وَلَيَزِيْدَنَّ	اور یقیناً بڑھائے گا	الْعَدَاوَةَ	دشمنی
	دیئے جائیں	كَثِيْرًا (۱)	بہتوں کا	وَالْبَغْضَآءَ	اور انتہائی نفرت
اَيْدِيْهِمْ	ان کے ہاتھ	مِّنْهُمْ	ان میں سے	اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن تک
وَلُعِنُوْا	اور رحمت سے دور کئے گئے	مَّآ اُنْزِلَ	جو اتارا گیا		
بِمَا	اس بات کی وجہ سے جو	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	كُلَّمَآ	جب جب
قَالُوْا	کہی انھوں نے	مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی جانب سے	اَوْقَدُوْا	سلگاتے ہیں وہ

(۱) كثيرا منهم: ليزيدن کا مفعولِ اول ہے، اور طغيانا و كفراً مفعول ثانی ہے، اور ما أنزل فاعل ہے۔

نَارًا	آگ	وَاتَّقَوْا	اور (اللہ سے) ڈرتے	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
لِّلْحَرْبِ	لڑائی کی	لَكَفَّرْنَا	(تو) ضرور مٹاتے ہم	مِّنْ رَّبِّهِمْ	ان کے پروردگار کی طرف سے
اَطْفَاَهَا	بجھا دیتے ہیں اس کو	عَنْهُمْ	ان سے	لَاَكَلُوْا	(تو) ضرور کھاتے وہ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	سَيِّاٰتِهِمْ	ان کی برائیاں	مِنْ فَوْقِهِمْ	اپنے اوپر سے
وَيَسْعَوْنَ	اور دوڑ دھوپ کرتے ہیں وہ	وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ	اور ضرور ہم ان کو داخل	وَمِنْ تَحْتِ	اور نیچے سے
فِي الْاَرْضِ	زمین میں		کرتے	اَرْجُلِهِمْ	ان کے پیروں کے
فَسَادًا (۱)	بگاڑ کے لئے	جَنّٰتِ	باغات میں	مِنْهُمْ	ان میں سے
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	النَّعِيْمِ	نعمتوں کے	اُمَّةٌ	ایک جماعت
لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	وَلَوْ اَنَّهُمْ	اور اگر بالیقین وہ	مُّقْتَصِدَةٌ	سیدھے راستہ پر ہے
الْمُفْسِدِيْنَ	بگاڑ پیدا کرنے والوں کو	اَقَامُوا	سیدھا کرتے	وَكَثِيْرٌ	اور بہت سے
وَلَوْ اَنَّ (۲)	اور اگر بلا شبہ	التَّوْرٰىةَ	تورات کو	مِّنْهُمْ	ان میں سے
اَهْلَ الْكِتٰبِ	اہل کتاب	وَالْاِنْجِيْلَ	اور انجیل کو	سَآءَ مَا	برے ہیں وہ کام جو
اٰمَنُوْا	ایمان لاتے	وَمَا اُنْزِلَ	اور اس کو جو اتارا گیا	يَعْمَلُوْنَ	وہ کرتے ہیں

یہود: مسلمانوں کو کیا بخشیں گے: وہ تو اللہ تعالیٰ میں بھی عیب نکالتے ہیں، جو ہر طرح بے عیب ہیں

مسلمانوں کے دو کمال: (۱) اللہ تعالیٰ پر اور ان کی تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر ایمان لانا (۲) اور ان کی کامل اطاعت شعاری: یہود کے نزدیک عیب تھے، اس لئے وہ اذان اور نماز وغیرہ عبادات کا مذاق اڑاتے تھے، جیسا کہ گذشتہ آیات میں بیان ہوا، چشم عداوت کو ہنر بھی عیب نظر آتا ہے، وہ مسلمانوں کو کیا بخشیں گے! وہ تو اللہ تعالیٰ میں بھی عیب نکالتے ہیں، جو ہر طرح بے عیب ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کو بخیل بتاتے ہیں، جبکہ بخل بڑا عیب ہے، اور اللہ پاک تو سخیوں کے سخی ہیں!

ہوا یہ تھا کہ مدینہ کے یہودی معاشی اعتبار سے بہت مضبوط تھے، ان کے پاس کھیت، باغات اور تجارت تھی، اور مدینہ کے مشرکین ان کے دست نگر تھے، ان سے سود پر قرض لیتے تھے، جو یہود کی مستقل آمدنی تھی، جب نبی ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سختیوں میں مبتلا کیا، ان کی آمدنی گھٹنے لگی، پس انھوں نے اللہ تعالیٰ پر ردّہ رکھا، اور کہا: اللہ تعالیٰ بخیل ہو گئے ہیں، اس لئے ہم پر ان کے افضال کم ہو گئے ہیں! ایسے نالائق جو بے عیب اللہ تعالیٰ میں بھی

(۱) فسادًا: مفعول لہٗ ہے (۲) أنَّ: إن کی طرح حرفِ مشبہ بالفعل برائے تحقیق ہے۔

عیب نکالیں وہ مسلمانوں کو کیا بخشیں گے؟ ان کے کمالات کا مذاق اڑائیں تو کیا بعید ہے؟

سورۃ الاعراف (آیت ۹۴) میں اللہ کی ایک سنت کا بیان ہے کہ جب وہ کسی بستی میں کسی نبی کو مبعوث فرماتے ہیں تو اس کے باشندوں کو سختی اور تکلیف سے دوچار کرتے ہیں، تا کہ وہ ڈھیلے پڑیں، اکڑفوں چھوڑیں اور ایمان لائیں، چنانچہ حسب سنت یہود پر معاشی تنگی کی گئی، تا کہ وہ ایمان لائیں اور مشرکین کے لئے ایمان کی راہ کھلے، لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

اللہ تعالیٰ ان پر رد فرماتے ہیں کہ بخیل تو وہ خود ہیں، کسی کو ایک کوڑی نہیں دیتے، بخل بڑا عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہیں، اور سخاوت بڑا کمال ہے، اور تمام کمالات اللہ تعالیٰ کی ذات میں جمع ہیں، ان سے بڑا کوئی سخی نہیں، ان کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، وہ جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں، بتاؤ! ابتدائے کائنات سے انھوں نے مخلوقات پر کتنا خرچ کیا ہے؟ پس کیا ان کے خزانے میں کچھ کمی آئی؟

البتہ یہود کی اس بکواس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا، اور بددعا کے رنگ میں پیشین گوئی کی یا ان کی واقعی حالت بیان کی کہ بخل نے ان کے ہاتھ بالکل ہی بند کر دیئے ہیں!

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ ﴾

ترجمہ: اور یہود نے کہا: اللہ کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہے! — یعنی العیاذ باللہ وہ بخیل ہو گئے ہیں، اس لئے ہم پر ان کی مہربانیاں کم ہو گئی ہیں — ان کے ہاتھ گردن سے باندھ دیئے گئے! — یہ بددعا یا ان کی واقعی حالت کا بیان ہے کہ بڑے بخیل تو وہ خود ہیں! — اور وہ اپنی بات کی وجہ سے رحمت سے دور کر دیئے گئے — یہ ان کی بکواس کی سزا ہے — بلکہ ان کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، وہ جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں — یعنی وہ اعلیٰ درجہ کے سخی ہیں، مگر حسب مصلحت دیتے ہیں۔

فائدہ: یَد (ہاتھ) اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، اور صفاتِ متشابہات سے ہے، یعنی مخلوقات کی صفات کے قبیل سے ہے، مگر اللہ تعالیٰ بے مثال ہیں، سورۃ الشوریٰ (آیت ۱۱) میں ہے: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾: اللہ کے مانند جیسی بھی کوئی چیز نہیں، مگر وہ خوب سننے اور ہر چیز دیکھتے ہیں، یعنی ان کا سمیع و بصیر ہونا مخلوقات کے سمیع و بصیر ہونے کی طرح نہیں، بلکہ اس سے قریب تر بھی نہیں!

اور صفاتِ متشابہات کے بارے میں سلف کا مذہب تنزیہ مع التفویض ہے، یعنی اللہ کے لئے یہ صفت مانی جائے، اور اس کی کیفیت کو اللہ کے حوالے کیا جائے، اس میں غور و خوض نہ کیا جائے، اس میں غور و فکر سے کچھ حاصل نہ ہوگا، اور حدیث

میں ہے کہ اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، بایاں ہاتھ کمزور ہوتا ہے اور اللہ کا کوئی ہاتھ کمزور نہیں، دونوں ہاتھ دائیں ہونے کا یہ مطلب ہے۔

مسلمانوں سے یہود کی دشمنی کی اصل وجہ

مذہبی اختلاف خواہ اندرونِ خانہ ہو یا باہر کا، باہمی دشمنی اور نفرت کا سبب ہوتا ہے

چراغِ مصطفوی اور شرارِ بولہبی میں ہمیشہ ستیزہ (جنگ، جھگڑا) رہا ہے، اختلاف خواہ فی المذہب ہو یا بین المذاہب: نزاع، انتشار اور عداوت کا سبب ہوتا ہے، یہود کو مسلمانوں سے دشمنی کیوں ہے؟ ان کے ہنر بھی ان کو عیب کیوں نظر آتے ہیں؟ مذہبی اختلاف کی وجہ سے! وہ لوگ نبی آخر الزماں ﷺ پر، اور ان پر نازل شدہ قرآنِ کریم پر ایمان نہیں لائے، یہ ایمان نہ لانا ان کے طیغان وکفر کا سبب ہے۔

اختلاف دوری پیدا کرتا ہے، خود یہود میں فرقہ بندی ہے، عیسائیوں میں بھی، اور مسلمانوں میں بھی، اس سے باہمی دشمنی اور آخری درجہ کی نفرت جنم لیتی ہے، بار بار تلواریں نکل آتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ جنگ نہیں ہونے دیتے، مگر دلوں میں میل باقی رہتا ہے، اور پروپیگنڈہ مشینری کام کرتی رہتی ہے، لوگوں کے عقائد خراب ہوتے ہیں، زمین میں بگاڑ پھیلتا ہے، اور بگاڑ پیدا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے، اس لئے اہل حق کو ان کی تردید کرنی پڑتی ہے، جو ان کو کھلتی ہے!

ایک واقعہ: میں ایک مرتبہ حیدر آباد گیا، جامعہ اشرف العلوم میں میرا قیام تھا، وہاں مسائل کی مجلس میں کسی نے مودودی فکر کے بارے میں سوال کیا، میں نے ان کی گمراہی تفصیل سے بیان کی، دوسرے دن صبح میرے پاس ایک وفد آیا، ان حضرات نے کہا: ''ہم اس شہر میں اتفاق سے رہتے ہیں، آپ کی باتوں سے اختلاف ہوگا!''

میں نے ان سے دو باتیں عرض کیں:

ایک: اگر اہل حق خاموش رہیں تو اہل باطل خاموش نہیں بیٹھیں گے، وہ اپنا کام کرتے رہیں گے، پس نقصان کس کا ہوگا؟ اہل حق کا یا اہل باطل کا؟ باطل بڑھتا رہے گا، اور حق دب کر دفن ہو جائے گا!

دوسری بات: جب انبیاء مبعوث ہوتے ہیں اور کام شروع کرتے ہیں تو اختلاف ہوتا ہے، تو کیا یہ اختلاف برا ہے؟ ہر اختلاف برا نہیں ہوتا، بعض اختلافات رحمت ہوتے ہیں، باطل کی حقیقت واشگاف کرنا اور حق کا بول بالا کرنا ہرگز برا نہیں، بلکہ ضروری ہے، اور میں نے از خود بات نہیں چھیڑی تھی، مجھ سے سوال ہوا تھا، اس کا جواب دینا میرے لئے ضروری تھا ـــــ وہ حضرات یہ سن کر خاموش چلے گئے۔

﴿ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ

﴿وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾﴾

ترجمہ: اور ضرور بڑھائے گا ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور انکار: وہ قرآن جو آپؐ کی طرف آپؐ کے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے ۔۔۔ ﴿كَثِيرًا مِّنْهُمْ﴾ کہہ کر اہل کتاب صحابہ کو مستثنیٰ کیا ہے، جو چند تھے، ان کی اکثریت ایمان نہیں لائی تھی، یہ ایمان نہ لانا ان کے عناد وانکار کا سبب ہے ۔۔۔ اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے دشمنی اور انتہائی نفرت ڈال دی ہے ۔۔۔ یہ بات بطور دلیل فرمائی ہے، اور قیامت تک کے لئے: یعنی ہمیشہ کے لئے، یہود میں جو مذہبی گروہ بندی ہوئی ہے: اس میں غور کرو: وہ اختلاف کس درجہ عداوت، اور دشمنی کا سبب بنا ہے؟ پس بین المذاہب (اسلام اور یہودیت کے درمیان) جو اختلاف ہے تو وہ اس سے زیادہ منافرت کا سبب ہوگا ۔۔۔ وہ جب جب لڑائی کی آگ سلگاتے ہیں: اللہ تعالیٰ اس کو بجھا دیتے ہیں ۔۔۔ یہ فرقوں کے درمیان دشمنی اور انتہائی نفرت کی دلیل ہے، ان کے درمیان بار بار تلواریں نکل آتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ جنگ نہیں ہونے دیتے، یہ اللہ کی حکمت اور مصلحت ہے، ورنہ دشمنی میں کوئی کمی نہیں ۔۔۔ اور وہ زمین میں بگاڑ کے لئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں ۔۔۔ یعنی ان میں باہم جنگ تو نہیں ہوتی، مگر پروپیگنڈہ مشینری برابر اپنا کام کرتی رہتی ہے ۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ بگاڑ پیدا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ۔۔۔ اس میں اشارہ ہے کہ حق کے لئے محنت کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں ۔۔۔ یہود میں تو سبھی فرقے گمراہ تھے، اس لئے سبھی مبغوض ہیں، مگر اسلام میں ہمیشہ ایک جماعت (سوادِ اعظم) حق پر برقرار رہے گی، اور وہ جو دین حق کے لئے محنت کرے گی وہ اصلاح کی کوشش ہوگی، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے کام کو پسند کریں گے۔

یہود: دارین کی بھلائی چاہتے ہیں تو اس کا صرف ایک راستہ ہے: ایمان لائیں اور نیک کام کریں

یہود کے جرائم اور شرارتیں اگرچہ سخت ہیں، مگر توبہ کا دروازہ کھلا ہے، اگر وہ نبی ﷺ پر اور قرآنِ کریم پر ایمان لائیں، اور تقویٰ اختیار کریں ۔۔۔ تقویٰ کے دو بازو ہیں: گناہوں سے بچنا اور نیک کام کرنا ۔۔۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو اخروی اور دنیوی: دونوں نعمتوں سے نوازیں گے، ان کی رحمت بے پایاں ہے، مجرم شرمسار ہو کر ان کے در پر آئے تو اس کو دھکا نہیں دیتے، گلے سے لگاتے ہیں۔

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٦٥﴾﴾

ترجمہ: اور اگر بالیقین اہل کتاب ایمان لاتے اور اللہ سے ڈرتے ۔۔۔ یعنی اخلاص سے ایمان لاتے اور اعمالِ صالحہ کرتے، کیونکہ فرائض وواجبات کا ترک کبیرہ گناہ ہے ۔۔۔ تو ہم ضرور ان کی برائیاں مٹاتے، اور ہم ضرور ان کو

نعمتوں کے باغات میں داخل کرتے! ــــ یہ آخرت کا فائدہ ہے، اور دنیا کی برکات کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ﴾

ترجمہ: اور اگر وہ بالیقین تورات وانجیل اور اس قرآن کو قائم کرتے ــــ یعنی ان پر صحیح طرح عمل کرتے ــــ جو ان کی طرف ان کے پروردگار کی جانب سے نازل کیا گیا ہے ــــ اللہ کی کتابیں درحقیقت لوگوں کی طرف نازل کی جاتی ہیں، انبیاء واسطہ ہوتے ہیں، تاکہ وہ کتابیں لوگوں تک پہنچائیں اور ان کو سمجھائیں ــــ تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے کھاتے ــــ یہ محاورہ ہے یعنی دنیا میں بھی وہ نہال ہوجاتے، مگر صورتِ حال یہ ہے: ــــ ان میں سے کچھ لوگ سیدھے راستہ پر چلنے والے ہیں ــــ یہ ایمان لانے والے اہل کتاب صحابہ ہیں: جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور حضرت نجاشی رحمہ اللہ ــــ اور ان میں سے بیشتر برے کام کرنے والے ہیں ــــ یعنی اسلام کا انکار کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰي شَيْءٍ حَتّٰي تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ	اے پیغامبر!	وَاِنْ	اور اگر	مِنَ النَّاسِ	لوگوں سے
بَلِّغْ	پہنچایئے آپ	لَّمْ تَفْعَلْ	نہیں کیا آپ نے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مَآ اُنْزِلَ	جو اتارا گیا	فَمَا بَلَّغْتَ	تو نہیں پہنچایا آپ نے	لَا يَهْدِي	راہ نہیں دیتے
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	رِسَالَتَهٗ	اس کا پیغام	الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ	انکار پر مصر لوگوں کو
مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی جانب سے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ		
		يَعْصِمُكَ	حفاظت کریں گے آپ کی	قُلْ	کہیں آپ

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے اہل کتاب:	اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف	مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے پروردگار کی
لَسْتُمْ	نہیں ہوتم	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے پروردگار کی		جانب سے
عَلٰي شَيْءٍ	کسی چیز پر		جانب سے	طُغْيَانًا	سرکشی کو
حَتّٰى تُقِيْمُوا	تا آنکہ قائم کروتم	وَلَيَزِيْدَنَّ	اور یقیناً بڑھائے گا	وَّكُفْرًا	اور انکار کو
التَّوْرٰىةَ	تورات	كَثِيْرًا مِّنْهُمْ	ان میں سے بہت سوں کا	فَلَا تَاْسَ	پس نہ افسوس کریں آپ
وَالْاِنْجِيْلَ	اور انجیل	مَآ اُنْزِلَ	وہ قرآن جو اتارا گیا ہے	عَلَى الْقَوْمِ	اسلام کا انکار کرنے
وَمَآ اُنْزِلَ	اور اس کو جو اتارا گیا	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	الْكٰفِرِيْنَ	والے لوگوں پر

یہود کا قطعاً خوف نہ کھائیں، بے دھڑک ان کو بات پہنچائیں

گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ یہود میں سے بیشتر برے کام کرنے والے ہیں، دور کوع سے اہل کتاب (یہود ونصاری) کی کج روی، بدراہی، ہٹ دھرمی اور ان کی اسلام مخالف حرکتوں کا تذکرہ ہو رہا ہے، اہل کتاب میں سے یہودیوں نے خاص طور پر سازشی فطرت پائی تھی، وہ دومرتبہ مکہ کے مشرکین کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے، کعب بن اشرف وغیرہ نے دومرتبہ نبی ﷺ کو نمٹانے کی خفیہ سازش کی تھی، لبید یہودی نے اپنی لڑکیوں کے ساتھ مل کر آپؐ پر سحر کیا تھا، لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے!

مگر ان واقعات کا طبعی اثر یہ ہوسکتا تھا کہ اہل کتاب کے تعلق سے جو باتیں نازل کی جارہی ہیں وہ ان تک نہ پہنچائی جائیں، آدمی یہ سوچے کہ بھاڑ میں جائیں اہل کتاب! میں مصیبت کیوں مول لوں!

اس لئے ایک آیت میں نبی ﷺ کو خطاب فرماتے ہیں کہ جو باتیں آپؐ کی طرف نازل کی جارہی ہیں ان کو بے دھڑک اہل کتاب کو پہنچائیں، اگر آپؐ ایسا نہیں کریں گے تو یہ سمجھا جائے گا کہ آپؐ نے فریضۂ رسالت ادا نہیں کیا، جبکہ یہ بات معصوم سے ناممکن ہے۔

رہا ان کی ایذا رسانی کا خطرہ تو اللہ تعالیٰ آپؐ کی حفاظت کریں گے، وہ آپؐ کا بال بیکا نہیں کرسکیں گے، اللہ تعالیٰ ان منکرین اسلام کو آپؐ تک پہنچنے کی کوئی راہ نہیں دیں گے!

فائدہ: یہ تو آیت کا سیاق کے اعتبار سے مطلب ہے، اور عموم الفاظ کے اعتبار سے ایک بات تو صریح ہے اور ایک بات کی طرف اشارہ ہے۔

صریح بات: اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر جو احکام نازل ہوئے: وہ آپؐ نے بے کم وکاست امت تک

پہنچادیئے، وحی کا کوئی حصہ نہیں چھپایا، حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپؐ نے ایک بڑے مجمع سے سوال کیا: بتاؤ! میں نے تم کو سارا دین پہنچادیا؟ سب نے بیک زبان جواب دیا: کیوں نہیں! اس پر آپؐ نے اللہ کو گواہ بنایا، اور مجمع سے فرمایا: موجودین غائبین تک پیغام پہنچائیں، چنانچہ وفاتِ نبوی کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چار دانگ عالم میں پھیل گئے، اور معلوم دنیا تک اللہ کا پیغام پہنچادیا۔

اور اشارہ: یہ ہے کہ امت اگر دعوت کا کام کرے گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی حفاظت کا انتظام ہوگا، جس طرح آنحضرت ﷺ کی اللہ نے حفاظت کی، پہلے صحابہ آپؐ کا سفر وحضر میں پہرہ دیتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے سب کو رخصت کردیا، اور فرمایا: کسی پہرے کی ضرورت نہیں، اللہ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا! چنانچہ زندگی بھر آپؐ کو کوئی گزند نہیں پہنچاسکا، اور کسی جنگ میں کوئی معمولی تکلیف کا پہنچنا اس کے منافی نہیں۔

﴿ يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ ﴾

ترجمہ: اے پیغامبر! جو باتیں آپؐ کی طرف آپؐ کے پروردگار کی جانب سے اتاری گئی ہیں ان کو پہنچائیں، اور اگر آپؐ نے ایسا نہیں کیا تو آپؐ نے اپنے پروردگار کا پیغام نہیں پہنچایا! اور اللہ تعالیٰ آپؐ کی لوگوں سے حفاظت کریں گے، بے شک اللہ تعالیٰ اسلام کا انکار کرنے والوں کو راہ نہیں دیتے!

اللہ کی بات سن کر بھی اہل کتاب ایمان نہ لائیں تو آپؐ ان کا غم نہ کھائیں

ہدایت وضلالت کا سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور رسول کی انتہائی آرزو ہوتی ہے کہ لوگ اللہ کا دین قبول کرلیں، مگر یہ بات اس کے بس کی نہیں: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴾ آپ جس کو چاہیں راہ پر نہیں لاسکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہیں راہ پر لاتے ہیں، اور وہی خوب جانتے ہیں کہ راہ پانے والے کون ہیں؟ (قصص ۵۶) اس لئے اب ایک آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ اگر اہل کتاب اللہ کی باتیں سن کر بھی ایمان نہ لائیں تو آپ دل برداشتہ نہ ہوں، اللہ کو یہی منظور ہے، جب کوئی قوم انکار پر کمر باندھ لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ زبردستی ہدایت اس کے سر نہیں منڈھتے! پس آپؐ مایوس ہو کر اپنا فرضِ تبلیغ ترک نہ کریں۔

البتہ اہل کتاب کے کان کھول دیں کہ اب تمہارا دین کچھ بھی نہیں! اب وہ منسوخ ہوچکا ہے، خود تورات وانجیل نے خبر دی ہے کہ ان پر عمل درآمد نبی آخر الزماں کی بعثت تک ہوگا، لہٰذا ان کی بات پر عمل کرو، اور قرآن پر ایمان لاؤ۔

لیکن پہلے بھی بتایا ہے کہ اہل کتاب کی اکثریت ضد سے بھر جائے گی، اور قرآن پر ایمان نہیں لائے گی، بلکہ ان کی

سرکشی اور کفر میں قرآنِ کریم کا انکار اضافہ کرے گا۔

﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ ﴾

ترجمہ: کہو: اے اہلِ کتاب! تمہارا دین کچھ بھی نہیں! جب تک تورات اور انجیل (کی بات) پر عمل نہ کرو، اور اس کتاب پر ایمان نہ لاؤ جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی جانب سے اتاری گئی ہے! اور ضرور بڑھائے گا وہ جو آپؐ کی طرف آپؐ کے پروردگار کی جانب سے اتارا گیا ہے، ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور انکار کو، لہٰذا آپؐ اسلام کا انکار کرنے والوں پر افسوس نہ کریں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِــُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن پر	اَخَذْنَا	لیا ہم نے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَعَمِلَ صَالِحًا	اور کیا اس نے نیک کام	مِيْثَاقَ	پختہ اقرار
وَالَّذِيْنَ هَادُوْا	اور جو یہودی ہوئے	فَلَا خَوْفٌ	تو کوئی ڈر نہیں	بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل سے
وَالصّٰبِــُٔوْنَ	اور صُبات	عَلَيْهِمْ	ان پر	وَاَرْسَلْنَاۤ	اور بھیجے ہم نے
وَالنَّصٰرٰى	اور عیسائی	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
مَنْ اٰمَنَ	جو ایمان لایا	يَحْزَنُوْنَ	غمگین ہونگے	رُسُلًا	رسول
بِاللّٰهِ	اللہ پر	لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	كُلَّمَا	جب بھی

جَآءَهُمْ	ان کے پاس آیا	يَّقْتُلُوْنَ	قتل کرتے ہیں وہ	عَلَيْهِمْ	ان پر
رَسُوْلٌ	کوئی رسول	وَ حَسِبُوْٓا	اور گمان کیا انھوں نے	ثُمَّ عَمُوْا	پھر اندھے ہوگئے وہ
بِمَا	اس حکم کے ساتھ جو	اَلَّا تَكُوْنَ	کہ نہیں ہوگی	وَصَمُّوْا	اور بہرے ہوگئے
لَا تَهْوٰٓى	نہیں بھایا	فِتْنَةٌ	کوئی پکڑ	كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ	ان میں بہت سے
اَنْفُسُهُمْ	ان کے دلوں کو	فَعَمُوْا	پس اندھے ہوگئے وہ	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَرِيْقًا	ایک جماعت کو	وَ صَمُّوْا	اور بہرے ہوگئے	بَصِيْرٌ	خوب دیکھ رہے ہیں
كَذَّبُوْا	جھٹلایا انھوں نے	ثُمَّ تَابَ	پھر توجہ فرمائی	بِمَا	ان حرکتوں کو جو
وَ فَرِيْقًا	اور ایک جماعت کو	اللّٰهُ	اللہ نے	يَعْمَلُوْنَ	وہ کررہے ہیں

یہود کی ایک غلط فہمی کا ازالہ

نجات: ایمان واعمالِ صالحہ سے ہوگی، نسل ومذہب سے نہیں

تمام مذاہب کے لوگ —— خاص طور پر یہود —— یہ سمجھتے ہیں کہ وہی اللہ کے پیارے ہیں، انہی کی نجات ہوگی، دوسرا کوئی آخرت میں اللہ کے انعامات کا مستحق نہیں ہوگا، اب مسلمان بھی اسی غلط خیال میں مبتلا ہوگئے ہیں، وہ کہتے ہیں: ''ہم محبوب کی امت ہیں، اس لئے ضرور بخشے جائیں گے!'' جبکہ عمل میں صفر ہوتے ہیں، اور ایمان کا حال اللہ بہتر جانتے ہیں۔

یہی حال اہل کتاب کا ہے، وہ کہتے ہیں: ہم اللہ کے بیٹے اور اللہ کے پیارے ہیں، اس لئے نجات ہماری ہی ہوگی، سورۃ البقرۃ کی (آیت ۶۲) میں اور یہاں اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ اللہ کے نزدیک مقبولیت کسی مذہب اور نسل میں محدود نہیں، قبولیت کا مدار ایمان وعمل صالح پر ہے۔

تمام مذاہب والے —— جب تک ان کا مذہب برحق تھا —— اگر ان کا اللہ پر، اور اُس زمانہ کے رسول پر، اور اس کی لائی ہوئی شریعت پر اور آخرت کے دن پر ایمان تھا، اور اس زمانہ کی شریعت پر عمل تھا تو ضرور ان کی نجات ہوگی، مگر محض اس وجہ سے کہ اس کا فلاں مذہب اور فلاں نسل سے تعلق تھا نجات نہیں ہوگی، آج مسلمان بھی اس گھمنڈ میں مبتلا ہوگئے ہیں، اس لئے ان کو بھی ان آیات میں لیا گیا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ مشہور آسمانی کتابیں چار ہیں: قرآن، تورات، زبور اور انجیل، قرآن کا تعلق مسلمانوں سے ہے، باقی تین کا تعلق اہل کتاب سے ہے، ان میں اصل کتاب تورات ہے، جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے، پھر

حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور دی گئی، جو محامد پر مشتمل تھی، اصل شریعت تورات تھی، زبور اس میں اضافہ تھا، مگر کچھ لوگ تورات کو چھوڑ کر زبور کو لے بیٹھے، زبور میں احکام نہیں تھے، اس طرح ان کو تورات کے احکام سے چھٹی مل گئی، اس طرح یہود میں سے نئی امت وجود میں آئی، جو صابی کہلائے، صابی کے معنی ہیں: ایک دین چھوڑ کر دوسرے دین کو اختیار کرنا، اسی لئے مشرکین مکہ: مسلمانوں کو صابی کہتے تھے، کیونکہ انھوں نے آبائی دین چھوڑ کر اسلام کو اختیار کیا تھا۔

صُبات کا وطن شام اور عراق تھا، مگر اب ان کا وجود باقی نہیں رہا، اس لئے ان کی تعیین میں مفسرین کرام میں بہت اختلاف ہوا ہے، معارف القرآن شفیعی میں جو بات ہے وہ میں نے لی ہے۔

پھر جب تورات کی شریعت کے ختم ہونے کا وقت آیا تو بنی اسرائیل میں آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، اور ان پر انجیل نازل ہوئی جو تورات کا تتمہ تھی، اس میں تورات کے بعض احکام کو بدلا گیا، پھر تقریباً چھ سو سال کے بعد نبی ﷺ مبعوث ہوئے، اور آپؐ پر قرآن کریم نازل ہوا، پس تورات کی شریعت موقوف ہوگئی، اور شریعتِ اسلامیہ کا دور شروع ہوا۔

غرض: اُن تینوں کتابوں کے ماننے اور شریعتِ تورات کی پیروی کرنے پر نجات موقوف تھی، جبکہ وہ شریعت باقی تھی، مگر جب وہ شریعت موقوف ہوگئی، اور اس کی جگہ دوسری شریعت آ گئی، تو اب جو اسلام کی شریعت کی پیروی کرے گا اسی کی نجات ہوگی۔

جیسے تعلیم گاہوں میں اسباق کے پیریڈ (Period) ہوتے ہیں، جب ایک استاذ کا پیریڈ ختم ہوکر دوسرے استاذ کا پیریڈ شروع ہوتا ہے تو دوسرے استاذ سے پڑھنا ضروری ہوتا ہے، اب بھی پہلے استاذ کو پکڑے رہنا نظام سے اختلاف ہے!

پس یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ قیامت تک سب ادیان ایک ساتھ برحق ہیں، کسی بھی مذہب کو ماننے والے اور اس کے مطابق نیک کام کرنے والے ناجی ہونگے، بلکہ مختلف زمانوں میں جو جو مذاہب برحق تھے ان پر عمل کرنے سے نجات ہوگی۔

آیت کی تفسیر میں درازنفسی کی وجہ: سورۃ البقرۃ (آیت ۶۲) میں مفصل کلام نہیں کیا، یہاں مفصل بات اس لئے کہی ہے کہ آگے اس مضمون کی آیت نہیں آئے گی، اور سورۃ الحج میں (آیت ۱۷) اس سے ملتی جلتی آیت ہے، مگر اس کا موضوع الگ ہے، اس میں مجوس اور مشرکین کا بھی ذکر ہے، اللہ تعالیٰ سب کے درمیان قیامت کے دن عملی فیصلہ فرمائیں گے کہ کونسا مذہب صحیح تھا اور کونسا غلط؟ پس وہ آیت اس آیت سے مختلف ہے، اس لئے اشتباہ نہ ہو۔

سوال: اس آیت میں اور سابقہ آیت میں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانے کا ذکر تو ہے، مگر اس زمانہ کے رسول اور اس کی شریعت پر ایمان لانے کا ذکر نہیں، اس سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ رسول پر ایمان کی کوئی خاص اہمیت نہیں،

کسی بھی رسول کی شریعت پر عمل کرنے سے نجات ہوگی۔

جواب: ایسا سمجھنا صحیح نہیں، رسول کا تذکرہ چھوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء مبعوث ہوئے ہیں: پھر کس کا ذکر کرتے اور کس کا ذکر چھوڑتے؟ اور قیامت کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ یہ عقیدہ عمل کا باعث بنتا ہے، جو قیامت کو صحیح طرح مانتا ہے: وہی دین پر عمل کرتا ہے، پس اس عقیدہ کو مستقل حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔

علاوہ ازیں: اللہ پر ایمان: ان کے بھیجے ہوئے رسولوں اور ان کی لائی ہوئی شریعتوں پر ایمان کو متضمن ہے، پس ایمان باللہ کے جلو میں ایمان بالرسول بھی آجاتا ہے، الگ سے اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس کی تفصیل: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رب کائنات ہیں، مخلوقات کی ضروریات کا انتظام انھوں نے اپنے ذمہ لیا ہے، اور انسان مکلّف مخلوق ہیں، جہاں ان کی مادی ضروریات ہیں روحانی ضروریات بھی ہیں، یہ ضرورت اللہ تعالیٰ انبیاء کے ذریعہ اور ان کی نازل کردہ شریعت کے ذریعہ پوری کرتے ہیں، پس ایمان باللہ میں ایمان بالرسول بھی آجاتا ہے، اس لئے دونوں آیتوں میں ایمان بالرسول کا تذکرہ نہیں کیا، جیسے **من کان آخر کلامہ لا إلٰہ إلا اللہ دخل الجنۃ** میں جو **لا إلٰہ إلا اللہ** ہے: وہ **محمد رسول اللہ** کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے۔

فائدہ: ﴿ الصّٰبِئُوْنَ ﴾ کی اعرابی حالت پر اشکال ہے، اس کا عطف ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ پر ہے، جو إنّ کا اسم ہے، پس **الصابئین** (حالتِ نصبی) میں ہونا چاہئے، مگر یہاں نحو کے مشہور قاعدہ کے خلاف کیا ہے، اس لئے کہ مشہور تعبیرات ومحاورات کی خلاف ورزی بھی ایک تعبیر اور محاورہ ہے، یہ بات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے الفوز الکبیر میں فرمائی ہے، اور اس کی تفصیل مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری زید مجدہم کی شرح الخیر الکثیر (ص:۴۸۲) میں ہے۔

اور محاورہ کی خلاف ورزی اس لئے کی گئی ہے کہ قاری کا ماتھا ٹھنکے، جیسے مسند اور مسند الیہ کے حذف کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ذہن ہر طرف دوڑے: **لیذھب الذھن کلَّ مذھب**، پس ﴿ الصّٰبِئُوْنَ ﴾ حالتِ رفعی میں آیا، اس سے ذہن اس طرح منتقل ہوگا کہ ﴿ الصّٰبِئُوْنَ ﴾ مبتدا ہے، اور اس کی خبر **کذلك** محذوف ہے، یعنی صُبات بھی یہود سے پھٹا ہوا ایک فرقہ ہے، نصاریٰ کا یہود سے علاحدہ فرقہ ہونا تو ہر کوئی جانتا ہے، مگر صابیوں کا یہود سے نکلا ہوا ہونا ہر کوئی نہیں جانتا، جب محاورہ کی خلاف ورزی قاری کے سامنے آئے گی تو اس کا ذہن لامحالہ منتقل ہوگا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک جولوگ ایمان لائے ـــــ یعنی مسلمان ـــــ اور جن لوگوں نے یہودیت اپنائی، اور صابی فرقہ اور عیسائی: جو بھی اللہ پر اور دنیا کے آخری دن پر ـــــ یعنی قیامت کے دن پر ـــــ ایمان لایا، اور اس نے اچھے کام کئے ـــــ یعنی اپنی شریعت پر عمل کیا ـــــ ان پر (آخرت میں) نہ کوئی اندیشہ ہوگا، اور نہ وہ مغموم ہونگے!

یہود نے اپنے دور میں نہایت برے کام کئے ہیں: پھر وہ آخرت میں کیسے کامیاب ہونگے؟

اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت فرمائی تو بنی اسرائیل سے پختہ قول وقرار لیا تھا کہ وہ اللہ کی کتاب پر مضبوطی سے عمل کریں گے، پھر مسلسل ان میں رسول بھیجے جو تذکیر کا کام کرتے تھے، یہود کو سمجھاتے تھے کہ تورات کے احکام پر عمل کرتے رہو، اور اللہ کی رسّی کو مضبوط تھامے رہو۔

ان انبیاء پر وحی آتی تھی، اس کے ذریعہ تورات کے احکام میں جزوی تبدیلی کی جاتی تھی، جب تورات کے کسی حکم میں کوئی ایسی تبدیلی کی جاتی جو یہود کو پسند نہ آتی تو وہ اندھے بہرے ہوکر بعض انبیاء کی تکذیب کرتے اور بعض کو تہہ تیغ کردیتے اور بعض کو پابند سلاسل کردیتے، اور وہ ایسا خیال کرتے کہ اس سے کیا ہوگا؟ ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوگی!

پھر جب صورتِ حال ناگفتہ بہ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بابل کے بادشاہ بخت نصّر کو مسلط کیا، اس نے قدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور ستّر ہزار یہود کو قید کرکے بابل لے گیا، اور ان کو غلام باندیاں بنادیا، وہاں وہ تقریباً ایک صدی تک غلامی کی ذلت ورسوائی برداشت کرتے رہے، کہتے ہیں: اسی غلامی کے زمانہ میں حضرت عزیر علیہ السلام مبعوث ہوئے ہیں، جب یہود کو ہوش آیا تو انھوں نے اپنی حرکتوں سے توبہ کی، اور اصلاح حال کی طرف متوجہ ہوئے، چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کی۔

پھر فارس کے بادشاہ سائرس نے بابل پر حملہ کیا، اور یہودیوں کو غلامی سے نجات دلائی، اور ان کو مال سامان دیا، تاکہ وہ بیت المقدس کو دوبارہ آباد کریں، لیکن کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ ان کو پھر شرارتیں سوجھیں، اور اندھے بہرے ہوکر حضرت زکریا ویحییٰ علیہما السلام کو شہید کردیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوئے، یہ تو اچھا ہوا کہ اللہ نے ان کو زندہ اٹھالیا، ورنہ یہود ان کو بھی قتل کردیتے!

اللہ تعالیٰ یہود کی یہ تمام حرکتیں دیکھ رہے ہیں، ایسے بدکردار آخرت میں کیسے کامیاب ہونگے؟ کامیابی تو کام سے ہوتی ہے نہ کہ نام سے! وہ خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں، نوح علیہ السلام کا بیٹا نبی کی اولاد ہوتے ہوئے بھی غرقاب ہوگیا، اور یہ بھی ان کی خام خیالی ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں، اس لئے ہم ضرور بخشے جائیں

گے! اللہ کا کوئی بیٹا نہیں، اولاد ہونا ان کے لئے عیب ہے، اور وہ عیب سے پاک ہیں، اور ان کو محبت قوموں سے اور نسلوں سے نہیں، بلکہ ایمان و عمل صالح سے ہے۔

﴿ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ قول وقرار لیا، اور ان کی طرف رسول بھیجے، جب بھی ان کے پاس کوئی رسول ایسا حکم لے کر آیا جو ان کے دلوں کو نہیں بھایا تو انھوں نے کچھ رسولوں کو جھٹلایا، اور کچھ رسولوں کو قتل کر رہے ہیں! اور انھوں نے یہ خیال کیا کہ کوئی پکڑ نہیں ہوگی، چنانچہ وہ اندھے بہرے ہوگئے (اور جو کرنا تھا کر گذرے!) پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہوئے —— یعنی ان کو معاف کر دیا، اور ان کو غلامی سے نجات دی مگر —— پھر ان میں سے اکثر اندھے بہرے ہوگئے —— اور حضرات زکریا و یحییٰ علیہما السلام کو تو شہید کر دیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوئے —— اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہے ہیں وہ جو کچھ کر رہے ہیں!

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا

وَّلَا نَفْعًا ؕ وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۷۶

لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	النَّارُ	دوزخ ہے	إِلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے سامنے
كَفَرَ	کفر کیا	وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ	اور نہیں ہے ناانصافوں	وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ (۳)	اور گناہ (نہیں)
الَّذِيْنَ قَالُوْٓا	جنھوں نے کہا		کے لئے		بخشواتے وہ ان سے؟
إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ	مِنْ أَنْصَارٍ (۲)	کوئی بھی مددگار	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
هُوَ الْمَسِيْحُ	ہی مسیح ہیں	لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
ابْنُ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	كَفَرَ	کفر کیا	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان
وَ قَالَ	اور کہا	الَّذِيْنَ قَالُوْٓا	جنھوں نے کہا	مَا الْمَسِيْحُ	نہیں ہیں مسیح
الْمَسِيْحُ	مسیح نے	إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ	ابْنُ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے
يٰبَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ	اے اولادِ یعقوب	ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ	تین میں کا تیسرا ہے	إِلَّا رَسُوْلٌ	مگر ایک رسول
اعْبُدُوا	بندگی کرو	وَمَا مِنْ إِلٰهٍ	اور نہیں ہے کوئی بھی معبود	قَدْ خَلَتْ	بالتحقیق گذر چکے
اللّٰهَ	اللہ کی	إِلَّآ إِلٰهٌ	مگر معبود	مِنْ قَبْلِهِ	ان سے پہلے
رَبِّيْ	میرا رب	وَّاحِدٌ	یگانہ (بے ہمہ)	الرُّسُلُ	رسول
وَ رَبَّكُمْ	اور تمہارا رب	وَ إِنْ	اور اگر	وَ أُمُّهٗ	اور ان کی ماں
إِنَّهٗ مَنْ (۱)	بے شک جو شخص	لَّمْ يَنْتَهُوْا	نہیں باز آئے وہ	صِدِّيْقَةٌ	ولیہ ہیں
يُّشْرِكْ	شریک ٹھہرائے گا	عَمَّا يَقُوْلُوْنَ	اس سے جو کہتے ہیں وہ	كَانَا يَأْكُلٰنِ	دونوں کھاتے تھے
بِاللّٰهِ	اللہ کے ساتھ	لَيَمَسَّنَّ	تو ضرور چھوئے گا	الطَّعَامَ	کھانا
فَقَدْ	تو واقعہ یہ ہے	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	ان کو جنھوں نے انکار کیا	أُنْظُرْ	دیکھ
حَرَّمَ اللّٰهُ	حرام کیا ہے اللہ نے	مِنْهُمْ	ان میں سے	كَيْفَ نُبَيِّنُ	کیسے بیان کرتے ہیں ہم
عَلَيْهِ الْجَنَّةَ	اس پر جنت کو	عَذَابٌ أَلِيْمٌ	دردناک عذاب	لَهُمُ الْاٰيٰتِ	ان کے لئے دلیلیں
وَمَأْوٰىهُ	اور اس کا ٹھکانہ	أَفَلَا يَتُوْبُوْنَ	کیا پس توبہ نہیں کرتے وہ	ثُمَّ انْظُرْ	پھر دیکھ

(۱) إنه کی ضمیر: ضمیرِ شان ہے (۲) مِن: زائدہ، برائے تاکیدِ نفی ہے (۳) یستغفرون کا عطف یتوبون پر ہے، پس أفلا یہاں بھی آئے گا۔

اَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ	کدھر بھٹکائے جاتے	مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے وَرے	وَّلَا نَفۡعًا	اور نہ کسی نفع کا
	ہیں وہ	مَا لَا يَمۡلِكُ	اس کی جو نہیں مالک ہے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
قُلۡ	پوچھو	لَكُمۡ	تمہارے لئے	هُوَ السَّمِيۡعُ	ہی خوب سننے والے
اَتَعۡبُدُوۡنَ	کیا بندگی کرتے ہو تم	ضَرًّا	کسی نقصان کا	الۡعَلِيۡمُ	ہر بات جاننے والے ہیں

نصاریٰ کا تذکرہ

نصاریٰ نے توحید کا جنازہ ہی نکال دیا

دور سے یہود کا تذکرہ چل رہا ہے، ضمناً عیسائیوں کا تذکرہ بھی آتا رہا ہے، جہاں اہل کتاب کو خطاب فرمایا ہے: ان میں نصاریٰ بھی شامل ہیں، اب ان آیات میں بالاستقلال عیسائیوں کا ذکر ہے۔

یہود: توحید میں تو کچھ ٹھیک ہیں، مگر مسئلۂ رسالت میں بالکل بہک گئے ہیں، نہ عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح ہدایت مانتے ہیں، نہ خاتم النّبیین ﷺ پر ایمان لاتے ہیں، اور عیسائی توحید میں — جو ادیانِ سماوی کا بنیادی مسئلہ ہے — حق سے بہت دور جا پڑے ہیں، ان کے بنیادی فرقے تین ہیں:

ایک: فرقہ یعقوبیہ ہے: جو اتحاد کا قائل ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہیں، اللہ تعالیٰ ہی عیسیٰ علیہ السلام کے پیکر (صورت) میں دنیا میں آئے ہیں، ہندوؤں کا بھی اوتاروں کے بارے میں یہی اعتقاد ہے، وہ کہتے ہیں: جب دنیا شر و فساد سے بھر جاتی ہے تو بھگوان انسانی پیکر اختیار کر کے دنیا میں جنم لیتے ہیں، پس اوتار اور بھگوان ایک ہیں، اس لئے وہ اوتاروں کی پوجا کرتے ہیں۔

دوسرا فرقہ: نسطوریہ ہے، وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں، پس خدا دو ہوئے: باپ اور بیٹا، ایسا ہی عقیدہ مجوسیوں کا ہے، وہ بھی دو خدا مانتے ہیں: یزداں اور اہرمن۔

تیسرا فرقہ: ملکانیہ ہے، وہ تثلیث کا قائل ہے، یعنی خدا تین ہیں: باپ، بیٹا اور روح القدس (پاکیزہ روح) پھر وہ کہتے ہیں: یہ تینوں ایک ہیں، تینوں ایک کیسے ہیں؟ وہ کہتے ہیں اصل عنصر (Person) اللہ تعالیٰ ہیں، پھر ان کی صفتِ علم نے عیسیٰ علیہ السلام کا پیکر اختیار کیا، پس اصل 'باپ' ہیں، اور عیسیٰ علیہ السلام ان کے 'بیٹے' ہیں، اور اللہ کی صفتِ 'حیات' نے بھی پیکر اختیار کیا، پس وہ روح القدس ہے، مگر روح القدس کا مصداق کیا ہے؟ اس میں ان میں بڑا اختلاف ہے، کوئی حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مصداق بتاتا ہے، کوئی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو، اور کوئی مصداق متعین نہیں کرتا، روح

القدس، ہی کہتا ہے، اس طرح وہ تثلیث کے بھی قائل ہیں اور توحید کے بھی، آج کل کے عیسائیوں کا عمومی عقیدہ یہی ہے، قرآنِ کریم نے یہاں پہلے اور تیسرے عقیدوں کی تردید کی ہے۔

ان لوگوں کی تردید جو اللہ تعالیٰ کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو متحد مانتے ہیں

اتحاد کا عقیدہ کفریہ عقیدہ ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک مانتے ہیں: وہ کافر ہیں، اس لئے کہ خود عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں بنی اسرائیل سے کہا تھا: ''اس اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے'' انھوں نے رب اور مربوب کو یعنی خالق اور مخلوق کو جدا کیا، پس جیسے اللہ اور بنی اسرائیل ایک نہیں، اسی طرح اللہ اور عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک نہیں، اللہ تعالیٰ خالق ہیں، اور حضرت مریم کے صاحبزادے عیسیٰ علیہ السلام مخلوق ہیں، جو دونوں کو متحد (ایک) مانتا ہے وہ مخلوق کو خالق میں شریک کرتا ہے، اور جو کسی کو خدا کی خدائی میں شریک کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کردی ہے، وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، وہاں اس ظالم کا کوئی مددگار نہ ہوگا، جو اس کو دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچائے۔

اور ظالم کے معنی ہیں: حق تلفی کرنے والا، حق دار کو اس کے حق سے محروم کرنے والا، معبود ہونا صرف اللہ کا حق ہے، اس لئے کہ وہی خالق و مالک ہیں، پس معبود ہونا انہی کا حق ہے، پس جو کوئی غیر اللہ کو معبودیت میں حصہ دار بناتا ہے وہ ظالم ہے، اور ظالموں کا دوزخ میں کوئی مددگار نہیں، کیونکہ جس کو شریک ٹھہرایا ہے وہ کوئی اختیار نہیں رکھتا، اختیار سارا اللہ کا ہے۔

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ ﴾

ترجمہ: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہیں: وہ لوگ کافر ہیں! جبکہ مسیح نے کہا: اے بنی اسرائیل! تم بندگی کرو اللہ کی، جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے، بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا، سو اس پر اللہ نے جنت حرام کردی، اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور وہاں ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا!

ان لوگوں کی تردید جو تثلیث کا عقیدہ رکھتے ہیں

تثلیث کا عقیدہ بھی کفریہ عقیدہ ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک بٹا تین ہیں: وہ کافر ہیں، اللہ تعالیٰ تو کل معبود

ہیں، ان کی معبودیت میں کوئی حصہ دار نہیں، اور عیسائی متکلمین نے جو شوشہ چھوڑا ہے کہ اللہ کی صفتِ علم نے عیسیٰ علیہ السلام کا پیکر اختیار کیا ہے، اور اللہ کی صفتِ حیات نے حضرت مریم کا یا حضرت جبرئیل علیہ السلام کا پیکر اختیار کیا ہے، اس لئے تین ایک ہیں، اس لئے کہ ذات وصفات متحد ہوتے ہیں۔

یہ دور کی کوڑی ہے، اس لئے کہ صفات کا مفہوم ذات سے الگ ہوتا ہے، وجوداً لگ نہیں ہوتا، اور جب صفتِ علم اور صفتِ حیات کے پیکر مان لئے تو چند موجود ہوگئے، پس خدا ایک کہاں رہا؟ تعدداً لٰہ لازم آیا، اور توحید گاؤ خورد ہوگئی!

اور عیسائی پادریوں کا تین کا ایک لڈو بنانا: ایسی چیستان ہے جو نہ سمجھنے کی ہے نہ سمجھانے کی! حالانکہ بنیادی عقائد کو ایسا واضح ہونا چاہئے جس کو جاہل سے جاہل بھی سمجھ سکے۔

اور جب عقیدۂ تثلیث کفر وشرک ٹھہرا تو جو سزا اوپر آئی ہے وہی سزا ان لوگوں کو بھی ملے گی، یعنی وہ بھی ہمیشہ جہنم میں سڑیں گے، اگر ان دونوں عقیدوں کے قائلین اپنے کفر یہ اقوال سے باز نہ آئے تو آخرت میں ان کو دردناک سزا ملے گی، پس دونوں فریقوں کو چاہئے کہ اللہ کے سامنے توبہ کریں اور اس سے معافی مانگیں، اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں! ان کی بارگاہ مایوسی کی بارگاہ نہیں، ہر چہ کردی باز آ!

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین میں کا تیسرا ہے: وہ لوگ بھی کافر ہوگئے، جبکہ ایک معبود کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں، اور اگر وہ لوگ اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے منکرین توحید کو ضرور دردناک عذاب پہنچ کر رہے گا — کیا تو وہ اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے، اور وہ اس سے گناہ نہیں بخشواتے؟ اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں!

احتیاج الوہیت کے منافی ہے، اور نفع وضرر کا مالک ہونا الوہیت کے لئے ضروری ہے

اب دو دلیلوں سے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے معبود ہونے کی تردید فرماتے ہیں:

پہلی دلیل: احتیاج الوہیت کے منافی ہے، خدا کسی چیز کا محتاج نہیں ہوسکتا، وہ غنی (بے نیاز) ہوتا ہے۔

دوسری دلیل: خدا نفع وضرر کا مالک ہوتا ہے، جو نہ نفع کا اختیار رکھتا ہو نہ نقصان کا وہ خدا نہیں ہوسکتا۔

اور بات یہاں سے شروع کی ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی واقعی پوزیشن کیا تھی؟

۱- حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے ایک رسول تھے، نہ خدا تھے نہ خدائی میں حصہ دار! کیونکہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول ہوئے ہیں، جو نہ خدا تھے نہ خدائی میں حصہ دار!

۲- حضرت مریم رضی اللہ عنہا صدیقہ (ولیّہ، نیک بندی) تھیں، اور نیک بندیاں پہلے بھی بہت ہوئی ہیں، بعد میں بھی، اب بھی اور آگے بھی ہونگی، وہ خدائی میں حصہ دار نہیں، پھر حضرت مریم ہی حصہ دار کیوں؟

پھر پہلی دلیل: سے دونوں کی الوہیت کی تردید فرمائی ہے کہ دونوں کھانا کھاتے تھے، یعنی ان کو بھوک لگتی تھی، دونوں کھانے کے محتاج تھے، اور محتاج خدا نہیں ہوسکتا، احتیاج الوہیت کے منافی ہے، دیکھو! کیسی واضح بات ہے، مگر عیسائی پادری عوام کو دونوں کی الوہیت باور کراتے ہیں!

اور اس ایک دلیل میں کئی دلیلیں ہیں، اس لئے اس کو 'آیات' فرمایا ہے، جو کھانے کا محتاج ہوتا ہے: اس میں دوسرے بشری تقاضے بھی ہوتے ہیں، وہ سانس لینے کے لئے ہوا کا محتاج ہے، وہ گرمی حاصل کرنے کے لئے سورج کا محتاج ہے اور تھکن دور کرنے کے لئے نیند کا محتاج ہے، وقس علی ہذا!

علاوہ ازیں: جب کھانا پیٹ میں پہنچے گا تو گندگی سے بدل جائے گا، اور خدا میں گندگی نہیں ہوسکتی، اس کی ذات پاک ہے، سبحانہ و تعالیٰ شانہ!

دوسری دلیل: خدا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ نفع وضرر کا مالک ہو، اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ بالذات (اپنے طور پر) نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے تھے نہ نقصان، پھر وہ خدا اور خدائی میں حصہ دار کیسے ہوسکتے ہیں؟

اور اللہ تعالیٰ تو مخلوقات کی پکاریں سنتے ہیں، اور سب کی حاجتیں جانتے ہیں، اور سب کی حاجتیں پوری بھی کرتے ہیں، پس وہ نفع وضرر کے مالک ہیں، اس لئے وہی خدا اور معبود ہیں، دوسرا کوئی عبادت کا حقدار نہیں۔

﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝﴾

ترجمہ: مریم کے بیٹے مسیح تو ایک رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بالیقین رسول گذر چکے ہیں، اور ان کی والدہ صدیقہ (ولیّہ، نیک بندی) ہیں، دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھو! ہم کیسی (واضح) دلیلیں بیان کرتے ہیں، پھر دیکھو! وہ کدھر پھیرے جاتے ہیں —— پوچھو: کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی بندگی کرتے ہو جو تمہارے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہے، نہ کسی نفع کا؟ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والے، خوب جاننے والے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

ع ۱۱/۱۴

قُلْ	آپ کہیں	وَ اَضَلُّوْا	اور گمراہ کیا انھوں نے	دَاوٗدَ	داوٗد
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے آسمانی کتاب والو!	كَثِيْرًا	بہت سوں کو	وَعِيْسَى	اور عیسیٰ
لَا تَغْلُوْا	حد سے نہ بڑھو	وَّضَلُّوْا	اور بہک گئے وہ	ابْنِ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے
فِيْ دِيْنِكُمْ	اپنے دین میں	عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ	سیدھے راستہ سے	ذٰلِكَ	یہ (لعنت)
غَيْرَ الْحَقِّ (۱)	ناحق طور پر			بِمَا عَصَوْا (۲)	ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہے
وَ لَا تَتَّبِعُوْٓا	اور پیروی مت کرو	لُعِنَ	پھٹکارے گئے		
اَهْوَآءَ	خواہشات کی	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	جنھوں نے کفر کیا	وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (۳)	اور ان کے مسلسل حد سے گذرنے کی وجہ سے ہے
قَوْمٍ	ایسے لوگوں کی	مِنْۢ بَنِيْٓ	اولادِ یعقوب میں		
قَدْ ضَلُّوْا	جو بالیقین گمراہ ہوگئے	اِسْرَآءِيْلَ	سے	كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ	وہ لوگ ایک دوسرے کو روکا نہیں کرتے تھے
مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں	عَلٰى لِسَانِ	بذریعہ		

(۱) غیر الحق: یا تو مفعول مطلق برائے تاکید ہے، اس صورت میں غُلُوًّا: مصدر محذوف ہوگا، اور لاتغلوا کی ضمیر فاعل سے حال بھی ہوسکتا ہے۔ (۲) بما عصوا: ما: مصدریہ اور باءسببیہ ہے أی بسبب عصیانهم (۳) کانوا یعتدون کا عصوا پر عطف ہے، پس ما مصدریہ اور باءسببیہ یہاں بھی آئے گا۔

عَنْ مُّنْكَرٍ	ایسے ناجائز کام سے	لَهُمْ	ان کے لئے	بِاللّٰهِ	اللہ پر
فَعَلُوْهُ [1]	جس کو انھوں نے کیا	اَنْفُسُهُمْ	ان کی ذاتوں نے	وَالنَّبِيِّ [3]	اور اس پیغمبر پر
لَبِئْسَ مَا	البتہ بہت ہی برا ہے جو	اَنْ سَخِطَ [2]	یعنی سخت ناراض ہوئے	وَمَا اُنْزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا
كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اِلَيْهِ	اس کی طرف
تَرٰى	دیکھتا ہے تو	عَلَيْهِمْ	ان پر	مَا اتَّخَذُوْهُمْ	(تو) نہ بناتے وہ ان کو
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ	ان میں سے بہت سوں کو	وَفِي الْعَذَابِ	اور عذاب میں	اَوْلِيَآءَ	دوست
يَتَوَلَّوْنَ	دوستی کرتے ہیں	هُمْ	وہ	وَلٰكِنَّ	لیکن
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	ان سے جنھوں نے کفر کیا	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	كَثِيْرًا مِّنْهُمْ	ان میں سے بہت سے
لَبِئْسَ	البتہ بہت برا ہے	وَلَوْ	اور اگر	فٰسِقُوْنَ	حد اطاعت سے نکلنے
مَا قَدَّمَتْ	جو آگے بھیجا	كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان لاتے وہ		والے ہیں

ملحوظہ: اہل کتاب کے ذریعہ خطاب یہود ونصاریٰ دونوں کو ہوتا ہے، گذشتہ آیات میں اصالۃً یہود سے خطاب تھا، عیسائی تبعاً اس میں شامل تھے، اب معاملہ برعکس ہے، اصالۃً خطاب عیسائیوں سے ہے، اور یہود تبعاً اس میں شامل ہیں۔

دین دو باتوں سے خراب ہوتا ہے: اکابر کی شان میں غلو سے اور گمراہوں کی پیروی سے

غلو: کے معنی ہیں: حد سے تجاوز کرنا، ہر چیز کی اور ہر مخلوق کی ایک حد ہے، اس کو اس سے آگے نہیں بڑھانا چاہئے، اگر مخلوق کے ڈانڈے خالق سے ملا دیئے جائیں تو شرک ہوجائے گا، اور ملت کا ستیاناس ہوجائے گا، عیسائیوں نے اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کیا، ان کو اللہ کا بیٹا قرار دیا تو توحید کہاں باقی رہی؟ اسی لئے نبی ﷺ نے اپنی امت کو ہدایت دی کہ مجھے حد سے نہ بڑھانا، جیسا عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حد سے بڑھایا، میں اللہ کا بندہ ہوں، پس کہو: ''اللہ کے بندے اور اس کے رسول'' (بخاری حدیث ۲۴۶۲)

اس لئے اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو مخاطب فرماتے ہیں کہ اپنے دین میں ناحق غلو مت کرو، ایسا کروگے تو تمہارا دین

(۱) فعلوہ: جملہ منکر کی صفت ہے (۲) أن: ما کا بیان ہے، اور ھو مبتدا محذوف کی خبر بھی ہوسکتا ہے اور تفسیر کے لئے بھی ہوسکتا ہے، جیسے: ﴿ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ ﴾: اور ہم نے اس کو پکارا کہ اے ابراہیم [الصافات ۱۰۴] مطلب تینوں صورتوں میں ایک ہے (۳) النبی کا الف لام عہدی ہے، مراد نبی ﷺ ہیں

خراب ہوجائے گا، اور غلو: ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے، برحق کبھی نہیں ہوتا، پس ﴿غَيْرَ الْحَقِّ﴾ کو نہی کی تاکید، اور صفت کاشفہ کی طرح سمجھنا چاہئے، حال بھی درحقیقت صفت ہی ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں عیسائیوں کے غلو کی وجہ: ان سے از حد محبت، جیسے مسلمانوں میں ایک جماعت نبی ﷺ کی محبت میں غلو کرتی ہے، اور آپؐ کے علم کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کے ساتھ ملاتی ہے، اور یہ عقیدہ بنالیا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں وہ سب نبی ﷺ بھی جانتے ہیں، فرق صرف ذاتی اور عطائی کا ہے، اسی طرح انھوں نے اولیائے کرام کی محبت میں غلو کیا ہے، اور ان کو کائنات میں متصرف مان لیا ہے، حالانکہ ﴿يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾ اللہ ہی کی شان ہے۔

اور ایک دوسری جماعت نے آلِ رسول کی محبت میں غلو کیا، اور اپنے بارہ اماموں کو صاحبِ وحی مان لیا، اس طرح انھوں نے بھی اپنا دین بگاڑ لیا، اور یہود نے اپنے دین اور تورات کے معاملہ میں یہ غلو کیا کہ اپنے دین کو آخری دین اور تورات کو آخری کتاب قرار دیدیا، حالانکہ ان کی شریعت خاتم انبیائے بنی اسرائیل (عیسیٰ علیہ السلام) کے زمانہ تک تھی، اور تورات پر عمل بھی اسی وقت تھا، پھر نبوت بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہونے والی تھی، اور قرآنِ کریم کا زمانہ شروع ہونے والا تھا، اس طرح انھوں نے بھی اپنا دین بگاڑ لیا۔

اور دین میں خرابی کی دوسری وجہ: گمراہ لوگوں کی پیروی ہے، ملت میں ایک گمراہ شخص پیدا ہوتا ہے، پھر اس کی پارٹی بنتی ہے، اور وہ اس گمراہ شخص کے افکار کی تشہیر کرتی ہے تو لوگ اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں، اس طرح گمراہ فرقہ وجود میں آجاتا ہے، اور ان کا دین بگڑ جاتا ہے، عیسائیت کو بھی ایک منافق عیسائی ساؤل نے بگاڑا ہے، عیسائیوں نے اس کی بات مان لی تو مذہب کا حلیہ بگڑ گیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نصاریٰ کا دعوی ہے کہ موجودہ نصرانیت کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھی ہے، اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر قائم ہیں، اور ان کی ملت کے پیرو ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا تو آپ کے حواری شدید مخالفتوں کے باوجود نصرانیت کی تبلیغ کرتے رہے، اور پے درپے پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود انھیں اچھی کامیابی ملتی رہی، مگر اسی دروان ایک واقعہ پیش آیا جس نے حالات کا رُخ بالکل موڑ دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عالم جس کا نام 'ساؤل' تھا اور نصاریٰ پر شدید ظلم وستم ڈھاتا تھا، اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا، اور اس نے دعوی کیا کہ دمشق کے راستہ میں مجھ پر ایک نور چمکا، اور آسمان سے حضرت مسیح علیہ السلام کی آواز سنائی دی کہ ''تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟'' اس واقعہ سے متاثر ہوکر میں حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لے آیا،

اور دین عیسوی پر میرا دل مطمئن ہوگیا!

''ساؤل'' نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے سامنے اپنے اس انقلاب کا اعلان کیا تو اکثر حواری اس کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، مگر سب سے پہلے ''برناباس'' حواری نے اس کی تصدیق کی، پھر اس کی تصدیق سے مطمئن ہو کر تمام حواریوں نے ''ساؤل'' کو اپنی برادری میں شامل کرلیا۔

اس کے بعد ''ساؤل'' نے اپنا نام بدل کر ''پولس'' رکھا، اور حواریوں کے دوش بدوش نصرانیت کی تبلیغ میں مشغول ہوگیا، اس کی انتھک کوشش سے بہت سے ایسے لوگ بھی نصرانیت میں داخل ہوگئے جو یہودی نہیں تھے، ان خدمات کی وجہ سے نصاریٰ کے درمیان ''پولس'' کا اثر و رسوخ بڑھ گیا، جب اس نے دیکھا کہ نصاریٰ اس کی ہر بات تسلیم کرتے ہیں تو رفتہ رفتہ اس نے تثلیث، حلول، کفارہ اور مصلوبیت مسیح وغیرہ عقائد باطلہ کی کھل کر تبلیغ شروع کردی، اور نصرانیت کو مسخ کردیا، لہٰذا موجود نصرانیت کے بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ ''پولس'' ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے بائبل سے قرآن تک کا مقدمہ)

﴿قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾

ترجمہ: کہو: اے آسمانی کتاب والو! اپنے دین میں ناحق حد سے مت بڑھو ـــــ یہ گمراہی کا پہلا سبب ہے ـــــ اور ان لوگوں کے خیالات کی پیروی مت کرو جو قبل ازیں ـــــ یعنی نزول قرآن سے پہلے ـــــ بالیقین گمراہ ہوگئے ہیں ـــــ یہ پاؤل اور اس کی جماعت کی گمراہی کی طرف اشارہ ہے ـــــ اور انھوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا، اور وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

گمراہی جب گہری ہوجاتی ہے تو غضب ڈھاتی ہے!

تاریکی یکدم نہیں چھاتی، رفتہ رفتہ بڑھتی ہے، رات چھانے میں ڈیڑھ گھنٹہ لگتا ہے، اسی طرح روشنی بھی یکدم نہیں پھیلتی، اس کے لئے بھی وقت درکار ہوتا ہے، بیس سال کی محنت کے بعد مکہ مکرمہ فتح ہوا ہے، اور پچاس سال کی محنت کے بعد اس ملک میں سنت کی روشنی پھیلی ہے۔ غرض زوال میں بھی عرصہ لگتا ہے اور ترقی میں بھی۔

اور گمراہی اکابر کی شان میں غلو سے اور گمراہوں کی پیروی سے شروع ہوتی ہے، پھر غلو اور پیروی بڑھتی رہتی ہے اور گمراہی بن جاتی ہے، جیسے اب لوگ اکابر کو قطب الاقطاب اور غوثِ اعظم لکھنے لگے ہیں اور ان کو مسجدوں کے پاس یا مدارس میں دفن کرنے لگے ہیں، اور ان کی قبروں پر بڑے بڑے کتبے لگانے لگے ہیں، اور ان کی قبروں پر مراقبے کرتے ہیں،

سر جھکا کر بیٹھتے ہیں اور ذکر و فکر کرتے ہیں، یہی چیزیں رفتہ رفتہ اکابر پرستی میں بدل جائیں گی!

بنی اسرائیل میں بھی جب گمراہی شروع ہوئی تو بڑھ کر کفر تک پہنچ گئی، پس زبور و انجیل میں ان پر لعنت نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کو رحمت سے دور کر دیا، اور اس کی دو وجہیں بنیں: اول: ان کی نافرمانی، یعنی احکام شرع کی خلاف ورزی۔ دوم: ان کا اعتداء، یعنی مسلسل غلو جو حد سے بڑھ گیا، جیسے مسلمان فرقوں میں جو دائرۂ اسلام سے نکل گئے ہیں: وہ ملعون ہیں، اللہ کی رحمت میں ان کا کوئی حصہ نہیں!

﴿ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے بنی اسرائیل میں سے کفر کیا، ان کو داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کے ذریعہ پھٹکارا گیا، یہ بات ان کی نافرمانی کی وجہ سے اور ان کے مسلسل حد سے گذرنے کی وجہ سے تھی!

برائی روک ٹوک سے رکتی ہے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہیں، اگر سب لوگ اس فریضہ کو ترک کر دیں گے تو گمراہی پھیل جائے گی، بنی اسرائیل میں جب گمراہی شروع ہوئی تو لوگ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے تھے، مگر جب اس کا فائدہ ظاہر نہ ہوا تو یہ سلسلہ رک گیا، اور اچھے لوگ بھی برے لوگوں کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ بن گئے پس اللہ کا عذاب آیا، یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل پر نکیر فرمائی ہے کہ انھوں نے جو برائیوں پر نکیر چھوڑ دی وہ بہت ہی برا کیا۔

فائدہ: آج مسلمان بھی اس معاملہ میں بنی اسرائیل کے نقش قدم پر ہیں، برائی پر ٹوکنے کا مزاج ختم ہو گیا، اور علماء ومشائخ بھی خلافِ شرع امور کا ارتکاب کرنے والوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں کرتے (آسان تفسیر)

﴿ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾

ترجمہ: وہ لوگ ایک دوسرے کو روکا نہیں کرتے تھے اس ناجائز کام سے جو انھوں نے کیا، یقیناً بہت ہی بری ہے وہ بات جو وہ کیا کرتے تھے!

مدینہ کے یہود کا مکہ کے مشرکوں سے دوستی کرنا: بہت ہی برا ہے

اب یہود کے بہت ہی برے عمل کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔ یہود اہل کتاب تھے، وہ مسلمانوں سے اقرب تھے، مشرکوں سے ان کا کوئی جوڑ نہیں تھا، مگر اسلام کی مخالفت میں یہود کے بڑے مکہ کے مشرکین کے پاس جاتے تھے، دونوں کا

باہم گٹھ جوڑ تھا، وہ ان کو مدینہ پر چڑھا لاتے تھے، ان کا یہ فعل جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے بہت ہی برا ہے، اس گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہیں، اس لئے ان کو ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب میں سڑنا پڑے گا!

﴿ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: دیکھتے ہیں آپ ان میں سے بہت سوں کو کہ وہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں، بیشک بہت ہی برا ہے جو ان کی ذاتوں نے آگے بھیجا ہے کہ اللہ ان سے سخت ناراض ہوئے ہیں، اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں!

کافروں کی دوستی سے بچنے کی صورت ایمان لانا ہے، مگر افسوس! بسا آرزو خاک شد!

یہود: اس برائی سے، یعنی کفار کے ساتھ دوستی کرنے سے: اسی طرح بچ سکتے ہیں کہ وہ اللہ پر، نبی ﷺ پر اور قرآنِ کریم پر ایمان لائیں، پس وہ مشرکین کی طرف پینگیں نہیں بڑھائیں گے، مگر وہ ایسے خوش نصیب کہاں ہیں؟ ان کے بیشتر تو حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی بات کیوں مانیں گے؟ اور ایمان کیوں لائیں گے؟

﴿ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر، اور اِس پیغمبر پر، اور اُس قرآن پر جو اُس کی طرف اتارا گیا ہے تو وہ ان (کفار) کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں سے بہت سے حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں —— "بہت سے": کہہ کر یہود میں سے ایمان لانے صحابہ کو مستثنیٰ کیا ہے، اور اس میں اشارہ ہے کہ وہ معدودے چند ہیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاۗءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۵﴾
وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۸۶﴾ ع

لَتَجِدَنَّ	آپ ضرور پائیں گے	وَرُهْبَانًا	اور مشائخ (بزرگ) ہیں	مَعَ الشّٰهِدِیْنَ	گواہوں کے ساتھ
اَشَدَّ النَّاسِ	سب لوگوں سے سخت	وَّاَنَّهُمْ	اور (اس وجہ سے) کہ وہ	وَمَا لَنَا	اور کیا مانع ہے ہمارے لئے
عَدَاوَةً	دشمنی کے اعتبار سے	لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ	گھمنڈ نہیں کرتے	لَا نُؤْمِنُ	(کہ) ایمان نہ لائیں ہم
لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا	ان کیلئے جو ایمان لائے	وَاِذَا سَمِعُوْا	اور جب وہ سنتے ہیں	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
الْیَهُوْدَ(۱)	یہود کو	مَا اُنْزِلَ	اس کو جو اتارا گیا	وَمَا جَآءَنَا	اور اس پر جو پہنچا ہمیں
وَالَّذِیْنَ	اور ان لوگوں کو جنھوں نے	اِلَی الرَّسُوْلِ	اللہ کے رسول پر	مِنَ الْحَقِّ	دین حق سے
اَشْرَكُوْا	اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا	تَرٰٓى	(تو) دیکھتا ہے تو	وَنَطْمَعُ(۴)	اور امید (نہ) کریں ہم
وَلَتَجِدَنَّ	اور آپ ضرور پائیں گے	اَعْیُنَهُمْ	ان کی آنکھوں کو	اَنْ یُّدْخِلَنَا	کہ داخل فرمائیں گے ہمیں
اَقْرَبَهُمْ	لوگوں میں قریب تر	تَفِیْضُ	بہہ رہی ہیں	رَبُّنَا	ہمارے پروردگار
مَّوَدَّةً	محبت کے اعتبار سے	مِنَ الدَّمْعِ	آنسوؤں سے	مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ	نیک لوگوں کے ساتھ
لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا	مسلمانوں کے ساتھ	مِمَّا عَرَفُوْا(۳)	اس کی وجہ سے جو		
الَّذِیْنَ قَالُوْٓا	ان کو جنھوں نے کہا		پہچانی انھوں نے	فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ	پس صلہ دیا ان کو اللہ نے
اِنَّا نَصٰرٰى	بیشک ہم عیسائی ہیں	مِنَ الْحَقِّ	حق بات سے	بِمَا قَالُوْا	ان کی بات کی وجہ سے
ذٰلِكَ	یہ (فرق)	یَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ	جَنّٰتٍ	باغات کا
بِاَنَّ مِنْهُمْ	بایں وجہ ہے کہ ان	رَبَّنَآ	اے ہمارے پروردگار	تَجْرِیْ	بہتی ہیں
	میں سے کچھ	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	مِنْ تَحْتِهَا	ان میں
قِسِّیْسِیْنَ(۲)	علماء	فَاكْتُبْنَا	پس لکھ دیں آپ ہمیں	الْاَنْهٰرُ	نہریں

(۱) الیہود: مفعول ثانی ہے، اگر أشد: مفعول اول ہے، اور اس کا برعکس بھی ہوسکتا ہے (۲) قسیس اور قسّ: عیسائی عالم، ان کا سب سے بڑا دینی ذمہ دار أُسْقُفْ کہلاتا ہے، اس سے نیچے قِسیس ہے (۳) مما: تفیض سے متعلق ہے (۴) نطمع کا عطف نؤمن پر ہے، پس مالنا لا یہاں بھی آئے گا، اور بہت سے مفسرین نے لا نؤمن پر عطف مانا ہے۔

خٰلِدِيْنَ	سدا رہنے والے	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کا	بِاٰيٰتِنَآ	ہماری باتوں کو
فِيْهَا	ان میں	وَالَّذِيْنَ	اور جنھوں نے	اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ
وَذٰلِكَ	اور یہ (جنت)	كَفَرُوْا	اسلام کو قبول نہیں کیا	اَصْحٰبُ	دوزخ والے ہیں
جَزَآءُ	صلہ ہے	وَكَذَّبُوْا	اور انھوں نے جھٹلایا	الْجَحِيْمِ	

یہود کے مشرکین کے ساتھ ڈانڈے کیوں ملتے ہیں؟

اگر یہود: نبی ﷺ پر مخلصانہ ایمان لاتے تو مشرکین کے ساتھ ساز باز نہ کرتے، اور مشرکین کو مسلمانوں پر ترجیح نہ دیتے، مشرکوں کے دل تو پتھروں کو پوجتے پوجتے پتھر ہو گئے ہیں، اور یہود گھمنڈ میں بھر گئے ہیں، وہ مسلمانوں کے سامنے نرم نہیں پڑنا چاہتے، انھوں نے تو مشرکین سے یہ تک کہہ دیا ہے کہ تمہارا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے! یہ بات ان کی اسلام دشمنی کی آئینہ دار ہے، اس وجہ سے یہود کے مشرکین سے ڈانڈے ملتے ہیں، مسلمانوں کی عداوت کے تعلق سے دونوں ایک ہی تھیلے کے چھوٹے بڑے کھلونے ہیں — افسوس! آج نام نہاد مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے، وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر دنیوی مفادات کے لئے کفار سے دوستی کرتے ہیں، اور انہی کی حمایت ووکالت کرتے ہیں!

عیسائی: مسلمانوں سے زیادہ محبت کیوں کرتے ہیں؟

عیسائی بھی کفر میں مبتلا تھے، اسلام سے جلتے تھے، مسلمانوں کا عروج ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا، تاہم ان میں قبولِ حق کی استعداد: یہود و مشرکین کی بہ نسبت زیادہ تھی، اس لئے وہ مسلمانوں کے حق میں نرم دل تھے، نجاشی رحمہ اللہ نے اپنی نرم دلی کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنے ملک میں پناہ دی تھی، اور مشرکین مکہ کے ہدایا واپس کر کے ان کو ٹکا سا جواب دیدیا تھا۔

اور اس کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک عیسائیوں میں علم دین کا چرچا تھا، اور ان کے مشائخ زاہدانہ زندگی اختیار کئے ہوئے تھے، اور تواضع ان کی خاص صفت تھی، اور جس قوم میں یہ باتیں ہوتی ہیں اس میں حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت اور سلامت روی دوسری اقوام سے زیادہ ہوتی ہے، حبشہ کے بادشاہ نجاشی رحمہ اللہ، اور قیصر روم اور مقوقس مصر نے نبی ﷺ کے والا نامہ کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا وہ اس کا شاہد عدل ہے۔

ملت کی خوبی حق پرست علماء اور مشائخ کے وجود سے ہے

آیتِ مذکورہ کے بیان سے ایک اہم بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ قوم وملت کی اصلی روح حق پرست، خدا ترس، علماء ومشائخ ہیں، ان کا وجود پوری قوم کی حیات ہے، جب تک کسی قوم میں ایسے علماء ومشائخ موجود ہوں جو دنیوی خواہشات

کے پیچھے نہ چلیں، خدا ترسی ان کا مقام ہو تو وہ قوم خیر و برکت سے محروم نہیں ہوتی (معارف القرآن)

﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾

ترجمہ: آپ ضرور پائیں گے لوگوں میں دشمنی کے اعتبار سے سخت تر مسلمانوں کے ساتھ: یہود کو اور مشرکین کو! اور آپ ضرور پائیں گے مسلمانوں کے ساتھ محبت کے اعتبار سے قریب تر ان لوگوں کو جنھوں نے کہا: ہم نصاری ہیں! یہ فرق بایں وجہ ہے کہ عیسائیوں میں کچھ اپنے مذہب کے جاننے والے، اور کچھ درویش لوگ ہیں، اور اس وجہ سے فرق ہے کہ وہ گھمنڈ نہیں کرتے۔

زرخیز زمین ہی بابرکت بارش سے فیض یاب ہوتی ہے

عیسائیوں میں یہود و مشرکین کی بہ نسبت قبولِ حق کی صلاحیت زیادہ ہے، وہ نرم دل ہیں اور ان میں گھمنڈ نہیں، اس کی دلیل یہ واقعہ ہے کہ جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو ان کو حبشہ سے واپس کرنے کا مطالبہ لے کر مشرکین مکہ کا ایک وفد نجاشی کے پاس گیا، بادشاہ نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلایا، اور حقیقتِ حال جاننے کی کوشش کی، حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے دربار میں بڑی مؤثر تقریر کی، اور سورۂ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں، اس سے نجاشی کا دل نرم ہوگیا اور مسلمانوں کی عظمت و محبت اس کے دل میں بڑھ گئی، اس نے مشرکین کے ہدایا واپس کردیئے، وفد کو ٹکا سا جواب دیدیا، اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ تم میرے ملک میں رہو، تمہیں یہاں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔

نجاشیؒ کو اندازہ ہوگیا تھا کہ آنحضرت ﷺ ہی وہ آخری نبی ہیں، جن کی تورات و انجیل نے خبر دی ہے، مگر وہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے، پھر جب نبی ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو نجاشی رحمہ اللہ نے اپنے علماء اور راہبوں کا ایک وفد مدینہ بھیجا، نبی ﷺ نے ان کے سامنے سورۂ یٰسٓ تلاوت فرمائی، وفد زار و قطار رونے لگا، اور انھوں نے اعتراف کیا کہ یہ کلام اس کلام کے بہت مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، چنانچہ وہ سب لوگ مسلمان ہوگئے، جب وہ لوگ واپس حبشہ گئے تو نجاشی رحمہ اللہ نے بھی اپنے اسلام کا اعلان کردیا۔

عیسائیوں کو جو مسلمانوں سے قریب تر کہا گیا ہے وہ ہر زمانہ کے لئے عام ہے یا زمانہ نبوی کے عیسائیوں کے ساتھ خاص ہے!

فوائد عثمانی میں ہے:

''ان آیات میں اسی جماعت (وفد) کا حال بیان فرمایا ہے، قیامت تک کے لئے کوئی خبر نہیں دی گئی، کہ ہمیشہ عیسائیوں اور یہود ومشرکین وغیرہ کے تعلقات کی نوعیت اسلام ومسلمین کے ساتھ یہی رہے گی، آج جو لوگ عیسائی کہلاتے ہیں ان میں کتنے قسیس ورہبان اور متواضع ومنکسر المزاج ہیں؟ اور کتنے ہیں جن کی آنکھوں سے کلام الٰہی سن کر آنسو ٹپک پڑتے ہیں؟ جب ﴿ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً ﴾ کی علت ہی جو ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ ﴾ سے بیان کی گئی ہے موجود نہیں تو معلول یعنی قرب مودت کیوں موجود ہوگا؟ بہر حال جو اوصاف عہد نبوی کے عیسائیوں اور یہود ومشرکین کے بیان ہوئے: وہ جب کبھی اور جہاں کہیں جس مقدار میں موجود ہونگے اس نسبت سے اسلام اور مسلمین کی محبت وعداوت کو خیال کرلیا جائے''

﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾

ترجمہ: اور جب وہ (عیسائی) سنتے ہیں اس قرآن کو جو اللہ کے رسول پر نازل کیا گیا ہے تو آپ ان کو اشکبار دیکھیں گے، ان کے حق بات کو پہچاننے کی وجہ سے، وہ کہتے ہیں: ''اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، پس ہمیں (توحید کی) گواہی دینے والوں میں شامل فرمالیں!

یہود نے وفد حبشہ کو طعنہ دیا تو انھوں نے ایمان افروز جواب دیا

جب حبشہ والوں کا وفد جو تقریباً ستر آدمیوں پر مشتمل تھا: مدینہ منورہ آیا، نبی ﷺ سے ملا، اور آپؐ نے ان کو یٰسٓ شریف سنائی، تو وہ لوگ زار وقطار رونے لگے، اور سب مسلمان ہوگئے، جلالین میں ہے کہ یہود مدینہ نے ان کو طعنہ دیا کہ تم بے وقوف اور جلد باز ہو، سوچے سمجھے بغیر مسلمان ہوگئے! —— یہ ایسا ہی طعن تھا جیسا منافقین: مخلص مسلمانوں کو دیا کرتے تھے: ﴿ اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ﴾: کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں! یعنی ہم سوچ سمجھ کر ایمان لائیں گے، اندھا دھند ایمان لانے والے نہیں! یہود نے بھی وفد حبشہ کو یہی طعن دیا تھا، ان نومسلموں نے بڑا ایمان افروز جواب دیا: کہا: کیا ہم اللہ پر اور اس کی طرف سے جو برحق دین نازل ہوا ہے: اس پر ایمان نہ لائیں! اور یہ آرزو نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک بندوں (اہل جنت) میں شامل کریں، ایسی تمنائیں کرنے میں ہمارے لئے کیا مانع ہے؟

اور بعض مفسرین نے ﴿ نَطْمَعُ ﴾ کا عطف ﴿ لَا نُؤْمِنُ ﴾ پر مانا ہے، یعنی ہم ایمان لائے بغیر نیک بندوں میں شمولیت کی آرزو کیسے کرسکتے ہیں؟

ایمان لانے والے عیسائیوں کا بہترین صلہ، اور منکرین کا بدترین انجام

جو بھی ایمان لاتا ہے، خواہ عیسائی ہو یا کوئی اور، اس کو آخرت میں بہترین صلہ ملے گا، ایسے باغات ملیں گے جن میں نہریں بہہ رہی ہیں، اس لئے وہ سدا بہار ہیں، جنتی ان میں سدا رہیں گے، یہ مستقل نعمت ہے، دیکھو! ایمان لانے والوں کا کیسا اچھا صلہ ہے! اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے، اور اللہ کی باتوں کو (قرآنِ کریم کو) جھٹلاتے ہیں: وہ جہنم کی بھٹی میں جائیں گے، اور وہاں ہمیشہ جلیں گے (پناہ بخدا!)

یہاں تک اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کا تذکرہ پورا ہوا، کچھ باقی باتیں آخر سورت میں آئیں گی، آگے اس امت کے لئے احکام ہیں۔

﴿ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہمارے لئے کیا مانع ہے کہ ہم اللہ پر، اور اُس دین حق پر ایمان نہ لائیں جو ہمیں پہنچا ہے! اور ہم کیوں آرزو نہ کریں کہ ہمارے پروردگار ہمیں نیک لوگوں میں شامل کریں! —— چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی اس بات کی وجہ سے ایسے باغات عنایت فرمائیں گے جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں سدا رہیں گے، اور یہ نیکوکاروں کا صلہ ہے —— یعنی ایمان کے ساتھ نیک کام کرنا بھی جنت میں جانے کے لئے ضروری ہے —— اور جنھوں نے اسلام کا انکار کیا، اور ہماری باتوں کو جھٹلایا: وہ لوگ دوزخ والے ہیں!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے وہ لوگو جو ایمان لائے!	لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ (۱)	مت حرام کرو ستھری چیزوں کو	مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ	جو حلال کی ہیں اللہ نے تمہارے لئے

(۱) طیبات کی مابعد کی طرف اضافت بیانیہ ہے، پھر مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔

وَلَا تَعْتَدُوْا	اور حد سے آگے مت بڑھو	وَ كُلُوْا	اور کھاؤ تم	حَلٰلًا طَيِّبًا(۲)	حلال پاکیزہ
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	مِمَّا(۱)	اس میں سے جو	وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو اس اللہ سے
لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	رَزَقَكُمُ	بطور روزی دیا تم کو	الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ	جس پر تم ہو
الْمُعْتَدِيْنَ	حد سے آگے بڑھنے والوں کو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	مُؤْمِنُوْنَ	ایمان رکھنے والے

ربط بعید: سورت احکام کے بیان سے شروع ہوئی ہے، پھر اہل کتاب کا تذکرہ شروع ہوگیا، جو ضمنی مضمون تھا، اب پھر اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں، اور اس امت کے لئے احکام بیان فرماتے ہیں۔

ربط قریب: آخر میں نصاریٰ کا ذکر ہے، انھوں نے رہبانیت شروع کردی تھی، رہبانیت: ترکِ لذات کا نام ہے، جو دینداری کا ہیضہ ہے، اور خلافِ فطرت ہے، اسلام اس کو قطعاً پسند نہیں کرتا، اس لئے کہ یہ اعتداء (حد شرعی سے بڑھنا) ہے، جس کی اوپر ممانعت آئی ہے۔

حلال چیزوں کو حرام کرنے کی ممانعت

رہبانیت: ترکِ لذات: اگرچہ باعتبار نیت اچھی بات ہے، مگر قانونِ فطرت کے خلاف ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے صاف منع کیا، اور فرمایا: کسی بھی حلال وطیب چیز کو عملاً حرام کرنا درست نہیں، اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ چیز حرام تو نہیں ہوگی، مگر قسم کا کفارہ دینا ہوگا، اس لئے کہ اس نے ایسی جسارت/حماقت کیوں کی؟

اور آیت کا شانِ نزول: ترمذی شریف کی درج ذیل (حدیث نمبر ۳۰۷۳) میں ہے:

حدیث: حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا، اور عرض کیا: یارسول اللہ! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو میری عورتوں کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے، اور مجھ پر شہوت کا غلبہ ہوجاتا ہے، اس لئے میں نے اپنے اوپر گوشت کو حرام کرلیا ہے؟ پس اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیتیں نازل فرمائیں (جن میں ایسا کرنے کی ممانعت فرمائی)

تشریح: دو چیزوں میں فرق ہے: ایک: کسی حلال کو حرام کرلینا، یہ قطعاً جائز نہیں، یہ تشریع میں دخل اندازی ہے، اس لئے مذکورہ آیت میں اس کو ''حدود کی خلاف ورزی'' قرار دیا ہے۔ اور دوسری چیز ہے: ناموافق چیزوں سے پرہیز کرنا، یہ جائز ہے، کیونکہ ہر حلال چیز کو کھانا ضروری نہیں، پس اگر کسی کی بیوی نہ ہو، اور نکاح کے اسباب بھی نہ ہوں، اور وہ گوشت انڈا نہ کھائے تو اس میں کچھ حرج نہیں، یہ حدود کی خلاف روزی نہیں۔

مسئلہ: اگر کسی نے نادانی سے کسی حلال چیز کو حرام کرلیا، یا نہ کھانے کی قسم کھالی، تو اس کو استعمال کرنا ضروری ہے۔ اور

(۱) مما: من تبعیضیہ ہے، اور مفعول بہ ہے أی بعضاً مما (۲) حلالا طیبا: ما کا حال ہیں، اور طیب: صفتِ کاشفہ ہے۔

قسم توڑ دینا واجب ہے، اور دونوں صورتوں میں قسم توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا۔ اور یہ مسئلہ سورۃ التحریم میں ہے۔

آیتِ کریمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! ان ستھری چیزوں کو حرام مت کرو، جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے اور حکم خداوندی سے آگے مت بڑھو، اللہ تعالیٰ حد شرعی سے آگے بڑھنے والوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے، اور کھاؤ کچھ اس میں سے جو اللہ نے تم کو بطور روزی دیا ہے ـــــ یعنی مالک نہیں بنایا، بطور بھتّا دیا ہے ـــــ جبکہ وہ حلال پاکیزہ ہو ـــــ ہر حلال پاکیزہ ہوتا ہے، اور ہر حرام رجس (گندگی) ہوتا ہے ـــــ اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو! ـــــ یعنی تحلیل و تحریم میں اللہ کے احکام کی پابندی کرو، خلاف روزی مت کرو۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

لَا يُؤَاخِذُكُمُ	نہیں پکڑتے تمہیں	فَكَفَّارَتُهٗٓ (۲)	پس اس کا کفارہ (تلافی)	رَقَبَةٍ	ایک گردن کا
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اِطْعَامُ	کھانا دینا ہے	فَمَنْ	پس جو شخص
بِاللَّغْوِ	بے فائدہ پر	عَشَرَةِ	دس	لَّمْ يَجِدْ	نہ پائے (یہ چیزیں)
فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ	تمہاری قسموں میں	مَسٰكِيْنَ	غریبوں کو	فَصِيَامُ	تو روزے ہیں
وَلٰكِنْ	لیکن	مِنْ اَوْسَطِ	درمیانی درجہ کا	ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ	تین دن کے
يُّؤَاخِذُكُمْ	پکڑتے ہیں تمہیں	مَا تُطْعِمُوْنَ	جو تم کھلاتے ہو	ذٰلِكَ	یہ
بِمَا عَقَّدْتُّمُ (۱)	تمہارے مضبوط	اَهْلِيْكُمْ	اپنے گھر والوں کو	كَفَّارَةُ (۳)	کفارہ (تلافی) ہے
	باندھنے کی وجہ سے	اَوْ كِسْوَتُهُمْ	یا ان کو کپڑا دینا ہے	اَيْمَانِكُمْ	تمہاری قسموں کا
الْاَيْمَانَ	قسموں کو	اَوْ تَحْرِيْرُ	یا آزاد کرنا ہے	اِذَا حَلَفْتُمْ	جب قسم کھاؤ تم

(۱) بما: ما مصدریہ ہے، اور موصولہ بھی ہوسکتا ہے (۲) ضمیر کا مرجع ما ہے، اگر وہ موصولہ ہے، ورنہ یمین مرجع ہے، اور وہ اگرچہ مؤنث سماعی ہے، مگر وہ بمعنی حنث ہے (۳) کفارۃ: وہ نیک کام (روزہ خیرات وغیرہ) جو گنہ گار اپنے گناہ کی تلافی کے لئے کرتا ہے، اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہے۔

وَاحْفَظُوْٓا	اور نگہداشت کرو	يُبَيِّنُ	واضح کرتے ہیں	اٰيٰتِهٖ	اپنے احکام
اَيْمَانَكُمْ	اپنی قسموں کی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
كَذٰلِكَ	اس طرح	لَكُمْ	تمہارے لئے	تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاؤ

یمینِ منعقدہ میں کفارہ واجب ہے، اور کفارے کی تفصیل

گذشتہ آیت میں حلال کو حرام کرنے کی ممانعت تھی، حلال کو حرام کیسے کرے گا؟ قسم کھالے کہ وہ ٹماٹر نہیں کھائے گا یا ماں باپ سے نہیں بولے گا، تو اب کھانا اور بولنا ممنوع ہوجائے گا، کھائے گا یا بولے گا تو گناہ ہوگا، اس لئے کہ اس نے اللہ کے نام کی بے حرمتی کی، مگر اس گناہ کی تلافی کی صورت ہے، اور وہ کفارہ ادا کرنا ہے، یہ ماسبق سے ربط ہوا۔

قسم کی تعریف: اللہ کا یا اللہ کی صفات کا واسطہ لاکر کوئی ایسا عہد کرنا جس کی وجہ سے کسی ممکن کام کو کرنے یا نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہوجائے، جیسے وہ کل روزہ رکھے گا یا نہیں رکھے گا۔

پھر یمین کی تین قسمیں ہیں:

۱- یمینِ لغو: (بے فائدہ قسم): اس کی دو صورتیں ہیں، ایک: لوگ بول چال میں جو قسم کے ارادے کے بغیر ہاں بخدا! نہیں بخدا! کہتے ہیں: وہ یمینِ لغو ہے، دوم: کسی گذشتہ یا موجودہ بات پر اپنی دانست کے مطابق قسم کھانا، جبکہ حقیقت میں ایسا نہ ہو، جیسے کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ مہتمم صاحب آگئے، اس پر اعتماد کرکے قسم کھائی، پھر ظاہر ہوا کہ مہتمم صاحب نہیں آئے تو یہ یمینِ لغو ہے، اس میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ، اس کا ذکر یہاں بھی ہے اور سورۃ البقرۃ (آیت ۲۲۵) میں بھی ہے۔

۲- یمینِ غموس (گناہ میں غوطہ دینے والی قسم): کورٹ میں جج کے سامنے جھوٹی قسم کھانا، تاکہ اپنے حق میں فیصلہ کراکر کسی مسلمان کا مال ہتھیالے، یہ سخت گناہ ہے، حدیث میں ہے: **اليمينُ الغموس تَذَرُ الدِّيَارَ بَلَاقِعَ:** جھوٹی قسم آبادیوں کو ویرانہ بنادیتی ہے، اس لئے احناف کے نزدیک: اس میں کفارہ نہیں، یہ سخت گناہ ہے، کفارہ سے معاف نہیں ہوسکتا، مسلسل توبہ کرے، شاید معاف ہوجائے، اس کا تذکرہ بھی سورۃ البقرۃ (آیت ۲۲۵) میں ہے اور وہاں کفارہ کا ذکر نہیں، اس لئے احناف کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں، توبہ ہے۔

۳- یمین منعقدہ (پختہ قسم): اللہ کا یا اللہ کی صفات کا واسطہ لاکر آئندہ کسی ممکن کام کے کرنے یا نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا، جیسے آئندہ کل وہ روزہ رکھے گا یا نہیں رکھے گا —— اس قسم میں خلاف ورزی کرنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوگا، یہی اللہ کی گرفت ہے، اور کفارہ دیدے تو گناہ معاف ہوجائے گا، اس آیت میں اسی قسم کا ذکر ہے۔

قسم کا کفارہ: قسم کے کفارہ میں اولاً تین چیزوں میں اختیار ہے، جونسا چاہے کفارہ ادا کرے:

۱-دس غریبوں کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے، کھانا اوسط درجہ کا ہونا چاہئے، پلاؤ قورمہ کھلانا ضروری نہیں، عام طور پر آدمی کے گھر میں جو کھانا پکتا ہے: ویسا ہونا چاہئے، یا صدقۂ فطر کے بقدر ہر غریب کو غلہ دے۔

۲-دس غریبوں کو کپڑوں کا جوڑا دے، اور غریب عورت کو دے تو اتنا بڑا دے کہ اس میں بدن کو ڈھانک کر نماز پڑھ سکے۔

۳-ایک غلام یا باندی آزاد کرے (مگر اب غلام باندی نہیں رہے، اس لئے پہلی دو صورتوں میں اختیار ہوگا)

اور اگر قسم توڑنے والا صاحب نصاب نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھے، اور قسموں کی حفاظت ضروری ہے، بات بات پر قسم کھانا بری عادت ہے، اور اگر قسم کھائی تو اس کو حتی الامکان پورا کرنا چاہئے، اور کسی وجہ سے ٹوٹ جائے تو کفارہ ادا کرے، یہ سب چیزیں حفاظتِ یمین میں داخل ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ پاکیزہ چیزوں کو حرام کرنے کی ممانعت فرمائی، اور اگر کسی نے غلطی سے کسی حلال چیز کو قسم کھا کر حرام کرلیا تو اس نے نکلنے کا راستہ رکھا، اور حدیث میں ہے کہ جب تم قسم کھاؤ، پھر اس کے علاوہ میں خیر دیکھو تو وہ کام کرو جو بہتر ہے اور قسم کا کفارہ دے دو (ترمذی حدیث ۱۵۱۷) مثلاً: قسم کھالی کہ ماں باپ یا بھائی بہن سے نہیں بولے گا، پھر جب غصہ اترا تو پچھتایا تو اس کو اس قسم پر برقرار نہیں رہنا چاہئے، قسم توڑ دے اور کفارہ دیدے، اور حنفیہ کے نزدیک قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا درست نہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک: قسم توڑنے سے پہلے بھی کفارہ دے سکتا ہے، اور اختلاف کی بنیاد تحفۃ الالمعی (۴٦١:۴) میں بیان کی ہے۔

آیتِ کریمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری بے فائدہ قسموں پر دارو گیر نہیں فرماتے، ہاں ان قسموں پر دارو گیر فرماتے ہیں جن کو تم نے مضبوط باندھا ہے، پس اس کی تلافی: دس غریبوں کو کھانا دینا ہے —— ایسے غریب کو جس کو زکات دینا جائز ہے —— درمیانی درجہ کے کھانے سے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان کو کپڑا پہنانا ہے، یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، پس جس کو (یہ چیزیں) میسر نہ ہوں —— یعنی وہ نہ زکات کے بڑے نصاب کا مالک ہو، نہ صدقۂ فطر والے چھوٹے نصاب کا —— تو (مسلسل) تین روزے ہیں، یہ تمہاری قسموں کی تلافی ہے، اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو —— یعنی بے ضرورت قسمیں مت کھاؤ، اور کھاؤ تو ان کو مت توڑو، اور ٹوٹ جائے یا توڑنا مصلحت ہو تو کفارہ ادا کرو —— اس طرح اللہ تعالیٰ واضح طور پر تمہارے لئے اپنے احکامات بیان کرتے ہیں —— یہ اشارہ ہے طیبات کی تحریم کی ممانعت کی طرف، جس کا تذکرہ اوپر آیا ہے —— تاکہ تم شکر بجالاؤ —— اللہ کی اس نعمت پر کہ اس نے حلال پاکیزہ چیزوں کو حرام کرنے کی ممانعت فرمادی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	اِنَّمَا	اس کے سوانہیں کہ	فَهَلْ اَنْتُمْ	پس کیا تم
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	يُرِيْدُ	چاہتا ہے	مُّنْتَهُوْنَ	باز آنے والے ہو؟
اِنَّمَا	اس کے سوانہیں کہ	الشَّيْطٰنُ	شیطان	وَاَطِيْعُوا	اور کہا مانو
الْخَمْرُ	شراب	اَنْ يُّوْقِعَ	کہ ڈالے	اللّٰهَ	اللہ کا
وَالْمَيْسِرُ	اور جوا (سٹہ)	بَيْنَكُمُ	تمہارے درمیان	وَاَطِيْعُوا	اور کہا مانو
وَالْاَنْصَابُ[1]	اور مورتیاں	الْعَدَاوَةَ	دشمنی	الرَّسُوْلَ	اللہ کے رسول کا
وَالْاَزْلَامُ[2]	اور فال کے تیر	وَالْبَغْضَآءَ	اور بیر (سخت دشمنی)	وَاحْذَرُوْا	اور بچو تم
رِجْسٌ	گندگی	فِي الْخَمْرِ	شراب میں	فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ	پس اگر روگردانی کی تم نے
مِّنْ عَمَلِ	کام سے	وَالْمَيْسِرِ	اور جوے میں	فَاعْلَمُوْٓا	تو جان لو
الشَّيْطٰنِ	شیطان کے ہیں	وَيَصُدَّكُمْ	اور روکے تم کو	اَنَّمَا[4]	اس کے سوانہیں کہ
فَاجْتَنِبُوْهُ[3]	پس بچو تم اس سے	عَنْ ذِكْرِ	یاد سے	عَلٰى رَسُوْلِنَا	ہمارے پیغامبر کے ذمہ
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	اللّٰهِ	اللہ کی	الْبَلٰغُ	پہنچانا ہے
تُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہوؤ	وَعَنِ الصَّلٰوةِ	اور نماز سے	الْمُبِيْنُ	کھول کر

شراب، سٹہ، مورتیاں اور پانسے کے تیروں کی حرمت

ربط: پہلے مطلقاً حلال کو حرام کرنے کی ممانعت فرمائی تھی، پھر وقتی طور پر حلال کو حرام کرنے کا حکم بیان کیا، یعنی کوئی قسم

(۱) أنصاب: نَصَب کی جمع: مورتی، اَستھان وغیرہ پوجا کی جگہ (۲) أزلام: زَلَم کی جمع: فال کے تیر (دیکھیں اسی سورت کی آیت ۳ کی تفسیر) (۳) ضمیر: عَمَل کی طرف عائد ہے (۴) أنما: حصر کے لئے بھی آتا ہے اور تحقیق کے لئے بھی۔

کھا کر کسی حلال کو حرام کرلے تو وہ چیز حرام نہیں ہوتی، مگر اب استعمال کرے گا تو کفارہ دینا ہوگا، اب اس کے بالمقابل قطعی حرام کا تذکرہ فرماتے ہیں، اس لئے کہ ضد سے ضد پہچانی جاتی ہے، حرام کو حلال کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں، حرام ہمیشہ حرام رہتا ہے، اگر کوئی اس کو حلال کرنے کی حماقت کرے تو وہ حلال نہیں ہوگا، مگر کفارہ واجب ہوگا، یہ سزا ہے کہ اس نے حرام کو حلال کرنے کی جرأت کیوں کی؟ قسم کا کفارہ دے، تاکہ اس کا گناہ معاف ہوجائے۔

آیت میں مذکور چار حرام چیزوں کی وضاحت:

۱-**خمر**: لغت میں انگور کے کچے رس کو کہتے ہیں، جب اس میں جوش آئے، اور وہ اٹھے، اور اس میں جھاگ آئے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک: وہ خمر (انگوری شراب) ہے، اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جھاگ ڈالنا شرط نہیں، جب اس میں جوش آجائے اور ابھرے تو وہ خمر بن گیا۔ اور دیگر ائمہ کے نزدیک انگور کے کچے شیرے کی کوئی تخصیص نہیں، ان کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب خمر اور حرام ہے، اور احناف کے یہاں بھی فتوی اسی پر ہے، ہر نشہ آور چیز خواہ سیال ہو، جیسے مختلف شرابیں، خواہ جامد ہو، جیسے افیون، حشیش، بھنگ اور ہیروئن وغیرہ سب حرام ہیں، البتہ نجاست غلیظہ خفیفہ ہونے میں، اور حد کب واجب ہوگی؟ اس میں ائمہ میں اختلاف رہے گا (تفصیل کے لئے تحفۃ الالمعی ۵:۲۰۲ دیکھیں)

۲-**میسر**: جُوا، سٹہ: کسی چیز پر اس طرح رقم لگانا کہ اس کا انجام معلوم نہ ہو، جیسے کھیل وغیرہ میں شرط لگاتے ہیں، میسر کے معنی ہیں: سہولت، تموّل، سٹہ میں آسانی سے بہت مال مل جاتا ہے، اس لئے اس کا یہ نام ہے، میسر کو قمار بھی کہتے ہیں، قمار: باب مفاعلہ کا مصدر ہے، جس کے معنی ہیں: باہم بازی لگانا، سٹہ کھیلنا۔

۳-**أنصاب**: نَصَب کی جمع ہے: پوجا کے لئے کھڑی کی ہوئی چیز، خواہ وہ مورتی ہو، کوئی پتھر، درخت، قبر وغیرہ ہو جن کی مشرک قومیں اور جاہل مسلمان پرستش کرتے ہیں۔

۴-**أزلام**: زَلَم کی جمع ہے: فال کے تیر، زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں یہ طریقہ تھا کہ چند آدمی مل کر اونٹ خرید کر لاتے تھے، جس میں سب کے پیسے برابر ہوتے تھے، پھر اس کو ذبح کرکے گوشت غیر مساوی تقسیم کرتے تھے، اس کے لئے قرعہ اندازی کرتے تھے، جس کے نام جو حصہ نکلتا وہ اس کو دیا جاتا، اور جس کے نام کوئی حصہ نہ نکلتا وہ محروم رہتا، یہ بھی سٹے کی ایک شکل تھی، اس سورت کی آیت ۳ کی تفسیر میں اس کی ایک دوسری صورت کا بھی بیان ہے۔

شراب کی حرمت تدریجاً نازل ہوئی ہے

شراب: عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اس کو یکدم حرام کرتے تو لوگ مشکل میں پڑجاتے، اس لئے ذہن سازی کرکے چار مرحلوں میں قطعی حرام کی ہے؟ سب سے پہلے سورۃ النحل کی آیت ۶۷ نازل ہوئی، یہ سورت مکی ہے: ﴿ وَمِنْ

﴿ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ﴾: اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے: تم لوگ اس سے سکر (کھجور کی شراب) اور کھانے کی عمدہ چیزیں بناتے ہو، اس آیت میں سکر کا تذکرہ تو کیا، مگر خمر (انگوری شراب) کا تذکرہ نہیں کیا، یہ بات بلاوجہ نہیں ہوسکتی، اس لئے صحابہ نے خمر کے بارے میں سوال کیا تو سورۃ البقرۃ کی (آیت ۲۱۹) نازل ہوئی: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ﴾ اور لوگوں کو بتایا کہ شراب اور جوے میں بڑی خرابی ہے، اور لوگوں کے لئے کچھ فوائد ہیں، یعنی سنار کی سو اور لوہار کی ایک والا معاملہ ہے، مگر دونوں کو حرام اب بھی نہیں کیا، پھر کچھ وقت کے بعد سورۃ النساء کی (آیت ۴۳) نازل ہوئی، جس میں لوگوں کو نماز کے اوقات میں شراب پینے سے روک دیا، مگر حرام اب بھی نہیں ہوئی، البتہ اب پینا ظہر سے ایک گھنٹہ پہلے بند کرنا پڑے گا، پھر عشاء تک نہیں پی سکے گا، اس لئے کہ یکے بعد دیگرے نمازیں آئیں گی، اب پینے کے دو ہی وقت رہے، ایک: عشاء کے بعد سے فجر کے ایک گھنٹہ پہلے تک، دوسرا: فجر کے بعد سے زوال کے ایک گھنٹہ پہلے تک، گویا ۲۰ سگریٹ کے عادی ۵ پر آگئے تب چوتھی آیت نازل ہوئی، جو اس وقت زیر تفسیر ہے اس کے ذریعہ شراب اور سٹے کو قطعی حرام کردیا۔

شراب اور سٹے کی حرمت تاکید کے ساتھ نازل ہوئی

ان دو آیتوں میں شراب اور جوے کی حرمت دس تاکیدات کے ساتھ نازل ہوئی ہے:

۱- ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ سے خطاب ہے، اس خطاب میں چاروں چیزوں سے بچنے کی ترغیب ہے، جیسے کسی سے کہیں: "پیارے! پانی پلا" تو وہ شوق سے پانی لائے گا، یا کہیں: "میرے لاڈلے! بیڑی مت پی" پس اگر وہ سعادت مند ہوگا تو کبھی بیڑی منہ میں نہیں ڈالے گا۔

۲- پھر لفظ ﴿ اِنَّمَا ﴾ استعمال کیا ہے، جو کلمۂ حصر ہے، اور عربی زبان میں کسی بات کو قوت کے ساتھ بیان کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

۳- شراب اور جوے کی حرمت کو بت پرستی کے ساتھ ملایا ہے، یعنی یہ برائیاں شرک کے ہم قول ہیں۔

۴- دونوں گناہوں کو ﴿ رِجْسٌ ﴾ سے تعبیر کیا ہے، یعنی دونوں ناپاک اور گندی چیزیں ہیں۔

۵- چاروں چیزوں کو شیطانی عمل قرار دیا ہے، اور شیطان کی طرف نہایت بری چیز منسوب کی جاتی ہے۔

۶- ﴿ فَاجْتَنِبُوْهُ ﴾ فرما کر واضح طور پر ان چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

۷- شراب اور سٹے کے دنیوی اور اخروی نقصانات بیان کئے ہیں: دنیوی نقصان: باہم عداوت اور سخت دشمنی پیدا ہونا ہے، اور اخروی نقصان: اللہ کی یاد سے اور نماز سے غافل ہوجانا ہے۔

۸- بیانِ حرمت کے بعد لوگوں سے سوال کیا ہے:﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴾: کیا تم ان چیزوں سے باز آؤ گے؟ اس میں ہلکی سی ڈانٹ ہے۔

۹- اللہ اور ان کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ احکام پر عمل حکمت جاننے پر موقوف نہیں، اللہ اور رسول کا حکم ہی بڑی حکمت اور مصلحت ہے۔

۱۰-﴿ وَ احْذَرُوْا ﴾ میں دوبارہ شراب اور سٹے سے بچنے کی تاکید ہے، اور نہایت سختی سے فرمایا ہے: اگر تم اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے عدول کرو گے تو اپنا نقصان کرو گے، کیونکہ اللہ کے رسول کی ذمہ داری کھول کر بات پہنچا دینا ہے، اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔

احکام پر عمل حکمت جاننے پر موقوف نہیں

احکام میں حکمتیں اور حسن وقبح کا لحاظ ہوتا ہے، مگر امتثال حسن وقبح کے جاننے پر موقوف نہیں، مصالح وحکم کو جان کر عمل کرنا اتنی مضبوط بات نہیں جتنی اللہ ورسول کا حکم سمجھ کر عمل کرنا ہے، مؤمن کا اعتماد عقل پر نہیں ہوتا، اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر ہوتا ہے، عقل تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے، پس جب کوئی حکم اللہ ورسول کا سامنے آجائے تو اب مؤمن کو کسی اور دلیل کی حاجت نہیں رہتی (یہ بات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے حجۃ اللہ میں بیان کی ہے، دیکھیں رحمۃ اللہ الواسعہ ۱:۱۰۹)

آیاتِ کریمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! شراب اور جوا، اور مورتیاں اور فال کے تیر گندگی شیطانی کام ہی ہیں، لہٰذا اس (گندگی) سے بچو، تاکہ تم کامیاب ہوؤ —— شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوے کے ذریعہ عداوت اور بیر ڈال دے، اور تم کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے، پس کیا تم باز آؤ گے؟ —— اور اللہ کا کہنا مانو، اور اللہ کے رسول کا کہنا مانو، اور بچے رہو، پس اگر تم نے روگردانی کی تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف کھول کر پہچانا ہے!

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۹۳ ع ۱۲

لَيْسَ	نہیں ہے	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر جو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے

وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	وَّ اٰمَنُوْا	اور ایمان لائے	ثُمَّ اتَّقَوْا	پھر ڈرے وہ
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	وَّ اَحْسَنُوْا	اور عمدہ کام کئے انھوں نے
جُنَاحٌ	کچھ گناہ	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فِيْمَا طَعِمُوْٓا	اس میں جو کھایا انھوں نے	ثُمَّ اتَّقَوْا	پھر ڈرے وہ	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں
اِذَا مَا اتَّقَوْا	جبکہ وہ ڈرے	وَّ اٰمَنُوْا	اور ایمان لائے وہ	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو

جب شراب حلال تھی: اس وقت پینے میں کوئی گناہ نہیں تھا

یہ آیت ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے، کچھ صحابہ شراب حرام ہونے سے پہلے وفات پا گئے، پھر جب فتح مکہ کے وقت شراب کی حرمت نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا: جو لوگ اس حال میں وفات پا گئے کہ وہ شراب پیتے تھے: ان کا کیا حال ہوگا؟ پس آیت نازل ہوئی، اور جواب دیا کہ جب شراب حلال تھی، اس وقت پینے میں کوئی گناہ نہیں تھا، جواب تو بس اتنا ہی ہے، مگر قرآن پڑھنے والے کو آیت میں تکرار محسوس ہوتا ہے، اور متجددین آیت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دین میں اصل اہمیت عمل کی ہے، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور وضع قطع کی کوئی پابندی نہیں، ان کا قول مشہور ہے: در عمل کوش و ہر چہ خواہی پوش! عمل کرتے رہو اور جو چاہو پہنو! اس لئے آیت کریمہ کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے:

سب سے پہلے یہ بات جان لیں کہ یہ آیت صرف وفات پانے والے صحابہ ہی کے حق میں نہیں ہے، بلکہ زندوں کے حق میں بھی ہے، ترمذی شریف میں اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث (نمبر ۳۰۷۸) ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: أنتَ منهم: آپ بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے، یعنی یہ آیت صرف وفات پائے ہوئے صحابہ کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ جو حضرات ابھی زندہ ہیں ان کا بھی اس آیت میں ذکر ہے، پس آیت پاک میں تین باتیں ہیں:

پہلی بات: یہ آیت ان صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو تحریم خمر سے پہلے وفات پا گئے تھے، شراب کی حرمت فتح مکہ کے سال نازل ہوئی ہے، صحابۂ کرام نے وفات یافتہ حضرات کے بارے میں سوال کیا کہ یارسول اللہ! ان مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جو تحریم خمر سے پہلے شراب پیتے تھے، اور وہ اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو گئے، مثلاً جنگ احد میں متعدد صحابہ شراب پی کر میدان میں اترے تھے، اور وہ جنگ میں کام آ گئے تھے، ان کا کیا حشر ہوگا؟ اس سوال کے جواب میں یہ آیت اتری، اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ جب وہ حضرات مؤمن تھے، اور نیک کام کرتے تھے، اور اس وقت شراب حلال تھی تو اس کا پینا کوئی گناہ نہیں تھا، بس شرط یہ ہے کہ وہ تقوی کی زندگی اپنائے ہوئے ہوں، یعنی ہر ناجائز

کام سے بچتے رہے ہوں اور ایماندار بھی ہوں اور نیک کام کرتے رہے ہوں تو اس زمانہ میں شراب پینے کی وجہ سے وہ ماخوذ نہیں ہونگے۔

دوسری بات: مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ یہ آیت ان صحابہ کے حق میں بھی ہے جو تحریم خمر کے بعد زندہ رہے، ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اور اب شراب نہ پئیں اور ایماندار رہیں یعنی ایمان کے تقاضے پورے کریں اور نیک کام کریں تو وہ بھی کامیاب ہونگے۔

تیسری بات: ایمان وعمل ایک ترقی پذیر عمل ہے، اور اس کی نہایت مرتبہ احسان ہے، جس کو بعد میں تصوف سے تعبیر کیا جانے لگا، پس زندہ رہنے والے حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنی ایمانی حالت اور نیک کاموں میں برابر ترقی کرتے رہیں، اور مرتبہ احسان تک پہنچیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں سے خصوصی محبت رکھتے ہیں، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے بننے کی کوشش برابر جاری رکھیں۔

تطبیق: پس آیت میں: ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ تک پہلی بات ہے، اور: ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا﴾ میں دوسری بات ہے، اور ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ میں تیسری بات ہے۔ پس آیت میں تکرار نہیں، اور آزاد فکر لوگوں کا استدلال بھی صحیح نہیں، کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانے اور ہر حال میں جو چیزیں حرام ہیں: ان سے بچنا ضروری ہے، اور یہی تقویٰ (پرہیزگاری) ہے۔

آیتِ کریمہ: کچھ بھی گناہ نہیں ان لوگوں پر جو ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے، اُس میں جو انھوں نے کھایا، جبکہ وہ ڈرے اور ایمان لائے، اور نیک کام کئے —— یہ صرف وفات یافتہ صحابہ کا ذکر ہوا —— پھر وہ ڈرے اور ایمان لائے —— یعنی وہ زندہ رہے، اور شراب حرام ہونے کے بعد نہیں پی، اور دوسرا بھی کوئی ناجائز کام نہیں کیا تو انھوں نے بھی حرمت سے پہلے جو شراب پی تھی اس میں کوئی گناہ نہیں —— پھر وہ ڈرے اور انھوں نے عمدہ کام کئے —— یعنی ان زندوں نے مراتب ایمان میں ترقی کی، اور مرتبہ احسان تک پہنچے تو وہ اعلیٰ درجہ کے حضرات ہیں —— اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند کرتے ہیں! —— زہد وتصوف، تزکیۂ باطن اور مراتبِ کمال کو قرآنِ کریم کی اصطلاح میں 'احسان' کہا جاتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	لَيَبْلُوَنَّكُمُ	ضرور آزمائیں گے تمہیں

اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَ رِمَاحُكُمْ	اور تمہارے نیزے	فَمَنِ	پس جو شخص
بِشَيْءٍ	کچھ چیز کے ذریعہ	لِيَعْلَمَ	تا کہ جان لیں	اعْتَدٰى	حد سے بڑھے
مِّنَ الصَّيْدِ	شکار سے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	بَعْدَ ذٰلِكَ	اس (حکم) کے بعد
تَنَالُهٗٓ	پہنچیں گے اس تک	مَنْ يَّخَافُهٗ	کون ڈرتا ہے ان سے	فَلَهٗ عَذَابٌ	تو اس کے لئے سزا ہے
اَيْدِيْكُمْ	تمہارے ہاتھ	بِالْغَيْبِ	بغیر دیکھے	اَلِيْمٌ	دردناک

احرام کی حالت میں خشکی کا شکار کرنا حرام ہے

ربط: پہلے مطلقاً حلال کو حرام کرنے کی ممانعت آئی تھی، پھر قسم کھا کر وقتی طور پر حلال کو حرام کرنے کا ذکر فرمایا تھا، پھر دائمی طور پر حرام شراب وغیرہ کا ذکر کیا، اب اس حرام کا ذکر ہے جو خاص حالت میں حرام ہے، اور وہ احرام کی حالت میں خشکی کے شکار کی ممانعت ہے، اور یہ ممانعت بندوں کے امتحان کے لئے ہے، دیکھنا یہ ہے کہ کون مؤمن حکم مانتا ہے اور کون خلاف ورزی کرتا ہے؟

محرم کے لئے خشکی کا شکار کرنا جائز نہیں، نہ حرم شریف کا نہ حلّ کا، اور غیر محرم حلّ کا شکار کرسکتا ہے مگر حرم کا شکار نہیں کرسکتا، اور سمندر کا شکار محرم بھی کرسکتا ہے اور غیر محرم بھی، اور محرم نے کوئی شکار مارا یا جنگلی جانور کو ذبح کیا تو وہ مردار ہے، اس کو کوئی نہیں کھا سکتا، چاہے اس کو اللہ کے نام پر ذبح کیا ہو، اور اس کی جزاء واجب ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے۔

اور آیت کریمہ حدیبیہ کے سال نازل ہوئی ہے، اس سفر میں راستہ میں شکار اس قدر زیادہ اور قریب آتے تھے کہ ہاتھ سے اور نیزے سے مار سکتے تھے، پس آیت نازل ہوئی، اور صحابہ کا امتحان کیا گیا، صحابہ اس امتحان میں کامیاب ہوئے، نزولِ آیت کے بعد کسی نے شکار کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مچھیروں کا امتحان کیا، یہود کے لئے سنیچر کے دن کاروبار ممنوع تھا، اور مچھلیاں سنیچر کے دن سمندر میں کنارے تک پانی پر تیرتی تھیں، ہاتھ سے بھی پکڑ سکتے تھے، اور دوسرے دنوں میں غائب ہوجاتی تھیں، یہود نے مچھلیاں پکڑنے کے لئے حیلہ کیا، سمندر کے پاس بڑے بڑے حوض بنائے اور سمندر کی طرف راستہ کھول دیا، جب جوار بھاٹا ہوتا اور پانی چڑھتا تو پانی کے ساتھ مچھلیاں حوض میں آجاتیں، پھر جب پانی اترتا تو مچھلیاں حوضوں میں رہ جاتیں، اتوار میں ان کو پکڑ لیتے، ان حیلہ گروں کو اللہ تعالیٰ نے سور بندر بنادیا، وہ امتحان میں ناکام ہوئے اور صحابہ کامیاب ہوئے، انھوں نے احرام میں شکاروں کو مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

حیلے حوالے کر کے اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنا ایسا ہی ہے جیسا سیدھا خلاف ورزی کرنا!

فائدہ: ﴿ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ ﴾: تا کہ اللہ تعالیٰ جانیں: اس سے حدوثِ علم کا شبہ ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی طرح صفتِ علم کے لئے بھی بندوں کی صفات کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، اس لئے سبھی صفاتِ متشابہات ہیں، اور صفاتِ متشابہات کو ایک حد تک ہی سمجھ سکتے ہیں، جو ان کو آخر تک سمجھنے کی کوشش کرے گا وہ اللہ کی صفات کو بندوں کی صفات جیسی مان لے گا، جبکہ اللہ کی شان سورۃ الشوری میں: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ بیان کی گئی ہے، یعنی اللہ کے مانند جیسی بھی کوئی چیز نہیں، اس لئے ان الفاظ سے جو درحقیقت بندوں کی صفات کے لئے ہیں: اللہ تعالیٰ کی صفات کو کما حقہ نہیں سمجھ سکتے۔

بہ الفاظِ دیگر: علم باری کی دو جانبیں ہیں، اللہ کی جانب قدیم ازلی ہے اور بندوں کی جانب حادث ہے، جیسے تقدیر الٰہی کی دو جانبیں ہیں: اللہ کی جانب مبرم (قطعی) ہے، اس جانب میں کوئی امر منتظر نہیں، اور بندوں کی جانب میں تقدیر معلق ہے، یعنی متردد ہے، کیا ہونا ہے؟ یہ بندوں کو معلوم نہیں، اسی طرح ﴿ اِلَّا لِنَعْلَمَ ﴾: مگر تا کہ ہم جانیں [البقرۃ ۱۴۳] میں بندوں کی جانب کا علم مراد ہے، بندے تو واقعہ رونما ہونے کے بعد جانیں گے۔

آیتِ کریمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور آزمائیں گے کچھ شکار کے ذریعہ، جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچیں گے، تا کہ اللہ تعالیٰ جان لیں کہ دیکھے بغیر ان سے کون ڈرتا ہے؟ پس جو اس (حکم) کے بعد حد سے تجاوز کرے اس کے لئے دردناک سزا ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	الصَّيْدَ	شکار کو	وَمَنْ قَتَلَهٗ	اور جس نے مار ڈالا اس کو
اٰمَنُوْا	ایمان لائے!	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	مِنْكُمْ	تم میں سے
لَا تَقْتُلُوا	مت مار ڈالو	حُرُمٌ (۱)	احرام میں ہو	مُّتَعَمِّدًا	جان بوجھ کر

(۱) حُرُم: حرام کی جمع: احرام باندھنے والا، احرام میں بہت سی باتوں سے رکنا پڑتا ہے، اس لئے اس کو حرام کہتے ہیں، اور حرام کے ایک معنی محترم کے بھی ہیں، جیسے اشہر حُرُم: محترم مہینے، اور احرام کا بھی احترام ہے اس لئے بھی احرام باندھنے والے کو حرام کہتے ہیں۔

فَجَزَآءٌ(۱)	تو (اس کے ذمہ) بدلہ ہے	الْكَعْبَةِ	کعبہ تک	عَفَا اللّٰهُ	درگذر فرمایا اللہ نے
مِّثْلُ(۲)	مانند	اَوْ كَفَّارَةٌ(۷)	یا کفارہ	عَمَّا	اس (قتل) سے جو
مَا قَتَلَ	اس کے (جس کو) مارا اس نے	طَعَامُ(۸)	کھانا	سَلَفَ	پہلے ہو چکا
مِنَ النَّعَمِ(۳)	درانحالیکہ وہ مویشی سے ہو	مَسٰكِيْنَ	غریبوں کا	وَمَنْ عَادَ	اور جو شخص اب قتل کرے گا
يَحْكُمُ	فیصلہ کریں	اَوْ عَدْلُ(۹)	یا مساوی	فَيَنْتَقِمُ	تو بدلہ لیں گے
بِهٖ(۴)	اس (مانند) کا	ذٰلِكَ	اس کے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
ذَوَا عَدْلٍ	دو معتبر آدمی	صِيَامًا(۱۰)	روزے کے اعتبار سے	مِنْهُ	اس سے
مِّنْكُمْ	تم میں سے	لِّيَذُوْقَ	تا کہ چکھے وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
هَدْيًا(۵)	نیاز کا جانور	وَبَالَ	وبال	عَزِيْزٌ	زبردست
بٰلِغَ(۶)	پہنچنے والا	اَمْرِهٖ	اپنے کام کا	ذُو انْتِقَامٍ	بدلہ لینے والے ہیں

احرام میں خشکی کے شکار کو مار ڈالنے کی جزاء

شکار: وہ وحشی جانور جو انسان سے بھاگتا ہے، دور رہتا ہے، اگرچہ اس کا کھانا حلال نہ ہو، جیسے لومڑی، بھیڑیا وغیرہ، گذشتہ آیت میں بیان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا شکار کے ذریعہ امتحان کریں گے، اور امتحان میں کوئی فیل بھی ہوتا ہے، پس اس کی سزا کیا ہوگی؟ اس آیت میں اس کا بیان ہے، اور یہ آیت مشکل آیت سمجھی گئی ہے، اور اس میں تھوڑا اختلاف بھی ہوا ہے، اس لئے غور سے پڑھیں۔

اگر کوئی شخص حج یا عمرے کے احرام میں جان بوجھ کر یا احرام بھول کر یا چوک کر خشکی کا کوئی شکار مار ڈالے، اگرچہ اس شکار کا کھانا حلال نہ ہو تو بھی اس کی جزاء واجب ہے۔ اور اس کی جزاء یہ ہے کہ جہاں شکار کیا گیا ہے: وہاں اور جنگل ہو تو

(۱) اجزاء: أی فعلیه جزاءٌ، اور فاء اس لئے آئی ہے کہ مَن معنی شرط کو متضمن ہے (۲) مثلُ ما قتل: مرکب اضافی جزاء سے بدل ہے اور اسم موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے، أی قتله (۳) من النعم: مثلُ کا حال ہے، أی کائنا من النعم (۴) به کی ضمیر مثل کی طرف لوٹتی ہے، اور مماثلت میں اختلاف ہے کہ صوری مراد ہے یا معنوی؟ (۵) هدیا: به کی ضمیر سے حال ہے (۶) بالغ الکعبة: هدیا کی صفت ہے، چونکہ اضافت لفظی ہے، اس لئے نکرہ کے حکم میں ہے (۷) أو کفارةٌ کا عطف مثلُ پر ہے، اور أو جمہور کے نزدیک تخییر کے لئے ہے (۸) طعام مسکین: هی (أی الکفارة) محذوف کی خبر ہے (۹) أو عدلُ کا عطف بھی مثلُ پر ہے اور أو تخییر کے لئے ہے، اور ذلك کا مشار الیہ طعام ہے (۱۰) صیاماً: عدلُ ذلك کی تمیز ہے۔

قریبی بستی کے اعتبار سے اس کی قیمت لگائی جائے، اور یہ قیمت دو تجربہ کار دیندار آدمی لگائیں، پھر تین صورتیں ہیں، اور شکار مارنے والے کو اختیار ہے جونسی جزاء چاہے ادا کرے۔

۱-اس قیمت میں جو پالتو جانور آ سکتا ہو: اس کو ہدی بنا کر حرم شریف میں لے جا کر ذبح کرے، اور اس کا گوشت غریبوں میں بانٹ دے۔ اور حرام جانور ہو تو اس کی قیمت ایک بکری سے زیادہ نہیں سمجھی جائے گی۔

۲-اس قیمت کا گیہوں وغیرہ غلہ خریدے، اور صدقۂ فطر کے بقدر ہر غریب کو دے، حرم ہی کے غریب کو دینا ضروری نہیں۔

۳-ہر فطرہ کے بدل روزہ رکھے، یہ روزے بھی حرم میں رکھنے ضروری نہیں۔

فائدہ: اور اس میں اختلاف ہے کہ دو معتبر دیندار آدمی جو شکار کے مانند کا فیصلہ کریں گے: وہ کس اعتبار سے کریں گے؟ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک مثلِ معنوی کا اعتبار ہے، یعنی شکار کی قیمت طے کریں گے، پھر اس قیمت میں ایک یا زیادہ مویشی آتے ہوں تو ان کو ہدی بنا کر لے جائے یا غلہ خریدے یا ہر فطرہ کے عوض روزہ رکھے۔

اور امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک مثلِ صوری کا اعتبار ہے، یعنی شکار کی مویشی کے ساتھ خلقت اور صورت میں مماثلث دیکھیں، مثلاً: نیل گائے ماری ہے تو گائے اور ہرن مارا ہے تو بکری کا فیصلہ کریں، اور اگر مماثل جانور نہ ہو تو امام محمد رحمہ اللہ قیمت کا اعتبار کرتے ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ صفات میں مماثلت دیکھتے ہیں، ان کے نزدیک کبوتر اور بکری مماثل ہیں، اس لئے کہ دونوں ایک طرح گھٹ گھٹ پانی پیتے ہیں، اور صفات میں بھی مماثل مویشی نہ ہو تو پھر قیمت کا اعتبار کرتے ہیں، بہر حال: سب کو بالآخر قیمت پر آنا پڑتا ہے، اس لئے شیخین شروع ہی سے قیمت کا اعتبار کرتے ہیں، اور جزاء کے مسائل کی بڑی تفصیل ہے، جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے، جامع تفصیل حضرت مولانا شیر محمد صاحب سندھی قدس سرہ کی جدید و مکمل زبدۃ المناسک میں ہے، بوقت ضرورت اس کی مراجعت کی جائے۔

آیتِ کریمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! شکار کو حالتِ احرام میں مت مار ڈالو —— زخمی کرنے میں بھی جزاء واجب ہے —— اور یہ مسئلہ کی تمہید ہے، یہ مضمون سورت کی پہلی آیت میں آچکا ہے، یہاں بطور تمہید لوٹایا ہے —— اور جس نے تم میں سے اس کو جان بوجھ کر مار ڈالا تو جزاء واجب ہے —— بھولنے اور چوکنے کا بھی یہی حکم ہے، البتہ آیت کے آخر میں جو اخروی سزا ہے وہ ان کو نہیں ملے گی، اس لئے متعمدًا کی قید لگائی —— جزاء اس شکار کے مانند ہو جس کو مار ڈالا ہے: (۱) جو مویشی سے ہو، اس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر آدمی کریں، وہ کعبہ تک پہنچنے والی ہدی ہو (۲) یا کفارہ ہو، جو غریبوں کا کھانا ہو (۳) یا اس کھانے کے بقدر روزے ہوں —— تاکہ وہ اپنے کئے کا وبال چکھے، اللہ تعالیٰ نے اس قتل سے درگذر کیا جو اس سے پہلے ہو چکا —— حدیبیہ میں ایک صحابی نے نیل گائے ماردی تھی، اس کے بعد یہ آیت نازل

ہوئی ہے ـــــ اور جواب قتل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بدلہ لیں گے ـــــ یعنی توبہ نہیں کرے گا اور جزاء نہیں دے گا تو آخرت میں سزا ملے گی ـــــ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (اور) بدلہ لینے والے ہیں! ـــــ ان کو سزا دینے سے کوئی روک نہیں سکتا، اور جو پیروں پر کلہاڑی مارے گا وہ زخمی تو ہوگا!

> وقفہ برائے عمرہ: یہاں تک تفسیر لکھنے کے بعد عمرہ کا سفر پیش آیا، ۱۴ / ربیع الاول ۱۴۳۹ھ مطابق ۳ / دسمبر ۲۰۱۷ء کو دو برخورداروں اور دو بہوؤں کے ساتھ عمرہ کے لئے سفر شروع ہوا، اور ۴ / ربیع الثانی کو واپسی ہوئی، پانچ ربیع الثانی سے سبق شروع کر دیا، مگر قلم نہیں چلا، قلم جب رک جاتا ہے تو اینٹھ جاتا ہے (ناراض ہو جاتا ہے) آج ۸ / ربیع الثانی کو قلم پکڑا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو چلائیں اور چلاتے رہیں (آمین)

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ۚ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٩٧﴾ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٨﴾ مَّا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٩٩﴾ قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾ ع ۱۳

أُحِلَّ لَكُمْ	حلال کیا گیا تمہارے لئے	وَلِلسَّيَّارَةِ(۴)	اور قافلہ کے لئے	حُرُمًا	حالتِ احرام میں
صَيْدُ الْبَحْرِ(۱)	سمندر کا شکار کرنا	وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ	اور حرام کیا گیا تم پر	وَاتَّقُوا	اور ڈرو
وَطَعَامُهُ(۲)	اور اس کا کھانا	صَيْدُ الْبَرِّ	خشکی کا شکار کرنا	اللَّهَ	اللہ تعالیٰ سے
مَتَاعًا لَّكُمْ(۳)	تمہارے فائدہ کے لئے	مَا دُمْتُمْ	جب تک رہو تم	الَّذِي إِلَيْهِ	جو اس کی طرف

(۱) صَيْد: مصدر باب ضرب: شکار کرنا، جال یا پھندا لگا کر شکار پکڑنا (۲) طعام: کھانا، بھات یعنی مچھلی (۳) متاع: چند روز برتنے کا سامان (۴) سیارۃ: قافلہ یعنی مسافرین۔

تُحْشَرُوْنَ	جمع کئے جاؤ گے تم	وَمَا فِي الْاَرْضِ	اور جو زمین میں ہے	يَعْلَمُ	جانتے ہیں
جَعَلَ اللهُ	بنایا اللہ نے	وَ اَنَّ اللهَ	اور یہ بات کہ اللہ	مَا تُبْدُوْنَ	جو ظاہر کرتے ہو تم
الْكَعْبَةَ	کعبہ کو	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز سے	وَمَا تَكْتُمُوْنَ	اور جو چھپاتے ہو تم
الْبَيْتَ الْحَرَامَ(۱)	عزت والا گھر	عَلِيْمٌ	خوب واقف ہیں	قُلْ	کہو
قِيٰمًا(۲)	بقاء کا سامان	اِعْلَمُوْٓا	جان لو	لَا يَسْتَوِي	نہیں برابر
لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	اَنَّ اللهَ	کہ اللہ تعالیٰ	الْخَبِيْثُ	گندا
وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ	اور محترم مہینوں کو	شَدِيْدُ الْعِقَابِ	سخت سزا دینے والے ہیں	وَالطَّيِّبُ	اور ستھرا
وَالْهَدْيَ	اور نیاز کی بکری کو	وَ اَنَّ اللهَ	اور یہ بات کہ اللہ تعالیٰ	وَلَوْ اَعْجَبَكَ	اگرچہ پسند آئے تجھے
وَالْقَلَآئِدَ	اور پٹے دار اونٹوں کو	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ	گندے کی زیادتی
ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا	یہ اس وجہ سے ہے کہ تم جانو	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں	فَاتَّقُوا اللهَ	پس ڈرو اللہ سے
اَنَّ اللهَ	کہ اللہ تعالیٰ	مَا عَلَى الرَّسُوْلِ	نہیں ہے رسول پر	يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ	اے عقلمندو!
يَعْلَمُ	جانتے ہیں	اِلَّا الْبَلٰغُ	مگر پہنچانا	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہے	وَاللهُ	اور اللہ تعالیٰ	تُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہوؤ

پانی کا ہر جانور شکار کرنا جائز ہے مگر کھانا صرف مچھلی کا جائز ہے

گذشتہ آیت میں خشکی کے شکار کو مار ڈالنے کی جزاء کا بیان تھا، احرام میں خشکی کا شکار اور حرم کا شکار مطلقاً مار ڈالنا ممنوع ہے، اس لئے اس کی جزاء واجب ہے، اب بطور استثناء پانی کے جانور کا حکم بیان فرماتے ہیں، دریائی جانور کا شکار کرنا جائز ہے، مگر کھانا صرف مچھلی کا جائز ہے، دیگر جانوروں سے انتفاع تو درست ہے مگر ان کو کھانا جائز نہیں، حدیث شریف میں ہے: **أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ، الميتتان: الْحُوْتُ والجَرَادُ، وَالدَّمان: الْكَبِدُ والطِّحَالُ:** ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے گئے ہیں: دو مردار: یعنی مچھلی اور ٹڈی، اور دو خون: یعنی کلیجی اور تلی —— یہ حدیث مسند احمد، ابن ماجہ اور سنن دار قطنی کی ہے (مشکوٰۃ حدیث ۴۱۳۲) البانی صاحب نے حاشیہ مشکات میں اس کو حدیث جید قرار دیا ہے، اور

---

(۱) البیت الحرام: الکعبۃ سے بدل ہے، اور الکعبۃ: جعل کا مفعولِ اول ہے، اور قیاماً: مفعولِ ثانی (۲) قیامًا: مصدر بابِ نصر: کھڑا رہنا، یہاں معنی ہیں: وہ چیز جس کے ساتھ کسی چیز کا بقاء وابستہ ہو، سہارا، مال اور کعبہ لوگوں کے بقاء کا ذریعہ اور سہارا ہیں، سورۃ النساء (آیت ۵) میں مال کو قیام فرمایا ہے۔

قرآنِ کریم نے صید البحر: کے بعد طعامہ کی تخصیص کی ہے، دریائی شکار عام ہے، مگر کھانا صرف مچھلی کا جائز ہے، اور بحر (سمندر) سے مراد پانی ہے، چاہے وہ ندی نالے کا یا تالاب حوض کا ہو۔

پانی کا جانور: وہ ہے جو پانی میں پیدا ہوتا ہے، اور پانی ہی میں رہتا ہے، جیسے مچھلی اور پانی کا مینڈک وغیرہ۔ اور جو جانور خشکی میں پیدا ہوتا ہے، اور پانی میں بھی رہتا ہے، جیسے بطخ، مرغابی، خشکی کا مینڈک اور خشکی کا سانپ وغیرہ: وہ پانی کے جانور نہیں، خشکی کے شکار ہیں، احرام میں ان کو مار ڈالنا جائز نہیں، اس میں جزاء واجب ہوگی، اور اس کا برعکس نہیں ہوسکتا، یعنی پانی میں پیدا ہوا اور خشکی میں بھی رہے، وہ خشکی میں مر جائے گا۔

اور پانی کا ہر جانور شکار تو کر سکتے ہیں، مگر کھانا صرف مچھلی کا جائز ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مچھلی پکڑنے کے لئے جال کانٹا ڈالیں گے تو کوئی بھی جانور پھنس سکتا ہے، مچھلی ہی آئے یہ ضروری نہیں، اور وہ جانور خشکی میں آکر مر جائے گا، اس مجبوری میں مطلقاً دریا کا شکار کرنے کی اجازت دی، مگر کھانا یعنی بھات صرف مچھلی ہے، حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

اور حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے پانچ میقات (مقررہ جگہیں) ہیں، آفاقی وہاں سے احرام باندھتے ہیں، ان سے تاخیر جائز نہیں، مگر تقدیم جائز ہے، اگرچہ مناسب نہیں، اور مواقیت سے حرم شریف تک کوئی سمندر نہیں، ہاں حوض تالاب ہوسکتے ہیں، اس لئے بحر سے مراد مطلق پانی ہے، شکار کرنے کی حلت سمندر کے ساتھ خاص نہیں، اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

اور متاع کے معنی ہیں: برتنے کی چیز، چند روز فائدہ اٹھانے کی چیز، پس جب مواقیت سے پہلے احرام باندھ سکتے ہیں، اور سمندر کے راستے سفر کر کے آرہے ہوں تو مچھلی پکڑ کر کھا بھی سکتے ہیں، اور مسافر توشہ بنا کر ساتھ بھی لے سکتے ہیں، پکائی ہوئی مچھلی جلدی سڑتی نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنے کے لئے سفر کیا تو حسبِ ہدایت ربانی مچھلی پکا کر بطور علامت ساتھ رکھ لی تھی، اس لئے فرمایا: ﴿ مَتَاعًا لَّكُمْ ﴾: یعنی سمندر کے کھانے سے وقتی فائدہ بھی اٹھا سکتے ہو، اور مسافر اس کو سفر کا توشہ بنا کر ساتھ بھی لے سکتے ہیں، اس لئے ﴿ مَتَاعًا لَّكُمْ ﴾ کے بعد ﴿ وَلِلسَّيَّارَةِ ﴾ بڑھایا۔

یہاں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ جیسے پانی کا شکار مطلقاً حلال ہے، خشکی کا شکار مطلقاً حرام ہو، اس لئے آگے فرمایا کہ خشکی کا شکار حالتِ احرام ہی میں حرام ہے، احرام کھلنے کے بعد حلال ہے، اور یہ مسئلہ اگرچہ اس سورت کی پہلی آیت میں آچکا ہے، مگر اس کو دوبارہ بیان کیا، اس لئے کہ احکام کی آیات میں اگرچہ تکرار نہیں ہوتا، مگر جہاں نسخ کا احتمال ہوتا ہے یا وہم پیدا ہوسکتا ہے وہاں حکم دوبارہ لایا جاتا ہے، اس لئے فرمایا کہ خشکی کا شکار حالتِ احرام ہی میں حرام ہے، احرام کھلنے کے بعد

جائز ہے، البتہ حرم شریف کا شکار مطلقاً حرام ہے۔

پھر فاصلہ (آیت کا آخری حصہ) ہے، اس میں یہ مضمون ہے کہ جس طرح تم جال کانٹا ڈال کر سمندر کے جانور کا شکار کرتے ہو، اور اپنے پاس سمیٹ لیتے ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو تم کو زمین میں پھیلا رکھا ہے: ایک دن سب کو سمیٹ کر اپنے پاس جمع کریں گے، اور تمہیں اچھے برے کا بدلہ دیں گے، پس اس اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے، یعنی اس کے احکام کی خلاف ورزی مت کرو، ورنہ سزا پاؤ گے!

﴿ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾ ﴾

ترجمہ: تمہارے لئے سمندر کا شکار کرنا، اور اس کا کھانا (بھات) حلال کیا گیا، تمہارے وقتی فائدہ اٹھانے کے لئے اور مسافروں کے (توشہ بنانے کے) لئے، اور تم پر خشکی کا شکار کرنا حرام کیا گیا، جب تک تم حالتِ احرام میں رہو، اور اس اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے!

کعبہ شریف تجلی گاہِ ربانی ہے، اور اس کی بقاء کے ساتھ انسانوں کا بقاء وابستہ ہے

اور کعبہ کے احترام میں خشکی کے شکار کے علاوہ تین اور چیزیں بھی محترم قرار دی گئی ہیں

احرام باندھنے کے بعد: یعنی کعبہ شریف کا قصد کرنے کے بعد خشکی کا شکار کعبہ کے احترام میں ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ کعبہ: اللہ کا محترم گھر ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس میں رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ لازمان ولامکان ہیں، بلکہ کعبہ تجلی گاہِ ربانی ہے، وہ لوگوں کے بقاء کا ذریعہ ہے، جب تک کعبہ شریف موجود ہے یا اس کا تصور قائم ہے، یہ دنیا آباد ہے، اور جب اس کا ظاہری وجود باقی نہیں رہے گا اور اس کا تصور بھی ذہنوں سے نکل جائے گا، اور اللہ کی بندگی موقوف ہو جائے گی تو قیامت قائم ہو جائے گی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تک کعبہ کی عمارت قائم رہے گی، یا اس کا ذہنوں میں تصور باقی رہے گا، اور اس کے واسطہ سے اللہ کی بندگی ہوتی رہے گی، نماز اور حج وعمرہ کا سلسلہ قائم رہے گا، انسانوں کی دنیا آباد رہے گی، پھر جب آخر زمانہ میں ایک بادشاہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا، اور مسلمان اس پوزیشن میں نہیں ہونگے کہ وہ دوبارہ کعبہ شریف کو تعمیر کریں تو بغیر عمارت کے حج اور نماز کا سلسلہ جاری رہے گا، پھر رفتہ رفتہ کعبہ کا تصور ماند پڑ جائے گا، اور اللہ کی عبادت موقوف ہو جائے گی، پس انسانوں کی یہ آباد دنیا ختم کردی جائے گی، اور قیامت کا صور پھونک دیا جائے گا۔

اور جس طرح بادشاہ کے محل کا ایریا (صحن) ہوتا ہے، جس کو'بارگاہ' اور'دربار' کہتے ہیں[1]: اسی طرح اللہ کے گھر کا بھی صحن ہے، اس کا نام حرم شریف ہے، جو کسی طرف کعبہ سے تین میل ہے، کسی طرف پانچ میل اور کسی طرف سات میل، حرم شریف کی یہ حدود اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم کی ہیں، پس سب سے زیادہ کعبہ شریف یعنی مسجد حرام کا احترام ضروری ہے، پھر اللہ کے گھر کے صحن کا یعنی حرم شریف کا احترام ضروری ہے، اس لئے اس کا شکار مطلقاً حرام کیا، اللہ کے گھر کے آنگن میں کسی جانور کو ستانا جائز نہیں، چہ جائیکہ انسان کو! جاہلیت میں بھی آدمی حرم شریف میں اپنے باپ کے قاتل سے ملتا تھا، مگر اس کا خون نہیں کھولتا تھا، اور اسی احترام کے لئے حرم شریف میں بغیر احرام کے داخلہ ممنوع ہے، لوگ ایک وضع (حالت) میں اللہ کے دربار میں آئیں، کالے گورے کا کوئی فرق باقی نہ رہے، سب اللہ کے بندے کنگھی کے دندانوں کی طرح یکساں ہیں، اس لئے سب احرام باندھ کر ایک حالت میں آتے ہیں، البتہ جو حرم شریف میں رہتے ہیں: وہ ہر وقت احرام میں نہیں رہ سکتے، اس لئے ان کے لئے رخصت ہے کہ بیت اللہ کی زیارت کے بعد احرام کھول دیں، اور مختلف لباس پہن لیں، جیسے حرم شریف میں پالتو جانور ذبح کر کے کھا سکتے ہیں، کیونکہ یہ ایک ضرورت ہے، اور حرم کے شکار میں اول تو کوئی خاص ضرورت نہیں، پھر جو اللہ کے گھر کے صحن میں پہنچ جاتا ہے وہ مامون ہو جاتا ہے ﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ اس لئے حرم کا شکار مطلقاً حرام رہا، اور پالتو جانوروں کو ذبح کر کے کھانا جائز ٹھہرا۔

غرض: احرام میں اور حرم میں شکار کی ممانعت اللہ کے گھر کے احترام میں ہے، اور یہی نہیں، اور بھی تین چیزیں قابل احترام قرار دی گئی ہیں، جن کا کعبہ شریف سے تعلق ہے۔

۱- چار محترم مہینے: ایک رجب الفرد: تنہا رجب کا مہینہ، اور تین مہینے مسلسل: ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم الحرام۔ ذی قعدہ میں لوگ حج کے لئے روانہ ہوتے تھے، ذی الحجہ میں حج کرتے تھے، اور محرم میں گھر لوٹتے تھے، اس لئے زمانۂ جاہلیت میں بھی ان مہینوں میں لڑائی بند ہو جاتی تھی، اور لوگ بے خوف ہو کر جبکہ بیت اللہ کا قصد کرتے تھے، اور رجب میں لوگ عمرہ کرتے تھے، خاص طور سے مضر قبائل، اس لئے رجب میں بھی جنگ موقوف ہو جاتی تھی، غرض: ان چار ماہ کا احترام بھی کعبہ شریف کی وجہ سے ہے۔

۲- ہدی: یعنی نیاز کی بکری، لوگ گھر کی پلی ہوئی بھیڑ بکری لے کر حرم شریف میں ذبح کرنے کی نیت سے حج کو جاتے

(۱) بارگاہ اور دربار ایک ہیں: بار: بوجھ، سامان، گاہ: جگہ، بارگاہ: بوجھ (سامان) اتارنے کی جگہ، جب مسافر گھر لوٹتا ہے تو گھر کے صحن میں سامان اتارتا ہے، اس لئے اس کو'بارگاہ' کہتے ہیں۔ اور دربار: حقیقت میں دال کے پیش کے ساتھ تھا، دُر کے معنی ہیں: موتی اور بار: باریدن کا امر ہے: برسانا، بادشاہ جب لوگوں پر داد و دہش کرتا ہے تو گھر میں سے مٹھی بھر بھر کر موتی صحن میں ڈالتا ہے، لوگ اس کو لوٹتے ہیں اور بادشاہ تماشا دیکھتا ہے، پس صحن موتی برسانے کی جگہ ہے۔

تھے، اس لئے اس کو بھی محترم قرار دیا، تاکہ راستہ میں کوئی اس کو نہ لوٹے، بلکہ گھاس چارہ اور پانی سے اس کی خدمت کرے، اور ہدی کا لفظ اگرچہ عام ہے، نیاز کا اونٹ بھی ہدی ہے، مگر یہاں القلائد سے تقابل ہے، اس لئے چھوٹا جانور مراد ہے، جیسے بدنۃ قربانی کا بڑا جانور ہے، جس میں سات حصے ہوسکیں، مگر جہاں اونٹ سے تقابل ہو، وہاں بھینس گائے مراد ہوتی ہے۔

۳-نیاز کا اونٹ: القلائد: قِلادۃ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: ہار، گلے کا پٹہ، لوگ گھر کا پلا ہوا اونٹ لے کر بھی حرم شریف کا قصد کرتے تھے، تاکہ حرم میں اس کو ذبح کرکے غریبوں میں گوشت بانٹیں، اس کے گلے میں پٹہ باندھتے تھے، اور اس میں پرانا جوتا چپل لٹکاتے تھے، تاکہ راستہ میں لوگ اس کا احترام کریں، اور اس کی خدمت کریں۔

ملحوظہ: اس سورت کی آیت ۲ میں اور یہاں بھی صرف قلادہ کا ذکر ہے، اشعار کا ذکر نہیں، اس سے امام اعظم رحمہ اللہ نے سمجھا ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں جو اونٹوں کا اشعار کیا تھا وہ وقتی ضرورت سے تھا، پس وہ حدیث ہے، سنت نہیں، نبی ﷺ نے ان اونٹوں کے گلوں میں ہار بھی ڈالے تھے، یہی سنت ہے، اس لئے کہ قرآنِ کریم نے اسی کا ذکر کیا ہے اور اشعار کے معنی ہیں: علامت بنانا، کوہان کے قریب تھوڑی کھال کاٹ کر جو خون نکلا تھا اسے اس جگہ مل کر علامت قائم کی تھی کہ یہ اونٹ حرم میں ذبح کے لئے جارہے ہیں، اور گلے کا ہار راستہ میں ٹوٹ بھی جائے تو لوگ اس علامت سے پہچانیں۔

﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے عزت والے گھر کعبہ کو لوگوں کے بقاء کا ذریعہ بنایا، اور محترم مہینوں کو، اور نیاز کی بکری کو، اور گلوں میں پٹے پڑے ہوئے اونٹوں کو۔

انسانوں کی بقاء کعبہ شریف کے ساتھ کیوں وابستہ ہے؟

اس کے بعد ایک سوال کا جواب ہے، ذلك: اسم اشارہ بعید ہے، مشارٌ الیہ ﴿ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ﴾ ہے ﴿ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ﴾ نہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کے بقاء کے ساتھ انسانوں کا بقاء کیوں وابستہ کیا ہے؟

جواب: یہ اللہ کا فیصلہ ہے: ﴿ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴾: وہ جو چاہیں فیصلہ کریں [المائدۃ ۲] ان کے فیصلوں میں کسی کو دخل دینے کا حق نہیں، نہ ان کے کاموں کی حکمتیں انسان پاسکتا ہے، لوگوں کو تو بس یہ بات جان لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو جانتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں، اور جو زمین میں ہیں، اور وہی یہ بات بھی جانتے ہیں کہ کس چیز کو کیسا ہونا چاہئے؟

سوچو! ہاتھوں پیروں میں پانچ پانچ انگلیاں کیوں بنائیں، چھ یا چار کیوں نہیں بنائیں؟ اور ہر انگلی میں دو نشان رکھ کر

تین حصے کیوں کئے، کم وبیش کیوں نہیں کئے؟ ناک: منہ کے قریب کیوں رکھی، ماتھے پر کیوں نہیں رکھی؟ دو جانبوں میں دو کان کیوں رکھے: گھوڑے کی طرح سر پر کیوں نہیں رکھے؟ سامنے دیکھنے کے لئے دو آنکھیں بنائیں، ایک آگے اور ایک پیچھے کیوں نہیں بنائی؟ حیوانات: مختلف طرح کے اور نباتات: مختلف نوعیت کی کیوں بنائی؟ —— سب کا ایک ہی جواب ہے کہ یہ اللہ کی حکمت کی کارفرمائی ہے، کائنات کے رموز واسرار کائنات کا خالق ومالک جانتا ہے، ہمارے لئے تو اس جگہ سپر ڈالنے کے علاوہ چارہ نہیں۔

ایک واقعہ: ایک نادان ایک آم کے درخت کے نیچے ستانے کے لئے رکا، درخت پر چھٹانک بھر کے آم لگ رہے تھے، اور قریب میں تربوز کا کھیت تھا، بیلوں پر دھڑی بھر کے تربوز لگے ہوئے تھے، وہ عقل کا اندھا سوچنے لگا: یہ کیسا انصاف ہے! اچانک ایک آم ٹوٹا اور سر پر گرا، بس ہوش آ گیا، کہنے لگا: اللہ میاں بڑے عقلمند ہیں، اگر یہ تربوز آم کے پیڑ پر ہوتے تو آج میرا کام تمام ہو گیا ہوتا!

﴿ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ ﴾

ترجمہ: وہ بات بایں وجہ ہے کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ خوب واقف ہیں ان چیزوں سے جو آسمانوں میں ہیں اور ان چیزوں سے جو زمین میں ہیں، اور یہ بات (بھی) کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں —— کہ وہ کیسی ہونی چاہئے!

انسانوں کا بقاء: کعبہ شریف کے بقاء کے ساتھ کیوں وابستہ ہے؟ اس کا راز بھی وہی جانتے ہیں!

جب لوگ اللہ کے پاس جمع کئے جائیں گے تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟

پھر پہلی آیت کے آخر میں جو مضمون ہے: اس کی تکمیل کرتے ہیں، جب لوگ قیامت کے دن اللہ کے پاس جمع کئے جائیں گے تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ جو اللہ کے باغی ہیں وہ کیفر کردار کو پہنچیں گے، ان کو سخت سزا دی جائے گی، ہمیشہ کے لئے ان کو دوزخ میں ٹھونسا جائے گا —— اور جو وفادار ہیں، مگر بدکردار ہیں: ان کو اللہ تعالیٰ ابتداءً یا دُھلائی کے بعد نجات دیں گے، اس لئے کہ وہ بڑے بخشنے والے، بڑے مہربان ہیں —— اور وفادار نیکوکاروں کا تذکرہ نہیں کیا، وہ شروع ہی سے نہال کر دیئے جائیں گے، ان کو نعمتوں کے باغات میں داخل کیا جائے گا۔

فائدہ (۱): قرآنِ کریم کا ایک خاص اسلوب ہے، جب وہ مؤمنین کا اچھا انجام بیان کرتا ہے تو آمنوا کے ساتھ عملوا الصٰلحات کی قید لگاتا ہے، یعنی نیکوکار مؤمنین ہی کی جزائے خیر بیان کرتا ہے، اور بدکردار مؤمنین کا حال بیان نہیں کرتا، ان کو حدیثوں کے حوالے کرتا ہے۔

اور جب کفار اور باغیوں کی سزا بیان کرتا ہے تو گنہ گار مؤمنین کو رحمت ومغفرت کا مژدہ سناتا ہے، اس جگہ نیکوکار

مؤمنین کا تذکرہ نہیں کرتا، اس لئے کہ ﴿السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ﴾ اگاڑی والے تو اگاڑی والے ہیں، ان کے تذکرہ کی کیا ضرورت ہے؟

فائدہ (۲): اللہ کی صفاتِ افعال متقابل (آمنے سامنے) ہیں، اور صفاتِ ذات کی اضداد کے ساتھ اللہ کو متصف کرنا جائز نہیں، صفاتِ ذات: سات یا آٹھ ہیں، حیات، علم، سمع، بصر، ارادہ، قدرت، کلام اور آٹھویں صفت تکوین میں اختلاف ہے کہ وہ صفتِ ذات ہے یا صفتِ فعل۔

اور صفاتِ افعال بہت ہیں، ان کو اسمائے حسنی کہتے ہیں، یہ متقابل صفات ہیں، اللہ روزی رساں بھی ہیں اور روزی تنگ بھی کرتے ہیں، وہ زندہ بھی کرتے ہیں اور مارتے بھی ہیں، صفاتِ افعال میں اللہ پاک کو ضدین کے ساتھ متصف کر سکتے ہیں، چنانچہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کو سخت سزا دینے والا بھی فرمایا اور غفور رحیم بھی۔

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں، اور یہ بات بھی جان لو کہ وہ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

احکام پر عمل کرانا رسول کی ذمہ داری نہیں

حالتِ احرام میں خشکی کے شکار کی جو ممانعت فرمائی ہے: وہ اللہ کا ایک حکم ہے، اللہ کے رسول کا کام وہ حکم بندوں تک پہنچانا ہے، اور بس! جبراً اس پر عمل کرانا رسول کی ذمہ داری نہیں، آگے بندے جانیں اور ان کا مولیٰ!

﴿مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ﴾

ترجمہ: اللہ کے رسول کے ذمہ صرف حکم پہنچانا ہے!

اللہ تعالیٰ نے بھی تکوینی طور پر بندوں کو مجبور نہیں کیا

کائنات: اُس مقصد کی تکمیل میں لگی ہوئی ہے جس مقصد کے لئے وہ پیدا کی گئی ہے، انسان اور جنات اللہ کی بندگی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، مگر ان کو اس پر تکوینی طور پر مجبور نہیں کیا گیا، ان کو جزوی اختیار دیا ہے، وہ اپنی مرضی سے عبادت کر بھی سکتے ہیں اور پہلو تہی بھی کر سکتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں کو جانتے ہیں جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور جو وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں، یعنی کس نے حالتِ احرام میں شکار کیا، اور کس نے شکار کرنے کا پختہ ارادہ کیا، مگر کسی وجہ سے نہ کر سکا، اس سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہیں، وہ ان کو ان کے فعلِ ظاہری اور فعلِ قلبی کی سزا دیں گے۔

فائدہ: بعض قلبی اعمال پر بھی مؤاخذہ ہوتا ہے، کسی کام کا عزم مصمم ہو، پھر کسی عارض کی وجہ سے نہ کر سکے تو اس پر بھی مؤاخذہ ہوگا، حدیث میں ہے کہ اگر دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑیں، اور ایک دوسرے کو قتل کر دے تو دونوں جہنم میں جائیں گے، اس لئے کہ مقتول مرنے نہیں آیا تھا، مارنے آیا تھا، مگر اتفاق سے مار نہ سکا، مارا گیا، پس وہ بھی قاتل ہے!

﴿ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝۹۹ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو تم ظاہر کرتے ہو، اور جو تم چھپاتے ہو!

حرام وحلال یکساں نہیں، پس حرام کی زیادتی پر مت ریجھو!

آخر میں ذہن سازی کرتے ہیں، تاکہ حرام چیزوں کی قباحت ذہن نشیں ہو جائے، فرماتے ہیں: محرم کا کیا ہوا شکار حرام ہے، جس طرح شراب اور مردار وغیرہ خبیث چیزیں ہیں اسی طرح محرم کے شکار کو بھی سمجھنا چاہئے، اگرچہ وہ ہرن یا نیل گائے کا ہو، اس سے بہتر روٹی چٹنی پر گذارہ کرنا ہے، حرام: حرام ہے گو وہ ڈھیر سارا ہو، اور حلال حلال ہے، اگرچہ وہ مٹھی بھر ہو، پس اللہ سے ڈرو، اور حرام سے بچو، مگر بات خالص عقل والے ہی قبول کرتے ہیں، لُبّ کے معنی ہیں: گودا، جو چھلکے کے اندر ہوتا ہے، پس جو عقل خالص ہے، اس پر خواہشات کا چھلکا چڑھا ہوا نہیں ہے، وہی بات سمجھے گا اور قبول کرے گا اور اسی میں کامیابی ہے۔

﴿ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۰ ﴾

ترجمہ: بتادو! گندی چیز اور ستھری چیز یکساں نہیں، چاہے تجھے گندی چیز کی زیادتی بھلی معلوم ہو، پس تم اے عقلمندو! اللہ سے ڈرو، تاکہ تم کامیاب ہوؤ!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْــَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۰۱ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝۱۰۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	عَنْ اَشْيَآءَ	ان چیزوں کے بارے میں	لَكُمْ	تمہارے لئے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے			تَسُؤْكُمْ	(تو) وہ تمہیں بری لگیں
لَا تَسْــَٔلُوْا	مت پوچھو	اِنْ تُبْدَ	اگر کھول دی جائیں وہ	وَاِنْ تَسْــَٔلُوْا	اور اگر پوچھو گے تم

عَنۡهَا	ان کے بارے میں	اللّٰهُ	اللہ نے	سَاَلَهَا	پوچھا ان کے بارے میں
حِيۡنَ يُنَزَّلُ	جب اتارا جا رہا ہے	عَنۡهَا	ان (سوالات) سے	قَوۡمٌ	کچھ لوگوں نے
الۡقُرۡاٰنُ	قرآن	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ	تم سے پہلے
تُبۡدَ لَكُمۡ	(تو وہ) کھول دی جائیں گی تمہارے لئے	غَفُوۡرٌ	بڑے بخشنے والے	ثُمَّ اَصۡبَحُوۡا	پھر ہو گئے وہ
		حَلِيۡمٌ	بڑے بردبار ہیں	بِهَا	ان (کے احکام) کا
عَفَا	درگذر فرمایا	قَدۡ	بالتحقیق	كٰفِرِيۡنَ	انکار کرنے والے

نزولِ شریعت کے وقت غیر ضروری سوالات کی ممانعت

اوپر یہ مضمون آیا ہے کہ کعبہ شریف کے احترام میں چار احکام دیئے گئے ہیں: احرام میں خشکی کا شکار ممنوع کیا، چار مہینوں کو محترم قرار دیا، اور نیاز کے چھوٹے بڑے جانوروں کو محترم ٹھہرایا، یہاں کوئی سوال کر سکتا ہے کہ کعبہ کے احترام میں اور کیا کیا چیزیں ممنوع یا محترم ہیں؟ ان دو آیتوں میں ایسے غیر ضروری سوال کی ممانعت ہے، مسلم شریف کی حدیث میں ہے: ''مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ چیز حرام کی گئی جو حرام نہیں تھی'': **أعظم المسلمين فى المسلمين جرما من سأل عن أمر لم يحرم الحديث** (مسلم ۲۶۲/۲ حدیث: ۶۱۱۶)

جیسے حج کی فرضیت کی آیت (سورۃ آلِ عمران آیت ۹۷) نازل ہوئی، اور نبی ﷺ نے وہ آیت لوگوں کو پڑھ کر سنائی تو ایک شخص نے سوال کیا: یا رسول اللہ! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپؐ خاموش رہے، پھر دوسری مجلس میں یہی سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: اللہ کے بندو! اگر میں 'ہاں' کہہ دوں تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جائے گا، پھر تم اس کو کر نہ سکو گے، پس میں جس چیز سے تم کو آزاد رکھوں تم بھی مجھ کو آزاد رکھو، حج زندگی میں ایک ہی بار فرض ہے، جو ایک سے زیادہ کرے وہ نفل ہے۔

(مشکات حدیث ۲۵۲۰)

پھر دوسری آیت میں تشریع (نزولِ شریعت) کے وقت سوال کی ممانعت کی وجہ بیان کی ہے کہ ماضی میں انبیاء کی امتوں نے ایسے سوالات کئے، پھر جب ان کے احکام نازل ہوئے تو ان پر عمل نہیں کیا، بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے اللہ کی کتاب مانگی، پھر جب تورات ملی تو اس کو ماننے سے انکار کر دیا، پہاڑ سروں پر لٹکا کر منوانا پڑا۔ لہٰذا تم بھی ایسے سوالات مت کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی بعد میں انکار کر دو!

فائدہ: فضول سوالات بھی آیت کے عموم میں داخل ہیں، اگرچہ ماسیق لاجلہ الکلام میں تشریع کے وقت کی تخصیص ہے ﴿حِيۡنَ يُنَزَّلُ الۡقُرۡاٰنُ﴾ جیسے کسی صحابی نے پوچھا کہ ان کے باپ کون ہیں؟ البتہ ضروری بات پوچھنے میں یا

دلیل سے ناشی شبہ کو دفع کرنے کے لئے سوال کرنا جائز ہے، صحابہ سے ایسے سوالات کرنا ثابت ہے (تفصیل تحفۃ الالمعی ۷:۲۲۳ میں ہے)

آیاتِ کریمہ: اے ایمان والو! تم ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر وہ تم پر کھول دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں، اور اگر تم ایسی باتوں کے بارے میں نزولِ قرآن کے وقت پوچھو گے تو وہ تم پر ظاہر کردی جائیں گی، اللہ تعالیٰ نے (سابقہ) ایسے سوالات سے درگذر فرمایا! —— آئندہ را احتیاط! —— اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے بردبار ہیں۔

(دوسری آیت) کچھ لوگوں نے تم سے پہلے ایسی چیزوں کے بارے میں (اپنے انبیاء سے) سوالات کئے، پھر (جب ان کے احکام نازل ہوئے تو) وہ ان (احکام کے) منکر ہوگئے! —— عملی انکار مراد ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝

مَا جَعَلَ	نہیں بنایا	الْكَذِبَ	بہتان	قَالُوْا	تو جواب دیا انھوں نے
اللّٰهُ	اللہ نے	وَاَكْثَرُهُمْ	اور ان کے بیشتر	حَسْبُنَا	کافی ہے ہمارے لئے
مِنْۢ بَحِيْرَةٍ	کوئی بحیرہ	لَا يَعْقِلُوْنَ	سمجھتے نہیں	مَا وَجَدْنَا	جو پایا ہم نے
وَّلَا سَآئِبَةٍ	اور نہ کوئی سائبہ	وَاِذَا قِيْلَ	اور جب کہا گیا	عَلَيْهِ	اس پر
وَّلَا وَصِيْلَةٍ	اور نہ کوئی وصیلہ	لَهُمْ	ان سے	اٰبَآءَنَا	ہمارے باپ دادوں کو
وَّلَا حَامٍ	اور نہ کوئی حامی	تَعَالَوْا	آؤ	اَوَلَوْ كَانَ	کیا اگرچہ ہوں
وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ	لیکن جنھوں نے	اِلٰى مَآ	اس کی طرف جو	اٰبَآؤُهُمْ	ان کے باپ دادے
كَفَرُوْا	اسلام قبول نہیں کیا	اَنْزَلَ	اتارا	لَا يَعْلَمُوْنَ	نہ جانتے ہوں
يَفْتَرُوْنَ	وہ باندھتے ہیں	اللّٰهُ	اللہ نے	شَيْـــًٔا	کچھ بھی
عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	وَاِلَى الرَّسُوْلِ	اور اللہ کے رسول کی طرف	وَّلَا يَهْتَدُوْنَ	اور نہ راہ پاتے ہوں

نص شرعی کے بغیر محض تقلید آباء میں کسی چیز کو حرام کرنے کی ممانعت

جس طرح نزولِ شریعت کے وقت میں غیر ضروری سوال کر کے کسی چیز کو حرام کرانے کی ممانعت ہے: اسی طرح نص شرعی کے بغیر محض تقلید آباء میں کسی چیز کو حرام کرنا بھی ممنوع ہے، جیسے مشرکین نے چار قسم کے اونٹ حرام کر رکھے تھے: بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی، وہ لوگ ان کی حرمت کو شرعی قرار دیتے تھے، منجانب اللہ سمجھتے تھے، یہ ان کا اللہ پر افتراء تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام نہیں کیا، اور ان کے پاس اس تحریم کی کوئی دلیل عقلی بھی نہیں، محض بے عقلی کی بات تھی۔

اور جب ان کو قرآن وسنت کی پیروی کی دعوت دی جاتی تو وہ اکابر کا اسوہ پیش کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادوں سے یہ تحریم چلی آرہی ہے، اور وہ ہمارے لئے کافی دلیل ہے۔

قرآن جواب دیتا ہے کہ تقلید آباء اس صورت میں جائز ہے: جب اسلاف کی بات قرآن وحدیث سے ثابت ہو، جہلاء اور گمراہ آباء کی ایجاد حجت نہیں، اور مشرکین کے اسلاف نے بے عملی اور دلیلِ شرعی کے بغیر یہ بات چلائی تھی، اس لئے وہ دلیل نہیں بن سکتی۔

ان چار قسم کے اونٹوں کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے، ممکن ہے ان کی مختلف صورتیں رہی ہوں، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے ان کی جو تفسیر کی ہے، اور جو بخاری شریف (حدیث ۴۶۲۳) میں آئی ہے وہ یہ ہے:

۱- بحیرۃ: وہ جانور ہے جس کا دودھ بتوں کے نام پر روک لیتے تھے، اس کو کوئی دوہتا نہیں تھا۔

۲- سائبہ: وہ جانور ہے جس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، اس سے کوئی کام نہیں لیتے تھے، جیسے ہمارے ملک میں لوگ سانڈ چھوڑ دیتے ہیں، اسی طرح عرب اونٹ چھوڑ دیتے تھے، اور اس کا رواج عمرو بن لُحی نے ڈالا تھا، جیسا کہ حدیثِ مرفوع میں ہے۔

۳- وصیلہ: وہ اونٹنی ہے جو پہلی بار مادہ بچہ جنے، پھر دوسری بار بھی مادہ بچہ جنے، درمیان میں نر بچہ نہ جنے: اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

۴- حامی: وہ نر اونٹ ہے جو خاص شمار سے جفتی کر چکا ہو، اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

آیاتِ کریمہ: اللہ تعالیٰ نے تجویز نہیں کیا بحیرہ، اور نہ سائبہ، اور نہ وصیلہ، اور نہ حامی، بلکہ منکرینِ اسلام اللہ کے نام جھوٹ لگاتے ہیں —— بہتان باندھتے ہیں کہ ان کی تحریم منجانب اللہ ہے —— اور ان کے اکثر سمجھتے نہیں —— یعنی ان کے پاس اس تحریم کی دلیل عقلی بھی نہیں۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ، اس (قرآن) کی طرف جس کو اللہ نے نازل کیا ہے، اور اللہ کے رسول کی طرف

—— اس سے احادیث کا استناد ثابت ہوا —— تو وہ جواب دیتے ہیں: ہمارے لئے وہ کافی ہے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے! —— یعنی ہم اپنے اسلاف کی پیروی کرتے ہیں، ہمارے باپ دادوں سے یہ تحریم چلی آرہی ہے، اور یہ ہمارے لئے کافی دلیل ہے: جواب: —— کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانتے ہوں، نہ وہ راہ یاب ہوں! —— یعنی آباء کی بات نص پر مبنی ہو تب ان کی پیروی جائز ہے، ان کی بات محض ایجاد بندہ ہو تو اس کی تقلید جائز نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	مَّنْ ضَلَّ (۳)	وہ شخص جو گمراہ ہوا	جَمِيْعًا	سبھی کا
اٰمَنُوْا	ایمان لائے!	اِذَا	جبکہ	فَيُنَبِّئُكُمْ	پس وہ تم کو آگاہ کرے گا
عَلَيْكُمْ (۱)	لازم پکڑو	اهْتَدَيْتُمْ	تم راہ یاب ہو	بِمَا	ان کاموں سے جو
اَنْفُسَكُمْ (۲)	اپنی ذاتوں کو	اِلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے پاس	كُنْتُمْ	تھے تم
لَا يَضُرُّكُمْ	تمہارا کچھ نقصان نہیں کرے گا	مَرْجِعُكُمْ (۴)	تمہارا لوٹنا ہے	تَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے

اسلاف گمراہ ہوں اور اولاد راہِ حق پر ہو تو اسلاف کی مخالفت اولاد کو قطعاً مضر نہیں

اگر مشرکین اپنے اسلاف کی تقلید سے، باوجود فہمائش کے، باز نہ آئیں تو مسلمان ان کے پیچھے جان نہ کھپائیں، ان کا غم نہ کھائیں، ان کی گمراہی سے مسلمانوں کا کچھ نقصان نہیں ہوگا، جبکہ وہ سیدھی راہ پر چلیں! آیت کریمہ میں خطاب اگرچہ مسلمانوں سے ہے، مگر کفار کو تنبیہ مقصود ہے، پس آیت گفتہ آید در حدیثِ دیگراں کے قبیل سے ہے، کفار جو باپ دادا کی تقلید پر اڑے ہوئے ہیں ان سے کہا جارہا ہے کہ تمہارے باپ دادا راہِ حق سے ہٹے ہوئے تھے، وہ دین وشریعت سے ناواقف تھے، تم ان کی تقلید کرکے خود کو کیوں ہلاک کرتے ہو؟ انہیں چھوڑو، اپنی فکر کرو، باپ دادا اگر گمراہ ہوں، اور اولاد ان کا طریقہ چھوڑ کر راہِ حق پر چلے تو آباء واجداد کی یہ مخالفت اولاد کو قطعاً مضر نہیں، نہ دنیا میں نہ آخرت میں، اور یہ خیال محض جاہلانہ ہے کہ کسی حال میں بھی اسلاف کے طریقہ کو نہیں چھوڑنا چاہئے، عقلمند کو چاہئے کہ اپنے انجام کی فکر کرے، سب اگلے پچھلے خدا کے حضور جمع کئے جائیں گے، اور ہر ایک کے عمل کا بھگتان کردیا جائے گا، برے کو بری اور بھلے کو بھلی راہ

(۱) علیکم: اسم فعل بمعنی ألزم ہے (۲) أنفسکم: علیکم کا مفعول بہ ہے (۳) من ضل: فاعل ہے (۴) مرجع: مصدر ہے، اور باب ضرب سے مَفْعِل کے وزن پر مصدر شاذ ہے (قاموس)

دکھائی جائے گی، پس آباء کی مخالفت آخرت میں بھی مضر نہیں، بلکہ مفید ثابت ہوگی۔

آیتِ کریمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اپنی فکر کرو، وہ شخص تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا جو غلط راہ پر چل رہا ہے، جبکہ تم راہ یاب ہو، اللہ کے پاس تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں ان کاموں سے آگاہ کریں گے جو تم کیا کرتے تھے۔

اصلاحِ حال کی کوشش کے بعد آدمی معذور ہے

فائدہ: مذکورہ آیت اگر سرسری طور پر پڑھی جائے تو اس سے غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ اصلاح حال کی کوشش ضروری نہیں، ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے، جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا! اگر ہم بذاتِ خود دین پر صحیح طرح عمل پیرا ہوں تو غلط قسم کے لوگوں کی ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں، جائیں وہ جہنم کی بھاڑ میں!

آیت پاک کو اس طرح سمجھنا صحیح نہیں، اگر اصلاحِ حال کی ضرورت نہ ہوتی تو بعثتِ انبیاء کی کیا ضرورت تھی! اور حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: فرمایا: لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو: ''اے مسلمانو! تم بس اپنی فکر کرو، جب تم راہِ راست پر ہو تو جو شخص گمراہ ہوا وہ تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا'' جبکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر لوگ ظالم کو (ظلم کرتا ہوا) دیکھیں، اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں یعنی اس کو ظلم سے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی سزا سبھی کو عام کر دیں، یعنی بروں کے ساتھ اچھوں کو بھی عذاب میں دھر لیں (ترمذی حدیث ۲۱۶۵ و ۳۰۸۱)

حدیث: ابوامیہ شعبانی کہتے ہیں: میں حضرت ابوثعلبہ خُشنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے ان سے عرض کیا: آپ اس آیت میں کس طرح کریں گے؟ یعنی اس آیت کو سرسری پڑھنے سے جو اشکال پیش آتا ہے: اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہوگا؟ حضرت ابوثعلبہ نے پوچھا: کونسی آیت؟ میں نے عرض کیا: ارشاد پاک: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾ ابوثعلبہ نے فرمایا: سن! بخدا! تو نے اس آیت کے بارے میں اچھی طرح واقف ہی سے سوال کیا ہے، میں نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا، آپؐ نے فرمایا: ''بلکہ ایک دوسرے کو بھلائی کا حکم دو، اور ایک دوسرے کو برائی سے روکو، یہاں تک کہ جب تم دیکھو ایسی بخیلی کو جس کی پیروی کی جارہی ہے، اور ایسی خواہش کو جس کے پیچھے چلا جارہا ہے، اور ایسی دنیا کو جسے ترجیح دی جارہی ہے، اور ہر صاحب رائے اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو خاص اپنے آپ کو لازم پکڑو، اور عوام کا خیال چھوڑ دو، کیونکہ تمہارے آگے یقیناً ایسا زمانہ آرہا ہے کہ اس میں دین پر جمنا چنگاری کو ہاتھ میں پکڑنے کی طرح ہو جائے گا، اس زمانہ میں دین پر عمل کرنے والے کے لئے ایسے پچاس آدمیوں کے ثواب کے بقدر ہوگا جو تمہارے جیسا عمل کرتے ہوں گے'' ......

حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں: عتبۃ بن ابی حکیم کے علاوہ دوسرے استاذ نے اس حدیث میں مجھ سے یہ زائد مضمون بھی بیان کیا ہے: پوچھا گیا: یارسول اللہ! ہم میں سے یعنی صحابہ میں سے پچاس آدمیوں کا اجر یا اس زمانہ کے لوگوں میں سے پچاس آدمیوں کا اجر؟ آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ تم میں سے پچاس آدمیوں کا اجر'' (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی محنت کے بعد ﴿ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ کا نمبر آتا ہے...... اور آیت کا یہ مطلب سمجھنا درست نہیں کہ اصلاح حال کی کوشش ضروری نہیں، بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے، یہاں تک کہ اصلاح سے مایوسی ہوجائے) (ترمذی شریف حدیث ۳۰۸۲)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓي اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ڮ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰي وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع ۱۴

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	اَحَدَكُمُ	تم میں سے کسی کے پاس	مِّنْكُمْ	تم میں سے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہو	الْمَوْتُ	موت	اَوْ اٰخَرٰنِ	یا دوسرے دو کی
شَهَادَةُ (۱)	گواہی	حِيْنَ الْوَصِيَّةِ	وصیت کے وقت	مِنْ غَيْرِكُمْ	تمہارے علاوہ میں سے
بَيْنِكُمْ	تمہارے درمیان	اثْنٰنِ	دو کی ہے	اِنْ اَنْتُمْ	اگر تم
اِذَا حَضَرَ	جب حاضر ہو	ذَوَا عَدْلٍ	معتبر (دیندار) آدمی	ضَرَبْتُمْ	سفر کرو

(۱) ترکیب: شهادة بينكم: مبتدا...... إذا: شهادة کا ظرف...... حين: حضر کا ظرف...... اثنان خبر، أى شهادة اثنين ......ذوا عدل: اثنان کی صفت...... آخران: اثنان پر معطوف ہے۔

فِی الْاَرْضِ	زمین میں	فَاِنْ عُثِرَ (۱)	پھر اگر مطلع ہوا گیا	لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ	یقیناً حق مارنے والوں
فَاَصَابَتْكُمْ	پس پہنچے تم کو	عَلٰۤى اَنَّهُمَا	اس پر کہ دونوں		میں سے ہیں
مُّصِيْبَةُ	مصیبت	اسْتَحَقَّاۤ (۲)	حقدار ہوئے ہیں	ذٰلِكَ	یہ (دوسری گواہی)
الْمَوْتِ	موت کی	اِثْمًا	کسی گناہ کے	اَدْنٰۤى	قریب تر ہے
تَحْبِسُوْنَهُمَا	روکو تم ان کو	فَاٰخَرٰنِ	تو دوسرے دو	اَنْ يَّاْتُوْا	اس سے کہ آئیں وہ
مِنْۢ بَعْدِ	بعد	يَقُوْمٰنِ	کھڑے ہوں	بِالشَّهَادَةِ	گواہی کے ساتھ
الصَّلٰوةِ	نماز کے	مَقَامَهُمَا	اُن دو کی جگہ میں	عَلٰى وَجْهِهَاۤ	اس کے صحیح رخ پر
فَيُقْسِمٰنِ	پس قسمیں کھائیں دونوں	مِنَ الَّذِيْنَ	ان میں سے جو	اَوْ يَخَافُوْۤا	یا ڈریں وہ
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	اسْتَحَقَّ	حقدار ہوا ہے وہ	اَنْ تُرَدَّ	کہ لوٹائی جائیں
اِنِ ارْتَبْتُمْ	اگر شک پڑے تمہیں	عَلَيْهِمُ	ان (پہلی گواہی دینے	اَيْمَانٌ	قسمیں
لَا نَشْتَرِیْ	(کہیں وہ) نہیں خریدتے ہم		والوں) پر	بَعْدَ	بعد
بِهٖ	قسم کے ذریعہ	الْاَوْلَيٰنِ (۳)	دو قریبی رشتہ دار	اَيْمَانِهِمْ	ان کی قسموں کے
ثَمَنًا	کچھ پونجی (نفع)	فَيُقْسِمٰنِ	پس قسمیں کھائیں وہ	وَاتَّقُوا	اور ڈرو تم
وَّلَوْ كَانَ	اگرچہ ہو وہ (مشہود لہٗ)	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	اللّٰهَ	اللہ سے
ذَا قُرْبٰى	رشتہ دار	لَشَهَادَتُنَاۤ	البتہ ہماری گواہی	وَاسْمَعُوْا	اور حکم سنو (اللہ کا)
وَلَا نَكْتُمُ	اور نہیں چھپاتے ہم	اَحَقُّ	زیادہ حقدار (تحقیقی) ہے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
شَهَادَةَ اللّٰهِ	گواہی اللہ کی	مِنْ شَهَادَتِهِمَا	ان دونوں کی گواہی سے	لَا يَهْدِی	سیدھی راہ نہیں چلاتے
اِنَّاۤ اِذًا	بے شک ہم تب تو	وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ	اور نہیں زیادتی کی ہم	الْقَوْمَ	ان لوگوں کو
لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ	یقیناً گنہ گاروں میں		نے	الْفٰسِقِيْنَ	جو حد اطاعت سے نکلنے
	سے ہونگے	اِنَّاۤ اِذًا	بے شک ہم تب تو		والے ہیں

(۱) عَثَرَ علیہ (فعل معروف): وہ اس پر مطلع ہوا، عُثِرَ علیہ (فعل مجہول): اس پر مطلع ہوا گیا۔ (۲) استحق إثما: وہ کسی گناہ کا حقدار ہوا، یعنی مرتکب ہوا، استحق علیہ: اس کے خلاف یعنی اس کے مقابل میں حقدار ہونا (۳) الأولیان، الأولی بمعنی الأقرب کا تثنیہ، الآخران سے بدل ہے (ان آیات کی ترکیب ذرا مشکل ہے، بغور ملاحظہ فرمائیں)

وصی کی قسم پر کیا ہوا فیصلہ خیانت ظاہر ہونے پر ورثاء کی قسموں سے بدل جائے گا (پہلی مثال)

ارتباط: (آیات کا باہمی ربط) گذشتہ آیت میں یہ مضمون تھا کہ باپ دادا اگر گمراہ ہوں اور اولاد راہِ راست پر ہوتو اسلاف کی مخالفت سے اولاد کو ذرا ضرر نہیں پہنچے گا، اب اس کی تین مثالیں بیان فرماتے ہیں:

پہلی مثال: مسلمان یا غیر مسلم وصی: وصیت میں غلط بیانی کرے، اور کورٹ میں جھوٹی قسم کھائے، اور اس کے حق میں قاضی فیصلہ کردے، پھر اس کی خیانت پکڑی جائے تو موصی کے ورثاء کی قسموں سے فیصلہ بدل جائے گا، قاضی اپنے پہلے فیصلہ کی اصلاح کرے گا، اسی طرح باپ دادوں کے عقائد واعمال بھی اگر غلط ہوں، پھر نبی مبعوث ہو، اور اس پر احکام نازل ہوں تو اخلاف (اولاد) کو چاہئے کہ باپ دادوں کے عقائد واعمال چھوڑ دیں، اور نبی کی ہدایت کی پیروی کریں۔

دوسری مثال: جب بھی کوئی نبی مبعوث ہوتا ہے تو سب سے پہلے توحید کی دعوت دیتا ہے، لوگ شرک میں مبتلا ہوتے ہیں وہ انبیاء کو ٹکا سا جواب دیتے ہیں، کہتے ہیں: ہمارے باپ دادا مورتیوں کو پوجتے تھے، ہم ان کی روش پر چلیں گے، تمہاری بات نہیں مانیں گے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب انبیاء سے سوال کریں گے کہ تمہاری قوموں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا؟ وہ عرض کریں گے: پروردگار! آپ سب کچھ جانتے ہیں! ہم کیا بتائیں؟ —— یہ ان قوموں کی غلطی تھی، اگر وہ اسلاف کی پیروی چھوڑ کر انبیاء کی دعوت قبول کرتے تو دارین میں ان کا بھلا ہوتا۔

تیسری مثال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری رسول ہیں، انھوں نے اپنی قوم کی گمراہی کی اصلاح کرنی چاہی، مگر قوم نے اصلاح قبول نہیں کی، اپنی غلط روش پر اڑے رہے، عیسیٰ علیہ السلام نے حیرت زا معجزے دکھائے، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے، الٹے ان کے قتل کے درپے ہوگئے، اگر وہ اپنے غلط خیالات سے باز آتے، اور اللہ کی نازل کردہ اصلاحات کو قبول کرتے تو ان کا کیا بگڑتا؟ نفع ہی ہوتا، مگر وہ آباء کی روش چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوئے!

پھر اس تیسری مثال کے متعلقات ہیں، ان کا سلسلہ آخر سورت تک چلا گیا ہے۔

زیرِ تفسیر آیات کا شانِ نزول:

دو شخص تمیم داری اور عدی بن بدّاء —— جو بھی عیسائی تھے —— تجارت کے لئے ملکِ شام چلے، ان کے ساتھ قریش کے بنوسہم قبیلہ کا ایک آزاد کردہ مسلمان بھی تجارتی مال لے کر چلا، اس کا نام بُدیل بن ابی مریم تھا، اس کے ساتھ ایک چاندی کا پیالہ تھا، جو کھجور کے پتوں جیسے سونے کے پتروں سے آراستہ کیا ہوا تھا، وہ شام کے بادشاہ کے لئے لے گیا تھا، وہ جام اس کے مال میں سب سے قیمتی چیز تھا۔

شام پہنچ کر سہمی بیمار پڑا، اس نے اپنے عیسائی ساتھیوں کو وصیت کی کہ وہ اس کا مال سامان اس کے مولیٰ عمرو بن

العاص کو پہنچادیں، اس نے سامان کی فہرست بنا کر سامان میں رکھ دی تھی، جس کا اس کے ساتھیوں کو پتہ نہیں تھا، جب مولیٰ نے سامان کھولا تو فہرست نکلی، اس میں جام کا بھی ذکر تھا، مگر جام سامان میں نہیں تھا، مولی نے وصیوں سے پیالے کے بارے میں پوچھا، انھوں نے کہا: اس کے علاوہ مرحوم نے کچھ نہیں چھوڑا، اور ہمیں جام کے بارے میں کچھ علم نہیں!

یہ قضیہ خدمتِ نبوی میں آیا، چونکہ اسلامی اصول یہ ہے کہ گواہ مدعی کے ذمہ ہوتے ہیں، اور قسم منکر پر، اور مرحوم کا مولی عمرو بن العاص خیانت کا مدعی تھا، جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا، مگر اس کے پاس خیانت کے گواہ نہیں تھے، اور تمیم اور عدی خیانت کے منکر تھے، اس لئے ان سے قسمیں لے کر مقدمہ فیصل کر دیا گیا، اور منکرین پر کوئی ضمان واجب نہیں کیا۔

پھر وہ پیالہ مکہ میں ایک سنار کے پاس پایا گیا، اس نے بتایا کہ اس نے تمیم اور عدی سے ایک ہزار درہم میں خریدا ہے، اب پھر یہ مقدمہ خدمتِ نبوی میں آیا، آپؐ نے تمیم اور عدی سے حقیقتِ حال معلوم کی، انھوں نے کہا: ہم نے یہ جام بُدیل سے خرید لیا تھا، مگر چونکہ گواہ نہیں تھے، اس لئے ہم نے اظہار نہیں کیا تھا، مرحوم کا مولی اس کا منکر تھا، اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، اور عمرو بن العاص اور ایک اور شخص نے قسمیں کھائیں، پس دوسرا فیصلہ کیا گیا، تمیم وعدی کو خائن قرار دیا گیا، اور ان سے پانچ پانچ سو درہم وصول کئے گئے۔

آیاتِ پاک کا ترجمہ وتفسیر:

اے ایمان والو! تمہارے درمیان کی گواہی —— جب تم میں سے کسی کے پاس موت آ کھڑی ہو، وصیت کرتے وقت (حین: شهادة کا بھی ظرف ہوسکتا ہے اور حضر کا بھی، اور دونوں صورتوں میں مطلب ایک ہوگا، یعنی وصیت پر گواہ بنائے یا موت کے قریب جب وصیت کرے اس وقت گواہ بنائے، اور یہ گواہ بنانا مستحب ہے، ضروری نہیں، وصیت گواہی کے بغیر بھی درست ہے، جیسے سورۃ الطلاق کی دوسری آیت میں رجعت پر گواہ بنانے کا حکم ہے، یہ حکم بھی استحبابی ہے —— دو شخصوں کی ہے (یہ **شهادةُ بينكم** کی خبر ہے) —— تم میں سے —— یعنی مسلمانوں میں سے —— دو دیندار آدمیوں کی یا تمہارے علاوہ (غیر مسلموں) میں سے دو شخصوں کو (گواہ بنائے) اگر تم نے کسی سرزمین میں سفر کیا ہو (اور وہاں مسلمان موجود نہ ہوں) اور تمہیں موت کا حادثہ پیش آئے (تو دو گواہ بنائے یعنی وصیت کرے، پس یہ محض گواہ بھی ہوسکتے ہیں جبکہ وصیت تحریری شکل میں ہو، اور وصی یا وکیل بھی ہوسکتے ہیں) تم ان دونوں گواہوں کو روکو نماز (عصر) کے بعد (یا کسی بھی نماز کے بعد) پس وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں، اگر تمہیں شک پڑے —— یعنی اگر کسی وجہ سے تمہیں شبہ ہو کہ انھوں نے خیانت کی ہے، یا بیانِ وصیت میں یا موصی لہٗ کے بیان میں غلط بیانی کی ہے، جیسا کہ شانِ نزول کے واقعہ میں تمیم اور عدی نے جام نکال لیا تھا، اور سامان میں رکھی ہوئی لسٹ سے شبہ ہوا تھا، پس قاضی قسم لے، اور گواہ غیر مسلم ہوں تو

ان کو مکلّف کرے کہ وہ مسجد میں آکر قسم کھائیں، روکنے کا یہی مطلب ہے، اور اگر ایسا کوئی شبہ نہ ہوتو قسم لینے کی ضرورت نہیں، اور جب وہ قسم کھائیں تو قسم کے ساتھ یہ بھی کہیں کہ ـــــ ہم نہیں خریدتے (یعنی نہیں حاصل کرتے) قسم کے ذریعہ کچھ بھی عوض، اگرچہ وہ شخص (جس کے حق میں ہم گواہی دے رہے ہیں) رشتہ دار ہو، اور نہیں چھپاتے ہم اللہ کی گواہی کو ـــــ یعنی بالکل صحیح اور بے لاگ گواہی دے رہے ہیں ﴿لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ ثَمَنًا﴾ میں ثمن بمعنی نفع ہے، یعنی وہ جھوٹی قسم کھا کر کوئی نفع حاصل نہیں کررہے، اور ﴿وَّلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی﴾ کا تعلق اس صورت کے ساتھ ہے جب وہ موصی لۂ کے حق میں غلط بیانی کررہے ہوں، یعنی ہم نہ رشوت لے کر غلط قسم کھارہے ہیں، نہ تعلق کی پاسداری میں جھوٹی قسم کھارہے ہیں ـــــ بے شک ہم اس حالت میں سخت گنہ گار ہونگے ـــــ یہ سارا مضمون بھی وہ قسم کے ساتھ ادا کریں، چنانچہ تمیم وعدی کو قسمیں کھلا کر مقدمہ فیصل کردیا کہ سامان بس اتنا ہی تھا، اور ان دونوں پر وارث کا کوئی مطالبہ نہیں رہا۔

پھر جب خیانت کھلی، اور جام سنار کے پاس پایا گیا، اور اس نے کہا کہ میں نے جام تمیم وعدی سے خریدا ہے، اور تمیم وعدی نے خریدنے کا دعوی کیا، اور کہا: ہم نے گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا، اور وارث کو ان کے بیان پر اطمینان نہ ہوا، اور مقدمہ دوبارہ بارگاہِ نبوت میں آیا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

دوسری آیت: پھر اگر اس بات کی اطلاع ہوجائے کہ وہ دونوں کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں ـــــ پس دوسرے دو شخص کھڑے ہوں پہلے دو کی جگہ میں، ان لوگوں میں سے جن کے مقابلہ میں گناہ کا ارتکاب ہوا ہے، اور وہ میت کے قریبی لوگ ہوں ـــــ اِسْتَحَقَّ علیه: اس کے خلاف یعنی اس کے مقابلہ میں حقدار ہوجانا ...... اور: الْأَوْلَیَانِ: الْأَوْلٰی بمعنی الأقرب کا تثنیہ ہے، اور حالتِ رفعی میں ہے، اس لئے کہ وہ الآخران سے بدل ہے ـــــ پس وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں (اور قسم کے ساتھ یہ مضمون بھی ادا کریں کہ) ہماری گواہی یقیناً ان دونوں کی گواہی سے زیادہ راست ہے، اور ہم نے ذرا تجاوز نہیں کیا (اگر ہم نے تجاوز کیا ہوتو) ہم ایسی حالت میں یقیناً سخت ظالم ہونگے ـــــ (چنانچہ عمرو بن العاص جو سہمی مرحوم کے آزاد کرنے والے تھے ـــــ اور ایک اور شخص کھڑے ہوئے اور انھوں نے اس طرح قسم کھائی تو مقدمہ دوبارہ ان کے حق میں فیصل کیا گیا، اور تمیم وعدی کو جام کا ضامن بنایا گیا)

دوبارہ فیصلہ کرنے کی حکمت: (پھر تیسری آیت میں دوبارہ فیصلہ کرنے کی حکمت بیان کی:) ـــــ یہ (یعنی مقدمہ کا دوبارہ فیصلہ کرنا) قریب ذریعہ ہے، اس امر کا کہ وہ (پہلے گواہ) واقعہ کو ٹھیک طور پر ظاہر کریں یا اس بات سے ڈریں کہ ان سے قسمیں لینے کے بعد پھر قسمیں (ورثاء کی طرف) متوجہ کی جائیں گی (اور پانسہ پلٹ جائے گا، اس خوف سے وہ پہلے ہی صحیح بات بیان کریں) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور (اللہ کا حکم) سنو، اور اللہ تعالیٰ حد اطاعت سے نکلنے

والوں کی صحیح راہ نمائی نہیں کرتے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

يَوْمَ (۱)	جس دن	فَيَقُوْلُ	پس دریافت کریں گے	لَا عِلْمَ لَنَا	ہمیں کچھ خبر نہیں!
يَجْمَعُ	جمع کریں گے	مَاذَآ	کیا	اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اُجِبْتُمْ	جواب دیئے گئے تم؟	عَلَّامُ	خوب جاننے والے ہیں
الرُّسُلَ	رسولوں کو	قَالُوْا	وہ عرض کریں گے	الْغُيُوْبِ (۲)	چھپی باتوں کو

گذشتہ امتیں بھی آباء کی تقلید پر اڑی رہیں (دوسری مثال)

گذشتہ رسولوں نے بھی جب اپنی امتوں کو توحید کی دعوت دی تو انھوں نے جواب دیا: ﴿حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾: ہم کو کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا! یعنی ہم شرک ہرگز نہیں چھوڑیں گے، کاش وہ رسولوں کی بات مانتے، اور شرک چھوڑ کر کلمۂ توحید پڑھتے تو آباء کی مخالفت سے ان کا کچھ نہ بگڑتا، نفع ہی ہوتا!

جاننا چاہئے کہ اس دنیا میں تو سب رسول الگ الگ زمانوں میں آئے ہیں، کوئی دو رسول ایک زمانہ میں اکٹھا نہیں ہوئے، مگر قیامت کے دن سب رسول اکٹھا ہونگے، اس وقت ان سبھی سے سوال ہوگا، معلوم ہوا کہ تمام رسولوں کو ان کی امتوں نے ایک ہی جواب دیا ہے۔

اور رسولوں کا لاعلمی ظاہر کرنا یا تو ادباً ہے، سورج کو چراغ دکھانے سے کیا فائدہ! یا نفسی نفسی کا عالم ہوگا، اس وقت رسول انتہائی خوف وخشیت کی وجہ سے کچھ بول نہ سکیں گے، پھر کبھی جب اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کی نظر فرمائیں گے تو کچھ عرض کرسکیں گے۔

آیتِ کریمہ: جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو اکٹھا کریں گے، پس دریافت کریں گے کہ تم کیا جواب دیئے گئے؟ وہ عرض کریں گے: ہمیں کچھ خبر نہیں! آپ ہی سب چھپی باتوں کو خوب جاننے والے ہیں!

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ

(۱) یوم: یجمع کا مضاف ہے (۲) الغیوب: غیب کی جمع ہے: انسان کے علم واحساس سے بالاتر۔

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ
فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ
الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا
بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى
ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا
اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ
اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ
رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ
وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ
بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع

ع ۱۵/۵

اِذْ قَالَ	(یاد کرو) جب فرمایا	بِرُوْحِ الْقُدُسِ	پاکیزہ روح کے ذریعہ	وَالتَّوْرٰىةَ	اور تورات
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	تُكَلِّمُ	بات کرتے ہیں آپ	وَالْاِنْجِيْلَ	اور انجیل
يٰعِيْسَى	اے عیسیٰ	النَّاسَ	لوگوں سے	وَاِذْ تَخْلُقُ	اور جب بناتے ہیں آپ
ابْنَ مَرْيَمَ	مریم کے بیٹے!	فِي الْمَهْدِ	پالنے میں	مِنَ الطِّيْنِ	مٹی سے
اذْكُرْ	یاد کرو	وَكَهْلًا	اور ادھیڑ عمر میں	كَهَيْـَٔةِ	جیسے صورت
نِعْمَتِيْ	میرے احسانات	وَاِذْ عَلَّمْتُكَ	اور جب سکھلایا میں	الطَّيْرِ	پرندے کی
عَلَيْكَ	اپنے اوپر		نے آپ کو	بِاِذْنِيْ	میرے حکم سے
وَعَلٰى وَالِدَتِكَ	اور اپنی والدہ پر	الْكِتٰبَ	قرآن کریم	فَتَنْفُخُ	پس پھونکتے ہیں آپ
اِذْ اَيَّدْتُّكَ	جب قوی کیا میں نے آپ کو	وَالْحِكْمَةَ	اور احادیث	فِيْهَا	اس میں

فَتَكُوْنُ	تو ہو جاتا ہے وہ	وَاِذْ اَوْحَيْتُ	اور جب دل میں ڈالا	قَالُوْا	کہا انھوں نے
طَيْرًا	اڑنے والا		میں نے	نُرِيْدُ	چاہتے ہیں ہم
بِاِذْنِيْ	میرے حکم سے	اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ	حواریوں کے	اَنْ نَّاْكُلَ	کہ کھائیں ہم
وَتُبْرِئُ	اور چنگا کرتے ہیں آپ	اَنْ اٰمِنُوْا	کہ ایمان لاؤ تم	مِنْهَا	اس سے
الْاَكْمَهَ	مادرزاد اندھے کو	بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ	مجھ پر اور میرے رسول پر	وَتَطْمَئِنَّ	اور مطمئن ہوں
وَالْاَبْرَصَ	اور کوڑھی کو	قَالُوْٓا	(تو) کہا انھوں نے	قُلُوْبُنَا	ہمارے دل
بِاِذْنِيْ	میرے حکم سے	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	وَنَعْلَمَ	اور جانیں ہم
وَاِذْ تُخْرِجُ	اور جب نکالتے ہیں آپ	وَاشْهَدْ	اور گواہ رہیں آپ	اَنْ قَدْ	کہ بالیقین
الْمَوْتٰى	مردوں کو	بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ	کہ ہم فرماں بردار ہیں	صَدَقْتَنَا	سچ کہا آپ نے ہم سے
بِاِذْنِيْ	میرے حکم سے	اِذْ قَالَ	(یاد کرو) جب کہا	وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا	اور ہوں ہم اس پر
وَاِذْ كَفَفْتُ	اور جب روکا میں نے	الْحَوَارِيُّوْنَ	حواریوں نے	مِنَ الشّٰهِدِيْنَ	گواہی دینے والوں
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل کو	يٰعِيْسَى	اے عیسیٰ		میں سے
عَنْكَ	آپ سے	ابْنَ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	قَالَ	دعا کی
اِذْ جِئْتَهُمْ	جب پہنچے آپ ان	هَلْ يَسْتَطِيْعُ	کیا طاقت رکھتے ہیں	عِيْسَى	عیسیٰ
	کے پاس	رَبُّكَ	آپ کے پروردگار	ابْنُ مَرْيَمَ	بیٹے مریم نے
بِالْبَيِّنٰتِ	واضح معجزات کے ساتھ	اَنْ يُّنَزِّلَ	کہ اتاریں وہ	اللّٰهُمَّ	اے اللہ!
فَقَالَ	پس کہا	عَلَيْنَا	ہم پر	رَبَّنَآ	اے ہمارے پروردگار!
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	مَآئِدَةً	بھرا ہوا خوان	اَنْزِلْ	اتاریے
كَفَرُوْا	انکار کیا	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	عَلَيْنَا	ہم پر
مِنْهُمْ	ان میں سے	قَالَ	کہا اس نے	مَآئِدَةً	بھرا ہوا خوان
اِنْ هٰذَآ	نہیں ہے یہ	اتَّقُوا اللّٰهَ	ڈرو اللہ سے	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
اِلَّا سِحْرٌ	مگر جادو	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	تَكُوْنُ	ہو وہ
مُّبِيْنٌ	صریح	مُّؤْمِنِيْنَ	ایماندار	لَنَا	ہمارے لئے

عِيۡدًا	خوشی کا دن	خَيۡرُ	بہترین	مِنۡكُمۡ	تم میں سے
لِّاَوَّلِنَا	ہمارے پہلوں کیلئے	الرّٰزِقِيۡنَ	روزی دینے والے ہیں	فَاِنِّىۡۤ	پس بے شک میں
وَاٰخِرِنَا	اور ہمارے پچھلوں کیلئے	قَالَ اللّٰهُ	فرمایا اللہ نے	اُعَذِّبُهٗ	اس کو سزا دونگا
وَاٰيَةً	اور بڑی نشانی	اِنِّىۡ	بے شک میں اس کو	عَذَابًا	ایسی سزا
مِّنۡكَ	آپ کی طرف سے	مُنَزِّلُهَا	اتارنے والا ہوں	لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ	(کہ) میں نے ایسی سزا
وَارۡزُقۡنَا	اور روزی دیں آپ	عَلَيۡكُمۡ	تم پر		نہیں دی ہوگی
	ہمیں	فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ	پس جو انکار کرے گا	اَحَدًا	کسی کو
وَاَنۡتَ	اور آپ	بَعۡدُ	بعد میں	مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ	جہانوں میں سے

بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصلاحات قبول نہیں کیں (تیسری مثال)

کہتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فصل ہے، بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بواسطہ موسیٰ علیہ السلام تورات عنایت فرمائی، ابتداء میں تو انھوں نے تورات پر ٹھیک طرح عمل کیا، مگر جب زمانہ دراز ہو گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے، اور وہ تورات پر عمل میں سست پڑ گئے، اور رفتہ رفتہ ان کے اکثر بددین ہو گئے (سورۃ الحدید آیت ۱۶)

آخر میں بنی اسرائیل میں اللہ کے عظیم الشان رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، انھوں نے بنی اسرائیل کی بے راہ روی کی اصلاح کرنی چاہی، مگر وہ اپنے آباء کی روش پر اڑے رہے، اور نہ صرف یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے، بلکہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح سلامت عنصری بدن کے ساتھ آسمان پر اٹھالیا، ان کے رفع سماوی کے بعد ان کی امت بھی جو یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھی ان کے لائے ہوئے دین پر برقرار نہ رہ سکی، بنی اسرائیل تفریط میں مبتلا ہوئے تھے، یہ افراط میں مبتلا ہو گئے، بنی اسرائیل نے ان کو مسیح ضلالت یعنی دجال قرار دے کر قتل کرنا چاہا تھا، عیسائیوں نے ان کا ڈانڈا اللہ سے ملا دیا، اور ان کو اللہ کا بیٹا قرار دیدیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ کے عظیم احسانات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے ان پر بے شمار انعامات واحسانات فرمائے تھے، اللہ پاک نے یہاں ان پر اپنے پانچ احسانات اور اس کے بعد ان کے پانچ معجزات پھر ان پر تین انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے، ایسے جلیل القدر پیغمبر کی اصلاحات بھی بنی اسرائیل نے قبول نہیں کیں، بلکہ وہ اپنے آباء کی تحریفات پر اڑے رہے:

۱-خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم احسان فرمایا کہ ان کو بغیر باپ کے وجود بخشا، اور اللہ نے ان کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا، پھر ان کو انبیائے بنی اسرائیل کا خاتم بنایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! —— یعنی میرے بیٹے نہیں، عفیفہ مریم کے بیٹے! —— میں نے آپ پر جو احسانات کئے ہیں ان کو یاد کرو، اور ان کا شکر بجالاؤ ﴿اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ﴾۔

۲-حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم بھی باکمال خاتون ہوئی ہیں، سورۃ آلِ عمران اور سورۃ التحریم میں ان کے چند امتیازات بیان فرمائے ہیں:

(الف) حضرت مریمؓ کی والدہ کے مانگے ہوئے لڑکے سے یہ لڑکی بدرجہا بہتر ہے: ﴿لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى﴾۔

(ب) حضرت مریمؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بوقت ولادت شیطانی اثرات سے محفوظ رکھا، وہ دونوں کو مس نہ کرسکا: ﴿اِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾۔

(ج) خلافِ معمول حضرت مریمؓ کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بخوشی قبول فرمایا: ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ﴾

(د) اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو عمدہ طریقہ پر پروان چڑھایا: ﴿وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾۔

(ھ) ان کی تربیت کے لئے بہترین ماحول مہیا کیا، نبی کے گھر میں ان کی پرورش کرائی: ﴿كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾

(و) ان کے پاس بے موسم کے پھل آتے تھے: ﴿وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾

(ز) ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ ظاہر کی، کسی مرد کے چھوئے بغیر ان کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، یہ امتیاز کسی دوسری عورت کو حاصل نہیں ہوا: ﴿فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا﴾

(ح) وہ باکمال بندی تھیں، حدیث میں ہے: ''مرد تو بہت باکمال ہوئے ہیں، اور عورتوں میں سے چند ہی باکمال ہوئی ہیں، ان میں مریمؓ بھی ہیں''

اور اسلاف پر احسانات اولاد پر احسانات ہوتے ہیں، آدم علیہ السلام کو خلافت سے سرفراز کیا تو ان کی اولاد کو بھی یہ امتیاز حاصل ہوا، نزولِ قرآن کے وقت کے بنی اسرائیل کو ان کے آباء پر احسانات یاد دلائے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی فرمایا: آپ کی والدہ پر میں نے جو احسانات کئے ہیں ان کو بھی یاد کریں: ﴿وَعَلٰى وَالِدَتِكَ﴾

۳-حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ کا تیسرا احسان یہ ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر وقت ان کے ساتھ رہتے تھے، ان کی پشت پناہی آپ کو حاصل تھی، تاکہ یہود باوجود سخت مخالفت کے آپ کو قتل نہ کرسکیں، ویسے ہر انسان کی فرشتے

حفاظت کرتے ہیں:﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾: اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں وہ فرشتے جو انسان کے آگے اور پیچھے باری باری سے آنے والے ہیں جو امر الٰہی سے اس کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں (سورۃ الرعد) اور نبی ﷺ کی بلا واسطہ اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے تھے:﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾: اور اللہ تعالیٰ آپؐ کو لوگوں سے محفوظ رکھتے ہیں [المائدۃ ۶۷] اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے حفاظت فرماتے تھے۔

۴- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی جب وہ گود کے بچے تھے، لوگوں کو توحید و رسالت کی دعوت دی تھی، انھوں نے لوگوں سے فرمایا تھا: ''میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے کتاب عنایت فرمائیں گے، اور مجھے بابرکت بنائیں گے''، یعنی رسالت سے سرفراز فرمائیں گے (سورۃ مریم)

پھر ادھیڑ عمر میں یعنی چالیس سال میں، جب آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تو بھی لوگوں کو یہی توحید کی دعوت دی، اور اپنا بندہ ہونا لوگوں کے سامنے ظاہر کیا۔

۵- اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن وحدیث اور تورات وانجیل سکھلائی، انجیل: تورات کا تتمہ اور ضمیمہ ہے، اللہ نے پہلے زمانہ میں آپ کو تورات کا علم دیا، اور آپ پر انجیل نازل فرمائی، اور آخر زمانہ میں جب ان کا آسمان سے نزول ہوگا: قرآن وحدیث سکھلائیں گے، اس لئے کہ وہ نزول کے بعد شریعت محمدی کی پیروی کریں گے، اور اسی کے مطابق اس امت کی راہ نمائی فرمائیں گے، اور انبیاء کو اللہ تعالیٰ سکھلاتے ہیں، وہ کسی سے پڑھتے نہیں، یہی مضمون سورۃ آلِ عمران میں بھی ہے۔

﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ ﴾

ترجمہ: (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (۱و۲) اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! یاد کریں اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر میرے احسانات (۳) جب میں نے آپ کو پاکیزہ روح کے ذریعہ قوی کیا (۴) آپ لوگوں سے گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کرتے ہیں (۵) اور جب میں نے آپ کو قرآن وحدیث اور تورات وانجیل سکھلائی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور ان پر اللہ کے انعامات

حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوتِ حق پر مامور ہوتے ہیں، ان کو اثباتِ دعوی کے لئے اور لوگوں کو قائل ومائل کرنے کے لئے بطور حجت معجزات عطا کئے جاتے ہیں، ہر پیغمبر کو اس کے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق معجزات دیئے جاتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا، اس لئے ان کو عصا اور ید بیضاء کے معجزات

عطا ہوئے، اور عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ طب وحکمت کا زمانہ تھا، اس لئے آپ کو مادرزاد نابینا کو بینا کرنے کا اور کوڑھی کو چنگا کرنے کے معجزات دیئے گئے، اور ساتھ ہی اللہ کی کتابیں تورات وانجیل بھی دی گئیں، جو دعوت پر مشتمل تھیں۔

اور ہر رسول کو بڑے معجزات کے ساتھ چھوٹے معجزات بھی دیئے جاتے ہیں، جو برکات واحسانات کے قبیل سے ہوتے ہیں، جیسے ہمارے نبی ﷺ کا زندۂ جاوید معجزہ تو قرآنِ کریم ہے، جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا، اس کے علاوہ آپؐ کو دیگر بہت سے معجزات بھی دیئے گئے، جن کا تذکرہ روایتوں میں آیا ہے، وہ حدیثیں حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی ثم مدنی رحمہ اللہ نے ترجمان السنہ جلد چہارم میں جمع کردی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پانچ معجزات کا تذکرہ فرمایا:

۱- آپ مٹی سے کوئی فرضی پرندہ بناتے تھے، آج تو آرٹ (فن) نے ترقی کرلی ہے، بچے بھی فرضی پرندوں کی تصویریں بناتے ہیں، کارخانے گڑیا بناتے ہیں، اور کمپیوٹر بھی ڈیزائن بناتا ہے، مگر چار ہزار سال پہلے لوگ آرٹ سے واقف نہیں تھے، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندہ کی صورت بناتے تھے، اور وہ یہ کام اللہ کے حکم سے کرتے تھے، تاکہ آگے ان کا معجزہ ظاہر ہو۔

۲- پھر وہ اس مٹی کے ڈھانچہ میں پھونک مارتے تھے تو وہ اڑ جاتا تھا، وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہوتا تھا۔

۳و۴- پیدائشی اندھے کو آج بھی ڈاکٹری بینا نہیں کرسکتی، اور کوڑھی کی سفید کھال کو خوبصورت کھال میں نہیں بدل سکتی، مگر عیسیٰ علیہ السلام ہاتھ پھیرتے تھے تو مادرزاد اندھا بینا ہوجاتا تھا، اور کوڑھی چنگا ہوجاتا تھا، ایسا اللہ کے حکم سے ہوتا تھا۔

۵- آپ قبر میں مدفون مردے سے کہتے تھے: ''زندہ ہوکر نکل آ'' وہ نکل آتا تھا، یہ کام بھی آپ اللہ کے حکم سے کرتے تھے۔

ملحوظہ: ﴿بِإِذْنِىْ﴾ کی تکرار عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی نفی کے لئے ہے، یعنی وہ یہ کام اپنے ذاتی اختیار سے نہیں کرتے تھے، بہ اذنِ الٰہی کرتے تھے، وہ محض واسطہ ہوتے تھے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام ہوتے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے تین احسانات کا تذکرہ فرمایا:

۱- یہودی آپ کے کٹر دشمن تھے، جب آپ مذکورہ واضح معجزات کے ساتھ ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے ان معجزات کو کھلا جادو قرار دیا، اور ان کو دجالِ اکبر سمجھا، اور وہ آپ کے قتل کے درپے ہوئے، مگر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو آپ سے باز رکھا، ان کا ہاتھ آپ تک نہیں پہنچنے دیا، زندہ سلامت آپ کو آسمان پر اٹھالیا۔

۲- اللہ تعالیٰ مردہ سے زندہ نکالتے ہیں، مردہ دل بنی اسرائیل میں سے چند اشخاص کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ اللہ پر اور اللہ کے رسول عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں، چنانچہ وہ مگرمچھ کے منہ میں اس کام کے لئے تیار ہوگئے، وہ ایمان لائے اور اللہ کے فرمان بردار بندے بنے، کہتے ہیں: وہ بارہ افراد تھے، جو حواری (خاص مددگار) کہلائے، انہیں کی محنت

سے بعد میں عیسائیت کو فروغ نصیب ہوا۔

۳-حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ دعا فرمائیں: اللہ تعالیٰ آسمان سے کھانوں سے بھرا ہوا دسترخوان نازل فرمائیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: توبہ! توبہ! تم ایماندار ہو کر کیسی درخواست کرتے ہو؟

انھوں نے کہا: ہم یہ درخواست چار وجوہ سے کرتے ہیں: اول: اس لئے کہ ہم آسمانی نعمتیں کھائیں، دوم: اس وجہ سے کہ ہمیں طمانینتِ قلبی حاصل ہو، سوم: اس وجہ سے کہ آپ پر ہمارا ایمان مضبوط ہو، چہارم: اس وجہ سے کہ دنیا کے سامنے ہم علی وجہ البصیرت آپ کی رسالت کی گواہی دیں۔

جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے درخواست کی تھی، جس کا تذکرہ سورۃ البقرۃ میں آیا ہے کہ پروردگار! مجھے دکھلایئے: آپ کس طرح مردوں کو زندہ کریں گے؟ اللہ نے پوچھا: کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! میری درخواست اس وجہ سے ہے کہ میرا دل اس صفت پر خوب مطمئن ہوجائے، چنانچہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت کا مشاہدہ کرایا۔

عیسیٰ علیہ السلام نے بھی نزول مائدہ کے لئے دعا فرمائی، اور عرض کیا: یہ واقعہ ہمارے لئے یعنی موجودین کے لئے اور میری امت کے اگلوں پچھلوں کے لئے ایک خوشی کا دن ہو، وہ اس دن یادگار منائیں، اور وہ میرا معجزہ ہو، اور آپ کی کھانے کی دعوت ہو، آپ بہترین روزی رساں ہیں۔

اللہ کی طرف سے جواب آیا: میں نعمتوں سے بھرا ہوا خوان اتاروں گا، مگر مطلوبہ معجزہ دیکھنے کے بعد جو انکار کریگا اس کو ایسی سزا دونگا کہ نانی یاد آجائے گی!

یہی اللہ کی سنت ہے، وہ از خود انبیاء کو معجزات عنایت فرماتے ہیں، پھر ان کو کوئی مانے یا نہ مانے: سزا نہیں دیتے، لیکن اگر کوئی قوم کسی خاص معجزہ کا مطالبہ کرے، اور وہ دکھلایا جائے اور لوگ نہ مانیں تو وہ ہلاک کئے جاتے ہیں، جیسے صالح علیہ السلام کی قوم نے ایک خاص چٹان سے اونٹنی نکالنے کا مطالبہ کیا، یہ معجزہ ان کو دکھلایا گیا، مگر قوم نے اس اونٹنی کو مار ڈالا تو پوری قوم تباہ کردی گئی، یہاں بھی اسی سنتِ قدیمہ کا ذکر ہے۔

پھر کیا ہوا؟ مائدہ اترا یا نہیں؟ قرآن وحدیث میں اس کی وضاحت ہے نہ اشارہ[1] بعض کہتے ہیں: چالیس روز تک مسلسل خوان اترتا رہا، اور حکم دیا کہ کھاؤ، مگر ذخیرہ مت کرو، عیسائیوں نے خلاف ورزی کی، ذخیرہ کیا، تو وہ سور بندر بنادیئے

(۱) ترمذی شریف میں ایک روایت (نمبر ۳۰۸۵) ہے کہ خوان: روٹی اور گوشت کی شکل میں نازل ہوتا تھا، اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ خیانت نہ کریں، مگر انھوں نے ذخیرہ کیا تو وہ سور اور بندر بنادیئے گئے، یہ مرفوع حدیث نہیں ہے، بلکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے یعنی صحابی کا بیان ہے ۱۲

گئے، ایک مرتبہ پہلے بھی یہودی مچھیروں کو سور بندر بنایا جا چکا تھا، اور بعض حضرات کہتے ہیں: نہیں اترا، دھمکی سن کر مانگنے والوں نے درخواست واپس لے لی، واللہ اعلم! (تفصیل کے لئے دیکھیں تحفۃ الالمعی ۷: ۲۳۲)

﴿ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ ﴾

ترجمہ: (عیسیٰ علیہ السلام کے پانچ معجزات: (۱) اور آپ مٹی سے پرندے کی صورت جیسی شکل بناتے تھے، میرے حکم سے (۲) پس پھونک مارتے ہیں آپ اس میں پس ہو جاتا ہے وہ اڑنے والا، میرے حکم سے (۳و۴) اور چنگا کرتے ہیں آپ مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے (۵) اور جب آپ مردوں کو نکالتے ہیں، میرے حکم سے۔

﴿ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۱۰ ﴾

ترجمہ: (عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا پہلا انعام واحسان:) اور جب میں نے بنی اسرائیل کو آپ سے باز رکھا، جب آپ ان کے پاس واضح معجزات کے ساتھ پہنچے تو ان میں سے منکرین نے کہا: ''یہ کھلا جادو ہی ہے!''

﴿ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝۱۱۱ ﴾

ترجمہ: (عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا دوسرا انعام واحسان:) اور (یاد کرو) جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، تو انھوں نے کہا: ہم ایمان لائے، اور آپ گواہ رہیں کہ ہم فرماں برداروں میں سے ہیں —— یعنی شدید مخالفت کے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے چند مخلص ساتھیوں (حواریوں) کو کھڑا کر دیا، جنھوں نے قدم قدم پر آپ کا ساتھ دیا، اور آپ کے رفع سماوی کے بعد آپ کے دین کی اشاعت کی، یہ آپ پر اللہ کا فضل وکرم ہے۔

﴿ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۲ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۱۱۳ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۱۱۴ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۱۵ ﴾

ترجمہ: (عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا تیسرا انعام واحسان:) (یاد کرو) جب حواریوں نے کہا: اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا آپ کے پروردگار ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے کھانوں سے بھرا ہوا خوان اتاریں؟ اس نے کہا: اللہ سے ڈرو، اگر تم ایماندار ہو! —— انھوں نے کہا: (اول) ہم چاہتے ہیں کہ اس سے کھائیں (دوم) اور ہمارے دل مطمئن ہوں (سوم) اور ہم جان لیں کہ بالیقین آپ نے ہم سے سچ کہا (چہارم) اور ہم اس پر گواہی دینے والوں سے ہوں —— عیسیٰ بن مریم نے دعا کی: الٰہی! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے نعمتوں سے بھرا ہوا خوان اتار، جو ہمارے لئے، اور ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے خوشی کا دن ہو، اور آپ کی طرف سے بڑی نشانی (معجزہ) ہو، اور ہمیں روزی عنایت فرمائیں، اور آپ ہی بہترین روزی رساں ہیں!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس کو تم پر اتارنے والا ہوں، پس جو اس کے (نزول کے) بعد تم میں سے انکار کرے گا تو میں اس کو سزا دوں گا، ایسی سزا کہ کسی کو نہیں دی ہوگی میں نے وہ سزا جہاں والوں میں سے!

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ڲ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

ع ۱۶

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	يٰعِيْسَى	اے عیسیٰ	ءَاَنْتَ قُلْتَ	کیا آپ نے کہا
قَالَ اللّٰهُ	فرمایا اللہ نے	ابْنَ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	لِلنَّاسِ	لوگوں سے

اتَّخِذُوْنِیْ	بناؤ مجھے	مَا قُلْتُ لَهُمْ	نہیں کہا میں نے ان سے	عِبَادُكَ	آپ کے بندے ہیں
وَ اُمِّیَ	اور میری ماں کو	اِلَّا مَآ	مگر جو	وَاِنْ تَغْفِرْ	اور اگر بخش دیں آپ
اِلٰهَیْنِ	دو معبود	اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ	حکم دیا آپ نے مجھے اس کا	لَهُمْ	ان کو
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے ورے	اَنِ اعْبُدُوا	کہ عبادت کرو	فَاِنَّكَ اَنْتَ	تو بے شک آپ ہی
قَالَ	جواب دیا اس نے	اللّٰهَ	اللہ کی	الْعَزِیْزُ	زبردست
سُبْحٰنَكَ	آپ کی ذات پاک ہے!	رَبِّیْ	میرے پروردگار	الْحَكِیْمُ	حکمت والے ہیں
مَا یَكُوْنُ لِیْٓ	نہیں زیبا تھا میرے لئے	وَ رَبَّكُمْ	اور تمہارے پروردگار	قَالَ	فرمایا
اَنْ اَقُوْلَ	کہ کہتا میں	وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ	اور تھا میں ان پر	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
مَا لَیْسَ لِیْ	وہ جو نہیں تھا مجھے	شَهِیْدًا	گواہ	هٰذَا	یہ
بِحَقٍّ	کوئی حق (اس کے کہنے کا)	مَّا دُمْتُ	جب تک رہا میں	یَوْمُ	دن
اِنْ كُنْتُ	اگر تھا میں	فِیْهِمْ	ان میں	یَنْفَعُ	نفع پہنچائے گا
قُلْتُهٗ	کہا ہوتا میں نے اس کو	فَلَمَّا	پھر جب	الصّٰدِقِیْنَ	سچوں کو
فَقَدْ	تو بالیقین	تَوَفَّیْتَنِیْ (۱)	وصول کر لیا آپ نے مجھے	صِدْقُهُمْ	ان کا سچ
عَلِمْتَهٗ	آپ اس کو جانتے ہوتے	كُنْتَ اَنْتَ	(تو) تھے آپ ہی	لَهُمْ	ان کے لئے
تَعْلَمُ	آپ جانتے ہیں	الرَّقِیْبَ	نگہبان	جَنّٰتٌ	باغات ہیں
مَا فِیْ نَفْسِیْ	جو میرے جی میں ہے	عَلَیْهِمْ	ان پر	تَجْرِیْ	بہتی ہیں
وَلَآ اَعْلَمُ	اور میں نہیں جانتا	وَاَنْتَ	اور آپ	مِنْ تَحْتِهَا	ان میں
مَا فِیْ نَفْسِكَ	جو آپ کے جی میں ہے	عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز پر	الْاَنْهٰرُ	نہریں
اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی	شَهِیْدٌ (۲)	گواہ ہیں	خٰلِدِیْنَ	ہمیشہ رہنے والے
عَلَّامُ	خوب جاننے والے ہیں	اِنْ تُعَذِّبْهُمْ	اگر سزا دیں آپ ان کو	فِیْهَآ	ان میں
الْغُیُوْبِ	چھپی باتوں کو	فَاِنَّهُمْ	پس بے شک وہ	اَبَدًا	سدا

(۱) توفّیتَ: تَوَفِّیْ سے ماضی، صیغہ واحد مذکر حاضر، ن وقایہ، ی ضمیر واحد متکلم، تَوَفِّیْ کے اصل معنی: پورا لینا، رفع، موت اور نیند: تینوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں: ہدایت القرآن ۱:۴۱۶ (۲) شہادت کے مفہوم میں واقف ہونا ہے۔

رَضِيَ	خوش ہوئے	اَلْفَوْزُ الْعَظِيْمُ	بڑی کامیابی ہے	وَمَا فِيْهِنَّ	اوراس کی جوان میں ہے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے	وَهُوَ	اور وہ
عَنْهُمْ	ان سے	مُلْكُ	حکومت	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
وَرَضُوْا عَنْهُ	اور خوش ہوئے وہ ان سے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کی	قَدِيْرٌ	پوری قدرت والے
ذٰلِكَ	یہ	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی		ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت بھی توحید پر قائم نہ رہ سکی

گذشتہ رکوع اس آیت سے شروع ہوا ہے: ﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ ﴾: جب میدان قیامت میں تمام رسول اکٹھا ہونگے تو ان کی امتوں کو سنانے کے لئے اللہ تعالیٰ تمام رسولوں سے سوال کریں گے: ''جب تم نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی تو کیا جواب ملا؟'' اس وقت کسی رسول میں ہمت نہیں ہوگی کہ جواب دے سکے، جیسے سورۃ المؤمن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل محشر سے سوال کریں گے: ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ﴾: بتاؤ آج کس کی بادشاہت ہے؟ کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا، خود ہی ارشاد فرمائیں گے: ﴿ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾: ایک غالب اللہ ہی کی حکومت ہے! —— اسی طرح انبیائے کرام عرض کریں گے: ''ہمیں کچھ خبر نہیں! آپ ہی سب چھپی باتوں کو خوب جانتے ہیں!'' —— یہی سوال قیامت کے دن دوسرے انداز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوگا کہ آپ نے لوگوں کو یہ تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ سے نیچے معبود بنالو، یعنی آپ نے لوگوں کو شرک کی تعلیم دی تھی، جس کو آج عیسائی اپنائے ہوئے ہیں؟ عیسیٰ علیہ السلام اس کا جواب دیں گے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جواب ان کے سامنے کر دیا ہے، یہ بات ترمذی شریف کی حدیث (نمبر ۳۰۸۶) میں آئی ہے، آخر زمانہ میں جب عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کو قرآن و حدیث سکھلائیں گے تو یہ جواب ان کے علم میں آئے گا، اور وہ یہی جواب دیں گے۔

جاننا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت صرف بنی اسرائیل کے لئے ہوئی تھی، سورۃ الصّف میں اس کی صراحت ہے، عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی گمراہیوں کی اصلاح کرنی چاہی، مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا، صرف بارہ حواریوں نے ان کی دعوت قبول کی، پھر ان کی محنت سے عیسائیت کو فروغ نصیب ہوا، سورۃ الصّف کی آخری آیت میں اس کا بیان ہے، مگر کچھ ہی عرصہ بعد عیسائیوں میں توحید کی جگہ تثلیث نے لے لی، شروع میں تیسرا عنصر حضرت مریم تھیں، بعد میں اس کی جگہ روح القدس نے لے لی۔

چنانچہ میدانِ قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوگا کہ کیا آپ نے لوگوں کو یہ تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو خدا

کے سوا معبود مانو؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے: آپ کی ذات پاک ہے یعنی خدائی میں آپ کا کوئی شریک وسہیم نہیں، پھر میں ایسی نازیبا بات کیسے کہہ سکتا ہوں؟ مجھ کو لائق نہیں کہ میں ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو وہ آپ کے علم میں ہوتی، آپ جو کچھ میرے جی میں ہے اس کو جانتے ہیں، اور میں اس کو نہیں جانتا جو آپ کے جی میں ہے، بیشک آپ ہی چھپی باتوں کو خوب جاننے والے ہیں، میں نے تو ان سے بس یہ بات کہی تھی جس کے کہنے کا آپ نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ اللہ کی بندگی کرو، جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، اور میں ان کے احوال سے باخبر رہا جب تک میں ان میں رہا، یعنی میری دنیا میں موجودگی تک کسی نے مجھے اور میری ماں کو معبود نہیں بنایا، پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ ہی ان کے نگہبان تھے، اور آپ تو ہر چیز کے نگہبان ہیں، اگر آپ ان کو سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں یعنی آپ کو سزا دینے کا پورا حق ہے، اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو آپ زبردست حکمت والے ہیں۔

یہ سوال وجواب قرآنِ کریم میں دو مقاصد سے نازل کئے گئے ہیں:

پہلا مقصد: جو ظاہر ہے کہ دنیا میں یہ سوال وجواب عیسائیوں کو سنائے گئے ہیں، تاکہ ان کو معلوم ہوجائے کہ وہ جس کو معبود مان رہے ہیں وہ تو خود قیامت کے دن اپنی بندگی کا اقرار کریں گے، اور ان کی بہتان تراشی سے براءت ظاہر کریں گے۔

دوسرا مقصد: جو دقیق ہے، اور وہ حدیث میں آیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ان کا جواب دنیا ہی میں کردیا گیا تاکہ وہ اس کو لے لیں، اور قیامت کے دن جب انتہائی خوف ناک منظر ہوگا، وہ بے خوف ہوکر یہ جواب عرض کریں۔

فائدہ: اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزولِ قرآن کے بعد دنیا میں تشریف لائیں گے، جبھی ان کے سامنے ان کا یہ جواب آئے گا، آپ نزول کے بعد قرآنِ کریم پڑھیں گے، اور اپنے اس جواب سے واقف ہونگے، اور قیامت کے دن یہ جواب عرض کریں گے، ورنہ اللہ کے علاوہ کوئی عالم الغیب نہیں، پھر ان کو کیسے اپنے اس جواب کا علم ہوگا؟

دنیا سے تشریف بری کے بعد انبیاء علیہم السلام کو امت کے احوال کی خبر نہیں ہوتی

انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں، جب تک وہ دنیا میں رہتے ہیں امت کے احوال سے واقف رہتے ہیں، اسی لئے قیامت کے دن وہ اپنے زمانہ کے لوگوں پر گواہ بنیں گے، پھر جب وہ دنیا سے گذر جاتے ہیں تو امت کن احوال سے گذرتی ہے: اس کا انبیاء کو علم نہیں ہوتا —— رہا عرضِ اعمال تو وہ اجمالاً ہوتا ہے، ہر ہر امتی کے احوال تفصیل سے نہیں بتائے جاتے —— حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی عرض کریں گے کہ میں جب تک ان میں رہا ان کے احوال سے واقف رہا، پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو مجھے پیچھے کی کچھ خبر نہیں —— اور حدیث میں ہے کہ فرشتے نبی ﷺ سے عرض کریں

گے: یہ لوگ برابر اپنی ایڑیوں پر پلٹتے رہے جب سے آپ ان سے جدا ہوئے، پس نبی ﷺ وہی بات کہیں گے جو عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے۔

انبیاء آخرت میں کفار و مشرکین کے حق میں کلمۂ خیر کہیں گے، مگر وہ قبول نہیں کیا جائے گا

﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ﴾ الآیۃ کلمۂ خیر ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی تثلیث کی قائل امت کے حق میں کہیں گے، مگر وہ قبول نہیں کیا جائے گا، ہمارے نبی ﷺ بھی اپنی امتِ دعوت کے حق میں یہی کلمہ کہیں گے اور حوضِ کوثر سے جب مرتدین کو ہٹایا جائے گا تو آپ فرمائیں گے: یہ میرے صحابہ ہیں! ان کو آنے دو، مگر فرشتے نہیں آنے دیں گے، کلمہ خیر ان کے حق میں مفید نہیں ہوگا، عیسیٰ علیہ السلام کو جواب ملے گا: جو لوگ اہل ایمان ہیں، اعتقاداً، قولاً اور عملاً سچے ہیں ان کی سچائی کا پھل ان کو ملے گا، ان کو ایسے باغات میں داخل کیا جائے گا جن میں نہریں بہتی ہیں، اس لئے وہ سدا بہار ہیں، اہل ایمان ان میں ہمیشہ رہیں گے، کبھی وہاں سے نکلنا نہ ہوگا، اور وہاں سب سے بڑی نعمت رضائے الٰہی ہوگی، اور جنتی بھی اللہ کی رضا پر مگن ہونگے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے!

اللہ تعالیٰ شہنشاہِ مطلق ہیں

کائنات کی حکومت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، فی الحال لوگوں کی جو مجازی ملکیتیں ہیں جزاء کے دن سب ختم ہو جائیں گی: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ جزاء کے دن اللہ ہی مالک رہ جائیں گے، اللہ تعالیٰ اس دن مکلّف مخلوقات (جنّ وانس) کے ساتھ کیا معاملہ کریں گے؟ اس کا تذکرہ قرآنِ کریم میں بار بار آیا ہے، سورۃ النساء میں دو جگہ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾: جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بنایا ہے اس کی ہرگز بخشش نہیں ہوگی، اس کے حق میں کسی کا کلمۂ خیر (سفارش) نہیں سنا جائے گا، آیت الکرسی میں ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾: کون ہے جو بے اجازت اللہ کے سامنے سفارش کرے؟ کوئی نہیں! اور کفار و مشرکین کے حق میں سفارش کی اجازت نہیں ملے گی، اور نیک مؤمنین نہال کر دیئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، وہ اپنی مخلوق کے حق میں جو چاہیں فیصلہ فرمائیں، کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

﴿ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾

ترجمہ: (اللہ پاک کا قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام سے سوال:) اور (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ دریافت فرمائیں گے: اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا: مجھے اور میری ماں کو اللہ سے نیچے دو معبود بنالو؟

﴿قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لِيۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَيۡسَ لِيۡ بِحَقٍّ ؕ اِنۡ كُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ ؕ تَعۡلَمُ مَا فِيۡ نَفۡسِيۡ وَلَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِيۡ نَفۡسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ۝ مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِيۡ بِهٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيۡ وَرَبَّكُمۡ ۚ وَكُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا مَّا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِيۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَاَنۡتَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ شَهِيۡدٌ ۝﴾

ترجمہ: (عیسیٰ علیہ السلام کا جواب:) وہ جواب دیں گے: آپ کی ذات (شرک سے) پاک ہے! میرے لئے زیبا نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں! اگر میں نے وہ بات کہی ہوتی تو اس کو آپ جانتے ہوتے، آپ میرے دل کی باتیں جانتے ہیں، اور میں آپ کے جی کی باتیں نہیں جانتا، آپ ہی چھپی باتوں کو خوب جاننے والے ہیں، میں نے ان سے وہی بات کہی تھی، جس کے کہنے کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو، جو میرے پروردگار ہیں اور تمہارے پروردگار ہیں! اور میں ان کے احوال سے باخبر رہا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب آپ نے مجھے پورا لے لیا تو آپ ہی ان کے نگہبان رہے! اور آپ ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہیں!

﴿اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝﴾

ترجمہ: (عیسیٰ علیہ السلام کا قائلین تثلیث کے حق میں کلمۂ خیر:) اگر آپ ان کو سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں، اور اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ ہی یقیناً زبردست بڑی حکمت والے ہیں!

﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوۡمُ يَنۡفَعُ الصّٰدِقِيۡنَ صِدۡقُهُمۡ ؕ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۝﴾

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے کلمہ خیر قبول نہیں فرمایا:) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آج کے دن سچوں (نیک مؤمنوں) کو ان کا سچ (ایمان و عمل صالح) سودمند ہوگا، ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہونگے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش ہونگے، یہی بڑی کامیابی ہے!

﴿لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا فِيۡهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝﴾

ترجمہ: (سفارش قبول نہ کرنا قادر مطلق کا فیصلہ ہے:) اللہ ہی کے لئے حکومت ہے آسمانوں کی اور زمین کی، اور ان چیزوں کی جو ان میں ہیں، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

﴿بحمد اللہ تعالیٰ! آج ۱۴ ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ مطابق ۲ جنوری ۲۰۱۸ء کو سورۃ المائدہ کی تفسیر پوری ہوئی﴾

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورۃ الانعام

سورت نمبر ٦ رکوع ٢٠ آیتیں ١٦٥ نزول کی نوعیت مکی نزول کا نمبر ٥٥

الأنعام: النَّعَم کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں: مویشی، پالتو چوپایے، اس سورت میں اَنعام کی حلت وحرمت کا بیان اور اہل مکہ کے بعض مشرکانہ خیالات اور ان کی خود ساختہ رسموں کی تردید ہے: اس لئے اس کا نام **الأنعام** رکھا گیا ہے، پس یہ جزء سے کل کا نام رکھا ہے، اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ پوری سورت ایک ساتھ نازل ہوئی ہے، اور اس کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام اس سورت کو لے کر اترے تو ان کے جلو میں ستّر ہزار فرشتے تھے، جو سب تسبیح پڑھ رہے تھے۔

یہ پوری سورت مکی ہے، البتہ چند آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں، جیسے آیت ۹۱ جس میں یہود سے خطاب ہے، اور یہ مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۵۵ ہے، مکی سورتیں کل ۸۵ ہیں، یہ دور سخت مخالفت کا تھا، مشرکوں نے مسلمانوں کے لئے مکہ مکرمہ میں جینا حرام کر رکھا تھا، مجبور ہو کر صحابہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔

اس سورت میں تسلسل اور غیر معمولی ارتباط پایا جاتا ہے، البتہ اس کا انداز دوسری سورتوں سے قدرے مختلف ہے، یہ سورت اسلام کے تین بنیادی عقائد: توحید، رسالت اور آخرت کے بیان سے شروع ہوئی ہے، سورۃ المائدۃ توحید کے بیان پر تمام ہوئی ہے، یہ سورت اسی مضمون سے شروع ہوئی ہے۔

اور حضرت الاستاذ شیخ محمود عبد الوہاب محمود مصری قدس سرہ (مبعوث الازہر) نے ایک کلمہ میں اس سورت کی خصوصیت بیان کی ہے، فرمایا: **الأنعامُ فی الغدیر**: مویشی تالاب میں! بھینس جب تالاب میں گھستی ہے تو نکلتی نہیں، اس سورت میں بھی اگر متشابہ لگ جائے یا حصر واقع ہو جائے تو جب تک لقمہ نہ ملے حافظ آگے نہیں چل سکتا، اسی طرح اس کی ہر آیت میں نیا مضمون ہوتا ہے، پس ربط بھی غور سے سمجھ میں آئے گا۔

''اس سورت کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اس میں ایمانیات اور عقائد پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، اللہ کے وجود اور اللہ کی توحید وصفات پر ان نشانیوں سے استدلال کیا گیا ہے، جو انسان کے وجود میں چھپی ہوئی اور کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں، نبوت اور وحی کے نظام کو عقل اور محسوسات سے ثابت کیا گیا ہے اور مشرکین کے شبہات کا رد کیا گیا ہے، اسی طرح آخرت پر بھی عقلی دلیلیں پیش کی گئی ہیں، اس سورت میں ایک بنیادی بات یہ کہی گئی ہے کہ دین حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمد ﷺ تک ایک ہی رہا ہے، یعنی اسلام 'وحدت دین' کا قائل ہے، نہ کہ 'وحدت ادیان' کا، غرض کہ یہ سورہ ایمانیات اور ان کے دلائل وبراہین کے اعتبار سے امتیازی شان رکھتی ہے'' (آسان تفسیر، مولانا خالد سیف اللہ)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۲﴾ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾

اَلْحَمْدُ (۱)	تمام تعریفیں	كَفَرُوْا	اسلام کو قبول نہیں کیا	ثُمَّ اَنْتُمْ	پھر (بھی) تم
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہیں	بِرَبِّهِمْ	اپنے پروردگار کے ساتھ	تَمْتَرُوْنَ (۳)	شک کرتے ہو!
الَّذِیْ	جس نے	یَعْدِلُوْنَ (۲)	برابر ٹھہراتے ہیں!	وَهُوَ اللّٰهُ	اور وہی اللہ (معبود) ہیں
خَلَقَ	پیدا کیا	هُوَ الَّذِیْ	وہی ہیں جنھوں نے	فِی السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو	خَلَقَكُمْ	تم کو پیدا کیا	وَفِی الْاَرْضِ	اور زمین میں
وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	مِّنْ طِیْنٍ	مٹی سے	یَعْلَمُ	جانتے ہیں وہ
وَجَعَلَ	اور بنایا	ثُمَّ قَضٰۤی	پھر فیصلہ کیا	سِرَّكُمْ	تمہارے چھپے کو
الظُّلُمٰتِ	اندھیروں (رات) کو	اَجَلًا	ایک مقررہ وقت (موت) کا	وَجَهْرَكُمْ	اور تمہارے کھلے کو
وَالنُّوْرَ	اور اجالے (دن) کو	وَاَجَلٌ مُّسَمًّی	اور ایک دوسرا مقررہ وقت ہے	وَیَعْلَمُ	اور جانتے ہیں وہ
ثُمَّ الَّذِیْنَ	پھر (بھی) جن لوگوں نے	عِنْدَهٗ	ان کے پاس	مَا تَكْسِبُوْنَ	جو کچھ تم کرتے ہو

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

توحید کا بیان

عالَم: ما سوی اللہ: اللہ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اس کا نام عالَم ہے، اس کو کائنات بھی کہتے ہیں، اس کی بنیادی حصے

(۱) **الحمد:** پر الف لام استغراقی ہیں، اس کا ترجمہ ہے: سب، تمام (۲) **یعدلون:** عَدْل سے مضارع باب ضرب: برابر کرنا یعنی الوہیت میں کسی چیز کو اللہ کے برابر ٹھہرانا، یہی انصاف (آدھا آدھا) کرنا ہے (۳) **تمترون:** اِمْتِرَاءٌ: کسی ایسی چیز کے بارے میں جھگڑنا جس میں تردد ہو، المِرْیَة: جھگڑا، ما فیه مِرْیَة: اس میں کوئی جھگڑا / شک نہیں۔

دو ہیں: عالم بالا اور عالم زیریں، آسمانوں سے اوپر عالم بالا ہے، اس میں جنت وجہنم ہیں، اور عالم زیریں میں نظام شمسی ہے، جس کا ایک حصہ ہماری زمین ہے، اور اس میں انسان آباد ہیں۔

تقریباً تمام انسان متفق ہیں کہ کائنات اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے، ان کے سوا کوئی خالق نہیں، البتہ مجوسی (آتش پرست) یہ مانتے ہیں کہ خالق دو ہیں: یزداں اور اہرمن، اول خیر کا خالق ہے، اور ثانی شر کا، اور مسلمانوں میں معتزلہ انسان کو اپنے افعالِ اختیاریہ کا خالق مانتے ہیں، اور دہریئے (ملحد، لامذہب) عالم کو خودکار (Automatic) مانتے ہیں، باقی سب لوگ اللہ تعالیٰ ہی کو عالم کا خالق مانتے ہیں، اور جو خالق ہوگا وہی مالک ہوگا، اور جو مالک ہوگا وہی اپنی مخلوقات کی روزی روٹی کا انتظام کرے گا، اور جو پروردگار ہوگا وہی معبود ہوگا، یہ بالکل موٹی سی بات ہے، جس کا انکار بے عقلی کی بات ہے۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ میں توحید الوہیت کا بیان ہے، حمد (تعریف) کسی کمال پر کی جاتی ہے، اور تمام کمالات بالذات اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، دوسروں کو جو بھی کمال ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دَین ہے، اور سب سے بڑا کمال الوہیت ہے، پس وہ بھی اللہ کے ساتھ خاص ہوگا، دوسرا کوئی ان کی الوہیت میں شریک وسہیم نہیں ہوگا۔

دلائل توحید:

اللہ تعالیٰ نے عالم زیریں میں آسمان وزمین بنائے، اس میں نظامِ شمسی رکھا، جس سے شب وروز کا نظام وابستہ ہے، اندھیرا یعنی رات مقدم ہے، اور اجالا یعنی دن مؤخر ہے، اسلامی کلینڈر میں اسی طرح ہے، سورج کے وجود میں آنے سے پہلے زمین پر اندھیرا تھا، پھر سورج کے پرتو سے زمین روشن ہوئی، اور رات دن کا نظام وجود میں آیا، سوچو! یہ اللہ تعالیٰ کا انسانوں پر کتنا بڑا احسان ہے! اگر رات سرمد ہوتی، رات کے بعد دن نہ آتا تو زمین کی ہر چیز ٹھٹھر جاتی، اور دھوپ سرمد ہوتی، اس کے بعد رات نہ آتی تو زمین کی ہر چیز تپش سے جل جاتی، یہی پروردگار اللہ کی معبودیت کی دلیل ہے، پھر جو لوگ دعوتِ اسلام قبول نہیں کرتے وہ اللہ کی مخلوقات کو اللہ کے 'ہم سر' قرار دیتے ہیں، اور ان کے سامنے نذرانۂ عقیدت (عبادت) پیش کرتے ہیں، یہ کیسی بے انصافی کی بات ہے؟

پھر غور کرو! اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے بنایا ہے، زمین کی ہر چیز مٹی سے بنی ہوئی ہے، تخلیق کی نوعیتیں مختلف ہیں، تمام حیوانات ونباتات مختلف طرح سے بنائے گئے ہیں، ہمارے جد امجد راست مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، پھر ان کی ذریت کو مٹی کے ست (جوہر) سے پیدا کیا، اس طرح کہ زمین سے پیدا ہونے والی غذا انسان نے کھائی اس سے اس کے بدن میں خون بنا، یہ زمین کا ست (نچوڑ) ہے، پھر خون سے مادّہ بنا، مادہ رحم مادر میں پہنچ کر علقة: خونِ بستہ بنا، پھر وہ مضغة: گوشت کی بوٹی بنا، پھر گوشت میں ہڈیاں ابھریں، پھر ہڈیوں پر باقی گوشت چڑھا، تو اشرف المخلوقات انسان وجود

میں آ گیا، پھر اس کی دنیوی زندگی کے لئے ایک وقت مقرر کیا، جس پر اس کو دنیا سے چل دینا ہے، یہ فرد کی قیامت ہے، حدیث میں ہے: **من مات فقد قامت قیامته**: اسی طرح عالم زیریں کے خاتمہ کے لئے بھی ایک وقت مقرر کیا ہے، مگر اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، البتہ لوگ قیامتِ صغری کا مشاہدہ کرتے ہیں، مگر قیامتِ کبری کو ماننے کے لئے تیار نہیں، پڑیں ایسی عقلوں پر پتھر!

پھر جب اس عالم کے ختم ہونے کا وقت آئے گا، اور تمام انسانوں کو عالم بالا میں منتقل کیا جائے گا تو کس کو کہاں رکھا جائے گا؟ اس دنیا میں تو سب رلے ملے ہیں، اللہ کے ماننے والے اور انکار کرنے والے ایک ساتھ آباد ہیں، مگر دوسری دنیا میں حکم ہوگا: ﴿ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴾: اے گنہ گارو! آج (اہل ایمان سے) جدا ہو جاؤ، کھیت نیار کر نکمی گھاس کوڑی پر ڈالی جاتی ہے، اور کار آمد کھیتی کھلیان میں پہنچادی جاتی ہے، اسی طرح بدکردار دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے، اور نیکوکار باغات میں عیش کریں گے، اور یہ فیصلے اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق کریں گے، وہ انسانوں کے کھلے چھپے سے واقف ہیں، اور لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے بھی واقف ہیں، بھلا جس نے پیدا کیا ہے وہ اپنی مخلوق کے احوال سے واقف نہیں ہوگا؟ یہی اللہ تعالیٰ عالم بالا میں بھی معبود ہیں، اور عالم زیریں میں بھی، پس لوگوں کو چاہئے کہ اسی ایک خدا کی بندگی کریں: **لا إلٰه إلا الله**: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں!

آیاتِ پاک: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جنھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا —— یعنی عالم زیریں بنایا —— اور اندھیرا اور اجالا بنایا —— یعنی اس میں شب و روز کا نظام جاری کیا، یہ ماسیق لاجلہ الکلام ہے، مگر الفاظ عام ہیں، اس لئے علم و جہل، ہدایت و ضلالت، موت و حیات: تمام متقابل کیفیات اور متضاد احوال بھی مراد ہیں —— پھر (بھی) منکرین اسلام (مورتیوں کو) اپنے پروردگار کے برابر قرار دیتے ہیں! —— وہی وہ ہیں جنھوں نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر (حیاتِ دنیوی کی) ایک مدت ٹھہرائی، اور ایک دوسری مقررہ مدت ان کے علم میں ہے، پھر (بھی) تم لوگ شک میں مبتلا ہو! —— اور وہی اللہ (معبود) ہیں آسمانوں میں اور زمین میں، وہ تمہارے چھپے کھلے کو جانتے ہیں، اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کو بھی جانتے ہیں! —— اسی علم کے مطابق آخرت میں فیصلے ہونگے۔

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٤﴾ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ

وَّاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۶ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

وَمَا تَاْتِيْهِمْ	اور نہیں پہنچتی ان کو	مَا كَانُوْا بِهٖ	اس کی جو تھے وہ اس کا	الْاَنْهٰرَ	نہروں کو
مِّنْ اٰيَةٍ (۱)	کوئی آیت	يَسْتَهْزِءُوْنَ	ٹھٹھا کرتے	تَجْرِيْ	بہتی ہیں
مِّنْ اٰيٰتِ	آیات میں سے	اَلَمْ يَرَوْا	کیا نہیں دیکھا انھوں نے	مِنْ تَحْتِهِمْ (۵)	ان کے نیچے سے
رَبِّهِمْ	ان کے رب کی	كَمْ اَهْلَكْنَا	کتنی ہلاک کیں ہم نے	فَاَهْلَكْنٰهُمْ	پس برباد کیا ہم نے ان کو
اِلَّا كَانُوْا	مگر ہیں وہ	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے	بِذُنُوْبِهِمْ	انکے گناہوں کی وجہ سے
عَنْهَا	اس سے	مِّنْ قَرْنٍ	صدیاں	وَاَنْشَاْنَا	اور پیدا کی ہم نے
مُعْرِضِيْنَ	منہ پھیرنے والے	مَّكَّنّٰهُمْ	جمایا ہم نے ان کو	مِنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد
فَقَدْ	پس بالیقین	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	قَرْنًا	صدی
كَذَّبُوْا	جھٹلایا انھوں نے	مَا لَمْ نُمَكِّنْ	وہ جو نہیں جمایا ہم نے	اٰخَرِيْنَ	دوسری
بِالْحَقِّ (۲)	دین حق کو	لَّكُمْ	تم کو	وَلَوْ نَزَّلْنَا	اور اگر اتارتے ہم
لَمَّا جَآءَهُمْ	جب پہنچا وہ ان کو	وَاَرْسَلْنَا	اور چھوڑا ہم نے	عَلَيْكَ	آپ پر
فَسَوْفَ	پس عنقریب	السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ	آسمان کو ان پر	كِتٰبًا	کوئی کتاب
يَاْتِيْهِمْ	پہنچیں گی ان کو	مِّدْرَارًا (۴)	موسلا دھار	فِيْ قِرْطَاسٍ	کاغذ میں
اَنْۢبٰٓؤُا (۳)	خبریں	وَّجَعَلْنَا	اور بنایا ہم نے	فَلَمَسُوْهُ	پس چھوتے وہ اس کو

(۱) آیۃ سے مراد اللہ کی بات ہے، خواہ کسی آسمانی کتاب کی ہو (۲) بالحق: أي بالدین الحق (۳) أنباء: نَبأٌ کی جمع: خبر، یعنی پیشین گوئی (۴) مِدْرَارٌ: صیغۂ مبالغہ، دَرٌّ: مصدر واسم: بہت برسنے والا، اصل معنی ہیں: دودھ کی کثرت (۵) من تحتھم: ان کے علاقہ میں۔

بِاَيْدِيْهِمْ	اپنے ہاتھوں سے	لَوْلَآ اُنْزِلَ	کیوں نہیں اتارا گیا	وَلَوْ جَعَلْنٰهُ	اور اگر بناتے ہم اس کو
لَقَالَ	تو کہتے	عَلَيْهِ	اس پر	مَلَكًا	فرشتہ
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	مَلَكٌ	کوئی فرشتہ	لَّجَعَلْنٰهُ	تو ضرور بناتے ہم اس کو
كَفَرُوْٓا	نہیں مانا	وَلَوْ اَنْزَلْنَا	اور اگر اتارتے ہم	رَجُلًا	آدمی
اِنْ هٰذَآ	نہیں ہے یہ	مَلَكًا	کوئی فرشتہ	وَّلَلَبَسْنَا (۱)	اور ضرور مشتبہ کرتے ہم
اِلَّا سِحْرٌ	مگر جادو	لَّقُضِيَ	ضرور فیصلہ کر دیا جاتا	عَلَيْهِمْ	ان پر
مُّبِيْنٌ	کھلا	الْاَمْرُ	معاملہ کا	مَّا يَلْبِسُوْنَ	جس شبہ میں وہ پڑے ہوئے ہیں
وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ	پھر وہ ڈھیل نہ دیئے جاتے		

لوگوں نے ہمیشہ توحید کی دعوت ٹھکرائی!

آج قریش توحید کی دعوت ٹھکرا رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں، جب بھی کوئی رسول مبعوث ہوئے ہیں، اور ان پر وحی نازل ہوئی ہے، اور انھوں نے لوگوں کو ایک اللہ کی بندگی کی دعوت دی ہے تو لوگوں نے اس بات کو قبول نہیں کیا، اور اللہ کی آیات سے منہ موڑا، جبکہ ادیانِ سماوی کا بنیادی مسئلہ توحید ہے، اور یہی انسانوں کی روحانی ضرورت ہے، اور اللہ تعالیٰ پروردگارِ عالم ہیں، وہ مخلوقات کی ہر ضرورت پوری کرتے ہیں، دیگر مخلوقات کی تو صرف مادی ضروریات ہیں، جس کا اللہ نے انتظام کیا ہے، اور انسانوں کی مادی ضرورتیں بھی ہیں اور روحانی بھی، مادی ضروریات پوری کرنے کے لئے اس کو عقل دی ہے، جس سے وہ اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، اور روحانی ضرورت کی تکمیل کے لئے رسالت ونبوت کا سلسلہ قائم کیا ہے، انسان عقل سے اپنی یہ ضرورت پوری نہیں کرسکتا، ورنہ انسانوں میں مذاہب کا اختلاف نہ ہوتا، اللہ کی معرفت اور اللہ ہی کا معبود ہونا وحی کے ذریعہ ہی معلوم ہوسکتا ہے، مگر ہائے افسوس! رسولوں کی امتیں ہمیشہ اس دعوت سے منہ موڑتی رہی ہیں۔

﴿وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴﴾

ترجمہ: اور نہیں پہنچتی لوگوں کو کوئی آیت ان کے پروردگار کی آیتوں میں سے، مگر وہ اس سے روگردانی کرنے والے ہیں۔

توحید کی دعوت ٹھکرانے والوں کو سزا مل کر رہے گی!

اللہ کی آیات جو دعوتِ توحید پر مشتمل ہیں: ان کی ہنسی اڑانے والوں کو سزا مل کر رہے گی، انکارِ توحید پر جو وعیدیں ان کو

(۱) لَبَسَ عليه: باب ضرب: معاملہ مشتبہ کرنا، مخلوط کرنا، گڑبڑ کرنا۔

سنائیں گئی ہیں، وہ واقعہ بن کر رہیں گی، اس وقت استہزاء کا انجام سامنے آجائے گا، آیت پاک میں 'حق' سے مراد دین حق ہے، اور دین حق کا بنیادی عقیدہ توحید ہے، اس کے منکرین کو بتلایا ہے کہ تم جس وعید (ہلاکت) پر ہنستے ہو، آوازے کستے ہو، وہ جب واقعہ بن کر تمہارے سامنے آئے گی تو تمہارے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے، اور تم چہ می کنم؟ میں پڑ جاؤ گے، اس وقت افسوس سے کیا فائدہ ہوگا؟ آج بات مان لو تب بات ہے!

﴿فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۝﴾

ترجمہ: پس بالتحقیق انھوں نے (قریش نے) دین حق کو (جو دعوت توحید پر مشتمل ہے) جھٹلایا جب وہ ان کو پہنچا، پس عنقریب ان کو پہنچے گی اس (وعید) کی حقیقت جس کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے!

ہمیشہ آیات اللہ کا استہزاء کرنے والے ہلاک کئے گئے ہیں

سنت اللہ یہ ہے کہ جب کوئی رسول مبعوث کئے جاتے ہیں، اور لوگ ان کی بات قبول نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو اولاً سخت حالات سے دوچار کرتے ہیں، تاکہ وہ ڈھیلے پڑیں، اور ایمان لائیں، مگر جب وہ سیدھے نہیں ہوتے تو بدحالی کی جگہ خوش حالی لے لیتی ہے، تاکہ وہ اللہ کا شکر بجالائیں، اور ایمان لائیں، پس لوگ خوب بڑھ جاتے ہیں، ان کی نفری زیادہ ہوجاتی ہے، اور وہ گذشتہ بدحالی کو زمانہ کا الٹ پھیر قرار دیتے ہیں، اور کتّے کی دُم ٹیڑھی ہی نکلتی ہے، تو اچانک عذاب ان کو آپکڑتا ہے، اور ان کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ سورۃ الاعراف (آیت ۹۴و۹۵) میں اس سنت الٰہی کا تذکرہ ہے۔

مثلاً: زمانہ ماضی میں کتنی ہی امتیں: عاد وثمود وغیرہ: جن کو موجودہ کفار (قریش) سے زیادہ قوت وطاقت اور سازوسامان حاصل تھا، بارشیں خوب برستی تھیں، نہریں رواں دواں تھیں، کھیت اور باغ سرسبز وشاداب تھے، اور عیش وآرام اور خوش حالی کا دور دورہ تھا، مگر جب انھوں نے رسولوں کی دعوت توحید قبول نہ کی، اور اللہ کی باتوں کا مذاق اڑایا تو اللہ نے ان کو ان کے جرموں کی پاداش میں پکڑ لیا، اور ان کا نام ونشان مٹ گیا، اور ان کی جگہ دوسری امت نے لے لی، اللہ کا کچھ نقصان نہیں ہوا، دنیا آباد رہی۔

آج بھی اگر قریش شرک پر اڑے رہیں گے، آیات اللہ کا ٹھٹھا کریں گے تو مجرمین تباہ ہونگے، اور دوسرے لوگ (انصار) ان کی جگہ لے لیں گے، اور رسول کی دعوت چاردانگ عالم پھیل کر رہے گی۔

﴿اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَاۗءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ۝﴾

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا انھوں نے کتنی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے امتیں، جن کو ہم نے زمین میں جمایا تھا جیسا ہم نے تم کو (اے قریش!) نہیں جمایا، اور ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار پانی برسایا، اور ہم نے ان کے علاقے میں نہریں بہائیں، پس ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں برباد کر دیا، اور ہم نے ان کے بعد دوسری امت پیدا کر دی۔

مانگا ہوا معجزہ کیوں نہیں دکھایا جاتا؟

جواب: اس لئے کہ اس کا دکھانا بے فائدہ ہے، مطالبہ کرنے والے ہلاک کئے جائیں گے! —— قریش نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ نبی ﷺ آسمان سے ان کے نام لیٹرز (خطوط) لائیں، جن میں نبی ﷺ کے رسول ہونے کی تصدیق ہو، اور ان کو ایمان لانے کی دعوت دی ہو —— اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ معجزہ دکھانا بے سود ہے، قریش ایمان نہیں لائیں گے تو ہلاک کئے جائیں گے، جبکہ ان میں سے بیشتر ایمان لانے والے ہیں، علم الٰہی میں یہ بات طے ہے۔

پس اگر کاغذ میں لکھی ہوئی کوئی تحریر ان کے نام آتی اور وہ اس کو چھو کر دیکھ لیتے، اور اطمینان کر لیتے کہ نظر بندی نہیں ہے: پھر بھی وہ اس کو کھلا جادو کہتے، اور ایمان نہ لاتے، اور ہلاک کئے جاتے، اس لئے مطلوبہ معجزہ نہیں دکھایا جاتا، ورنہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کام مشکل نہیں، مگر مطالبہ کرنے والوں کی مصلحت کے خلاف ہے۔

﴿ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر ہم ان پر کسی کاغذ میں لکھی ہوئی کوئی تحریر اتارتے، پس وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو کر دیکھتے تو بھی منکرین اسلام کہتے: ''یہ کھلا ہوا جادو ہی ہے!''

رسول پر فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟

مشرکین کا ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر محمد (ﷺ) واقعی اللہ کے نمائندے ہیں تو ان پر فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ دنیا کے بادشاہ جب سفیر بھیجتے ہیں تو باڈی گارڈ بھی بھیجتے ہیں۔

جواب: رسول پر فرشتہ اس وقت اتارا جاتا ہے جب جھگڑا اپنی نہایت کو پہنچ جاتا ہے، اور مہلت کی مدت ختم ہو جاتی ہے، اس وقت فرشتہ عذاب لے کر رسول پر اترتا ہے، جیسے لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے عذاب لے کر پہنچے ہیں، پھر مخالفین کو ذرا مہلت نہیں دی جاتی، سب کو ملیامیٹ کر دیا جاتا ہے۔

تبسیط: پھر بات آگے بڑھائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو پیغامبر بنا کر بھیجتے تو فرشتہ انسانی شکل میں آتا، اس لئے کہ فرشتہ روحانی مخلوق ہے، اس کو انسان نہیں دیکھ سکتا، جیسے جنات اور زمینی فرشتے زمین میں آباد ہیں، مگر انسان ان کو نہیں

دیکھتے، اسی طرح رسول پر فرشتہ وحی لے کر آتا ہے، مگر وہ لوگوں کو نظر نہیں آتا، فرشتہ اسی وقت نظر آ سکتا ہے جب وہ پیکر محسوس اختیار کرے، جیسے حدیث جبرئیل علیہ السلام میں صحابہ کو جبرئیل نظر آئے تھے، اس لئے کہ وہ انسانی شکل میں آئے تھے، اور ایک موقعہ پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں دیکھا تھا، پس کفار کو بھی فرشتہ نظر آئے گا تو وہ انسانی شکل میں نظر آئے گا، اور وہ یہی خیال کریں گے کہ یہ کوئی انسان ہے، اور ان کو انسان کے رسول ہونے پر جو اعتراض ہے وہی فرشتہ کے رسول ہونے پر بھی ہوگا۔

﴿وَ قَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ ؕ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ۝۸ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ۝۹﴾

ترجمہ: اور انھوں نے کہا: کیوں نہیں اتارا گیا اس پر کوئی فرشتہ؟ (جواب:) اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو معاملہ نمٹا دیا جاتا، پھر وہ ڈھیل نہ دیئے جاتے —— (تبسیط:) اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو ہم اس کو آدمی بناتے، اور ان پر مشتبہ کرتے جس طرح وہ اب شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ؑ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ۝۱۱

وَلَقَدِ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	سَخِرُوْا	ٹھٹھا کیا	سِیْرُوْا	چلو پھرو
اسْتُهْزِئَ	ٹھٹھا کیا گیا	مِنْهُمْ	رسولوں سے	فِی الْاَرْضِ	سرزمین (عرب) میں
بِرُسُلٍ	رسولوں کے ساتھ	مَّا كَانُوْا	اس عذاب نے جو تھے وہ	ثُمَّ انْظُرُوْا	پھر دیکھو
مِّنْ قَبْلِكَ	آپؐ سے پہلے	بِهٖ	اس کا	كَیْفَ كَانَ	کیسا ہوا
فَحَاقَ	پس گھیر لیا	یَسْتَهْزِءُوْنَ	مذاق اڑاتے	عَاقِبَةُ	انجام
بِالَّذِیْنَ	ان کو جنھوں نے	قُلْ	آپ کہیں	الْمُكَذِّبِیْنَ	جھٹلانے والوں کا؟

رسول اللہ ﷺ کو تسلی اور ٹھٹھا کرنے والوں کو دھمکی

معاندین کی فرمائشوں کا جواب دینے کے بعد اب نبی ﷺ کی تسلی کی جاتی ہے، اور مخالفین کو دھمکاتے ہیں، فرماتے ہیں: نبی ﷺ مخالفین کے تمسخر سے دل گیر نہ ہوں، یہ کوئی نئی بات نہیں، گذشتہ رسولوں کو بھی ان حالات سے

گذرنا پڑا ہے، اور ان کی تکذیب کرنے والوں کا جو حشر ہوا ہے وہ قریش سرزمین عرب میں گھوم پھر کر دیکھ لیں، عاد وثمود، اصحابِ مدین اور قومِ لوط علیہ السلام کا کیا حشر ہوا؟ اسی طرح ان مجرموں کو بھی سزا مل سکتی ہے، تکذیب کرنے والوں کا جو حشر ہوا وہ استہزاء کرنے والوں کا بھی ہوگا۔

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ آپؐ سے پہلے (بھی) رسولوں کا ٹھٹھا کیا گیا، پس جنھوں نے ان کا ٹھٹھا کیا ان کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے —— کہیں: سرزمین عرب میں چلو پھرو، پھر دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا؟

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾

قُلْ	پوچھو	الرَّحْمَةَ	مہربانی	فَهُمْ	پس وہ
لِّمَنْ	کس کی ملک ہیں	لَيَجْمَعَنَّكُمْ	ضرور جمع کریں گے وہ تم کو	لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں لائیں گے
مَّا	وہ چیزیں جو	اِلٰي يَوْمِ	قیامت کے دن	وَلَهٗ	اور اللہ ہی کے لئے ہیں
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہیں	الْقِيٰمَةِ		مَا سَكَنَ	وہ چیزیں جو ٹھمتی ہیں
وَالْاَرْضِ	اور زمین میں ہیں؟	لَا رَيْبَ	نہیں کچھ شک	فِي الَّيْلِ	رات میں
قُلْ	کہو	فِيْهِ	اس میں	وَالنَّهَارِ	اور دن میں
لِّلّٰهِ	اللہ کی ملک ہیں	اَلَّذِيْنَ	جن لوگوں نے	وَهُوَ	اور وہ
كَتَبَ	لکھی ہے انھوں نے	خَسِرُوْٓا	گھاٹے میں رکھا	السَّمِيْعُ	خوب سننے والے
عَلٰي نَفْسِهِ	اپنی ذات پر	اَنْفُسَهُمْ	اپنی جانوں کو	الْعَلِيْمُ	خوب جاننے والے ہیں

استہزاء کرنے والوں کو فوراً سزا کیوں نہیں ملتی؟

ان آیات میں مذکورہ سوال کا جواب ہے، مگر پہلے ایک مضمون تازہ کرلیں:

سورہ فاتحہ کے شروع میں یہ مضمون آیا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ میں توحید الوہیت کا بیان ہے، پھر ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ میں توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کیا ہے، تمام جہانوں کو یعنی ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا ہے،

پھر مخلوق کے بقاء کا سامان کیا ہے، پھر ہر چیز کو آہستہ آہستہ بڑھا کر اس کی نہایت کو لے جاتے ہیں، پس جو اللہ تعالیٰ یہ تین کام کرتے ہیں وہی مخلوق کی بندگی کے حقدار ہیں، دوسرا کوئی معبود نہیں ہوسکتا۔

پھر دوسری آیت میں اللہ کی دو صفتیں ہیں: ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ رحمان میں پانچ حروف ہیں، اور رحیم میں چار، اور دونوں رحمة سے مشتق ہیں، اور ایک مادّے سے جو دو لفظ بنتے ہیں اس میں قاعدہ یہ ہے کہ جس کلمہ میں حروف زائد ہوں اس میں معنی بھی زائد ہوتے ہیں، اس لئے رحمان میں معنی زائد ہیں، اور وہ عام ہے، اور رحیم میں معنی کم ہیں، اس لئے کہ وہ خاص ہے، رحمان کا تعلق فی الحال سارے جہانوں سے ہے، اللہ کی رحمت ہر کسی کو عام ہے، مؤمن و کافر سب کو رحمت سے حصہ پہنچتا ہے، اور رحیم کا تعلق آخرت سے ہے، وہاں مہربانی سے حصہ مؤمنین ہی کو ملے گا، اس لئے رحمان ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ سے متصل آیا ہے، اس لئے کہ عام رحمت کا تعلق اس وقت سارے جہانوں سے ہے اور رحیم: ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ سے متصل آیا ہے، اس لئے کہ خاص رحمت کا تعلق یوم جزاء سے ہے۔

اب عنوان میں مذکور سوال کا جواب سمجھیں: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملک ہے، کافروں سے پوچھ دیکھیں: وہ اعتراف کریں گے کہ کائنات کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، اگر وہ اعتراف نہ کریں تو آپ جواب دیں کہ کائنات کے مالک اللہ ہی ہیں، پس اللہ ہی پروردگار ہیں، سارے جہانوں کو وہی پالنے والے ہیں، سب کے روزی رساں ہیں، انھوں نے کائنات پر مہربانی کرنے کو اپنے اوپر لازم کیا ہے، وہ جہانوں کے تعلق سے رحمان ہیں، منکرین کو بھی پال رہے ہیں، اس وجہ سے استہزاء کرنے والوں کو ابھی سزا نہیں دے رہے، فی الحال ڈھیل دے رکھی ہے۔

مگر جب اس دنیا کا آخری دن آئے گا: اس وقت اللہ تعالیٰ سب کو جمع کریں گے، اس وقت استہزاء کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دیں گے، اس دن کے لئے سزا مؤخر کر رکھی ہے، اور قیامت کے دن میں ذرا شک نہیں، مگر غلط قسم کے لوگ قیامت کو نہیں مانتے، وہ لوگ قیامت کے دن گھاٹے میں رہیں گے۔

پھر وقوعِ قیامت پر ایک قاعدہ سے استدلال کیا ہے: رات دن میں جو مخلوقات چلتی پھرتی ہیں ان کے تمام احوال سے اللہ تعالیٰ واقف ہیں، اور جب ان کی چلت پھرت تھم جاتی ہے، خواہ دن میں پر سکون ہوجائے خواہ رات میں، اس وقت بھی وہ مخلوقات اللہ ہی کی ہے، اسی طرح جو لوگ ابھی اس دنیا میں چل پھر رہے ہیں وہ بھی اللہ کی ملک ہیں، اور جو مر کر عالم برزخ میں پہنچ گئے، جہاں ان کو قرار آ گیا، وہ بھی اللہ کی ملک ہیں، اس لئے کہ انسان مر کر ختم نہیں ہوجاتا، عالم برزخ میں منتقل ہوجاتا ہے، قبر میں اس کو قرار آ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی باتیں سنتے ہیں اور ان کے حالات سے واقف ہیں، اور قیامت کے دن سب کو زندہ کرکے میدانِ قیامت میں جمع کریں گے، اس وقت استہزاء کرنے والوں کو سزا ملے گی۔

آیاتِ کریمہ: پوچھو: جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں: کس کی ملک ہیں؟ — اگر وہ جواب نہ دیں تو — کہو: اللہ کی ملک ہیں! — اس نے اپنی ذات پر مہربانی کرنا لازم کیا ہے — یعنی اس وقت جہانوں کے ساتھ صفتِ رحمان کی کارفرمائی ہے — وہ تم کو ضرور قیامت کے دن اکٹھا کریں گے — اور اس دن صفتِ رحیم کی کارفرمائی ہوگی — جس میں ذرا شک نہیں! — جن لوگوں نے اپنی ذاتوں کو گھاٹے میں رکھا وہ (قیامت کے دن کو) نہیں مانتے — نہیں مانتے اس لئے وہ خسارے میں رہیں گے — اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو رات اور دن میں پُرسکون ہوجاتے ہیں — اسی طرح موت کے بعد جو پُرسکون ہوجاتے ہیں وہ بھی اللہ کی ملک ہیں — اور وہ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں — یعنی وہ برزخ میں پہنچنے والوں کی باتیں بھی سنتے ہیں، اور ان کے احوال سے بھی واقف ہیں۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۴ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝۱۶ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۱۸

قُلْ	کہو:	وَهُوَ يُطْعِمُ	اور وہ کھلاتے ہیں	وَلَا تَكُوْنَنَّ	اور ہرگز مت ہوتو
اَغَيْرَ اللّٰهِ	کیا اللہ کے علاوہ کو	وَلَا يُطْعَمُ	اور وہ کھلائے نہیں جاتے	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں میں سے
اَتَّخِذُ	بناؤں میں	قُلْ	کہہ دو	قُلْ	کہہ دو
وَلِيًّا	کارساز (دوست)	اِنِّيْۤ اُمِرْتُ	میں حکم دیا گیا ہوں	اِنِّيْۤ	بے شک میں
فَاطِرِ(۱)	جو بنانے والے ہیں	اَنْ اَكُوْنَ	کہ ہوؤں میں	اَخَافُ	ڈرتا ہوں
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو	اَوَّلَ	پہلا	اِنْ عَصَيْتُ	اگر حکم کے خلاف کروں
وَالْاَرْضِ	اور زمین کو	مَنْ اَسْلَمَ	جو فرمان بردار ہوا	رَبِّيْ	میرے پروردگار کے

(۱) فاطر: اللہ سے بدل ہے۔

عَذَابَ (1)	سزا سے	الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ	واضح کامیابی ہے	فَهُوَ	تو وہ
يَوْمٍ عَظِيْمٍ	بڑے دن کی	وَاِنْ يَّمْسَسْكَ	اور اگر پہنچائیں تجھ کو	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
مَنْ	جو شخص	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قَدِيْرٌ	پوری قدرت والے ہیں
يُّصْرَفْ	پھیرا گیا (عذاب)	بِضُرٍّ	کوئی ضرر	وَهُوَ	اور وہی
عَنْهُ	اس سے	فَلَا كَاشِفَ	تو نہیں کوئی ہٹانے والا	الْقَاهِرُ (3)	زور آور ہیں
يَوْمَئِذٍ	اس دن	لَهٗٓ	اس کو	فَوْقَ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں پر
فَقَدْ رَحِمَهٗ	تو بالیقین اس نے	اِلَّا هُوَ	مگر وہی	وَهُوَ	اور وہ
	اس پر رحم کیا	وَاِنْ يَّمْسَسْكَ	اور اگر پہنچائیں وہ تجھے	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے
وَذٰلِكَ	اور یہی	بِخَيْرٍ (2)	کوئی بھلائی	الْخَبِيْرُ	بڑے باخبر ہیں

توحید کی دعوت: مثبت و منفی پہلوؤں سے

گذشتہ آیت ہے: ﴿وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَ النَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾: اور اللہ ہی کی ملک ہیں وہ چیزیں جو رات اور دن میں قرار پکڑتی ہیں، سَكَن کا مقابل تَحَرَّكَ ہے: جو چیزیں رات اور دن میں ہلتی اور حرکت کرتی ہیں، چلتی پھرتی ہیں، آیت میں یہ بھی مراد ہے، ہر مخلوق چلتی پھرتی ہو یا تھمی ہوئی ہو، آرام کرنے کے لئے کسی جگہ پڑی ہو یا سوئی ہو یا رزق کے لئے دوڑ دھوپ کرتی ہو: سب اللہ کی ملک ہیں۔

اور اس سے استدلال یہ کیا تھا کہ جو انسان اس دنیا میں چلتے پھرتے ہیں، وہ جب مر کر عالم برزخ میں پہنچ جاتے ہیں، اور وہاں قرار پکڑ لیتے ہیں، وہ بھی اللہ کی ملک ہیں، ان کے سانس سنتے ہیں اور احوال جانتے ہیں۔

اب مثبت پہلو سے توحید کی دعوت دیتے ہیں کہ ایسے ہی اللہ کو کارساز، مددگار اور دوست بنانا چاہئے، جس نے آسمانوں اور زمین کو انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے، اور انسان کو جنت کمانے کے لئے بنایا ہے، اسی اللہ کو معبود مانو اور اسی کی بندگی کرو، وہی تمہارے کام بنانے والے ہیں اور وہی تمہارے کارساز ہیں۔

عبد کے معنی ہیں: بندہ، یہ فارسی لفظ ہے، اس کے معنی ہیں: غلام، یہ اردو لفظ ہے، نزول قرآن کے وقت غلامی کا رواج

---

(۱) عذاب: أخاف کا مفعول بہ ہے، اور إن عصيت ربي کا جواب بھی ہے (۲) إن يمسسك بخير کا جواب محذوف ہے: فلا رادَّ له غيره، اور فهو على كل شيئ قدير: جواب کے قائم مقام ہے (۳) القاهر: غالب، زبردست، قَهَرَه (ف) قَهْرًا: کسی پر غالب ہونا، مغلوب کرنا۔

تھا، آقا: غلام سے کمواتا تھا، اور بیٹھا بیٹھا اس کی کمائی کھاتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کمواتے نہیں، بلکہ وہ خود اپنے بندوں کو روزی عنایت فرماتے ہیں۔

لہٰذا مشرکوں سے کہہ دو کہ میں تو تنہا اللہ کو معبود مانتا ہوں، اور ان کی فرمان برداری کرتا ہوں — ﴿ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ ﴾ محاورہ ہے، پہلی پوزیشن حاصل کرنے کے لئے مستعمل ہے، جماعت کے ہر طالب علم کو اول پوزیشن حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اسی طرح ہر بندے کو ایمان واطاعت میں پہلی پوزیشن لانی چاہئے — پھر فرمایا کہ تم مشرکین کے زمرہ میں شامل مت ہوؤ، اللہ معبود برحق سے روگردانی کر کے غیر اللہ کی چوکھٹ پر جبّہ سائی مت کرو۔

یہ مثبت پہلو سے ایک اللہ پر ایمان لانے کی دعوت تھی، پھر منفی پہلو سے دعوت دیتے ہیں کہ مشرکین سے کہہ دو کہ اگر میں میرے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کروں تو مجھ کو بڑے دن کے عذاب سے کون بچائے گا؟ قیامت کے دن اگر مجھ سے عذاب پھیرا گیا تو یقیناً اس دن اللہ نے مجھ پر مہربانی فرمائی، اس دن یہی واضح کامیابی ہوگی، پھر میں کیوں ایمان واطاعت کی راہ اختیار نہ کروں؟

پھر آخر میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے، جس کا تعلق دنیا سے بھی ہے اور آخرت سے بھی: انسان کو جب اس کی شامتِ اعمال سے کوئی سختی پہنچتی ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ ہی دور کرتے ہیں، اور اگر اس کو اللہ کی رحمت سے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں، وہ زبردست زور آور ہیں، سب بندے ان کی قدرت میں ہیں، وہ حکمت کے ساتھ بندوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، اور وہ بندوں کے تمام احوال سے واقف ہیں۔

آیاتِ کریمہ: کہہ دو: — مخاطب ہر قاریٔ قرآن ہے — کیا میں اللہ کے سوا کوئی کارساز بناؤں، جو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں، اور وہ کھلاتے ہیں، اور وہ کھلائے نہیں جاتے؟ — کہہ دو: بے شک میں حکم دیا گیا ہوں کہ سب سے پہلا فرمان بردار بنوں، اور تم مشرکین میں سے ہرگز مت ہوؤ!

منفی پہلو سے دعوت: کہہ دو: بے شک میں ڈرتا ہوں — اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں — بڑے دن کے عذاب سے! — جس شخص سے اس دن عذاب پھیرا گیا — یعنی دوزخ سے بچایا گیا — تو یقیناً اللہ نے اس پر مہربانی فرمائی! اور یہی واضح کامیابی ہے۔

قاعدہ کلیہ: اور اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کوئی ضرر پہنچائیں تو اس کو کوئی ہٹانے والا نہیں، اور اگر وہ آپ کو کوئی بھلائی پہنچائیں — تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں — کیونکہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں، اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہیں، اور وہ بڑی حکمت والے، بڑے باخبر ہیں!

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲ / ۸

قُلْ	پوچھو	لِاُنْذِرَكُمْ	تاکہ خبردار کروں میں تم کو	وَّاِنَّنِیْ	اور بے شک میں
اَیُّ شَیْءٍ	کون چیز	بِهٖ	اس کے ذریعہ	بَرِیْٓءٌ	بیزار ہوں
اَکْبَرُ	بڑی ہے	وَمَنْۢ بَلَغَ (۵)	اور ان کو جن کو وہ پہنچے	مِّمَّا	ان سے جن کو تم
شَهَادَةً (۱)	گواہی کے اعتبار سے؟	اَئِنَّكُمْ	کیا بے شک تم	تُشْرِكُوْنَ	شریک کرتے ہو
قُلِ	کہو	لَتَشْهَدُوْنَ	البتہ گواہی دیتے ہو	اَلَّذِیْنَ	وہ لوگ
اللّٰهُ (۲)	اللہ! (سب سے بڑے گواہ ہیں)	اَنَّ مَعَ اللّٰهِ	کہ اللہ کے ساتھ	اٰتَیْنٰهُمُ	جن کو دی ہم نے
		اٰلِهَةً اُخْرٰی	دوسرے معبود ہیں؟	الْكِتٰبَ	آسمانی کتابیں
شَهِیْدٌۢ (۳)	(وہ) گواہ ہیں	قُلْ	کہو	یَعْرِفُوْنَهٗ	پہچانتے ہیں وہ ان کو
بَیْنِیْ	میرے درمیان	لَّاۤ اَشْهَدُ	میں گواہی نہیں دیتا	كَمَا یَعْرِفُوْنَ	جس طرح پہچانتے ہیں وہ
وَبَیْنَكُمْ (۴)	اور تمہارے درمیان	قُلْ	کہہ دو	اَبْنَآءَهُمْ	اپنے بیٹوں کو
وَاُوْحِیَ	اور وحی کیا گیا ہے	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	اَلَّذِیْنَ	جن لوگوں نے
اِلَیَّ	میری طرف	هُوَ اِلٰهٌ	وہ معبود ہے	خَسِرُوْۤا	گھاٹے میں رکھا
هٰذَا الْقُرْاٰنُ	یہ قرآن	وَّاحِدٌ	ایک	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں کو

(۱) شہادت: گواہی، پکی بات، اس میں قسم کا مفہوم ہوتا ہے، پکی بات ہی قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں (۲) اللہ: مبتدا ہے، خبر: أکبر شهادةً محذوف ہے، اور قرینہ اگلا جملہ ہے (۳) شهید: خبر ہے، مبتدا هو محذوف ہے اور مرجع اللہ ہے (۴) بینی سے مراد نبی ﷺ ہیں (۵) بلغ میں ضمیر عائد محذوف ہے أی بلغه اور مرجع مَن موصولہ ہے۔

فَهُمْ	پس وہ	افْتَرٰى	گھڑا	بِاٰيٰتِهٖ	اللہ کی باتوں کو
لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں لاتے	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	اِنَّهٗ	بیشک شان یہ ہے کہ
وَمَنْ اَظْلَمُ	اور کون بڑا ظالم ہے	كَذِبًا	جھوٹ	لَا يُفْلِحُ	کامیاب نہیں ہوتے
مِمَّنِ	اس سے جس نے	اَوْ كَذَّبَ	یا جھٹلایا اس نے	الظّٰلِمُوْنَ	ظالم لوگ

رسالت کا بیان

نبی ﷺ کے سچے رسول ہونے کی پکی دلیلیں

توحید کے بعد اسلام کا بنیادی عقیدہ رسالت کا ہے، اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں، کائنات اللہ ہی نے پیدا کی ہے، وہی اس کے کفیل ہیں، ہر مخلوق کی ضرورت وہ پوری کرتے ہیں، اور انسان مکلّف مخلوق ہے، اس کی دو ضرورتیں ہیں: مادی اور روحانی، مادی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو ترقی یافتہ عقل دی ہے، اور روحانی ضرورت پوری کرنے کے لئے نبوت ورسالت کا سلسلہ قائم کیا ہے، اس لئے کہ انسان اپنی عقل سے اپنی یہ ضرورت پوری نہیں کرسکتا، انسانوں میں مذاہب کا اختلاف اس کی دلیل ہے، مذاہبِ عالَم روحانی ضرورت کی تکمیل کے لئے ہیں، اور لوگ اپنی ناقص عقلوں سے مذاہب چلاتے ہیں یا بگاڑتے ہیں، صحیح مذہب وہی ہے جو اللہ کی راہ نمائی کے مطابق ہو، خودساختہ مذاہب یا تحریف شدہ مذاہب انسان کی روحانی ضرورت پوری نہیں کرسکتے۔

اللہ کی معرفت، ان کی صفات کی جانکاری اور آنے والی زندگی کے ایقان کے لئے اللہ کی راہ نمائی ضروری ہے، اور یہی اس کی روحانی ضرورت ہے، اسی کے لئے رسالت کا سلسلہ قائم کیا ہے، پہلا انسان ہی پہلا نبی ہے، اس لئے توحید کے بیان کے بعد ان آیات میں رسالت کا بیان ہے۔

آیات کا شانِ نزول: جب نبی ﷺ نے رسالت کا دعوی کیا تو مشرکین نے کہا: آپؐ کی رسالت کی کیا دلیل ہے؟ ہم کسی کو نہیں دیکھتے جو آپ کی تصدیق کرتا ہو، ہم نے اہل کتاب (یہود ونصاری) سے پوچھا تو انھوں نے کہا: ہماری کتابوں میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں، پھر ہم آپ کو اللہ کا رسول کیونکر مان لیں؟ (جمل)

جواب: نبی ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی گواہی نہیں ہوسکتی!

سوال: اللہ تعالیٰ تو وراء الوراء ہیں، عالَم اسباب سے پَرے ہیں، اس عالَم میں ان کی گواہی کس طرح ظاہر ہوتی ہے؟

جواب: دوطرح سے:

۱- اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعہ عام معجزات ظاہر فرماتے ہیں، ان کی انگلی کے اشارے سے چاند کے دوٹکڑے

کر کے دکھائے، ان کی انگلیوں سے پانی کا دھارا بہایا، تھوڑے کھانے میں برکت ہوئی اور ایک بڑا مجمع اس سے شکم سیر ہوگیا، اور مکہ کے نامی پہلوان کو پچھاڑا، اور طرح طرح کے معجزات دکھائے، عام معجزات کی چار سو روایات ہیں، پس وہ تواتر قدر مشترک سے ثابت ہیں، اور قطعی دلیل (شہادت) ہیں۔

۲- اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اپنا کلام اتارا، یہ ان کا خاص معجزہ ہے، وہ رہتی دنیا تک باقی ہے، اس کے مقابلہ سے دنیا عاجز ہے، سب مل کر بھی اس کی چھوٹی سورت کے برابر نہیں بنا سکتے، یہ کلام: اللہ کی شہادت ہے کہ اس کا پیش کرنے والا اللہ کا سچا رسول ہے!

تبسیط: پھر قرآنِ کریم نے بات پھیلائی ہے، یہ قرآنِ کریم کا خاص اسلوب ہے، جب وہ کسی موضوع پر گفتگو کرتا ہے تو ضروری حد تک اس کو بڑھاتا ہے، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنا معجز کلام اس لئے نازل کیا ہے کہ اولاً: اس کلام کے ذریعہ مشرکین مکہ کو نتائج اعمال سے خبردار کیا جائے کہ تم جو زندگی اپنائے ہوئے ہو اس کا نتیجہ ہلاکت ہے، صحیح راستہ وہ ہے جو قرآن پیش کرتا ہے، آخرت میں کامیابی کا یہی راستہ ہے۔

پھر یہ کلام پاک عالم میں جہاں تک پہنچے سب کو وارننگ دے کہ ہوش میں آؤ، من گھڑت مذاہب میں کامیابی نہیں، اللہ تعالیٰ جو راستہ دکھا رہے ہیں، جس کو قرآنِ کریم بیان کر رہا ہے، وہی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے، جو شخص آخرت میں کامیابی چاہتا ہے وہ اس راستہ پر آجائے۔

فائدہ: یہ آیت عموم بعثت کی دلیل ہے، یعنی نبی ﷺ صرف عربوں کی طرف مبعوث نہیں کئے گئے اور قرآنِ کریم صرف عربوں کے انذار کے لئے نازل نہیں ہوا، بلکہ آپؐ کی بعثت عالم گیر ہے، اور قرآن کا پیغام سارے جہاں کے لئے ہے، جو آپؐ پر اور قرآن پر ایمان نہیں لائے گا وہ جہنم میں جائے گا۔

سوال: جن کو قرآن نہیں پہنچا: ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: اب ایسا کوئی نہیں، سب کو قرآن کی دعوت پہنچ چکی ہے، بالفرض اگر کسی کو قرآن کی دعوت نہیں پہنچی تو وہ اصحابِ فترت میں شمار ہوگا، فترت: دو پیغمبروں کے درمیان کا وقفہ، اور اصحابِ فترت کا حکم مختلف فیہ ہے۔

نہلے پے دہلہ!: نہلہ: تاش کا وہ پتہ جس پر نو نشان ہوتے ہیں، اور دہلہ: تاش کا وہ پتہ جس پر دس نشان ہوتے ہیں، نہلے کو دہلہ کاٹتا ہے، اور دہلے کو رانی اور رانی کو راجہ اور راجا کو اِکّا، جس پر ایک نشان ہوتا ہے۔

مشرکین نے نبی ﷺ سے رسالت میں صداقت کی شہادت (پکی دلیل) مانگی تھی، قرآنِ کریم نہلے پے دہلہ رکھتا ہے، فرماتا ہے: اچھا بتاؤ تمہارے پاس شرک کی کیا شہادت (پکی دلیل) ہے؟ تم جو مورتیوں کو خدائی میں شریک گردانتے

ہو:اس کی مضبوط دلیل کیا ہے؟

جواب ندارد! کوئی گواہی (پکی دلیل) نہیں، سب ڈھکوسلے ہیں، وہ محض باطل نظریہ ہے، معبود تو صرف ایک اللہ ہی ہیں، پس ہر مؤمن مشرکین کی مورتیوں سے بیزاری ظاہر کرے، اور مشرکین پہلے اپنے گھر کی خبر لیں، پھر دوسروں سے دلیل کا مطالبہ کریں۔

مشرکوں کے ایک وسوسے کا جواب: مشرکین نے کہا تھا: اہل کتاب تمہاری تصدیق نہیں کرتے! —— قرآنِ کریم فرماتا ہے: آسمانی کتابوں والے خوب جانتے ہیں کہ آپ آخری زمانہ کے سچے رسول ہیں، جیسے کسی جگہ بہت سے لڑکے جمع ہوں، اور کسی لڑکے کا باپ وہاں سے گذرے تو وہ نظر پڑتے ہی اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے، اس کو اس میں ذرا شک نہیں رہتا، اسی طرح یہود و نصاری بھی نبی ﷺ کو پہچانتے ہیں، اور انھوں نے مشرکوں سے جو بات کہی ہے وہ تجاہل عارفانہ ہے، جان بوجھ کر انجانے بنے ہیں! آنکھیں ہوتے ہوئے کھڈے میں گرے ہیں!

سوال: جب یہود و نصاری نبی ﷺ کو بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں تو ایمان کیوں نہیں لاتے؟

جواب: یہ ان کی حرماں نصیبی ہے، جو لوگ اپنی بھلائی نہیں چاہتے وہ کبھی سیدھی راہ پر نہیں پڑتے، اگرچہ حق دوپہر کے سورج کی طرح واضح ہو، چمگادڑ کو سورج نکلنے کے بعد نظر نہیں آتا: اس میں سورج کا کیا قصور ہے؟

دو احتمال: سوچو ظالم کون؟

آخر میں اہل کتاب سے خطاب ہے کہ احتمال دو ہی ہیں: ایک: نبی ﷺ جو رسالت کا دعوی کر رہے ہیں: وہ جھوٹے ہیں، اللہ پر بہتان باندھ رہے ہیں —— یہ مماشات مع الخصم ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو اپنی نبوت میں کوئی شک تھا —— دوم: تمہاری کتابوں میں جو بشارات ہیں تم ان کو جھٹلاتے ہو۔ اب ذرا انصاف کو آواز دو! اور غور کر کے فیصلہ کرو کہ بڑا ظالم کون ہے؟ تمہاری کتابوں کی باتیں تمہارے نزدیک سچی ہیں، پھر تم ایمان کیوں نہیں لاتے؟ تمہارا ایمان نہ لانا اپنی کتابوں کی تکذیب ہے: پس بڑے غیر منصف تم ہوئے، اور ظالم آخرت میں کامیاب نہیں ہونگے (آیت کی یہ تفسیر فوائد عثمانی میں بحوالہ ابن کثیر کی گئی ہے)

آیاتِ کریمہ: آیات میں اور آیات کے اجزاء میں ارتباط دقیق ہے، تقریر سے ملا کر غور سے پڑھیں: —— پوچھو! سب سے بڑی گواہی کس چیز کی ہے؟ —— مشرکین نے نبی ﷺ سے آپ کی رسالت کی پکی دلیل مانگی تھی، قرآنِ کریم ان سے پوچھتا ہے: بتاؤ! سب سے بڑی شہادت کس کی ہوسکتی ہے؟ وہ جواب نہ دیں تو تم —— جواب دو! اللہ! (کی) —— ان کی گواہی سے بڑی کوئی گواہی نہیں ہوسکتی، اور وہ گواہ ہیں کہ آپ سچے رسول ہیں، اور عالم اسباب میں اللہ کی گواہی دو طرح ظاہر ہوئی ہے —— (۱) (وہ) میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہیں —— اللہ تعالیٰ عام معجزات نبی کے

ہاتھ سے ظاہر کرتے ہیں ـــــ (۲) اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے ـــــ یہ خاص معجزہ ہے جو عام معجزات سے قوی ہے ـــــ تاکہ میں اس کے ذریعہ تم کو خبردار کروں ـــــ عرب مراد ہیں، وہ بلاواسطہ امت تھے ـــــ اور ان کو جن کو وہ قرآن پہنچے ـــــ ساری دنیا بالواسطہ امت ہے، اس کی تفصیل سورۃ الجمعہ کے شروع میں ہے ـــــ اور یہ (تبسیط) مضمون کو آگے بڑھانا ہے۔

کیا تم واقعی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں؟ ـــــ یعنی اپنے گھر کی خبر لو، بتاؤ! مورتیوں کے معبود ہونے کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ ـــــ یہ نہلے پے دہلہ رکھا ہے! ـــــ کہو: میں گواہی نہیں دیتا ـــــ یعنی میں ان کو معبود نہیں مانتا، اس لئے کہ ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں، اور تمہاری دلیلیں: دلیلیں نہیں، ڈھکوسلے ہیں! ـــــ معبود تو صرف ایک ہی ہیں! ـــــ اور وہ اللہ تعالیٰ ہیں، دوسرا کوئی معبود نہیں ـــــ بے شک میں بیزار ہوں ان (مورتیوں) سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو! ـــــ یہ اعلان ہر مؤمن موحد کو کرنا ہے۔

جن لوگوں کو ہم نے آسمانی کتابیں دی ہیں وہ ان کو پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، جن لوگوں نے اپنی ذاتوں کو گھاٹے میں رکھا وہ ایمان نہیں لاتے! ـــــ یعنی وہ محروم قسمت ہیں، ان کے مقدر میں کنکریاں ہیں۔

(آخری بات:) اور کون بڑا ظالم ہے اس سے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ـــــ یعنی نبی ﷺ ـــــ یا اس نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا ـــــ یعنی اہل کتاب ـــــ بلاشبہ ناانصاف کامیاب نہیں ہونگے!

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَاۗؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿٢٣﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔــوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرٰٓي اِذْ وُقِفُوْا عَلَي النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ

مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۲۸

وَيَوْمَ	اور جس دن	رَبِّنَا(۴)	ہمارے پروردگار!	اَنْ يَّفْقَهُوْهُ(۷)	کبھی سمجھ لیں وہ اس کو
نَحْشُرُهُمْ	جمع کریں گے ہم ان کو	مَا كُنَّا	نہیں تھے ہم	وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ	اور (بنایا) ان کے
جَمِيْعًا(۱)	اکٹھا	مُشْرِكِيْنَ	شریک ٹھہرانے والے		کانوں میں
ثُمَّ نَقُوْلُ	پھر پوچھیں گے ہم	اُنْظُرْ	دیکھو	وَقْرًا(۸)	بوجھ
لِلَّذِيْنَ	ان سے جنھوں نے	كَيْفَ كَذَبُوْا	کیسا جھوٹ بولا انھوں نے	وَاِنْ يَّرَوْا	اور اگر دیکھیں وہ
اَشْرَكُوْٓا	شریک ٹھہرایا	عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ	اپنے خلاف	كُلَّ اٰيَةٍ	ہر نشانی (معجزہ)
اَيْنَ	کہاں ہیں	وَضَلَّ عَنْهُمْ(۵)	اور گم ہوگئے ان سے	لَّا يُؤْمِنُوْا	نہیں ایمان لائیں گے وہ
شُرَكَاۗؤُكُمُ	تمہارے (وہ) شریک	مَّا كَانُوْا	وہ جو تھے	بِهَا	اس (نشانی) پر
الَّذِيْنَ(۲)	جن کو	يَفْتَرُوْنَ	وہ گھڑا کرتے	حَتّٰٓي اِذَا	یہاں تک کہ جب
كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ	تم مانا کرتے تھے؟	وَمِنْهُمْ	اور ان کے بعض	جَاۗءُوْكَ	آئیں گے وہ آپ
ثُمَّ لَمْ تَكُنْ	پھر نہیں ہوگا	مَّنْ يَّسْتَمِعُ	جو کان لگاتے ہیں		کے پاس
فِتْنَتُهُمْ(۳)	ان کا بوگس جواب	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	يُجَادِلُوْنَكَ	جھگڑیں گے آپ سے
اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	وَجَعَلْنَا	اور بنائے ہم نے	يَقُوْلُ	کہیں گے
قَالُوْا	کہا انھوں نے	عَلٰي قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں پر	الَّذِيْنَ	وہ جنھوں نے
وَاللّٰهِ	اللہ کی قسم	اَكِنَّةً(۶)	پردے	كَفَرُوْٓا	اسلام کو قبول نہیں کیا

(۱) جميعًا: نحشرهم کی ضمیر مفعول بہ کا حال ہے، اور مراد عابد و معبود ہیں (۲) الذين: صلہ کے ساتھ مل کر شركاؤكم کی صفت ہے، اور اسم موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے أی تزعمونهم (۳) فتنة کے متعدد معانی ہیں، مادہ فَتَنَ کے معنی ہیں: جانچنا، یہاں مشرکین کے بوگس جواب کو فتنہ کہا ہے، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے 'فریب' ترجمہ کیا ہے (۴) ربنا: مرکب اضافی اللّٰه سے بدل ہے (۵) ضَلَّ ضلالاً: بچلنا، گم ہونا، مشرکین کے معبود وہیں موجود ہونگے، مگر سفارش کے لئے زبان نہیں کھول سکیں گے، بایں اعتبار ضل عنهم فرمایا ہے۔ (۶) أكنة: كِنان کی جمع: پردہ، غلاف إكنان (افعال): دل میں چھپانا، محفوظ رکھنا (۷) أن يفقهوه میں أن: البیلا ہے، پہلے بھی ایک جگہ (سورۃ النساء آیت ۱۳۵) میں ایسا أن آیا ہے، اس کا ترجمہ ہے: کبھی، کہیں، مفسرین اس سے پہلے لام اور بعد میں لا مقدر مانتے ہیں، أی لِئَلَّا (۸) وَقر: اسم مصدر: ثقل، گرانی، بہرہ پن۔

اِنْ هٰذَآ	نہیں ہے یہ (قرآن)	اِذْ وُقِفُوْا	جب کھڑے کئے	بَلْ بَدَا (۴)	(جھوٹ!) بلکہ ظاہر ہوگیا
اِلَّآ اَسَاطِيْرُ (۱)	مگر جھوٹی داستانیں		جائیں گے وہ	لَهُمْ	ان کے منہ سے
الْاَوَّلِيْنَ	پہلوں کی	عَلَى النَّارِ	دوزخ پر	مَّا كَانُوْا	جو تھے وہ
وَهُمْ	اور وہ	فَقَالُوْا	پس کہیں گے وہ	يُخْفُوْنَ	چھپاتے
يَنْهَوْنَ (۲)	روکتے ہیں	يٰلَيْتَنَا	اے کاش ہم	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے
عَنْهُ	اس (قرآن) سے	نُرَدُّ	پھیرے جاتے	وَلَوْ رُدُّوْا	اور اگر پھیریں جائیں وہ
وَيَنْئَوْنَ (۳)	اور وہ دور رہتے ہیں	وَلَا نُكَذِّبَ	اور نہ جھلاتے	لَعَادُوْا	تو ضرور لوٹیں گے
عَنْهُ	اس (قرآن) سے	بِاٰيٰتِ	باتوں کو	لِمَا	ان کاموں کی طرف جو
وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ	اور نہیں برباد کرتے وہ	رَبِّنَا	ہمارے پروردگار کی	نُهُوْا	روکے گئے وہ
اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ	مگر اپنی ذاتوں کو	وَنَكُوْنَ	اور ہوتے ہم	عَنْهُ	ان سے
وَمَا يَشْعُرُوْنَ	اور سمجھتے نہیں وہ!	مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والوں	وَاِنَّهُمْ	اور بیشک وہ
وَلَوْ تَرٰٓى	اور اگر دیکھیں آپ		میں سے	لَكٰذِبُوْنَ	یقیناً جھوٹے ہیں

اہل کتاب بھی ظالم (غیر منصف) ہیں اور مشرکین بھی، مگر نوعیت مختلف ہے

آیتوں میں ارتباط: گذشتہ آیت کے آخر میں اہل کتاب کے تعلق سے فرمایا تھا: ﴿ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾: انصاف سے کام نہ لینے والے آخرت میں کامیاب نہیں ہونگے، الظالمون: عام ہے، مگر مراد اہل کتاب تھے، اب واو کے ذریعہ عطف کرکے مشرکین کا ظالم (غیر منصف) ہونا بیان فرماتے ہیں، جب واو کے ذریعہ عطف کیا جاتا ہے تو معطوف اور معطوف علیہ میں من وجہٍ اتحاد ہوتا ہے، اور من وجہٍ مغائرت، جیسے سورۃ الجمعہ میں آخرین کا الأمیین پر واو کے ذریعہ عطف کیا ہے، پس دونوں نبی ﷺ کی امت ہیں، مگر أمیین بلا واسطہ اور آخرین بالواسطہ۔ یہاں دونوں ظالم ہیں، مگر نوعیت مختلف ہے، اہل کتاب نبی ﷺ کے تعلق سے ظالم ہیں، اور مشرکین اللہ تعالیٰ کے تعلق سے، اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) نبی ﷺ پر ایمان نہ لاکر ان بشارتوں کی عملاً تکذیب کرتے ہیں جو ان کی کتابوں میں ہیں، پس وہ بایں اعتبار

---

(۱) أساطیر: أُسْطُوْرَة کی جمع: مذہبی جھوٹی داستان، کہانی (۲) ینھون: نَهْيٌ مصدر باب فتح سے مضارع، صیغہ جمع مذکر غائب نھی: روکنا (۳) ینئون: نأی: مصدر باب فتح سے مضارع، صیغہ جمع مذکر غائب، نأی: دور ہونا، روگردانی کرنا (۴) بل: جملہ پر داخل ہوا ہے، اس صورت میں وہ ماقبل کا ابطال کرتا ہے۔

ظالم ہیں، اور مشرکین مورتیوں کو پوجتے ہیں، ان کو خدائی میں شریک کرتے ہیں، جبکہ ان کا کوئی شریک وسہیم نہیں، پس وہ بایں اعتبار ظالم ہیں۔

آج مشرکین مورتیوں پر مفتوں ہیں، مگر کل قیامت کے دن شرک کا انکار کر بیٹھیں گے!

مشرکین آج مورتیوں کی بہ نسبت دعوی کرتے ہیں کہ وہ خدائی میں حصہ دار ہیں، اور شدائد میں شفیع ومددگار، مگر کل قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ عابدوں اور معبودوں کو ایک ساتھ جمع کریں گے، اور مشرکوں کے حق میں جہنم کا فیصلہ کریں گے، اور ان کے معبود چوں تک نہ کرسکیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ مشرکوں سے پوچھیں گے: تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم معبود مانتے تھے؟ وہ آج ایسی مصیبت میں تمہارے کام کیوں نہیں آتے؟ مشرکین بوگس جواب دیں گے، وہ شرک کا انکار کریں گے، اور قسم کھا کر انکار کریں گے، کہیں گے: ہمارے پروردگار اللہ کی قسم! (یعنی اللہ گواہ ہیں، وہ جانتے ہیں کہ) ہم نے کسی کو شریک نہیں کیا، ہم تو اللہ ہی کی عبادت کرتے تھے —— اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: دیکھو! انھوں نے اپنے خلاف کیسا جھوٹ بولا؟ آج ان کے خود ساختہ معبودان کے کچھ کام نہ آئے! یہی شرک ان کا بہت بڑا ظلم ہے، ناانصافی ہے، حضرت لقمان رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾: بے شک اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا بھاری ظلم ہے!

﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَاۗؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ۝۲۲ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۝۲۳ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝۲۴ ﴾

ترجمہ: اور وہ دن یاد کرو جب ہم ان کو اکٹھا جمع کریں گے —— یعنی عابدوں اور معبودوں کو ایک ساتھ، اور ان معبودوں کی موجودگی میں عابدوں کے حق میں جہنم کا فیصلہ ہوگا، اور معبودان کو جہنم کے عذاب سے بچا نہ سکیں گے —— پھر ہم مشرکین سے پوچھیں گے: تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم معبود سمجھتے تھے؟ —— آج وہ تمہیں دوزخ کے عذاب سے بچانے کے لئے آگے کیوں نہیں آتے؟ —— پھر ان کا بوگس جواب بس یہی ہوگا کہ وہ کہیں گے: ہمارے پروردگار اللہ کی قسم! ہم شریک نہیں کرتے تھے! —— دیکھو! انھوں نے اپنے خلاف کیسا جھوٹ بولا؟ اور ان کے وہ معبود رفو چکر ہوگئے جو وہ گھڑا کرتے تھے!

قرآنِ کریم مشرکینِ مکہ پر اثر انداز کیوں نہیں ہوتا؟

قرآنِ کریم: اللہ تعالیٰ کا پُر تاثیر کلام ہے، اور نبی ﷺ کا بڑا معجزہ ہے، جن وانس مل کر بھی اس کا چیلنج نہیں اٹھا سکتے،

پھر بھی وہ مشرکینِ مکہ پر اثر انداز نہیں ہوتا، وہ ایمان نہیں لاتے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: مشرکین قرآن کو نصیحت پذیری کے ارادے سے نہیں سنتے، اس میں کیڑے نکالنے کے لئے سنتے ہیں، اور ان کی ضد وعناد کی حالت اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ ان کے کان، آنکھیں اور دل ماؤف ہو گئے ہیں، اور جب انسان اس حالت تک پہنچ جاتا ہے تو دل پر پردہ پڑ جاتا ہے، کانوں میں ڈاٹ لگ جاتی ہے، اور آنکھیں کسی معجزہ سے متأثر نہیں ہوتیں، کوئی بات کان کے راستے دماغ میں نہیں گھستی، معجزات آنکھوں سے دیکھتا ہے مگر ان کو کچھ اہمیت نہیں دیتا، اور دل: بات سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں رہتا، پھر قرآن ان پر اثر انداز کیسے ہو؟

اور یہ مضمون سورۃ الرعد (آیت ۳۱) میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ اگر قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے ذریعہ پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹایا جاسکتا یا اس کے ذریعہ زمین جلدی جلدی طے کی جاسکتی یا اس کے ذریعہ مُردوں سے باتیں کی جاسکتیں تو بھی محروم قسمت ایمان نہ لاتے، گدھے کے سامنے زعفران کا ٹوکرا رکھیں تو وہ اس کو فوں کر کے اڑا دے گا!

اور مشرکین کا حال یہ ہے کہ جب ان کو قرآنِ کریم میں کوئی بات قابل اعتراض نہیں ملتی تو وہ اس کو مذہبی جھوٹی داستانیں کہہ کر بے اعتبار کر دیتے ہیں، خود بھی روگردانی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی راہ پر نہیں آنے دیتے، چھوٹے بڑوں کی راہ اپناتے ہیں، بڑے خود بھی ڈوبتے ہیں، ساتھ دوسروں کو بھی لے ڈوبتے ہیں! ان بڑوں کو دُوہرا عذاب ہوگا جو بے خبری میں خود کو برباد کر رہے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ دنیا دار الاسباب ہے، اور ایک طرح کی بھول بھلیاں بھی ہے، اور انسان کو بڑی حد تک اختیار دیا گیا ہے، اور اسبابِ ہدایت مہیا کئے گئے ہیں، اب اگر انسان اپنے کسب واختیار سے اسباب ہدایت سے استفادہ کرے تو وہ راہ یاب ہوگا، ورنہ محروم رہے گا، اس لئے کہ یہاں حق وباطل یکساں نظر آتے ہیں، جیسی عینک پہن لی جائے وہی حق نظر آتا ہے، اور راہ رو ایک حد تک یوٹرن کر سکتا ہے، اور جب وہ ﴿فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ﴾: گہرے اختلاف میں پڑ جائے تو یوٹرن نہیں کر سکتا، اس حالت کو قرآنِ کریم دل پر مہر، کان میں ڈاٹ اور آنکھ پر پردہ پڑ جانے سے تعبیر کرتا ہے، مشرکین مکہ اس حالت تک پہنچ گئے تھے، اس لئے قرآنِ کریم جیسا عظیم معجزہ بھی ان پر اثر انداز نہیں ہوتا، پس قصور چمگادڑوں کی آنکھوں کا ہے، نہ کہ سورج کی ٹکیہ کا!

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ مع تفسیر: اور بعض مشرکین ـــــ یعنی مشرکین کے بڑے، گرو ـــــ آپ کی طرف کان لگا کر (قرآن) سنتے ہیں ـــــ مگر نصیحت پذیری کے لئے نہیں، بلکہ اس میں کیڑے نکالنے کے لئے سنتے ہیں ـــــ یہ بات محذوف ہے اور اس کا قرینہ اگلا ارشاد ہے ـــــ اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے، کہیں وہ قرآن کو سمجھ لیں! ـــــ اور ایمان لے آئیں، یعنی ان کے ایمان لانے کی استعداد درجۂ صفر کو پہنچ گئی ہے، اب وہ قرآن کو سمجھ نہیں سکتے، اس لئے ان کے ایمان کی توقع فضول ہے! ـــــ ﴿ اَنْ يَّفْقَهُوْهُ ﴾: کہیں وہ قرآن کو سمجھ لیں اور ایمان لے آئیں: ایسا نہ ہوجائے اس لئے اللہ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں ـــــ پس یہ ایک دقیق تعبیر ہے اس بات کی کہ ان کی ایمان لانے کی استعداد رجۂ صفر تک پہنچ گئی ہے، اب ان سے ایمان لانے کی توقع رکھنا فضول ہے ـــــ اور چونکہ یہ تعبیر دقیق ہے، اس لئے مفسرین کرام اس کی تقدیر عبارت لِئَلاَّ يَفْقَهُوْهُ نکالتے ہیں، اب ترجمہ ہوگا: تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھیں اور ایمان نہ لائیں، اس تقدیر کا بھی یہی مطلب ہے کہ ان کی ایمان لانے کی استعداد ختم ہوگئی ہے۔

اور ان کے کانوں کو بہرہ کردیا ہے ـــــ ﴿ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ ﴾ کا ﴿ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ پر عطف ہے، پس ﴿ جَعَلْنَا ﴾ یہاں بھی آئے گا ـــــ اور اگر ان کو سارے ہی معجزات دکھا دیئے جائیں ـــــ یعنی دنیا بھر کے معجزات دکھا دیئے جائیں ـــــ تو بھی وہ ان کی وجہ سے ایمان نہیں لائیں گے ـــــ اس لئے کہ ان کی آنکھوں پر بھی پردے پڑ گئے ہیں ـــــ حتی کہ ـــــ یعنی ان کی ضد وعناد کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ـــــ جب وہ آپؐ کے پاس آئیں گے آپؐ سے جھگڑا (کٹ حجتی) کریں گے، منکرین اسلام کہیں گے: یہ (قرآن) تو بس اگلوں کی مذہبی جھوٹی داستانیں ہیں، اور وہ (یہ کہہ کر) لوگوں کو (اسلام سے) روکتے ہیں، اور خود بھی روگردانی کرتے ہیں، اور وہ (آخرت میں) اپنی ذاتوں ہی کو برباد کررہے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں!

لو جی! دل کی بات زبان پر آگئی!

ابھی (آیت ۲۳) میں یہ بات آئی ہے کہ قیامت کے میدان میں اللہ تعالیٰ مشرکوں کو اور ان کے معبودوں کو ایک ساتھ جمع کرکے عابدوں سے پوچھیں گے: ''تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم نے معبود بنا رکھا تھا؟'' یعنی وہ آج تمہاری مدد کے لئے آگے کیوں نہیں آتے؟ ـــــ اس وقت مشرکین جھوٹ بولیں گے، کہیں گے: ﴿ وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴾ ہمارے پروردگار اللہ کی قسم! ہم نے کسی کو آپ کے ساتھ عبادت میں شریک نہیں کیا! ـــــ یہ قصہ میدانِ حشر کا ہے۔

پھر مشرکین وکفار کو گروہ گروہ بنا کر دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا، اور سورۃ الزمر کے آخری رکوع میں ہے کہ دوزخ کا دروازہ بند ہوگا، جیسے جیل کا دروازہ بند ہوتا ہے، جب دوزخی: دوزخ کے دروازے پر پہنچیں گے تو وہاں ان کو روکا جائے گا،

تا کہ دروازہ کھول کر ان کو اس میں ٹھونسا جائے، پھر دروازہ بھیڑ دیا جائے۔

اس وقت کفار و مشرکین دوزخ کا ہولناک منظر دیکھیں گے، اور حواس باختہ ہو کر کہیں گے: ''اے کاش ہمیں ایک چانس دیا جاتا، دنیا کی طرف پھیرا جاتا، اگر ایسا ہو جائے تو ہم اللہ کی باتوں کی ہرگز تکذیب نہیں کریں گے، ان کو مان لیں گے اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جائیں گے!'' —— یہ آرزو اقرار ہے کہ انھوں نے پہلی زندگی میں اللہ کی باتیں نہیں مانی تھیں، شرک و کفر میں مبتلا رہے تھے —— یہ وہ دل کی بات ہے جو بے ساختہ زبان پر آ گئی، اسی کو کہتے ہیں: ''جادو وہ جو سر پے چڑھ کر بولے!'' یعنی سچی بات وہی جس کا آدمی اپنی زبان سے اعتراف کرے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انھوں نے جو یہ تمنا کی ہے یہ بھی جھوٹی آرزو ہے، اس لئے کہ ان کو دنیا کی طرف پھیرنے کی دو ہی صورتیں ہیں:

اول: قیامت کا منظر یاد ہوتے ہوئے پھیرنا، پس وہ ایمان بالغیب نہیں رہا، جبکہ مطلوب ایمان بالغیب ہے، کتاب دیکھ کر امتحانی سوال کا جواب لکھا تو کیا خاک لکھا! زبانی جواب لکھے اور کامیاب ہو: وہی کامیابی ہے۔

دوم: قیامت کے احوال (خوفناک مناظر) بھلا کر لوٹانا، اس صورت میں وہ ضرور وہی کام کریں گے جو وہ اس پہلی زندگی میں کر رہے ہیں، جن سے قرآن روک رہا ہے، اس لئے کہ کتے کی دُم سو سال تک نلکی میں رکھی جائے، پھر بھی جب نکلے گی ٹیڑھی نکلے گی، پس وہ اپنی آرزو میں بھی جھوٹے ہیں، اس لئے ان کو چانس دینے میں کوئی فائدہ نہیں، ان کو ان کے گھر تک پہنچانا چاہئے۔

﴿یہاں پر رسالت کا بیان پورا ہوا، آگے آخرت کا مضمون ہے﴾

﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر آپ وہ منظر دیکھیں جب وہ (کفار و مشرکین) دوزخ پر کھڑے کئے جائیں گے، پس وہ کہیں گے: ''اے کاش ہم (دنیا کی طرف) لوٹائے جاتے، اور ہم ہمارے پروردگار کی باتوں کی تکذیب نہ کرتے، اور ہم ایمان لانے والوں میں شامل ہو جاتے!''

(جھوٹ!) بلکہ ان کے منہ سے وہ بات نکل پڑی جس کو وہ پہلے چھپا رہے تھے —— اور اگر وہ (دنیا کی طرف) پھیرے جائیں تو وہ ضرور وہ کام کریں گے جن سے وہ (فی الحال) روکے جا رہے ہیں، اور بے شک وہ البتہ جھوٹے ہیں

—— یعنی ان کی آرزو خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

وَقَالُوْٓا	اور انھوں نے کہا	بَلٰى	کیوں نہیں	بَغْتَةً	اچانک
اِنْ هِيَ	نہیں وہ (زندگی)	وَرَبِّنَا	ہمارے رب کی قسم!	قَالُوْا	(تو) کہیں گے وہ
اِلَّا حَيَاتُنَا	مگر ہماری زندگانی	قَالَ	فرمائیں گے	يٰحَسْرَتَنَا	ہائے افسوس!
الدُّنْيَا	دنیوی	فَذُوْقُوا	تو چکھو	عَلٰى مَا	اس پر جو
وَمَا نَحْنُ	اور نہیں ہیں ہم	الْعَذَابَ	سزا	فَرَّطْنَا	کوتاہی کی ہم نے
بِمَبْعُوْثِيْنَ	دوبارہ زندہ کئے ہوئے	بِمَا كُنْتُمْ	اس کی جو تھے تم	فِيْهَا	اس (دنیا) میں
وَلَوْ تَرٰٓى	اور اگر آپ دیکھیں	تَكْفُرُوْنَ	انکار کرتے	وَهُمْ	اور وہ
اِذْ وُقِفُوْا	جب کھڑے کئے جائیں	قَدْ خَسِرَ	بالیقین گھاٹے میں	يَحْمِلُوْنَ	اٹھائیں گے
	گے وہ		رہیں گے	اَوْزَارَهُمْ	اپنے بوجھ
عَلٰى رَبِّهِمْ	ان کے رب کے سامنے	الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا	وہ جنھوں نے جھٹلایا	عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ	اپنی پیٹھوں پر
قَالَ	فرمائیں گے	بِلِقَآءِ اللّٰهِ	اللہ سے ملنے کو	اَلَا سَآءَ	سن! برا ہے
اَلَيْسَ هٰذَا	کیا نہیں ہے یہ (زندگی)	حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	مَا يَزِرُوْنَ	جو بوجھ وہ اٹھائیں گے
بِالْحَقِّ	برحق؟	جَآءَتْهُمُ	پہنچے گی ان کو	وَمَا الْحَيٰوةُ	اور نہیں ہے زندگانی
قَالُوْا	جواب دیں گے وہ	السَّاعَةُ	قیامت	الدُّنْيَآ	دنیوی

اِلَّا لَعِبٌ[1]	مگر کھیل	الْاٰخِرَةُ	آخرت کا	يَتَّقُوْنَ	پرہیز گاری کی زندگی
وَّلَهْوٌ	اور دل بہلانا	خَيْرٌ	بہتر ہے		اپناتے ہیں
وَ لَلدَّارُ	اور البتہ گھر	لِّلَّذِيْنَ	ان کے لئے جو	اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	کیا پس تم سمجھتے نہیں!

آخرت کا بیان

جو لوگ آج آخرت کو نہیں مانتے وہ کل قیامت کو قسم کھا کر مانیں گے، مگر وہ ماننا لا حاصل ہوگا

اسلام کا تیسرا بنیادی عقیدہ آخرت کا ہے، ان آیات میں اسی کا بیان ہے، عقیدۂ آخرت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی یہ زندگی سب کچھ نہیں، اس کا ایک جوڑا ہے، یہ زندگی ایک دن ختم ہوجائے گی، بساط الٹ دی جائے گی، اس دنیا کا آخری دن آجائے گا، اس دن میں تمام مخلوقات دوبارہ پیدا کی جائیں گی، اور وہ آخری دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا (سورۃ المعارج) اس دن میں حساب کتاب ہوگا، پھر غیر مکلّف مخلوقات کو مٹی بنادیا جائے گا، اور مکلّف مخلوقات (جنّ وانس) کو آگے بڑھایا جائے گا، نیکوکاروں کو باغات میں پہنچایا جائے گا، اور بدکاروں کو آگ کی بھٹی میں جھونکا جائے گا، پھر جنتی تا ابد اپنے باغات میں عیش کریں گے اور دوزخی آگ میں واویلا کریں گے۔

آج عام لوگ آخرت کے بارے میں غفلت کا شکار ہیں، ان کی نظر میں یہ دنیا ہی سب کچھ ہے، اس کے بعد کوئی زندگی نہیں، اور کچھ لوگ آخرت کو مانتے ہیں، مگر ایسا مانتے ہیں جو نہ ماننا ہے۔

ہندو آواگون کے قائل ہیں، ان کے نزدیک انسان مر کر پھر اسی دنیا میں جزاؤسزا کے لئے آجاتا ہے، عربی میں اس کو تناسخ کہتے ہیں، نسخ کے معنی ہیں: ہٹانا، پس تناسخ (تفاعل) کے معنی ہیں: ایک زندگی کا دوسری زندگی کو ہٹانا، ان کے نزدیک یہ دنیا اسی طرح چلتی رہے گی، کبھی ختم نہ ہوگی، قرآنِ کریم بار بار کہتا ہے کہ یہ بات خلافِ واقعہ ہے، آخرت کی زندگی دوسری مستقل زندگی ہے، یہاں اچھا برا عمل ہے، اور وہاں اس کی جزاؤسزا ہے۔

اور اہل کتاب (یہود ونصاری) بھی آخرت کو مانتے ہیں، مگر وہ خود کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں، اور جہنم کو دوسروں کے لئے تجویز کرتے ہیں، ان کا نظریہ بھی غلط ہے، یہ ماننا بھی نہ ماننا ہے، قرآنِ کریم بار بار کہتا ہے: جنت اور جہنم کے فیصلے

(۱) لہو ولعب کے معنی لغت میں متقارب بلکہ متحد ہیں، دونوں ساتھ مستعمل ہیں، اور ترجمہ کھیل تماشا کرتے ہیں، البتہ اعتباری فرق کیا جاسکتا ہے، بیان القرآن میں ہے: ''غیر نافع امر میں مشغول ہونے کے دو اثر ہیں: ایک: خود اس کی طرف متوجہ ہونا، دوسرے: اس توجہ کی وجہ سے نافع امور سے بے توجہی ہوجانا، وہ (غیر نافع) امر: اول اعتبار سے لعب کہلاتا ہے، اور دوسرے اعتبار سے لہو، کذا فی الروح'' —— مثلاً: تفریحِ طبع کے لئے کھیلنا 'لعب' ہے اور اس میں ایسا لگ جانا کہ سبق جائے 'لہو' ہے۔

'نسل' کی بنیاد پر نہیں ہونگے، ایمان صحیح اور اعمالِ صالحہ کی بنیاد پر ہونگے۔

اور ناستک (ملحد، بددین) دوسری زندگی ہی کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: زندگی بس دنیا کی زندگی ہے، لوگ دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے، جب تک جیتے ہیں: جیتے ہیں، پھر مر کر کھپ جائیں گے، لہٰذا اس زندگی میں خوب مزے اڑالو، آخرت کے تصور سے دنیا کے عیش کو مکدر مت کرو، تمام مادہ پرستوں کا یہی نظریہ ہے، ایک ملحد شاعر نے بابر بادشاہ کو مشورہ دیا ہے: بابر! بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست! جناب! مزے اڑالو کہ یہی دنیا ہے، آگے کوئی دنیا نہیں!

قرآنِ پاک فرماتا ہے: کاش لوگ وہ منظر دیکھیں: جب اس دنیا کا آخری دن آئے گا، مُردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، اور ان کو پروردگارِ عالم کے سامنے کھڑا کیا جائے گا: تب اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے: کیا یہ دوبارہ زندہ ہونا برحق نہیں؟ کیا تمہیں اب اس دوسری زندگی میں کچھ شک ہے؟ وہ جواب دیں گے: ہمارے پروردگار کی قسم! ہمیں اب ذرا شک نہیں، یہ دوسری زندگی بالکل برحق ہے، ہم واقعی دوبارہ زندہ ہو گئے! —— مگر یہ اعتراف لا حاصل ہوگا، اس لئے کہ چڑیاں چگ گئیں کھیت! ایمان و عمل صالح کی دنیا پیچھے چلی گئی، یہ دوسری دنیا تو جزائے اعمال کی دنیا ہے، اور منکرین آخرت نے عمل کی دنیا میں آخرت کی کچھ تیاری نہیں کی، عیش و عشرت میں زندگی گذاری، پس چاہ کن را چاہ درپیش! جو کھڈا کھودتا ہے: اس میں گرتا ہے!

﴿ وَقَالُوٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝۲۹ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۰ ﴾

ترجمہ: اور وہ لوگ —— یعنی مشرکین مکہ —— کہتے ہیں: زندگی تو بس دنیا کی زندگی ہے، اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے! —— اور اگر آپ دیکھیں: جب وہ ان کے پروردگار کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے (تب اللہ تعالیٰ) پوچھیں گے: کیا (زندہ ہونا) برحق نہیں؟ —— وہ جواب دیں گے: کیوں نہیں! ہمارے پروردگار کی قسم! —— بالکل برحق ہے، ہم واقعی دوبارہ زندہ کردیئے گئے —— (پس) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اب عذاب چکھو، تمہارے (اس زندگی کا) انکار کرنے کی وجہ سے!

آخرت کی فکر ہی ایمان اور عمل صالح پر لاتی ہے

واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ آخرت میں گھاٹے میں رہیں گے، یہ دنیا جو رات دن چل رہی ہے، ایک دن اچانک رک جائے گی، اور قیامت سامنے آ کھڑی ہوگی، اس دن منکرین آخرت کفِ افسوس ملیں گے، انھوں نے دنیا کی زندگی میں جو کوتاہیاں کی ہیں ان پر پشیمان ہونگے، وہ اپنے گناہوں کی گٹھڑیاں اپنی پیٹھوں پر لادے جہنم کی طرف روانہ ہونگے، وہ خبردار ہوجائیں، وہ جو بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں: وہ بہت برا بوجھ ہے، اس بوجھ سے جو گلوخلاصی چاہتا ہے وہ ابھی آخرت کو مان لے، ایمان لے آئے اور عمل صالح پر پڑ جائے۔

﴿ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝۳۱ ﴾

ترجمہ: واقعہ یہ ہے ــــ یعنی تحقیقی بات یہ ہے ــــ کہ وہ لوگ گھاٹے میں رہے جواللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ــــ یعنی آخرت کو ــــ نہیں مانتے ــــ یہاں تک کہ جب ان کے سامنے اچانک قیامت آ کھڑی ہوگی ــــ یہاں تک کہ: یعنی وہ آخرت کا انکار ہی کرتے رہیں گے کہ اچانک قیامت برپا ہوجائے گی ــــ تو وہ کہیں گے: ہائے افسوس! ہماری کوتاہی پر اُس (دنیا کی زندگی) میں! اور وہ اپنے (گناہوں کے) بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائیں گے، خبردار! برا ہے وہ بوجھ جو وہ اٹھائیں گے!

دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا ہے!

منکرینِ آخرت اور نیم منکرین آخرت جان لیں کہ دنیا کی یہ زندگی محض کھیل تماشہ ہے، میدان میں کھیلنے والے اور تماشہ بیں تھوڑی دیر اچھل کود کرتے ہیں، اور دیکھنے والے محظوظ ہوتے ہیں، پھر جب کھیل ختم ہوتا ہے تو سب خالی ہاتھ گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔

اور جو لوگ آخرت کو کماحقہ مانتے ہیں وہ ہمہ وقت اس کی تیاری میں لگے رہتے ہیں، اور پرہیزگاری کی زندگی اپناتے ہیں، اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے، ان کے لئے آخرت کا گھر دنیا کے عیش وعشرت سے بہتر ہے، وہ جنت میں مزے اڑائیں گے، یہ بات لوگ گوشِ ہوش سے سن لیں۔

فائدہ: اس آیت کے ذیل میں دو باتیں یاد رکھیں:

ایک: یہ جو فرمایا ہے کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا ہے: یہ منکرین آخرت اور نیم منکرین آخرت کے تعلق سے ہے، نیم منکرین آخرت: وہ مسلمان ہیں جو زبان سے تو آخرت کو مانتے ہیں، مگر ان کا عمل گواہی دیتا ہے کہ وہ نہیں مانتے ــــ رہے مؤمنین تو ان کے تعلق سے یہ دنیا جِدّ (سنجیدگی) ہے، یہاں بونا ہے وہاں کاٹنا ہے، اس لئے مؤمن تو آخرت کے لئے جِد وجُہد میں لگا رہتا ہے، ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتا۔

دوم: اور کھیل تماشہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑی دیر کا قصہ ہے، جلد دنیا ختم ہونے والی ہے، جیسے کھیل مسلسل نہیں چلتا، گھنٹہ بعد ختم ہوجاتا ہے، اور کھلاڑی اور تماشہ بیں خالی دامن گھر لوٹ جاتے ہیں۔

﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۳۲ ﴾

ترجمہ: دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے، اور آخرت کا گھر (جنت) یقیناً بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو پرہیز گاری کی زندگی اپناتے ہیں، کیا پس تم بات سمجھتے نہیں!

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

قَدْ نَعْلَمُ	بالتحقیق ہم جانتے ہیں	كُذِّبَتْ	جھٹلائے گئے	مِنْ نَّبَاِی (۳)	کچھ خبریں
اِنَّهٗ	بے شک شان یہ ہے	رُسُلٌ	رسول	الْمُرْسَلِيْنَ	رسولوں کی
لَيَحْزُنُكَ	یقیناً غمگین کرتی ہیں آپ کو	مِّنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	وَاِنْ كَانَ	اور اگر بھاری معلوم
الَّذِيْ	جو باتیں	فَصَبَرُوْا	پس برداشت کیا انھوں نے	كَبُرَ عَلَيْكَ	ہوتا ہوا آپ کو
يَقُوْلُوْنَ	وہ لوگ کہتے ہیں	عَلٰى مَا كُذِّبُوْا (۲)	ان کی تکذیب کو	اِعْرَاضُهُمْ	ان کا روگردانی کرنا
فَاِنَّهُمْ (۱)	پس بے شک وہ	وَاُوْذُوْا	اور ان کی ایذا رسانی کو	فَاِنِ	پس اگر
لَا يُكَذِّبُوْنَكَ	آپ کی تکذیب نہیں کرتے	حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ	یہاں تک کہ پہنچی ان کو	اسْتَطَعْتَ	آپ کے بس میں ہو
وَلٰكِنَّ	بلکہ	نَصْرُنَا	ہماری مدد	اَنْ تَبْتَغِيَ	کہ تلاش کریں آپ
الظّٰلِمِيْنَ	حق تلفی کرنے والے	وَلَا مُبَدِّلَ	اور کوئی بدلنے والا نہیں	نَفَقًا	کوئی سوراخ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں کا	لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں (وعدوں) کو	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
يَجْحَدُوْنَ	انکار کرتے ہیں	وَلَقَدْ	اور بخدا واقعہ یہ ہے کہ	اَوْ سُلَّمًا	یا کوئی سیڑھی
وَلَقَدْ	اور بخدا واقعہ یہ ہے کہ	جَآءَكَ	پہنچ چکی ہیں آپ کو	فِي السَّمَآءِ	آسمان میں

(۱) فا: تعلیلیہ ہے۔ (۲) ما: مصدریہ ہے، (۳) مِن: تبعیضیہ ہے

فَتَاْتِيَهُمْ	پس لے آئیں آپ	وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے	عَلَى الْهُدٰى	ہدایت پر
	ان کے پاس	اللهُ	اللہ تعالیٰ	فَلَا تَكُوْنَنَّ	پس ہرگز نہ ہوں آپ
بِاٰيَةٍ(۱)	کوئی مطلوبہ معجزہ	لَجَمَعَهُمْ	تو اکٹھا کر دیتے ان کو	مِنَ الْجٰهِلِيْنَ(۲)	نادانوں میں سے

رسول اللہ ﷺ کو دلاسا

ارتباط: یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۵۵ ہے، مکی سورتیں کل ۸۵ ہیں، وہ سخت مخالفت کا زمانہ تھا، مکی دور میں مشکل سے سو آدمی ایمان لائے ہیں، نبی ﷺ رات دن محنت کرتے تھے، مگر اکا دکا کوئی ایمان لاتا تھا، اور جو مسلمان ہوتا تھا: مکہ والے اس کا مکہ میں جینا حرام کر دیتے تھے، وہ بے چارہ جان بچانے کے لئے وطن چھوڑ کر حبشہ چلا جاتا تھا، مکہ میں نبی ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے چند نفوس رہ گئے تھے۔

ایسی صورت میں داعی فکر مند ہوتا ہے، وہ سوچتا ہے: میں لوگوں کی خیر خواہی کرتا ہوں، ان کو جہنم سے بچانا چاہتا ہوں، ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا پیغام رکھتا ہوں، مگر وہ قریب نہیں آتے، دن بہ دن دور ہوتے جا رہے ہیں، اور اسلام قبول کرنے والوں کو ناقابل برداشت تکالیف پہنچاتے ہیں، اور زندگی مختصر ہے، اللہ جانیں میرا مشن کامیاب ہوگا یا نہیں؟

یہ باتیں سوہانِ روح بنی رہتی ہیں، اس لئے اسلام کے بنیادی عقائد: توحید، رسالت اور آخرت کے بیان کے بعد اب داعیٔ اسلام کو دلاسا دیا جاتا ہے کہ وہ ذرا صبر کریں، اللہ کی مدد جلد آئے گی، اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔

منکرین اسلام درحقیقت اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں، پیغمبر دل گیر نہ ہوں

اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں کہ نبی ﷺ مشرکوں کے اعراض وتکذیب سے بے چین ہیں، کیوں دل گیر ہوتے ہیں؟ لوگ بظاہر آپؐ کی تکذیب کرتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ اللہ پاک کی باتوں کا انکار کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کو برداشت کر رہے ہیں، پس اللہ کے رسول بھی اللہ کی سنت اپنائیں، صبر سے کام لیں، اور ان ظالموں کا معاملہ اللہ کے حوالے کریں اور اپنے کام میں لگے رہیں۔

شانِ نزول کی روایت: ایک مرتبہ ابوجہل (مہا گدھے) نے خود رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا: محمد! ہمیں آپؐ پر جھوٹ کا کوئی گمان نہیں، ہم آپؐ کی تکذیب نہیں کرتے، ہم اس کتاب کی اور اس دین کی تکذیب کرتے ہیں جو آپؐ پیش

(۱) إن: کی جزاء محذوف ہے، أی فَافْعَلْ اور باء صلہ کی ہے اور آیت (نشانی) سے مراد معجزہ ہے (۲) اردو میں 'جاہل' گالی ہے، وہ مراد نہیں، عربی میں اس کے معنی ہیں: نادان، انجان، یہ معنی مراد ہیں۔

کررہے ہیں (مظہری) پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو پال رہے ہیں، اب اگر اللہ کا نمائندہ ان کی فکر میں جان دیدے تو یہ مدعی سست گواہ چست والا معاملہ ہوگا، ایسا نہیں ہونا چاہئے!

﴿قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ۝﴾

ترجمہ: ہم بالیقین یہ بات جانتے ہیں کہ مشرکین جو باتیں کرتے ہیں وہ آپؐ کو دل گیر کرتی ہیں —— آپؐ ان کی باتوں کا اثر قبول نہ کریں —— اس لئے کہ وہ (درحقیقت) آپ کی تکذیب نہیں کرتے، بلکہ ظالم (اللہ کی حق تلفی کرنے والے) اللہ تعالیٰ کی باتوں کا انکار کرتے ہیں —— پس یہ کس قدر سنگین بات ہے! پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو سزا نہیں دیتے، برداشت کرتے ہیں، آپؐ بھی برداشت کریں۔

اللہ کے رسول کی تکذیب آج کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ ہوتی رہی ہے!

ماضی میں بھی لوگوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا ہے، مگر وہ حضرات لوگوں کی تکذیب اور ایذا رسانی کو سہتے رہے، اور ہمت سے کام میں لگے رہے، ایک دن ان کو اللہ کی مدد پہنچی، وہ سرخ رو ہوئے اور ان پر ایمان لانے والے کامیاب ہوئے، اور یہ انبیاء اور مؤمنین کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے، وہ ایک دن ضرور کامیاب ہوتے ہیں، اور کافروں کی چیرہ دستیوں سے نجات پاتے ہیں، سورۃ یونسؑ (آیت ۱۰۳) میں ہے: ﴿ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾: بالآخر ہم (مخالفوں کی ایذا رسانیوں سے) اپنے رسولوں کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیتے ہیں، اور اللہ کے اس وعدے کو کوئی بدل نہیں سکتا، وہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے، اس سلسلہ کے بعض واقعات قرآنِ کریم میں بھی نازل کئے گئے ہیں، موسیٰ علیہ السلام، ان کی قوم بنی اسرائیل اور ان کے دشمن فرعونیوں کا بار بار قرآن میں ذکر آیا ہے، وہ کتنی پُر خار وادیوں سے گذر کر کامیابی کی منزل تک پہنچے ہیں، نبی ﷺ انبیاء کا یہ اسوہ (نمونہ) سامنے رکھیں اور کام میں لگے رہیں۔

فائدہ: مکی دور میں مخالفت اسی طرح چلتی رہی، اور ہجرت کے بعد تیز تر ہوگئی، پھر سن ۲ ہجری میں میدانِ بدر میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے سرداروں کو نمٹا دیا، پس اسلام کی ترقی شروع ہوئی، اسی لئے جنگ بدر کو قرآنِ کریم نے یوم الفرقان (فیصلہ کن دن) قرار دیا ہے۔

﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِ الْمُرْسَلِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ آپؐ سے پہلے (بھی) رسولوں کی تکذیب کی گئی، پس انھوں نے کفار کی تکذیب اور

ایذا رسانی پر صبر کیا، یہاں تک کہ ان کو ہماری مدد پہنچی، اور اللہ کے وعدوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور بالیقین آپؐ کو (گذشتہ) رسولوں کے کچھ واقعات پہنچ چکے ہیں!

لوگوں کو راہِ راست پر لانا نبی کے اختیار میں نہیں، یہ کام اللہ کا ہے

مشرکین کے چند مطالبات تھے، ایک مطالبہ یہ تھا کہ مکہ کے گرد سے پہاڑ ہٹا دیئے جائیں، اور زمین پھاڑ کر نہریں بہادی جائیں، تاکہ کھیت لہلہانے لگیں: ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا﴾: اور ان لوگوں نے کہا: ہم آپؐ کی بات ہرگز نہیں مانیں گے تا آنکہ آپؐ ہمارے لئے سرزمین مکہ کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری کردیں —— اور اس بنجر اور بے آب وگیاہ سرزمین کو سرسبز وشاداب کردیں۔

ان کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ آپؐ سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھیں، اور مشرکوں کے سرداروں کے نام خطوط لائیں تو وہ ایمان لائیں: ﴿اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ﴾: یا آپؐ آسمان پر چڑھیں اور آپؐ کا آسمان پر چڑھنا ہم ہرگز تسلیم نہ کریں گے، یہاں تک کہ آپؐ اتار لائیں کوئی ایسا نوشتہ جسے ہم خود پڑھیں —— اس قسم کے کفار کے اور بھی مطالبات تھے، ان کا جواب سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۹۳) میں یہ دیا ہے کہ کہو: میں ایک انسان رسول ہوں! معجزات دکھانا میرے اختیار میں نہیں؟ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، میرا کام پیغام رسانی ہے، اور بس!

یہاں بھی یہی بات بیان فرمائی ہے کہ اگر پیغمبر کو مشرکین مکہ کی روگردانی شاق گذرے، اور ان کا دل چاہے کہ مشرکین کے یہ مطالبے پورے کئے جائیں، تاکہ وہ ایمان لے آئیں، اور اسلام کی راہ ہموار ہو تو وہ ایسا کر دکھائیں! یہ بات ان کے بس میں کہاں ہے؟ معجزات تو اللہ تعالیٰ انبیاء کے ہاتھوں ظاہر کرتے ہیں، اور ابھی تکوینی مصلحت نہیں ہے کہ یہ معجزات دکھائے جائیں، کیوں کہ اگر یہ معجزات دیکھ کر وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو ہلاک کئے جائیں گے، سنت اللہ یہی ہے، جبکہ آگے چل کر ان کا ایمان لانا مقدر ہے، وہی اسلام کے علم بردار بنیں گے۔

ویسے اللہ تعالیٰ قادر مطلق (کامل) ہیں، چاہیں تو بغیر کسی معجزہ کے بھی ان کو راہِ راست پر لے آئیں، مگر مصلحت نیست کہ از پردہ بیروں افتد سرّے: حقائق واشگاف ہوجائیں: یہ مصلحت نہیں، اس لئے کہ اللہ نے انسان کو بڑی حد تک اختیار دیا ہے، اور اللہ کی حکمت یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی سے ایمان لائے تاکہ وہ جنت کا حقدار بنے، یہ بات بوجھ لینی چاہئے!

﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۳۵﴾

ترجمہ: اور اگر آپؐ کو ان کا روگردانی کرنا شاق گذر رہا ہو تو اگر آپ کے بس میں ہو کہ آپ زمین میں کوئی سوراخ

تلاش کرلیں، یا آسمان میں (چڑھنے کے لئے) کوئی سیڑھی پالیں، پس آپ اُن کو (مطلوبہ) معجزہ دکھائیں ـــ تو ایسا کر دیکھیں! مگر یہ آپ کے اختیار میں کہاں ہے؟ لہٰذا صبر کریں ـــ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو ان کو راہ راست پر اکٹھا کردیں ـــ یعنی جبراً ہدایت پر لاکر مسلمانوں میں شامل کردیں، مگر یہ بات مصلحتِ تکلیف کے خلاف ہے ـــ لہٰذا آپ ہرگز انجانے نہ بنیں! ـــ اللہ کی حکمت کو بوجھیں!

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ ۗ مَن يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَن يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٣٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٠﴾ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِن شَاءَ وَتَنسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ﴿٤١﴾

ع ۱۱

اِنَّمَا	اس کے سوانہیں کہ	يُرْجَعُوْنَ	لوٹائے جائیں گے وہ	قَادِرٌ	قدرت رکھنے والے ہیں
يَسْتَجِيْبُ	لبیک کہتے ہیں	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ	اتارنے پر
الَّذِيْنَ	جولوگ	لَوْلَا نُزِّلَ	کیوں نہیں اتارا گیا	اٰيَةً	(مطلوبہ) معجزہ
يَسْمَعُوْنَ	سنتے ہیں	عَلَيْهِ	اُس (رسول) پر	وَّلٰكِنَّ	لیکن
وَالْمَوْتٰى	اور مُردے	اٰيَةٌ	کوئی (مطلوبہ) معجزہ	اَكْثَرَهُمْ	ان کے اکثر
يَبْعَثُهُمُ	زندہ کریں گے ان کو	مِّنْ رَّبِّهٖ	اس کے رب کی طرف سے	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں (وجہ)
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قُلْ	جواب دو	وَمَا مِنْ(۱) دَآبَّةٍ	اور کوئی بھی رینگنے والا
ثُمَّ اِلَيْهِ	پھر اسی کی طرف	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ		جانور نہیں ہے

(۱) مِن: زائدہ، نفی کی تاکید کے لئے ہے

فِي الْأَرْضِ	زمین میں	صُمٌّ	بہرے ہیں	أَوْ أَتَتْكُمُ	یا پہنچے تمہیں
وَلَا طَائِرٍ	اور نہ کوئی پرندہ	وَّبُكْمٌ	اور گونگے ہیں	السَّاعَةُ	قیامت
يَطِيرُ(۱)	اڑتا ہے وہ	فِي الظُّلُمٰتِ	تاریکیوں میں ہیں	أَغَيْرَ اللهِ	کیا اللہ کے علاوہ کو
بِجَنَاحَيْهِ	اپنے دونوں پروں سے	مَنْ يَّشَإِ	جسے چاہیں	تَدْعُوْنَ	پکاروگے تم
إِلَّآ أُمَمٌ	مگر جماعتیں ہیں	اللهُ	اللہ تعالیٰ	إِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
أَمْثَالُكُمْ	تم جیسی	يُضْلِلْهُ	بچلا دیں اس کو	صٰدِقِيْنَ	سچے
مَا فَرَّطْنَا	نہیں چھوڑی ہم نے	وَمَنْ يَّشَأْ	اور جسے چاہیں	بَلْ إِيَّاهُ	بلکہ اسی کو
فِي الْكِتٰبِ	نوشتہ میں	يَجْعَلْهُ	کردیں اس کو	تَدْعُوْنَ	پکاروگے تم
مِنْ شَيْءٍ	کوئی چیز	عَلٰى صِرَاطٍ	راستے پر	فَيَكْشِفُ	پس کھولیں گے وہ
ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ	پھر ان کے رب کی طرف	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے	مَا تَدْعُوْنَ	جو پکارتے ہو تم
يُحْشَرُوْنَ	جمع کئے جائیں گے وہ	قُلْ	کہہ دو:	إِلَيْهِ	اس کی طرف
وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	أَرَءَيْتَكُمْ(۲)	بتلاؤ	إِنْ شَآءَ	اگر چاہیں گے وہ
كَذَّبُوْا	جھٹلایا	إِنْ أَتٰكُمْ	اگر تمہیں پہنچے	وَتَنْسَوْنَ	اور بھول جاؤگے تم
بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو	عَذَابُ اللهِ	اللہ کا عذاب	مَا تُشْرِكُوْنَ	جن کو شریک ٹھہراتے ہو

اسلام وہی قبول کرتا ہے جس کے کان سنیں اور دل سمجھے!

گذشتہ آیت میں تھا کہ اگر نبی ﷺ پر مشرکین کی روگردانی گراں گذرتی ہے، اور ان کا دل چاہتا ہے کہ مشرکین کو ان کے مطلوبہ معجزات دکھائے جائیں تو دکھادیں! مگر یہ کام ان کے بس کا کہاں ہے؟ معجزات تو اللہ تعالیٰ دکھاتے ہیں!

اب بات آگے بڑھاتے ہیں، فرماتے ہیں: دعوتِ اسلام وہی لوگ قبول کرتے ہیں جن کے کان سنتے ہیں اور دل بوجھتے ہیں، کان کے بہرے اور دل کے مُردے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے، پھر نبی ﷺ ایسی آرزو کیوں کریں؟

اور جس کا دل موت تک مردہ رہا، اور اس کو ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوئی، اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زندہ کریں گے، اور وہ ضرور اللہ کے پاس پہنچے گا، اس وقت اپنے کفر کی سزا پائے گا۔

(۱) جملہ یطیر: طائر کی صفت: تحسینِ کلام کے لئے ہے۔ (۲) أرء یتکم: میں دو ضمیریں ہیں: لفظی ترجمہ ہے: کیا دیکھا تو نے خود کو، اور محاورہ میں ترجمہ ہے: بتلا۔

فائدہ: کان تو ہمیشہ کھلے رہتے ہیں، اور انتفاع کے لئے سننے کی شرط آیت میں صراحۃً مذکور ہے، اور دل کے قبول کرنے کی شرط آیت میں لپیٹ کر بیان کی ہے، یعنی دوسرے مضمون کے ضمن میں بیان کی ہے۔

﴿ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ۭ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴾

ترجمہ: بات وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں، اور مُردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کریں گے، پھر وہ انہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

مطلوبہ معجزہ دکھانے کا انجام مشرکین کو معلوم نہیں

گذشتہ سے پیوستہ آیت میں جو بات آئی ہے اس کا دوسرا رخ اس آیت میں ہے۔ پہلے یہ آیا تھا کہ اللہ کے رسول کی اگر یہ خواہش ہے کہ مشرکین کو ان کا مطلوبہ معجزہ دکھایا جائے، اور وہ ایمان لے آئیں تو اسلام کی راہ ہموار ہوجائے! اس سلسلہ میں فرمایا تھا کہ اگر رسول کے اختیار میں ہو تو مطلوبہ معجزہ دکھادیں، اللہ کی حکمت تو نہیں!

اب یہی بات مشرکین کی جانب سے لیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ صاحب: رسالت کے دعوے میں سچے ہیں تو ان پر ان کے بھیجنے والے کی طرف سے ہمارا مطلوبہ معجزہ کیوں نہیں اتارا جاتا؟

جواب: اللہ تعالیٰ بالیقین ان کا مطلوبہ معجزہ دکھانے پر قادر ہیں، مگر اس کا جو انجام ہوگا اس کو اکثر مشرکین نہیں جانتے، اس لئے وہ بے باکی سے یہ بات کہتے ہیں۔

سنت اللہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنے پیغمبر سے کوئی خاص معجزہ طلب کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ وہ معجزہ دکھاتے ہیں، پھر بھی وہ قوم ایمان نہیں لاتی تو ہلاک کی جاتی ہے، ماضی میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے، اور مشرکین مکہ کی کلی ہلاکت مقدر نہیں، وہی لوگ ایک وقت کے بعد اسلام کے علم بردار بننے والے ہیں، اس لئے ان کو مطلوبہ معجزہ نہیں دکھایا جاتا، دکھایا جائے گا اور وہ ایمان نہیں لائیں گے تو ہلاک کئے جائیں گے، اور یہ بات حکمتِ خداوندی کے خلاف ہے۔

﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور مشرکین نے کہا: ان پر (ہمارا مطلوبہ) معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اتارا جاتا؟ کہو: اللہ تعالیٰ یقیناً قادر ہیں (مطلوبہ) معجزہ اتارنے پر، لیکن ان کے اکثر (اس کا انجام) نہیں جانتے۔

مشرکین مطلوبہ معجزہ نہ دکھانے سے دنیا کے عذاب سے بچ گئے تو کیا خاک بچے!

کوئی خیال کرسکتا ہے کہ مشرکینِ مکہ کو ان کے مطلوبہ معجزات نہ دکھانے سے وہ دنیا کے عذاب سے بچ گئے، یہ تو ان کا

فائدہ ہوا، کیا اچھا ہوتا کہ ان کو معجزہ دکھایا جاتا، اور وہ ایمان نہ لاتے، اور ہلاک کئے جاتے تو نبی کا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا اور مسلمانوں کو ان کی چیرہ دستیوں سے نجات ملتی۔

اس کا جواب دیتے ہیں کہ مشرکین دنیا کے عذاب سے بچ گئے تو کیا خاک بچ گئے! آخرت کی پکڑ سامنے ہے، اللہ تعالیٰ تمام حیوانات کو، چرند کو بھی اور پرند کو بھی ـــــ جو غیر مکلّف ہیں ـــــ قیامت کے دن دوبارہ پیدا کریں گے تو کیا انسانوں کو دوبارہ پیدا نہیں کریں گے؟ ضرور پیدا کریں گے، وہ تو مکلّف مخلوق ہیں، اور تمام چرند و پرند کا ریکارڈ لوح محفوظ میں محفوظ ہے، انسانوں کا ریکارڈ بھی محفوظ ہے، کوئی چیز اس نے چھوڑی نہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب مخلوقات کو دوبارہ زندہ کرکے اپنے پاس جمع کریں گے، پھر سب کا حساب ہوگا، حساب کے بعد غیر مکلّف مخلوقات کو مٹی بنادیا جائے گا، اس وقت کافر تمنا کریں گے: ﴿ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا ﴾: کاش میں بھی مٹی بنادیا جاتا! مگر اس کی آرزو شیخ چلّی والی آرزو ثابت ہوگی، اس کو مٹی نہیں بنایا جائے گا، بلکہ آگے بڑھایا جائے گا، جہنم میں پہنچایا جائے گا۔

سوچو! انسان کو اعلیٰ درجہ کی عقل خواہ مخواہ نہیں دی، اس لئے دی ہے کہ وہ اس سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کو پہچانے، اور اللہ کی راہ نمائی کے مطابق زندگی گذارے، پھر جنت میں پہنچ کر عیش کرے، اور جو عقل کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑے، نہ اللہ کو پہچانے، نہ ان کی راہ نمائی قبول کرے، وہ کیفر کردار کو پہنچے۔

چنانچہ اگلی آیت میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں، وہ بہرے گونگے تاریکیوں میں پڑے ہیں، بہرہ سنتا ہی نہیں اور تاریکیوں میں پھنسا ہوا راہ راست نہیں دیکھتا، پھر اس سے ایمان کی کیا امید رکھی جائے؟ ویسے اللہ تعالیٰ قادر ہیں، وہ راستے سے ہٹا بھی سکتے ہیں اور راستہ پر لا بھی سکتے ہیں، مگر تکوینی مصلحت یہ ہے کہ انسان کو مجبور نہ کیا جائے، وہ اپنی مرضی سے اللہ کے راستے پر آئے اور جنت کا حقدار بنے، اور جو جہنم کے راستے پر پڑنا چاہے پڑے، اور اپنی عاقبت خراب کرے!

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّہِمْ یُحْشَرُوْنَ ۝۳۸ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّبُکْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یُضْلِلْہُ ؕ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْہُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۳۹ ﴾

ترجمہ: اور زمین میں چلنے والا کوئی جانور نہیں، اور اپنے دونوں بازوؤں سے اڑنے والا کوئی پرندہ نہیں: مگر وہ تم جیسی امتیں ہیں ـــــ ’’تم جیسی‘‘: میں اشارہ ہے کہ جس طرح اُن امتوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا انسانوں کو بھی زندہ کیا جائے گا ـــــ ہم نے نوشتہ (لوح محفوظ) میں کوئی چیز چھوڑی نہیں ـــــ اس میں اشارہ ہے کہ حیوانات کی طرح انسانوں کا بھی ریکارڈ محفوظ ہے ـــــ پھر وہ ان کے رب کے پاس جمع کئے جائیں گے ـــــ پس انسان بہ درجۂ اولیٰ

جمع کئے جائیں گے!

اور جن لوگوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا: وہ بہرے گونگے تاریکیوں میں ہیں —— پس ان سے ایمان کی کیا امید رکھی جائے؟ —— اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں راستہ سے ہٹا دیتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں سیدھے راستہ پر ڈال دیتے ہیں —— اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا بیان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جو چاہیں کر سکتے ہیں، مگر ان کی حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی سے ایمان لائے۔

مورتیاں نہ دنیا میں کام آتی ہیں، نہ آخرت میں کام آئیں گی

یہاں کافر خیال کر سکتا ہے کہ اولاً تو قیامت ویامت کچھ نہیں، بس زندگی یہی دنیا کی زندگی ہے، اور فرض کرو قیامت قائم ہوئی تو ان کی مورتیاں جو دنیا میں حاجت روا ہیں، قیامت میں بھی عذاب سے بچالیں گی۔

اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مورتیاں دنیا میں کیا خاک کام آتی ہیں، جب زلزلہ آتا ہے اور طوفانِ بادوباراں آتا ہے تو تم مورتیوں کو مدد کے لئے پکارتے ہو؟ نہیں! ان کو بھول جاتے ہو، اور ایک اللہ کو پکارتے ہو، پھر مصلحت ہوتی ہے تو وہی مصیبت کو دور کرتے ہیں، یہ فرضی معبود آخرت میں تمہارے کیا کام آسکتے ہیں؟

﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ کہیں: بتاؤ! اگر تمہیں (دنیا میں) اللہ کا عذاب پہنچے، یا تمہیں قیامت آلے تو کیا تم اللہ کے سوا کو (مدد کے لئے) پکارو گے، اگر تم سچے ہو —— دعوئے اشراک میں —— بلکہ اللہ ہی کو پکارو گے، پس وہ چاہیں گے تو اس مصیبت کو دور کریں گے، جس کے لئے تم نے ان کو پکارا ہے، اور (اس وقت) تم ان مورتیوں کو بھول جاؤ گے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو! —— پھر وہ آخرت میں تمہاری مصیبت کیا دور کریں گے؟

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

وَلَقَدْ	اور بخدا واقعہ یہ ہے کہ	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	بِمَآ	اس پر جو
اَرْسَلْنَآ	ہم نے رسول بھیجے	وَزَيَّنَ	اور بھلا کر دکھایا	اُوْتُوْٓا	دیئے گئے وہ
اِلٰٓى اُمَمٍ	کئی امتوں کی طرف	لَهُمُ	ان کو	اَخَذْنٰهُمْ	پکڑ لیا ہم نے ان کو
مِّنْ قَبْلِكَ	آپؐ سے پہلے	الشَّيْطٰنُ	شیطان نے	بَغْتَةً	اچانک
فَاَخَذْنٰهُمْ	پس پکڑا ہم نے ان کو	مَا كَانُوْا	جو وہ کیا کرتے تھے	فَاِذَا هُمْ	پس اچانک وہ
بِالْبَاْسَآءِ (۱)	سختی میں	يَعْمَلُوْنَ		مُّبْلِسُوْنَ (۴)	آس توڑنے والے ہیں
وَالضَّرَّآءِ (۲)	اور تکلیف میں	فَلَمَّا نَسُوْا	پس جب بھول گئے وہ	فَقُطِعَ	پس کاٹ دی گئی
لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ	مَا ذُكِّرُوْا	جو نصیحت کئے گئے وہ	دَابِرُ	جڑ
يَتَضَرَّعُوْنَ (۳)	گڑگڑائیں	بِهٖ	اس کے ذریعہ	الْقَوْمِ	ان لوگوں کی
فَلَوْلَآ	پس کیوں نہیں	فَتَحْنَا	(تو) کھول دیئے ہم نے	الَّذِيْنَ	جنھوں نے
اِذْ جَآءَهُمْ	جب پہنچی ان کو	عَلَيْهِمْ	ان پر	ظَلَمُوْا	ناانصافی کی
بَاْسُنَا	ہماری سختی	اَبْوَابَ	دروازے	وَالْحَمْدُ	اور تمام تعریفیں
تَضَرَّعُوْا	گڑگڑائے وہ؟	كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کے	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہیں
وَلٰكِنْ	بلکہ	حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	رَبِّ	پالنہار
قَسَتْ	سخت ہوگئے	فَرِحُوْا	خوش ہوگئے وہ	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے

سنتِ الٰہی یہ ہے کہ کسی قوم کو ہلاک کرنے سے پہلے دو طرح سے آزمایا جاتا ہے پھر عذاب آتا ہے

ربط: گذشتہ آیت میں کافروں کے لئے دنیوی عذاب کا ذکر آیا ہے: ﴿اِنْ اَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ﴾ اب اس سلسلہ میں سنتِ الٰہی بیان فرماتے ہیں کہ کسی قوم کو ہلاک کرنے سے پہلے ان کو دو طرح سے آزمایا جاتا ہے۔

سب سے پہلے: ان کو تکلیف، سختی اور عسرت سے دوچار کیا جاتا ہے، تاکہ وہ گڑگڑائیں، عاجزی کریں، اللہ کی طرف

---

(۱) البأساء: اسم مؤنث، بُؤْس سے: سختی، فقر (۲) الضَّرآء: اسم مؤنث، ضُرٌّ سے: سختی، تنگی، بیماری، مصیبت، سَرَّاء اور نَعْمَاء کی ضد (۳) یتضرعون: تَضَرَّع (تفعل) سے مضارع جمع مذکر غائب، (۴) مُبْلِس: اسم فاعل: مایوس، پشیمان، متحیر۔

متوجہ ہوں، رسول پر ایمان لائیں، اس کی اطاعت کریں اور احکام خداوندی کو تسلیم کریں۔

پھر: جب کتے کی دُم سیدھی نہیں ہوتی تو ان پر راحت وآسائش کا دروازہ کھولا جاتا ہے، تاکہ ان میں شکر کا جذبہ ابھرے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔

لیکن: جب ان تدبیروں کا فائدہ ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ لوگ ان نعمتوں پر اتراتے ہیں، ان کو اپنے ہنر کا کمال سمجھتے ہیں، اور راہِ راست پر نہیں آتے، اس لئے کہ شیطان ان کے لئے شرک اور مشرکانہ اعمال کو خوش نما بناتا ہے، اور وہ انبیاء کی باتوں کو نہیں مانتے جو غیر خواہانہ ہوتی ہیں تو ان پر اچانک عذاب آپڑتا ہے، اس وقت حسرت وافسوس کے سوا ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں رہتا۔

اس طرح: مشرکین کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے، نہ بڑا بچتا ہے نہ چھوٹا، اور یہ اللہ تعالیٰ کا عالم کے ساتھ حسن سلوک ہے، ڈاکٹر مریض کا سڑا ہوا عضو کاٹ دیتا ہے، یہ ڈاکٹر کا مریض پر احسان ہے، اسی میں باقی جسم کی سلامتی ہے، اللہ تعالیٰ جہانوں کے پالنہار ہیں، ان کی ربوبیت کا یہی تقاضا ہے کہ فاسد اعضاء کاٹ دیئے جائیں۔

ملحوظہ: اللہ کی اس سنت کا ذکر سورۃ الاعراف (آیات ۹۴و۹۵) میں بھی ہے۔

آیاتِ پاک: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آپؐ سے پہلے (بھی) کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پس ہم نے ان کو (ابتداءً) سختی اور تکلیف سے دوچار کیا، تاکہ وہ عاجزی کریں، پس جب ان کو ہماری سختی پہنچی تو انھوں نے عاجزی کیوں نہ کی؟ —— ان کو سبق لینا چاہئے تھا اور اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے تھا —— بلکہ ان کے دل سخت ہوگئے —— یعنی ان پر الٹا اثر ہوا —— اور شیطان نے ان کے لئے وہ کام خوشنما بنائے جو وہ کیا کرتے تھے —— مراد شرک اور مشرکانہ اعمال ہیں۔

پھر جب وہ بھول گئے —— یعنی نظر انداز کر دیں، پس پشت ڈال دیں —— وہ باتیں جن کے ذریعہ ان کو نصیحت کی گئی تھی —— مراد انبیاء کی تعلیمات ہیں جو خیر خواہی پر مبنی ہوتی ہیں —— تو کھول دیئے ہم نے ان پر ہر طرح کی نعمتوں کے دروازے، یہاں تک کہ جب وہ اترانے لگے ان نعمتوں پر جو وہ دیئے گئے تھے پس ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا، پس وہ آس توڑ بیٹھے!

پس ان لوگوں کی جڑ ہی کاٹ دی گئی جنھوں نے اللہ کے معاملہ میں ناانصافی کی، اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو جہانوں کے پالنہار ہیں! —— ظالموں کا استیصال بھی اس کی ربوبیت عامہ کا اثر اور مجموعۂ عالم کے لئے رحمتِ عظیم ہے، اسی لئے یہاں حمد وشکر کا اظہار فرمایا (فوائد)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

قُلْ	آپ فرمائیں:	غَيْرُ اللّٰهِ	اللہ کے سوا	قُلْ	کہو:
اَرَءَيْتُمْ	بتلاؤ	يَاْتِيْكُمْ	لا کر دے تمہیں	اَرَءَيْتَكُمْ	بتلاؤ
اِنْ اَخَذَ	اگر لے لیں	بِهٖ (۱)	وہ چیز؟	اِنْ اَتٰىكُمْ	اگر پہنچے تمہیں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اُنْظُرْ	دیکھو	عَذَابُ اللّٰهِ	اللہ کا عذاب
سَمْعَكُمْ	تمہارے کان	كَيْفَ	کیسے	بَغْتَةً	اچانک
وَ اَبْصَارَكُمْ	اور تمہاری آنکھیں	نُصَرِّفُ (۲)	پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں ہم	اَوْ جَهْرَةً (۴)	یا کھلم کھلا
وَخَتَمَ	اور مہر کر دیں	الْاٰيٰتِ	آیتیں	هَلْ يُهْلَكُ	نہیں ہلاک ہونگے
عَلٰى قُلُوْبِكُمْ	تمہارے دلوں پر	ثُمَّ هُمْ	پھر (بھی) وہ	اِلَّا الْقَوْمُ	مگر لوگ
مَّنْ اِلٰهٌ	کون معبود ہے	يَصْدِفُوْنَ (۳)	کنارکشی اختیار کرتے ہیں	الظّٰلِمُوْنَ	ظلم پیشہ

کبھی اللہ کے عذاب سے پوری قوم ہلاک نہیں ہوتی، صرف سرغنے ہلاک ہوتے ہیں

اب دو آیتیں اہم ہیں، ان میں اشارے ہیں جو وقت پر کھلیں گے، ہجرت کے بعد مدنی دور میں ان کے مصادیق پائے گئے، گذشتہ آیت میں تھا کہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی رسول مبعوث کئے جاتے ہیں تو ان کی قوم کو دو طرح سے آزمایا جاتا ہے، پھر اگر دونوں تدبیریں ناکام ہوتی ہیں تو اللہ کا عذاب آتا ہے۔

یہ عذاب دو طرح آتا ہے: کلّی اور جزئی، قوم اگر کوئی معین معجزہ طلب کرتی ہے، اور وہ دکھایا جاتا ہے، پھر بھی قوم ایمان نہیں لاتی تو اللہ کا کلّی عذاب آتا ہے، اور ساری قوم ہلاک ہو جاتی ہے، اور اگر قوم کوئی معجزہ طلب نہیں کرتی یا کرتی ہے مگر کسی مصلحت سے وہ معجزہ نہیں دکھایا جاتا، اور قوم کفر وعناد پر اڑی رہتی ہے تو ایک وقت کے بعد عذاب آتا ہے، قوم کے سرغنے ہلاک کئے جاتے ہیں اور عوام کے لئے ایمان کا راستہ کھل جاتا ہے۔

(۱) بہ: باء صلہ کی ہے (۲) نصرف: تصریف: پھیر پھیر کر بیان کرنا، نہج بدل بدل کر بیان کرنا (۳) یصدفون: صَدْف: مصدر باب ضرب: اعراض کرنا، روگردانی کرنا (۴) جَهرة: ڈھول بجاتے ہوئے، جس کے آثار وعلامات ظاہر ہوں۔

یہ بات ایک مثال سے سمجھائی ہے، انسان کی دو ہلاکتیں ہیں: ایک: پورے وجود کی، دوسری: اس کے اجزاء کی، سماعت ختم ہوجاتی ہے، بصارت جواب دیدیتی ہے، اور دل ودماغ ماؤف ہوجاتے ہیں اور آدمی کسی کام کا نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ دونوں طرح کی ہلاکتوں پر قادر ہیں، اور معطل شدہ اعضاء کو کوئی ٹھیک نہیں کرسکتا، اسی طرح جب اللہ کا عذاب آئے گا تو قریش کے لیڈر ہلاک ہونگے، اور ان کو کوئی بچا نہیں سکے گا۔

چنانچہ ہجرت کے بعد سن ۲ ہجری میں میدانِ بدر میں قریش کے سب سورما مارے گئے، اور جن کے نصیب میں ایمان تھا وہ قید میں آئے، اور فدیہ لے کر چھوڑ دیئے گئے۔

﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پوچھو: بتلاؤ: اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سماعت اور تمہاری بصارت لے لیں، اور تمہارے دلوں پر مہر کردیں ـــــ یعنی ان کو ناکارہ کردیں ـــــ تو اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو تم کو یہ چیزیں لادے؟ دیکھو، ہم کس طرح نہج بدل بدل کر باتیں بیان کرتے ہیں، پھر بھی وہ (قریش) روگردانی کرتے ہیں!

جزئی ہلاکت میں کفر کے رؤساء کام آتے ہیں

اللہ کے رسول کے ساتھ مخالفت کے نتیجہ میں جو عذاب آتا وہ دو طرح آتا ہے: کبھی چٹ پٹ آتا ہے، جدھر سان گمان بھی نہیں ہوتا اُدھر سے آتا ہے، جیسے فرعون سمندر میں ڈوبا تو اس کو کہاں گمان تھا کہ وہ غرقاب ہوگا؟ اور کبھی عذاب ڈھول بجاتا ہوا آتا ہے، پہلے علامات ظاہر ہوتی ہیں، عاد پر عذاب آیا تو بادل کی شکل میں ظاہر ہوا، پھر اس میں سے آگ برسی اور ساری قوم بُھن گئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قریش پر عذاب خواہ کسی طرح آئے: ظالم ہی ہلاک ہونگے، چنانچہ بدر کی جنگ اچانک پیش آئی، ان میں چودہ صحابہ شہید ہوئے، ان میں نامور کوئی نہیں تھا، اور کافروں کے ستر رؤساء کھیت رہے، ابوجہل (اس امت کا فرعون) بھی مارا گیا، قریش کا زور ٹوٹ گیا اور پانسہ پلٹ گیا۔

﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کہو: بتلاؤ! اگر اللہ کا عذاب آچانک آئے یا اعلان کرتا ہوا آئے تو ظلم پیشہ لوگوں کے علاوہ بھی کوئی ہلاک ہوگا؟ ـــــ نہیں! وہی دھار پر رکھ لئے جائیں گے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

وَمَا نُرْسِلُ	اور نہیں بھیجتے ہم نے	وَاَصْلَحَ	اوراس نے درست کیا	كَذَّبُوْا	جھٹلایا
الْمُرْسَلِيْنَ	رسولوں کو	فَلَا خَوْفٌ	تو کوئی ڈر نہیں	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو
اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ	مگر خوشخبری سنانے والے	عَلَيْهِمْ	ان پر	يَمَسُّهُمُ	چھوئے گا ان کو
وَمُنْذِرِيْنَ	اور ڈرانے والے	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	الْعَذَابُ	عذاب
فَمَنْ	پس جو شخص	يَحْزَنُوْنَ	غمگین ہونگے	بِمَا كَانُوْا	اس وجہ سے کہ تھے وہ
اٰمَنَ	ایمان لایا	وَالَّذِيْنَ	اور جنھوں نے	يَفْسُقُوْنَ	حد اطاعت سے نکل جاتے

رسولوں کو بھیجنے کا مقصد

نبی ﷺ کو دلاسا دینے کے بعد آیت ۳۶ سے توحید کے مضمون کی طرف عود فرمایا تھا، اب رسالت کے مضمون کی طرف عود کرتے ہیں، سلسلۂ رسالت قائم کرنے کا مقصد لوگوں کو نتائج اعمال سے آگاہ کرنا ہے، مجبور کرنا مقصد نہیں، انسان بااختیار مخلوق ہے، وہ رسولوں کی باتیں مان کر اللہ کے راستے پر پڑے تو آخرت میں خوش وخرم ہوگا، نہیں مانے گا تو آخرت میں عذاب سے دوچار ہوگا۔

ترجمہ: اور ہم رسولوں کو خوش خبری سنانے اور ڈرانے ہی کے لئے بھیجتے ہیں —— خواہی نخواہی مسلمان بنانا ان کی ذمہ داری نہیں —— پس جس نے بات مان لی اور اس نے (اعمال کو) درست کرلیا تو ان پر نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے —— اور جن لوگوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا ان کو عذاب چھوئے گا، اس وجہ سے کہ وہ حد اطاعت سے نکل جایا کرتے تھے۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾

قُلْ	کہہ دو	عِنْدِيْ	میرے پاس	وَلَآ اَعْلَمُ	اور نہیں جانتا میں
لَآ اَقُوْلُ	نہیں کہتا میں	خَزَآئِنُ	ذخیرے ہیں	الْغَيْبَ	پس پردہ باتوں کو
لَكُمْ	تم سے	اللّٰهِ	اللہ کے	وَلَآ اَقُوْلُ	اور نہیں کہتا میں

لَكُمْ	تم سے	يُوْحٰى	وحی کی جاتی ہے	يَسْتَوِي	یکساں ہیں
اِنِّىْ مَلَكٌ	بیشک میں فرشتہ ہوں	اِلَيَّ	میری طرف	الْاَعْمٰى	نابینا
اِنْ اَتَّبِعُ	نہیں پیروی کرتا میں	قُلْ	پوچھیں	وَ الْبَصِيْرُ	اور بینا
اِلَّا مَا	مگر اس کی جو	هَلْ	کیا	اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ	کیا تو سوچتے نہیں تم؟

منصبِ رسالت کی حقیقت

آیت کا پس منظر: مشرکینِ مکہ دعوتِ حق کو ٹھکرانے کے لئے مختلف بہانے تلاش کیا کرتے تھے، اور طرح طرح کے مطالبے کرتے تھے، کبھی کہتے: اگر آپ واقعی دربارِ عالی کے نمائندے ہیں تو مال ودولت کے دہانے ہم پر کھول دیجئے! کبھی کہتے: مکہ سے پہاڑوں کو ہٹادیجئے اور یہاں نہریں جاری کردیجئے! کبھی کہتے: اگر آپ واقعی نبی ہیں تو آئندہ پیش آنے والی باتیں ہمیں بتائیں، کبھی اعتراض کرتے کہ آپ کیسے نبی ہوسکتے ہیں؟ آپ تو کھاتے پیتے، بازار میں چلتے اور بشری حوائج رکھتے ہیں، قرآنِ کریم اس قسم کی باتوں کا اس آیت میں جواب دیتا ہے۔

گذشتہ آیت میں اصولی بات بیان کی تھی کہ رسول کا کام صرف اللہ کی اطاعت پر خوش خبری سنانا اور نافرمانی پر ڈرانا ہے، اب فرماتے ہیں کہ لوگوں کی مادی ضروریات وخواہشات پوری کرنا رسول کی ذمہ داری نہیں، رسول کے پاس اللہ کی دولت کے خزانے نہیں ہوتے، نہ وہ پس پردہ حقیقتوں کو جانتے ہیں، آپ کی زبانِ مبارک سے صاف اعلان کرایا ہے کہ میں غیب نہیں جانتا اور آپ کے کھانے پینے اور بشری ضروریات پر اعتراض بھی مہمل ہے، آپ نے کب دعوی کیا ہے کہ آپ فرشتے ہیں، جو بشری حوائج سے مستغنی ہوتے ہیں، ان فضول باتوں میں الجھنے کے بجائے ان تعلیمات میں غور کرو جن کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، جو ان کو سمجھے گا وہ بینا ہے اور جو نہیں سمجھے گا وہ نابینا ہے، اور بینا اور نابینا کبھی برابر نہیں ہوسکتے، پس کیا تم سوچتے نہیں!

فائدہ: آیتِ کریمہ سے چار باتیں معلوم ہوئیں:

۱- کائنات کے خزانے اللہ نے اپنے کسی رسول کے حوالے نہیں کئے، اور اسے مختارِ کل نہیں بنایا کہ وہ لوگوں پر رزق، خوش حالی اور آسانی کے دروازے کھولتا اور بند کرتا رہے۔

۲- اللہ تعالیٰ نے بے شمار غیب کی باتیں آنحضور ﷺ کو بتائی ہیں، جیسے جنت ودوزخ کے احوال، لیکن غیب کی تمام باتوں کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا، قیامت کب قائم ہوگی؟ اس کو کوئی مخلوق نہیں جانتی، اور ذاتی اور عطائی کے فرق کی کوئی دلیل نہیں، مطلقاً فرمایا ہے کہ میں غیب کو نہیں جانتا۔

۳- انبیاء ورسل انسان ہوتے ہیں، بشری ضرورتیں انہیں بھی پیش آتی ہیں، وہ رسالت ونبوت کے منافی نہیں۔

۴-انبیاؤرسل بشر ضرور ہیں، مگران میں سرخاب کا پَر لگا ہوا ہے، وہ اللہ کے نمائندے ہیں، ان کے پاس فرشتے پیغام ربانی لے کرآتے ہیں، اور یہ اتنا بڑا اعزاز ہے کہ کوئی اعزاز اس کے برابر نہیں۔

آیتِ کریمہ: آپؐ بتادیں کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں، اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں ـــــ بلکہ انسان ہوں، البتہ میرے پاس وحی آتی ہے ـــــ میں اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی جاتی ہے، پوچھو! کیا اندھا اور بینا برابر ہوسکتے ہیں؟ پس کیا تم سوچتے نہیں!

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾

وَاَنْذِرْ	اور خبردار کریں آپؐ	لَيْسَ لَهُمْ(۲)	نہیں ہوگا ان کے لئے	وَلَا تَطْرُدِ(۳)	اور نہ دھتکاریں آپؐ
بِهٖ(۱)	اس (قرآن) کے ذریعہ	مِّنْ دُوْنِهٖ	اللہ کے سوا	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو
الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	وَلِيٌّ	کوئی کارساز	يَدْعُوْنَ	پکارتے ہیں
يَخَافُوْنَ	ڈرتے ہیں	وَّلَا شَفِيْعٌ	اور نہ کوئی سفارشی	رَبَّهُمْ	اپنے پروردگار کو
اَنْ يُّحْشَرُوْٓا	کہ جمع کئے جائیں گے وہ	لَّعَلَّهُمْ	تاکہ وہ	بِالْغَدٰوةِ	صبح میں
اِلٰى رَبِّهِمْ	اُن کے پروردگار کے پاس	يَتَّقُوْنَ	گناہوں سے بچتے رہیں	وَالْعَشِيِّ	اور شام میں

(۱)به: کی ضمیر وحی (قرآن) کی طرف لوٹتی ہے، اور یہی ماقبل سے ربط ہے۔ (۲) جملہ ليس لهم: يحشروا کی ضمیر سے حال ہے (جلالین) (۳) طَرَدَهُ (ن) طَرْدًا: دھتکارنا، حقارت سے ہٹانا، دور کرنا۔

يُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہیں وہ	اَهٰٓؤُلَآءِ	کیا یہ لوگ	عَلٰى نَفْسِهٖ	اپنی ذات پر
وَجْهَهٗ	ان کا چہرہ	مَنَّ	احسان فرمایا	الرَّحْمَةَ	مہربانی
مَا عَلَيْكَ	نہیں ہے آپؐ پر	اللّٰهُ	اللہ نے	اَنَّهٗ	تحقیق شان یہ ہے
مِنْ حِسَابِهِمْ	ان کے حساب سے	عَلَيْهِمْ	ان پر	مَنْ عَمِلَ	جس شخص نے کی
مِّنْ شَيْءٍ	کچھ بھی	مِّنْۢ بَيْنِنَا	ہمارے درمیان میں سے؟	مِنْكُمْ	تم میں سے
وَّمَا	اور نہیں ہے	اَلَيْسَ	کیا نہیں ہیں	سُوْٓءًۢا	کوئی برائی
مِنْ حِسَابِكَ	آپؐ کے حساب سے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	بِجَهَالَةٍ	نادانی سے
عَلَيْهِمْ	ان پر	بِاَعْلَمَ	خوب جاننے والے	ثُمَّ تَابَ	پھر متوجہ ہوا
مِّنْ شَيْءٍ	کچھ بھی	بِالشّٰكِرِيْنَ	شکر گذاروں کو؟	مِنْۢ بَعْدِهٖ	اس کے بعد
فَتَطْرُدَهُمْ (۱)	پس دھتکاریں آپؐ	وَاِذَا جَآءَكَ	اور جب آئیں آپ	وَاَصْلَحَ	اور اس نے سنوارا
	ان کو		کے پاس	فَاَنَّهٗ (۲)	پس بالتحقیق وہ
فَتَكُوْنَ	پس ہونگے آپ	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ	ناانصافی کرنے والوں	يُؤْمِنُوْنَ	ایمان رکھتے ہیں	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں
	میں سے	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں پر	وَكَذٰلِكَ	اور اس طرح
وَكَذٰلِكَ	اور یوں	فَقُلْ	پس کہیں آپؐ	نُفَصِّلُ	تفصیل سے بیان کرتے ہیں ہم
فَتَنَّا	آزمایا ہم نے	سَلٰمٌ	سلامتی ہو	الْاٰيٰتِ	باتیں
بَعْضَهُمْ	ان کے بعض کو	عَلَيْكُمْ	تم پر	وَلِتَسْتَبِيْنَ (۳)	اور تاکہ واضح ہوجائے
بِبَعْضٍ	بعض سے	كَتَبَ	لکھ دی ہے	سَبِيْلُ	راہ
لِّيَقُوْلُوْٓا	تاکہ کہیں وہ	رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار نے	الْمُجْرِمِيْنَ	بدکاروں کی

اللہ کی راہ نمائی سے فائدہ قیامت سے ڈرنے والوں کو پہنچتا ہے

آخرت کا یقین مہمیز کا کام کرتا ہے، جو شخص قیامت کے دن سے ڈرتا ہے وہی ایمان لاتا ہے اور اطاعت والی زندگی

(۱) فتطردھم: پہلے لا تطرد کی تکرار ہے، فصل کی وجہ سے مکرر لایا گیا ہے (۲) اَنَّ: حرف تحقیق ہے اور حرفِ مشبہ بالفعل ہے، (۳) تستبین: اسْتِبَانَة: ظاہر وہویدا ہونا، کھل جانا، مضارع، واحد مؤنث غائب۔

اختیار کرتا ہے، قیامت کے دن تمام انسان اللہ کی بارگاہ میں جمع کئے جائیں گے، اور حال یہ ہوگا کہ اللہ کے سوا لوگوں کا نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ کوئی سفارشی، سارا اختیار اللہ تعالیٰ کا ہوگا، ایسے بے بسی کے دن سے جو لوگ ڈرتے ہیں وہی قرآن کی وحی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ایمان لاتے ہیں اور زندگی کو سنوار لیتے ہیں، گناہوں سے بچتے ہیں اور پسندیدہ کاموں میں لگ جاتے ہیں۔

اور جو لوگ ایمان کو معجزات دکھلانے پر موقوف رکھتے ہیں، اور از راہِ عناد اللہ کی باتوں کی تکذیب کرتے ہیں: ان سے کیا امید وابستہ کی جائے؟ اس لئے حکم دیتے ہیں کہ آخرت سے ڈرنے والے مسلمانوں پر محنت کی جائے، ان کو انذار وتبشیر کا فائدہ پہنچے گا۔

﴿وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾﴾

ترجمہ: اور آپ اس (وحی) کے ذریعہ ان لوگوں کو خبردار کریں ـــــ اور خوش خبری سنائیں ـــــ جو ڈرتے ہیں کہ وہ جمع کئے جائیں گے ان کے پروردگار کے پاس، اس حال میں کہ نہیں ہوگا ان کے لئے، اللہ کے سوا، کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی! تاکہ وہ محتاط زندگی گذاریں! ـــــ گناہوں سے بچیں اور نیکیوں میں بڑھیں!

نبی ﷺ مسلمانوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کریں

آیات کا پسِ منظر: کفارِ قریش کے چند سردار ابوطالب کے پاس آئے، انھوں نے کہا: آپ کے بھتیجے کی بات سننے کو جی چاہتا ہے، مگر ان کو ہر وقت وہ لوگ گھیرے رہتے ہیں جو یا تو ہمارے غلام تھے، ہم نے ان کو آزاد کیا ہے، یا وہ ہمارے ٹکڑوں پر زندگی گذارتے ہیں، ان ذلیل لوگوں کے ساتھ ہم نہیں بیٹھ سکتے، اگر محمدؐ ان لوگوں کو مجلس سے ہٹا دیا کریں تو ہم ان کی بات سنیں اور غور کریں۔

ابوطالب نے یہ بات آپؐ کے گوش گذار کی، اور فاروقِ اعظم نے بھی مشورہ دیا کہ اس میں کیا حرج ہے! اپنے تو اپنے ہیں، وہ تھوڑی دیر کے لئے ہٹ جائیں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور نبی ﷺ کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

فرمایا: آپؐ ان لوگوں کو نہ ہٹائیں جو صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں، یعنی پابندی سے پانچ نمازیں پڑھتے ہیں، صبح میں ایک نماز ہے، اور شام میں چار، اور وہ حسنِ نیت اور اخلاص سے عبادت کرتے ہیں، دکھاوا یا لالچ سے نہیں پڑھتے، وہ اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں، پس ان کے ساتھ معاملہ ان کے شایانِ شان کریں۔

اور رؤسائے مشرکین سے آپؐ کو کیا لینا ہے، نہ آپ کا حساب ان پر ہے، نہ ان کا حساب آپ پر، جائیں وہ بھاڑ میں!

آپ سے ان کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا جائے گا، اور مخلص مسلمانوں کو ان کی وجہ سے ہٹائیں گے تو یہ ناانصافی ہوگی، پس آپ ایسا ہرگز نہ کریں، ان کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کریں۔

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور آپؐ نہ ہٹائیں ان لوگوں کو جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں، وہ اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں، ان (سرداروں) کے معاملات کی آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں، اور آپ کے معاملات کی ان پر کوئی ذمہ داری نہیں —— یعنی ان سے کچھ لینا دینا نہیں —— پس آپ ان (مخلصین) کو ہٹائیں گے تو آپ ناانصافی کرنے والوں میں سے ہوجائیں گے! —— اور یقینی نفع کو چھوڑ کر احتمالی نفع کے پیچھے پڑنا عقلمندی کی بات نہیں۔

مشرک سرداروں کا نادار مسلمانوں کے ذریعہ امتحان

اور مشرکوں کے سردار جو غریب مسلمانوں کی وجہ سے نبی ﷺ کے قریب نہیں آرہے تھے: وہ ابتلاء اور امتحان تھا، سرداروں کی ان غریب مسلمانوں کے ذریعہ آزمائش کی جارہی تھی، اب وہ کہتے پھریں گے: کیا یہی غرباء اللہ کے اکرام وانعام کے مستحق تھے، اور ہماری کوئی حیثیت نہیں تھی کہ ان کو ایمان کی دولت سے سرفراز کیا اور ہمیں محروم رکھا؟ —— اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں: کیا اللہ تعالیٰ خوب نہیں جانتے کہ کون حق شناس اور شکر گذار ہے؟ جو لوگ نیکوکار، حق شناس اور شکر گذار تھے ان کو نوازا، اور جو لوگ شب وروز اللہ کی نعمتوں میں پلتے ہیں، پھر ان کی نافرمانی کرتے ہیں ان کو محروم رکھا، پس قصور ہے کس کا؟

﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور یوں ہم بعض کو بعض سے آزماتے ہیں، تاکہ وہ کہیں: کیا ان لوگوں پر اللہ نے ہمارے درمیان میں سے احسان فرمایا ہے؟ —— (جواب:) کیا اللہ تعالیٰ شکر گذار بندوں کو خوب نہیں جانتے؟!

اللہ کی بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں

گذشتہ سے پیوستہ آیت میں نیکوکار مسلمانوں کا ذکر آیا تھا، جو صبح وشام اللہ کی بندگی کرتے ہیں، اور اللہ کی رضا چاہتے ہیں، اب ان مسلمانوں کا ذکر کرتے ہیں جو نادانستہ کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں، پھر توبہ کر لیتے ہیں، اور احوال سنوار لیتے ہیں: وہ

بھی مایوس نہ ہوں، نبی ﷺ ان کو بھی گلے لگائیں، جب وہ خدمتِ نبوی میں آئیں تو آپؐ ان کو سلامتی کا مژدہ سنائیں، اور رحمت ومغفرتِ خداوندی کی بشارت دیں، تاکہ ان کا دل بڑھے، اور وہ مشرکین کے نظر انداز کرنے سے شکستہ خاطر نہ ہوں، اللہ کی بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں، بندہ جب گناہ سے توبہ کر لیتا ہے تو وہ ایسا ہوجاتا ہے: جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

فائدہ: اور یہ جو فرمایا کہ نادانستہ کوئی گناہ کر بیٹھے: یعنی گناہ کے انجام بد سے ناواقفیت کی بنا پر گناہ کر بیٹھے، اگرچہ جان بوجھ کر گناہ کیا ہو، اگر گناہ کے تباہ کن نتائج کا پوری طرح اندازہ اور استحضار ہو تو کون شخص ہے جو اس پر اقدام کی جرأت کرے گا؟ (از فوائد)

﴿وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۖ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۖ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾

ترجمہ: اور جب آپؐ کے پاس آئیں وہ لوگ جو ہماری باتوں کو مانتے ہیں، پس آپؐ کہیں: تمہارے لئے سلامتی ہو! تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر مہربانی لازم کر لی ہے کہ جس نے تم میں سے نادانی سے کوئی برائی کی، پھر اس کے بعد توبہ کر لی تو بالتحقیق وہ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں!

نیکوکاروں اور بدکاروں کی راہیں الگ الگ!

گذشتہ آیات میں مؤمنین ومشرکین کا حال ومآل تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، تاکہ مؤمنین کا طریقہ واضح ہوجائے، اور مجرمین کا بھی، اور حق وباطل کے واضح ہونے سے طالبِ حق کے لئے حق کی پہچان آسان ہوجائے۔

﴿وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور اس طرح ہم کھول کر باتیں بیان کرتے ہیں، اور تاکہ بدکاروں کی راہ واضح ہوجائے!

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ قُلْ لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝ قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ ۚ مَا عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ يَقُصُّ الْحَقَّ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ۝ قُلْ لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ۝

قُلْ	کہہ دو	قُلْ	کہہ دو	خَيْرُ	بہترین
اِنِّيْ نُهِيْتُ	بیشک میں روکا گیا ہوں	اِنِّيْ	بیشک میں	الْفٰصِلِيْنَ	فیصلہ کرنے والے ہیں
اَنْ اَعْبُدَ(۱)	عبادت کرنے سے	عَلٰى بَيِّنَةٍ(۲)	واضح دلیل پر ہوں	قُلْ	کہہ دو
الَّذِيْنَ	ان (مورتیوں) کی جن کو	مِّنْ رَّبِّيْ	میرے رب کی طرف سے	لَّوْ اَنَّ(۳)	اگر ہوتی
تَدْعُوْنَ	تم پکارتے ہو	وَكَذَّبْتُمْ	اور جھٹلایا تم نے	عِنْدِيْ	میرے پاس
مِنْ دُوْنِ	ورے	بِهٖ	اس کو	مَا	(وہ بات) جو
اللّٰهِ	اللہ کے	مَا عِنْدِيْ	نہیں ہے میرے پاس	تَسْتَعْجِلُوْنَ	جلدی مانگتے ہو تم
قُلْ	کہہ دو	مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ	وہ جو جلدی مانگتے ہو تم	بِهٖ	اس کو
لَآ اَتَّبِعُ	نہیں پیروی کرتا میں	بِهٖ	اس کو	لَقُضِيَ	تو نمٹا دیا جاتا
اَهْوَآءَكُمْ	تمہاری خواہشات کی	اِنِ الْحُكْمُ	نہیں ہے فیصلہ	الْاَمْرُ	معاملہ
قَدْ ضَلَلْتُ	بالتحقیق بہک گیا میں	اِلَّا لِلّٰهِ	مگر اللہ تعالیٰ کا	بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ	میرے اور تمہارے درمیان
اِذًا	تب	يَقُصُّ	بیان کرتے ہیں وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَّمَآ اَنَا	اور نہیں میں	الْحَقَّ	حق بات	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں
مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ	ہدایت پانے والوں میں سے	وَهُوَ	اور وہ	بِالظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کو

مسلمان باطل کی ہمنوائی نہ کریں، جادۂ توحید پر مضبوط رہیں

مشرکین مکہ کے ساتھ معاملات چل رہے ہیں، جب کبھی مسلمان کمزور ہوتے ہیں، جیسے ہجرت سے پہلے مکی دور میں کمزور تھے، اس وقت کفار کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان کے موقف سے ہٹادیں، شرک میں اپنا ہمنوا بنادیں، اسی زمانہ میں مشرکین ایک اسکیم لے کر آئے کہ آؤ، مصالحت کرلو، مسلمان ہمارے مندروں میں آئیں، اور مورتیوں کو پوجیں اور ہم تمہاری مسجدوں میں آئیں اور نماز پڑھیں، رام بھی رہے راضی اور رحمان بھی، پس سورۃ الکافرون نازل ہوئی اور اسکیم رد کردی کہ ایسا ممکن نہیں، نہ آج نہ آئندہ: ﴿ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴾: تم اپنے دھرم پر رہو ہم اپنے دین پر ہیں، یہاں

---

(۱) أن: مصدر یہ ہے، اور اس سے پہلے عن مقدر ہے (۲) بینة سے مراد قرآنِ کریم ہے، اس لئے آگے به میں مذکر ضمیر لوٹائی ہے (۳) عندی: أنّ کی خبر مقدم ہے، اور ما تستعجلون به: اسم مؤخر ہے۔

بھی نبی ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہی اعلان کرایا ہے:

﴿قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴾

ترجمہ: کہہ دو: مجھے روکا گیا ہے ان مورتیوں کی عبادت سے جن کی تم اللہ سے ورے عبادت کرتے ہو، کہہ دو: میں تمہاری مرضیات کی پیروی نہیں کرتا، اگر کروں تو بالیقین میں گمراہ ہو جاؤں، اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں!

توحید ہی برحق ہے، اور اس کی واضح دلیل قرآنِ کریم ہے

مسلمان: مشرکین کی خواہشات کی پیروی اس لئے نہیں کر سکتے کہ شرک باطل ہے، توحید ہی برحق ہے، معبود اللہ تعالیٰ ہی ہیں، ان کے سوا کوئی لائق پرستش نہیں، اور اس کی واضح دلیل قرآنِ کریم ہے، جو نبی ﷺ پر نازل ہوا ہے، مگر مشرکین اس کو جھٹلاتے ہیں، اس کو اللہ کا کلام نہیں مانتے، خود ساختہ قرار دیتے ہیں، اس لئے ان کو ہدایت کا راستہ نہیں ملتا۔

﴿قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ﴾

ترجمہ: کہہ دو: بالیقین میرے پاس میرے رب کی طرف سے واضح دلیل (قرآنِ کریم) ہے، اور تم اس کو جھٹلاتے ہو —— پھر تمہیں اللہ کا راستہ کیسے مل سکتا ہے؟

تکذیب پر جس عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے اس کو لے آنا رسول کے اختیار میں نہیں

قرآنِ کریم میں جگہ جگہ تکذیبِ رسول پر عذاب کی دھمکی دی گئی ہے، مشرکین اس کا مذاق اڑاتے تھے، کہتے تھے: اگر یہ قرآن اور یہ رسول برحق ہیں، جن کی ہم تکذیب کرتے ہیں، تو ہم پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برستے یا ہم پر کوئی اور سخت عذاب کیوں نہیں آتا؟ ﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ (انفال ۳۲)

نبی ﷺ کی زبانِ مبارک سے اس کا جواب دیتے ہیں کہ کہو: تم جس عذاب کا تقاضا کرتے ہو وہ میرے اختیار میں نہیں، اللہ کے اختیار میں ہے، وہی اس کا فیصلہ کریں گے، اور جب بھی فیصلہ کریں گے بہترین فیصلہ ہوگا، اور تم اتنی موٹی بات نہیں سمجھتے کہ جس عذاب کا تم تقاضا کر رہے ہو، اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں اس کو کبھی کا لے آیا ہوتا، اور ہمارا آپس کا خرخشہ ختم ہو گیا ہوتا! —— البتہ ایک بات جان لو: جب بھی اللہ تعالیٰ عذاب کا فیصلہ کریں گے ظالم ہی ہلاک ہونگے، اور اللہ کے ساتھ ناانصافی کون کر رہا ہے اس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں، وہی عذاب سے ہلاک ہونگے۔

﴿مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ۝۵۷ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝۵۸﴾

ترجمہ: میرے پاس وہ عذاب نہیں جس کا تم تقاضا کرتے ہو، فیصلہ اللہ ہی کا ہے —— یعنی جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے عذاب کا فیصلہ کریں گے —— وہ سچی بات بیان فرماتے ہیں، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔ کہو: اگر میرے اختیار میں وہ عذاب ہوتا جس کا تم تقاضا کرتے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان معاملہ نمٹ چکا ہوتا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں!

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۵۹ وَ هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَ یَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۠ ۝۶۰ وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ یُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ هُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ۝۶۱ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَ هُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ۝۶۲

ع ۱۲

وَعِنْدَهٗ	اور اللہ کے پاس	اِلَّا هُوَ	مگر وہی	مِنْ وَّرَقَةٍ	کوئی پتہ
مَفَاتِحُ(۱)	خزانے ہیں	وَیَعْلَمُ	اور جانتے ہیں وہ	اِلَّا یَعْلَمُهَا	مگر جانتے ہیں وہ اس کو
الْغَیْبِ(۲)	پوشیدہ چیزوں کے	مَا فِی الْبَرِّ	جو خشکی میں ہیں	وَلَا حَبَّةٍ	اور نہ کوئی دانہ
لَا یَعْلَمُهَا	نہیں جانتے ان	وَ الْبَحْرِ	اور سمندر میں ہیں	فِیْ ظُلُمٰتِ	تاریکیوں میں
	(خزانوں) کو	وَمَا تَسْقُطُ	اور نہیں گرتا	الْاَرْضِ	زمین کی

(۱) مفاتح: مَفْتَحٌ (اسم ظرف) کی جمع ہے، اور اگر مِفْتَح (اسم آلہ) کی جمع ہے تو ترجمہ ہے: چابیاں (۲) غیب: سے مراد وہ امور ہیں جو ابھی وجود میں نہیں آئے، یا وجود میں تو آچکے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی کو مطلع نہیں کیا (مظہری بحوالہ معارف القرآن شفیعی)

وَلَا رَطْبٍ	اور نہ کوئی تر چیز	مَرْجِعُكُمْ (۲)	تمہارا لوٹنا ہے	الْمَوْتُ	موت
وَّلَا يَابِسٍ	اور نہ کوئی خشک چیز	ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ	پھر آگاہ کریں گے وہ	تَوَفَّتْهُ	(تو) وصول کرتے ہیں
اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ	مگر وہ نوشتہ میں ہے		تم کو		اس کو
مُّبِيْنٍ	واضح	بِمَا كُنْتُمْ	ان کاموں سے جو تم	رُسُلُنَا	ہمارے فرستادے
وَهُوَ الَّذِيْ	اور وہی ہیں جو	تَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے	وَهُمْ	اور وہ
يَتَوَفّٰكُمْ	وصول کرتے ہیں تم کو	وَهُوَ	اور وہی	لَا يُفَرِّطُوْنَ (۴)	کوتاہی نہیں کرتے
بِالَّيْلِ	رات میں	الْقَاهِرُ	غالب ہیں	ثُمَّ رُدُّوْا	پھر پھیرے گئے وہ
وَيَعْلَمُ	اور جانتے ہیں	فَوْقَ	اوپر	اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف
مَا جَرَحْتُمْ (۱)	جو تم نے دن میں کمایا ہے	عِبَادِهٖ	اپنے بندوں کے	مَوْلٰهُمُ	ان کا کارساز
بِالنَّهَارِ	دن میں	وَيُرْسِلُ	اور بھیجتے ہیں وہ	الْحَقِّ	برحق
ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ	پھر جگاتے ہیں وہ تم کو	عَلَيْكُمْ	تم پر	اَلَا لَهُ	سنتا ہے! انہی کے لئے
فِيْهِ	دن میں	حَفَظَةً (۳)	نگہبان	الْحُكْمُ	فیصلہ ہے
لِيُقْضٰى	تاکہ پورا کیا جائے	حَتّٰى اِذَا	یہاں تک کہ جب	وَهُوَ	اور وہ
اَجَلٌ مُّسَمًّى	مقررہ وقت	جَآءَ	پہنچتی ہے	اَسْرَعُ	جلد
ثُمَّ اِلَيْهِ	پھر انہی کی طرف	اَحَدَكُمُ	تم میں سے ایک کو	الْحٰسِبِيْنَ	حساب لینے والے ہیں

تکذیب کرنے والوں پر عذاب کا آنا نہ آنا امورِ غیب سے ہے، اور غیب کی خبر اللہ ہی کو ہے

(اور اللہ کے علم محیط کا بیان)

کافر جلدی مچاتے تھے، کہتے تھے: اگر تم سچے رسول ہو، اور قرآنِ کریم واقعی اللہ کا کلام ہے، اور ہم یہ دونوں باتیں نہیں مانتے، اور تکذیب پر تم عذاب کی دھمکی دیتے ہو، وہ عذاب لے کیوں نہیں آتے! دیر کیوں لگا رہے ہو! کہیں یہ دل خوش کرنے کی باتیں تو نہیں!

اس کا جواب دیتے ہیں کہ تکذیب کرنے والوں پر عذاب کا آنا نہ آنا آئندہ کی بات ہے، اور جو باتیں ابھی وجود میں

(۱) جَرَحَ (ف) جرحًا: کمانا، زخمی کرنا، طعن کرنا، یہاں اول معنی ہیں (۲) مرجع: مصدر میمی ہے (۳) حفظة: حافظ کی جمع ہے (۴) لایفرطون: از تفریط: کمی کرنا، کوتاہی کرنا۔

نہیں آئیں وہ امور غیب ہیں، اور غیب کی خبر اللہ ہی کو ہے، نبی ﷺ بھی نہیں جانتے کہ مکذبین پر عذاب آئے گا یا نہیں؟ اور آئے گا تو کس شکل میں آئے گا؟ یہ سب باتیں اللہ ہی کے علم محیط میں ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے علم میں صرف یہی بات نہیں، ان کے علم میں سب کچھ ہے، وہ خشکی اور تری کی تمام چیزوں کو جانتے ہیں، اور درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ ان کے علم میں ہوتا ہے، اور زمین کی گہرائی میں جو بیج پڑا ہوا ہے اور تری اور خشکی کی تمام چیزیں ان کے علم میں ہیں، اور نہ صرف علم میں ہیں، بلکہ لوح محفوظ میں ریکارڈ بھی ہیں۔

غیب کے خزانے: یا غیب کی چابیاں ایک بات ہے، چابی ہی سے خزانہ کھلتا ہے، جو چیزیں ابھی وجود میں نہیں آئیں یا وجود میں تو آچکی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی کو مطلع نہیں کیا: وہ امور غیب ہیں، جیسے قیامت اور وہ تمام حالات وواقعات جو قیامت سے متعلق ہیں، اسی طرح آئندہ وجود پذیر ہونے والے انسان امور غیب ہیں، مکذبین پر عذاب کا آنا نہ آنا بھی آئندہ کا معاملہ ہے، اس کی خبر بھی اللہ کو ہے، رسول کو اس کا علم نہیں۔

کتابِ مبین: سے مراد لوحِ محفوظ ہے، اس میں ہر بات تفصیل سے درج شدہ ہے، اس لئے مبین: اس کی صفت لائی گئی ہے اور لوح محفوظ کیا ہے؟ اس کی تفصیل نہیں آئی، کہتے ہیں کہ عرش کی قوت خیالیہ کا نام ہے، جیسے حافظ کے دماغ میں سارا قرآن تفصیل سے محفوظ ہوتا ہے اسی طرح جمیع ما کان وما یکون کا علم عرش کے حافظہ میں بھرا ہوا ہے۔ اور لوحِ محفوظ میں ہر چیز ریکارڈ کیوں کی گئی ہے؟ اس کا صحیح جواب بھی معلوم نہیں، کہتے ہیں: اس لئے سب چیزیں درج کی گئی ہیں کہ فرشتے وہاں دیکھ کر ان کی تعمیل کریں، واللہ اعلم

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کے پاس پوشیدہ چیزوں کے خزانے ہیں —— یعنی عذاب کا یہی ایک معاملہ ان کے علم میں نہیں، خزانے کے خزانے ان کے علم میں ہیں —— ان (خزانوں) کو وہی جانتے ہیں —— پیغمبر ﷺ بھی نہیں جانتے —— اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان ہے: —— اور وہ خشکی اور تری کی تمام چیزوں کو جانتے ہیں، اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ ان کے علم میں ہوتا ہے، اور جو بھی بیج زمین کی تاریکیوں میں پڑا ہے اور ہر تر اور خشک چیز واضح نوشتہ میں ہے!

غیب کی ایک مثال: قیامت، اور اس پر محسوس مثال سے استدلال

قیامت بالیقین آنے والی ہے، اس کی اطلاع دیدی گئی ہے، مگر کب آئے گی؟ اس کا علم کسی کو نہیں، حضرت اسرافیل

علیہ السلام جو صور پھونکنے پر مامور ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام جو نبیوں کے پاس شریعتوں کی وحی لاتے ہیں اور سید کائنات ﷺ جن کو بے حساب علم دیا گیا ہے: وہ بھی نہیں جانتے کہ قیامت کب آئے گی؟ البتہ علم الٰہی میں اس کا وقت مقرر ہے، اس وقت وہ قائم ہو کر رہے گی۔

اور قیامت کا بھیّا ہماری نیند ہے، جب ہم رات میں یا دن میں سوتے ہیں تو فرشتے ہماری روح قبض کر لیتے ہیں، اور سوتے جاگتے ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ کے علم میں ہے، پھر ایک وقت کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں جگاتے ہیں، یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے، تاکہ انسان اپنی دنیوی زندگی پوری کر لے، پھر جب وہ مقررہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو فرشتہ روح مکمل وصول کر لیتا ہے، اسی کا نام موت ہے، اور موت کے بعد پھر زندہ ہونا ہے، جیسے سونے کے بعد جاگتا ہے، پھر زندہ ہو کر اللہ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے، وہاں اس کے سامنے اس کا ریکارڈ رکھ دیا جائے گا، وہ تمام باتیں اس کو جتلائی جائیں گی جو وہ دنیا کی زندگی میں کرتا رہا ہے —— یہ ایک محسوس مثال ہے، اس سے جو سمجھنا چاہے قیامت کو سمجھ سکتا ہے۔

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَ یَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: وہی ہیں جو رات میں تمہاری روح قبض کر لیتے ہیں، اور تم نے دن میں جو کیا ہے اس کو جانتے ہیں، پھر تمہیں دن میں جگاتے ہیں، تاکہ (زندگی کی) مقررہ مدت پوری کر لی جائے، پھر تمہیں ان کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں وہ باتیں جتلائیں گے جو تم کیا کرتے تھے —— جتلانا، جتانا: آگاہ کرنا، خبردار کرنا۔

انسان کسی وقت اللہ کی قدرت سے باہر نہیں، اور مکذبین پر عذاب آنے والا ہے!

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہیں، سب ان کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اور ان کی حفاظت سے پنپ رہے ہیں، انھوں نے ہر انسان کے ساتھ حفاظت کرنے والے فرشتے لگا رکھے ہیں، سورۃ الرعد (آیت ۱۱) میں بھی یہ بات آئی ہے: ﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾: اللہ ہی کی ملک ہیں وہ فرشتے جو انسان کے آگے پیچھے باری باری آنے والے ہیں، جو حکم الٰہی سے اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

یہ فرشتے زندگی بھر انسان کی حفاظت کرتے رہتے ہیں تا آنکہ موت کا وقت آجاتا ہے تو موت کے فرشتے آکر اس کی جان نکال لیتے ہیں، اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے، نہ وقت سے پہلے جان نکالتے ہیں، نہ وقت کے بعد لحہ بھر کی مہلت دیتے ہیں۔

یہ جانیں عالم برزخ میں محفوظ رہتی ہیں، پھر قیامت کے دن اجسام دوبارہ بنائے جائیں گے، اور روحیں ان میں

واپس آئیں گی، پھر زندہ ہوکر اللہ کارساز حقیقی کے دربار میں حاضر ہونا ہوگا —— اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہیں، سب ان کے قبضۂ قدرت میں ہیں، وہ جس کے ساتھ جس وقت جو معاملہ کرنا چاہیں کرسکتے ہیں!

پس مکذبین خبردار ہوجائیں! جب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوگا عذاب آئے گا، اور وہ وقت آیا ہی چاہتا ہے: کلُّ ماھو آتٍ فھو قریب: آنے والی آکر رہتی ہے، چنانچہ نزولِ آیت سے آٹھ سال بعد مکذبین کے رؤساء میدانِ بدر میں کھیت رہے!

فائدہ: ﴿ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴾ عام ہے، اس کا تعلق قیامت سے بھی ہے، مگر ماسیق لاجلہ الکلام وہ ہے جو اوپر بیان کیا، قیامت بھی جلد آرہی ہے، اور آیت کا یہ مطلب سمجھنا شاید صحیح نہیں کہ قیامت میں لوگوں کا حساب چٹ پٹ نمٹ جائے گا۔

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝۶۱ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝۶۲﴾

ترجمہ: اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہیں، اور ان پر حفاظت کرنے والے فرشتوں کو بھیجتے ہیں، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے (موت کے فرشتے) اس کی جان وصول کرلیتے ہیں، اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے! —— پھر وہ اللہ اپنے کارساز برحق کی طرف پھیرے جائیں گے —— خبردار ہوجا! فیصلہ انہی کا ہے، اور وہ جلدی حساب کرنے والے ہیں۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۶۳ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝۶۴

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ	پوچھ: کون تمہیں بچاتا ہے تاریکیوں سے خشکی کی	وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ (۱) تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً	اور سمندر کی؟ پکارتے ہو تم اس کو گڑگڑا کر اور چپکے سے	لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا (۲) مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ	بخدا! اگر بچایا اس نے ہم کو اس (سختی) سے ضرور ہونگے ہم

(۱) جملہ تدعونہ: حال ہے ینجیکم کی ضمیر مفعول سے (۲) أنجی: فعل ماضی، ضمیر جمع متکلم ہے۔

مِنَ الشّٰكِرِيْنَ	شکر گذاروں میں سے	يُنَجِّيْكُمْ	بچاتے ہیں تم کو	ثُمَّ	پھر
قُلِ	کہو	مِّنْهَا	اس (سختی) سے	اَنْتُمْ	تم
اللّٰهُ	اللہ	وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ	اور ہر بے چینی سے	تُشْرِكُوْنَ	شریک ٹھہراتے ہو!

اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے اللہ کے پہلو میں آجاؤ

آدمی جب مصائب وشدائد کی تاریکیوں میں پھنستا ہے تو عاجزی سے اللہ کو پکارتا ہے، اور پختہ وعدہ کرتا ہے کہ اگر اس کو اس مصیبت سے نجات ملی تو وہ کبھی شرارت نہیں کرے گا، ہمیشہ اللہ کا احسان یاد رکھے گا، مگر جب اللہ تعالیٰ اس کی دستگیری فرماتے ہیں اور سختیوں سے نجات دیتے ہیں تو وہ اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہتا، مصیبت سے نکلتے ہی شرارت شروع کر دیتا ہے ــــ انسان کی یہ کمزوری مشرکین مکہ کو یاد دلائی ہے کہ تم اللہ کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو اللہ کے حق شناس بن جاؤ، کفر وشرک سے باز آجاؤ، اللہ تعالیٰ تم کو تکذیب کے عذاب سے محفوظ رکھیں گے۔

آیتِ کریمہ: کون تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے نجات بخشتا ہے جب تم اس کو گڑگڑا کر اور چپکے سے پکارتے ہو: بخدا! اگر اس نے ہمیں ان شدائد سے بچالیا تو ہم شکر گذار بندے بنیں گے! ــــ کہو: اللہ تعالیٰ تم کو ان (شدائد) سے اور ہر بے چینی سے بچاتا ہے، پھر تم شریک ٹھہرانے لگتے ہو!

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵

قُلْ	کہو:	عَلَيْكُمْ	تم پر	اَرْجُلِكُمْ	تمہارے پیروں کے
هُوَ الْقَادِرُ	وہ قادر ہیں	عَذَابًا	عذاب	اَوْ يَلْبِسَكُمْ (۱)	یا بھڑا دیں تم کو
عَلٰٓى اَنْ	اس پر کہ	مِّنْ فَوْقِكُمْ	تمہارے اوپر سے	شِيَعًا (۲)	گروہ گروہ
يَّبْعَثَ	بھیجیں وہ	اَوْ مِنْ تَحْتِ	یا نیچے سے	وَّيُذِيْقَ	اور چکھائیں

(۱) يلبسكم: يخلطكم: تمہیں بھڑا دیں، ملا دیں، التبس الظلامُ: تاریکی کا مخلوط ہونا، آگے آئے گا: ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾: اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کے ساتھ نہیں ملایا (۲) شِيَعٌ: شيعة کی جمع: گروہ، فرقے، کم سے حال ہے۔

بَعۡضَكُمۡ	تمہارے بعض کو	اُنۡظُرۡ	دیکھ	الۡاٰیٰتِ	باتیں
بَاۡسَ	سختی	كَيۡفَ	کس طرح	لَعَلَّهُمۡ	تاکہ وہ
بَعۡضٍ	بعض کی	نُصَرِّفُ	پھیرتے ہیں ہم	يَفۡقَهُوۡنَ	سمجھیں

عذاب تین طرح آتا ہےاور مکذبین پر تیسری طرح عذاب آئے گا

عذاب کی تین صورتیں ہیں:

ایک: عذاب اوپر سے آئے، جیسے نوح علیہ السلام کی قوم پر پانی برسا، اور اس نے سیلاب کی شکل اختیار کی، اور وہ سب کو لے ڈوبا، اور جیسے قوم لوط علیہ السلام پر پتھروں کی بارش ہوئی، جس نے پوری قوم کو ہلاک کردیا، یا جیسے ہاتھی والوں پر ابابیل نے کنکریاں برسائیں، جس سے سب کا بھرتا بن گیا۔

دوم: عذاب نیچے سے آئے، جیسے فرعونیوں کو دریا میں ڈبویا، اور جیسے قارون کو زمین میں دھنسایا۔

سوم: لوگوں میں پارٹی بندی ہو، پھر جنگ وجدال اور خون ریزی ہو، اور ایک فریق غالب اور دوسرا مغلوب ہو، عذاب کی یہ تیسری صورت اہون ہے، کیونکہ پہلی دوصورتوں میں سب کچھ تہس نہس ہوجاتا ہے، اور تیسری صورت میں لوگ باقی رہتے ہیں، حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی کہ کہیں: ان کو قدرت ہے اس پر کہ تمہارے اوپر سے عذاب بھیجیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کے چہرے کے طفیل پناہ چاہتا ہوں یعنی یہ عذاب نہ آئے (آگے) اللہ نے فرمایا: یا تمہارے نیچے سے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کے چہرے کے طفیل پناہ چاہتا ہوں یعنی یہ عذاب بھی نہ آئے (پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) یا تمہیں مختلف فرقے بنا کر بھڑادیں، اور بعض کو بعض کی سختی چکھائیں، تو آپؐ نے فرمایا: یہ اہون ہے یا فرمایا؟ یہ آسان ہے!

تشریح: جب کفار مکہ کو قرآن عذاب کی خبر سناتا تو وہ کہتے: یہ سب جھوٹی دھمکیاں ہیں، عذاب وذاب کچھ نہیں آنا، اس آیت میں ان سے کہا گیا ہے کہ عذاب ان تین صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں آسکتا ہے، مگر نبی ﷺ نے پہلی دوصورتوں سے پناہ چاہی تو کفارِ مکہ پر تیسری صورت میں عذاب آیا، کفار اور مؤمنین دو الگ الگ گروہ بن گئے، اور پہلی مرتبہ بدر کے میدان میں بھڑے، اور کفار نے اپنے کفر کا مزہ چکھا۔

فائدہ: یہ آیت دراصل کفار مکہ کے تعلق سے ہے، مگر اعتبار الفاظ کے عموم کا ہے، پس امت محمدیہ پر بھی پہلی دوصورتوں میں عذاب نہیں آئے گا، کیونکہ نبی ﷺ نے ان سے پناہ چاہی ہے، ہاں تیسری صورت میں عذاب آسکتا ہے اور آتا رہتا ہے۔

آیتِ پاک: کہہ دو: اللہ تعالیٰ قادر ہیں اس پر کہ تمہارے اوپر سے عذاب بھیجیں، یا تمہارے پیروں کے نیچے سے، یا تمہیں مختلف فرقے بنا کر بھڑادیں، اور بعض کو بعض کی سختی چکھائیں —— دیکھو! کیسے نہج بدل بدل کر ہم باتیں بیان کرتے ہیں تا کہ وہ (مکذبین) سمجھیں۔

فائدہ: آیت کفار کے حق میں نازل ہوئی ہے، مگر درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مسلمانوں کو بھی عام ہے:

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل کی گئی کہ آپ کہہ دیں: ''اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دیں یا تمہارے پاؤں تلے سے!'' تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی پناہ چاہتا ہوں!'' اس استعاذہ میں اشارہ ہے کہ یہ دونوں عذاب مسلمانوں پر بھی آسکتے ہیں، چنانچہ آپؐ نے ان دونوں عذابوں سے پناہ چاہی، اور آپؐ کی یہ دعا قبول ہوئی، جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہے، پھر جب اگلا ٹکڑا نازل ہوا کہ یا وہ تمہیں گروہ گروہ کر کے آپس میں بھڑادیں، اور تمہارے بعض کو بعض کی سختی چکھائیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ (عذاب) ہلکا ہے!'' یا فرمایا: ''یہ آسان ہے!'' یعنی عذاب کی یہ نوعیت آپؐ نے گوارہ فرمالی، بخاری شریف میں یہ حدیث تین جگہ آئی ہے (حدیث ۴۶۲۸ و ۷۳۱۳ و ۷۴۰۶)

حدیث: اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے، آپؐ کا گذر مسجدِ بنی معاویہ پر ہوا، آپؐ مسجد میں تشریف لے گئے، اور دو رکعتیں پڑھیں، ہم نے بھی دو رکعتیں ادا کیں، پھر آپؐ دعا میں مشغول ہوئے، اور بہت دیر تک دعا فرماتے رہے، پھر ارشاد فرمایا: ''میں نے اپنے رب سے تین باتیں مانگیں: دو دی گئیں اور ایک سے میں روک دیا گیا، میں نے مانگا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو غرقاب نہ کریں، اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول فرمالی، پھر میں نے مانگا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو قحط سالی اور بھوک سے ہلاک نہ کریں، تو یہ دعا بھی قبول فرمالی، پھر میں نے مانگا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو باہمی جنگ وجدال سے تباہ نہ کریں تو مجھے اس دعا سے روک دیا گیا''

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝۶۶ۭ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۶۷ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸ وَمَا عَلَي الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰي

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

وَكَذَّبَ	اور جھٹلایا	يَخُوْضُوْنَ (۳)	گھستے ہیں	وَمَا	اور نہیں ہے
بِهٖ	اس (عذاب) کو	فِيْٓ اٰيٰتِنَا	ہماری باتوں میں	عَلَى الَّذِيْنَ	ان پر جو
قَوْمُكَ	آپ کی قوم نے	فَاَعْرِضْ	تو کنارہ کر	يَتَّقُوْنَ	بچتے ہیں
وَهُوَ	درانحالیکہ وہ	عَنْهُمْ	ان سے	مِنْ حِسَابِهِمْ	ان کے حساب سے
الْحَقُّ	یقینی ہے	حَتّٰى	یہاں تک کہ	مِّنْ شَيْءٍ	کچھ بھی
قُلْ	کہو	يَخُوْضُوْا	مشغول ہوجائیں	وَّلٰكِنْ	لیکن
لَّسْتُ عَلَيْكُمْ	نہیں ہوں میں تم پر	فِيْ حَدِيْثٍ	کسی بات میں	ذِكْرٰى	نصیحت کرنا
بِوَكِيْلٍ (۱)	تعینات کیا ہوا	غَيْرِهٖ	اس کے علاوہ	لَعَلَّهُمْ	تاکہ
لِكُلِّ نَبَاٍ	ہر خبر کے لئے	وَاِمَّا (۴)	اور اگر	يَتَّقُوْنَ	وہ بچیں
مُّسْتَقَرٌّ (۲)	پورا ہونے کا وقت ہے	يُنْسِيَنَّكَ	بھلادے تجھے	وَذَرِ	اور چھوڑ
وَّسَوْفَ	اور عنقریب	الشَّيْطٰنُ	شیطان	الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے
تَعْلَمُوْنَ	جان لوگے تم	فَلَا تَقْعُدْ	تو مت بیٹھ	اتَّخَذُوْا	بنایا
وَاِذَا	پس جب	بَعْدَ الذِّكْرٰى	یاد آنے کے بعد	دِيْنَهُمْ	اپنے دین (اسلام) کو
رَاَيْتَ	دیکھے تو	مَعَ الْقَوْمِ	لوگوں کے ساتھ	لَعِبًا وَّ لَهْوًا	کھیل اور تماشہ
الَّذِيْنَ	ان کو جو	الظّٰلِمِيْنَ	ظالم پیشہ	وَّغَرَّتْهُمُ	اور دھوکہ دیا ان کو

(۱) وکیل: کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے 'داروغہ' کیا ہے: سب انسپکٹر پولیس 'تھانہ دار' کسی جماعت کا سردار، تعینات: حضرت تھانویؒ کا ترجمہ ہے (۲) مستقر: اسم مفعول کے وزن پر ظرف زماں (۳) خاض (ن) الماءَ: پانی میں گھسنا، خاض فی الحدیث: گفتگو میں مشغول ہونا۔ (۴) إما: إن شرطیہ کا نون ما زائدہ میں مدغم ہے۔

الْحَيٰوةُ	زندگی نے	مِنْ دُوْنِ	سوائے	الَّذِيْنَ	وہ ہیں جو
الدُّنْيَا	دنیا کی	اللهِ	اللہ کے	اُبْسِلُوْا	ہلاکت میں ڈالے گئے
وَ ذَكِّرْ	اور نصیحت کر	وَلِيٌّ	کوئی کارساز	بِمَا كَسَبُوْا	ان کے اعمال کی وجہ سے
بِهٖٓ	اس (قرآن) کے ذریعہ	وَّلَا شَفِيْعٌ	اور نہ کوئی سفارشی	لَهُمْ	ان کے لئے
اَنْ تُبْسَلَ(۱)	کہیں ہلاکت میں	وَاِنْ تَعْدِلْ(۲)	اور اگر بدلہ دے وہ	شَرَابٌ	مشروب ہے
	ڈالا جائے	كُلَّ عَدْلٍ	سارے ہی بدلے	مِّنْ حَمِيْمٍ	کھولتے پانی سے
نَفْسٌ	کوئی شخص	لَا يُؤْخَذْ	نہ لیا جائے وہ	وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ	اور سزا ہے دردناک
بِمَا كَسَبَتْ	اس کے کرتوتوں کی وجہ سے	مِنْهَا	اس سے	بِمَا كَانُوْا	اس وجہ سے کہ تھے وہ
لَيْسَ لَهَا	درانحالیکہ نہ ہو اس کیلئے	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ	يَكْفُرُوْنَ	(اللہ کا) انکار کرتے

تکذیبِ عذاب کا آخری جواب

گذشتہ آیت میں اشارہ تھا کہ تکذیب کرنے والوں پر عذاب جہاد کے ذریعہ آئے گا، اس کا کفار نے ٹھٹھا اڑایا، اس لئے کہ مکی دور کے وسط میں مسلمانوں کو اپنا وجود باقی رکھنا مشکل تھا، جہاد کے ذریعہ وہ مکذبین کو کیا سزا چکھائیں گے؟ اس لئے وہ اس بات کی ہنسی اڑاتے تھے۔

جواب: اللہ کے رسول قوم کے داروغہ نہیں، داروغہ: ماتحت پولس کا ذمہ دار ہوتا ہے، رسول: قوم کا ذمہ دار نہیں، وہ اللہ کی طرف سے ایک خبر دیتا ہے، اور وہ خبر سچی ہوتی ہے، اور ہر خبر کے پورا ہونے کا ایک وقت مقرر ہے: **كلُّ أمرٍ مرهون بوقته**، جب وقت آئے گا خبر واقع ہوگی، اور جہاد کی شکل میں ان کو سزا ملے گی، تب وہ جانیں گے کہ لو، عذاب آیا!

ہجرت کے بعد دوسرے سال معرکہ بدر پیش آیا، اس میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر ہی قید میں آئے، ان میں سے اکثر قائد، سردار اور سربرآوردہ لوگ تھے، جنگ ختم ہونے کے بعد چوبیس بڑے سرداروں کی لاشیں ایک گندے کنویں میں ڈالی گئیں، تیسرے دن آپ ﷺ سوار ہوکر اس کنویں پر تشریف لے گئے، اور لاشوں سے خطاب فرمایا: ''مجھ سے میرے رب نے جو وعدہ کیا تھا اس کو میں نے سچا پایا، کیا تم سے تمہارے رب نے (عذاب کا جو) وعدہ کیا تھا سچا پایا؟'' یہی ﴿وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ ہے۔

(۱) أَبْسَلَ: کسی کو ہلاکت میں ڈالنا، بَسُلَ (ک) بُسُوْلاً: بہادر ہونا، لڑائی میں تیور چڑھانا، الباسل: جری، بہادر (۲) عَدَلَ (ض) عَدْلاً: بدلہ دینا، اصل معنی: مساوی اور برابر کرنا، بدلہ بھی مساوی کرتا ہے۔

﴿وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۚ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۚ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور آپ کی قوم نے عذاب کو جھٹلایا، جبکہ وہ برحق ہے، کہو: میں تم پر تعینات نہیں کیا گیا! ہر خبر کے وقوع کے لئے ایک وقت مقرر ہے، سوتم جلد ہی اس کو جان لوگے ــــ کہ لو یہ عذاب آیا!

تکذیب میں مشغول لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت

جو لوگ قرآنِ کریم اور دینِ اسلام پر نکتہ چینی میں مشغول ہوں ان کے ساتھ مسلمانوں کو نشست و برخاست نہیں رکھنی چاہئے، کہیں وہ بھی ان کے زمرہ میں داخل ہو کر مستحق عذاب نہ ہو جائیں، مؤمن کی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی مجلس سے بیزار ہو کر علاحدہ ہو جائے، اور کبھی بھول جائے تو یاد آنے کے بعد فوراً اٹھ کھڑا ہو، اسی میں عاقبت کی درستگی اور دین کی سلامتی ہے، اور عیب چینی کرنے والوں کو تنبیہ اور عملی نصیحت بھی ہے۔

آیت کا پس منظر: رؤسائے قریش کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب مسلمانوں کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا ہوتا تو ان کو تکلیف پہنچانے کے لئے خاص طور پر قرآن کو موضوع بحث بناتے، اور اس بہانے اللہ کے احکام کا مذاق اڑاتے، اس پسِ منظر میں نبی ﷺ کو مخاطب کر کے امت کو حکم دیا کہ جب کفار اللہ کی کتاب کو بدنیتی سے موضوع بحث بنائیں تو اس مجلس میں شرکت نہ کریں، البتہ جب مجلس کا موضوع بدل جائے اور کوئی دوسری بات شروع ہو جائے تو ان کے ساتھ بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر پہلے سے خیال نہ ہو اور بیٹھ جائے، پھر ایسی گفتگو شروع ہو جائے تو فوراً اس مجلس سے اٹھ جائے۔

﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: پس جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں (کیڑے ڈھونڈھنے میں) مشغول ہیں تو آپ ان سے کنارہ کرلیں، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ بات میں مشغول ہوں، اور اگر شیطان آپ کو بھلادے تو یاد آنے کے بعد ان ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھیں۔

نصیحت کی غرض سے مخالفین کی سنجیدہ مجلس میں شرکت کی گنجائش

اگر معلوم ہو کہ مجلس میں قرآن و اسلام پر نکتہ چینی ہوگی، مگر لوگوں میں بات سمجھنے کی صلاحیت ہو، اور کوئی شخص ایسی مجلس میں شرکت کرے، اور ان کی ہاں میں ہاں نہ ملائے، بلکہ موقع کا منتظر رہے، جب موقع ملے اعتراض کرنے والوں کو

سمجھائے، ان کے اعتراضات کے جوابات دے کر تشفی کرے تو اس مقصد سے ایسی سنجیدہ مجلس میں شرکت کی گنجائش ہے، شاید وہ آئندہ مجلسوں میں قرآن پر طعن و تشنیع سے باز آجائیں۔

﴿ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اوران لوگوں پر جو (طعن و تشنیع سے) بچتے ہیں —— یعنی طاعنین کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے —— ان (مشغول ہونے والوں کے) حساب میں سے کچھ بھی نہیں —— یعنی اس شرکت کرنے پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا —— البتہ نصیحت کرنا ہے تاکہ (آئندہ) وہ بچیں۔

اسلام کے کٹّر مخالفوں کے ساتھ مجالست کی ممانعت، مگر دعوت کی محنت جاری رکھی جائے

جو لوگ اسلام کے کٹر مخالف ہیں، مذہبِ اسلام کو کھیل تماشہ بناتے ہیں، حالانکہ اس کو قبول کرنا ان کے ذمہ فرض ہے، وہ ان کی بہبودی کے لئے نازل کیا گیا ہے، مگر ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈالے رکھا ہے، وہ کھاتے پیتے خوش حال ہیں، اس لئے وہ اپنے دھرم ہی کو حق سمجھتے ہیں، حالانکہ دنیا کی خوش حالی حقانیت کی دلیل نہیں۔

ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ان کو چھوڑیں، ان کی محفل میں شرکت نہ کریں، مگر ان پر بھی دعوت کی محنت جاری رکھیں، قرآنِ کریم کے ذریعہ ان کو بھی نصیحت کریں، شاید وہ سنور جائیں، ورنہ اتمام حجت ہو جائے! نبی ﷺ کا یہی طریقہ تھا، کٹر سے کٹر مخالفوں کو بھی آپ قرآن سناتے تھے۔

اور جو لوگ دنیا کی لذتوں میں مست ہو کر آخرت کو بھلا بیٹھے ہیں: آخرت میں ان کا نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ سفارشی، اور اس کو کوئی بدلہ دے کر بھی عذاب سے چھٹی نہیں ملے گی، اگرچہ وہ دنیا بھر کا بدلہ پیش کرے، ان کو سخت عذاب سے پالا پڑے گا، پینے کو کھولتا پانی ملے گا، اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کا انکار کرنے کی وجہ سے دردناک عذاب ہوگا۔

﴿ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپ ان لوگوں کو چھوڑیں جنھوں نے اپنے دین (اسلام) کو کھیل تماشہ بنایا ہے، ان کو دنیوی زندگانی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے، اور آپ قرآن کے ذریعہ نصیحت کریں، کہیں کوئی شخص ہلاکت میں ڈالا جائے اس کے کرتوتوں کی وجہ سے، درآں حالیکہ اس کے لئے، اللہ کے علاوہ، نہ کوئی حمایتی ہو، نہ کوئی سفارشی! اور اگر وہ سارے ہی بدلے دے

ڈالے تو اس کی طرف سے قبول نہ کیا جائے، یہی وہ لوگ ہیں جو ہلاکت میں ڈالے گئے ان کے اعمال کی وجہ سے، ان کے لئے کھولتا ہوا پانی ہے، اور دردناک سزا ہے، بایں وجہ کہ وہ ایک اللہ کا انکار کیا کرتے تھے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

قُلْ	کہو:	اِذْ هَدٰىنَا	جب سیدھی راہ دکھائی	ائْتِنَا	آجا ہمارے پاس
اَنَدْعُوْا	کیا پکاریں ہم		ہمیں	قُلْ	کہہ دو
مِنْ دُوْنِ	سوائے	اللّٰهُ	اللہ نے	اِنَّ هُدَى	بے شک راہ نمائی
اللّٰهِ	اللہ کے	كَالَّذِي	جیسے وہ شخص	اللّٰهِ	اللہ کی
مَا	اس کو جو	اسْتَهْوَتْهُ (۱)	جس کو بھٹکا دیا	هُوَ الْهُدٰى	وہی راہ نمائی ہے
لَا يَنْفَعُنَا	نہ نفع پہنچائے ہمیں	الشَّيٰطِيْنُ	جنات نے	وَاُمِرْنَا	اور حکم دیئے گئے ہیں ہم
وَلَا يَضُرُّنَا	اور نہ نقصان پہنچائے	فِي الْاَرْضِ	بیابان میں	لِنُسْلِمَ	کہ تابعداری کریں
	ہمیں	حَيْرَانَ (۲)	حیران پریشان	لِرَبِّ	پروردگار کی
وَنُرَدُّ	اور پھیرے جائیں ہم	لَهٗٓ اَصْحٰبٌ	اس کے ساتھی ہیں	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے
عَلٰٓى اَعْقَابِنَا	الٹے پاؤں	يَّدْعُوْنَهٗٓ	جو اس کو بلاتے ہیں	وَاَنْ اَقِيْمُوا	اور یہ کہ سیدھا کرو تم
بَعْدَ	بعد	اِلَى الْهُدَى	راہ راست کی طرف	الصَّلٰوةَ	نماز کو

(۱) اِسْتِهْوَاءٌ: راستہ بھلانا، اس کے معنی فریفتہ کرنا بھی ہیں (۲) حیران: ہٗ کا حال ہے۔

وَاتَّقُوْهُ	اور ڈرو اس سے	بِالْحَقِّ	بامقصد (آخرت کیلئے)	يَوْمَ	جس دن
وَهُوَ	اور وہ	وَيَوْمَ	اور جس دن	يُنْفَخُ	پھونک ماری جائے گی
الَّذِيْٓ اِلَيْهِ	وہ ہیں جن کی طرف	يَقُوْلُ	فرمائیں گے وہ	فِي الصُّوْرِ	صور میں
تُحْشَرُوْنَ	جمع کئے جاؤ گے تم	كُنْ	ہوجا (قیامت قائم ہوجا)	عٰلِمُ	جاننے والے ہیں
وَهُوَ	اور وہ	فَيَكُوْنُ	تو وہ ہوجائے گی	الْغَيْبِ (۱)	غیر موجود چیزوں کو
الَّذِيْ	وہ ہیں جنھوں نے	قَوْلُهُ	ان کا فرمان	وَالشَّهَادَةِ	اور موجود چیزوں کو
خَلَقَ	پیدا کیا	الْحَقُّ	برحق ہے	وَهُوَ	اور وہ
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	وَلَهُ	اور ان کی	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے
وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	الْمُلْكُ	حکومت ہوگی	الْخَبِيْرُ	بڑے باخبر ہیں

مشرکین: مسلمانوں کو شرک کی دعوت دیتے تھے، ان کو اسلام کی دعوت دی جائے

اسلام کے کٹر مخالفین کے ساتھ مجالست کی ممانعت اس لئے ہے کہ مشرکین کے سردار مسلمانوں کو شرک کی طرف لوٹ جانے کی دعوت دیتے ہیں، پس کچے مسلمانوں کے پھسلنے کا خطرہ تھا، اس لئے ان سے دور کی صاحب سلامت اچھی!

البتہ ان پر دعوت کی محنت جاری رکھی جائے، جو پڑھا لکھا پکا مسلمان ہے وہ ان کو ان کی خواہش کا جواب دے، کہے: کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ایسی مورتیوں کی عبادت کریں جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان؟ ان کی عبادت میں کیا فائدہ ہے؟ اور کیا ہم الٹے پاؤں لوٹ جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں راہِ راست دکھائی؟ اگر ہم ایسا کریں تو اس کی مثال ایسی ہوگی: جیسے کسی شخص کو بیابان میں بھوتوں نے راہ سے بے راہ کر دیا، اب وہ حیران پریشان ہے، اور اس کے کچھ ساتھی ہیں، جو صحیح راستہ کی طرف اس کو بلاتے ہیں کہ ہمارے پاس آجا!

تطبیق: مشرکین کو شیاطین نے راستہ سے بھٹکا دیا ہے، صحابہ ان کے ساتھی ہیں، وہ راہِ راست پر ہیں، وہ مشرکین کو بلاتے ہیں کہ ہمارے راستے پر آجاؤ، ہمیں اللہ نے راہ دکھائی ہے، اور یہی صحیح راستہ ہے، ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم جہانوں کے پالنہار کی اطاعت کریں، نماز کا اہتمام کریں اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کریں، یہ تعلیمات دلیل ہیں کہ ہمارا راستہ ہی اللہ کا راستہ ہے، اور ہمیں لوٹ کر انہی کے دربار میں حاضر ہونا، جہاں ہمیں ہمارے اعمال کا صلہ ملے گا۔

(۱) پہلے غیب کے معنی مظہری کے حوالے سے بیان کئے ہیں کہ جو چیزیں ابھی وجود میں نہیں آئیں، پس پردہ ہیں وہ غیب ہیں، پس جو موجود ہیں وہ شہادۃ ہیں۔

﴿قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۗ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۗ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۗ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾﴾

ترجمہ: کہو: کیا ہم اللہ سے ورے ایسے معبودوں کی عبادت کریں جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان؟ اور ہم الٹے پاؤں لوٹا دیئے جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں راہِ راست دکھائی؟ جیسے ایک شخص: جسے بھوتوں نے بیابان میں راستہ سے بھٹکا دیا، وہ حیران ہے، اس کے کچھ ساتھی ہیں جو اس کو راستے کی طرف بلاتے ہیں کہ ہمارے پاس آجا! —— کہہ دو: اللہ کی راہ نمائی ہی بالیقین راہ نمائی ہے، اور ہم حکم دیئے گئے ہیں کہ جہانوں کے پالنہار کی اطاعت کریں، اور یہ کہ نماز کا اہتمام کریں، اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کریں، اور وہی وہ ہیں جن کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے!

عالم زیریں عالم بالا کے مقصد سے بنایا گیا ہے

گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا تھا کہ مشرکین کو بھی ایک دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، اس لئے کہ یہ عالم زیریں یعنی دنیا، عالم بالا یعنی آخرت کے مقصد سے بنایا گیا ہے، یہاں عمل ہے وہاں جزاء ہے، آسمانوں اور زمین پر مشتمل یہ عالم بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا —— اور قیامت قائم کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں، جب وقت آئے گا فرمائیں گے: ہوجا! پس آناً فاناً قیامت برپا ہوجائے گی —— اور 'ہوجا!' بھی کہنا نہیں پڑے گا، ان کا ارادہ ہی چیزوں کے وجود کے لئے کافی ہے۔ اور اللہ کی بات برحق ہے، اس میں شبہ کی گنجائش نہیں، اور جس دن صور پھونکا جائے گا، اور مخلوقات دوبارہ پیدا ہونگی، اس وقت حکومت اللہ ہی کی ہوگی، تمام مجازی حکومتیں ختم ہوجائیں گی، اور اللہ تعالیٰ آئندہ وجود میں آنے والی چیزوں کو بھی جانتے ہیں، اور موجودہ چیزوں کو بھی، اس لئے کہ اللہ کا علم حضوری ہے، حصولی نہیں، اور حضوری علم معلومات کا محتاج نہیں ہوتا، حصولی علم معلومات کے وجود کا محتاج ہوتا ہے، پس جو چیزیں آئندہ زمانہ میں موجود ہونگی، ان کو بھی اللہ تعالیٰ ازل سے جانتے ہیں، اور وہ حکیم وعلیم ہیں، اپنی حکمت کے مطابق چیزوں کو وجود بخشتے ہیں، جب ان کی حکمت مقتضی ہوگی اس دنیا کا آخری دن آجائے گا، اور یہ دنیا ٹھہر جائے گی، اور آخری دن میں حساب کتاب ہوگا، پھر مکلّف مخلوقات عالم بالا میں منتقل کردی جائے گی، اور یہ دنیا ختم کردی جائے گی، پس جو لوگ اس خیال میں ہیں کہ یہ دنیا اسی طرح چلتی رہے گی، کبھی ختم نہیں ہوگی: وہ غلط فہمی میں ہیں، اس لئے کہ اس دنیا میں نیکی اور برائی کا نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا، پس اگر یہی دنیا چلتی رہے تو یہ دنیا بے مقصد ہوئی، جبکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، اور حکیم کا کوئی کام بے مقصد نہیں ہوتا۔

﴿ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾ ﴾

ترجمہ: وہی وہ ہیں جنھوں نے آسمانوں اور زمین کو بامقصد پیدا کیا ہے، اور جس دن فرمائیں گے: ہوجا! تو وہ (مقصد پورا) ہوجائے گا، ان کا فرمانا برحق ہے —— یعنی وہ ضرور قیامت قائم کریں گے —— اور انہی کی حکومت ہوگی جس دن صور پھونکا جائے گا، وہ آئندہ موجود ہونے والی چیزوں کو اور موجودہ چیزوں کو جاننے والے ہیں، اور وہ بڑی حکمت والے، بڑے باخبر ہیں!

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾

وَ اِذْ قَالَ	اور (یاد کرو) جب کہا	اٰلِهَةً	معبود؟	وَكَذٰلِكَ	اور یوں
اِبْرٰهِيْمُ	ابراہیمؑ نے	اِنِّيْٓ	بے شک میں	نُرِيْٓ	دکھاتے ہیں ہم
لِاَبِيْهِ	اپنے باپ سے	اَرٰىكَ	دیکھتا ہوں آپ کو	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کو
اٰزَرَ	آزر نامی	وَ قَوْمَكَ	اور آپ کی قوم کو	مَلَكُوْتَ	حکومت (اسرار)
اَتَتَّخِذُ	کیا بناتے ہیں آپ	فِيْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
اَصْنَامًا	مورتیوں کو	مُّبِيْنٍ	صریح	وَ الْاَرْضِ	اور زمین کی

وَ لِيَكُوْنَ	اور تا کہ ہوں وہ	فَلَمَّآ اَفَلَ	پس جب وہ غائب ہوگیا	قَالَ	کہا اس نے
مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ	یقین کرنے والوں سے	قَالَ	کہا اس نے	يٰقَوْمِ	اے میری قوم!
فَلَمَّا جَنَّ	پس جب اندھیرا کردیا	لَئِنْ	بخدا! اگر	اِنِّيْ	بے شک میں
عَلَيْهِ الَّيْلُ	اس پر رات نے	لَّمْ يَهْدِنِيْ	نہ راہ دکھائی مجھ کو	بَرِيْٓءٌ	بے تعلق ہوں
رَاٰ كَوْكَبًا	دیکھا اس نے ایک تارہ	رَبِّيْ	میرے رب نے	مِّمَّا	ان ستاروں سے جن کو
قَالَ هٰذَا	کہا: یہ	لَاَكُوْنَنَّ	تو ضرور ہونگا میں	تُشْرِكُوْنَ	شریک ٹھہراتے ہو تم
رَبِّيْ	میرا رب ہے	مِنَ الْقَوْمِ	لوگوں سے	اِنِّيْ وَجَّهْتُ	بیشک میں نے پھیرلیا
فَلَمَّآ اَفَلَ	پس جب غائب ہوگیا وہ	الضَّآلِّيْنَ	گمراہ ہونے والے	وَجْهِيَ	اپنا رخ
قَالَ	کہا اس نے	فَلَمَّا رَاَ	پس جب دیکھا اس نے	لِلَّذِيْ	اس ہستی کی طرف جس نے
لَآ اُحِبُّ	نہیں پسند کرتا میں	الشَّمْسَ	سورج کو	فَطَرَ	پیدا کیا
الْاٰفِلِيْنَ	غائب ہونے والوں کو	بَازِغَةً	دمکتا ہوا	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
فَلَمَّا رَاَ	پس جب دیکھا اس نے	قَالَ	کہا اس نے	وَ الْاَرْضَ	اور زمین کو
الْقَمَرَ	چاند کو	هٰذَا رَبِّيْ	یہ میرا رب ہے	حَنِيْفًا	یکسو ہوکر
بَازِغًا	چمکتا ہوا	هٰذَآ اَكْبَرُ	یہ (سب سے) بڑا	وَّمَآ اَنَا	اور نہیں ہوں میں
قَالَ	کہا اس نے		(ستارہ) ہے	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	شریک ٹھہرانے والوں
هٰذَا رَبِّيْ	یہ میرا رب ہے	فَلَمَّآ اَفَلَتْ	پس جب غائب ہوگیا وہ		میں سے

ابراہیم علیہ السلام نے مشرکوں کو مورتیوں اور ستاروں کا معبود نہ ہونا سمجھایا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم مورتیوں کو بھی پوجتی تھی اور ستاروں کو بھی، آپ نے ان کو دونوں کا معبود نہ ہونا سمجھایا، مورتیوں کے معبود نہ ہونے کا بیان یہاں مختصر ہے، مفصل سورۃ الانبیاء (آیات ۵۱-۷۰) میں ہے (ہدایت القرآن ۵:۴۰۰) اور یہاں صرف اتنی بات ہے کہ انھوں نے اپنے باپ آزر سے پوچھا: کیا آپ مورتیوں کو خدا مانتے ہیں؟ اس نے اثبات میں جواب دیا ہوگا، اس لئے کہ وہ مندر کا مہنت (سادھوؤں کا سردار) تھا، اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: آپ اور آپ کی قوم سب گمراہ ہو، اور گمراہی واضح ہے، بے جان مورتیں کبھی معبود نہیں ہوسکتیں، پھر ایک دن جب قوم میلے میں گئی تو مورتیوں کی مرمت کرڈالی، اور ثابت کردیا کہ جو خود کو نہ بچاسکیں وہ دوسروں کو کیا بچائیں گی؟

﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا آپ مورتیوں کو معبود مانتے ہیں؟ ـــــ میں بالیقین آپ کو اور آپ کی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں!

سوال: قرآنِ کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام 'آزر' بتاتا ہے، اور توریت 'تارح' بتاتی ہے، اس اختلاف کا کیا حل ہے؟

جواب: قرآن محفوظ ہے، پہلے دن سے آج تک لاکھوں مرد، عورتیں اور بچے اس کو حفظ (زبانی یاد) کرتے رہے ہیں، اور توریت محرف ہے، اور آج تک اس کا کوئی حافظ نہیں ہوا، پھر اس کے بیان کا کیا اعتبار؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک خوبی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انبیاء میں ایک خاص خوبی حاصل تھی، ان کو اللہ تعالیٰ نے علویات اور سفلیات کے اسرار ورموز سے واقف کر دیا تھا، احیائے موتی تک کا مشاہدہ کرایا تھا، انھوں نے نمرود بادشاہ کو اللہ کی یکتائی اس طرح سمجھائی تھی کہ وہ ہکا بکا ہو کر رہ گیا تھا، اور قوم کو مورتیوں کا معبود نہ ہونا عجیب انداز پر سمجھایا تھا، اور اب ستاروں کا معبود نہ ہونا عجیب انداز سے سمجھائیں گے، مناظرہ کا ایک طریقہ مماشات مع الخصم ہے، یعنی تھوڑی دیر مقابل کے ساتھ چلنا یعنی بالفرض اس کی بات مان لینا، پھر نہلے پے دہلہ رکھنا، زور کا چپت مارنا اور اس کی بات کاٹ دینا، اس کو اِرخاء العِنان بھی کہتے ہیں، یعنی گھوڑے کی لگام ڈھیلی چھوڑنا، پھر جب کھیت میں منہ مارنے لگے تو زور کا جھٹکا دینا کہ نانی یاد آجائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم کو ستاروں کا معبود نہ ہونا اس طرح سمجھائیں گے۔

اور جو داعی اپنی دلیل کی حقیقت سے واقف ہوتا ہے وہ جس طرح چاہے دلیل پھیر سکتا ہے، اور دعوت کا ایک خاص فائدہ یہ ہے کہ خود داعی کا اپنی بات پر یقین پختہ ہوتا ہے، پس دعوت ہم خرما ہم ثواب ہے، اس لئے واو عاطفہ کے ساتھ فرمایا: ﴿ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴾: تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہوں!

﴿ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۝ ﴾

ترجمہ: اور یوں ـــــ یعنی جس طرح انھوں نے مورتیوں کا معبود نہ ہونا سمجھایا ـــــ ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی حکومت سمجھا دی، اور تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو ستاروں کا معبود نہ ہونا سمجھایا

ایک رات جب چھا گئی اور ایک خاص ستارہ نمودار ہوا جس کو قوم پوجتی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے فرمایا:

چلو اسے پروردگار مان لیتے ہیں! قوم خوش ہوگئی کہ ابراہیم ہمارے ہمنوا بن گئے، پھر ایک وقت کے بعد جب وہ ستارہ چھپ گیا تو آپ نے کہا: غائب ہونے والا معبود نہیں ہوسکتا، میں ایسے کو خدا نہیں مان سکتا، یوں قوم کی امید پر پانی پھیر دیا!

پھر کسی رات چاند چمکتا ہوا نکلا، قوم چاند کو بھی پوجتی تھی، پس آپ نے فرمایا: چلو اسے ربّ مان لیتے ہیں! قوم پھر خوش ہوگئی کہ چلو ابراہیم نے تارے کو معبود نہیں مانا تو چاند کو تو مان لیا، بات ایک ہی ہے کہ ستارے معبود ہیں، مگر چاند بھی ایک وقت کے بعد ڈوب گیا، تب آپ نے فرمایا: لوجی! یہ خدا بھی غائب ہوگیا! اور غائب ہونے والا خدا نہیں ہوسکتا! معبود وہی برحق ہے جس کی معبود نشاندہی کرے، اگر وہ میری راہ نمائی نہیں کرے گا تو میں گمراہوں میں شامل ہوجاؤں گا —— قوم ایک بار پھر ابراہیم علیہ السلام سے مایوس ہوگئی۔

پھر کسی دن سورج کو لیا، جب وہ چمکتا دمکتا نکلا تو فرمایا: یہ سب سے بڑا تارہ ہے، چلو اس کو خدا مان لیتے ہیں، قوم ایک مرتبہ پھر خوش ہوگئی کہ چلو بڑے دیوتا کو تو ابراہیم نے مان لیا، مگر سورج بھی شام کو چھپ گیا تو آپ نے دوٹوک فرمایا: ستارے خدا نہیں ہوسکتے، خدا وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، یہ ستارے بھی اسی کی مخلوق ہیں، میں سب سے یکسو ہوکر اسی ایک اللہ کا ہو رہتا ہوں، اور میں مشرکین کے زمرہ میں شامل نہیں!

﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پس جب رات نے اس پر اندھیرا کیا —— یعنی رات چھا گئی —— تو اس نے ایک ستارہ دیکھا —— جس کو قوم پوجتی تھی —— کہا: یہ میرا رب ہے —— یہ مماشات مع الخصم ہے —— پھر جب وہ اوجھل ہوگیا تو اس نے کہا: میں چھپ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا —— یعنی میں اس کو معبود نہیں مانتا! یہ خصم کو تھپڑ مارا۔

پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو اس نے کہا: یہ میرا رب ہے! پس جب وہ غائب ہوگیا تو اس نے کہا: بخدا! اگر میرے پروردگار نے میری راہ نمائی نہ کی تو میں یقیناً گمراہ لوگوں میں سے ہوجاؤں گا! —— یعنی اس کو بھی معبود نہیں مانتا، میرا پروردگار ہی میری راہ نمائی کرے گا کہ معبود کون ہے!

پھر جب سورج کو چمکتا دمکتا دیکھا تو اس نے کہا: یہ میرا رب ہے، یہ ستاروں میں سب سے بڑا ہے، پھر جب وہ

غروب ہو گیا تو اس نے کہا: اے میری قوم! میں یا لیقین بے تعلق ہوں ان ستاروں سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، بے شک میں ان ستاروں سے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف پھیرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے، اور میں شریک ٹھہرانے والوں میں سے نہیں ہوں!

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۹ ۱۲ ۱۵

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
وَحَآجَّهٗ	اور دلیل بازی کی اس سے	يَّشَآءَ	چاہے	اَنَّكُمْ	کہ تم نے
قَوْمُهٗ	اس کی قوم نے	رَبِّيْ	میرا پروردگار	اَشْرَكْتُمْ	شریک کیا
قَالَ	کہا اس نے	شَيْـًٔا	کوئی بات	بِاللّٰهِ	اللہ کے ساتھ
اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ	کیا دلیل بازی کرتے	وَسِعَ	کشادہ ہے	مَا	ان کو جو
	ہو تم مجھ سے	رَبِّيْ	میرا پروردگار	لَمْ يُنَزِّلْ	نہیں اتاری اس نے
فِي اللّٰهِ	اللہ (کی یکتائی) میں	كُلَّ شَيْءٍ	ہر چیز کو	بِهٖ	اس کے شریک ہونے کی
وَقَدْ هَدٰىنِ	درانحالیکہ راہ دکھائی	عِلْمًا	علم کے اعتبار سے	عَلَيْكُمْ	تم پر
	ہے اس نے مجھے	اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ	کیا پس نہیں سوچتے تم؟	سُلْطٰنًا	کوئی دلیل
وَلَآ اَخَافُ	اور نہیں ڈرتا ہوں میں	وَكَيْفَ	اور کیسے	فَاَيُّ	پس دو جماعتوں میں
مَا تُشْرِكُوْنَ	ان سے جن کو شریک	اَخَافُ	ڈروں میں	الْفَرِيْقَيْنِ	سے کونسی جماعت
	ٹھہراتے ہو تم	مَآ اَشْرَكْتُمْ	ان سے جن کو شریک	اَحَقُّ	زیادہ حقدار ہے
بِهٖٓ	اس کے ساتھ		کیا ہو تم نے	بِالْاَمْنِ	امن چین کی
اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	وَلَا تَخَافُوْنَ	اور نہیں ڈرتے ہو تم	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم

تَعْلَمُوْنَ	جانتے؟	اِيْمَانَهُمْ	اپنے ایمان کو	الْاَمْنُ	امن چین ہے
اَلَّذِيْنَ	جولوگ	بِظُلْمٍ	ظلم (عظیم) کے ساتھ	وَهُمْ	اور وہ
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ	مُّهْتَدُوْنَ	راہ یاب ہیں
وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا	اور نہیں ملایا انھوں نے	لَهُمُ	ان کے لئے	۞	۞

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ستارہ پرستوں نے کٹ حجتی کی!

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت نرمی سے ستارہ پرستوں کو اللہ کی یکتائی سمجھائی، تھوڑی دیران کی ہمنوائی بھی کی، مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا، جیسے مورتی پجاریوں کو مورتیوں کی مرمت کر کے سمجھایا کہ یہ بے بس مورتیں خدا نہیں ہوسکتیں، مگر وہ سمجھنے کے بجائے ابراہیم علیہ السلام کو نذر آتش کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے، اسی طرح ستارہ پرستوں نے بھی معاملہ کیا، ستاروں کے معبود ہونے پر بوگس دلائل پیش کرنے لگے، بلکہ دھمکی پر اتر آئے کہ اگر تم ہمارے معبودوں کی توہین کروگے تو کہیں وہ تمہیں مجنون اور خبطی نہ بنادیں یا کسی بڑی مصیبت میں گرفتار نہ کردیں، لہٰذا ان کا خوف کھاؤ!

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کا جواب دیتے ہیں، فرماتے ہیں: کیا تم مجھ سے اللہ کی یکتائی میں حجت بازی کرتے ہو، جبکہ صرف ان کا معبود ہونا انھوں نے مجھے سمجھا دیا ہے، اور میں تمہارے جھوٹے سہاروں سے نہیں ڈرتا، ہاں اگر اللہ تعالیٰ ہی کو کوئی بات منظور ہے تو دوسری بات ہے! کائنات کا ذرہ ذرہ ان کے احاطۂ علمی میں ہے، اور وہ بندوں کی مصلحتوں سے بھی واقف ہیں، کیا تم یہ بات سوچتے نہیں!

اور میں تمہارے شریکوں سے کیوں ڈروں؟ ان کے شریک ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جبکہ تم حقیقی معبود سے نہیں ڈرتے، یہ تو الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والی بات ہوئی!

اب موحدین اور مشرکین کی دو جماعتیں بن گئیں، آخرت میں کس کے نصیب میں چین سکون آئے گا: یہ بتاؤ؟ اور اگر تم گونگے بنتے ہو تو میں بتاتا ہوں: جو لوگ ایک اللہ پر ایمان لائے، اور انھوں نے اپنے ایمان پر شرک کا دھبہ نہیں لگنے دیا، انہی کے لئے آخرت میں چین سکون ہے، اور وہی دنیا میں راہ یاب ہیں!

ظلم سے ظلم عظیم (شرک) مراد ہے

آخری آیت میں ظلم سے ظلم عظیم (شرک) مراد ہے، یہ بات متفق علیہ حدیث میں آئی ہے:

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت شاق

گذری، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا؟ یعنی ہر شخص سے کچھ نہ کچھ ناانصافی ہو ہی جاتی ہے، اور آیت میں عذاب سے مامون ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس نے ایمان کے ساتھ ذرا بھی ظلم نہ کیا ہو، پھر عذاب سے کون بچ سکے گا! نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ مراد نہیں''، یعنی عملی ظلم اور ناانصافی مراد نہیں، بلکہ ''وہ شرک ہی ہے''، یعنی عقیدے کی ناانصافی مراد ہے، اور لفظ ظلم قرآن کریم میں اس معنی میں بھی آیا ہے، کیا نہیں سنی تم نے وہ بات جو لقمان نے اپنے بیٹے سے کہی ہے: اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرا، بیشک شرک بھاری ظلم (گناہ) ہے!'' (سورۃ لقمان آیت ۱۳)

تشریح: ظلم کے اصل معنی ہیں: وضعُ الشيئِ في غير مَحَلِّه: کسی چیز کو نامناسب جگہ میں رکھ دینا، مشکیزے کا دودھ بے وقت استعمال کرلیا جائے تو کہتے ہیں: ظلمتُ السقاءَ، اور استعمال کردہ دودھ ظلیم کہلاتا ہے، اسی طرح زمین بے موقع کھودی جائے تو کہتے ہیں: ظلمتُ الأرضَ، اور وہ جگہ أرض مظلومة کہلاتی ہے...... پھر ظلم کا استعمال حق سے تجاوز کرنے کے لئے ہونے لگا، خواہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر، اور خواہ تجاوز اعتقادی ہو یا عملی، چنانچہ گناہ صغیرہ اور کبیرہ اور شرک ونفاق اور بدعملی پر اس کا اطلاق ہونے لگا، قرآن کریم میں یہ سب اطلاقات آئے ہیں، مذکورہ آیت میں صحابہ نے ظلم سے عملی گناہ مراد لے لیا، اس لئے اشکال ہوا، نبی ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ اس آیت میں ظلم سے ظلم اعتقادی مراد ہے، اور اس کی نظیر پیش فرمائی، چنانچہ صحابہ کا اشکال رفع ہوگیا۔

فائدہ: اس آیت میں تو ظلم سے نبی ﷺ کی تصریح کے مطابق ''شرک'' مراد ہے، عام گناہ مراد نہیں، البتہ بظلم: نکرہ تحت النفی ہے، اس لئے شرک عام ہے، کھلے طور پر مشرک اور بت پرست ہوجائے: یہ تو مراد ہے ہی، اور جو غیر اللہ کو نہیں پوجتا، اور کلمۂ اسلام پڑھتا ہے، مگر کسی فرشتہ یا رسول یا ولی کو اللہ تعالیٰ کی بعض صفاتِ خاصہ میں شریک ٹھہراتا ہے، اور ان کے مزارات کو حاجت روا سمجھتا ہے: یہ شرک بھی آیت میں مراد ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اس شرک سے بھی حفاظت فرمائیں (آمین)

﴿وَحَاۗجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَاۗجُّوْۗنِّىْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ابراہیم کے ساتھ ان کی قوم نے حجت بازی کی، انھوں نے کہا: کیا تم میرے ساتھ اللہ (کی یکتائی) میں حجت بازی کرتے ہو، درانحالیکہ اس نے مجھے راہ دکھادی ہے، اور میں ان ستاروں سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو ـــــ وہ مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے ـــــ البتہ اگر میرے پروردگار ہی کوئی بات چاہیں (تو دوسری بات ہے) میرے پروردگار ہر چیز کو اپنے احاطۂ علمی میں لئے ہوئے ہیں! پس کیا تم سوچتے نہیں؟ ـــــ اور میں کیوں ڈروں ان ستاروں سے جن کو تم نے شریک کیا ہے، اور تم نہیں ڈرتے اس بات سے کہ تم شریک ٹھہراتے ہو اللہ کے ساتھ ان ستاروں کو جن کے شریک ہونے کی کوئی دلیل اس نے تم پر نہیں اتاری؟

اب دو جماعتوں میں سے کونسی جماعت چین سکون کی زیادہ حقدار ہے: اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ!) ـــــ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کے ساتھ نہیں ملایا: انہیں کے لئے چین سکون ہے، اور وہی راہ یاب ہیں!

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ	اور وہ ہماری دلیل ہے	اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ	دی ہم نے وہ ابراہیم کو	عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ	اس کی قوم کے مقابلہ میں بلند کرتے ہیں ہم

دَرَجٰتٍ	درجے	وَمُوْسٰى	اور موسیٰ	وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ	اوران کی اولاد میں سے
مَّنْ نَّشَآءُ	جس کے چاہتے ہیں	وَهٰرُوْنَ	اور ہارون کو		بعض کو
اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کے رب	وَكَذٰلِكَ	اوراس طرح	وَاِخْوَانِهِمْ	اوران کے بھائیوں
حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے	نَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں ہم		میں سے بعض کو
عَلِيْمٌ	ہر چیز جاننے والے ہیں	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو	وَاجْتَبَيْنٰهُمْ	اور چن لیا ہم نے ان کو
وَوَهَبْنَا	اور بخشے ہم نے	وَزَكَرِيَّا	اور زکریا	وَهَدَيْنٰهُمْ	اور راہ نمائی کی ہم نے
لَهٗۤ	اس کو	وَيَحْيٰى	اور یحییٰ کو		ان کی
اِسْحٰقَ	اسحاق	وَعِيْسٰى	اور عیسیٰ	اِلٰى صِرَاطٍ	راستہ کی طرف
وَيَعْقُوْبَ	اور یعقوب	وَاِلْيَاسَ	اور الیاس کو	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے
كُلًّا هَدَيْنَا	ہر ایک کو راہ دکھائی	كُلٌّ	سب	ذٰلِكَ	یہ
	ہم نے	مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ	نیکوں میں سے ہیں	هُدَى اللّٰهِ	اللہ کی راہ نمائی ہے
وَنُوْحًا	اور نوح کو	وَاِسْمٰعِيْلَ	اور اسماعیل	يَهْدِيْ	راہ نمائی کرتے ہیں وہ
هَدَيْنَا	راہ دکھائی ہم نے	وَالْيَسَعَ (۲)	اور الیسع کو	بِهٖ	اس کے ذریعہ
مِنْ قَبْلُ	(ابراہیم سے) پہلے	وَيُوْنُسَ	اور یونس	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں
وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ (۱)	اور نوح کی اولاد میں سے	وَلُوْطًا	اور لوط کو	مِنْ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں میں سے
	(راہ دکھائی)	وَكُلًّا	اور سب کو	وَلَوْ اَشْرَكُوْا	اور اگر شرک کریں وہ
دَاوٗدَ	داؤد	فَضَّلْنَا	برتری بخشی ہم نے	لَحَبِطَ	البتہ اکارت جائے
وَسُلَيْمٰنَ	اور سلیمان کو	عَلَى الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں پر	عَنْهُمْ	ان سے
وَاَيُّوْبَ	اور ایوب	وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ (۳)	اوران کے آباء میں سے	مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	جو کچھ وہ کیا کرتے تھے
وَيُوْسُفَ	اور یوسف کو		بعض کو		

(۱) ذریته: ضمیر کا مرجع نوح ہیں، وہ اقرب مرجع ہے، اوراس لئے کہ لوط علیہ السلام: ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نہیں، وہ بھتیجے ہیں، مگر مفسرین نے عام طور پر مرجع ابراہیم علیہ السلام کو قرار دیا ہے، اور لوط علیہ السلام میں تاویل کی ہے کہ عرف میں چچا بمنزلہٗ باپ ہوتا ہے۔ (۲) الیسع پر الف لام زائد برائے تعریف ہے۔ (۳) من آباء هم کا عطف من ذریته پر ہے، باعادۂ حرف جر، پس یہ بھی هدینا کے تحت ہے، یا کلا پر عطف ہے۔

أُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	فَقَدْ وَكَّلْنَا	تو تحقیق ذمہ دار بنایا	فَبِهُدٰىهُمُ	پس ان کی ہدایت کی
الَّذِيْنَ	جو		ہے ہم نے	اقْتَدِهْ	پیروی کریں آپ
اٰتَيْنٰهُمُ	دی ہم نے ان کو	بِهَا	ان کا	قُلْ	کہو
الْكِتٰبَ	آسمانی کتابیں	قَوْمًا	ایسے لوگوں کو	لَآ اَسْـَٔلُكُمْ	نہیں مانگتا میں تم سے
وَالْحُكْمَ	اور دانشمندی (حدیثیں)	لَّيْسُوْا بِهَا	نہیں ہیں وہ ان کا	عَلَيْهِ	اس پر
وَالنُّبُوَّةَ	اور نبوت	بِكٰفِرِيْنَ	انکار کرنے والے	اَجْرًا	مزدوری
فَاِنْ يَّكْفُرْ	پس اگر انکار کریں	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	اِنْ هُوَ	نہیں ہے وہ
بِهَا	ان کا	الَّذِيْنَ	وہ ہیں جن کو	اِلَّا ذِكْرٰى	مگر نصیحت
هٰٓؤُلَآءِ	یہ لوگ (مشرکین مکہ)	هَدَى اللّٰهُ	راہ دکھائی اللہ نے	لِلْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے لئے

استدلالِ براہیمی کی تحسین

اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرست قوم کے سامنے ایک خاص انداز سے دلیل پیش کی تھی، اور ستاروں کا الوہیت میں شریک نہ ہونا ثابت کیا تھا، اب ایک آیت میں اللہ تعالیٰ اس استدلال کی تحسین فرماتے ہیں کہ وہ ہماری دلیل تھی، ہم نے ان کو قوم کے مقابلہ میں پیش کرنے کے لئے دی تھی، اس میں اشارہ ہے کہ وہ واقعہ نبوت کے بعد کا ہے، پس یہ خیال قطعاً مہمل ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ابتدائی زندگی میں کائنات میں غور کرکے توحید تک پہنچے ہیں، انھوں نے کبھی تارے کو خدا مان لیا، کبھی چاند کو، اور آخر میں سورج کو، اسی طرح غور کرکے توحید تک پہنچے ہیں، یہ خیال گمراہ کن ہے!

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انبیاء میں عالی مرتبہ ہونا بیان کیا ہے، فرمایا: ہم جس کا چاہیں درجہ بلند کرتے ہیں، یعنی ابراہیم علیہ السلام کا درجہ بلند کیا، پھر آخر آیت میں اس کی وجہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ حکیم وعلیم ہیں، کون رسول شانِ عالی کا مستحق ہے اس کو جانتے ہیں، اور ہر حقدار کو اس کا حق عنایت فرماتے ہیں۔

﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾

ترجمہ: اور وہ ہماری دلیل ہے —— وہ: اسم اشارہ بعید ہے اور مشارٌ الیہ ستاروں والا استدلال ہے —— جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی، ہم جس کے چاہیں درجے بلند کرتے ہیں، بے شک آپ کے رب بڑی حکمت والے، بڑے علم والے ہیں!

توحید تمام انبیاؤرسل کا متفقہ عقیدہ ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مورتیوں کا معبود نہ ہونا، اور ستاروں کا قابل پرستش نہ ہونا جو سمجھایا ہے: وہی عقیدۂ توحید ہے، تمام انبیاؤرسل اس عقیدہ پر متفق ہیں، انھوں نے لوگوں کو اسی عقیدہ کی تعلیم دی ہے، آیاتِ پاک میں اٹھارہ انبیاؤرسل کا تفصیلی تذکرہ ہے، باقی کا اجمالی، ان حضرات نے لوگوں کو توحید کی تعلیم اللہ کی ہدایت سے دی ہے، اس لئے کہ یہ بنیادی عقیدہ ہے، اس کے بغیر نجات ممکن نہیں، اعمال کا بھی اعتبار اس عقیدہ کے ساتھ ہے، اس لئے آخر میں فرمایا کہ اگر بالفرض انبیاؤرسل بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں تو ان کے اعمال بھی برباد ہوجائیں!

الیاس ویسع علیہما السلام: حضرت الیاس علیہ السلام اسرائیلی نبی ہیں، بنی اسرائیل میں ایلیا کے نام سے مشہور ہیں، اور حضرت یسع علیہ السلام بھی اسرائیلی پیغمبر ہیں، قرآن میں دو جگہ (یہاں اور سورۂ ص میں) ان کا صرف نام آیا ہے۔

ہر پیغمبر اپنے زمانہ کے لوگوں سے افضل ہوتا ہے

ہر پیغمبر اپنے زمانہ کے لوگوں سے افضل ہوتا ہے، اسی طرح انبیاء میں بھی تفاضل ہے، سورۃ البقرۃ (آیت ۲۵۳) میں ہے: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾: وہ رسول: ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر برتری بخشی، مگر یہ فضیلت جزوی ہے، کلّی فضیلت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، مگر آپ کا کسی نبی کے ساتھ اس طرح موازنہ کرنا کہ اس نبی کی تنقیص لازم آئے: جائز نہیں، حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) بخشا، ہر ایک کی ہم نے راہ نمائی کی، اور ابراہیم سے پہلے ہم نے نوح کی راہ نمائی کی، اور اس کی اولاد میں سے داؤد وسلیمان کی، اور ایوب و یوسف کی، اور موسیٰ وہارون کی (راہ نمائی کی) اور ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں، اور زکریا ویحییٰ کی، اور عیسیٰ والیاس کی (راہ نمائی کی) یہ سب شائستہ لوگوں میں سے تھے، اور اسماعیل ویسع کی، اور یونس ولوط کی (راہ نمائی کی) اور سب کو جہانوں پر فضیلت دی، اور ان کے

باپ دادوں میں سے، اور ان کی اولاد میں سے، اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کی (راہ نمائی کی) اور ہم نے ان کو برگزیدہ کیا، اور ہم نے ان کی سیدھے راستہ (توحید) کی طرف راہ نمائی کی، یہی (توحید) اللہ کی راہ نمائی ہے، وہ راہ دکھاتے ہیں اس کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں، اور اگر وہ لوگ (بالفرض) شرک کریں تو ان کے وہ کام برباد ہوجائیں جو وہ کیا کرتے تھے!

جو چیزیں گذشتہ نبیوں کو دی گئی تھیں وہ سب آخری نبی کو بھی دی گئی ہیں

اگر قریش ان کو قبول نہیں کریں گے تو دوسری قوم تیار ہے

گذشتہ نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں دی تھیں: آسمانی کتابیں، دانشمندانہ باتیں (حدیثیں) اور نبوت ورسالت، یہی تینوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس آخری نبی کو بھی عنایت فرمائی ہیں، اگر مشرکین مکہ ان کو قبول نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری قوم تیار کی ہے، وہ بڑھے گی اور ان چیزوں کو قبول کرے گی، اور مکہ والے پیچھے رہ جائیں گے۔

یہ ایک پیشین گوئی تھی، جو واقعہ رونما ہونے سے چند سال پہلے کی گئی، نزولِ آیت کے چھ سال بعد مدینہ کے حضرات آئے اور ایمان لائے، پھر وہ آپؐ کو اور مکہ کے مسلمانوں کو دعوت دے کر مدینہ منورہ لے گئے، اور اسلام کی حفاظت وترویج کے لئے اپنی تمام توانائیاں خرچ کر ڈالیں!

ملحوظہ: حکم سے مراد حکمت ہے اور مراد انبیاء کی وہ باتیں ہیں جو وہ اللہ کی کتابوں کی تبیین وتشریح میں فرماتے ہیں، انہی کو احادیث شریفہ کہتے ہیں۔

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾ ﴾

ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے آسمانی کتابیں، حکمت اور نبوت عطا فرمائی —— یہی تینوں چیزیں ہم نے آخری رسول کو بھی عنایت فرمائی ہیں، یہ بات محذوف ہے —— پس اگر یہ لوگ (مشرکین مکہ) ان کا انکار کریں گے تو ہم نے اس کا ذمہ دار ایسے لوگوں کو بنایا ہے جو اس کا انکار کرنے والے نہیں!

نبی ﷺ کو گذشتہ انبیاء کی پیروی کا حکم دیا گیا (توحید دین)

تمام انبیاء کا دین ایک ہے، اصول میں سب متحد ہیں، سب کا دستور اساسی ایک ہے، پس آپؐ کا راستہ بھی گذشتہ انبیاء کے راستہ سے جدا نہیں، البتہ فروع (شریعتوں) میں اختلاف ہے، اور یہ کوئی خاص بات نہیں، یہ زمانوں کے اختلاف کا

تقاضہ ہے ـــــ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ اگر کسی سابق شریعت کے حکم پر عمل کریں تو اس امت کو بھی اس پر عمل کرنا چاہئے، وہ حکم ہمارے لئے بھی ہے، حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا: سورہ صٓ میں سجدہ ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ہے! اور دلیل یہ پیش کی کہ نبی ﷺ نے وہاں سجدہ کیا ہے، پھر اس کی وجہ سمجھائی کہ نبی ﷺ نے وہاں سجدہ کیوں کیا ہے، وہاں تو داؤد علیہ السلام کے سجدہ کا ذکر ہے، ہمیں وہاں سجدہ کرنے کا حکم نہیں؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: سورۃ الانعام آیت ۹۰ میں نبی ﷺ کو گذشتہ انبیاء کی پیروی کا حکم دیا ہے، چنانچہ آپؐ نے سورہ صٓ میں سجدہ کیا، پس ہمیں بھی ہمارے نبی ﷺ کی پیروی میں وہاں سجدہ کرنا چاہئے۔

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ ﴾

ترجمہ: یہی وہ حضرات ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے راہ نمائی فرمائی: پس آپؐ اُن کے طریقہ کی پیروی کریں۔

انبیاء بے لوث لوگوں کی خدمت کرتے ہیں

آخر میں اعلان کیا ہے کہ انبیاء تبلیغ دین پر کسی معاوضہ کے طالب نہیں ہوتے، ان کی محنت کا صلہ اللہ کے ذمہ ہے، وہ قوم کی بے لوث خدمت کرتے ہیں، پھر تم آگے کیوں نہیں بڑھتے؟

﴿ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۰ ﴾

ترجمہ: کہو: میں اس پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، وہ (قرآن) تو سارے جہانوں کے لئے نصیحت ہی ہے!

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۹۱

وَمَا قَدَرُوا[1]	اور نہیں تعظیم کی انھوں نے	اِذْ قَالُوْا	جب کہا انھوں نے	عَلٰى بَشَرٍ	کسی انسان پر
اللّٰهَ	اللہ کی	مَآ اَنْزَلَ	نہیں اتاری	مِّنْ شَيْءٍ	کوئی چیز
حَقَّ قَدْرِهٖٓ	جیسا ان کی تعظیم کا حق ہے	اللّٰهُ	اللہ نے	قُلْ	پوچھو:

(۱) قَدَرَ فلانا: تعظیم کرنا، قدر کرنا، رتبہ دینا

مَنْ اَنْزَلَ	کس نے اتاری ہے	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا	جو نہیں جانتے تھے
الْكِتٰبَ	وہ آسمانی کتاب	تَجْعَلُوْنَهٗ	بناتے ہو تم اس کو	اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ	تم اور نہ تمہارے باپ دادا
الَّذِيْ	جو	قَرَاطِيْسَ[1]	ورق ورق	قُلِ	بتادو:
جَآءَ بِهٖ	لائے ہیں اس کو	تُبْدُوْنَهَا	ظاہر کرتے ہو تم ان کو	اللّٰهُ	اللہ نے (اتاری ہے)
مُوْسٰى	موسیٰ؟	وَتُخْفُوْنَ	اور چھپاتے ہو	ثُمَّ ذَرْهُمْ	پھر چھوڑ و ان کو
نُوْرًا	درانحالیکہ وہ روشنی ہے	كَثِيْرًا	بہت	فِيْ خَوْضِهِمْ	ان کے مشغلہ میں
وَّهُدًى	اور راہ نمائی ہے	وَعُلِّمْتُمْ	اور سکھلائے گئے ہو تم	يَلْعَبُوْنَ	کھیلتے رہیں

اللہ کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ وہ بندوں کی روحانی ضرورت پوری کریں

جب گذشتہ آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو بھی گذشتہ نبیوں کی طرح آسمانی کتاب، دانشمندی کی باتیں (حدیثیں) اور نبوت ورسالت سے سرفراز کیا ہے تو مشرکین مکہ وحی کا انکار کر بیٹھے، انھوں نے کہا: اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری! قرآنِ کریم فرماتا ہے: یہ بات اللہ کی تعظیم کے خلاف کہی، انھوں نے اللہ کی ناقدری کی، انھوں نے اللہ کی عظمت نہیں پہچانی، جیسا ان کی عظمت کا حق ہے، جب اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں تو ضروری ہے کہ وہ انسانوں کی روحانی ضرورت پوری کریں، اور وہ وحی کے ذریعہ ہی پوری ہوسکتی ہے، پس ان کا وحی کا انکار اللہ کی بڑی ناقدری ہے!

علاوہ ازیں: ان سے پوچھو: موسیٰ علیہ السلام پر تورات کس نے نازل کی ہے؟ مشرکین مکہ یہود ونصاری کی مجاورت کی وجہ سے اس کو آسمانی کتاب مانتے تھے، پس اگر وہ جواب نہ دیں تو تم بتادو کہ اللہ نے اتاری ہے، پس وحی ثابت ہوگئی، کفار نے مطلقاً وحی کا انکار کیا تھا، جب ایک کتاب کا وحی ہونا ثابت ہوا تو ان کا دعوی غلط ہوگیا، اور اب بھی نہ مانیں تو چھوڑ و ان کو ان کے مشغلہ (اعتراضات) سے دل بہلاتے رہیں۔

تبسیط: پھر مضمون بڑھایا ہے: تورات شریف ایک روشنی تھی، لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی تھی، یہود نے اس کو علاحدہ علاحدہ کاغذوں میں لکھ رکھا تھا، جس حصے کو چاہتے لوگوں کو دکھاتے، اور جس کو چاہتے نہ دکھاتے، جن احکام پر ان کو عمل کرنا ہوتا اس کو ظاہر کرتے، اور جس پر عمل نہ کرنا ہوتا یا جس میں نبی ﷺ کی بشارات تھیں ان کو صیغۂ راز میں رکھتے، اور تورات بڑی معلوماتی کتاب تھی، اس کے ذریعہ ان باتوں کی تعلیم دی گئی تھی جن کو ان کے اگلے پچھلے نہیں جانتے تھے (یہاں تک مضمون بڑھایا ہے، اور یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے)

(۱) قِرْطَاس کی جمع: کاغذ کی شیٹ، لکھنے کا کورا کاغذ، نزولِ قرآن کے وقت تحریریں الگ الگ کاغذ پر لکھی جاتی تھیں۔

آیتِ کریمہ: اور ان لوگوں نے ــــ یعنی مشرکین مکہ نے ــــ اللہ کی تعظیم نہیں کی جیسا ان کی تعظیم کا حق ہے، جب انھوں نے کہا: اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری! ــــ یعنی ان کی یہ بات اللہ کی عظمت کے خلاف ہے ــــ پوچھو: کس نے اتاری ہے وہ کتاب جس کو موسیٰ لائے ہیں؟ (تبسیط یعنی ضمنی مضمون) درانحالیکہ وہ لوگوں کے لئے روشنی اور راہ نمائی ہے، جسے تم نے (اے یہود!) ــــ الگ الگ کاغذوں میں لکھ رکھا ہے، تم ان کو (لوگوں کے سامنے) ظاہر کرتے ہو، اور بہت کچھ چھپاتے ہو، اور تم (اس کے ذریعہ) وہ باتیں سکھلائے گئے ہو جو تم اور تمہارے اسلاف نہیں جانتے تھے (تبسیط پوری ہوئی) ــــ بتادو! اللہ (نے وہ کتاب اتاری ہے) پھر ان کو چھوڑو ان کے مشغلہ میں دل بہلاتے رہیں!

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

وَهٰذَا	اور یہ (قرآن)	بَيْنَ يَدَيْهِ	اس سے پہلے ہیں	يُؤْمِنُوْنَ	یقین رکھتے ہیں
كِتٰبٌ	ایک کتاب ہے	وَلِتُنْذِرَ	اور تاکہ ڈرائیں آپ	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت کا
اَنْزَلْنٰهُ	اتارا ہے ہم نے اس کو	اُمَّ الْقُرٰى	مکہ (والوں) کو	يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ	ایمان لاتے ہیں اس پر
مُبٰرَكٌ	برکت والی ہے	وَمَنْ حَوْلَهَا	اور ان کو جو اس کے	وَهُمْ	اور وہ
مُّصَدِّقُ	تصدیق کرنے والی ہے		آس پاس ہیں	عَلٰى صَلَاتِهِمْ	اپنی نماز کی
الَّذِيْ	ان کتابوں کی جو	وَ الَّذِيْنَ	اور جو لوگ	يُحَافِظُوْنَ	نگہداشت کرتے ہیں

تورات کی طرح قرآنِ پاک بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے

تورات: اللہ کی کتاب ہے، مشرکین مکہ اس کو اللہ کی طرف سے نازل شدہ مانتے تھے، اسی طرح اب آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کتاب (قرآن) کو نازل فرمایا ہے، پہلی کتابیں صرف اللہ کی کتابیں تھیں، اللہ کا کلام نہیں تھیں، اس لئے ان میں تبدیلی اور تحریف ممکن ہوئی، اور قرآن پاک اللہ کا کلام ہے، اس لئے بابرکت ہے، کیونکہ کلام: اللہ کی صفت ہے، اور صفت اور موصوف کا حکم ایک ہوتا ہے۔ اور قرآن سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، ان کو اللہ کی سچی کتابیں بتلاتا ہے، اس لئے کہ سب کتابیں ایک ہی سرچشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، البتہ سابقہ کتابیں خاص زمانوں اور خاص اقوام کے لئے تھیں، اور قرآنِ کریم عالمی اور ابدی ہے، مگر نبی ﷺ اس کے ذریعہ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کی بستیوں کو یعنی

عربوں کو نتائج اعمال سے آگاہ کریں گے کہ تم جو مورتیوں کو پوجتے ہو اس کے عواقب اچھے نہیں، پھر جو پہلی امت تیار ہوگی وہ قرآن کو پوری دنیا تک پہنچائے گی، وہ بھی مبعوث ہے، نبی ﷺ کی بعثت دوہری ہے، اس کی تفصیل سورۃ الجمعہ میں اور حجۃ اللہ البالغہ میں ہے (دیکھیں: رحمۃ اللہ ۲: ۵۰)

﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ ﴾

ترجمہ: اور یہ (قرآن) ایک کتاب ہے، ہم نے اس کو نازل کیا ہے، برکت والی، ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں، اور تاکہ آپؐ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کی بستیوں کو ڈرائیں!

جو آخرت سے ڈرتا ہے وہ قرآن پر ایمان لائے گا اور نماز وغیرہ اعمال کی پابندی کرے گا

مشرکین مکہ قرآنِ کریم کو کیوں نہیں مانتے تھے؟ اس لئے کہ وہ آخرت کو نہیں مانتے تھے، دنیا کی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے، آگے کوئی زندگی نہیں مانتے تھے، اگر موت کے بعد زندگی مانتے تو اس میں نجات کی راہ تلاش کرتے، اور وہ پیغامِ الٰہی کو قبول کرتے، اور نماز وغیرہ عبادات کی پابندی کرتے، اور گناہوں سے بچتے، آج جو مسلمان نماز نہیں پڑھتے، زکات نہیں نکالتے اور دھڑلّے سے گناہ کرتے ہیں: ان کا آخرت پر ایمان برائے نام ہے، اگر وہ سچے دل سے آخرت کو مانتے تو ان کی زندگیوں کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

﴿ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹۲ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں وہی اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں، اور وہی اپنی نماز کی نگہداشت کرتے ہیں — نماز کی تخصیص اہم عبادت ہونے کی وجہ سے کی ہے، مراد پوری شریعت ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۹۳ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۹۴ ع

وَمَنْ	اور کون	فِیْ غَمَرٰتِ[1]	سختیوں میں ہونگے	فُرَادٰی	اکیلے اکیلے
اَظْلَمُ	بڑا حق تلفی کرنے والا ہے	الْمَوْتِ	موت کی	كَمَا خَلَقْنٰكُمْ	جیسا پیدا کیا تھا ہم نے تم کو
مِمَّنِ	اس سے جو	وَالْمَلٰٓئِكَةُ	اور فرشتے	اَوَّلَ مَرَّةٍ	پہلی بار
افْتَرٰى	گھڑتا ہے	بَاسِطُوْٓا	پھیلانے والے ہونگے	وَّ تَرَكْتُمْ	اور چھوڑ دیا تم نے
عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	اَيْدِيْهِمْ	اپنے ہاتھ	مَّا خَوَّلْنٰكُمْ[2]	جو عطا کیا ہم نے تم کو
كَذِبًا	جھوٹ	اَخْرِجُوْٓا	نکالو	وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ	اپنی پیٹھوں کے پیچھے
اَوْ قَالَ	یا کہا اس نے	اَنْفُسَكُمْ	اپنی جانیں	وَمَا نَرٰى	اور نہیں دیکھتے ہم
اُوْحِيَ	وحی کی گئی	اَلْيَوْمَ	آج	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ
اِلَيَّ	میری طرف	تُجْزَوْنَ	بدلہ میں دیئے جاؤ گے تم	شُفَعَآءَكُمُ	تمہارے سفارشی
وَلَمْ يُوْحَ	حالانکہ نہیں وحی کی گئی	عَذَابَ	عذاب	الَّذِيْنَ	جو کہ
اِلَيْهِ	اس کی طرف	الْهُوْنِ	ذلت کا	زَعَمْتُمْ	گمان کیا تھا تم نے
شَيْءٌ	کچھ بھی	بِمَا كُنْتُمْ	ان باتوں کی وجہ سے جو تم	اَنَّهُمْ فِيْكُمْ	کہ وہ تمہارے معاملہ میں
وَّمَنْ	اور جس نے	تَقُوْلُوْنَ	کہا کرتے تھے	شُرَكٰٓؤُا	بھاگی دار ہیں
قَالَ	کہا	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے کہ
سَاُنْزِلُ	ابھی میں اتارتا ہوں	غَيْرَ الْحَقِّ	ناحق طور پر	تَّقَطَّعَ[3]	ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے
مِثْلَ مَآ	مانند اس کے جو	وَكُنْتُمْ	اور تھے تم		(تعلقات)
اَنْزَلَ	اتارا ہے	عَنْ اٰيٰتِهٖ	اللہ کی آیتوں سے	بَيْنَكُمْ	تمہارے درمیان
اللّٰهُ	اللہ نے	تَسْتَكْبِرُوْنَ	گھمنڈ کرتے	وَضَلَّ عَنْكُمْ	اور گم ہوگئے تم سے
وَلَوْ تَرٰٓى	اور اگر دیکھتے آپ	وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ	مَّا كُنْتُمْ	جو تھے تم
اِذِ الظّٰلِمُوْنَ	جب یہ ظالم	جِئْتُمُوْنَا	آگئے تم ہمارے پاس	تَزْعُمُوْنَ	گمان کرتے

(۱) غمرات: غَمْرَۃٌ کی جمع: اصل معنی: وہ کثیر پانی جس کی تہ نظر نہ آئے، مجازی معنی: سختی جو سارے اعضاء پر چھا جائے۔
(۲) تَخْوِیْل: کوئی چیز عطا کرنا، بخشنا (۳) تقطُّع: ٹکڑے ٹکڑے ہونا۔

جو گھمنڈی لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے وہ سب سے بڑے ظالم ہیں!

ایک گھمنڈی: اللہ کے نام جھوٹ لگاتا ہے، کہتا ہے: اللہ نے کسی بندے پر کوئی وحی نازل نہیں، یہ اللہ پر بہتان ہے۔

دوسرا گھمنڈی: کہتا ہے: میرے پاس وحی آتی ہے، حالانکہ اس کے پاس خاک بھی وحی نہیں آتی، مسیلمۂ کذاب، اسود عنسی، سجاح بیگم اور قادیانی کا یہ دعویٰ تھا، کادیانی نے اپنی شیطانی وحیوں کا مجموعہ تذکرہ کے نام سے مرتب کیا ہے، دوسرے لوگ تک بندی کرتے تھے۔

تیسرا گھمنڈی: (نضر بن الحارث) کہا کرتا تھا: ہم چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنالائیں، اس میں قصے کہانیوں کے سوا رکھا کیا ہے؟ —— مگر وہ ایک سورت بھی بنا کر نہ لا سکا!

ایسے گھمنڈیوں کو ایمان نصیب نہیں ہوتا، وہ قرآنِ کریم پر ایمان نہیں لاتے، یہ لوگ بڑے ظالم ہیں، انھوں نے اللہ کے کلام کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْقَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ ﴾

ترجمہ: اور اس شخص سے بڑا ظالم کون جس نے اللہ کے نام جھوٹ گھڑا، اس نے کہا: میرے پاس وحی آتی ہے، حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کی گئی، اور جس نے کہا: میں ابھی اس جیسا کلام اتارتا ہوں جیسا اللہ نے اتارا ہے!

—— یہ تینوں شخص قرآنِ کریم کے ساتھ بڑی ناانصافی کر رہے ہیں، ایسے لوگوں سے قرآن پر ایمان لانے کی امید نہیں۔

ظالموں کو مرتے ہی قبر میں عذاب شروع ہوگا

رسالت کے موضوع کے بعد اب تھوڑا سا آخرت کا مضمون ہے، آخرت کی پہلی منزل قبر ہے، کافروں اور بدکاروں کو مرتے ہی عالم برزخ میں عذاب شروع ہوگا، جب سکرات شروع ہوجاتی ہے، اور انسان موت وحیات کی کش مکش میں ہوتا ہے تو موت کے فرشتے کافروں اور ظالموں کے پاس روح قبض کرنے کے لئے پہنچ جاتے ہیں، اور وہ ہاتھ بڑھاتے ہیں اور سورۃ محمدؐ (آیت ۲۷) میں ہے: فرشتے ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہیں، اور غصہ میں کہتے ہیں: نکالو اپنی جانیں، ہمارے حوالے کرو، آج تمہیں رسوا کن عذاب سے دوچار ہونا ہے، تم زندگی بھر خلافِ واقعہ باتیں کرتے رہے، اور گھمنڈ سے آیات اللہ کو جھٹلاتے رہے، قرآنِ کریم کو اللہ کا کلام نہیں مانتے تھے، اس کی سزا کا وقت آگیا ہے۔

﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ

تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: اور اگر آپ دیکھیں: جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہونگے، اور فرشتے ان کی طرف اپنے ہاتھوں کو بڑھا رہے ہونگے (اور اظہارِ غیظ کے طور پر کہہ رہے ہونگے:) اپنی جانیں نکالو! آج تمہیں ان ناحق باتوں کے بدلہ میں ذلت کا عذاب ملے گا، جو تم اللہ کی شان میں کہا کرتے تھے، اور تم اللہ کی آیتوں کو ماننے سے گھمنڈ کیا کرتے تھے! —— یہی عذابِ قبر ہے، جو آخرت کی پہلی منزل ہے۔

قبر کے بعد کی منزل میدانِ حشر ہے، جہاں جھوٹے سہارے ساتھ چھوڑ دیں گے

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو تن تنہا پیدا ہوتا ہے، نہ بدن پر کپڑا ہوتا ہے نہ ختنہ شدہ نہ کوئی ساتھ ہوتا ہے، اور جڑواں بچے پیدا ہوتے ہیں تو درمیان میں وقفہ ہوتا ہے، ساتھ نہیں آتے —— اسی طرح قیامت کے دن لوگ قبروں سے اٹھیں گے، نہ سر پے ٹوپی ہوگی نہ پیر میں جوتی، غیر مختون ہونگے، اور کوئی ساتھ نہیں ہوگا، تن تنہا خالی ہاتھ میدان محشر میں پہنچیں گے، اور وہ جھوٹے معبود بھی جن کو مشرکین نے اپنے معاملات میں اللہ کا ساجھی بنا رکھا تھا وہ بھی سفارش کے لئے ساتھ نہیں ہونگے، عابد و معبود کے درمیان روابط ختم ہو چکے ہونگے اور ان کے وہ معبود رفو چکر ہو چکے ہونگے، اب معبود برحق اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اس طرح آگے توحید کا مضمون شروع ہوگا۔

﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ تم ہمارے پاس تنِ تنہا آ گئے، جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا، اور تم اپنی پیٹھوں کے پیچھے وہ ساز و سامان چھوڑ آئے جو ہم نے تم کو عطا کیا تھا —— جس پر آج تم دنیا میں ناز کرتے ہو —— اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی بھی نہیں دیکھتے جن کے بارے میں تمہارا گمان تھا کہ وہ تمہارے معاملات میں اللہ کے ساجھی ہیں، بخدا! واقعہ یہ ہے کہ تمہارے باہمی روابط پارہ پارہ ہو چکے ہیں، اور تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں وہ جن کو تم معبود سمجھا کرتے تھے!

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَالشَّمْسَ	اور سورج	فَصَّلْنَا	کھول کر بیان کیا ہے ہم نے
فَالِقُ(۱)	پھاڑنے والے ہیں	وَالْقَمَرَ	اور چاند کو	الْاٰیٰتِ	باتوں کو
الْحَبِّ وَالنَّوٰی	دانہ اور گٹھلی	حُسْبَانًا(۴)	حساب سے چلنے والا	لِقَوْمٍ	لوگوں کے لئے
یُخْرِجُ	نکالتے ہیں وہ	ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ	یہ اندازہ ٹھہرانا ہے	یَّعْلَمُوْنَ	جو جانتے ہیں
الْحَیَّ	زندہ کو	الْعَزِیْزِ	زبردست	وَهُوَ	اور وہ
مِنَ الْمَیِّتِ	مردے سے	الْعَلِیْمِ	سب کچھ جاننے والے کا	الَّذِیْٓ	جنھوں نے
وَمُخْرِجُ	اور نکالنے والے ہیں وہ	وَهُوَ	اور وہ	اَنْشَاَكُمْ	پیدا کیا تم کو
الْمَیِّتِ	مردے کو	الَّذِیْ	جس نے	مِّنْ نَّفْسٍ	نفس (ناطقہ) سے
مِنَ الْحَیِّ	زندہ سے	جَعَلَ لَكُمُ	بنایا تمہارے لئے	وَّاحِدَةٍ	ایک
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ	یہی اللہ ہیں	النُّجُوْمَ	ستاروں کو	فَمُسْتَقَرٌّ	پھر ٹھہرنے کی جگہ ہے
فَاَنّٰی	پس کدھر	لِتَهْتَدُوْا	تاکہ راہ پاؤ تم	وَّمُسْتَوْدَعٌ	اور امانت رکھنے کی جگہ
تُؤْفَكُوْنَ(۲)	پھیرے جارہے ہو تم؟	بِهَا	ان کے ذریعہ	قَدْ فَصَّلْنَا	تحقیق کھول کر بیان کیا
فَالِقُ	(وہ) نکالنے والے ہیں	فِیْ ظُلُمٰتِ	تاریکیوں میں		ہے ہم نے
الْاِصْبَاحِ(۳)	صبح کی روشنی کو	الْبَرِّ	خشکی کی	الْاٰیٰتِ	باتوں کو
وَجَعَلَ	اور بنایا ہے انھوں نے	وَالْبَحْرِ	اور سمندر کی	لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ	سمجھنے والوں کے لئے
الَّیْلَ سَكَنًا	رات کو سکون وراحت	قَدْ	تحقیق	۞	۞

اللہ کی یکتائی پر دلالت کرنے والے آٹھ کارنامے

اب توحید کے مضمون کی طرف عود (لوٹنا) ہے، اللہ تعالیٰ اکیلے ہی کائنات کے خالق، مالک اور کارساز ہیں، کوئی ان

(۱) فَلَق: پھاڑنا، بیج اور گٹھلی کو پھاڑ کر سبزہ نکالا (۲) افک کا استعمال ہر اس چیز کے لئے ہوتا ہے جو اپنے اصلی رخ سے پھیردی گئی ہو (۳) إصباح: صبح کی روشنی، اصل میں مصدر ہے (۴) حسبان: بھی اصل میں مصدر ہے: حساب سے چلنے والا مراد ہے۔

کا شریک نہیں، اس لئے وہی اکیلے معبود ہیں، دوسرا کوئی معبود و مسجود نہیں، اور ان کی یکتائی کی بے شمار دلیلیں ہیں، یہاں اللہ کے آٹھ کارناموں کا تذکرہ ہے، جو ان کی وحدانیت کی دلیلیں ہیں:

۱- دانہ زمین میں ڈالا جاتا ہے، یا گٹھلی دبائی جاتی ہے، اس کو جب نمی پہنچتی ہے تو وہ پھٹتی ہے، اور اس میں سے سبزہ اگتا ہے، یہ کس کا کارنامہ ہے؟ اللہ تعالیٰ کا! اگر اللہ تعالیٰ یہ کام نہ کریں تو انسانوں کو غلہ اور پھل کیسے حاصل ہوں؟

۲- اللہ تعالیٰ نطفہ سے انسان اور انڈے سے چوزہ پیدا کرتے ہیں، اسی طرح مرنے کے بعد مخلوقات کو زندہ کریں گے۔

۳- اللہ تعالیٰ انسان کے جسم سے نطفہ اور مرغی سے انڈا نکالتے ہیں، جن میں حیات کی صلاحیت ہوتی ہے۔

۴- اللہ تعالیٰ رات کی چادر پھاڑ کر صبح کی روشنی نمودار کرتے ہیں، وہ یہ کام نہ کریں تو کون صبح لاسکتا ہے؟

۵- اللہ تعالیٰ نے رات کو راحت بنایا ہے، رات میں ساری خلقت سوجاتی ہے، اور ایک ساتھ سب کے سوجانے سے انسان کو سکون محسوس ہوتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ رات نہ لائیں تو آدمی کام کرتے کرتے تھک کر چور ہوجائے۔

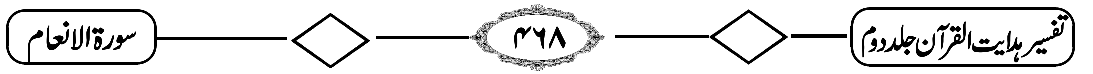
۶- سورج اور چاند حساب سے چل رہے ہیں، ان کی رفتار میں سکنڈ کا فرق نہیں پڑتا، اسی سے رات دن بدلتے ہیں، اگر ان کی چال میں ذرا بھی فرق پڑجائے تو سارا نظام درہم برہم ہوجائے، سوچو! یہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے؟

۷- اللہ تعالیٰ نے آسمان میں تارے بنائے ہیں، لوگ ان سے خشکی اور سمندر کے اسفار طے کرتے ہیں، ہوائی جہاز اور دخانی کشتیاں قطب نما کے سہارے چلتی ہیں، اور رات کی تاریکی میں بھی لوگ پیدل سفر کرتے ہیں، وہ ستاروں ہی سے راہ نمائی حاصل کرتے ہیں۔

۸- اللہ تعالیٰ نے ایک نوع کی دو صنفیں بنائیں، پھر نر و مادہ سے نسل چلائی، پھر کوئی اپنی مستقل قیام گاہ میں رہتا ہے اور کوئی عارضی قیام گاہ میں، سب کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اور سب کو ان کی جگہ میں روزی پہنچاتے ہیں۔

آیاتِ کریمہ: (۱) بے شک اللہ تعالیٰ دانہ اور گٹھلی کو پھاڑنے والے ہیں (۲) وہ زندہ کو مردے سے نکالتے ہیں (۳) اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والے ہیں —— یہی اللہ (معبود) ہیں، پھر تم کدھر پھیرے جاتے ہو —— یعنی تمہارے گرو تم کو کدھر لے جا رہے ہیں؟ (۴) (وہی) صبح کی روشنی نمودار کرنے والے ہیں (۵) اور انھوں نے رات کو راحت و سکون بنایا ہے (۶) اور سورج اور چاند کی رفتار مقرر کی ہے، وہ (رفتار) زبردست، سب کچھ جاننے والے کا اندازہ ٹھہرانا ہے (۷) انہی نے ستاروں کو تمہارے فائدے کے لئے بنایا، تاکہ تم ان کے ذریعہ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راہ پاؤ! —— ہم کھول کر باتیں بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو جاننا چاہتے ہیں!

(۸) اور اسی نے تم کو ایک نفس (ناطقہ) سے پیدا کیا —— اس کی تفصیل سورۃ النساء کی پہلی آیت کی تفسیر میں ہے



—— پھر ایک مستقل ٹھہرنے کی جگہ ہے، اور ایک عارضی امانت رکھنے کی جگہ ہے —— بالتحقیق ہم نے باتیں کھول کر بیان کی ہیں ان لوگوں کے لئے جو سوچتے سمجھتے ہیں!

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

وَهُوَ الَّذِيْٓ	اور وہ جنھوں نے	نُّخْرِجُ	نکالتے ہیں ہم	وَالرُّمَّانَ	اور انار
اَنْزَلَ	اتارا	مِنْهُ	اس (نبات) سے	مُشْتَبِهًا	ملتے جلتے (ہم شکل)
مِنَ السَّمَآءِ (۱)	بادل سے	حَبًّا	غلہ	وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ	اور جدا جدا (مزہ مختلف)
مَآءً	پانی	مُّتَرَاكِبًا	تہ بہ تہ	اُنْظُرُوْٓا	دیکھو
فَاَخْرَجْنَا	پس نکالا ہم نے	وَمِنَ النَّخْلِ	اور کھجور کے درخت سے	اِلٰى ثَمَرِهٖٓ	ہر ایک کے پھل کو
بِهٖ	اس (پانی) کے ذریعہ	مِنْ طَلْعِهَا (۲)	درختوں کے شگوفوں سے	اِذَآ اَثْمَرَ	جب وہ پھلے
نَبَاتَ	سبزہ	قِنْوَانٌ (۳)	گچھے	وَيَنْعِهٖ (۵)	اور اس کے پکنے کو
كُلِّ شَيْءٍ	ہر طرح کا	دَانِيَةٌ	قریب ہونے والے	اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ	بے شک ان میں
فَاَخْرَجْنَا	پس نکالی ہم نے	وَّجَنّٰتٍ (۴)	اور باغات	لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں ہیں
مِنْهُ	اس (نبات) سے	مِّنْ اَعْنَابٍ	انگور کے	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
خَضِرًا	سبزی	وَّالزَّيْتُوْنَ	اور زیتون	يُّؤْمِنُوْنَ	جو ایمان لاتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی معیشت کا انتظام کیا

یہ آیت عجیب جامعیت کی شان رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں، کائنات انھوں نے پیدا کی ہے، پھر اپنی

(۱) کل ما علاك فهو سماء: جو بھی چیز اوپر ہے سماء کہلاتی ہے، پس بادل بھی سماء ہیں (۲) من طلعها: من النخل سے بدل ہے، اور طلع: طلعة کی جمع ہے: کھجور کا شگوفہ، اور النخل: النخلة کی جمع: کھجور کا درخت (۳) قنوان: قِنْو کی جمع: کھجوروں سے بھرا ہوا خوشہ (۴) جنات کا حبا پر عطف ہے، اسی طرح والزیتون والرمان کا (۵) يَنْعٌ: مصدر باب فتح: پھل کا پکنا، اليانع: پختہ پھل۔

ربوبیت کے تقاضے سے حیوانات کی معیشت کا انتظام کیا ہے، ایک آیت میں اس کا خلاصہ ہے، پہلے ہم آیت پڑھ لیں، پھر تفصیل میں جائیں گے:

اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتے ہیں، اس کی وجہ سے زمین سے ہر طرح کا سبزہ اگتا ہے، انسانوں کے کام کا بھی اور جانوروں کے کھانے کا بھی، پھر اس سبزہ میں سے کچھ حصہ انسان کی سبزی بنتا ہے، جو لاون کا کام دیتا ہے، اور کچھ حصہ سے غلہ پیدا ہوتا ہے، جو انسان کی غذا بنتا ہے، ایک بالی اور بھٹے میں تہ بہ تہ بہت سے دانے ہوتے ہیں، اور اسی سبزے سے کھجور کے باغات الگ پڑتے ہیں، اس کے پتوں سے پھول نکلتے ہیں، پھر وہ بھاری خوشے بن کر لٹک جاتے ہیں، اسی طرح اس سبزہ سے ایک حصہ انگور کا باغ بن جاتا ہے، اور زیتون اور انار بھی پیدا ہوتے ہیں، جو ہم شکل ہوتے ہیں، مگر مزہ مختلف ہوتا ہے، آم میں اس کا خوب مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، پس جب درخت پھلیں اور پکیں تو ان میں غور کرو، ان میں ایمان لانے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

نشانیاں: حیوانات کی معیشت کے اس انتظام میں بہت سی نشانیاں ہیں، چند یہ ہیں:

۱- آسمان زمین کا جوڑا ہے، دونوں مل کر ایک مقصد کی تکمیل کرتے ہیں، آسمان برستا ہے اور زمین اگاتی ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حیوانات کی معیشت کا انتظام کیا ہے۔ اگر آسمان نہ برسے تو زمین کیا اُگائے؟ اور آسمان برستا رہے اور زمین نہ اگائے تو حیوانات کیا کھائیں؟ یہ اللہ کا نظام ہے: آسمان سے اندازے سے پانی برستا ہے اور زمین سے گھاس، غلہ اور پھل پیدا ہوتے ہیں جن کو حیوانات کھاتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں ـــــ ﴿ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

۲- جب پانی برستا ہے تو بلا امتیاز ہر طرح کی گھاس اُگ آتی ہے، انسانوں کے کام کی بھی اور جانوروں کے کام کی بھی، اگر ہر طرح کا سبزہ نہ اگتا تو جانور کیا کھاتے؟ انسان گھاس اگا کر کہاں تک کھلاتا؟ ـــــ ﴿ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ میں یہ مضمون ہے۔

۳- پھر جو سبزہ اگتا ہے، اس کا ایک حصہ 'سبزی' بنتا ہے، اس سے انسان روٹی کھاتا ہے، اگر یہ سبزی اللہ تعالیٰ پیدا نہ کرتے تو انسان نوالہ گلے سے کیسے اتارتا؟ ـــــ ﴿ خَضِرًا ﴾ میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

۴- پھر انسان کے کام کی سبزی میں سے اناج الگ پڑتا ہے، اور وافر مقدار میں غلہ پیدا ہوتا ہے، تہ بہ تہ کا یہی مطلب ہے، من بھر بوتے ہیں تو غلہ کا ڈھیر لگ جاتا ہے، جس کو سال بھر انسان کھاتا ہے ـــــ ﴿ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ﴾ میں یہ مضمون ہے۔

۵- یہ غذائی ضرورت پوری ہوئی، پھلوں کی ضرورت ابھی باقی ہے، اس کے لئے کھجور، انگور، زیتون اور انار پیدا کئے،

کھجور کے پتوں سے پھول نکلتے ہیں، ان شگوفوں میں کھجوریں لگ کر بھاری خوشے لٹک جاتے ہیں، یہ کھجوریں بھی غذا کے طور پر کھائی جاتی ہیں، اس لئے ان کو غلہ سے متصل بیان کیا ہے، اور یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ کھجوریں وافر مقدار میں پیدا ہوتی ہیں، اور انگور، زیتون اور انار محض میوے ہیں، تھوڑی مقدار میں کھائے جاتے ہیں، اس لئے ان کے ساتھ یہ بات بیان نہیں کی، البتہ ان میں تنوع ہوتا ہے، آم ایک جیسے نظر آتے ہیں، مگر ان کے ذائقے مختلف ہوتے ہیں، یہی حال انگور وغیرہ کا ہے۔

۶- یہ پھل جب درختوں میں لگتے ہیں، اور کچے ہوتے ہیں تو بدمزہ نا قابل انتفاع ہوتے ہیں، اور جب پک جاتے ہیں تو خوش ذائقہ اور کارآمد ہو جاتے ہیں، اسی طرح یہ دنیا ابھی کچا پھل ہے، اور آہستہ آہستہ پک رہا ہے، جب پک جائے گا تو مؤمنین کے لئے مزیدار اور کافروں کے لئے کسیلا ہو جائے گا۔

آیتِ کریمہ: اللہ تعالیٰ وہی ہیں جنھوں نے بادلوں سے پانی برسایا، پس ہم نے اس کے ذریعہ ہر طرح کا سبزہ آگایا، پس ہم نے اس سے 'سبزی' نکالی، نکالتے ہیں ہم اس سے تہ بہ تہ جما ہوا غلہ —— یہ جملہ مستانفہ ہے —— اور کھجور کے درختوں سے: ان کے شگوفوں سے لٹکے ہوئے خوشے ہیں، اور (نکالتے ہیں:) انگور کے باغات اور زیتون اور انار: ہم شکل اور مختلف مزوں کے —— یہ حال ہے —— دیکھو ہر ایک کا پھل جب وہ پھلے، اور اس کا پکنا، بے شک ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو مانتے ہیں!

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ	اور بنایا انھوں نے اللہ کے لئے	شُرَكَآءَ (۱) الْجِنَّ	بھاگی دار جنات کو	وَخَلَقَهُمْ (۲)	درانحالیکہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے

(۱) جعل: دو مفعول چاہتا ہے، شرکاء: دوسرا مفعول ہے، اور الجن: پہلا مفعول، اور دوسرے مفعول کی تقدیم شرک کی قباحت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ (۲) قد مقدر ہے

وَخَرَقُوْا (۱)	اور جھوٹ گھڑے انھوں نے	وَلَدٌ	اولاد	خَالِقُ	پیدا کرنے والے
لَهٗ	ان کے لئے	وَّلَمْ تَكُنْ	حالانکہ نہیں ہے	كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ	بیٹے بیٹیاں	لَّهٗ	ان کی	فَاعْبُدُوْهُ	پس ان کی عبادت کرو
بِغَيْرِ عِلْمٍ	جہالت سے	صَاحِبَةٌ	کوئی بیوی	وَهُوَ	اور وہ
سُبْحٰنَهٗ	پاک ہے ان کی ذات	وَخَلَقَ	اور پیدا کیا انھوں نے	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کے
وَتَعٰلٰى	اور برتر ہے	كُلَّ شَيْءٍ	ہر چیز کو	وَّكِيْلٌ	کارساز ہیں
عَمَّا	ان باتوں سے جو	وَهُوَ	اور وہ	لَا تُدْرِكُهُ (۲)	نہیں پاتیں ان کو
يَصِفُوْنَ	وہ بیان کرتے ہیں	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو	الْاَبْصَارُ (۳)	نگاہیں
بَدِيْعُ	نئی طرح بنانے والے ہیں	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	وَهُوَ يُدْرِكُ	اور وہ پاتے ہیں
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	ذٰلِكُمُ اللّٰهُ	یہی اللہ تعالیٰ	الْاَبْصَارَ	نگاہوں کو
وَالْاَرْضِ	اور زمین کو	رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار ہیں	وَهُوَ	اور وہ
اَنّٰى يَكُوْنُ	کیسے ہوگی	لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	اللَّطِيْفُ	لطیف
لَهٗ	ان کی	اِلَّا هُوَ	مگر وہی	الْخَبِيْرُ	بڑے باخبر ہیں

ردِّ اشراک

نہ دیو خدا ہے نہ دیوتا: سب اللہ کی مخلوق ہیں

اللہ کی یکتائی (توحید) کا بیان چل رہا ہے، شرک کی تردید بھی اسی سلسلہ کا مضمون ہے، دِیو: یعنی بھوت پریت، سرکش شیاطین اور دیوتا: یعنی بزرگ، قابل پرستش، فرشتے وغیرہ۔

مشرکین معلوم نہیں کن کن چیزوں کو پوجتے ہیں؟ وہ ہر نافع وضار کی پرستش کرتے ہیں، بھوت پریت اور شیاطین کو بھی پوجتے ہیں، سورۃ الجنّ میں مسلمان جنات کی ایک رپورٹ ہے، جو انھوں نے اپنی اتھارٹی کو پیش کی ہے کہ بعض انسان جنات کی پناہ لیا کرتے ہیں، جن کی وجہ سے ان شیاطین کا دماغ خراب ہوگیا ہے، عرب جہالت کی وجہ سے جنات سے غیب کی خبریں معلوم کیا کرتے تھے، ان کے نام کی نذر ونیاز بھرا کرتے تھے، چڑھاوے چڑھایا کرتے تھے، اور جب ان

(۱) خَرَقَ (ن) الكذب: جھوٹ گھڑنا، جھوٹی بات بنانا۔ (۲) أدرك الشيئَ: پانا، حاصل کرنا (۳) أبصار: بَصر کی جمع: آنکھ، پہلی جگہ ابصار سے مراد آنکھیں ہیں اور دوسری جگہ پورا وجود ہے، جیسے وجہ (چہرہ) سے پورا وجود مراد لیا جاتا ہے۔

کے قافلے کسی خوفناک وادی میں ٹھہرتے تو اس میدان کے جنات کے سردار کی پناہ لیا کرتے تھے، تا کہ وہ اپنے ماتحت جنات سے ان کی حفاظت کرے۔ اور سورۃ الصافات میں ہے کہ مشرکین نے اللہ کا جنات سے رشتہ جوڑ رکھا تھا، ان کا عقیدہ تھا کہ جنات کے سرداروں اور اللہ میں سسرالی دامادی کا رشتہ ہے، ان کی بیٹیاں اللہ کی بیویاں ہیں (نعوذ باللہ!) اور وہ فرشتوں کو دیوتا مانتے تھے، یعنی ان کو بزرگ، قابل پرستش جانتے تھے، اور ان کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، اور عیسائی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، اور قدیم یہودی: حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے، ان سب خرافات کی قرآنِ کریم تردید کرتا ہے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: مشرکین جنات (شیاطین) کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، حالانکہ وہ اللہ کی مخلوق (پیدا کئے ہوئے) ہیں، اسی طرح مشرکین اپنی جہالت سے اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، حالانکہ اللہ کی ذات اولاد سے پاک ہے، اور وہ مشرکین کی خرافات سے برتر وبالا ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو انوکھے انداز سے بنایا ہے اور جنات اور فرشتے کائنات کا جزء ہیں، پہلے وہ موجود نہیں تھے، جب وہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں شریک نہیں تھے تو معبود میں ساجھی کس طرح ہو گئے؟

نیز ان کی اولاد بھی نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ ان کی کوئی بیوی نہیں، عیسائی بھی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو اللہ کی بیوی نہیں کہتے، اور صرف مرد بچہ نہیں جن سکتا، ہاں صرف عورت بچہ جن سکتی ہے، اللہ تو پیدا کرتے ہیں، مگر اس وقت خالق مخلوق کا رشتہ ہوگا، باپ بیٹے کا نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پیدا کی ہے، اور وہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں، اور وہی ہر چیز کے پروردگار اور پالنہار ہیں، وہی اکیلے معبود ہیں، پس انہی کی عبادت کرو، دوسرا کوئی چارہ ساز نہیں۔

﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭسُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور مشرکین نے اللہ کا جنات کو شریک ٹھہرایا، حالانکہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے، اور انھوں نے اپنی جہالت سے اللہ کے لئے جھوٹ بیٹے بیٹیاں تجویز کیں، ان کی ذات اس سے پاک ہے، اور وہ ان باتوں سے برتر وبالا ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں!

وہ آسمانوں اور زمین کو نئی طرح بنانے والے ہیں، ان کے لئے اولاد کیسے ہو سکتی ہے جبکہ ان کی کوئی بیوی نہیں ہے، اور انھوں نے ہر چیز پیدا کی ہے، اور وہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں، یہی اللہ تعالیٰ تمہارے پروردگار ہیں، ان کے سوا کوئی معبود

نہیں، وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والے ہیں، لہٰذا انہی کی بندگی کرو، اور وہ ہر چیز کے ذمہ دار ہیں!

انسان اپنی کمزوری کی وجہ سے اللہ کو نہیں دیکھ سکتا، مگر اللہ بندوں کو دیکھ رہے ہیں

یہاں کسی کو خیال ہو سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ موجود ہیں تو نظر کیوں نہیں آتے؟ ایک آیت میں اس کا جواب ہے:

فرماتے ہیں: انسان ضعیف البنیان ہے، اس کی باڈی کمزور ہے، آنکھ، ناک، کان اور دل و دماغ سب کمزور ہیں، وہ سورج کو دیکھتا ہے تو آنکھ پتھرا جاتی ہے، عقل ادراک نہیں کر سکتی، تیز آواز سنتا ہے تو کان پھٹ جاتے ہیں، پس امتناع بندوں کی طرف سے ہے، اللہ کی طرف سے نہیں، اللہ تو دکھ سکتے ہیں، اس لئے کہ وہ واقعۃً موجود ہیں، مگر وہ لطیف ہیں، اور لطیف کو کثیف نہیں دیکھ سکتا، جیسے ہمیں 'ہوا' نظر نہیں آتی کہ وہ لطیف ہے اور ہم کثیف ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو دیکھ رہے ہیں، اس لئے کہ لطیف کو کثیف نظر آتا ہے، جیسے جنات اور فرشتے ہم کو دیکھتے ہیں، مگر ہم ان کو نہیں دیکھتے۔

اور انسان ہی نہیں، بڑی سے بڑی اور سخت سے سخت مخلوق بھی اللہ کی تجلی برداشت نہیں کر سکتی، طور پہاڑ پر جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی: ''پروردگار! مجھے اپنا جلوہ دکھائیں!'' جواب آیا: ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے'' یہ نہیں فرمایا کہ میں نہیں دکھ سکتا، پھر فرمایا: سامنے دیکھو! میں پہاڑ پر تجلی کرتا ہوں، اگر وہ سہار سکے تو تم مجھے دیکھ لوگے، پھر جب تجلی فرمائی تو پہاڑ کے پرخچے اڑ گئے، اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے!

البتہ جب انسان قیامت کے دن دوبارہ پیدا کیا جائے گا تو وہ قوی البنیان ہوگا، ساٹھ ہاتھ کا قد ہوگا، اور اسی کے بقدر دوسرے اعضاء و قُویٰ ہونگے، سورۃ قٓ میں ہے: ﴿ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴾: آج تیری آنکھ بہت تیز ہے، یعنی اب تجھے سب کچھ نظر آتا ہے، چنانچہ جنتی جنت میں اللہ کا دیدار کریں گے، قرآنِ کریم اور احادیث متواترہ سے یہ بات ثابت ہے، سورۃ القیامہ میں ہے: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾: کچھ چہرے اُس دن تروتازہ ہونگے، اپنے پروردگار کا دیدار کر رہے ہونگے، اور جو اسلامی فرقے آخرت میں بھی رویت باری کا انکار کرتے ہیں وہ بے بصیرت ہیں!

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ ﴾

ترجمہ: ان کو نگاہیں نہیں پاتیں —— یعنی اس دنیا میں اللہ کا دیدار ممتنع لغیرہ ہے —— اور وہ نگاہوں کو پاتے ہیں —— یعنی وہ انسانوں کو دیکھتے ہیں، یہاں نگاہ سے مراد پورا وجود ہے —— اور وہ لطیف ہیں —— لطیف: کثیف کی ضد ہے اور لطافت طرح طرح کی ہوتی ہے —— بڑے باخبر ہیں! —— یعنی ہر چیز جانتے ہیں!

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾

قَدْ جَآءَكُمْ	تحقیق آچکیں تمہارے پاس	الْاٰيٰتِ	باتیں	اِلَّا هُوَ	مگر وہی
بَصَآئِرُ (۱)	کھلی دلیلیں	وَلِيَقُوْلُوْا	اورتا کہ کہیں وہ	وَاَعْرِضْ	اور منہ پھیر لیں آپ
مِنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	دَرَسْتَ (۲)	آپؐ نے پڑھ لیا ہے	عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکین سے
فَمَنْ اَبْصَرَ	پس جس نے دیکھا	وَلِنُبَيِّنَهٗ	اورتا کہ واضح کریں	وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے
فَلِنَفْسِهٖ	تو اس کے فائدے کیلئے ہے		ہم اس کو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَمَنْ عَمِيَ	اور جو اندھا بنا	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے	مَآ اَشْرَكُوْا	(تو) نہ شرک کرتے وہ
فَعَلَيْهَا	تو اسی پر ضرر ہے	يَّعْلَمُوْنَ	جو جانتے ہیں		اور نہیں
وَمَآ اَنَا	اور نہیں ہوں میں	اِتَّبِعْ	پیروی کریں آپ	وَمَا جَعَلْنٰكَ	بنایا ہم نے آپ کو
عَلَيْكُمْ	تم پر	مَآ اُوْحِيَ	اس کی جو وحی کی گئی	عَلَيْهِمْ	ان پر
بِحَفِيْظٍ	نگہبان	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	حَفِيْظًا	نگہبان
وَكَذٰلِكَ	اور یوں	مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی	وَمَآ اَنْتَ	اور نہیں ہیں آپ
نُصَرِّفُ	نہج بدل بدل کر واضح		طرف سے	عَلَيْهِمْ	ان پر
	کرتے ہیں ہم	لَآ اِلٰهَ	نہیں کوئی معبود	بِوَكِيْلٍ (۳)	تعینات کئے ہوئے

توحید کی واضح دلیلیں آچکیں، اب غور کرنا نہ کرنا لوگوں کا کام ہے

دور سے توحید کا مضمون چل رہا ہے، اللہ کی یکتائی کی آنکھیں کھولنے والی واضح دلیلیں پروردگار عالم کی طرف سے لوگوں کے سامنے رکھ دی گئی ہیں، ان بصیرت افروز دلیلوں میں جو غور کرے گا اور ایک معبود کا قائل ہوگا اس کا بھلا ہوگا، اور

(۱) بصائر: بصیرۃ کی جمع: کھلی دلیل، واضح نصیحت (۲) دَرَسَ (ن) دِرَاسَۃً: پڑھنا (۳) وکیل: داروغہ، پولس افسر۔

جو اندھا بنا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا، وہ شرک میں مبتلا رہے گا، اور اس کی سزا پائے گا، نبی کا کام اس کو قائل کرنا نہیں۔

﴿ قَدۡ جَآءَكُم بَصَآئِرُ مِن رَّبِّكُمۡ ۖ فَمَنۡ أَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهِۦ ۖ وَمَنۡ عَمِيَ فَعَلَيۡهَا ۚ وَمَآ أَنَا۠ عَلَيۡكُم بِحَفِيظٖ ﴾

ترجمہ: آپؐ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے بالیقین واضح دلیلیں آچکیں، پس جس نے آنکھ کھولی اس نے اپنے نفع کے لئے دیکھا، اور جو اندھا بنا رہا اس نے اپنا نقصان کیا، اور (کہہ دو:) میں تمہارا نگہبان نہیں!

گدھا زعفران کی قدر کیا جانے!

اللہ تعالیٰ نے نہج بدل بدل کر توحید کے دلائل بیان کئے ہیں، پھر بھی ضدی اور بدفہم یہی کہے گا: ''آپؐ نے کسی سے پڑھ رکھا ہے!'' آپ تو امّی ہیں، کسی سے پڑھے نہیں، نہ سابقہ کتابیں دیکھ کر بیان کر سکتے ہیں، لامحالہ آپ کو کوئی پڑھا جاتا ہے، پھر وہ ایک عجمی لوہار کا نام لیتے تھے کہ وہ پڑھاتا ہے، یہ مضمون سورۃ النحل (آیت ۱۰۳) میں آیا ہے، وہاں اس کا جواب بھی ہے: ﴿وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ أَنَّهُمۡ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُۥ بَشَرٞ ۗ لِّسَانُ ٱلَّذِي يُلۡحِدُونَ إِلَيۡهِ أَعۡجَمِيّٞ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيّٞ مُّبِينٌ﴾: اور ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں: انہیں کوئی آدمی سکھلاتا ہے (جواب:) جس شخص کی طرف وہ غلط نسبت کر رہے ہیں وہ تو عجمی ہے، فصیح عربی نہیں جانتا۔ اور قرآن فصیح عربی زبان میں ہے، پس یہ اس کا کلام کیسے ہوسکتا ہے؟ اور قرآن کا اعجاز اس کی فصاحت و بلاغت میں ہے، جس کے متعلق بار بار چیلنج دیا جا چکا ہے، مگر جنّ وانس مل کر بھی اس کے مانند ایک چھوٹا سا ٹکڑا نہیں پیش کر سکے، لہٰذا اس شخص کی مہمل بات پادر ہوا ہوئی —— اور سمجھ دار انصاف پسند لوگوں کے لئے قرآن کے بیان سے حق واضح ہوگیا کہ توحید ہی برحق ہے، اور معبود ایک ہی ہے!

﴿ وَكَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ ٱلۡأٓيَٰتِ وَلِيَقُولُواْ دَرَسۡتَ وَلِنُبَيِّنَهُۥ لِقَوۡمٖ يَعۡلَمُونَ ﴾

ترجمہ: اور ہم یوں نہج بدل بدل کر باتیں بیان کرتے ہیں، اور تاکہ وہ کہیں: آپؐ نے (کسی سے) پڑھ لیا ہے، اور تاکہ ہم بات کو واضح کریں ان لوگوں کے لئے جو جاننا چاہتے ہیں۔

توحید پر جم جاؤ، اور مشرکین سے منہ پھیر لو

نبی ﷺ کو، اور آپؐ کے توسط سے ہر امتی کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اس وحی کی پیروی کرے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ توحید پر استوار ہو جائے، اور مشرکین کو ان کے حال پر چھوڑ دے۔

﴿ ٱتَّبِعۡ مَآ أُوحِيَ إِلَيۡكَ مِن رَّبِّكَ ۖ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَأَعۡرِضۡ عَنِ ٱلۡمُشۡرِكِينَ ﴾

ترجمہ: آپؐ اس وحی کی پیروی کریں جو آپؐ کے پروردگار کی طرف سے آپؐ کے پاس بھیجی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا

کوئی معبود نہیں ـــــ یہ وحی آئی ہے ـــــ اور آپ مشرکین سے روگردانی کریں۔

لوگوں کو تکوینی طور پر توحید پر مجبور کرنا حکمتِ خداوندی کے خلاف ہے

اللہ تعالیٰ کی تکوینی حکمت اس کی مقتضی نہیں کہ سب لوگوں کو خواہی نخواہی ایک اللہ کا قائل بنا دیا جائے، اگر اللہ تعالیٰ ایسا چاہتے تو روئے زمین پر ایک مشرک نہ ہوتا، دیکھتے نہیں کہ دیگر مخلوقات میں کوئی مشرک نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ اپنی مرضی سے ایک اللہ کو مانے، تاکہ آخرت میں جنت کا حقدار بنے، اسی کو بتانے اور سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو مبعوث فرمایا ہے، انبیاء نہ لوگوں کے نگہبان ہیں نہ ٹھیکے دار! ـــــ یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے، نگہبان حفاظت کرتا ہے، جیسے چرواہا ریوڑ کی حفاظت کرتا ہے، اور داروغہ (پولس انسپکٹر) ڈنڈا بجا کر منواتا ہے، نبی صرف بشیر ونذیر ہوتا ہے، پھر لوگوں کو اختیار ہے کہ مانیں یا نہ مانیں۔

﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝۱۰۷ ﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو مشرکین شرک نہ کرتے، اور ہم نے آپ کو ان کا نگہبان مقرر نہیں کیا، اور نہ آپ ان پر تعینات کئے گئے ہیں۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۸ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۹ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۱۰ ع

ع ۱۳ / ۱۹

وَلَا تَسُبُّوا	اور تم برا مت کہو	اللّٰهِ	اللہ کے	بِغَيْرِ عِلْمٍ	جہالت سے
الَّذِيْنَ (۱)	ان کو جن کو	فَيَسُبُّوا	پس برا کہیں گے وہ	كَذٰلِكَ	اسی طرح
يَدْعُوْنَ	پکارا کرتے ہیں وہ	اللّٰهَ	اللہ کو	زَيَّنَّا	مزین کیا ہم نے
مِنْ دُوْنِ	ورے	عَدْوًا (۲)	دشمنی میں	لِكُلِّ اُمَّةٍ	ہر امت کے لئے

(۱) الذین: صلہ کے ساتھ مفعول بہ ہے (۲) عدوًا: مصدر بمعنی عادین فاعل کا حال ہے۔

عَمَلَهُمْ	ان کے عمل کو	اٰيَةٌ	کوئی نشانی	وَنُقَلِّبُ	اور ہم الٹ دیں
ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ	پھر ان کے رب کی طرف	لَّيُؤْمِنُنَّ	تو ضرور مان لیں گے وہ	اَفْئِدَتَهُمْ	ان کے دل
مَّرْجِعُهُمْ	ان کا لوٹنا ہے	بِهَا	اس کو	وَاَبْصَارَهُمْ	اور ان کی آنکھیں
فَيُنَبِّئُهُمْ	پس جتلائیں گے وہ ان کو	قُلْ اِنَّمَا	کہو اس کے سوا نہیں کہ	كَمَا	جیسا کہ
بِمَا كَانُوْا	وہ کام جو تھے وہ	الْاٰيٰتُ	نشانیاں	لَمْ يُؤْمِنُوْا	نہیں ایمان لائے وہ
يَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس ہیں	بِهٖٓ (۳)	اس (قرآن) پر
وَاَقْسَمُوْا	اور قسمیں کھائیں انھوں نے	وَمَا	اور کیا	اَوَّلَ مَرَّةٍ	پہلی مرتبہ
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	يُشْعِرُكُمْ	پتہ تمہیں	وَنَذَرُهُمْ	اور چھوڑ دیں ہم ان کو
جَهْدَ (۱)	پختہ کرکے	اَنَّهَآ (۲)	کہ وہ	فِيْ طُغْيَانِهِمْ	ان کی سرکشی میں
اَيْمَانِهِمْ	اپنی قسمیں	اِذَا جَآءَتْ	جب آئے	يَعْمَهُوْنَ	بھٹکتے رہیں وہ
لَئِنْ جَآءَتْهُمْ	بخدا! اگر آئی ان کے پاس	لَا يُؤْمِنُوْنَ	(تو) نہ مانیں وہ	۞	۞

مشرکوں کے معبودوں کو برا کہو گے تو وہ اللہ کو برا کہیں گے

گذشتہ سے پیوستہ آیت میں فرمایا ہے کہ مشرکوں سے منہ پھیر لو، کہاں تک روگردانی کریں؟ یہاں تک کہ ان کے معبودوں کو بھی برا مت کہو، اس کا ردعمل اچھا نہیں ہوگا، وہ اپنی جہالت سے معبود برحق اللہ تعالیٰ کو برا کہیں گے، وہ معبود برحق اور معبود باطل میں امتیاز نہیں کریں گے ـــــ پس یہ گویا مسلمانوں نے خود اللہ تعالیٰ کو برا کہا، اس طرح کہ اس کا سبب بنے، اور حدیث میں ہے کہ اپنے ماں باپ کو گالیاں مت دو، صحابہ نے عرض کیا: اپنے ماں باپ کو بھلا کوئی کیسے گالیاں دے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ایک شخص دوسرے کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے، دوسرا جواباً اس کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے تو یہ اس نے خود اپنے ماں باپ کو گالیاں دیں! ـــــ اسی طرح مشرکین کے معبودوں کو برا کہا جائے گا تو ردعمل میں وہ مسلمانوں کے معبود اللہ تعالیٰ کو برا کہیں گے، یہ گویا مسلمانوں نے خود اللہ کو برا کہا۔

سوال: مشرکوں کے معبود تو باطل ہیں، پس باطل کو باطل کہنے میں کیا حرج ہے؟

جواب: ہر شخص اپنی کھال میں مست ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کا انداز ایسا بنایا ہے کہ ہر کسی کو اپنے ہی اعمال بھلے معلوم ہوتے ہیں، مشرکین بھی اپنے معبودوں کو اور اپنے شرکیہ اعمال کو اعمالِ صالحہ تصور کرتے ہیں، اس لئے وہ اپنی

(۱) جهد أيمانهم: مفعول مطلق ہے من غیر لفظ الفعل (۲) أنها: کا مرجع آیات ہیں (۳) به: مرجع ما موصولہ ہے، اور مراد قرآن ہے۔

مورتیوں کی برائی برداشت نہیں کریں گے، اور کھسیانی بلی کھمبا نوچے! وہ برحق اللہ تعالیٰ کے منہ آئیں گے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے معبودوں کو برا نہ کہیں۔

سوال: پھر مشرکوں کے معبودوں کا بطلان کیسے ظاہر ہوگا؟

جواب: ان کے معبودوں کا بطلان کل ان کے سامنے آجائے گا، سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے، قیامت کے دن مشرکین کے لئے ان کے معبودوں کا بوداپن کھل جائے گا، اور ان کے اعمال کا کچا چٹھا ان کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔

﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾ ﴾

ترجمہ: اور تم برامت کہو ان (مورتیوں) کو جن کو وہ اللہ سے وَرے پکارتے ہیں، پس وہ جہالت میں دشمنی سے اللہ کو برا کہیں گے ـــــ اس طرح ہم نے ہر فرقہ کے لئے اس کے اعمال مزین کئے ہیں، پھر ان کو ان کے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے، پس وہ ان کو آگاہ کریں گے ان کاموں سے جو وہ کیا کرتے تھے۔

مشرکین کڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا مطلوبہ معجزہ دکھاؤ ہم ایمان لے آئیں گے!

ان کو جواب دو: معجزات اللہ کے اختیار میں ہیں، نہ رسول کے اختیار میں ہیں نہ مسلمانوں کے، اور تمہیں اے مسلمانو! کیا پتہ کہ وہ مطلوبہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں، ان کے سامنے قرآن جیسا عظیم معجزہ پیش کیا گیا تو وہ کہاں ایمان لائے؟ پھر وہ اور معجزہ دیکھ کر کیا ایمان لائیں گے؟ جان لو! دل اور آنکھیں اللہ کے اختیار میں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو الٹ دیں تو وہ نہ معجزہ دیکھیں گے نہ سمجھیں گے، نہ کوئی عبرت حاصل کریں گے، نہ ایمان لائیں گے، وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں گے، اس لئے مسلمان اس کی آرزو نہ کریں کہ مشرکین کو ان کا مطلوبہ معجزہ دکھادیا جائے، اور وہ ایمان لے آئیں تو اسلام کا بول بالا ہو، وہ ایمان لانے والے نہیں، اس لئے معجزہ دکھانا بے سود ہے۔

﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَاۗءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١٠﴾ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے اللہ کی زور کی قسمیں کھائیں: بخدا! اگر ان کو (مطلوبہ) معجزہ دکھایا جائے تو وہ ضرور اس کی وجہ سے ایمان لے آئیں گے! (جواب:) معجزات اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، اور تمہیں (اے مسلمانو!) کیا پتہ کہ جب ان کو معجزہ دکھایا جائے تو وہ ایمان نہ لائیں! ـــــ اور ہم ان کے دلوں کو اور آنکھوں کو الٹ دیں ـــــ اس لئے وہ ایمان نہ لائیں ـــــ جیسا وہ اللہ کی نشانی (قرآن) پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے، اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا چھوڑ دیں!

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

وَلَوْ اَنَّنَا(۱)	اور اگر بے شک ہم	مَا كَانُوْا	نہیں ہیں وہ	شَيٰطِيْنَ	شریر
نَزَّلْنَآ	اتارتے	لِيُؤْمِنُوْٓا	کہ ایمان لائیں	الْاِنْسِ	آدمیوں
اِلَيْهِمُ	ان کی طرف	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	وَالْجِنِّ	اور جنات کو
الْمَلٰٓئِكَةَ	فرشتے	يَّشَآءَ اللّٰهُ	چاہیں اللہ تعالیٰ	يُوْحِيْ	وحی کرتے ہیں
وَكَلَّمَهُمُ	اور باتیں کرتے ان سے	وَلٰكِنَّ	لیکن	بَعْضُهُمْ	ان کے بعض
الْمَوْتٰى	مردے	اَكْثَرَهُمْ	ان کے اکثر	اِلٰى بَعْضٍ	بعض کی طرف
وَحَشَرْنَا	اور (زندہ کرکے) جمع	يَجْهَلُوْنَ	جانتے نہیں	زُخْرُفَ(۴)	چکنی چپڑی
	کرتے ہم	وَكَذٰلِكَ	اور یوں	الْقَوْلِ	باتیں
عَلَيْهِمْ	ان پر	جَعَلْنَا	بنائے ہم نے	غُرُوْرًا(۵)	دھوکہ دہی کے لئے
كُلَّ شَيْءٍ	ہر چیز کو	لِكُلِّ نَبِيٍّ	ہر نبی کے لئے	وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے
قُبُلًا(۲)	گروہ گروہ (روبرو)	عَدُوًّا(۳)	دشمن	رَبُّكَ	آپ کے پروردگار

(۱) أنّنا: أنَّ: حرف مشبہ بالفعل، نا ضمیر جمع متکلم (۲) قُبُلًا: قبیل کی جمع ہو تو ترجمہ ہوگا: گروہ گروہ، جماعت جماعت، اور قابل کی جمع ہو تو ترجمہ ہوگا: آگے، آنکھوں کے سامنے، روبرو، یہ کلّ کا حال ہے (۳) عدوًّا : جعل کا مفعولِ ثانی مقدم ہے اور شیاطین الأنس والجن: مفعول اول مؤخر ہے۔ (۴) زخرف: سونا، آراستہ، زینت، مگر جب قول کے لئے استعمال ہوتا ہے تو جھوٹ سے آراستہ کرنے اور ملمع کی ہوئی باتیں کرنے کے معنی ہوتے ہیں (۵) غرورًا: مفعول لہٗ ہے، اور آگے لتصغی، لیرضوہ اور لیقترفوا اس پر معطوف ہیں، وہ بھی مفعول لہٗ میں شامل ہیں اور چار باتیں بالترتیب (غرور، اصغاء، رضا اور اقتراف) یوحی کے مفعول لہٗ ہیں۔

مَا فَعَلُوْهُ	تو نہ کرتے وہ اس کو	اِلَيْهِ	اس (بات) کی طرف	وَلِيَرْضَوْهُ [۱]	اور تا کہ پسند کریں وہ
فَذَرْهُمْ	پس آپ چھوڑیں ان کو	اَفْـِٕدَةُ	دل		اس بات کو
وَمَا	اور اس کو جو	الَّذِيْنَ	ان کے جو	وَلِيَقْتَرِفُوْا [۲]	اور تا کہ کمائیں وہ
يَفْتَرُوْنَ	جھوٹ گھڑتے ہیں وہ	لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں مانتے	مَا هُمْ	جو وہ
وَلِتَصْغٰٓى	اور تا کہ مائل ہوں	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت کو	مُّقْتَرِفُوْنَ	کمانے والے ہیں

مشرکین مطلوبہ معجزہ کے عواقب سے ناواقف ہیں، اس لئے بضد ہیں کہ ان کو معجزہ دکھایا جائے

اگر مشرکین کی فرمائش کے مطابق اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اتاریں جو آکر آپ کی تصدیق کریں، یا مُردے قبروں سے نکل آئیں اور مشرکین سے باتیں کریں، یا اس سے بھی بڑا معجزہ دکھایا جائے، قیامت قائم ہوجائے اور تمام مخلوقات کو دوبارہ زندہ کر کے ان کے روبرو لا کھڑا کیا جائے تب بھی وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے، کتے کی دُم ٹیڑھی ہی رہے گی، اور وہ ہلاک کئے جائیں گے، مطلوبہ معجزہ دکھانے کا اور اس کو دیکھ کر ایمان نہ لانے کا یہی انجام ہوگا، مشرکین اس انجام سے واقف نہیں، اس لئے اصرار کر رہے ہیں کہ ان کو مطلوبہ معجزہ دکھایا جائے۔

اور درمیان کلام میں اللہ کی قدرتِ کاملہ کا استثناء ہے کہ اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے، وہ چاہیں تو مشرکین خواہی نخواہی ایمان لائیں گے، مگر انھوں نے ایسا نہیں چاہا، ایسا چاہنا ان کی حکمت اور تکوینی مصلحت کے خلاف ہے۔

﴿ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝۱۱۱ ﴾

ترجمہ: اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتاریں، یا ان سے مُردے باتیں کریں، یا ہم ہر مخلوق کو زندہ کر کے ان کے سامنے لا کھڑا کریں تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے —— مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہیں (یہ اللہ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے) —— مگر ان کے اکثر لوگ عواقب سے واقف نہیں!

شریر انسان اور جنات ہمیشہ انبیاء کے دشمن رہے ہیں، اور وہ چار باتیں چاہتے ہیں

مشرکینِ مکہ طرح طرح کے معجزات طلب کر کے نبی ﷺ کو اور مسلمانوں کو دق کرتے ہیں: یہ آج کوئی نئی بات

(۱) لیرضوہ: مضارع، جمع مذکر غائب، مصدر رِضیً، باب سمع (۲) لیقترفوا: مضارع، جمع مذکر غائب، اقتراف: کمانا، مثل ہے: الاعترافُ یُزیلُ الاقترافَ: اقرارِ جرم ارتکاب جرم کو دور کر دیا ہے۔

نہیں، انبیاء کی قومیں اسی طرح اپنے انبیاء کو پریشان کرتی رہی ہیں، اور انبیاء کے یہ دشمن شیاطین الانس: شیاطین الجن کے ایجنٹ ہوتے ہیں، وحی کے لغوی معنی ہیں: خفیہ اشارہ، جس کو اشارہ کرنے والا اور مشارٌ الیہ سمجھیں، تیسرا نہ سمجھے، جنات میں جو شیاطین ہیں، جنھوں نے اللہ کی اطاعت سے سر کھینچ لیا ہے، کافر ہیں، وہ سرکش انسانوں کو چکنی چپڑی باتیں الہام کرتے ہیں، اور وہ سرکش انسان انبیاء کی مخالفت کے لئے کمر کس لیتے ہیں، پھر گرو: چیلوں کو پٹی پڑھاتے ہیں، اس طرح ایک دنیا مخالفت کے لئے کھڑی ہوجاتی ہے، انبیاء کے یہ دشمن چار باتیں چاہتے ہیں:

۱- وہ لوگوں کو فریب دیتے ہیں، اور انبیاء کی باتوں سے دور رکھتے ہیں۔

۲- وہ ان لوگوں کو جو آخرت کو نہیں مانتے اپنی چکنی چپڑی باتوں کی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں۔

۳- وہ اپنی باتوں کو لوگوں کے لئے قابل قبول بنانا چاہتے ہیں، ان کے دلوں میں وہ باتیں بٹھانا چاہتے ہیں۔

۴- وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی باتوں پر عمل پیرا ہوں، اور انبیاء کی باتوں کو نظر انداز کردیں۔

پھر درمیان میں دو باتیں بیان کی ہیں:

۱- اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو مشرکین انبیاء کے ساتھ یہ حرکت نہ کرتے: یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا بیان ہے کہ مشرکین جو کچھ کررہے ہیں یہ امہال (ڈھیل دینا) ہے، اللہ نے رسّی ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ نے نظامِ عالم اس طرح بنایا ہے کہ بدی اور نیکی کی جنگ یہاں ہمیشہ جاری رہے، خیر وشر کی دونوں قوتیں برابر عمل میں لگی رہیں، فرشتے خیر کی قوت (ملکیت) کو مہمیز کرتے ہیں تو حزبِ مخالف انبیاء کی بات چلنے نہیں دیتا، اللہ نے ان کو آزادی دے رکھی ہے۔

۲- نبی ﷺ کو دلاسا دیا ہے کہ آپؐ دشمنوں کی فتنہ پردازی کا خیال نہ کریں، ان کو جو کچھ وہ کرتے ہیں کرنے دیں، ان سے قطع نظر کرکے اپنے کام میں لگے رہیں، اسلام کا بول بالا ہوکر رہے گا۔

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۱۲ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـــِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ۝۱۱۳ ﴾

ترجمہ: اور اس طرح ـــــ جس طرح مشرکینِ مکہ آپ کو پریشان کرتے ہیں ـــــ ہم نے ہر نبی کے لئے شیاطین الجن والانس کو دشمن بنایا ہے، ان کا ایک دوسرے کو ـــــ یعنی جنات: انسانوں کو اور گرو: چیلوں کو ـــــ چکنی چپڑی باتیں وحی کرتا ہے: (۱) دھوکہ دہی کے لئے ـــــ اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو وہ یہ حرکت نہ کرتے ـــــ یہ قانونِ امہال کا

بیان ہے) —— پس آپؐ ان کو اور ان کے افتراءات کو چھوڑیں —— یہ نبی ﷺ کو دلاسا دیا —— (۲) اور تاکہ ان باتوں کی طرف ان کے دل مائل ہوں جو آخرت کو نہیں مانتے (۳) اور تاکہ وہ ان باتوں کو پسند کریں (۴) اور وہ کمائیں جو کچھ وہ کما رہے ہیں۔

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۱۵﴾ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۱۱۶﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۱۷﴾

أَفَغَيْرَ	کیا پس سوائے	وَالَّذِينَ	اور جو لوگ	وَتَمَّتْ	اور پوری ہوئی
اللَّهِ	اللہ کے	آتَيْنَاهُمُ	دی ہم نے ان کو	كَلِمَتُ	بات
أَبْتَغِي	چاہوں میں	الْكِتَابَ	آسمانی کتابیں	رَبِّكَ	آپ کے رب کی
حَكَمًا (۱)	کسی فیصلہ کرنے والے کو؟	يَعْلَمُونَ	جانتے ہیں	صِدْقًا (۴)	بالکل سچی
وَهُوَ	حالانکہ وہ	أَنَّهُ	کہ وہ (قرآن)	وَعَدْلًا	اور مبنی بر انصاف
الَّذِي	جنھوں نے	مُنَزَّلٌ	اتارا ہوا ہے	لَا مُبَدِّلَ	نہیں کوئی بدلنے والا
أَنْزَلَ	اتاری	مِنْ رَبِّكَ	آپ کے رب کی طرف سے	لِكَلِمَاتِهِ	ان کی باتوں کو
إِلَيْكُمُ (۲)	آپ لوگوں کی طرف	بِالْحَقِّ	برحق	وَهُوَ السَّمِيعُ	اور وہ خوب سننے والے
الْكِتَابَ	آسمانی کتاب (قرآن)	فَلَا تَكُونَنَّ	پس ہرگز نہ ہوں آپ	الْعَلِيمُ	خوب جاننے والے ہیں
مُفَصَّلًا (۳)	مفصل	مِنَ الْمُمْتَرِينَ	شبہ کرنے والوں میں سے	وَإِنْ	اور اگر

(۱) حَكَمٌ: منصف، فیصل، جج، (۲) إليكم: مخاطب مشرکین ہیں (۳) مفصلاً: الکتاب کا حال ہے اور اسم مفعول ہے، مصدر تفصیل: واضح اور الگ الگ بیان کرنا (۴) صدقا وعدلاً: کلمة کے احوال ہیں۔

تُطِعْ	پیروی کریں آپ	اللهِ	اللہ کے	هُوَ اَعْلَمُ	وہ خوب جانتا ہے
اَكْثَرَ	اکثر کی	اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ	نہیں پیروی کرتے وہ	مَنْ يَّضِلُّ	اس کو جو بھٹک جاتا ہے
مَنْ فِي الْاَرْضِ	جو زمین میں ہیں	اِلَّا الظَّنَّ	مگر گمان کی	عَنْ سَبِيْلِهٖ	اس کے راستے سے
يُضِلُّوْكَ	(تو) وہ آپ کو گمراہ	وَاِنْ هُمْ	اور نہیں ہیں وہ	وَهُوَ	اور وہ
	کردیں گے	اِلَّا يَخْرُصُوْنَ	مگر اٹکل پچو چلاتے	اَعْلَمُ	خوب جانتا ہے
عَنْ سَبِيْلِ	راستے سے	اِنَّ رَبَّكَ	بے شک آپ کا رب	بِالْمُهْتَدِيْنَ	راہ پانے والوں کو

نبی کی صداقت پر دوسرے معجزات کیا مانگتے ہو، قرآنِ کریم ہی ان کا سب سے بڑا معجزہ ہے

مشرکینِ مکہ نبی ﷺ سے آپؐ کی صداقت کی دلیل کے طور پر قسم قسم کے معجزات طلب کرتے تھے، ان سے کہا جارہا ہے کہ دیگر معجزات کیا مانگتے ہو؟ آپؐ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل قرآنِ کریم ہے، جو آپؐ پیش کررہے ہیں، جو آپؐ پر نازل ہوا ہے، اس کے اوصاف خود اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں، تصنیف را مصنف نکو کند بیاں: مصنف اپنی تصنیف کی حالت بہتر جانتا ہے۔

قرآنِ کریم کی چار خوبیاں:

① —— قرآنِ کریم تفصیل وار نازل کیا گیا ہے، اس نے دین کی تمام بنیادی باتیں پوری وضاحت سے بیان کی ہیں، اس میں کوئی ابہام یا گنجلک نہیں، لمبی آیتوں میں بھی چھوٹے چھوٹے فقرے ہیں، جن کی وجہ سے قرآن کا سمجھنا نہایت آسان ہے، اور اتنی بڑی کتاب کا ایک نہج پر ہونا اس کی ایک خوبی ہے جو دلیل ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے، سورۃ النساء کی (آیت ۸۲) ہے: ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾: کیا تو وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے: اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو وہ اس میں بکثرت تفاوت پاتے، اتنی بڑی کتاب کوئی انسان ایک نہج پر نہیں لکھ سکتا۔

② —— یہود و نصاریٰ جن کو آسمانی کتابیں: تورات و انجیل دی گئی ہیں: وہ ان بشارات کی بنیاد پر جو ان کی کتابوں میں ہیں: خوب جانتے ہیں کہ قرآنِ کریم واقعی پروردگار کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے، والفضلُ ما شَهِدَتْ به الأعداء: غیر کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہے، لہٰذا کوئی انسان، خواہ وہ امتِ دعوت کا فرد ہو یا امتِ اجابہ کا، قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں ہرگز شک نہیں کرے!

۳ـــــ قرآنِ کریم میں دو طرح کے مضامین ہیں:

ایک: گذشتہ، موجودہ اور آئندہ کی خبریں اور پیشین گوئیاں، جو نہایت سچی باتیں ہیں، باون تولہ پاؤرتی ہیں، آج تک اس کی کسی بات پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکا، نہ اس کی کوئی بات خلافِ واقعہ ثابت ہوئی، جبکہ یہ سب غیب کی باتیں ہیں، ان کو عالم الغیب ہی صحیح طور پر بیان کرسکتا ہے۔

دوسرے: قرآنِ کریم میں انسان کی عملی زندگی سے متعلق احکام ہیں، اور سب مبنی برانصاف ہیں، تمام احکام میں پوری رعایت ہے کہ کوئی حکم عدل وانصاف کی راہ سے ہٹا ہوا نہ ہو، وضعی (پارلیمینٹری) قوانین میں لوگ اس کا لحاظ رکھتے ہیں، مگر کامیاب نہیں ہوتے، ایک قانون بناتے ہیں، بعد میں ظاہر ہوتا ہے کہ قانون ٹھیک نہیں، چنانچہ وہ اس میں تبدیلی کرتے ہیں، جبکہ انھوں نے وہ قانون ایک ملک کے لوگوں کے لئے بنایا ہے، اور قرآنِ کریم نے تمام انسانیت اور سارے عالم کے لئے احکامات نازل کئے ہیں، اور ان میں عدل وانصاف کی رعایت رکھی ہے، اور آج تک اس کا کوئی حکم انصاف کی راہ سے ہٹا ہوا ثابت نہیں ہوا، نہ کسی حکم میں تبدیلی کی ضرورت پیش آئی، یہ بات دلیل ہے کہ قرآن خالقِ کائنات کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔

۴ـــــ قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے، اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، اور قیامت تک باقی رہنے والی کتاب ہے، اب کوئی دوسری کتاب اس کو منسوخ نہیں کرے گی، اور یہ بات بھی از قبیلِ غیب ہے، اور آج تک کوئی اس کے ایک حرف کو نہیں بدل سکا، نہ اس کے مانند کوئی چھوٹا سا ٹکڑا بنا سکا، نہ کوئی ناسخ کتاب آئی، یہ بھی دلیل ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اور آپ کی صداقت کی بڑی دلیل ہے۔

اور قرآنِ کریم کے یہ اوصاف (خوبیاں) اللہ تعالیٰ سمیع وعلیم بیان فرما رہے ہیں، جو معترضین کی باتیں خوب سن رہے ہیں، اور حقیقتِ حال سے خوب واقف ہیں، یہ کتاب آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہے، اس کتاب کو منصف (جج) بناؤ، اور ایمان لاؤ، دوسرے معجزات کیا طلب کرتے ہو؟!

﴿ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝١١٤ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝١١٥ ﴾

ترجمہ: پس کیا میں اللہ کے علاوہ کو فیصلہ کرنے والا چاہوں، جبکہ انھوں نے ہی تمہاری طرف تفصیل وار قرآن نازل کیا ہے؟ ـــــ اس میں قرآن کی پہلی خوبی کا ذکر ہے ـــــ (دوسری خوبی:) اور جن لوگوں کو ہم نے آسمانی کتابیں دی ہیں وہ جانتے ہیں کہ قرآن آپ کے پروردگار کی طرف سے برحق نازل کیا ہوا ہے ـــــ لہٰذا آپ ـــــ مراد امت

دعوت اور امت اجابت کا ہر ہر فرد ہے ــــ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہوں!

(تیسری خوبی:) اور آپؐ کے پروردگار کی بات بالکل سچی اور مبنی برانصاف کامل ہوئی (چوتھی خوبی:) ان کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ــــ اور وہ خوب سننے والے، ہر بات جاننے والے ہیں۔

اکثریت کی بات اٹکل پچو بے دلیل ہے، اس لئے پادر ہوا ہے[1]

سوال: کوئی کہہ سکتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت (دو تہائی) قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتی، وہ اس کو محمد (ﷺ) کی تصنیف بتاتے ہیں، پھر ہم قرآن کو اللہ کا کلام کیسے مانیں؟ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو!

جواب: اکثریت کی یہ بات بے دلیل اٹکل پچو ہے، اس لئے اس کا کوئی اعتبار نہیں، اور قرآنِ کریم نے گذشتہ آیات میں اپنی بات مدلل پیش کی ہے، لہٰذا اس کا اعتبار کرو۔

اور مشاہدہ یہ ہے اور تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو محض خیالی، بے اصولی اور اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں اور مانتے ہیں پس جو اکثریت کی بات لے گا وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا، یہ نبی ﷺ پر رکھ کر دوسروں کو سنایا ہے، اور یہ بات اللہ تعالیٰ بیان کر رہے ہیں جو خوب جانتے ہیں کہ راہِ راست سے بچلنے والا کون ہے اور راہِ راست پر کون ہے؟

فائدہ: انسانوں کا عام مزاج یہ ہے کہ جس عقیدہ کی طرف لوگوں کی بھیڑ دیکھتے ہیں اس کو قبول کر لیتے ہیں، چاہے اس کی دلیل ہو یا نہ ہو، حالانکہ اہمیت اس بات کی ہے کہ اس کے پیچھے عقلی یا نقلی دلیل ہو، اگر بلا دلیل محض اندازے اور اٹکل سے کوئی بات کہی گئی ہو تو اس کی طرف توجہ نہ دی جائے، اس کا کوئی اعتبار نہیں، اگرچہ اس کے ماننے والے اور کہنے والے زیادہ ہوں، جیسے آج کل الیکشن میں سر گنے جاتے ہیں، بھیجا نہیں دیکھا جاتا، یہ نامعقول بات معقول بن گئی ہے۔ آیت کے شروع میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔

﴿ وَاِنۡ تُطِعۡ اَكۡثَرَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ يُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ مَنۡ يَّضِلُّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ‌ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر آپ زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی بات مانیں گے تو وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے وہ لوگ (اکثریت) صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور وہ صرف اٹکل اڑاتے ہیں، بے شک آپ کے پروردگار خوب جانتے ہیں اس کو جو اس کے راستہ سے بچلا، اور وہ خوب جانتے ہیں راہ پانے والوں کو ــــ یعنی اکثریت کی بات صحیح

(۱) پادر ہوا: پاؤں ہوا میں یعنی برباد: ہوا پر یعنی بے اعتبار۔

نہیں، مسلمان جو راہ اپنائے ہوئے ہیں وہی صحیح راستہ ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝١١٨ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۝١١٩ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ۝١٢٠ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝١٢١ ع ١٤

فَكُلُوْا	پس کھاؤ تم	اِسْمُ اللّٰهِ	اللہ کا نام	اِنَّ رَبَّكَ	بے شک آپ کے رب
مِمَّا	اس میں سے جو	عَلَيْهِ	اس پر	هُوَ اَعْلَمُ	وہ خوب جانتے ہیں
ذُكِرَ	لیا گیا	وَقَدْ فَصَّلَ	درانحالیکہ واضح کردیا ہے	بِالْمُعْتَدِيْنَ	حد سے بڑھنے والوں کو
اسْمُ اللّٰهِ	اللہ کا نام	لَكُمْ	تمہارے لئے	وَذَرُوْا	اور چھوڑو تم
عَلَيْهِ	اس پر	مَّا حَرَّمَ	جو حرام اس نے	ظَاهِرَ الْاِثْمِ	کھلا ہوا گناہ
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	عَلَيْكُمْ	تم پر	وَبَاطِنَهٗ	اور چھپا ہوا گناہ
بِاٰيٰتِهٖ	اللہ کی باتوں کو	اِلَّا	مگر	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ
مُؤْمِنِيْنَ	ماننے والے	مَا اضْطُرِرْتُمْ	جو مجبور کیے گئے تم	يَكْسِبُوْنَ	کماتے ہیں
وَمَا لَكُمْ	اور تمہیں کیا ہوا	اِلَيْهِ	اس کی طرف	الْاِثْمَ	گناہ
اَلَّا (۱)	کہ نہیں	وَاِنَّ كَثِيْرًا	بیشک بہت سے لوگ	سَيُجْزَوْنَ	عنقریب بدلہ دیئے
تَاْكُلُوْا	کھاتے تم	لَيُضِلُّوْنَ	البتہ گمراہ کرتے ہیں		جائیں گے
مِمَّا	اس میں سے جو	بِاَهْوَآئِهِمْ	اپنی خواہشات سے	بِمَا	ان کاموں کا
ذُكِرَ	لیا گیا	بِغَيْرِ عِلْمٍ	علم کے بغیر	كَانُوْا	جو

(۱) اَلَّا: اصل میں أن لا تھا، نون کا لام میں ادغام ہوا ہے۔

يَقْتَرِفُوْنَ (1)	وہ کماتے تھے	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ	لِيُجَادِلُوْكُمْ	تاکہ جھگڑیں وہ تم سے
وَلَا تَاْكُلُوْا	اور مت کھاؤ	لَفِسْقٌ	البتہ گناہ ہے	وَاِنْ	اور اگر
مِمَّا	اس میں سے جو	وَاِنَّ	اور بے شک	اَطَعْتُمُوْهُمْ	کہا مانا تم نے ان کا
لَمْ يُذْكَرِ	نہیں لیا گیا	الشَّيٰطِيْنَ	شیاطین	اِنَّكُمْ	بے شک تم
اسْمُ اللّٰهِ	اللہ کا نام	لَيُوْحُوْنَ	البتہ وحی کرتے ہیں	لَمُشْرِكُوْنَ	البتہ شرک کرنے
عَلَيْهِ	اس پر	اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ	اپنے دوستوں کو		والے ہو

مشرکین نے ایک اٹکل اڑائی کہ اپنا مارا کھاتے ہو اور اللہ کا مارا نہیں کھاتے!

ابھی فرمایا تھا کہ مشرکین صرف اٹکل اڑاتے ہیں، ان کی بات علم وبصیرت پر مبنی نہیں، ان آیات میں اس کی ایک مثال ہے کہ مشرکین کا اعتراض اٹکل پچو کا تیر ہے۔

آیات کا پس منظر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض مشرکین نے نبی ﷺ سے بحث کی کہ آپ لوگ (مسلمان) اپنے ذبح کئے ہوئے جانور کو تو کھاتے ہو، اور اسے حلال کہتے ہو، اور مردار کو جسے اللہ نے مارا ہے حرام قرار دیتے ہو، یہ عجیب بات ہے۔ ان آیات میں اس کا جواب ہے کہ یہ علم وآگہی کے بغیر مسلمانوں کو تشویش میں مبتلا کرنے کی کوشش ہے!

ایک قیمتی بات جو حضرت تھانوی قدس سرہ نے بیان فرمائی ہے:

اصولِ دین کے اثبات کے لئے تو دلائلِ عقلیہ درکار ہیں، اور اصول کے ثابت ہوجانے کے بعد اعمال وفروع کے لئے صرف دلائلِ نقلیہ کافی ہیں، عقلی دلائل کی ضرورت نہیں، بلکہ بعض اوقات عقلی دلائل مضر پڑتے ہیں، شبہات کے دروازے کھلتے ہیں، اس لئے کہ فروع میں دلیل عقلی کی کوئی صورت نہیں، البتہ اگر کوئی طالبِ حق شفائے قلب چاہے تو اس کے سامنے اقناعی اور خطابی دلائل تبرعاً پیش کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، اور جہاں یہ بات نہ ہو، محض مجادلہ ہو تو اپنے کام میں لگنا چاہئے، اور معترض کی طرف التفات نہ کرنا چاہئے (بیان القرآن)

قارئین کی تشفی کے لئے ذبیحہ کے حلال اور مردار کے حرام ہونے کی وجوہ:

خاص وجہ: سورۃ الحج (آیت ۳۴) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے قربانی تجویز کی ہے، پھر قربانی کی دو

(۱) الاقتراف: کمانا (دیکھیں آیت ۱۱۳ کا حاشیہ)

قسمیں ہیں:

۱- خاص قربانی جو قربانی کے دنوں میں کی جاتی ہے، ذی الحجہ کے تین دنوں میں کی جاتی ہے۔

۲- عام قربانی: یعنی روزمرہ کی قربانی، یہ وہ ذبیحہ ہے جو کھانے کے لئے ذبح کیا جاتا ہے، دونوں کا مقصد: اللہ کا ذکر ہے، ہر دن لاکھوں جانور اللہ کا نام لے کر کھانے کے لئے ذبح کئے جاتے ہیں، یہی عام قربانی ہے۔

اور قربانی کا عمل ظاہر ہے کہ زندہ جانور کے ساتھ قائم ہوتا ہے، مردار کے ساتھ قائم نہیں ہوسکتا، اور کھانے کے لئے جانور ذبح کرنے کا اور قربانی کے لئے جانور ذبح کرنے کا معاملہ یکساں ہے، اس لئے ذبیحہ پر بھی تسمیہ ضروری ہے جس طرح قربانی پر ضروری ہے، اور تسمیہ کا عمل زندہ ہی کے ساتھ قائم ہوسکتا ہے، مردار کے ساتھ قائم نہیں ہوسکتا، اس لئے مردار حرام ہے۔

عام وجہ: ذبح کا مقصد یہ ہے کہ جسم میں پایا جانے والا بہتا ہوا خون جو ناپاک بھی ہے اور صحت کے لئے مضر بھی، باہر نکل جائے اور بہہ جائے، اگر جانور کو ذبح نہیں کیا جائے گا، اور وہ اپنی موت مرے گا تو وہ خون پانی بن کر گوشت میں جذب ہو جائے گا، اور وہ گوشت نقصان دہ ہوگا، اس لئے مردار حرام ہے، چنانچہ جن جانوروں میں دم مسفوح نہیں ہوتا، جیسے مچھلی اس لئے مردہ مچھلی حلال ہے، اسی طرح ٹڈی میں بھی ذبح شرط نہیں، باقی مارتے سب کو اللہ ہی ہیں، مگر مشرکین حکم شریعت کی مصلحت جانے بغیر اعتراض جڑ دیتے ہیں۔

﴿فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾﴾

مثبت پہلو سے حکم: ــــــ پس کھاؤ تم اس (جانور) میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے، اگر تم اللہ کی باتوں کو ماننے والے ہو!

مسئلہ: ”اس میں سے“ عام ہے، اس لئے ہر کھانے اور پینے پر بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔

﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَاۗىِٕهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١١٩﴾﴾

اور تمہیں کیا ہوا کہ نہیں کھاتے اس (جانور) میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے؟

فائدہ: یہ پہلی ہی بات ہے، اسلوب بدل کر تمہید لوٹائی ہے تاکہ اس پر دوسری بات متفرع کی جائے، اور یہ قرآنِ کریم کا خاص اسلوب ہے جب وہ کسی بات پر چند باتیں متفرع کرتا ہے تو تمہید لوٹاتا ہے، پہلے: ﴿اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ﴾ کو متفرع کیا تھا، اب نہج بدل کر تمہید لوٹائی ہے اور اگلی بات متفرع کی جارہی ہے۔

درانحالیکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے واضح کر دیا ہے ان (جانوروں) کو جو اس نے تم پر حرام کئے ہیں، مگر جن کے

کھانے کے لئے تم مجبور ہو جاؤ ــــ یعنی مردار حالتِ اضطرار میں جان بچانے کے بقدر حلال ہے اور یہ سورۃ المائدہ (آیت ۳) کی طرف اشارہ ہے۔

اور بے شک بہت سے لوگ ــــ یعنی مشرکینِ مکہ ــــ بالیقین گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشات سے علم وآگہی کے بغیر، بے شک آپؐ کے پروردگار حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتے ہیں ــــ یہ ذبیحہ اور مردار میں فرق بیان کئے بغیر مشرکین پر رد ہے، اس لئے کہ یہ فرعی مسئلہ ہے، اصولی مسئلہ نہیں۔

﴿ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ۞ ﴾

مردار کا کھانا اور اس کی حرمت میں مذبذب ہونا جائز نہیں: ــــ اور چھوڑو ظاہری گناہ ــــ یعنی مردار کو مت کھاؤ، یہ کھلا ہوا گناہ ہے ــــ اور باطنی گناہ ــــ یعنی اس کی حرمت میں شک مت کرو، یہ دل کا گناہ ہے ــــ بے شک جو لوگ گناہ کماتے ہیں ــــ یعنی مردار کھاتے ہیں یا اس کی حرمت میں شک کرتے ہیں ــــ وہ عنقریب بدلہ دیئے جائیں گے ان کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے!

﴿ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ ﴾

تاکید کے لئے منفی پہلو سے حکم: ــــ اور مت کھاؤ ان (جانوروں) میں سے جن پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ــــ اور بیشک وہ (مردار کا کھانا) یقیناً بڑا گناہ ہے! ــــ مردار کھانا حرام ہے، اس لئے مجبوری کے بغیر اس کا کھانا کبیرہ گناہ ہے۔

﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ ﴾

مشرکین پر پھر ردّ: ــــ اور شیاطین ــــ یعنی سرکش جنات ــــ اپنے دوستوں کو ــــ یعنی مشرکین مکہ کو ــــ خفیہ اشارے کرتے ہیں ــــ یعنی وسوسہ اندازی کرتے ہیں ــــ تاکہ وہ تم سے حجت بازی کریں۔

﴿ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۞ ﴾

اور اگر تم نے ان کا کہنا مانا ــــ اور مردار کھایا اور اس کو حلال جانا ــــ تو بالیقین تم مشرکوں میں شمار ہو گے! ــــ کیونکہ شرک فقط یہی نہیں کہ کسی کو سوائے خدا کے پوجے، بلکہ شرک کے حکم میں یہ بھی ہے کہ کسی چیز کی تحریم وتحلیل میں مستند شرعی کو چھوڑ کر محض آراء واہوا کا تابع ہو جائے (فوائد)

فائدہ: اگر جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے تو وہ بالاجماع حرام ہے، اور اگر ذبح کرتے وقت ہڑبڑا گیا اور اللہ کا نام لینا بھول گیا تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حرام ہے، باقی تین ائمہ کے نزدیک حلال ہے اور بھول معاف ہے۔ اور اگر بالقصد نام نہ لیا تو امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک حرام ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حلال ہے، ان

کے نزدیک فسق (بڑا گناہ) غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا ہے، مگر یہ بات منفی حکم: ﴿ وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ کے خلاف ہے، اگر اس کو بھی حلال قرار دیں گے تو آیت کا کوئی مصداق باقی نہیں رہے گا، اس لئے حنفیہ اور حنابلہ کا نقطۂ نظر ہی قرآنِ کریم سے ہم آہنگ ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اَوَمَنْ	کیا اور جو شخص	فِي النَّاسِ	لوگوں میں	مِّنْهَا	ان (تاریکیوں) سے
كَانَ مَيْتًا	مردہ تھا	كَمَنْ	برابر ہے اس کے جو	كَذٰلِكَ	اس طرح
فَاَحْيَيْنٰهُ	پس ہم نے اس کو زندہ کیا	مَّثَلُهٗ	اس کا حال	زُيِّنَ	بھلا بنایا گیا
وَجَعَلْنَا	اور ہم نے بنایا	فِي الظُّلُمٰتِ	وہ تاریکیوں میں (گھرا	لِلْكٰفِرِيْنَ	کافروں کے لئے
لَهٗ نُوْرًا	اس کے لئے نور		ہوا) ہے	مَا كَانُوْا	جو تھے وہ
يَّمْشِيْ بِهٖ	چلتا ہے وہ اس کے ساتھ	لَيْسَ بِخَارِجٍ	نہیں نکلنے والا	يَعْمَلُوْنَ	کرتے

مردہ دل کافر پر جنت حرام ہے اور زندہ دل مؤمن کے لئے جنت حلال ہے

مردار کی حرمت اور مذبوح کی حلت کی نظیر پیش کرتے ہیں۔ کافر و مشرک مردہ دل ہیں، وہ کفر کی تاریکیوں میں سرگرداں ہیں، وہ اگر موت تک اس سے نہ نکلیں تو جنت ان پر حرام ہے، دوسرا شخص بھی مردہ تھا، پہلے مشرک تھا، مگر اللہ نے اس کو زندہ کیا، ایمان کی توفیق بخشی، اور اس کے لئے اللہ نے نورِ ایمان گردانا، اب وہ اس کے ساتھ لوگوں میں چلتا ہے، اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ بھی کفر کی تاریکیوں سے نکل آئیں: کیا ان دونوں کا انجام یکساں ہوگا؟ ہرگز نہیں! اس دوسرے پر دوزخ حرام ہے، جنت اس کے لئے حلال ہے، اور پہلے پر جنت حرام ہے، وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، یہی حال مردار اور ذبیحہ کا ہے، اول قطعی حرام ہے اور دوسرا قطعی حلال!

سوال: منکرینِ اسلام یہ موٹی بات کیوں نہیں سمجھتے؟ اور اسلام قبول کیوں نہیں کرتے؟

جواب: ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال مزین کئے ہیں، ان کو اپنا دھرم ہی حق معلوم ہوتا ہے، اس لئے وہ کفر کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں، ان کی آنکھ ہی نہیں کھلتی!

آیتِ پاک: اور کیا جو شخص مردہ تھا ـــــ یعنی پہلے کافر تھا ـــــ پس ہم نے اس کو زندہ کیا ـــــ یعنی اس نے

اسلام قبول کیا ــــ اور ہم نے اس کے لئے ایک روشنی گردانی ــــ یعنی نور ایمان سے اس کو سرفراز کیا ــــ جس کو لے کر وہ لوگوں میں چلتا ہے ــــ یعنی لوگوں کو بھی دعوت دیتا ہے کہ وہ اسلام کو قبول کریں ــــ (کیا یہ شخص) اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ تاریکیوں میں (گھرا ہوا) ہے جس سے وہ نکلنے والا ہی نہیں؟ ــــ
(فِي الظُّلُمٰتِ :ھو مبتدا محذوف کی خبر ہے، پھر پورا جملہ مَّثَلُهٗ : کی خبر ہے)

(سوال کا جواب:) ــــ اس طرح بھلا کر دکھایا گیا ہے منکرین اسلام کے لئے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے ــــ یعنی پہلے سے ان کا جو دھرم تھا وہی ان کو صحیح معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ: اس آیت میں مردہ سے مراد کفر کی حالت ہے اور زندہ کرنے سے مراد ایمان کی توفیق عطا فرمانا ہے، جیسے مردہ چیزوں کی حقیقتوں کے ادراک سے محروم ہوتا ہے اور زندہ شخص تمام چیزوں کو دیکھ بھی سکتا ہے اور سمجھ بھی سکتا ہے، اسی طرح جو ایمان سے محروم ہے، وہ غیبی حقیقتوں یعنی اپنے خالق کے وجود، آخرت اور جنت ودوزخ کے سمجھنے سے قاصر ہے اور مسلمان ان حقیقتوں کو سمجھتا بھی ہے اور اس پر یقین بھی رکھتا ہے، اسی طرح ایمان کو روشنی اور کفر کو تاریکی سے تعبیر کیا گیا ہے، روشنی میں چیزیں ویسی ہی نظر آتی ہیں، جیسی وہ ہیں، اور تاریکی میں یا تو چیزیں نظر نہیں آتیں یا پوری طرح درست اور صحیح نظر نہیں آتیں، ایمان کے ذریعہ انسان حقیقت اور سچائی سے واقف ہوتا ہے اور کفر میں خلافِ حقیقت باتوں کو حقیقت سمجھنے لگتا ہے؛ اس لئے ایمان کے لئے روشنی اور کفر کے لئے تاریکی سے بہتر کوئی تعبیر نہیں ہوسکتی تھی ــــ پھر نور یعنی روشنی عربی گرامر کے لحاظ سے ''واحد'' یعنی (Singular) ہے اور کفر کے لئے ''ظلمات'' یعنی ''تاریکیاں'' جمع (Plural) کا صیغہ ہے، اس لئے کہ ہدایت کا راستہ تو ایک ہی ہے اور گمراہی کے راستے اور کفر کی قسمیں بہت سی ہیں، خدا کا انکار بھی کفر ہے، اس کے ساتھ شرک بھی کفر ہے، انبیاء پر ایمان نہ رکھنا بھی کفر ہے، کسی نبی کو ماننا اور کسی کو نہ ماننا بھی کفر ہے، کوئی شخص انبیاء پر ایمان رکھے مگر رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی نہ مانے اور آپ کے بعد اپنی یا کسی اور کی نبوت کا مدعی ہو، یہ بھی کفر ہے، نبوتِ محمدی پر ایمان رکھتا ہو، لیکن شریعت محمدی کی اتباع کو ضروری نہ سمجھتا ہو، یہ بھی کفر ہے، غرض کہ کفر اور گمراہی کی بہت سی صورتیں ہیں اور ہدایت کا ایک ہی راستہ متعین ہے۔ (آسان تفسیر از مولانا خالد سیف اللہ صاحب)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا

صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح	وَاِذَا جَآءَتْهُمْ	اور جب پہنچتی ہے ان کو	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں
جَعَلْنَا	بنایا ہم نے	اٰيَةٌ	کوئی آیت	حَيْثُ يَجْعَلُ	جس جگہ رکھتے ہیں وہ
فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ	ہر بستی میں	قَالُوْا	تو وہ کہتے ہیں	رِسَالَتَهٗ	اپنا پیغام
اَكٰبِرَ(۱)	سردار	لَنْ نُّؤْمِنَ	ہم ہرگز نہیں مانیں گے	سَيُصِيْبُ	عنقریب پہنچے گی
مُجْرِمِيْهَا(۲)	اس کے گنہ گاروں کو	حَتّٰى	یہاں تک کہ	الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا	ان کو جنھوں نے گناہ کیا
لِيَمْكُرُوْا(۳)	تا کہ حیلہ سازی کریں وہ	نُؤْتٰى	دیئے جائیں ہم	صَغَارٌ	ذلت
فِيْهَا	اس میں	مِثْلَ مَا	مانند اس کے جو	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس
وَمَا يَمْكُرُوْنَ	اور نہیں حیلہ سازی کرتے وہ	اُوْتِيَ	دیئے گئے	وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ	اور سخت سزا
اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ	مگر اپنی ذاتوں کے ساتھ	رُسُلُ اللّٰهِ	اللہ کے رسول	بِمَا	اس وجہ سے کہ
وَمَا يَشْعُرُوْنَ	درانحالیکہ نہیں سمجھتے وہ	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ	وہ مکاریاں کرتے تھے

بدکار بڑے حیلہ سازیوں کے ذریعہ عوام کو راہِ حق سے روکتے ہیں

مردہ دل قریش کے سردار کفر وضلالت میں پیر پسارے ہوئے تھے، اور مختلف تدبیروں سے اپنے عوام کو راہ حق سے روکتے تھے، فرماتے ہیں: یہ بات آج نئی نہیں، ہمیشہ کافروں کے سردار ایسی حیلہ سازیاں کرتے رہے ہیں، تا کہ عوام الناس انبیاء کے مطیع نہ ہوجائیں، فرعون طرح طرح کے حیلوں سے اپنی قوم کو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے روکتا تھا، عام طور پر یہ سردار بدکار ہوتے ہیں، ان کی مکاریوں کا نقصان خود انہی کو پہنچے گا، وہ اپنے پیروں پر تیشہ زنی کرتے ہیں، مگر سمجھتے نہیں، انبیاء کا دین تو پھیل کر رہتا ہے۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۚ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾﴾

ترجمہ: اور اسی طرح ـــــ یعنی رؤسائے مکہ کی طرح ـــــ ہم نے ہر بستی میں اس کے بدکاروں کو سردار بنایا، تا کہ

(۱) أکابر: أکبر کی جمع: سردار، بڑے لوگ یہ جعل کا مفعول ثانی مقدم ہے (۲) مجرمي: مضاف ہے، اضافت کی وجہ سے نون گرا ہے، یہ جعل کا مفعول اول مؤخر ہے اور تقدیم وتاخیر میں اشارہ ہے کہ عام طور پر بدکار لوگ ہی بستی کے بڑے ہوتے ہیں (۳) مکر: خفیہ تدبیر، جس کو عوام نہ سمجھ سکیں۔



وہ اس میں حیلہ سازی کریں ۔۔۔ اور لوگوں کو راہ حق سے روکیں ۔۔۔ اور وہ اپنی ذاتوں ہی کے ساتھ مکاری کرتے ہیں، اور سمجھتے نہیں ہیں!

متکبر سرداروں کی حیلہ سازی کی ایک مثال

ابوجہل اور ولید بن مغیرہ وغیرہ کہنے لگے کہ مال و دولت، عمر اور تجربہ میں ہم آپ سے بڑھے ہوئے ہیں، اس لئے جب تک ہمیں نبوت نہ دی جائے اور جبرئیل ہمارے پاس وحی لے کر نہ آئیں ہم قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب ارشاد فرمایا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دولت، طاقت، عمر وغیرہ ایسی باتیں نہیں کہ اس کی وجہ سے کوئی نبی بنادیا جائے، نبوت محنت اور اکتساب سے حاصل نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر موقوف ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی قلبی کیفیت اور روحانی استعداد کی بنا پر جسے چاہتے ہیں، اپنی نبوت کے لئے منتخب فرماتے ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو بنایا تو ان کے قلوب میں جھانک کر دیکھا، ان میں جن کے قلوب سب سے زیادہ روشن تھے، انہیں اپنی نبوت کے لئے منتخب فرمایا (تفسیر بغوی ۲:۶۲) غرض کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے خوب واقف ہیں کہ کسے نبی بنانا چاہئے؟ (آسان تفسیر از مولانا خالد سیف اللہ صاحب)

پھر آخر آیت میں ان متکبر سرداروں کے سامنے ان کا انجام رکھا ہے کہ ایسے گستاخ، متکبر، حیلہ جو مکاروں کو آگاہ رہنا چاہئے کہ عنقریب اس معزز منصب کی طلب کا جواب ان کو سخت ذلت اور عذاب شدید کی صورت میں دیا جائے گا (فوائد)

﴿وَ إِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور جب ان کو کوئی نشانی پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ ہم دیئے جائیں اس جیسا جو دیئے گئے ہیں اللہ کے رسول ۔۔۔ یعنی ہمیں بھی نبوت سے سرفراز کیا جائے ۔۔۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جہاں وہ اپنا پیغام رکھتے ہیں! ۔۔۔ عنقریب اللہ کے یہاں وہ لوگ رسوا ہونگے جنھوں نے گناہ کیا ۔۔۔ یعنی حیلہ بازیوں سے عوام کو راہِ حق سے روکا ۔۔۔ اور ان کو سخت سزا ملے گی ان حیلہ بازیوں کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے!

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

فَمَنْ	پس جو شخص	حَرَجًا (۲)	نہایت تنگ	مُسْتَقِيمًا	سیدھا
يُّرِدِ	چاہتے ہیں	كَاَنَّمَا	گویا	قَدْ فَصَّلْنَا	تحقیق واضح کردی ہم نے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	يَصَّعَّدُ (۳)	وہ بہ مشقت چڑھتا ہے	الْاٰيٰتِ	دینی باتیں
اَنْ يَّهْدِيَهٗ (۱)	کہ راہ دکھائیں اس کو	فِي السَّمَآءِ (۴)	اونچائی پر	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
يَشْرَحْ	کھول دیتے ہیں	كَذٰلِكَ	اسی طرح	يَّذَّكَّرُوْنَ	جو نصیحت قبول کرتے ہیں
صَدْرَهٗ	اس کے سینہ کو	يَجْعَلُ	کرتے ہیں	لَهُمْ	ان کے لئے
لِلْاِسْلَامِ	اسلام کے لئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	دَارُ	گھر ہے
وَمَنْ	اور جو شخص	الرِّجْسَ	گندگی	السَّلٰمِ	سکھ چین کا
يُّرِدْ	چاہتے ہیں	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر جو	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے پروردگار کے پاس
اَنْ يُّضِلَّهٗ	کہ گمراہ کریں اس کو	لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں لاتے	وَهُوَ	اور وہ
يَجْعَلْ	کردیتے ہیں	وَهٰذَا	اور یہ	وَلِيُّهُمْ	ان کے کارساز ہیں
صَدْرَهٗ	اس کے سینہ کو	صِرَاطُ	راستہ ہے	بِمَا	ان کاموں کی وجہ سے جو
ضَيِّقًا	تنگ	رَبِّكَ	آپ کے پروردگار کا	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے

ایمان اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، اگر وہ نہ دیں تو متکبر سردار کیوں کر ایمان لائیں؟

فرمایا تھا کہ متکبر سردار مکاریاں کرتے ہیں، خود بھی ایمان نہیں لاتے اور عوام کو بھی حیلہ سازیاں کرکے ایمان سے روکتے ہیں، اب فرماتے ہیں کہ ایمان اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، اگر وہ نہ دیں تو تابع اور متبوع کیوں کر ایمان لائیں؟

اور اللہ تعالیٰ ایمان اس کو دیتے ہیں جس کی عقل اس کی طرف چلتی ہے، اس کے سینہ کو قبولِ اسلام کے لئے کشادہ کردیتے ہیں، اور جو اپنی بات پر اڑا رہتا ہے وہ حیلہ نکال لیتا ہے، زلزلہ آتا ہے یا سنامی طوفان آتا ہے تو کہتا ہے: ''زمین کی

(۱) أن: مصدریہ فعل کو بہ تاویلِ مصدر کرے گا (۲) حرجًا: ضیقا کے معنی میں اضافہ کرتا ہے، اس کے معنی بھی ہیں: تنگی، مضائقہ، (۳) يَصَّعَّد: اصل میں يَتَصَعَّد تھا، تَصَعُّد (تفعل): بہ مشقت چڑھنا (۴) كل ما علاك فهو سماء: ہر بلندی کو سماء کہتے ہیں۔

پلیٹیں ہل گئیں!" اس کو اللہ کی تنبیہ نہیں قرار دیتا۔

اس شخص کا حال ایسا سمجھو کہ ایک پچاس منزلہ بلڈنگ ہے، ایک شخص اس کی آخری منزل پر رہتا ہے، بجلی فیل ہوگئی، لفٹ بند ہوگئی، وہ سیڑھی سے چڑھتا ہے، اپنی منزل تک پہنچتے پہنچتے اس کا برا حال ہوجاتا ہے، اسی طرح گہرائی میں اترتے ہوئے بھی گھٹن محسوس ہوتی ہے۔

یوں اللہ تعالیٰ شرک وکفر کی گندگی ان لوگوں پر ڈالتے ہیں جو ایمان لانے کا ارادہ نہیں رکھتے، ایسے لوگوں پر اللہ کی کوئی نشانی اثر انداز نہیں ہوتی، اور ان کو ایمان لاتے ہوئے موت آتی ہے!

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲۵﴾

ترجمہ: پس جس کو اللہ تعالیٰ راہِ راست دکھانا چاہتے ہیں، اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں، اور جس کو وہ گمراہ کرنا چاہتے ہیں: اس کا سینہ تنگ بلکہ نہایت تنگ کردیتے ہیں، گویا وہ بہ مشقت بلندی پر چڑھ رہا ہے، یوں اللہ تعالیٰ گندگی ڈالتے ہیں ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تعالیٰ نے راہِ حق کے نشانات واضح کردیئے ہیں

اب ایک آیت میں سرداروں کو چھوڑ کر عوام سے خطاب ہے کہ سرداروں پر تو اللہ نے 'گندگی' ڈالی ہے، وہ تو ایمان نہیں لائیں گے، مگر تم لوگ ان کے چکر میں کیوں پڑتے ہو؟ قرآنِ کریم نے راہِ ہدایت کے نقوش بالکل واضح کردیئے ہیں، جو لوگ نصیحت حاصل کرنا چاہیں اور ایمان لانا چاہیں ان کے لئے کوئی ابہام نہیں۔

﴿وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۲۶﴾

ترجمہ: اور یہ —— جو قرآنِ کریم پیش کررہا ہے —— آپ کے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے، ہم نے دین کی باتیں خوب واضح کردی ہیں ان لوگوں کے لئے جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔

اولیاء الرحمٰن کے لئے آخرت میں سکھ چین کا گھر ہوگا، اور اللہ تعالیٰ ان کا ہاتھ پکڑیں گے

جو اسلام قبول کرے گا اور فرماں برداری کے راستہ پر چلے گا، وہی سلامتی کے گھر (جنت میں) پہنچے گا، اور اللہ تعالیٰ اس کے مددگار ہونگے، یہی اولیاء الرحمٰن ہیں، آگے اولیاء الشیطان کا حال بیان کیا جائے گا (فوائد)

﴿لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۷﴾

ترجمہ: ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس سکھ چین کا گھر (جنت) ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کے کارساز ہیں ان کاموں کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ ۖ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُمْ مِنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٢٨﴾ وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٢٩﴾

وَيَوْمَ	اور (یاد کرو) جس دن	بَعْضُنَا	ہمارے بعض نے	إِلَّا مَا	مگر جو
يَحْشُرُهُمْ	جمع کریں گے وہ ان	بِبَعْضٍ	بعض سے	شَاءَ اللَّهُ	چاہیں اللہ تعالیٰ
جَمِيعًا	سب کو	وَبَلَغْنَا	اور پہنچے ہم	إِنَّ رَبَّكَ	بے شک آپ کے رب
يَا مَعْشَرَ	اے جماعت	أَجَلَنَا	ہماری اس مدت کو	حَكِيمٌ	بڑی حکمت والے
الْجِنِّ	جنات کی!	الَّذِي	جو	عَلِيمٌ	خوب جاننے والے ہیں
قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ	تحقیق بہت زیادہ تابع	أَجَّلْتَ	مقرر کی تھی آپ نے	وَكَذَٰلِكَ	اور اسی طرح
	کرلیا تم نے	لَنَا	ہمارے لئے	نُوَلِّي (۱)	ملائیں گے ہم
مِنَ الْإِنْسِ	انسانوں میں سے	قَالَ	فرمایا	بَعْضَ	بعض
وَقَالَ	اور کہا	النَّارُ	دوزخ	الظَّالِمِينَ	حق تلفی کرنے والوں کو
أَوْلِيَاؤُهُمْ	ان کے دوستوں نے	مَثْوَاكُمْ	تمہارا ٹھکانہ ہے	بَعْضًا	بعض کے ساتھ
مِنَ الْإِنْسِ	انسانوں میں سے	خَالِدِينَ	درانحالیکہ ہمیشہ رہنے	بِمَا	ان اعمال کی وجہ سے جو
رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!		والے ہو تم	كَانُوا يَكْسِبُونَ	وہ کمایا کرتے تھے
اسْتَمْتَعَ	فائدہ اٹھایا	فِيهَا	اس میں	❁	❁

(۱) وَلِيَهُ يَلِيهِ وَلْيًا: قریب ہونا، ملا ہوا ہونا، وَلِيَ الشيئَ: ایک کا دوسرے سے جدا ہونا، انسانوں کی دوزخ اور جنات کی دوزخ الگ الگ ہونگی، مگر ساتھ ساتھ ہونگی، اسی طرح دونوں کی جنتیں بھی الگ الگ اور ساتھ ساتھ ہونگی، یہ مضمون سورۃ الرحمٰن میں آیا ہے۔

اولیاء الشیطان (جنات اور انسانوں) کا اعتراف جرم اور ان کا بھیانک انجام

زمین میں جنات اور انسان ایک ساتھ بسے ہوئے ہیں، اس لئے میدانِ حشر میں بھی دونوں کو ایک ساتھ جمع کیا جائے گا۔ دونوں وہاں اپنے اپنے جرم کا اعتراف کریں گے، اور دونوں کو سزا دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ شیاطین سے فرمائیں گے: تم نے بہت زیادہ انسانوں کو گمراہ کرلیا! —— وہ خاموش رہیں گے، اور ان کی خاموشی جرم کا اعتراف ہوگی، اور اس کا قرینہ ان کے دوستوں کی اگلی بات ہے۔

اور وہ انسان جن کو شیاطین نے گمراہ کیا ہے: کہیں گے —— حالانکہ ان سے پوچھا نہیں گیا، خواہ مخواہ شیاطین کی طرف سے جواب دیں گے —— اے ہمارے پروردگار! ہمارے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا! —— یعنی ہم نے جو مورتیوں کو پوجا تو وہ شیاطین کے ورغلانے سے پوجا تھا، اس سے ان کو خوشی ہوئی، یہ ان کو فائدہ پہنچا، اور ہم بیابانوں میں ان کی پناہ لیتے تھے، وہ ہماری حفاظت کرتے تھے، یہ ہم نے ان سے فائدہ اٹھایا —— اور ہم دونوں کا یہ حال موت تک برقرار رہا، یہاں تک کہ ہم دونوں اس مدت تک (موت تک) پہنچ گئے جو آپ نے ہمارے لئے مقرر کی تھی —— اولیاء الشیطان کا یہ اعتراف جنات کی طرف سے جواب بھی ہوگا۔

پس حکم عالی صادر ہوگا: تمہارا دونوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے، تمہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے!

پھر قدرتِ خداوندی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، وہ تم کو جہنم سے چھٹی دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں، مگر چھٹی ملے گی نہیں!! اس لئے کہ وہ بڑی حکمت والے ہیں، وہ خوب جانتے بھی ہیں، وہ جانتے ہیں کہ تم موت تک کفر و شرک پر رہے، اور کفر و شرک مستمر حقیقتیں ہیں، پس ان کی حکمت کا تقاضہ ہے کہ اس کی سزا بھی مستمر ہو۔

پھر جنات کو ان کی دوزخ میں ڈالا جائے گا، اور انسانوں کو ان کی دوزخ میں بھیجا جائے گا، دونوں کی دوزخیں الگ الگ ہیں، مگر ساتھ ساتھ ہیں۔ اس دنیا میں تو دونوں ساتھ بسے ہوئے ہیں، مگر آخرت میں الگ الگ کر دیئے جائیں گے، جیسے اس دنیا میں نیکوکار اور بدکار ساتھ بسے ہوئے ہیں، مگر آخرت میں وہ الگ کر دیئے جائیں گے، میدانِ حشر میں اعلان ہوگا: ﴿ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴾: اے بدکارو! آج نیکوکاروں سے جدا ہو جاؤ (یٰس)

اسی طرح نیکوکار مؤمنین: جنات اور انسانوں کی جنتیں بھی الگ الگ ہونگی، مگر ساتھ ساتھ ہونگی، سابقین کے لئے بھی دو جنتیں ہونگی، ایک جنات کے لئے، دوسری انسانوں کے لئے، اسی طرح اصحاب الیمین کے لئے بھی، اور یہ مضمون سورۃ الرحمٰن کے آخری رکوع میں ہے۔

فائدہ: جنات کی دوزخ میں بھی آگ ہے، اور یہ سوال کہ جنات ناری مخلوق ہیں، پس آگ سے ان کو کیسے تکلیف

پہنچے گی؟ —— اس کا جواب یہ ہے کہ جنات صرف آگ سے پیدا نہیں کئے گئے، عناصر اربعہ سے پیدا کئے گئے ہیں، اس لئے آگ ان کے آمیزہ (خمیر) میں ضعیف ہے، اور ضعیف آگ کو قوی آگ سے تکلیف پہنچتی ہے، حدیث میں ہے: جہنم نے شکوہ کیا: **أکلَ بعضی بعضا**: میرا بعض بعض کو کھا گیا! پس جہنم کو دو سانس لینے کی اجازت دی گئی، تا کہ تیز آگ کی شدت کچھ کم ہو، پس جنات بھی دوزخ میں جلیں گے!

آیتِ کریمہ: اور وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے: جب اللہ تعالیٰ ان سب کو —— جنات اور انسانوں کو —— ایک ساتھ —— میدانِ حشر میں —— جمع کریں گے —— پھر فرمائیں گے: —— اے جنات کی جماعت! بالیقین تم نے بہت زیادہ لے لیا انسانوں سے —— یعنی بہت سے انسانوں کو گمراہ کر کے اپنے تابع کر لیا —— اور ان کے انسان دوستوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمارے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا، اور ہم اس مدت کو پہنچ گئے جو آپ نے ہمارے لئے مقرر کی تھی! —— (اللہ تعالیٰ) فرمائیں گے: دوزخ تمہارا ٹھکانہ ہے، درانحالیکہ تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو!

(قدرتِ کاملہ کا بیان:) ہاں اگر اللہ ہی کو (نکالنا) منظور ہو (تو دوسری بات ہے!) بے شک آپ کے پروردگار بڑی حکمت والے خوب جاننے والے ہیں!

اور اس طرح ہم بعض ظالموں کو (اللہ کی حق تلفی کرنے والوں کو) بعض کے ساتھ ملائیں گے ان کاموں کی وجہ سے جو وہ کمایا کرتے تھے!

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

يٰمَعْشَرَ	اے جماعت	مِّنْكُمْ	تم ہی میں سے	يَوْمِكُمْ هٰذَا	تمہارے اس دن کی		
الْجِنِّ وَالْاِنْسِ	جن وانس کی	يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ (۱)	جو بیان کرتے تھے تم پر	قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے		
اَلَمْ يَاْتِكُمْ	کیا نہیں پہنچے تمہارے پاس	اٰيٰتِيْ	میری باتیں	شَهِدْنَا (۲)	گواہی دیتے ہیں ہم		
		وَيُنْذِرُوْنَكُمْ	اور ڈراتے تھے تم کو	عَلٰٓي اَنْفُسِنَا	اپنے خلاف		
رُسُلٌ	رسول	لِقَآءَ	ملاقات سے	وَغَرَّتْهُمُ	اور دھوکہ دیا ان کو		

(۱) جملہ یقصون: رسل کی صفتِ ثانیہ ہے (۲) شہادت کے مفہوم میں قسم کا مفہوم بھی ہوتا ہے۔

وَشَهِدُوْا	اور گواہی دی انھوں نے	اَنَّهُمْ	کہ وہ	كٰفِرِيْنَ	منکر اسلام
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا	دنیوی زندگانی نے	عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	اپنے خلاف	كَانُوْا	تھے وہ

قیامت کے دن جن ّوانس قسم کھا کر اپنے کفر کا اقرار کریں گے

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جن ّوانس کے مجموعہ سے سوال کریں گے: ''کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے ایسے رسول نہیں پہنچے جنھوں نے تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سنائیں، اور قیامت کے دن سے ڈرایا؟ —— جن ّوانس قسمیں کھا کر اقرار کریں گے کہ ان کے پاس رسول پہنچے تھے، مگر ان کو دنیا کی لذات وشہوات نے آخرت سے غافل کر دیا، اور وہ قسمیں کھا کر اقرار کریں گے کہ انھوں نے رسولوں کی بات نہیں مانی —— جب وہ اپنے منہ سے اپنے کفر کا اقرار کرلیں گے تب ان کو جہنم کی ابدی سزا سنائی جائے گی۔

کیا جنات میں ان میں سے رسول مبعوث فرمائے گئے؟

یہ آیتِ کریمہ اس مسئلہ میں فیصلہ کن نہیں، اس میں مکلفین کے مجموعہ سے سوال ہوگا، پس یہ خطاب ایسا ہے جیسے تمام انسانوں سے کہیں: ''لوگو! کیا تم ہی میں سے اللہ تعالیٰ نے آخری نبی کو مبعوث نہیں فرمایا؟'' پس یہ آیت تو فیصلہ کن نہیں، البتہ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب سے انسان وجود میں آئے ہیں، اور ان میں نبوت ورسالت کا سلسلہ شروع ہوا ہے: جنات کو انسانوں کے تابع کر دیا گیا ہے، اس لئے کہ وہ لطیف مخلوق ہیں، اور لطیف کثیف کو دیکھتا ہے، اس لئے وہ انسانوں سے استفادہ کر سکتے ہیں، جیسے عورتوں کو نبوت ورسالت سے سرفراز نہیں کیا گیا، ان کو مردوں کے تابع کیا گیا ہے۔

مگر جنات کا وجود انسانوں سے پہلے ہے، اور وہ مکلّف ہیں، پس ممکن ہے ان میں انسانوں کے پیدا ہونے سے پہلے انبیاؤرسل مبعوث ہوئے ہوں۔ واللہ اعلم

آیتِ کریمہ: اے جماعتِ جن ّوانس! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے ایسے رسول نہیں پہنچے جو تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سناتے تھے، اور تمہیں تمہارے اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ —— وہ جواب دیں گے: ہم اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں، اور ان کو دنیوی زندگانی نے دھوکہ میں ڈالے رکھا، اور انھوں نے اپنے خلاف گواہی دی کہ وہ منکر اسلام تھے!

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ

قَوۡمٍ اٰخَرِيۡنَ ؕ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوۡعَدُوۡنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلۡ يٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّىۡ عَامِلٌ ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ تَكُوۡنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾

ذٰلِكَ	وہ بات	يَعۡمَلُوۡنَ	وہ کرتے ہیں	لَاٰتٍ	ضرور آنے والا ہے
اَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ	بایں وجہ ہے کہ نہیں ہیں	وَرَبُّكَ	اور آپ کا رب	وَّمَاۤ اَنۡتُمۡ	اور نہیں ہو تم
رَّبُّكَ	آپ کے پروردگار	الۡغَنِىُّ	بے نیاز	بِمُعۡجِزِيۡنَ	عاجز کرنے والے
مُهۡلِكَ	ہلاک کرنے والے	ذُو الرَّحۡمَةِ	رحمت والا ہے	قُلۡ يٰقَوۡمِ	کہو اے میری قوم!
الۡقُرٰى	بستیوں کو	اِنۡ يَّشَاۡ	اگر چاہیں وہ	اعۡمَلُوۡا	کام کرو
بِظُلۡمٍ	ظلم (شرک) کی وجہ سے	يُذۡهِبۡكُمۡ	لے جائیں تم کو	عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ	اپنی جگہ
وَّاَهۡلُهَا	درانحالیکہ اس کے باشندے	وَيَسۡتَخۡلِفۡ	اور قائم مقام بنا دیں	اِنِّىۡ عَامِلٌ	بیشک میں کام کر رہا ہوں
غٰفِلُوۡنَ	بے خبر ہوں	مِنۡۢ بَعۡدِكُمۡ	تمہارے بعد	فَسَوۡفَ	پس عنقریب
وَلِكُلٍّ	اور ہر ایک کے لئے	مَّا يَشَآءُ	جس کو چاہیں	تَعۡلَمُوۡنَ	جان لوگے تم
دَرَجٰتٌ	مراتب ہیں	كَمَاۤ اَنۡشَاَكُمۡ	جیسا کہ پیدا کیا انھوں	مَنۡ تَكُوۡنُ	کون ہوگا
مِّمَّا	اس میں سے جو		نے تم کو	لَهٗ	اس کے لئے
عَمِلُوۡا	کیا انھوں نے	مِّنۡ ذُرِّيَّةِ	اولاد سے	عَاقِبَةُ الدَّارِ	دنیا کا اچھا انجام
وَمَا رَبُّكَ	اور نہیں آپ کے رب	قَوۡمٍ اٰخَرِيۡنَ	دوسرے لوگوں کی	اِنَّهٗ	بے شک شان یہ ہے
بِغَافِلٍ	بے خبر	اِنَّ مَا	بے شک جو	لَا يُفۡلِحُ	نہیں کامیاب ہونگے
عَمَّا	ان کاموں سے جو	تُوۡعَدُوۡنَ	وعدہ کئے جاتے ہو تم	الظّٰلِمُوۡنَ	ظالم (مشرک) لوگ

اللہ تعالیٰ خبردار کر کے ہی سزا دیتے ہیں

میدانِ حشر میں جب جنّ وانس قسم کھا کر اپنے کفر کا اقرار کریں گے تبھی ان کو سزا سنائی جائے گی، یہ بات اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی کفار کی بستیوں کو ان کے شرک کی وجہ سے اس وقت ہلاک کرتے ہیں جب پہلے ان کو نبی یا نذیر کے ذریعہ نتائج اعمال سے خبردار کر دیا جاتا ہے، بے خبر لوگوں کی بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے، پس آخرت میں جہنم کی سزا

بے خبر لوگوں کو بدرجۂ اولیٰ نہیں دیں گے، ہاں جب وہ قسم کھا کر اپنے کفر کا اعتراف کریں گے تبھی ان کو سزا سنائی جائے گی۔

﴿ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴾

ترجمہ: وہ بات ــــ یعنی شرک وکفر کا اقرار کرانا ــــ بایں وجہ ہے کہ آپؐ کے پروردگار بستیوں کو ظلم (شرک) کی وجہ سے ہلاک کرنے والے نہیں درانحالیکہ اس کے باشندے (نتائج اعمال سے) بے خبر ہوں۔

جیسا گناہ ویسی سزا

دنیا میں اور آخرت میں جب اللہ تعالیٰ مجرموں کو سزا دیتے ہیں تو سب کو ایک لاٹھی سے نہیں ہانکتے، بلکہ جیسا گناہ ہوتا ہے ویسی سزا دیتے ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، چنانچہ دنیا میں زنا اور ناپ تول میں کمی کی سزا اور ہے اور انبیاء کی مخالفت کی سزا اور ہے، اور آخرت میں کفر کے ساتھ گناہ کی اور ایمان کے ساتھ گناہ کی سزا مختلف ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کے احوال سے باخبر ہیں، وہ جیسا گناہ ہوتا ہے ویسی سزا دیتے ہیں ــــ اور یہی فیصلہ نیکیوں کے ثواب کے لئے بھی ہے۔

﴿ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور ہر ایک کے لئے مراتب ہیں ان کاموں کی وجہ سے جو انھوں نے کئے ہیں، اور آپ کے رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو وہ کرتے ہیں!

وارننگ: قریش اسلام قبول نہیں کریں گے تو دوسری قوم ان کی جگہ لے لیگی

یہ سورت مکی دور کے درمیان میں نازل ہوئی ہے، اس وقت اسلام کی مخالفت زوروں پر تھی، اس وقت قریش کو وارننگ دیتے ہیں کہ اگر وہ دعوتِ اسلام قبول نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ کو کسی کی پرواہ نہیں، وہ قریش کے محتاج نہیں، البتہ وہ بندوں پر مہربان ہیں، وہ جو دین نازل کررہے ہیں وہ پھیل کر رہے گا، اللہ کی مہربانی سے انسانیت محروم نہیں رہے گی، اگر قریش اس کی خدمت کے لئے کھڑے نہیں ہونگے تو اللہ تعالیٰ ان کی جگہ دوسروں کو کھڑا کردیں گے، وہ اسلام کو پھیلائیں گے، بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ ان کی جگہ انصار نے لے لی، ان کی محنت سے بیل منڈھے چڑھی!

اور اس کو ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ جیسے آباء کی جگہ ابناء لیتے ہیں اور دنیا آباد رہتی ہے، اسی طرح قریش کی جگہ اور لوگ لے لیں گے، پس قریش سوچیں کہ نقصان کس کا ہوگا، اور فائدہ میں کون رہے گا؟

﴿ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴾

ترجمہ: اور آپ کے پروردگار بے نیاز مہربان ہیں، اگر چاہیں تو تم کو ہٹادیں، اور تمہارے بعد جس کو چاہیں تمہارا قائم مقام بنادیں ـــــ جس طرح تم کو دوسرے لوگوں کی اولاد سے پیدا کیا ہے!

قریش سے جو عذاب کا وعدہ ہے وہ پہنچ کر رہے گا!

اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر قریش سے جو عذاب کا وعدہ ہے وہ پورا ہو کر رہے گا، ذرا انتظار کرو، جب دوسری قوم اشاعتِ اسلام کی ذمہ داری قبول کرلے گی تو اللہ تعالیٰ قریش کا بھرتا بنادیں گے، چنانچہ ہجرت کے دوسرے سال بدر کے میدان میں اللہ تعالیٰ نے رؤسائے مکہ کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا!

﴿اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: بے شک جس بات کا تم وعدہ کئے جاتے ہو وہ پہنچ کر رہے گی، اور تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں!

فریقین اپنے اپنے کام میں لگیں، اور عواقب کا انتظار کریں

جب صورتِ حال یہ ہے تو فریقین اپنے اپنے کام میں لگیں، قریش مخالفت کرتے رہیں اور اللہ کے رسول اسلام کی اشاعت کی محنت جاری رکھیں، اور دیکھیں: اچھا انجام کس کا ہوتا ہے؟ ظالم (مشرک) کبھی بامراد نہیں ہونگے!

﴿قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: کہو: اے میری قوم! اپنی جگہ کام کرتے رہو، میں بھی اپنا کام کر رہا ہوں، بہت جلد تم جان لوگے کہ دنیا کا اچھا انجام کس کے لئے ہے؟ (اور پیشین گوئی سن لو:) بے شک ظالم (مشرک) کامیابی سے ہم کنار نہیں ہونگے!

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ

وَاَنۡعَامٌ حُرِّمَتۡ ظُهُوۡرُهَا وَاَنۡعَامٌ لَّا يَذۡكُرُوۡنَ اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا افۡتِرَآءً عَلَيۡهِ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوۡا مَا فِىۡ بُطُوۡنِ هٰذِهِ الۡاَنۡعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوۡرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزۡوَاجِنَا ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مَّيۡتَةً فَهُمۡ فِيۡهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ وَصۡفَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ قَتَلُوۡۤا اَوۡلَادَهُمۡ سَفَهًۢا بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّحَرَّمُوۡا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افۡتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدۡ ضَلُّوۡا وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾

ع ۱۷

وَجَعَلُوۡا	اور بنایا انھوں نے	لِشُرَكَآئِهِمۡ	ان کے شریکوں کے لئے	قَتۡلَ[1]	مار ڈالنے کو
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	فَلَا يَصِلُ	تو وہ نہیں پہنچتا	اَوۡلَادِهِمۡ	اپنی اولاد کو
مِمَّا	اس میں سے جو	اِلَى اللّٰهِ	اللہ تک	شُرَكَآؤُهُمۡ[2]	ان کے شرکاء نے
ذَرَاَ	پیدا کیا اللہ نے	وَمَا كَانَ	اور جو تھا	لِيُرۡدُوۡهُمۡ[3]	تا کہ ہلاک کریں وہ ان کو
مِنَ الۡحَرۡثِ	کھیتی سے	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	وَلِيَلۡبِسُوۡا[4]	اور تا کہ مشتبہ کریں وہ
وَالۡاَنۡعَامِ	اور مویشی سے	فَهُوَ	تو وہ	عَلَيۡهِمۡ	ان پر
نَصِيۡبًا	ایک حصہ	يَصِلُ	پہنچتا ہے	دِيۡنَهُمۡ	ان کا دین
فَقَالُوۡا	پس کہا انھوں نے	اِلٰى شُرَكَآئِهِمۡ	ان کے شریکوں تک	وَلَوۡ شَآءَ	اور اگر چاہتا
هٰذَا	یہ	سَآءَ	برا ہے جو	اللّٰهُ	اللہ
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے	مَا يَحۡكُمُوۡنَ	فیصلہ کرتے ہیں وہ	مَا فَعَلُوۡهُ	(تو) نہ کرتے وہ یہ کام
بِزَعۡمِهِمۡ	ان کے خیال میں	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح	فَذَرۡهُمۡ	پس چھوڑیں آپ ان کو
وَهٰذَا	اور یہ	زَيَّنَ	مزین کیا	وَمَا يَفۡتَرُوۡنَ	اور اس کو جو گھڑتے ہیں وہ
لِشُرَكَآئِنَا	ہمارے شریکوں کیلئے ہے	لِكَثِيۡرٍ	بہت سوں کے لئے	وَقَالُوۡا	اور کہا انھوں نے
فَمَا كَانَ	پس جو تھا	مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ	مشرکین میں سے	هٰذِهٖۤ اَنۡعَامٌ	یہ مویشی

(۱) قتلَ: زین کا مفعول مقدم ہے (۲) شرکاؤُھم: زین کا فاعل مؤخر ہے، اور مؤخر اس لئے ہے کہ آگے ضمیریں سہولت سے لوٹیں (۳) إرداء (افعال): ہلاک کرنا، مادہ رَدی ہے (یہ ناقص یائی ہے، مہموز اللام نہیں) (۴) لَبَسَ (ض) لَبۡسًا: خلط ملط کرنا، مشتبہ کرنا۔

وَحَرْثٌ	اور کھیتی	كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ	وہ گھڑا کرتے تھے	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں
حِجْرٌ (۱)	ممنوع ہیں	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	قَدْ خَسِرَ	تحقیق گھاٹے میں پڑے
لَا يَطْعَمُهَا	نہیں کھاتے اس کو	مَا	جو	الَّذِيْنَ	جنھوں نے
إِلَّا مَنْ نَّشَاءُ	مگر وہ جسے چاہیں ہم	فِيْ بُطُوْنِ	پیٹوں میں ہے	قَتَلُوْا	مار ڈالا
بِزَعْمِهِمْ	ان کے خیال میں	هٰذِهِ الْأَنْعَامِ	ان مواشی کے	أَوْلَادَهُمْ	اپنی اولاد کو
وَأَنْعَامٌ	اور (دوسرے) مویشی	خَالِصَةٌ	خاص ہے	سَفَهًا	بے وقوفی سے
حُرِّمَتْ	حرام کی گئی ہیں	لِذُكُوْرِنَا	ہمارے مردوں کے لئے	بِغَيْرِ عِلْمٍ	جہالت سے
ظُهُوْرُهَا	ان کی پیٹھیں	وَمُحَرَّمٌ	اور حرام ہے	وَحَرَّمُوْا	اور حرام ٹھہرایا انھوں نے
وَأَنْعَامٌ	اور (تیسرے) مویشی	عَلٰى أَزْوَاجِنَا	ہماری عورتوں پر	مَا رَزَقَهُمُ	اس کو جو روزی دی ان کو
لَا يَذْكُرُوْنَ	نہیں لیتے وہ	وَإِنْ يَّكُنْ	اور اگر ہو وہ	اللّٰهُ	اللہ نے
اسْمَ اللّٰهِ	اللہ کا نام	مَّيْتَةً	مردار	افْتِرَاءً	بہتان باندھتے ہوئے
عَلَيْهَا	ان (مویشی) پر	فَهُمْ فِيْهِ (۲)	تو وہ اس (مردار) میں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
افْتِرَاءً	بہتان باندھتے ہوئے	شُرَكَاءُ	ساجھی ہیں	قَدْ	بالیقین
عَلَيْهِ	اللہ پر	سَيَجْزِيْهِمْ	عنقریب بدلہ دیں گے ان کو	ضَلُّوْا	گمراہ ہوئے وہ
سَيَجْزِيْهِمْ	عنقریب بدلہ دیں گے ان کو	وَصْفَهُمْ	ان کے بیان کا	وَمَا	اور نہیں تھے وہ
بِمَا	اس کا جو	إِنَّهٗ حَكِيْمٌ	بیشک وہ بڑی حکمت والے	كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ	راہ پانے والے

مشرکوں کی بے بنیاد رسمیں

گذشتہ آیت کا آخر تھا: ﴿إِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾: بالیقین ظالم کامیاب نہیں ہوتے! —— ظالم کون ہیں؟ بڑے ظالم اللہ کی حق تلفی کرنے والے ہیں، مشرکین طرح طرح سے اللہ کی حق تلفی کرتے تھے، الوہیت میں مورتیوں کو شریک کرتے تھے، اور بھی وہ کام کرتے تھے جو شرعاً ممنوع ہیں، ان میں وہ شیاطین کی پیروی کرتے تھے، اس لئے یہ بھی شرک کی ایک نوعیت ہے، اب اللہ پاک ان کی چند بے بنیاد رسموں کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

(۱) حِجر کے اصل معنی ہیں: عقل، پھر اس کے معنی ہوئے: پتھروں سے گھیری ہوئی جگہ، پھر معنی ہوئے روک اور منع (۲) المیتة کی تانیث مجازی ہے اس لئے مذکر ضمیر لوٹائی ہے (جمل)

۱-مشرکین نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی کے حصے بخرے کئے

آیت کا پس منظر: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اہل مکہ زمینی پیداوار اور چوپایوں کا کچھ حصہ اللہ کے نام پر رکھتے تھے اور اسے فقراء ومساکین اور مہمانوں کی مد میں خرچ کیا کرتے تھے، اور کچھ حصہ اپنے معبودانِ باطل کے لئے رکھتے تھے اور ان کو اپنے مندروں کے پجاریوں وغیرہ کو دیتے تھے، اگر باطل معبودوں والا حصہ ختم ہوجاتا تو اللہ تعالیٰ کے لئے متعین کئے ہوئے حصہ میں سے اس مد پر خرچ کرنے لگتے اور اگر مہمانوں اور فقراء وغیرہ کے مد کا غلہ ختم ہوجاتا تو دوسرے مد سے اس میں پیسے خرچ نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تو غنی ہے اور ہمارے دیوی دیوتا محتاج وضرورت مند ہیں (مفاتیح الغیب ۶:۵۹۲ بحوالہ آسان تفسیر از مولانا خالد سیف اللہ صاحب)

قرآنِ کریم ان پر رد کرتا ہے کہ کھیتی اور مویشی اللہ نے پیدا کئے ہیں، ان میں دوسروں کا حصہ کہاں سے آگیا؟ سارا ہی اللہ کا ہے، انھوں نے اپنے خیال کے مطابق اس کے جو حصے بخرے کئے: یہی غلط ہے، پھر اللہ والے حصہ میں سے بتوں والے حصہ میں لے لیتے تھے، اور بتوں والے حصہ میں سے اللہ کے حصہ میں نہیں لیتے تھے: یہ ستم بالائے ستم ہے! یہ کیا ہی بدترین انصاف ہے!

﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ ﴾

ترجمہ: اور مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے لئے حصہ گردانا اس کھیتی اور مویشی میں سے جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے: چنانچہ انھوں نے کہا: یہ اللہ کے لئے ہے —— ان کے خیال کے مطابق (ورنہ سب کا سب اللہ کا ہے) —— اور یہ ہمارے بتوں کے لئے ہے، پھر جو ان کی مورتیوں کے لئے ہے وہ اللہ تک نہیں پہنچتا، اور جو حصہ اللہ کے لئے ہے وہ ان کی مورتیوں تک پہنچتا ہے، برا ہے جو فیصلہ وہ کرتے ہیں!

۲-عربوں نے اولاد کی قربانی کو ملت ابراہیمی کا جزء بنادیا تھا

عربوں کا دعوی تھا کہ وہ ملتِ ابراہیمی پر ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوگئے تھے، یہ ان کا ایک امتحان تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے قربانی دینے نہیں دی، اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں مینڈھا بھیج دیا، مگر شیطان نے عربوں کو پٹی پڑھائی، اور انھوں نے اولاد کی قربانی کو دین ابراہیمی کا جزء قرار دیدیا، چنانچہ

وہ مورتیوں کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنے بچوں کی قربانی دیا کرتے تھے، اولاد کو مورتیوں کی بھینٹ چڑھانے کا یہ جاہلانہ تصور دیگر اقوام میں بھی رہا ہے، ہندوستان میں بھی وقتاً فوقتاً استھانوں پر بچے اغوا کر کے ذبح کرنے کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اور حکومت اس پر کڑی نظر رکھتی ہے۔

قرآنِ کریم ان پر رد کرتا ہے کہ اولاد کی بھینٹ دینے کی رسم شیاطین نے عربوں کو تلقین کی ہے، وہ دو باتیں چاہتا ہے: ایک: عربوں کی نسل کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ دوم: وہ عربوں کے دین کا حلیہ بگاڑنا چاہتا ہے، چنانچہ وہ دونوں باتوں میں کامیاب ہوا۔

پھر آخر آیت میں قانون امہال کا ذکر ہے کہ یہ اللہ نے شیطان کو اور عربوں کو ڈھیل دے رکھی ہے، اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ یہ حرکت نہ کرتے، لہٰذا ان کی یہ افتراء پردازی کہ اولاد کی قربانی دین ابراہیمی کا حصہ ہے: اس کو ابھی رہنے دیں جب دین اسلام کا بول بالا ہوگا تو یہ رسم خود بخود ختم ہو جائے گی۔

﴿ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور اس طرح ـــــ یعنی پہلی رسم کی طرح ـــــ بہت سے مشرکین کے لئے اپنی اولاد کو قتل کرنا ان کے شریکوں (شیاطین) نے مزین کیا، تاکہ وہ ان کو ہلاک کریں، اور تاکہ وہ ان پر ان کا دین مشتبہ کریں ـــــ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ یہ حرکت نہ کرتے! ـــــ یعنی اللہ نے ان کو ڈھیل دے رکھی ہے اس لئے وہ یہ حرکت کر رہے ہیں ـــــ پس چھوڑیں ان کو اور ان کی افتراء پردازی کو!

۳- تین اور افتراء پردازیاں: جن کی سزا ان کو ضرور ملے گی

۱- عرب کچھ کھیتیاں اور کچھ مویشی معبودان باطل کے لئے چھوڑ دیتے تھے، اور ان کا استعمال ہر کسی کے لئے ممنوع قرار دیتے تھے، البتہ مندر کے مجاوروں کے لئے ان کا استعمال درست سمجھا جاتا تھا، گویا یہ وقف کی ایک صورت تھی۔

۲- بعض مویشی پر سواری کرنے کو یا ان سے انتفاع کو حرام کر دیتے تھے، جیسے ہندو سانڈ اور گائے بتوں کے نام کر دیتے ہیں، اور جاہل مسلمان بکرا مرغا کسی بزرگ کے نام کر دیتے ہیں، عرب اس طرح اونٹ اور اونٹنی کو چھوڑ دیتے تھے، پھر اس پر نہ سواری کرتے تھے اور نہ اس کا دودھ استعمال کرتے تھے۔

۳- عرب جس جانور کو مورتی کے سامنے یا استھان پر ذبح کرتے تھے اس پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے، مورتی کا نام لیتے تھے، جیسے ہندو جھٹکا کرتے وقت کہتے ہیں: ''لے کالی ماتا!'' ـــــ اور جاہل مسلمان تو اس بکرے مرغے کو اللہ کے نام پر

ذبح کرتے ہیں، پھر بھی اس کا کھانا حرام ہے، اس لئے کہ وہ غیر اللہ کے نامزد کیا گیا ہے۔

﴿وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں نے کہا: (۱) یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہیں، اس کو نہیں کھائیں گے مگر جن کو ہم چاہیں ـــــ یعنی مندر کے مجاور ـــــ ان کے اپنے خیال کے مطابق ـــــ جبکہ وہ کسی کے لئے بھی حلال نہیں، وہ ﴿مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ ہے ـــــ (۲) اور (دوسرے) مویشی ہیں جن کی پیٹھوں کو حرام کیا گیا ہے (۳) اور (تیسرے) مویشی ہیں، جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے، اللہ پر افتراء کرتے ہوئے ـــــ کہتے تھے کہ اللہ نے ہمیں اس جانور پر صرف مورتی کا نام لینے کا حکم دیا ہے ـــــ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو سزا دیں گے اس افتراء کی جو وہ کیا کرتے تھے!

۴- ذبیحہ کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلے تو مرد ہی کھائیں، اور مردہ نکلے تو عورتیں بھی کھائیں

عرب کھانے کے لئے اونٹنی ذبح کرتے تھے، کبھی وہ گابھن ہوتی تھی، جب پیٹ چیرتے تو کبھی بچہ زندہ نکلتا کبھی مردہ، ان کا عقیدہ تھا کہ اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو صرف مرد کھا سکتے ہیں، عورتیں نہیں کھا سکتیں، اور بچہ مردہ نکلے تو سب کھا سکتے ہیں، مرد بھی اور عورتیں بھی، یہ انھوں نے جو دونوں بچوں کے اوصاف بیان کئے ہیں اس کی سزا ان کو جلدی ہی ملے گی ـــــ مگر اللہ تعالیٰ حکیم وعلیم ہیں، ان کی حکمت کا تقاضہ ہے کہ گناہ کرتے ہی فوراً سزا نہ دی جائے، اور ان کے جرائم اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں، وقت آنے پر ان کو دیکھ لیں گے!

﴿وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: اور انھوں نے کہا: جو بچہ ان مویشی کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خاص ہے، اور ہماری عورتوں پر حرام ہے، اور اگر وہ مردار ہے تو وہ اس میں شریک ہیں، عنقریب بدلہ دیں گے ان کے بیان اوصاف کا، بے شک وہ حکیم وعلیم ہیں۔

۵- خلاصہ دو باتیں ہیں، اور دونوں تباہ کن ہیں

ایک: بے وقوفی اور جہالت سے اولاد کو مار ڈالنا، خواہ بھینٹ چڑھائے، عار کی وجہ سے لڑکی کو زندہ درگور کرے، تنگ دستی یا اس کے ڈر سے اولاد کو مار ڈالے یا زنا کے عار سے بچنے کے لئے بچہ کا گلا گھونٹ دے: سب صورتیں تباہ کن ہیں، جو

یہ حرکت کرتے ہیں وہ دارین میں گھاٹے میں ہیں۔

دوسری: اللہ نے جو روزی عنایت فرمائی ہے، خواہ کھیتی ہو یا مویشی، ان کو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہوئے حرام ٹھہرانا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام نہیں کیا، ان کو حرام ٹھہرانا اللہ پر بہتان باندھنا ہے، پس یہ حرکت بھی تباہ کن ہے، جو لوگ یہ حرکت کریں گے وہ گمراہ ہو جائیں گے، اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ پہلے ہی سے راہ یاب نہیں ہیں۔

﴿ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ﴾

ترجمہ: بالیقین گھاٹے میں رہے: (۱) جنھوں نے بے وقوفی اور جہالت سے اپنی اولاد کو مار ڈالا (۲) اور حرام ٹھہرایا اس کو جو اللہ نے بطور روزی ان کو دیا ہے، اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہوئے —— بالتحقیق گمراہ ہو گئے وہ، اور نہیں تھے وہ راہ یاب!

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖؗ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓ الذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓ الذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

وَهُوَ	اور وہ	الَّذِيْٓ	جنھوں نے	اَنْشَاَ	پیدا کیا

جَنّٰتٍ	باغات کو
مَّعْرُوْشٰتٍ	چھپر پر چڑھائے ہوئے
وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ	اور چھپر پر نہ چڑھائے ہوئے
وَّالنَّخْلَ	اور کھجور کے درختوں کو
وَالزَّرْعَ	اور کھیتی کو
مُخْتَلِفًا	طرح طرح کی ہے
اُكُلُهٗ	اس کی پیداوار
وَالزَّيْتُوْنَ	اور زیتون کو
وَالرُّمَّانَ	اور انار کو
مُتَشَابِهًا	ملتے جلتے پھلوں والے
وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ	اور جدا جدا (مزوں) والے
كُلُوْا	کھاؤ تم
مِنْ ثَمَرِهٖٓ	اس کے پھل سے
اِذَآ اَثْمَرَ	جب وہ پھلے
وَاٰتُوْا	اور دو تم
حَقَّهٗ	اللہ کا حق
يَوْمَ	دن میں
حَصَادِهٖ	اس کے کٹنے کے
وَلَا تُسْرِفُوْا	اور نہ فضول خرچی کرو
اِنَّهٗ	بے شک اللہ تعالیٰ
لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے
الْمُسْرِفِيْنَ	فضول خرچی کرنے والوں کو

وَمِنَ الْاَنْعَامِ	اور (پیدا کئے) مویشی
	میں سے
حَمُوْلَةً	بار بردار
وَّفَرْشًا	اور بچھنے والے جانور
كُلُوْا	کھاؤ
مِمَّا رَزَقَكُمُ	اس میں سے جو روزی
	دی تم کو
اللّٰهُ	اللہ نے
وَلَا تَتَّبِعُوْا	اور مت پیروی کرو
خُطُوٰتِ	قدموں کے
الشَّيْطٰنِ	شیطان کے
اِنَّهٗ لَكُمْ	بے شک وہ تمہارا
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ	کھلا دشمن ہے
ثَمٰنِيَةَ	(پیدا کیں) آٹھ
اَزْوَاجٍ	صنفیں
مِنَ الضَّاْنِ	بھیڑ میں سے
اثْنَيْنِ	دو صنفیں
وَمِنَ الْمَعْزِ	اور بکرے میں سے
اثْنَيْنِ	دو صنفیں
قُلْ	پوچھو
ءٰۤالذَّكَرَيْنِ	کیا دونروں کو
حَرَّمَ	حرام کیا اس نے
اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ	یا دو ماداؤں کو

اَمَّا اشْتَمَلَتْ	یا اس بچہ کو کہ مشتمل ہیں
عَلَيْهِ	اس پر
اَرْحَامُ	بچہ دانیاں
الْاُنْثَيَيْنِ	دو ماداؤں کی؟
نَبِّئُوْنِيْ	بتلاؤ مجھے
بِعِلْمٍ	سند کے ساتھ
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
صٰدِقِيْنَ	سچے
وَمِنَ الْاِبِلِ	اور (پیدا کیں) اونٹ کی
اثْنَيْنِ	دو صنفیں
وَمِنَ الْبَقَرِ	اور بیل کی
اثْنَيْنِ	دو صنفیں
قُلْ	پوچھو
ءٰۤالذَّكَرَيْنِ	کیا دونروں کو
حَرَّمَ	حرام کیا اس نے
اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ	یا دو ماداؤں کو
اَمَّا اشْتَمَلَتْ	یا اس بچہ کو کہ لئے ہوئے ہیں
عَلَيْهِ	اس کو
اَرْحَامُ	بچہ دانیاں
الْاُنْثَيَيْنِ	دونوں ماداؤں کی؟
اَمْ كُنْتُمْ	یا تھے تم
شُهَدَآءَ	گواہ (موجود، حاضر)
اِذْ وَصّٰىكُمُ	جب تاکیدی حکم دیا تم کو

اللّٰهُ	اللہ نے	افْتَرٰى	گھڑا	بِغَيْرِ عِلْمٍ	بے دلیل
بِهٰذَا	اس (حرمت) کا؟	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
فَمَنْ	پس کون	كَذِبًا	جھوٹ	لَا يَهْدِي	راہ نہیں دیتے
أَظْلَمُ	بڑا ظالم ہے	لِيُضِلَّ	تا کہ گمراہ کرے	الْقَوْمَ	لوگوں کو
مِمَّنِ	اس شخص سے جس نے	النَّاسَ	لوگوں کو	الظّٰلِمِيْنَ	ظلم پیشہ!

خلاصہ میں جو دوسری بات بیان کی ہے اس کی تفصیل

۱-اللہ تعالیٰ نے کھیتوں اور باغات کی کوئی پیداوار حرام نہیں کی

باغات اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں، بعض بیلیں چھپّروں پر چڑھائی جاتی ہیں، جیسے انگور، لوکی، اور پرول کی بیلیں، اور بعض بیلیں چھپر پر نہیں چڑھائی جاتیں، جیسے خربوزا اور تربوز کی بیلیں، وہ زمین پر پھیلتی ہیں، یہ سب اللہ نے پیدا کی ہیں، اسی طرح کھجور کے درخت، اور کھیتیاں جن سے قسمہا قسم کا غلہ پیدا ہوتا ہے، اسی طرح زیتون اور انار بھی اللہ نے پیدا کئے ہیں، انار: آم کی طرح یکساں ہوتے ہیں، مگر ان کے مزے مختلف ہوتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان کھیتوں اور باغات کی کوئی پیداوار حرام نہیں کی، پس جب کھیت اور باغ پھلیں تو ان کو بے تکلف کھاؤ، ان کا کوئی حصہ حرام نہیں، البتہ دو باتوں کا خیال رکھو:

۱-جس دن باغ کی ٹوائی ہو یا کھیت کی کٹائی ہو: اس دن پیداوار میں جو اللہ کا حق ہے وہ ادا کرو، جاننا چاہئے کہ مکی دور میں مال کی زکات اور زرعی پیداوار کا عشر واجب تھا، مگر اس وقت ان کی کوئی خاص شرح مقرر نہیں کی تھی، مدنی دور میں ان کی تفصیلات نازل ہوئیں، مکی دور میں تو مطلق انفاق کا حکم تھا، اور زرعی پیداوار کے بارے میں یہ حکم تھا کہ جب کھیت کی کٹائی کا وقت آئے اور پھلوں کی تڑائی کا وقت آئے تو غریبوں کو اپنی صوابدید سے کچھ دیدیا کرے۔

۲-اور غرباء کو دینے میں بھی فضول خرچی نہ کرے، حاتم طائی کی قبر پر لات نہ مارے، خیرات میں بھی ایسی بے اعتدالی نہ کرے کہ خود دوسروں کے سامنے دستِ سوال پھیلانا پڑے۔

﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کئے ہیں باغات: چھپروں پر چڑھائے ہوئے، اور چھپروں پر نہ چڑھائے ہوئے، اور کھجور کے درخت اور کھیتی، جس سے قسمہا قسم کا غلہ حاصل ہوتا ہے، اور زیتون اور انار: باہم ملتے جلتے اور مزہ میں جدا جدا، کھاؤان کے پھلوں سے جب وہ پھلیں، اور دو اللہ کا حق جس دن کٹائی ہو، اور فضول خرچی مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے!

۲-مویشی کی آٹھ صنفوں میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا

پہلی آیت میں خلاصہ ہے، پھر دو آیتوں میں تفصیل ہے:

خلاصہ: اللہ تعالیٰ نے مویشی دو طرح کے پیدا کئے ہیں: ایک: اونچے قد والے یعنی اونٹ، جو سواری کے علاوہ بار برداری کے بھی کام آتے ہیں۔ دوسرے: چھوٹے قد والے، یعنی بھیڑ بکری، یہ سب مویشی انسان کی روزی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، اور سب حلال ہیں، ان میں سے کوئی حرام نہیں، لہٰذا ان کو بے تکلف کھاؤ، اور شیطان نے انسانوں کو جو پٹی پڑھائی ہے کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی حرام ہیں، وہ من گھڑت بات ہے، اس کو ماننا شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے، اور شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، پس اس کے چکمے میں مت آؤ!

تفصیل: اللہ تعالیٰ نے مویشی کی چار انواع کی آٹھ صنفیں پیدا کی ہیں، اونٹ: نر مادہ، گائے: نر مادہ، بھیڑ: نر مادہ اور بکرا: نر مادہ۔ یہ آٹھوں صنفیں حلال ہیں —— مشرکین سے کہو: اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہو تو لاؤ کہ ان میں سے نر حرام ہیں، یا مادہ حرام ہیں، یا مادہ کے پیٹ کا بچہ حرام ہے: دلیل سے بات کرو اگر تم سچے ہو!

اور حلت و حرمت کے مسئلہ میں دلیل عقلی تو چلے گی نہیں، دلیل نقلی چاہئے، اس لئے کہ حلت و حرمت کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے ان اصناف کو پیدا کیا ہے، اور جس نے پیدا کیا ہے وہی حلال یا حرام کر سکتا ہے۔

اور نقلی دلیل کی دو صورتیں ہیں:

ایک: کسی نبی کے ذریعہ تم کو اللہ کا حکم پہنچا ہو تو اس کو پیش کرو کہ بحیرہ وغیرہ حرام ہیں۔

دوسری: اللہ تعالیٰ نے تم کو روبرو اس کا تاکیدی حکم دیا ہو۔

ظاہر ہے دونوں باتیں نہیں، کسی بھی آسمانی کتاب میں ان کی حرمت کا حکم نہیں، اور تم سے براہ راست اللہ تعالیٰ کیا فرمائیں گے؟ یہ منہ اور مسور کی دال! پس سب سے بڑے ظالم تم ہو کہ اللہ کے نام جھوٹی بات لگاتے ہو، تاکہ لوگوں کو بے دلیل گمراہ کرو۔ سن لو! اللہ تعالیٰ ظالموں کو ایمان کی توفیق نہیں دیتے!

﴿وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۚ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ

عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِیَۃَ اَزۡوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاۡنِ اثۡنَیۡنِ وَ مِنَ الۡمَعۡزِ اثۡنَیۡنِ ؕ قُلۡ ءٰٓالذَّکَرَیۡنِ حَرَّمَ اَمِ الۡاُنۡثَیَیۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ عَلَیۡہِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ؕ نَبِّـُٔوۡنِیۡ بِعِلۡمٍ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۴۳﴾ وَ مِنَ الۡاِبِلِ اثۡنَیۡنِ وَ مِنَ الۡبَقَرِ اثۡنَیۡنِ ؕ قُلۡ ءٰٓالذَّکَرَیۡنِ حَرَّمَ اَمِ الۡاُنۡثَیَیۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ عَلَیۡہِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ؕ اَمۡ کُنۡتُمۡ شُہَدَآءَ اِذۡ وَصّٰکُمُ اللّٰہُ بِہٰذَا ۚ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: (خلاصہ:) اور اللہ نے پیدا کئے مویشی میں سے بار بردار اور چھوٹے قد والے، کھاؤ تم اس میں سے جو روزی کے طور پر دیا ہے تم کو، اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو، وہ یقیناً تمہارا کھلا دشمن ہے!

(تفصیل:) اللہ تعالیٰ نے آٹھ صنفیں پیدا کیں، بھیڑ میں سے دو، اور بکرے میں سے دو، پوچھو: کیا اللہ نے دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں ماداؤں کو، یا اس بچہ کو جسے دونوں مادائیں اپنے پیٹوں میں لئے ہوئے ہیں؟ مجھے دلیل سے جواب دو اگر تم سچے ہو! —— اور اونٹ کی دو صنفیں اور بیل کی دو صنفیں پیدا کیں، پوچھو: کیا اللہ تعالیٰ نے دونوں نروں کو حرام کیا ہے، یا دونوں ماداؤں کو، یا اس بچہ کو جسے دونوں مادائیں اپنے پیٹوں میں لئے ہوئے ہیں؟ کیا تم موجود تھے جبکہ تم کو اللہ تعالیٰ نے اس کا تاکیدی حکم دیا تھا؟ پس کون بڑا ظالم ہے اس سے جو اللہ کے نام جھوٹی بات لگاتا ہے، تاکہ وہ لوگوں کو بغیر دلیل کے گمراہ کرے؟ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ ہدایت نہیں دیتے!

قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطۡعَمُہٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ مَیۡتَۃً اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا اَوۡ لَحۡمَ خِنۡزِیۡرٍ فَاِنَّہٗ رِجۡسٌ اَوۡ فِسۡقًا اُہِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَ عَلَی الَّذِیۡنَ ہَادُوۡا حَرَّمۡنَا کُلَّ ذِیۡ ظُفُرٍ ۚ وَ مِنَ الۡبَقَرِ وَ الۡغَنَمِ حَرَّمۡنَا عَلَیۡہِمۡ شُحُوۡمَہُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتۡ ظُہُوۡرُہُمَاۤ اَوِ الۡحَوَایَاۤ اَوۡ مَا اخۡتَلَطَ بِعَظۡمٍ ؕ ذٰلِکَ جَزَیۡنٰہُمۡ بِبَغۡیِہِمۡ ۫ۖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنۡ کَذَّبُوۡکَ فَقُلۡ رَّبُّکُمۡ ذُوۡ رَحۡمَۃٍ وَّاسِعَۃٍ ۚ وَ لَا یُرَدُّ بَاۡسُہٗ عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۴۷﴾

قُلۡ	کہو	فِیۡ مَاۤ	اس میں جو	مُحَرَّمًا	کوئی حرام (چیز)
لَّاۤ اَجِدُ	نہیں پاتا میں	اُوۡحِیَ اِلَیَّ	وحی کیا گیا ہے میری طرف	عَلٰی طَاعِمٍ	کسی کھانے والے پر

يَّطْعَمُهٗٓ	جو اس کو کھاتا ہے	فَاِنَّ رَبَّكَ	تو بیشک آپ کا رب	اخْتَلَطَ	ملی ہوئی ہے
اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ	مگر یہ کہ ہو وہ	غَفُوْرٌ	بڑا بخشنے والا	بِعَظْمٍ	کسی ہڈی سے
مَيْتَةً	مردار	رَّحِيْمٌ	بڑا مہربان ہے	ذٰلِكَ	یہ
اَوْ دَمًا	یا خون	وَعَلَى الَّذِيْنَ	اور ان لوگوں پر جو	جَزَيْنٰهُمْ	سزا دی ہے ہم نے ان کو
مَّسْفُوْحًا	بہتا	هَادُوْا	یہودی ہوئے	بِبَغْيِهِمْ	ان کی سرکشی کی وجہ سے
اَوْ لَحْمَ	یا گوشت	حَرَّمْنَا	حرام کیا ہم نے	وَاِنَّا	اور بے شک ہم
خِنْزِيْرٍ	سور کا	كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ	ہر ناخن والا جانور	لَصٰدِقُوْنَ	یقیناً سچے ہیں
فَاِنَّهٗ	پس بے شک وہ	وَمِنَ الْبَقَرِ	اور گائے سے	فَاِنْ	پس اگر
رِجْسٌ	ناپاک ہے	وَالْغَنَمِ	اور بکری سے	كَذَّبُوْكَ	وہ آپ کی تکذیب کریں
اَوْ فِسْقًا (۱)	یا گناہ کبیرہ ہے	حَرَّمْنَا	حرام کی ہم نے	فَقُلْ	تو آپ کہیں:
اُهِلَّ (۲)	نام پکارا گیا ہے	عَلَيْهِمْ	ان پر	رَّبُّكُمْ	تمہارے پروردگار
لِغَيْرِ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ کا	شُحُوْمَهُمَآ	دونوں کی چربیاں	ذُوْ رَحْمَةٍ	مہربانی والے ہیں
بِهٖ	اس کے ذریعہ	اِلَّا مَا	مگر جو	وَّاسِعَةٍ	بڑی کشادہ
فَمَنِ	پس جو شخص	حَمَلَتْ	اٹھاتی ہیں	وَلَا يُرَدُّ	اور نہیں پھیری جاتی
اضْطُرَّ	لاچار ہوئے	ظُهُوْرُهُمَآ	دونوں کی پیٹھیں	بَاْسُهٗ	ان کی سختی
غَيْرَ بَاغٍ	چاہنے والا نہ ہو	اَوِ الْحَوَايَآ	یا انتڑیاں	عَنِ الْقَوْمِ	لوگوں سے
وَّلَا عَادٍ	اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو	اَوْ مَا	یا جو	الْمُجْرِمِيْنَ	جرم پیشہ!

اللہ تعالیٰ نے چار ہی چیزیں حرام کی ہیں، اور جن چار کو مشرکین حرام کہتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا

مشرکین عرب نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کو حرام قرار دیا تھا، اللہ تعالیٰ ان پر رد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو

(۱) غیر اللہ کے نامزد کیا ہوا یا مورتی استھان پر جھٹکا کیا ہوا قطعی حرام ہے، اس کا کھانا گناہ کبیرہ ہے، اور جیسے زیدٌ عدلٌ (زید انصاف ہے) میں حمل مبالغۃً ہے اسی طرح یہاں بھی مبالغۃً اس کو فسق کہا ہے اور فسق کے اصل معنی ہیں: حد اطاعت سے نکلنا، گناہ کبیرہ کرنے والا بھی حد اطاعت سے نکل جاتا ہے (۲) الفاظ کے معانی کے لئے دیکھیں ہدایت القرآن ۱: ۲۰۰)

حرام نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے چار ہی چیزوں کو حرام کیا ہے جن کو تم حلال سمجھ کر کھاتے ہو، وہ چار حرام چیزیں یہ ہیں: مردار، ذبح کے وقت نکلنے والا خون، سور کا گوشت ـــــ اس لئے حرام ہے کہ سور ناپاک ہے ـــــ اور غیر اللہ کے نامزد کیا ہوا یا ذبح کیا ہوا جانور ـــــ پھر ان کی حرمت بھی اس شخص کے لئے ہے جو لاچار نہ ہو گیا ہو، اگر کوئی شخص ان چیزوں کے استعمال کے لئے مجبور ہو جائے تو استعمال کی گنجائش ہے، بشرطے کہ لطف اندوز ہونا مقصود نہ ہو اور سدّ رمق سے زیادہ نہ کھائے۔ باقی مسائل کی تفصیل ہدایت القرآن (۱: ۲۰۰) میں گذر چکی ہے۔

فائدہ: **لا** اور **إلا** سے حصر پیدا ہوتا ہے، یہ حصر اضافی ہے، مشرکین نے جن چار حلال جانوروں کو حرام کیا تھا ان کے اعتبار سے حصر ہے، تمام حرام جانوروں کا بیان مقصود نہیں، احادیث سے اور بھی جانور حرام ہیں۔ اور خنزیر کا ہر جزء حرام ہے، مگر یہاں چونکہ کھانے کی چیزوں کا ذکر ہے اس لئے گوشت کی تخصیص کی ہے۔

خاص یہود پر ان چار کے علاوہ دو چیزیں اور بھی حرام تھیں

یہود پر ان کی شرارتوں کی وجہ سے دو چیزیں اور بھی حرام کی تھیں:

۱- ہر کھر والا جانور جس کی انگلیاں پھٹی ہوئی نہ ہوں، پیر وَن پیں ہوں، جیسے اونٹ، شتر مرغ اور بطخ وغیرہ۔

۲- گائے بکری کی خالص چربی جو پیٹ سے نکلتی ہے یا گردوں سے لپٹی ہوئی ہوتی ہے، پس جو چربی پشت پر یا انتڑیوں سے لگی ہوئی ہوتی ہے یا ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے: وہ حلال ہے ـــــ یہ دو چیزیں خاص یہود کے لئے حرام تھیں۔

مگر یہود کا دعوی ہے کہ یہ چیزیں حضرات نوح وابراہیم علیہما السلام کے زمانہ سے حرام چلی آرہی ہیں، ان کی یہ بات غلط ہے، یہ تو یہود کی نافرمانی اور شرارت کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں، جو اس کے خلاف دعوی کرے دلیل پیش کرے، اللہ کا بیان باون تولہ پاؤ رتی ہے! تفصیل ہدایت القرآن (۱: ۴۴۸) میں گذر چکی ہے۔

اور اگر یہود آپ کی تکذیب کریں، اور مرغ کی ایک ٹانگ گائے جائیں تو ان سے کہہ دیں کہ تم اللہ کی رحمت کی سمائی سے عذاب سے بچے ہوئے ہو، ورنہ تمہاری اس گستاخی کی سزا تم کو فوراً ملنی چاہئے، کیونکہ رسول کی تکذیب اللہ کی تکذیب ہے، اور اللہ کے مجرم سے عذاب پھیرا نہیں جاتا!

آیاتِ پاک: کہہ دو: میں نہیں پاتا اس وحی (قرآن) میں جو میری طرف کی گئی ہے کہ کوئی بھی چیز حرام کی گئی ہے، کسی بھی کھانے والے پر، جو اس کو کھاتا ہے: مگر یہ کہ ہو وہ مردار، یا بہتا خون، یا سور کا گوشت ـــــ پس بے شک وہ ناپاک ہے ـــــ یا کبیرہ گناہ: آواز بلند کی گئی ہو اس کے ذریعہ اللہ کے علاوہ کی ـــــ پھر جو لاچار ہو گیا، بشرطیکہ لطف اندوز

ہونے والا نہ ہو، اور حد ضرورت سے آگے بڑھنے والا نہ ہو تو آپ کے پروردگار یقیناً بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں!

اور ان لوگوں پر جو یہودی ہوئے: ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کیا، اور گائے بکری میں سے: دونوں کی چربی ہم نے ان پر حرام کی، مگر وہ چربی جو ان کی پیٹھیں یا انتڑیاں اٹھائے ہوئے ہیں، یا جو کسی ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہے —— یہ ہم نے ان کو سزا دی ہے ان کی سرکشی کی، اور ہم یقیناً سچے ہیں!

پس اگر وہ آپؐ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیں: تمہارے پروردگار بڑی وسیع مہربانی والے ہیں، اور ان کا عذاب گناہ گاروں سے ٹلتا نہیں!

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٨﴾ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٤٩﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا ۖ فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٠﴾ ع ۱۸

سَيَقُولُ	اب کہیں گے	كَذَٰلِكَ	اسی طرح	فَتُخْرِجُوهُ	پس پیش کرو اس کو
الَّذِينَ	جنھوں نے	كَذَّبَ	جھٹلایا	لَنَا	ہمارے سامنے
أَشْرَكُوا	شریک کیا	الَّذِينَ	ان لوگوں نے جو	إِنْ تَتَّبِعُونَ	نہیں پیروی کرتے تم
لَوْ شَاءَ	اگر چاہتے	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	إِلَّا الظَّنَّ	مگر گمان کی
اللَّهُ	اللہ تعالیٰ	حَتَّىٰ ذَاقُوا	یہاں تک کہ چکھی انھوں نے	وَإِنْ أَنْتُمْ	اور نہیں ہو تم
مَا أَشْرَكْنَا	(تو) نہ شرک کرتے ہم	بَأْسَنَا	ہماری سختی (عذاب)	إِلَّا تَخْرُصُونَ	مگر اندازہ کرتے
وَلَا آبَاؤُنَا	اور نہ ہمارے باپ دادا	قُلْ	پوچھو	قُلْ	کہو
وَلَا حَرَّمْنَا	اور نہ حرام کرتے ہم	هَلْ عِنْدَكُمْ	کیا تمہارے پاس ہے	فَلِلَّهِ	پس اللہ ہی کے لئے ہے
مِنْ شَيْءٍ	کوئی چیز	مِنْ عِلْمٍ	کوئی دلیل؟	الْحُجَّةُ	دلیل

الْبَالِغَةُ (۱)	مضبوط	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ نے	الَّذِيْنَ	ان کی جنھوں نے
فَلَوْ شَآءَ	پس اگر چاہتا وہ	حَرَّمَ	حرام کیا ہے	كَذَّبُوْا	جھٹلایا
لَهَدٰىكُمْ	یقیناً راہ پر لے آتا تم	هٰذَا	اس کو	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو
اَجْمَعِيْنَ	سب کو	فَاِنْ	پس اگر	وَالَّذِيْنَ (۳)	اور ان کی جو
قُلْ	کہو	شَهِدُوْا	گواہی دیں وہ	لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں مانتے
هَلُمَّ	لاؤ	فَلَا تَشْهَدْ (۲)	تو نہ گواہی دیں آپ	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت کو
شُهَدَآءَكُمُ	اپنے گواہ	مَعَهُمْ	ان کے ساتھ	وَهُمْ	اور وہ
الَّذِيْنَ	جو	وَلَا تَتَّبِعْ	اور نہ پیروی کریں آپ	بِرَبِّهِمْ	اپنے رب کے
يَشْهَدُوْنَ	گواہی دیں	اَهْوَآءَ	خواہشات کی	يَعْدِلُوْنَ	برابر گردانتے ہیں

مشرکین کے اس قول کی تردید کہ ہمارا شرک اور ہماری تحریم اللہ کی مشیت سے ہے

مشرکین کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی جانور کو حرام ٹھہراتے، یعنی جو کچھ ہو رہا ہے مشیت ایزدی سے ہو رہا ہے، اللہ کی مرضی کے خلاف پتہ بھی نہیں ہل سکتا، پس رسول کا یہ مطالبہ کہ ہم شرک چھوڑ دیں اور جانوروں کی تحریم سے باز آجائیں: نامعقول مطالبہ ہے، ہم ایسا کرنے پر قادر نہیں، اللہ کی مرضی کے خلاف ہم کوئی راہ کیونکر اپنا سکتے ہیں؟

جواب: رسولوں کی تکذیب آج کوئی نئی بات نہیں، گذشتہ کفار نے بھی اسی طرح تکذیب کی تھی، مگر ان کا انجام کیا ہوا؟ عذابِ الٰہی کا کوڑا ان پر برسا، اور وہ سب صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے، پس آج کے مکذبین گذشتہ لوگوں کے انجام سے سبق کیوں نہیں لیتے؟

﴿ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ط كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ط ﴾

ترجمہ: اب مشرکین کہیں گے: اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ہم شریک نہ ٹھہراتے، اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کوئی چیز حرام قرار دیتے! ——— (جواب:) اسی طرح ان لوگوں نے بھی (انبیاء کو) جھٹلایا جو ان سے پہلے ہوئے، یہاں تک کہ

(۱) البالغة: أي البينةُ الواضحةُ التي بلغت غايةَ المتانة والقوة على الإثبات (روح المعاني) یعنی صاف اور واضح دلیل جو نہایت درجہ قوی اور اعلیٰ درجہ کی مثبتِ مدعیٰ ہو (۲) فلا تشهد: مشاکلۃً فرمایا ہے (۳) پہلے الذین پر معطوف ہے۔

انھوں نے ہمارا عذاب چکھا!

مشرکین کے پاس اپنی بات کی کوئی دلیل نہیں!

مشرکین کے پاس اگر اپنی بات کی کوئی ٹھوس مضبوط دلیل ہو تو پیش کریں، تاکہ دیکھا جائے کہ وہ کہاں تک مفید مدعیٰ ہے؟ ـــــ کوئی دلیل نہیں، نہ شرک کی نہ تحریم کی، وہ محض خیالی باتوں پر چلتے ہیں، اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں!

﴿قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۱۴۸﴾

ترجمہ: کہو: اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہو تو سامنے لاؤ؟ تم گمان ہی کی پیروی کرتے ہو، اور محض اٹکل اڑاتے ہو!

اللہ کی دلیل نہایت قوی ہے

مشرکین کے پاس تو شرک اور تحریم حیوانات کے جواز کی کوئی دلیل نہیں، مگر اللہ کے پاس قوی اور مضبوط دلیل ہے کہ شرک باطل ہے، اور بحیرہ وغیرہ جانوروں کی تحریم خود ساختہ ہے، اور یہ دلائل قرآن میں بار بار پیش کئے گئے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے: مشیتِ ایزدی سے ہو رہا ہے، مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ انسان مجبور محض نہیں، اس کو دوسری مخلوقات سے زیادہ صلاحیت دی ہے، اس کو کامل عقل، وافر فہم، بینا آنکھیں اور شنوا کان دیئے ہیں، اس کو خیر وشر میں انتخاب کی قدرت بخشی ہے، وہ اپنی خداداد فہم سے فیصلہ کرسکتا ہے کہ جو کائنات کا خالق و مالک ہے وہی معبود ہے، اور تحلیل وتحریم کا اختیار بھی اسی کا ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو انسان کو مجبور بھی کرسکتے تھے، دیگر مخلوقات کی طرح سب انسان راہ ہدایت پر ہوتے، مگر ان کی حکمت کا فیصلہ یہ ہوا کہ انسان اشرفِ کائنات بنے، جس کے لئے اس کو امتحان کی گھاٹی سے گذارنا ضروری تھا، تاکہ اس کا جنت کا استحقاق برملا ثابت ہوجائے، اس کے لئے انبیاء بھیجے، اپنی کتابیں نازل کیں، تاکہ انسان بابصیرت ہو، آنکھ بند کرکے جہنم کے کھڈے میں نہ گرے!

﴿قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۱۴۹﴾

ترجمہ: کہو: پس مضبوط دلیل اللہ تعالیٰ ہی کی ہے ـــــ کہ شرک باطل ہے اور تحریم ایجاد بندہ ہے، اور اللہ کے یہ دلائل قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوئے ہیں اور توحید کے دلائل سے تو قرآن کریم بھرا پڑا ہے، اب فیصلہ انسان کو کرنا ہے اور اپنی مرضی سے ایمان لانا ہے ـــــ سو اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم سبھی کو راہِ راست پر لے آتے ـــــ مگر ان کی حکمت کا یہ تقاضہ نہیں، انسان کو جزوی اختیار دے کر مکلّف بنایا ہے، اب اس کو اپنی مرضی سے اپنے معبود کو پہچاننا ہے اور اس کے احکام کی پیروی کرنی ہے۔

اگر مشرکوں کے پاس بحیرہ وغیرہ کی تحریم کے گواہ ہوں تو لائیں

گواہ: آنکھوں دیکھی کانوں سنی بات بیان کرتا ہے، اگر مشرکین کے پاس ایسے گواہ ہوں جن کے روبرو اللہ تعالیٰ نے تحریم کے جواز کی بات کہی ہو تو ان کو سامنے لائیں، مگر خلافِ واقعہ بات کے گواہ کہاں ہو سکتے ہیں؟ اور بالفرض کوئی بے حیا گواہی دینے کے لئے کھڑا ہو جائے تو آپ اس کی بات کا اعتبار نہ کریں —— یہ آپؐ پر رکھ کرامت کو سنایا ہے۔

اور اصل بات یہ ہے کہ مشرکین چاہتے ہیں کہ آپؐ ان کی خواہشات کی پیروی کریں، وہ اپنے موقف سے ہٹنا نہیں چاہتے، آپ کو ہٹانا چاہتے ہیں، یہ کیسے ممکن ہے؟ وہ تو اللہ کی باتیں نہیں مانتے، آخرت کو بھی نہیں مانتے، اور اللہ کے ہم سر تجویز کرتے ہیں، پس ان کی راہ الگ ہے، اور پیغمبر ﷺ کی راہ الگ ہے۔

﴿قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾﴾

ترجمہ: کہو: تم اپنے گواہ لاؤ جو گواہی دیں کہ اللہ نے ان (جانوروں) کو حرام کیا ہے، پس اگر وہ گواہی دیں تو آپؐ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں —— یہ مشاکلۃً فرمایا ہے، مراد یہ ہے کہ آپ ان کی گواہی کا اعتبار نہ کریں، ان کی گواہی پر کان نہ دھریں، اور یہ آپؐ کا لاگ رکھ کرامت کو سنایا ہے —— اور آپؐ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو ہماری باتوں کو جھٹلاتے ہیں، اور جو آخرت کو نہیں مانتے، اور وہ اپنے پروردگار کے ہم سر تجویز کرتے ہیں!

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ

فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۵۳﴾

قُلْ	کہو	مَا ظَهَرَ مِنْهَا	جو کھلے ہیں ان میں سے	الْكَيْلَ	ناپ کو
تَعَالَوْا	آؤ	وَمَا بَطَنَ	اور جو چھپے ہیں	وَالْمِيزَانَ	اور تول کو
أَتْلُ	پڑھوں میں	وَلَا تَقْتُلُوا	اور مت مار ڈالو	بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ
مَا حَرَّمَ	جو حرام کیا ہے	النَّفْسَ	اس جان کو	لَا نُكَلِّفُ	نہیں ذمہ داری سونپتے ہم
رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار نے	الَّتِي	جس کو	نَفْسًا	کسی شخص کو
عَلَيْكُمْ	تم پر	حَرَّمَ اللَّهُ	حرام کیا ہے اللہ نے	إِلَّا وُسْعَهَا	مگر اس کی گنجائش کے
أَلَّا (۱)	کہ نہ	إِلَّا بِالْحَقِّ	مگر حق شرعی کی وجہ سے		بقدر
تُشْرِكُوا	شریک کرو تم	ذَٰلِكُمْ	یہ باتیں	وَإِذَا قُلْتُمْ	اور جب بات کہو
بِهِ	اس کے ساتھ	وَصَّاكُمْ	تاکیدی حکم دیا ہے	فَاعْدِلُوا	تو انصاف کی کہو
شَيْئًا	کسی چیز کو		اللہ تعالیٰ نے تم کو	وَلَوْ كَانَ	اگرچہ ہو وہ
وَبِالْوَالِدَيْنِ	اور ماں باپ کے ساتھ	بِهِ	اس کا	ذَا قُرْبَىٰ	رشتہ دار
إِحْسَانًا (۲)	نیک سلوک کرو	لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ	تاکہ تم سمجھو	وَبِعَهْدِ اللَّهِ	اور اللہ کے پیمان کو
وَلَا تَقْتُلُوا	اور مت مار ڈالو	وَلَا تَقْرَبُوا	اور مت قریب جاؤ	أَوْفُوا	پورا کرو
أَوْلَادَكُمْ	اپنی اولاد کو	مَالَ الْيَتِيمِ	یتیم کے مال کے	ذَٰلِكُمْ	یہ باتیں
مِنْ إِمْلَاقٍ (۳)	مفلسی کی وجہ سے	إِلَّا بِالَّتِي	مگر اس طریقہ پر جو	وَصَّاكُمْ	تاکیدی حکم دیا اس نے
نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ	ہم روزی دیتے ہیں تم کو	هِيَ أَحْسَنُ	وہ بہتر ہے	بِهِ	اس کا
وَإِيَّاهُمْ	اور ان کو	حَتَّىٰ يَبْلُغَ	یہاں تک کہ پہنچے وہ	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
وَلَا تَقْرَبُوا	اور مت قریب جاؤ	أَشُدَّهُ	اپنی جوانی کو	تَذَكَّرُونَ	نصیحت پکڑو
الْفَوَاحِشَ	بے حیائی کے کاموں کے	وَأَوْفُوا	اور پورا کرو	وَأَنَّ هَٰذَا (۳)	اور اس لئے کہ یہ

(۱) ألا: أن لا ہے، أن: تفسیر یہ اور لا: نافیہ، نون کا لام میں ادغام ہوا ہے (۲) عامل محذوف ہے أي أَحْسِنُوْا، اور إحسانا مفعول مطلق ہے (۳) إملاق: مصدر ہے أَمْلَقَتْهُ الخطوبُ: آفات کا کسی کو مفلس وکنگال کر دینا۔ (۳) أن سے پہلے لام مقدر ہے أي لأنَّ هذا۔

صِرَاطِيْ	میرا راستہ ہے	فَتَفَرَّقَ	پس جدا ہو جائیں گی	وَصّٰىكُمْ	تاکیدی حکم دیا ہے
مُسْتَقِيْمًا	سیدھا		وہ راہیں		اللہ تعالیٰ نے تم کو
فَاتَّبِعُوْهُ	پس پیروی کرو اس کی	بِكُمْ	تمہارے ساتھ	بِهٖ	اس کا
وَلَا تَتَّبِعُوا	اور مت پیروی کرو	عَنْ سَبِيْلِهٖ	اللہ کے راستہ سے	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
السُّبُلَ	دوسری راہوں کی	ذٰلِكُمْ	یہ باتیں	تَتَّقُوْنَ	(گناہوں سے) بچتے رہو

وہ احکام جو اللہ کی شریعت ہیں اور جن سے تقوی حاصل ہوتا ہے

شرک وتحریم بحیرہ وغیرہ مشرکین کی خودساختہ شریعت تھی، اب ان کو اللہ کی شریعت کے نو احکام سنائے جاتے ہیں، جن سے پرہیزگاری حاصل ہوسکتی ہے: ارشادِ پاک ہے: —— کہو: آؤ، میں پڑھوں جو چیزیں تم پر تمہارے پروردگار نے حرام کی ہیں:

(۱) —— کہ نہ شریک ٹھہراؤ تم ان کے ساتھ کسی چیز کو —— نہ مورتیوں کو نہ اللہ کے نیک بندوں کو، جس طرح دیوی دیوتاؤں کی پوجا حرام ہے اسی طرح انبیاء اولیاء کی، ان کی قبروں پر سجدہ کرنا، ان سے مرادیں مانگنا، ان کے نام پر جانور چھوڑنا اور ان کو کائنات میں متصرف ماننا شرک ہے۔

(۲) —— اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو —— ان کا احترام کرو، ان سے محبت رکھو، ان کے ساتھ بہتر اخلاق برتو، ان کی ہر طرح خدمت اور معاشی کفالت کرو —— توحید کے بعد معاً اس حق کے تذکرہ میں اشارہ ہے کہ اللہ کے حق کے بعد سب سے بڑا حق والدین کا ہے۔

(۳) —— اور مفلسی کی وجہ سے اپنی اولاد کو مت مار ڈالو، ہم ہی تمہیں روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے —— عرب مفلسی کی وجہ سے اولاد کو مار ڈالتے تھے، کہتے تھے: خود کھانے کو نہیں اولاد کو کہاں سے کھلائیں گے؟ ان سے فرمایا کہ رزاق اللہ ہیں، وہ تمہیں بھوکا نہیں مارتے، کھلاتے پلاتے ہیں وہ تمہاری اولاد کو بھی پالیں گے پوسیں گے —— یہاں ﴿ مِّنْ اِمْلَاقٍ ﴾ ہے اور سورۃ بنی اسرائیل میں: ﴿ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ﴾ ہے، یعنی مفلسی کے ڈر سے بھی قتل مت کرو، یہاں فی الحال مفلسی کا ذکر ہے اور آگے آئندہ مفلسی کا ڈر ہے، یہ سوچ کر مار ڈالنا کہ جب بال بچے زیادہ ہونگے تو کہاں سے کھلائیں گے؟ اس لئے یہاں ﴿ نَرْزُقُكُمْ ﴾ پہلے ہے اور آگے ﴿ نَرْزُقُهُمْ ﴾ پہلے ہے۔

فائدہ: برتھ کنٹرول کی تمام صورتیں بھی درجہ بدرجہ قتل اولاد کے زمرہ میں آتی ہیں، مسلم شریف کی روایت میں عزل کو

بھی چپکے سے بچہ کو زندہ در گور کرنا قرار دیا گیا ہے۔

④ —— اور بے حیائی کے کاموں کے نزدیک مت جاؤ، خواہ بے حیائی کھلی ہو یا چھپی —— بے حیائی کے کام مقناطیس کی طرح ہیں، جو قریب جائے گا اس کو وہ اپنی طرف کھینچ لیں گے اور گناہ میں مبتلا کردیں گے، اور پاس نہ جانا: اس کے وسائل سے بچنا ہے، پس زنا کی طرح بدنظری سے اجتناب بھی ضروری ہے —— اور کھلی چھپی کا مطلب یہ ہے کہ بے حیائی کا کام جس طرح برملا ممنوع ہے اسی طرح چوری چھپے بھی ممنوع ہے۔

⑤ —— اور اس شخص کو قتل مت کرو جس کو اللہ نے محترم قرار دیا ہے، مگر حق شرعی کی وجہ سے —— قتل کرنا جائز ہے —— ہر انسان قابل احترام ہے، خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم —— اور خود کشی بھی قتل نفس ہے —— اور حق شریعت کی وجہ سے قتل کرنے کی تین صورتیں ہیں: قصاص میں قتل کرنا، شادی شدہ زنا کرے تو سنگسار کرنا اور جو مسلمان مرتد ہوجائے اور توبہ کے لئے تیار نہ ہو تو اس کو قتل کرنا —— مگر یہ سزائیں اسلامی حکومت ہی دے سکتی ہے، اپنے طور پر کوئی شخص ان کو قتل نہیں کرسکتا —— یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتے ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو!

⑥ —— اور یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ، مگر اس طریقہ سے جو کہ وہ بہتر ہے، یہاں تک کہ وہ حد بلوغ کو پہنچ جائے —— یتیم کے مال میں بے جا تصرف کرنا حرام ہے، ہاں مشروع طریقہ پر ولی یتیم تصرف کرسکتا ہے، پھر جب یتیم بچہ جوان ہوجائے اور اس میں شد بد آجائے تو اس کا مال کاروبار اس کے حوالے کردیا جائے۔

⑦ —— اور ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی شخص کو اس کی گنجائش سے زیادہ حکم نہیں دیتے —— ناپ تول میں وہ تمام چیزیں بھی شامل ہیں جو میٹر سے ناپی جاتی ہیں —— اور غیر ارادی طور پر کچھ کمی بیشی ہوجائے تو وہ معاف ہے۔

⑧ —— اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو، چاہے وہ رشتہ دار کے خلاف پڑے! —— یعنی خواہ گواہی دے یا فیصلہ کرے انصاف سے کرے، رشتہ داری کا خیال نہ کرے، بلکہ بے لاگ سچی بات کہے۔

⑨ —— اور اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرو —— ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم نے اللہ تعالیٰ سے تمام احکام پر عمل کرنے کا عہد باندھا ہے، پس کسی بھی مامور کو چھوڑنا اور کسی بھی منہی کا ارتکاب کرنا عہد شکنی اور گناہ ہے۔

آخر میں فرماتے ہیں: —— یہ وہ احکام ہیں جن کا اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتے ہیں —— اور ان میں تین فائدے ہیں:

ایک: —— تاکہ تم نصیحت پکڑو —— یعنی یہ احکام تمہاری خیر خواہی پر مبنی ہیں، ان پر عمل کرو گے تو تمہارا بھلا ہوگا۔

دوسرا: —— اور اس لئے ہیں کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا اس پر چلو، اور دیگر راہوں پر مت چلو، وہ تمہیں اللہ کے

راستہ سے جدا کردیں گی ـــــ مسلمان وہی ہے جو اللہ کے راستہ پر چلتا ہے، وہی اللہ تک پہنچے گا، جو دوسری راہیں اپناتا ہے وہ کہیں سے کہیں پہنچے گا۔

تیسرا: ـــــ یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم تقوی شعار بنو! ـــــ پرہیزگاری مؤمن کی بڑی آرزو ہے، اور وہ مثبت ومنفی پہلوؤں سے احکام پر عمل کرنے ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔

ملحوظہ: سورۃ بنی اسرائیل (آیات ۲۳-۳۹) میں بارہ احکام ہیں ان میں یہ نو بھی ہیں، اور وہاں ان احکام کی زیادہ تفصیل ہے، وہ حصہ میں نے پہلے لکھا ہے، لہٰذا ان کی مراجعت کی جائے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ع ۱۹

ثُمَّ (۱)	پھر	تَمَامًا (۲)	نعمت پوری کرنے کیلئے	لِّكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کی
اٰتَيْنَا	دی ہم نے	عَلَى الَّذِيْٓ	اس پر جس نے	وَّهُدًى	اور راہ نمائی کے لئے
مُوْسَى	موسیٰ کو	اَحْسَنَ	نیک کام کیا	وَّرَحْمَةً	اور مہربانی کے لئے
الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	وَتَفْصِيْلًا	اور وضاحت کرنے کیلئے	لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ	تاکہ وہ ملاقات پر

(۱) ثم: نہج بدلنے کے لئے ہے، تراخی کے لئے نہیں، اس کو ترتیب ذکری بھی کہتے ہیں اور اس کا ترجمہ 'اور' کرتے ہیں۔ ایسا ثم سورۃ البلد (آیت ۱۷) میں بھی آیا ہے عربی میں نہج بدلنے کے لئے: أما بعد، وبعدُ، هذا اور ثم ہیں، ماسبق اور مابعد میں کیسا تعلق ہے اس کے لحاظ سے یہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، برائے نام تفاوت ہو تو ثم آتا ہے (۲) تماما، تفصيلا، هدى اور رحمة: آتينا کے مفعول لہ ہیں۔

رَبِّهِمْ	ان کے رب کی	عَنْ دِرَاسَتِهِمْ (۳)	ان (کی کتابوں) کے	وَهُدًى	اور راہ نمائی
يُؤْمِنُوْنَ	ایمان لائیں		پڑھنے سے	وَّرَحْمَةٌ	اور مہربانی
وَهٰذَا كِتٰبٌ	اور یہ ایک کتاب ہے	لَغٰفِلِيْنَ	بالکل بے خبر	فَمَنْ اَظْلَمُ	پس کون بڑا ظالم ہے
اَنْزَلْنٰهُ	اتارا ہے ہم نے اس کو	اَوْ تَقُوْلُوْا	یا کہنے لگو	مِمَّنْ	اس شخص سے جس نے
مُبٰرَكٌ	بابرکت ہے	لَوْ اَنَّآ	اگر بے شک ہم	كَذَّبَ	جھٹلایا
فَاتَّبِعُوْهُ	پس اس کی پیروی کرو	اُنْزِلَ	اتاری جاتی	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں کو
وَاتَّقُوْا	اور گناہوں سے بچو	عَلَيْنَا	ہم پر	وَصَدَفَ (۴)	اور کترایا
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ	تاکہ تم رحم کئے جاؤ	الْكِتٰبُ	آسمانی کتاب	عَنْهَا	ان سے
اَنْ تَقُوْلُوْآ (۱)	کبھی کہنے لگو	لَكُنَّآ	(تو) ضرور ہوتے ہم	سَنَجْزِي	عنقریب بدلہ دیں گے ہم
اِنَّمَآ	اس کے سوا نہیں کہ	اَهْدٰى مِنْهُمْ	زیادہ راہ یاب ان سے	الَّذِيْنَ	ان کو جو
اُنْزِلَ	اتاری گئی	فَقَدْ	پس بالتحقیق	يَصْدِفُوْنَ	کتراتے ہیں
الْكِتٰبُ	آسمانی کتابیں	جَآءَكُمْ	آچکی ہے تمہارے پاس	عَنْ اٰيٰتِنَا	ہماری باتوں سے
عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ	دو جماعتوں پر	بَيِّنَةٌ	واضح دلیل	سُوْٓءَ الْعَذَابِ	بری سزا
مِنْ قَبْلِنَا	ہم سے پہلے	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے پروردگار کی	بِمَا كَانُوْا	بایں وجہ کہ وہ
وَاِنْ كُنَّا (۲)	اور بے شک تھے ہم		کی طرف سے	يَصْدِفُوْنَ	روکا کرتے تھے

تورات کا تذکرہ، اس کی چار خوبیاں اور اس کے نزول کا مقصد

ربط: گذشتہ احکام قرآنِ کریم کے احکام تھے، اب ان کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے قرآنِ کریم کی اہمیت بیان فرماتے ہیں، مگر بات تورات سے شروع کی ہے، اس لئے کہ سابقہ کتابوں میں اہم تورات تھی، اور اس لئے بھی کہ آگے عربوں کی بہانہ جوئی میں اس کا تذکرہ آئے گا، اور انجیل: تورات کا ضمیمہ تھی، اس لئے اس کا مستقلاً ذکر نہیں کیا۔

---

(۱) یہ أن: البیلا ہے، ایسا أن اس جلد میں پہلے بھی دو جگہ آیا ہے، مفسرین تقدیر عبارت لئلا نکالتے ہیں (۲) إن: مخففہ ہے اور اس کا اسم نا محذوف ہے (۳) دراستھم میں مضاف محذوف ہے، الدراسة: تعلیم، اسٹڈی۔ (۴) صدف: لازم بھی ہے اور متعدی بھی، شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے لازم کا ترجمہ کیا ہے: کترانا یعنی روگردانی کرنا، اور حضرت تھانویؒ نے متعدی کا ترجمہ کیا ہے، میں نے دونوں کو جمع کیا ہے۔

تورات میں چار خوبیاں تھیں، وہ سب خوبیاں قرآنِ کریم میں بھی ہیں، اور ایک خوبی مستزاد ہے، جو سنار کی سو اور لوہار کی ایک کی مثال ہے، وہ بابرکت کتاب ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور تورات اللہ کی کتاب تو تھی، کلام نہیں تھی: کلام یا تو فرشتہ کا تھا یا پیغمبر کا۔

تورات کی چار خوبیاں:

۱- تورات اللہ کے نیک بندوں پر، جو تورات کے احکام پر عمل کریں، اللہ کی نعمت کی تکمیل کرتی ہے، یعنی ان کو جنت کا حقدار بناتی ہے۔

۲- تورات ہر دینی بات کی، خواہ اس کا اصول سے تعلق ہو یا فروع سے، پوری وضاحت کرتی ہے۔

۳- تورات بنی اسرائیل کے لئے راہ نما کتاب تھی، دین کی گائڈ بک تھی۔

۴- تورات بنی اسرائیل کو اللہ کی رحمت کا حقدار بنانے کے لئے تھی۔

اور تورات کے نزول کا مقصد: آخرت کا اور اللہ کی ملاقات کا یقین پیدا کرنا تھا، تمام آسمانی کتابوں کا یہی مقصد ہوتا ہے، صحیح عقیدہ اور اللہ کے احکام پر عمل اسی پر موقوف ہوتا ہے۔

﴿ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۵۴ ﴾

ترجمہ: پھر ہم نے موسیٰ کو آسمانی کتاب (تورات) دی: (۱) اس شخص پر اللہ کی نعمت پوری کرنے کے لئے جس نے نیک کام کیا ــــ یعنی تورات پر عمل کیا ــــ (۲) اور ہر (دینی) بات کی وضاحت کرنے کے لئے (۳) اور لوگوں کی راہ نمائی کے لئے (۴) اور مہربانی کے لئے ــــ (مقصد نزول:) تاکہ وہ لوگ (بنی اسرائیل) اپنے پروردگار کی ملاقات پر ایمان لائیں۔

قرآنِ کریم بابرکت کتاب ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کا کلام ہے

قرآنِ کریم صرف اللہ کی کتاب نہیں، ان کا کلام بھی ہے، اور مثل ہے: كلامُ الملوكِ ملوكُ الكلام: شاہ کا کلام شاہ ہوتا ہے، قرآن کا حسن و جمال درخشاں اور تاباں ہے، اس میں صرف روح کی غذا نہیں، جسمانی بیماریوں کا بھی علاج ہے، لہٰذا دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت نہیں، اسی کی پیروی کرو، اور اللہ سے ڈرو، اس کے احکام کی خلاف ورزی مت کرو، دارین میں بامراد ہوؤ گے!

﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۵۵ ﴾

ترجمہ: اور یہ ایک بابرکت کتاب ہے، جس کو ہم نے نازل کیا ہے، پس اس کی پیروی کرو، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم رحم کئے جاؤ!

نزولِ قرآن کا ایک مقصد عربوں پر اتمام حجت ہے

نزولِ قرآن کا ایک مقصد عربوں پر اتمام حجت بھی ہے، ورنہ وہ آخرت میں بہانہ بنا سکتے ہیں کہ تورات وانجیل جو بنی اسرائیل پر نازل ہوئی تھیں، وہ سریانی یا عبرانی زبان میں تھیں، ہم ان زبانوں سے واقف نہیں تھے، اس لئے ہم نے اللہ کو اور اللہ کی شریعت کو نہیں پہچانا، اگر ہم پر عربی میں کتاب نازل کی جاتی تو ہم بنی اسرائیل سے نمبر لے جاتے، اور دنیا دیکھتی کہ ہم اس پر کیسا عمل کرتے ہیں؟ اور ہم اس کو کس طرح چاردانگ عالم پھیلاتے ہیں؟

یہ عذر عرب آخرت میں پیش نہ کرسکیں اس لئے عربی میں قرآن نازل کیا ہے، جو چشم کشا واضح دلائل پر مشتمل ہے، جو راہ نمائی اور رحمت ہے، اب دیکھتے ہیں: تم اپنی بات میں کہاں تک سچے ثابت ہوتے ہو!

﴿اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰي طَاۗىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰي مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ﴾

ترجمہ: کبھی تم کہنے لگو کہ آسمانی کتابیں ہم سے سابق دو جماعتوں ہی پر اتاری گئی تھیں، اور بے شک ہم ان کے پڑھنے سے بالکل ہی نابلد تھے، یا تم کہنے لگو کہ اگر ہم پر آسمانی کتاب اتاری جاتی تو ہم ان (بنی اسرائیل) سے زیادہ راہ یاب ہوتے، سو بالتحقیق تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل، راہ نمائی اور مہربانی پہنچ چکی ہے! —— اس کی قدر کرو اور ایمان لاؤ!

اب جو قرآن پر ایمان نہیں لائے گا، اور دوسروں کو ایمان لانے سے روکے گا وہ بڑا ظالم ہے اس کو کڑی سزا ملے گی

یہ سورت مکی دور کے وسط کی ہے، اس وقت مخالفت زوروں پر تھی، قریش نہ خود ایمان لاتے تھے، نہ اوروں کو ایمان لانے دیتے تھے، باہر کا کوئی آدمی حج یا عمرہ کے لئے آتا تو اس کے کان بھرتے، تاکہ وہ نبی ﷺ سے نہ ملے، یہ لوگ بڑے ظالم ہیں، خود تو ڈوبے ہیں دوسروں کو بھی ڈوبانے کے درپے ہیں، ان کو قیامت کے دن کڑی سزا ملے گی، انتظار کریں!

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ



ترجمہ: پس کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جس نے ہماری باتوں کو جھٹلایا، اور ان سے روگردانی کی، عنقریب ہم سخت سزا دیں گے ان لوگوں کو جو ہماری باتوں سے روگردانی کرتے ہیں، بایں وجہ کہ وہ لوگوں کو (بھی) روکا کرتے تھے!

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝۱۵۸

هَلْ	نہیں	رَبِّكَ	آپ کے رب کی	اٰمَنَتْ	وہ ایمان لایا
يَنْظُرُوْنَ	راہ دیکھتے وہ	يَوْمَ	جس دن	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے
اِلَّآ اَنْ	مگر اس بات کی کہ	يَاْتِيْ	آئے گی	اَوْ كَسَبَتْ (۳)	یا (نہیں) کمائی تھی
تَاْتِيَهُمُ	آئیں	بَعْضُ اٰيٰتِ	کوئی نشانی	فِيْٓ اِيْمَانِهَا	اپنے ایمان میں
الْمَلٰۗىِٕكَةُ	فرشتے	رَبِّكَ	آپ کے رب کی	خَيْرًا	کوئی نیکی
اَوْ يَاْتِيَ	یا آئے	لَا يَنْفَعُ	نہیں کام آئے گا	قُلِ	کہہ دو
رَبُّكَ (۱)	(عذاب) آپ کے رب کا	نَفْسًا	کسی شخص کے لئے	انْتَظِرُوْٓا	انتظار کرو
اَوْ يَاْتِيَ	یا آئیں	اِيْمَانُهَا	اس کا ایمان لانا	اِنَّا	بے شک ہم
بَعْضُ اٰيٰتِ	بعض نشانیاں	لَمْ تَكُنْ (۲)	نہیں تھا	مُنْتَظِرُوْنَ	انتظار کرنے والے ہیں

ابھی وقت ہے، جب پردہ اٹھ جائے گا ایمان لانا معتبر ہوگا نہ عمل!

اس دنیا میں انسان کا امتحان مقصود ہے، اس لئے غیب پر ایمان لانا مطلوب ہے، زبانی پرچہ لکھ کر امتحان میں پاس ہونا ہے، ابھی ایمان وعمل کا وقت ہے، جب پردہ ہٹ جائے گا اور دوسری دنیا منکشف ہونی شروع ہوجائے گی تو نہ ایمان معتبر ہوگا نہ عمل (توبہ) —— اور حقائق واشگاف ہونے کی تین صورتیں ہیں:

ا- جب موت کا وقت آتا ہے اور جان کنی شروع ہوتی ہے تو موت کے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں، اس وقت غیبی

(۱) ربك: مضاف پوشیدہ ہے أی أمر ربك (۲) لم تكن: نفساً کی صفت ہے (۳) کسبت کا آمنت پر عطف ہے پس لم تكن یہاں بھی آئے گا۔

حقیقتیں مشاہدہ بن جاتی ہیں۔اب نہ ایمان معتبر ہے نہ عمل، حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتے ہیں جب تک غرغرہ نہ لگ جائے'' یعنی روح حلق میں نہ پہنچ جائے (ترمذی) فرعون بھی اس وقت ایمان لایا تھا مگر اس کا ایمان اس کے منہ پر مار دیا گیا تھا۔

۲- جب کافروں پر عذاب نازل ہوتا ہے تو اب ایمان اور توبہ قبول نہیں کی جاتی، یہ حالت جان کنی کے مشابہ ہے۔

۳- جب سورج مغرب سے نکل آئے گا تب بھی ایمان و عمل کا وقت نہیں رہے گا، بخاری شریف کی حدیث ہے: ''قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تک سورج اس کے ڈوبنے کی جگہ سے نکل نہ آئے، جب لوگ یہ نشانی دیکھیں گے تو سب زمین والے ایمان لے آئیں گے، مگر اس وقت کسی کو اس کا ایمان لانا مفید نہ ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا''

اس لئے اس آیت میں کفار مکہ سے کہا گیا ہے کہ ہدایت کی تمام حدیں آگئی ہیں، پھر بھی تم ایمان نہیں لاتے تو کاہے کا انتظار ہے؟ کیا روح قبض کرنے والے فرشتوں کے منتظر ہو؟ اس وقت ایمان لانا کیا مفید ہوگا؟ یا عذابِ الٰہی کے منتظر ہو؟ اس وقت بھی ایمان لانا مفید نہیں ہوگا، عذاب ٹلے گا نہیں، یا پھر قیامت کی بڑی نشانی کا انتظار ہے؟ یعنی سورج مغرب سے نکل آئے: اس کا انتظار ہے؟ جب یہ نشانی پائی جائے گی تو نہ ایمان لانا مفید ہوگا نہ اعمال کی تلافی ممکن ہوگی، یعنی نہ کافر کا ایمان لانا معتبر ہوگا نہ عاصی کی توبہ، آج ایمان لانے کا وقت ہے اور اعمال کی تلافی کا بھی، پس وقت سے فائدہ اٹھالو اور ایمان لے آؤ۔

آیتِ کریمہ: کفار مکہ نہیں راہ دیکھتے مگر اس کا کہ ان کے سامنے (موت کے) فرشتے آئیں، یا خود آپ کے پروردگار ان کے سامنے آئیں —— یعنی اللہ کے عذاب کا فیصلہ واقعہ بن جائے —— یا آپ کے پروردگار کی کوئی (بڑی) نشانی دیکھ لیں؟ —— یعنی سورج کا مغرب سے نکلنا۔

جس دن آپ کے پروردگار کی کوئی نشانی سامنے آئے گی تو مفید نہیں ہوگا کسی شخص کے لئے اس کا ایمان لانا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا، یا اس نے ایمان کی حالت میں کوئی نیکی نہیں کمائی —— یعنی گناہوں سے توبہ نہیں کی۔

کہہ دو: انتظار کرو، بے شک ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں! —— یعنی آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا؟

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جنھوں نے	فَرَّقُوْا	مختلف راہیں نکالیں	دِيْنَهُمْ	اپنے دین میں

وَكَانُوْا شِيَعًا	اور وہ مختلف فرقے بن گئے	اِنَّمَآ	سوائے اس کے نہیں کہ	يُنَبِّئُهُمْ	وہ ان کو آگاہ کریں گے
لَّسْتَ	نہیں آپ	اَمْرُهُمْ	ان کا معاملہ	بِمَا	ان کاموں سے جو
مِنْهُمْ	ان میں سے	اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف ہے	كَانُوْا	وہ
فِيْ شَيْءٍ	کسی چیز میں	ثُمَّ	پھر	يَفْعَلُوْنَ	کیا کرتے تھے

مذاہب عالم میں سے برحق ایک ہی مذہب ہے، جس کا عملی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا

اب ایک آیت میں مشرکین مکہ کے ایک خلجان کا جواب ہے، وہ خیال کر سکتے ہیں کہ ہمارا بھی تو ایک مذہب ہے، ہم لامذہب تو نہیں، پھر ہم اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام کو کیوں قبول کریں؟ نجات کے لئے کسی بھی مذہب پر ہونا کافی ہے۔

جواب: دنیا میں مختلف مذاہب ہیں وہ سب برحق نہیں، برحق ان میں سے ایک ہے، اور وہ مذہب اسلام ہے، جو اللہ نے نازل کیا ہے، اور یہ ایک موٹی سی بات ہے، مذاہب میں بنیادی عقیدہ میں تضاد ہے، اسلام ایک اللہ کو معبود مانتا ہے، مجوسی دو خدا مانتے ہیں، عیسائی تین اور ہندو اَن گنت! پس سب مذاہب کیسے صحیح ہو سکتے ہیں؟ اور اس کا علمی فیصلہ تو ابھی قرآنِ کریم کر رہا ہے، اور عملی فیصلہ کل قیامت کے دن ہوگا، ابھی پردہ ڈال رکھا ہے۔

فائدہ: اسلامی فرقے بھی آیت کا مصداق ہیں، ان میں سے برحق سوادِ اعظم یعنی اہل السنہ والجماعہ ہی ہیں، باقی تمام فرقے درجہ بدرجہ گمراہ ہیں، تفسیر درمنثور میں متعدد حوالوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اے عائشہ! اس امت کے گمراہ فرقے، نفس کے بندے اور غلط راہوں پر پڑے ہوئے بھی اس آیت کا مصداق ہیں، ان کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی، اے عائشہ! ہر گناہ گار توبہ کرتا ہے، مگر گمراہ فرقے اور خواہش کے بندے توبہ نہیں کرتے، میں ان سے بے تعلق ہوں اور وہ مجھ سے بے تعلق ہیں!''

تنبیہ: لیس منا: ایک محاورہ ہے، اس سے مزاجوں میں ہم آہنگی (موافقت) کی نفی کی جاتی ہے، اور ھو منی سے ہم آہنگی ثابت کی جاتی ہے، یہاں یہ محاورہ نہیں، یہاں فی شیئ بڑھا ہوا ہے، اس اضافہ کے ساتھ معنی ہیں: بالکل بے تعلقی، قطعاً جدائی!

آیتِ کریمہ: جن لوگوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کر لئے، اور وہ فرقے فرقے بن گئے: آپ کا یقیناً ان سے کوئی تعلق نہیں؟ —— یعنی مذہب اسلام قطعاً ان سے مختلف ہے —— ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے —— ان کا عملی فیصلہ وہی کریں گے —— پھر اللہ تعالیٰ ان کو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے: اس سے آگاہ کریں گے —— یعنی اہل مذاہب کے درمیان عملی فیصلہ فرمائیں گے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

مَنْ جَآءَ	جو شخص آئے گا	وَمَنْ جَآءَ	اور جو شخص آئے گا	مِثْلَهَا	اس کے برابر
بِالْحَسَنَةِ	ایک نیکی کے ساتھ	بِالسَّيِّئَةِ	ایک برائی کے ساتھ	وَهُمْ	اور وہ
فَلَهٗ	تو اس کے لئے ہے	فَلَا يُجْزٰٓى	تو وہ بدلہ نہیں دیا جائے گا	لَا يُظْلَمُوْنَ	ظلم نہیں کئے جائیں
عَشْرُ اَمْثَالِهَا	اس کا دس گنا	اِلَّا	مگر		گے

قیامت کے دن عملی فیصلہ کیا ہوگا؟

آخرت میں اہل حق کو بڑھا چڑھا کر اجر ملے گا، کم از کم دس گنا تو دیا ہی جائے گا، اور اہل باطل کو ان کی گمراہی کے بقدر سزا دی جائے گی، جو فرقے دین کے دائرے سے نکل گئے ہیں وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، اور جو اس کے اندر ہیں وہ اپنے عقائد باطلہ کی سزا پانے کے بعد ناجی ہونگے۔

جاننا چاہئے کہ نیکی کا اجر بڑھانا فضل (مہربانی) ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں، اور گناہ کی سزا زیادہ دینا ظلم ہے، اور اللہ کی بارگاہ ظلم سے بری ہے، چنانچہ نیکی کا پختہ ارادہ کرتے ہی ایک نیکی لکھ لی جاتی ہے، چاہے وہ کسی وجہ سے نیکی نہ کرے، اور جب نیکی کر لیتا ہے تو کم از کم دس گنا اجر لکھا جاتا ہے —— اور گناہ کا معاملہ برعکس ہے، برائی کا پختہ ارادہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا، اور برائی کرنے پر ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے، بلکہ اگر اللہ سے ڈر کر گناہ سے رک جائے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے، اور کسی مانع کی وجہ سے گناہ نہ کر سکے تو نہ نیکی لکھی جاتی ہے نہ گناہ!

حدیث قدسی میں ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور ان کا ارشاد برحق ہے کہ جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرے تو تم (اے فرشتو!) اس کے لئے ایک نیکی لکھ لو، پھر اگر وہ اس کو کرے تو اس کے لئے اس کا دس گنا لکھو، اور جب وہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو اس کو (ابھی) مت لکھو، پھر اگر وہ برائی کرے تو تم اس کو اس کے مانند لکھو، یعنی ایک ہی گناہ لکھو' اور کبھی فرمایا: ''پھر اگر وہ اس کو نہ کرے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھو'

فائدہ: عیسائی مصنفین کہتے ہیں کہ قرآن نے جابر وظالم خدا کا تصور پیش کیا ہے، اس آیت سے ان کی تردید ہوتی ہے، دیکھو! کیسا نیکی کا کریمانہ اور گناہ کا منصفانہ ضابطہ بیان کیا ہے؟! اور قرآن میں اللہ کی صفاتِ رحمت کا ذکر زیادہ ہے، اور اللہ نے اپنے اوپر رحمت کو واجب کیا ہے، غضب کو واجب نہیں کیا!

آیتِ کریمہ: جو شخص نیکی لے کر آیا اس کے لئے اس کا دس گنا اجر ہے، اور جو برائی لے کر آیا: اس کو اس کے عمل کے برابر ہی سزا دی جائے گی، اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے!

قُلۡ اِنَّنِیۡ هَدٰىنِیۡ رَبِّیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۚ دِیۡنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُكِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیۡكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلۡ اَغَیۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِیۡ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیۡءٍ ؕ وَلَا تَكۡسِبُ كُلُّ نَفۡسٍ اِلَّا عَلَیۡهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمۡ مَّرۡجِعُكُمۡ فَیُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِیۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَكُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ وَرَفَعَ بَعۡضَكُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبۡلُوَكُمۡ فِیۡ مَاۤ اٰتٰىكُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیۡعُ الۡعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۶۵﴾

ع ۲۰

قُلۡ	کہو	مِّلَّةَ (۲)	ملت	وَمَحۡیَایَ	اور میرا جینا
اِنَّنِیۡ	بے شک میں:	اِبۡرٰهِیۡمَ	ابراہیم کی	وَمَمَاتِیۡ	اور میرا مرنا
هَدٰىنِیۡ	راہ نمائی کی ہے میری	حَنِیۡفًا (۳)	یکسو ہونے والے	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے
رَبِّیۡۤ	میرے پروردگار نے	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھے وہ	رَبِّ	جو پالنہار ہیں
اِلٰی صِرَاطٍ	راستے کی طرف	مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ	شرک کرنے والوں میں سے	الۡعٰلَمِیۡنَ	جہانوں کے
مُّسۡتَقِیۡمٍ	سیدھے	قُلۡ	کہو	لَا شَرِیۡكَ	کوئی شریک نہیں
دِیۡنًا (۱)	دین	اِنَّ صَلَاتِیۡ	بے شک میری نماز	لَهٗ	ان کا
قِیَمًا	راست	وَ نُسُكِیۡ (۴)	اور میری قربانی	وَبِذٰلِكَ	اور اسی کا

(۱) دینا قیما: صراط مستقیم کے محل سے بدل ہے، وہ محلاً هدانی کا مفعول ثانی ہے (۲) ملة: دینا سے بدل ہے (۳) حنیفا: إبراهیم کا حال ہے (۴) نسک کے معنی مطلق عبادت کے بھی ہیں۔

أُمِرْتُ	حکم دیا گیا ہوں میں	وَازِرَةٌ	کوئی بوجھ اٹھانے والا	وَرَفَعَ	اور بلند کیا
وَاَنَا	اور میں	وِّزْرَ	بوجھ	بَعْضَكُمْ	تم میں سے بعض کو
اَوَّلُ (۱)	سب سے پہلا	اُخْرٰى	دوسرے کا	فَوْقَ بَعْضٍ	بعض پر
الْمُسْلِمِيْنَ	فرمان بردار ہوں	ثُمَّ اِلٰى	پھر جانب	دَرَجٰتٍ	مراتب میں
قُلْ	پوچھو	رَبِّكُمْ	اپنے پروردگار کے	لِّيَبْلُوَكُمْ	تاکہ جانچیں وہ تم کو
اَغَيْرَ اللّٰهِ	کیا اللہ کے سوا کو	مَّرْجِعُكُمْ	تمہارا لوٹنا ہے	فِيْ مَآ	اس میں جو
اَبْغِيْ	چاہوں میں	فَيُنَبِّئُكُمْ	پس آگاہ کریں گے وہ تم کو	اٰتٰىكُمْ	دیا انھوں نے تم کو
رَبًّا (۲)	پروردگار کے طور پر	بِمَا كُنْتُمْ	ان باتوں سے جو تھے تم	اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کے پروردگار
وَّهُوَ رَبُّ	حالانکہ وہ پروردگار ہے	فِيْهِ	اس میں	سَرِيْعُ	جلدی
كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کا	تَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے	الْعِقَابِ	حساب کرنے والے ہیں
وَلَا تَكْسِبُ	اور نہیں کماتا	وَهُوَ الَّذِيْ	اور وہی ہیں جنھوں نے	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ
كُلُّ نَفْسٍ	کوئی شخص	جَعَلَكُمْ	بنایا تم کو	لَغَفُوْرٌ	یقیناً بڑے بخشنے والے
اِلَّا عَلَيْهَا	مگر اپنے خلاف	خَلٰٓئِفَ	جانشیں	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں
وَلَا تَزِرُ	اور نہیں بوجھ اٹھائے گا	الْاَرْضِ	زمین میں	❁	❁

اسلام ہی اللہ کا سیدھا راستہ ہے اور وہی نجات کا ضامن ہے!

اب سورت پوری ہونے والی ہے۔ فرماتے ہیں: لوگ دین میں جتنی چاہیں راہیں نکال لیں، جتنے چاہیں معبود تجویز کرلیں، مگر جان لیں کہ معبود اللہ ہی ہیں، اور ان تک ایک ہی راستہ پہنچتا ہے، اور وہ سیدھی صاف سڑک ہے، اور وہ وہ ہے جو قرآن کریم پیش کررہا ہے، وہی ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے، اور یہود ونصاری کا دعوی غلط ہے کہ وہ ملتِ ابراہیمی پر ہیں، یہی بات مشرکین بھی کہتے ہیں، جبکہ ابراہیم علیہ السلام بت شکن تھے، بت پرست نہیں تھے۔

اور مسلمان وہ ہے جو اللہ سے لو لگالے، نماز ہو یا زکات، مرنا ہو یا جینا: سب ایک اللہ کے لئے ہو، اس میں دوسرا کوئی شریک نہ ہو، اور ہر مسلمان کی یہ خواہش ہو کہ وہی اول نمبر کا فرمان بردار بنے۔

اور اسلام میں شرک کی قطعاً گنجائش نہیں، جب رب اللہ تعالیٰ ہیں تو دوسرا معبود کہاں سے آگیا؟ رب: وہ ہوتا ہے جو

(۱) أول المسلمين: محاورہ ہے، پہلی پوزیشن لانے والا، جماعت کے ہر طالب علم کی یہی خواہش ہونی چاہئے (۲) ربا: تمیز ہے۔

پیدا کرتا ہے، بقاء کا سامان کرتا ہے اور پالتا پوستا ہے، یہاں تک کہ کمال تک پہنچا دیتا ہے، پس وہی مخلوقات کا مالک ہے، اور جو مالک ہے وہی معبود ہے۔

اور جو اللہ کو معبود نہیں مانتا، اور ان کے احکام کی پیروی نہیں کرتا: وہ اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے، اسی کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی، وہی اپنے گناہوں کی گٹھڑی اٹھائے گا، کوئی اس کا ذرا بھی بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر وہ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہوگا، اس وقت اس کو اللہ تعالیٰ عملی طور پر جتلائیں گے کہ وہ اسلام کی جو مخالفت کرتا رہا تھا، اس کی حقیقت کیا تھی؟ تمام مذہبی اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن کر دیا جائے گا۔

اور مخالفینِ اسلام سے آخری بات یہ فرمائی ہے کہ تم ہی پہلے انسان نہیں ہو، اللہ نے تم کو اگلوں کا جانشیں بنایا ہے، اور پانچ انگلیاں یکساں نہیں بنائیں، لوگوں کو مختلف مراتب میں پیدا کیا ہے، اگر رؤسائے مکہ کو مال و منال دیا ہے اور وہ کھاتے پیتے ہیں تو یہ ان کا امتحان ہے کہ وہ اپنی توانائیاں کس مد میں خرچ کرتے ہیں: اللہ کی بخشی ہوئی دولت اللہ کے دین کے لئے استعمال کرتے ہیں یا اس کی مخالفت میں؟ اور اللہ تعالیٰ جلدی حساب کرنے والے ہیں، قیامت کے آنے میں دیر کیا ہے؟ پھر قیامت کے دن جو فیصلے ہونگے ان میں اللہ کی صفتِ مغفرت اور صفتِ رحمت کا غلبہ ہوگا۔ **اللّٰهم اغفر لنا ذنوبنا، وكفر عنا سيئاتنا، إنك أنت الغفور الرحيم** (آمین)

آیاتِ پاک کا ترجمہ: کہو: بے شک میرے پروردگار نے میری سیدھے راستہ کی طرف راہ نمائی کی ہے، جو درست دین ہے، ابراہیم کی ملت ہے، جو اللہ کی طرف یکسو ہونے والے تھے، اور وہ شریک ٹھہرانے والوں میں سے نہیں تھے۔

کہو: بے شک میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا جہانوں کے پالنہار ہی کے لئے ہے، جن کا کوئی شریک نہیں، اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں پہلا فرمان بردار ہوں!

پوچھو: کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا پروردگار تلاش کروں، جبکہ وہی ہر چیز کے پالنہار ہیں! —— اور نہیں کماتا کوئی شخص مگر وہی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا —— پھر اپنے پروردگار کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں آگاہ کریں گے ان باتوں سے جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔

اور اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو زمین میں جانشیں بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض پر مراتب میں فوقیت دی، تاکہ تمہیں جانچیں اس (مال و متاع) میں جو تم کو بخشا ہے، بے شک آپ کے پروردگار جلدی حساب کرنے والے ہیں، اور بے شک وہ بڑی بخشش کرنے والے، بڑے مہربانی فرمانے والے ہیں!

﴿ بفضل اللہ تعالیٰ ۸ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ = مطابق ۲۴ر فروری ۲۰۱۸ء کو سورۃ الانعام کی تفسیر پوری ہوئی ﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الاعراف

نمبر شمار ۷ نزول کا نمبر ۳۹ نزول کی نوعیت مکی رکوع ۲۴ آیات ۲۰۶

سورت کی وجہ تسمیہ: آیات ۴۶ و ۴۸ میں اعراف کا ذکر آیا ہے، اس کو لے کر سورت کا نام الأعراف رکھا گیا ہے، پس یہ جزء سے کل کا نام رکھا گیا ہے۔ اعراف: عُرْفٌ کی جمع ہے، لغت میں اس کے معنی ہیں: اونچی جگہ، اور قرآن کی زبان میں وہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک اونچی جگہ ہے، اور سورۃ الحدید میں غالباً اسی کو ایسی دیوار کہا گیا ہے جس میں دروازہ ہے، اعراف میں عارضی طور پر کچھ لوگوں کو رکھا جائے گا، جو بالآخر جنت میں جائیں گے۔ اعراف کے بارے میں بس ہمیں اتنی ہی باتیں معلوم ہیں، باقی تفصیلات معلوم نہیں، مثلاً: وہ دیوار کتنی چوڑی ہے؟ اس پر کون رکھے جائیں گے؟ اور کیوں رکھے جائیں گے؟ یہ باتیں صحیح نصوص میں نہیں آئیں، اور قیاس آرائی سے کوئی فائدہ نہیں، اس وقت ہم اعراف کی حقیقت ایک حد تک ہی سمجھ سکتے ہیں، اور اس کی طرف اشارہ سورت کے شروع میں حروفِ مقطعات لا کر کیا گیا ہے۔

حروفِ مقطعات کی حکمت: حروفِ مقطعات حروفِ ہجاء ہیں، ان سے کلمات بنتے ہیں، اتنی بات ہر کوئی جانتا ہے، پھر ان حروفِ ہجاء کے بھی معانی ہیں، مگر ان کو کوئی نہیں جانتا، حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے الفوز الکبیر کی پانچویں فصل میں اور الخیر الکثیر میں ان کے معانی اس طور پر بیان کئے ہیں کہ قاری کے پلّے کچھ نہیں پڑتا، مگر یہ بات بدیہی ہے کہ ان سے کلمات بنتے ہیں، عربی میں حروفِ ہجا ۲۹ ہیں اور حروفِ مقطعات ۲۹ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، یہ ایک لطیفہ (مزے دار بات) ہے۔

اور جن سورتوں کے شروع میں حروفِ ہجا آئے ہیں ان میں ایسے مضامین بھی ہیں جن کو ایک حد تک ہی سمجھا جا سکتا ہے، پوری طرح ان کو نہیں سمجھ سکتے، مثلاً:

۱- سورۃ البقرۃ کے شروع میں یہ حروف ہیں، چنانچہ اس سورت میں آیت الکرسی آئی ہے، جس میں اللہ کی صفات کا بیان ہے، ان کو ایک حد تک ہی آدمی سمجھ سکتا ہے، ان کی تمام حقیقت انسان نہیں سمجھ سکتا۔

۲- پھر سورۃ آلِ عمران میں یہی حروف ہجاء آئے ہیں، اس لئے کہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا ذکر ہے، اس کو بھی انسان پوری طرح نہیں سمجھ سکتا کہ وہ بغیر باپ کے کیسے پیدا ہوئے؟ بس اس کو قدرتِ

خداوندی کا کرشمہ سمجھنا چاہئے۔

۳- پھر اس سورت کے شروع میں حروفِ مقطعات آئے ہیں، اس لئے کہ اس سورت میں ایسے مضامین ہیں جن کو ایک حد تک ہی سمجھا جا سکتا ہے، مثلاً:

(الف) اعراف کو ایک حد تک ہی سمجھ سکتے ہیں، اس کی تمام تفصیلات نہیں جان سکتے۔

(ب) سورت کے شروع میں آدم علیہ السلام کی تخلیق کا بیان ہے، اس کی تفصیلات بھی ہم نہیں جانتے کہ اللہ نے ساری زمین سے مٹھی کیسے بھری؟ یعنی ساری زمین کی مٹی کیسے لی؟ پھر اس میں پانی ملا کر گارا کیسے بنایا؟ اور ان کا پتلا کیسے بنایا؟ اور دھوپ میں کہاں رکھا؟ اور کتنا عرصہ رکھا کہ وہ کھنکھناتی ٹھیکری ہو گیا؟ پھر اس میں روح کس طرح پیدا کی؟ اس قسم کی ساری تفصیلات ہم نہیں جانتے، نہ ان کا جاننا کچھ زیادہ مفید ہے۔

(ج) اللہ تعالیٰ رحم مادر میں انسان کی صورت گری کرتے ہیں، اس کا ناک نقشہ بناتے ہیں، ہر انسان کی صورت دوسرے انسان سے مختلف ہوتی ہے، اور یہ بات بدیہی ہے، مگر بچہ دانی میں کونسی مشین لگی ہے جو یہ کام کرتی ہے: یہ بات کوئی نہیں جانتا۔

اسی کی ریہرسل کے لئے سورت کے شروع میں حروفِ ہجاء لائے گئے ہیں، تا کہ انسان دقیق مسائل میں ایک حد پر رک جائے۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ❁ کہ جاہا سپر باید انداختن

ہر جگہ (تحقیق کا) گھوڑا نہیں دوڑا سکتے ❁ بلکہ بہت جگہ ڈھال ڈال دینی پڑتی ہے!

لطیفہ: جتنے حروفِ ہجاء ہیں اتنی سورتوں کے شروع میں حروفِ مقطعات لائے گئے ہیں، اس طرح حروفِ ہجاء کی تحدید کی ہے، تعداد متعین کی ہے، تا کہ کوئی ان میں کمی بیشی نہ کر سکے۔

سورت کا موضوع: اسلام کے بنیادی عقائد تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت، مکی سورتوں میں زیادہ تر انہی عقائد سے بحث ہے، سورۃ الانعام میں توحید کا مضمون زیادہ پیش نظر رہا ہے، رسالت اور آخرت کا بھی ذکر ضمناً آیا ہے، اس سورت میں اس کے برعکس ہے، زیادہ بحث رسالت وآخرت سے ہے اور توحید بھی ضمناً زیر بحث آئی ہے، پس یہ سورت گویا گذشتہ سورت کا تتمہ ہے، اس لئے لوح محفوظ کی ترتیب میں یہ سورت: سورۃ الانعام کے بعد ہے۔

سابقہ سورت سے اس سورت کی مناسبت: سورۃ الانعام کے آخر میں اسلام کا خلاصہ تھا، اس کی تبلیغ کا حکم تھا، اور مخالفین کو دھمکایا تھا، یہ سورت انہی مضامین سے شروع ہو رہی ہے، اب سورت کی تلاوت کریں، اس کے مسائل تفصیل سے سامنے آتے رہیں گے، اور خلاصہ دیکھنا چاہیں تو فہرست مضامین میں ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

الٓمّٓصٓ	الف، لام، میم، صاد	مِّنْهُ	اس کی وجہ سے	اِلَيْكُمْ	آپ لوگوں کی طرف
كِتٰبٌ	(یہ) ایک کتاب ہے	لِتُنْذِرَ	تاکہ ڈرائیں آپ	مِّنْ رَّبِّكُمْ	آپ لوگوں کے رب کی طرف سے
اُنْزِلَ	جو اتاری گئی ہے	بِهٖ	اس کے ذریعہ	وَلَا تَتَّبِعُوْا	اور مت پیروی کرو تم
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	وَذِكْرٰى	اور نصیحت ہے	مِنْ دُوْنِهٖٓ	اللہ سے وَرے
فَلَا يَكُنْ	پس نہ ہو	لِلْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کے لئے	اَوْلِيَآءَ	سرپرستوں (مورتیوں) کی
فِيْ صَدْرِكَ	آپ کے سینہ میں	اِتَّبِعُوْا	پیروی کرو	قَلِيْلًا	بہت ہی کم
حَرَجٌ	کچھ تنگی	مَآ اُنْزِلَ	اس کی جو اتارا گیا	مَّا تَذَكَّرُوْنَ	دھیان دیتے ہو تم!

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حروفِ مقطعات میں ایک اشارہ ہے

﴿ الٓمّٓصٓ ﴾ حروفِ ہجاء ہیں، ان کو الگ الگ پڑھا جاتا ہے، اس طرح: الف، لام، میم، صاد، اس لئے ان کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں، مقطعات کے معنی ہیں: کاٹ کر الگ الگ کئے ہوئے، ان کے بارے میں یہ موٹی بات تو ہر کوئی جانتا ہے کہ ان حروف سے کلمات بنتے ہیں، رہی یہ بات کہ حروفِ ہجاء کے معانی کیا ہیں؟ اس کو کما حقہ کوئی نہیں جانتا، نہ کوئی یہ بات بتا سکتا ہے کہ ۲۹ حروفِ ہجاء میں سے اس سورت کے شروع میں یہ چار حروف کیوں لائے گئے ہیں؟ یہ بات حروفِ ہجاء کے معانی جاننے پر موقوف ہے، اور ان کو کوئی نہیں جانتا —— البتہ ان میں اشارہ ہے کہ سورت میں ایسے مضامین ہیں جن کو ایک حد تک ہی سمجھا جا سکتا ہے، مثلاً: یہ سورت رسالت کے مسئلہ سے شروع ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ

کو رسالت سے سرفراز کیا ہے، اور آپ پر اپنا کلام نازل کیا ہے، یہ دونوں باتیں آخری حد تک نہیں سمجھ سکتے، سرسری طور پر یعنی ایک حد تک ہی سمجھی جاسکتی ہیں۔

نزولِ قرآن کا مقصد اور لوگوں کی ذمہ داری

نبی ﷺ: اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے آپ پر اپنی آخری کتاب نازل کی ہے اور حکم دیا ہے کہ لوگوں تک یہ کتاب پہنچائی جائے، پس نبی ﷺ یہ نہ سوچیں کہ لوگ مانتے تو ہیں نہیں! الٹے درپے آزار ہوجاتے ہیں، پھر کیونکر پہنچاؤں! ایسی دل تنگی نہ ہو، بلکہ کامل انشراح کے ساتھ انذار و تبلیغ کا فریضہ انجام دیں، اور قوت وجرأت کے ساتھ یہ کتاب لوگوں کو سنائیں، منوانا آپ کی ذمہ داری نہیں، جو خوش نصیب مان لیں گے ان کے لئے یہ کتاب نصیحت ثابت ہوگی۔

پھر دوسری آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو نہیں مانیں گے کہ یہ کتاب درحقیقت تمہاری طرف اتاری گئی ہے، نبی ﷺ کو واسطہ بنایا ہے، تمہیں قرآن کے ذریعہ دعوت دی جارہی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو معبود مانو، اور ان سے کم درجہ جو خدا تم نے تجویز کر رکھے ہیں: ان کو چھوڑو! اور شیاطین الانس والجن: جن کو تم نے سرپرست بنا رکھا ہے ان کی بات مت سنو، مگر تم قرآن کی باتوں پر بہت ہی کم دھیان دیتے ہو!

آیاتِ پاک: الف، لام، میم، صاد، یہ ایک کتاب ہے جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے، پس اس کی وجہ سے آپ کے سینہ میں کچھ تنگی نہ ہو —— کہیں آپ سوچیں کہ اسے لوگوں تک کیسے پہنچاؤں؟ لوگ مانتے تو ہیں نہیں! —— تاکہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو نتائج اعمال سے خبردار کریں، اور ایمان لانے والوں کے لئے یاددہانی ثابت ہو —— یہ دو نزولِ قرآن کے مقاصد ہیں —— (لوگوں سے خطاب:) تم اس وحی کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی جانب سے اتاری گئی ہے —— اور ایک خدا کی بندگی کرو، یہی قرآن کی دعوت ہے —— اور تم نے اللہ سے کم درجہ جو معبود بنا رکھے ہیں ان کی بات مت سنو —— یعنی مورتیوں کی پرستش مت کرو، پیروی نہ کرنے کا یہی مطلب ہے —— تم بہت ہی کم دھیان دیتے ہو! —— یعنی سنی ان سنی کردیتے ہو!

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝۷

وَكَمْ	اور بہت سی	دَعْوٰىهُمْ	ان کی پکار	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
مِّنْ قَرْيَةٍ	بستیاں	اِذْ جَآءَهُمْ	جب پہنچا ان کو	وَلَنَسْئَلَنَّ	اور ضرور پوچھیں گے ہم
اَهْلَكْنٰهَا	ہلاک کیا ہم نے ان کو	بَاْسُنَآ	ہمارا عذاب	الْمُرْسَلِيْنَ	بھیجے ہوئے (رسولوں) سے
فَجَآءَهَا	پس پہنچا ان کو	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	فَلَنَقُصَّنَّ	پھر احوال بیان کریں
بَاْسُنَا	ہمارا عذاب	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے		گے ہم
بَيَاتًا[1]	درانحالیکہ وہ رات میں	اِنَّا كُنَّا	بے شک ہم تھے	عَلَيْهِمْ	ان کے روبرو
	سوئے ہوئے تھے	ظٰلِمِيْنَ	ستمگار (خطاوار)	بِعِلْمٍ	علم وآگہی سے
اَوْهُمْ	یا وہ	فَلَنَسْئَلَنَّ	پس ضرور پوچھیں گے ہم	وَّمَا كُنَّا	اور نہیں تھے ہم
قَآئِلُوْنَ	قیلولہ کرنے والے تھے	الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جو	غَآئِبِيْنَ	غیر حاضر
فَمَا كَانَ	پس نہیں تھی	اُرْسِلَ	بھیجا گیا (رسولوں کو)	۞	۞

جو لوگ قرآن کی دعوت قبول نہیں کریں گے وہ دنیا و آخرت میں عذاب سے دوچار ہونگے

(گذشتہ سورت کے آخر میں اسلام کا جو خلاصہ آیا ہے، اس کو قبول نہ کرنے پر ترہیب)

بعثتِ رُسل کا سلسلہ نوح علیہ السلام سے جاری ہے، ہمیشہ رسولوں نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی ہے، اور شرک سے ڈرایا ہے، مگر مشرکین ٹس سے مس نہ ہوئے اور انبیاء سے معجزات طلب کئے، وہ بھی دکھائے، پھر بھی کتے کی دُم ٹیڑھی رہی پس اچانک اللہ کے عذاب کا کوڑا ان پر برسا، کسی پر رات میں عذاب آیا، کسی پر دن میں، جب عذاب اترا تو وہ پکارنے لگے کہ ہم نے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری! مگر اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!

یہ مضمون دو آیتوں میں ہے، پھر دو آیتوں میں عذاب آخرت کا بیان ہے، اور وہ لمبا مضمون ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے دربار میں امتوں کا مقدمہ پیش ہوگا، ان سے پوچھا جائے گا: تمہارے پاس ہمارے رسول آئے تھے، انھوں نے تم کو توحید کی دعوت دی تھی، تم نے ان کو کیا جواب دیا؟ توحید کی دعوت قبول کی یا نہیں؟ ﴿ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ (قصص ۶۵) وہ جواب دیں گے: ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا، پھر رسولوں کو بلایا جائے گا، وہ کہیں گے: ہم گئے تھے اور ان کو توحید کی دعوت دی تھی، ان سے پوچھا جائے گا ﴿ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ﴾ (المائدہ ۱۰۹) رسول کہیں گے قوم نے ہم کو ٹکا سا جواب

(۱) بیاتا: باب ضرب کا مصدر ہے اور حال ہے: رات میں آپڑنا، رات میں سوتے دشمن پر حملہ کرنا۔

دیا، دعوت قبول نہیں کی، چونکہ رسول مقدمہ میں مدعی ہونگے تو ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے، وہ امت محمد ﷺ کو گواہی میں پیش کریں گے، امتیں گواہوں پر جرح کریں گی کہ یہ ہمارے زمانہ کے لوگ نہیں، ان کی گواہی کا کیا اعتبار؟ پھر گواہوں کی اعتباریت ثابت کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو لایا جائے گا، اس طرح اتمام حجت کرکے امتوں کے سامنے ان کا کچا چٹھا رکھ دیا جائے گا، اور مقدمہ کی یہ کاروائی ضابطہ کی بات ہوگی، ورنہ اللہ تعالیٰ کو امتوں کے سب احوال بخوبی معلوم ہیں، وہ غیر حاضر نہیں تھے، امتوں کے سب احوال دیکھ رہے تھے۔

یہ احوال قریش کو سنائے جارہے ہیں، تاکہ وہ ان سے سبق لیں، پھر امتوں کے اعمال نامے تولے جائیں گے، اور مشرکوں کو ان کے گھر تک پہنچایا جائے گا، جس کی تفصیل اگلی آیات میں آرہی ہے۔

آیاتِ پاک: بہت سی بستیاں: ہم نے ان کو ہلاک کیا، پس ان کو ہمارا عذاب پہنچا، درانحالیکہ وہ رات میں سوئے ہوئے تھے، یا دوپہر میں قیلولہ کررہے تھے، پس جب ان کو ہمارا عذاب پہنچا تو ان کی پکار بس یہی تھی کہ انھوں نے کہا: ''بے شک ہم خطاوار تھے!''

پس ہم ضرور پوچھیں گے ان لوگوں سے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا، اور ہم ضرور پوچھیں گے رسولوں سے، پھر ہم ان کے سامنے ان کے احوال رکھ دیں گے، جو مبنی بر علم ہونگے، اور ہم غیر حاضر نہیں تھے!

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾

وَالْوَزْنُ	اور وزن کیا جانا	فَأُولَٰئِكَ	تو وہی لوگ	أَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں کو
يَوْمَئِذٍ	اس دن	هُمُ الْمُفْلِحُونَ	کامیاب ہونے والے ہیں	بِمَا	بایں وجہ کہ
الْحَقُّ	واقعی ہے	وَمَنْ خَفَّتْ	اور جو ہلکی ہونگی	كَانُوا	تھے وہ
فَمَنْ	پس جو شخص	مَوَازِينُهُ	اس کی تولیں	بِآيَاتِنَا	ہماری باتوں کے ساتھ
ثَقُلَتْ	بھاری ہوں گی	فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ	پس وہی لوگ	يَظْلِمُونَ	ناانصافی کرتے (حق تلفی کرتے)
مَوَازِينُهُ (۱)	اس کی تولیں (پلّہ)	خَسِرُوا	گھاٹے میں رکھا انھوں نے		

(۱) موازین: میزان کی جمع ہے: کانٹا، تولنے کی ترازو، خواہ ایک پلڑے کی ہو یا دو پلڑوں کی، اور جمع اس لئے ہے کہ میدانِ حشر میں جگہ جگہ ترازو ہونگے۔

قیامت کے دن اعمال تولے جائیں گے، کسی کا پلڑا بھاری ہوگا کسی کا ہلکا

قیامت کے دن تمام لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے، مؤمنوں کے بھی اور کافروں کے بھی، اور یہ اٹل حقیقت ہے، اس میں ذرا شک کی گنجائش نہیں، پھر جس کا تول بھاری ہوگا وہ جنت میں جائے گا، اور جس کا تول ہلکا ہوگا وہ گھاٹے میں رہے گا، جہنم کا منہ دیکھے گا، اور اس کو کسی اور نے گھاٹے میں نہیں رکھا، اس نے خود کو گھاٹے میں رکھا ہے، اس طرح کہ اس نے اللہ کی باتوں کے ساتھ ناانصافی کی، ان کو قبول نہیں کیا اور ایمان نہیں لایا۔

اور اعمال کا تلنا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا پورا حال ابھی سمجھ میں نہیں آسکتا، ابھی اس کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے، پس یہ سوال کہ خود اعمال تولے جائیں گے یا اعمال نامے یعنی اعمال کے دفاتر؟ پھر یہ سوال کہ اعمال کیسے تولے جائیں گے، وہ تو اعراض ہیں، ان کا مستقل وجود نہیں؟ اور لوگوں کی باتیں کیسے تولی جائیں گی: وہ تو وجود میں آکر ختم ہوجاتی ہیں؟ اس قسم کے سوالات غیر ضروری ہیں، ان کے جوابات نہیں دیئے جاسکتے، حروفِ مقطعات کے ذریعہ اسی کی ریہرسل کرائی گئی ہے۔

البتہ سائنس جدید ایسی ایسی چیزیں وجود میں لارہی ہے کہ اسلامی حقائق کو سمجھنا آسان ہوگیا ہے، ٹیپ ریکارڈ باتوں کو محفوظ کرتا ہے، فنا نہیں ہونے دیتا، تھرمامیٹر حرارت وبرودت ناپ کر بتادیتا ہے، اور آگے کیا کیا چیزیں وجود میں آئیں گی؟ ان کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، ان ایجادات کے ذریعہ آخرت کی موجودات کو سمجھا جاسکتا ہے۔

آیتِ کریمہ: اور اعمال کا تولا جانا اس دن برحق ہے، پھر جن کا تول بھاری ہوگا وہی کامیاب ہونے والے ہیں، اور جن کا تول ہلکا ہوگا وہی خود کو گھاٹے میں رکھنے والے ہیں، اس وجہ سے کہ وہ ہماری باتوں کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے!

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع ۸ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَاۗىِٕلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝۱۷ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۸

وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	لِاٰدَمَ	آدم کو	وَخَلَقْتَهٗ	اور پیدا کیا آپ نے اس کو
مَكَّنّٰكُمْ	قادر بنایا ہم نے تم کو	فَسَجَدُوْٓا	پس سجدہ کیا انھوں نے	مِنْ طِيْنٍ	مٹی سے
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	اِلَّآ اِبْلِيْسَ	مگر ابلیس نے	قَالَ	کہا اللہ نے
وَجَعَلْنَا	اور بنائے ہم نے	لَمْ يَكُنْ	نہیں تھا وہ	فَاهْبِطْ(۴)	پس اتر تو
لَكُمْ فِيْهَا	تمہارے لئے اس میں	مِّنَ السّٰجِدِيْنَ	سجدہ کرنے والوں میں سے	مِنْهَا(۵)	ان سے
مَعَايِشَ(۱)	زندگی گذارنے کے سامان	قَالَ	پوچھا اللہ نے	فَمَا يَكُوْنُ	پس نہیں ہے
قَلِيْلًا مَّا	بہت ہی کم	مَا مَنَعَكَ	کس چیز نے روکا تجھ کو	لَكَ	تیرے لئے
تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاتے ہو تم!	اَلَّا(۳)	کہ نہیں	اَنْ تَتَكَبَّرَ	کہ گھمنڈ کرے تو
وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے	تَسْجُدَ	سجدہ کررہا تو	فِيْهَا(۵)	ان میں
خَلَقْنٰكُمْ	پیدا کیا ہم نے تم کو	اِذْ اَمَرْتُكَ	جب حکم دیا میں نے تجھے؟	فَاخْرُجْ	پس نکل (ان سے)
ثُمَّ	پھر	قَالَ	کہا اس نے	اِنَّكَ	بے شک تو
صَوَّرْنٰكُمْ(۲)	تمہاری صورتیں بنائیں	اَنَا خَيْرٌ	میں بہتر ہوں	مِنَ الصّٰغِرِيْنَ	ذلیلوں میں سے ہے
ثُمَّ قُلْنَا	پھر کہا ہم نے	مِّنْهُ	اس سے	قَالَ	کہا اس نے
لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ	فرشتوں سے	خَلَقْتَنِيْ	پیدا کیا آپ نے مجھے	اَنْظِرْنِيْٓ	ڈھیل دیجئے مجھے
اسْجُدُوْا	سجدہ کرو	مِنْ نَّارٍ	آگ سے	اِلٰى يَوْمِ	دن تک

(۱) مَعَایِش: مَعِیْشَۃ کی جمع: روزگار (۲) تصویر: ناک نقشہ بنانا، شکل وصورت بنانا (۳) أَلَّا: أَنْ تفسیریہ اور لا نافیہ ہے نون کا لام میں ادغام ہوا ہے، أَنْ نے مَنَع کی تفسیر کی ہے، أن: قول کے علاوہ فعل کی بھی تفسیر کرسکتا ہے اور مفسرین کرام لا کو زائدہ لیتے ہیں اور اس کا ترجمہ کرتے ہیں: کس چیز نے روکا تجھ کو سجدہ کرنے سے، پس أن مصدریہ سے پہلے عن مقدر ہوگا۔ (۴) اِهْبِطْ: بمعنی اُخْرُج ہے، آگے دو جگہ أخرج آرہا ہے، اور یہاں اهبط میں مرتبہ کے تنزل کی طرف اشارہ ہے۔ (۵) منها کی ضمیر کا مرجع ملائکۃ ہیں، بتاویل طائفہ، جنت اور سماء کا ذکر پہلے نہیں آیا یہی صحیح ہے، سورۃ ص کی تفسیر میں بھی یہی ہونا چاہئے۔

يُبْعَثُوْنَ	دوبارہ زندہ کئے جائیں وہ	الْمُسْتَقِيْمَ	سیدھے	قَالَ	فرمایا
قَالَ	فرمایا:	ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ	پھر ضرور آؤں گا میں ان	اخْرُجْ مِنْهَا	نکل تو ان سے
اِنَّكَ	بے شک تو		کے پاس	مَذْءُوْمًا	بدحال
مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ	ڈھیل دیئے ہوؤں	مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ	ان کے سامنے سے	مَّدْحُوْرًا	دھتکارا ہوا
	میں سے ہے			لَمَنْ	البتہ جو شخص
قَالَ	کہا اس نے	وَمِنْ خَلْفِهِمْ	اور ان کے پیچھے سے	تَبِعَكَ	پیروی کرے گا تیری
فَبِمَآ (۱)	پس بایں سبب کہ	وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ	اور ان کے دائیں سے	مِنْهُمْ	ان میں سے
اَغْوَيْتَنِيْ	گمراہ کیا آپ نے مجھے	وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ	اور ان کے بائیں سے	لَاَمْلَئَنَّ	ضرور بھروں گا میں
لَاَقْعُدَنَّ	ضرور بیٹھوں گا میں	وَلَا تَجِدُ	اور نہیں پائیں گے آپ	جَهَنَّمَ	دوزخ کو
لَهُمْ	ان کے لئے	اَكْثَرَهُمْ	ان کے اکثر کو	مِنْكُمْ	تم
صِرَاطَكَ	آپ کے راستہ پر	شٰكِرِيْنَ	شکرگزار	اَجْمَعِيْنَ	سبھی سے

ربط اور تمہید: شروع سورت سے عدم ایمان پر ترہیب تھی، اب پانچ طرح سے ایمان لانے کی ترغیب دیتے ہیں، البتہ آیات کو سمجھنے کے لئے چند باتیں جان لینی چاہئیں:

۱- زمین میں بے شمار مخلوقات کے ساتھ تین اہم مخلوقات بھی بسی ہوئی ہیں؛ زمینی فرشتے جو سب سے پہلے زمین میں پیدا کئے گئے ہیں، ان کو رجال الغیب بھی کہتے ہیں، ان کے بعد جنات کو پیدا کیا، ان کے جدامجد جانّ ہیں، یہ مکلّف مخلوق ہیں، پھر عرصہ بعد انسانوں کو پیدا کیا، یہ بھی مکلّف مخلوق ہیں، اور تینوں مخلوقات میں لطافت وکثافت کا پارٹیشن ہے، یہ تینوں مخلوقات عناصر اربعہ سے پیدا کی گئی ہیں، البتہ زمینی فرشتے عناصر کی 'بھاپ' سے پیدا کئے گئے ہیں، اس میں کسی عنصر کا غلبہ نہیں، اس لئے فرشتوں کے مزاج میں اعتدال رہا، وہ ہر وقت اللہ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں، اور جنات کے آمیزہ میں آگ کا غلبہ ہے، اور آگ کا خاصہ 'علو' ہے، اس لئے جنات کے مزاج میں 'سرکشی' ہے، اور انسان کے آمیزہ میں 'خاک' کا غلبہ ہے، اور خاک پامال ہے، زمین پیروں تلے دبی رہتی ہے، اس لئے انسان کے مزاج میں 'خاکساری' ہے۔ یہ زمینی فرشتے ملأ سافل (ایوانِ زیریں) کہلاتے ہیں، اور آسمانوں کے اوپر والے ملأ اعلیٰ (ایوانِ بالا) ہیں، وہ نور سے پیدا کئے گئے ہیں، اور وہ بھی انسان کی مصلحت سے پیدا کئے گئے ہیں، وہ ہر وقت مؤمنین کے لئے دعا واستغفار میں لگے رہتے

(۱) فبما: میں باء سببیہ اور ما مصدریہ ہے۔

ہیں، وہ انسانوں کی اور بھی خدمات انجام دیتے ہیں۔

۲- کائنات میں پہلے بارڈرز اور سرحدیں نہیں تھیں، جیسے زمین میں بھی ممالک کی سرحدیں نہیں تھیں، زمینی مخلوقات آسمان میں جاتی تھیں، آدم وحواعلیہما السلام کو زمین میں پیدا کر کے جنت میں بسایا تھا، پھر بعد میں پابندیاں لگیں، اب عام طور پر جنات اور انسان آسمانوں پر نہیں جاسکتے۔

۳- کہتے ہیں: عزازیل (ابلیس) آسمانوں میں فرشتوں کے درمیان بود و باش رکھتا تھا، وہ فرشتوں کا شاگرد تھا اور ان کے زمرے میں شامل تھا، وہ **مُعَلَّمُ الملکوت** تھا، **مُعَلَّم**: اسم مفعول ہے، یعنی سکھلایا ہوا یعنی شاگرد، مگر عربی میں اعراب نہیں لگاتے، اور مشہور لفظ **مُعَلِّم** ہے، یہ اسم فاعل ہے: سکھانے والا، یعنی استاذ، پس لوگوں نے **مُعَلِّمُ الملکوت** پڑھ لیا، اور ابلیس کو فرشتوں کا استاذ کہہ دیا، حالانکہ فرشتے تعلیم کے محتاج نہیں، تعلیم کی محتاج مکلّف مخلوق ہے۔

۴- ابلیس (اللہ کی رحمت سے مایوس) اور شیطان (سرکش، شرارتی) القاب ہیں، کہتے ہیں اس کا نام فرشتوں کے ناموں کے ہم وزن عَزَازِیْل ہے، اس کے کیا معنی ہیں؟ معلوم نہیں، یہ عربی لفظ نہیں، سریانی یا عبرانی لفظ ہے۔

۵- جب ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تو پہلے اس کو آسمانی فرشتوں کے زمرہ سے نکال دیا، یعنی اخراج کر دیا، مگر رہا وہ آسمان میں، پھر جب اس نے دھوکہ دے کر دادا دادی کو پھسلایا، تب اس کو بھی جنت سے نکال دیا اور آسمانوں سے اتار دیا، یہ دوسرا اخراج ہے، پس دونوں اخراجوں میں اشتباہ نہ ہونا چاہئے۔

۶- آدم علیہ السلام کو صرف فرشتوں سے سجدہ نہیں کرایا تھا، تمام خلقت سے سجدہ کرایا تھا، اس لئے کہ انسان کو اللہ نے اپنا خلیفہ بنایا تھا، پس ضروری تھا کہ سب خلقت آپ کی منقاد ہوتی، جبھی وہ کارِ خلافت انجام دے سکتا تھا، مثلاً: کارخانہ کا منیجر بوس کا خلیفہ ہوتا ہے، پس کارخانہ کے سبھی ملازمین اس کی فرمان برداری کریں تبھی وہ کارخانہ چلا سکتا ہے۔

اور فرشتوں کی تخصیص اشرف مخلوقات ہونے کی وجہ سے ہے، بادشاہ اگر وزراء کو کسی کے اکرام کا حکم دے تو وہ حکم سب رعایا کے لئے ہوتا ہے، اور یہاں اور سورۃ الکہف میں صراحت ہے کہ اللہ نے ابلیس کو بھی سجدہ کا حکم دیا تھا، جبکہ وہ جنات میں سے تھا، سورۃ الکہف میں اس کی بھی صراحت ہے، اور ابلیس کے علاوہ دوسرے جنات نے سجدہ کیا تھا، ابلیس ہی اکڑ گیا تھا اور راندۂ درگاہ ہوا!

۷- آدم وحواء علیہما السلام کو زمین میں پیدا کیا گیا تھا، پس سجدہ بھی زمین میں کرایا ہوگا، اور یہ سجدہ رمزی تھا، انقیاد کا پیکر تھا، پھر دادا دادی کو جنت میں بسایا، اور جنت سے فائدہ اٹھانے کی عام اجازت دی، صرف ایک معین درخت کے قریب جانے سے منع کیا، وہ درخت مُضِر تھا، ابلیس نے پٹی پڑھائی کہ یہ امرِ درخت ہے۔

ترہیب کے بعد پانچ طرح سے ایمان لانے کی ترغیب

اللہ تعالیٰ انسان پر اپنی پانچ نعمتوں کا تذکرہ فرماتے ہیں، تاکہ وہ شکر گذار بندے بنیں، ایک اللہ کو معبود مانیں اور شرک سے بچیں:

۱-اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں قدرت بخشی ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف کرسکتا ہے: ﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾

۲-زمین میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے اسبابِ زندگی فراہم کئے ہیں، اس کی کوئی ضرورت ایسی نہیں جو زمین سے پوری نہ ہوتی ہو، فضا میں اور بھی سیارے ہیں، مگر اسباب معیشت صرف زمین میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے زمین ہی میں حیوانی زندگی کے وسائل فراہم کئے ہیں: ﴿ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ﴾

یہ انسان پر اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے؟ مگر کتنے انسان ہیں جو اللہ کا شکر بجالاتے ہیں اور اسی ایک اللہ کی بندگی کرتے ہیں؟ ایسے انسانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے! ﴿ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴾

۳-اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو وجود بخشا، نیست سے ہست کیا، ورنہ کائنات میں ایک لمبے وقت تک انسان کا کوئی تذکرہ نہیں تھا: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ﴾

۴-اللہ تعالیٰ نے انسان کی صورت گری کی، رحم مادر میں اس کا ناک نقشہ بنایا، آدم علیہ السلام سے آج تک کوئی دو انسان ہم شکل نہیں، ہر ایک کی شکل وصورت الگ ہے: ﴿ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴾: جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا، یہ قدرتِ الٰہی کا عظیم کارنامہ ہے، اگر انسان سیب کے دانوں کی طرح ہم شکل ہوتے تو بیوی شوہر کو کیسے پہچانتی؟ ﴿ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ﴾

۵-پھر انسان کا اکرام کیا، اس کو اپنا خلیفہ (قائم مقام) بنایا، اور اس کے جد امجد کے سامنے تمام مخلوقات سے رمزی سجدہ کرایا، سب کو انسان کا منقاد بنایا، اس سے اس کا سر فخر سے اونچا ہوگیا اور وہ اشرف المخلوقات کہلایا: ﴿ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ﴾

﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ﴾

ترجمہ: (۱) اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے تمہیں زمین میں قادر بنایا (۲) اور تمہارے لئے اس میں اسبابِ زندگی فراہم کئے —— بہت ہی کم شکر بجالاتے ہو تم! —— یہ آیت پوری کی، پس یہ فاصلہ ہے —— (۳) اور بخدا! واقعہ یہ

ہے کہ ہم نے تم کو پیدا کیا(۴) پھر تمہارا ناک نقشہ بنایا(۵) پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔

ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا، اس لئے وہ فرشتوں کی جماعت سے الگ کردیا گیا

اب بات آگے بڑھاتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو سب فرشتوں نے ــــــ زمینی فرشتوں نے بھی اور آسمانی فرشتوں نے بھی ــــــ سجدہ کیا، مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ اس سے پوچھا: تیرے لئے کیا مانع بنا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا، جبکہ میں نے تجھے بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ اس نے عقلی گھوڑا دوڑایا، کہا: میں آدم سے افضل ہوں! میری تخلیق آگ سے ہوئی ہے اور آدم کی خاک سے، اور آگ: خاک سے افضل ہے، آگ کا خاصہ علو(بلندی) ہے اور خاک کا خاصہ خاکساری(پستی) ہے، پس آپ آدم کو حکم دیتے کہ مجھے سجدہ کرتا، آپ نے یہ کیا الٹی گنگا بہائی کہ افضل کو حکم دیا کہ وہ مفضول کو سجدہ کرے؟ ــــــ اس پر یہ کہہ کر ابلیس کو فرشتوں کی جماعت سے نکال دیا کہ تجھے حق نہیں کہ تو ان پاک بازوں کی جماعت میں رہ کر بڑائی مارے! لہٰذا ان سے جدا ہوجا تو ذلیل وخوار ہے!

اس نے قیامت تک کی مہلت مانگی جو دیدی گئی، جب مہلت مل گئی تو اس نے کہا: چونکہ آپ نے مجھے ہدایت سے محروم کیا ہے، اور یہ برادنِ آدم کی وجہ سے مجھے دیکھنا پڑا ہے: اس لئے میں ضرور انسانوں کو گمراہ کروں گا، میں آپ کے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا، اور انسانوں پر ہر طرف سے حملہ کروں گا، اور آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے زیادہ تر لوگ آپ کے حق شناس بندے نہیں رہیں گے! ــــــ اللہ نے فرمایا: دور ہو کم بخت! فرشتوں کے زمرہ سے ذلیل وخوار ہو کر نکل، اور سن لے! انسانوں میں سے جو لوگ تیری راہ اپنائیں گے: ان سے اور تجھ سے جہنم کو بھروں گا، میرا کچھ نقصان نہیں ہوگا، تمہارا ہی برا ہوگا!

﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰي يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَاۗىِٕلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: پس انھوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے ــــــ سجدہ نہ کیا ــــــ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا! اللہ

تعالیٰ نے پوچھا: کیا چیز تیرے لئے مانع بنی کہ تو سجدہ نہیں کر رہا، جبکہ میں نے تجھے حکم دیا ہے[1] —— اس نے جواب دیا: میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے —— اللہ پاک نے فرمایا: تو اتر ان (فرشتوں) میں سے —— یہ 'اتر' بمعنی 'نکل' ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے، ابھی اس کو آسمان سے نہیں اتارا گیا، اور 'اتر' میں مرتبہ کے تنزل کی طرف اشارہ ہے کہ اب تو فرشتوں کا ہم رتبہ نہیں رہا —— تجھے حق نہیں کہ ان میں (شامل رہ کر) بڑائی مارے! پس نکل (ان سے) تو یقیناً ذلیلوں میں سے ہے!

اس نے درخواست کی: مجھے اس دن تک مہلت دیجئے جب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ —— اللہ نے فرمایا: تو بالیقین مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے —— یعنی جا تجھے مہلت دی! —— اس نے کہا: چونکہ آپ نے مجھے ہدایت سے محروم کر دیا ہے، اس لئے میں ضرور ان کو گمراہ کرنے کے لئے آپ کے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا، پھر میں ان پر حملہ کروں گا ان کے سامنے سے، ان کے پیچھے سے، ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے —— یعنی ہر چہار جانب سے —— اور آپ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو شکر گذار نہیں پائیں گے! —— یہ اس ملعون نے قرائن سے بات کہی ہے، جیسے فرشتوں نے قرائن سے کہا تھا: ﴿اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ﴾: کیا آپ زمین میں ایک ایسی مخلوق بنائیں گے جو اس میں فساد مچائے گی، اور خون بہائے گی؟ [البقرۃ ۳۰]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دور ہو ان (ملائکہ) میں سے ذلیل و خوار ہو کر! جو لوگ ان میں سے تیری راہ اپنائیں گے میں بالیقین تم سبھی سے دوزخ کو بھروں گا!

وَ يٰۤاٰدَمُ اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُكَ الۡجَـنَّةَ فَكُلَا مِنۡ حَيۡثُ شِئۡتُمَا وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسۡوَسَ لَهُمَا الشَّيۡطٰنُ لِيُبۡدِىَ لَهُمَا مَا وٗرِىَ عَنۡهُمَا مِنۡ سَوۡاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰٮكُمَا رَبُّكُمَا عَنۡ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَا مَلَـكَيۡنِ اَوۡ تَكُوۡنَا مِنَ الۡخٰلِدِيۡنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّىۡ لَـكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيۡنَۙ ﴿۲۱﴾

(۱) آیت پاک: ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ﴾ کے دو ترجمے کئے گئے ہیں: (پہلا ترجمہ) تجھ کو کس چیز نے روکا سجدہ کرنے سے جبکہ میں نے حکم دیا؟ (دوسرا ترجمہ) تجھ کو کس چیز نے روکا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا جبکہ میں نے حکم دیا؟ —— ألاَّ: أن اور لا ہیں، نون کا لام میں ادغام ہوا ہے —— اگر أن مصدریہ ہے تو لا زائدہ ہے، تقدیر عبارت من السجود ہے، اس صورت میں پہلا ترجمہ ہوگا، اور أن مفسرہ ہے تو لا کو زائدہ ماننے کی ضرورت نہیں، اس صورت میں دوسرا ترجمہ ہوگا، اور 'کہ' أن مفسرہ کا ترجمہ ہے۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

وَ يٰۤاٰدَمُ	اور اے آدم	لِيُبْدِيَ	تا کہ کھولدے (ظاہر کرے)	وَ قَاسَمَهُمَاۤ	اور پختہ قسم کھائی دونوں
اسْكُنْ	رہیں	لَهُمَا	دونوں کے لئے		کے سامنے
اَنْتَ وَزَوْجُكَ	آپ اور آپ کی بیوی	مَا وٗرِيَ	جو پوشیدہ رکھا گیا ہے	اِنِّيْ لَكُمَا	بیشک میں تم دونوں کیلئے
الْجَنَّةَ	جنت میں	عَنْهُمَا	دونوں سے	لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ	البتہ خیرخواہوں میں
فَكُلَا	پس کھاؤ تم دونوں	مِنْ سَوْاٰتِهِمَا	دونوں کی شرمگاہوں سے		سے ہوں
مِنْ حَيْثُ	جہاں سے	وَ قَالَ	اور کہا اس نے	فَدَلّٰىهُمَا	پس دونوں کو نیچے کھینچ لیا
شِئْتُمَا	چاہو تم	مَا نَهٰىكُمَا	نہیں روکا تم دونوں کو	بِغُرُوْرٍ	فریب سے
وَلَا تَقْرَبَا	اور نہ نزدیک جاؤ تم	رَبُّكُمَا	تمہارے پروردگار نے	فَلَمَّا ذَاقَا	پس جب چکھا دونوں نے
	دونوں	عَنْ هٰذِهِ	اس درخت سے	الشَّجَرَةَ	درخت کو
هٰذِهِ الشَّجَرَةَ	اس درخت کے	الشَّجَرَةِ		بَدَتْ	ظاہر ہوگئیں
فَتَكُوْنَا	پس ہوجاؤ گے تم دونوں	اِلَّاۤ اَنْ	مگر اس لئے کہ	لَهُمَا	دونوں کے لئے
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ	اپنا نقصان کرنے والوں سے	تَكُوْنَا	ہوجاؤ گے تم دونوں	سَوْاٰتُهُمَا	دونوں کی شرمگاہیں
فَوَسْوَسَ	پس برا خیال پیدا کیا	مَلَكَيْنِ	دو فرشتے	وَطَفِقَا	اور لگے دونوں جوڑنے
لَهُمَا	ان کے لئے	اَوْ تَكُوْنَا	یا ہوجاؤ گے تم دونوں	يَخْصِفٰنِ	
الشَّيْطٰنُ	شیطان نے	مِنَ الْخٰلِدِيْنَ	سدا رہنے والوں میں سے	عَلَيْهِمَا	اپنے اوپر

مِنْ وَّرَقِ	پتوں سے	مُّبِيْنٌ	کھلا	لِبَعْضٍ	بعض کا
الْجَنَّةِ	جنت کے	قَالَا	کہا دونوں نے	عَدُوٌّ	دشمن ہے
وَنَادٰىهُمَا	اور پکارا دونوں کو	رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار!	وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے
رَبُّهُمَآ	ان کے پروردگار نے	ظَلَمْنَآ	نقصان کیا ہم نے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
اَلَمْ اَنْهَكُمَا	کیا نہیں روکا تھا میں	اَنْفُسَنَا	اپنی ذاتوں کا	مُسْتَقَرٌّ	ٹھہرنا ہے
	نے تم دونوں کو	وَاِنْ لَّمْ	اور اگر نہ	وَّمَتَاعٌ	اور برتنے کا سامان ہے
عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ	اس درخت سے	تَغْفِرْ لَنَا	بخشیں آپ ہم کو	اِلٰى حِيْنٍ	ایک وقت تک
		وَتَرْحَمْنَا	اور (نہ) مہربانی	قَالَ	فرمایا
وَاَقُلْ	اور (کیا نہیں) کہا تھا		فرمائیں آپ ہم پر	فِيْهَا	اسی میں
	میں نے	لَنَكُوْنَنَّ	(تو) ضرور ہونگے ہم	تَحْيَوْنَ	جیو گے تم
لَّكُمَآ	تم دونوں سے	مِنَ	گھاٹا پانے والوں میں سے	وَفِيْهَا	اور اسی میں
اِنَّ الشَّيْطٰنَ	بے شک شیطان	قَالَ	فرمایا	تَمُوْتُوْنَ	مرو گے تم
لَكُمَا	تم دونوں کا	اهْبِطُوْا	اترو تم (سب)	وَمِنْهَا	اور اسی میں سے
عَدُوٌّ	دشمن ہے	بَعْضُكُمْ	تمہارا بعض	تُخْرَجُوْنَ	نکالے جاؤ گے تم

ابلیس نے آدم وحوا علیہما السلام کو فریب دیا، پس تینوں زمین پر اتار دیئے گئے!

فرشتوں سے سجدہ کرا کر آدم وحوا علیہما السلام کو جنت میں بسا دیا، یہی ان کا اصلی وطن ہے، اور جنت کی ہر نعمت کو استعمال کرنے کی اجازت دیدی، البتہ ایک خاص درخت کے پاس جانے سے بھی منع کر دیا، قرآن نے اس درخت کی تعیین نہیں کی، ورنہ وہ بدنام ہو جاتا، اور دادا دادی کو یہ بھی بتلا دیا کہ اگر تم اس درخت کو کھاؤ گے تو اپنا نقصان کرو گے۔

آدم وحوا علیہما السلام جنت میں عیش کرتے رہے، ایک عرصہ بعد شیطان نے دونوں کے دل میں برا خیال پیدا کیا، اس کا مقصد دونوں کو ننگا کرنا تھا، شیاطین کو اس سے بڑی دلچسپی ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ شیطان نے دونوں سے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو تم دونوں کو اس درخت سے روکا ہے، تو وہ اسی لئے روکا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا امر نہ ہو جاؤ، اور ہمیشہ کے لئے جنت میں رہ نہ جاؤ، تمہیں اللہ نے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، اس لئے ایک دن زمین میں اترنا ہوگا، اور جو اس درخت کو کھالے گا وہ فرشتہ بن جائے گا، اور ہمیشہ آسمانوں میں اور جنت میں رہے گا، اور اس نے دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ وہ

دونوں کی خیر خواہی میں یہ بات کہہ رہا ہے، اس طرح اس نے دونوں کو ان کے موقف (اطاعت) سے پھسلا دیا اور نیچے اتار لیا، انبیاء سے معصیت ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتے ہیں، مگر زلّت (لغزش) ہوسکتی ہے، معصیت نام ہے: بدنیتی سے حکم کی خلاف ورزی کرنے کا، اور زلت نام ہے: نیک نیتی سے حکم کی خلاف ورزی کرنے کا، دونوں نے قربِ خداوندی کی چاہت میں اس درخت کو کھالیا۔

جونہی درخت کو چکھا، یعنی ذرا سا کھایا کہ ان کا جنتی لباس اتر گیا، اور ننگا پا کھل گیا، دونوں اپنے پردے کے بدن کو چھپانے لگے، اور جنت کے پتّے بدن پر چپکانے لگے، اور اللہ کی طرف سے نداء آئی کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے روکا نہیں تھا؟ —— وہ درخت 'امر' نہیں تھا، 'مر' تھا، جب تک دادا دادی اس کو نہ کھاتے جنت میں رہتے، جب کھالیا تو اب جنت میں رہنے کا کوئی جواز نہ رہا —— اور کیا میں نے تم دونوں کو بتایا نہیں تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ —— کھلا دشمن یعنی ظاہری دشمن: جس کی دشمنی کو سمجھنے میں دیر نہیں لگتی۔

دونوں نے عرض کیا: پروردگار! ہم نے اپنا نقصان کرلیا، اب آسرا آپ کی بخشش اور مہربانی کا ہے، اگر آپ ہمیں نہیں بخشیں گے اور ہم پر مہربانی نہیں فرمائیں گے تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے!

شیطان اب تک آسمان میں تھا، نیچے نہیں اتارا گیا تھا، جنت میں آتا جاتا تھا، اب تینوں کو حکم ملا کہ آسمان سے نیچے اترو، اور زمین میں جابسو، اور تمہاری آپسی دشمنی ہمیشہ باقی رہے گی، شیطان برابر تمہیں فریب دینے کی کوشش کرے گا، پس اس سے چوکنا رہنا —— اب تم ایک وقت تک زمین میں رہو گے، زمین کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے رہنا، اب تمہیں وہیں جینا مرنا ہے، پھر اسی سے قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے (قصہ پورا ہوا)

فائدہ: جس طرح آئندہ کی باتیں غیب ہیں، اسی طرح ماضی کی باتیں بھی غیب ہیں، ان کو بیان کیا جائے تو ان کو ایک حد تک ہی سمجھ سکتے ہیں، تمام تفصیلات نہیں سمجھ سکتے، جیسے دجال اور یاجوج وماجوج کے احوال بیان کئے گئے ہیں، مگر آج ان کو پوری طرح نہیں سمجھا جاسکتا، کل ہی وہ باتیں پوری طرح سمجھ میں آئیں گی، اسی طرح آدم علیہ السلام کا یہ واقعہ ماضی کا واقعہ ہے، ہم اس کو ایک حد تک ہی سمجھ سکتے ہیں، جو اس واقعہ کی تمام تفصیلات جاننے کی کوشش کرے گا، اس کے حصہ میں 'الجھن' کے سوا کچھ نہیں آئے گا، اور سورت کے شروع میں حروفِ مقطعات لاکر اس طرف اشارہ کردیا ہے کہ اس سورت میں ایسی باتیں بھی ہیں جن کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے۔

آیاتِ کریمہ: اور اے آدم! آپ اور آپ کی اہلیہ جنت میں بسیں، اور دونوں جہاں سے چاہیں کھائیں، اور اس درخت کے پاس نہ جائیں، ورنہ دونوں اپنا نقصان کرنے والوں میں سے ہوجاؤ گے —— پس دونوں کے دل میں

شیطان نے برا خیال پیدا کیا، تا کہ ان کے سامنے ظاہر کردے دونوں کا پردہ کا بدن جو دونوں سے پوشیدہ رکھا گیا تھا —— یعنی اب تک جنت کے لباس میں چھپا ہوا تھا —— اور اس نے کہا: تم دونوں کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے نہیں روکا، مگر اس لئے کہ تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا دونوں امر ہو جاؤ، اور دونوں کے سامنے اس نے پختہ قسم کھائی کہ وہ دونوں کا بالیقین خیر خواہ ہے!

پس اس نے فریب سے دونوں کو فروتر کرلیا، پس جب دونوں نے وہ درخت چکھا تو دونوں کے لئے ان کا ننگا پا کھل گیا، اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑنے لگے —— اور دونوں کو ان کے پروردگار نے پکارا: ''کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے روکا نہیں تھا؟ اور میں نے تم دونوں کو بتلایا نہیں تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے؟''

دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار! ہم اپنا ہی نقصان کر بیٹھے! اور اگر آپ ہمیں بخش نہ دیں اور ہم پر مہربانی نہ فرمائیں تو ہم ضرور گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے!

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: تم (تینوں) نیچے اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن رہوگے، اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا ہے اور زمین کی چیزوں سے فائدہ اٹھانا ہے (مزید) فرمایا: تم اسی میں جیو گے اور تم اسی میں مروگے، اور تم اسی میں سے نکالے جاؤ گے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ	اے اولاد آدم کی!	لِبَاسًا	پوشاک	وَرِيْشًا (۲)	اور لباس زینت
قَدْ اَنْزَلْنَا	تحقیق اتاری ہم نے	يُّوَارِيْ	جو ڈھانکے	وَلِبَاسُ	اور لباس
عَلَيْكُمْ	تم پر	سَوْاٰتِكُمْ (۱)	تمہاری شرمگاہوں کو	التَّقْوٰى	پرہیزگاری کا

(۱) سَوْءَۃ کے اصل معنی ہیں: برائی، عیب، فضیحت، پھر مرد اور عورت کی شرمگاہ کے لئے اس کا استعمال ہونے لگا۔ (۲) ریشا: کے اصل معنی ہیں: پرندوں کے پَر، پَر پرندوں کے لئے زینت ہوتے ہیں، اس لئے ترجمہ 'زینت' کیا جاتا ہے۔

ذٰلِكَ خَيْرٌ	وہ سب سے بہتر ہے	كَمَآ اَخْرَجَ	جس طرح نکالا اس نے	هُوَ	وہ
ذٰلِكَ	وہ	اَبَوَيْكُمْ	تمہارے ماں باپ کو	وَ قَبِيْلُهٗ	اور اس کا خاندان
مِنْ اٰيٰتِ	نشانیوں سے ہے	مِّنَ الْجَنَّةِ	جنت سے	مِنْ حَيْثُ	ایسی جگہ سے
اللّٰهِ	اللہ کی	يَنْزِعُ	کھینچتا ہے وہ	لَا تَرَوْنَهُمْ	کہ نہیں دیکھتے تم ان کو
لَعَلَّهُمْ	تا کہ وہ	عَنْهُمَا	دونوں سے	اِنَّا جَعَلْنَا	بے شک ہم نے بنایا
يَذَّكَّرُوْنَ	نصیحت پذیر ہوں	لِبَاسَهُمَا	ان کا لباس	الشَّيٰطِيْنَ	شیاطین کو
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ	اے اولاد آدم کی!	لِيُرِيَهُمَا	تا کہ دکھلائے دونوں کو	اَوْلِيَآءَ	دوست (رفیق)
لَا يَفْتِنَنَّكُمُ	نہ آزمائش میں ڈالے تم کو	سَوْاٰتِهِمَا	ان کی شرمگاہیں	لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کا جو
الشَّيْطٰنُ	شیطان	اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ	بیشک وہ دیکھتا ہے تم کو	لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں رکھتے

لباس کی قسمیں اور بہترین لباس

قصۂ آدم علیہ السلام کے ضمن میں یہ بات آئی ہے کہ شیطان نے جنت میں دادا دادی کے کپڑے اتروا دیئے، اور انھوں نے درخت کے پتے لپیٹ کر ستر چھپایا، پھر وہ زمین پر اتارے گئے تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے لباس بھی اتارا، یعنی زمین میں لباس پیدا کیا، جس کی دو قسمیں ہیں، پھر دوسری قسم کی دو قسمیں ہیں، اس طرح لباس کی تین قسمیں ہو گئیں:

پہلا درجہ: اس لباس کا ہے جو ستر چھپاتا ہے، یہ فرض عین لباس ہے، ننگا رہنا حرام ہے، اور ستر کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ستر صرف دو راہیں اور ان کا ارد گرد ہے، یعنی جنگا سے اور سرینیں بھی ستر ہیں، رانیں ننگا پا نہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک رانیں بھی ستر ہیں، البتہ گھٹنہ ستر نہیں، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک: ناف کے نیچے سے گھٹنے کے نیچے تک ستر ہے، اور اس کے عقلی اور نقلی دلائل ہیں، اور اسی میں احتیاط ہے، ننگا پا اور ستر وہ بدن ہے جس کا چھپانا ضروری ہے، کسی کے سامنے بے ضرورت اس کا کھولنا جائز نہیں، اور مرد اور عورت کا ستر ایک ہے، ایک عورت دوسری مسلمان عورت کے سامنے بے ضرورت ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ نہیں کھول سکتی، پھر مرد کے لئے تو کوئی حجاب (پردہ) نہیں، البتہ عورت کے لئے حجاب ہے، محارم کے حجاب میں پیٹ اور اس کے مقابل کی پیٹھ داخل ہے، اور اللہ کے حجاب میں جب عورت نماز کے لئے کھڑی ہو تو چہرہ، کفین اور قدمین کے علاوہ سارے بدن کا حجاب ہے، اور اجانب کے سامنے چہرے کا بھی حجاب ہے، کفین اور قدمین حجاب میں شامل نہیں۔

دوسرا درجہ: وہ لباس ہے جو آدمی کے لئے زینت اور زیبائش ہے، یہ وہ لباس ہے جو پورے بدن کو چھپاتا ہے، سر پر

بھی کپڑا ہونا چاہئے، کیونکہ پرندوں کے سر پر بھی پَر ہوتے ہیں، اور ریش کے اصل معنی پَر ہی کے ہیں۔

پھر اس دوسرے درجہ کے لباس کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ لباس ہے جو ساری دنیا پہنتی ہے، اس لباس میں فیشن پرست سر کھلا رکھتے ہیں۔ دوسرا: وہ لباس ہے جو نیک لوگ پہنتے ہیں، اس میں عمامہ یا ٹوپی ضرور ہوتی ہے، یہی بہترین لباس ہے، اس سے دل میں تقوی پیدا ہوتا ہے، اس لئے لباس المتقین کے بجائے ﴿لِبَاسُ التَّقْوٰى﴾ کہا ہے، اس تعبیر میں نیک لوگوں کے لباس کے فائدے کی طرف اشارہ ہے۔

پس یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہر چہ خواہی پوش ودر عمل کوش، یا کہا جاتا ہے کہ جیسا دیس ویسا بھیس: یہ باتیں صحیح نہیں، لباس کا دل اور عمل پر اثر پڑتا ہے، جس کا جی چاہے تجربہ کر لے، ایک مہینہ آوارہ لوگوں کا لباس پہنے اور ایک مہینہ نیک لوگوں کا، پھر دیکھے دل ودماغ پر کیا اثر پڑتا ہے؟ طبیعت میں آوارگی اور نیکی کا مشاہدہ کرلے گا۔ فرعون کے جادوگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کے لئے میدان میں اترے ہیں تو وہ حضرات موسیٰ وہارون علیہما السلام کا لباس پہن کر آئے تھے، اس کی برکت سے ان کو دولتِ ایمان ملی، دوسرے قبطی محروم رہے۔

رہا یہ سوال کہ پرہیزگاروں کے لباس کا اثر پرہیزگاری کیوں ہے؟ اس کو سمجھایا نہیں جاسکتا، اس کا تعلق تجربہ سے ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے صرف یہ فرمایا کہ پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر لباس ہے، اور یہ بات اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ اللہ کی بات مان لیں، نصیحت پذیر ہوں اور نیک لوگوں کا لباس پہنیں!

فائدہ: لوگ پوچھتے ہیں: سنت لباس کیا ہے؟ پس جاننا چاہئے کہ نیک لوگوں کا لباس سنت لباس ہے، ہر زمانہ اور ہر جگہ میں اللہ کے نیک بندے جو لباس پہنتے ہیں وہی سنت لباس ہے، اور اگر ٹوپی وغیرہ مختلف پہنتے ہیں تو سب سنت ہیں، سنت لباس کی کوئی خاص وضع متعین نہیں، نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم جس طرح کا لباس پہنتے تھے وہی سنت نہیں، اس لئے کہ ہر زمانہ میں اور ہر جگہ میں اس لباس کو لازم نہیں کرسکتے۔

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اے انسانو! ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے، اور زینت کا لباس اور پرہیزگاری کا لباس: یہ سب سے بہتر لباس ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، تاکہ وہ نصیحت پذیر ہوں!

شیطان کی بڑی دلچسپی انسان کو ننگا کرنے سے ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے لباس پیدا کیا، اور اچھا سے اچھا پیدا کیا، مگر شیاطین کی بڑی دلچسپی اس کو ننگا کرنے سے

ہے، وہ ننگے انسان کو دیکھ کر مزہ لیتے ہیں، حدیث میں ہے کہ وہ انسان کے اعضائے مستورہ سے کھلواڑ کرتے ہیں، اور شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، اس لئے وہ اس کو فتنہ میں ضرور بتلا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ انسان کو چوکنا کرتے ہیں کہ وہ تمہیں فریب دے کر ننگا نہ کرے، وہ تم کو ایسی جگہ سے دیکھتا ہے کہ تم اس کو نہیں دیکھتے، وہ لطیف ہے اور تم کثیف ہو، لطیف کو کثیف نظر آتا ہے، اور کثیف کو لطیف نظر نہیں آتا، گھروں میں آسیبی اثر ہوتا ہے، جنات گھر والوں کو پریشان کرتے ہیں، وہ ان کو دیکھتے ہیں اور گھر والے ان کو نہیں دیکھتے۔

اور اس آیت میں بھی اور قصہ آدم علیہ السلام میں بھی صراحت ہے کہ اس کا دلچسپ مشغلہ انسانوں کا لباس اتروانا ہے، پھر وہ اور اس کے چیلے اس کو دیکھ کر مزہ لیتے ہیں، وہ کافروں اور بدکاروں کے رفیق ہیں، ان سے جدا نہیں ہوتے، چنانچہ حدیث میں استنجاء کے لئے دعا آئی ہے، اور اگر صرف بسم اللہ کہہ کر حاجت کے لئے جائے تو بھی انسان کی شرمگاہ اور جنات کی نظروں کے درمیان پردہ پڑ جاتا ہے۔

فائدہ: اللہ نے انسان کو عقل دی ہے، اس لئے وہ اس کو مادر زاد ننگا تو کر نہیں سکتا، البتہ نیم برہنہ کر دیتا ہے، آج کل جو لباس چل پڑا ہے، نیچے پتلون اوپر بنیان یا ٹی شرٹ، یہ نیم برہنہ نہیں تو کیا ہے؟ اس کے جسم کا پچھلا ابھار صاف محسوس ہوتا ہے، اور سجدہ میں تو بری شکل بن جاتی ہے، جبکہ یہ ابھار بھی عشق آفریں ہے اور اس کا فساد اظہر ہے، مگر بڑے چھوٹوں کو سمجھاتے نہیں، اور مصلحین امت بھی اس طرف توجہ نہیں کرتے، اور مسلمان یہ سمجھنے لگے ہیں یہ بھی ایک لباس ہے، ہاں لباس ہے مگر شیطانی لباس ہے، پتلون پہننی ہے تو اوپر گھٹنوں تک کرتا پہنو، تا کہ لباس کا مقصد (ستر) حاصل ہو۔

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے انسانو! شیطان تمہیں ہرگز فتنہ میں مبتلا نہ کرے، جس طرح تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا، وہ ان دونوں سے ان کا لباس اترواتا ہے، تا کہ ان کو ان کا ننگا پا دکھائے، وہ یقیناً تم کو دیکھتا ہے، وہ اور اس کا خاندان ـــــ یعنی اس کے چیلے اور بدقماش شیاطین ـــــ جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے، بے شک ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے! ـــــ لہٰذا مؤمنین اس کے فریب میں نہ آئیں، ساتر لباس پہنیں!

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ

بِالْقِسْطِ قف وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۥ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ط اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

وَاِذَا فَعَلُوْا	اور جب کرتے ہیں وہ	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	تَعُوْدُوْنَ	لوٹو گے تم
فَاحِشَةً	کوئی بے حیائی کا کام	مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	جو نہیں جانتے تم	فَرِيْقًا	ایک جماعت کو
قَالُوْا	تو کہتے ہیں	قُلْ	کہو	هَدٰى	راہ دکھائی اس نے
وَجَدْنَا	پایا ہم نے	اَمَرَ رَبِّيْ	حکم دیا ہے میرے رب نے	وَفَرِيْقًا	اور دوسری جماعت
عَلَيْهَا	اس (فاحشہ) پر	بِالْقِسْطِ	انصاف کرنے کا	حَقَّ عَلَيْهِمُ	ثابت ہوگئی ان پر
اٰبَآءَنَا	ہمارے باپ دادوں کو	وَاَقِيْمُوْا	اور سیدھا رکھو تم	الضَّلٰلَةُ	گمراہی
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ نے	وُجُوْهَكُمْ	اپنے چہروں کو	اِنَّهُمُ	بے شک انھوں نے
اَمَرَنَا	حکم دیا ہے ہمیں	عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ[1]	ہر عبادت کے وقت	اتَّخَذُوا	بنایا ہے
بِهَا	اس (فاحشہ) کا			الشَّيٰطِيْنَ	شیاطین کو
قُلْ	کہو	وَّادْعُوْهُ	اور پکارو تم ان کو	اَوْلِيَآءَ	کارساز
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	مُخْلِصِيْنَ	خالص کرتے ہوئے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کے ورے
لَا يَاْمُرُ	نہیں حکم دیتے	لَهُ الدِّيْنَ[2]	اس کے لئے دین کو	وَيَحْسَبُوْنَ	اور گمان کرتے ہیں وہ
بِالْفَحْشَآءِ	بے حیائی کے کام کا	كَمَا	جس طرح	اَنَّهُمْ	کہ وہ
اَتَقُوْلُوْنَ	کیا کہتے ہو تم	بَدَاَكُمْ	تم کو پہلے پیدا کیا	مُّهْتَدُوْنَ	راہ پانے والے ہیں

برہنگی بے حیائی ہے، اور اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں دیتے

مشرکین عرب جب کوئی بے حیائی اور بے شرمی کا کام کرتے تھے، زنا کرتے تھے، اغلام کرتے تھے یا بیت اللہ کا ننگے طواف کرتے تھے، اور ان کو سمجھایا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے: "یہ طریقہ اسلاف سے چلا آرہا ہے، اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا

(۱) مسجد: مصدر میمی: مراد عبادت ہے (۲) الدین: دَانَ یَدِیْنُ کا مصدر: اس کا استعمال اطاعت اور شریعت کی پابندی کے معنی میں ہوتا ہے۔

ہے"، یعنی یہ اللہ کی شریعت کا حکم ہے۔

جواب: عقل سلیم ان کاموں سے نفرت کرتی ہے، پس اللہ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ ان باتوں کی تعلیم دیں، اور تمہارے اسلاف تو گمراہ تھے، ان کے طریقہ کا کیا اعتبار! اور اللہ کی طرف جو تم ان کاموں کی نسبت کرتے ہو وہ جہالت کا نتیجہ ہے!

فائدہ: آج بھی جو پڑھے لکھے جاہل مسلمان پتلون پہن کر کرتے کے بغیر گھومتے ہیں یا عورتیں بے پردہ گھومتی ہیں یا دوسرے برے کاموں میں مبتلا ہیں ان کو سمجھایا جائے تو وہ بھی یہی کہیں گے کہ یہ ایک طریقہ ہے، ملکی ریت ہے، اس میں کیا قباحت ہے؟ —— قباحت ہے، یہ ساتر لباس نہیں ہے!

﴿وَإِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللهُ أَمَرَنَا بِهَا ۚ قُلْ إِنَّ اللهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ۚ أَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾﴾

ترجمہ: اور جب وہ (مشرکین) کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں: "ہمارے اسلاف سے یہی طریقہ چلا آرہا ہے، اور اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے!" —— (جواب:) کہو: اللہ تعالیٰ قطعاً بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں دیتے، کیا تم اللہ کے نام وہ بات لگاتے ہو جو تم جانتے نہیں؟ —— اور آباء کی ریت کا جواب آگے آرہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تین کاموں کا حکم دیا ہے

ایک: انصاف کرنے کا حکم دیا ہے، اگر اسلاف کی بات گمراہی کی بات ہو تو انصاف کی بات یہ ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے، اسی طرح انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات بے دلیل منسوب نہ کی جائے۔

دوسرا: عبادات میں چہرہ سیدھا اللہ تعالیٰ کی طرف رکھا جائے، عبادت میں ادنیٰ شرک کی آمیزش نہ کی جائے، حدیث شریف میں عبادات میں دکھاوا کرنے کو بھی شرک قرار دیا ہے۔

تیسرا: اللہ تعالیٰ سے دعا بھی اخلاص کے ساتھ کی جائے اور دل کی تھاہ سے کی جائے، غافل دل کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے۔

یہ وہ تین کام ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، جبکہ مشرکین کا حال یہ ہے کہ وہ ان کاموں سے کوسوں دور ہیں، وہ بے حیائی کے کاموں کے سلسلہ میں انصاف نہیں کرتے، پرانی لکیر پیٹے جارہے ہیں، اور اس کو اللہ کی شریعت بتاتے ہیں، اور حج یا عمرہ کا احرام باندھتے ہیں تو تلبیہ اس طرح پڑھتے ہیں: لا شَرِيكَ لك، إلا شريكا هو لك، تَمْلِكُه وما مَلَكَ: آپ کا کوئی شریک نہیں، ہاں ایک شریک (مورتی) ہے جو آپ ہی کا ہے، یعنی آپ نے اس کو شریک بنایا ہے، آپ مالک ہیں، وہ

کسی چیز کا مالک نہیں! پھر بھی وہ شریک ہے! جب اس طرح تلبیہ پڑھا تو حج اور عمرہ میں رخ صرف اللہ کی طرف کہاں رہا؟ اور تلبیہ ایک دعا ہے: اس میں اخلاص کہاں رہا؟ اور دعا ایک عبادت ہے، پس دین اللہ کے لئے خالص کہاں رہا؟

﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڛ﴾

ترجمہ: آپ کہیں: میرے پروردگار نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے، اور سیدھا رکھو تم اپنے چہروں کو عبادت کے وقت ـــــ یعنی ہر عبادت اللہ ہی کے لئے کرو ـــــ اور اس کو پکارو ـــــ دعا کرو ـــــ اس کے لئے دین کو خالص کر کے ـــــ شرک کے ساتھ دعا مت کرو، وہ قبول نہیں ہوتی۔

مورتیوں کی پوجا کرنے والا کبھی راہ یاب نہیں ہوسکتا

انسان کو اللہ تعالیٰ ہی نے پہلی بار پیدا کیا ہے، پھر ان کو زمین میں پھیلا دیا، اور بالآخران کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، وہ ابتدائے آفرینش میں تو ایک تھے، پھر جدا جدا ہو گئے، چنانچہ وہ دو جماعتیں بن کر لوٹیں گے، ایک جماعت راہ یاب ہوگی، دوسری پرلے درجہ کی گمراہ، اس لئے کہ انھوں نے شیاطین (مورتیوں) کو اللہ کی عبادت میں شریک کیا ہے، جن کو وہ اللہ سے کم درجہ کا سمجھتے ہیں، پھر بھی برابر کا شریک کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ وہ راہ یاب ہیں، حالانکہ جو معبود حقیقی کو چھوڑ کر شیاطین (مورتیوں) کی پوجا کرے وہ راہ یاب کیسے ہوسکتا ہے؟

﴿كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝۲۹ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۰﴾

ترجمہ: جس طرح تم کو پہلی بار پیدا کیا تم لوٹ آؤ گے ـــــ جاؤ گے کہاں؟ ـــــ ایک جماعت کو اللہ نے ہدایت دی، اور دوسری جماعت پر گمراہی کا ٹھپہ لگ گیا، بے شک انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین (مورتیوں) کو کارساز (معبود) بنایا، اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ راہ یاب ہیں! ـــــ اسی شرک کی وجہ سے ان پر گمراہی کا ٹھپہ لگ گیا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۱ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳۲ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ

ع ۱۰

بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۳ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۳۴

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ	اے آدم کے بیٹو!	قُلْ	کہو	رَبِّيَ	میرے پروردگار نے
خُذُوْا	لو تم	هِيَ	وہ (زینت اور ستھری	الْفَوَاحِشَ	بے شرمی کے کام
زِيْنَتَكُمْ	اپنی آرائش		چیزیں)	مَا ظَهَرَ مِنْهَا	جو ان میں سے کھلے ہیں
عِنْدَ كُلِّ	ہر عبادت کے وقت	لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے ہیں جو	وَمَا بَطَنَ	اور جو چھپے ہیں
مَسْجِدٍ (۱)		اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَالْاِثْمَ	اور گناہ (کا ہر کام)
وَّكُلُوْا	اور کھاؤ	فِي الْحَيٰوةِ	زندگی میں	وَالْبَغْيَ	اور زیادتی کرنا
وَاشْرَبُوْا	اور پیو	الدُّنْيَا	دنیا کی	بِغَيْرِ الْحَقِّ	بلاوجہ کی
وَلَا تُسْرِفُوْا	اور بے جا خرچ مت کرو	خَالِصَةً (۲)	درانحالیکہ وہ خالص ہیں	وَاَنْ تُشْرِكُوْا (۳)	اور شریک ٹھہرانا
اِنَّهٗ	بے شک اللہ تعالیٰ	يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	بِاللّٰهِ	اللہ کے ساتھ
لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	كَذٰلِكَ	اسی طرح	مَا	اس کو جو
الْمُسْرِفِيْنَ	بے جا خرچ کرنے والوں کو	نُفَصِّلُ	تفصیل سے بیان	لَمْ يُنَزِّلْ	نہیں اتاری (اللہ نے)
قُلْ	پوچھو		کرتے ہیں	بِهٖ	اس کے شریک ہونے کی
مَنْ حَرَّمَ	کس نے حرام کی ہے	الْاٰيٰتِ	باتیں	سُلْطٰنًا	کوئی دلیل
زِيْنَةَ اللّٰهِ	اللہ کی زینت	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے	وَّاَنْ تَقُوْلُوْا (۳)	اور کہنا
الَّتِيْٓ اَخْرَجَ	جو پیدا کی ہے اس نے	يَّعْلَمُوْنَ	جو جانتے ہیں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
لِعِبَادِهٖ	اپنے بندوں کے لئے	قُلْ	کہو	مَا	جو
وَالطَّيِّبٰتِ	اور ستھری چیزیں	اِنَّمَا	سوائے اس کے نہیں کہ	لَا تَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے تم
مِنَ الرِّزْقِ	کھانے کی	حَرَّمَ	حرام کئے ہیں	وَلِكُلِّ اُمَّةٍ	اور ہر جماعت کے لئے

(۱) کل مسجد: عام ہے، مگر مراد کعبہ شریف ہے (۲) خالصة: کائنة: محذوف کی ضمیر سے حال ہے (۳) دونوں جگہ أن: مصدریہ ہے۔

اَجَلٌ	ایک مقررہ وقت ہے	اَجَلُهُمْ	ان کا مقررہ وقت	سَاعَةً	ایک گھڑی
فَاِذَا جَآءَ	پس جب آپہنچے گا	لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ	تو نہ پیچھے رہ سکیں گے وہ	وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ	اور نہ وہ آگے بڑھ سکیں گے

نماز اچھے لباس میں پڑھو اور اسراف سے بچ کر کھاؤ پیو

مشرکین عرب فاحشہ (بے حیائی کے کام) کو اسلاف کی ریت اور اللہ کا حکم قرار دیتے تھے: اس کی ایک مثال یہ ہے: وہ کعبہ کا طواف مادرزاد ننگے کرتے تھے، اور اسے قربت سمجھتے تھے، اور بعض لوگ حج کے دنوں میں کھانا بہت کم کر دیتے تھے، سدّ رمق کھاتے تھے، اور گھی اور چکنائی چھوڑ دیتے تھے، اور بعض بکری کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کرتے تھے، ان کو بتلاتے ہیں کہ یہ کوئی نیکی کے کام نہیں، اچھے پوشاک میں طواف بھی کرو اور نماز بھی پڑھو، اور کھاؤ پیو، مگر حرص سے کھانے پر گرمت پڑو، اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے، سورۃ بنی اسرائیل میں ان کو شیطانوں کا بھائی بند کہا ہے۔

حدیث میں طواف کو نماز کے مانند قرار دیا ہے، پس طواف ہو یا نماز اچھے پوشاک میں پڑھنی چاہئے، آدمی جب کسی بڑے سے ملنے جاتا ہے تو اس کا اہتمام کرتا ہے، اور اللہ سے بڑا کون ہے؟ پھر نماز میں اس کا لحاظ کیوں نہ کیا جائے؟ اسی لئے نماز میں عورتوں کے لئے خاص حجاب رکھا ہے، صرف چہرہ، کفین اور قدمین کھلے رکھ سکتی ہیں، باقی سارے بدن کا نماز میں ڈھانکنا ضروری ہے۔

اور آیت اگرچہ خاص معاملہ میں نازل ہوئی ہے، یعنی طواف اچھے پوشاک میں کرنا چاہئے، مادرزاد ننگے طواف کرنا بے حیائی کی بات ہے، مگر ﴿عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ فرما کر حکم کو عام کیا ہے کہ جب نماز کے لئے کسی بھی مسجد میں جائے تو اچھا لباس پہن کر جائے، مسجد میں فرض نماز پڑھنے کے لئے جاتے ہیں، اور نفلیں گھر میں پڑھتے ہیں، پس دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔

ایک واقعہ: حضرت الاستاذ شیخ محمود عبد الوہاب محمود مصری قدس سرہٗ (مبعوث الازہر فی دار العلوم دیوبند) دار العلوم کی مسجد قدیم کے قریب بالائی منزل میں رہتے تھے، ملک مصر ساحل سمندر پر واقع ہے، اس لئے وہاں گرمی کم ہوتی ہے، اور دیوبند کی گرمی خدا کی پناہ! گرمیوں میں ان کے گرمی دانے نکل آتے تھے اور کپڑا بالکل برداشت نہیں ہوتا تھا، اپنے کمرے میں صرف پجامے میں نفلیں پڑھتے تھے، مگر جب فرض پڑھنے کے لئے مسجد میں اترتے تھے تو بنیان پہنتے، اس پر توب (عربی لمبا کرتہ) پہنتے، اس پر عبا (شیروانی) پہنتے، پھر اس پر شال اوڑھتے، اور دلہا بن کر مسجد میں آتے، نماز میں پسینہ پسینہ ہو جاتے مگر میں نے کبھی ان کو بدن کھجلاتے نہیں دیکھا۔

پھر جب نماز پڑھ کر کمرہ لوٹتے تو میں ساتھ ہوتا تھا، میں ان کا خادم تھا، وہ کمرہ میں تنہا رہتے تھے، فیملی ساتھ نہیں تھی،

جب کمرہ کھول کر داخل ہوتے تو اس طرح سلام کرتے: **السلام علی عباد الله الصالحین:** اللہ کے نیک بندے سلامت رہیں! —— پس گھر میں کوئی ہو یا نہ ہو اس طرح سلام کرنا چاہئے، گھر میں جنات اور زمینی فرشتے ہوتے ہیں، وہ سلام سے خوش ہونگے۔

پھر مصری صاحب رحمہ اللہ ایک ایک کپڑا اتار کر، بڑی ناگواری سے چارپائی پر دے مارتے تھے، اور صرف پاجامہ میں ہو جاتے تھے، ایک مرتبہ میں نے عرض کیا: حضرت! آپ عبا اور شال کیوں اوڑھتے ہیں، تو بس کافی ہے! آپ نے جواب دیا: **سعید! إنی أستحی من الله:** سعید! مجھے اللہ سے شرم آتی ہے، یہ تھا فرض کا ادب! اور آپ نفلیں صرف پجامے میں پڑھتے تھے۔

ارشاد: اور حضرت الاستاذ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہٗ (صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) نے ترمذی شریف کے سبق میں فرمایا کہ فرض نماز آفس کی ملاقات ہے، اور نفل نماز پرائیویٹ ملاقات ہے —— پس دونوں کے احکام الگ ہیں، وزیر اعظم سے آفس میں ملنا ہو تو وقت لینا پڑتا ہے، آدمی نہا دھو کر صاف کپڑے پہن کر جاتا ہے اور ٹائم کا لحاظ کر کے بات کہتا ہے، پھر سلام کر کے لوٹ آتا ہے، اور رات میں جب وزیر اعظم سے دوستانہ ملاقات کرنے کے لئے جاتا ہے تو کوئی ضابطہ نہیں، جتنی دیر چاہے گپ کرے یا جلدی لوٹ جائے، اسی طرح فرائض کے لئے ضابطے ہیں اور نوافل میں اختیار ہے —— اسی لئے ﴿عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ﴾ فرما کر فرائض کی تخصیص کی ہے۔

نماز میں سلیقہ سے کھڑا ہونا، بھونڈے طریقہ پر کھڑا نہ ہونا

پھر جب نماز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو تو سلیقہ سے کھڑا ہو، بھونڈے طریقہ پر ٹانگیں چوڑی کر کے کھڑا نہ ہو:

ایک واقعہ: امریکہ میں ایک حنفی عالم کا ایک غیر مقلد عالم سے اس مسئلہ میں مناظرہ طے ہوا، جب مجلس شروع ہوئی تو حنفی عالم نے اہل حدیث عالم سے کہا: میں آپ کا فوٹو لینا چاہتا ہوں، مہربانی کر کے ذرا کھڑے ہو جائیں، وہ کھڑا ہو گیا، حنفی عالم نے موبائل راست کیا، پھر کہا: آپ نماز میں جس طرح کھڑے ہوتے ہیں اس طرح کھڑے ہوں، غیر مقلد عالم نے کہا: اس صورت میں میرا فوٹو خراب آئے گا! حنفی عالم نے کہا: بیٹھ جایئے، مناظرہ ہو چکا، جس ہیئت کو آپ خراب سمجھتے ہیں اس ہیئت میں آپ اللہ کے سامنے کیوں کھڑے ہوتے ہیں؟

نوٹ: موبائل کا فوٹو بھی حرام ہے اور یہ تو ایک واقعہ ہے، حنفی عالم کا مقصد فوٹو کھینچنا نہیں تھا۔

صف بندی کا طریقہ: مونڈھے سے مونڈھا لگائے اور ٹخنہ سے ٹخنہ چپکائے

بخاری شریف میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: **رأيتُ الرجلَ منا يلزق كعبه بكعب صاحبه:**

میں ہم میں سے ایک شخص کو دیکھتا تھا وہ اپنا ٹخنہ اپنے ساتھی کے ٹخنہ سے چپکاتا تھا، اور بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: **أقیموا صفوفکم، فإنی أراکم من وراء ظهری**: اپنی صفیں سیدھی کرو، اس لئے کہ میں تمہیں پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ یہاں تک حدیث ہے، پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **و کان یُلْزِقُ منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه**: آدمی اپنا مونڈھا اپنے ساتھی کے مونڈھے سے چپکاتا تھا، اور اپنے پیر کو اس کے پیر سے۔

ان دونوں روایتوں پر امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے: **باب إلزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف**: صف بندی میں مونڈھے کو مونڈھے سے اور پیر کو پیر سے چپکانا۔

آنحضور ﷺ نے حضرات صحابہ کو صف بندی کا یہ طریقہ بتلایا تھا کہ کندھے سے کندھا اچھی طرح لگایا جائے اور قدم سے قدم ملا کر دیکھا جائے، یعنی لوگ اس طرح کھڑے ہوں کہ اگر ایک جانب سے ٹخنوں میں سوئی داخل کی جائے تو سب ٹخنوں میں سے ہو کر پار ہو جائے، یعنی تمام لوگوں کے ٹخنے ایک سیدھ میں آجائیں۔ غیر مقلدین نے اس حدیث کے غلط معنی سمجھے ہیں، وہ کہتے ہیں: اس حدیث میں نماز میں کھڑے ہونے کا طریقہ بتایا گیا ہے، ان کے نزدیک نماز میں کھڑے ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر آدمی پیر کی انگلیاں دوسرے کے پیر کی انگلیوں سے لگائے، حالانکہ حدیث میں قدم سے قدم ملانے کا ذکر ہے، اور قدم ایڑی سے انگلیوں تک ہے، پس قدم سے قدم ملا کر کھڑا ہونا ممکن نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں **فی الصف** کی قید لگا کر اشارہ کیا ہے کہ یہ صف بندی کا طریقہ ہے، قیام میں کھڑے ہونے کا طریقہ نہیں ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری (۲:۲۱۱) میں لکھتے ہیں **المرادُ بذلك المبالغةُ فی تعدیل الصف وسَدِّ خَلَلِه** اھ، یعنی حدیث کی مراد صف صحیح کرنے میں مبالغہ کرنا ہے اور صف کے خلل کو بند کرنا ہے، اور اس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ صحابہ کا یہ عمل ایک مرفوع حدیث کے بعد حضرت انسؓ نے ذکر کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: اپنی صفیں سیدھی کرو، کیونکہ میں تمہیں پیٹھ پیچھے سے دیکھتا ہوں'' یہ حدیث ذکر کر کے حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ''اور ہم میں سے ہر شخص اپنا مونڈھا اپنے ساتھی کے مونڈھے سے اور اپنا پیر اس کے پیر سے ملاتا تھا'' ظاہر ہے مذکورہ حدیث کے بعد صحابہ کا یہ عمل اس ارشاد کی تعمیل ہی میں ہو سکتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ صحابہ کا قدم سے قدم ملانا حدیث نہیں ہے، حدیث رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل اور تائید و تقریر کو کہتے ہیں، بلکہ یہ از قبیل آثارِ صحابہ ہے، اور غیر مقلدین آثارِ صحابہ کو نہیں مانتے، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ میں اس کی صراحت کی ہے، پس غیر مقلدین کا اس کو حدیث کہہ کر پیش کرنا زبردست مغالطہ ہے، ایک تو اثر کو حدیث بنا دیا، پھر اس کا

غلط مطلب بیان کیا، کریلا اور نیم چڑھا!

طب کی تین بنیادیں اور تینوں قرآنِ کریم میں ہیں

طب کی ترتیب وار تین بنیادیں ہیں: حفظانِ صحت، استخراج مادۂ فاسد اور حِمْیَة (پرہیز)، پہلے کوشش یہ ہونی چاہئے کہ صحت محفوظ رہے، کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے صحت خراب ہوجائے، موسم بدل رہا ہو تو کھلی جگہ نہ سوئے، کھائے پیئے مگر اندازے سے کھائے، اشتہا کے بغیر نہ کھائے، مضر چیزیں نہ کھائے اور بہت کم بھی نہ کھائے، بقائے صحت کے بقدر کھائے، اس اصل کا ذکر اس آیت میں ہے، فرمایا: کھاؤ پیئو مگر حد سے تجاوز مت کرو، بے حد کھائے گا تو معدہ خراب ہوجائے گا اور بیمار پڑے گا۔

دوسری اصل: کا ذکر سورۃ البقرۃ (آیت ۱۹۶) میں ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْبِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾: پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (تو وہ سر منڈا کر) اس کا فدیہ دے: روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے۔ آیت کا شانِ نزول حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، ان کے سر میں جوئیں ہوگئی تھیں، آیت نازل ہوئی اور ان کو سر منڈانے کی اجازت دی گئی۔

پس اگر بے احتیاطی سے یا ناگہانی طور پر بیمار پڑ جائے تو علاج کرائے، اور فاسد مادہ جسم سے نکالے، جیسے جوئیں میل سے پیدا ہوتی ہیں، جب تک سر نہیں منڈائے گا جوؤں کی افزائش نہیں رکے گی، اسی طرح کسی پھوڑے میں مواد ہو تو اسے نکلوائے، مرہم پٹی سے کام نہیں چلے گا، اور بدہضمی ہو تو مسہل لے، جب تک معدے کے روئیں نہیں کھلیں گے کھانا ہضم نہیں ہوگا۔

تیسری اصل: سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ میں ہے کہ اگر وضوء غسل میں پانی مضر ہو تو تیمّم کرے، یہ اجازت پرہیز کے طور پر ہے، پانی سے پرہیز نہیں کرے گا تو بیماری بڑھتی رہے گی۔

فائدہ: طب یونانی میں فاسد مادہ باہر نکالا جاتا ہے، اور ڈاکٹری میں اس کو جسم کے اندر بھسم کیا جاتا ہے، اسی لئے اگر فاسد مادہ جسم میں باقی رہ جاتا ہے تو بیماری لوٹ آتی ہے، اور اسی لئے ڈاکٹری میں دوا کا کورس پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

مسئلہ: طواف اور نماز میں ستر چھپانا ضروری ہے، ستر مرد و زن کا ایک ہے، پھر عورت کے لئے تین مراحل میں حجاب ہے، محارم کا حجاب، نماز و طواف کا حجاب اور اجانب کا حجاب، طواف میں بھی چہرہ، کفین اور قدمین کھلے رہ سکتے ہیں۔

فائدہ: آیت کریمہ میں لباس کو 'زینت' سے تعبیر کیا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ عمدہ لباس میں نماز پڑھے، مبتذل لباس میں نماز پڑھنا نماز کی بے توقیری ہے، فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے، اس لئے کہ ایسے لباس میں نماز پڑھنا شائستگی کے

خلاف سمجھا جاتا ہے۔

﴿ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۳۱﴾ ﴾

ترجمہ: اے انسانو! اپنی زیبائش لے لو ہر مسجد کے پاس —— یعنی جب کسی مسجد میں نماز پڑھنے جاؤ تو اچھا لباس پہن کر جاؤ —— اور کھاؤ پیؤ اور بے جا خرچ مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے!

اچھا لباس اور حلال چیزیں دنیا میں مؤمنوں کے لئے بھی ہیں اور آخرت میں تو انہی کے لئے ہیں

راہب اور سادھو سنت کھانا بہت کم کر دیتے ہیں اور لباس بھی معمولی پہنتے ہیں، اور بہت سی حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں، جاہلیت میں بھی بعض لوگ حج کے موقعہ پر کھانا بہت کم کھاتے تھے اور بعض چیزوں سے کلی اجتناب کرتے تھے، اور قرون متوسطہ میں صوفیاء میں بھی یہ طریقہ رائج ہو گیا تھا، جبکہ **لا رهبانية في الإسلام**: اسلام میں ترک دنیا نہیں، ایک اصول ہے، اس لئے ایک آیت میں بتاتے ہیں کہ ان کا طریقہ غلط تھا، مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ کی زینت، یعنی اچھا لباس اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو حرام نہ کریں، ان کو استعمال کریں، دنیا میں یہ چیزیں مسلمانوں کے لئے بھی ہیں، اور غیر بھی ان سے متمتع ہوتے ہیں، یہاں دسترخوان عام بچھا ہوا ہے، دنیا میں اللہ کی صفت الرحمن کی کارفرمائی ہے، البتہ آخرت میں صفت الرحیم کی کارفرمائی ہوگی، اور یہ نعمتیں صرف مؤمنین کے لئے ہونگی، دوسروں کا ان میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ دیکھو! حلال چیزوں کا بیان اللہ تعالیٰ کس وضاحت سے فرماتے ہیں؟

﴿ قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِہٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ ؕ قُلۡ ہِیَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا خَالِصَۃً یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۲﴾ ﴾

ترجمہ: پوچھو: کس نے حرام کی ہے اللہ کی زینت اور کھانے پینے کی پاکیزہ (حلال) چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں؟ کہو: وہ چیزیں دنیوی زندگی میں ان لوگوں کے لئے ہیں جو ایمان لائے ہیں —— اور دوسرے جو فائدہ اٹھاتے ہیں وہ ایسا ہے جیسے گیہوں کے ساتھ بھوا بھی پانی پیتا ہے —— وہ خاص ہونگی قیامت کے دن —— مؤمنین کے لئے —— اس طرح ہم تفصیل سے احکام بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں!

پانچ منہی عنہ چیزیں: جن میں اول نمبر فاحشہ کا ہے

مشرکین نے فاحشہ (بے شرمی کے کاموں) کو مامور بہ قرار دیا تھا، کہا تھا: ﴿ وَ اللّٰہُ اَمَرَنَا بِہَا ﴾ ان کو بتاتے ہیں کہ وہ مامور بہ نہیں، منہی عنہ ہے، اور حصر کیا ہے کہ وہی منہی عنہ ہے، پھر ساتھ میں چار اور ممنوعات کا تذکرہ کیا ہے: ایک:

مطلق گناہ کا کام یعنی ہر گناہ اللہ نے حرام کیا ہے، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ دوم: بلاوجہ کی زیادتی حرام کی ہے، مسلمان کے ہاتھ سے بلاوجہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے۔ سوم: غیر اللہ کو اللہ کے برابر نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں اور عقیدہ میں عقلی دلیل معتبر نہیں، چہارم: اللہ کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہیں کرنی چاہئے، جیسے مشرکین بے دلیل فحشاء کو اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے، اور کہتے تھے: ﴿ وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ﴾ یہ پانچ امور حرام ہیں۔

﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کہو: میرے پروردگار نے بے شرمی کے کام ہی حرام کئے ہیں، چاہے کھلے بے شرمی کے کام ہوں یا چھپے —— یعنی خواہ انہیں برملا کیا جائے یا پرائیویٹ میں —— اور (ہر) گناہ کو، اور بلاوجہ کی زیادتی کو، اور اللہ کے ساتھ اس چیز کے شریک کرنے کو جس کے شریک ہونے کی اللہ نے (کسی کتاب میں) کوئی دلیل نہیں اتاری، اور اللہ کے نام وہ بات لگانے کو جو تم جانتے نہیں!

اللہ کی طرف کب لوٹنا ہے؟ یعنی قیامت کب آئے گی؟

فرمایا تھا: ﴿ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴾: یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا ہے، مگر ایک وقت آرہا ہے کہ تم کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے، سوال: کب لوٹنا ہے؟ یعنی قیامت کب قائم ہوگی؟ جواب: اس کا ایک وقت مقرر ہے، جیسے ہر شخص اور ہر جماعت کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جس میں نہ تقدیم ہو سکتی ہے نہ تاخیر، وہ وقت اٹل ہے، لہٰذا اس کی تیاری کرو، اسی کی یاد دہانی کے لئے نبیوں کو مبعوث کیا ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہر جماعت کے لئے ایک طے شدہ وقت ہے، پس جب ان کا وقت پورا ہو جائے گا تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکیں گے اور نہ جلدی پکڑے جائیں گے! —— آیت کریمہ شخصی موت اور قومی عروج و زوال کو بھی شامل ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ	اے آدم کے لڑکو!	عَنْهَا	ان کے ماننے سے	حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب
اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ	اگر آئیں تمہارے پاس	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ	جَآءَتْهُمْ	پہنچیں گے ان کے پاس
رُسُلٌ مِّنْكُمْ	تم میں سے رسول	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں	رُسُلُنَا	ہمارے فرستادے
يَقُصُّوْنَ	جو بیان کریں	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں		(فرشتے)
عَلَيْكُمْ	تمہارے سامنے	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	يَتَوَفَّوْنَهُمْ	جان وصول کر رہے
اٰيٰتِيْ	میری باتیں	فَمَنْ	پس کون		ہونگے ان کی
فَمَنِ اتَّقٰى	پس جو ڈرا	اَظْلَمُ	بڑا ظالم ہے	قَالُوْٓا	تو کہیں گے وہ
وَاَصْلَحَ	اور اس نے سنوارا	مِمَّنِ افْتَرٰى	اس سے جس نے گھڑا	اَيْنَ مَا كُنْتُمْ	جہاں بھی تھے تم
فَلَا خَوْفٌ	پس کوئی ڈر نہیں ہوگا	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	تَدْعُوْنَ	پکارتے تھے
عَلَيْهِمْ	ان پر	كَذِبًا	جھوٹ	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ کو
وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	اَوْ كَذَّبَ	یا جھٹلایا اس نے	قَالُوْا	کہا انھوں نے
يَحْزَنُوْنَ	غمگین ہونگے	بِاٰيٰتِهٖ	اس کی باتوں کو	ضَلُّوْا عَنَّا	کھو گئے وہ ہم سے
وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ	وَشَهِدُوْا	اور گواہی دی انھوں نے
كَذَّبُوْا	جھٹلایا	يَنَالُهُمْ	پہنچے گا ان کو	عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	اپنی ذاتوں کے خلاف
بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو	نَصِيْبُهُمْ	ان کا حصہ	اَنَّهُمْ كَانُوْا	کہ وہ تھے
وَاسْتَكْبَرُوْا	اور گھمنڈ کیا	مِّنَ الْكِتٰبِ	نوشتہ سے	كٰفِرِيْنَ	منکرین (توحید)

رسولوں کی بعثت کے بعد لوگ دو فریق بن جائیں گے: تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے

پہلے ایک سوال حل کرلیں، آیت پاک آخری رسول پر نازل ہوئی ہے، پھر ﴿ رُسُلٌ ﴾ جمع کیوں ہے؟ گذشتہ رسول تو گذر چکے، اور آگے کوئی نیا رسول آنا نہیں، پھر ﴿ رُسُلٌ ﴾ جمع کیوں لایا گیا ہے؟

جواب: تفسیر کا قاعدہ ہے: ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ ﴾ سے خطاب مشرکین مکہ سے ہوتا ہے، اور ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ سے خطاب مؤمنین کو ہوتا ہے، اور ﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ ﴾ سے خطاب کل اولادِ آدم سے ہوتا ہے، اور قرآن اللہ کا ازلی کلام ہے، گویا بیک وقت سب کو موجود مان کر عالم ارواح میں عام خطاب کیا گیا ہے، بیان القرآن میں ہے: ''عالم ارواح ہی میں یہ عہد لیا ہے، وعدہ وعید سنا دیا گیا ہے، اب اسی کا اعادہ ہے''

عہد الست ہی میں تمام لوگوں کو بتلا دیا تھا کہ تمہارے پاس تمہی میں سے اللہ کے رسول آئیں گے، جو تمہارے سامنے میری باتیں بیان کریں گے، پس جو لوگ ان کی باتیں قبول کریں گے اور اللہ کی نازل کردہ شریعت پر عمل کریں گے وہ اپنے وطن (جنت) میں لوٹ آئیں گے، اور بے خوف وخطر تا ابد زندگی گذاریں گے، اور جو لوگ رسولوں کی تکذیب کریں گے، ان کو اپنی چودھراہٹ خطرے میں پڑتی نظر آئے گی، وہ اپنے وطن (جنت) میں واپس نہیں آئیں گے، دوزخ کے کھڈے میں گریں گے، اور وہاں ہمیشہ سڑیں گے۔

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے انسانو! اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئیں، جو تمہارے سامنے میری باتیں بیان کریں: پس جو شخص اللہ سے ڈرا، اور خود کو سنوارا تو (آخرت میں) ان کو نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے، اور جنھوں نے ہماری باتوں کی تکذیب کی، اور ان کو قبول کرنے سے گھمنڈ کیا وہی دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے!

ظالموں کی قسمت میں جو عیش وعروج لکھا ہے، وہ موت سے پہلے تک
اس سے فائدہ اٹھائیں گے پھر موت کے وقت اپنی قسمت کو روئیں گے

تفسیر سے پہلے دو باتیں جان لیں:

۱- تقدیر: ازلی فیصلۂ خداوندی کا نام ہے، اور تقدیر پانچ مراحل میں ظاہر ہوتی ہے: پہلی مرتبہ: اللہ کے علم ازلی میں تمام چیزوں کے اندازے ٹھہرائے گئے، دوسری مرتبہ: تخلیقِ ارض وسماء سے پچاس ہزار سال پہلے عرش کی قوتِ خیالیہ میں سب چیزیں موجود ہوئیں۔ تیسری مرتبہ: تخلیقِ آدم کے بعد جب عہد الست لیا گیا اس وقت تقدیر کا تحقق ہوا۔ چوتھی مرتبہ: شکم مادر میں جب روح پڑنے کا وقت آتا ہے تو تقدیر کا ایک گونہ تحقق ہوتا ہے، اور پانچویں مرتبہ: دنیا میں

واقعہ رونما ہونے سے کچھ پہلے تقدیر پائی جاتی ہے ـــــ تقدیر کے یہ مراحل حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کئے ہیں، تفصیل کے لئے دیکھیں رحمۃ اللہ الواسعہ (۱:۶۶۸)

۲- آیت پاک میں ﴿الْكِتٰبِ﴾ سے مراد لوحِ محفوظ ہے، اور ﴿نَصِيْبُهُمْ﴾ سے مراد تقدیر کا چوتھا اور پانچواں مرحلہ ہے، لوحِ محفوظ میں تقدیر کلّی شکل میں ہے اور آخری مراحل میں جزوی شکل میں، یہی لوح محفوظ میں سے قریش کا حصہ ہے جو الگ کرلیا گیا ہے۔

تفسیر: مشرکینِ قریش بڑے ظالم تھے، انھوں نے ایک تو اللہ کے نام جھوٹ گھڑا اور کہا کہ اللہ نے ہمیں فواحش کا حکم دیا ہے، پھر انھوں نے قرآن کو جھٹلایا جو اللہ کی باتیں ہیں، ان ظالموں کی قسمت میں لوح محفوظ میں جو عیش وآرام اور عروج لکھا ہے، اور ان کا حصہ اس میں سے الگ کرلیا گیا ہے وہ موت سے پہلے تک اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے، پھر جب ان کی موت کا وقت آئے گا، اور موت کے فرشتے آموجود ہونگے تو وہ ان کو دھمکائیں گے، کہیں گے: تم جہاں بھی رہے مورتیوں کو پوجتے رہے، اب اس کی سزا کا وقت آگیا ہے، اب کہاں ہیں وہ تمہارے کارساز؟ آج وہ تمہاری مدد کو کیوں نہیں آرہے؟ اس وقت ظالم اپنی قسمت کو روئیں گے اور کہیں گے: ہائے افسوس! آج ہمارے سب معبود رفو چکر ہوگئے، اور ہم بے آسرا رہ گئے! اور اس وقت وہ قسمیں کھا کر اعتراف کریں گے کہ واقعی وہ مجرم ہیں، وہ زندگی بھر شرک میں مبتلا رہے! پس آج ان کو جو سزا مل رہی ہے، وہ واقعی اس کے مستحق ہیں!

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: پس کون بڑا ظالم ہے اس سے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا یا اللہ کی باتوں کو جھٹلایا! ـــــ کوئی نہیں! یہی سب سے بڑے ظالم ہیں ـــــ ان لوگوں کو نوشتہ (لوح محفوظ) میں سے ان کا حصہ پہنچے گا ـــــ موت سے پہلے تک ـــــ یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرستادے (موت کے فرشتے) پہنچیں گے جو ان کی جانیں وصول کریں گے تو وہ کہیں گے: تم جہاں بھی رہے اللہ کے علاوہ کو پکارتے رہے ـــــ اب اس کی سزا کا وقت آگیا ہے، اب تمہارے وہ کارساز کہاں ہیں؟ وہ مدد کے لئے کیوں نہیں آتے؟ ـــــ وہ کہیں گے: وہ سب ہم سے غائب ہوگئے! ـــــ ہائے افسوس! ـــــ اور وہ اپنے خلاف گواہی دیں گے ـــــ یعنی قسم کھا کر اقرار کریں گے ـــــ کہ وہ منکرین توحید تھے! ـــــ پس اب ان کو جو سزا ملے وہ اس کے مستحق ہیں!

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٣٩﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاۗءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰي يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤١﴾

قَالَ	فرمایا	اُخْتَهَا	اپنی بہن پر	ضِعْفًا	دوگنی
ادْخُلُوْا	داخل ہوجاؤ	حَتّٰٓى اِذَا (۱)	یہاں تک کہ جب	مِّنَ النَّارِ	آگ سے
فِيْٓ اُمَمٍ	امتوں میں	ادَّارَكُوْا	مل جائیں گے وہ	قَالَ لِكُلٍّ	فرمایا: ہرایک کے لئے
قَدْ خَلَتْ	جو تحقیق گذر چکیں	فِيْهَا جَمِيْعًا	اس میں سبھی	ضِعْفٌ	دوگنا ہے
مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے	قَالَتْ	کہا	وَّلٰكِنْ	لیکن
مِّنَ الْجِنِّ	جنات میں سے	اُخْرٰىهُمْ	ان کے پچھلوں نے	لَّا تَعْلَمُوْنَ	تم جانتے نہیں
وَالْاِنْسِ	اور انسانوں میں سے	لِاُوْلٰىهُمْ (۲)	ان کے پہلوں کے بارے میں	وَ قَالَتْ	اور کہا
فِي النَّارِ	آگ میں	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	اُوْلٰىهُمْ	ان کے پہلوں نے
كُلَّمَا	جب بھی	هٰٓؤُلَاۗءِ	ان لوگوں نے	لِاُخْرٰىهُمْ	ان کے پچھلوں سے
دَخَلَتْ	داخل ہوگی	اَضَلُّوْنَا	ہمیں گمراہ کیا	فَمَا كَانَ	پس نہیں تھی
اُمَّةٌ	کوئی امت	فَاٰتِهِمْ	پس دیجئے ان کو	لَكُمْ عَلَيْنَا	تمہارے لئے ہم پر
لَّعَنَتْ	لعنت کرے گی وہ	عَذَابًا	سزا	مِنْ فَضْلٍ	کوئی فضیلت

(۱) تدارك (تفاعل): پے درپے ایک کا دوسرے سے ملنا، (۲) لأولٰهم: لام تعلیل کا ہے أی لأجلهم۔

فَذُوْقُوا	پس چکھوتم	لَهُمْ	ان کے لئے	نَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں ہم
الْعَذَابَ	سزا	اَبْوَابُ	دروازے	الْمُجْرِمِيْنَ	ظالموں (مشرکوں) کو
بِمَا كُنْتُمْ	ان کاموں کی جو تھے تم	السَّمَاۗءِ	آسمان کے	لَهُمْ	ان کے لئے
تَكْسِبُوْنَ	کماتے	وَلَا يَدْخُلُوْنَ	اور نہیں داخل ہونگے وہ	مِّنْ جَهَنَّمَ	جہنم کا
اِنَّ الَّذِيْنَ	بیشک جن لوگوں نے	الْجَنَّةَ	جنت میں	مِهَادٌ	بچھونا ہے
كَذَّبُوْا	جھٹلایا	حَتّٰى يَلِجَ	یہاں تک کہ داخل ہو	وَّمِنْ فَوْقِهِمْ	اور ان کے اوپر سے
بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو	الْجَمَلُ	اونٹ	غَوَاشٍ	اوڑھنا ہے
وَاسْتَكْبَرُوْا	اور گھمنڈ کیا	فِيْ سَمِّ	ناکے میں	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح
عَنْهَا	ان سے	الْخِيَاطِ	سوئی کے	نَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں ہم
لَا تُفَتَّحُ	نہیں کھولے جائیں گے	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح	الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کو

کافروں اور مشرکوں کے اخروی احوال

گذشتہ آیت میں کافروں کے عذابِ قبر کا بیان تھا، جب کافر کی سکرات شروع ہوتی ہے تو منکر نکیر روح قبض کرنے کے لئے آموجود ہوتے ہیں، وہ کافر کو دھمکاتے ہیں، یہ قبر کا عذاب شروع ہوگیا، جو قیامت تک چلے گا۔

پھر قیامت کے دن تمام مکلّف مخلوقات کو — جنات کو بھی اور انسانوں کو بھی — دوزخ میں داخل ہونے کا حکم ہوگا، اور وہ غول کے غول دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے، جب بھی کوئی گروہ دوزخ میں پہنچے گا پہلے والوں پر پھٹکار بھیجے گا، پھر جب سب دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو پچھلے: پہلوں کے لئے درخواست کریں گے: ”اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا، پس آپ ان کو دوزخ میں دوہری سزا دیں!“ — جواب ملے گا: ”تم بھی تو اپنے بعد والوں کے اگلے تھے، پس تمہارے لئے بھی دوہری سزا ہے، مگر تم سمجھتے نہیں!“ یعنی جس طرح تمہارے اگلوں نے تم کو گمراہ کیا، تم نے اپنے پچھلوں کو گمراہ کیا، تم بھی ان کی گمراہی کا سبب بنے، لہٰذا تم کو بھی دوگنی سزا ملنی چاہئے، جو دی گئی! مگر تم جانتے نہیں!

اگلے بھی پچھلوں کی درخواست سے جل بھن کر کہیں گے: ”تم میں کیا سرخاب کا پر لگ رہا ہے، جو تمہیں اکہری سزا ملے اور ہمیں دوہری! تم بھی تو اپنے بعد والوں کی گمراہی کا سبب بنے تھے، لہٰذا تم بھی اپنی کمائی کا مزہ چکھو!“

﴿ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا

فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۞ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۞

ترجمہ: ارشاد ہوگا: تم دوزخ میں داخل ہو جاؤ ان امتوں میں شامل ہو کر جو تم سے پہلے ہو چکی ہیں، جنات میں سے اور انسانوں میں سے! ــــ یعنی تم سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہو! ــــ جب بھی کوئی گروہ داخل ہوگا اپنی سہیلی پر پھٹکار بھیجے گا ــــ کہ کم بختو! تم تو ڈوبے تھے ہمیں بھی ڈوبایا! ــــ یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو ان کے پچھلے: اپنے پہلوں کے حق میں کہیں گے: ''اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا، لہٰذا آپ ان کو دوزخ میں دوگنی سزا دیجئے!'' ــــ اللہ تعالیٰ جواب دیں گے: ''سبھی کے لئے دوگنی سزا ہے، مگر تم جانتے نہیں!''

اور پہلے: پچھلوں سے کہیں گے: ''تمہارے لئے ہم پر کوئی برتری نہیں! پس تم اپنی کمائی کا مزہ چکھو!''

کافروں کی آسمانوں میں پذیرائی نہیں ہوگی، اور ان کا جنت میں داخلہ محال ہے!

جو لوگ اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں، تا کہ ان کی چودھراہٹ ختم نہ ہو: وہ جب مرتے ہیں تو فرشتے ان کی روح کو ایک بدبودار ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں، اس میں سے اتنی سخت بدبو پھیلتی ہے جیسے روئے زمین پر سب سے زیادہ سڑے ہوئے مردار سے پھیل سکتی ہے۔ پھر فرشتے اسے لے کر اوپر کی طرف چلتے ہیں۔ راستہ میں فرشتوں کی جو بھی جماعت ملتی ہے وہ پریشان ہو کر پوچھتے ہیں یہ کس خبیث کی روح ہے؟ فرشتے بدترین نام سے اس کا نام بتاتے ہیں۔ بالآخر فرشتے اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔ فرشتے چاہتے ہیں کہ دروازہ کھلے مگر دروازہ نہیں کھلتا۔ یہ ارشاد فرما کر آپ نے اسی آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی، جب دروازہ نہیں کھلتا تو باری تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ اس کا نامۂ اعمال زمین کے سب سے نچلے طبقے (سجین) میں درج کر دیا جائے، یہ حکم ہوتے ہی روح نہایت حقارت کے ساتھ سجین میں پھینک دی جاتی ہے۔

سجین: جہنم کی استقبالیہ آفس ہے، اس میں جہنمیوں کے ناموں اور کاموں کا رجسٹر رکھا ہوا ہے۔

اور قیامت کے دن اس کا جنت میں داخلہ محال ہے، جیسے اونٹ کا سوئی کے ناکے سے پار ہونا محال ہے، اور دوزخ میں ان کے لئے آگ ہی کا بچھونا ہوگا اور آگ ہی کا اوڑھنا (معاذ اللہ!) آگ کی ایک چنگاری تڑپانے کے لئے کافی ہے، اور وہاں آگ ہی آگ ہوگی، بچھونا بھی آگ کا اور اوڑھنا بھی آگ کا! دنیا میں جب کہیں آگ لگتی ہے تو فلک بوس عمارتیں اور میلوں تک پھیلا ہوا جنگل پلک جھپکتے خاک ہو جاتا ہے، کافروں کا دوزخ میں کیا حال ہوگا؟ اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۞ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ

غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: بے شک جنھوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا، اور ان کو ماننے سے گھمنڈ کیا، ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، اور وہ جنت میں نہیں جاسکیں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے پار ہوجائے —— یہ تعلیق بالمحال ہے —— اور اسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں، ان کے لئے آگ کا بچھونا ہے اور اوپر سے (آگ کا) اوڑھنا! اور اسی طرح ہم ظالموں (مشرکوں اور کافروں) کو بدلہ دیتے ہیں!

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۣ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں	وَقَالُوا	اور کہا انھوں نے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	خٰلِدُوْنَ	سدا رہنے والے ہیں	الْحَمْدُ	تمام تعریفیں
وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	وَنَزَعْنَا	اور نکالیں گے ہم	لِلّٰهِ	اس اللہ کے لئے ہیں
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	مَا	جو	الَّذِيْ هَدٰىنَا	جنھوں نے راہ دکھائی ہمیں
لَا نُكَلِّفُ(۱)	نہیں بوجھ ڈالتے ہم	فِيْ صُدُوْرِهِمْ	ان کے سینوں میں ہے	لِهٰذَا	اس (باغ) کی
نَفْسًا	کسی شخص پر	مِّنْ غِلٍّ(۳)	کدورت سے	وَمَا كُنَّا	اور نہیں تھے ہم
اِلَّا وُسْعَهَا(۲)	مگر اس کی طاقت کے بقدر	تَجْرِيْ	بہتی ہیں	لِنَهْتَدِيَ	کہ راہ پاتے
اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ	مِنْ تَحْتِهِمُ(۴)	ان کے نیچے	لَوْلَآ	اگر نہ
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	باغ والے ہیں	الْاَنْهٰرُ	نہریں	اَنْ هَدٰىنَا	راہ دکھاتے ہمیں

(۱) تکلیف: کسی شخص سے ایسی چیز کی خواہش کرنا جس میں رنج ومحنت ہو (۲) وسعت: طاقت، قدرت، سمائی (۳) غِلّ: دل میں چھپا ہوا بغض وکینہ، دل کا میل، کھوٹ (۴) تحتھم: ضمیر جنتیوں کی طرف لوٹتی ہے۔

اللہُ	اللہ تعالیٰ	بِالْحَقِّ	دین حق کے ساتھ	اُوْرِثْتُمُوْهَا(۱)	وارث بنائے گئے ہو تم
لَقَدْ جَآءَتْ	بخدا! تحقیق آئے	وَنُوْدُوْٓا	اور پکارے گئے وہ		اس کے
رُسُلُ	پیغامبر	اَنْ تِلْكُمُ	کہ یہ	بِمَا كُنْتُمْ	ان کاموں کی وجہ سے جو تھے تم
رَبِّنَا	ہمارے رب کے	الْجَنَّةُ	جنت	تَعْمَلُوْنَ	کرتے

نیک مؤمنین کے اخروی احوال

پہلے تین باتیں عرض ہیں:

۱- قرآنِ کریم میں نیک مؤمنین ہی کو سدا بہار جنت کی خوش خبری دی گئی ہے، ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کی قید ہے۔ عمل صالح: نیک کام کرنے اور گناہوں سے بچنے کا نام ہے، مطلق ایمان پر نجات کی خبر حدیث میں ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو نیک عمل کر کے قرآن کی خوش خبری کا استحقاق پیدا کرنا چاہئے، واللہ الموافق!

۲- نیک کام کرنے میں اور گناہوں سے بچنے میں کچھ مشقت ضرور ہوتی ہے، مگر اتنی نہیں ہوتی کہ انسان کی طاقت جواب دیدے، اللہ کے احکام میں انسان کی طاقت کا لحاظ رکھا گیا ہے، غریبوں پر زکات، حج اور قربانی فرض نہیں، معذوروں پر جہاد فرض نہیں، پانی نہ ہو یا اس کا استعمال مضر ہو تو تیمّم کی اجازت ہے، نماز میں کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ بھی نہ سکے تو لیٹ کر پڑھے، رکوع وسجود نہ کر سکے تو اشارہ کرے، بہت بوڑھا ہو اور بھوکا نہ رہ سکتا ہو تو روزے کا فدیہ دے، غرض شریعت کے تمام احکام میں انسان کی طاقت وصلاحیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، ان آیات میں درجِ کلام ہی میں یہ ضابطہ بیان کر دیا ہے کہ تکلیفِ شرعی بقدر استطاعت ہوتی ہے۔

۳- دخولِ جنت کا حقیقی سبب رحمتِ خداوندی ہے، اور اعمالِ صالحہ ظاہری اسباب ہیں، حقیقی سبب برائے اعتقاد ہوتا ہے اور ظاہری سبب برائے عمل، جیسے درحقیقت اللہ تعالیٰ رزاق ہیں، اس پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے، اور حلال روزی کمانا فرض ہے، اس لئے کہ ہاتھ پیر ہلانا رزق کا سبب ظاہری ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا، جو بھی شخص جنت میں جائے گا اللہ کے فضل سے جائے گا، اور قرآن وحدیث اعمالِ صالحہ کی اہمیت سے بھرے پڑے ہیں، یہ سبب ظاہری کا بیان ہے، پس جو شخص جنت چاہتا ہے وہ نیک عمل کرے، جیسے جو روزی چاہتا ہے وہ ہاتھ پیر ہلائے، مگر روزی ملے گی اتنی جو اللہ چاہیں گے، اس کا عقیدہ رکھے، حضرت شیخ الہند قدس سرہ ایک بات فرمایا کرتے تھے کہ ”گاڑی تو رحمتِ الٰہیہ کے زور سے چلے گی، اور

(۱) میراث: میں ملکیت کا مفہوم ہوتا ہے۔

عمل وہ جھنڈی ہے جس کے اشارے پر گاڑی چلاتے اور روکتے ہیں" (فوائد)

تفسیر: جس نے اللہ ورسول کی باتیں مان لیں، اور شریعت پر مضبوطی سے عمل کیا —— جبکہ تکلیفِ شرعی بقدر استطاعت ہی ہوتی ہے یعنی گھبرانے کی ضرورت نہیں کہ نیک عمل کیسے کریں گے؟ نیک عمل کرنا آسان ہے —— ان حضرات کے لئے دائمی عیش کے باغات ہیں، ان کے نیچے نہریں بہتی ہونگی، اس لئے منظر بڑا خوشنما ہوگا، اور اہل جنت کے قلوب ایک دوسرے سے صاف ہونگے، اللہ تعالیٰ اہل جنت کے دلوں کی کدورتیں صاف کردیں گے، تاکہ خوشی کے لمحات میں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو، اگر ایک دوسرے سے دل صاف نہ ہوں تو مجلس کا مزہ کیا؟

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ اُولٰۤىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ﴾

ترجمہ: اور جولوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے —— ہم کسی پر بقدر استطاعت ہی بوجھ ڈالتے ہیں —— یہی لوگ جنت نشیں ہونگے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور ہم ان کے دلوں کی کدورت نکال دیں گے، ان کے نیچے نہریں بہتی ہونگی!

محفل میں نعمتِ ہدایت کا تذکرہ اور اللہ کی طرف سے ان کی حوصلہ افزائی

جنت میں ایک محفل جمی ہوگی، جنتی نعمتِ ہدایت کا تذکرہ کر رہے ہونگے کہ ہم نے اللہ کی توفیق سے اسلام قبول کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، جس کو ہم نے قبول کیا اور ہم جنت میں پہنچے، اگر اللہ تعالیٰ نبیوں کو نہ بھیجتے تو ہم کبھی بھی جنت میں نہیں پہنچ سکتے تھے، کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل!

اس طرح وہ اللہ کا شکر بجالا رہے ہونگے کہ اُدھر سے کانفرس کال آئے گی، جس کو سب اہل محفل سنیں گے کہ تم اپنے نیک اعمال کی وجہ سے جنت کے مالک بنائے گئے ہو! یہ سن کر ان کے دل بلیوں اچھلیں گے!

جنتی دخولِ جنت کے سببِ حقیقی کا تذکرہ کریں گے کہ اللہ کی رحمت نے اس کا سامان کیا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سببِ ظاہری کو سبب بتایا جائے گا، اس طرح جنتیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی، تاکہ وہ سمجھیں کہ ان کی محنت ضائع نہیں گئی، ان کی شبانہ روز کی محنت کا صلہ ملا —— اور ﴿ رُسُلُ رَبِّنَا ﴾ میں رُسُلُ جمع اس لئے ہے کہ یہ مختلف امتوں کے لوگ ہوں گے۔

﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَ نُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس جنت کا راستہ دکھایا، اور ہم راستہ پانے والے نہیں تھے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں راستہ نہ دکھاتے، بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پروردگار کے پیغامبر دین حق کے ساتھ (ہمارے پاس) پہنچے!

اور وہ پکارے جائیں گے کہ یہ جنت: تم اس کے وارث بنائے گئے ہو ان کاموں کی وجہ سے جو تم کیا کرتے تھے!

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۘ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ

وَنَادٰٓى	اور پکارا	رَبُّكُمْ	تمہارے رب نے	الَّذِيْنَ	جو
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	جنت والوں نے	حَقًّا	بالکل سچا؟	يَصُدُّوْنَ	روکتے ہیں
اَصْحٰبَ النَّارِ	جہنم والوں کو	قَالُوْا	کہا انھوں نے	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہ خدا سے
اَنْ قَدْ	کہ تحقیق	نَعَمْ	ہاں!		
وَجَدْنَا	پایا ہم نے	فَاَذَّنَ	پس بانگ دی	وَيَبْغُوْنَهَا	اور چاہتے ہیں اس میں
مَا وَعَدَنَا	جو وعدہ کیا ہم سے	مُؤَذِّنٌ	ایک بانگ دینے والے نے	عِوَجًا	کجی
رَبُّنَا	ہمارے رب نے	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ	اور وہ آخرت کا
حَقًّا	بالکل سچا	اَنْ لَّعْنَةُ	کہ پھٹکار ہو	كٰفِرُوْنَ	انکار کرنے والے ہیں
فَهَلْ وَجَدْتُّمْ	پس کیا پایا تم نے	اللّٰهِ	اللہ کی	وَبَيْنَهُمَا	اور دونوں کے درمیان
مَّا وَعَدَ	جو وعدہ کیا	عَلَى الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں پر	حِجَابٌ	ایک پردہ ہے

حوصلہ افزائی سے جنتیوں کا دل کھل جائے گا اور وہ دوزخیوں کی چٹکی لیں گے

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنتیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی کہ تمہارے ایمان اور اعمالِ صالحہ کی وجہ سے تم کو جنت کا وارث بنایا گیا ہے تو ان کا حوصلہ بڑھے گا اور وہ دوزخیوں کی چٹکی لیں گے، ان سے ایک چبھتا ہوا سوال کریں گے،

ان کو کال کریں گے کہ ہم سے ہمارے پروردگار نے ایمان وعمل صالح پر جو جنت کا وعدہ کیا تھا: ہم نے اس کو بالکل سچا پایا، اب تم بتاؤ! تم کو کفر وعصیان پر جو جہنم کی دھمکی دی تھی: تم نے اس کو سچا پایا یا نہیں؟ ان کے لئے اقرار کے سوا چارہ نہ ہوگا!

پھر جنت اور جہنم کے درمیان کھڑے ہوکر ایک پکارنے والا فرشتہ پکارے گا کہ ظالموں پر اللہ کی دھتکار ہو، جو خود بھی گمراہ تھے، اور دوسروں کو بھی اللہ کے راستہ سے روکتے تھے، اور ان کی کوشش یہ رہتی تھی کہ اپنی کج بحثوں کے ذریعہ اللہ کی صاف اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا ثابت کردیں، اور وہ یہ سب کچھ اس لئے کر رہے تھے کہ وہ آخرت سے غافل تھے، وہ آخرت کو مانتے ہی کہاں تھے؟ —— اور یہ بانگ دوزخیوں کو سنانے کا مقصد یہ ہوگا کہ ان کا پچھتاوا بڑھے، ندامت سے بھی تکلیف کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ پس یہ ایک تھپڑ ہے جو ان کو فرشتہ رسید کرے گا۔

آیاتِ پاک: اور جنتی: دوزخیوں کو پکاریں گے کہ ہمارے پروردگار نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا: ہم نے اس کو بالکل سچا پایا، پس کیا تم نے بھی جو تمہارے پروردگار نے تم سے وعدہ کیا تھا: اس کو بالکل سچا پایا؟ وہ جواب دیں گے: ہاں! —— پھر ان کے درمیان میں ایک پکارنے والا پکارے گا کہ ظالموں (کافروں) پر اللہ کی لعنت ہو! جو اللہ کے راستے سے روکتے تھے، اور اس میں کجی پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے، اور وہ آخرت کے بھی منکر تھے!

سوال: جنتیوں کو کال کیوں کرنی پڑی؟ ﴿ نَادٰٓی ﴾: پکارا یعنی چلانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: جنت اور جہنم کے درمیان آڑ ہے، سورۃ الحدید (آیت ۱۳) میں ہے: ﴿ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴾: پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی، جس میں ایک دروازہ ہوگا (جس سے بات چیت ہوسکے گی) اس کے اندر کی جانب میں رحمت ہے (اُدھر جنت ہے) اور اس کی باہر کی جانب میں عذاب ہے (اِدھر دوزخ ہے) —— اس لئے جنتی پکار کر جہنمیوں سے پوچھیں گے۔

آیت: ﴿ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ﴾: دونوں کے درمیان —— یعنی جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان میں —— ایک آڑ ہے —— دیوار کی آڑ مراد ہے۔

وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَاۗءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ

تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٤٩﴾

وَعَلَى الْاَعْرَافِ(۱)	اور اعراف پر	اَصْحٰبِ النَّارِ	دوزخ والوں کے	وَمَا كُنْتُمْ(۳)	اور تمہارا
رِجَالٌ	کچھ مرد ہیں	قَالُوْا	کہیں گے وہ	تَسْتَكْبِرُوْنَ	اپنے کو بڑا سمجھنا
يَّعْرِفُوْنَ	پہچانتے ہیں	رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار!	اَهٰٓؤُلَآءِ	(فرمایا:) کیا یہ لوگ
كُلًّا	ہر ایک کو	لَا تَجْعَلْنَا	نہ بنائیں آپ ہمیں		وہی ہیں
بِسِيْمٰىهُمْ(۲)	ان کی مخصوص نشانی سے	مَعَ الْقَوْمِ	ظالم (کافر) لوگوں	الَّذِيْنَ	جن کے بارے میں
وَنَادَوْا	اور پکارا انھوں نے	الظّٰلِمِيْنَ	کے ساتھ	اَقْسَمْتُمْ	تم نے قسمیں کھائیں
اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ	جنت والوں کو	وَنَادٰٓى	اور پکارا	لَا يَنَالُهُمُ	(کہ) نہیں پہنچیں
اَنْ سَلٰمٌ	کہ سلامتی ہو	اَصْحٰبُ	اعراف والوں نے		گے ان کو
عَلَيْكُمْ	تم پر!	الْاَعْرَافِ		اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
لَمْ يَدْخُلُوْهَا	نہیں داخل ہوئے وہ	رِجَالًا	کچھ مردوں کو	بِرَحْمَةٍ	مہربانی کے ساتھ؟
	جنت میں	يَّعْرِفُوْنَهُمْ	پہچانتے ہیں وہ ان کو	اُدْخُلُوا	داخل ہو جاؤ
وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ	اور وہ امیدوار ہیں	بِسِيْمٰىهُمْ	ان کی مخصوص علامت سے	الْجَنَّةَ	جنت میں
وَاِذَا	اور جب	قَالُوْا	کہا انھوں نے	لَا خَوْفٌ	کچھ ڈر نہیں
صُرِفَتْ	پھیری جائیں گی	مَآ اَغْنٰى	نہیں کام آئی	عَلَيْكُمْ	تم پر
اَبْصَارُهُمْ	ان کی نگاہیں	عَنْكُمْ	تمہارے	وَلَآ اَنْتُمْ	اور نہ تم
تِلْقَآءَ	جانب	جَمْعُكُمْ	تمہاری جماعت	تَحْزَنُوْنَ	غمگین ہوؤ گے

اعراف والے جنتیوں کو مبارک باد دیں گے اور جہنمیوں میں شمولیت سے پناہ چاہیں گے

اعراف: عُرْف کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: اونچی جگہ، عُرْفُ الجبل: پہاڑ کی چوٹی، عُرْفُ الدیك: مرغ کی کلغی۔

---

(۱) أعراف: عُرف کی جمع: مکانِ مرتفع، اونچی جگہ، جنت اور جہنم کے درمیان کی دیوار کا بالائی حصہ (۲) سِیْمَا: خاص علامت (۳) ما: مصدریہ، اس نے کنتم تستکبرون کو مصدر بنایا ہے۔

جنت اور جہنم کے درمیان میں ایک اونچی جگہ ہوگی: وہ اعراف ہے، وہاں عارضی طور پر کچھ مؤمنین رکھے جائیں گے، جن کو بالآخر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

یہ اونچی جگہ کیا ہوگی؟ ممکن ہے اس دیوار کا بالائی حصہ ہو جو جنت اور جہنم کے درمیان ہوگی، جس کا ذکر سورۂ حدید (آیت ۱۳) میں آیا ہے، اور ممکن ہے کوئی اور جگہ ہو، اس کی تعیین کی چنداں ضرورت نہیں!

اور اصحابِ اعراف کون لوگ ہونگے؟ مفسر قرطبی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں بارہ اقوال لکھے ہیں، اتنے اقوال میں سے کیا حاصل ہوگا؟ اس لئے اس کی تعیین بھی ضروری نہیں، اور یہی وہ باتیں ہیں جن کی ریہرسل حروفِ مقطعات کے ذریعہ کی گئی ہے کہ کچھ باتوں کو ایک حد تک ہی سمجھ سکتے ہیں، ان کی ساری تفصیلات ابھی نہیں جانی جاسکتیں، پس اعراف کے بارے میں اتنا جان لینا کافی ہے کہ وہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک اونچی جگہ ہے، جہاں نہ جنت کی لذتیں ہیں نہ جہنم کی کلفتیں، اور اعراف والے جنتیوں کو بھی دیکھیں گے اور جہنمیوں کو بھی، کیونکہ وہ درمیان میں اونچی جگہ پر ہونگے، وہاں جو مؤمنین روکے جائیں گے وہ عارضی طور پر روکے جائیں گے، بعد میں ان کو بھی جنت میں داخل کیا جائے گا۔

اصل بات: یہ ہے کہ اعراف والے اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان ہونے کی وجہ سے دونوں کو ان کی مخصوص نشانیوں سے پہچانتے ہونگے، جنتیوں کو ان کے نورانی چہروں سے اور دوزخیوں کو ان کی روسیاہی سے۔ جب وہ جنت والوں کو دیکھیں گے تو ان کو سلام کریں گے، یہ سلام کرنا بطور مبارک باد ہوگا، وہ اگرچہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے، مگر وہ اس کے امیدوار ہیں!

اور جب ان کی نظریں دوزخیوں کی طرف پھیری جائیں گی تو وہ ان سے پناہ چاہیں گے، دعا کریں گے: اے ہمارے پروردگار! آپ ہمیں ان ظالموں کے ساتھ نہ کریں! —— یہ بھی دوزخیوں سے بیزاری کا اظہار ہے، اور یہ بھی ایک چبھتی بات ہے، جس سے جہنمیوں کی حسرت میں اضافہ ہوگا۔

﴿وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ۝ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور اعراف پر کچھ مرد ہونگے جو (اہل جنت اور اہل دوزخ میں سے) ہر ایک کو ان کی مخصوص نشانیوں سے پہچانتے ہونگے، اور انھوں نے جنت والوں کو پکارا —— معلوم ہوا کہ وہ اہل جنت سے فاصلہ پر ہونگے —— کہ سلامت رہو! —— وہ جنت میں داخل نہیں ہوئے، اور وہ امیدوار ہیں! —— اور جب ان کی نظریں دوزخ والوں کی

طرف پھیری جائیں تو کہیں گے: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالموں کے ساتھ نہ بنائیں!''

اعراف والے مخصوص کافروں کو تھپڑ ماریں گے!

اعراف والے کچھ دوزخیوں کو ان کی خاص علامتوں سے پہچانیں گے کہ وہ ان کے زمانہ کے فلاں فلاں کافر ہیں: مالدار اور گھمنڈی! وہ ان سے کہیں گے: تمہارا جتھہ تمہارے کچھ کام نہ آیا اور تمہارا خود کو بڑا سمجھنا بھی! یعنی تم دنیا میں اپنی کثرت پر ناز کرتے تھے، اور خود کو عوام کا سردار سمجھتے تھے، اب کہاں گئی تمہاری وہ جماعت؟ اور کہاں گئی تمہاری وہ اکڑفوں؟ یہ انھوں نے ان مخصوص کافروں کو تھپڑ مارا جس سے وہ تلملا کر رہ جائیں گے۔

﴿ وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰی عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ ﴾

ترجمہ: اور اعراف والوں نے کچھ لوگوں کو پکارا، جن کو وہ ان کی خاص علامت سے پہچانتے ہیں —— کہ وہ ان کے زمانہ کے فلاں فلاں کافر ہیں —— کہا انھوں نے: ''تمہارے کچھ کام نہ آئی تمہاری جماعت اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا!''

اللہ تعالیٰ اعراف والوں کو جنت میں داخل کر کے دوزخیوں کو نیچا دکھائیں گے!

پھر اللہ تعالیٰ ان مخصوص اہل جہنم سے خطاب فرمائیں گے کہ تم ان کمزور مسلمانوں کے حق میں قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان کو اللہ کی مہربانی نہیں پہنچے گی! اب دیکھو! ان کا انجام۔ پھر اللہ تعالیٰ اعراف والوں سے فرمائیں گے: ''پہنچ جاؤ جنت میں، جہاں تمہیں نہ کوئی ڈر ہوگا نہ غم!'' —— یہ اللہ تعالیٰ نے ان مخصوص کافروں کو نیچا دکھایا، اعراف والوں پر انعام فرمایا تا کہ کفار کفِ افسوس ملیں۔

﴿ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ ﴾

ترجمہ: کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تم نے قسمیں کھائی تھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مہربانی سے حصہ نہیں دیں گے؟ —— جاؤ جنت میں، جہاں نہ تم پر ڈر ہے اور نہ تم غمگین ہوؤ گے!

وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ

هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۵۱

وَنَادٰٓى	اور پکارا	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ نے	الدُّنْيَا	دنیا نے
اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والوں نے	حَرَّمَهُمَا	دونوں کو حرام کیا ہے	فَالْيَوْمَ	پس آج
اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ	جنت والوں کو	عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	کافروں پر	نَنْسٰىهُمْ	بھلادیں گے ہم ان کو
اَنْ اَفِيْضُوْا	کہ بہاؤ	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	كَمَا نَسُوْا	جیسا بھلادیا انھوں نے
عَلَيْنَا	ہم پر	اتَّخَذُوْا	بنایا	لِقَآءَ	ملاقات کو
مِنَ الْمَآءِ	پانی سے	دِيْنَهُمْ	اپنے دین کو	يَوْمِهِمْ هٰذَا	ان کے اس دن کی
اَوْ مِمَّا	یا اس میں سے جو	لَهْوًا وَّلَعِبًا	تماشہ اور کھیل	وَمَا كَانُوْا (۱)	اور یہ کہ تھے وہ
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ	روزی دی تم کو اللہ نے	وَّغَرَّتْهُمُ	اور دھوکہ دیا ان کو	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کا
قَالُوْٓا	جواب دیا انھوں نے	الْحَيٰوةُ	حیات	يَجْحَدُوْنَ	انکار کرتے

اہل دوزخ: اہل جنت سے جنت کی نعمتیں مانگیں گے: وہ ٹکا سا جواب دیں گے

اہل جنت نے اہل نار کو کال کر کے چٹکی لی تھی: اہل نار نے اس کو اپنی ہمدردی سمجھا، چنانچہ اب وہ کال بیک کرتے ہیں کہ ہم جلے جارہے ہیں: تھوڑا پانی ہم پر برساؤ، ہم بھوکے مررہے ہیں جو کھانا اللہ نے تمھیں دیا ہے: ان میں سے ٹک ہمیں بھی دو! ـــــ جنتی ٹکا سا جواب دیں گے کہ جنت کا پانی کھانا کافروں پر حرام ہے، اس جواب سے اہل نار کی حسرت میں اور اضافہ ہوگا۔

﴿ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝۵۰ ﴾

ترجمہ: دوزخیوں نے جنتیوں کو پکارا کہ ہم پر تھوڑا پانی بہاؤ، یا جو روزی تم کو اللہ نے عنایت فرمائی ہے: اس میں سے کچھ دو! ـــــ جنتی جواب دیں گے: اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں ایمان نہ لانے والوں پر حرام کی ہیں!

جنت کی نعمتیں دوزخیوں پر کیوں حرام ہیں؟

جنت کی نعمتیں دوزخیوں پر چار وجوہ سے حرام ہیں:

(۱) ما: مصدریہ ہے، فعل کانوا یجحدون کو بہ تاویل مصدر کرے گا، اور کانوا یجحدون: دو فعل نہیں ہیں ایک فعل ہے، کان تو فعل ناقص ہے، پھر ما: کما کے ما پر معطوف ہے، اور وہ ما بھی مصدریہ ہے، نسوا کو مصدر بنانے کے لئے ہے۔

۱- دین اسلام جو کافروں کا بھی دین ہے، اس لئے کہ وہ ان کے لئے بھی نازل ہوا ہے، انھوں نے اپنے اس دین کا ٹھٹھا اور کھیل تماشہ بنایا تھا، ایسوں کے لئے جنت کی نعمتوں میں کیا حصہ ہوسکتا ہے؟

۲- وہ دنیوی زندگی میں ایسے مگن تھے کہ اللہ کی ملاقات کو بھولے ہوئے تھے، اس لئے آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کا نام نہیں لیں گے، اور جنت کی کوئی نعمت ان کو عنایت نہیں فرمائیں گے۔

۳- وہ قیامت کو نہیں مانتے تھے، اس لئے انھوں نے آخرت کے لئے کوئی تیاری نہیں کی۔

۴- وہ قرآنِ کریم کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے، ان کو اللہ کی باتیں نہیں مانتے تھے، اور جو اللہ کی باتوں کو نہ مانے اللہ تعالیٰ اس کی فکر کیوں کریں؟

﴿الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۵۱﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے دین کا کھیل تماشہ بنایا، اور جن کو دنیوی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا، پس آج ہم ان کا نام نہیں لیں گے، جس طرح انھوں نے ان کے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا، اور جس طرح وہ ہماری باتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۲ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَاۗءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۵۳ ع

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	بِكِتٰبٍ	اہم کتاب (قرآن)	عَلٰى عِلْمٍ (۱)	علم کامل سے
جِئْنٰهُمْ	پہنچا دی ہم نے ان کو	فَصَّلْنٰهُ	مفصل کیا ہے ہم نے اس کو	هُدًى (۲)	راہ دکھانے والی

(۱) علی علم: فصلناہ کے فاعل سے حال ہے، أی عالمین بما فُصِّلَ (۲) ھدی اور رحمۃ: فصلناہ کے مفعول کے حال ہیں۔

وَّرَحْمَةً (۱)	اور مہربانی	نَسُوْهُ	بھلا دیا اس کو	فَنَعْمَلَ	پس کام کریں ہم
لِّقَوْمٍ	لوگوں کے لئے	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے	غَيْرَ الَّذِيْ	علاوہ اس کے جو
يُّؤْمِنُوْنَ	جو ایمان لاتے ہیں	قَدْ جَآءَتْ	تحقیق آئے تھے	كُنَّا نَعْمَلُ	کیا کرتے تھے ہم
هَلْ	نہیں	رُسُلُ	پیغامبر	قَدْ خَسِرُوْٓا	تحقیق گھاٹے میں
يَنْظُرُوْنَ	انتظار کرتے وہ	رَبِّنَا	ہمارے پروردگار کے		رکھا انھوں نے
اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ	مگر اس کے آخری نتیجہ کا	بِالْحَقِّ	دین حق کے ساتھ	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں کو
يَوْمَ	جس دن	فَهَلْ لَّنَا	پس کیا ہمارے لئے ہیں	وَضَلَّ	اور گم ہوگئے
يَاْتِيْ	آئے گا	مِنْ شُفَعَآءَ	سفارشی	عَنْهُمْ	ان سے
تَاْوِيْلُهٗ	اس کا آخری نتیجہ	فَيَشْفَعُوْا	کہ وہ سفارش کریں	مَّا كَانُوْا	جو تھے وہ
يَقُوْلُ	کہیں گے	لَنَآ	ہمارے لئے	يَفْتَرُوْنَ	گھڑا کرتے
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	اَوْ نُرَدُّ	یا پھیرے جائیں ہم	۞	۞

ربط قریب: گذشتہ آیت کے آخر میں تھا: ﴿ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۵۱ ﴾: وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے، اب یہ بیان ہے کہ اللہ کی آیتیں قرآن کی صورت میں آئی ہیں (دو آیتوں تک ربط قریب سے تعلق ہے)

ربط بعید: آیت ۴۳ میں اہل جنت کی محفل میں یہ بات آئی ہے: ﴿ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ﴾: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پروردگار کے رسول دین حق کے ساتھ پہنچے، اب اس کا بیان شروع ہوگا، رسولوں کی بنیادی تعلیم توحید ہے، چنانچہ ایک رکوع تک توحید کا بیان ہے، پھر پانچ رسولوں کا (نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کا) تذکرہ شروع ہوگا، یہ اس جلد کے ختم تک کا ربط ہے (اگلے رکوع سے جلد کے ختم تک ربط بعید سے تعلق ہے)

اللہ کی آیتیں قرآن کی صورت میں پہنچی ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم جیسی عظیم الشان کتاب بندوں کو عنایت فرمائی ہے، اس میں تمام دینی ضروریات کی عالمانہ تفصیل موجود ہے، ہر بات کو علم وآگہی کے ساتھ کھول کر بیان کر دیا ہے، البتہ اس سے فائدہ ایمان لانے والے ہی اٹھائیں گے، انہی کے لئے قرآن راہ نما اور رحمت ہے، افسوس ہے متکبر معانداس سے دور بھاگتے ہیں، اور اپنی عاقبت

(۱) تأویل: باب تفعیل کا مصدر: حقیقت کا ٹھیک پڑنا، مجرد أوْلٌ: لوٹنا، مَوْئِل: مرجع، لوٹنے کی جگہ، یہاں مراد: قیامت کے احوال ہیں جو قرآنی تعلیم کا آخری انجام ہیں۔

خراب کرتے ہیں۔

﴿ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو ایک عظیم کتاب پہنچادی ہے، ہم نے اس کو علم وآگہی کے ساتھ خوب واضح کردیا ہے، وہ ایمان لانے والوں کے لئے راہ نما اور رحمت ہے!

جب آخری انجام منکرین کے سامنے آئے گا تو وہ چہ می کنم؟ میں پڑ جائیں گے

آخری انجام سے مراد قیامت ہے، یعنی کیا کفار قریش قرآن پر ایمان لانے کے لئے قیامت کا انتظار کر رہے ہیں؟ جب وہ آخری انجام آپہنچے گا یعنی قیامت برپا ہوگی تو جو قرآن کو بھولے رہے وہ اعتراف کریں گے کہ واقعی ہمارے پروردگار کے رسول دین حق لے کر آئے تھے! مگر اس وقت حسرت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا! ایمان لانے کا وقت گذر چکا ہوگا، اب ان کو سفارشیوں کی تلاش ہوگی، جو اللہ کی سزا کو سفارش کرکے معاف کرادیں، جب ایسا کوئی سفارشی نہیں ملے گا تو وہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے، اور دوبارہ امتحان کرلیا جائے، اب کی بار وہ ضرور پاس ہونگے، مگر مَنْ جَرَّبَ المُجَرَّبَ فقد نَدِمَ: آزمائے کو آزمانا حماقت ہے، وہ اپنے ہاتھوں خود کو برباد کرچکے ہیں، اور جو جھوٹے معبود بنا رکھے تھے وہ سب رفو چکر ہو گئے ہیں!

﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾

ترجمہ: وہ لوگ (منکرین اسلام) صرف قرآن کی باتوں کے آخری انجام کا انتظار کرتے ہیں! جس دن اس کا آخری انجام سامنے آئے گا، کہیں گے وہ لوگ جو قرآن کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے ــــ یعنی اس پر ایمان نہیں لائے تھے: ــــ واقعی بات یہ ہے کہ ہمارے پروردگار کے رسول دین حق لے کر آئے تھے، پس کیا کوئی سفارشی ہے جو ہمارے لئے سفارش کرے یا ہم واپس کردیئے جائیں، پس ان کاموں کے علاوہ کام کریں جو ہم پہلے کیا کرتے تھے؟ ــــ مگر نہ کوئی سفارشی ہوگا نہ واپسی کا موقع دیا جائے گا، دلیل اگلا ارشاد ہے: ــــ واقعۃً انھوں نے خود کو گھاٹے میں رکھا، اور رفو چکر ہوگئے وہ معبود جو انھوں نے گھڑ رکھے تھے!

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

الْعَرْشِ ۣ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

اِنَّ رَبَّكُمُ	بیشک تمہارے ربّ	عَلَى الْعَرْشِ	تختِ شاہی پر	مُسَخَّرٰتٍۢ	درانحالیکہ کام میں لگے
اللّٰهُ	اللہ ہیں	يُغْشِي (۱)	ڈھانکتا ہے وہ		ہوئے ہیں
الَّذِيْ	جنھوں نے	الَّيْلَ	رات کو	بِاَمْرِهٖ	اللہ کے حکم سے
خَلَقَ	پیدا کیا	النَّهَارَ	دن پر	اَلَا لَهُ	سنتا ہے؟ اسی کے لئے ہے
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	يَطْلُبُهٗ (۲)	ڈھونڈھتی ہے رات دن کو	الْخَلْقُ	پیدا کرنا
وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	حَثِيْثًا (۳)	دوڑ کر	وَالْاَمْرُ	اور حکم دینا
فِيْ سِتَّةِ	چھ دنوں میں	وَّالشَّمْسَ	اور (پیدا کیا) سورج کو	تَبٰرَكَ	بڑی برکت والے ہیں
اَيَّامٍ		وَالْقَمَرَ	اور چاند	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
ثُمَّ اسْتَوٰى	پھر قائم ہوا (بیٹھا)	وَالنُّجُوْمَ	اور ستاروں کو	رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے پالنہار

توحید کا بیان

رب اللہ تعالیٰ ہیں، انھوں نے کائنات کو تدریجاً پیدا کیا ہے، وہ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہیں، کائنات میں انہی کا حکم چلتا ہے

رب: وہ ہے جو نیست سے ہست کرے، عدم کے پردے سے وجود کے اسٹیج پر لائے، پھر مخلوق کی بقاء کا سامان کرے، تاکہ وہ وجود پذیر ہوکر دفعۃً ختم نہ ہو جائے، پھر مخلوق کو بتدریج بڑھا کر منتہائے کمال تک پہنچا دے۔

یہ تینوں کام اللہ تعالیٰ کے سوا کون کرتا ہے؟ پس وہی کائنات کے معبود ہیں، اور کائنات میں سات آسمان، زمین، سورج، چاند اور ستارے شامل ہیں، اس کائنات کو چھ ادوار میں موجودہ شکل تک پہنچایا ہے۔

---

(۱) یغشی: از باب افعال، متعدی بدو مفعول (۲) یطلبه: میں دو ضمیریں ہیں، فاعل کی لیل کی طرف اور مفعول کی نہار کی طرف راجع ہیں (۳) حثیث بروزن فعیل: تیز گام، شتاب، دوڑتا ہوا، فاعل کا حال ہے، اور یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا فہم سامع پر اعتماد کرکے چھوڑ دیا ہے، اور سورۃ الزمر میں مذکور ہے: ﴿يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ﴾: وہ رات کو دن پر لپیٹتے ہیں اور دن کو رات پر لپیٹتے ہیں۔

یوم: دن سے مرادعرفی دن نہیں ہے، یہ دن نظامِ شمسی وجود میں آنے کے بعد وجود میں آیا ہے، بلکہ دن سے مراد اللہ کے یہاں کا دن ہے، اور سورۃ سجدہ میں ہے کہ اللہ کے یہاں کا دن یہاں کے ہزار سال کے برابر ہوتا ہے، اور سورۃ المعارج میں ہے کہ پچاس ہزار سال کے برابر ہوتا ہے، اس لئے نظامِ شمسی کتنے دنوں میں وجود میں آیا ہے؟ اس کی تعیین مشکل ہے، اس لئے چھ ادوار مراد لئے جائیں گے۔

اور اتنا وقت اس لئے لگا کہ اللہ تعالیٰ ربّ ہیں، اور رب!: تدریجاً مخلوقات کو منتہائے کمال تک پہنچاتا ہے۔ اور آیتِ کریمہ ﴿إِنَّمَآ أَمْرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ﴾: جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو ان کا معاملہ یہی ہے کہ اس کو حکم دیتے ہیں: ہوجا! پس وہ ہوجاتی ہے [یٰسٓ: ۸۲] اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے، پھر وہ چیز تدریجاً وجود میں آتی ہے یا آناً فاناً؟ یہ دوسری بات ہے، عالم اسباب میں قدرت کی کارفرمائی تدریجاً ہوتی ہے، حمل ٹھہرتا ہے، بچہ پیدا ہوتا ہے، پھر پچیس سال میں جوان ہوتا ہے، یہ عالم اسباب کی رعایت ہے۔

کائنات کو چھ ادوار میں پیدا کرکے اللہ تعالیٰ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوئے ہیں، یہ ایک محاورہ ہے، کہتے ہیں: فلاں بادشاہ مرا اس کا بیٹا تخت نشیں ہوا، یعنی اس نے ملک کا کنٹرول سنبھالا، وہاں تختِ شاہی ہوتا ہے اور اس سے بیٹھنے کا تعلق بھی ہوتا ہے، مگر وہ بیٹے کا 'مکان' نہیں ہوتا کہ بیٹا ہر وقت اسی پر بیٹھا رہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عرش ہے، نصوص میں اس کا بار بار ذکر آیا ہے، اور عرش کے ساتھ اللہ کا تعلق بھی ہے، مگر وہ اللہ کا 'مکان' نہیں، عرش مخلوق ہے، اور خالق کا مخلوق کے ساتھ 'مکانیت' کا تعلق نہیں ہوسکتا، ورنہ سوال ہوگا کہ اس مخلوق کے وجود سے پہلے اللہ تعالیٰ کہاں تھے؟ اس کا جواب کوئی نہیں دے سکتا! پس یہ صفات کی آیت ہے، اور اللہ کی صفات کو ایک حد تک ہی سمجھ سکتے ہیں، اسی کی طرف حروفِ مقطعات کے ذریعہ اشارہ کیا گیا ہے۔

اور یہ بات کہ کائنات کو پیدا کرکے اللہ تعالیٰ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوئے ہیں: یہ بات قرآنِ کریم میں سات جگہ آئی ہے اور اس میں مشرکین کی تردید ہے، مشرکین کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ڈپارٹمنٹ بنائے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اکیلے کائنات کو سنبھال نہیں سکتے، بادشاہ ملک کو اکیلا نہیں سنبھال سکتا، صوبہ اور ضلع بناتا ہے اور ان کے سربراہ مقرر کرتا ہے، پس ہر صیغے کے ذمہ دار سے رابطہ قائم کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اللہ تک پہنچائے: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلْفَىٰٓ﴾: ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے کہ وہ ہمیں اللہ سے نزدیک کردیں۔

قرآنِ کریم نے سات جگہ اس کی تردید کی ہے، اور سورۃ یونس کے شروع میں یہ اضافہ ہے: ﴿يُدَبِّرُ ٱلْأَمْرَ﴾: وہ ہر کام کا انتظام کرتے ہیں، اور بادشاہ پر قیاس صحیح نہیں، اس کا علم ناقص ہے، اس لئے وہ صیغے بناتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا علم ہر

چیز کو محیط ہے، وہ بیک وقت ہر چیز کو جانتے ہیں، اس لئے وہ ساری کائنات کا انتظام کر سکتے ہیں۔

﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾ سن! اللہ نے یہ کائنات پیدا کی ہے، اور اس میں اسی کا آرڈر چلتا ہے، دوسرا کوئی نہیں جس کا حکم چلتا ہو، پس اللہ کی ذات عالی شان ہے، جو تمام جہانوں کے پالنہار ہیں، انھوں نے ہی سارا نظام سنبھال رکھا ہے اور سورج، چاند اور ستارے اسی کائنات کا جزء ہیں، ان کی اللہ نے ڈیوٹی لگائی ہے، ان کے نظام میں سر مو فرق نہیں پڑتا۔

ترکیب: یُغْشِیْ میں ھو ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہیں، اور الیل اور النهار اس کے دو مفعول ہیں، اور یہ أعطیتُ زیداً درھمًا کے قبیل سے ہے اور یطلبه: جملہ حالیہ ہے، پس دو مفعولوں کو برعکس کر دیں تو دوسرا آدھا مضمون پیدا ہو جائے گا، اب ترجمہ ہوگا: اللہ تعالیٰ رات کو دن پر لپیٹتے ہیں، یعنی دن کے بعد معاً رات آجاتی ہے، اور رات پر دن کو لپیٹتے ہیں، یعنی رات کے بعد معاً دن آجاتا ہے، ایک دوسرے کو شتاب طلب کرتا ہے یعنی دونوں کے درمیان ذرا فصل نہیں۔

آیتِ کریمہ: بے شک تمہارے ربّ اللہ تعالیٰ ہیں، جنھوں نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ تختِ شاہی پر قائم ہوئے، وہ رات کو دن پر اوڑھاتے ہیں ـــ اور دن کو رات پر ـــ ڈھونڈھتی ہے رات دن کو دوڑ کر ـــ اور دن رات کو دوڑ کر ـــ اور (پیدا کیا) سورج، چاند اور ستاروں کو، درانحالیکہ وہ بیگار میں لگے ہوئے ہیں اللہ کے حکم سے، سن! اللہ ہی کے لئے پیدا کرنا اور حکم دینا ہے، اللہ تعالیٰ بڑے عالی شان ہیں جو سارے جہانوں کے پالنہار ہیں!

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

اُدْعُوْا	پکارو	الْمُعْتَدِيْنَ	حد سے تجاوز کرنے والوں کو	خَوْفًا	ڈر سے
رَبَّكُمْ	اپنے پروردگار کو	وَلَا تُفْسِدُوْا	اور مت بگاڑ پھیلاؤ	وَّطَمَعًا	اور توقع سے
تَضَرُّعًا	گڑگڑا کر	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	اِنَّ رَحْمَتَ	بے شک مہربانی
وَّخُفْيَةً	اور چپکے	بَعْدَ	بعد	اللّٰهِ	اللہ کی
اِنَّهٗ	بے شک وہ	اِصْلَاحِهَا	اس کی اصلاح کے	قَرِيْبٌ	نزدیک ہے
لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	وَادْعُوْهُ	اور پکارو اس کو	مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ	نیکو کاروں سے

دعاوعبادت کے آداب

۱-دعانیازمندی کے ساتھ سرًّا ہو

دعااور عبادت کے درمیان چولی دامن کا ساتھ ہے، حدیث میں ہے: **الدعاءُ مُخُّ العبادة**: دعا: عبادت کا مغز ہے، اور قرآن میں جگہ جگہ **یدعون**: مشرکین کی مورتی پوجا کے لئے آیا ہے، اس لئے اب ایک آیت میں دعا کے آداب بیان کرتے ہیں، اور دوسری آیت میں عبادت کے آداب ہیں۔

ربط: جب ربّ اللہ تعالیٰ ہی ہیں تو مانگنا بھی انہی سے چاہئے اور بندگی بھی انہی کی کرنی چاہئے۔

دعا کے آداب: تَضَرُّع کے معنی ہیں: گڑگڑانا، اس کا تعلق باطن سے ہے، دعا کرتے وقت دل میں نیازمندی اور فروتنی ہونی چاہئے، اور اس کا پیکر: دعا میں اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانا ہے، جیسے بھکاری سخی کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔

اور خُفْیَة کے معنی ہیں: چپکے سے، اس کا تعلق آواز سے ہے، یعنی دعا آہستہ آہستہ کرنا افضل ہے، کہیں مساجد میں نمازوں کے بعد زور سے دعا کرنے کا رواج ہوگیا ہے، یہ خلافِ ادب ہے، اس میں دعا کی روح پیدا نہیں ہوتی، امام رسمی طور پر چند عربی دعائیں پڑھتا ہے، اور مقتدی بغیر سمجھے آمین کہتے ہیں، یہ دعا نہیں، دعا کی رسم ہے، دعا یہ ہے کہ ہر شخص اپنی زبان میں اپنے دل کی مراد اللہ کے سامنے رکھے، اور امام کے ہاتھ اٹھانے کا انتظار نہ کرے، اور اپنی مراد بھی عاجزی اور نیاز مندی کے ساتھ رکھے، اس طرح نہ رکھے جس طرح ہوٹل میں بیرے کو کھانے کا آرڈر دیتے ہیں —— اور اسی ادب کی وجہ سے سورۃ فاتحہ کے بعد جہری نمازوں میں سراً آمین کہنا سنت ہے، اس لئے کہ آمین بھی دعا ہے، اسی طرح قنوتِ نازلہ میں بھی مقتدی سراً آمین کہیں۔

دعا کے آداب بتانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتے'' حد سے گذرنے کی صورتیں بطور مثال یہ ہیں:

بہت اونچی آواز سے دعا کرنا اور بتکلف دعا کو لمبی کرنا، جیسا تبلیغی اجتماعات میں ہوتا ہے، پون گھنٹے سے کم دعا نہیں ہوتی، لمبی دعا کرنے والے کو بٹھایا جاتا ہے یا بلایا جاتا ہے، حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے: ''مجھے دعا کرنا آتا ہے، کرانا نہیں آتا'' دعا کرانے والا پہلے ساری عربی دعائیں پڑھتا ہے، پھر مقامی زبان میں دعا شروع کرتا ہے، اور چبا چبا کر کرتا ہے، اور آمین کا اتنا شور ہوتا ہے کہ کیا دعا کر رہا ہے: یہی سمجھ میں نہیں آتا، بلکہ کبھی تو دعا کرانے والا درمیان میں دعائیہ تقریر شروع کر دیتا ہے، اور ہاتھ نچانے لگتا ہے، یہ دعا میں حد سے گذرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں!

اسی طرح غافل دل سے دعا کرنا، ناجائز یا ناممکن چیز طلب کرنا، دعا میں پر تکلف الفاظ استعمال کرنا، جس کی حدیث

میں ممانعت آئی ہے اور دعا میں نمائش اور دکھاوا کرنا، ایسی تمام باتیں حد سے گذرنے میں داخل ہیں۔

﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۚ۝۵۵ ﴾

ترجمہ: اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر اور چپکے سے پکارو، بے شک وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے!

۲-عبادت: خوف ورجا کے درمیان ہو

عبادت: خوف ورجا کے درمیان ہونی چاہئے، اپنی عبادت پر ناز نہ ہو، بلکہ خوف ہو کہ نہ جانے میں عبادت کا حق ادا کرسکا یا نہیں؟ اور میری عبادت اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کی مستحق ہے یا نہیں! ـــــ مگر ساتھ ہی اپنی کوتاہیوں کے باوجود اللہ کی رحمت سے پُر امید ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے میری ٹوٹی پھوٹی عبادت ضرور قبول فرمائیں گے، خوف ورجا کا یہ امتزاج اللہ کی رحمت کا دروازہ کھولتا ہے، اللہ کی رحمت نیکوکاروں سے قریب ہے: اس کا یہی مطلب ہے۔

اور عبادت کا یہ ادب بیان کرنے سے پہلے فرمایا: ''زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد برپا مت کرو'' اس ارشاد میں اشارہ ہے کہ نیک معاشرہ کو جاہل عبادت گذار بگاڑتے ہیں، چونکہ ان کو اپنی عبادت پر غرّہ ہوتا ہے اس لئے وہ عبادات میں طرح طرح کی بدعات شامل کرلیتے ہیں، پھر لوگوں کو اس کی دعوت دیتے ہیں، اس طرح سارا معاشرہ بگڑ کر رہ جاتا ہے۔

مثلاً: غیر مقلدین حدیث کے بغیر یا حدیث کو سمجھے بغیر کھلے سر نماز پڑھنے کو واجب جیسی سنت قرار دیتے ہیں، ٹانگیں چوڑی کرکے بھونڈی شکل بنا کر نماز میں کھڑے ہوتے ہیں اور آمین بالشر کرتے ہیں، اور جو نوجوان نماز پڑھنے لگتا ہے اس کے پیچھے پڑجاتے ہیں کہ تیری نماز نہیں ہوتی، تو امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتا، تو رفع یدین نہیں کرتا، تو زور سے آمین نہیں کہتا، تو اماموں کو مانتا ہے: یہ شرک ہے، وہ اس طرح مسلمانوں کا سارا ماحول خراب کردیتے ہیں، اس لئے اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اس کو عبادات کے آداب ذکر کرنے سے پہلے لائے ہیں۔

﴿ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۶ ﴾

ترجمہ: اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد خرابی پیدا مت کرو، اور اللہ کو ڈر اور توقع کے ساتھ پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیکوکاروں سے نزدیک ہے!

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ

الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِىْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿٥٨﴾

وَهُوَ	اور وہ	مَّيِّتٍ	مردہ	الطَّيِّبُ	عمدہ (زرخیز)
الَّذِىْ	جو	فَاَنْزَلْنَا	پس اتارتے ہیں ہم	يَخْرُجُ	نکلتا ہے
يُرْسِلُ	بھیجتے ہیں	بِهِ	اس علاقہ میں	نَبَاتُهٗ	اس کا سبزہ
الرِّيٰحَ	ہوائیں	الْمَآءَ	پانی	بِاِذْنِ	حکم سے
بُشْرًا	خوش خبر دینے والی	فَاَخْرَجْنَا	پس نکالتے ہیں ہم	رَبِّهٖ	اس کے رب کے
بَيْنَ يَدَىْ	پہلے	بِهٖ	اس پانی کے ذریعہ	وَالَّذِىْ	اور جو
رَحْمَتِهٖ	اپنی رحمت کے	مِنْ كُلِّ	ہر طرح کے پھلوں سے	خَبُثَ	نکما ہے
حَتّٰٓى اِذَآ	یہاں تک کہ جب	الثَّمَرٰتِ		لَا يَخْرُجُ	نہیں نکلتا
اَقَلَّتْ [1]	اٹھانے میں ہلکا پاتی	كَذٰلِكَ	اسی طرح	اِلَّا نَكِدًا [2]	مگر برائے نام
	ہے (ہوائیں)	نُخْرِجُ	نکالیں گے ہم	كَذٰلِكَ	اسی طرح
سَحَابًا	بادل کو	الْمَوْتٰى	مردوں کو	نُصَرِّفُ	پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں ہم
ثِقَالًا	بھاری	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	الْاٰيٰتِ	باتیں
سُقْنٰهُ	تو ہانکتے ہیں ہم اس کو	تَذَكَّرُوْنَ	یاد کرو	لِقَوْمٍ	لوگوں کے لئے
لِبَلَدٍ	علاقہ کی طرف	وَالْبَلَدُ	اور علاقہ	يَّشْكُرُوْنَ	جو شکر بجالاتے ہیں

اللہ کی عبادت اس لئے ضروری ہے کہ اللہ نے بندوں کی معیشت کا انتظام کیا ہے

اب ایک سوال مقدر کا جواب ہے، اللہ کی عبادت بیم ورجا کے ساتھ کیوں ضروری ہے؟ جواب: قاعدہ ہے: ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾: نیکوکاری کا بدلہ نیکوکاری ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی معیشت کا انتظام کیا ہے، پس ضروری ہے کہ بندے ان کی بندگی کریں، ارشاد پاک ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا

(۱) اِقلال: قلیل پانا، ہلکا سمجھنا (۲) نکدا: اسم صفت: بہت تھوڑا، برائے نام۔

لِيَعْبُدُوْنِ﴾: اور میں نے جنات اور انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

اس کی تفصیل: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی تین چوتھائی پر پانی پیدا کیا ہے، ایک چوتھائی ربع مسکون ہے، اور سمندروں کی تہہ میں گرمی ہے، اس ہیٹ سے سمندر ہر وقت کھولتے رہتے ہیں، اس سے بھاپ اٹھتی ہے، جس کو ہوائیں بہت آسانی سے اوپر اٹھاتی ہیں، اوپر اٹھ کر بھاپ بادل بن جاتی ہے، پھر مانسونی ہوا چلتی ہے، اور اُس رخ پر چلتی ہے جدھر بارش ہونی ہے، فلکیات والے اس کی خبر بھی دیدیتے ہیں، پھر ہوائیں ان بادلوں کو اس سرزمین کی طرف ہانک لے چلتی ہیں جہاں ان کو برسنا ہے، پھر جب بارش ہوتی ہے تو اس کی برکت سے ہر طرح کی پیداوار نکل آتی ہے، غلّہ انسانوں کے کام آتا ہے اور گھاس پھوس جانور کھاتے ہیں، پھر ان جانوروں سے انسان فائدہ اٹھاتے ہیں۔

سوچو! اگر اللہ تعالیٰ اتنا پانی پیدا نہ کرتے تو بادل کہاں سے بنتے؟ اور بادل نہ برستے تو زمین کیا اگاتی؟ اور انسان اور جانور کیا کھاتے؟ کیا اللہ کے اس احسان کے بدلے میں احسان ضروری نہیں؟ اسی جوابی احسان کا نام بندگی ہے۔

ویران زمین کا سرسبز ہونا قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے کی نظیر ہے

پھر آیت کے آخر میں ایک ضمنی مسئلہ بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعہ مردہ زمین میں جان ڈال دیتے ہیں، اور یہ نظارہ ہم ہر سال اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اسی طرح وہ مردہ انسانوں کو قیامت کے دن زندہ کریں گے، بارش سے ویران زمین لہلہانے لگتی ہے: اس سے سبق لینا چاہئے کہ دوسری زندگی برحق ہے، اور اس کا انکار حماقت ہے۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۵۷﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی ہیں جو خوش خبری دینے والی ہوائیں (مانسون) بھیجتے ہیں، بارش آنے سے پہلے، یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں آسانی سے بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم ان کو خشک سرزمین کی طرف ہانکتے ہیں، پھر اس علاقہ میں ہم پانی برساتے ہیں، پس ہم اس پانی کے ذریعہ ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں —— اس طرح اللہ نے انسانوں کی معیشت کا انتظام کیا ہے، اور جو پالے پوسے اس کی بندگی ضروری ہے۔

(ضمنی مسئلہ:) اسی طرح ہم مُردوں کو نکالیں گے، تا کہ تم یاد کرو! —— یعنی نظیر سے حیات بعد الموت کو سمجھو!

تمام مؤمنین بندگی میں یکساں کیوں نہیں؟ کم وبیش کیوں ہیں؟

اب آخر میں ایک اور سوالِ مقدر کا جواب ہے کہ تمام مؤمنین اللہ کی بندگی میں یکساں کیوں نہیں؟ کم وبیش کیوں ہیں؟

جب سب مؤمن ہیں تو ان کو عبادت میں بھی یکساں ہونا چاہئے!

جواب: عبادت کی صلاحیت میں تو سب یکساں ہیں، مگر عوارض میں اختلاف ہے، اس لئے سب عبادت میں یکساں نہیں، اور عوارض تین ہیں: نفس، دنیا اور بدعقیدگی کے حجابات، ان کی تفصیل حجۃ اللہ البالغہ میں ہے (دیکھیں رحمۃ اللہ الواسعہ (۱:۵۶۵) یہاں اس کو نقل کرنے کی گنجائش نہیں، اس جلد کے صفحات بڑھ جائیں گے)

البتہ یہ بات ایک مثال سے سمجھیں، زمین ساری یکساں ہے، اس کی ماہیت میں کوئی فرق نہیں، مگر عوارض کے اختلاف سے پیداوار مختلف ہوتی ہے، ایک کھیت میں کھاد ڈالا ہے، دوسرے میں نہیں ڈالا تو پیداوار مختلف ہوگی، اسی طرح ایک زمین زرخیز ہے دوسری نکمّی تو بھی دونوں کی پیداوار مختلف ہوگی، یہ عوارض کا اختلاف ہے۔

اسی طرح تمام مؤمنین عبادت کی صلاحیت کے اعتبار سے یکساں ہیں، مگر جب مذکورہ حجابات میں سے کوئی ایک چھا جاتا ہے تو مؤمنین کی عبادتیں کم وبیش ہوجاتی ہیں، دیکھو! اللہ تعالیٰ کس طرح نہج بدل بدل کر باتیں بیان کرتے ہیں، تاکہ مؤمن بندے شکر بجالائیں، حجابات دور کریں اور اللہ کی بندگی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھیں، اور حجابات کو دور کرنے کے طریقے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کئے ہیں (دیکھیں رحمۃ اللہ ۱:۵۶۹-۵۷۳)

﴿ وَ الْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾ ﴾

ترجمہ: اور زرخیز زمین کا سبزہ اس کے پروردگار کے حکم سے (خوب) نکلتا ہے اور نکمّی زمین سے برائے نام سبزہ نکلتا ہے —— یہ عوارض کا اختلاف ہے، ورنہ زمین کی ماہیت ایک ہے —— اسی طرح ہم پھیر پھیر کر اپنی باتیں بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو شکر گذار بننا چاہتے ہیں!

ملحوظہ: اس آیت کو مؤمن وکافر کے حق میں قرار دیا گیا ہے، مگر نکدًا اور یشکرون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے حق میں ہے، نکد کے معنی ہیں: برائے نام عمل کرنا، اس سے کافر کیسے مراد ہوسکتا ہے؟ اس کے پاس تو عمل ہی نہیں، اور شکر گذار ہونا: اعمال میں بڑھنا ہے، یہ بھی مؤمن ہی کی شان ہے —— اور یہ سوال کہ نزول آیت کے وقت سب مسلمان اعلی درجہ کے نیکوکار تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں قیامت تک کے احوال کی رعایت ہے، اور بعد میں ایسے مسلمان ہونگے جن پر حجابات طاری ہونگے، اور وہ عمل میں کوتاہ ہونگے، ان کو اس آیت میں نصیحت کی گئی ہے۔

(اس آیت پر توحید کا بیان مکمل ہوا، آگے رسالت کا موضوع شروع ہوگا)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع ۸/۱۵

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	يَوْمٍ عَظِيْمٍ	بڑے دن کے	مِّنْ رَّبِّ	پالنہار کی جانب سے
اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	قَالَ	کہا	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے
نُوْحًا	نوح کو	الْمَلَاُ	سرداروں نے	اُبَلِّغُكُمْ	پہنچاتا ہوں میں تم کو
اِلٰى قَوْمِهٖ	ان کی قوم کی طرف	مِنْ قَوْمِهٖٓ	ان کی قوم کے	رِسٰلٰتِ	پیغامات
فَقَالَ	پس کہا انھوں نے	اِنَّا	بے شک ہم	رَبِّيْ	میرے پروردگار کے
يٰقَوْمِ	اے میری قوم	لَنَرٰىكَ	یقیناً دیکھتے ہیں تجھ کو	وَاَنْصَحُ	اور خیرخواہی کرتا ہوں میں
اعْبُدُوا	عبادت کرو	فِيْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں	لَكُمْ	تمہاری
اللّٰهَ	اللہ کی	مُّبِيْنٍ	کھلی	وَاَعْلَمُ	اور جانتا ہوں میں
مَا لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	قَالَ	کہا اس نے	مِنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
مِّنْ اِلٰهٍ	کوئی معبود	يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	جو نہیں جانتے تم
غَيْرُهٗ	ان کے علاوہ	لَيْسَ بِيْ	نہیں میرے ساتھ	اَوَعَجِبْتُمْ	کیا اور حیرت ہے تمہیں
اِنِّيْٓ اَخَافُ	بیشک میں ڈرتا ہوں	ضَلٰلَةٌ	کوئی گمراہی	اَنْ جَآءَكُمْ	اس پر کہ آئی تمہارے پاس
عَلَيْكُمْ	تم پر	وَّلٰكِنِّيْ	لیکن میں	ذِكْرٌ	یاددہانی
عَذَابَ	عذاب سے	رَسُوْلٌ	بھیجا ہوا ہوں	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے

عَلٰى رَجُلٍ	ایک آدمی پر	فَكَذَّبُوْهُ	پس جھٹلایا انھوں نے اس کو	كَذَّبُوْا	جھٹلایا
مِّنْكُمْ	تم میں سے	فَاَنْجَيْنٰهُ	پس بچالیا ہم نے اس کو	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو
لِيُنْذِرَكُمْ	تاکہ ڈرائے وہ تمہیں	وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ	اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے	اِنَّهُمْ	بے شک وہ
وَلِتَتَّقُوْا	اور تاکہ ڈرو تم	فِي الْفُلْكِ	کشتی میں	كَانُوْا	تھے
وَلَعَلَّكُمْ	اور تاکہ	وَاَغْرَقْنَا	اور ڈبادیا ہم نے	قَوْمًا	لوگ
تُرْحَمُوْنَ	رحم کئے جاؤ تم	الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے	عَمِيْنَ[1]	اندھے

رسالت کا بیان

۱- نوح علیہ السلام نے قوم کو توحید کی دعوت دی، جس کو انھوں نے ٹھکرایا اور ہلاک ہوئی

ربط: اہل جنت کی محفل میں یہ گفتگو آئی ہے: ﴿لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾: ہمارے پروردگار کے رسول برحق بات لے کر آئے۔ برحق بات: یعنی توحید کی دعوت لے کر آئے، توحید کا بیان مکمل ہوا، اب پانچ رسولوں کا تذکرہ کرتے ہیں، ان سب نے اپنی قوموں کو توحید کی دعوت دی ہے، قوموں نے یہ دعوت ٹھکرادی ہے، اور ہلاک ہوئے ہیں، یہ واقعات قریش کو سنائے گئے ہیں، تاکہ وہ ان سے سبق لیں، ایمان لائیں اور ہلاکت سے بچیں۔

نوح علیہ السلام آدم ثانی ہیں، سورۃ الصافات میں ہے: ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ﴾: اور ہم نے انہی کی اولاد کو باقی رہنے والا بنایا، اِس وقت جتنے انسان ہیں سب آپ کی اولاد ہیں۔

اور آپ اللہ کے پہلے رسول ہیں، آپ سے پہلے انبیاء مبعوث ہوتے تھے، نبی کی بعثت مؤمنین کی طرف ہوتی ہے اور رسول کی مشرکین کی طرف، آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان کتنا زمانہ ہے؟ اس کی تعیین مشکل ہے، البتہ لمبا عرصہ گذرا ہے، اس دوران بت پرستی کا رواج بہت بڑھ گیا تھا، قوم نوح نے بھی بہت سے بت بنا رکھے تھے، جن کے نام سورۂ نوح میں آئے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال تک قوم پر محنت کی، جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں آیا ہے، نوح علیہ السلام نے سمجھانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، مگر چند ہی نیک بخت حضرات ایمان لائے، جو زیادہ تر غریب طبقہ سے تعلق رکھتے تھے، قوم کی اکثریت شرک پر جمی رہی، نوح علیہ السلام نے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا، مگر وہ نہیں ڈرے، پس پانی کا سیلاب آیا اور ساری قوم غرقاب ہوگئی، ان کا مختصر حال یہاں ہے، تفصیلی بیان سورۂ ہود میں ہے:

(۱) عمین: عَمٍ کی جمع: بحالت نصب وجر: کور باطن، اندھے۔

بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا، پس انھوں نے کہا: ''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو ـــــ اور مورتیوں کو چھوڑو ـــــ اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں! بے شک میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ـــــ بڑا دن: یعنی قیامت کا دن۔

ان کی قوم کے سرداروں نے کہا: بے شک ہم تجھے کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں ـــــ یعنی تو جو مورتیوں کو کنڈم کرتا ہے اور ایک خدا کی بندگی کی دعوت دیتا ہے یہ کھلی گمراہی ہے، یہ مورتیاں تو ہمارے اکابر اولیاء کی ہیں، ان کو خدا کے یہاں خاص مقام حاصل ہے، ان کو بے حیثیت کرنا کہاں کی ہدایت ہے؟ ـــــ یہی بات اب جاہل بدعتی اولیائے کرام کے تعلق سے کہتے ہیں!

نوحؑ نے کہا: ''اے میری قوم! میرے اندر گمراہی (کا شائبہ تک) نہیں، بلکہ میں جہانوں کے پالنہار کا بھیجا ہوا ہوں، تمہیں اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے!

انسان کا رسول ہونا بھی قوم کے گلے نہیں اترا: ـــــ کیا اور تمہیں اس پر حیرت ہے کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے یاددہانی آئی ہے تم ہی میں سے ایک آدمی کے ذریعہ، تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور تاکہ تم ڈرو، اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے! ـــــ اس میں انسان کے رسول ہونے کی حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان رسول سے بسہولت استفادہ کیا جاسکتا ہے، اور رحمتِ الٰہی کا حقدار بنا جاسکتا ہے۔

نوح علیہ السلام کی قوم کی تباہی: ـــــ پس انھوں نے نوحؑ کی تکذیب کی، پس ہم نے ان کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے کشتی میں بچالیا، اور ان لوگوں کو غرقاب کردیا جنھوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا، بے شک وہ اندھے لوگ تھے! ـــــ ان سے ایمان کی امید نہیں تھی، اس لئے فاسد عضو کو کاٹ دینا ہی مصلحت تھی، تفصیل سورہ نوح کی تمہید میں ہے۔ (ہدایت القرآن ۸: ۳۹۲)

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ

جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾

وَاِلٰى عَادٍ	اور (بھیجا ہم نے)	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	جنھوں نے انکار کیا	مِّنْ رَّبِّ	پالنہار کی طرف سے
	عاد کی طرف	مِنْ قَوْمِهٖٓ	اس کی قوم سے	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے
اَخَاهُمْ	ان کے بھائی	اِنَّا	بے شک ہم	اُبَلِّغُكُمْ	پہنچاتا ہوں میں تمہیں
هُوْدًا	ہود کو	لَنَرٰىكَ	البتہ دیکھتے ہیں تجھے	رِسٰلٰتِ	پیغامات
قَالَ	کہا اس نے	فِيْ سَفَاهَةٍ	بے وقوفی میں	رَبِّيْ	میرے رب کے
يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	وَّاِنَّا	اور بے شک ہم	وَاَنَا لَكُمْ	اور میں تمہارے لئے
اعْبُدُوا	عبادت کرو تم	لَنَظُنُّكَ	البتہ خیال کرتے ہیں تجھے	نَاصِحٌ	خیر خواہ
اللّٰهَ	اللہ کی	مِنَ الْكٰذِبِيْنَ	جھوٹوں میں سے	اَمِيْنٌ	قابل اعتماد ہوں
مَا لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	قَالَ	کہا اس نے	اَوَعَجِبْتُمْ	کیا اور حیرت ہو رہی
مِّنْ اِلٰهٍ	کوئی بھی معبود	يٰقَوْمِ	اے میری قوم!		ہے تمہیں
غَيْرُهٗ	ان کے سوا	لَيْسَ بِيْ	نہیں میرے ساتھ	اَنْ جَآءَكُمْ	کہ آئی تمہارے پاس
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ	کیا پس نہیں بچتے تم؟	سَفَاهَةٌ	کچھ بے وقوفی	ذِكْرٌ	یاد دہانی
قَالَ	کہا	وَّلٰكِنِّيْ	بلکہ میں	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے
الْمَلَاُ	سرداروں نے	رَسُوْلٌ	رسول ہوں	عَلٰى رَجُلٍ	ایک آدمی پر

مِّنۡكُمۡ	تم میں سے	وَ نَذَرَ	اور چھوڑ دیں ہم	وَاٰبَآؤُكُمۡ	اور تمہارے باپ دادوں نے
لِيُنۡذِرَكُمۡ	تاکہ ڈرائے وہ تم کو	مَا كَانَ	جن کو تھے	مَّا نَزَّلَ	نہیں اتاری
وَاذۡكُرُوۡٓا	اور یاد کرو تم	يَعۡبُدُ	پوجتے	اللّٰهُ بِهَا	اللہ نے ان کی
اِذۡ جَعَلَكُمۡ	جب بنایا اس نے تم کو	اٰبَآؤُنَا	ہمارے اسلاف	مِنۡ سُلۡطٰنٍ	کوئی دلیل (سند)
خُلَفَآءَ	جانشیں (قائم مقام)	فَاۡتِنَا	پس لا تو	فَانۡتَظِرُوۡٓا	پس انتظار کرو تم
مِنۡۢ بَعۡدِ	بعد	بِمَا	جس کی	اِنِّىۡ مَعَكُمۡ	بیشک میں تمہارے ساتھ
قَوۡمِ نُوۡحٍ	قوم نوح کے	تَعِدُنَاۤ	دھمکی دیتا ہے تو ہمیں	مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ	انتظار کرنے والوں
وَّزَادَكُمۡ	اور بڑھایا تم کو	اِنۡ كُنۡتَ	اگر ہے تو		میں سے ہوں
فِى الۡخَلۡقِ	بناوٹ میں	مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ	سچوں میں سے	فَاَنۡجَيۡنٰهُ	پس بچالیا ہم نے اس کو
بَصۜۡطَةً	پھیلاؤ کے اعتبار سے	قَالَ	کہا اس نے	وَالَّذِيۡنَ	اور ان کو جو
فَاذۡكُرُوۡۤا	پس یاد کرو	قَدۡ وَقَعَ	تحقیق ثابت ہوگئی	مَعَهٗ	اس کے ساتھ تھے
اٰلَآءَ	نعمتیں	عَلَيۡكُمۡ	تم پر	بِرَحۡمَةٍ	مہربانی سے
اللّٰهِ	اللہ کی	مِّنۡ رَّبِّكُمۡ	تمہارے رب کی طرف سے	مِّنَّا	ہماری طرف سے
لَعَلَّكُمۡ	تاکہ تم	رِجۡسٌ	گندگی (عذاب)	وَقَطَعۡنَا	اور کاٹ دی ہم نے
تُفۡلِحُوۡنَ	کامیاب ہوؤ	وَّغَضَبٌ	اور غصہ (اللہ کا)	دَابِرَ	جڑ
قَالُوۡۤا	کہا انھوں نے	اَتُجَادِلُوۡنَنِىۡ	کیا حجت بازی کرتے	الَّذِيۡنَ	جنھوں نے
اَجِئۡتَنَا	کیا آیا ہے تو ہمارے پاس		ہو تم مجھ سے	كَذَّبُوۡا	جھٹلایا
لِنَعۡبُدَ	تاکہ عبادت کریں ہم	فِىۡۤ اَسۡمَآءٍ	چند ناموں میں	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو
اللّٰهَ	اللہ کی	سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ	جن کو رکھ لیا ہے	وَمَا كَانُوۡا	اور نہیں تھے وہ
وَحۡدَهٗ	تنہا	اَنۡتُمۡ	تم نے	مُؤۡمِنِيۡنَ	ایمان لانے والے

۲- ہود علیہ السلام نے بھی عاد کو توحید کی دعوت دی، جس کو انھوں نے ٹھکرا دیا اور ہلاک ہوئے

عاد: عرب کا ایک قدیم قبیلہ تھا، قوم نوح کے بعد وہ ان کے قائم مقام بنے تھے، ان کا مرکزی مقام احقاف تھا، جو یمن میں حضرموت کے شمال میں واقع ہے، یہ لوگ اپنے ڈیل ڈول اور قوت و شجاعت میں ممتاز تھے، رفتہ رفتہ انھوں نے بت

بنا کر ان کی پوجا شروع کر دی۔ ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے، انھوں نے قوم کو ہر طرح سمجھایا، مگر چند نیک طبع لوگوں کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا، بلکہ کافروں نے اللہ کے عذاب کا مطالبہ کیا، پس ان پر تیز و تند آندھی چھوڑی گئی، جو آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل چلتی رہی، جس سے سب کفار ہلاک ہو گئے اور ان کا نام و نشان باقی نہ رہا، آگے بھی ان کا واقعہ کئی سورتوں میں آئے گا۔

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے برادر ہود کو بھیجا ـــــ وہ اپنی قوم کے لئے اجنبی نہیں تھے، لوگ ان کی شخصیت سے خوب واقف تھے۔

توحید کی دعوت: ـــــ انھوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، ان کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا پس تم (شرک سے) بچتے نہیں! ـــــ یہی دعوت نوح علیہ السلام نے بھی قوم کو دی تھی۔

قوم کا جواب: ـــــ ان کی قوم کے کافر سرداروں نے جواب دیا: ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں، اور ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں! ـــــ بے وقوف اس لئے کہ اسلاف کے طور طریقوں کے خلاف بات کرتے ہو، اور جھوٹے اس لئے کہ انسان ہو کر پیغمبری کا دعوی کرتے ہو؟ بھلا انسان رسول کیسے ہو سکتا ہے؟

حضرت ہود کا جواب: ـــــ ہود نے کہا: میرے اندر بے وقوفی (نام کی کوئی چیز) نہیں ـــــ تم میرے احوال سے بخوبی واقف ہو ـــــ بلکہ میں جہانوں کے پالنہار کا بھیجا ہوا ہوں، تمہیں اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارا خیر خواہ قابل اعتماد آدمی ہوں! ـــــ غور کریں! حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم نے بے وقوف اور جھوٹا کہا، مگر جواب میں نہ اشتعال ہے نہ غضب، داعی کی شان یہی ہونی چاہئے۔

انسان رسول ہو سکتا ہے: ـــــ کیا اور تمہیں حیرت ہو رہی ہے کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے یاددہانی تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ پہنچی، تاکہ وہ تم کو نتائج اعمال سے باخبر کرے؟ ـــــ یاددہانی: یعنی عہد الست میں اقرار ربوبیت کی یاددہانی! ـــــ انسان رسول بہتر خدمت انجام دے سکتا ہے، ملائکہ اور جنات سے انسان استفادہ نہیں کر سکتے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو اللہ کی دو نعمتیں یاد دلائیں: ـــــ اور یاد کرو (۱) جب اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد قائم مقام بنایا (۲) اور تمہیں چوڑے چکلے بدن والا بنایا ـــــ وہ لوگ توانا تنومند اور بڑے ڈیل ڈول کے مالک تھے، سورۃ فجر میں ہے کہ اس جیسی قوم کسی بھی ملک میں پیدا نہیں کی گئی ـــــ پس اللہ کی یہ نعمتیں یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہوؤ!

قوم نے عذاب کا مطالبہ کیا! ـــــ ان لوگوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم صرف ایک اللہ

کی عبادت کریں، اور ان مورتیوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے اسلاف پرستش کرتے رہے ہیں: اگر ایسا ہے تو وہ عذاب لے آئیں جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو، اگر تم واقعی (دعوئے رسالت میں اور عذاب کی دھمکی میں) سچے ہو!

عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے: ــــ ہود نے کہا: تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے گندگی اور غصہ ثابت ہو چکا ہے ــــ یعنی عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے، وہ صبح شام آیا ہی چاہتا ہے۔

مورتیوں کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں: ــــ کیا تم مجھ سے حجت بازی کرتے ہو ایسے فرضی ناموں کے بارے میں جو تم نے اور تمہارے اسلاف نے رکھ لئے ہیں: جن کے معبود ہونے کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نہیں اتاری!

عذاب کا الٹی میٹم! ــــ پس تم (عذاب کا) انتظار کرو، میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں!

عذاب آیا: ہیرے سمیٹ لئے گئے اور کوڑا صاف ہو گیا: ــــ پس ہم نے اس کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے اپنی رحمتِ خاصہ سے بچالیا، اور ہم نے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنھوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا، اور وہ ایمان لانے والے نہیں تھے! ــــ یعنی ان کے دلوں پر مہر لگ گئی تھی، اب ان کے ایمان کی توقع نہیں رہی تھی، اس لئے وہ ہلاک کر دیئے گئے، جیسے کوئی عضو سڑ جاتا ہے اور دوا سے شفا کی امید نہیں رہتی تو آپریشن کرا کر اس عضو کو کاٹ دیا جاتا ہے۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۷۷﴾

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾

وَاِلٰى ثَمُوْدَ	اور ثمود کی طرف	اللّٰهِ	اللہ کی	اٰلَآءَ اللّٰهِ	اللہ کی نعمتیں
اَخَاهُمْ	ان کے برادر	وَلَا تَمَسُّوْهَا	اور نہ ہاتھ لگاؤ اس کو	وَلَا تَعْثَوْا	اور مت پھیلو
صٰلِحًا	صالح کو (بھیجا)	بِسُوْٓءٍ	برائی سے	فِی الْاَرْضِ	زمین میں
قَالَ	کہا اس نے	فَیَاْخُذَكُمْ	پس پکڑ لے تم کو	مُفْسِدِیْنَ	فساد مچاتے ہوئے
یٰقَوْمِ	اے میری قوم!	عَذَابٌ اَلِیْمٌ	دردناک عذاب	قَالَ	کہا
اعْبُدُوا	عبادت کرو	وَاذْكُرُوْٓا	اور یاد کرو	الْمَلَاُ	سرداروں نے
اللّٰهَ	اللہ کی	اِذْ جَعَلَكُمْ	جب بنایا تم کو	الَّذِیْنَ	جنھوں نے
مَا لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	خُلَفَآءَ	قائم مقام	اسْتَكْبَرُوْا	گھمنڈ کیا
مِّنْ اِلٰهٍ	کوئی بھی معبود	مِنْۢ بَعْدِ	بعد	مِنْ قَوْمِهٖ	اس کی قوم سے
غَیْرُهٗ	اس کے علاوہ	عَادٍ	عاد کے	لِلَّذِیْنَ	ان لوگوں سے جو
قَدْ جَآءَتْكُمْ	تحقیق پہنچ چکی ہے تمہیں	وَّ بَوَّاَكُمْ	اور ٹھکانہ دیا تم کو	اسْتُضْعِفُوْا	کمزور قرار دیئے گئے
بَیِّنَةٌ	واضح دلیل	فِی الْاَرْضِ	زمین میں	لِمَنْ اٰمَنَ (۳)	ان سے جو ایمان لائے
مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	تَتَّخِذُوْنَ	بناتے ہو تم	مِنْهُمْ	ان میں سے
هٰذِهٖ (۱)	(یعنی) یہ	مِنْ سُهُوْلِهَا	نرم زمین میں	اَتَعْلَمُوْنَ	کیا جانتے ہو تم
نَاقَةُ اللّٰهِ	اللہ کی اونٹنی ہے	قُصُوْرًا	محلات	اَنَّ صٰلِحًا	کہ صالح
لَكُمْ اٰیَةً	تمہارے لئے بڑی نشانی	وَّتَنْحِتُوْنَ	اور تراشتے ہو تم	مُّرْسَلٌ	بھیجے ہوئے ہیں
فَذَرُوْهَا	پس چھوڑو اس کو	الْجِبَالَ	پہاڑوں میں	مِّنْ رَّبِّهٖ	اس کے رب کی طرف سے
تَاْكُلْ	کھائے وہ	بُیُوْتًا (۲)	گھر	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے
فِیْٓ اَرْضِ	زمین میں	فَاذْكُرُوْٓا	پس یاد کرو	اِنَّا بِمَآ	بے شک ہم اس پر جو

(۱) هذه: ہی بینة ہے (۲) بیوتا: حالِ مقدرہ ہے (۳) لمن آمن: للذین سے بدل ہے، حرفِ جر کے اعادہ کے ساتھ۔

اُرۡسِلَ بِہٖ	بھیجا گیا وہ اس کے ساتھ	وَ قَالُوۡا	اور کہا انھوں نے	عَنۡہُمۡ	ان سے
مُؤۡمِنُوۡنَ	ایمان لانے والے ہیں	یٰصٰلِحُ	اے صالح	وَقَالَ	اور کہا
قَالَ	کہا	ائۡتِنَا	آ تو ہمارے پاس	یٰقَوۡمِ	اے میری قوم!
الَّذِیۡنَ	جنھوں نے	بِمَا تَعِدُنَاۤ	اس کے ساتھ جس کی	لَقَدۡ	بخدا! واقعہ یہ ہے کہ
اسۡتَکۡبَرُوۡۤا	گھمنڈ کیا		تو ہمیں دھمکی دیتا ہے	اَبۡلَغۡتُکُمۡ	پہنچا دیا میں نے تم کو
اِنَّا بِالَّذِیۡۤ	بے شک ہم اس کا جو	اِنۡ کُنۡتَ	اگر ہے تو	رِسَالَۃَ	پیغام
اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ	ایمان لائے تم اس پر	مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ	بھیجے ہوؤں میں سے	رَبِّیۡ	میرے رب کا
کٰفِرُوۡنَ	انکار کرنے والے ہیں	فَاَخَذَتۡہُمُ	پس پکڑا ان کو	وَ نَصَحۡتُ	اور خیر خواہی کی میں نے
فَعَقَرُوا	پس زخمی کیا انھوں نے	الرَّجۡفَۃُ	زلزلہ نے	لَکُمۡ	تمہاری
النَّاقَۃَ	اونٹنی کو	فَاَصۡبَحُوۡا	پس ہو گئے وہ	وَلٰکِنۡ	لیکن
وَ عَتَوۡا	اور سرکشی کی انھوں نے	فِیۡ دَارِہِمۡ	اپنے گھروں میں	لَّا تُحِبُّوۡنَ	نہیں محبت کرتے تم
عَنۡ اَمۡرِ	حکم سے	جٰثِمِیۡنَ	اوندھے منہ پڑے ہوئے	النّٰصِحِیۡنَ	خیر خواہی کرنے والوں
رَبِّہِمۡ	ان کے رب کے	فَتَوَلّٰی	پس روگردانی کی صالح نے		سے

۳- صالح علیہ السلام نے ثمود کو توحید کی دعوت دی، انھوں نے اونٹنی کا معجزہ طلب کیا، جو دکھایا گیا، مگر وہ ایمان نہ لائے تو بھونچال سے ہلاک کئے گئے!

قوم عاد کی نسل سے ثمود پیدا ہوئے، ثمود ان کے دادا کا نام تھا، ان کو 'عاد ثانیہ' بھی کہا جاتا ہے، یہ قوم مکہ اور شام کے درمیان حِجر مقام میں آباد تھی، اسی کو 'مدائنِ صالح' بھی کہتے ہیں، ان کے محلات کے کھنڈرات اور پہاڑوں میں ان کی تراشی ہوئی عمارتوں کے آثار آج بھی موجود ہیں، اور عبرت گاہِ عالم ہیں، قریش جب تجارتی سفر پر شام جاتے تھے تو وہ اس علاقہ سے گذرتے تھے۔

اس قوم میں بھی رفتہ رفتہ بت پرستی رائج ہوگئی، ان کی اصلاح کے لئے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا، جو اسی قوم کا ایک فرد تھے، قوم کی اکثریت نے ان کی بات نہیں مانی، غریب طبقہ کے کچھ ہی خوش نصیب ایمان لائے، آخر کار ان لوگوں نے صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اگر ان کو ایک خاص پہاڑ کی معین چٹان سے گابھن اونٹنی نکال کر دکھائیں

تو وہ ایمان لے آئیں، صالح علیہ السلام نے دعا کی، اور اللہ تعالیٰ نے پتھر سے گابھن اونٹنی بھی نکال کر دکھادی، مگر کتے کی دُم ٹیڑھی رہی!

اب عذاب کا آنا یقینی ہوگیا، اس لئے کہ لوگ مطلوبہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے تو ہلاک کئے جاتے ہیں، مگر ثمود کا عذاب اس پر معلق کیا گیا کہ جب تک قوم اونٹنی کو آزار نہیں پہنچائے گی عذاب سے بچی رہے گی، پھر ہوا یہ کہ 'قُذار' نامی شخص نے اونٹنی کو قتل کردیا، تب صالح علیہ السلام نے قوم کو وارننگ دی کہ تین دن کے بعد عذاب آئے گا، انھوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بنایا، جس کا تذکرہ سورۂ نمل میں ہے، اللہ نے ان کا منصوبہ خاک میں ملادیا اور تین دن کے بعد سخت زلزلہ آیا، ساتھ ہی ہیبت ناک آواز تھی جس سے سب کھیت رہے، ان کی ہلاکت کا تفصیلی تذکرہ سورۂ ہود میں ہے، اور بھی کئی سورتوں میں ان کا مختصر تذکرہ آیا ہے۔

یہ واقعہ قریش کو سنایا گیا ہے، وہ بھی بار بار نبی ﷺ سے معجزات طلب کرتے تھے، اور نہیں دکھائے جاتے تو وہ اس کو عجز پر محمول کرتے تھے، ان کو ثمود کا یہ واقعہ سنایا ہے کہ مطلوبہ معجزہ سے ایمان نہیں ملتا، اور معجزہ طلب کرنے کا انجام بھیانک ہوتا ہے۔

تمہید: —— اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے برادر صالح کو مبعوث فرمایا۔

توحید کی دعوت: —— انھوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، ان کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں! —— یعنی مورتیوں کی پرستش چھوڑ دو!

ثمود کو ان کا مطلوبہ معجزہ دکھایا گیا: —— بالتحقیق تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پہنچ چکی ہے —— یعنی —— یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے بڑی نشانی ہے —— رسول کی صداقت کی اور اللہ کی وحدانیت کی۔

ثمود معجزہ دیکھ کر ایمان نہ لائے تو ان کے عذاب کو اونٹنی کی ایذاء پر معلق کیا: —— پس اس کی راہ چھوڑو کہ اللہ کی زمین میں چرے —— اللہ کی زمین: یعنی سرکاری چراگاہ —— اور تم اس کو برائی سے ہاتھ نہ لگانا، ورنہ تمہیں دردناک عذاب آپکڑے گا!

حضرت صالح علیہ السلام قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد دلاتے ہیں، تاکہ وہ ایمان لائیں اور احکام کی خلاف ورزی نہ کریں: —— اور یاد کرو: (۱) جب تمہیں عاد کے قائم مقام بنایا (۲) اور تمہیں زمین میں ٹھکانہ دیا: تم نرم زمین میں محلات بناتے ہو، اور پہاڑوں میں گھر تراشتے ہو —— پس اللہ کی نعمتیں یاد کرو، اور زمین میں —— احکام کی خلاف ورزی کرکے —— فساد مچاتے مت پھرو!

سرداروں کا برملا ایمان لانے سے انکار: —— ان کی قوم کے گھمنڈی سرداروں نے ان مؤمنین سے پوچھا جو

ان میں ذلیل قرار دیئے گئے تھے ـــــ یعنی وہ ذلیل تھے نہیں، ایمان کی وجہ سے باعزت اور قوی تھے، مگر سرداران کو ذلیل اور کمزور سمجھتے تھے: ـــــ کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح اللہ کے رسول ہیں؟ ـــــ انھوں نے جواب دیا: ہم اس دین پر ایمان لائے ہیں جس کے ساتھ وہ بھیجے گئے ہیں ـــــ اور ایمان یقین ہی کا دوسرا نام ہے! ـــــ گھمنڈی لوگوں نے کہا: ہم اس دین کا انکار کرنے والے ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو!

اونٹنی کو مار کر عذاب کا مطالبہ کیا: ـــــ پس انھوں نے اونٹنی کو مار ڈالا، اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی اختیار کی ـــــ ان کو حکم دیا تھا کہ اونٹنی کو ایذا نہ پہنچانا، انھوں نے مار ڈالا یہی حکم الٰہی سے سرکشی ہے ـــــ اور انھوں نے کہا: اے صالح! ہم پر وہ عذاب لے آ جس کی تو ہمیں ـــــ اونٹنی کو ایذا پہنچانے پر ـــــ دھمکی دیتا ہے، اگر تو رسولوں میں سے ہے!

عذاب آیا اور سب کھیت رہے! ـــــ پس ان کو بھونچال (زلزلہ) نے پکڑا، اور وہ اپنے گھروں میں ڈھیر ہو کر رہ گئے!

صالح علیہ السلام کی قوم سے الوادعی گفتگو: ـــــ اور صالح نے ان سے یہ کہہ کر رخ پھیر لیا کہ اے میری برداری کے لوگو! واقعہ یہ ہے کہ میں نے تم کو میرے رب کا پیغام پہنچا دیا، اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی، لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتے!

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ښ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

وَ لُوْطًا	اور (بھیجا) لوط کو	مَا سَبَقَكُمْ	نہیں پہلے گذرا تم سے	لَتَاْتُوْنَ	البتہ آتے ہو
اِذْ قَالَ	جب کہا اس نے	بِهَا	اس کے ساتھ	الرِّجَالَ	مردوں کے پاس
لِقَوْمِهٖٓ	اپنی قوم سے	مِنْ اَحَدٍ	کوئی بھی	شَهْوَةً	شہوت سے
اَتَاْتُوْنَ	کیا آتے ہو تم	مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں میں سے	مِّنْ دُوْنِ	چھوڑ کر
الْفَاحِشَةَ	بدکاری کو	اِنَّكُمْ	بے شک تم	النِّسَآءِ	عورتوں کو

بَلْ اَنْتُمْ	بلکہ تم	اَخْرِجُوْهُمْ	نکالو ان کو	كَانَتْ	تھی وہ
قَوْمٌ	لوگ ہو	مِّنْ قَرْيَتِكُمْ	تمہاری بستی سے	مِنَ الْغٰبِرِيْنَ	باقی رہنے والوں میں سے
مُّسْرِفُوْنَ	حد سے گذرنے والے	اِنَّهُمْ	بے شک وہ	وَاَمْطَرْنَا	اور برسائی ہم نے
وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا	اُنَاسٌ	لوگ ہیں	عَلَيْهِمْ مَّطَرًا	ان پر بارش
جَوَابَ	جواب	يَّتَطَهَّرُوْنَ	خوب پاک بنتے	فَانْظُرْ	پس دیکھ
قَوْمِهٖٓ	اس کی قوم کا	فَاَنْجَيْنٰهُ	پس بچایا ہم نے اس کو	كَيْفَ كَانَ	کیسا ہوا
اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	وَاَهْلَهٗٓ	اور اس کے گھر والوں کو	عَاقِبَةُ	انجام
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	اِلَّا امْرَاَتَهٗ	مگر اس کی بیوی کو	الْمُجْرِمِيْنَ	بدکاروں کا

۴-لوط علیہ السلام نے توحید کی دعوت کے ساتھ ایک خاص بدکاری سے بھی روکا

لوط علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، انھوں نے اپنے چچا کے ساتھ عراق سے ہجرت کی تھی، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام تو فلسطین میں آباد ہو گئے، اور لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اردن کے شہر سدّوم اور اس کے مضافات عمورہ وغیرہ کی طرف مبعوث فرمایا، ان کے باشندے شرک کے ساتھ ایک شرمناک بدفعلی میں بھی مبتلا تھے، وہ ہم جنسی کی لعنت میں گرفتار تھے، جس کا ارتکاب دنیا کے کسی فرد نے ان سے پہلے نہیں کیا تھا، حضرت لوط علیہ السلام نے ان پر محنت کی مگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی، اور ان تمام بستیوں کو الٹ دیا، آج وہاں 'بحر میت' ہے، کہتے ہیں: اس میں کوئی چیز زندہ نہیں رہتی، اس واقعہ کی تفصیل سورۂ ہود میں ہے۔

آیاتِ کریمہ: اور (ہم نے) لوط کو (مبعوث کیا) یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا: ــــ ﴿اَخَاهُمْ﴾ نہیں فرمایا اس لئے کہ ان کا اس قوم کے ساتھ نسبی تعلق نہیں تھا، البتہ 'قوم' کہا کیونکہ وہ ان کی امت تھی ــــ کیا تم ایسی بدکاری کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے نہیں کی، بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت پوری کرتے ہو! بلکہ تم حد سے گذرنے والے لوگ ہو!

اور اس کی قوم کا جواب یہی تھا کہ انھوں نے کہا: ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو، بے شک یہ لوگ پاک صاف بنتے ہیں ــــ یعنی ہم سب کو گندہ سمجھتے ہیں، اور خود کو پاک بتاتے ہیں، پس گندوں میں پاکوں کا کیا کام؟ لہٰذا نکالو ان کو یہاں سے! ــــ پس ہم نے اس کو بچالیا اور اس کے گھر والوں کو ــــ دو بیٹیوں کو ــــ مگر اس کی بیوی کو ــــ نہیں بچی وہ ــــ وہ باقی رہ جانے والوں میں سے تھی، پس دیکھ کیسا ہوا بدکاروں کا انجام! ــــ تفصیل سورۂ ہود میں ہے۔

فائدہ: اس واقعہ میں عبرت ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکی، کیونکہ ایمان اور عمل صالح ہی انسان کے لئے نجات کا ذریعہ ہے، یہ داستانِ عبرت بتاتی ہے کہ یہ خلافِ فطرت فعل کس قدر مذموم اور اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والا ہے، مگر افسوس کہ مغرب کی جاہلیت جدیدہ آج بھی اس برائی کو جواز عطا کر رہی ہے اور قانونی طور پر مرد کے مرد سے اور عورت کے عورت سے نکاح کو درست ٹھہرا رہی ہے، یہ دراصل حدیث کی اس پیشین گوئی کی تصدیق ہے کہ قیامت کے قریب ایسا ہوگا کہ مرد مرد سے اور عورت عورت سے اپنی خواہشات پوری کرنے لگیں گے (مجمع الزوائد ۷: ۲۵۷، حدیث نمبر: ۱۲۳۳۴) (آسان تفسیر از مولانا خالد سیف اللہ صاحب زید مجدہ)

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَاۗىِٕفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

وَاِلٰى مَدْيَنَ	اور مدین کی طرف	مَا لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	الْكَيْلَ	ناپ
اَخَاهُمْ	ان کے برادر	مِّنْ اِلٰهٍ	کوئی بھی معبود	وَالْمِيْزَانَ	اور تول
شُعَيْبًا	شعیب (کو بھیجا)	غَيْرُهٗ	اللہ کے سوا	وَلَا تَبْخَسُوا	اور نہ کم دو
قَالَ	کہا اس نے	قَدْ جَاۗءَتْكُمْ	تحقیق پہنچ چکی ہے تمہیں	النَّاسَ	لوگوں کو
يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	بَيِّنَةٌ (۱)	واضح دلیل	اَشْيَاۗءَهُمْ	ان کی چیزیں
اعْبُدُوا	عبادت کرو تم	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	وَلَا تُفْسِدُوْا	اور مت خرابی پھیلاؤ
اللّٰهَ	اللہ کی	فَاَوْفُوا	پس پورا کرو	فِي الْاَرْضِ	زمین میں

(۱) بینۃ: مراد نبی کی بعثت ہے۔

بَعْدَ	بعد	بِهٖ	اللہ پر	مِّنْكُمْ	تمہاری
اِصْلَاحِهَا	اس کی اصلاح کے	وَتَبْغُوْنَهَا	اور چاہتے ہوئے اس میں	اٰمَنُوْا	ایمان لائی ہے
ذٰلِكُمْ	یہ (باتیں)	عِوَجًا	کجی	بِالَّذِيْٓ	اس پر جو
خَيْرٌ لَّكُمْ	بہتر ہیں تمہارے لئے	وَاذْكُرُوْٓا	اور یاد کرو	اُرْسِلْتُ بِهٖ	بھیجا گیا میں اسکے ساتھ
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	اِذْ كُنْتُمْ	جب تھے تم	وَطَآئِفَةٌ	اور دوسری جماعت
مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے	قَلِيْلًا	تھوڑے	لَّمْ يُؤْمِنُوْا	ایمان نہیں لائی
وَلَا تَقْعُدُوْا	اور مت بیٹھو	فَكَثَّرَكُمْ	پس زیادہ کیا اس نے تم کو	فَاصْبِرُوْا	پس صبر کرو
بِكُلِّ صِرَاطٍ (۱)	ہر راہ پر	وَانْظُرُوْا	اور دیکھو	حَتّٰى يَحْكُمَ	یہاں تک کہ فیصلہ کردیں
تُوْعِدُوْنَ (۲)	دھمکاتے ہوئے	كَيْفَ كَانَ	کیسا تھا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَتَصُدُّوْنَ	اور روکتے ہوئے	عَاقِبَةُ	انجام	بَيْنَنَا	ہمارے درمیان
عَنْ سَبِيْلِ	راہ سے	الْمُفْسِدِيْنَ	فساد مچانے والوں کا	وَهُوَ	اور وہ
اللّٰهِ	اللہ کی	وَاِنْ كَانَ	اور اگر ہے	خَيْرُ	بہترین
مَنْ اٰمَنَ (۳)	اس کو جو ایمان لایا	طَآئِفَةٌ	ایک جماعت	الْحٰكِمِيْنَ	فیصلہ کرنے والے ہیں

۵-شعیب علیہ السلام نے مدین والوں کو توحید کی دعوت دی اور ڈنڈی مارنے سے روکا

تورات (کتابِ پیدائش) کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قطورہ نامی بیوی سے چھ صاحبزادے تھے (قصص القرآن ۱:۲۵۵) ان میں سے ایک بیٹے کا نام مدین تھا، اس کی نسل نے اپنی آبادی کا نام باپ کے نام پر مدین رکھا، پہلے یہ چھوٹا خاندان تھا، پھر بڑا قبیلہ بن گیا، حضرت شعیب علیہ السلام اس قبیلہ کے ایک فرد تھے، مدین والوں میں شرک وبت پرستی کے علاوہ ڈنڈی مارنے کا بھی رواج چل پڑا تھا، وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے، ان کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا بیان فصیح وبلیغ ہوتا تھا، اور مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ ان کا ذکر **خطیب الأنبیاء** کے لقب سے کیا کرتے تھے، اور فصاحت کے لئے استعارات وکنایات کا استعمال ضروری ہے، بات بالکل

(۱) بکل صراط: کا ترجمہ 'سڑکوں' (جمع) سے کیا ہے (تھانویؒ) (۲) توعدون اور تصدون لاتقعدوا کے فاعل کے احوال ہیں (۳) من آمن به: توعدون اور تصدون کا مفعول بہ ہے۔

عام فہم انداز میں نہیں کہی جاتی، ذرا پردہ رکھ کر کہی جاتی ہے، اس لئے آپ علیہ السلام کی باتوں میں ذرا غور کرنا ہوگا۔

آپؑ نے سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، اور اپنی بعثت کو توحید کی واضح دلیل قرار دیا، ارشاد پاک ہے:

—— اور ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے برادر شعیب کو بھیجا، انھوں نے کہا: اے میری برادری کے لوگو! تم اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لئے ان کے سوا کوئی معبود نہیں، بالیقین تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (توحید کی) واضح دلیل پہنچ چکی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ربِ کائنات ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ اپنی مخلوقات کی ضرورتیں پوری کریں، اور انسانوں کی دو ضرورتیں ہیں: جسمانی اور روحانی، جسمانی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ترقی یافتہ عقل دی ہے، وہ اس کے ذریعہ اپنا کام چلاتا ہے، اور روحانی ضرورت کی تکمیل کے لئے نبوت کا سلسلہ قائم کیا ہے، اعلیٰ صلاحیت کے مالک آدمی کو منتخب کرکے اس پر وحی نازل کرتے ہیں، پھر وہ دوسرے لوگوں کو احکام پہنچاتا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ بندوں کی روحانی ضرورت پوری کرتے ہیں۔

اس لئے توحید کی دعوت کے ساتھ ہی نعمتِ نبوت کا ذکر کیا، اور اس کو توحید کی واضح دلیل قرار دیا، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر کرم فرمایا، اور تم میں نبی مبعوث فرمایا، اور اس کے ذریعہ تم کو احکامات دیئے، تاکہ تم ان پر عمل کرکے اپنی آخرت کو سنوارو!

پھر قوم کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کے اہم حکم کا تذکرہ کیا، فرمایا: —— لہٰذا ناپ تول کو پورا کرو —— یہ حکم مثبت پہلو سے ہے —— اور لوگوں کو ان کا مال سامان کم مت دو —— یہ پہلا ہی حکم منفی پہلو سے ہے —— اور زمین میں اس کی درستگی کے بعد بگاڑ پیدا مت کرو —— یہ اوپر کے حکم پر عمل نہ کرنے کا لازمی نتیجہ ہے —— یہ کام تمہارے لئے بہت بہتر ہیں اگر تم میری بات مانو!

لوگوں نے ان کی بات نہ مانی، مخالفت شروع کردی، وہ سڑکوں پر بیٹھ جاتے تھے، اور جو حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آتا تھا اس کے کان بھرتے تھے اور دھمکاتے بھی تھے کہ اگر تو ایمان لایا تو تجھے قتل کردیں گے، اس طرح لوگوں کو ایمان کی راہ سے روکتے تھے، نزول سورت کے وقت یہی کام مشرکین کے سردار بھی کرتے تھے!

علاوہ ازیں: وہ نبی کی تعلیمات میں طرح طرح کے شبہات پیدا کرتے تھے، اور اسلام کی سیدھی سچی تعلیمات کو کج کرنے کی کوشش کرتے تھے، تاکہ لوگ اسلام کو قبول نہ کریں۔

فرمایا: —— اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ دھمکاؤ، اور اللہ کی راہ سے روکو ان لوگوں کو جو اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور تم راہِ خدا میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہو!

نیز: آپؑ نے مدین والوں کو اللہ کی یہ نعمت بھی یاد دلائی کہ پہلے تمہاری نفری کم تھی، اب اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم شرارتیں شروع کر دو، تم فسادیوں کے انجام پر غور کرو، ان کے حصہ میں انجام کار تباہی آئی!

فرمایا: —— اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، پھر اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا، اور دیکھو! فساد مچانے والوں کا انجام کیا ہوا؟

محنت کا نتیجہ: مدین والے دو حصوں میں تقسیم ہو گئے، ایک جماعت آپؑ پر ایمان لائی، دوسری مخالفت پر کمر بستہ ہو گئی، آپؑ نے وارننگ دی کہ اب اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو، وہ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں! فرمایا —— اور اگر تمہاری ایک جماعت اس (دین) پر ایمان لائی ہے جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، اور دوسری جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کرو، تا آنکہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان (عملی) فیصلہ کریں، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں!

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﮗ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﮘ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﮙ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﮚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﮛ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰي قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﮜ

قَالَ	کہا	مِنْ قَوْمِهٖ	اس کی برداری کے	وَالَّذِيْنَ	اور ان کو جو
الْمَلَاُ	سرداروں نے	لَنُخْرِجَنَّكَ	ضرور نکال دیں گے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
الَّذِيْنَ	جنھوں نے		ہم تجھ کو	مَعَكَ	تیرے ساتھ
اسْتَكْبَرُوْا	گھمنڈ کیا	يٰشُعَيْبُ	اے شعیب	مِنْ قَرْيَتِنَآ	ہماری بستی سے

اَوْ لَتَعُوْدُنَّ	یا ضرور پلٹ آؤ تم	عِلْمًا	علم کے اعتبار سے	جٰثِمِیْنَ	اوندھے منہ پڑے ہوئے
فِیْ مِلَّتِنَا	ہمارے دھرم میں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	الَّذِیْنَ	جنھوں نے
قَالَ	کہا اس نے	تَوَكَّلْنَا	بھروسہ کیا ہم نے	كَذَّبُوْا	جھٹلایا
اَوَلَوْ كُنَّا	کیا اگرچہ ہوں ہم	رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار!	شُعَيْبًا	شعیب کو
كٰرِهِيْنَ	ناپسند کرنے والے	افْتَحْ	فیصلہ کیجئے	كَاَنْ لَّمْ	گویا نہیں بسے
قَدِ افْتَرَيْنَا	تحقیق گھڑا ہم نے	بَيْنَنَا	ہمارے درمیان	يَغْنَوْا فِيْهَا	وہ ان میں
عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	وَبَيْنَ قَوْمِنَا	اور ہماری برداری کے	اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا	جنھوں نے جھٹلایا
كَذِبًا	جھوٹ		درمیان	شُعَيْبًا	شعیب کو
اِنْ عُدْنَا	اگر لوٹ گئے ہم	بِالْحَقِّ	ٹھیک ٹھیک	كَانُوْا هُمُ	تھے وہی
فِیْ مِلَّتِكُمْ	تمہارے دھرم میں	وَاَنْتَ خَيْرُ	اور آپ بہترین	الْخٰسِرِيْنَ	گھاٹے میں رہنے والے
بَعْدَ	بعد	الْفٰتِحِيْنَ	فیصلہ کرنے والے ہیں	فَتَوَلّٰى	پس رخ پھیرا اس نے
اِذْ نَجّٰنَا	جب نجات دی ہمیں	وَقَالَ	اور کہا	عَنْهُمْ	ان سے
اللّٰهُ	اللہ نے	الْمَلَاُ الَّذِيْنَ	جن سرداروں نے	وَقَالَ	اور کہا اس نے
مِنْهَا	اس (دھرم) سے	كَفَرُوْا	انکار کیا	يٰقَوْمِ	اے میری برادری!
وَمَا يَكُوْنُ	اور نہیں ہے	مِنْ قَوْمِهٖ	اس کی برداری سے	لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے کہ
لَنَا	ہمارے لئے	لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ	بخدا! اگر پیروی کی تم نے	اَبْلَغْتُكُمْ	پہنچادیئے میں نے تم کو
اَنْ نَّعُوْدَ	کہ لوٹیں ہم	شُعَيْبًا	شعیب کی	رِسٰلٰتِ	پیغامات
فِيْهَا	اس میں	اِنَّكُمْ اِذًا	بے شک تم تب تو	رَبِّیْ	میرے پروردگار کے
اِلَّا اَنْ	مگر یہ کہ	لَّخٰسِرُوْنَ	یقیناً گھاٹے میں رہنے	وَنَصَحْتُ	اور خیر خواہی کی میں نے
يَّشَآءَ اللّٰهُ	چاہیں اللہ		والے ہو	لَكُمْ	تمہاری
رَبُّنَا	ہمارے پروردگار	فَاَخَذَتْهُمُ	پس پکڑا ان کو	فَكَيْفَ	پس کیسے
وَسِعَ	کشادہ ہیں	الرَّجْفَةُ	زلزلہ نے	اٰسٰى	افسوس کروں میں
رَبُّنَا	ہمارے پروردگار	فَاَصْبَحُوْا	پس ہوکر رہ گئے وہ	عَلٰى قَوْمٍ	لوگوں پر
كُلَّ شَیْءٍ	ہر چیز کو	فِیْ دَارِهِمْ	اپنے گھروں میں	كٰفِرِيْنَ	اسلام کا انکار کرنے والے

مخالفت تیز ہوگئی، انجام کار زلزلہ آیا اور سب کھیت رہے!

شعیب علیہ السلام نے تو معاملہ اللہ کے سپرد کیا، مگر قوم کے گھمنڈی سرداروں کا پارہ چڑھ گیا، انھوں نے شعیب علیہ السلام کو الٹی میٹم دیدیا کہ اب تمہارے سامنے دو آپشن (Option) ہیں: اگر تمھیں اپنا نیا مذہب عزیز ہے تو ہم تجھے اور ایمان لانے والوں کو شہر سے گیٹ آؤٹ کریں گے، اور اگر شہر میں رہنا ہے تو اپنے پرانے دھرم میں لوٹ آؤ —— تیسرا کوئی راستہ نہیں!

حضرت شعیب علیہ السلام نے اس کا کڑوا جواب کیپسول میں بھر کر دیا، آپؑ کی فصاحت وبلاغت کی داد دیں، فرمایا:

۱- ہم تمہارے دھرم کو کہاں پسند کرتے ہیں جو اس کی طرف لوٹ جائیں، ہمیں تو وہ نہایت ناپسند ہے۔

۲- اور اگر ہم شرک کی طرف لوٹ جائیں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ میں نے نبوت کا ڈھونگ رچا تھا، توبہ توبہ!

۳- آگ سے نکل آنے کے بعد بھلا کوئی آگ میں کود سکتا ہے؟ ایسا اقدام پاگل بھی نہیں کرتا!

۴- ہاں اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی بات منظور ہے تو دوسری بات ہے، ان کے احاطۂ علمی میں سب کچھ ہے، اور ہمارا بھروسہ اسی پر ہے —— یہ مماشات مع الخصم ہے، تھوڑی دیر مخالف کے ساتھ چلنا، پھر تھپڑ مارنا! —— اے ہمارے پروردگار! ہمارے درمیان اور ہماری برادری کے درمیان ٹھیک ٹھیک عملی فیصلہ فرمادیں، یعنی عذاب بھیج دیں، اور آپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں —— یہ تھپڑ مارا، مگر گال سہلا کر!

مگر قوم کے سرداروں نے اس بددعا کا بھی اثر قبول نہیں کیا، انھوں نے قوم میں اعلان کر دیا: ''جو شعیب کی راہ اپنائے گا گھاٹے میں رہے گا!'' جب بات اس حد تک پہنچ گئی تو سخت زلزلہ آیا، اور لوگ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے! اور ایسے تباہ ہوئے کہ گویا وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہیں تھے! اور گھاٹے میں شعیب علیہ السلام کی پیروی کرنے والے نہیں رہے، بلکہ تکذیب کرنے والے رہے۔

آیاتِ پاک: اور ان کی قوم کے گھمنڈی سرداروں نے کہا: ہم ضرور نکال باہر کریں گے ہماری بستی سے تجھے اے شعیب! اور تیرے ساتھ جو ایمان لائے ہیں، یا تم لوگ ہمارے دھرم میں لوٹ آؤ!

شعیبؑ نے کہا: (۱) کیا اگرچہ ہم (تمہارے دھرم کو) ناپسند کرتے ہوں (۲) بالیقین ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا، اگر ہم تمہارے دھرم میں لوٹ گئے (۳) اس کے بعد کہ ہمیں اللہ نے اس سے نجات بخشی، کیسے ممکن ہے کہ ہم اس میں لوٹ جائیں (۴) ہاں ہمارا پروردگار اللہ چاہے (تو اور بات ہے!) ہمارا پروردگار ہر چیز کو اپنے احاطۂ علمی میں لئے ہوئے ہے، ہم اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

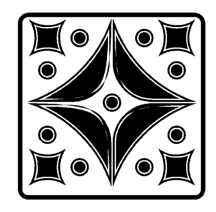
بددعا: ـــــ اے ہمارے پروردگار! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک (عملی) فیصلہ فرمادیں، اورآپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں!

اوران کی برادری کے منکر اسلام سرداروں نے اعلان کیا: "بخدا! اگر تم نے شعیب کی راہ اپنائی تب تم یقیناً گھاٹے میں رہنے والے ہو!"

پس ان کو زلزلہ نے آ پکڑا، چنانچہ وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے! جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی گویا وہ ان میں بسے ہی نہیں تھے، جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی ـــــ یہ دوسری بات کہنے کے لئے تمہید لوٹائی ہے، اور یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے ـــــ وہی گھاٹے میں رہنے والے تھے!

الوداع: ـــــ پس شعیب نے ان سے رخ موڑ لیا، اور کہا: اے میری قوم! بخدا! واقعہ یہ ہے کہ میں نے تم کو میرے رب کے پیغامات پہنچادیئے، اور میں نے تمہاری خیر خواہی کرلی، اب میں منکرین اسلام پر افسوس کیوں کروں؟

﴿بفضل اللہ تعالیٰ ۲۱ رجمادی الاخری ۱۴۳۹ھ مطابق ۹ رمارچ ۲۰۱۸ء کو جلد دوم پوری ہوئی﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النبأ

یہ مکی سورت ہے، اس میں قیامت کا امکان واثبات اور جزاؤسزا کے وقوع کا بیان ہے۔ نبأ کے معنی ہیں: کوئی بھی خبر، اور النبأ (معرفہ) کے معنی ہیں: اہم خبر یعنی قیامت کی خبر، جو اہم واقعہ ہے، پہلے اللہ کی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں بیان کی ہیں: زمین، پہاڑ، مردوزن، شب وروز، آسمان، سورج، بارش، کھیتی اور باغ، اللہ نے کیسی کیسی چیزیں پیدا کی ہیں، کیا ان کی قدرت میں قیامت کو برپا کرنا نہیں؟ بے شک ہے! وہ قیامت لائیں گے، اس دن قیامت کا انکار کرنے والوں کا برا حال ہوگا اور متقیوں کو نعمتوں سے مالا مال کردیا جائے گا۔



عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ③ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ⑤ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ⑥ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ⑦ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ⑧ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ⑨ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ⑩ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ⑪ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ⑫ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ⑬ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ⑭ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ⑮ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ⑯

عَمَّ (۱)	کس چیز کے بارے میں	عَنِ النَّبَاِ	خاص خبر کے بارے میں	فِيْهِ	اس میں
يَتَسَآءَلُوْنَ	ایک دوسرے سے	الْعَظِيْمِ	بہت بڑی	مُخْتَلِفُوْنَ (۲)	اختلاف کرنے والے ہیں
	پوچھتے ہیں	الَّذِيْ هُمْ	جو کہ وہ	كَلَّا	ہرگز نہیں

(۱) عَمَّ: عن: جارہ اور ما: موصولہ ہے، آخر سے الف حذف کیا ہے (۲) اختلاف: باب افتعال کے معنی ہیں: کسی دوسرے سے اختلاف کرنا، آپس میں اختلاف کرنا: اس کے معنی نہیں۔

سَيَعْلَمُوْنَ(۱)	ابھی جان لیں گے وہ	سُبَاتًا	آرام کا ذریعہ	سِرَاجًا	چراغ
ثُمَّ كَلَّا	پھر ہرگز نہیں	وَّجَعَلْنَا	اور بنایا ہم نے	وَّهَّاجًا(۲)	نہایت چمکدار
سَيَعْلَمُوْنَ	ابھی جان لیں گے وہ	الَّيْلَ	رات کو	وَّاَنْزَلْنَا	اور اتارا ہم نے
اَلَمْ نَجْعَلِ	کیا نہیں بنایا ہم نے	لِبَاسًا	پہناوا	مِنَ الْمُعْصِرٰتِ(۳)	بادلوں سے
الْاَرْضَ	زمین کو	وَّجَعَلْنَا	اور بنایا ہم نے	مَآءً	پانی
مِهٰدًا	بچھونا	النَّهَارَ	دن کو	ثَجَّاجًا(۴)	موسلا دھار
وَّالْجِبَالَ	اور پہاڑوں کو	مَعَاشًا	کمانے کا وقت	لِّنُخْرِجَ	تاکہ نکالیں ہم
اَوْتَادًا	میخیں؟	وَّبَنَيْنَا	اور بنائے ہم نے	بِهٖ	اس کے ذریعہ
وَّخَلَقْنٰكُمْ	اور پیدا کیا ہم نے تم کو	فَوْقَكُمْ	تمہارے اوپر	حَبًّا	غلہ
اَزْوَاجًا	جوڑا جوڑا	سَبْعًا	سات	وَّنَبَاتًا	اور سبزی
وَّجَعَلْنَا	اور بنایا ہم نے	شِدَادًا	مضبوط (آسمان)	وَّجَنّٰتٍ	اور باغات
نَوْمَكُمْ	تمہاری نیند کو	وَّجَعَلْنَا	اور بنایا ہم نے	اَلْفَافًا	گھنے (گنجان)

قیامت کا برپا کرنا ہر طرح اللہ کی قدرت میں ہے

جب قرآنِ کریم نے لوگوں کو اطلاع دی کہ یہ دنیا ایک دن ختم ہوجائے گی، اس کا آخری دن آئے گا، اور وہ قیامت کا دن ہوگا، تو لوگوں نے یہ بات قبول نہیں کی، اور آپس میں باتیں کرنے لگے، کوئی پوچھتا: کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟ دوسرا کہتا: اجی! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جب ہم مر کر مٹی ہوگئے تو دوبارہ کیسے پیدا ہونگے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ بے وقوفی کی باتیں ہیں، ابھی تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ ہماری قدرت کتنی بڑی ہے، ہم نے کیسی کیسی چیزیں تمہارے لئے پیدا کی ہیں، ان چیزوں کو دیکھ کر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ جس نے ایسی ایسی چیزیں پیدا کی ہیں اس کو یہ قدرت ضرور حاصل ہے کہ وہ وہ دن بھی لے آئے جسے قیامت کہتے ہیں۔

---

(۱) سین: مستقبل قریب کے لئے ہے، اس کا ترجمہ: اب، ابھی ہے، اور سوف: مستقبل بعید کے لئے ہے، اس کا ترجمہ: عنقریب ہے، یعنی ذرا دور۔ (۲) وھاج: انتہائی روشن، چمکدار، وَهَجَتِ النارُ: آگ کا روشن ہونا (۳) مُعْصِرة: اسم فاعل مؤنث، از باب افعال: نچوڑنے والے یعنی بادل، وہ خود کو نچوڑتے ہیں تو بارش ہوتی ہے (۴) ثجاج: زور سے برسنے، بہنے یا گرنے والا پانی، ثَجَّ الماء: پانی کا بہنا۔

آیاتِ پاک: (منکرینِ قیامت) کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں؟ بڑے واقعہ کے بارے میں، جس میں وہ لوگ (اہلِ حق سے) اختلاف کرتے ہیں، ہرگز نہیں! ـــــ یعنی اختلاف مت کرو، مان لو، قیامت ضرور آنے والی ہے ـــــ ابھی ان کو معلوم ہوجائے گا ـــــ جب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ان کے سامنے لائی جائیں گی ـــــ پھر (کہتا ہوں:) ہرگز نہیں! ابھی ان کو معلوم ہوجائے گا ـــــ تکرار کا مقصد اذہان کو ادھر متوجہ کرنا ہے۔

اللہ کی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں

۱- کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟ ـــــ زمین پہلے لرزتی تھی، ہچکولے کھاتی تھی، اس کو قرار نہیں تھا، وہ مخلوقات کی رہائش کے قابل نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ پیدا کئے، جیسے خیمے کو تھامنے کے لئے کھونٹے گاڑتے ہیں، پہاڑوں سے توازن پیدا ہوا، اور زمین کا کپکپانا بند ہوا، اور وہ بستر کی طرح ہوگئی، اب انسان اس پر آرام سے زندگی گذارتا ہے، زمین کو ایسا پرسکون کس نے بنایا؟ اللہ نے بنایا! پس جو اللہ زمین کو ایسا کرسکتا ہے وہ کسی دن اس میں بھونچال بھی لاسکتا ہے: ﴿إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ﴾: قیامت کا زلزلہ یقیناً بھاری چیز ہے، قیامت سے پہلے زمین پوری طرح ہلادی جائے گی، اور زمین کی حالت اس کشتی جیسی ہوجائے گی جو موجوں کے تھپیڑوں سے ڈگمگا رہی ہو، یا اس قندیل جیسی ہوجائے گی جو ہوا کے جھونکوں سے جھول رہی ہو، اس وقت قیامت برپا ہوگی۔

۲- اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ـــــ ایک ہی مادّے سے لڑکا بھی پیدا ہوتا ہے اور لڑکی بھی، پھر نر و مادہ کے ذریعہ نسل بڑھتی ہے، اور دنیا آباد ہوتی ہے، یہ کس کی قدرت کا کرشمہ ہے؟ کیا وہ اس دنیا کا جوڑا (آخرت کو) پیدا نہیں کرسکتا؟ کرسکتا ہے! سورۃ الذاریات میں ہے: ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾: اور ہم نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا، تاکہ تمہیں یاد آئے کہ اس دنیا کا بھی جوڑا ہے، اور وہ آخرت ہے، دونوں سے مل کر تکلیف اور جزاوسزا کا مقصد پورا ہوگا۔

۳- اور ہم نے تمہارے سونے کو راحت بنایا، اور ہم نے رات کو لباس بنایا، اور ہم نے دن کو کمانے کا وقت بنایا ـــــ اللہ نے دنیا کا نظام اس طرح سیٹ کیا ہے کہ وقت کو شب و روز میں تقسیم کیا ہے، آدمی دن میں کماتا ہے، پھر جب تھک کر چور ہوجاتا ہے تو رات میں پڑ کر سوجاتا ہے، اور اوڑھنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی، رات ہی اوڑھنا ہوتا ہے، پھر صبح تازہ دم ہوکر اٹھتا ہے، سوچو! اگر دن ہی دن ہوتا تو انسان کام کرتے کرتے تھک جاتا، اور رات ہی رات ہوتی تو کب تک کروٹیں بدلتا!

اسی طرح یہ دنیا کام کرنے کے لئے ہے، پھر مرجانا ہے، موت: نیند کی بہن ہے، پھر قیامت کے دن تازہ دم ہوکر اٹھنا ہے، پھر آخرت میں یا تو مزے لوٹے گا یا کفِ افسوس ملے گا!

۴-اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے، اور ہم نے روشن چراغ بنایا، اور ہم نے پانی بھرے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا، تاکہ ہم اس کے ذریعہ غلہ اور سبزی اور گنجان باغات اگائیں —— یہ نظام شمسی کا بیان ہے، عالم دو ہیں: بالا اور زیریں، عالم بالا: سات آسمانوں کے اوپر ہے، وہی عالم آخرت ہے، اور عالم زیریں: ہماری یہ دنیا ہے، دونوں عالموں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے سات مضبوط آسمان بنائے ہیں، جن کی وجہ سے اوپر کی دنیا کے آثار یہاں نہیں جھلکتے، اور اس زیریں عالم میں نہایت روشن سورج بنایا، جو اپنے سارے نظام کو لے کر چل رہا ہے، اور بوقلموں (رنگارنگ) چیزیں وجود میں آرہی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ سورج کی گرمی سے سمندر میں موجیں اٹھتی ہیں، اور بھاپ بنتی ہے، وہ اوپر اٹھ کر بادل بن جاتی ہے، پھر ہوائیں ان کو لے چلتی ہیں، اور وہ جگہ جگہ موسلا دھار برستے ہیں، اور اس سے غلہ، سبزہ اور پھل پیدا ہوتے ہیں، جن کو کھا کر لوگ عیش کرتے ہیں —— اب سوچو! کیا وہ عالم بالا ہمیشہ خالی رہے گا؟ نہیں! اس دنیا کا ایک آخری دن آئے گا، اس کے بعد مکلّف مخلوقات اس عالم بالا میں منتقل کردی جائے گی، اور یہ دنیا ختم کردی جائے گی۔

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿١٧﴾ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطَّاغِينَ مَآبًا ﴿٢٢﴾ لَّابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَاءً وِفَاقًا ﴿٢٦﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿٢٩﴾ فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾

ع ۱

إِنَّ يَوْمَ	بے شک دن	فَتَأْتُونَ	پس آؤ گے تم	وَسُيِّرَتِ	اور چلائے جائیں گے
الْفَصْلِ	فیصلے کا	أَفْوَاجًا	گروہ گروہ	الْجِبَالُ	پہاڑ
كَانَ مِيقَاتًا	مقررہ وقت ہے	وَفُتِحَتِ	اور کھولا جائے گا	فَكَانَتْ	پس ہوجائیں گے وہ
يَوْمَ	جس دن	السَّمَاءُ	آسمان	سَرَابًا	چمکتی ریت
يُنفَخُ	پھونکا جائے گا	فَكَانَتْ	پس ہوجائے گا وہ	إِنَّ جَهَنَّمَ	بے شک دوزخ
فِي الصُّورِ	صور میں	أَبْوَابًا	دروازے دروازے	كَانَتْ مِرْصَادًا	گھات ہے

لِّلطّٰغِيْنَ(1)	سرکشوں کے لئے	اِلَّا حَمِيْمًا	مگر کھولتا پانی	كِذَّابًا	زور سے جھٹلانا
مَاٰبًا	ٹھکانا ہے	وَّغَسَّاقًا	اور بہتی پیپ	وَكُلَّ شَيْءٍ	اور ہر چیز کو
لّٰبِثِيْنَ	ٹھہرنے والے ہیں وہ	جَزَآءً(2)	(چکھو) بدلہ	اَحْصَيْنٰهُ	گن رکھا ہم نے اس کو
فِيْهَآ	اس میں	وِّفَاقًا	پورا	كِتٰبًا	لکھ کر
اَحْقَابًا	قرنہا قرن	اِنَّهُمْ كَانُوْا	بے شک وہ تھے	فَذُوْقُوْا	پس چکھو (عذاب)
لَا يَذُوْقُوْنَ	نہیں چکھیں گے وہ	لَا يَرْجُوْنَ	نہیں امید رکھتے تھے	فَلَنْ	پس ہرگز نہیں
فِيْهَا	اس میں	حِسَابًا	کسی حساب کی	نَّزِيْدَكُمْ	بڑھائیں گے ہم تمہارا
بَرْدًا	ٹھنڈک	وَّكَذَّبُوْا	اور جھٹلایا انھوں نے	اِلَّا	مگر
وَّلَا شَرَابًا	اور نہ کوئی اور مشروب	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو	عَذَابًا	عذاب

منکرینِ قیامت کو سزا کب ملے گی؟ اور کیا ملے گی؟

بلاشبہ فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے ــــ یعنی قیامت کے دن ان کو سزا ملے گی، اور اس کا وقت اللہ کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے ــــ جس دن صور پھونکا جائے گا، پس تم گروہ گروہ ہو کر حاضر ہوؤ گے ــــ لوگوں کی الگ الگ جماعتیں اور ٹولیاں بنیں گی، اور تقسیم عقائد واعمال کے اعتبار سے ہوگی ــــ اور آسمان کھول دیا جائے گا، پس وہ دروازے دروازے ہو جائے گا ــــ یعنی قیامت کے دن آسمان بہت کھول دیا جائے گا، کیونکہ دروازے تو آسمان میں اب بھی ہیں، مگر قیامت کے دن فرشتوں اور عرشِ الٰہی کے نزول کے لئے کشادہ دروازے کھولے جائیں گے ــــ اور پہاڑ چلائے جائیں گے پس وہ چمکتی ریت ہو جائیں گے ــــ یعنی گرد وغبار میں تبدیل ہو جائیں گے ــــ بلاشبہ دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے ــــ وہاں فرشتے دوزخیوں کی تاک میں ہیں، وہ ــــ سرکشوں کا ٹھکانا ہے، وہ اس میں قرنہا قرن رہیں گے ــــ تاابد رہیں گے ــــ وہ اس میں نہ کوئی ٹھنڈی چیز چکھیں گے اور نہ اور کوئی مشروب، سوائے کھولتے پانی اور بہتی پیپ کے! (چکھو) پورا بدلہ ــــ یقیناً وہ لوگ حساب کتاب کی امید نہیں رکھتے تھے ــــ یاڈرتے نہیں تھے ــــ اور ہماری باتوں کو خوب جھٹلاتے تھے ــــ اس لئے ان کی یہی سزا ہے ــــ اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر ضبط کر رکھا ہے ــــ کراماً کاتبین لکھ رہے ہیں، زمین ریکارڈ کر رہی ہے اور اوپر بڑے بڑے ستارے (کیمرے) لگے ہوئے ہیں، وہ ریکارڈ کر رہے ہیں، اور اللہ کے علم محیط میں تو سب کچھ ہے ــــ پس چکھو مزہ! ہم تمہاری سزا ہی بڑھائیں گے

(۱) للطاغین: مآبا سے متعلق ہے، اور وہ کانت کی دوسری خبر ہے۔ (۲) جزاء: ذوقوا: مقدر کا مفعول بہ ہے۔

—— عذاب میں تخفیف کا کوئی سوال نہیں!

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ﴿٣٥﴾ جَزَاءً مِنْ رَبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ﴿٣٩﴾ إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ﴿٤٠﴾

ع ۲

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ	بیشک پرہیز گاروں کیلئے	جَزَاءً (۳)	بدلہ	يَوْمَ	جس دن
مَفَازًا	کامیابی ہے	مِنْ رَبِّكَ	تیرے رب کی طرف سے	يَقُومُ	کھڑے ہونگے
حَدَائِقَ (۱)	باغات	عَطَاءً (۴)	عطیہ	الرُّوحُ (۷)	ذی حیات
وَأَعْنَابًا	اور انگور	حِسَابًا (۵)	کافی	وَالْمَلَائِكَةُ	اور فرشتے
وَكَوَاعِبَ	اور دوشیزائیں	رَبِّ السَّمَاوَاتِ	آسمانوں کے رب	صَفًّا	قطار باندھ کر
أَتْرَابًا	ہم عمر	وَالْأَرْضِ	اور زمین کے	لَا يَتَكَلَّمُونَ	نہیں بولے گا (کوئی)
وَكَأْسًا	اور جام	وَمَا بَيْنَهُمَا	اور دونوں کی درمیانی	إِلَّا مَنْ	مگر جسے
دِهَاقًا	لبالب بھرے ہوئے		چیزوں کے	أَذِنَ لَهُ	اجازت دیں
لَا يَسْمَعُونَ	نہیں سنیں گے وہ	الرَّحْمَٰنِ (۶)	نہایت مہربان اللہ	الرَّحْمَٰنُ	نہایت مہربان اللہ
فِيهَا	اس میں	لَا يَمْلِكُونَ	نہیں مالک ہونگے وہ	وَقَالَ	اور کہے گا
لَغْوًا	بک بک	مِنْهُ	اس سے	صَوَابًا	درست بات
وَلَا كِذَّابًا (۲)	اور نہ جھٹلانا	خِطَابًا	گفتگو کرنے کے	ذَٰلِكَ الْيَوْمُ	یہ دن

(۱) حدائق: مغازا سے بدل یا عطف بیان ہے (۲) کِذّاب: مصدر: جھٹلانا۔ (۳) جزاء: فعل محذوف کا مفعول، أی جزاھُم اللہ جزاءً (۴) عطاء: جزاء سے بدل (۵) حسابا: أی کافیًا کہتے ہیں: أعطانی فأحسبنی: اس نے مجھے دیا پس میں نے کہا: میرے لئے کافی ہوگیا۔ (۶) الرحمن: رب سے بدل ہے (۷) الروح کا ترجمہ حضرت تھانویؒ نے 'تمام ذی ارواح' کیا ہے، پس یہاں جبرئیل علیہ السلام مراد نہیں

الْحَقُّ	برحق ہے	عَذَابًا	عذاب سے	يَدٰهُ	اس کے دونوں ہاتھوں نے
فَمَنْ شَآءَ	پس جو چاہے	قَرِيْبًا	نزدیک آنے والے	وَيَقُوْلُ	اور کہے گا
اتَّخَذَ	بنائے	يَّوْمَ	جس دن	الْكٰفِرُ	کافر
اِلٰى رَبِّهٖ	اپنے رب کی طرف	يَنْظُرُ	دیکھے گا	يٰلَيْتَنِيْ	اے کاش
مَاٰبًا	ٹھکانا	الْمَرْءُ	انسان	كُنْتُ	ہوتا میں
اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ	بیشک ہم نے ڈرایا تم کو	مَا قَدَّمَتْ	جو کچھ آگے بھیجا	تُرٰبًا	مٹی!

پرہیز گاروں کا بہترین انجام

منکرین قیامت کی سزا کے بعد نیک بندوں کا انجام بیان فرماتے ہیں: ـــــ بلاشبہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے کامیابی ہے ـــــ یعنی کھجور کے ـــــ باغات اور انگور اور دوشیزہ ہم عمر عورتیں، اور لبالب بھرے ہوئے جام ہیں ـــــ سورۃ الواقعہ میں ہے: ﴿ اَتْرَابًا ۝ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴾: داہنے والوں کی ہم عمر ـــــ وہ جنت میں بیہودہ بات نہیں سنیں گے نہ جھٹلانا ـــــ جنت میں کوئی جھوٹ نہیں بولے گا اس لئے جھٹلانے کا سوال ہی نہیں ـــــ یہ بدلہ ہے تیرے پروردگار کی طرف سے جو کافی انعام ہے، آسمانوں اور زمین اور درمیانی چیزوں کے نہایت مہربان پروردگار کی طرف سے ـــــ :رب السماوات:من ربك سے بدل ہے ـــــ ان سے کوئی بات نہیں کر سکے گا! ـــــ یعنی باوجود اس قدر لطف ورحمت کے عظمت وجلال ایسا ہوگا کہ کوئی ان کے سامنے لب نہیں ہلا سکے ـــــ جس دن تمام ذی ارواح (جنّ وانس) اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہونگے ـــــ سب باادب ہوشیار ہونگے ـــــ کوئی بولے گا نہیں، مگر جس کو نہایت مہربان اللہ اجازت دیں، اور وہ بات بھی صحیح کہے گا ـــــ یعنی اس دربار میں جو بولے گا اللہ کی اجازت سے بولے گا اور معقول بات ہی کہے گا، یعنی سفارش کرے گا تو مستحق ہی کی کرے گا ـــــ یہی برحق دن ہے ـــــ جس کا آنا قطعی ہے ـــــ پس جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنائے ـــــ یعنی ایمان لائے اور نیک کام کرے۔

آخری بات: اب پھر روئے سخن منکرین کی طرف ہے: ـــــ ہم تم کو ایک نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرا چکے، جس دن ہر شخص ان اعمال کو دیکھ لے گا جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں، اور کافر کہے گا: کاش میں مٹی ہوتا! ـــــ یعنی انسان نہ بنا ہوتا یا غیر مکلّف مخلوقات کی طرح مٹی بنا دیا جاتا، یا افسوس کرے گا کہ کاش میں خاک ہو جاتا! مگر اصلاح کا وقت گیا اب افسوس کرنے سے کیا ہوگا!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النازعات

یہ سورت مکی دور کے آخر کی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۷۹ ہے، اور سورۃ النبأ کی طرح اس کا موضوع بھی قیامت کا وقوع اور اس کے بعض واقعات کا بیان ہے، شروع میں روحیں وصول کرنے والے فرشتوں کی صفات کی قسم کھائی ہے، اور جوابِ قسم محذوف ہے کہ مُردے ضرور زندہ کئے جائیں گے، اور قیامت آئے گی، اور روحوں کی وصولی کا نظام وقوعِ قیامت کی دلیل کیسے ہے؟ یہ تفصیل طلب ہے:

انسان اس دنیا میں نیا نہیں پیدا ہوتا، تمام انسان تخلیقِ آدم کے وقت پیدا کئے جا چکے ہیں، اس وقت صرف روحیں پیدا کی گئی تھیں، اور ان کو مثالی اجسام دیئے گئے تھے، پھر ان سے ربوبیت کا اقرار لینے کے بعد ان کو عالم ارواح میں خاص ترتیب سے رکھا گیا ہے، یہ بات بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔

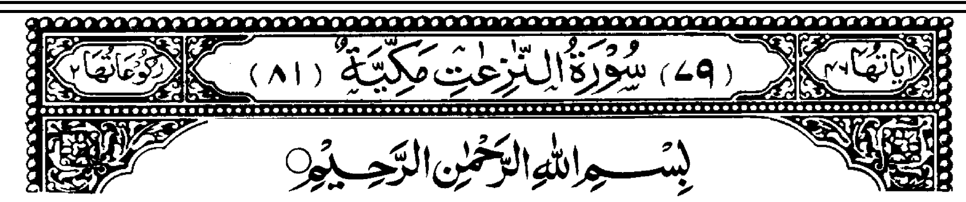
اور انسان درحقیقت روح کا نام ہے، جسم تو آلۂ کار ہے، جیسے عبدالرحمٰن کا ایکسیڈنٹ ہو گیا، دونوں پیر کٹ گئے، پھر بھی عبدالرحمٰن پورا ہے، پھر حادثہ پیش آیا اور دونوں ہاتھ کٹ گئے، اب بھی وہ پورا ہے، معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن روح کا نام ہے جو بحالہ باقی ہے۔

پھر جب کسی روح کے دنیا میں آنے کا وقت آتا ہے تو رحم مادر میں جسم بنتا ہے، پس فرشتہ اس روح کو لا کر جسم میں پھونک دیتا ہے جس کے لئے جسم تیار ہوا ہے، پس جسم زندہ ہو جاتا ہے، پھر چار ماہ بعد وہ دنیا میں پیدا (ظاہر) ہوتا ہے، پھر پلتا بڑھتا ہے، یہاں تک کہ موت کا وقت آجاتا ہے، پس فرشتے آتے ہیں اور روح کو جسم سے نکال کر بارگاہِ خداوندی میں پیش کرتے ہیں، اور بدن مر جاتا ہے، اس کو مٹی کے حوالے کر دیا جاتا ہے، کیونکہ وہ مٹی سے بنا ہے۔

پھر ارواح قیامت تک عالم برزخ میں رہتی ہیں، قیامت کے دن جسم زمین سے دوبارہ بنے گا، اور روح اس میں واپس آئے گی، اور نئی زندگی شروع ہوگی، یہی قیامت ہے جو برحق ہے، اگر قیامت نہیں ہے تو روحوں کی وصولی اور ان کی حفاظت کا یہ نظام کیوں ہے؟ جب روحیں باقی ہیں تو اجسام ان کو دوبارہ ضرور ملیں گے۔

❁ ❁ ❁





وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿١﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿٢﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿٣﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿٤﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿٥﴾

وَالنّٰزِعٰتِ (۱)	روحیں کھینچنے والے	نَشْطًا	سہولت سے	سَبْقًا	دوڑ کر
	فرشتوں کی قسم	وَّالسّٰبِحٰتِ	اور پیرنے والے	فَالْمُدَبِّرٰتِ	پس انتظام کرنے والے
غَرْقًا (۲)	سختی سے	سَبْحًا	تیزی سے	اَمْرًا	معاملہ کی
وَّالنّٰشِطٰتِ (۳)	اور بندش کھولنے والے	فَالسّٰبِقٰتِ	اور آگے بڑھنے والے	۞	۞

روحوں کی وصولی کا نظام دلیل ہے کہ مُردے زندہ ہونگے اور قیامت آئے گی

۱- ان فرشتوں کی قسم جو سختی سے جانیں نکالتے ہیں ــــــ کن کی جانیں سختی سے نکالتے ہیں؟ کافروں کی جانیں سختی سے نکالتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: موت کے فرشتے کافروں کے اجسام سے، ہر بال کے نیچے سے، ناخنوں کے نیچے سے، اور دونوں پیروں کی جڑ سے سختی کے ساتھ روحوں کو کھینچ کر نکالتے ہیں، جیسے آنکڑا (گوشت بھننے کی سیخ) بھیگی ہوئی روئی سے نکالیں، پھر وہ روحوں کو جسم میں لوٹاتے ہیں، پھر کھینچ کر نکالتے ہیں، کافروں کی روحوں کے ساتھ فرشتے ایسا ہی کرتے ہیں (قرطبی) سوچو! اس نکالنے اور ڈالنے میں کتنی تکلیف ہوتی ہوگی؟

۲- اور ان فرشتوں کی قسم جو نرمی سے بندش کھول دیتے ہیں ــــــ روح بدن کے ساتھ مربوط (مضبوط بندھی ہوئی) ہے، فرشتے اس بند کو کھول دیتے ہیں تو روح آسانی سے نکل آتی ہے، آسانی سے روح اس شخص کی نکل سکتی ہے جس کی روح کو آخرت کا شوق ہو، اور جس کو دولتِ ایمان نصیب ہو۔ مشکوٰۃ شریف میں ایک طویل حدیث (نمبر ۱۶۳۰) ہے، نبی ﷺ نے ایک بار حاضرین کو سمجھایا کہ مؤمنوں کی روح کس طرح نکلتی ہے، اور کافروں کی روح کس طرح نکلتی ہے؟ فرمایا: جب کسی مؤمن بندے کا آخری وقت ہوتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آتے ہیں، بہت خوبصورت، چمکتے سورج کی

(۱) النازعة: اسم فاعل مؤنث، تانیث بتاویل طائفہ ہے، نَزَعَ الشیئَ: کھینچ کر نکالنا (۲) غَرْقًا: ڈوب کر یعنی سختی سے، مفعول مطلق ہے (۳) ناشطة: بندش کھولنے والے، نَشَطَ (ن، ض) نَشْطًا: کھولنا۔

طرح، ان کے ساتھ جنت کے کپڑے اور خوشبوئیں ہوتی ہیں، یہ فرشتے آکر مرنے والے سے ذرا دور بیٹھ جاتے ہیں، پھر موت کا فرشتہ آتا ہے، اور وہ کہتا ہے: اے پاک روح! نکل آ! اللہ کی خوشی اور بخشش تجھے حاصل ہوگی، روح یہ سنتے ہی ایسی نرمی اور آسانی سے نکل آتی ہے، جیسے پانی کی مشک سے پانی نکل آتا ہے۔

اور کافر کے پاس بھی فرشتے آتے ہیں، ان کے چہرے بہت کالے ہوتے ہیں، ایسے کہ دیکھ کر ہی دم نکل جائے، ان کے ساتھ موٹا ٹاٹ ہوتا ہے، یہ بھی آکر مرنے والے سے فاصلہ پر بیٹھ جاتے ہیں، اتنے میں موت کا فرشتہ آتا ہے، اور سر پر کھڑے ہو کر بڑی سختی سے کہتا ہے: اے خبیث (گندی) روح! نکل آ! اللہ کے غضب کی طرف چل، یہ سنتے ہی روح باہر نکلنے کے بجائے بدن کے ہر حصہ سے چمٹ جاتی ہے، موت کا فرشتہ اس کو زبردستی نکالتا ہے، جیسے بھیگی ہوئی روئی سے ٹیڑھے پھل والا آنکڑا نکالا جاتا ہے۔

۳- اور ان فرشتوں کی قسم جو تیزی سے تیرتے ہوئے جاتے ہیں ــــ ملک الموت روح نکال کر ان فرشتوں کو دیتے ہیں جو فاصلہ سے بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں، وہ مؤمن کی روح کو ریشم کے خوشبودار کپڑے میں لپیٹ کر اور کافر کی روح کو بدبودار ٹاٹ میں لپیٹ سپیٹ کر لے کر فضا میں تیزی سے چڑھتے ہیں، جیسے پانی میں تیر رہے ہوں!

۴- پھر ان فرشتوں کی قسم جو دوڑ کر آگے بڑھنے والے ہیں! ــــ مؤمن کی روح کے بارے میں فرشتوں میں مسابقت ہوتی ہے، ہر فرشتہ چاہتا ہے کہ وہ اس روح کو پہلے بارگاہِ خداوندی میں پیش کرے، اس لئے وہ دوڑتے ہیں، پس یہ آدھا مضمون ہے، اس کا تعلق مؤمن کی روح سے ہے۔

۵- پھر حکم الٰہی کی تعمیل کرنے والے فرشتوں کی قسم! ــــ یعنی بارگاہِ خداوندی سے مؤمن کی روح کے بارے میں جو حکم ملتا ہے: فرشتے اس کی تعمیل کرتے ہیں، اور اس کو اس کے انجام سے ہمکنار کرتے ہیں، پس یہ بھی آدھا مضمون ہے، کافر کی روح کا ذکر نہیں کیا، بھلا وہ بھی کوئی قابل ذکر ہے؟

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝٦ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝٧ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۝٨ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝٩ يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ۝١٠ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخِرَةً ۝١١ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝١٢ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ۝١٣ فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝١٤

يَوْمَ	جس دن	تَرْجُفُ (۱)	زور سے ہلے گی	الرَّاجِفَةُ	زور سے ہلنے والی چیز

(۱) رَجَفَ (ن) رجفًا: زور سے ہلنا، مراد صور ہے، جب وہ پھونکی جائے گی تو خود بھی زور سے ہل جائے گی اور دوسری چیزیں بھی لرز جائیں گی۔

تَتْبَعُهَا	اس کے پیچھے آئے گی	ءَاِنَّا	کیا بے شک ہم	كَرَّةٌ	لوٹنا
الرَّادِفَةُ	پیچھے آنے والی چیز	لَمَرْدُوْدُوْنَ	البتہ لوٹائے گئے ہیں	خَاسِرَةٌ	گھاٹے کا ہے!
قُلُوْبٌ	دل	فِي الْحَافِرَةِ [1]	پچھلی روش میں	فَاِنَّمَا	پس اس کے سوانہیں کہ
يَّوْمَئِذٍ	اس دن	ءَاِذَا كُنَّا	کیا جب ہوگئے ہم	هِيَ	وہ
وَّاجِفَةٌ	دھڑکتے ہونگے	عِظَامًا	ہڈیاں	زَجْرَةٌ	جھڑکی ہے
اَبْصَارُهَا	ان کی آنکھیں	نَّخِرَةً [2]	بوسیدہ؟	وَّاحِدَةٌ	ایک
خَاشِعَةٌ	جھکی ہوئی ہونگی	قَالُوْا	کہا انھوں نے	فَاِذَا هُمْ	پس اچانک وہ
يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہونگے	تِلْكَ اِذًا	تب تو وہ	بِالسَّاهِرَةِ [3]	میدان میں ہونگے

مُردے کب زندہ ہونگے؟ اور قیامت کب آئے گی؟

جس دن لرزنے والی چیز خوب لرز جائے گی! ـــــ یعنی خوب زور سے پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا، جس سے زمین میں زلزلہ پڑے گا، ہر چیز ہل جائے گی اور تمام مخلوقات بے ہوش ہوکر ختم ہوجائے گی ـــــ پھر اس کے پیچھے آئے گی ایک پیچھے آنے والی چیز! ـــــ یعنی نفخۂ اولیٰ سے چالیس سال بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا، اس کے بعد بارش ہوگی، اس کا اثر یہ ہوگا کہ انسانوں کے اجسام اس طرح زمین سے اُگیں گے جس طرح سبزہ اُگا کرتا ہے، اس کے بعد ارواح عالم برزخ سے آکر اپنے ابدان میں داخل ہونگی، اور حشر کا معاملہ شروع ہوگا۔

اس دن دل کانپ رہے ہونگے، اور آنکھیں جھکی ہوئی ہونگی ـــــ گھبراہٹ ایسی کہ خدا کی پناہ! ذلت ایسی کہ نگاہیں اٹھاتے بن نہ پڑے! ـــــ پوچھیں گے: کیا ہم پہلی روش میں لوٹائے ہوئے ہیں؟ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہوگئے؟ تب تو یہ گھاٹے کا لوٹنا ہے ـــــ یعنی جیسے آدمی نیند سے ہڑبڑا کر اٹھتا ہے اور حواس باختہ ہوتا ہے، اہل محشر بھی قیامت کے دن جب دوبارہ زندہ ہونگے تو حواس باختہ ہونگے، وہ حیرت سے ایک دوسرے سے پوچھیں گے: کیا ہم جس راستہ سے آئے تھے اسی پر لوٹا دیئے گئے؟ ہم تو مرکر گل سڑ کر مٹی اور ہڈیاں ہوگئے تھے؟ اس کے باوجود کیا پھر زندہ ہوگئے؟ پھر جب انہیں ہوش آئے گا، اور یقین آئے گا کہ یہ پہلی ہی زندگی ہے تو کفِ افسوس ملیں گے، اور کہیں گے: یہ گھاٹے کا سودا رہا!

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ وہ بس ایک جھڑکی ہے ـــــ مراد دوسری مرتبہ صور پھونکنا ہے ـــــ جس سے

(۱) حَفَرَ الطريقَ: راستہ میں چلنے کا نشان ڈالنا، الحافرۃ: پہلا راستہ، پہلی حالت (۲) نَخِرَ الشيئُ: پرانا اور بوسیدہ ہوجانا (۳) سَهِرَ (س): ساری رات جاگنا، الساهرۃ: میدان جس میں گھاس تیزی سے اگتی ہو، یہ اس کا جاگنا ہے۔

وہ میدانِ حشر میں آموجود ہونگے!ـــــ اس طرح قیامت کا دن شروع ہوجائے گا۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۱۵ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۶ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝۱۷ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝۱۸ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝۱۹ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝۲۰ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝۲۱ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝۲۲ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝۲۳ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝۲۴ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝۲۵ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۲۶ ع

هَلْ اَتٰىكَ (۱)	کیا پہنچا ہے تجھے	اِلٰٓى اَنْ	یہ بات کہ	فَنَادٰى	اور زور کی تقریر کی
حَدِيْثُ مُوْسٰى	موسیٰ کا واقعہ	تَزَكّٰى	سنور جائے تو	فَقَالَ	پس کہا:
اِذْ نَادٰىهُ	جب پکارا اس کو	وَاَهْدِيَكَ	اور راہ دکھاؤں میں تجھے	اَنَا رَبُّكُمُ	میں ہی تمہارا رب ہوں
رَبُّهٗ	اس کے رب نے	اِلٰى رَبِّكَ	تیرے رب کی	الْاَعْلٰى	سب سے بڑا
بِالْوَادِ	میدان میں	فَتَخْشٰى	پس ڈرے تو	فَاَخَذَهُ	پس پکڑا اس کو
الْمُقَدَّسِ	پاک	فَاَرٰىهُ	پس انھوں نے اسکو دکھائیں	اللّٰهُ	اللہ نے
طُوًى	طوی نامی	الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى (۲)	بڑی نشانیاں	نَكَالَ (۴)	سزا میں
اِذْهَبْ	جایئے	فَكَذَّبَ	پس اس نے جھٹلایا	الْاٰخِرَةِ	آخرت کی
اِلٰى فِرْعَوْنَ	فرعون کے پاس	وَعَصٰى	اور نافرمانی کی	وَالْاُوْلٰى	اور دنیا کی
اِنَّهٗ طَغٰى	بیشک اس نے سرکشی کی ہے	ثُمَّ اَدْبَرَ	پھر پیٹھ پھیری	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بے شک اس میں
فَقُلْ	پس کہیں آپ	يَسْعٰى (۳)	درانحالیکہ کوشش کررہا ہے	لَعِبْرَةً	البتہ عبرت ہے
هَلْ لَّكَ	کیا تو چاہتا ہے	فَحَشَرَ	پس (لوگوں کو) جمع کیا	لِّمَنْ يَّخْشٰى	اس کے لئے جو ڈرے

قریش کی عبرت کے لئے فرعون کی تباہی کا واقعہ

بارہ سال گذر گئے، قریش نبی ﷺ کی بات نہیں مان رہے، نہ ایک اللہ کو معبود مانتے ہیں نہ آخرت کو قبول کرتے ہیں، اب ان کو فرعون کا واقعہ سنایا جارہا ہے، اس نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی بات نہیں مانی تھی، اور اپنی سرکشی سے باز نہیں آیا

(۱) مخاطب عام ہے مراد مشرکین مکہ ہیں، نبی ﷺ مراد نہیں۔ (۲) بہ ارادۂ جنس مجموعہ عصا وید مراد ہیں (بیان القرآن) (۳) جملہ یسعی: أدبر کے فاعل سے حال ہے (۴) نکال: اسم مصدر: عبرت ناک سزا۔

تھا، تو دنیا میں بھی عذاب اس کو پہنچا اور آخرت میں بھی عذاب سے ہم کنار ہوگا، اس میں قریش کے لئے عبرت (سبق) ہے، اگر وہ بھی اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو ان کو بھی دنیا کی سزا میں پکڑا جا سکتا ہے۔

آیاتِ پاک: —— (اے مخاطب!) کیا تجھے موسیٰ کا قصہ پہنچا ہے؟ جب ان کو آواز دی ان کے رب نے طُوی نامی پاک میدان میں —— موسیٰ علیہ السلام مدین سے فیملی کے ساتھ آبائی وطن کنعان (فلسطین) کے لئے چلے، راستہ بھول کر وادی سینا میں پہنچ گئے، وہاں انھوں نے ایک ٹھنڈی رات میں ایک پہاڑ پر آگ دیکھی، جب وہ آگ لینے وہاں پہنچے تو ابھی فاصلہ پر تھے کہ اس درخت سے آواز آئی جو جل رہا تھا، وہ آگ نہیں تھی تجلی تھی —— آپ فرعون کے پاس جایئے، اس نے سرکشی کی ہے، پس اس سے کہیے: کیا تیری خواہش ہے کہ تو سنور جائے، اور میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں پس تو اس سے ڈرے؟ پس موسیٰ نے ان کو بڑی نشانیاں —— عصا اور ید بیضا —— دکھائیں، پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی، پھر پیٹھ پھیری درانحالیکہ وہ کوشش کر رہا ہے —— موسیٰ علیہ السلام کی کاٹ کرنے جا رہا ہے —— پس لوگوں کو جمع کیا، اور بہ آواز بلند تقریر کی کہ میں ہی تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں!

پس اللہ نے اس کو آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑا —— آخرت کا عذاب یقینی اور سخت ہے، اس لئے اس کو مقدم کیا —— بے شک اس میں یقیناً سبق ہے، اس کے لئے جو اللہ سے ڈرے!

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَاۗءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾

ءَاَنْتُمْ	کیا تم	سَمْكَهَا	اس کی اَوج (ارتفاع)	وَالْاَرْضَ	اور زمین کو
اَشَدُّ	زیادہ سخت ہو	فَسَوّٰىهَا	پس ٹھیک بنایا اس کو	بَعْدَ ذٰلِكَ	اس کے بعد
خَلْقًا	پیدا کرنے کے اعتبار سے	وَاَغْطَشَ	اور تاریک بنایا	دَحٰىهَا	پھیلایا
اَمِ السَّمَآءُ	یا آسمان؟	لَيْلَهَا	اس کی رات کو	اَخْرَجَ	نکالا
بَنٰىهَا(۱)	اللہ نے اس کو بنایا	وَاَخْرَجَ	اور نکالا (روشن بنایا)	مِنْهَا	زمین سے
رَفَعَ	بلند کی	ضُحٰىهَا	اس کی چاشت کو	مَاۗءَهَا	اس کے پانی کو

(۱) بناها: ضمیر کا مرجع سماء ہے، وہ مؤنث سماعی ہے، بعد کی ضمیریں بھی اسی کی طرف راجع ہیں۔

وَمَرْعٰىهَا	اور اس کے چارے کو	اَرْسٰىهَا	اس پر مضبوطی سے قائم کیا	لَكُمْ	تمہارے
وَالْجِبَالَ	اور پہاڑوں کو	مَتَاعًا	برتنے کے لئے	وَلِاَنْعَامِكُمْ	اور تمہارے چوپایوں کے

اللہ نے آسمان وزمین اوران کے درمیان کی چیزیں پیدا کیں
پس کیا وہ انسانوں کو دوبارہ پیدا نہیں کرسکتا؟

کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا؟ ـــــ یہ کافروں سے سوال ہے، اس کا ایک ہی جواب ہے کہ آسمان کا پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے، کیونکہ وہ انسان سے کہیں زیادہ بڑا ہے، پھر تم دوبارہ پیدا کئے جانے کو ناممکن کیوں سمجھتے ہو؟ ـــــ اللہ نے آسمان کو بنایا، پھر اس کی اُوج (ارتفاع) کو اونچا کیا ـــــ آسمان چاروں طرف سے زمین کو چھوتا ہوا نظر آتا ہے، مگر سر پر بہت اونچا ہے، یہ اس کی اُوج (ارتفاع) ہے، اس کی اونچائی کو دیکھو سائنس دان اس کی اونچائی کا اندازہ کرتے کرتے تھک گئے اور آسمان ہی کا انکار کر بیٹھے، کہہ دیا: یہ نیلگوں رنگ نظر کا منتہا ہے! ـــــ پس اس کو درست بنایا ـــــ نظر اٹھا کر دیکھو! کہیں اونچ نیچ، درز اور شگاف نظر نہیں آئے گا، ایک صاف، ہموار، مربوط اور متصل چیز نظر آئے گی، جس میں زمانۂ دراز گذرنے کے باوجود کوئی فرق نہیں پڑا ـــــ اور اس کی رات کو تاریک بنایا، اور اس کے دن کے شروع حصہ کو روشن بنایا ـــــ یعنی آسمان بنا کر اس کے نیچے نظام شمسی چلایا، اس کی گردش سے شب وروز پیدا ہوئے، رات تاریک اور دن روشن ہوا، جس کا انسان کی مصلحت سے گہرا تعلق ہے، ہر شخص اس سے بخوبی واقف ہے۔

اور زمین کو اس کے بعد پھیلایا ـــــ زمین کی ہیئتِ کذائی تو آسمانوں سے پہلے بنائی ہے، مگر اس کی موجودہ صورت بعد میں بنی ہے ـــــ اس سے اس کا پانی اور چارا نکالا، اور پہاڑوں کو اس پر جمایا ـــــ یہ زمین کو پھیلانے کی شرح ہے ـــــ تمہارے اور تمہارے مویشی کے فائدہ کے لئے ـــــ یعنی یہ سب کچھ انسان کے لئے اور اس کے جانوروں کے لئے ہے، اللہ پاک نے انسان کے لئے کیا کیا سامان کیا ہے! ہر چیز میں اس کی ضرورت کا خیال رکھا ہے، اب اگر انسان اللہ کا ہو کر نہ رہے اور اس کی اور اس کے رسول کی باتیں نہ مانے تو اس سے بڑا ناہنجار (بے راہ) کون؟

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَنْ يَرٰى ﴿۳۶﴾ فَأَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَآثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوٰى ﴿۳۹﴾ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى ﴿۴۱﴾

فَإِذَا جَآءَتِ	پس جب آئے گی	لِمَنْ يَّرٰى	اس کے لئے جو دیکھے گا	خَافَ	ڈرا
الطَّآمَّةُ (۱)	چھاجانے والی چیز	فَاَمَّا مَنْ	پس رہا وہ جس نے	مَقَامَ رَبِّهٖ	اپنے رب کے سامنے
الْكُبْرٰى	بہت بڑی	طَغٰى	سرکشی کی		کھڑے ہونے سے
يَوْمَ يَتَذَكَّرُ	جس دن یاد کرے گا	وَاٰثَرَ	اور ترجیح دی	وَنَهَى	اور روکا
الْاِنْسَانُ	انسان	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی کو	النَّفْسَ	نفس کو
مَا سَعٰى	جو اس نے عمل کیا	فَاِنَّ الْجَحِيْمَ	پس بے شک دوزخ	عَنِ الْهَوٰى	خواہش سے
وَبُرِّزَتِ	اور ظاہر کی جائے گی	هِيَ الْمَاْوٰى	ہی ٹھکانا ہے	فَاِنَّ الْجَنَّةَ	پس بے شک جنت
الْجَحِيْمُ	دوزخ	وَاَمَّا مَنْ	اور رہا وہ جو	هِيَ الْمَاْوٰى	ہی ٹھکانا ہے

قیامت کے دن دوزخ کا فیصلہ ہوگا یا جنت کا

پہلے چند باتیں ذہن نشین کرلیں:

۱- جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو کائناتِ ارضی تہس نہس ہوجائے گی، سورۃ الرحمٰن میں ہے: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾: زمین پر جو کچھ ہے سب ختم ہوجائے گا، اسی کو ﴿الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى﴾ کہا ہے۔

۲- انسان کے اعمال ہر طرف ریکارڈ ہورہے ہیں، زمین ریکارڈ کررہی ہے، قیامت کو وہ جگہیں گواہی دیں گی جہاں انسان نے اچھا برا عمل کیا ہے، کراماً کاتبین ریکارڈ تیار کررہے ہیں، اسی طرح انسان کا نفس ریکارڈ کررہا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ ایسا سمجھنا صحیح نہیں کہ انسان کے اعمال وجود میں آکر ختم ہوجاتے ہیں، بلکہ نفس کے دامن کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں (ایک وقت تک یاد رہتے ہیں، پھر ان پر بھول کا پردہ پڑجاتا ہے)

۳- اس دنیا میں 'بھول' ایک نعمت ہے، اسی کی وجہ سے انسان پنپتا ہے، بڑا نقصان ہوجاتا ہے، آدمی بلبلا جاتا ہے، پھر چند دن کے بعد صدمہ بھول جاتا ہے اور زندگی نارمل ہوجاتی ہے، قیامت کے دن بھول کی نعمت کی ضرورت نہیں رہے گی، اس لئے جب دوبارہ زندہ ہوگا سب کرا کرایا یاد آجائے گا۔

۴- دنیا اور آخرت ساتھ ساتھ چل رہے ہیں، درمیان میں گاڑھا پردہ ہے، عالم برزخ میں یہ پردہ مہین ہوجاتا ہے،

---

(۱) الطَّامَّة: قیامت کا نام، سب سے بڑی مصیبت جو ہر چیز کو محیط ہوجائے، طَمَّ الشیئُ: کسی چیز کا زیادہ ہوکر پھیلنا اور زبردست ہوجانا۔

اس لئے وہاں آخرت کے احکام جھلکتے ہیں، قیامت کے دن یہ پردہ برائے نام رہ جائے گا، اس لئے میدانِ حشر سے جنت وجہنم نظر آئیں گے۔

قیامت کے دن فیصلے:

جس نے اس دنیا میں دو کام کئے ہیں اس کے لئے جہنم کا فیصلہ ہوگا:

۱- اللہ کے احکام سے سرکشی کی ہے، جیسے بیل جُوے کے نیچے سے سر کھینچ لیتا ہے، بندے نے بھی کرنے کے کام نہیں کئے، اور نہ کرنے کے کام کئے ہیں۔

۲- دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہے، دنیا کے لئے مرتا رہا اور آخرت کو بھولا رہا۔

اور جس نے دوسرے دو کام کئے ہیں اس کے لئے جنت کا فیصلہ ہوگا:

۱- اللہ کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتا رہا، جب بھی کوئی کام کرتا تو سوچتا کہ ایک دن مجھے اللہ کو حساب دینا ہے، اس لئے اللہ کی پسند والے کام کرتا، اور ناپسندیدہ کاموں سے بچتا۔

۲- ہمیشہ نفس امارہ کو لگام دیئے رہا، اس کی بات نہ سنتا اور گناہ سے بچا رہتا۔

آیاتِ کریمہ: ــــ پس جب ہر چیز پر چھا جانے والی بڑی آفت آئے گی ــــ یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔ اور ہر چیز ختم ہو جائے گی، پھر چالیس سال کے بعد دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا اور انسان دوبارہ زندہ ہونگے ــــ اس دن انسان کو اپنا کرا کرایا یاد آ جائے گا ــــ کیونکہ اعمال اس کے نفس میں ریکارڈ ہیں، اور بھول کا پردہ ہٹ گیا، اس لئے سب کچھ یاد آ جائے گا، علاوہ ازیں: نامۂ اعمال بھی اڑائے جائیں گے، ان کو پڑھ کر بھی آدمی فیصلہ کرے گا کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہے؟ ــــ اور دوزخ دیکھنے والوں کے لئے ظاہر کی جائے گی ــــ اسی طرح پرہیزگاروں کے لئے جنت بھی قریب کی جائے گی [الشعراء آیت ۹۰]

پس جس نے سرکشی کی، اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی: پس اس کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے! اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا، اور نفس کو خواہش سے روکا، پس اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے!

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾

ع ۲

يَسْـَٔلُوْنَكَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں	عَنِ السَّاعَةِ	قیامت کے بارے میں	اَيَّانَ	کب ہے

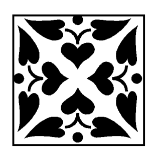
مُرْسٰهَا	اس کا لنگر ڈالنا	اِنَّمَآ	اس کے سوا نہیں کہ	يَوْمَ	جس دن
فِيْمَ اَنْتَ	کس چیز میں آپ ہیں	اَنْتَ	آپ	يَرَوْنَهَا	دیکھیں گے اس کو
مِنْ ذِكْرٰىهَا	اس کے بیان کرنے سے	مُنْذِرُ	ڈرانے والے ہیں	لَمْ يَلْبَثُوْٓا	نہیں ٹھہرے ہونگے وہ
اِلٰى رَبِّكَ	تیرے پروردگار کی طرف	مَنْ يَّخْشٰهَا	اس کو جو اس سے ڈرے	اِلَّا عَشِيَّةً	مگر ایک شام
مُنْتَهٰهَا	اس کا آخری سرا ہے	كَاَنَّهُمْ	گویا وہ لوگ	اَوْ ضُحٰهَا	یا اس کی ایک چاشت

سوال کہ قیامت کب آئے گی؟

سمجھا کر تھک گئے مگر مرغ کی ایک ہی ٹانگ رہی! رؤسائے مشرکین بطور استہزاء پوچھتے تھے: قیامت کی کشتی کب لنگر انداز ہورہی ہے؟ گویا وہ کشتی سے سامان اتارنے کے لئے بے تاب ہیں! ان کو ماننا تو تھا نہیں، بات میں فیہ نکالنی تھی، ان کو جواب دیا جارہا ہے: یہ کام ہمارے رسول کی حدود سے باہر ہے، اس کا علم صرف اللہ کو ہے، وہی اس کا وقت جانتے ہیں، نبی کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ اس آدمی کو آگاہ کرے جس کو آگاہی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے، جس کا دل قیامت کی حقیقت کو محسوس کرتا ہے اور وہ اس سے ڈرتا ہے۔

البتہ یہ جان لو کہ دنیا کی زندگی کے لحاظ سے آخرت کی زندگی کیسی ہوگی؟ دنیا کی زندگی قیامت کے دن کے سامنے ذراسی معلوم ہوگی، بڑی سے بڑی عمر کے واقعات لمحہ بھر کے محسوس ہونگے، کفار کو ایسا لگے گا جیسے وہ دنیا میں ایک شام یا ایک صبح رہے ہیں!

آیاتِ پاک: —— لوگ آپؐ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کب وہ لنگر انداز ہورہی ہے؟ سو اس کو بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق! آپؐ کے رب ہی کی طرف اس کا آخری سرا ہے! آپؐ تو صرف اس شخص کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے، جس روز وہ اس کو دیکھیں گے تو ان کو ایسا محسوس ہوگا جیسے وہ صرف دن کا آخری حصہ یا شروع کا حصہ دنیا میں ٹھہرے ہیں!



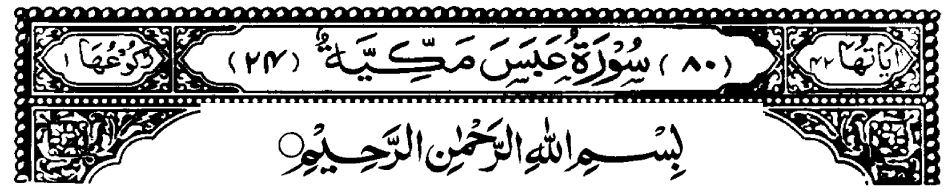
(۱) ضحاها: کی ضمیر عشیة کی طرف راجع ہے، باقی ضمائر الساعة کی طرف لوٹتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ عبس

یہ بھی مکی سورت ہے، اور النازعات سے متصل نازل ہوئی ہے، اب دور تک سورتیں مسلسل نازل ہوئی ہیں، ان کے نزول کے نمبرات بالترتیب ہیں، اس سورت کا موضوع بھی قیامت کے واقعات ہیں، اس کے آغاز میں اور گذشتہ سورت کے اختتام میں مناسبت ہے، گذشتہ سورت کے آخر میں رؤسائے مکہ کا ایک سوال تھا کہ قیامت کی کشتی کب لنگر انداز ہورہی ہے؟ یہ سوال ناچنا نہیں آنگن ٹیڑھا کے طور پر تھا، نبی ﷺ ان سرداروں کی بہت زیادہ دلداری کرتے تھے، اس خیال سے کہ سربرآوردہ لوگ ایمان لے آئیں گے تو دوسروں کے لئے ایمان کی راہ کھل جائے گی، اس سلسلہ میں ایک واقعہ پیش آیا، آپ ﷺ چند رؤساء کے ساتھ بیٹھے تھے، ان کو قرآن سنارہے تھے اور دین کی دعوت دے رہے تھے کہ اچانک ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آگئے، اور انھوں نے بےخبری میں دخل در معقولات کیا، انھوں نے کوئی آیت پوچھی، آپؐ کو ان کی یہ خلل اندازی ناگوار ہوئی، اور آپؐ ان رؤساء کی طرف متوجہ رہے، اس پر اس سورت کے شروع میں ناگواری کا اظہار ہے۔

ان آیات میں آپؐ کی ایک اجتہادی چوک سے آپؐ کو مطلع کیا گیا ہے، آپؐ نے اہم کو مقدم فرمایا، کفر کی شناعت بہر حال اہم تھی، جیسے دو مریض ہوں: ہیضہ اور زکام کے، تو مقدم ہیضے والے کو رکھا جاتا ہے، ڈاکٹر پہلے اس کو دیکھتا ہے، مگر ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ زکام کا مریض طالب علاج ہے، اور ہیضہ کا مریض مُعرض، پس طالب کا پہلا حق ہے، یہاں شانِ نزول کے واقعہ میں یہی صورت تھی۔



عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ③ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ④ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ⑤ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ⑥ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ⑦ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ⑧ وَهُوَ يَخْشٰى ⑨ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ⑩ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ⑪ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ⑫ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⑬

مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِىْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾

عَبَسَ	چہرہ بگاڑا	فَاَنْتَ لَهٗ	پس آپؐ اس کے	اِنَّهَا (۴)	بے شک قرآن
وَتَوَلّٰٓى	اور منہ پھیرا	تَصَدّٰى (۲)	درپے ہیں	تَذْكِرَةٌ	ایک نصیحت ہے
اَنْ (۱)	اس وجہ سے کہ	وَمَا عَلَيْكَ	اور نہیں آپؐ پر	فَمَنْ شَآءَ	پس جو چاہے
جَآءَهُ	ان کے پاس آیا	اَلَّا يَزَّكّٰى (۳)	کہ نہ سنورے وہ	ذَكَرَهٗ	اس سے نصیحت پذیر ہو
الْاَعْمٰى	ایک نابینا	وَاَمَّا مَنْ	اور رہا وہ شخص جو	فِىْ صُحُفٍ	(وہ) صحیفوں میں ہے
وَمَا يُدْرِيْكَ	اور آپؐ کو کیا پتہ	جَآءَكَ	آیا آپؐ کے پاس	مُّكَرَّمَةٍ	معزز
لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ	شاید وہ سنور جائے	يَسْعٰى	لپکتا ہوا	مَّرْفُوْعَةٍ	بلند مرتبہ
اَوْ يَذَّكَّرُ	یا نصیحت پذیر ہو	وَهُوَ	اور وہ	مُّطَهَّرَةٍ	پاکیزہ
فَتَنْفَعَهُ	پس کام آئے اس کے	يَخْشٰى	ڈرتا ہے (مؤمن ہے)	بِاَيْدِىْ	ہاتھوں میں
الذِّكْرٰى	نصیحت پذیری	فَاَنْتَ عَنْهُ	پس آپؐ اس سے	سَفَرَةٍ	لکھنے والوں کے
اَمَّا مَنِ	رہا وہ شخص جو	تَلَهّٰى	غفلت برت رہے ہیں	كِرَامٍۭ	معزز
اسْتَغْنٰى	بے نیاز ہوا	كَلَّآ	ہرگز ایسا نہ کریں	بَرَرَةٍ	نیک لوگ

احتمالی نفع اگرچہ بڑا ہو اس کی وجہ سے یقینی نفع کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اگرچہ وہ تھوڑا ہو

رؤسائے مکہ ایمان لاتے تو مکہ والوں کے لئے ایمان کا دروازہ کھل جاتا، یہ بہت بڑا نفع تھا، مگر مظنون تھا، اور ایک ایماندار بندے کو دین سکھایا جائے تو وہ بالفعل یا بالقوۃ عمل کرے گا، یعنی فوری عمل کرے گا یا امید ہے کہ عمل کرے، پس یہ یقینی نفع ہے، اگرچہ تھوڑا ہے، پس اول کی خاطر نبی ﷺ نے ثانی کو جو نظر انداز کیا وہ ٹھیک نہیں کیا، مرنے دیتے ان رؤساء کو! وہ نہ سنورتے تو آپؐ کا کیا نقصان ہوتا؟ وہ خود ہی پہلو تہی کر رہے ہیں، پس ان کے ایمان کی امید تو درجۂ صفر میں ہے، اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ لپک کر آئے ہیں اور وہ ایماندار بھی ہیں، اس لئے ان سے تغافل برتنا ٹھیک نہیں!

آیاتِ پاک: —— وہ چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ موڑا —— عبس اور تولی: دونوں غائب کے صیغے ہیں، غائب

(۱) أن: سے پہلے لام اجلیہ محذوف ہے (۲) تَصَدّٰى للأمر: درپے ہونا (۳) ألَّا: میں أن تفسیر یہ ہے (۴) إنها: ضمیر کا مرجع قرآن ہے، بتاویل صُحُف، اللہ، رسول اور قرآن کی طرف ضمیر لوٹانے کے لئے مرجع کا ذکر ضروری نہیں، یہ مراجع قاری کے ذہن میں رہتے ہیں۔

کے صیغوں سے بات کہنے میں نبی ﷺ کی دلداری ہے کہ گویا یہ کام کسی اور نے کیا ہے، آپؐ نے نہیں کیا، آپؐ بھلا یہ کام کیسے کرتے! ــــ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا ــــ لفظ اعمی میں دو اشارے ہیں: (۱) نابینا ہونے کی وجہ سے وہ دیکھ نہیں سکا کہ آپؐ کن لوگوں کے ساتھ مشغول ہیں، اس لئے دخل در معقولات کیا (۲) نابینا ہونے کی وجہ سے وہ توجہ کا زیادہ محتاج تھا ــــ اور آپ کو کیا پتہ وہ سنور جائے ــــ یہ بالفعل نفع ہے اور یہاں التفات ہے، بات ہلکی تھی اس لئے راست خطاب کیا ــــ یا نصیحت پذیر ہو، پس نصیحت پذیری اس کو نفع پہنچائے ــــ یہ بالقوۃ نفع ہے۔

رہا وہ شخص جو لا پرواہ ہے ــــ مراد رؤسائے مکہ ہیں ــــ پس آپؐ اس کے درپے ہیں ــــ اس کے پیچھے جان کھپا رہے ہیں کہ وہ کسی طرح سنور جائے ــــ حالانکہ آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ وہ نہ سنورے ــــ آپؐ نے اپنا فریضہ انجام دیدیا، اس کو ایمان کی دعوت دیدی، آگے وہ جانے! ــــ اور رہا وہ شخص جو آپؐ کے پاس لپک کر آیا، اور وہ اللہ سے ڈرتا بھی ہے ــــ یعنی مؤمن ہے ــــ پس آپؐ اس سے تغافل برت رہے ہیں، ہرگز ایسا نہ کریں۔

قرآنِ کریم کا احترام اور کاتبینِ وحی کے فضائل

نبی ﷺ رؤسائے مکہ کو قرآنِ کریم سنا رہے تھے، اس تعلق سے ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم ایک نصیحت نامہ ہے، پس جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے، وہ زبردستی کسی کے سر تھوپا نہیں جاسکتا!

دورِ اول میں قرآنِ کریم مصحف یعنی کتابی شکل میں نہیں تھا، ہر سورت علاحدہ علاحدہ لکھی ہوئی تھی، وہ صحیفے صحیفے تھا، سورۃ البینہ میں ہے: ﴿ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴾: ایک عظیم رسول جو ان کو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے، یہاں صحیفوں سے مراد سورتیں ہیں، یہ صحیفے کاتبینِ وحی کے پاس رہتے تھے، جو چاہتا ان سے نقل لیتا، پھر جب سورت مکمل ہوجاتی تو جو صحابی مانگتا اس کو دیدی جاتی، اس طرح قرآن امت کو سونپ دیا تھا، نبی ﷺ نے اپنے گھر میں اس کو نہیں رکھا تھا یعنی سرکاری ریکارڈ میں نہیں رکھا تھا۔

پھر دورِ صدیقی میں ایک مصلحت سے قرآن کو سرکاری ریکارڈ میں لیا گیا، اس وقت بھی سورتیں الگ الگ تھیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کو مصحف کی شکل دی گئی، یعنی سب سورتوں کو ایک ساتھ کتابی شکل میں لکھا گیا، پھر ان مصاحف کو ملک کے اطراف میں بھیج دیا۔

پس ابھی قرآن معزز، بلند رتبہ، پاکیزہ صحیفوں میں ہے، اور وہ صحائف بڑے درجہ کے نیکوکار کاتبین وحی کے قبضہ میں ہیں، ان میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا، پس جو چاہے ان صحیفوں کو کاتبینِ وحی سے لے کر پڑھے اور فائدہ اٹھائے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ قرآن کو نہایت عمدہ کاغذ پر چھاپا جائے، کتاب اچھی چھپی ہوئی ہوتی ہے تو وہ قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، اور اس کو بلند جگہ رکھنا چاہئے، اور اس کو صاف ستھرے جزدان میں رکھنا چاہئے، یہ قرآن کا ادب ہے۔

﴿اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۞ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۞ فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۞ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۞ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ۞ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۞﴾

ترجمہ: بلاشبہ قرآن ایک نصیحت نامہ ہے، پس جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے، وہ معزز، بلند رتبہ، پاکیزہ صحیفوں میں ہے، بڑے درجہ کے نیکوکار لکھنے والوں کے قبضہ میں ہے!

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۞ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ۞ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۞ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ ۞ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۞ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۞

قُتِلَ	مارا جائیو	مِنْ نُّطْفَةٍ	منی سے	ثُمَّ اَمَاتَهٗ	پھر اس کو مارا
الْاِنْسَانُ	انسان!	خَلَقَهٗ	پیدا کیا اس کو	فَاَقْبَرَهٗ	پس اس کو دفن کیا
مَآ اَكْفَرَهٗ	کس قدر ناشکرا ہے!	فَقَدَّرَهٗ	پس اندازہ ٹھہرایا اس کا	ثُمَّ اِذَا	پھر جب
مِنْ اَیِّ شَیْءٍ	کس چیز سے	ثُمَّ السَّبِیْلَ	پھر زندگی کی راہ	شَآءَ	چاہیں گے وہ
خَلَقَهٗ	اس کو پیدا کیا ہے؟	یَسَّرَهٗ	اس کے لئے آسان کی	اَنْشَرَهٗ	اٹھائیں گے اس کو

انسان اپنی پیدائش میں غور کرے تو دوسری زندگی سمجھ سکتا ہے

انسان اگر اپنی اصل میں غور کرے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے؟ وہ منی جیسے گندے قطرے سے پیدا کیا گیا ہے، جس میں نہ حس وشعور تھا، نہ حسن وجمال، نہ عقل وفہم! سب کچھ اللہ نے انسان کو عطا فرمایا ہے، پھر اس کے لئے زندگی کی راہیں آسان کیں، پھر وقت پر مر گیا اور مٹی میں دفن کیا گیا، یہی اللہ پاک قیامت کے دن اس کو دوبارہ زندہ کریں گے۔

آیاتِ پاک: —— انسان مارا جائیو! —— یعنی اس کا ناس ہو —— کس قدر ناشکرا ہے —— اللہ کی قدرت کو نہیں مانتا —— کس چیز سے اس کو پیدا کیا ہے؟ منی سے! پس اس کا اندازہ ٹھہرایا، پھر زندگی کی راہ آسان کی، پھر اس کو مارا، پھر اس کو دفن کیا، پھر جب چاہیں گے اس کو دوبارہ زندہ کریں گے!

كَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۞ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی طَعَامِهٖ ۞ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۞ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۞ فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا ۞ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۞ وَّزَیْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۞ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۞ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۞ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۞

كَلَّا	ہرگز نہیں	لَمَّا یَقْضِ	اب تک پورا نہیں کیا	مَآ اَمَرَهٗ	جو حکم دیا اس کو

فَلْيَنْظُرِ	پس چاہئے کہ غور کرے	الْاَرْضَ	زمین کو	وَّنَخْلًا	اور کھجور کے درخت
الْاِنْسَانُ	انسان	شَقًّا	پھاڑنا	وَّحَدَاۗىِٕقَ	اور باغات
اِلٰى طَعَامِهٖ	اپنے کھانے میں	فَاَنْۢبَتْنَا	پس اگایا ہم نے	غُلْبًا	گنجان
اَنَّا	بے شک ہم نے	فِيْهَا	اس میں	وَّفَاكِهَةً	اور میوہ
صَبَبْنَا	ریڑھا	حَبًّا	غلہ	وَّاَبًّا	اور ہرا چارہ
الْمَاۗءَ	پانی	وَّعِنَبًا	اور انگور	مَّتَاعًا	فائدہ اٹھانے کے لئے
صَبًّا	ریڑھنا	وَّقَضْبًا	اور ترکاری	لَّكُمْ	تمہارے
ثُمَّ شَقَقْنَا	پھر پھاڑا ہم نے	وَّزَيْتُوْنًا	اور زیتون	وَلِاَنْعَامِكُمْ	اور تمہارے جانوروں کے

انسان زمین کی پیداوار میں غور کرے تو بھی دوسری زندگی کو سمجھ سکتا ہے

انسان دوبارہ پیدا ہونے کا ہرگز انکار نہ کرے، اس کو جو اپنی پیدائش میں غور کرنے کا حکم دیا تھا اس سے تو نتیجہ کچھ نہ نکلا، اب وہ اپنی خوراک میں غور کرے، اللہ تعالیٰ آسمان سے چھاجوں پانی برساتے ہیں، پھر زمین کتنی سہولت سے پھٹتی ہے، اور اس میں سے غلّہ، انگور، ترکاری، زیتون، کھجور، گھنیرے باغات، میوے اور مزیدار ہری گھاس اُگتی ہے، جن سے انسان اور ان کے جانور فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی طرح زمین سے دوبارہ اجسام اُگیں گے، پھر ان کی طرف روحیں لوٹیں گی اور نئی زندگی شروع ہوگی۔

آیاتِ پاک: ـــــ ہرگز نہیں ـــــ یعنی دوبارہ زندہ ہونے کا انکار مت کر ـــــ اب تک اس نے وہ کام نہیں کیا جس کا اس کو حکم دیا تھا ـــــ اس کو حکم دیا تھا کہ اپنی پیدائش میں غور کر کے بعث بعد الموت کا اقرار کر، مگر اس نے یہ کام نہیں کیا ـــــ پس چاہئے کہ انسان اپنے کھانے میں غور کرے، بے شک ہم نے موسلا دھار پانی برسایا، پھر ہم نے زمین کو بسہولت پھاڑا، پس ہم نے اس میں غلّہ، انگور، ترکاری، زیتون، کھجور، گنجان باغات، میوہ اور مزیدار ہری گھاس اُگائی، تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے!

فَاِذَا جَاۗءَتِ الصَّاۗخَّةُ ۝۳۳ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝۳۴ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝۳۵ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝۳۶ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَىِٕذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝۳۷ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝۳۸ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝۳۹ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝۴۰ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝۴۱ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ

ع ۶ ۲

الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

فَإِذَا جَاءَتِ	پس جب آئے گی	مِّنْهُمْ	ان میں سے	وَوُجُوهٌ	اور کتنے چہرے
الصَّاخَّةُ (۱)	کان پھوڑنے والی آواز	يَوْمَئِذٍ	اس دن	يَوْمَئِذٍ	اس دن
يَوْمَ	اس دن	شَأْنٌ	ایک حال ہوگا	عَلَيْهَا	ان پر
يَفِرُّ الْمَرْءُ	بھاگے گا انسان	يُغْنِيهِ	جو اس کو بے نیاز کئے	غَبَرَةٌ	گرد جمی ہوگی
مِنْ أَخِيهِ	اپنے بھائی سے		ہوئے ہوگا	تَرْهَقُهَا	چھائی ہوگی ان پر
وَأُمِّهِ	اور اپنی ماں سے	وُجُوهٌ	کتنے چہرے	قَتَرَةٌ	سیاہی
وَأَبِيهِ	اور اپنے باپ سے	يَوْمَئِذٍ	اس دن	أُولَٰئِكَ	یہی لوگ
وَصَاحِبَتِهِ	اور اپنی بیوی سے	مُّسْفِرَةٌ	روشن	هُمُ	وہ
وَبَنِيهِ	اور اپنے بیٹوں سے	ضَاحِكَةٌ	ہنسنے والے	الْكَفَرَةُ	منکرین
لِكُلِّ امْرِئٍ	ہر شخص کے لئے	مُّسْتَبْشِرَةٌ	خوشی منانے والے ہونگے	الْفَجَرَةُ	بدکار ہیں

قیامت کے دن کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہ ہوگا

جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو ایسی کرخت آواز ہوگی کہ کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا، پھر بارش ہوگی، اجسام زمین سے اُگیں گے، اور روحیں ریوس آئیں گی، اور لوگ زندہ ہوکر میدانِ حشر میں اکٹھا ہونگے، اس دن کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا، سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، ـــــ اس سورت میں نفخۂ اولیٰ کے بعد کا حال ہے، اس لئے ابعد رشتہ سے شروع کیا ہے اور سورۃ المعارج میں قیامت کے دن کا منظر ہے اس لئے اقرب سے شروع کیا ہے اور لوگ دو حصے ہوجائیں گے: جہنمی اور جنتی، جنتی شاداں وفرحاں ہونگے اور جہنمیوں کے چہروں پر سیاہی برس رہی ہوگی۔

آیاتِ پاک: ـــــ پس جب کان پھوڑنے والی آواز آئے گی، اس دن آدمی اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا، ہر شخص کے لئے ان میں سے اس دن ایک حال ہوگا جو اس کو (دوسروں سے) بے نیاز کئے ہوئے ہوگا!

کتنے چہرے اس دن روشن، ہنسنے والے ہونگے، اور کتنے چہروں پر اس دن گرد جمی ہوئی ہوگی، ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی، یہی لوگ منکرین بدکار ہیں! ـــــ اور پہلے لوگ ایماندار نیکوکار ہیں!

(۱) الصاخة: کانوں کا پردہ پھاڑنے والا شور، صَخَّ الأذنَ (ن) صَخًّا: آواز کا کان کو بہرہ کرنا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التکویر

یہ سورت بھی مکی ہے، اس میں دو باتیں ہیں:

پہلی بات: قیامت کی منظرکشی کی ہے کہ چھ باتیں پہلی مرتبہ صور پھونکنے کے بعد یعنی قیامت کا دن شروع ہونے سے پہلے پیش آئیں گی، اور چھ باتیں دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد یعنی قیامت کا دن شروع ہونے کے بعد پیش آئیں گی، اس دن ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا ساتھ لے کر آیا ہے۔

دوسری بات: قیامت کی یہ منظرکشی قرآنِ کریم کر رہا ہے، اور قرآن اللہ کا کلام ہے، اس کی حقیت کا انکار مت کرو، پھر دو قسمیں کھائی ہیں جن کا مدعیٰ محذوف ہے۔

پہلی قسم: سے یہ ثابت کرنا ہے کہ جس طرح پانچ سیارے چلتے چلتے پیچھے ہٹ جاتے ہیں، پھر پیچھے ہی چلتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ کبھی اپنے مطالع میں چھپ جاتے ہیں، اسی طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آتے ہیں، پھر وحی پہنچا کر پیچھے لوٹ جاتے ہیں، اور اپنی روش پر چلتے ہوئے اپنے مستقر میں پہنچ جاتے ہیں۔

اور دوسری قسم: سے یہ ثابت کرنا ہے کہ جہالت کی تاریکی کے بعد ہدایت کی روشنی پھیلنی ضروری ہے، جیسے تاریک رات جاتی ہے تو صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے۔ اور یہ صبحِ ہدایت نزولِ قرآن سے شروع ہوئی ہے، پھر وحی لانے والے فرشتہ کی اور نبی ﷺ کی اعتباریت کا بیان ہے، اور یہ مضمون دونوں محذوف مقسم علیہ کا قرینہ ہے، تفصیل آگے آئے گی۔

آیاتها ۲۹ — (۸۱) سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ (۷) — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ① وَإِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ② وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ③ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ④ وَإِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ⑤ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ⑥ وَإِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ⑦ وَإِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ⑧ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ⑨ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ⑩ وَإِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ⑪ وَإِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ⑫ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ⑬ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ أَحْضَرَتْ ⑭

إِذَا الشَّمْسُ	جب سورج	وَإِذَا الْبِحَارُ	اور جب سمندر	نُشِرَتْ (۹)	اڑائے جائیں گے
كُوِّرَتْ (۱)	لپیٹا جائے گا	سُجِّرَتْ (۶)	دہکائے جائیں گے	وَإِذَا السَّمَاءُ	اور جب آسمان کی
وَإِذَا النُّجُومُ	اور جب ستارے	وَإِذَا النُّفُوسُ	اور جب ارواح	كُشِطَتْ (۱۰)	کھال اتاری جائے گی
انْكَدَرَتْ (۲)	میلے ہوجائیں گے	زُوِّجَتْ (۷)	ملائی جائیں گی	وَإِذَا الْجَحِيمُ	اور جب دوزخ
وَإِذَا الْجِبَالُ	اور جب پہاڑ	وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ (۸)	اور جب زندہ درگور کی	سُعِّرَتْ (۱۱)	بھڑکائی جائے گی
سُيِّرَتْ	چلائے جائیں گے		ہوئی لڑکی	وَإِذَا الْجَنَّةُ	اور جب جنت
وَإِذَا الْعِشَارُ (۳)	اور جب بیاہتی اونٹنیاں	سُئِلَتْ	پوچھی جائے گی	أُزْلِفَتْ (۱۲)	نزدیک لائی جائے گی
عُطِّلَتْ (۴)	کھلی پھریں گی	بِأَيِّ ذَنْبٍ	کس گناہ میں	عَلِمَتْ	جان لے گا
وَإِذَا الْوُحُوشُ (۵)	اور جب درندے	قُتِلَتْ	وہ ماری گئی؟	نَفْسٌ	آدمی
حُشِرَتْ	جمع کردیئے جائیں گے	وَإِذَا الصُّحُفُ	اور جب نامۂ اعمال	مَّا أَحْضَرَتْ (۱۳)	جو لے کر آیا ہے

جو شخص قیامت کا منظر گویا آنکھوں سے دیکھنا چاہے وہ تکویر، انفطار اور انشقاق پڑھے

عنوان ترمذی شریف کی حدیث (نمبر ۳۳۵۶) ہے، اس سورت میں قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے، اور بارہ واقعات بیان کئے ہیں، چھ واقعات پہلی مرتبہ صور پھونکنے کے بعد یعنی قیامت کا دن شروع ہونے سے پہلے پیش آئیں گے، وہ قیامت کی تمہید ہونگے، اور دوسرے چھ واقعات دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد یعنی قیامت شروع ہونے کے بعد پیش آئیں گے، اور چونکہ یہ آئندہ پیش آنے والے واقعات ہیں، اس لئے ان کی تفصیلات کوئی نہیں بتلا سکتا، پس جتنا قرآن نے بیان کیا ہے اس کو سمجھنا چاہئے۔

وہ چھ واقعات جو نفخۂ اولیٰ کے بعد پیش آئیں گے

۱- جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا —— یعنی اس کی کرنیں اس میں ضم کردی جائیں گی، پس سارا نظام شمسی معطل

(۱) تکویر: لپیٹنا، جیسے كَوَّرَ الثوبَ: کپڑا لپیٹا (۲) انکدر: میلا گدلا ہونا، جیسے كَدَرَ (س) الماءُ۔ (۳) العشار: العشراء کی جمع: دس ماہ کی گابھن اونٹنی، اونٹنی دس ماہ میں بچہ دیتی ہے۔ (۴) تعطیل: چھٹی کرنا، جیسے عَطَّلَ الإبلَ: اونٹوں کو چرنے کے لئے چرواہے کے بغیر چھوڑ دیا (۵) الوحوش: الوحش کی جمع: جنگلی جانور، خاص طور پر درندے۔ (۶) تسجیر: بھڑکانا (۷) تزویج: ملانا (۸) الموء ودة: اسم مفعول: وَأَد يَئِد وأدًا: زندہ دفن کرنا۔ (۹) نشر (ن) نشرا: کھولنا، پھیلانا (۱۰) کشط (ض) کشطا: کھال اتارنا (۱۱) تسعیر: دہکانا، بھڑکانا (۱۲) إزلاف: نزدیک کرنا (۱۳) إحضار: حاضر کرنا، لے کر آنا۔

ہو جائے گا۔

۲- اور جب ستارے گدلے (بے نور) ہو جائیں گے —— ستاروں کی روشنی بھی سورج کی طرح ذاتی ہے، وہ سورج سے مستفاد نہیں، پس جس طرح سورج بے نور جائے گا ستارے بھی بے نور ہو جائیں گے۔

۳- اور جب پہاڑوں کو چلایا جائے گا —— یہی پہاڑ جن کے بوجھ سے زمین ٹھہری ہوئی ہے: اپنی جگہیں چھوڑ دیں گے، گرد و غبار ہو کر ہوا میں اڑ جائیں گے، اور شاید سمندروں کی گہر بھر دیں۔

۴- اور جب بیاہتی اونٹنیاں لاوارث پھریں گی —— عربوں کے نزدیک گابھن اونٹنی جس کے بچہ دینے کا وقت قریب آگیا ہو بہت ہی قیمتی چیز ہے، وہ اس کی دُم سے لگے رہتے ہیں، قیامت سے پہلے وہ لاوارث اِدھر اُدھر ماری ماری پھریں گی، کوئی ان کا پوچھنے والا نہیں ہوگا، اور یہی حال ہر قیمتی چیز کا ہو جائے گا، نہ تیار کھیتی اور فصل کا کوئی پرسانِ حال ہوگا، نہ باغ اور دھن دولت کا!

۵- اور جب وحشی جانور جمع کر دیئے جائیں گے —— یعنی درندے جو کبھی یک جا نہیں ہوتے خوفزدہ ہو کر یک دم جمع ہو جائیں گے، یا جنگلی جانور بستیوں میں اتر آئیں گے، سوچو! جب جانوروں کا یہ حال ہوگا تو انسانوں کا کیا حال ہوگا؟

۶- اور جب سمندر کھولائے جائیں گے —— وہ ابلتی ہانڈی کی طرح ابلیں گے اور بھاپ بن کر ہوا میں تحلیل ہو جائیں گے، اور ان کی جگہ خشکی نکل آئے گی، آج تین چوتھائی زمین پانی چھپائے ہوئے ہے، اور بڑا حصہ پہاڑوں نے دبا رکھا ہے، یہ سب خالی میدان ہو جائیں گے، پھر اس وسیع زمین پر اولین وآخرین کا حشر ہوگا۔

وہ چھ واقعات جو نفخۂ ثانیہ کے بعد پیش آئیں گے

۱- اور جب ارواح جوڑی جائیں گی —— یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد بارش ہوگی، اس سے اجسام زمین سے اُگ آئیں گے، پھر ارواح عالم برزخ سے ریوس (واپس) آئیں گی، اور اپنے اپنے ابدان میں داخل ہو جائیں گی، پھر حشر برپا ہوگا۔

۲- اور جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی پوچھی جائے گی کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی؟ —— قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہے، اس لمبے دن میں تمام معاملات بارگاہِ خداوندی میں پیش ہو کر آخری مرتبہ فیصل ہوں گے، اس دن ایک سنگین مقدمہ یہ پیش ہوگا کہ جس نے اپنی لڑکی کو زندہ درگور کیا ہے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اِس لڑکی کا کیا گناہ تھا جو تو نے اس کو زندہ دفن کر دیا؟ اس سے کوئی جواب بن نہ پڑے گا، پس وہ اپنی حرکت کی سزا پائے گا۔

سوال: زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کے بارے میں سوال کس سے ہوگا: لڑکی سے یا زندہ درگور کرنے والے سے؟
جواب: لڑکی سے سوال ہوگا، مگر اس کے باپ کے سامنے ہوگا، تاکہ لڑکی کی مظلومیت اور باپ کا ظلم واضح ہو۔
فائدہ: جاہلیت میں یعنی اسلام سے پہلے انسان اس درجہ بدبخت ہوگیا تھا کہ جھوٹی بے عزتی یا تنگ دستی کے ڈر سے بچیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیتا تھا، اللہ پاک نے قرآنِ پاک میں کئی جگہ اس بدترین عادت کی برائی بیان فرمائی ہے، یہاں بھی قیامت میں فیصل ہونے والے معاملات میں سے اس خاص معاملہ کا ذکر اسی نقطۂ نظر سے کیا ہے، اس حرکت کی قباحت ذہنوں میں بٹھانی مقصود ہے کہ کسی زندہ جان کو — جبکہ وہ اس کی بیٹی بھی ہو — زمین میں گاڑ دینا کس قدر ناپاک حرکت ہے، قیامت میں اس پر سخت گرفت ہوگی۔

۳- اور جب اعمال نامے پھیلائے جائیں گے — ہر ایک کا کچا چٹھا اس کے ہاتھ میں تھمایا جائے گا، اس دن جو برائیاں لے کر گیا ہے اس کی کیسی شامت آئے گی!

۴- اور جب آسمان کی کھال اتاری جائے گی — اس کی کیا صورت ہوگی وہ وقت بتلائے گا۔

۵- اور جب دوزخ دہکائی جائے گی — دوزخ دہک رہی ہے، حدیث میں ہے: دوزخ کو ایک ہزار سال دہکایا تو وہ سرخ ہوئی، پھر ایک ہزار سال دہکایا تو وہ سفید ہوئی، پھر ایک ہزار سال دہکایا تو وہ سیاہ ہوئی، قیامت کے دن پھر اس کو دہکایا جائے گا، اس وقت اس کا حال معلوم نہیں کیا ہوگا؟

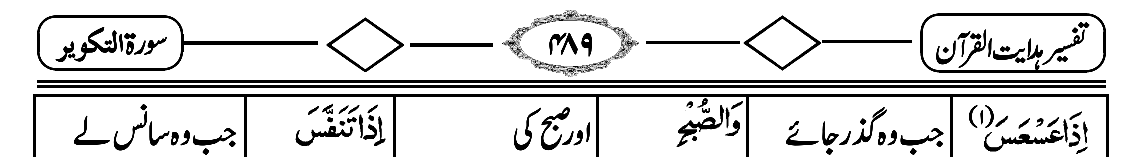
۶- اور جب جنت قریب لائی جائے گی — میدانِ حشر سے نظر آئے گی، دنیا وآخرت کے درمیان کا پردہ بس برائے نام رہ جائے گا، اس دن اللہ کے نیک بندے جنت کو دیکھ کر کس قدر شاداں فرحاں ہونگے: اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

جب یہ واقعات پیش آئیں گے — آدمی جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے — اُدھر آفتوں اور مصیبتوں کا سلسلہ اور اِدھر یہ معلوم ہونا کہ انجام کیا ہوگا؟ کیسا وحشت ناک دن ہوگا؟ ہاں آج کا سننا کل ضرور کام آئے گا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾

فَلَآ	پس نہیں!	بِالْخُنَّسِ(۱)	پیچھے ہٹنے والے کی	الْكُنَّسِ(۳)	چھپ جانے والے کی
اُقْسِمُ	قسم کھاتا ہوں میں	الْجَوَارِ(۲)	چلتے رہنے والے کی	وَالَّيْلِ	اور رات کی

(۱) الخنّس: الخانس کی جمع: پیچھے کو ہٹنے والا سیارہ، خمسہ متحیرہ: زُحل، مشتری، مریخ، زہرہ اور عطارد، خَنَسَ (ض) خَنْسًا: پیچھے ہونا، خَنَّسَ اور أخنس: کسی کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ جانا، خَنَّاس: شیطان، وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ (۲) الجَوَارِ: الجارية کی جمع: چلتے رہنے والا (۳) الکنس: الکانس کی جمع: كَنَسَ الظبيُ: ہرن کا اپنی پناہ گاہ میں چھپنا۔



اِذَاعَسْعَسَ(۱)	جب وہ گذر جائے	وَالصُّبْحِ	اور صبح کی	اِذَاتَنَفَّسَ	جب وہ سانس لے

قیامت کے یہ احوال قرآن بیان کررہا ہے، اور قرآن جبرئیل علیہ السلام پہنچا کر لوٹ جاتے ہیں، کیونکہ جہالت کی شبِ تار کے بعد صبح ہدایت کا نمودار ہونا ضروری ہے

ان آیات میں دو قسمیں ہیں، ان سے دو باتیں بیان کرنا مقصود ہے:

اول: پانچ سیارے ایسے ہیں جو کبھی سیدھے چلتے ہیں کبھی پیچھے چلتے ہیں، ان کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں، وہ زحل، مشتری، عطارد، مریخ اور زہرہ ہیں، جب یہ پیچھے کو ہٹتے ہیں تو پیچھے ہی کو چلتے رہتے ہیں، اور کبھی پیچھے چلتے چلتے اپنے مطالع میں چھپ جاتے ہیں (بیان القرآن)

اس قسم سے یہ ثابت کرنا ہے کہ قرآنِ کریم کی وحی لے کر حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں وہ وحی پہنچا کر پیچھے لوٹ جاتے ہیں، اور واپس چلتے چلتے اپنے مستقر میں پہنچ جاتے ہیں۔

دوم: رات کے گذرنے کی اور صبح کی نمودار ہونے کی قسم کھائی ہے، اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جہالت کا تاریک دور گذر گیا، اب صبح ہدایت قرآن کی شکل میں نمودار ہوئی ہے، اس کی قدر پہچانو، موقع ہاتھ سے نکل نہ جائے۔

آیاتِ پاک: —— پس نہیں —— یعنی قرآن کے کتابِ الٰہی ہونے کا انکار مت کرو —— میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے، چلتے رہنے والے، چھپ جانے والے سیاروں کی —— اور رات کی قسم کھاتا ہوں جب وہ گذر جائے، اور صبح کی جب وہ سانس لے —— یعنی نمودار ہو۔

> اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اِنَّهٗ	بے شک قرآن	رَسُوْلٍ	بھیجے ہوئے	ذِيْ قُوَّةٍ	طاقت ور
لَقَوْلُ	البتہ بات ہے	كَرِيْمٍ	معزز فرشتے کی	عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ	عرش والے کے پاس

(۱) عسعس (باب فعللة) عَسْعَسَ الليلُ: رات کا گذر جانا۔

مَكِيْنٍ	ذی رتبہ	وَمَا هُوَ	اور نہیں وہ	اِلَّا ذِكْرٌ	مگر نصیحت
مُّطَاعٍ	مقتدا	عَلَى الْغَيْبِ	غیب کی باتوں میں	لِّلْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے لئے
ثَمَّ	وہاں (آسمانوں میں)	بِضَنِيْنٍ	بخیل	لِمَنْ شَاءَ	اس کے لئے جو چاہے
اَمِيْنٍ	امانت دار	وَمَا هُوَ	اور نہیں وہ	مِنْكُمْ	تم میں سے
وَمَا صَاحِبُكُمْ	اور نہیں تمہارے ساتھی	بِقَوْلِ	بات	اَنْ يَّسْتَقِيْمَ	کہ سیدھا چلے
بِمَجْنُوْنٍ	کچھ پاگل	شَيْطٰنٍ	شیطان	وَمَا تَشَاءُوْنَ	اور نہیں چاہو گے تم
وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	رَّجِيْمٍ	مردود کی	اِلَّا اَنْ	مگر یہ کہ
رَاٰهُ	دیکھا ہے انھوں نے اس کو	فَاَيْنَ	پس کہاں	يَّشَاءَ اللّٰهُ	چاہیں اللہ
بِالْاُفُقِ	آسمان کے کنارے میں	تَذْهَبُوْنَ	جا رہے ہو تم	رَبُّ	پالنہار
الْمُبِيْنِ	واضح	اِنْ هُوَ	نہیں ہے وہ	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے

قرآنِ کریم جن دو واسطوں سے لوگوں تک پہنچا ہے ان کی اعتباریت کا بیان

قرآنِ کریم درحقیقت لوگوں کی طرف اتارا گیا ہے، سورۃ النحل (آیت ۴۴) میں ہے: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾: تاکہ آپ کھول کر سمجھائیں اس قرآن کو جو لوگوں کی طرف اتارا گیا ہے، یعنی سبھی لوگوں کی طرف اتارا گیا ہے، صرف مسلمانوں کے لئے نہیں، البتہ دو واسطوں سے قرآن لوگوں تک پہنچا ہے، ایک واسطہ: جبرئیل علیہ السلام کا ہے، دوسرا: نبی ﷺ کا، یہ دونوں واسطے معتبر اور قابلِ اعتبار ہیں، پہلے واسطہ میں پانچ اوصاف ہیں: (۱) وہ معزز و مکرم فرشتہ ہے (۲) وہ طاقت ور ہے (۳) وہ عرش کے مالک کے نزدیک ذی رتبہ ہے (۴) آسمانوں میں اس کی بات مانی جاتی ہے (۵) اور وہ امانت دار ہے، جو چیز اسے سونپی جائے اس کی حفاظت کرتا ہے۔

اور نبی ﷺ کے تعلق سے چار باتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) آپ فرزانہ ہیں، دیوانہ نہیں (۲) آپؐ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا ہے، پس آپؐ ان کو خوب پہچانتے ہیں، وہ آپؐ کے لئے انجانے نہیں (۳) آپؐ غیب پر یعنی وحی کے ذریعہ جو باتیں آپؐ کو بتائی جاتی ہیں ان کو چھپاتے نہیں، اس بارے میں آپؐ بخیل نہیں (۴) قرآن شیطان مردود کی بات نہیں، وہ جنّ پری سے باتیں لے کر کہانت نہیں کی۔

پھر تم کہاں جا رہے ہو؟ قرآنِ کریم کو اللہ کی کتاب کیوں نہیں مانتے؟ اور ایمان کیوں نہیں لاتے؟ قرآنِ کریم تو جہانوں کے پالنہار کی طرف سے ایک نصیحت نامہ ہے، جو سیدھی راہ چلنا چاہے اس سے فائدہ اٹھائے، مگر جان لو کہ بندوں کی مشیت

اللہ کی مشیت کے تابع ہے، اللہ کے چاہے بغیر بندہ نہیں چاہ سکتا، پس اسی سے ایمان کی توفیق مانگو، محروم نہیں رہوگے!

آیاتِ پاک: —— بے شک یہ قرآن ایک معزز بھیجے ہوئے فرشتہ کی بات ہے، جو قوت والا ہے، عرش کے مالک کے نزدیک ذی رتبہ ہے، وہاں آسمانوں میں اس کی بات مانی جاتی ہے، وہ قابل اعتماد ہے۔

اور تمہارے ساتھی (محمد ﷺ) کچھ دیوانے نہیں، اور بلاشبہ انھوں نے اس فرشتہ کو دیکھا ہے آسمان کے واضح کنارے میں —— اس کی تفصیل سورۃ النجم میں ہے —— اور وہ غیب کی باتوں میں بخیل بھی نہیں، اور وہ شیطان مردود کی بات بھی نہیں —— پس تم کہاں جارہے ہو؟ قرآن جہانوں کے لیے نصیحت ہی ہے، اس شخص کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے، اور تم نہیں چاہو گے مگر یہ کہ اللہ رب العالمین چاہیں!

قرآن اللہ کا پاک کلام ہے، ہر اس انسان کے لئے ہے جو سیدھی راہ چلنا چاہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الانفطار

اس سورت میں بھی قیامت اور اس کے متعلقات کا بیان ہے، اور اس میں پانچ باتیں ہیں:

پہلی بات: شروع میں قیامت کی منظر کشی کی ہے، جب قیامت کا وقت آئے گا تو نفخۂ اولیٰ کے بعد تین واقعات پیش آئیں گے، اور نفخۂ ثانیہ کے بعد ایک بات پیش آئے گی، یعنی قبریں الٹ دی جائیں گی، مُردے نکل آئیں گے، اور قیامت شروع ہوجائے گی، اس دن ہر شخص اپنے اگلے پچھلے اعمال کو جان لے گا (شروع سورت سے آیت ۵ تک)

دوسری بات: انسان کا گلہ شکوہ ہے کہ وہ اپنے رب کریم کے معاملہ میں کیوں دھوکہ کھائے ہوئے ہے؟ وہ ایسا کیوں خیال کرتا ہے کہ وہ سخی آقا اس کو دوبارہ پیدا نہیں کرے گا، حالانکہ جس آقا نے پہلی مرتبہ اس کو شاندار بنایا وہ دوسری مرتبہ بنانے سے کیوں عاجز ہوگیا (آیت ۶ سے آیت ۸ تک) (حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے اس کو تقریع (دھمکانا) قرار دیا ہے)

تیسری بات: انکار قیامت کی اصل وجہ بیان کی ہے کہ انسان اعمال کی جزاء سے دوچار ہونا نہیں چاہتا، اس لئے بعث بعد الموت کا انکار کرتا ہے، حالانکہ جزاء کے لئے ریکارڈ تیار کیا جارہا ہے، کراماً کاتبین بندوں کے اعمال لکھ رہے ہیں، وہ اس کے تمام کاموں سے واقف ہیں، انسان سوچے! اگر جزاء وسزا نہیں تو یہ ریکارڈ تیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ (آیت ۹ سے آیت ۱۲ تک)

چوتھی بات: جزاء وسزا بیان کی ہے کہ نیک لوگ جنت میں ہونگے اور بدکار دوزخ میں، وہ دوزخ میں قیامت کے دن

داخل ہونگے، پھر وہاں سے چھٹک نہیں سکیں گے (آیت ۱۳ سے آیت ۱۶ تک)

پانچویں بات: قیامت کے دن سارا اختیار اللہ کا ہوگا، اس دن کوئی شخص کسی شخص کے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا (آیت ۱۷ سے آخر تک)

ایاتہا ۱۹ (۸۲) سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَارِ مَکِّیَّۃٌ (۸۲) رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝۴ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝۵ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝۶ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝۷ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۸ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝۹ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۰ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝۱۱ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝۱۳ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝۱۴ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝۱۵ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ۝۱۶ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۷ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۸ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۝۱۹

ع ۷ | ۱۹

اِذَا السَّمَآءُ	جب آسمان	وَاِذَا الْقُبُوْرُ	اور جب قبریں	يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ	اے انسان
انْفَطَرَتْ (۱)	پھٹ جائے گا	بُعْثِرَتْ (۴)	زیروزبر کردی جائیں گی	مَا غَرَّكَ	کس چیز نے دھوکہ
وَاِذَا الْكَوَاكِبُ	اور جب ستارے	عَلِمَتْ	جان لے گا		میں ڈالا تجھ کو
انْتَثَرَتْ (۲)	جھڑ جائیں گے	نَفْسٌ	آدمی	بِرَبِّكَ	تیرے رب کے معاملہ میں
وَاِذَا الْبِحَارُ	اور جب سمندر	مَّا قَدَّمَتْ	جو آگے بھیجا اس نے	الْكَرِيْمِ (۵)	جو بڑا کریم ہے
فُجِّرَتْ (۳)	ابل پڑیں گے	وَاَخَّرَتْ	اور جو پیچھے چھوڑا اس نے	الَّذِيْ	جس نے

(۱) انفطار: پھٹنا، باب انفعال (۲) انتثار: جھڑنا، بکھرنا، نَثَرَ الشیئَ: بکھیرنا (۳) تفجیر: (چشمہ) جاری کرنا (۴) بعثرۃ (فعللۃ) الٹ پلٹ دینا، قبروں کو اکھاڑ دینا، نیچے کی مٹی اوپر لے آنا (۵) کریم کا اردو میں ترجمہ نہیں ہوسکتا، کریم: ایسا بڑا سخی اور فیاض جس کی بخشش وعطا کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہو (القاموس الوحید)

خَلَقَكَ	تجھ کو پیدا کیا	يَعْلَمُوْنَ	جانتے ہیں	الدِّيْنِ	جزاء کا
فَسَوّٰىكَ	پس ٹھیک بنایا تجھ کو	مَا تَفْعَلُوْنَ	جو کرتے ہو تم	ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ	پھر تجھے کیا پتہ
فَعَدَلَكَ	پھر برابر کیا تجھ کو	اِنَّ الْاَبْرَارَ	بے شک نیک لوگ	مَا يَوْمُ	کیا ہے دن
فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا	جونسی صورت میں بھی	لَفِيْ نَعِيْمٍ	البتہ نعمتوں میں ہونگے	الدِّيْنِ	جزء کا
شَآءَ	چاہا اس نے	وَّاِنَّ الْفُجَّارَ	اور بے شک بدکار	يَوْمَ	اس دن
رَكَّبَكَ	تجھے جوڑ دیا	لَفِيْ جَحِيْمٍ	البتہ دوزخ میں ہونگے	لَا تَمْلِكُ	نہیں مالک ہوگا
كَلَّا	ہرگز نہیں	يَّصْلَوْنَهَا	داخل ہونگے وہ اس میں	نَفْسٌ	کوئی شخص
بَلْ تُكَذِّبُوْنَ	بلکہ جھٹلاتے ہو تم	يَوْمَ الدِّيْنِ	جزاء کے دن	لِّنَفْسٍ	کسی شخص کے لئے
بِالدِّيْنِ	جزاء کو	وَمَا هُمْ	اور نہیں ہونگے وہ	شَيْـًٔا	کسی چیز کا
وَاِنَّ عَلَيْكُمْ	اور بے شک تم پر ہیں	عَنْهَا	دوزخ سے	وَالْاَمْرُ	اور معاملہ
لَحٰفِظِيْنَ	بالیقین نگہبان	بِغَآئِبِيْنَ	غائب ہونے والے	يَوْمَئِذٍ	اس دن
كِرَامًا	عزت والے	وَمَآ اَدْرٰىكَ	اور تجھے کیا پتہ	لِّلّٰهِ	اللہ کے اختیار میں ہوگا
كَاتِبِيْنَ	لکھنے والے	مَا يَوْمُ	کیا ہے دن	۞	۞

قیامت کی ہولناکی

جب آسمان پھٹ جائے گا، اور ستارے جھڑ جائیں گے، اور سمندر ابل پڑیں گے —— یہ واقعات نفخۂ اولیٰ کے بعد پیش آئیں گے —— اور جب قبریں الٹ دی جائیں گی —— اور مُردے نکل پڑیں گے —— اس وقت ہر انسان جان لے گا جو آگے بڑھایا اس نے اور جو پیچھے چھوڑا اس نے —— آگے بڑھایا: یعنی عمل کر کے آگے بھیج دیا، جیسے نماز پڑھ کر اور زکات دے کر آخرت میں ذخیرہ کر لیا، اور پیچھے چھوڑا: یعنی کوئی ایسا کام کر کے گیا جس کا اثر موت کے بعد بھی جاری رہا، جیسے کوئی رفاہی کام کر گیا۔

جب یہ واقعات رونما ہونگے تو انسان پر کیا بیتے گی؟ نفخۂ اولیٰ پر سارا کارخانہ اتھل پتھل ہو جائے گا، کوئی چیز اپنی حالت پر برقرار نہیں رہے گی، اس دن انسان کے بھی ہوش اڑ جائیں گے، پس اس دن سے ڈرو، اور اس کے لئے تیاری کرو۔

انسان کا گلہ شکوہ کہ وہ اپنے رب کریم کے معاملہ میں دھوکے میں کیوں پڑا ہوا ہے؟

انسان خیال کرتا ہے کہ اس کا کریم آقا اس کو دوبارہ پیدا نہیں کرے گا، حالانکہ اس نے پہلی مرتبہ اس کو شاندار بنایا ہے،

پس کیا وہ دوسری بار پیدا کرنے سے عاجز ہوگیا؟ —— اے انسان! تجھے کس چیز نے دھوکہ میں ڈالا، تیرے رب کریم کے معاملہ میں؟ —— ربِ کریم کے معاملہ میں: یعنی بعث بعد الموت کے معاملہ میں —— جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے ٹھیک بنایا —— تیرا بدن، قُویٰ اور شکل وصورت شاندار بنائی —— پھر تجھے برابر کیا —— یعنی اخلاق وعادات میں معتدل بنایا —— اور اس نے جس صورت میں بھی چاہا تجھے جوڑ دیا —— کوئی بھی دو انسان ایک شکل وصورت کے نہیں ہیں، ہر دو میں کچھ نہ کچھ فرق ہے، یہ اللہ کی کاریگری کا کمال ہے۔

انسان کو اللہ نے اپنا احسان وکرم یاد دلایا ہے کہ وہ اپنی شکل وصورت، بدن اور قد وقامت میں غور کرے، پھر اپنی صلاحیتوں کو سوچے: اللہ نے اس کو کیسا شاندار اور کیسا باکمال بنایا ہے؟ کیا اس کے اس احسان کا شکر یہ ہے کہ اس کو دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے عاجز تصور کرلیا جائے!

بعث بعد الموت کے انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ انسان جزائے اعمال سے دوچار ہونا نہیں چاہتا

ہرگز نہیں —— یعنی دوبارہ زندہ ہونے کا انکار مت کر —— بلکہ تم جزاء کے دن کو جھٹلاتے ہو —— یعنی انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ تم نہیں چاہتے کہ تمہیں جزاء کے دن سے سابقہ پڑے —— حالانکہ تم پر یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے مقرر ہیں، وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو —— یہ ریکارڈ اسی لئے تو تیار کرایا جارہا ہے کہ ایک دن انصاف کیا جائے گا، اور ہر ایک کو قرار واقعی جزاؤسزا ملے گی۔

انصاف کے دن کیا فیصلہ ہوگا؟

بے شک نیک لوگ جنت میں ہونگے، اور بدکار دوزخ میں، جس میں وہ انصاف کے دن داخل ہونگے، اور وہ دوزخ سے چھٹک نہیں سکیں گے! —— سدا اس میں سڑیں گے۔

انصاف کے دن سارا اختیار اللہ کا ہوگا

اور تجھے معلوم ہے انصاف کا دن کیا ہے؟ پھر (کہتا ہوں) تجھے معلوم ہے انصاف کا دن کیا ہے؟ اس دن کوئی کسی کے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، اس دن سارا اختیار اللہ ہی کا ہوگا! —— آج بھی سارا اختیار اللہ ہی کا ہے، مگر بظاہر دوسرے بھی دعوی رکھتے ہیں، مگر اس دن کوئی دعوے دار نہیں ہوگا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾: قیامت کے دن سوال ہوگا: آج کس کی حکومت ہے؟ سب لرز جائیں گے، کسی میں جواب دینے کی ہمت نہ ہوگی، پس خود ہی جواب دیں گے: ایک غالب اللہ کی حکومت ہے، جزاء کے دن کے وہی مالک ہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التطفیف

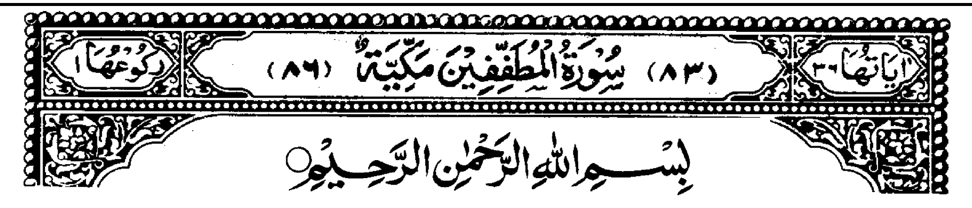
اس سورت کے دونام ہیں: التطفیف اور المطففین، طَفَّفَ المکیالَ کے معنی ہیں: پیمانے کو پورا نہ بھرنا، کم رکھنا۔ سورۃ الانفطار قیامت کے تذکرہ پر پوری ہوئی تھی، یہ اسی کے تذکرہ سے شروع ہورہی ہے، وہ لوگ کم ناپتے تولتے ہیں جن کو نہ خدا کا خوف ہے نہ قیامت کا ڈر! پس اس سورت کا موضوع بھی قیامت اور جزاؤسزا کا بیان ہے، اور اس سورت میں بنیادی مضامین چار ہیں:

۱- شروع میں کم ناپنے تولنے والوں کے لئے وعید ہے، جب وہ حساب کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونگے تو ان کے لئے بڑی کم بختی ہوگی۔

۲- بدکاروں کا ٹھکانا جیل خانہ (دوزخ) ہے، پھر جہنمیوں کے بارے میں پانچ باتیں بیان کی ہیں۔

۳- نیکوکاروں کا ٹھکانا بالاخانہ (جنت) ہے، پھر ان کی پانچ نعمتوں کا ذکر ہے۔

۴- دنیا میں جو لوگ مسلمانوں کا ٹھٹھا کرتے ہیں: آخرت میں جب پانسہ پلٹے گا تو مسلمان: کفار پر ہنسیں گے، اور ان کو قرار واقعی سزا ملے گی۔



وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ۖ﴿۲﴾ وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوْ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ ؕ﴿۳﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۙ﴿۵﴾ يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ﴿۶﴾

وَيۡلٌ	بڑی کم بختی ہے	لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ (۱)	گھٹانے والوں کیلئے	الَّذِيۡنَ اِذَا	وہ لوگ کہ جب

(۱) مُطَفِّف: اسم فاعل: تطفیف: ناپ تول میں کمی کرنا۔

اِكْتَالُوْا[1]	ناپ کر لیتے ہیں	يُخْسِرُوْنَ	(تو) گھٹا کر دیتے ہیں	لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ	ایک بڑے دن میں
عَلَى النَّاسِ	لوگوں سے	اَلَا يَظُنُّ	کیا گمان نہیں کرتے	يَوْمَ	جس دن
يَسْتَوْفُوْنَ	(تو) پورا پورا لیتے ہیں	اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ	يَقُوْمُ	کھڑے ہونگے
وَاِذَا كَالُوْهُمْ[2]	اور جب ان کو ناپ کر دیتے ہیں	اَنَّهُمْ	کہ وہ	النَّاسُ	لوگ
اَوْ وَّزَنُوْهُمْ	یا ان کو تول کر دیتے ہیں	مَّبْعُوْثُوْنَ	دوبارہ زندہ کئے جائیں گے	لِرَبِّ	رب کے لئے
				الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے قیامت کے دن بڑی کم بختی ہوگی

جو لوگ دوسروں سے تو پورا ناپ کر لیتے ہیں، مگر دوسروں کو کم ناپ تول کر دیتے ہیں ان کے لئے قیامت کے دن بہت بڑی تباہی، بربادی اور عذاب ہوگا، ارشاد فرماتے ہیں: —— بڑی کم بختی ہے گھٹانے والوں کے لئے! یہ وہ لوگ ہیں کہ جب وہ دوسروں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔ اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کمی کرتے ہیں، کیا ان کو خیال نہیں کہ وہ ایک بڑے دن میں زندہ کئے جائیں گے، جس دن تمام آدمی پروردگار عالم کے سامنے کھڑے ہونگے:

تفسیر: ڈنڈی مارنا بہت بری عادت ہے، آج کل بعض دوکاندار ایسا کرتے ہیں، اور حدیث میں ہے کہ جن لوگوں میں بھی کم تولنے ناپنے کی بیماری پیدا ہوگی ان کی پیداوار گھٹ جائے گی، قحط پڑے گا اور کھانے کے لالے پڑ جائیں گے، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بازار سے گذرتے تو دوکانداروں سے فرماتے: اللہ سے ڈرو! پورا ناپو تولو! کیونکہ قیامت کے دن کم ناپنے تولنے والے اس طرح کھڑے کئے جائیں گے کہ وہ پسینہ میں شرابور ہونگے، اور ترمذی شریف میں حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کی حدیث (نمبر ۲۴۱۵) ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو سورج بندوں سے قریب کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ ایک یا دو میل (Mile) رہ جائے گا، پس سورج لوگوں کو پگھلا دے گا، لوگ اپنے اعمال کے بقدر پسینہ میں ہونگے، کسی کو پسینہ ایڑی تک پکڑے گا، کسی کو گھٹنوں تک، کسی کو کمر تک اور کسی کو پسینہ لگام دیدے گا، یعنی پسینہ منہ تک پہنچ جائے گا اور کلام سے روک دے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا کم ناپنے تولنے والوں کو اس بات کا اندیشہ نہیں کہ ان کو قیامت کے دن زندہ ہو کر اٹھنا ہے، اور رب العالمین کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اس دن مصیبت کا جو عالم ہوگا اس کا ہم آج تصور بھی نہیں کر سکتے، پس جان لو کہ

(۱) اکتال منه وعلیه: کسی سے اپنے لئے خود ناپ کر لینا (باب افتعال) (۲) کالوهم: أی کالوا لهم، اسی طرح وزنوهم: أی وزنوا لهم۔

ناپ تول میں دھوکہ مسلمانوں کا کام نہیں، یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جن کو نہ خدا کا خوف ہے نہ آخرت کا ڈر! اللہ تعالیٰ اس ناپاک حرکت سے ہماری حفاظت فرمائیں (آمین)

دوسری حق تلفیوں کا حکم: نبی ﷺ کا پاک ارشاد ہے: جس نے اپنے مسلمان بھائی کی کوئی حق تلفی کی، خواہ اس کا تعلق آبرو سے ہو یا کسی اور معاملہ سے، پس چاہئے کہ وہ اس سے آج معاف کرالے، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جب نہ دینار ہوگا نہ درہم، اگر ظالم کے پاس نیکی ہوگی تو اس سے ظلم کے بقدر لیا جائے گا، اور اگر نیکی نہیں ہوگی تو مظلوم کی برائیوں میں سے اس پر لادا جائے گا (بخاری شریف حدیث ۲۴۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر حق تلفی خطرناک ہے، حقوق اللہ کی معافی تو ممکن ہے کہ اللہ کریم ہیں، مگر حقوق العباد کا معاملہ سنگین ہے، حدیث میں ہے کہ شہادت سے بھی قرضہ معاف نہیں ہوتا، حق العبد بندے کے معاف کرنے ہی سے معاف ہوگا، اور قیامت کے دن سب محتاج ہونگے، ہر ایک اپنا حق وصول کرے گا، کوئی کسی کو معاف نہیں کرے گا۔

سوال: لینے کی طرف صرف ناپنے کا ذکر کیا، اور دینے کی طرف کم ناپنے تولنے کا ذکر کیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اپنا حق پورا وصول کرنا مذموم نہیں، اس کے ذکر سے مقصود کم دینے کی مذمت کو مؤکد کرنا ہے، یعنی کم دینا اگرچہ فی نفسہ مذموم ہے، لیکن اس کے ساتھ اگر لیتے وقت پورا لیا جائے تو اور بھی مذموم ہے، اس لئے پہلے اختصار کیا۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

كَلَّآ	ہرگز نہیں	مَا سِجِّيْنٌ	قید خانہ کیا ہے؟	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں کیلئے
اِنَّ كِتٰبَ	بے شک نوشتہ	كِتٰبٌ	ایک نوشتہ ہے	الَّذِيْنَ	وہ جو
الْفُجَّارِ	بدکاروں کا	مَّرْقُوْمٌ	لکھا ہوا	يُكَذِّبُوْنَ	جھٹلاتے ہیں
لَفِيْ سِجِّيْنٍ (۱)	البتہ قید خانہ میں ہے	وَيْلٌ	بڑی کم بختی ہے	بِيَوْمِ	دن کو
وَمَآ اَدْرٰىكَ	اور تجھے کیا پتہ	يَّوْمَىِٕذٍ	اس دن	الدِّيْنِ	جزاء کے

(۱) سجین اور سِجْن: مترادف ہیں: جیل، قید خانہ، یہ کوئی نیا لفظ نہیں، سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۸) میں جہنم کے لئے حصیر آیا ہے، ما سجين: أی ما فی سجنٍ۔

وَمَا يُكَذِّبُ	اور نہیں جھٹلاتا	اَثِيْمٍ	گنہگار	قَالَ	کہتا ہے
بِهٖٓ	اس کو	اِذَا تُتْلٰى	جب پڑھی جاتی ہیں	اَسَاطِيْرُ	کہانیاں ہیں
اِلَّا كُلُّ	مگر ہر	عَلَيْهِ	اس کے سامنے	الْاَوَّلِيْنَ	اگلوں کی!
مُعْتَدٍ	حد سے بڑھنے والا	اٰيٰتُنَا	ہماری آیتیں	۞	۞

کفار جو جزاء کے دن کو جھٹلاتے ہیں ان کے ناموں کا رجسٹر جیل (دوزخ) میں ہے

پہلے ترمذی شریف کی ایک حدیث (نمبر ۲۱۴۱) پڑھ لیں جس میں یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنتیوں اور جہنمیوں کے نام رجسٹروں میں لکھ لئے ہیں:

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ گھر میں سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے، درانحالیکہ آپؐ کے ہاتھ میں دو رجسٹر تھے، پس فرمایا: ''جانتے ہو یہ دو رجسٹر کیا ہیں؟'' ہم نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! مگر یہ کہ آپ ہمیں بتلائیں (تو ہم جان سکتے ہیں) پس آپؐ نے اس رجسٹر کے لئے جو آپؐ کے دائیں ہاتھ میں تھا، فرمایا: ''یہ تمام جہانوں کے پالنہار کی طرف سے ایک رجسٹر ہے جس میں جنتیوں کے، ان کے باپ دادوں کے اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں، پھر ان کے آخر میں میزان لگادی گئی ہے یعنی ٹوٹل کر دیا گیا ہے، پس کبھی بھی نہ تو ان میں کوئی اضافہ کیا جائے گا اور نہ ان میں کوئی کمی کی جائے گی'' پھر آپؐ نے اس رجسٹر کے لئے جو آپؐ کے بائیں ہاتھ میں تھا، فرمایا: ''یہ تمام جہانوں کے پالنہار کی طرف سے ایک رجسٹر ہے، اس میں جہنمیوں کے، ان کے باپ دادوں کے اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں، پھر ان کے آخر میں میزان لگادی گئی ہے، پس کبھی بھی نہ تو ان میں کوئی اضافہ کیا جائے گا اور نہ ان میں کوئی کمی کی جائے گی''

تشریح: یہ دو رجسٹر جو آپؐ کے ہاتھوں میں تھے: محسوس تھے یا معنوی؟ حدیث سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ محسوس تھے، اور دوسری دنیا کی چیزیں جس طرح انبیاء کے لئے متمثل ہوتی ہیں صحابہ وغیرہ کے لئے بھی کبھی متمثل ہوتی ہیں، مثلاً حضرت جبرئیل علیہ السلام کبھی صحابہ کو بھی نظر آتے تھے، اسی طرح اگر یہ رجسٹر صحابہ کو بھی نظر آئے ہوں تو اس میں کوئی استبعاد نہیں۔

رہا یہ سوال کہ اتنے سارے نام ایک ایک رجسٹر میں کیسے آ گئے؟ اور اتنے بڑے بڑے رجسٹر ہاتھوں میں لے کر آپؐ کیسے تشریف لائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اب کمپیوٹر اور ڈی جیٹل کا زمانہ ہے، بڑے سے بڑا کتب خانہ ایک چھوٹی سی چپٹ میں آ جاتا ہے، پس یہ سارے نام قابل تحمل رجسٹروں میں کیوں نہیں آ سکتے؟

ارشادِ پاک ہے: جزاء کا انکار مت کرو، بدکاروں کے ناموں کا رجسٹر جیل خانہ (دوزخ) میں ہے، اور جہاں ان کا رجسٹر ہے وہاں وہ خود بھی ہونگے، جیسے کتب خانہ کا رجسٹر کتب خانہ میں ہوتا ہے، اور جس دن دوزخی وہاں پہنچیں گے ان کے لئے بربادی اور ہلاکت ہوگی، اور وہ ان کی روز جزاء کی تکذیب کا نتیجہ ہوگی۔

﴿ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ﴾

ترجمہ: ہرگز نہیں ـــــ یعنی جزاء کا انکار مت کرو ـــــ بے شک بدکاروں کا رجسٹر جیل (دوزخ) میں ہے اور تجھے کیا خبر جیل کیا ہے؟ وہ ایک لکھا ہوا رجسٹر ہے ـــــ اُس رجسٹر میں جن کے نام ہیں جب وہ دوزخ میں پہنچیں گے تو ـــــ اُس دن بڑی کم بختی ہوگی جھٹلانے والوں کے لئے جو جزاء کے دن کو جھٹلاتے ہیں!

جزاء کے دن کا انکار سرکش گنہگار ہی کرتا ہے

سرکشی اور گناہ سے دلچسپی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہیں، پھر اس کے اندھاپن کی کوئی حد نہیں رہتی، یہاں تک کہ جب اس کے سامنے اللہ کا کلام پڑھا جاتا تو کہہ دیتا ہے: اس میں کیا رکھا ہے؟ یہ تو اگلوں کی مذہبی جھوٹی داستانیں ہیں! حالانکہ قرآن کی باتوں کو سن کر کانپ جانا چاہئے تھا، عبرت حاصل کرنی چاہئے تھی، اللہ کے قانونِ قدرت سے ڈرنا چاہئے تھا، اس کی پکڑ سے کوئی بچ نہیں سکتا، مگر ہائے رے کم بختی! جب آدمی عقل سے پیدل ہو جائے تو کیسی کیسی حماقت بھری باتیں کرتا ہے!

﴿ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جزاء کے دن کو وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حد سے تجاوز کرنے والا گنہگار ہے، جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے: یہ پہلوں کی کہانیاں ہیں!

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝

كَلَّا	ہرگز نہیں	مَّا كَانُوْا	اس کا جو تھے	عَنْ رَّبِّهِمْ	اپنے پروردگار سے
بَلْ	بلکہ	يَكْسِبُوْنَ	کماتے	يَوْمَىِٕذٍ	اس دن
رَانَ	زنگ بیٹھ گیا ہے	كَلَّآ	ہرگز نہیں	لَّمَحْجُوْبُوْنَ	البتہ پردے میں کئے ہوئے ہونگے
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں پر	اِنَّهُمْ	بے شک وہ		

ثُمَّ	پھر	الْجَحِيْمِ	دوزخ میں	هٰذَا الَّذِيْ	یہ ہے جو
اِنَّهُمْ	بے شک وہ	ثُمَّ	پھر	كُنْتُمْ بِهٖ	تھے تم اس کو
لَصَالُوا	البتہ داخل ہونے والے ہیں	يُقَالُ	کہا جائے گا	تُكَذِّبُوْنَ	جھٹلاتے

تکذیب کی اصل وجہ یہ ہے کہ تکذیب کرنے والوں کے دلوں پر ان کے کرتوں کا زنگ بیٹھ گیا ہے

دل انسان کا سب سے اہم عضو ہے، جب اس کو کوئی شخص برابر گناہ پر لگائے رہے تو وہ سیاہ ہوجاتا ہے، قبولِ حق کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے، اور بالآخر دل مردہ ہوجاتا ہے، ترمذی شریف کی حدیث (نمبر ۳۳۵۷) ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ لگادیا جاتا ہے، پھر جب وہ گناہ سے نکل جاتا ہے اور بخشش طلب کرتا ہے اور توبہ کرلیتا ہے تو اس کا دل صاف کردیا جاتا ہے، اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس دھبہ میں اضافہ کردیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے، اور یہی وہ زنگ ہے جس کا اللہ پاک نے: ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ﴾ میں ذکر کیا ہے''

﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝﴾

ترجمہ: ہرگز نہیں ـــــ یعنی قرآن اگلوں کی کہانیاں نہیں ـــــ درحقیقت ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے ان کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے ـــــ اس وجہ سے قبول حق کی صلاحیت ختم ہوگئی، اور وہ قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے کے لئے تیار نہیں!

مکذبین آخرت میں دیدارِ خداوندی سے محروم ہونگے اور وہ ان کے لئے بڑی سزا ہوگی

جھٹلانے والوں کو آخرت میں ایک بڑی سزا ملے گی کہ وہ جمالِ خداوندی کی زیارت سے محروم ہونگے اور یہ ان کے لئے بڑی سزا ہوگی، اور یہ محرومی اسی وقت سزا ہوسکتی ہے جب ان کے دلوں میں اللہ کی انتہائی محبت اور دیدار کا شوق ہو، عاشق کو معشوق کے دیدار سے محروم رکھا جائے تو اس کی جان نکل جائے گی اور غیر عاشق کو محروم رکھا جائے تو وہ کہے گا: میرے پاپوش سے! مجھے دیکھنا ہی نہیں!

انسان کی فطرت میں بھی اللہ کی محبت رچی بسی ہے، خالق ومخلوق کا رشتہ باپ بیٹے کے رشتے سے قوی ہے، بندہ اگر فرنٹ (FRONT) ہوجائے تو بھی دل میں مکنون محبت ختم نہیں ہوتی، اس لئے آخرت میں کفار بھی دیدارِ خداوندی کے مشتاق ہونگے، اور اُس نعمتِ بے بہا سے محرومی ان کے لئے بڑی سزا ہوگی۔

﴿ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُوْنَ ﴾

ترجمہ: ہرگز نہیں ـــــ جزاؤسزا کا انکارمت کر ـــــ بے شک وہ لوگ اس دن اپنے پروردگار سے پردے میں کئے ہوئے ہونگے!

بالآخر مکذبین دوزخ میں داخل کئے جائیں گے

اس کے بعد جزاؤسزا کا انکار کرنے والوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا: تمہیں دنیا میں اپنے برے انجام کا یقین نہیں تھا، اب اپنی آنکھوں سے اس دوزخ کو دیکھ لو جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے!

﴿ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴾

ترجمہ: پھر بے شک وہ دوزخ میں داخل کئے جائیں گے، پھر کہا جائے گا: ''یہی وہ دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے!''

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِىْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِىْ نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِىْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۚ وَفِىْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾

كَلَّآ	ہرگز نہیں	كِتٰبٌ	ایک رجسٹر ہے	عَلَى الْاَرَآئِكِ	مسہریوں پر
اِنَّ كِتٰبَ	بے شک رجسٹر	مَّرْقُوْمٌ	لکھا ہوا	يَنْظُرُوْنَ	دیکھ رہے ہونگے
الْاَبْرَارِ	نیکوں کا	يَّشْهَدُهُ	دیکھیں گے اس کو	تَعْرِفُ	پہچانیں گے آپ
لَفِىْ عِلِّيِّيْنَ (۱)	البتہ بالاخانوں میں ہے	الْمُقَرَّبُوْنَ	مقرب بندے	فِىْ وُجُوْهِهِمْ	ان کے چہروں میں
وَمَآ اَدْرٰىكَ	اور تجھے کیا پتہ	اِنَّ الْاَبْرَارَ	بے شک نیک لوگ	نَضْرَةَ	تازگی
مَا عِلِّيُّوْنَ	بالاخانے کیا ہیں؟	لَفِىْ نَعِيْمٍ	یقیناً نعمتوں میں ہونگے	النَّعِيْمِ	نعمتوں کی

(۱) العِلِّیُّ: بلند ترین جگہ یا بلند ترین درجہ، العِلِّیُّوْن: جنت کے اعلیٰ مقام کا نام، واو نون اعرابی ہیں اور ما علیون؟ أی ما فی علیین؟ ظرف بول کر مظروف مراد لیا ہے۔

يُسْقَوْنَ	پلائے جائیں گے	وَفِيْ ذٰلِكَ	اور اس میں	عَيْنًا	ایک چشمہ
مِنْ رَّحِيْقٍ(۱)	خالص شراب سے	فَلْيَتَنَافَسِ(۲)	پس چاہئے کہ ریس کریں	يَّشْرَبُ	پئیں گے
مَّخْتُوْمٍ	مہر لگی ہوئی	الْمُتَنَافِسُوْنَ	ریس کرنے والے	بِهَا	اس سے
خِتٰمُهٗ	اس کی مہر	وَمِزَاجُهٗ	اور اس کی ملونی	الْمُقَرَّبُوْنَ	مقرب بندے
مِسْكٌ	مشک ہے	مِنْ تَسْنِيْمٍ	تسنیم سے ہے	۞	۞

نیک لوگوں کے ناموں اور کاموں کا رجسٹر جنت میں ہے، اور وہاں ان پر پانچ نوازشات

جزاؤسزا کا انکار مت کرو، بدکاروں کی بدانجامی تم دیکھ چکے، اب نیکوکاروں کی نیک انجامی بھی دیکھو، ابرار کے ناموں اور کاموں کا دفتر جنت کے بالا خانوں میں ہے، پس وہ بھی وہاں ہونگے، اور وہاں ان پر پانچ نوازشات ہونگی:

۱- ان کے ناموں اور کاموں کے دفتر کو مقرب بندے: ملائکہ اور مؤمنین شوق سے دیکھیں گے، اور جب کسی کے کارنامہ کو اہل نظر سراہتے ہیں تو آدمی پھولا نہیں سماتا، محل بنایا، باغ لگایا یا کوئی چیز ایجاد کی، اور ماہرین نے اس کو شوق سے دیکھا اور تعریف کی تو یہ عامل کے لئے سب سے بڑا صلہ ہے۔

۲- جنتیوں کو جنت میں ہر نعمت حاصل ہوگی، کسی چیز کا ٹوٹا نہیں ہوگا، ان کو وہاں ہر طرح کی سہولت، خوشی، راحت اور عزت حاصل ہوگی۔

۳- وہ مسہریوں پر بیٹھے نظارہ کریں گے، مسہریاں کیسی ہونگی؟ جیسی جنت ہوگی ویسی ہی مسہریاں ہونگی! ابھی ان کی خوبی کوئی نہیں بتلا سکتا، اور کس چیز کا نظارہ کریں گے؟ گردو پیش کا نظارہ کریں گے، جیسے آدمی لالہ زار میں بیٹھ کر چاروں طرف دیکھتا ہے اور خوش ہوتا ہے، اسی طرح جنتی جنت کے نظارے سے لطف اٹھائیں گے۔

۴- جنتیوں کے چہروں سے تازگی ٹپک رہی ہوگی، ایسے آدمی کے چہرے پر چمک دمک ہوتی ہے جس کو ہر طرح کا آرام اور اطمینان نصیب ہو، ایک جنت ہی ایسی جگہ ہے جہاں ہمیشہ جی لگا رہے گا۔

۵- نیک لوگوں کو جنت میں خالص سربمہر شراب ملے گی، جس کی ڈاٹ مشک کی ہوگی، اور اس میں تسنیم کی ملونی ہوگی، تسنیم جنت میں ایک چشمہ ہے، مقربین (سابقین) کو تو اسی چشمہ سے پلایا جائے گا، اور ابرار کے لئے اس میں سے ملونی کی جائے گی، اور یہ جام ایسی نعمت ہے کہ ریس کرنے والے اس کو حاصل کرنے کے لئے ریس کریں، یعنی نیک کام کریں تاکہ ان کو وہ جام نصیب ہو۔

(۱) الرحیق: صاف وخالص شراب (۲) تنافس القومُ فی کذا: کسی چیز کے حاصل کرنے میں باہم مقابلہ کرنا، ریس کرنا، کسی کو نقصان پہنچائے بغیر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا۔

آیاتِ پاک: —— ہرگز نہیں —— یعنی جزاء کا انکار مت کرو —— بے شک نیک لوگوں کا رجسٹر جنت کے بالا خانوں میں ہے، اور تجھے کیا خبر ان بالا خانوں میں کیا ہے؟ وہاں لکھا ہوا ایک رجسٹر ہے: (۱) جس کو مقربین دیکھتے ہیں (۲) بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہونگے (۳) مسہریوں پر بیٹھے نظارہ کر رہے ہونگے (۴) اور ان کے چہروں پر آپ نعمتوں کی تازگی دیکھیں گے (۵) وہ سر بمہر خالص شراب پلائے جائیں گے، اور اس کی مہر مشک کی ہوگی، پس چاہئے کہ مقابلہ کرنے والے اس میں مقابلہ کریں، اور اس میں ملونی تسنیم کی ہوگی، اور وہ ایک چشمہ ہے جس سے مقرب بندے پیتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

ع

إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جنھوں نے	انْقَلَبُوا	پلٹتے ہیں	الَّذِينَ	جو لوگ
أَجْرَمُوا	گناہ کیا	فَكِهِينَ (۲)	خوش طبعی کرتے ہوئے	آمَنُوا	ایمان لائے
كَانُوا مِنَ الَّذِينَ	وہ ان سے جو	وَإِذَا رَأَوْهُمْ	اور جب دیکھتے ہیں ان کو	مِنَ الْكُفَّارِ	کافروں سے
آمَنُوا	ایمان لائے	قَالُوا	کہتے ہیں	يَضْحَكُونَ	ہنسیں گے
يَضْحَكُونَ	ہنستے ہیں	إِنَّ هَٰؤُلَاءِ	بے شک یہ لوگ	عَلَى الْأَرَائِكِ	مسہریوں پر
وَإِذَا مَرُّوا	اور جب گذرتے ہیں	لَضَالُّونَ	یقیناً بھکے ہوئے ہیں	يَنْظُرُونَ	دیکھیں گے
بِهِمْ	ان کے پاس سے	وَمَا أُرْسِلُوا	اور نہیں بھیجے گئے وہ	هَلْ (۳)	واقعی
يَتَغَامَزُونَ (۱)	آنکھیں مارتے ہیں	عَلَيْهِمْ	ان پر	ثُوِّبَ	بدلہ دیئے گئے
وَإِذَا انْقَلَبُوا	اور جب پلٹتے ہیں	حَافِظِينَ	نگہبان بنا کر	الْكُفَّارُ	کافر
إِلَىٰ أَهْلِهِمُ	اپنے گھر والوں کی طرف	فَالْيَوْمَ	پس آج	مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ	ان کاموں کا جو وہ کرتے تھے

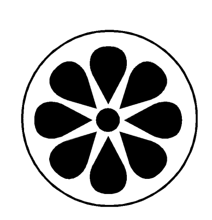
(۱) غمز (ض) بالعین: آنکھ سے اشارہ کرنا، آنکھ مارنا (۲) فکھین: فَكِهٌ کی جمع: باتیں بنانے والا، مذاق اڑانے والا۔ (۳) ھل: استفہام تقریری کے لئے ہے، جو ما بعد کو ثابت کرتا ہے۔

دنیا میں کفار مسلمانوں کی ہنسی اڑاتے ہیں مگر آخرت میں پانسہ پلٹ جائے گا

کفارِ مکہ ابوجہل، ولید اور عاص لعنہم اللہ: ضعفائے مسلمین بلال، عمار، خباب اور صہیب وغیرہ رضی اللہ عنہم کا الّو بنایا کرتے تھے، جب ان کے پاس سے گذرتے تو ایک دوسرے کو آنکھ مارتے اور غمزہ کرتے، اور گھروں پر جا کر ان کی باتیں کر کے دل بہلاتے، اور جب ان سے ملتے تو کہتے: تم گمراہ ہوگئے ہو، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: کیا تمہیں ان کا ٹھیکیدار بنا کر بھیجا گیا ہے! پس آج وہ کمزور مسلمان جنت میں پہنچ کر قوی ہوگئے ہیں، وہ ان کافروں پر ہنس رہے ہیں، مسہریوں پر بیٹھے ان کی تباہ حالی کا نظارہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: بالیقین ان کافروں کو ان کے کئے کا پورا بدلہ مل گیا!

آیاتِ پاک: —— بے شک جن لوگوں نے برے کام کئے —— آخری درجہ کے برے کام مراد ہیں، یعنی کفر وشرک میں مبتلا رہے —— وہ ایمان والوں پر ہنستے ہیں، اور جب وہ ان (مسلمانوں) کے پاس سے گذرتے ہیں تو (ایک دوسرے کو) اشارے کیا کرتے ہیں، اور جب وہ اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو بطور دل لگی مسلمانوں کا تذکرہ کیا کرتے ہیں، اور جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ لوگ بہکے ہوئے ہیں! اور ان کافروں کو مسلمانوں پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا گیا، پس آج ایمان والے کافروں پر ہنس رہے ہیں، مسہریوں پر بیٹھے نظارہ کر رہے ہیں، بالتحقیق کافروں کو ان کے کئے کا بدلہ مل گیا۔

فائدہ: مکہ کے کافروں کا جو طریقہ تھا: آج جہاں بھی کافروں کا غلبہ ہوتا ہے، مسلمانوں کے ساتھ ان کا یہی وتیرہ ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ کوئی ملک ہو، کوئی زمانہ ہو، کوئی ماحول ہو، نیک لوگوں کے ساتھ بدکار کافروں کا طریقہ ایک ہی رہتا ہے، پس مسلمان برداشت کریں، جب دنیا کی بساط لپیٹ دی جائے گی تو پانسہ پلٹ جائے گا، آج کے کمزور کل قوی ہو جائیں گے، اور جو ان پر ہنستے ہیں مسلمان ان پر ہنسیں گے۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الانشقاق

انشقاق کے معنی ہیں: پھٹنا، چرنا، شگاف پڑنا، کریک ہونا، اس سورت کا موضوع بھی حسب سابق قیامت اور مجازات ہے، اوراس سورت میں چار باتیں ہیں:

۱-انسان کا سب کرا کرایا، اچھا برا قیامت کے دن اس کے سامنے آجائے گا۔

۲-اللہ نے انسان کی دنیوی زندگی پُر مشقت بنائی ہے، موت تک سخت محنت میں لگا رہنا ہے اور اعمال کا فرق یہاں ظاہر نہیں ہوگا، مگر ایک دن اس کو اپنے اعمال سے سابقہ پڑے گا، کسی کو اس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اور کسی کو اس کی پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں تھمایا جائے گا، اور ایسا قیامت کے دن ہوگا، اس دن دونوں کے احوال مختلف ہونگے۔

۳-انسان کی موجودہ حالت آخری حالت نہیں، اس کو آگے درجہ بہ درجہ ترقی کرنی ہے، آگے دو زندگیاں ہیں، ایک قبر کی زندگی، دوسری: قیامت کی زندگی، یہ زندگی اس کی آخری حالت ہوگی، اوراس بات کو دو قسموں سے مدلل کیا ہے۔

۴-آخر میں کفار کے لئے زجر وتوبیخ ہے، ان کو دھمکایا ہے اور عذاب الیم کی خوش خبری سنائی ہے، اور نیک مؤمنین کو دائمی اجر کی خبر دی ہے۔



اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾

اِذَا	جب
السَّمَآءُ	آسمان
انْشَقَّتْ	چر جائے گا
وَاَذِنَتْ(۱)	اور حکم سن لے گا
لِرَبِّهَا	اپنے رب کا
وَحُقَّتْ(۲)	اور وہ اسی لائق ہے

(۱) أذِن (س) أَذَنًا له وإليه: کان لگا کر سننا (۲) حُقّ: حَقَّ الأمرُ کا مجہول ہے، حُقَّ له أن يفعل كذا: اسے ایسا کرنا ضروری اور لازم ہے۔

وَاِذَا	اور جب	وَاَلْقَتْ	اور ڈال دے گی	وَاَذِنَتْ	اور حکم سن لے گی
الْاَرْضُ	زمین	مَافِيْهَا	جو کچھ اس میں ہے	لِرَبِّهَا	اپنے رب کا
مُدَّتْ	کھینچ دی جائے گی	وَتَخَلَّتْ	اور خالی ہوجائے گی	وَحُقَّتْ(۱)	اور وہ اسی کے لائق ہے

انسان کا سب کرا کرایا اچھا برا قیامت کے دن اس کے سامنے آئے گا

جب (دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا، اور) آسمان پھٹ جائے گا —— تاکہ فرشتے اور عرش پاک زمین پر اترے —— اور وہ اپنے رب کا حکم سن لے گا، اور وہ اسی کے لائق ہے —— یعنی اس کی حیثیت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کا حکم مانے، اور اس کے سامنے مجبور ہوکر رہ جائے —— اور جب زمین کھینچ دی جائے گی —— یعنی بڑی کردی جائے گی، حشر اسی زمین پر ہوگا، اولین وآخرین سب اسی زمین پر پیدا ہونگے، اس لئے زمین بڑی کردی جائے گی، سمندر سوکھ جائیں گے، اور پہاڑ گرد ہوکر اڑیں گے اور سمندر کی گہر کو بھردیں گے، اس طرح زمین پہاڑوں سے بھی خالی ہوجائے گی، علاوہ ازیں زمین کو ربڑ کی طرح کھینچ دیا جائے گا، یا غبارے کی طرح ہوا بھر کر پھلا دیا جائے گا، پھر اس پر حشر ہوگا —— اور وہ اپنے اندر کی چیزوں کو باہر ڈال دے گی اور خالی ہوجائے گی —— مراد خاص ہے، یعنی مُردے نکل آئیں گے، کوئی مرا ہوا زمین کے اندر نہیں رہے گا، سب نکل آئیں گے —— اور وہ اپنے رب کا حکم سن لے گی، اور وہ اسی کے لائق ہے —— اس دن انسان اپنے اعمال کو دیکھے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝۶ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝۷ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝۸ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۹ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝۱۰ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝۱۱ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝۱۲ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۱۳ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝۱۴ بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝۱۵

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ	اے انسان	كَادِحٌ(۲)	تکلیف اٹھانے والا ہے	كَدْحًا	سخت تکلیف اٹھانا
اِنَّكَ	بے شک تو	اِلٰى رَبِّكَ	تیرے رب تک	فَمُلٰقِيْهِ(۳)	پھر تو اس سے ملنے والا ہے

(۱) إذا کی جزاء محذوف ہے أی لَقِيَ الإنسانُ عملَه: انسان کا کرا کرایا اس کے سامنے آجائے گا، اور حذف کا قرینہ اگلی آیات ہیں۔(۲) کادح: اسم فاعل: كَدَحَ (ف) فی العمل: محنت کرنا، مشقت اٹھانا، جانفشانی سے کام کرنا، انتھک کوشش کرنا۔ (۳) مُلَاقٍ: اسم فاعل: ضمیر کی طرف مضاف أی ملاقٍ عملك المذكور من خير أو شر يوم القيامة (جلالین)

فَاَمَّا مَنْ	پس رہا جو	مَسْرُوْرًا	خوش خوش	اِنَّهٗ كَانَ	بے شک وہ تھا
اُوْتِيَ	دیا گیا	وَاَمَّا مَنْ	اور رہا جو	فِيْٓ اَهْلِهٖ	اپنے گھر والوں میں
كِتٰبَهٗ	اس کا نامۂ اعمال	اُوْتِيَ	دیا گیا	مَسْرُوْرًا	خوش
بِيَمِيْنِهٖ	اس کے دہائیں ہاتھ میں	كِتٰبَهٗ	اس کا نامۂ اعمال	اِنَّهٗ ظَنَّ	بیشک اس نے خیال کیا
فَسَوْفَ	پس عنقریب	وَرَآءَ ظَهْرِهٖ	اس کی پیٹھ کے پیچھے	اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ (۲)	کہ ہرگز نہیں لوٹے گا وہ
يُحَاسَبُ	حساب کیا جائے گا وہ	فَسَوْفَ يَدْعُوْا	پس عنقریب پکارے گا	بَلٰٓى	کیوں نہیں
حِسَابًا يَّسِيْرًا	آسان حساب	ثُبُوْرًا (۱)	موت کو	اِنَّ رَبَّهٗ	بیشک اس کا رب
وَّيَنْقَلِبُ	اور پلٹے گا وہ	وَّيَصْلٰى	اور داخل ہوگا	كَانَ بِهٖ	اس سے ہے
اِلٰٓى اَهْلِهٖ	اپنے گھر والوں کی طرف	سَعِيْرًا	دوزخ میں	بَصِيْرًا	خوب واقف

انسان مشقت بھری زندگی گذارتا ہے اور ثمرہ سامنے نہیں آتا، وہ اگلی زندگی میں سامنے آئے گا

اللہ نے انسان کی دنیوی زندگی مشقت بھری بنائی ہے، یہاں کسی کو چین نہیں، ہر شخص اچھے برے کام میں لگا ہوا ہے، اور ثمرہ سامنے نہیں آتا، پس کیا ہیرا اور خزف برابر ہو جائیں گے؟ نہیں! ایک دن آئے گا جس میں انسان کو اپنے عمل سے سابقہ پڑے گا، اس دن لوگ دو طرح کے ہونگے:

ایک: دائیں والے جن کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، ان کا آسان حساب ہوگا، اعمال دکھلا دیئے جائیں گے، پھر برائیوں سے درگذر کیا جائے گا، وہ میدان قیامت میں اپنے گھر والوں کے پاس خوش خوش لوٹے گا، جیسے ہم دنیا میں دیکھتے ہیں: اگر کسی کو کسی سنگین جرم میں عدالت میں جانا پڑتا ہے تو اس کے متعلقین کو اس کی واپسی کا کتنا سخت انتظار ہوتا ہے، پھر جب وہ بری ہو کر لوٹتا ہے تو خود اس کو اور اس سے مل کر اوروں کو کتنی خوشی ہوتی ہے؟ آخرت کی عدالت کا معاملہ دنیا کی عدالت سے زیادہ سخت اور سنگین ہے!

دوسرے: بائیں والے: جن کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، جب نامۂ اعمال اڑیں گے، اور بروں کے بائیں ہاتھ کی طرف آئیں گے تو وہ اپنا انجام سمجھ جائیں گے؟ اور بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ نہیں لینا چاہیں گے، وہ اپنا بایاں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے چھپا دیں گے، پس ان کو وہیں بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ تھمایا جائے گا، یہ شخص دنیا میں اپنی فیملی میں خوش خوش زندگی گذارتا تھا، اور اس کا گمان تھا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں ہونا، کیوں نہیں ہونا؟ مرنے کے بعد بھی اللہ

(۱) ثبور: مصدر: ہلاک ہونا، بابہ نصر (۲) حَارَ (ن) حَوْرًا: لوٹنا، واپس ہونا۔

تعالیٰ تیرے احوال سے باخبر ہیں، جس طرح انھوں نے تجھ کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے دوبارہ پیدا کریں گے!

جس کے ساتھ حساب میں ردوکد کی گئی اس کی لٹیا ڈوبی!

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس سے بھی حساب لیا جائے گا وہ ہلاک ہوگا!'' صدیقہؓ نے عرض کیا: اللہ مجھے آپؐ پر قربان کریں! کیا اللہ تعالیٰ (سورۃ الانشقاق آیات ۷ و ۸ میں) نہیں فرماتے: ''جس کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا: اس سے آسان حساب لیا جائے گا؟'' آپؐ نے فرمایا: ''وہ پیش کرنا ہے، لوگ پیش کئے جائیں گے (بندے کو بلا کر اس کے سامنے اس کے سب اعمال رکھ دیئے جائیں گے، پھر اس کی مغفرت کردی جائے گی) اور جس کے ساتھ حساب میں ردوکد کی گئی، وہ ہلاک ہوا یعنی جس سے پوچھا گیا کہ یہ گناہ کیوں کیا؟ اور جب تک مجرم جواب نہیں دے گا حساب میں پیش رفت نہیں ہوگی: وہ سزا دیا جائے گا۔

آیاتِ پاک: ــــ اے انسان! بے شک تو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنے تک مشقت بھری زندگی گذارنے والا ہے، پس تو اس سے ــــ یعنی اپنے اعمال سے ــــ ملنے والا ہے، پس رہا وہ شخص جس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا، اس سے عنقریب آسان حساب لیا جائے گا، اور وہ اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش لوٹے گا ــــ اور رہا وہ شخص جس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے دیا گیا تو وہ عنقریب ہلاکت کو پکارے گا، اور وہ جہنم میں جائے گا ــــ وہاں وہ بدبخت کیا کرے گا؟ موت کو پکارے گا، بے بسی کے ساتھ پکارے گا کہ شاید موت آجائے، اور جان بچ جائے، مگر اب موت بھی نہیں آئے گی، اب تو بس دوزخ ہے اور اس کا عذاب! ــــ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے متعلقین میں خوش خوش زندگی گذارتا تھا، اور اس نے خیال کر رکھا تھا کہ وہ ہرگز نہیں لوٹے گا ــــ یعنی دوبارہ پیدا نہیں ہوگا ــــ کیوں نہیں! اس کا پروردگار اس سے خوب واقف ہے!

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾

فَلَآ (۱)	پس نہیں	بِالشَّفَقِ	شفق کی	وَمَا	اور ان کی جن کو
اُقْسِمُ	قسم کھاتا ہوں میں	وَالَّيْلِ	اور رات کی	وَسَقَ (۲)	سمیٹا اس نے

(۱) فلا: پس نہیں یعنی انسان کی موجودہ حالت آخری حالت نہیں، آگے لترکبن: جوابِ قسم آرہا ہے، اس کی ضد کی نفی ہے۔
(۲) وَسَقَ وَسْقًا: متفرق کو جمع کرنا (راغب) موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے أی وَسَقَه۔

وَالْقَمَرِ	اور چاند کی	اتَّسَقَ(۱)	پورا ہوجائے	طَبَقًا	(اوپر کے) درجہ میں
اِذَا	جب	لَتَرْكَبُنَّ(۲)	ضرور تم کو چڑھنا ہے	عَنْ طَبَقٍ	(نیچے کے) درجہ سے

انسان کی موجودہ حالت آخری حالت نہیں، آگے قبر اور قیامت کی زندگیاں آرہی ہیں

اوپر یہ بات آئی ہے کہ کافر گمان کرتا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا، اس کا یہ خیال غلط ہے، انسان کی یہ دنیوی زندگی اس کی آخری حالت نہیں، آگے دو زندگیاں اور آرہی ہیں: ایک: قبر کی زندگی، دوسری: قیامت کی زندگی، اور اس کو دو قسموں سے مدلل کیا ہے۔

پہلی قسم: دن ختم ہوتا ہے تو رات شروع ہوتی ہے، کچھ دیر دن کا اثر شفق کی صورت میں باقی رہتا ہے، پھر رات چھا جاتی ہے، اور تمام حیوانات اپنے ٹھکانوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں، اسی طرح دنیا کی زندگی ختم ہوتی ہے تو موت آتی ہے اور لوگ چند دن یاد رکھتے ہیں (یہ شفق ہے) پھر بھول جاتے ہیں (یہ رات چھا گئی) اور سب روحیں بتدریج عالم برزخ میں سمٹ جاتی ہیں (یہ رات نے حیوانات کو سمیٹ لیا)

پھر عالم برزخ میں روحوں کی تربیت کی جاتی ہے، وہاں روحیں قوی ہوتی ہیں، اس دنیا میں روح پانچ فٹ اور ستر کلو وزن کے جسم کو ڈیل کر سکتی ہے، اور قیامت کے دن جسم ساٹھ ہاتھ کا ہوگا، اور اسی قدر وزنی بھی ہوگا، پس روحیں جب ریوس آئیں گے تو وہ ان ابدان کو ڈیل کریں گی، روحیں اتنی پاورفل کہاں بن گئیں؟ عالم برزخ میں ان کو ایسا قوی بنایا گیا۔

دوسری قسم: مہینہ شروع ہوتا ہے تو ہلال (نیا چاند) نمودار ہوتا ہے، پھر وہ دن بہ دن بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ چودھویں کو بدر کامل بن جاتا ہے، اسی طرح انسان درجہ بہ درجہ ترقی کرتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت کے دن کامل حالت میں پہنچ جائے گا۔

آیاتِ پاک: ـــــ پس نہیں ـــــ یعنی انسان اپنی موجودہ حالت ہی میں نہیں رہے گا ـــــ میں شفق کی قسم کھاتا ہوں اور رات کی قسم کھاتا ہوں، اور ان چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جن کو رات سمیٹ لیتی ہے ـــــ یہاں تک ایک قسم ہے ـــــ اور چاند کی قسم کھاتا ہوں جب وہ پورا ابھر جاتا ہے ـــــ یہ دوسری قسم ہے ـــــ تم لوگوں کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں پہنچنا ہے ـــــ یہ جوابِ قسم اور مدعی ہے۔

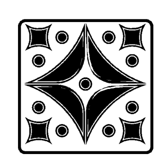
(۱) اتَّسَقَ القمرُ: چاند کا پورا ہونا، مادّہ: وَسق۔ (۲) تَرْكَبُنّ: رُکوب سے، مضارع با نون تاکید ثقیلہ، صیغہ جمع مذکر حاضر، اصل لترکبونَنَّ تھا، نون جمع اور واو حذف ہوا ہے (جالین)

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿٢١﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ﴿٢٢﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٢٥﴾

فَمَا لَهُمْ	پس ان کو کیا ہوا	كَفَرُوا	انکار کیا	أَلِيمٍ	دردناک
لَا يُؤْمِنُونَ	ایمان نہیں لاتے	يُكَذِّبُونَ	جھٹلاتے ہیں	إِلَّا الَّذِينَ	مگر جو لوگ
وَإِذَا قُرِئَ	اور جب پڑھا جاتا ہے	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ	آمَنُوا	ایمان لائے
عَلَيْهِمُ	ان کے سامنے	أَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
الْقُرْآنُ	قرآن	بِمَا يُوعُونَ (۱)	جس کو وہ جمع کرتے ہیں	الصَّالِحَاتِ	نیک کام
لَا يَسْجُدُونَ	(تو) سجدہ نہیں کرتے	فَبَشِّرْهُم	پس خوشخبری سنائیں انکو	لَهُمْ أَجْرٌ	ان کے لئے اجر ہے
بَلِ الَّذِينَ	بلکہ جنھوں نے	بِعَذَابٍ	عذاب کی	غَيْرُ مَمْنُونٍ	نہ ختم ہونے والا

قرآنِ کریم کی تکذیب کرنے والوں کو لتاڑ

پس ان لوگوں کو ــــ یعنی قرآن کے مخاطبین کو ــــ کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے، اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے؟ ــــ یہ سجدہ کی آیت ہے، یہاں سجدہ واجب ہے ــــ بلکہ منکرین (الٹے) تکذیب کرتے ہیں، اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو وہ بھرے ہوئے ہیں ــــ یعنی دلوں میں جو تکذیب وانکار، بغض وعناد اور حق کی دشمنی بھری ہوئی ہے اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے (فوائد) ــــ پس خوش خبری سنائیں ان کو دردناک عذاب کی، البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے ان کے لئے کبھی نہ ختم ہونے والا صلہ ہے!



(۱) یوعون: إیعاءٌ سے مضارع جمع مذکر غائب: جمع کرتے ہیں، بھرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البروج

بُرُوج: بُرْج کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: بڑے ستارے جو ننگی آنکھ سے نظر آتے ہیں، اور بَرَجَ (ن) بُرُوْجًا کے معنی ہیں: بلند اور نمایاں ہونا، سورت کے شروع میں بڑے ستاروں کی قسم کھائی ہے، اس لئے سورت کا یہ نام ہے، درمنثور میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں یہی تفسیر آئی ہے۔

یہ سورت مضمون کے اعتبار سے گذشتہ سورت کا تکملہ ہے، گذشتہ سورت کے آخر میں قرآن کی تکذیب کرنے والے کفار قریش کو لتاڑا ہے، اب اس سورت کے شروع میں قیامت کے دن اصحابِ اخدود (کھائیوں والوں) کے مقدمہ کی کاروائی، فیصلہ اور ان کا انجام سنایا ہے، کیونکہ کفار قریش نے بھی کمزور مسلمانوں کو ستانے میں اور ان کی ایذا رسانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، ان ظالموں کو خندق والے ظالموں کا مآل سنایا ہے کہ ان ظالموں کے خلاف قیامت کی کورٹ سے قصاصاً قتل کا فیصلہ ہوگا، اس سے سبق لیں۔

پھر مکذبین کو وارننگ دی ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کو ستانا نہیں چھوڑیں گے اور ایمان نہیں لائیں گے تو ان کو دوزخ کے عذاب سے سابقہ پڑے گا۔ اس کے بالمقابل اہل ایمان کی ڈھارس بندھوائی ہے، اور ان کو بڑی کامیابی کا مژدہ سنایا ہے، پھر سورت کے ختم تک کفار مکہ سے خطاب ہے، ان کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا ہے اور قرآنِ کریم کی عظمت کا بیان ہے۔

اصحابِ اخدود کا واقعہ

صحیح مسلم میں یہ واقعہ مفصل آیا ہے: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کافر بادشاہ کے پاس ایک کاہن (غیب کی خبریں دینے والا) تھا، اس نے بادشاہ سے کہا: مجھے کوئی ہوشیار لڑکا دو، تاکہ میں اس کو اپنا علم سکھادوں، چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا، اس کے راستہ میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا، جو اس وقت کے دین حق (مسیحیت) کا سچا پیرو تھا، اس لڑکے کی راہب کے پاس آمد و رفت شروع ہوئی، اور وہ خفیہ طور پر مسلمان ہو گیا —— ایک مرتبہ اس لڑکے نے دیکھا کہ ایک شیر نے لوگوں کا راستہ روک رکھا ہے، اور لوگ پریشان ہیں، اس نے ایک پتھر لے کر دعا کی: اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے! پھر پتھر شیر کو مارا تو وہ مر گیا، لوگوں میں اس کا بڑا چرچا ہوا کہ اس لڑکے کو کوئی

عجیب علم آتا ہے، ایک اندھے نے یہ بات سنی، کہتے ہیں: وہ بادشاہ کا وزیر تھا، اس نے آکر لڑکے سے کہا: اگر میری آنکھیں اچھی ہوجائیں تو میں نواز دونگا، لڑکے نے کہا: مجھے مال نہیں چاہئے، اگر تو مسلمان ہونے کا وعدہ کرے تو میں دعا کروں، اس نے وعدہ کیا، لڑکے نے دعا کی اور وہ بینا ہوکر مسلمان ہوگیا، بادشاہ کو یہ سب خبریں پہنچیں، اس نے لڑکے کو، راہب کو اور اندھے کو طلب کرلیا، جواب بینا تھا، پھر راہب اور بینا کو تو شہید کردیا، اور لڑکے کے لئے حکم دیا کہ اسے پہاڑ سے گرادیا جائے، مگر جو لوگ اس کو لے کر گئے تھے وہ گر کر ہلاک ہوگئے، اور لڑکا بچ آیا، پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو سمندر میں غرق کردیا جائے، مگر جو ڈبونے گئے تھے وہ سب غرق ہوگئے اور لڑکا زندہ سلامت نکل آیا تو بادشاہ سخت مضطرب ہوا۔ لڑکے نے بادشاہ سے کہا: اگر تو مجھے مارنا چاہتا ہے تو بسم اللہ کہہ کر تیر مار: میں مرجاؤنگا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور لڑکا شہید ہوگیا —— یہ واقعہ دیکھ کر ملک کے بہت سے عوام ایمان لے آئے، بادشاہ بدحواس ہوگیا، اس نے ارکانِ سلطنت کے مشورے سے بڑی بڑی خندقیں آگ سے دہکائیں، اور اعلان کیا کہ جو اسلام سے نہیں پھرے گا وہ نذر آتش کردیا جائے گا، چنانچہ سب مسلمان زندۂ جاوید بن گئے، ایک بھی دین سے نہیں پھرا۔

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ (۸۵) (۲۷)

آیاتها ۲۲ — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝۴ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۵ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝۶ وَّهُمْ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۸ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹

وَالسَّمَاۗءِ	آسمان کی قسم	وَالْيَوْمِ	اور دن کی قسم	وَ شَاهِدٍ (۲)	اور گواہوں کی قسم
ذَاتِ الْبُرُوْجِ	بڑے ستاروں والے	الْمَوْعُوْدِ (۱)	وعدہ کئے ہوئے	وَّمَشْهُوْدٍ (۳)	اور مقدمہ کے فریقین کی قسم

(۱) الموعود: وعدہ کیا ہوا: یعنی قیامت کا دن (۲) شاهد اور مشهود: اسم جنس ہیں، قلیل وکثیر پر بولے جاتے ہیں (۳) مشهود کے بعد له و علیه محذوف ہے، کورٹ میں گواہ مدعی پیش کرتا ہے، پس وہ مشهود له ہے، اور گواہی مدعی علیہ (منکر) کی موجودگی میں سنی جاتی ہے، پس وہ مشهود علیه ہے۔

قُتِلَ(۱)	مارے گئے	بِالْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں کے ساتھ	الْحَمِيْدِ	ستودہ صفات
اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ	کھائیوں والے!	شُهُوْدٌ	آنکھوں سے دیکھ رہے تھے	الَّذِيْ لَهٗ	وہ جس کے لئے
النَّارِ(۲)	آگ والے	وَمَا نَقَمُوْا	اور نہیں عیب پایا انھوں نے	مُلْكُ	حکومت ہے
ذَاتِ الْوَقُوْدِ	بہت ایندھن والی	مِنْهُمْ	ان لوگوں میں	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
اِذْهُمْ عَلَيْهَا	جبکہ وہ کھائیوں پر	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی
قُعُوْدٌ	بیٹھے تھے	يُّؤْمِنُوْا	ایمان لائے تھے وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَّهُمْ عَلٰى مَا	اور وہ اس کو جو	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
يَفْعَلُوْنَ	وہ کر رہے تھے	الْعَزِيْزِ	زبردست	شَهِيْدٌ	دیکھنے والے ہیں

قیامت کی کورٹ سے کھائیوں والوں کے لئے قتل کا فیصلہ

پہلے چار باتیں جان لیں:

۱- قیامت کے لمبے دن میں — جو پچاس ہزار سال کا ہے — اس دنیا کے تمام معاملات اللہ کی عدالت میں آخری فیصلہ کے لئے پیش ہونگے، خواہ دنیا میں ان کے فیصلے ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، اور خواہ فیصلے صحیح ہوئے ہوں یا غلط: سب کے دوبارہ آخری فیصلے ہونگے۔

۲- کھائیوں والوں کے خلاف اس دنیا میں کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا، کیونکہ وہ زبردست تھے، ان کے خلاف کون مقدمہ دائر کرتا اور کہاں کرتا؟ اب شہداء اللہ کی عدالت میں ان کے خلاف دعوی دائر کریں گے، اور کاروائی کے بعد ان کے خلاف قتلِ عمد میں قصاص کا فیصلہ ہوگا کہ قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

۳- انسان کے اعمال ہر طرف ریکارڈ ہو رہے ہیں، زمین محفوظ کر رہی ہے، وہ قیامت کے دن گواہی دے گی، انسان کے اعضاء محفوظ کر رہے ہیں، وہ قیامت کے دن بولیں گے، آسمان کے بڑے بڑے ستارے ریکارڈ کر رہے ہیں، وہ گویا واچ کرنے والے کیمرے ہیں، وہ قرائن خارجیہ کے طور پر پیش ہونگے اور ستاروں کی یہ ریکارڈنگ ایک مثال ہے، ہر خارجی قرینہ پیش ہوگا۔

۴- مقدمہ میں مدعی (خندق کے شہداء) گواہ پیش کریں گے، وہ گواہ کون ہونگے؟ درمنثور میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ گواہ نبی ﷺ ہونگے، اور حضور گواہ ہونگے تو آپؐ سے پہلے آپؐ کی امت گواہ ہوگی اور وہ

(۱) قتل: محذوف جوابِ قسم کا قرینہ ہے، یعنی اصحابِ اخدود کے خلاف قتل کا فیصلہ ہوگا (۲) النارِ: أصحاب الأخدود سے بدل اشتمال ہے، یعنی یہ دوزخ کی آگ نہیں، بہت سارے ایندھن میں لگائی ہوئی آگ ہے۔

حدیث جس میں جمعہ اور عرفات سے تفسیر آئی ہے وہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی موسیٰ بن عبیدۃ کی حدیثی یاداشت اچھی نہیں تھی، اور یہ حدیث اسی راوی سے مروی ہے (تحفۃ الالمعی ۷:۵۴۱) پس شہداء مشہود لہم ہونگے، اور گواہی اصحابِ الاخدود کی موجودگی میں سنی جائے گی، اس لئے وہ مشہور علیہم ہونگے۔

مقدمہ کا فیصلہ: قیامت کے دن جس کا پکا وعدہ ہے، کھائیوں والے شہداء نے اصحابِ الاخدود کے خلافِ مقدمہ دائر کیا، قرائنِ خارجیہ پیش ہوئے، مثلاً: بڑے ستاروں نے جو ریکارڈ کیا تھا وہ پیش ہوا، اور فریقین کی موجودگی میں گواہی گذری، اب انصاف سے فیصلہ کیا جاتا ہے کہ اصحاب الاخدود کو قتل عمد کی سزا میں قصاصاً قتل کیا جائے، اس فیصلہ کی طرف لفظ قُتِلَ اشارہ کرتا ہے، البتہ آخرت کے قتل کی نوعیت الگ ہوگی۔

مقدمہ کی مسل: کسی زمانہ میں، کسی علاقہ میں، کچھ لوگ ایک کرشمہ دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے، بادشاہ کافر اور ظالم تھا، اس نے سب ایمان لانے والوں کو گرفتار کرلیا، اور مرتد ہونے کا حکم دیا، مسلمانوں نے انکار کیا، اس نے گہرے کھڈے کھدوائے، اور ان میں سوختہ بھر کر دہکایا، پھر جو ایمان سے نہیں ہٹا اس کو آگ میں ڈال کر بُھن دیا۔

ان مسلمانوں کا جرم کیا تھا: جس کی ان کو یہ سزا دی گئی؟ صرف ایک جرم تھا کہ وہ اللہ پر ایمان کیوں لائے، حالانکہ یہ کوئی جرم نہیں تھا، اللہ کا تو حق تھا کہ ان پر ایمان لایا جائے، وہ زبردست ستودہ صفات ہیں، آسمانوں اور زمین کی حکومت انہی کی ہے، ان پر ایمان نہیں لائیں گے تو اور کس پر ایمان لائیں گے؟

پھر آخر میں یہ بات ہے کہ مقدمہ کی یہ کاروائی اور فیصلہ: ضابطہ کی کاروائی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہیں، ان کو سزا دینے کے لئے کسی کاروائی کی ضرورت نہیں۔

آیاتِ پاک: —— بڑے بڑے ستاروں والے آسمان کی قسم! —— یہ مثال کے طور پر قرائن خارجیہ کا تذکرہ ہے —— اور وعدہ کئے ہوئے دن کی قسم! —— یعنی قیامت کے دن یہ مقدمہ چلے گا —— اور گواہوں کی اور جن کے خلاف یا موافق گواہی دی جائے گی ان کی قسم! —— یہ مقدمہ کے کردار ہیں —— اور کیا فیصلہ ہوگا؟ یہ محذوف ہے، اور اس کا قرینہ یہ ہے: —— مارے گئے کھائیوں والے یعنی بہت سے ایندھن میں آگ لگانے والے —— مقدمہ کی مسل —— جس وقت وہ لوگ اس آگ پر بیٹھے ہوئے تھے —— یعنی بادشاہ اور اس کے وزیر ومُشیر خندقوں کے آس پاس بیٹھے ہوئے نہایت سنگدلی سے مسلمانوں کے جلنے کا (دل دوز) تماشہ دیکھ رہے تھے، بدبختوں کو ذرا رحم نہ آتا تھا! (فوائد) —— اور وہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کررہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے —— یہ کھائیوں والوں کے جرم کی سنگینی کا بیان ہے —— اور انھوں نے ان مسلمانوں میں کوئی عیب نہیں پایا سوائے اس کے کہ وہ زبردست ستودہ صفات اللہ پر ایمان

لائے تھے ـــــ بس یہی ان کا جرم تھا ـــــ وہ جس کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں ـــــ یعنی حقیقی بادشاہ کی بات ماننی ضروری ہے، ظاہری بادشاہ کی بات کیوں مانی جائے؟ آخری بات: ـــــ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب واقف ہیں ـــــ ان کو سزا دینے کے لئے کسی کارروائی کی ضرورت نہیں!

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿١٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿١١﴾

إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جنھوں نے	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	لَهُمْ جَنَّاتٌ	ان کیلئے باغات ہیں
فَتَنُوا	ستایا	عَذَابُ	عذاب ہے	تَجْرِي	بہتی ہیں
الْمُؤْمِنِينَ	مسلمان مردوں کو	الْحَرِيقِ	آگ کا	مِن تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے
وَالْمُؤْمِنَاتِ	اور مسلمان عورتوں کو	إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جو لوگ	الْأَنْهَارُ	نہریں
ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا	پھر توبہ نہیں کی انھوں نے	آمَنُوا	ایمان لائے	ذَٰلِكَ	یہ
فَلَهُمْ عَذَابُ	تو ان کیلئے عذاب ہے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	الْفَوْزُ	کامیابی ہے
جَهَنَّمَ	دوزخ کا	الصَّالِحَاتِ	نیک کام	الْكَبِيرُ	بڑی

مکذبین کو وارننگ اور مسلمانوں کو تسلی

اب مشرکین مکہ سے خطاب ہے ـــــ بے شک جنھوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ستایا ـــــ ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، اور ان کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا ـــــ پھر انھوں نے توبہ نہیں کی ـــــ یعنی ایمان نہیں لائے، ایمان لانے سے سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں ـــــ تو ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے ـــــ دنیا میں ممکن ہے وہ سزا سے بچے رہیں ـــــ اور ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے! ـــــ یہ کھائیوں والوں کی سزا کی طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کو جلایا تھا اس لئے تو ان کو آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلایا جائے گا۔

بیشک جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے: ان کے لئے (آخرت میں) باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ـــــ اس لئے وہ سدا بہار ہیں ـــــ یہ بڑی کامیابی ہے ـــــ یعنی اس سے بڑی کسی کامیابی کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ مِن وَرَائِهِم مُّحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ﴿٢١﴾ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾

إِنَّ بَطْشَ	بے شک پکڑ	الْمَجِيدُ (۳)	بڑی شان والا	فِي تَكْذِيبٍ	جھٹلانے میں لگے
رَبِّكَ	تیرے رب کی	فَعَّالٌ	کرڈالنے والا		ہوئے ہیں
لَشَدِيدٌ	البتہ سخت ہے	لِّمَا يُرِيدُ	جو کچھ بھی چاہے	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
إِنَّهُ هُوَ	بے شک وہی	هَلْ أَتَاكَ	کیا پہنچی تجھے	مِن وَرَائِهِم (۵)	ان کو ہر طرف سے
يُبْدِئُ (۱)	پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے	حَدِيثُ	بات	مُّحِيطٌ	گھیرے ہوئے ہیں
وَيُعِيدُ (۲)	اور وہی لوٹائے گا	الْجُنُودِ	لشکروں کی	بَلْ هُوَ	بلکہ وہ
وَهُوَ	اور وہ	فِرْعَوْنَ (۴)	فرعون	قُرْآنٌ	پڑھنے کی کتاب ہے
الْغَفُورُ	بڑا بخشنے والا	وَثَمُودَ	اور ثمود کی؟	مَّجِيدٌ	عظمت والی
الْوَدُودُ	بڑا محبت کرنے والا ہے	بَلِ الَّذِينَ	بلکہ جنھوں نے	فِي لَوْحٍ	تختی میں
ذُو الْعَرْشِ	تختِ شاہی والا	كَفَرُوا	انکار کیا	مَّحْفُوظٍ	حفاظت سے رکھی ہوئی

قرآن کی تکذیب کرنے والوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرنا چاہئے

اللہ تعالیٰ میں یک طرفہ صفات نہیں، دونوں طرح کی صفات ہیں، وہ غفور رحیم ہیں تو ان کی پکڑ اور سزا بھی سخت ہے، سورۃ الحجر کی (آیات ۴۹ و ۵۰) ہیں: ﴿نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿٥٠﴾﴾: میرے بندوں کو آگاہ کردیجئے کہ میں ہی بہت درگذر کرنے والا، بے حد مہربانی کرنے والا ہوں، اور (یہ بھی) کہ میری ہی سزا نہایت دردناک سزا ہے! پس یک طرفہ صفات پر تکیہ کرنا نادانی ہے، جاہل مسلمان جو اللہ کی صفتِ

(۱) أَبْدَأَ الشيئَ: پیدا کرنا، باب افعال (۲) أَعَادَ إعادة: لوٹانا، باب افعال، (۳) المجیدُ: اللہ کی صفت ہے، العرش کی صفت نہیں (۴) فرعون: الجنود سے بدل ہے (۵) اللہ تعالیٰ کسی جہت میں نہیں، اس لئے وراء کا ترجمہ آگے یا پیچھے نہیں کریں گے، ہر طرف کریں گے۔

رحمت پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں وہ فریبِ نفس میں مبتلا ہیں، یہاں بھی قرآن کی تکذیب کرنے والوں کو اللہ کی پکڑ اور عذاب سے ڈرایا ہے، مگران کو یہ سزا دوسری زندگی میں ملے گی۔

﴿ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ؀ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ ؀ ﴾

ترجمہ: بیشک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے، بے شک وہی پہلی بار پیدا کرتے ہیں اور وہی دوبارہ پیدا کریں گے — اس وقت مکذبین کی سخت پکڑ ہوگی، اللہ پاک ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، وہ اللہ کی سزا سے بچ نہیں سکتے۔

عظمتِ قرآن کا بیان

کسی ذات میں متعدد صفات ہوں تو بعض کا بعض پر اثر پڑتا ہے، جیسے باپ، شفیق، مہربان اور منصف مزاج ہو تو اس کے ہر فیصلہ سے مہربانی اور شفقت ٹپکے گی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بھی پانچ صفات ہیں، اور چھٹی صفت: کلام ہے، پس ان صفاتِ خمسہ کا اثر قرآن میں ضرور آئے گا، وہ پانچ صفات یہ ہیں:

۱- وہ غفور: بڑے بخشنے والے ہیں، کفر وشرک کے سوا ہر خطا جس کے لئے چاہیں گے معاف کر دیں گے۔

۲- وہ ودود: بہت محبت کرنے والے ہیں، صانع کو اپنی مصنوعات سے محبت ہوتی ہے۔

۳- وہ شاہی تخت والے ہیں، یعنی کائنات پر بلا شرکت غیرے انہی کا کنٹرول ہے۔

۴- وہ مجید: عظمت والے ہیں، ایسی عظمت جس کو کوئی چھو نہیں سکتا۔

۵- وہ جو چاہیں کر گذرنے والے ہیں، فرعون کو اس کے لاؤ لشکر کے ساتھ غرقاب کر دیا تو ان کا کیا نقصان ہوا؟ ثمود جیسی زور آور قوم کو صفحۂ ہستی سے نابود کر دیا تو ان کا کیا بگڑ گیا؟

اور چھٹی صفت: کلام ہے، کفار جس کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں، مگر اللہ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، وہ تکذیب کی سزا سے بچ نہیں سکتے، عظمت والا کلام پہلے لوح محفوظ میں جلوہ گر ہوا، وہاں سے بیت معمور میں اتارا گیا، پھر وہاں سے چوکیداری کے ساتھ نبی ﷺ پر اتارا گیا، جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے، اس کی ہر طرح تعظیم کی جائے، اس کو پڑھا سمجھا جائے اور اس کے احکام پر عمل کیا جائے، اور اس کو چار دانگ عالم میں پھیلایا جائے۔

﴿ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ؀ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ؀ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ؀ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ؀ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ؀ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ؀ وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ؀ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ؀ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ؀ ﴾

ترجمہ: اور وہ بڑے بخشنے والے، بہت محبت کرنے والے، تختِ شاہی کے مالک، عظمتوں والے، جو چاہیں کر گذرنے والے ہیں، کیا آپ کو لشکروں کی بات پہنچی ہے، یعنی فرعون اور ثمود کی، بلکہ منکرین تکذیب میں لگے ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، بلکہ وہ باعظمت پڑھنے کی کتاب ہے جو محفوظ تختی میں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الطارق

طارق کے معنی ہیں: رات میں طلوع ہونے والا روشن ستارہ، طَرَقَ النجمُ (ن) کے معنی ہیں: رات کو ستارہ کا نمودار ہونا، پہلی آیت میں ایسے ستارہ کی قسم ہے، اس لئے یہ سورت کا نام ہے۔

اس سورت کا موضوع بھی قیامت، بعث بعد الموت اور قرآن کی حقانیت کا بیان ہے، اور اس سورت میں ترتیب وار چار باتیں بیان فرمائی ہیں:

۱- بات یہاں سے شروع کی ہے کہ ہر متنفس (سانس لینے والا) اللہ کی نگرانی میں ہے، اور اس کو دو دلیلوں سے مدلل کیا ہے، آسمان کی اور رات میں طلوع ہونے والے چمکدار ستارے کی قسم کھائی ہے، یہ دونوں غیر متنفس (جمادات) ہیں، جب ان پر نگرانی مقرر ہے، تو متنفس بلکہ انسان پر نگرانی بدرجۂ اولیٰ مقرر ہوگی، وہ نگرانی کے زیادہ محتاج ہیں۔

۲- پھر بات آگے بڑھائی ہے کہ انسان اپنی تخلیق میں غور کرے، اس کو منی سے پیدا کیا ہے، جس کا مرکز دل ہے، جو پیٹھ اور سینہ کی پسلیوں کے درمیان ہے، مرکز سے لے کر آخری مرحلہ تک انسان اللہ کی نگرانی میں بنتا اور بڑھتا ہے، پس کیا انسان کو اللہ تعالیٰ دوبارہ بنانے پر قادر نہیں؟

۳- انسان کو دوبارہ اللہ تعالیٰ کب زندہ کریں گے؟ جب سینوں کے راز آشکارہ ہونگے، جس دن انسان کے پاس نہ کوئی طاقت ہوگی نہ مددگار، یعنی قیامت کے دن اس کو دوبارہ زندہ کریں گے، پھر اس کو ایک نظیر سے سمجھایا ہے، آسمان برستا ہے تو زمین سبزہ اگاتی ہے، اسی طرح قیامت کے دن خاص بارش ہوگی، جس سے زمین سے مُردے باہر نکل آئیں گے۔

۴- پھر آخر میں یہ بیان ہے کہ یہ سب باتیں قرآنِ کریم بیان کر رہا ہے، اور وہ دوٹوک فیصلہ کرنے والی کتاب ہے، اس کی باتیں دل لگی نہیں ہیں، مگر منکرین قرآن کی دعوت کو روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بھی دعوتِ قرآن کے پھیلنے کی تدبیریں کر رہے ہیں، پس ذرا صبر کریں، مکذبین کو ذرا مہلت دیں، وہ جلد اسلام کی کامیابی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

۞ ۞ ۞



آیاتہا ۱۷ (۸۶) سُوْرَۃُ الطَّارِقِ مَکِّیَّۃٌ (۳۶) رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾ ع ۱۱

وَالسَّمَآءِ	آسمان کی قسم	فَلْيَنْظُرِ	پس چاہئے کہ دیکھے	اِنَّهٗ	بے شک وہ
وَالطَّارِقِ	اور رات میں آنے	الْاِنْسَانُ	انسان	عَلٰى رَجْعِهٖ	انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر
	والے کی قسم!	مِمَّ (۲)	کس چیز سے	لَقَادِرٌ	یقیناً پوری قدرت رکھتا ہے
وَمَآ اَدْرٰىكَ	اور تجھے کچھ معلوم ہے	خُلِقَ	پیدا کیا گیا ہے وہ؟	يَوْمَ	جس دن
مَا الطَّارِقُ	رات میں آنے والا کیا ہے؟	خُلِقَ	پیدا کیا گیا ہے وہ	تُبْلَى	جانچے جائیں گے
النَّجْمُ	ستارہ ہے	مِنْ مَّآءٍ	پانی سے	السَّرَآئِرُ	سربستہ راز
الثَّاقِبُ	چمکنے والا	دَافِقٍ	اچھلنے والے	فَمَا لَهٗ	پس نہیں ہوگی اس کیلئے
اِنْ كُلُّ (۱)	نہیں کوئی بھی	يَّخْرُجُ	(جو) نکلتا ہے	مِنْ قُوَّةٍ	کچھ طاقت
نَفْسٍ	متنفس	مِنْ بَيْنِ	درمیان سے	وَّلَا نَاصِرٍ	اور نہ کوئی مددگار
لَّمَّا عَلَيْهَا	مگر اس پر ہے	الصُّلْبِ	پیٹھ کے	وَالسَّمَآءِ	قسم آسمان کی
حَافِظٌ	ایک نگہبان	وَالتَّرَآئِبِ (۳)	اور سینہ کی پسلیوں کے	ذَاتِ الرَّجْعِ (۴)	بارش والے

(۱) إن: نافیہ ہے، آگے لما بمعنی إلا ہے، نفی اثبات سے حصر ہوا ہے (۲) مم: میں من جارہ اور ما موصولہ ہے، اس کا الف نہیں لکھا جاتا، اور نون کا میم میں ادغام ہوا ہے۔ (۳) الترائب: تَرِیْبَۃ کی جمع: سینہ کی پسلیاں (۴) مستدرک حاکم میں ابن عباسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ رجع کے معنی بارش کے ہیں (لغات القرآن)

وَالْاَرْضِ	اور زمین کی	بِالْهَزْلِ	دل لگی کی بات	كَيْدًا	بڑی چال
ذَاتِ الصَّدْعِ(۱)	پھٹنے والی	اِنَّهُمْ	بے شک وہ لوگ	فَمَهِّلِ	پس مہلت دیں آپ
اِنَّهٗ	بے شک وہ (قرآن)	يَكِيْدُوْنَ	چال چل رہے ہیں	الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کو
لَقَوْلٌ	البتہ ایک بات ہے	كَيْدًا	بڑی چال	اَمْهِلْهُمْ	مہلت دیں آپ ان کو
فَصْلٌ	فیصلہ کن (دوٹوک)	وَّاَكِيْدُ	اور میں چال چل رہا	رُوَيْدًا	تھوڑی دیر
وَّمَا هُوَ	اور نہیں ہے وہ		ہوں	۞	۞

ہر متنفس پر نگرانی ہے

﴿ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ ﴾ جوابِ قسم ہے، اور قسمیں دو ہیں: آسمان کی قسم، اور رات میں طلوع ہونے والے چمکدار ستاروں کی قسم، اپنے اوپر آسمان کو دیکھو! یہ چوڑی چکلی چھت کیا بس یونہی تنی کھڑی ہے؟ نہیں! اس پر نگراں ہیں، جو اس کی گرنے پھٹنے سے حفاظت کرتے ہیں، پھر ستاروں کے نظام میں غور کرو، بعض بڑے ستارے رات میں ہی طلوع ہوتے ہیں، اور ان کی روشنی رات کی تاریکی کو چیر کر زمین تک پہنچتی ہے، یہ ستارے رات ہی میں کیوں نکلتے ہیں؟ اس لئے کہ ان پر نگراں مقرر ہیں، جب وہ ان کو حکم دیتے ہیں: طلوع کرتے ہیں، یہ جمادات (بے جان چیزوں) کا حال ہے، پس حیوانات (متنفس) خاص طور سے انسان پر نگراں مقرر نہیں ہونگے؟ ان پر بھی نگراں مقرر ہیں۔

﴿ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝ ﴾

ترجمہ: آسمان کی قسم! اور رات میں آنے والے کی قسم! اور کیا آپ جانتے ہیں کہ رات میں آنے والا کیا ہے؟ اس سے مراد چمکدار ستارے ہیں، ہر متنفس پر ایک نگران مقرر ہے!

انسان کی تخلیق ابتدائی مرحلہ سے نہائی مرحلہ تک اللہ کی نگرانی میں ہوتی ہے

اب انسان کی پیدائش میں غور کریں، اللہ نے انسان کو منی سے پیدا کیا ہے، اور منی کا منبع (مرکز) دل ہے، جو پیٹھ اور سینہ کی پسلیوں کے درمیان ہے، دل میں منی بننے والا خون علاحدہ پڑتا ہے، پھر بوقتِ صحبت مادہ کود کر بچہ دانی میں پہنچتا ہے، وہاں جرثومہ اور خلیہ ملتے ہیں، دونوں ایک ہوجاتے ہیں، اور حمل ٹھہر جاتا ہے اور بچہ دانی کا منہ بند ہوجاتا ہے، پھر مادّہ سات مراحل سے گذر کر انسان بنتا ہے، غرض: منی کے مرکز سے لے کر آخری مرحلہ تک سارا کام فرشتوں کی نگرانی میں ہوتا

(۱) صَدْع: مصدر باب فتح: پھٹنا، مراد سبزہ نکلنے کے لئے پھٹنا ہے۔

ہے، جو اس کی حفاظت کرتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

دل منی کا منبع کیسے ہے؟ —— ہم جو غذا کھاتے ہیں وہ پانچ مرتبہ ہضم ہوتی ہے، ہضم کے معنی ہیں: توڑنا، کھانا پہلی مرتبہ منہ میں ہضم ہوتا ہے، وہاں سے ٹوٹ کر معدہ میں پہنچتا ہے، وہاں دوسری مرتبہ ہضم ہوتا ہے، معدہ غذا کے تین حصے کرتا ہے، سیّال حصہ گردوں میں جاتا ہے، وہ اس کو فیلٹر کر کے مثانہ میں بھیجتے ہیں، وہاں سے پیشاب کے راستے باہر نکل جاتا ہے، اور غلیظ حصہ آنتوں میں جاتا ہے، وہاں سے وہ غلاظت بن کر نکل جاتا ہے، اور چاولوں کی پیک جیسا حصہ جگر میں جاتا ہے، وہاں تیسری مرتبہ ہضم ہوتا ہے، جگر پکا کر اس کے چار حصے کرتا ہے: سوداء، صفراء، بلغم اور خون، سوداء جوڑوں میں جاتا ہے، صفراء پت کی تھیلی میں جاتا ہے، اور غذا کے ہضم میں مددگار بنتا ہے، اور بلغم کھال کے نیچے پھیل جاتا ہے، وہاں وہ تحلیل ہو کر گوشت بنتا ہے، اور خون دل میں جاتا ہے، وہاں چوتھی مرتبہ ہضم ہوتا ہے، دل خون کو پکا کر تین حصے کرتا ہے، اعلیٰ درجہ کا خون منی بننے کے لئے رگوں میں اسٹور کرلیا جاتا ہے، پس دل منی کا مرکز ہے، اور وہ پیٹھ اور پسلیوں کے درمیان ہے، اور دوسرے درجہ کا خون گوشت بننے کے لئے کھال کے نیچے پھیل جاتا ہے، وہاں وہ بلغم کے ساتھ مل کر گوشت میں تحلیل ہو جاتا ہے، اور نکما خون رگوں میں دوڑتا ہے، اور اسی پر زندگی کا مدار ہے، یہ خون بار بار دل میں واپس آتا ہے، دل اس کو پھیپھڑے میں بھیجتا ہے، وہ اس میں سے کاربائڈ (زہریلی حصہ) سانس کے ذریعہ باہر کرتا ہے، اور باہر سے آکسیجن لے کر خون میں شامل کرتا ہے اور دل کو واپس کرتا ہے، دل اس کو پمپ کرتا ہے، یہ عمل ایک منٹ میں کئی مرتبہ ہوتا ہے، اس طرح یہ نظام فرشتوں کی نگرانی میں چلتا رہتا ہے۔ پھر بوقتِ صحبت فوطے منی بناتے ہیں، جس سے حمل ٹھہرتا ہے، غرض پانچواں ہضم اپنے اپنے محل میں ہوتا ہے، رہی یہ بات کہ مادّہ بننے والا خون کہاں جمع رہتا ہے؟ اور فوطوں کا اس میں کس طرح دخل ہے؟ یہ اہل فن بتا سکتے ہیں، البتہ اتنی بات محسوس ہوتی ہے کہ جب فراغت کا وقت آتا ہے تو سینہ ہی سے مادہ چھٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

منی کود کر کیوں نکلتی ہے؟ —— بچہ دانی کا منہ مہبل (جماع کے راستے) سے ذرا فاصلہ پر ہے، تا کہ حالتِ حمل میں بھی جماع ہو سکے، مرد کا عضو بچہ دانی سے نہ ٹکرائے، اور صحبت کے وقت بچہ دانی کا منہ پھول کی طرح کھلتا بند ہوتا رہتا ہے، اگر فراغت کے وقت اتفاق سے بچہ دانی کا منہ کھلا ہے تو مادہ اس میں داخل ہوتا ہے، اور بند ہوتا ہے تو مادہ ٹکرا کر باہر آجاتا ہے، اور منی گاڑھا مادہ ہے، اور سوراخ تنگ ہے، اس لئے پہلے مذی پورے راستے کو چکنا کر دیتی ہے، پھر منی کود کر نکلتی ہے، مرد کا مادہ باہر کی طرف کودتا ہے اور عورت کا اندر کی طرف، جب دونوں مادے ایک ساتھ بچہ جانی میں پہنچتے ہیں تو جرثومے اندھا دھند حرکت کرتے ہیں، اگر وہ عورت کے مادہ کے کسی خلیہ میں داخل ہو گیا تو حمل ٹھہر جاتا ہے اور بچہ دانی کا منہ بند ہو جاتا ہے اور آگے کے مراحل شروع ہوتے ہیں۔

﴿ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ إِنَّهُ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: پس چاہئے کہ انسان غور کرے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ وہ اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے، جو پیٹھ اور سینہ کی پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے، بے شک وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر پوری طرح قادر ہے!

انسان دوبارہ کب پیدا کیا جائے گا؟ اور بعث بعد الموت کی نظیر

انسان کو اللہ تعالیٰ دوبارہ قیامت کے دن پیدا کریں گے، اس دن انسان کے پوشیدہ بھید کُھل جائیں گے، کوئی بھید چھپا نہیں رہے گا، پھر ان کا حساب ہوگا، اس دن انسان بے بس ہوگا، نہ خود میں کوئی طاقت ہوگی نہ دوسرا کوئی مددگار ہوگا۔

بعث بعد الموت کی نظیر: جیسے بارش برستی ہے تو زمین سے سبزہ اُگ آتا ہے، اسی طرح قیامت کے دن خاص بارش ہوگی اور مُردے زمین سے نکل آئیں گے اور قیامت برپا ہوگی۔

﴿ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ ﴾

ترجمہ: جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے —— یعنی ان کا حساب ہوگا —— پس انسان کے اندر نہ کچھ زور ہوگا اور نہ کوئی مددگار! بارش برسانے والے آسمان کی قسم! اور پھٹنے والی زمین کی قسم! —— یہ نظیر کا بیان ہے کہ انسان اسی زمین سے دوبارہ پیدا ہونگے۔

قرآن کی باتیں برحق ہیں اور اس کی دعوت پھیل کر رہے گی

مذکورہ باتیں قرآنِ کریم بیان کر رہا ہے، اس کی باتیں دوٹوک ہیں، وہ دل بہلانے والی باتیں نہیں، اور اس کی دعوت پھیل کر رہے گی، اگرچہ منکرین اس کی دعوت کو ناکام کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ اس کی دعوت کی راہ ہموار کر رہے ہیں، البتہ اسلام کا بول بالا ہونے کے لئے تھوڑا وقت درکار ہے، لہٰذا مکذبین کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، کرنے دیجئے ان کو جو کرنا چاہیں، جلد وہ اسلام کا بول بالا ہوتا ہوا دیکھ لیں گے۔

﴿ إِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝ إِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّأَكِيْدُ كَيْدًا ۝ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک وہ یعنی مذکورہ باتیں فیصلہ کن باتیں ہیں، دل لگی کی باتیں نہیں! بے شک منکرین بڑے بڑے داؤ چل رہے ہیں، اور میں بھی بڑے داؤ چل رہا ہوں، پس آپ ان کافروں کو ڈھیل دیں، ان کو بس تھوڑے دنوں تک ڈھیل دیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الاعلیٰ

الأعلی: اللہ کی صفت ہے، اس کے معنی ہیں: بلند و بالا، پہلی آیت میں یہ صفت آئی ہے، اس سے سورت کا نام رکھا ہے، یہ سورت نبی ﷺ کو بہت پسند تھی (درمنثور) جمعہ اور عیدین میں اکثر آپؐ یہ سورت اور آئندہ سورت پڑھتے تھے، وتر کی پہلی رکعت میں بھی اس کو پڑھتے تھے، اور اس سورت کو عشاء میں قراءت کا معیار بنایا ہے، جب اس سورت کی پہلی آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے صحابہ سے فرمایا: اس کو سجدہ کی تسبیح بناؤ، چنانچہ سجدہ میں **سبحان ربی الأعلی** کہتے ہیں۔

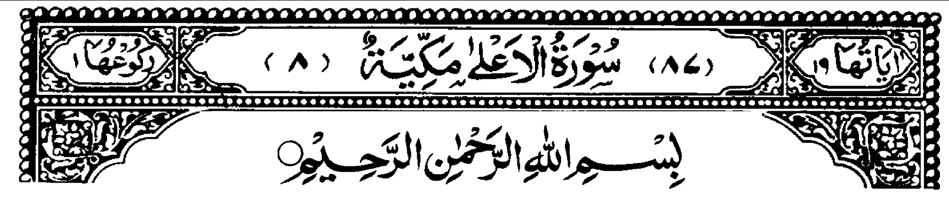
ربط: گذشتہ سورت کے آخر میں فرمایا ہے کہ قرآن فیصلہ کن کتاب ہے، اور اس سورت میں ہے کہ قرآن لوگوں کی دینی راہ نمائی کے لئے نازل کیا گیا ہے، پس دونوں سورتوں کا اول وآخر مربوط ہے۔ اور اس سورت میں چار باتیں ہیں:

۱- شروع میں انسان کا پیدائش سے لے کر موت تک کا تذکرہ ہے۔

۲- پھر یہ بیان ہے کہ قرآنِ کریم لوگوں کی ہدایت (دینی راہ نمائی) کے لئے نازل کیا گیا ہے۔

۳- اس کے بعد یہ بیان ہے کہ دعوتِ اسلامی اپنی آخری منزل تک ضرور پہنچے گی، البتہ اس کے لئے محنت ضروری ہے۔

۴- پھر آخر میں آخرت کی کامیابی اور ناکامی کا تذکرہ ہے۔



سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۲﴾ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿۳﴾ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ﴿۵﴾

سَبِّحِ	پاکی بیان کر	الْاَعْلَى	برتر و بالا کی	وَالَّذِيْ	اور جس نے
اسْمَ	نام کی	الَّذِيْ خَلَقَ	جس نے بنایا (انسان کو)	قَدَّرَ	اندازہ ٹھہرایا
رَبِّكَ	اپنے پروردگار	فَسَوّٰى	پس درست کیا	فَهَدٰى	پس راہ دکھائی

وَالَّذِیٓ	اور جس نے	اَلْمَرْعٰى	چارا	غُثَآءً(۱)	کوڑا
اَخْرَجَ	نکالا	فَجَعَلَهٗ	پس کیا اس کو	اَحْوٰى(۲)	کالا

انسان پیدائش سے موت تک

انسان کو برتر وبالا پروردگار نے بنایا ہے، جس میں کوئی عیب اور کوئی کمی نہیں، اللہ میں ساری خوبیاں جمع ہیں، پس ان کی بنائی ہوئی چیز میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی، چنانچہ انسان کو بھی ہر اعتبار سے ٹھیک بنایا، اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، پھر اس کی زندگی کی پلاننگ کی، اس کے لئے ہر ضرورت مہیا کی، اور اس کو زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھایا، پھر ایک وقت آیا کہ اس کو دنیا سے ہٹادیا، جیسے بارش ہوتی ہے تو چراگاہ تیار ہوتی ہے، پھر ایک وقت کے بعد گھاس کالا کوڑا ہوجاتی ہے، یہی حال انسان کا ہے، ماں کے پیٹ سے نکلا، جوان رعنا ہوا، پھر آہستہ آہستہ بوڑھاپا آگیا، پھر مر کھپ گیا! از آدم تا ایں دم کتنے انسان آئے اور گئے، کسی کا نام باقی ہے؟ صرف نیک کام کرنے والوں کا نام باقی ہے، پس لوگو! اچھے کام کرو تاکہ دنیا میں اچھا نام باقی رہے اور آخرت میں بھی چین وقرار آئے!

آیاتِ پاک: —— پاکی بیان کر اپنے سب سے برتر وبالا پروردگار کے نام کی! —— اس آیت میں تسبیح وتحمید دونوں کو جمع کرنے کا حکم ہے، سبح میں پاکی بیان کرنے کا حکم ہے، اور الأعلی میں تحمید کا[۳] اور قرآنی قسموں کی طرح یہ آیت بعد والے مضمون کی دلیل ہے —— جس نے (انسان کو) بنایا، پس ٹھیک بنایا —— اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی —— اور جس نے اس کی زندگی کے لئے اندازہ کیا —— یعنی اسبابِ زندگی مہیا کئے —— پھر اس کو راہ سُجھائی —— یعنی عقل تام دی جس سے وہ اپنی دنیوی ضرورتیں پوری کرنے لگا —— اور جس نے چارا اُگایا، پس اس کو سیاہ کوڑا کردیا —— یہی انجام انسان کا ہونا ہے۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝

سَنُقْرِئُكَ	اب پڑھائیں گے ہم آپ کو	فَلَا تَنْسٰٓى	پس نہیں بھولیں گے آپ	اِلَّا مَا	مگر جو

(۱) غُثاء: سوکھے سڑے گلے پتے، کوڑا فعل نصر اور ضرب سے آتا ہے (۲) أحوى: حُوَّة سے صفتِ مشبہ: سیاہ سبزی مائل یا سیاہ سرخی مائل۔ (۳) رکوع کی تسبیح: سبحان ربی العظیم، اور سجدہ کی تسبیح: سبحان ربی الأعلی: سلبی اور ثبوتی معرفتوں کی جامع ہیں، اسی طرح سبحان اللہ وبحمدہ اور سبحان اللہ العظیم بھی دونوں علوم کے جامع ہیں، اس لئے اللہ کو بہت پسند ہیں، اور نہایت وزنی ہیں ۱۲

اور جو	وَمَا	جانتے ہیں	يَعْلَمُ	چاہیں اللہ تعالیٰ	شَآءَ اللّٰهُ
چھپی ہوئی ہے	يَخْفٰى	زور سے کہی ہوئی بات	الْجَهْرَ	بے شک وہ	اِنَّهٗ

قرآن ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے، اور اس میں حسبِ مصلحت تبدیلی کی جاتی تھی

انسان: روح اور بدن کا مجموعہ ہے، اصل روح ہے اور بدن تابع ہے، انسان کو بدن کی ضروریات پوری کرنے کے لئے غیر معمولی عقل دی ہے، جس سے اس کا کام چل رہا ہے، مگر وہ اپنی روحانی ضرورت اپنی عقل سے پوری نہیں کرسکتا، کیا آپ دیکھتے نہیں! انسانوں میں مذہبی امور میں کس قدر اختلافات ہیں! جبکہ سب کے پیشِ نظر روح کو سنوارنا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں آسمان سے ہدایت بھیجی، پہلا انسان ہی پہلا نبی تھا، معلوم ہوا کہ کوئی شخص اللہ کی راہ نمائی کے بغیر روح کو نہیں سنوار سکتا، چنانچہ سو سے زیادہ کتابیں نازل ہوئیں، پھر آخر میں اپنا کلام (قرآن) نازل کیا، اِس نازل کرنے کو پڑھانے سے تعبیر کیا ہے، نزول کے ساتھ ہی نبی ﷺ کو قرآن یاد ہوجاتا تھا، اور پکا یاد ہوجاتا تھا، آپ بے تکلف اس کو لوگوں کے سامنے پڑھتے تھے، پھر آپ کوئی حصہ قرآن کا بھولتے نہیں تھے، ورنہ اللہ کے پڑھانے کا فائدہ کیا؟ البتہ جب کوئی آیت منسوخ کرنی ہوتی، یعنی احکام میں تبدیلی کرنی ہوتی تو آپؐ پرانی آیت بھول جاتے، اور اس کی جگہ نئی آیت یاد ہوجاتی، کیونکہ نسخ کی یہ بھی ایک صورت تھی، اور احکام میں یہ تبدیلی بندوں کی مصلحت سے ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ بندوں کے سب کھلے چھپے احوال سے واقف ہیں، وہ بندوں کی جیسی مصلحت دیکھتے ہیں احکام بھیجتے ہیں۔

آیاتِ پاک: اور ہم آپؐ کو پڑھائیں گے، پس آپؐ بھولیں گے نہیں، مگر جو اللہ بھلانا چاہیں، بلاشبہ وہ زور سے کہی ہوئی بات جانتے ہیں، اور جو بات چھپی ہوئی ہے ـــــ اس کو بھی جانتے ہیں۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴿٨﴾ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿٩﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴿١٠﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿١١﴾ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿١٣﴾

اگر نفع پہنچائے	اِنْ نَّفَعَتِ(۳)	آسانی تک	لِلْيُسْرٰى(۲)	اور آہستہ آہستہ پہنچائیں	وَنُيَسِّرُكَ(۱)
نصیحت کرنا	الذِّكْرٰى	پس نصیحت کریں آپ	فَذَكِّرْ	گے ہم آپ کو	

(۱) نُيَسِّرُ: مضارع، جمع متکلم، مصدر تَيْسِيْر، يُسْر مادہ، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے: ''اور سہج سہج پہنچائیں گے ہم تجھ کو'' (۲) الیسری: اسم تفضیل واحد مؤنث، اس کا واحد مذکر أَيْسَر ہے، یہ الطريقة کی صفت ہے، آسان طریقہ یعنی وہ عمل جو رضائے الٰہی کے حصول کا سبب ہو (معالم) شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے ''آسانی تک'' ترجمہ ←

سَيَذَّكَّرُ	اب نصیحت پذیر ہوگا	الْاَشْقَى	بدبخت	ثُمَّ لَا يَمُوْتُ	پھر نہیں مرے گا وہ
مَنْ يَّخْشٰى	جوڈرتا ہے	الَّذِىْ يَصْلَى	جو داخل ہوگا	فِيْهَا	اس میں
وَ يَتَجَنَّبُهَا	اور دور ہٹے گا اس سے	النَّارَ الْكُبْرٰى	بڑی آگ میں	وَلَا يَحْيٰى	اور نہ جئے گا

اللہ آپؐ کو آسان منزل تک بتدریج پہنچائیں گے، آپؐ لوگوں کو سمجھائیں

قرآن کی دعوت پھیلے گی، آہستہ آہستہ منزل سے جالگے گی، اللہ تعالیٰ سہج سہج کام کو بڑھائیں گے، البتہ اس کے لئے محنت ضروری ہے، آپؐ لوگوں کو سمجھائیں، نصیحت ضرور سودمند ہوگی، جو اللہ سے ڈرے گا ایمان لائے گا، اور جنت میں جائے گا، اور بدبخت اعراض کرے گا اور جہنم میں جائے گا، وہاں وہ نہ مرے گا کہ تکلیفوں کا خاتمہ ہو، اور نہ آسائش کی زندگی جئے گا!

آیاتِ پاک: ـــــ ہم آہستہ آہستہ آپؐ کو آسانی کی طرف لئے جارہے ہیں، پس آپؐ لوگوں کو نصیحت کریں، اگر نصیحت کرنا سودمند ہو ـــــ یعنی نصیحت کا فائدہ ضرور ہوگا ـــــ ابھی نصیحت قبول کرے گا جو اللہ سے ڈرتا ہے، اور اس سے بڑا بدبخت اعراض کرے گا، جو بڑی آگ میں داخل ہوگا، پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ جئے گا!

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ﴿۱۹﴾ ع ۱۹/۱۲

قَدْ اَفْلَحَ	بالیقین کامیاب ہوا	بَلْ تُؤْثِرُوْنَ	بلکہ تم ترجیح دیتے ہو	لَفِى الصُّحُفِ	البتہ کتابوں میں ہے
مَنْ تَزَكّٰى	جو ستھرا ہوا	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی کو	الْاُوْلٰى	اگلی
وَ ذَكَرَ	اور لیا اس نے	وَ الْاٰخِرَةُ	جبکہ آخرت	صُحُفِ	کتابیں
اسْمَ رَبِّهٖ	اپنے رب کا نام	خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى	بہتر اور دیرپا ہے	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم
فَصَلّٰى	پس اس نے نماز پڑھی	اِنَّ هٰذَا	بے شک یہ بات	وَ مُوْسٰى	اور موسیٰ کی

آخرت کی کامیابی اور ناکامی

جس میں دو باتیں ہونگی وہ آخرت میں بالیقین کامیاب ہوگا:

← کیا ہے۔(۳) اِن: شرط کے لئے ہے، مگر شرط مقصود نہیں، بلکہ نصیحت کرنے کا تاکیدی حکم دینا مقصود ہے، جیسے کہتے ہیں: اگر تو مرد ہے تو یہ کام کر، اس سے مقصود ابھارنا ہے، یعنی نصیحت سودمند ہے اسے ضرور کیجئے۔

ا- جوظاہری اور باطنی، حسّی اور معنوی نجاستوں سے پاک ہوا،اور قلب وقالب کو عقائد صحیحہ،اخلاق فاضلہ اور اعمالِ صالحہ سے آراستہ کیا (فوائد) اور زکات اس میں آ گئی، کیونکہ وہ بخل کی برائی دور کرنے کے لئے ہے،اور اس کو نماز سے مقدم اس لئے کیا کہ نماز کے لئے پاکی شرط ہے۔

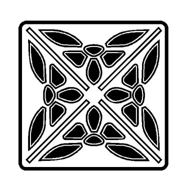
۲- تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز پڑھی، نماز دین کا بنیادی ستون ہے،اسی پر دین کی عمارت استوار ہوتی ہے۔

مگر لوگ نماز اور زکات سے غافل ہیں، دنیا کے گورکھ دھندوں میں اور مال کی محبت میں پھنسے رہتے ہیں،اور نماز چھوڑتے ہیں، زکات ادانہیں کرتے،ان کو آخرت کی فکر نہیں، حالانکہ آخرت بہتر اور ابدی زندگی ہے،اس کی تیاری سب سے اہم اور مقدم ہے۔اور ان آیات میں جو مضمون ہے وہ اگلی کتابوں میں بھی ہے، پس یہ نہایت مؤکد احکام ہیں، حضرات ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام کی کتابوں میں ہے۔

فائدہ(۱): ایک ضعیف روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے (سورتیں) نازل ہوئے تھے (فوائد) اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں سے مراد تورات کی پانچ کتابیں ہیں۔

فائدہ(۲): تکبیر تحریمہ نماز کے بارڈر پر ہے،کوئی اس کو شرط کہتا ہے کوئی رکن،اور قرآن نے نماز کے ارکان متفرق جگہ بیان کئے ہیں، یہاں تکبیر تحریمہ کا ذکر ہے، یہ پہلا رکن یا قریبی شرط ہے،ان ارکان کو جوڑ کر نبی ﷺ نے نماز کی ہیئتِ کذائی بنائی ہے۔

آیاتِ پاک: بلاشبہ کامیاب ہوا جو پاک صاف ہوا،اور اس نے اپنے پروردگار کا نام لیا، پس نماز پڑھی، بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، جبکہ آخرت بہتر اور دیرپا ہے، بے شک یہ مضمون پہلی کتابوں میں ہے، ابراہیم وموسیٰ (علیہما السلام) کی کتابوں میں۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الغاشیہ

غاشیہ: قیامت کا ایک نام ہے، اس کے معنی ہیں: محیطِ عام، ہر چیز پر چھا جانے والی آفت، قیامت کی آفت بھی ہر چیز کو گھیر لے گی۔ گذشتہ سورت کے آخر میں آخرت میں کامیاب اور ناکام لوگوں کا تذکرہ کیا تھا، اس سورت کے شروع میں ان کی تفصیل ہے، پہلے جہنمیوں کا ذکر ہے، پھر جنتیوں کا، اس پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ قصہ جب ہے کہ مردے زندہ ہوں! اس لئے لوگوں کو چار دلائل قدرت میں غور کرنے کی دعوت دی ہے، تا کہ لوگوں کو یقین آئے کہ اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے۔ پھر آخر میں نبی ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ ایمان کی دعوت دیتے رہیں، لوگوں کو ایمان پر مجبور کرنا آپ کا کام نہیں، منکرین کا معاملہ ہمارے حوالے کریں، ہم ان سے نمٹ لیں گے۔

آیاتہا ۲۶ — سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ (۸۸) (۶۸) — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷

هَلْ اَتٰىكَ	کیا پہنچی ہے آپ کو	يَّوْمَىِٕذٍ	اس دن	تَصْلٰى	داخل ہونگے
حَدِيْثُ	بات	خَاشِعَةٌ	ذلیل ہونگے	نَارًا	آگ میں
الْغَاشِيَةِ	قیامت کی	عَامِلَةٌ	محنت کرنے والے	حَامِيَةً	دہکتی
وُجُوْهٌ(۱)	بہت چہرے	نَّاصِبَةٌ	تھکنے والے	تُسْقٰى	پانی پلائے جائیں گے وہ

(۱) وجوہ: چہرے: بول کر ذوات مراد لی ہیں۔

مِنْ عَيْنٍ	چشمہ سے	طَعَامٌ	کوئی کھانا	لَا يُسْمِنُ	جو نہ موٹا کرے گا
اٰنِيَةٍ	کھولتے	اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ	خاردار بدبودار نہایت	وَلَا يُغْنِيْ	اور نہ بے نیاز کرے گا
لَيْسَ لَهُمْ	نہیں ہوگا ان کے لئے		کڑوے درخت کے علاوہ	مِنْ جُوْعٍ	بھوک سے

آخرت میں ناکام لوگوں کا تذکرہ

کفار: قیامت کے دن ذلیل ہونگے، انھوں نے دنیا میں آخرت کے لئے بہت کچھ محنت کی ہے، مگر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے وہ اجر سے محروم ہونگے، جب وہ اپنی محنت رائگاں دیکھیں گے تو تھک ہار کر بیٹھ رہیں گے، وہ دوزخ میں داخل کئے جائیں گے، وہاں ان پر پیاس مسلط کی جائے گی، وہ پیاس! پیاس! پکاریں گے تو کھولتے چشمہ سے پینے کو پانی دیا جائے گا، جس سے ہونٹ کباب ہوجائیں گے، اور آنتیں کٹ جائیں گی، مگر فوراً ہی ٹھیک کردی جائیں گی، پھر ایسا ہی ہوتا رہے گا، اسی طرح ان پر بھوک مسلط کی جائے گی، وہ کھانا! کھانا! پکاریں گے تو خاردار بدبودار نہایت کڑوا درخت ضریع کھانے کو دیا جائے گا، جو کسی کام کا نہیں ہوگا، اس لئے کہ کھانا یا تو موٹا ہونے کے لئے کھایا جاتا ہے یا بھوک مٹانے کے لئے، ضریع میں یہ دونوں باتیں نہیں۔

سوال: دوسری جگہ جہنمیوں کے کھانے میں زقوم اور غسلین (پیپ) کا بھی ذکر ہے، پھر ضریع میں حصر کیسا؟

جواب: یہ حصر ادّعائی ہے، حقیقی نہیں، جیسے کہیں کہ شہر میں 'مفتی' یہی ہیں تو اس سے دوسرے مفتیوں کی نفی نہیں ہوتی۔

آیاتِ پاک: —— کیا آپ کو ہر چیز کو ڈھانکنے والی آفت کی خبر پہنچی ہے؟ —— سوال: توجہ طلب کرنے کے لئے ہے، تاکہ سامع غور سے بات سنے —— بہت لوگ اس دن ذلیل ہونگے (دنیا میں آخرت کے لئے) محنت کرنے والے (آخرت میں اجر سے محروم ہونے کی وجہ سے) تھکنے والے ہونگے —— یعنی ہمت ہارے ہوئے ہونگے —— وہ دہکتی آگ میں داخل ہونگے، وہ کھولتے چشمہ سے پلائے جائیں گے، ان کے لئے ضریع (خاردار، بدبودار، نہایت کڑوے درخت) کے علاوہ کھانے کو کوئی چیز نہیں ہوگی، وہ ایسا کھانا ہے کہ نہ فربہ کرے گا نہ بھوک مٹائے گا!

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿۸﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿۹﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۱۰﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿۱۶﴾

وُجُوْهٌ (1)	دوسرے بہت چہرے	لَا تَسْمَعُ	نہیں سنیں گے وہ	مَّرْفُوْعَةٌ	اعلیٰ درجہ کی
يَّوْمَئِذٍ	اس دن	فِيْهَا	اس میں	وَّاَكْوَابٌ	اور پیالے ہیں
نَّاعِمَةٌ	خوش وخرم ہونگے	لَاغِيَةً	بکواس	مَّوْضُوْعَةٌ	قرینہ سے رکھے ہوئے
لِّسَعْيِهَا	اپنی کوشش پر	فِيْهَا عَيْنٌ	اس میں چشمہ ہے	وَّنَمَارِقُ	اور تکیے ہیں
رَاضِيَةٌ	خوش ہونگے	جَارِيَةٌ	بہتا ہوا	مَصْفُوْفَةٌ	قطار میں لگے ہوئے
فِيْ جَنَّةٍ	باغ میں	فِيْهَا	اس میں	وَّزَرَابِيُّ	اور غالیچے ہیں
عَالِيَةٍ	اونچے درجہ کے	سُرُرٌ	چارپائیاں ہیں	مَبْثُوْثَةٌ	ہر طرف پھیلے ہوئے

آخرت میں کامیاب لوگوں کا تذکرہ

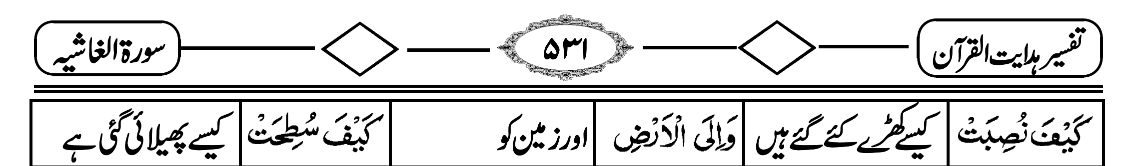
دوسری قسم کے لوگ آخرت میں خوش وخرم ہونگے، انھوں نے دنیا میں آخرت کے لئے جو کام کئے ہیں: جب ان کا صلہ ملے گا تو وہ نازاں فرحاں ہونگے، وہ بہشت بریں میں ہونگے یعنی ان کو ہائے کلاس گارڈن ملے گا، وہاں وہ کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے، بک بک جھک جھک دماغ کو خراب کرتی ہے، جنت میں بہتے ہوئے چشمے ہیں، اس لئے پانی لینے کے لئے کہیں جانا نہیں پڑے گا، وہاں اعلیٰ درجہ کی چارپائیاں ہیں، اور چشموں پر سلیقہ سے رکھے ہوئے پیالے ہیں، اور قطار سے رکھے ہوئے گاؤ تکیے ہیں، اور ہر طرف بچھے ہوئے مخملی قالین ہیں، یہ وہ نعمتیں ہیں جن کو حاصل کرنے کی مسلمان کوشش کریں، ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کریں، نام نہاد مسلمانوں کی طرح اعمالِ صالحہ سے غافل نہ رہیں۔

آیاتِ پاک: دوسرے چہرے اس دن تروتازہ ہونگے، اپنی (دنیا کی) کمائی پر (آخرت میں) خوش ہونگے، اس میں کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے، اس میں بہتا ہوا چشمہ ہے، اس میں اعلیٰ درجہ کی چارپائیاں ہیں، اور قرینہ سے رکھے ہوئے پیالے ہیں، اور لائن سے رکھے ہوئے تکیے ہیں، اور ہر طرف پھیلا ہوا مخملی فرش ہے!

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ	کیا پس نہیں دیکھتے وہ	كَيْفَ خُلِقَتْ	کیسے پیدا کیا گیا ہے وہ	كَيْفَ رُفِعَتْ	کیسے اونچا بنایا گیا ہے وہ
اِلَى الْاِبِلِ	اونٹ کو	وَاِلَى السَّمَآءِ	اور آسمان کو	وَاِلَى الْجِبَالِ	اور پہاڑوں کو

(۱) وجوہ: نکرہ ہے، اور نکرہ کو نکرہ سے لوٹایا جائے تو ثانی غیر اول ہوتا ہے۔



كَيْفَ نُصِبَتْ	کیسے کھڑے کئے گئے ہیں	وَإِلَى الْأَرْضِ	اور زمین کو	كَيْفَ سُطِحَتْ	کیسے پھیلائی گئی ہے

قدرتِ خداوندی میں غور کرنے کے لئے چار چیزیں

اب ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے، جو شخص دوسری زندگی کو نہیں مانتا وہ کہہ سکتا ہے کہ لوگوں کی یہ دو قسمیں: کامیاب اور ناکام: اس دن ہونگی جب مُردے زندہ ہوں گے، مگر یہ بات ناقابلِ فہم ہے! ایسے بندے کو اللہ کی قدرت میں غور کرنے کی دعوت دی ہے، اور اس کے ماحول کے اعتبار سے چار چیزوں کا انتخاب کیا ہے، یہی چار چیزیں قرآن کے اولین مخاطبین کے اردگرد تھیں، قرآن کے اولین مخاطب مشرکین مکہ تھے، ان کی معیشت کا مدار اسفار پر تھا، اور جزیرۃ العرب کی فضا صاف ہے، ہمیشہ آسمان نظر آتا ہے، اور ملک پہاڑوں سے اَٹا پڑا ہے، اور موسم گرم ہے، وہاں لمبا سفر اونٹ ہی پر ہوتا ہے، اور اونٹ قطار میں چلتا ہے، اس کو چلانا نہیں پڑتا، سوار سوتا رہتا ہے یا سوچتا رہتا ہے، گھر تو کاروبار کے جھمیلوں میں سوچنے کا موقع نہیں ملتا، سفر میں اس کا خوب موقع ملتا ہے، اس لئے فرمایا کہ:

۱- اپنے اونٹ میں سوچ، اللہ نے اس کو کیسا پیدا کیا ہے؟ عرب اونٹ سے سواری کا کام بھی لیتے ہیں، اور بار برداری کا بھی، اس کا دودھ، گوشت اور اون استعمال کرتے ہیں، کھال سے کپڑے، خیمے اور جوتے بناتے ہیں، وہ عربوں کی زندگی کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا سہارا ہے، اونٹ مطیع جانور ہے، ایک بچہ اس کی مہار پکڑ کر جہاں چاہے لے جاسکتا ہے، ایسے بڑے ڈیل ڈول کا جانور، مگر اس پر سوار ہونے کے لئے سیڑھی نہیں رکھنی پڑتی، وہ خود بیٹھ جاتا ہے اور اپنے سوار کو لے کر کھڑا ہو جاتا ہے، جبکہ گھوڑا نہیں بیٹھتا، اس پر کود کر سوار ہونا پڑتا ہے، اسی طرح اس پر بوجھ لادنا بھی آسان ہے، وہ خود بیٹھ جاتا ہے اور بھاری بوجھ لے کر اٹھ جاتا ہے، اس کا چارہ بڑی آسانی سے مل جاتا ہے، وہ کانٹے کھا کر بھی گذارہ کر لیتا ہے، بھوک پیاس، سردی گرمی اور محنت ومشقت برداشت کرتا ہے، اور عرب میں پانی بہت کم ہے، اونٹ کے پیٹ میں ٹنکی ہے، وہ اس میں آٹھ دن کا پانی بھر لیتا ہے اور ہفتہ بھر بے آب وگیاہ بیابان میں چلتا رہتا ہے، اس لئے عربوں کو اول اونٹ کی بناوٹ میں غور کرنے کی دعوت دی۔

۲- پھر جب سوار سر اٹھاتا ہے تو سامنے آسمان نظر آتا ہے، اس کی بلندی میں غور کرے، اللہ نے اس کو کتنا اونچا بنایا ہے کہ انسان کی سوچ بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتی!

۳- پھر سر جھکاتا ہے تو پہاڑوں پر نظر پڑتی ہے، ان میں غور کرے کہ ان کو کس طرح زمین میں گاڑا ہے، کروڑوں سال گذر گئے، مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے!

۴- پھر اور نیچے دیکھے گا تو زمین پر نظر پڑے گی، اس میں غور کرے، اس کو کیسے بچھایا ہے؟ گول ہے مگر کسی کو گولائی کا

احساس نہیں ہوتا، جیسے گنبد پر چیونٹی کو گولائی کا احساس نہیں ہوتا۔

منکر بعث ان چیزوں میں غور کرے تو اس کو قدرتِ خداوندی کا یقین آجائے گا، ایسے قادر مطلق خدا کے لئے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ کچھ مشکل نہیں! وہ دوبارہ پیدا کرسکتا ہے اور کرے گا!

آیاتِ کریمہ: کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے: کس طرح پیدا کیا گیا ہے؟ اور آسمان کو نہیں دیکھتے: کس طرح بلند کیا گیا ہے؟ اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے: کس طرح گاڑے گئے ہیں؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے: کس طرح بچھائی گئی ہے؟

فَذَكِّرْ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ﴿٢٦﴾

فَذَكِّرْ	پس نصیحت کریں آپ	إِلَّا مَنْ	لیکن جس نے	الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ	سخت سزا
إِنَّمَا أَنتَ	اس کے سوا نہیں کہ آپ	تَوَلَّىٰ	منہ موڑا	إِنَّ إِلَيْنَا	بے شک ہماری طرف
مُذَكِّرٌ	نصیحت کرنے والے ہیں	وَكَفَرَ	اور انکار کیا	إِيَابَهُمْ	ان کی واپسی ہے
لَّسْتَ عَلَيْهِم	نہیں ہیں آپ ان پر	فَيُعَذِّبُهُ	پس اس کو سزا دیں گے	ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا	پھر بیشک ہمارے ذمہ
بِمُصَيْطِرٍ	داروغہ (زبردستی کرنے والے)	اللَّهُ	اللہ تعالیٰ	حِسَابَهُم	ان کا حساب ہے

نبی ﷺ کو تسلی

جب لوگ باوجود قیام دلائل کے غور نہیں کرتے تو آپؐ بھی ان کی فکر میں نہ پڑیں، آپؐ کا کام صرف نصیحت کرنا اور سمجھانا ہے، اگر لوگ نہیں سمجھتے تو آپ داروغہ کی طرح ان پر مسلط نہیں کہ مار کر مسلمان بنائیں، اور ان کے دلوں کو پھیر دیں، یہ کام مقلب القلوب کا ہے۔

البتہ جو اطاعت سے روگردانی کرے گا، اور ایمان نہیں لائے گا اس کو آخرت میں سخت سزا دی جائے گی، وہ جائے گا کہاں؟ آئے گا اللہ کی طرف، اس وقت اللہ تعالیٰ اس سے رتی رتی کا حساب لیں گے!

آیاتِ پاک: —— پس آپؐ نصیحت کریں، آپؐ کا کام صرف نصیحت کرنا ہے، آپؐ ان پر مسلط نہیں! ہاں جو روگردانی اور انکار کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ سخت سزا دیں گے، وہ بالیقین ہماری طرف لوٹیں گے، پھر بے شک ہمارے ذمہ ان کا حساب ہے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الفجر

پہلی آیت میں فجر کی قسم ہے، اس لئے سورت کا یہ نام ہے، یہ سورت گذشتہ سے پیوستہ سورت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، سورۃ الاعلیٰ کے آخر میں تھا:﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴾: یعنی جو دو فرض عبادتوں کا اہتمام کرے گا وہ بالیقین کامیاب ہوگا، ایک: زکات ادا کرنا، دوسری: پابندی سے نماز پڑھنا، پھر سورت الغاشیہ میں کامیاب ہونے والوں کا صلہ بیان کیا ہے، اب اس سورت میں تین نفل عبادتوں کا بیان ہے، جو ان کو بجالائے گا وہ نہ صرف کامیاب ہوگا، بلکہ پوزیشن لائے گا۔

اٰیاتھا ۳۰ | سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ (۸۹) | (۱۰) | رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝۵

وَالْفَجْرِ	فجر کی قسم	وَالْوَتْرِ	اور طاق کی	هَلْ	کیا
وَلَيَالٍ	راتوں کی قسم	وَالَّيْلِ	رات کی قسم	فِيْ ذٰلِكَ	ان میں
عَشْرٍ	دس	اِذَا	جب	قَسَمٌ	قسم (اشارہ) ہے
وَّالشَّفْعِ	جفت کی قسم	يَسْرِ	وہ جانے لگے	لِّذِيْ حِجْرٍ	عقلمند کے لئے؟

جو تین نفل عبادتیں بجالائے گا وہ پوزیشن لائے گا

ان آیات میں قسمیں بظاہر چار ہیں، مگر حقیقت میں تین ہیں، جفت اور طاق کا دس راتوں سے تعلق ہے، اور جوابِ قسم نہ محذوف ہے نہ مذکور، بلکہ اس کی جگہ:﴿ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ﴾ آیا ہے، یعنی ان قسموں میں جو اشارہ ہے اس کو

عقلمند سمجھ لے گا، وہ اس پر عمل کرے گا، اور پوزیشن لائے گا۔

وہ تین نفل اعمال یہ ہیں: (۱) فجر کی نماز مسجد میں جماعت سے پڑھنا (۲) رمضان کی آخری دس راتوں میں عبادت کرنا، طاق راتوں میں بھی اور جفت راتوں میں بھی (۳) رات کے آخری حصہ میں تہجد پڑھنا۔

ان کی تفصیل یہ ہے کہ فجر کی نماز باجماعت پڑھنے کی خاص اہمیت ہے، سورۃ بنی اسرائیل میں ہے: ﴿اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾: بے شک فجر کی قراءت یعنی نماز حاضری کا وقت ہے، اس میں اللہ کا کلام سننے کے لئے فرشتے جماعت میں شریک ہوتے ہیں، اور مدرسہ والے بھی فجر کی نماز کے بعد حاضری لیتے ہیں، پس ہر مؤمن کو اس کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، اور سورۃ الصافات کے شروع میں بھی اس کا ذکر ہے، اس لئے پو پھٹتے ہی اٹھ جانا چاہئے، پھر سنتیں پڑھ کر سستی اڑالے، اور دلچسپی کے ساتھ فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے، مگر یہ اس وقت ممکن ہے کہ عشاء کے بعد فوراً سو جائے۔

دوسری نفل عبادت ہے: رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں میں عبادت کرنا، عام طور پر انہی راتوں میں شبِ قدر آتی ہے، جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، نبی ﷺ بھی آخری عشرہ میں کمر کس لیتے تھے، اور گھر والوں کو بھی عبادت میں لگاتے تھے، اور آخری عشرہ کی سب راتوں میں عبادت کرنی چاہئے، طاق راتوں میں بھی اور جفت راتوں میں بھی، سب کی اہمیت یکساں ہے، کیونکہ طاق اور جفت راتیں متعین نہیں، شروع سے شمار کریں گے تو ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ طاق راتیں ہونگی، اور آخر سے گنیں گے اور مہینہ تیس پر پورا ہوگا تو بھی طاق راتیں یہی ہونگی اور دوسری راتیں جفت ہونگی، اور اگر مہینہ ۲۹ کا ہوگا تو معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ اس لئے سبھی راتوں میں عبادت کرنی چاہئے، اور اسی لئے دس راتوں کی قسم کھانے کے بعد طاق اور جفت کی قسم کھائی ہے۔

اور تیسری نفل عبادت تہجد کی نماز ہے، جب رات ختم ہونے پر آئے تو اٹھ جائے اور سرِ نیاز جھکائے، سورۃ بنی اسرائیل میں اس کا ذکر ہے، اور بڑے انعام کا وعدہ ہے، اور احادیث میں بھی اس کے بہت فضائل آئے ہیں۔

آیاتِ پاک: فجر (پو پھٹنے) کی قسم —— نبی ﷺ کے زمانہ میں مسجدِ نبوی میں اول وقت جماعت ہوتی تھی، اور دیوبند میں بھی رمضان میں اول وقت فجر کی نماز پڑھی جاتی ہے، اس میں تہجد گذاروں کے لئے اور سحری کھانے والوں کے لئے سہولت ہے، اور عام مسجدوں کے لئے اسفار (روشنی کر کے) نماز پڑھنے کا حکم ہے، اس میں عام مسلمانوں کا فائدہ ہے، یہاں فجر یعنی پو پھٹنے کی قسم کھائی ہے، اس میں اول وقت میں فجر پڑھنے کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے، مگر لوگوں کی مجبوری کا حکم دوسرا ہے —— اور (رمضان کے آخری عشرہ کی) دس راتوں کی قسم، اور جفت و طاق راتوں کی قسم! —— جفت: جو برابر تقسیم ہو جائے، اور طاق: جو برابر تقسیم نہ ہو، کچھ بچ جائے، اور جس حدیث میں دس راتوں کی تفسیر ذی الحجہ

کے شروع کی دس راتوں سے آئی ہے وہ حدیث نہایت ضعیف ہے (فوائد) ـــــ اور رات کی قسم جب وہ جانے لگے ـــــ یہ تہجد کا وقت ہے، یہ تیسری نفل عبادت ہے ـــــ کیا ان میں کوئی قسم (اشارہ) ہے عقلمند کے لئے؟ ـــــ عقلمندوں کو یہ اشارہ سمجھنا چاہئے، اور یہ عبادتیں بجالانی چاہئیں، تاکہ ان کی پوزیشن آئے[1]

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا آپ نے	وَثَمُوْدَ	اور ثمود (کے ساتھ)	فَاَكْثَرُوْا	پس زیادہ کیا
كَيْفَ فَعَلَ	کیسا معاملہ کیا	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	فِيْهَا	ان میں
رَبُّكَ	آپ کے رب نے	جَابُوا	تراشی	الْفَسَادَ	فساد
بِعَادٍ	عاد کے ساتھ	الصَّخْرَ	چٹانیں	فَصَبَّ	پس ریڑھا
اِرَمَ[2]	یعنی ارم کے ساتھ	بِالْوَادِ	وادی القری میں	عَلَيْهِمْ	ان پر
ذَاتِ الْعِمَادِ	ستونوں والے	وَفِرْعَوْنَ	اور فرعون (کے ساتھ)	رَبُّكَ	آپ کے رب نے
الَّتِيْ	جو	ذِي الْاَوْتَادِ[3]	کھونٹیوں والے	سَوْطَ	کوڑا
لَمْ يُخْلَقْ	نہیں پیدا کئے گئے	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	عَذَابٍ	عذاب کا
مِثْلُهَا	ان کے مانند	طَغَوْا	سرکشی کی	اِنَّ رَبَّكَ	بے شک آپ کا رب
فِي الْبِلَادِ	شہروں میں	فِي الْبِلَادِ	شہروں میں	لَبِالْمِرْصَادِ	البتہ گھات میں ہے

جو قوم اس درجہ دنیا کے پیچھے پڑتی ہے کہ آپے سے باہر ہوجاتی ہے تو وہ دنیا میں بھی سزا پاتی ہے

سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا تھا کہ آخرت میں ناکام وہ لوگ ہونگے جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، ایمان نہیں لاتے، اور ان کی ساری توانائی دنیا کے پیچھے خرچ ہوتی ہے، پھر سورۃ الغاشیہ میں ان کا اخروی انجام بیان کیا تھا، اب یہ بیان ہے کہ جو قوم اس درجہ دنیا کے پیچھے پڑتی ہے کہ آپے سے باہر ہوجاتی ہے، مخلوق پر ظلم وستم ڈھانے لگتی ہے، اللہ کی زمین کو فساد سے

(۱) درجہ میں جو اول، دوم اور سوم آتا ہے اس کو پوزیشن لانے والا کہتے ہیں ۱۲

(۲) إرم: عاد کا عطف بیان یا بدل ہے، اور غیر منصرف ہے (۳) وتد: خیمہ باندھنے کی کھونٹی۔

بھر دیتی ہے، اس کو دنیا میں بھی عبرتناک سزا ملتی ہے، ایسی تین قوموں کا تذکرہ کرتے ہیں: عاد اولیٰ، ثمود (عاد ثانیہ) اور فرعون، جو اپنی سرکشی کے نتیجہ میں ہلاک ہوئیں۔

آیاتِ پاک: ـــــ کیا آپ نے دیکھا نہیں! کیسا معاملہ کیا تیرے رب نے ستونوں والے عادِ ارم کے ساتھ؟ جن کے مانند علاقہ میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا! ـــــ عاد: قریبی دادا کا نام ہے، اور ارم: دور کے دادا کا، انہیں کو عاد اولیٰ کہا جاتا ہے، اور عاد ثانیہ کو ثمود کہا جاتا ہے، عادِ اولیٰ نے بڑے بڑے ستون کھڑے کر کے اونچے اونچے محلات بنائے تھے، اس زمانہ میں اس قوم جیسی کوئی قوم مضبوط اور طاقت ور نہیں تھی، اور ان کی عمارتیں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں، مگر جب ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل طوفانی ہوا چلی تو سب ڈھیر ہو گئے ـــــ اور ثمود کے ساتھ جنھوں نے وادی القری میں چٹانیں تراش کر مضبوط عمارتیں بنائی تھیں ـــــ مگر جب بھونچال آیا تو سب کھیت رہے ـــــ اور کھونٹیوں والے فرعون کے ساتھ ـــــ فرعون بڑے لاؤ لشکر والا تھا، اس کو کافی مقدار میں خیمے گاڑنے کے لئے کھونٹیاں رکھنی پڑتی تھیں، وہ بھی اپنی فوج کے ساتھ غرقاب ہوا۔

ان سب قوموں نے علاقوں میں سرکشی کی، اور ان میں بہت زیادہ ادھم مچایا، پس ان پر آپ کے رب نے عذاب کا کوڑا بجایا، بالیقین آپ کے رب گھات میں ہیں ـــــ یعنی سب کے احوال دیکھ رہے ہیں، جب کسی کی شرارت کا پارہ چڑھ جاتا ہے تو اس کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝۱۵ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝۱۶ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝۱۷ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۱۸ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝۱۹ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝۲۰

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ	پس رہا انسان	وَنَعَّمَهٗ	اور اس کو نعمتیں دیتے ہیں	فَقَدَرَ	پس تنگ کرتے ہیں
اِذَا مَا	جب بھی	فَيَقُوْلُ	تو کہتا ہے	عَلَيْهِ	اس پر
ابْتَلٰىهُ	جانچتے ہیں اس کو	رَبِّيْٓ	میرے رب نے	رِزْقَهٗ	اس کی روزی
رَبُّهٗ	اس کے پروردگار	اَكْرَمَنِ	میری عزت بڑھائی	فَيَقُوْلُ	تو کہتا ہے
فَاَكْرَمَهٗ	پس وہ اس کی عزت	وَاَمَّآ اِذَا	اور رہا جب	رَبِّيْٓ	میرے رب نے
	افزائی کرتے ہیں	مَا ابْتَلٰىهُ	بھی جانچتے ہیں اس کو	اَهَانَنِ	میری توہین کی

كَلَّا بَلْ	ہرگز نہیں، بلکہ	عَلٰى طَعَامِ	کھانے پر	اَكْلًا لَّمًّا[1]	سمیٹ کر کھانا
لَّا تُكْرِمُوْنَ	عزت نہیں کرتے تم	الْمِسْكِيْنِ	غریب کے	وَّ تُحِبُّوْنَ	اور محبت کرتے ہو تم
الْيَتِيْمَ	یتیم کی	وَتَاْكُلُوْنَ	اور کھا جاتے ہو تم	الْمَالَ	مال سے
وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ	اور ابھارتے نہیں تم	التُّرَاثَ	میت کا مال	حُبًّا جَمًّا[2]	بہت زیادہ محبت کرنا

انسان نہ خوش حالی میں شکر گذار نہ بدحالی میں صبر شعار

اللہ تعالیٰ بندوں کا خوش حالی اور تنگ حالی سے امتحان کرتے ہیں، جن کو نعمتیں دیتے ہیں ان کو اللہ کی نعمتوں کا شکر گذار ہونا چاہئے، اور مثال کے طور پر دو کام کرنے چاہئیں: (۱) یتیموں کی عزت کرنی چاہئے، ان کی خبر گیری کرنی چاہئے اور ان کا تعاون کرنا چاہئے (۲) غریبوں کا تعاون کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ان کا رزق مالداروں کے وایا بھیجتے ہیں، یا کم از کم ان کے تعاون کی شکلیں نکالنی چاہئیں کہ یہ بھی خیر کے کاموں پر ابھارنا ہے، مگر ناشکرا انسان یہ کام نہیں کرتا، یتیم کو دھکے دیتا ہے اور غریب کو دیکھ کر منہ بگاڑتا ہے، اور اپنی خوش حالی کو اپنا ذاتی کمال سمجھتا ہے، کہتا ہے: میں اس لائق تھا اس لئے میرے رب نے میری عزت بڑھائی، اور مجھے نہال کیا!

اور جن کو جانچنے کے لئے تنگ حال رکھتے ہیں، روزی کم دیتے ہیں، اس کو رضا بہ قضا رہنا چاہئے، اور اپنی تنگی ترشی پر صبر کرنا چاہئے، اور مثال کے طور پر دو کام نہیں کرنے چاہئیں: (۱) مرنے والے کا مال نہیں کھانا چاہئے، حق داروں کو ان کا حق دینا چاہئے (۲) مال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت نہیں ہونی چاہئے، مگر وہ یہ کام کرتا ہے، پوری میراث سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے، اور مال سے ٹوٹ کر محبت کرتا ہے، اور اپنی حالت کا شکوہ کرتا ہے کہ میرے رب نے میری عزت گھٹائی، میں قابل تو عزت افزائی کے تھا، مجھے خوب مال دیتے، مگر میرے رب نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، مجھے مفلوک الحال رکھا!

آیاتِ پاک: ـــــ پس رہا انسان: جب اس کو اس کے رب نے جانچا، اور اس کی عزت بڑھائی اور اس کو نعمتیں دیں تو کہتا ہے: میرے رب نے میری عزت بڑھائی! ـــــ اور رہا جب اس کو آزمایا، اور اس پر اس کی روزی تنگ کی تو کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کیا! ـــــ ہرگز نہیں! ـــــ یعنی عزت بڑھائی نہ ذلیل کیا، بلکہ دونوں حالتوں کے ذریعہ سے امتحان کیا ـــــ بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے، اور غریب کے کھلانے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے ـــــ ان دو باتوں کا تعلق پہلے شخص سے ہے ـــــ اور مرنے والے کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو، اور مال سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہو ـــــ ان دو باتوں کا تعلق دوسرے شخص سے ہے ـــــ اور چاروں باتیں بطور مثال ہیں۔

(۱) لَمًّا: باب نصر کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: جمع کرنا، سمیٹنا (۲) جَمًّا بھی مصدر ہے، زیادتی اور کثرت کے لئے آتا ہے۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾ ع

كَلَّآ	ہرگز نہیں	الْاِنْسَانُ	انسان	وَثَاقَهٗٓ	اس کے جکڑنے کی طرح
اِذَا دُكَّتِ (۱)	جب نشیب وفراز ہموار	وَاَنّٰى لَهُ	اور کہاں مفید ہوگا اس	اَحَدٌ	کوئی
	کئے جائیں گے		کے لئے	يٰٓاَيَّتُهَا	اے
الْاَرْضُ	زمین کے	الذِّكْرٰى	یاد کرنا	النَّفْسُ	نفس
دَكًّا دَكًّا (۲)	خوب ہموار کرنا	يَقُوْلُ	کہے گا وہ	الْمُطْمَئِنَّةُ	چین پکڑنے والے
وَّجَآءَ	اور آئیں گے	يٰلَيْتَنِيْ	کاش میں	ارْجِعِيْٓ	لوٹ جا
رَبُّكَ	آپ کے پروردگار	قَدَّمْتُ	آگے بھیجتا	اِلٰى رَبِّكِ	اپنے رب کی طرف
وَالْمَلَكُ	اور فرشتے	لِحَيَاتِيْ	اپنی زندگی کے لئے	رَاضِيَةً	راضی خوش
صَفًّا صَفًّا	قطار قطار	فَيَوْمَئِذٍ	پس آج	مَّرْضِيَّةً (۳)	پسند کیا ہوا
وَجِايْٓءَ	اور لائی جائے گی	لَّا يُعَذِّبُ	نہیں سزا دے گا	فَادْخُلِيْ	پس شامل ہوجا
يَوْمَئِذٍۢ	اس دن	عَذَابَهٗٓ	اس کی سزا جیسی	فِيْ عِبٰدِيْ	میرے بندوں میں
بِجَهَنَّمَ	دوزخ	اَحَدٌ	کوئی	وَادْخُلِيْ	اور پہنچ جا
يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ	اس دن یاد کرے گا	وَّلَا يُوْثِقُ	اور نہیں جکڑے گا	جَنَّتِيْ	میری جنت میں

رسوائی اور عزت افزائی قیامت کے دن ہوگی

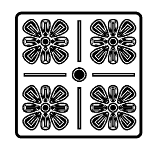
دنیا کی خوش حالی عزت افزائی نہیں، نہ تنگ حالی رسوائی ہے، یہ دونوں حالتیں جانچ کے لئے ہیں، حقیقی رسوائی اور عزت افزائی قیامت کے دن ہوگی، اس دن کافر رسوا اور نیک مؤمن معزز ہوگا، دونوں کا حال پڑھیں:

(۱) دَكَّ الأرض: زمین کے نشیب وفراز کو دور کرکے ہموار کردینا (القاموس الوحید) (۲) دوسرا دکًّا پہلے دکًّا کی تاکید ہے
(۳) مرضیة: اسم مفعول: پسندیدہ۔

قیامت کے دن کافر کی رسوائی: —— ہرگز نہیں! —— یعنی خوش حالی اور تنگ حالی: عزت افزائی اور بے قدری نہیں، یہ باتیں تو قیامت کے دن پیش آئیں گی —— جب زمین کے نشیب وفراز خوب ہموار کردیئے جائیں گے —— سمندر خشک ہوجائیں گے، پہاڑ گرد بن کر اڑ جائیں گے، اور سمندروں کی گہرائی بھر دیں گے، اس طرح زمین بڑی ہوجائے گی —— اور آپؐ کے پروردگار اور فرشتے قطار قطار آئیں گے —— اللہ کا آنا تو ان کے شایانِ شان ہے، اور فرشتوں کا آنا انتظام اور جاہ وجلال کے اظہار کے لئے ہوگا —— اور اس دن جہنم لائی جائے گی —— اور جنت بھی قریب کی جائے گی —— اس دن انسان کو سب کچھ یاد آجائے گا —— کیونکہ بھول کی نعمت ختم ہوگئی —— اور کہاں سود مند ہوگا اس کے لئے یاد آنا؟ —— چڑیا چگ گئیں کھیت! —— کہے گا وہ: اے کاش! میں اپنی آخری زندگی کے لئے کچھ آگے بھیج دیتا! —— مگر اب کفِ افسوس ملنے سے کیا فائدہ! —— پس آج اللہ کی سزا جیسی سزا کوئی نہیں دے سکتا! —— یعنی اللہ تعالیٰ ایسی سخت سزا دیں گے کہ نانی یاد آجائے گی —— اور اللہ کے جکڑنے کی طرح کوئی نہیں جکڑ سکتا —— یعنی ایسا کس کر باندھے گا کہ ہڈی پسلی ایک ہوجائے گی۔

موت کے وقت اور قیامت کے دن نیک مؤمن کی عزت افزائی —— موت کے وقت جب فرشتے روح وصول کرنے آئیں گے تو نیک بندے کی روح سے کہیں گے: —— اے چین پکڑی ہوئی روح! چل اپنے رب کی طرف تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش —— یہ سنتے ہی روح نکلنے کے لئے بے تاب ہوجائے گی، مگر وہ بدن سے بندھی ہوئی ہوگی، اس لئے جب فرشتے بند کھولیں گے فُر سے نکل جائے گی —— پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے: —— اب میرے خاص بندوں میں شامل ہوجا، اور میری جنت میں پہنچ جا! —— یہ ہے آخری درجہ کی عزت افزائی!

نفس کی تین حالتیں: جو نفس بے باک ہوتا ہے، ہر وقت گناہ پر ابھارتا ہے، وہ نفس امارہ ہے، پھر جب وہ سنور جاتا ہے، اور برائی سرزد ہونے پر جھنجھوڑتا ہے، اور توبہ پر ابھارتا ہے تو وہ نفس لوامہ کہلاتا ہے، پھر جب اس کو چین وقرار آجاتا ہے اور دل میں گناہ کا خیال نہیں آتا تو وہ نفس مطمئنہ ہوجاتا ہے، اور یہ آخری درجہ کی کامیابی ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے نفوس کو اس درجہ تک پہنچائیں (آمین)



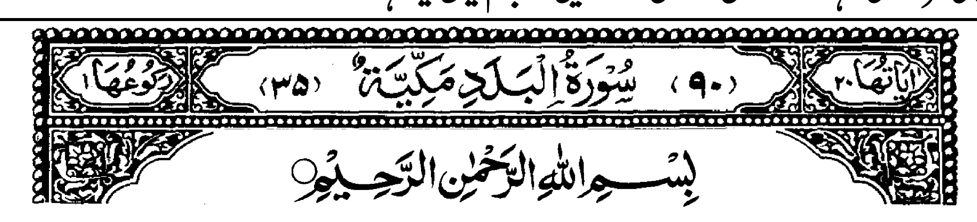
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البلد

البلد: سے مکہ مکرمہ مراد ہے، پہلی آیت میں اس کی قسم ہے، اس لئے سورت کا یہ نام ہے۔ گذشتہ سورت میں خوش حال لوگوں کو کرنے کے دو کام بتائے تھے: یتیم کی عزت کرنا، اور عام حالات میں غریبوں کو کھانا کھلانا، یہ کام آسان تھے، اب اس سورت میں ان کو دوسرے دو کام بتلاتے ہیں جو نسبۃً مشکل ہیں، ایک غلام کو آزاد کرنا، دوسرا: بھوک مری کے دنوں میں کھانا کھلانا، یہ دونوں کام مشکل ہیں، پہاڑوں میں تنگ راستے میں گھسنے کی طرح ہیں، اس لئے سورت اس مضمون سے شروع ہوئی ہے کہ انسان کی زندگی مشقت بھری ہے، پس اس کو یہ مشکل کام کرنے چاہئیں، مگر یہ کام بحالت ایمان ہونے چاہئے، آخر میں یہ شرط لگائی ہے، کیونکہ ایمان کے بغیر عمل بے گری کی مونگ پھلی ہے!

دوسرا مضمون: اس سورت میں یہ ہے کہ مخالفین اسلام جہاں مال خرچ کرنا چاہئے خرچ نہیں کرتے، البتہ اسلام کی مخالفت میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں، اور اس پر فخر کرتے ہیں، کہتے ہیں: میں نے ڈھیر سارا مال خرچ کر دیا! کیا اللہ نے اس کو نہیں دیکھا؟ جس نے انسان کو دیکھنے اور بولنے کی صلاحیتیں دی ہیں، کیا وہ ان کی حرکتوں سے بے خبر ہوگا؟ اور کیا وہ اللہ کی قدرت سے باہر ہیں؟

پھر یہ بیان ہے کہ اللہ نے انسان کو دو طرفہ صلاحیت دی ہے، اس کو خیر وشر کی دونوں راہیں سمجھائی ہیں، وہ اپنی اچھی صلاحیت کو بروئے کار لاکر یہ مشکل کام کیوں نہیں کرتا؟ اسلام کی مخالفت میں کیوں مال اڑاتا ہے، پھر اعمالِ صالحہ کے لئے ایمان کی شرط لگائی ہے، اور آخر میں مؤمنین اور منکرین کا انجام بیان کیا ہے۔



لَآ أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝١ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝٢ وَ وَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝٣ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝٤

لَآ(۱)	نہیں! (انسان بے مشقت نہیں)	وَاَنْتَ حِلٌّ(۲)	درانحالیکہ آپ مقیم ہیں	وَمَا وَلَدَ(۳) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ(۴)	اور جس کو جنا اس نے البتہ تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو مشقت میں
اُقْسِمُ	میں قسم کھاتا ہوں	بِهٰذَا الْبَلَدِ	اس شہر میں		
بِهٰذَا الْبَلَدِ	اس شہر (مکہ) کی	وَ وَالِدٍ	اور جننے والے کی		

انسان کی زندگی مشقت بھری ہے

اللہ نے انسان کو محنت کش زندگی دی ہے، یہاں کسی کو چین نہیں، ہر شخص بیل کی طرح جُتا ہوا ہے، اس مضمون کو دو مثالوں سے سمجھایا ہے:

پہلی مثال: مکہ مکرمہ ایک امن والا شہر ہے، جاہلیت میں بھی یہاں ہر طرح کا امن وامان تھا، آدمی باپ کے قاتل سے ملتا تھا، مگر اس کا خون نہیں کھولتا تھا، یہاں کا شکار اور گھاس تک کاٹنا جائز نہیں، مگر اشرفِ کائنات ﷺ کو اسی مکہ میں تکالیف کا سامنا ہے، مسلمان بھی سختیوں سے گذر رہے ہیں، یہ سورت مکی دور کے وسط کی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۴۵ ہے، ابھی ستم زدہ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی نہیں کی تھی، وہ بھی شدائد وتکالیف سے گذر رہے ہیں، مگر یہ تو ہونا ہے، انسان کی مشقت بھری زندگی ہے، یہاں کسی کو چین سکون نہیں، ہر ایک کو تکالیف کا سامنا ہے۔

دوسری مثال: ماں باپ اور اولاد کی ہے، ماں باپ: اولاد کی خاطر کیا کیا سختیاں جھیلتے ہیں؟ پیدا ہونے سے پروان چڑھنے تک ہر طرح کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں، اور انسان کی اولاد ناتواں پیدا ہوتی ہے، وہ سہارے کی محتاج ہوتی ہے، پھر جب ہوش سنبھالتی ہے تو تعلیم کی سختیاں شروع ہوجاتی ہیں، پھر شادی اور اولاد کی فکر سوار ہوجاتی ہے، پھر ان کے لئے کمانا اور ان کو بسانا ضروری ہوجاتا ہے اور بالآخر موت کا سامنا ہے!

ان دو مثالوں (قسموں) کے ذریعہ یہ بات سمجھائی ہے کہ اللہ نے انسان کو مشقت بھری زندگی دی ہے، اگر ایسا نہ کرتے تو انسان زندگی سے اُوب (اکتا) جاتا، خالی پڑا پڑا کیا کرتا، اب اسے ایک لمحہ کی فرصت نہیں، ہر آن غمِ دیگر! (ہر وقت دوسرے کام کا فکر!)

فائدہ: مفسرینِ کرام نے: ﴿وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ کو جملہ معترضہ قرار دیا ہے، اس کو حال اور قید نہیں بنایا، اور

---

(۱) قسم سے پہلے جو لا ہوتا ہے اس سے جوابِ قسم کی ضد کی نفی کی جاتی ہے (۲) حَلَّ (ن) مصدر ہے، اور بمعنی اسم فاعل یا اسم مفعول ہے یعنی مقیم (۳) موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے، أي ولده (۴) كَبَد (باء کے زبر کے ساتھ): مشقت، تکلیف اور كَبِد (باء کے زیر کے ساتھ): جگر، کلیجہ۔

اس کو نبی ﷺ کی تسلی قرار دیا ہے کہ آپؐ کی مکہ کی پریشانیاں ایک دن ختم ہونگی، آپؐ فاتحانہ اس شہر میں داخل ہونگے، اور اس دن اس شہر میں آپؐ کے لئے قتل وقتال بھی حلال ہوگا، حِلّ: حلال کے معنی میں آتا ہے، مگر اس صورت میں مکہ کی قسم کا فائدہ ظاہر نہیں ہوگا۔

آیاتِ پاک: —— نہیں —— یعنی انسان اس دنیا میں فری (FREE) نہیں ہے —— میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں، درانحالیکہ آپؐ اس شہر میں مقیم ہیں —— آپؐ کو یہاں کیسی پریشانیوں سے گذرنا پڑ رہا ہے! —— اور ماں باپ اور اولاد کی قسم کھاتا ہوں —— دونوں کو کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں؟ —— بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے! —— یہ جوابِ قسم ہے، مذکورہ دونوں قسمیں اس کی شاہد ہیں۔

أَيَحْسَبُ أَنْ لَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ۞ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُبَدًا ۞ أَيَحْسَبُ أَنْ لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ ۞ أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ۞ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۞ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۞

أَيَحْسَبُ	کیا خیال کرتا ہے	أَهْلَكْتُ	اڑا دیا میں نے	لَهُ	اس کے لئے
	(انسان)	مَالًا لُبَدًا (۱)	ڈھیر سارا مال!	عَيْنَيْنِ	دو آنکھیں
أَنْ لَنْ	کہ ہرگز نہیں	أَيَحْسَبُ	کیا خیال کرتا ہے	وَلِسَانًا	اور زبان
يَقْدِرَ عَلَيْهِ	قادر ہے اس پر	أَنْ لَمْ يَرَهُ	کہ نہیں دیکھا اس کو	وَشَفَتَيْنِ	اور دو ہونٹ
أَحَدٌ	کوئی	أَحَدٌ	کسی نے	وَهَدَيْنَاهُ	اور دکھلائی ہم نے اسکو
يَقُولُ	کہتا ہے	أَلَمْ نَجْعَلْ	کیا نہیں بنائی ہم نے	النَّجْدَيْنِ (۲)	دو چڑھائیاں

انسان زیر اختیار ہے، اور اس کو دو چڑھائیاں دکھائی ہیں

جاننا چاہئے کہ:

۱- پہاڑی علاقہ میں کسی اہم جگہ پہنچنے کے لئے کبھی چڑھائی چڑھنی پڑتی ہے، اور چڑھائی کبھی بلند اور سخت ہوتی ہے، جیسے غارِ حراء اور غارِ ثور کی چڑھائیاں اتنی سخت ہیں کہ آدھے لوگ تھک کر لوٹ جاتے ہیں، ایسی بلند جگہ نَجد کہلاتی ہے، سعودیہ میں ریاض کا علاقہ جزیرۃ العرب کا اونچا حصہ ہے، اس لئے وہ نجد کہلاتا ہے۔

(۱) اللُّبَد: بہت سارا مال (۲) النَّجد: بلند اور سخت جگہ، پہاڑ کی چوٹی۔

۲- پہاڑی علاقہ میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے کہیں تنگ راستہ ہوتا ہے، وہاں سے گذرتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ کوئی چٹان لڑھک نہ آئے، ایسے تنگ دشوار گذار راستہ کو عقبہ (گھاٹی) کہتے ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مشقت والی زندگی دی ہے، وہ ہر طرح سے قید میں ہے، مگر وہ خیال کرتا ہے کہ وہ فری ہے، اس پر کسی کا بس نہیں وہ بے بس چل رہا ہے، اس لئے شیخی بگارتا ہے، کہتا ہے: میں نے دعوتِ اسلام کو روکنے کے لئے ڈھیروں مال خرچ کر دیا! حالانکہ دھیلا خرچ نہیں کیا، پس کیا اس کو کسی نے دیکھا نہیں؟ جس نے دیکھنے کے لئے اس کو دو آنکھیں اور بولنے کے لئے زبان اور دو ہونٹ دیئے ہیں وہ اس کی حرکتوں کو نہیں دیکھ رہا اور اس کی باتوں کو نہیں سن رہا؟ اصل یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو دونوں چڑھائیاں دکھلا دی ہیں، اچھی بھی اور بری بھی، مگر وہ بری چڑھائی چڑھ رہا ہے، حالانکہ اس کے لئے مناسب یہ تھا کہ وہ اچھی چڑھائی چڑھتا۔

آیاتِ پاک: —— کیا انسان سمجھتا ہے کہ اس پر ہرگز کوئی قادر نہیں —— وہ مطلق العنان (بے لگام) ہے —— وہ کہتا ہے: میں نے ڈھیر سارا مال اڑا دیا! —— اسلام کی دعوت کو روکنے میں —— کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں؟ —— ایسا سمجھنا خود کو دھوکہ دینا ہے —— کیا ہم نے اس کے لئے دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے؟ —— جب اللہ نے اس کو دیکھنے کے لئے دو آنکھیں دی ہیں، تو کیا دینے والا اندھا ہوگا؟ وہ ضرور 'بینا' ہے، وہ اس کی حرکتوں کو دیکھ رہا ہے کہ کہاں مال خرچ کر رہا ہے، اور کیا بک رہا ہے؟ زبان اور ہونٹ ملا کر آدمی بولتا ہے، منہ کھول کر نہیں بول سکتا، زبان مخرج سے ٹکراتی ہے تو ہوا پیدا ہوتی ہے، پھر وہ بند ہونٹوں سے ٹکراتی ہے اور آواز پیدا ہوتی ہے، پھر ہونٹ بار بار کھلتے ہیں تو آواز باہر نکلتی ہے اور کان سنتے ہیں —— اور ہم نے اس کو دو چڑھائیاں دکھلائی ہیں —— اچھی اور بری، پس اس کو اچھی راہ اپنانی چاہئے، جس کا بیان آگے ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَا أَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ أَوْ إِطْعٰمٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ أَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾

فَلَا اقْتَحَمَ	پس نہیں داخل ہوا وہ	فَكُّ رَقَبَةٍ	گردن کا چھڑانا	يَتِيْمًا	یتیم
الْعَقَبَةَ	گھاٹی میں	أَوْ إِطْعٰمٌ	یا کھلانا	ذَا مَقْرَبَةٍ	رشتہ دار کو
وَمَا أَدْرٰىكَ	اور تجھے کیا پتہ	فِي يَوْمٍ	دن میں	أَوْ مِسْكِيْنًا	یا غریب
مَا الْعَقَبَةُ	گھاٹی کیا ہے؟	ذِي مَسْغَبَةٍ	فاقہ والے	ذَا مَتْرَبَةٍ	خاک نشیں کو

دو مشکل کام جو خوش حال لوگوں کو کرنے چاہئیں

سورۃ الفجر میں خوش حال لوگوں کو چار کام بتائے ہیں، دو مثبت اور دو منفی، مثبت کام: یتیموں کا اکرام کرنا، اور غریبوں کا تعاون کرنا، اور منفی کام: میراث سمیٹ کر نہ کھانا اور مال سے بہت زیادہ محبت نہ کرنا، اب دوسرے دو ذرا مشکل کام بتاتے ہیں: ایک غلاموں کو آزاد کرنا دوسرا بھوک مری میں کھانا کھلانا، کس کو؟ رشتہ دار یتیم کو اور خاک نشیں مسکین کو، یہ کام پہلے کاموں کی بہ نسبت مشکل ہیں، اس لئے ان کو گھاٹی میں گھسنے سے تعبیر کیا ہے۔

نجد کے معنی ہیں: بلند جگہ، اور عقبہ کے معنی ہیں: گھاٹی، دونوں ایک ہیں، تعبیر میں فرق تفنن ہے، اور مراد ملکیت اور بہیمیت ہیں، اگلی سورت میں ان کا ذکر آرہا ہے: ﴿ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا ﴾: بدکاری اور نیکوکاری فطرت میں رچی بسی ہیں، اور انسان کو اختیار ہے جونسی راہ اختیار کرے، پس العقبة (معرفہ) سے مراد نیکی کا راستہ ہے، اور اقتحام کے معنی ہیں: کسی چیز میں زبردستی یعنی مشکل سے گھسنا، یہ دو کام کرتے ہوئے طبیعت پر بوجھ پڑتا ہے، اس لئے یہ تعبیر اختیار کی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ غلامی کا مسئلہ اسلام نے شروع نہیں کیا، یہ طریقہ جنگی قیدیوں کے حل کے طور پر پہلے سے چلا آرہا تھا، اسلام نے اس کو باقی رکھا ہے، کیونکہ اس سے بہتر کوئی حل نہیں، البتہ اسلام نے غلامی سے نکلنے کی راہیں کھولی ہیں، ایک راہ لوجہ اللہ غلام کو آزاد کرنا ہے، اس کا یہاں ذکر ہے۔

اور غریبوں کو کھلانا ہر حال میں ثواب کا کام ہے، اور خاص طور پر رشتہ دار یتیم کو کھلانے میں بڑا ثواب ہے، یتیم غریب ہوتا ہی ہے، اور رشتہ دار یتیم کی خبر گیری میں دوہرا ثواب ہے، اسی طرح قحط سالی میں لوگ بھوکوں مرتے ہیں، پس جو غریب مٹی پر پڑا ہوا ہے اس کو کھلانے میں بہت زیادہ ثواب ہے، اس کو نہیں کھلایا جائے گا تو وہ مر جائے گا!

آیاتِ کریمہ: —— پس وہ (خوش حال) گھاٹی میں کیوں نہیں گھسا؟ اور جانتے ہو گھاٹی کیا ہے؟ اگر دن کا چھڑانا اور بھوک مری کے دن میں کھلانا: رشتہ دار یتیم کو یا خاک نشیں غریب کو۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

ع ۱۵

ثُمَّ كَانَ(۱)	اور تھا وہ	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	بِالصَّبْرِ	برداشت کرنے کی
مِنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں میں سے جو	وَتَوَاصَوْا(۲)	اور باہم تاکید کی	وَتَوَاصَوْا	اور باہم تاکید کی

(۱) ثم: ترتیب ذکری کے لئے بمعنی واو ہے، تراخی کے لئے نہیں، کیونکہ ایمان شرط مقدم ہے (۲) تواصی (باب تفاعل) ایک دوسرے کو وصیت (تاکید) کرنا۔

بِالْمَرْحَمَةِ[1]	مہربانی کرنے کی	وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	أَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ	بائیں والے (بد نصیب) ہیں
أُولٰٓئِكَ	یہی لوگ	كَفَرُوْا	انکار کیا	عَلَيْهِمْ نَارٌ	ان پر آگ ہے
أَصْحٰبُ[2] الْمَيْمَنَةِ	دائیں والے (خوش نصیب) ہیں	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کا	مُّؤْصَدَةٌ[3]	مونڈی ہوئی
		هُمْ	وہ		

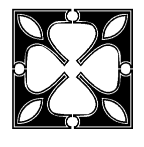
اعمال کی اعتباریت کے لئے ایمان شرط ہے اور دوترغیبی باتیں اور اچھوں بروں کا انجام

آخرت میں اعمالِ صالحہ کی قبولیت کے لئے بنیادی شرط ایمان ہے، اگر یہ شرط نہیں پائی جائے گی تو سب کرا کرایا اکارت جائے گا، دنیا میں ان کا بدلہ دیدیا جائے گا، پھر دوترغیبی باتیں بیان کی ہیں:

ایک: لوگوں کو تاکید کرنا کہ دین پر عمل کرنے میں جو سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں ان کو انگیز کیا جائے، ہمت نہ ہارے، پیچھے نہ ہٹے، ہمت مرداں مددِ خدا۔ **دوم:** خلقِ خدا پر رحم کھایا جائے، انسان ہی نہیں جانوروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا جائے، آسمان والا ان پر رحم کرے گا۔

پھر لوگوں کا انجام بیان کیا ہے، جو شرط کے مطابق نیک عمل کریں گے وہ خوش نصیب ہوں گے، قیامت کے دن ان کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور وہ جنت میں عیش کریں گے —— اور جو ایمان نہیں لائے اور انھوں نے قرآن کی باتوں کو جھٹلایا، وہ قیامت کے دن بدنصیب ہونگے، ان کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اور وہ جہنم میں جائیں گے، جس کی آگ دنیا کی آگ سے اُنہتر (۶۹) درجہ بڑھی ہوئی ہے، پھر بھی اس کی پریشر کوکر کی طرح مونڈ کر گرمی بڑھائی جائے گی، پس وہ کس درجہ گرم ہوجائے گی؟ اللہ کی پناہ!

آیاتِ کریمہ: —— اور تھا وہ ان لوگوں میں سے جو ایمان لائے، اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے، اور مہربانی کرنے کی تاکید کرتے رہے، یہی خوش نصیب لوگ ہیں —— اور جنھوں نے ایمان لانے سے انکار کیا، اور قرآنِ کریم کی باتوں کو جھٹلایا: وہ بدنصیب ہیں، ان پر مونڈی ہوئی آگ ہوگی!



(۱) المرحمة: مصدر میمی بمعنی رحمت (۲) عرب سیدھے ہاتھ کو میمنہ یعنی مبارک کہتے ہیں اور الٹے ہاتھ کو شُؤمی اور مشئمة کہتے ہیں، یعنی منحوس (۳) مؤصدة: اسم مفعول، إیصاد (باب افعال): بند کرنا، مونڈنا، ڈھانپنا، منہ بند کرنا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الشمس

گذشتہ سورت میں آیا ہے: ﴿ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴾: ہم نے انسان کو دونوں اونچائیاں دکھلا دیں، یعنی اس کی فطرت میں خیر وشر کی دونوں صلاحیتیں رکھ دیں، اب اس سورت میں اسی بات کو مدلل کیا ہے، تین متقابلات کے ساتھ نفس کی دونوں حالتوں کو بھی ذکر کیا، یہی مدعیٰ ہے۔

آیاتُهَا ۱۵ | (۹۱) سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ (۲۶) | رکوعُهَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸

وَالشَّمْسِ	سورج کی قسم	وَالَّيْلِ	رات کی قسم	وَمَا طَحٰىهَا	اور اس کو پھیلانے کی
وَضُحٰىهَا (۱)	اور اسکی دھوپ چڑھنے کی	اِذَا يَغْشٰىهَا	جب ڈھانک لے	وَنَفْسٍ	نفس کی قسم
وَالْقَمَرِ	چاند کی قسم		رات سورج کو	وَّمَا سَوّٰىهَا	اور اسکو ٹھیک بنانے کی
اِذَا تَلٰىهَا (۲)	جب وہ سورج کے پیچھے آئے	وَالسَّمَآءِ	آسمان کی قسم	فَاَلْهَمَهَا (۵)	پس سجھائی اس کو
وَالنَّهَارِ	دن کی قسم	وَمَا بَنٰىهَا (۴)	اور اس کو بنانے کی	فُجُوْرَهَا (۶)	اس کی بدکاری
اِذَا جَلّٰىهَا (۳)	جب روشن کرے دن سورج کو	وَالْاَرْضِ	زمین کی قسم	وَتَقْوٰىهَا	اور اس کی نیکوکاری

(۱) ضُحیٰ: چاشت، اس وقت دھوپ چڑھتی ہے، اور دن خوب روشن ہوجاتا ہے (۲) تلاھا: چودھویں کا چاند مراد ہے، وہ سورج کے غروب کے ساتھ نکلتا ہے (۳) جلّٰی کا فاعل ضمیر ہے جو نہار کی طرف لوٹتی ہے (۴) ما: یہاں اور آگے مصدر یہ ہے۔ (۵) فالھمھا: جوابِ قسم کی جگہ آیا ہے، یہی قسم بھی ہے اور جوابِ قسم بھی۔ (۶) فجور کی تقدیم اس کی خطرناکی ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

نفس میں دو متضاد کیفیات: ملکیت اور بہیمیت جمع ہیں: اس پر تین متقابلات سے استدلال

۱-سورج کو دیکھو، جب چاشت کا وقت ہو جائے اور وہ خوب روشن ہو جائے، اور اس کے بالمقابل چاند کو دیکھو، جب وہ چودھویں رات میں سورج کے غروب کے ساتھ طلوع کرے، دونوں مل کر شب وروز کو روشن کرتے ہیں۔

۲-دن کو دیکھو! جب دن میں سورج خوب روشن ہو جائے، اور سارا جہاں جگمگا جائے، اور اس کے بالمقابل رات کو دیکھو، جب وہ سورج کی روشنی کو ڈھانک لے، اور رات خوب تاریک ہو جائے، دونوں کے ساتھ معاش اور راحت کا تعلق ہے۔

۳-آسمان کو دیکھو، اس کو کتنا مضبوط اور چوڑا چکلا بنایا ہے، اور اس کے بالمقابل زمین کو دیکھو، اس کو کیسا پھیلایا ہے؟ دونوں کے ساتھ انسان کی معاش اور معیشت کا تعلق ہے۔

جوابِ قسم: اسی طرح نفس کو خوب ٹھیک بنایا ہے، اس میں بہیمیت اور ملکیت دونوں صلاحیتیں جمع کی ہیں، اور دونوں کے ساتھ انسان کی ترقی اور تنزل کا تعلق رکھا ہے، اور بہیمیت (بدکاری) کو مقدم اس لئے کیا ہے کہ اس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

آیاتِ کریمہ: —— سورج اور اس کی دھوپ چڑھنے (چاشت) کی قسم، چاند کی قسم جب وہ سورج کے غروب پر طلوع ہو، دن کی قسم جب اس کو سورج خوب روشن کردے، رات کی قسم جب وہ سورج کی روشنی کو ڈھانک لے، آسمان اور اس کی بنانے کی قسم، زمین اور اس کو پھیلانے کی قسم! (جوابِ قسم بصورتِ قسم) نفس کو ٹھیک بنانے کی قسم! اس طرح کہ اس کو الہام کی اس کی بدکاری اور اس کی نیکوکاری!

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝٩ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝١٠ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝١١ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝١٢ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝١٣ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۝ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝١٤ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝١٥

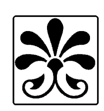
قَدْ اَفْلَحَ	تحقیق کامیاب ہوا	مَنْ دَسّٰىهَا	جس نے اس کو ملیامیٹ	ثَمُوْدُ	ثمود نے
مَنْ زَكّٰىهَا	جس نے اس کو سنوار لیا		کردیا	بِطَغْوٰىهَآ	اپنی سرکشی سے
وَقَدْ خَابَ	اور تحقیق نامراد ہوا	كَذَّبَتْ	جھٹلایا	اِذِ انْۢبَعَثَ	جب اٹھا

اَشْقٰهَا	ان کا بدبخت	فَكَذَّبُوْهُ	پس جھٹلایا قوم نے صالح کو	بِذَنْۢبِهِمْ	ان کے گناہ کی وجہ سے
فَقَالَ	پس کہا	فَعَقَرُوْهَا	پس انھوں نے اس کے	فَسَوّٰىهَا	پس برابر کردیا ان کو
لَهُمْ	ان سے		پاؤں کاٹ ڈالے	وَلَا	اور نہیں
رَسُوْلُ اللّٰهِ	اللہ کے رسول نے	فَدَمْدَمَ	پس ناراض ہوئے	يَخَافُ	ڈرتے وہ
نَاقَةَ اللّٰهِ	(بچو) اللہ کی اونٹنی سے	عَلَيْهِمْ	ان پر	عُقْبٰهَا	اس کے انجام سے
وَسُقْيٰهَا	اور اسکی پینے کی باری سے	رَبُّهُمْ	ان کے پروردگار	۞	۞

جو نفس کو سنوارے گا وہ کامیاب ہوگا، اور جو اس کو خاک آلود کرے گا وہ ناکام ہوگا

جب نفس میں دو متضاد کیفیات جمع ہیں تو دونوں کے احکام بیان کرنا ضروری ہیں، پس فرماتے ہیں: جو نفس کو سنوارے گا وہ کامیاب ہوگا، اور جو اسے خاک آلود کرے گا وہ ناکام ہوگا، نفس کو سنوارنے کی مثال آگے سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الانشرح میں آئے گی، اور وہ نبی ﷺ کی مثال ہے، سورۃ الضحیٰ میں آپؐ کا ابتدائی حال ہے اور سورۃ الانشراح میں اس کی شرح ہے، اور نفس کو خاک آلود کرنے کی مثال یہاں ہے، اور وہ ثمود کی مثال ہے، انھوں نے بہیمیت کی پیروی کی، اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی، اور معجزہ طلب کیا، صالح علیہ السلام نے ان کے مطالبہ کے مطابق پتھر کی چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھائی، مگر وہ ایمان نہیں لائے، بلکہ اونٹنی کو مارنے کے درپے ہوئے، قذار نامی ایک سردار نے اس کی ذمہ داری لی، حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ اللہ کی اونٹنی کو اور اس کی پانی کی باری کو مت چھیڑو! مگر انھوں نے نہیں مانا، اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں، جس سے وہ ہلاک ہوگئی، اللہ تعالیٰ ان کی اس حرکت سے ناراض ہوئے اور ان کا صفایا کر دیا، اور انجام کیا ہوگا؟ اس کی اللہ کو کچھ پرواہ نہیں!

آیاتِ کریمہ: بالیقین وہ شخص کامیاب ہوا جس نے نفس کو سنوارا، اور وہ شخص ناکام ہوا جس نے اس کو بگاڑا (مثلاً) ثمود نے اپنی سرکشی سے (اللہ کی دعوت کو) جھٹلایا (یاد کرو:) جب قوم کا بدبخت کھڑا ہوا، پس اللہ کے رسول نے ان سے کہا: (بچو) اللہ کی اونٹنی اور اس کی پانی پینے کی باری سے! پس انھوں نے ان کی یہ بات نہیں مانی، اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں (جس سے وہ ہلاک ہوگئی) پس اللہ قوم پر ان کی اس حرکت سے ناراض ہوئے اور ان کا صفایا کر دیا، اور وہ اس کے انجام سے نہیں ڈرتے! —— وہ ان کی جگہ دوسری قوم پیدا کر دیں گے۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ اللیل

اس سورت میں دو مضمون ہیں:

۱- انسان کی فطرت میں دو متضاد کیفیات (نیکوکاری اور بدکاری) ساتھ ساتھ ہیں، ان کے احکام گذشتہ سورت میں بیان کئے تھے، اب ان کے آثار بیان فرماتے ہیں، اور ان کا اختلاف دو نظیروں کے ذریعہ سمجھاتے ہیں۔

۲- اللہ نے انسان کو مجبور پیدا نہیں کیا، اس کو کسب کا اختیار دیا ہے، البتہ راہ نمائی اپنے ذمہ لی ہے، اور دنیا اور آخرت کی جوڑی ہے، یہاں کے اعمال کی جزاوسزا آخرت میں ہے، پس انسان کے سامنے دو راہیں ہیں، جنت کی اور جہنم کی، انسان کو جہنم کی راہ سے بچنا چاہئے اور جنت کی راہ اپنانی چاہئے۔

اٰیاتھا ۲۱ (۹۲) سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ (۹) رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝۲ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۝۳ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝۴ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝۶ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝۸ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝۹ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝۱۰ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝۱۱

وَالَّيْلِ	رات کی قسم	الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى	نر اور مادہ کو	وَاتَّقٰى	اور ڈرا
اِذَا يَغْشٰى	جب وہ چھا جائے	اِنَّ سَعْيَكُمْ	بیشک تمہارے اعمال	وَصَدَّقَ	اور تصدیق کی
وَالنَّهَارِ	دن کی قسم	لَشَتّٰى	یقیناً مختلف ہیں	بِالْحُسْنٰى	بہترین بات کی
اِذَا تَجَلّٰى	جب وہ روشن ہوجائے	فَاَمَّا مَنْ	پس رہا وہ جس نے	فَسَنُيَسِّرُهٗ	پس ہم اس کو آہستہ
وَمَا خَلَقَ(۱)	پیدا کرنے کی قسم	اَعْطٰى	دیا		آہستہ لے جائیں گے

(۱) ما: مصدریہ ہے۔

لِلْيُسْرٰى	جنت میں	بِالْحُسْنٰى	بہترین بات کو	عَنْهُ	اس کے
وَ اَمَّا مَنْ	اور رہا وہ جس نے	فَسَنُيَسِّرُهٗ	پس ہم اس کو آہستہ	مَالُهٗٓ	اس کا مال
بَخِلَ	ہاتھ روکا		آہستہ لے جائیں گے	اِذَا	جب وہ
وَاسْتَغْنٰى	اور وہ بے پرواہ بنا	لِلْعُسْرٰى (۱)	دوزخ میں	تَرَدّٰى	کھڈے میں گرے گا
وَكَذَّبَ	اور جھٹلایا	وَمَا يُغْنِيْ	اور نہیں کام آئے گا	۞	۞

انسان کے اختلافِ اعمال کی نظیریں

انسان کو دو متضاد صلاحیتیں دی ہیں: اچھی اور بری، جیسا کہ گذشتہ سے پیوستہ سورت میں آیا، اب انسان جس قوت کو بڑھاوا دے گا اس کے آثار ظاہر ہونگے، اور قوتیں چونکہ متضاد ہیں، اس لئے آثار بھی مختلف ہونگے، اور اس کی دو نظیریں ہیں:

۱- رات اور دن ٹائم (وقت) کے دو حصے ہیں، تاہم جب رات چھا جاتی ہے اور دن روشن ہو جاتا ہے تو دونوں کتنے مختلف ہو جاتے ہیں؟ اسی طرح انسانوں کے اعمال کے اختلاف کو سمجھنا چاہئے۔

۲- اللہ نے نوع کو تقسیم کر کے دو صنفیں بنائی ہیں: نر اور مادہ، ہر نوع کو اسی طرح تقسیم کیا ہے، اب ان دو صنفوں کا تفاوت دیکھیں: کس قدر ہے؟ اسی طرح انسانوں کے اعمال مختلف ہیں:

مؤمنین ایسے تین کام کرتے ہیں جو آہستہ آہستہ ان کو جنت میں پہنچاتے ہیں، وہ کارِ خیر میں خرچ کرتے ہیں، وہ تقوی والی زندگی گذارتے ہیں اور کلمۂ حسنی: لا إلٰه إلا الله کی تصدیق کرتے ہیں۔

اور کفار کے دوسرے تین کام ہیں جو آہستہ آہستہ ان کو دوزخ میں پہنچاتے ہیں، وہ کارِ خیر میں خرچ کرنے سے ہاتھ روکتے ہیں، ان کو اللہ کی کچھ پرواہ نہیں، اور وہ کلمۂ حسنی کو نہیں مانتے، اس لئے وہ جہنم میں پہنچیں گے اور جب وہ جہنم کے کھڈے میں گریں گے تو ان کا مال ان کے کچھ کام نہیں آئے گا۔

آیاتِ پاک: —— رات کی قسم جب وہ چھا جائے، دن کی قسم جب وہ روشن ہو جائے —— ان دو حالتوں میں دونوں کے آثار کتنے مختلف ہیں، جبکہ دونوں ٹائم کے حصے ہیں —— نر اور مادہ کو پیدا کرنے کی قسم! —— یہ دونوں نوع کے حصے ہیں، پھر بھی دونوں کے کام کتنے مختلف ہیں؟ —— بے شک تمہارے اعمال یقیناً مختلف ہیں —— یہ جوابِ قسم

(۱) یُسری اور عُسری: موصوف کے قائم مقام صفتیں ہیں، جیسے الدنیا اور الآخرة، الدار الیسری: آسان گھر یعنی جنت اور الدار العسری: سخت گھر یعنی دوزخ، اور قرینہ ﴿وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى﴾ ہے یعنی جب جہنم کے کھڈے میں گرے گا تو مال کچھ کام نہیں آئے گا، اور نیسر کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے کیا ہے: ''ہم اس کو سہج سہج پہنچائیں گے''

ہے، یعنی دعوی ہے، جس کو مذکورہ نظیروں سے سمجھایا ہے۔

اب رہا وہ شخص جس نے راہِ خدا میں دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات کی تصدیق کی، اس کو ہم آہستہ آہستہ جنت میں پہنچائیں گے، اور رہا وہ شخص جس نے نہیں دیا، اور بے پروا ہوا، اور اچھی بات کو جھٹلایا، اس کو ہم آہستہ آہستہ دوزخ میں پہنچائیں گے، اور جب وہ کھڈے میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ کام نہیں آئے گا ——— اور دونوں کے اعمال مختلف اس لئے ہیں کہ مؤمن نے ملکیت کی پیروی کی ہے پس اس کے آثار ظاہر ہوئے اور کافر نے بہیمیت کی پیروی کی ہے، اس لئے اس کے آثار ظاہر ہوئے، اور دونوں کے کاموں میں تقابل کی نسبت ہے یعنی تضاد ہے، کیونکہ ملکیت اور بہیمیت میں تضاد ہے۔

اِنَّ عَلَيۡنَا لَلۡهُدٰى ﴿۱۲﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَةَ وَالۡاُوۡلٰى ﴿۱۳﴾ فَاَنۡذَرۡتُكُمۡ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا يَصۡلٰٮهَآ اِلَّا الۡاَشۡقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِىۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِىۡ يُؤۡتِىۡ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنۡدَهٗ مِنۡ نِّعۡمَةٍ تُجۡزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوۡفَ يَرۡضٰى ﴿۲۱﴾

ع ۱ / ۲۱ / ۱۷

اِنَّ عَلَيۡنَا (۱)	بیشک ہمارے ذمہ ہے	لَا يَصۡلٰٮهَآ	نہیں داخل ہوگا اس میں	وَمَا لِاَحَدٍ	اور نہیں ہے کسی کیلئے
لَلۡهُدٰى	البتہ راہ نمائی	اِلَّا الۡاَشۡقَى	مگر نہایت بدبخت	عِنۡدَهٗ	اس کے پاس
وَاِنَّ لَنَا (۱)	اور بیشک ہماری ملک	الَّذِىۡ كَذَّبَ	جس نے جھٹلایا	مِنۡ نِّعۡمَةٍ	کوئی احسان
	میں ہیں	وَتَوَلّٰى	اور منہ موڑا	تُجۡزٰٓى (۴)	جس کا بدلہ دے رہا ہو
لَلۡاٰخِرَةَ	یقیناً آخرت	وَسَيُجَنَّبُهَا	اور اب بچا رہے گا اس سے	اِلَّا ابۡتِغَآءَ (۵)	لیکن چاہتے ہوئے
وَالۡاُوۡلٰى	اور دنیا	الۡاَتۡقَى	نہایت پرہیزگار	وَجۡهِ	چہرہ (خوشنودی)
فَاَنۡذَرۡتُكُمۡ	پس ڈراتا ہوں میں تم کو	الَّذِىۡ يُؤۡتِىۡ	جو دیتا ہے	رَبِّهِ	اپنے پروردگار کا
نَارًا	آگ سے	مَالَهٗ	اپنا مال	الۡاَعۡلٰى	برتر و بالا
تَلَظّٰى (۲)	جو بھڑک رہی ہے	يَتَزَكّٰى (۳)	ستھرا ہوتا ہے	وَلَسَوۡفَ يَرۡضٰى	اور عنقریب وہ راضی ہوگا

(۱) علینا اور لنا ظرف ہونے کی وجہ سے خبر مقدم ہیں (۲) جملہ تلظی: نارًا کی صفت ہے، اور تلظی میں سے ایک تاء محذوف ہے۔ (۳) یتزکی: یؤتی کے فاعل کا حال ہے (۴) جملہ تجزی: نعمۃ کی صفت ہے (۵) استثناء منقطع بمعنی لکن ہے۔

اللہ کی راہ نمائی

پہلے دو باتیں سمجھ لیں:

۱- اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور پیدا نہیں کیا، اس کو جزوی اختیار دے کر دوراہے پر کھڑا کیا ہے، خیر وشر کی دونوں راہیں اس کے لئے کھول دی ہیں، اس کی فطرت میں ملکیت بھی رکھ دی ہے اور بہیمیت بھی، وہ جس رخ پر پڑنا چاہے پڑ سکتا ہے، البتہ اس کی راہ نمائی کی ذمہ داری اللہ نے خود لی ہے، اس مقصد سے انسان کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے درسِ معرفت دیا، بچہ اسی نیچر کو لے کر دنیا میں آتا ہے، پھر انبیاء ورسل بھیجے، اپنی کتابیں نازل کیں، اور انسان کی مکمل راہ نمائی کی، تا کہ وہ غلط راہ پر نہ پڑے۔

۲- عالم دو ہیں: دنیا اور آخرت، دونوں اللہ کی ملک ہیں، اور اللہ نے دونوں کی جوڑی بنائی ہے، دونوں سے مل کر ایک مقصد کی تکمیل ہوگی، دنیا میں عمل کرنا ہے اور آخرت میں اس کی جزاؤسزا پانا ہے، پس راہ نمائی میں اس کا لحاظ رہے گا کہ انسان کی آخرت آباد ہو، اسے جہنم کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اللہ کی راہ نمائی: ـــــ اللہ تعالیٰ بندوں کو جہنم کی بھڑکتی آگ سے ڈراتے ہیں، کیونکہ اس میں بڑا بد بخت ہی جائے گا، جو دعوتِ اسلام کو جھٹلائے گا، اس سے منہ موڑے گا اور ایمان نہیں لائے گا، پس جو آخرت میں خیر چاہتا ہے وہ ایمان لائے، اور اللہ کے دین پر عمل کرے جبھی آخرت میں کامیابی اس کے قدم چومے گی۔

اور جو بندے نہایت پرہیزگار ہیں، آنکھ جھپکنے کے بقدر بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہ پاک صاف ہونے کے لئے یعنی بخیلی کی بیماری دور کرنے کے لئے مال خرچ کرتے ہیں، ان پر کسی غریب کا کوئی احسان نہیں جسے اتارنا چاہتے ہوں، بلکہ محض لوجہ اللہ غریب پر خرچ کرتے ہیں، ان کو آخرت میں جنت ملے گی، جس سے وہ خوش ہو جائیں گے۔

آیاتِ کریمہ: ـــــ بے شک ہمارے ذمہ (انسانوں کی) راہ نمائی ہے ـــــ یہ پہلی بات ہے ـــــ اور بے شک ہماری ملک ہیں آخرت اور دنیا ـــــ یہ دوسری بات ہے ـــــ پس میں تم کو بھڑکتی آگ سے ڈراتا ہوں ـــــ یہ نصیحت شروع کی ـــــ اس میں بڑا بد بخت ہی داخل ہوگا ـــــ بڑا بد بخت یعنی کافر، اور داخل ہونا ہمیشہ کے لئے ہے ـــــ جس نے (رسول کی) تکذیب کی، اور (دعوتِ ایمان سے) منہ موڑا ـــــ اور اب بچا رہے گا دوزخ سے نہایت پرہیزگار جو پاک صاف ہونے کے لئے اپنا مال خرچ کرتا ہے، اور کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں جس کو وہ اتارنا چاہتا ہو، لیکن اپنے پروردگار برتر وبالا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے، اور عنقریب وہ خوش ہو جائے گا ـــــ یعنی صلہ حسبِ نیت ملے گا، اس کی نیت اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی تھی، پس صلہ ایسا دیا کہ وہ خوش ہو گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الضحیٰ

ربط: گذشتہ سے پیوستہ سورت میں (سورۃ الشمس میں) فرمایا ہے کہ اللہ نے انسانوں کی فطرت میں بدکاری اور نیکوکاری جمع کی ہیں، اب جو نفس کو سنوارے گا کامیاب ہوگا، اور جو اس کو خاک آلود کرے گا ناکام ہوگا، پھر نفس کو خاک آلود کرنے والوں کی مثال دی تھی کہ ثمود نے سرکشی کی اور تباہ ہوئے، اور نفس کو سنوارنے والوں کی مثال نہیں دی تھی، اب دو سورتوں میں اس کی مثال ہے، اور سورۃ اللیل میں صلاحیتوں کے اختلاف سے اعمال کا اختلاف دکھلایا ہے۔

نفس کو سنوارنے والے مؤمنین ہیں، ان کے سردار سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، وہ نفس کو سنوارنے والوں کا اعلیٰ فرد ہیں، ان کو مثال میں پیش کرتے ہیں، پھر سورۃ التین میں عام لوگوں کا ذکر ہے، ان کے ضمن میں مؤمنین بھی آئیں گے، اور یہ سورت ابتدائی دور کی ہے، اس کا نزول کا نمبر گیارہ ہے، اور اگلی سورت اس کے فوراً بعد نازل ہوئی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۱۲ ہے، پس اگلی سورت میں اسی سورت کی وضاحت ہے۔

آیاتها ۱۱ — (۹۳) سُورَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ (۱۱) — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالضُّحٰى ۙ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۭ﴿۳﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۭ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۭ﴿۵﴾ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۠﴿۶﴾ وَوَجَدَكَ ضَاۗلًّا فَهَدٰى ۠﴿۷﴾ وَوَجَدَكَ عَاۗىِٕلًا فَاَغْنٰى ۭ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۭ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّاۗىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ ۭ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

وَالضُّحٰى	چاشت کے وقت کی قسم	مَا وَدَّعَكَ	نہیں چھوڑا آپ کو	وَلَلْاٰخِرَةُ	اور البتہ پچھلی حالت
وَالَّيْلِ	اور رات کی قسم	رَبُّكَ	آپ کے رب نے	خَيْرٌ لَّكَ	بہتر ہے آپ کے لئے
اِذَا سَجٰى (۱)	جب وہ چھا جائے	وَمَا قَلٰى (۲)	اور نہ وہ بیزار ہوا	مِنَ الْاُوْلٰى	پہلی حالت سے

(۱) سَجَا اللیل: چھپانا، ڈھانکنا (۲) قَلٰی فلانا قِلًی: کسی سے متنفر ہو کر ترک تعلق کرنا۔

وَلَسَوْفَ	اور البتہ عنقریب	وَوَجَدَكَ	اور پایا اس نے آپ کو	فَلَا تَقْهَرْ	تو مت ڈانٹ
يُعْطِيكَ	دیں گے آپ کو	ضَالًّا	دین سے بے خبر	وَأَمَّا السَّائِلَ	اور رہا مانگنے والا
رَبُّكَ	آپ کے رب	فَهَدَىٰ	پس باخبر کیا اس نے	فَلَا تَنْهَرْ	پس مت جھڑک
فَتَرْضَىٰ	پس خوش ہوجائیں گے آپ	وَوَجَدَكَ	اور پایا اس نے آپ کو	وَأَمَّا	اور رہا
أَلَمْ يَجِدْكَ	کیا نہیں پایا اس نے آپ کو	عَائِلًا[1]	محتاج	بِنِعْمَةِ	فضل
يَتِيمًا	یتیم	فَأَغْنَىٰ	پس مالدار کیا	رَبِّكَ	تیرے رب کا
فَآوَىٰ	پس ٹھکانا دیا اس نے	فَأَمَّا الْيَتِيمَ	اب رہا یتیم	فَحَدِّثْ	پس بیان کر

اللہ نے آپ کو نہ چھوڑا نہ بیزار ہوا

شروع کی تین آیتوں کا واقعی شانِ نزول معلوم نہیں، نزولِ وحی کے درمیان کبھی کسی مصلحت سے وقفہ ہوجاتا تھا، جیسے آپ سے تین باتیں پوچھی گئی تھیں: اصحاب کہف کون ہیں؟ ذوالقرنین کا واقعہ کیا ہے؟ اور روح کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں کل جواب دونگا، اور ان شاء اللہ نہیں کہا، پس کئی دن وحی نہیں آئی، مشرکین نے کہنا شروع کیا: اللہ: محمد سے بیزار ہوگئے اور ان کو چھوڑ دیا، شروع کی تین آیتوں میں اس کا جواب ہے۔

فائدہ: پہلی وحی کے بعد جو چھ ماہ فترت کا زمانہ ہے: وہ مراد نہیں، کیونکہ پہلی وحی کے موقعہ پر آپ کو نبوت کی اطلاع نہیں دی تھی، نہ اس وقت آپ نے دعوت کا کام شروع کیا تھا، اس لئے اس وقت مخالف بھی کوئی نہیں تھا، نبوت کی اطلاع آپ کو دوسری وحی کے وقت دی گئی ہے، جب ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ کی وحی آئی، اور اس کے بعد آپ نے دعوت کا کام شروع کیا ہے (فائدہ پورا ہوا)

اب آپ ایک مثال میں غور کریں: جب سورج چڑھتا ہے، چاشت کا وقت ہوتا ہے، اور روشنی خوب پھیل جاتی ہے تو کون گمان کرسکتا ہے کہ کچھ وقت کے بعد رات آئے گی؟ پس اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ رات سے بیزار ہوگئے، اور اس کو چھوڑ دیا، اب رات نہیں آئے گی تو ایسا سمجھنا غلط ہوگا، اسی طرح جب رات چھا جائے، اور ہر چیز کو اپنی تاریکی کی چادر میں چھپالے اس وقت کون تصور کرسکتا ہے کہ کچھ وقت کے بعد سورج نکلے گا، دن شروع ہوگا اور روشنی پھیلے گی، پس آدھی رات کو کوئی کہے کہ اللہ دن سے بیزار ہوگئے، اور اس کو چھوڑ دیا، اب سورج نہیں نکلے گا تو یہ بات غلط ہوگی، اسی طرح کسی مصلحت سے وحی میں وقفہ ہوگیا تو یہ کہنا درست نہیں کہ اللہ اپنے نبی سے بیزار ہوگئے اور ان کو چھوڑ دیا۔

(۱) عَالَ فلانا: محتاج ہونا۔

﴿ وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ ﴾

ترجمہ: دن چڑھنے کے وقت کی قسم! اور رات کی قسم جب وہ چھا جائے! ـــــ یہ دو دلیلیں ہیں کہ ـــــ نہ تو آپؐ کے رب نے آپؐ کو چھوڑا، نہ وہ بیزار ہوا!

بعد کے احوال آپؐ کے لئے سابقہ احوال سے بہتر ہیں، اور اس کی تین مثالیں

وقفہ کے بعد وحی موسلا دھار آئے گی، اور یہ پچھلی حالت آپؐ کے لئے پہلی حالت سے بہتر ہوگی، اللہ تعالیٰ آپؐ کی طرف اتنی وحی نازل فرمائیں گے کہ آپؐ خوش ہو جائیں گے، اور بعد کی حالت پہلی حالت سے بہتر ہوگی: اس کی تین مثالیں ہیں:

۱- آپؐ یتیم تھے، والد ماجد کا انتقال آپؐ کی ولادت سے پہلے ہو گیا تھا، اور پانچ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ بھی غم مفارقت سے دی گئیں، گویا آپؐ ڈبل یتیم تھے، مگر فوراً دادا عبد المطلب نے آپؐ کو اپنی گود میں لے لیا، اور ان کے انتقال کے بعد شفیق چچا ابو طالب نے آپؐ کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا، یہ بعد کی حالت آپ کے لئے سابقہ حالت سے بہتر ہے۔

۲- آپؐ دین سے بے خبر تھے، ملتِ اسماعیلی باقی نہیں رہی تھی، اور اللہ کی راہ نمائی کے بغیر انسان آخرت میں کامیاب نہیں ہو سکتا، چنانچہ جب وقت آیا تو آپؐ کو نبوت سے سرفراز کیا، اور دین سے واقف کیا، یہ بعد کی حالت سابقہ حالت سے بہتر ہے۔

۳- آپؐ محتاج تھے، آپؐ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال میں مضاربت کی، اس میں اللہ نے خوب نفع دیا، پھر آپ کے حسنِ اخلاق سے متأثر ہو کر حضرت خدیجہؓ نے آپ سے نکاح کر لیا، اور اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا، اس طرح آپؐ بے نیاز ہو گئے، یہ پچھلی حالت بھی سابقہ حالت سے بہتر ہے۔

﴿ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ ﴾

ترجمہ: اور پچھلی حالت یقیناً آپؐ کے لئے پہلی حالت سے بہتر ہے، اور اب آپؐ کو آپؐ کے رب اتنا دیں گے کہ آپؐ خوش ہو جائیں گے ـــــ آیات کا ماسیق لاجلہ الکلام (مقصود) تو وحی ہے، مگر الفاظ کے عموم سے آخرت اور اس کی نعمتیں بھی مراد ہیں ـــــ کیا اللہ نے آپؐ کو یتیم نہیں پایا پس اس نے ٹھکانا دیا، اور آپؐ کو دین سے بے خبر پایا، پس آپؐ کو باخبر کیا، اور آپؐ کو محتاج پایا، پس آپؐ کو بے نیاز کیا۔

تین نعمتوں کی شکر گذاری کے لئے تین کام

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر تین فضل فرمائے ہیں پس شکر گذاری کے طور پر تین احکام دیتے ہیں:

۱- جب آپؐ نے یتیمی کا دور دیکھا ہے تو اب آپؐ یتیم کو نہ ڈانٹیں! اس کا دل نہ توڑیں، اس کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کریں۔

۲- جب آپؐ پر غریبی کا زمانہ گذرا ہے تو اب آپؐ کسی محتاج سائل کو نہ جھڑکیں، دھکا نہ دیں، اس کی غریبی نے اس کو سوال پر مجبور کیا ہے، پس اس کی حاجت روائی کریں۔

۳- آپؐ کو اللہ نے نبوت سے سرفراز کیا ہے، دین سے واقف کیا ہے اور بے شمار علوم عطا فرمائے ہیں، پس آپؐ ان علوم کو بیان کریں اور لوگوں کو اپنے علوم سے فائدہ پہنچائیں، آپؐ کے بیان کردہ ان علوم کا نام احادیث شریفہ ہے۔

﴿ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ ﴾

ترجمہ: لہٰذا آپؐ یتیم کو نہ ڈانٹیں، اور سائل کو نہ جھڑکیں، اور اپنے رب کی نعمتوں (علوم) کو بیان کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الانشراح

یہ سورت گذشتہ سورت کے بعد متصلاً نازل ہوئی ہے، الضحی کا نزول کا نمبر گیارہ ہے اور اس کا بارہ، اس میں نبی ﷺ پر تین نوازشات کا ذکر ہے، دو تو وہی ہیں جن کا گذشتہ سورت میں ذکر آچکا، اور ایک نیا اعزاز ہے، پھر آپؐ کے لئے تین ہدایتیں ہیں۔

آیاتہا ۸ (۹۴) سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ (۱۲) رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝۲ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝۳ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۴ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۵ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۶ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸

ع ۱ / ۸ / ۱۹

اَلَمْ نَشْرَحْ	کیا نہیں کشادہ کیا ہم نے	ظَهْرَكَ	آپ کی پیٹھ	مَعَ الْعُسْرِ	دشواری کے ساتھ
لَكَ	آپ کے لئے	وَرَفَعْنَا	اور بلند کیا ہم نے	يُسْرًا	آسانی ہے
صَدْرَكَ	آپ کے سینہ کو	لَكَ	آپ کے لئے	فَإِذَا	پس جب
وَوَضَعْنَا	اور اتار دیا ہم نے	ذِكْرَكَ	آپ کا آوازہ	فَرَغْتَ	آپ فارغ ہوجائیں
عَنْكَ	آپ سے	فَإِنَّ	پس بے شک	فَانْصَبْ (۱)	تو سخت محنت کریں
وِزْرَكَ	آپ کے بوجھ کو	مَعَ الْعُسْرِ	دشواری کے ساتھ	وَإِلٰى رَبِّكَ	اور اپنے رب کی طرف
الَّذِيْٓ	جس نے	يُسْرًا	آسانی ہے	فَارْغَبْ	پس رغبت کریں
اَنْقَضَ	دوہری کر رکھی تھی	إِنَّ	بے شک	۞	۞

نبی ﷺ پر اللہ کی تین نوازشات

دو عنایات کا ذکر گذشتہ سورت میں آگیا ہے، آپؐ یتیم تھے اللہ نے آپؐ کو ٹھکانا دیا: اس کو نہیں لوٹایا، باقی دو کا دوبارہ ذکر فرماتے ہیں اور تیسری نعمت نئی ہے:

۱- اللہ نے نبوت سے سرفراز کر کے نبی ﷺ کا سینہ علوم و معارف کے لئے کشادہ کر دیا، نبوت بڑا کمال ہے، نبی کا اللہ سے رابطہ ہو جاتا ہے، ہر آن اس پر علوم و معارف کا نزول ہوتا ہے، یہ: ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ کا دوسرے انداز سے ذکر کیا ہے۔

۲- آپؐ پر عیالداری کا بوجھ تھا، نبوت سے پندرہ سال پہلے آپ کا نکاح ہو گیا تھا، اولاد بھی تھی، صاحبزادے تو حیات نہیں تھے، مگر چار صاحبزادیاں تھیں، گھر کے خرچ نے کمر دوہری کر رکھی تھی، مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سارا اثاثہ آپ کی نذر کر دیا تو گھر کا خرچ چلانا آسان ہو گیا۔

۳- نبوت ملنے کے بعد آپ کی شہرت ہو گئی، عرب و عجم آپؐ کی شخصیت سے واقف ہو گئے، نیز اذان و اقامت اور کلمہ طیبہ میں آپ کا نام شامل کیا تو آپ کی شہرت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی۔

آیاتِ پاک: —— کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا؟ اور ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر دوہری کر رکھی تھی، اور ہم نے آپ کا آوازہ بلند کیا۔

(۱) اِنْصَبْ: باب سمع سے امر، نَصِبَ نَصَبًا: بہت تھک جانا، چکنا چور ہو جانا، اور باب ضرب سے معنی ہیں: کھڑا کرنا۔

اللہ کی طرف سے نبی ﷺ کو تین ہدایات

۱- کارِ نبوت میں دشواریاں پیش آئیں تو آپ نہ گھبرائیں، ایک دشواری کے ساتھ دو آسانیاں ہوتی ہیں، ایک سابقہ دوسری لاحقہ، اس میں اشارہ ہے کہ آگے کام آسان ہوگا۔

۲- جب آپ دعوت کے کام سے فارغ ہوں تو اللہ کے ذکر میں لگیں، اور خوب محنت کریں، کیونکہ لوگوں کے ساتھ اختلاط سے دل پر میل آجاتا ہے، اس کی صفائی کے لئے خلوت اور ذکر ضروری ہے، حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ (بانی تبلیغی جماعت) جب میوات میں چلّہ لگا کر بنگلہ والی مسجد میں لوٹتے تو تین دن کا اعتکاف کرتے، کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: لوگوں کے ساتھ اختلاط سے دل پر میل آجاتا ہے، اس کی صفائی کے لئے اعتکاف کرتا ہوں۔

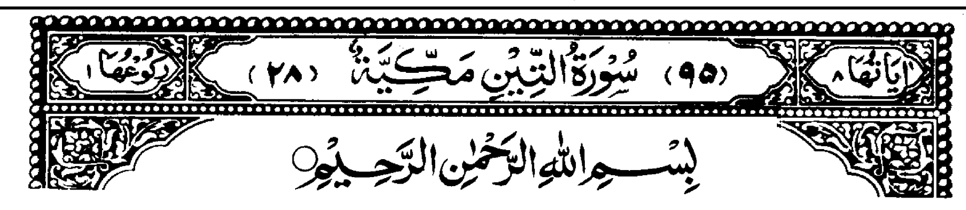
۳- ہر آن اور ہر لحہ اللہ سے لو لگائے رہیں، کسی وقت اُدھر سے بے التفاتی نہ ہو کہ یہی حاصل زندگی ہے۔

باقی آیات: —— پس بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے —— معرفہ کو معرفہ لوٹایا جائے تو ثانی عین اول ہوتا ہے، اور نکرہ کو نکرہ لوٹایا جائے تو ثانی غیر اول ہوتا ہے، پس معلوم ہوا کہ ایک دشواری کے ساتھ دو آسانیاں ہیں، ایک سابقہ دوسری لاحقہ —— پس جب آپ فارغ ہو جائیں تو چکنا چور ہو جائیں، اور اپنے پروردگار سے ہر وقت لو لگائے رہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التین

ابھی سلسلۂ بیان پیچھے سے جڑا ہوا ہے، گذشتہ دو سورتوں میں اس ہستی کا ذکر تھا جس نے اپنے نفس کو خوب سنوار لیا، اب اس سورت میں عام انسان کا ذکر ہے، ان میں نفوس کو سنوارنے والے اور بگاڑنے والے دونوں ہیں۔ پس یہ: ﴿ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴾ کی جامع مثال ہے۔



فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝۵ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝۷ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸

ع۲۰

وَالتِّيْنِ	انجیر کی قسم	فِيْٓ اَحْسَنِ	بہترین	فَلَهُمْ اَجْرٌ	پس ان کیلئے بدلہ ہے
وَالزَّيْتُوْنِ	اور زیتون کی قسم	تَقْوِيْمٍ	سانچے میں	غَيْرُ مَمْنُوْنٍ	کبھی ختم نہ ہونے والا
وَطُوْرِ	اور طور پہاڑ کی قسم	ثُمَّ رَدَدْنٰهُ	پھر لوٹایا ہم نے اس کو	فَمَا يُكَذِّبُكَ	پس کیوں انکار کرتا ہے تو
سِيْنِيْنَ	سینا وادی والا	اَسْفَلَ	نیچے	بَعْدُ	اب
وَهٰذَا الْبَلَدِ	اور اس شہر کی قسم	سٰفِلِيْنَ	نچلوں سے	بِالدِّيْنِ	جزاء کا
الْاَمِيْنِ	امن والا	اِلَّا الَّذِيْنَ	مگر جولوگ	اَلَيْسَ	کیا نہیں ہیں
لَقَدْ	بخدا واقعہ یہ ہے کہ	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
خَلَقْنَا	پیدا کیا ہم نے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	بِاَحْكَمِ	بڑے حاکم
الْاِنْسَانَ	انسان کو	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	الْحٰكِمِيْنَ	سب حاکموں سے

انسان بہترین مستوی پر پیدا کیا گیا ہے، اب وہ خود کو گرا بھی سکتا ہے اور اٹھا بھی سکتا ہے

خشک میووں میں انجیر بہترین میوہ ہے، اس میں کیڑا نہیں پڑتا، کھجور میں سرسری ہو جاتی ہے، اور تلہن (جن سے تیل نکلتا ہے) میں بہترین زیتون ہے، اس کا پھل سلاد کے طور پر کھاتے ہیں، اور اس کی گٹھلی سے تیل نکلتا ہے، جس کو قرآن نے مبارک (نہایت مفید) کہا ہے، اور پہاڑوں میں طور پہاڑ اہمیت کا حامل ہے، اس پر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے، اور شہروں میں اہم امن والا شہر مکہ مکرمہ ہے، اسی طرح زمینی مخلوقات میں خیر الخلائق انسان ہے، اس کو اللہ نے بہترین سانچے میں ڈھالا ہے، اس کے وجود میں ظاہری اور باطنی خوبیاں جمع کردی ہیں، اس کی فطرت میں خیر وشر کی دونوں صلاحیتیں رکھی ہیں، اس طرح اس کا نفس بہترین نفس بن گیا ہے، سورۃ الشمس میں ہے: ﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴾: اللہ نے انسان کے نفس کو بالکل درست بنایا یعنی شاندار بنایا، اس طرح کہ اس میں بدکاری اور نیکوکاری ودیعت فرمائیں، پھر اس کو دوراہے پر کھڑا کیا، وہ اپنی مرضی سے کوئی بھی پہلو اختیار کرسکتا ہے یعنی اپنے لیول سے خود کو نیچے بھی گرا سکتا ہے، پس وہ بدترین خلائق ہو کر رہ جائے گا، یہی لوگ ہیں نفوس کو بگاڑنے والے اور چاہے تو ایمان

وعمل صالح کے ذریعہ خودکواوپر اٹھائے، یہ بندے اپنے نفس کوسنوارنے والے ہیں، ان کوآخرت میں ایسا اجر ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہوگا، اور اگر کوئی سوچے کہ دوسری زندگی تو ایک خواب ہے! اس سے اللہ پاک فرماتے ہیں: تو جزاء کو کیوں جھٹلاتا ہے؟ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑے حاکم نہیں ہیں؟ دنیا کے چھوٹے حاکم وفاداروں کوانعام اور غداروں کوسزا دیتے ہیں، پس کیا سب سے بڑا حاکم جزاؤسزا نہیں دے گا؟

ترجمہ: انجیراور زیتون کی قسم! اور وادی سیناء والے طور پہاڑ کی قسم! اور اس پُرامن شہر کی قسم! بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے، پھر ہم نے اس کو نچلوں سے نیچے پہنچادیا —— نیچے تو انسان خود گرتا ہے، مگر اس کے فعل کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں، اس اعتبار سے اللہ نے بندے کے فعل کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ ہم اسے نیچے گرادیتے ہیں —— مگر جو ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے وہ مستثنیٰ ہیں، پس ان کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے، پس اب تو جزاء کا کیوں انکار کرتا ہے؟ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑے حاکم نہیں ہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ العلق

گذشتہ سورت میں یہ مضمون تھا کہ اللہ نے انسان کو بہترین مستوی (لیول) پر پیدا کیا ہے، اس کی فطرت میں ملکیت بھی ہے اور بہیمیت بھی، اس لئے اس کی فطرت جامع ہے، پھر انسان کو اختیار ہے کہ وہ خود کو یا تو اُوبر اٹھائے یا نیچے گرائے، نیچے گرے گا تو تحت الثریٰ میں پہنچ جائے گا، اور بلند ہوگا تو کرّ وبی دامن دھوکر پئیں گے! اب جو لوگ خود کو گراتے ہیں ان کا ذکر چھوڑیے، ہمیں ان سے کیا لینا ہے؟ البتہ جو لوگ خود کو بلند کرنا چاہتے ہیں ان کی راہ نمائی ضروری ہے، جیسے نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے تہتّر (۷۳) فرقے ہوں گے، بہتّر (۷۲) ناری اور ایک ناجی ہوگا تو صحابہ نے ناجی فرقہ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون ہے؟ ناری فرقوں کے بارے میں نہیں پوچھا۔

سوال: وہ اسباب کیا ہیں جن سے آدمی بڑا رتبہ پاسکتا ہے؟ جواب: دو سبب ہیں: کمالِ علمی اور کمالِ عملی پیدا کیا جائے، اور دونوں میں افضل کمالِ علمی ہے، اس سورت میں اسی کا بیان ہے، اور اگلی سورت میں کمالِ عملی کا بیان ہے، پھر سورۃ البینہ میں کمالِ علمی حاصل کرنے کا ذریعہ قرآنِ کریم کو بتایا ہے، اس لئے کہ ﴿ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴾ اس میں قیمتی مضامین ہیں، ان کے ذریعہ کمالِ علمی پیدا کیا جاسکتا ہے، اور سلسلۂ بیان اُس سورت پر پورا ہوجائے گا۔

آیتوں اور سورتوں میں ربط جاننے کا طریقہ

سورۃ الذاریات میں یہ بات بیان کی ہے کہ قرآنِ کریم کا ایک خاص اسلوب ہے، جب وہ کسی مقصد سے کوئی بات

شروع کرتا ہے تو سلسلۂ کلام دراز ہو جاتا ہے، پس جو لوگ پوری آیت یا پوری سورت پیشِ نظر رکھ کر سوچتے ہیں وہ ربط نہیں پا سکتے آیت اور سورت میں جو خاص جزء ماسیق لاجلہ الکلام (مقصود) ہوتا ہے اس کو لیں گے تو ربط واضح ہوگا، ان چھوٹی سورتوں میں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رہنی چاہئے، اس سورت میں مقصود شروع کی پانچ آیتیں ہیں، آگے ذیلی مضامین ہیں۔

سورت کی شروع کی پانچ آیتیں پہلی وحی ہیں

حدیث میں ہے: نبی ﷺ نبوت سے پہلے غارِ حراء میں عبادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے، جب عمر مبارک کے چالیس سال پورے ہوئے اور آپؐ غار سے گھر لوٹنے کے لئے غروبِ آفتاب کے بعد نکلے تو اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی صورت میں سامنے آگئے، اور فرمایا: اقرأ (پڑھیے!) آپؐ نے جواب دیا: میں پڑھا ہوا نہیں، جبرئیلؑ نے آپؐ کو بانہوں میں لے کر بھینچا، پھر فرمایا: اقرأ، آپؐ نے پھر وہی جواب دیا، تیسری مرتبہ بھینچنے کے بعد کہا: ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾: آپؐ نے یہ آیت پڑھی، اس طرح پانچ آیتیں پڑھا کر وہ غائب ہو گئے، آپؐ گھبرائے ہوئے گھر لوٹے، کیونکہ ابھی انھوں نے نہیں بتایا تھا کہ آپؐ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے۔

فائدہ: اس پہلی وحی سے تین طرح سے تعلیم و تعلّم کی اہمیت واضح ہوتی ہے: ایک: پہلی وحی میں پڑھنے کا حکم دیا ہے، جو حکم سب سے پہلے دیا جاتا ہے وہ اہم ہوتا ہے۔ دوم: وحی کا پہلا کلمہ اقرأ ہے، سوم: یہ حکم امیوں کو دیا ہے جو اپنے ناخواندہ ہونے پر فخر کرتے تھے، یعنی امی ہونا کوئی فخر کی بات نہیں، پڑھو، پڑھنا عزت کی بات ہے۔

آخرت کی کامیابی کے لئے ترتیب وار تین صورتیں

۱- آخرت میں نجات کے لئے بنیادی شرط ایمان ہے، ایمان کے بغیر کسی کی نجات نہیں ہوگی، نہ اوّلی نہ ثانوی، ارشادِ پاک ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ﴾: یعنی اللہ پاک شرک و کفر کو تو معاف نہیں کریں گے، اس کے علاوہ گناہوں کو جس کے لئے چاہیں گے معاف کریں گے۔

۲- اور نجات اوّلی کے لئے یعنی مرتے ہی نجات پانے کے لئے صحیح ایمان کے ساتھ ارکانِ اربعہ پر مضبوطی سے عمل اور کبیرہ گناہوں سے کلّی اجتناب ضروری ہے، ان کے بغیر بھی نجات ہو سکتی ہے، مگر دھلائی کے بعد۔

۳- جنت کے بلند درجات حاصل کرنے کے لئے کمالِ علمی یا کمالِ عملی حاصل کرنا ضروری ہے، دین کا جتنا زیادہ علم ہوگا اتنا بلند درجہ پائے گا، اور عبادت میں جتنا آگے بڑھے گا، بلند مقام پائے گا، اور کمالِ علمی: کمالِ عملی سے اہم ہے، اور دونوں جمع ہوں تو سونے پر سہاگہ!



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

اِقْرَاْ	پڑھ	الْاِنْسَانَ	انسان کو	عَلَّمَ	سکھلایا
بِاسْمِ (۱)	نام سے	مِنْ عَلَقٍ (۲)	جمے ہوئے خون سے	بِالْقَلَمِ (۴)	قلم سے
رَبِّكَ	اپنے رب کی	اِقْرَاْ (۳)	پڑھ	عَلَّمَ	سکھلایا
الَّذِيْ	جس نے	وَرَبُّكَ	اور تیرا رب	الْاِنْسَانَ	انسان کو
خَلَقَ	پیدا کیا	الْاَكْرَمُ	بڑا کریم ہے	مَا لَمْ	جو نہیں
خَلَقَ	پیدا کیا	الَّذِيْ	جس نے	يَعْلَمْ (۵)	جانتا وہ

کمالِ علمی کے لئے دواقرأ ضروری ہیں: ناخواندہ کا اقرأ اور خواندہ کا اقرأ

اللہ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا، اور سات مراحل سے گذارا، مٹی سے غذا پیدا ہوئی، اس کو انسان نے کھایا تو بدن میں خون بنا، یہ مٹی کا سُلالہ (ست) ہے، پھر خون سے مادّہ بنا، یہ تین مراحل ہوئے: مٹی، خون اور مادّہ، پھر مادّہ رحم میں پہنچ کر ایک چلّہ میں علقہ (خونِ بستہ جیسے کلیجی) بنا، یہ درمیانی مرحلہ ہے، پھر علقہ ایک چلّہ میں مضغہ (گوشت کی بوٹی) بنا، پھر اس میں ہڈیاں پیدا ہوئیں، پھر ان پر گوشت چڑھا، یہ بعد کے تین مراحل ہیں، جب جسم تیار ہوگیا تو اس میں فرشتہ نے روح پھونکی، اس طرح اشرف المخلوقات انسان وجود میں آیا۔

پس آیت میں جو علقہ ہے اس سے سب مراحل مراد ہیں، درمیانی مرحلہ کا ذکر کر کے طرفین کے مراحل بھی مراد لئے ہیں، اب آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے جان مادّے میں سات تبدیلیاں کر کے انسان بناتے ہیں، پس اگر

(۱) باسم: باءِ استعانت کے لئے ہے یعنی اللہ کی مدد لے کر پڑھ (۲) عَلَق: تخلیقِ انسانی کا درمیانی مرحلہ ہے، مراد سابقہ تین مراحل اور لاحقہ تین مراحل بھی ہیں (۳) یہ دوسرا اقرأ خواندہ کا اقرأ ہے (۴) قلم سے مراد ہے: لوگوں نے جو کچھ لکھا ہے (۵) مالم یعلم: یعنی پہلے اقرأ سے نہیں جانا۔

ناخواندہ (جاہل) اللہ کے نام کی مدد لے کر پڑھنا شروع کرے تو اس کو سات سال میں عالم بنائیں گے۔

یہ ناخواندہ کا پڑھنا ہے، دوسرا پڑھنا عالم کا ہے، پہلے اقرأ میں طالب علم کو استاذ کے سامنے باادب بیٹھ کر پڑھنا پڑتا ہے، خود اپنے طور پر نہیں پڑھ سکتا، پھر پہلے اقرأ سے جو استعداد بنتی ہے اس سے کام لے کر اپنے طور پر مطالعہ شروع کرے، اللہ تعالیٰ قلم سے بھی علم سکھلاتے ہیں، گذشتہ لوگوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کو پڑھنا شروع کرے اور بیس سال کتابوں کا کیڑا بنا رہے: تو اس کے بعد محسوس ہوگا کہ اب علم آنا شروع ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اکرم الاکرمین ہیں، ان کے خزانہ میں کمی نہیں، اب مطالعہ سے وہ علم کھولیں گے جو اس نے مدرسہ میں نہیں پڑھا، پھر زندگی بھر اس شغل میں لگا رہے تو کمالِ علمی حاصل ہوگا، اور وہ ایک باکمال شخصیت بنے گا۔

فائدہ: اب چند باتیں عرض ہیں:

۱- دین کا علم ایک ایسا سمندر ہے جس کا کنارہ نہیں، پوری زندگی اس کے پیچھے لگائی جائے تب شمّہ بھر علم ملتا ہے، یہ علم: دنیوی علوم کی طرح نہیں کہ چند دن میں حاصل کر کے نمٹ لیا جائے، علم دین کی تحصیل کا سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہے گا، حدیث میں ہے کہ جس کو قرآن سے دلچسپی ہے: جنت میں اس سے کہا جائے گا: پڑھتا جا اور چڑھتا جا! ظاہر ہے وہ پڑھنا سمجھ کر ہوگا اور چڑھنا مراتب جنت کے علاوہ مراتب کمال میں بھی ہوگا، البتہ منقطع الدراسۃ کو یہ نعمت حاصل نہ ہوگی، جو موت تک پڑھتا رہا وہی جنت میں پڑھتا رہے گا۔

۲- علم پڑھنے سے آتا ہے، اس لئے دو مرتبہ اقرأ فرمایا، صرف پڑھانے سے علم نہیں آتا، آج مدارس آباد ہیں اور قحط الرجال ہے، کیونکہ پڑھانے والے پڑھتے نہیں، جو طلبہ مدارس سے نکلتے ہیں وہ 'فارغ' ہوجاتے ہیں، اور آتا جاتا کچھ نہیں اور 'فاضل' ہوجاتے ہیں، پھر باکمال شخصیات کیسے پیدا ہوں؟ علم دین لوجہ اللہ مطلوب ومقصود ہے، معیشت تابع ہے، اس لئے زندگی بھر اس میں لگا رہنا چاہئے تب کمالِ علمی حاصل ہوگا۔

۳- طالب علم (ناخواندہ) کے پڑھنے میں تین چیزیں ہیں، اگر یہ تین چیزیں حاصل ہیں تو وہ پڑھ رہا ہے، ورنہ مدرسہ میں 'پڑا' ہے، اور پڑنے سے علم کبھی نہیں آتا، پڑھنے سے آتا ہے: ایک: سبق میں مطالعہ کر کے جائے، جو مطالعہ کیے بغیر جاتا ہے وہ استاذ کو پڑھانے جاتا ہے۔ دوم: سبق سمجھ کر پڑھے، بے سمجھے آگے نہ بڑھے، جو آج استاذ سے نہیں سمجھے گا وہ کل کس سے سمجھے گا؟ سوم: خواندہ یاد کرے، ورنہ پڑھا ہوا چند دن میں بھول جائے گا، اور وہ اس شخص کی طرح ہوجائے گا جو ہاتھوں میں سوراخ کر کے پانی پیتا ہے، پانی اس کے منہ تک کبھی نہیں پہنچے گا۔

۴- عالم (خواندہ) کے پڑھنے میں بھی تین چیزیں ہیں: ایک: فن دیکھ کر پڑھائے، کتاب کے متعلقات پر اکتفا نہ کرے، شروح میں سارا علم نہیں، ورنہ شروح لکھنے کا سلسلہ جاری نہ رہتا۔ دوم: مطالعہ کی تجمیع کرلے، حاصل مطالعہ لکھ

لے، ہر سال پورا فن نہیں دیکھ سکے گا۔ سوم: استنتاج کرے، معلومات میں غور کر کے نئے نتائج نکالے، فنون اسی طرح ترقی کرتے ہیں۔

آیاتِ پاک: —— (امیوں سے خطاب:) اپنے اس پروردگار کے نام کی مدد سے پڑھ جس نے پیدا کیا (جس نے) انسان کو خونِ بستہ سے پیدا کیا (خواندہ سے خطاب:) پڑھ! اور تیرا پروردگار بڑا ہی سخی ہے (وہ تجھے اور بھی علم دے گا) جس نے پین سے سکھلایا، انسان کو سکھلایا جو اس نے نہیں جانا!

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى (۶) اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (۷) اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى (۸) اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى (۹) عَبْدًا اِذَا صَلّٰى (۱۰) اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى (۱۱) اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى (۱۲) اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (۱۳) اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى (۱۴) كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ (۱۵) نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (۱۶) فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ (۱۷) سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (۱۸) كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (۱۹)

ع ۹ / ۲۱

كَلَّآ	ہرگز نہیں (گھمنڈ مت کر)	الَّذِيْ	جو	اِنْ كَذَّبَ	اگر جھٹلایا اس نے
اِنَّ الْاِنْسَانَ	بے شک انسان	يَنْهٰى	روکتا ہے	وَتَوَلّٰى	اور منہ موڑا!
لَيَطْغٰٓى	البتہ سرکشی کرتا ہے	عَبْدًا	خاص بندے کو	اَلَمْ يَعْلَمْ	کیا نہیں جانتا وہ
اَنْ (۱)	اس وجہ سے کہ	اِذَا صَلّٰى	جب وہ نماز پڑھتا ہے!	بِاَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ
رَّاٰهُ (۲)	دیکھتا ہے وہ خود کو	اَرَءَيْتَ	بتلا	يَرٰى	دیکھ رہا ہے؟
اسْتَغْنٰى	مستغنی ہوگیا ہے وہ	اِنْ كَانَ	اگر ہے وہ	كَلَّا	ہرگز نہیں (یہ حرکت
اِنَّ	بے شک	عَلَى الْهُدٰٓى	ہدایت پر		مت کر)
اِلٰى رَبِّكَ	تیرے رب کی طرف	اَوْ اَمَرَ	یا حکم دیتا ہے وہ	لَىِٕنْ لَّمْ	بخدا! اگر نہیں
الرُّجْعٰى (۳)	لوٹنا ہے	بِالتَّقْوٰى	پرہیزگاری کا!	يَنْتَهِ	باز آیا وہ
اَرَءَيْتَ	بتلا	اَرَءَيْتَ	بتلا	لَنَسْفَعًا (۴)	ضرور گھسیٹیں گے ہم

(۱) أن: أی بأن (۲) رآہ میں دو ضمیریں ہیں: فاعل کی اور مفعول کی: دونوں کا مرجع انسان ہے (۳) رُجعی: رَجَعَ یرجِع (ض) کا مصدر ہے: لوٹنا، پھر جانا (۴) لَنَسْفَعَنْ: لام تاکید با نون تاکید خفیفہ ہے، اس کے نون کو قرآنی رسم الخط میں الف اور تنوین کے ساتھ لکھتے ہیں۔

بِالنَّاصِيَةِ	پیشانی پکڑ کر	فَلْيَدْعُ	پس چاہئے کہ بلائے وہ	كَلَّا	ہرگز نہیں
نَاصِيَةٍ	پیشانی	نَادِيَهُ	اپنی محفل کو	لَا تُطِعْهُ	آپ اسکی بات نہ مانیں
كَاذِبَةٍ	جھوٹی	سَنَدْعُ	اب بلاتے ہیں ہم	وَاسْجُدْ	اور سجدہ کریں
خَاطِئَةٍ	گنہگار	الزَّبَانِيَةَ	جہنم کے سپاہیوں کو	وَاقْتَرِبْ	اور نزدیکی حاصل کریں

با کمال عالم غرور میں مبتلا نہ ہو، جیسے مکہ کا ایک مالدار سردار غرور میں مبتلا تھا

کمال چاہے علم کا ہو یا مال کا غرور میں مبتلا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ جس کو علم میں کمال عطا فرماتے ہیں اور وہ ناتربیت یافتہ ہوتا ہے تو دوسرے اس کی نظر سے گر جاتے ہیں، وہ خود کو لمبا کھینچنے لگتا ہے، ایسا ہی حال مالدار کا ہو جاتا ہے، اس کی نظر میں بھی کوئی نہیں جچتا! ابتدائی زمانہ تھا، ابوجہل نبی ﷺ کو کعبہ کے پاس نماز پڑھنے سے روکتا تھا، اس کی انجمن کے سردار اس کے ہمنوا تھے، کبھی وہ آپ کی گردن میں پھندا ڈال کر کھینچتا تھا، کبھی بیاہی اونٹنی کا میل لا کر آپ کی پیٹھ پر رکھ دیتا تھا، وہ غرور نفس میں مبتلا تھا، اس کی مثال دے کر با کمال عالم کو نصیحت کرتے ہیں کہ اس کا بھی یہ حال نہ ہو جائے۔

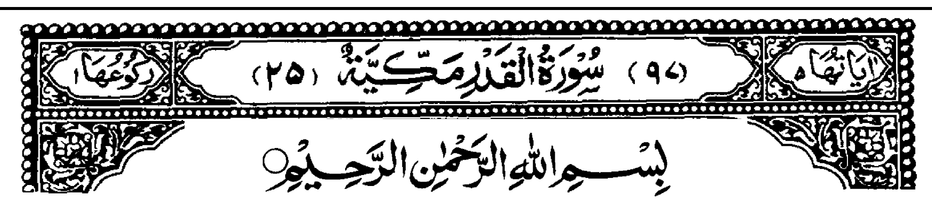
آیاتِ پاک: —— ہرگز نہیں! —— یعنی با کمال عالم کو تکبر میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے —— بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے جب دیکھتا ہے کہ وہ بے نیاز ہو گیا ہے —— یعنی وہ سب سے بڑا عالم ہو گیا ہے، کیا وہ جانتا نہیں کہ اسے —— یقیناً اس کے رب کی طرف لوٹنا ہے؟ —— جو اس کی خبر لیں گے، اور اب بات متکبر مالدار کی طرف مڑ رہی ہے —— بتلا! جو خاص بندے کو روکتا ہے جب (وہ کعبہ کے پاس) نماز پڑھتا ہے، بتلا! اگر وہ ہدایت پر ہے یا وہ پرہیزگاری کا حکم دیتا ہے، بتلا! اگر وہ (سردار) جھٹلاتا ہے اور منہ موڑتا ہے —— یعنی اس کی حرکت کی قباحت کی تین وجہیں اکٹھا ہیں: (۱) اللہ کے خاص بندے کو اللہ کی عبادت سے روکنا (۲) اس بندے کا اس سردار کو بھلائی کی بات بتانا اور اللہ سے ڈرانا (۳) اس سردار کا اللہ کی بات کو جھٹلانا اور اس کو قبول کرنے سے انکار کرنا —— ان وجوہ کی موجودگی میں کیا اس کی یہ حرکت مناسب ہے؟ جو اس کی دل دوزی کرتا ہے اس کے ساتھ وہ یہ معاملہ کرتا ہے؟ —— کیا وہ جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں؟ ہرگز نہیں —— یعنی وہ یہ حرکت نہ کرے —— بخدا! اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اس کی جھوٹی گنہگار چوٹی کے بال پکڑ کر (جہنم کی طرف) گھسیٹیں گے، اور وہ چاہے تو اپنی انجمن کو (اپنی مدد کے لئے) بلا لے، ہم بھی ابھی جہنم کے سپاہیوں کو بلاتے ہیں ہرگز نہیں —— یعنی آپ اس کی حرکت کا خیال نہ کریں —— آپ اس کی بات نہ مانیں اور سجدہ کریں —— یعنی نماز پڑھیں —— اور اللہ کی نزدیکی حاصل کریں —— نماز اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اور سجدہ میں نمازی اللہ سے قریب سے قریب تر ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ القدر

ربط: انسان کو اللہ نے بہترین سانچے میں ڈھالا ہے، اس میں خیر وشر کی صلاحیتیں رکھی ہیں، اب اگر وہ خود کو اپنے مستوی (لیول) سے اوپر اٹھانا چاہے تو اس کو اپنے اندر کمالِ علمی اور کمالِ عملی پیدا کرنا ہوگا، کمالِ علمی کا بیان سورۃ العلق میں آ گیا، اب اس سورت میں کمالِ عملی کا بیان ہے۔

کمالِ عملی اللہ کی عبادت سے حاصل ہوتا ہے، اور اس امت کی عمریں کم ہیں، اوسط ساٹھ سال ہے، اور گذشتہ امتوں کی عمریں ہزار سال سے زائد ہوتی تھیں، نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال تک تبلیغ کی ہے، پھر قوم کی ہلاکت کے بعد ڈیڑھ سو سال زندہ رہے ہیں، پس یہ امت عبادت میں گذشتہ لوگوں کا مقابلہ کیسے کرے گی؟ جواب: اللہ نے اس امت کو عبادت کے لئے خاص مواقع عنایت فرمائے ہیں، جیسے جمعہ کا دن، شب براءت اور سب سے اہم شبِ قدر عنایت فرمائی ہے، یہ رات تراسی سال سے بہتر ہے، اگر امت اس رات کو وصول کرے تو وہ گذشتہ امتوں سے آگے بڑھ جائے گی، یہ رات رمضان میں آتی ہے، اور خاص طور پر اس کے آخری عشرہ میں، اور اس رات کو اہمیت نزولِ قرآن کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے، پس سوچو! قرآنِ عظیم کا کیا مقام ومرتبہ ہے؟ اس کا بیان اگلی سورت میں ہے۔



إنا أنزلناه في ليلة القدر ﴿١﴾ وما أدراك ما ليلة القدر ﴿٢﴾ ليلة القدر خير من ألف شهر ﴿٣﴾ تنزل الملائكة والروح فيها بإذن ربهم من كل أمر ﴿٤﴾ سلام هي حتى مطلع الفجر ﴿٥﴾

إنا أنزلناه (۱)	بے شک ہم نے اتارا قرآن کو	في ليلة القدر (۲)	رات میں اہمیت والی	وما أدراك ما ليلة	اور کیا آپ جانتے ہیں کیا ہے رات

(۱) قرآن کی طرف ضمیر لوٹانے کے لئے مرجع کا ذکر ضروری نہیں، قاری کے ذہن میں قرآن رہتا ہی ہے، علاوہ ازیں: ←

الْقَدْرِ	اہمیت والی	تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ (1)	اترتے ہیں فرشتے	مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ (3)	ہر چیز سے
لَيْلَةُ	رات	وَالرُّوْحُ (2)	اور حیات	سَلٰمٌ	سلامتی لے کر
الْقَدْرِ	اہمیت والی	فِيْهَا	اس رات میں	هِيَ	وہ ہے
خَيْرٌ	بہتر ہے	بِاِذْنِ	اجازت سے	حَتّٰى مَطْلَعِ (4)	طلوع ہونے تک
مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ	ہزار مہینوں سے	رَبِّهِمْ	ان کے رب کی	الْفَجْرِ	صبح کے

شبِ قدر کی منزلت قرآنِ کریم کی وجہ سے ہے

قرآن اللہ کا کلام ہے، اور اللہ کا کلام اللہ کی صفت ہے، اور صفت اور موصوف کا درجہ ایک ہوتا ہے، پس قرآن کی عظمت واہمیت ظاہر ہے، اور زمین پر قرآن کا نزول رمضان میں شروع ہوا ہے، پہلی وحی رمضان کی کسی رات میں غروب آفتاب کے بعد آئی ہے، اس لئے رمضان کو بھی اہمیت حاصل ہوئی ہے اور اس کے روزے فرض کئے گئے ہیں [البقرة ۱۸۲] اور شبِ قدر کو تو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی ہے، اس کو ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا ہے، اور اہم چیزیں راستہ میں نہیں پڑی ہوتیں، چھپا کر رکھی جاتی ہیں، اس لئے اس رات کو بھی چھپایا ہے، اور بندوں کو تلاش کر کے اس میں عبادت کرنے کا حکم دیا ہے، مگر وہ رات بہرحال رمضان میں ہے، اور اس کے بھی آخری عشرہ میں اور اس کی طاق راتوں میں ہے، پس اس کا تلاش کرنا آسان ہے، ۲۹ راتیں عبادت میں گذارنا کیا مشکل ہے؟

اُس رات میں بہ اذنِ الٰہی فرشتے اور حیات (زندگی) زمین پر اترتی ہے، اور ہر چیز کی سلامتی لے کر اترتی ہے، اور حدیث میں ہے کہ جو مسلمان اس رات میں عبادت میں مشغول ہوتا ہے فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں، اور در منثور میں بیہقی کے حوالے سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ کوئی ایسا نظام بنایا جائے کہ جس رات بھی فرشتے اتریں مسلمان نماز پڑھتے ہوئے ملیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کی راتوں میں تراویح کا نظام بنایا، اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کو امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائیں (آمین) اور پہلی وحی

→ أنزلنا سے قرآن مفہوم ہوتا ہے (۲) قدر کے معنی ہیں: اہمیت، عظمت، اردو میں عطفِ تفسیری کے ساتھ استعمال کرتے ہیں: قدر ومنزلت۔

(۱) تنزل میں ایک تاء محذوف ہے (۲) روح سے جبرئیل علیہ السلام کو بھی مراد لیا گیا ہے، وہ روح القدس (پاکیزہ روح) ہیں، مگر چونکہ وہ ملائکہ میں آگئے اس لئے روح سے حیات بھی مراد لی گئی ہے، جس کی حقیقت معلوم نہیں (۳) من کل أمر: خبر مقدم ہے اور سلام: مبتدا مؤخر، خبر جب ظرف ہوتی ہے تو اس کو مقدم لاتے ہیں، نیز جب مبتدا نکرہ ہوتا ہے تو بھی خبر کو مقدم لاتے ہیں۔ (۴) مطلع: مصدر میمی بمعنی طلوع ہے۔

اگرچہ مغرب کے بعد آئی ہے، مگر اس رات کی برکت صبح صادق تک رہتی ہے۔

آیاتِ کریمہ: —— بے شک ہم نے قرآن اہم رات میں اتارا ہے، اور آپ جانتے ہیں: اہم رات کیا ہے؟ اہم رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس میں فرشتے اور روح بہ اذنِ الٰہی اترتے ہیں، ہر چیز کی سلامتی لے کر، وہ رات طلوع فجر تک رہتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البینۃ

ربط: سورۃ التین سے یہ بیان شروع ہوا ہے کہ جو لوگ خود کو اپنے فطری مستوی سے بلند کرنا چاہیں وہ کمالِ علمی اور کمالِ عملی پیدا کریں، کمالِ علمی کا بیان سورۃ العلق میں ہے، اور کمالِ عملی کا سورۃ القدر میں، اب اس سورت میں یہ بیان ہے کہ کمالِ علمی قرآنِ کریم سے حاصل ہوگا، کیونکہ اس میں قیمتی مضامین ہیں جس کو عظیم رسول لے کر آئے ہیں۔

سورت کے مضامین: اس سورت میں تین مضمون ہیں:

۱- شروع میں ایک سوال کا جواب ہے کہ سب سے بڑے رسول آخر میں کیوں آئے ہیں؟ سلسلۂ نبوت کے شروع میں یا درمیان میں کیوں نہیں آئے؟ جواب یہ ہے کہ اب تک چاند تاروں سے کام چل رہا تھا، گمراہی گہری نہیں ہوئی تھی، اور پوری دنیا میں کام پہنچانے کی صورت بھی نہیں تھی، اس لئے دوسرے انبیاء مبعوث کئے گئے، اب پوری دنیا میں عرب وعجم میں، گمراہی گہری ہوگئی ہے، جب تک آفتابِ نبوت طلوع نہ ہو تاریکی چھٹنے والی نہیں، اس لئے اب سب سے بڑے رسول مبعوث کئے گئے ہیں۔

۲- پھر اس سوال کا جواب ہے کہ جب قرآن اعلیٰ درجہ کے مضامین پر مشتمل ہے تو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) نے اس کو قبول کیوں نہیں کیا؟ ان کا زمانہ تو نبوت سے قریب ہے؟ جواب یہ ہے کہ اہل کتاب ضد سے مخالف ہیں، شبہ سے نہیں، اور ڈھٹائی کا کوئی حل نہیں!

۵- پھر آخر میں یہ بیان ہے کہ جن لوگوں نے دعوتِ اسلام قبول نہیں کی وہ بدترین خلائق ہیں انھوں نے خود کو اپنے مستوی سے گرا دیا ہے اور اسفل السافلین میں پہنچ گئے ہیں، اس لئے ان کی سزا ابدی جہنم ہے جو ان کو قیامت کے دن ملے گی، اور جو ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے اور اللہ سے ڈرے وہ بہترین خلائق ہیں، ان کا صلہ جنت اور اللہ کی خوشنودی ہے جو ان کو آخرت میں ملے گی، اس طرح قیامت کا موضوع شروع ہوگا اور کئی سورتوں تک چلے گا۔

آیاتھا ۸ (۹۸) سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۰) رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۱﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿۳﴾ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۴﴾ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۵ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿۷﴾ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾

ع ۱ — ۲۳

لَمْ يَكُنِ	نہیں تھے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کے	اُوْتُوا الْكِتٰبَ	دیئے گئے کتاب
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	يَتْلُوْا (۳)	پڑھ رہے ہوں	اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ	مگر بعد
كَفَرُوْا	انکار کیا	صُحُفًا (۴)	صحیفے	مَا جَآءَتْهُمُ	ان کے پاس آنے
مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	اہل کتاب میں سے	مُّطَهَّرَةً	پاکیزہ	الْبَيِّنَةُ	واضح دلیل کے
وَالْمُشْرِكِيْنَ	اور مشرکین میں سے	فِيْهَا	ان میں	وَمَآ اُمِرُوْٓا	اور نہیں حکم دیئے گئے وہ
مُنْفَكِّيْنَ (۱)	جدا ہونے والے	كُتُبٌ (۵)	مضامین ہوں	اِلَّا	مگر
حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ	یہاں تک کہ پہنچے ان کو	قَيِّمَةٌ	قیمتی	لِيَعْبُدُوا	یہ کہ عبادت کریں وہ
الْبَيِّنَةُ	واضح دلیل	وَمَا تَفَرَّقَ	اور نہیں جدا ہوئے	اللّٰهَ	اللہ کی
رَسُوْلٌ (۲)	(یعنی) عظیم رسول	الَّذِيْنَ	جو	مُخْلِصِيْنَ	خالص کر کے

(۱) منفکین: لم یکن کی خبر ہے (۲) رسول: البینۃ سے بدل ہے (۳) جملہ یتلوا: رسول کا حال ہے (۴) ہر سورت ایک صحیفہ ہے (۵) کتب بمعنی مکتوب ہے۔

لَهٗ	اس کے لئے	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے	عَدْنٍ	ہمیشہ رہنے کے
الدِّيْنَ	بندگی کو	فِيْهَا	اس میں	تَجْرِيْ	بہتی ہیں
حُنَفَآءَ[1]	یکسو ہوکر	اُولٰٓئِكَ	یہ	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے سے
وَيُقِيْمُوا	اور اہتمام کریں	هُمْ	ہی	الْاَنْهٰرُ	نہریں
الصَّلٰوةَ	نماز کا	شَرُّ	بدترین	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے
وَيُؤْتُوا	اور دیں	الْبَرِيَّةِ	خلائق ہیں	فِيْهَآ	ان میں
الزَّكٰوةَ	زکات	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو	اَبَدًا	سدا
وَذٰلِكَ	اور یہ	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	رَضِيَ	خوش ہوئے
دِيْنُ[2]	دین ہے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	اللّٰهُ	اللہ
الْقَيِّمَةِ	سیدھا	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	عَنْهُمْ	ان سے
اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جنھوں نے	اُولٰٓئِكَ هُمْ	یہ ہی	وَرَضُوْا	اور خوش ہوئے وہ
كَفَرُوْا	انکار کیا	خَيْرُ	بہترین	عَنْهُ	اللہ سے
مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	اہل کتاب میں سے	الْبَرِيَّةِ	خلائق ہیں	ذٰلِكَ	یہ (صلہ)
وَالْمُشْرِكِيْنَ	اور مشرکین میں سے	جَزَآؤُهُمْ	ان کا بدلہ	لِمَنْ	اس شخص کیلئے ہے جو
فِيْ نَارِ	آگ میں ہونگے	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس	خَشِيَ	ڈرا
جَهَنَّمَ	دوزخ کی	جَنّٰتُ	باغات ہیں	رَبَّهٗ	اپنے رب سے

جب تاریکی گہری ہوگئی تو آفتابِ نبوت طلوع ہوا

بعثتِ نبوی کے وقت دنیا کی صورتِ حال یہ تھی کہ اہل کتاب اور مشرکین گمراہی کے دلدل میں بری طرح پھنس گئے تھے، وہ اپنی ڈگر سے کسی طرح ہٹنے والے نہیں تھے جب تک عظیم المرتبت رسول مبعوث نہ ہوں، اور وہ بھی خالی ہاتھ نہ آئیں، ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لائیں، لوگوں کو قرآن کی پاکیزہ سورتیں پڑھ کر سنائیں، جن میں قیمتی مضامین ہیں تو امید ہے کہ وہ اپنی روش چھوڑیں اور راہِ راست پر آئیں، چنانچہ پہلے دیگر انبیاء کو مبعوث کیا اور آخر میں آفتابِ نبوت طلوع ہوا، اور

(۱) حنفاء: حنیف کی جمع: باطل سے رخ پھیر کر حق کی طرف مائل ہونے والا، اور یہ ابراہیم علیہ السلام کا لقب بھی ہے۔

(۲) دین القیمة (مرکب اضافی) دراصل موصوف صفت ہیں، اور القیمة میں تاء مبالغہ کی ہے جیسے علامة میں۔

ان کے ساتھ اللہ کا کلام نازل ہوا جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا، اور لوگ اس سے روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔

فائدہ: قرآنِ کریم قیمتی مضامین پر مشتمل ہے، اس سے کمالِ علمی حاصل کیا جاسکتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ سیڑھی سے چڑھے، کود کر قرآن تک نہ پہنچ جائے، ورنہ سر کے بل گرے گا، اور سیڑھی فقہ وحدیث ہیں، ان میں مہارت حاصل کر کے قرآن پڑھے تو کمالِ علمی حاصل ہوگا، جو لوگ قرآن فہمی کے لئے فقہ وحدیث کی ضرورت نہیں سمجھتے، سیدھے قرآن کھول کر بیٹھ جاتے ہیں وہ قرآن پر ظلم کرتے ہیں، روزگار فقیر نامی کتاب میں علامہ اقبال کا قول ہے کہ قرآن مظلوم صحیفہ ہے، لوگوں نے پوچھا: کیسے؟ فرمایا: جس کو کوئی کام نہیں ملتا وہ تفسیر لکھنے بیٹھ جاتا ہے! الٰہذا یہ بات سمجھ لیں کہ فقہ وحدیث کے زینے سے ہی قرآن کو کما حقہ سمجھ سکتے ہیں، ہاں نصیحت پذیری کی حد تک قرآن آسان ہے، ہر کوئی قرآن پڑھ کر عبرت حاصل کرسکتا ہے، مگر حقائق ودقائق اہل علم اور اہل بصیرت کا حصہ ہیں۔

﴿ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ ﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے (اسلام کا) انکار کیا اہل کتاب اور مشرکین میں سے وہ اپنے (دھرم سے) جدا ہونے والے نہیں تھے یہاں تک کہ ان کو واضح دلیل پہنچے یعنی اللہ کے عظیم رسول جو پاکیزہ سورتیں پڑھ رہے ہوں، جن میں قیمتی مضامین ہیں۔

یہود ونصاریٰ محض ضد سے قرآن کا انکار کرتے ہیں

قرآنِ کریم کی اور یہود ونصاریٰ کی کتابوں کی بنیادی تعلیم ایک ہے، اور وہ ہے توحید خالص، نماز اور زکات، یہی دین اسلام ہے، قرآن کوئی نئی بات پیش نہیں کرتا، اور اہل کتاب کی کتابوں میں نبی آخر الزماں، قرآن اور اسلام کی حقانیت کے واضح دلائل موجود ہیں، تاہم وہ نفسانیت سے قرآن اور اسلام کا انکار کرتے ہیں، دوسری کوئی وجہ نہیں، اور ضد کا کوئی علاج نہیں!

﴿ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۵ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اہل کتاب جدا نہیں ہوئے —— یعنی اسلام اور قرآن کا انکار نہیں کیا —— مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیل آگئی —— یعنی ان کی کتابوں میں اسلام کی حقانیت کی پیشین گوئی ہے —— اور وہ یہی حکم دیئے گئے تھے کہ اللہ کی عبادت کریں، اللہ کے لئے عبادت کو خالص کر کے اور ہر طرف سے یکسو ہو کر اور نماز کا اہتمام کریں اور زکات

دیں، اور یہی دین مستقیم ہے ـــــ جو قرآن پیش کر رہا ہے۔

اپنے مستوی سے نیچے گرنے والوں کی اور بلند ہونے والوں کی قیامت کے دن جزاؤسزا

سورۃ التین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے، پھر کوئی تو اپنے لیول سے گر کر نچلوں سے نیچے پہنچ جاتا ہے، کتے اور خنزیر سے بدتر ہو جاتا ہے، یہی لوگ بدترین خلائق ہیں، اور کچھ لوگ اپنی فطرت سے بلند ہو کر آسمان کی رفعت تک پہنچ جاتے ہیں، اور ایسے سبک خرام ہوتے ہیں کہ فرشتے بھی ان کی ہمراہی سے عاجز رہ جاتے ہیں۔ دونوں فریقوں کی جزاؤسزا قیامت کے دن ہوگی، تباہ حال ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، خواہ وہ اہل کتاب (یہود ونصاری) ہوں یا مشرکین، سب کا انجام ایک ہے، اور جو لوگ ایمان لائے، قرآن کو قبول کیا، رسالت محمدی کا اعتراف کیا اور شریعت کے مطابق زندگی گذاری، کرنے کے کام کئے اور نہ کرنے کے کاموں سے بچا رہا ان کو آخرت میں دو صلے ملیں گے:

اول: ہمیشہ رہنے کے باغات ملیں گے جن سے وہ کبھی باہر نہیں کئے جائیں گے، اور وہ باغات سدا بہار ہونگے، ان کے نیچے نہریں بہتی ہونگی، وہ ان میں تا ابد رہیں گے۔

دوم: ان کو اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی، اللہ ان سے خوش ہونگے اور وہ اللہ سے خوش ہونگے، اور یہ نعمت پہلی نعمت سے بڑھ کر ہے۔

فائدہ (۱): یہاں وہ سلسلۂ بیان پورا ہوا جو دور سے چل رہا تھا، آگے چار سورتیں قیامت کے موضوع پر آرہی ہیں۔

فائدہ (۲): کافر کے معنی ہیں: منکر، نہ ماننے والا، جو لوگ دینِ اسلام کو نہیں مانتے، قرآن کو قبول نہیں کرتے، رسالت محمدی کا اعتراف نہیں کرتے، کلمہ طیبہ کے دوسرے جزء پر ان کا ایمان نہیں وہ کافر ہیں، ان آیات میں اہل کتاب اور مشرکین دونوں پر ﴿ كَفَرُوْا ﴾ کا اطلاق آیا ہے، لیکن اگر وہ لفظ کافر کو پسند نہ کریں تو ان کو 'غیر مسلم' کہا جائے، لفظ کافر پر اصرار نہ کیا جائے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ۭ جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝ ﴾

ترجمہ: بلاشبہ جن لوگوں نے اہل کتاب میں سے اور مشرکین میں سے نہیں مانا وہ دوزخ کی بھٹی میں جائیں گے، وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے، یہی لوگ بدترین خلائق ہیں ـــــ بلاشبہ جن لوگوں نے مان لیا، اور اچھے کام کئے، وہی بہترین خلائق ہیں، ان کا صلہ ان کے رب کے پاس ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اللہ ان سے خوش ہوئے، اور وہ اللہ سے خوش ہوئے، یہ صلہ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرا ـــــ یہ ﴿ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ کا مقابل ہے، اس میں منہیات سے بچنے کی شرط ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الزلزال

ربط: اب چار سورتیں قیامت کے موضوع پر ہیں،اس سورت میں یہ بیان ہے کہ قیامت کے دن سب کرا کرایا اچھا برا انسان کے سامنے آجائے گا، پھر سورت العادیات میں یہ بیان ہے کہ قیامت کے دن دلوں میں پوشیدہ راز آشکارہ ہوجائیں گے،اوران پر بھی گرفت ہوگی، پھر سورت القارعۃ میں یہ بیان ہے کہ قیامت کے دن الل ٹپ فیصلے نہیں ہونگے، اعمال تول کر فیصلے ہونگے، پھر سورت التکاثر میں یہ بیان ہے کہ عذابِ آخرت سے پہلے عذاب قبر بھی ہے۔

سورت کی فضیلت: ترمذی شریف میں حدیث (نمبر۲۹۰۳) ہے:

حدیث(۱): نبی ﷺ نے فرمایا:مَنْ قَرَأَ إِذَا زلزلت: عُدِلَتْ له بِنِصْفِ القرآن:جس نے سورۃ الزلزال پڑھی: وہ اس کے لئے آدھے قرآن کے برابر گردانی جائے گی۔وَمَنْ قَرَأَ: قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ: عُدِلَتْ لَهُ بِرُبْعِ القرآن:اور جس نے سورۃ الکافرون پڑھی: وہ اس کے لئے چوتھائی قرآن کے برابر گردانی جائے گی،وَمَنْ قَرَأَ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ: عُدِلَتْ له بِثُلُثِ القُرْآن:اورجس نے قل ھو اللہ احد پڑھی:وہ اس کے لئے تہائی قرآن کے برابر گردانی جائے گی۔

تشریح: علمائے کرام نے اس حدیث کے دومطلب بیان کئے ہیں:

ایک: قرآن کے مضامین کی مختلف اعتبارات سے تقسیم ہے،ایک تقسیم یہ ہے کہ قرآن دوقسم کے احوال پر مشتمل ہے: دنیوی اوراخروی،اورسورت الزلزال میں آخرت کا بیان ہے،اس لئے وہ نصف قرآن ہے،اورقرآن میں توحید فی العبادۃ، توحید فی العقیدہ دنیوی اوراخروی احکام ہیں،اورسورۃ الکافرون میں توحید فی العبادۃ کا بیان ہے،اس لئے وہ چوتھائی قرآن ہے،اورعلوم قرآن تین ہیں: توحید،احکام اورتہذیب اخلاق اور ﴿ ﴾ میں توحید کا بیان ہے اس لئے وہ تہائی قرآن ہے۔

دوم: اس روایت میں ان سورتوں کے انعامی ثواب کا بیان ہے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ الاخلاص پر جو انعامی ثواب ملتا ہے وہ تہائی قرآن کے اصلی ثواب کے برابر ہے۔

فائدہ: یہ دوسرا مطلب مشہور ہے اور پہلا مطلب اصح ہے، کیونکہ دوسرا مطلب لینے کی صورت میں سورۃ الزلزال کا سورۃ الاخلاص سے افضل ہونا لازم آئے گا،اوراس کا کوئی قائل نہیں (تفصیل کے لئے دیکھیں تحفۃ الالمعی ۷:۵۱)



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۙ﴿۱﴾ وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۙ﴿۲﴾ وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۚ﴿۳﴾ یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ۙ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوۡحٰی لَهَا ؕ﴿۵﴾ یَوۡمَئِذٍ یَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۬ۙ لِّیُرَوۡا اَعۡمَالَهُمۡ ؕ﴿۶﴾ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَهٗ ؕ﴿۷﴾ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَهٗ ٪﴿۸﴾

اِذَا	جب	تُحَدِّثُ	بیان کرے گی	اَعۡمَالَهُمۡ	ان کے اعمال
زُلۡزِلَتِ	ہلادی جائے گی	اَخۡبَارَهَا	اپنی خبریں	فَمَنۡ	پس جس نے
الۡاَرۡضُ	زمین	بِاَنَّ	بایں وجہ کہ	یَّعۡمَلۡ	کی ہے
زِلۡزَالَهَا[1]	سخت ہلانا	رَبَّکَ	آپ کے رب نے	مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ	ذرہ بھر
وَ اَخۡرَجَتِ	اور نکال دے گی	اَوۡحٰی[2]	اشارہ کیا ہے	خَیۡرًا	کوئی نیکی
الۡاَرۡضُ	زمین	لَهَا	اس کو	یَّرَهٗ	دیکھے گا اس کو
اَثۡقَالَهَا	اپنے بوجھ	یَوۡمَئِذٍ	آج	وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ	اور جس نے کی ہے
وَقَالَ	اور کہا	یَّصۡدُرُ[3]	نکلیں گے	مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ	ذرہ بھر
الۡاِنۡسَانُ	انسان نے	النَّاسُ	لوگ	شَرًّا	کوئی برائی
مَا لَهَا	کیا ہوا اس کو؟	اَشۡتَاتًا	متفرق	یَّرَهٗ	دیکھے گا اس کو
یَوۡمَئِذٍ	آج	لِّیُرَوۡا	تاکہ دکھلائے جائیں وہ	۞	۞

قیامت کے دن سب کرا کرایا اچھا برا سامنے آجائے گا

جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو زمین میں سخت بھونچال آئے گا، ہر چیز ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہوجائے گی، پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو مردے زمین سے دمادم نکلنے شروع ہوں گے اس وقت جو انسان زمین سے نکل آئے ہیں حیرت سے کہیں گے: زمین کو آخر ہو کیا گیا ہے جو اس طرح مردوں کو نکال رہی ہے؟ پھر زمین میں جو کچھ ریکارڈ ہے؟ وہ

(۱) زلزالها: مفعول مطلق تاکید کے لئے (۲) وحی کے لغوی معنی ہیں: اشارہ خفیہ (۳) صَدَرَ الشیئُ: نکلنا، ظاہر ہونا۔

بولنے لگے گی، کیونکہ ٹیپ ریکارڈ کے مالک نے بٹن دبادیا ہے، پھر لوگ میدانِ قیامت سے فیصلہ ہونے کے بعد آخرت کی طرف متفرق ہوکر لوٹیں گے، جنتی الگ جہنمی الگ، پھر درجات اور درکات کے اعتبار سے بھی ٹولیاں ہونگی، تاکہ لوگ اپنے اعمال کا بدلہ دیکھیں، اس دن جس نے ذرہ بھر کوئی نیکی کی ہے اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ بھر کوئی بڑائی کی ہے اس کو بھی دیکھ لے گا، پس لوگو! چھوٹی نیکی کو بھی چھوٹی مت سمجھو، ہر نیکی کرو، کیونکہ قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے اور کنکر کنکر اکٹھا ہوکر پہاڑ بنتا ہے، پس چھوٹی نیکی بھی اس دن کام آئے گی، اور چھوٹی برائی کو بھی چھوٹی مت سمجھو، ایک چنگاری بھی لاوا (گھاس کا ڈھیر) پھونکنے کے لئے کافی ہے، پس معمولی برائی سے بھی بچو!

آیاتِ کریمہ: —— جب زمین میں نہایت سخت بھونچال آئے گا، اور زمین اپنے بوجھ (مردے) باہر نکالے گی، اور انسان کہے گا: زمین کو کیا ہوا؟ آج وہ اپنی باتیں بیان کرے گی، اس وجہ سے کہ اس کے رب نے اس کو اشارہ کیا ہے، آج (میدانِ حشر سے) لوگ متفرق ہوکر نکلیں گے، تاکہ وہ اپنے اعمال دکھلائے جائیں —— یعنی ان کی جزاء دیکھیں —— پس جس نے ذرہ بھر کوئی نیکی کی ہے وہ اس کو دیکھے گا، اور جس نے ذرہ بھر کوئی برائی کی ہے وہ اس کو دیکھے گا!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ العادیات

گذشتہ سورت کا موضوع تھا: قیامت کے دن سب کرا کرایا اچھا برا یعنی اعمالِ ظاہرہ انسان کے سامنے آئیں گے، کوئی عمل چھپا نہیں رہے گا، ادنی سے ادنی عمل بھی انسان کے سامنے آجائے گا —— اب اس سورت کا موضوع ہے: قیامت کے دن پوشیدہ بھید بھی کھل جائیں گے، اور ان پر بھی محاسبہ ہوگا۔ اور پوشیدہ بھیدوں کا دائرہ کہاں تک ہے؟ دلوں کے جذبات بھی پوشیدہ بھید ہیں، انسان کے دل میں جو اچھے برے جذبات ہیں وہ بھی پوشیدہ راز ہیں، وہ بھی کھل جائیں گے۔

اور اس سورت میں دو برے جذبات کا بطور مثال ذکر کیا ہے: ایک: ناشکری کا جذبہ، دوسرا: مال کی شدید محبت اور یہ دو جذبات اس لئے ذکر کئے ہیں کہ دوسرا جذبہ پہلے جذبہ کی دلیل ہے، پس دونوں میں تلازم ہے۔ اور اصل پہلی مثال ہے اسی کو مدلل کیا ہے، نیز دوسرا جذبہ ہر کوئی سمجھتا ہے، اس لئے اس کو مدلل نہیں کیا، اور ناشکری کے جذبہ کو ہر کوئی نہیں سمجھتا یا غلط فہمی کا شکار ہے، اس لئے اس کو گھوڑوں کی مثال سے مبرہن کیا ہے۔

❁ ❁ ❁

اٰیَاتُهَا ۱۱ (۱۰۰) سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (۱۴) رُكُوْعُهَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝۲ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝۳ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝۴ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝۷ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝۹ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝۱۰ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝۱۱ ع ۱۱ / ۲۵

وَالْعٰدِيٰتِ(۱)	قسم ہے تیز دوڑنے	بِهٖ(۷)	دوڑ کر	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ
	والے گھوڑوں کی	نَقْعًا(۸)	غبار کو	عَلٰى ذٰلِكَ	اس پر
ضَبْحًا(۲)	ہانپتے ہوئے	فَوَسَطْنَ(۹)	پس درمیان میں پہنچ	لَشَهِيْدٌ	البتہ گواہ ہے
فَالْمُوْرِيٰتِ(۳)	پس آگ سلگانے والوں کی		جانے والوں کی	وَاِنَّهٗ لِحُبِّ	اور بیشک وہ محبت میں
قَدْحًا(۴)	ٹاپ مار کر	بِهٖ(۷)	دوڑ کر	الْخَيْرِ	بھلائی کی
فَالْمُغِيْرٰتِ(۵)	پس شب خون مارنے	جَمْعًا	مجمع کے	لَشَدِيْدٌ	البتہ سخت ہے
	والوں کی	اِنَّ الْاِنْسَانَ	بے شک انسان	اَفَلَا يَعْلَمُ	کیا پس نہیں جانتا وہ
صُبْحًا	صبح کے وقت	لِرَبِّهٖ	اپنے رب کا	اِذَا بُعْثِرَ	جب اکھاڑے جائیں گے
فَاَثَرْنَ(۶)	پس اُڑانے والوں کی	لَكَنُوْدٌ(۱۰)	یقیناً ناشکرا ہے	مَا فِي الْقُبُوْرِ	جو مردے قبروں میں ہیں

(۱۰)

(۱)العادية: اسم فاعل، مؤنث، عَدَا(ن)عَدْوًا: تیز دوڑنا (۲)ضَبْحًا: مصدر: ضَبَحَ الخيلُ: (ف) ہانپنا (۳)المورية: از باب افعال، أوْرىٰ إيراءً: آگ نکالنا (۴)قَدْحا: مصدر: قَدَحَ (ف): آگ نکالنے کے لئے چق ماق رگڑنا، یہاں زمین پر ٹاپ مارنے کے معنی ہیں (۵)المغيرة: اسم فاعل، مؤنث از باب افعال، أغَارَ على العدو: شب خون مارنا، دشمن پر اچانک حملہ کرنا۔(٦)أثرن: ماضی، جمع مؤنث غائب: از بابِ افعال: أثار إثارة: گردوغبار اڑانا اصل میں أثْوَرْن تھا، تعلیل ہوئی ہے۔ (۷)دونوں جگہ به کی ضمیر کا مرجع الْعَدْو (دوڑنا) ہے جو العادیات سے مفہوم ہوتا ہے اور باء تعدیہ کی ہے (۸)النقع: غبار: اسم جامد ہے (۹)وَسَطْنَ: ماضی، جمع مؤنث غائب، وَسَطَ (ض) وَسْطًا: بیچ میں جا گھسنا (۱۰)کنود: صیغۂ مبالغہ: بڑا ناشکرا، کند النعمة: نعمت کی ناشکری کرنا۔

وَحُصِّلَ(۱)	اور ظاہر ہوجائے گا	اِنَّ رَبَّهُمْ	بے شک ان کا رب	يَوْمَئِذٍ	اس دن
مَا فِي الصُّدُوْرِ	جو سینوں میں ہے	بِهِمْ	ان کے بارے میں	لَّخَبِيْرٌ	البتہ پورا باخبر ہے

انسان اگر گھوڑوں کے احوال سے اپنے احوال کا موازنہ کرے تو اس کی سمجھ میں آجائے گا کہ وہ اللہ کا ناشکرا بندہ ہے

انسان اللہ کا بڑا ناشکرا ہے، اگر وہ گھوڑوں کے احوال سے اپنے احوال کا موازنہ کرے تو خود سمجھ لے گا کہ واقعی وہ بڑا ناشکرا ہے۔ گھوڑے کو اس کے مالک نے پیدا نہیں کیا، اللہ نے پیدا کیا ہے، اس کا گھاس چارہ بھی اللہ نے پیدا کیا ہے، مالک تو چند ہزار میں اس کو خرید کر لاتا ہے، پھر گھاس چارہ اور راتب کا خیال رکھتا ہے، مگر گھوڑے کا حال یہ ہے کہ جب مالک اس پر سوار ہوتا ہے اور دوڑنے کا اشارہ کرتا ہے تو گھوڑا بے تحاشا دوڑنے لگتا ہے، ہانپتا جاتا ہے اور دوڑتا جاتا ہے، رکتا نہیں، اور گھوڑے کے کھروں میں نعل بندھے ہوئے ہوتے ہیں، تاکہ پتھریلی زمین میں اس کے کھر گھس نہ جائیں، پس جب گھوڑا رات میں بے تحاشا دوڑتا ہے تو ٹاپ مار کر آگ جھاڑتا ہے، اس کے پیچھے شرارے اڑتے ہیں، ایسا سرپٹ دوڑنے کی صورت میں ہوتا ہے، اور اگر مالک صبح کے وقت دشمن پر شب خون مارتا ہے تو گھوڑا اس وقت بھی تیار رہتا ہے، صبح کا وقت ٹھنڈا ہوتا ہے، زمین پر شبنم پڑی ہوتی ہے، اس وقت بھی گھوڑے اتنا دوڑتے ہیں کہ غبار اڑتا ہے، اور گھوڑا دوڑ کر دشمن کے مجمع کے بیچ میں گھس جاتا ہے، گھوڑا بہت سمجھدار جانور ہے، اللہ نے اس کو دوراڈر (کھڑے کان) دیئے ہیں، وہ دس میل سے خطرہ بھانپ لیتا ہے، پھر بھی وہ ذرا نہیں جھجکتا، دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا وسط میں پہنچ جاتا ہے۔

اب انسان سوچے: کیا اس کا معاملہ اس کے رب کے ساتھ ایسا وفاداری کا ہے؟ نہیں ہے! وہ صبح کی اذان سنتا ہے، آنکھ کھلتی ہے، مگر انگڑائی لے کر کروٹ بدل لیتا ہے اور سوجاتا ہے، نماز کے لئے نہیں اٹھتا، اگر وہ اپنا حال سوچے تو اس کا دل گواہی دے گا کہ واقعی وہ اللہ کا ناشکرا بندہ ہے!

دوسری مثال: انسان کو مال سے بے حد محبت ہے، وہ مال حاصل کرنے کے لئے جائز ناجائز کی پرواہ نہیں کرتا، اور مال کی تخصیص نہیں وہ ہر چیز کا حریص ہے، آرام طلبی کا جذبہ بھی ناشکری کا سبب بنتا ہے —— یہ تمام قلبی جذبات قیامت کے دن جب گڑے مردے قبروں سے نکلیں گے آشکارہ ہوجائیں گے، اور ان پر بھی انسان کی داروگیر ہوگی، اور اللہ تعالیٰ

---

(۱) حُصِّلَ: مجہول: آشکارہ کردیا جائے گا، حَصَّلَ کے اصل معنی ہیں: چھلکا اتار کر گودا نکالنا، چونکہ اس کے لئے ظاہر کرنا لازم ہے، اس لئے لازمی معنی کئے گئے ہیں۔

جذبات آشکارہ ہونے کے محتاج نہیں، وہ بندوں کے تمام احوال سے اس دن پورے باخبر ہونگے۔

سورتِ پاک کا ترجمہ: ہانپتے ہوئے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم! پس ٹاپ مار کر آگ سلگانے والوں کی! پس صبح کے وقت شبِ خون مارنے والوں کی! پس دوڑ کر غبار اڑانے والوں کی! پس دوڑ کر مجمع کے درمیان پہنچ جانے والوں کی، بلاشبہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا بندہ ہے (یہ جوابِ قسم ہے) اور بلاشبہ وہ اس پر خود گواہ ہے، اور بلاشبہ وہ بھلائی کی محبت میں بہت سخت ہے کیا تو وہ نہیں جانتا کہ جب وہ مردے جو قبروں میں ہیں اکھاڑے جائیں گے، اور جو راز سینوں میں ہیں وہ ظاہر ہو جائیں گے، بلاشبہ ان کا رب ان کے احوال سے اس دن پوری طرح باخبر ہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

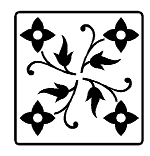
سورۃ القارعہ

اس سورت کا موضوع بھی قیامت ہے، اس سورت میں یہ بیان ہے کہ قیامت کے دن اللہ کی عدالت سے الل ٹپ فیصلے نہیں ہونگے، بلکہ ناپ تول کر فیصلے ہونگے۔

ایک واقعہ: انگریزوں کے دور میں اعزازی مجسٹریٹ بنائے جاتے تھے، ایک بے پڑھے چودھری جج بنادیئے گئے، ان کا پیش کار ہفتہ بھر لوگوں سے درخواستیں لے کر اتوار کو جج صاحب کے سامنے رکھتا تھا، وہ ایک درخواست دائیں طرف رکھتے، اور کہتے: منجور (منظور) دوسری بائیں طرف رکھتے اور کہتے: نامنجور، اس طرح درخواستیں بانٹ دیتے، اللہ کی عدالت سے اس طرح فیصلے نہیں ہونگے، بلکہ باقاعدہ انصاف کی ترازوئیں رکھی جائیں گی [الأنبیاء ۴۷] اور ناپ تول کر فیصلے ہونگے۔

سوال: اقوال وافعال اعراض ہیں، وجود میں آکر ختم ہو جاتے ہیں، پھر تولے کیسے جائیں گے؟

جواب: ختم نہیں ہوتے، نفس میں ریکارڈ ہو جاتے ہیں، اور اب تو اعراض بھی تولے جاتے ہیں، بخار ناپا جاتا ہے، نبض اور دل کی حرکت ناپتے ہیں، گرمی سردی کا ٹمپریچر ناپتے ہیں، اور معلوم نہیں کیا کیا ناپتے ہیں، پس اشکال فضول ہے۔



ایاتہا ۱۱ — سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ (۱۰۱) (۳۰) — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ ۝١ مَا الْقَارِعَةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝٣ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝٤ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝٥ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٦ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٧ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٨ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝٩ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝١٠ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝١١

اَلْقَارِعَةُ(۱)	کھڑکھڑانے والا واقعہ	وَتَكُوْنُ	اور ہونگے	وَاَمَّا مَنْ	اور رہا جو
مَا الْقَارِعَةُ	کیا ہے کھڑکھڑانے	الْجِبَالُ	پہاڑ	خَفَّتْ	ہلکی پڑیں
	والا واقعہ	كَالْعِهْنِ(۲)	رنگین اون کی طرح	مَوَازِيْنُهٗ	اس کی ترازوئیں
وَمَآ اَدْرٰىكَ	اور کیا تجھے پتہ ہے	الْمَنْفُوْشِ(۳)	دھنکی ہوئی	فَاُمُّهٗ	پس اس کا ٹھکانا
مَا الْقَارِعَةُ	کیا ہے کھڑکھڑانے	فَاَمَّا مَنْ	پس رہا جو	هَاوِيَةٌ	کھڈا ہے
	والا واقعہ	ثَقُلَتْ	بھاری ہوئیں	وَمَآ	اور کیا تو
يَوْمَ يَكُوْنُ	جس دن ہونگے	مَوَازِيْنُهٗ(۴)	اس کی ترازوئیں	اَدْرٰىكَ	جانتا ہے
النَّاسُ	لوگ	فَهُوَ	پس وہ	مَا هِيَهْ	وہ کیا ہے
كَالْفَرَاشِ	پتنگوں کی طرح	فِيْ عِيْشَةٍ	گذران میں ہے	نَارٌ	آگ ہے
الْمَبْثُوْثِ	بکھرے ہوئے	رَّاضِيَةٍ	من پسند	حَامِيَةٌ	دہکتی

قیامت کے دن جس کا نیک عمل وزنی ہوگا وہ من پسند عیش میں ہوگا

اور جس کا نیک عمل ہلکا ہوگا وہ دہکتی آگ میں ہوگا

جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو بڑا ہنگامہ ہوگا، لوگ افراتفری میں مبتلا ہو جائیں گے، اور پتنگوں کی طرح اِدھر

(۱) القارعة: اسم فاعل، واحد مؤنث: قیامت کا ایک نام، قَرَعَ الشيئَ بالشيئ: ایک چیز کو دوسری چیز سے ٹکرانا، کھڑکھڑانا
(۲) العهن: مختلف رنگوں کی اون (۳) نَفَشَ القطنَ: روئی دھنکنا (۴) موازين: ميزان کی جمع۔

اُدھر مارے مارے پھریں گے، اور پہاڑ گرد بن کر اڑ جائیں گے، اور جیسے مختلف رنگتوں کی اون دھنکتے ہیں تو فضا میں مختلف رنگوں کے گالے اڑتے ہیں، پہاڑ کے رنگ بھی مختلف ہیں، اس لئے ان کی گرد بھی ایسی ہوگی۔

پھر جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا، اور مُردے قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں اکٹھا ہوجائیں گے تو جگہ جگہ انصاف کی ترازوئیں رکھی جائیں گی، اور ناپ تول کر فیصلہ شروع ہوگا، جس کی نیکی کا پلڑا بھاری ہوگا وہ جنت میں جائے گا، اور وہاں وہ عیش کرے گا، اور جس کا نیکی کا پلڑا ہلکا ہوگا اور برائیوں کا پلڑا بھاری ہوگا، وہ کھڈے میں گرے گا یعنی دہکتی آگ میں جائے گا (نعوذ باللہ منہا)

سورتِ پاک کا ترجمہ: —— کھڑکھڑانے والا واقعہ! وہ کھڑکھڑانے والا واقعہ کیا ہے؟ اور آپ کو کچھ پتہ ہے: وہ کھڑکھڑانے والا واقعہ کیا ہے؟ —— وہ قیامت کا واقعہ ہے، اور بار بار سوال ذہن کو متوجہ کرنے کے لئے ہے —— جس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوجائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون (کے گالوں) کی طرح ہوجائیں گے، پس جن کی ترازوئیں بھاری ہونگی وہ من پسند عیش میں ہونگے، اور جن کی ترازوئیں ہلکی ہونگی اس کا ٹھکانہ کھڈا ہے! اور جانتے ہو وہ کیا ہے؟ دہکتی ہوئی آگ ہے!

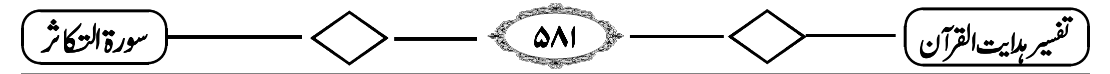
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التکاثر

یہ سورت قیامت کے موضوع پر آخری سورت ہے، پھر آگے نیا سلسلہ شروع ہوگا، اور اس سورت میں دو باتیں خاص ہیں: اول: اس سورت میں عذابِ قبر کا بھی ذکر ہے، یہ قیامت کی تمہید ہے۔ دوم: اس میں یہ ہے کہ قیامت کے دن خاص طور پر اللہ کی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔

سورت التکاثر سے عذابِ قبر کا ثبوت: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم برابر عذابِ قبر کے سلسلہ میں تردد میں رہے، یہاں تک کہ سورۃ التکاثر نازل ہوئی (تو تردد ختم ہوگیا) (ترمذی حدیث ۳۳۷۸)

تشریح: سورۃ التکاثر کی ابتدائی دو آیتوں کی ایک تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ تکاثر (مال کی فراوانی کا جذبہ) لوگوں کو اس درجہ غافل کئے رہتا ہے کہ جب وہ کسی جنازہ کو لے کر دفن کرنے کے لئے قبرستان جاتے ہیں تو وہاں بھی کاروبار کی باتیں کرتے ہیں، یہ تفسیر صحیح نہیں، زیارتِ قبور: موت سے کنایہ ہے، یعنی انسان تا حیات مال و دولت کے پیچھے توانیاں صرف کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ قبر کے گھڑے میں پہنچ جاتا ہے، پھر وہاں پہنچتے ہی آخرت سے غفلت کا مزہ چکھنا پڑتا ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿١﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿٢﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٣﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿٥﴾ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴿٦﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴿٧﴾ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿٨﴾

اَلْهٰكُمُ (۱)	غفلت میں ڈالا تم کو	سَوْفَ	عنقریب	ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا	پھر ضرور دیکھو گے تم اسکو
التَّكَاثُرُ (۲)	بہتات کی حرص نے	تَعْلَمُوْنَ	جان لوگے تم	عَيْنَ الْيَقِيْنِ	ایسا دیکھنا جو خود یقین ہے
حَتّٰى زُرْتُمُ	یہاں تک کہ جا پہنچے تم	كَلَّا	ہرگز نہیں	ثُمَّ	پھر
الْمَقَابِرَ	قبرستان میں	لَوْ تَعْلَمُوْنَ	کاش جانتے تم	لَتُسْئَلُنَّ	ضرور پوچھے جاؤ گے تم
كَلَّا سَوْفَ	ہرگز نہیں! عنقریب	عِلْمَ الْيَقِيْنِ	یقینی جاننا	يَوْمَئِذٍ	اس دن
تَعْلَمُوْنَ	جان لوگے تم	لَتَرَوُنَّ	ضرور دیکھو گے تم	عَنِ النَّعِيْمِ	نعمتوں کے بارے میں
ثُمَّ كَلَّا	پھر ہرگز نہیں	الْجَحِيْمَ	دوزخ کو	❁	❁

غلط طریقوں سے مال و دولت جمع کرنے کی مذمت

حدیث: حضرت عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس پہنچے، آپؐ سورۃ التکاثر پڑھ رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: ”انسان کہتا ہے: یہ میرا مال ہے، وہ میرا مال ہے، حالانکہ نہیں ہے تیرے لئے تیرے مال میں سے مگر وہ جو تو نے صدقہ کر دیا، پس اس کو آگے بھیج دیا، یا جس کو تو نے کھا لیا، پس اس کو ختم کر دیا، یا تو نے اس کو پہن لیا، پس اس کو پرانا کر دیا!“ اور مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ”اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ تیرے ہاتھ سے جانے والا ہے، اور تو اس کو لوگوں (وارثوں) کے لئے چھوڑنے والا ہے“

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۃ التکاثر پڑھ کر فرمایا:

(۱) أَلْهٰى: ماضی، واحد مذکر غائب، باب افعال، أَلْهٰى يُلْهِي إِلْهَاءً: غفلت میں ڈالنا (۲) التكاثر: باب تفاعل: ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی حرص، مسابقت۔

تکاثُرُ الأموال: جمعُها من غیر حقها، ومنعُها من حقها، وشدُّها فی الأوعیة: تکاثر: مال کو ناجائز طریقوں سے حاصل کرنا، اور مال میں جو اللہ کے حقوق عائد ہوتے ہیں ان میں خرچ نہ کرنا، اور برتنوں میں باندھ کر رکھ لینا ہے (قرطبی) پس اگر جائز ناجائز کا خیال رکھ کر مال حاصل کیا جائے، اور اس میں سے اللہ کے حقوق ادا کئے جائیں تو مال کی یہ زیادتی مذموم نہیں۔

وہ نعمتیں جن کا حساب دینا ہوگا

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلی وہ چیز جس کے بارے میں پوچھا جائے گا یعنی بندے سے نعمتوں کے بارے میں کہا جائے گا: کیا ہم نے تیرے لئے تیرے بدن کو درست نہیں کیا تھا؟ اور تجھے ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا؟ (یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا حساب دینا ہوگا)

سورت پاک کا ترجمہ وتفسیر: —— ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی حرص نے تمہیں غفلت میں ڈالے رکھا، یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے —— اب چکھو غفلت کا مزہ! —— ہر گز نہیں —— یعنی غفلت نہیں چاہئے —— تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا —— یعنی قبر میں پہنچتے ہی معلوم ہو جائے گا —— پھر (کہتا ہوں:) ہر گز نہیں! تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا (پھر تیسری بار کہتا ہوں:) ہر گز نہیں! کاش تم یقینی طور پر جان لیتے! —— یہاں تک عذابِ قبر کا ذکر ہے۔

بخدا! تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے (پھر دوبارہ کہتا ہوں:) بخدا! تم اس کو دیکھو گے ایسا دیکھنا جو خود یقین ہے، پھر بخدا! اس روز تم سے ضرور نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا —— یہ قیامت کے احوال کا بیان ہے —— علم الیقین: دلیل قطعی سے جاننا، یہ بالیقین جاننا ہے، اور عین الیقین: مشاہدہ سے جاننا، یہ ایسا جاننا ہے کہ خود یقین ہے، اس سے آگے جاننے کا کوئی درجہ نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ العصر

اب نیا سلسلۂ بیان شروع ہو رہا ہے جو سورۃ الکوثر تک چلے گا۔ قیامت کے دن کیا فیصلے ہونگے؟ سورۃ العصر میں ان کو مختصر طور پر بیان کیا ہے، آج کل ایک طریقہ یہ ہے کہ پبلک مقامات میں خبروں کا خلاصہ لکھ دیتے ہیں، جن پر نظر پڑتے ہی پوری بات سمجھ میں آجاتی ہے، یہ سورت اسی طرح کی ہے، جیسے امتحان کا نتیجہ چند لفظوں میں بورڈ پر لکھ دیا جاتا ہے یا جلی عنوان قائم کر دیا جاتا ہے، جس سے پوری بات سمجھ میں آجاتی ہے۔

اس سورت میں قیامت کے دن کے فیصلوں کا خلاصہ ہے کہ جس قوم میں چار باتیں ہوں گی وہ کامیاب ہوگی،

دوسرے ناکام ہونگے، اور دلیل خود انسان کے احوال ہیں، پھر چار سورتوں میں ناکام ہونے والوں کی مثالیں ہیں، پھر ایک سورت میں کامیاب ہونے والوں کا ذکر ہے۔ ناکام ہونے والے ــــ بطور مثال ــــ یہ لوگ ہیں:

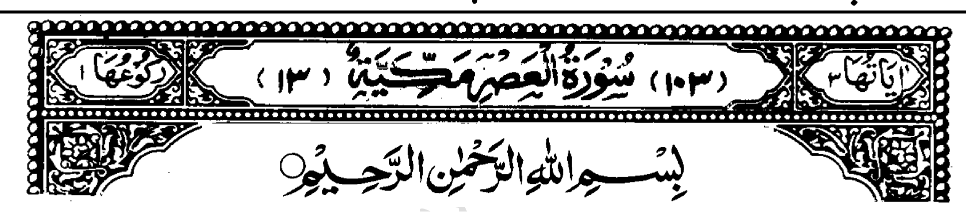
۱- دولت کے پجاری، جو سمجھتے ہیں کہ ان کا مال ان کو زندۂ جاوید کرے گا۔

۲- اقتدار کے نشہ میں تخریب کاری کرنے والے، حکومت کے بل پر ستم ڈھانے والے۔

۳- معاشی خوش حالی کو اپنا ہنر سمجھنے والے، اور اس پر اترانے والے۔

۴- بے عمل مسلمان جن کو نماز زکات تک کی پرواہ نہیں۔

پھر سورۃ الکوثر میں نبی ﷺ اور آپ کی نیک امت کا ذکر ہے جو قیامت کے دن کامیاب ہونگے، یہ اگرچہ ایک سورت ہے، مگر سنار کی سو اور لوہار کی ایک جیسی ہے، اس پر یہ سلسلہ بیان پورا ہوگا، پھر من وجہٍ نیا سلسلۂ بیان شروع ہوگا، جو چار سورتوں تک چلے گا، اور آخری دو سورتوں کا الگ موضوع ہے۔



وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

دین حق کی	بِالْحَقِّ (۲)	ایمان لائے	اٰمَنُوْا	زمانے کی قسم!	وَالْعَصْرِ
اور باہم تاکید کرتے رہے	وَتَوَاصَوْا	اور کئے انھوں نے	وَعَمِلُوا	بے شک انسان	اِنَّ الْاِنْسَانَ
برداشت کرنے کی	بِالصَّبْرِ (۳)	نیک کام	الصّٰلِحٰتِ	یقیناً گھاٹے میں ہیں	لَفِيْ خُسْرٍ
❁	❁	اور باہم تاکید کرتے رہے	وَتَوَاصَوْا (۱)	مگر جو لوگ	اِلَّا الَّذِيْنَ

انسان کے احوال دلیل ہیں کہ سب لوگ خسارے میں ہیں، علاوہ ان کے جن میں چار باتیں ہیں

یہ سورت مختصر ہے، مگر نہایت اہم ہے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اگر قرآن میں سے صرف یہی سورت

(۱) تواصوا: از باب تفاعل، ایک دوسرے کو تاکید کرنا، دراصل تَوَاصَيُوْا تھا، تعلیل ہوئی ہے (۲) بالحق: الحق: موصوف کے قائم مقام ہے أی الدین الحق (۳) صبر کے لغوی معنی ہیں: سہنا، برداشت کرنا۔

نازل کردی جاتی تو ہدایت کے لئے کافی تھی (فوائد)

انسان کے احوال جو اگلی پانچ سورتوں میں آرہے ہیں دلیل ہیں کہ قیامت کے دن سب لوگ گھاٹے میں رہیں گے، مگر جس قوم میں چار باتیں ہیں وہ دنیا وآخرت میں کامیاب ہوگی:

۱-قوم میں صحیح ایمان ہو، اللہ پر، اللہ کے رسول پر اور اللہ کے دین پر اہل السنہ والجماعہ کے عقائد کے مطابق اعتقاد ہو۔

۲-قوم اللہ کے دین پر عمل پیرا ہو، کرنے کے کام کرے، اور نہ کرنے کے کاموں سے بچے، صرف نام کی مسلمانی نہ ہو، بلکہ اس کی عملی زندگی اس کے ایمان قلبی کی آئینہ دار ہو۔

۳-قوم کے ہر فرد کے پیش نظر اجتماعی مفاد ہو، مسلمان ایک دوسرے کو قول وعمل سے تاکید کرتے رہیں کہ دین حق کو مضبوط تھامے رہیں، دین سے رشتہ منقطع نہ ہونے پائے۔

۴-قوم کا ہر فرد ایک دوسرے کو وصیت ونصیحت کرتا رہے کہ دین کی وجہ سے اگر کوئی سختی یا پریشانی آئے تو آس نہ توڑیں، ہمت سے حالات کا مقابلہ کریں۔

سورتِ پاک: —— زمانے کی قسم! —— انسان کا زمانہ مراد ہے، اس کی ماضی اور حال کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ —— بے شک انسان گھاٹے میں ہے، مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے، اور باہم دین کو مضبوط پکڑے رہنے کی تاکید کرتے رہے، اور باہم برداشت کرنے کی تاکید کرتے رہے —— پوری سورت جوابِ قسم ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الہمزۃ

هُمزة: مبالغہ کا صیغہ ہے، هَمَزَه (ض) هَمْزًا: کے معنی ہیں: کوئی چیز چبھونا، اور مرادی معنی ہیں: عیب جوئی اور نکتہ چینی کرنا، اور لُمزة بھی مبالغہ کا صیغہ ہے اس کے معنی بھی تقریباً یہی ہیں، لَمَزَه (ن،ض) لَمْزًا: کے معنی ہیں: دھکیلنا، مارنا اور مرادی معنی ہیں: عیب نکالنا، برائی کرنا۔

اس سورت میں گھاٹے میں رہنے والے انسانوں کی پہلی مثال ہے، اور وہ دولت کے پجاری ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ دولت ان کو اَمر (زندۂ جاوید) کرے گی، ایسے لوگوں میں یہ عیب پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ لوگوں کے عیوب ڈھونڈھتے ہیں اور ان کی برائی کرتے ہیں، یہ خطرناک بیماری ہے، ضِغْثٌ علی اِبَّالَة (مصیبت بالائے مصیبت) ہے، اس سے بچنا چاہئے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۖ﴿۴﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۗ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۗ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ﴿۸﴾ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۚ﴿۹﴾

وَيْلٌ	بڑی خرابی ہے	اَخْلَدَهٗ [1]	اس کو امر کرے گا	الْمُوْقَدَةُ	بھڑکائی ہوئی
لِّكُلِّ هُمَزَةٍ	ہر طعنہ زن	كَلَّا	ہرگز نہیں	الَّتِىْ تَطَّلِعُ	جو جھانکے گی
لُّمَزَةِ	عیب چیں کے لئے	لَيُنْۢبَذَنَّ	ضرور وہ ڈالا جائے گا	عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ	دلوں کو
الَّذِىْ جَمَعَ	جس نے جمع کیا	فِى الْحُطَمَةِ [2]	توڑنے والی آگ میں	اِنَّهَا	بے شک وہ
مَالًا	مال	وَمَآ	اور کیا	عَلَيْهِمْ	ان پر
وَّعَدَّدَهٗ	اور اس کو گن گن کر رکھا	اَدْرٰىكَ	جانتے ہو تم	مُّؤْصَدَةٌ	مونده ہوئی ہے
يَحْسَبُ	کیا وہ سمجھتا ہے	مَا الْحُطَمَةُ	توڑنے والی آگ کیا ہے	فِىْ عَمَدٍ	ستونوں میں
اَنَّ مَالَهٗٓ	کہ اس کا مال	نَارُ اللّٰهِ	اللہ کی آگ ہے	مُّمَدَّدَةٍ	لمبے لمبے

دولت کا پجاری گھاٹے میں رہے گا اور اس کو سخت سزا ملے گی

مال فی نفسہ برا نہیں، وہ تو مایۂ زندگانی ہے، اور اس کی محبت بھی بری نہیں، وہ بھی فطری ہے، مگر یہ بات اس وقت ہے جب مال جائز ذرائع سے حاصل کیا جائے، اور جائز جگہوں میں خرچ کیا جائے، ورنہ مال وبال ہے، ساتھ آنے والا نہیں، نہ وہ دنیا میں اَمر کرتا ہے، وہ یہیں رہ جاتا ہے اور پیچھے لوگ اس کو اڑاتے ہیں، پس جو شخص مال کو خدا بناتا ہے اور اس کو سینت کر رکھتا ہے اس میں طعنہ زنی اور عیب جوئی کا مرض پیدا ہوتا ہے، یہ مصیبت در مصیبت ہے، ایسے شخص کو حطمہ میں ڈالا جائے گا، اور حطمہ: اللہ کی دہکائی ہوئی آگ ہے یعنی دوزخ کی آگ ہے، جو صرف ظاہر بدن کو نہیں جلائے گی، بلکہ دل کو کباب کردے گی، مزید وہ آگ پریشر کوکر کی طرح لمبے لمبے ستونوں میں مونده ہوئی ہوگی، جس سے اس کی ہیٹ اور بڑھ

(۱) أَخْلَدَ الشیئَ: ہمیشہ رکھنا، برقرار رکھنا، دوام عطا کرنا، حیاتِ ابدی بخشنا (۲) الحطمة: دوزخ کا ایک نام ہے۔

گئی ہے، اور لمبے لمبے ستونوں میں کس طرح موندی گئی ہے وہ جہنم میں جا کر ہی سمجھ میں آسکتا ہے (اللہ ہماری جہنم سے حفاظت فرمائیں!)

سورت کا ترجمہ: ــــ ہر طعنہ زن عیب چیں کے لئے بڑی خرابی ہے! جس نے مال جمع کیا، اور اس کو گن گن کر رکھا، کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو زندۂ جاوید کرے گا! ہر گز نہیں! وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا، اور آپ کو کچھ معلوم ہے حطمہ کیا ہے؟ اللہ کی دہکائی ہوئی آگ ہے، جو دلوں کو جھانکے گی، وہ ان پر لمبے لمبے ستونوں میں موندی ہوئی ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الفیل

اس سورت میں گھاٹے میں رہنے والوں کی دوسری مثال ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اقتدار کے نشہ میں چور ہیں، اور قوموں کو اور ملکوں کو سکون سے سونے نہیں دیتے، ان کا انجام بھی بھیانک ہے، ایک دن ان کا بُھرتا بنایا جائے گا، وہ بری طرح تباہ ہونگے، جیسے ہاتھی والوں کا حال ہوا۔



أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝١ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝٢ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝٣ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِنْ سِجِّيلٍ ۝٤ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَأْكُولٍ ۝٥ ع

أَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا آپ نے	بِأَصْحَابِ الْفِيلِ(۱)	ہاتھی والوں کے ساتھ	فِي تَضْلِيلٍ(۲)	غلط
كَيْفَ فَعَلَ	کیسا کیا	أَلَمْ يَجْعَلْ	کیا نہیں کیا	وَأَرْسَلَ	اور بھیجے
رَبُّكَ	آپ کے رب نے	كَيْدَهُمْ	ان کی چال کو	عَلَيْهِمْ	ان پر

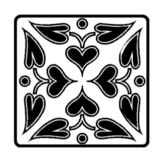
(۱) فیل: ہاتھی، عرب میں ہاتھی کم ہوتا ہے، ابرہہ دبدبہ ظاہر کرنے کے لئے ہاتھی پر سوار تھا، اس لئے سارے لشکر کو ہاتھی والے کہا ہے (۲) تضلیل: مصدر: غلط کردینا، گاؤخورد کردینا۔

طَيْرًا	پرندے	بِحِجَارَةٍ	پتھر سے	كَعَصْفٍ(۳)	جیسے آغور
اَبَابِيْلَ(۱)	غول کے غول	مِّنْ سِجِّيْلٍ(۲)	کھنگر کے	مَّاْكُوْلٍ	کھایا ہوا۔
تَرْمِيْهِمْ	مارتے ہیں وہ ان کو	فَجَعَلَهُمْ	پس کر دیا ان کو	❁	❁

جو لوگ اقتدار کے نشہ میں تخریب کاری کرتے ہیں وہ بھی گھاٹے میں رہیں گے

سورت کا پس منظر: حبشہ والوں کی طرف سے یمن میں ابرہہ نامی حاکم مقرر تھا، یہ لوگ عیسائی تھے، اس نے یمن کے شہر صنعاء میں ایک شاندار گرجا بنایا، تاکہ اس کو ﴿ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ﴾: لوگوں کا مرکز [البقرة ۱۲۵] بنائے، اور عربوں کو کعبہ شریف سے پھیر دے، ایک قریشی نے اس گرجا میں غلاظت کردی، جس سے ابرہہ کا پارہ چڑھ گیا، وہ لشکر جرّار لے کر کعبہ کو ڈھانے کے لئے بڑھا، خود ہاتھی پر سوار تھا، تاکہ اس کا رعب پڑے، جب وہ مکہ کے قریب پہنچا تو مکہ کے سردار عبدالمطلب کو بلایا، اور کہا: میں صرف کعبہ کو ڈھانے آیا ہوں، پس جو مزاحم نہیں ہوگا اس کو قتل نہیں کروں گا، عبدالمطلب نے سرداروں کے ساتھ کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا کی اور کعبہ کو اس کے رب کے حوالے کیا، اور شہر خالی کر دیا، پس ہاتھی والے مکہ کی طرف بڑھے، ابھی حرم میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ سمندر کی طرف سے غول کے غول پرندے آئے، جن کی چونچوں اور پنجوں میں مٹی کے کنکر تھے، وہ فوج پر برسانے شروع کئے، وہ گولیوں کا کام کرنے لگے، اور سب کھیت رہے، جو بچ نکلا وہ بھی طرح طرح کی تکلیفوں سے ہلاک ہوا، یہ واقعہ نبی ﷺ کی ولادتِ مبارکہ سے کل پچاس دن پہلے پیش آیا ہے، اس لئے نبوت کے زمانہ میں یہ واقعہ لوگوں کا آنکھوں دیکھا واقعہ تھا۔

سورتِ پاک: —— کیا آپ نے دیکھا نہیں: آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ کیا ان کی چال کو گاؤ خورد نہیں کر دیا؟ اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے، جو ان کو مٹی کے کنکروں سے مارتے تھے، پس ان کو کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح کر کے رکھ دیا!

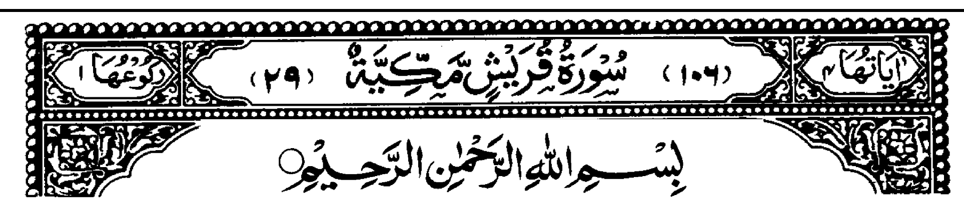


(۱) أبابیلَ: طیرًا کی صفت ہے، اس کے معنی ہیں: غول کے غول، جھنڈ کے جھنڈ، کثرت بتانے کے لئے آتا ہے، یہ کوئی خاص پرندہ نہیں، لوگوں میں جو مشہور ہے وہ غلط ہے (۲) سجیل: سنگ گل کا معرب ہے، مٹی کا پتھر یعنی مٹی کا کنکر (۳) عصف: بھوسہ، آغور، جانوروں کے کھانے کے بعد بچا ہوا کوڑا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ قریش

اس سورت میں گھاٹے میں رہنے والوں کی تیسری مثال ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی معاشی خوش حالی پر اتراتے ہیں، اور اس کو اپنا کمال سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ اللہ کا فضل ہوتا ہے۔قریش کی مثال دی ہے، مگر اس سورت میں لہجہ سخت نہیں، افہام وتفہیم کا انداز ہے۔



لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ﴿١﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ﴿٢﴾ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿٣﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿٤﴾

لِاِيْلٰفِ(١)	خوگر ہونے کی وجہ سے	وَالصَّيْفِ	اور گرمی کے	الَّذِيْٓ	جس نے
قُرَيْشٍ	قریش کے	فَلْيَعْبُدُوْا	پس چاہئے کہ عبادت	اَطْعَمَهُمْ	کھلایا ان کو
اٖلٰفِهِمْ	ان کا خوگر ہونا		کریں وہ	مِّنْ جُوْعٍ	بھوک میں
رِحْلَةَ(٢)	سفر سے	رَبَّ	پروردگار کی	وَّاٰمَنَهُمْ	اور امن دیا ان کو
الشِّتَآءِ	سردی	هٰذَا الْبَيْتِ	اس گھر کے	مِّنْ خَوْفٍ	خوف سے

قریش کے اسفار ان کی خوش حالی کا ظاہری سبب ہیں، وہ اس پر نہ اترائیں

قریش کا وطن مکہ مکرمہ تھا، اور مکہ میں غلہ وغیرہ کچھ پیدا نہیں ہوتا تھا، قریش سال میں دو تجارتی اسفار کرتے تھے، سردیوں میں یمن جاتے تھے کیونکہ وہ گرم ملک تھا اور گرمیوں میں شام جاتے تھے کیونکہ وہ ٹھنڈا ملک تھا، ان تجارتی اسفار سے وہ خوش حال تھے، پھر وہ اہل حرم اور خادم بیت اللہ تھے، اس لئے سب عرب ان کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے تھے،

(١) لإيلاف: لام اجلیہ، يُرْزَقُون محذوف سے متعلق، آلَفَ إيلافاً (افعال): مانوس ہونا، خوگر ہونا، عادی ہونا۔ (٢) رحلة: حاصل مصدر: سفر۔

اوران کی جان ومال سے کچھ تعرض نہ کرتے تھے،اور چاروں طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا،قریش ان دونوں باتوں کو اپنا ہنر اور ذاتی کمال سمجھتے تھے،اور یہ چیز ان کے اسلام کے لئے مانع بنی ہوئی تھی،چنانچہ اس سورت میں ان کو سمجھایا ہے کہ تمہارے یہ اسفار تمہاری خوش حالی کا ظاہری سبب ہیں،حقیقی سبب کعبہ شریف کی برکت اور اللہ کا فضل ہے،وہی تمہیں بھوکا نہیں مرنے دیتے،اور اسی کے فضل سے تم پورے عرب میں نڈر ہوکر گھومتے ہو۔پس تمہاری خوش حالی قبول حق میں مانع نہیں بنی چاہئے،ایمان لاؤ اور کعبہ کے مالک کی عبادت کرو،اور بتوں کو چھوڑو!

سورتِ پاک:—— قریش کے عادی ہوجانے کی وجہ سے یعنی سردی اور گرمی کے اسفار کے عادی ہوجانے کی وجہ سے —— روزی دیئے جاتے ہیں،مگر یہ ظاہری سبب ہے،حقیقی سبب اللہ کا فضل ہے —— پس چاہئے کہ وہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں جو ان کو بھوک میں کھلاتا ہے اور خوف سے امن دیتا ہے۔

فائدہ:﴿ رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴾ سے معلوم ہوا کہ معبود کعبہ شریف نہیں،بلکہ کعبہ کا مالک معبود ہے اور نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ملت کی شیرازہ بندی کے لئے ہے اور حج کا حکم اس لئے ہے کہ کعبہ اسمبلی پوئنٹ مقرر کیا گیا ہے،وہ ﴿ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ﴾ ہے،سب کو اس مرکز سے وابستہ ہونا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الماعون

اس سورت میں گھاٹے میں رہنے والوں کی چوتھی مثال ہے،یہ عمل میں کوتاہ مسلمان ہیں،جن کو اسلام کے بنیادی ارکان نماز زکوٰۃ کی بھی فکر نہیں،اس لئے کہ ان کو جزاء کے دن پر جیسا یقین ہونا چاہئے نہیں۔آج مسلمانوں کی اکثریت کا یہی حال ہے،کسی گناہ سے باک نہیں،اور کسی فرض عمل پر استوار نہیں،پھر بھی اعلیٰ درجہ کی کامیابی کے امیدوار ہیں،اللہ ان کو سمجھ عطا فرمائیں (آمین) اور بے نمازیوں کے حق میں لہجہ ذرا سخت ہے﴿ وَيْلٌ ﴾فرمایا ہے۔

آیاتہا ۷ (۱۰۷) سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ (۱۷) رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝۱ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝۲ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝۵ الَّذِيْنَ

هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿٦﴾ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿٧﴾

ع ۳۲

اَرَءَيْتَ	کیا دیکھا آپ نے	الْيَتِيْمَ	یتیم کو	عَنْ صَلَاتِهِمْ	اپنی نمازوں کو
الَّذِيْ(۱)	اس کو جو	وَلَا يَحُضُّ	اور نہیں ترغیب دینا	سَاهُوْنَ	بھولنے والے ہیں
يُكَذِّبُ	جھٹلاتا ہے	عَلٰى طَعَامِ	کھانے کی	الَّذِيْنَ هُمْ(۴)	جو کہ وہ
بِالدِّيْنِ	بدلہ کے دن کو	الْمِسْكِيْنِ	غریب کے	يُرَآءُوْنَ	دکھلاوا کرتے ہیں
فَذٰلِكَ(۲)	پس یہ ہے	فَوَيْلٌ	پس بڑی خرابی ہے	وَيَمْنَعُوْنَ	اور روکتے ہیں
الَّذِيْ	جو	لِّلْمُصَلِّيْنَ(۳)	ان نمازیوں کے لئے	الْمَاعُوْنَ(۵)	برتنے کی چیز کو
يَدُعُّ	دھکا دیتا ہے	الَّذِيْنَ هُمْ	جو کہ وہ	۞	۞

جن مسلمانوں کو قیامت کا پورا یقین نہیں ان کے چار کام

ایمان کی طرح تکذیب کی بھی قسمیں ہیں، ایک دل سے تکذیب کرنا ہے، ایسا شخص مؤمن نہیں، دوسری عمل سے تکذیب کرنا ہے، وہ عملی نفاق ہے، وہ زبان سے تو قیامت کا اعتراف کرتا ہے مگر اس کا عمل اس کے خلاف ہے، ایسے لوگوں سے چار کام صادر ہوتے ہیں:

۱- اگر کبھی اس کے دروازہ پر کوئی یتیم بچہ آ کھڑا ہوتا ہے تو دھکے دے کر اس کو باہر نکال دیتا ہے۔

۲- غریب محتاج کو خود تو کیا کھلاتا، کسی دوسرے کو بھی نہیں کہتا کہ وہی کھلا دے۔

۳- نماز کو بھول جاتا ہے، حالانکہ وہ دین کا زبردست ستون ہے، جو اس کو گرا دیتا ہے وہ گویا دین کو ختم کر دیتا ہے، اور اگر وہ نماز پڑھتے ہیں تو لوگوں کو دکھانے کے لئے پڑھتے ہیں حالانکہ ایسی نماز نمازی کے منہ پر ماردی جائے گی۔

۴- وہ زکوۃ تو کیا دیتے برتنے کی چیزیں بھی پڑوسی کو نہیں دیتے، روزمرہ کام آنے والی چھوٹی چھوٹی چیزیں مثلاً ڈول، پانی، نمک، آگ وغیرہ بھی کسی کو نہیں دیتے، یہ کام کرنے والے قیامت کے دن گھاٹے میں رہیں گے اور یہ چوتھی اور آخری مثال ہے، آگے کامیاب ہونے والوں کا تذکرہ ہے۔

(۱) الذی: أرء یت کا مفعول بہ ہے (۲) ذلك: مبتدا اور الذی خبر ہے (۳) مصلین: سے مراد مسلمان ہیں، کیونکہ مسلمان نمازی ہوتا ہے، نماز بھول جائے وہ الگ بات ہے، اور اس صورت میں بھی وعید ہے (۴) یہ پہلے الذین سے بدل ہے، پس نماز کو بھولنے والا اور دکھلانے کے لئے نماز پڑھنے والا ایک حکم میں ہیں (۵) ماعون: معمولی برتنے کی چیز، جیسے ڈول، رسّی، ہانڈی، دیگچی، چھری کلہاڑی وغیرہ۔

فائدہ: ویلٌ (بڑی کمبختی) یہ وعید اس مسلمان کے لئے ہے جو نماز کو بھول جاتا ہے، قضا کردیتا ہے، وقت بے وقت پڑھتا ہے۔ اور جو مسلمان نماز پڑھتا ہی نہیں اس کے لئے حدیث میں زیادہ سخت وعید آئی ہے، فرمایا: **من ترك الصلوٰة متعمّدا فقد کفر**: جو بالا رادہ نماز نہیں پڑھتا وہ مسلمان کہاں رہا! اور دوسری حدیث میں ہے: **بین الإیمان والکفر ترکُ الصلوٰة**: جو مسلمان نماز نہیں پڑھتا وہ ایمان اور کفر کے درمیان حد اوسط میں پہنچ جاتا ہے۔ اور جن مفسرین نے نماز میں بھولنے کے ساتھ تفسیر کی ہے وہ اس زمانہ کی بات ہے جب کوئی مسلمان نماز نہیں بھولتا تھا، اب تو آپ کو قدم قدم پر ایسے مسلمان مل جائیں گے جو نماز کو بھول جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں نماز یاد رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

سورت کا ترجمہ: —— کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو جزاء کے دن کو جھٹلاتا ہے؟ —— یعنی یہ کیسی تعجب کی بات ہے؟ —— (۱) پس یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکا دیتا ہے (۲) اور غریب کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا (۳) پس بڑی کم بختی ہے اُن نمازیوں کے لئے —— یعنی وہ بے نمازی نہیں، نمازی ہیں —— جو اپنی نماز بھولنے والے ہیں —— یعنی نماز قضاء کردیتے ہیں، پھر وقت بے وقت پڑھتے ہیں یا جانے دیتے ہیں —— جو دکھلاوا کرتے ہیں —— جیسے مدرسوں میں بچے حاضری کے لئے نماز میں آتے ہیں، یہ نماز پڑھنا نماز بھولنے کی طرح ہے —— (۴) اور عام استعمال کی چیزیں بھی نہیں دیتے —— پس زکات کہاں دیتے ہونگے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

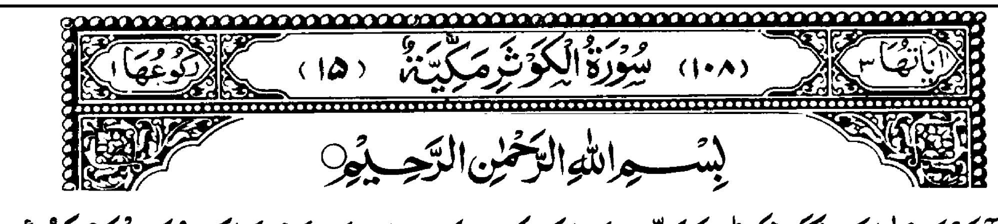
سورۃ الکوثر

الکوثر: مبالغہ کا صیغہ ہے، اس کے معنی ہیں: خیرِ کثیر، بہت خوبی، فعل کَثُرَ سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں: زیادہ ہونا۔ اور اس سورت میں کامیاب ہونے والوں کا ذکر ہے، اور وہ نبی ﷺ اور آپؐ کی برکت سے آپؐ کی نیک امت ہے، ان کے لئے دنیا میں بھی سرخ روئی ہے، قیامت کے دن بھی سر بلندی ہے اور آخرت میں بھی جنت ہے، ہر جگہ خیر ہی خیر ہے۔

جاننا چاہئے کہ آیت میں ﴿ الْكَوْثَرَ ﴾ ہے، حوض کی تخصیص نہیں، پس آیت عام ہے، اور تفسیر کا قاعدہ ہے: ''اعتبار نص کے الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے'' پس حوضِ کوثر آیت کا ایک فرد ہے، آیت اس کے ساتھ خاص نہیں۔

اور حوضِ کوثر درحقیقت جنت میں ہے، وہاں سے میدانِ حشر بھی لائی جائے گی اور اس کا ثبوت تقریباً متواتر حدیثوں سے ہے، اور حدیثوں میں تفصیل سے اس کے احوال مذکور ہیں، اور اس چشمہ سے وہ مسلمان سیراب ہونگے جو صراطِ مستقیم

پر ہیں، کیونکہ حوضِ کوثر سنت (طریقۂ نبوی اور طریقۂ خلفائے راشدین) کا پیکر محسوس ہے اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن کچھ مسلمانوں کو فرشتے لائن سے نکال دیں گے، حوض پر پینے نہیں آنے دیں گے، نبی ﷺ فرشتوں سے فرمائیں گے: ان کو آنے دو، یہ میرے ساتھی ہیں یعنی مسلمان ہیں! فرشتے جواب دیں گے: یارسول اللہ! آپؐ نہیں جانتے! یہ لوگ آپؐ کے بعد بدل گئے تھے، یعنی آپؐ کے راستہ سے ہٹ گئے تھے! معلوم ہوا کہ جو لوگ اہل السنہ والجماعہ کے عقائد پر ہیں وہی حوضِ کوثر سے استفادہ کرسکیں گے۔



اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳

اِنَّآ	بے شک ہم نے	لِرَبِّكَ	اپنے رب کے لئے	اِنَّ	بے شک
اَعْطَيْنٰكَ	آپ کو عطا فرمائی	وَانْحَرْ(۱)	اور اونٹ کے سینہ کے	شَانِئَكَ(۲)	آپؐ کا بدخواہ
الْكَوْثَرَ	بہت خوبی		گھڑے میں خنجر ماریں	هُوَ	ہی
فَصَلِّ	پس آپؐ نماز پڑھیں		یعنی قربانی کریں	الْاَبْتَرُ	دم کٹا ہے!

اس امت کے لئے خیر ہی خیر ہے، بشرطیکہ نماز پڑھے اور قربانی دے

یہ امت ہر عالم میں سرخ رُو ہے، ارشادِ پاک ہے: ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾: اور تم ہی غالب رہوگے اگر تم مؤمنین ہوئے [آل عمران ۱۳۹] اس دنیا میں اس کے لئے رفعتِ شان اور سر بلندی ہے، اور قیامت کے دن اس کی سیرابی کے لئے جنت سے نہر لائی جائے گی، اور آخرت میں جنت نشیں ہوگی، جو خیر محض ہے۔

مگر شرط یہ ہے کہ امت ایمان کے ساتھ نماز کی پابندی کرے، نماز میں تمام فرائض وواجبات داخل ہیں، نماز کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ وہ دین کا اہم ستون ہے، اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت نماز کی ہے، وہ دین کے محل کا بنیادی ستون ہے، اگر وہ قائم ہے تو محل قائم ہے، اور وہ نہ رہے تو محل ڈھ پڑے گا۔

(۱) نَحر: اونٹ کو ذبح کرنے کا طریقہ ہے، دوسرے جانوروں کے لئے 'ذبح' استعمال کیا جاتا ہے، مگر مراد عام ہے، مطلق قربانی کرنا مراد ہے، بلکہ نفس کے گلے پر چھری پھیرنا بھی اس کا مصداق ہے، جبھی زکات نکالے گا، پس زکات ادا کرنا: قربانی کرنے کا فرد اولیں ہے (۲) شانئ: اسم فاعل: بدخواہ، برا چاہنے والا۔

دوسری شرط: قربانی دینا ہے، قربانی: جانور کے گلے پر چھری پھیرنے کا نام ہے، مگر مراد عام ہے، ملت کے لئے ہر قربانی اس کا مصداق ہے، اور قربانی کے لئے پہلے اپنے نفس کے گلے پر چھری چلانی ہوگی، اسی وقت ملت کے مفاد کے لئے کام کر سکے گا، اور قربانی کا پہلا مصداق زکات ادا کرنا ہے۔

آخری آیت کا پس منظر: جب نبی ﷺ کے بڑے صاحبزادے حضرت قاسم کی وفات ہوئی یا کوئی اور صاحبزادے چل بسے تو مشرکین نے جملہ چست کیا: ''محمد دم بریدہ ہوگیا!'' (خاکم بدہن!) یعنی اس کا کوئی لڑکا تو زندہ نہیں رہتا، پس جب تک وہ ہے اپنی ڈگڈگی بجائے گا، پیچھے کوئی نام بھی نہیں لے گا۔ ان کو جواب دیا ہے کہ نبی ﷺ کا نام تو دن بہ دن روشن ہوگا، دم بریدہ بدخواہ ہوگا:

اک نام مصطفیٰ ہے جو بڑھ کر گھٹا نہیں ❁ ورنہ پنہاں ہر عروج میں زوال ہے!

فائدہ: اگر امت آج بھی یہ دو شرطیں پوری کرے تو اس کا برا چاہنے والا خائب وخاسر ہوگا، مخالف اس کا بال بیکا نہیں کر سکے گا، مگر یہ شرطیں مفقود ہیں، اس لئے سرنگوں ہے، امت کی اکثریت نماز نہیں پڑھتی، زکات کا حال اللہ بہتر جانتے ہیں، وہ ہر قسم کی جانی مالی قربانیوں کے لئے تیار ہے مگر بنیادی شرطیں مفقود ہیں، اور حدیث میں ہے: اللہ قرآن کے ذریعہ ایک قوم کو اٹھاتے ہیں اور دوسری قوم کو گراتے ہیں اسلاف حامل قرآن تھے اس لئے سر بلند تھے، آج امت کی اکثریت تارکِ قرآن ہے اس لئے سرنگوں ہے!

سورتِ پاک: ـــــ بلاشبہ ہم نے آپؐ کو بڑی خوبی عطا فرمائی ہے، پس آپؐ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں اور قربانی دیں، بلاشبہ آپؐ کا بدخواہ ہی دُم کٹا ہے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الکافرون

نیا سلسلۂ بیان

اب چار سورتوں کا موضوع من وجہٍ مختلف ہے، امتِ مسلمہ جس کے نصیب میں رفعت وسربلندی رکھی گئی ہے: کبھی حالات سے دوچار ہوتی ہے، ہجرت سے پہلے ناگفتہ بہ حالات سے گذری ہے، اس وقت کفار ایک اسکیم لائے تھے کہ نبی ﷺ ان کی مورتیوں کو کنڈم نہ کریں، بلکہ مسلمان مندروں میں آئیں اور مورتی پوجا کریں، ہم بھی مسجدوں میں آئیں گے اور نماز پڑھیں گے، پس سورۃ الکافرون نازل ہوئی کہ ایسا ممکن نہیں، حق اور باطل میں مصالحت نہیں ہوسکتی، نہ آج

مسلمان تمہارے مندروں میں آتے ہیں نہ کل آئیں گے اور نہ آج تم مسجدوں میں آتے ہو نہ کل آؤ گے، قیامت کی صبح تک ایسا نہیں ہوگا: ﴿ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴾: تمہارے لئے تمہارا دھرم ہے اور ہمارے لئے ہمارا مذہب!

پھر اگلی سورت میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ حالات کی سنگینی سے نہ گھبرائیں، اللہ کی مدد آرہی ہے: ﴿ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴾: اللہ کی مدد آ ہی رہی ہے، ایک دن آئے گا کہ مکہ فتح ہوگا اور مسلمانوں کا ہاتھ اوپر ہوگا، اور ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں گے، ابولہب: سرکش مالداروں سے کنایہ ہے، اور ان کے ہاتھ اللہ تعالیٰ توڑیں گے، جو بے ہمہ اور باہمہ ہیں، بے ہمہ: یعنی اکیلے اور باہمہ یعنی بے نیاز ہیں ان کے لئے یہ کام کچھ مشکل نہیں، لہٰذا مسلمان بودے نہ ہوں اور باطل کے ساتھ ہرگز مصالحت نہ کریں۔



قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

ع ۲۴

قُلْ	کہیں	مَآ اَعْبُدُ	جس کی میں عبادت	مَآ اَعْبُدُ	جس کی میں عبادت
يٰٓاَيُّهَا	اے		کرتا ہوں		کرتا ہوں
الْكٰفِرُوْنَ	اسلام کا انکار کرنے والو	وَلَآ اَنَا	اور نہ میں	لَكُمْ	تمہارے لئے
لَآ اَعْبُدُ (۱)	نہیں پوجتا میں	عَابِدٌ	پوجوں گا	دِيْنُكُمْ	تمہارا دھرم ہے
مَا تَعْبُدُوْنَ	جن کو تم پوجتے ہو	مَّا عَبَدْتُّمْ	جن کو تم پوجتے ہو	وَلِيَ	اور میرے لئے
وَلَآ اَنْتُمْ	اور نہ تم	وَلَآ اَنْتُمْ	اور نہ تم	دِيْنِ	میرا مذہب
عٰبِدُوْنَ	عبادت کرتے ہو	عٰبِدُوْنَ	عبادت کرو گے	❁	❁

(۱) قاعدہ: مضارع میں دو زمانے ہوتے ہیں: حال اور استقبال، اور اسم فاعل: مضارع معروف سے بنتا ہے، پس اس میں بھی دو زمانے ہوتے ہیں، مگر دونوں زمانے ایک ساتھ نہیں ہوتے، یَفْعَلُ کا ترجمہ کرتے ہیں: کرتا ہے یا کرے گا، پس دوسری اور تیسری آیت میں زمانہ حال مراد ہے، اور چوتھی اور پانچویں آیتوں میں آئندہ زمانہ مراد ہے، اس لئے تکرار نہیں۔

کفر کفر ہے، اسلام اسلام: دونوں ایک کبھی نہیں ہونگے

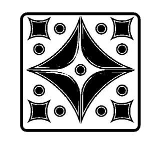
جب کبھی مسلمان کمزور ہوتے ہیں، مگر دین میں مضبوط ہوتے ہیں تو اعدائے اسلام دام ہم رنگ زمیں بچھاتے ہیں، وہ کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان کسی طرح اپنے موقف سے ہٹیں، ایسی ایک کوشش ہجرت سے پہلے چند روٴسائے قریش نے کی تھی، وہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک پلان لے کر آئے کہ آؤ! باہم صلح کرلیں اور شانتی سے رہیں، تم ہمارے مندروں میں آؤ اور ہمارے معبودوں کو پوجو، ہم تمہاری مسجدوں میں آئیں گے اور تمہارے خدا کی عبادت کریں گے، اس طرح دونوں فریق ایک ہوجائیں گے، اور آپسی نزاع ختم ہوجائے گا۔

پس یہ سورت نازل ہوئی، اور ان کو جواب دیا گیا کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا، خدا کی پناہ! کہ ہم معبودانِ باطل کی پوجا کریں، اور تم صرف ایک اللہ کی عبادت نہیں کروگے، نہ آج نہ آئندہ، پس تم اپنے دھرم پر رہو، ہم اپنے مذہب پر ہیں، کفر کفر ہے، اسلام اسلام: دونوں ایک کبھی نہیں ہوسکتے۔

فائدہ (۱): غیر مسلموں کے ساتھ ملکی مسائل میں اتفاق کیا جاسکتا ہے، اور قدرتی آفات میں ایک دوسرے کا تعاون بھی کرنا چاہئے، مگر ملّی مسائل میں موافقت یا مصالحت جائز نہیں، ہر ایک اپنے مذہب پر رہے۔

فائدہ (۲): اسلامی فرقوں میں بھی باطل کے ساتھ موافقت یا مصالحت جائز نہیں، نہ خاموشی اختیار کرنا جائز ہے، گمراہ کی غلطی کھول کر بیان کرنا ضروری ہے، تاکہ لوگ اس سے بچیں، ورنہ حق کا نقصان ہوگا، اہل حق خاموش رہیں گے اور باطل بڑھتا چلا جائے گا۔

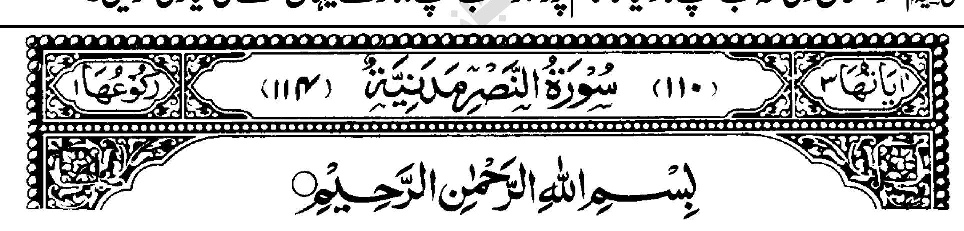
سورت کا ترجمہ: —— کہہ دو! اے اسلام کے منکرو! میں (فی الحال) ان مورتیوں کو نہیں پوجتا جن کو تم پوجتے ہو، اور نہ تم اس اللہ کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں، اور نہ میں (آئندہ) ان مورتیوں کی پوجا کروں گا جن کی تم پوجا کرتے ہو، اور نہ تم اس اللہ کی عبادت کروگے جس کی میں عبادت کرتا ہوں، تمہارے لئے تمہارا دھرم ہے اور میرے لئے میرا دین! —— یہ پیشین گوئی آج تک پوری ہورہی ہے اور قیامت تک ایسا ہی ہوگا، نہ مسلمان مندروں میں جاتے ہیں، نہ غیر مسلم مسجدوں میں آکر ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النصر

سورۃ الکافرون کے بعد یہ سورت اس لئے ہے کہ اگر امتِ مسلمہ اپنے موقف پر استوار رہے، کفر کی طرف ڈھل نہ جائے تو ایک دن اللہ کی مدد ان کے قدم چومے گی، مکی زندگی کے تیرہ سال اور مدنی زندگی کے آٹھ سال امت پُر آشوب دور سے گذری ہے، پھر اللہ کی مدد آئی اور مکہ فتح ہوا، قرآنِ کریم نے بہت پہلے اس کی خبر دیدی تھی، سورۃ الصّف میں ہے: ﴿وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾: اور ایک (دنیوی) ثمرہ جس کو تم پسند کرتے ہو (یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور جلد حاصل ہونے والی فتح (مراد فتح مکہ ہے) اور آپ مؤمنین کو خوش خبری سنا دیں (کہ فتح ونصرت کا ظہور جلد ہونے والا ہے) مگر دنیا دار الاسباب ہے، یہاں ہر چیز اسباب ومسببات کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہے، اس لئے جب اسباب مہیا ہوئے مکہ مکرمہ فتح ہوا، سنہ ۸ ہجری میں اللہ کی مدد آئی، اس کے بعد یہ سورت نازل ہوئی، اور نبی ﷺ کو اطلاع دی کہ اب آپ کا دنیا کا کام پورا ہوا، اب آپ ہمارے یہاں آنے کی تیاری کریں۔



اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴿۱﴾ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴿۲﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾ ع

اِذَا جَآءَ	جب آجائے	يَدْخُلُوْنَ	داخل ہو رہے ہیں	بِحَمْدِ	تعریف کے ساتھ
نَصْرُ اللّٰهِ	اللہ کی مدد	فِيْ دِيْنِ	دین میں	رَبِّكَ	اپنے رب کی
وَالْفَتْحُ	اور مکہ کی فتح	اللّٰهِ	اللہ کے	وَاسْتَغْفِرْهُ	اور گناہ بخشوائیں اس سے
وَرَاَيْتَ	اور آپ دیکھیں	اَفْوَاجًا	گروہ گروہ	اِنَّهٗ كَانَ	بے شک وہ ہیں
النَّاسَ	لوگوں کو	فَسَبِّحْ	پس پاکی بولیں آپ	تَوَّابًا	بڑے معاف کرنے والے

عربوں کی نظر کعبہ پر لگی ہوئی تھی

کعبہ شریف عربوں کی مشترک عبادت گاہ تھی، مگر قریش نے اس پر قبضہ جما رکھا تھا، اس وجہ سے عرب قریش کے دین کو صحیح سمجھتے تھے، اور اسلام کی طرف مائل نہیں تھے، مگر جب سنہ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوگیا، اور ہوازن نے بھی زور آزمالیا تو اسلام کا اقتدار مکہ پر مضبوط ہوگیا، اور عربوں کو یقین آ گیا کہ اسلام برحق مذہب ہے، ورنہ اس کا کعبہ پر قبضہ نہ ہوتا، چنانچہ فتح مکہ کے بعد قبائلِ عرب گروہ گروہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے، تب یہ سورت نازل ہوئی، اور اس میں اشارہ دیا کہ نبی ﷺ کا دنیا کا کام پورا ہوا، سورۃ جمعہ میں آپؐ کی امت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اور امیوں میں کام کی ذمہ داری آپؐ کی قرار دی ہے، یہ کام پورا ہوا، لہٰذا آپؐ اللہ کی ملاقات کی تیاری شروع کریں، تسبیح وتحمید میں لگیں اور اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو اپنی رحمت میں چھپالیں، یہ استغفار کا حاصل ہے۔

سورت کا ترجمہ: جب اللہ کی مدد آجائے اور مکہ فتح ہوجائے، اور آپؐ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں گروہ گروہ داخل ہورہے ہیں تو آپؐ اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ پاکی بیان کریں اور اس سے گناہ بخشوائیں، بلاشبہ وہ بہت معاف کرنے والے ہیں۔

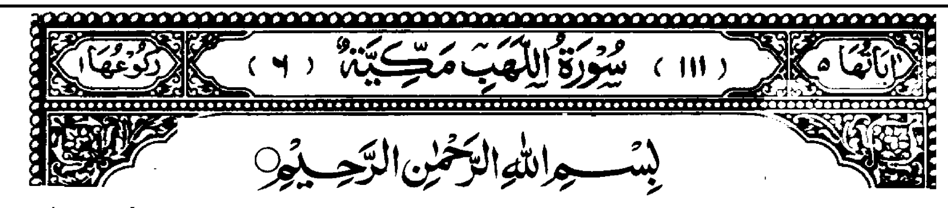
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ اللہب

لہب کے معنی ہیں: آگ کی لپٹ، اور اس سورت کا نام مَسَد بھی ہے، مسد کے معنی ہیں: مونج، یہ ایک گھاس ہے جس کے موٹے رسّے بھی بٹے جاتے ہیں، اور چارپائیوں کا باریک بان بھی بُنا جاتا ہے۔ اور یہ سورت: سورۃ النصر کے بعد اس لئے ہے کہ جب اللہ کی مدد آتی ہے تو اقتدار اعلیٰ کی ہوا اکھڑ جاتی ہے، اس کی ٹینکوں میں کیڑے پڑ جاتے ہیں، اس کا توپ خانہ سرد ہوجاتا ہے، اور میزائل کہیں مارتا ہے اور لگتا کہیں ہے، اور ایسا بے نیاز اللہ تعالیٰ کرتے ہیں جس کا تذکرہ اگلی سورت میں ہے۔

جاننا چاہئے کہ ابولہب حقیقی کردار بھی ہے اور رمزی نام بھی، اور اس کی بیوی ام جمیل بھی حقیقی کردار ہے اور رمزی نام بھی، ابولہب سے ہر متکبر مالدار مراد ہے، اور اس کی بیوی سے اس کے اعوان وانصار مراد ہیں، جیسے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی، حقیقی کردار بھی ہیں اور رمز بھی، کیونکہ یہ مکاتبِ فکر کے نام ہیں، ہر فقہ میں انہیں ائمہ کے اقوال نہیں، ان کے تلامذہ کے اور بعد کے حضرات کے اقوال بھی ہیں، مگر نام ان ائمہ کا استعمال ہوتا ہے، پس یہ حقیقی اشخاص بھی ہیں اور رمزی نام بھی،

اسی طرح ابولہب اور اس کی بیوی کے معاملہ کو سمجھنا چاہئے۔



تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۲ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵

تَبَّتْ (۱)	ہلاک ہوں	مَالُهٗ	اس کا مال	حَمَّالَةَ	ڈھونے والی
يَدَآ (۲)	دو ہاتھ	وَمَا كَسَبَ	اور جو کمایا اس نے	الْحَطَبِ	سوختہ
اَبِيْ لَهَبٍ	ابولہب کے	سَيَصْلٰى	اب داخل ہوگا وہ	فِيْ جِيْدِهَا	اس کی گردن میں
وَّتَبَّ	اور وہ ہلاک ہو	نَارًا	آگ میں	حَبْلٌ	رسّی ہے
مَآ اَغْنٰى	نہیں کام آیا	ذَاتَ لَهَبٍ	لپٹ والی	مِّنْ مَّسَدٍ	مونج کی
عَنْهُ	اس کے	وَّامْرَاَتُهٗ	اور اس کی بیوی (بھی)	۞	۞

اگر تم حق پر ہو، اور کوئی تم کو ناحق ستاتا ہے تو صبر کرو، جلد اس کا انجام تمہارے سامنے آجائے گا

ابولہب کا پورا نام عبدالعزی بن عبدالمطلب ہے، یہ حضور ﷺ کا چچا تھا، یہ خود اور اس کی بیوی ام جمیل آپؐ کو سب سے زیادہ ستاتے تھے، ہر وقت یہ دونوں اسی فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح اسلام ہی ختم ہوجائے، ابولہب اول دن ہی سے حضور علیہ السلام کا دشمن تھا، جب اول اول اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ایمان لانے کا مشورہ دیں اور آخرت کے دن سے ڈرائیں تو آپؐ نے کوہ صفا پر جاکر آواز دی کہ لوگو خطرہ ہے، آپؐ کی آواز پر قریش پہاڑ کے نیچے اکٹھے ہوگئے، آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ ایک دشمن تم پر چڑھ آیا ہے اور حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم یہ بات سچ سمجھو گے؟ سب نے یک زبان ہوکر کہا: بے شک سچ سمجھیں گے، آپؐ نے فرمایا: دیکھو! میں تم کو آخرت کے عذاب سے ڈرانے آیا ہوں! آپؐ کی اس دعوت پر ابولہب نے گستاخی کے ساتھ کہا: کیا تو نے اسی لئے ہم کو بلایا تھا، تیرے ہاتھ

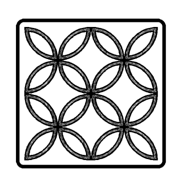
(۱) تبت: مؤنث کا صیغہ ہے، اس لئے کہ ید مؤنث سماعی ہے، اور تَبَّ: مذکر کا صیغہ ہے، تَبَّ الشیئُ: ٹوٹنا، کٹ جانا، ہلاک ہونا۔ (۲) یدان کا نون اضافت کی وجہ سے حذف ہوا ہے۔

ٹوٹیں! یہ کہہ کر تکبر سے ہاتھ مٹکا تا ہوا چلا گیا، پھر جب بنی ہاشم نے طے کیا کہ حضور علیہ السلام کی مدد کی جائے، اس مشورہ میں وہ لوگ بھی شریک تھے جو ابھی حالت کفر میں تھے تو ابولہب نے اسی خاندان کا آدمی ہونے کے باوجود آپؐ کا ساتھ چھوڑ کر قریش کا ساتھ دیا، پھر قریش نے جب بنو ہاشم کا ایک گھاٹی میں بائیکاٹ کیا، اور اس کی باقاعدہ دستاویز لکھی گئی تو ابولہب بھی اس میں شریک تھا، اس بائیکاٹ کا مقصد یہ تھا کہ بنو ہاشم بھوکوں مریں گے تو حضور علیہ السلام کو قریش کے سامنے ڈال دیں گے۔

ادھر حضور علیہ السلام کے نبی ہونے سے پہلے ابولہب نے اپنے دو بیٹوں سے حضور علیہ السلام کی دو صاحبزادیوں کی رقیہ اور ام کلثوم کی منگنی پختہ کر رکھی تھی، جیسے ہی آپؐ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا نکاح کی بات ہی ختم کر دی، تاکہ آپؐ پر اور زیادہ زور پڑے، آپؐ حج کے زمانہ میں جس قبیلے کے پاس بھی جاتے اور دین کی دعوت دیتے، ابولہب پیچھے پیچھے ہو لیتا، اور چلا چلا کر آپؐ کے خلاف بدتمیزی کرتا، اتفاق سے اس کا گھر بھی آپؐ کے دولت کدے سے قریب ہی تھا، اس طرح اور زیادہ ستاتا تھا، بیوی کا بھی یہی حال تھا، خاص طور پر جنگل سے کانٹے باندھ کر لاتی تھی، اور آپؐ کے راستے میں ڈالتی تھی، تاکہ آپؐ کو تکلیف پہنچے، اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی، اور صاف صاف فرما دیا کہ تباہی تو ابولہب کے واسطے ہے، نہ مال کام آئے گا نہ دولت، اور آخرت میں تو دہکتی ہوئی آگ موجود ہے، اس کے لئے بھی اور اس کی بیوی کے لئے بھی، ام جمیل کی موت رسّی سے گلا گھٹ کر ہوئی، اور دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ایک نبی کو ستانے کا انجام کیا ہوتا ہے۔

(ہدایت القرآن کاشفی)

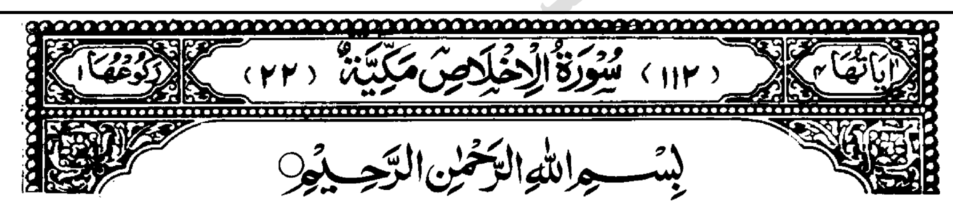
سورت کا ترجمہ: —— ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے، نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی، وہ عنقریب ایک دہکتی آگ میں داخل ہوگا، اور اس کی بیوی بھی لکڑیاں لاد کر لاتی ہے، اس کے گلے میں مونج کی مضبوط بٹی ہوئی رسّی ہے! —— وہ ایک مرتبہ لکڑیوں کا گٹھر اٹھائے آ رہی تھی کہ گٹھر گر گیا اور اس کی رسّی اس کے گلے میں پھنس گئی، جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الاخلاص

اخلاص کے معنی ہیں: جس میں ملاوٹ نہ ہو، یہ سورت اور سورت الکافرون اخلاص کی دو سورتیں ہیں، اس سورت میں عقیدہ میں اخلاص کا بیان ہے اور سورۃ الکافرون میں عبادت میں اخلاص کا بیان ہے، اس سورت کی فضیلت میں ایک حدیث سورۃ الزلزال کے شروع میں گذری ہے، دوسری حدیث میں ہے: ''کیا تم میں سے ایک شخص عاجز ہے اس سے کہ ہر رات میں تہائی قرآن پڑھے؟ جس نے اللہ الواحد الصمد پڑھی اس نے تہائی قرآن پڑھا (ترمذی حدیث ٢٩٠٦) اس کے علاوہ بھی حدیثوں میں اس سورت کے متعدد فضائل آئے ہیں، اس لئے یہ قیمتی سورت ہے اس کا ورد رکھنا چاہئے۔ اور سورۃ اللہب کے بعد یہ سورت اس لئے ہے کہ اقتدار اعلیٰ کو کوئی سرنگوں نہیں کرسکتا، مگر اللہ بے نیاز سب کچھ کرسکتے ہیں اور سورۃ الکافرون سے جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ یہاں پورا ہوگیا، آگے من وجہٍ دوسرا مضمون ہے۔



قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿١﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿٢﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴿٣﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿٤﴾

قُلْ	کہو	اَللّٰهُ	اللہ	وَلَمْ يَكُنْ	اور نہیں ہے
هُوَ(١)	وہ (میرا رب)	الصَّمَدُ(٢)	باہمہ (بے نیاز) ہیں	لَّهٗ	ان کا
اللّٰهُ	اللہ ہے	لَمْ يَلِدْ	نہیں جنا اس نے	كُفُوًا(٣)	ہم سر
اَحَدٌ	بے ہمہ (ایک)	وَلَمْ يُوْلَدْ	اور نہ جنا گیا وہ	اَحَدٌ	کوئی بھی

(١) ھو: کا مرجع رب ہے، جس کا مشرکین نے تعارف چاہا تھا (٢) الصمد: صفت مشبہ ہے: وہ ہستی جس کے سب محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں، بے نیاز، باہمہ، سب کچھ اس کے پاس ہے (٣) کفوًا: اسم جامد: مرتبہ میں برابر، واو ہمزہ سے بدلا ہوا ہے۔

اللہ رب العالمین کی پانچ صفات

مشرکین اپنی مورتیوں کو'ارباب' کہتے تھے، اور قرآن نے اللہ کو رب العالمین کہا، اور مشرکین کے ارباب کو کنڈم کیا، اس پر انھوں نے سوال کیا کہ تمہارا رب کون ہے: جس کو تم مانتے ہو، اور ہمارے ارباب کو بوگس کہتے ہو؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی، اور ان کو بتلایا کہ اسلام اس ہستی کو رب کہتا ہے جس کو تم اسم علم (نام پاک) اللہ سے جانتے ہو، اللہ اور رب کا مصداق ایک ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات ذکر کیں:

۱-**أحد:** یگانہ، اکیلا، مشرکین کے بے شمار ارباب ہیں، اسلام کا رب: اللہ کی طرح ایک ہے۔

۲-**صمد:** بے نیاز، باہمہ، جس کے پاس سب کچھ ہے، سب اس کے محتاج ہیں، اور وہ کسی کا محتاج نہیں، اور مشرکین کے ارباب کمزور ہیں، اس لئے ان کو متعدد خدا ماننے پڑے ہیں۔

۳-**لم یلد:** اس نے کسی کو جنا نہیں، پس وہ أبو فلانٍ نہیں، عربوں کے یہاں یہ کنیت ہوتی تھی۔

۴-**لم یولد:** وہ جنا نہیں گیا، یعنی اس کے ماں باپ نہیں، پس وہ ابنُ فلانٍ بھی نہیں، عربوں کے یہاں یہ بھی کنیت ہوتی تھی۔

۵-**لم یکن لہ کفوًا أحد:** کوئی اس کے برابر کا نہیں، پس اس کا کوئی شریک و سہیم بھی نہیں، وہ اکیلا ہے اپنی ذات میں بھی اور صفات میں بھی، اور وہ سب سے برتر و بالا ہے۔

فائدہ: أحد میں مجوس کے عقیدہ کا رد ہے، وہ دو خالق مانتے ہیں، خیر کے خالق کو یزداں اور شر کے خالق کو اہرمن کہتے ہیں، نیز ہنود کی بھی تردید ہوگئی، وہ کروڑوں دیوتاؤں کو خدائی میں شریک مانتے ہیں —— اور صمد سے ان جاہلوں کا رد ہوگیا جو اللہ کے علاوہ کو کسی درجہ میں مستقل اختیار رکھنے والا سمجھتے ہیں —— اور لم یلد ولم یولد سے یہود و نصاریٰ کی تردید ہوگئی، یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، نیز مشرکین عرب کا بھی رد ہوگیا وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں —— اور آخری آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو کسی صفت میں کسی مخلوق کو اللہ کا ہم سر ٹھہراتے ہیں۔

سورت کا ترجمہ: آپؐ (مشرکین کو) جواب دیں کہ وہ (میرا رب) ایک اللہ ہے، اللہ بے نیاز ہے —— **أحد:** اور **صمد:** دو صفتیں ساتھ نہیں لائے، کلام فصیح نہ رہتا، اس لئے مبتدا اللّٰہ کو لوٹا کر دوسری صفت کو خبر بنایا —— اس کی کوئی اولاد نہیں، نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

❁ ❁ ❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس

یہ دونوں سورتیں ایک واقعہ میں ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں، ان میں یہ مضمون ہے کہ ظاہری دشمن سے تو تیر وتفنگ سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے، مگر پانچ چھپے دشمن ہیں، ان سے مقابلہ کی کوئی صورت نہیں، بس ایک ہی صورت ہے کہ بے نیاز اللہ کی پناہ لی جائے (یہ سورۃ الاخلاص سے ربط ہوا)

ایک مقولہ: کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا: اگر اللہ تعالیٰ پوری کائنات کو تیر کمان بنا کر چلائیں تو اس سے کیسے بچا جائے؟ بزرگ نے جواب دیا: تیر چلانے والے کے بغل میں چلے جاؤ! اس کے تیر سے بچ جاؤ گے۔

ان پانچ مخالفین میں سے چار کا ذکر سورۃ الفلق میں ہے، وہ نسبۃً چھوٹے مخالف ہیں، اور سب سے بڑے دشمن کا ذکر سورۃ الناس میں ہے، وہ چار مخالف جن کا ذکر سورۃ الفلق میں ہے یہ ہیں:

۱- کوئی بھی مخلوق کسی بھی وقت ضرر پہنچا سکتی ہے، پس اس کے شر سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ لی جائے۔

۲- رات جب چھا جائے اور چاند راتوں میں چاند بھی غروب ہوجائے اور باہر نکلیں تو کسی بھی چیز سے ضرر پہنچ سکتا ہے، اندھیرے میں کیا پتہ چلے گا، پس ان سے اللہ ہی محفوظ رکھیں گے۔

۳- جادوگر کے شر سے بھی اللہ ہی بچاسکتے ہیں، وہ جادو کے ذریعہ انسان کو تباہ کردیتے ہیں۔

۴- حاسدین جب حسد پر اتر آئیں تو اللہ کی پناہ! وہ کچھ بھی کرسکتے ہیں۔

ان چار کے ضرر سے بچنے کی صرف یہی صورت ہے کہ رات کی تاریکی پھاڑ کر صبح کی روشنی نمودار کرنے والے کی پناہ لی جائے، اور پانچواں سب سے بڑا دشمن شیطان ہے، اس سے بھی زبردست اللہ ہی بچاسکتے ہیں، اس کا ذکر اگلی سورت میں ہے۔

سورتوں کا نام: یہ سورتیں مُعَوِّذَتَان (مُعَوِّذَتَيْن) کہلاتی ہیں، یعنی اللہ کی پناہ میں دینے والی دو سورتیں، یہ عَوَّذَ تعویذًا سے اسم فاعل، واحد مؤنث ہے، لوگ غلطی سے واو پر تشدید اور زبر پڑھتے ہیں، یہ اسم مفعول، واحد مؤنث ہے، اس کے معنی ہیں: اللہ کی پناہ میں دیا ہوا، یہ تو بندہ ہے: نہ کہ سورتیں۔ اسی طرح مُعْجِزَة: اسم فاعل، واحد مؤنث ہے، اس کے معنی ہیں: عاجز کرنے والی نشانی، لوگ اس کو جیم کے زبر کے ساتھ بولتے ہیں، جو غلط ہے، عاجز کیا ہوا تو دشمن ہے۔

معوذتین کی اہمیت: یہ دونوں سورتیں رُقیہ (منتر) ہیں، اور دونوں ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں، اور ان کے نزول کا

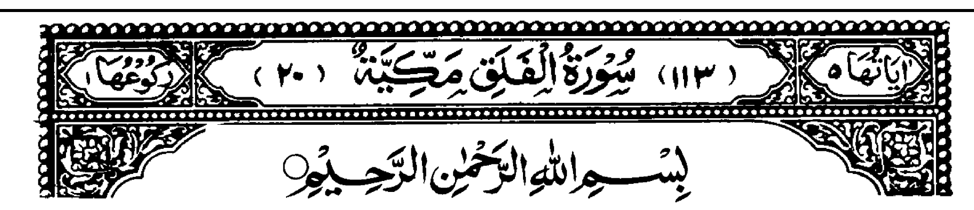
واقعہ یہ ہے کہ لبید (منافق یہودی) اور اس کی بیٹیوں نے نبی ﷺ پر سحر کیا تھا، جس سے آپؐ کو مرض کی سی حالت عارض ہوگئی تھی، آپؐ نے دعا فرمائی تو اللہ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں، اور آپؐ کو سحر کا موقع بتلایا، وہاں سے مختلف چیزیں نکلیں، اور ایک تانت بھی نکلی جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں، ان دونوں سورتوں میں گیارہ آیتیں ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ سورتیں پڑھنے لگے، اور ایک ایک گرہ کھلتی گئی، اور آپؐ بالکل شفایاب ہوگئے۔

سحر کا اثر نبوت کے منافی نہیں: سحر اسبابِ طبعیہ سے اثر کرتا ہے، جیسے بخار آتا ہے یا آگ سے جلتا ہے، یہ نبوت کے منافی نہیں، البتہ سحر اتنا متأثر نہیں کرسکتا کہ کارِ نبوت متأثر ہو، صرف جسمانی عوارض پیدا ہوتے ہیں، آپؐ پر بھی اتنا اثر ہوا تھا کہ ایک کام نہیں کیا اور خیال رہا کہ کرلیا ہے اور طبیعت بجھی بجھی رہنے لگی تھی، یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کی ہے۔

ان سورتوں کے فضائل: مستند احادیث میں ان دونوں سورتوں کے بڑے فضائل آئے ہیں، صحیح مسلم شریف میں ہے: نبی ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: تمہیں کچھ خبر ہے کہ آج رات اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسی آیات نازل فرمائی ہیں کہ ان کی مثل نہیں دیکھی گئی یعنی ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴾ اور ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ اور نسائی کی روایت میں ہے کہ ان سورتوں کو سوتے وقت بھی پڑھا کرو اور پھر اٹھنے کے وقت بھی، ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے ان دونوں سورتوں کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کی تلقین فرمائی (رواہ ابوداؤد والنسائی)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو کوئی بیماری پیش آتی تو آپؐ یہ دونوں سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے سارے بدن پر پھیرتے تھے۔

میرا معمول: میں اکثر مغرب کی سنتوں میں اور فجر کی سنتوں میں یہ دو سورتیں پڑھتا ہوں اور ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ کر بدن پر دم کرتا ہوں۔



قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝۴ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵

قُلْ	کہو	مَا خَلَقَ (۲)	جو پیدا کیا	النَّفّٰثٰتِ (۵)	پھونکنے والوں کی
اَعُوْذُ	پناہ چاہتا ہوں میں	وَمِنْ شَرِّ	اور برائی سے	فِي الْعُقَدِ	گرہوں میں
بِرَبِّ	رب کی	غَاسِقٍ (۳)	شب تار کی	وَمِنْ شَرِّ	اور برائی سے
الْفَلَقِ (۱)	صبح کے	اِذَا وَقَبَ (۴)	جب وہ چھا جائے	حَاسِدٍ	جلنے والوں کی
مِنْ شَرِّ	برائی سے	وَمِنْ شَرِّ	اور برائی سے	اِذَا حَسَدَ	جب وہ حسد کرنے لگے

چار مخالف جن کے شر سے اس سورت میں پناہ چاہنے کا حکم ہے

۱- اللہ تعالیٰ نے بندوں کی حفاظت کے لئے نگران فرشتے مقرر کئے ہیں، سورۃ الرعد (آیت ۱۱) میں ہے: ﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾: اللہ تعالیٰ نے باری باری آنے والے فرشتے انسان کے آگے پیچھے لگا رکھے ہیں جو بحکم الٰہی اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں، ایک شخص چل رہا ہے، ایک بڑے درخت کے نیچے سے گذرا کہ اس کی بڑی شاخ گری، اور وہ بال بال بچ گیا: کس نے بچایا؟ بہ حکم الٰہی فرشتہ نے! دوسرا شخص جا رہا تھا کہ کھڈا سامنے آگیا اور وہ یکدم چوکنا ہوکر رک گیا: کھڈے میں گرنے سے کس نے بچایا؟ بہ حکم الٰہی فرشتہ نے! اس طرح ملائکہ انسان کی آفات سے حفاظت کرتے ہیں، اور ایسا اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، پس اللہ کی پناہ لینی ضروری ہے تا کہ وہ فرشتوں کو حکم دیں اور وہ مخلوقات کی آفات سے بچالیں۔

۲- رات کی گھٹاٹوپ تاریکی میں جب سفر کر رہے ہوں تو کچھ بھی نقصان پہنچ سکتا ہے، کھڈے میں گر سکتے ہیں، کھمبے سے ٹکرا سکتے ہیں، کوئی درندہ یا زہریلا کیڑا ڈس سکتا ہے، ان سے بچنے کی بھی یہی صورت ہے کہ ان کے خالق کی پناہ لی جائے۔

۳- جادوگر آدمی کو تباہ کر دیتے ہیں، عورتوں کا جادو زیادہ خطرناک ہے، اور جادو عام طور پر رات کی تاریکی میں کیا جاتا ہے، انسان نہیں جانتا اور جان بھی نہیں سکتا کہ کون اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے، ان کے شر سے بچنے کا بھی واحد راستہ یہی ہے کہ اللہ کی پناہ طلب کی جائے، جو صبح نمودار کرتا ہے وہ رات کے ضرر سے بھی بچالے گا۔

۴- اربابِ نعمت پر جلنے والے بہت ہوتے ہیں، وہ اللہ کی نعمت کو روک تو سکتے نہیں، چاہتے ہیں کہ کسی طرح وہ نعمت

(۱) الفلق کے اصل معنی ہیں: پھاڑنا، اور فَلَقَ اللّٰہُ الصبحَ کے معنی ہیں: اللہ نے رات کی تاریکی پھاڑ کر صبح کی روشنی نمودار کی۔
(۲) ما: مصدریہ اور موصولہ دونوں ہوسکتے ہیں، ترجمہ موصولہ کا کیا ہے (۳) غاسق: اسم فاعل: غَسَقَ اللیلُ: رات تاریک ہوگئی
(۴) وَقَبَتِ الشمسُ: سورج غروب ہوگیا (۵) النفاثات: سے جماعت یا نفوس یا عورتیں مراد ہیں، اس لئے مؤنث ہے۔

زائل ہوجائے، اس لئے جب حاسد حسد پر اتر آتا ہے تو کردنی ناکردنی کرتا ہے، قتل بھی کرسکتا ہے، زہر بھی دے سکتا ہے اور جادو بھی کرسکتا ہے، ان حاسدین کا پتہ نہیں ہوتا، مگر اللہ تعالیٰ ان کو جانتے ہیں، اس لئے ان کے شر سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ لینی ضروری ہے۔

سورتِ پاک: کہو: میں پناہ لیتا ہوں صبح کے مالک کی —— جو رات کی تاریکی پھاڑ کر صبح کی روشنی نمودار کرتا ہے (۱) ہر مخلوق کی برائی سے —— جو کسی بھی وقت ناگہانی نقصان پہنچائے —— (۲) اور شبِ تار کی برائی سے جب وہ چھا جائے —— اندھیری رات میں مخلوق کے ضرر کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے —— (۳) اور گرہوں میں پھونک مارنے والے (گروہ) کی برائی سے —— یعنی وہ عورتیں یا جماعتیں یا نفوس جو جادو کرتے وقت کسی تانت یا بال یا دھاگے میں کچھ پڑھ کر اور پھونک مار کر گرہ لگایا کرتے ہیں ان کے شر سے بچا —— (۴) اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے —— یعنی حاسد جب عملی طور پر حسد کا اظہار کرنے لگے: اس وقت کی بدی سے حفاظت فرما۔

فائدہ: اگر ایک شخص کے دل میں حسد پیدا ہوا، اور اس نے نفس کو قابو میں رکھا، اور کوئی ایسی ویسی بات نہیں کی تو وہ آیت کا مصداق نہیں ﴿ اِذَا حَسَدَ ﴾ کی قید اسی لئے ہے۔ اور حسد کے معنی ہیں: کسی کی نعمت کا زوال چاہنا، اور یہ آرزو کرنا کہ فلاں کو جو نعمت ملی ہے وہ مجھے بھی مل جائے یہ رشک اور غبطہ ہے اور جائز ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الناس

انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے، شیطان کے معنی ہیں: سرکش، شریر، یہ اسم وصف ہے، اور اس کا اسم علم عزازیل ہے، دوسرا اسم وصف ابلیس ہے، اس کے معنی ہیں: اللہ کی رحمت سے مایوس۔ شیطان نظر نہیں آتا، وہ درپردہ بہکاتا پھسلاتا ہے، جب تک آدمی غفلت میں رہتا ہے اس کا تسلط (قبضہ) بڑھتا رہتا ہے، اور جہاں اللہ کو یاد کیا کہ وہ پیچھے کو ہٹ جاتا ہے۔

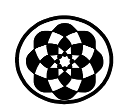
اور شیطان بے شمار ہیں، ہر کافر جن وانس جو مؤمنین کو ورغلائیں شیاطین ہیں، اور عزازیل شیطان اکبر ہے، جس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تھا، دوسرے سرکش جن وانس شیطان اکبر کے چیلے چانٹے ہیں —— جیسے روحوں کو وصول کرنے والے فرشتے بے شمار ہیں، وہ سب ملک الموت (موت کے فرشتہ) ہیں، اور حضرت عزرائیل سب کے سردار ہیں، ان کے حکم کے مطابق دوسرے کام کرتے ہیں۔

دونوں سورتوں کے شروع میں قُلْ کی وجہ: زِر بن حبیشؒ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے معوذتین کے بارے میں پوچھا(کہ ان کے شروع میں قُل کیوں ہے؟ جو شخص ان سورتوں سے خود کو یا غیر کو جھاڑے گا وہ أعوذ سے شروع کرے گا، قُلْ کی کیا ضرورت ہے؟) حضرت ابیؓ نے کہا: (یہی بات) میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھی تھی، پس آپؐ نے فرمایا: ''مجھ سے کہا گیا تو میں نے کہا'' یعنی جبرئیلؑ نے پڑھا: قُلْ أعوذ تو میں نے پڑھا قل أعوذ یعنی یہ قل توقیفی ہے، اسی طرح وحی آئی ہے (حضرت ابیؓ کہتے ہیں:) پس ہم کہتے ہیں جیسا رسول اللہ ﷺ نے کہا یعنی ہم بھی اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح نبی ﷺ نے پڑھا ہے۔

معوذتین بالاجماع قرآن کا جزء ہیں: جاننا چاہئے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا قرآن نزول کی ترتیب سے لکھا تھا، جو موجودہ مصحف سے مختلف تھا، موجودہ قرآن لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق ہے، اسی طرح بعض دیگر صحابہ نے بھی اپنے قرآن لکھ رکھے تھے، حدیث: أُنْزِلَ القرآنُ علی سبعةِ أَحْرُفٍ کے ذریعہ جو سہولت دی گئی تھی: اس کی بنیاد پر بعض صحابہ نے تفسیری کلمات بھی مصاحف میں لکھے تھے، اور وہ اس کو پڑھتے بھی تھے، کتابوں میں اس قسم کی بہت روایات ہیں پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں سرکاری ریکارڈ سے، اور اصلی تحریروں سے اور حافظوں کے حفظ سے مقابلہ کر کے مصاحف تیار کئے گئے اور ان کو امصار میں بھیجا گیا تو لوگوں نے جو مختلف قرآن لکھ رکھے تھے وہ طلب کر لئے گئے، اور ان کو دھو کر جلا دیا، مگر زبانی روایتیں باقی رہ گئیں، پس ان میں سے جو متواتر قراءتیں ہیں: وہ تو معتبر ہیں، اور جو شاذ قراءتیں اور روایتیں ہیں ان کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ یہ لغت قریش پر امت کو اکٹھا کرنے سے پہلے کی قراءتیں ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بات کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا، بعد میں امت کا مصاحف پر اجماع ہو گیا، ابن مسعودؓ بھی اس اجماع میں شریک ہیں، کیونکہ کوفی قراء امام عاصم رحمہ اللہ وغیرہ ابن مسعودؓ ہی سے قرآن روایت کرتے ہیں، اور اس میں معوذتین ہیں، اور ابن مسعودؓ نے جو بات کہی تھی کہ معوذتین رقیہ (منتر) ہیں، یعنی ان کا نزول خاص اسی مقصد سے ہوا ہے اس لئے ابن مسعودؓ نے ان کو اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا۔ واللہ اعلم

سوال: جنات بھی مکلّف مخلوق ہیں، ان کو کون گمراہ کرتا ہے؟ ان کے دلوں میں وسوسے کون ڈالتا ہے؟

جواب: شیاطین الجن ہی ان کو بہکاتے ہیں، وہی ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں، جیسے شیاطین الانس انسانوں کو بہکاتے ہیں اور غلط راہ پر ڈالتے ہیں۔





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿١﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿٢﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿٣﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿٤﴾ الَّذِیْ يُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿٥﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿٦﴾

قُلْ	کہیں:	اِلٰهِ	معبود کی	يُوَسْوِسُ	خیال ڈالتا ہے
اَعُوْذُ	پناہ لیتا ہوں میں	النَّاسِ	لوگوں کے	فِیْ صُدُوْرِ	سینوں میں
بِرَبِّ	پالنہار کی	مِنْ شَرِّ	برائی سے	النَّاسِ	لوگوں کے
النَّاسِ	لوگوں کے	الْوَسْوَاسِ (١)	بہکانے والے	مِنَ الْجِنَّةِ (٣)	جنات میں سے
مَلِكِ	بادشاہ کی	الْخَنَّاسِ (٢)	پیچھے ہٹ جانے والے کی	وَالنَّاسِ	اور انسانوں میں سے
النَّاسِ	لوگوں کے	الَّذِیْ	جو	❁	❁

دینی مضرت سے بچنا دنیوی مضرت کی بہ نسبت اہم ہے

سورۃ الفلق میں دنیوی مضرتوں سے پناہ طلب کرنے کا حکم تھا، اس سورت میں دینی مضرت سے پناہ مانگنے کا حکم ہے، اُس سورت میں چار دنیوی مضرتوں کا ذکر تھا، اِس میں ایک ہی دینی مضرت کا بیان ہے، اس سے اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے، اور وہاں اللہ کی ایک صفت (رَبُّ الفلق) کا ذکر تھا اور یہاں تین صفات ذکر کی ہیں: رَبّ الناس، مَلِك الناس اور آلٰه الناس یہ بھی مستعاذ منہ کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے، اور تینوں صفتوں میں تعلق یہ ہے کہ پالنہار بھی، بادشاہ بھی اور معبود بھی اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے، اور ان تین صفات کے ساتھ ایک چیز سے پناہ مانگی گئی ہے یعنی جو بھی انسان کو بہکاتا ہے، گمراہ کرتا ہے، خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائیں (آمین)

سوال: قاعدہ ہے کہ اسم ظاہر ایک مرتبہ ذکر کرنے کے بعد اس کی طرف ضمیر لوٹائی جاتی ہے، بار بار اسم ظاہر نہیں لایا جاتا، جبکہ اس سورت میں پانچ مرتبہ الناس آیا ہے: ایسا کیوں ہے؟

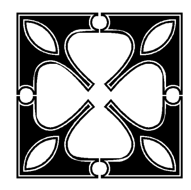
(١) الوسواس: مصدر بمعنی اسم فاعل ہے: دل میں برا خیال ڈالنے والا (٢) الخناس: اسم مبالغہ: خَنَسَ (ن) خُنُوْسًا: پیچھے ہٹنا (٣) الجنة: یا تو جِنّ جمع ہے یا تاء مبالغہ کے لئے ہے اور جنّ اور جنة ایک ہیں۔

جواب: یہ قاعدہ کلام میں حسن پیدا کرنے کے لئے ہے، بار بار اسم ظاہر لائیں گے تو کلام میں تکرار محسوس ہوگی اور کلام فصاحت سے گر جائے گا، اس لئے ضمیر لاتے ہیں، مگر کبھی اسم ظاہر کو بار بار لانے سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے، یہاں ایسا ہی موقع ہے، آپ **الناس** کی جگہ **ھم** ضمیر رکھ کر پڑھیں کلام پھیکا پڑ جائے گا، پس اسی قاعدہ کے مقتضی سے **الناس** بار بار آیا ہے۔

سورتِ پاک: آپ کہیں: میں لوگوں کے پالنہار کی، لوگوں کے بادشاہ کی اور لوگوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں بہکانے والے پیچھے ہٹ جانے والے کی برائی سے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، خواہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے!

قرآنِ کریم ہدایت کی دعا سے شروع ہوا ہے، اور ہدایت میں رخنہ ڈالنے والے سے اللہ کی پناہ طلب کرنے پر ختم ہوا ہے پس ابتدا اور انتہا ہم آہنگ ہیں

﴿بحمدہ تعالیٰ یکم محرم الحرام ۱۴۳۸ھ = ۳/۱۰اکتوبر ۲۰۱۶ء بروز پیر تفسیر پوری ہوئی﴾



تفسیر ہدایت القرآن کی تفصیلات

پارہ عَمَّ	از حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمہ اللہ
جلد اول پارہ ۱ تا ۴	از حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمہ اللہ
جلد دوم پارہ ۵ تا ۸	از حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمہ اللہ
جلد سوم پارہ ۹ تا ۱۱	از حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ
جلد چہارم پارہ ۱۲ تا ۱۴	از حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ
جلد پنجم پارہ ۱۵ تا ختم سورۃ المؤمنون	از حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ
جلد ششم از سورۃ النور تا ختم پارہ ۲۲	از حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

(۱) تحفۃ الألمعی شرح سنن الترمذی: یہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کے دروسِ ترمذی کا مجموعہ ہے، آٹھ جلدوں میں طبع ہو چکا ہے، جو ترمذی شریف مع شمائل ترمذی کی شرح پر مشتمل ہے، شرح کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں مدارکِ اجتہاد بیان کئے گئے ہیں، نیز ترمذی شریف کی عبارت صحیح اعراب کے ساتھ دی گئی ہے، شروع میں کتاب العلل کی شرح بھی ہے، جو ایک قیمتی سوغات ہے۔

(۲) تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری: یہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کے درسِ بخاری کا مجموعہ ہے، بارہ جلدوں میں طبع ہو کر منظر عام آ چکا ہے، شرح کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں خاص طور پر ابواب کو حل کیا گیا ہے، بخاری شریف کی عبارت صحیح اعراب کے ساتھ دی گئی ہے۔

(۳) رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ —— حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت پر شرعیہ کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' اپنی نظیر آپ ہے۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ نے نہایت محنت کے ساتھ اس کتاب کی شرح لکھی ہے۔ یہ شرح پانچ جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔ کتابت روشن اور واضح ہے، کاغذ نہایت اعلی اور قیمتی ہے، طباعت بھی بہت عمدہ ہے۔

آسان صرف تین حصے	آسان نحو دو حصے	الفوز الکبیر	سنت کی عظمت	فیض المنعم
ڈاڑھی انبیاء کی سنتیں	کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے	آسان منطق	آسان فارسی دو حصے	معین الفلسفہ
عصری تعلیم اور تقاضے	طرازی شرح سراجی	محفوظات تین حصے	آپ فتوی کیسے دیں؟	گنجینۂ صرف